اِنَّ مِنَ الْبَیَانِ لَسِحْرًا

اِصلاحی تقریریں

عمل پر اُبھارنے والی عام فہم اور فکر انگیز تقاریر
علماء، خطباء اور عوام کے لیے یکساں مفید

جلد سوم

- موجودہ فتنے اور اُن کا حل
- چھ افضل اعمال
- تین آسان نیکیاں
- محبتِ رسول اور اُس کے تقاضے
- تقدیر پر ایمان اور اُس کے فوائد
- اسلام میں غلامی کا تصور
- صدقہ کرنے کے آسان طریقے
- فضول خرچی اور اُسکے خطرناک نتائج
- دو قومی نظریہ
- عقیدۂ ختمِ نبوت اور اُس کا تحفظ

مفتی اعظم پاکستان مولانا محمد رفیع عثمانی مدظلہم

بیت العلوم
۲۰۔ نابھہ روڈ، پُرانی انارکلی لاہور۔ فون: ۷۳۵۲۴۸۳

اِصلاحی تقریریں

عمل پر اُبھارنے والی عام فہم اور فکر انگیز تقاریر
علماء، خطباء اور عوام کے لیے یکساں مفید

جلد سوم

مفتی اعظم پاکستان مولانا محمد رفیع عثمانی مدظلہم

مُرتبین:
مولانا اعجاز احمد صمدانی
مولانا محمد ناظم اشرف

بیت العلوم
۲۰- نابھہ روڈ، پرانی انارکلی لاہور۔ فون: ۷۳۵۲۴۸۳

کتاب:	اصلاحی تقریریں
تقاریر:	حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب مدظلہ
ضبط وترتیب:	محمد ناظم اشرف (فاضل جامعہ دارالعلوم کراچی)
	مولانا اعجاز احمد صمدانی (فاضل جامعہ دارالعلوم کراچی)
جلد:	سوم
باہتمام:	محمد ناظم اشرف
ناشر:	بیت العلوم۔ ۲۰ نابھہ روڈ، پرانی انارکلی لاہور
	فون: ۷۳۵۲۴۸۳

﴿ملنے کے پتے﴾

بیت العلوم	=	۲۰ نابھہ روڈ، پرانی انارکلی، لاہور
ادارہ اسلامیات	=	۱۹۰ انارکلی، لاہور
ادارہ اسلامیات	=	موہن روڈ چوک اردو بازار، کراچی
مکتبہ سید احمد شہید	=	الکریم مارکیٹ، اردو بازار، لاہور
مکتبہ دارالعلوم	=	جامعہ دارالعلوم، کورنگی کراچی نمبر۱۴
دارالاشاعت	=	اردو بازار کراچی نمبر۱
بیت القرآن	=	اردو بازار کراچی نمبر۱
ادارۃ القرآن	=	چوک لسبیلہ گارڈن ایسٹ کراچی
ادارۃ المعارف	=	ڈاک خانہ دارالعلوم کورنگی کراچی نمبر۱۴

﴿پیش لفظ﴾

حضرت مفتی اعظم پاکستان مولانا محمد رفیع عثمانی مدظلہ

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

مجھ جیسے ناچیز کی زبان سے نکلی ہوئی باتیں تو اس قابل بھی نہ تھیں کہ ان کو ''تقریریں'' کہا جاتا، چہ جائیکہ انہیں ''اصلاحی تقریریں'' کا عظیم الشان نام دے کر کتابی شکل میں شائع کیا جائے۔ لیکن اہل محبت کا حسن ظن ہے کہ وہ ان کو ٹیپ ریکارڈ پر محفوظ کر لیتے ہیں۔

عزیز القدر مولوی محمد ناظم سلمہ نے جو دار العلوم کراچی کے ہونہار فاضل، اور ''جامعہ اشرفیہ لاہور'' کے مقبول استاذ ہیں، کئی سال سے ان ٹیپ شدہ تقریروں کو ضبط تحریر میں لاکر اپنے ادارے بیت العلوم لاہور سے شائع کرنے کا سلسلہ جاری کیا ہوا ہے اور اب تک اس سلسلے کے تین درجن سے زیادہ کتابچے شائع کر چکے ہیں، اور اب ان میں سے کچھ مطبوعہ کتابچوں کا ایک مجموعہ ''اصلاحی تقریریں'' کے نام سے شائع کر رہے ہیں۔

یہ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ ماشاء اللہ انہوں نے ٹیپ ریکارڈ سے نقل کرنے میں بڑی کاوش اور احتیاط سے کام لیا ہے اور ذیلی عنوانات بڑھا کر ان کی افادیت میں اضافہ کردیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی اس محنت کو شرفِ قبولیت سے نوازے اور ان کے علم وعمل اور عمر میں برکت عطاء فرمائے، اور اس کتاب کو قارئین کے نافع بنا کر ہم سب کے لئے صدقہ جاریہ بنادے اور ''بیت العلوم'' کو دینی اور دنیاوی ترقیات سے مالا مال کردے۔

واللہ المستعان

بسم اللہ الرحمن الرحیم

﴿عرض ناشر﴾

مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب مدظلہ ملک و بیرون ملک ایک جانی پہچانی علمی اور روحانی شخصیت ہیں۔ آنجناب ملک کی مشہور دینی درسگاہ ''دارالعلوم کراچی'' کے مہتمم اور اسلامی نظریاتی کونسل کے ایک فعال ممبر ہونے کے علاوہ کئی جہادی، اصلاحی اور تعلیمی تنظیموں کے سرپرست ہیں۔ آپ مفسر قرآن مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ کے فرزند ارجمند اور عارف باللہ حضرت ڈاکٹر عبدالحیٔ عارفی صاحبؒ کے ممتاز اور اخص الخواص خلفاء میں سے ہیں۔

ان تمام خوبیوں کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ نے حضرت مفتی صاحب مدظلہ کو حسن خطابت سے خوب خوب نوازا ہے۔ ہر موقعہ پر پر اثر اور دلنشین پیرائے میں ہر سطح کے سامع کو بات سمجھانا حضرت کا خصوصی کمال ہے جو اس قحط الرجالی کے دور میں کہیں کہیں نظر آتا ہے۔ پھر بزرگوں کی صحبت کی برکت سے لوگوں کی اصلاح کا جذبہ کہ کسی طرح لوگ روحانی طور پر درست ہوجائیں حضرت کے بیانات کا لازمی حصہ ہے۔ گویا حضرت کے خطبات و بیانات شریعت وطریقت کا ایک حسین امتزاج ہوتے ہیں۔ جن میں عالمانہ تحقیق، فقیہانہ نکتہ وری کے ساتھ ساتھ، ایک بلند پایہ صوفی، مصلح اور مربی کی سوچ بھی جلوہ نما ہوتی ہے۔

الحمدللہ ''بیت العلوم'' کو یہ شرف حاصل ہوا کہ پہلی مرتبہ حضرت کے ان

اصلاحی ، پرمغز اور آسان بیانات کو حضرت مفتی صاحب مدظلہ کے تجویز کردہ نام''اصلاحی تقریریں'' کے نام سے شائع کر رہا ہے۔ اصلاحی تقریریں جلد اول و دوم کی غیر معمولی مقبولیت کے بعد اب جلد سوم آپ کے سامنے ہے۔ جس میں حضرت کے کچھ بیانات لاہور، کراچی اور دوسرے ملکی و غیر ملکی مقامات کے شامل ہیں۔ اس کتاب کی ضبط وترتیب میں مولانا اعجاز احمد صمدانی (فاضل جامعہ دارالعلوم کراچی) نے میری معاونت فرمائی ہے۔ اس میں حتی الوسیع ضبط وترتیب کا خیال رکھا گیا ہے اور آیات واحادیث کی تخریج بھی کردی گئی ہے، پھر بھی اگر کوئی غلطی نظر سے گزرے تو براہ کرام مطلع فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ'' بیت العلوم'' کی اس کاوش کو قبول فرمائے اور ہم سب کو عمل کی توفیق عطا فرمائے اور حضرت مفتی صاحب مدظلہ کو صحتِ عافیت عطا فرمائے تاکہ ہم حضرت کے بیانات سے زیادہ سے زیادہ مستفید ہوسکیں۔

آمین

والسلام

﴿محمد ناظم اشرف﴾

مدیر'' بیت العلوم''

فہرست

	﴿صدقے کی آسان قسمیں﴾	

موجودہ فتنے اور اُن کا حل

موضوع: موجودہ فتنے اور ان کا حل
بیان: حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب مدظلہ
مقام: مدرسۃ البنات جامعہ دارالعلوم کراچی
ضبط وترتیب: مولانا اعجاز احمد صمدانی (فاضل جامعہ دارالعلوم کراچی)
باہتمام : محمد ناظم اشرف

بسم اللہ الرحمن الرحیم

﴿موجودہ فتنے اور ان کا حل﴾

خطبہ مسنونہ

الحمد للّٰہ نحمدہٗ و نستعینہٗ و نستغفرہٗ و نؤمن بہ و نتوکل علیہ و نعوذ باللّٰہ من شرورِ انفسنا و مِن سیئاتِ اعمالنا، من یھدہ اللّٰہ فلا مضل لہ ومن یضللہٗ فلا ھادی لہٗ و نشھد ان لا الہ الّا اللّٰہ وحدہٗ لا شریك لہٗ و نشھد أنّ سیّدنا و مولانا محمّدًا عبدہٗ ورسولہٗ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ و علیٰ آلہ و صحبہ اجمعین وسلم تسلیمًا کثیراً کثیراً۔

تمہید

بزرگانِ محترم اور برادرانِ عزیز! پچھلے چار ہفتے میرے طویل سفر میں گذر گئے[1]۔ طویل غیر حاضری کے بعد حاضر ہوا ہوں۔ اِس وقت دل میں یہ تقاضا پیدا ہوا کہ قرآن و سنت نے موجودہ حالات اور فتنوں کا جو حل بتلایا ہے، وہ آپ کے سامنے پیش کروں۔

[1] حضرت مدظلہم کا یہ سفر اٹھائیس دنوں پر مشتمل تھا جو کہ کئی ممالک مثلاً امریکہ، جرمنی، فرانس، اٹلی وغیرہ پر مشتمل تھا۔ م

یہ فتنوں کا دور ہے

یہ آخری دور ہے۔ اس میں فتنوں کی بھرمار ہے۔ ہر قسم کے فتنے موجود ہیں۔ اور یہ وہ فتنے ہیں جن کی پیشین گوئی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرما رکھی ہے۔ لہٰذا وہ مسلمان جنہیں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کا کچھ علم ہے، ان کے لیے یہ فتنے اچھے نہیں ہیں۔

اِن فتنوں کا آغاز کب ہوا؟

اِن فتنوں کا آغاز تو آج سے چودہ سو سال پہلے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی خلافت کے آخری دور سے شروع ہو گیا تھا۔ رفتہ رفتہ یہ فتنے بڑھتے چلے گئے۔ یہاں تک کہ ہمارا دور آ گیا۔ یہ دور زبردست فتنوں کا دور ہے۔ موجودہ دور میں موجود فتنوں کی خبر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑی تفصیل سے دے رکھی ہے۔ آپ نے بتلا دیا تھا کہ کیا کیا ہونے والا ہے۔ وہ سب کچھ ہو رہا ہے۔

موجودہ فتنوں کے متعلق آنحضرت ﷺ کی پیشین گوئیاں

آپ ﷺ نے فرمایا تھا کہ "قتل پھیل جائے گا اور نہ مقتول کو پتہ چلے گا کہ مجھے کیوں قتل کیا گیا اور نہ قاتل کو معلوم ہوگا کہ اس نے کیوں قتل کیا"[1]۔ کثرت سے قتل ہونے لگے گا، وہ ہو رہا ہے۔

آپ ﷺ نے فرمایا تھا کہ زنا کی کثرت ہو جائے گی۔ آج زنا دنیا میں پھیل رہا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا تھا کہ سود کا کاروبار اتنا پھیل جائے گا کہ اگر کوئی مومن سود سے بچنا چاہے گا تو سود سے تو بچ جائے گا لیکن اسکے دھویں سے نہیں بچ

سک گا۔ یعنی اس کی بے برکتی اور نحوست سے نہیں بچ سکے گا۔ وہ بھی ہو رہا ہے۔

آپ ﷺ نے فرمایا تھا کہ اس زمانہ میں عورتیں اس طرح کپڑے پہنیں گی کہ پہننے کے باوجود ننگی رہیں گی۔ یعنی کپڑے یا تو اتنے چست ہوں گے کہ ان کے بدن کے نشیب وفراز محسوس ہوں گے یا اتنے باریک ہوں گے کہ اندر سے بدن جھلکے گا۔ یہ بھی ہو رہا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا تھا کہ فسق و فجور پھیل جائے گا، وہ بھی پھیل رہا ہے۔

آپ ﷺ نے فرمایا تھا کہ مسلمانوں میں اختلافات اتنے پھیل جائیں گے کہ ہر شخص اپنی رائے پر گھمنڈ کرے گا، دوسرے کی رائے کی طرف توجہ نہیں دے گا۔ حق بات کی طرف دھیان کم ہوگا، اپنی رائے کی پچ، اپنی رائے پر جمود ہوگا۔ یہ بھی ہو رہا ہے اور اسی وجہ سے یہ اختلافات پھیلے ہوئے ہیں۔ ورنہ یہ اختلافات کافی عرصہ پہلے ختم ہو جاتے۔ دو متکبروں میں کبھی اتحاد نہیں ہوسکتا۔ جب ہر شخص متکبر بن جائے اور اپنی رائے کو صحیح سمجھنے لگے اور کہے کہ میری ہی رائے درست ہے تو وہ کسی اور کے ساتھ اتحاد نہیں کرسکتا۔

آپ ﷺ نے فرمایا تھا کہ میری امت کے اختلافات عروج پر پہنچ جائیں گے، آج امت کے اختلافات بھی زوروں پر ہیں۔

آپ ﷺ نے فرمایا تھا کہ گانا باجہ عام ہو جائے گا، یہ بھی ہو رہا ہے۔ آج کل کانوں کو گانے بجانے والوں اور گانے بجانے والیوں سے بچانا آسان کام نہیں رہا۔ آپؐ نے فرمایا تھا کہ بدعات کی کثرت ہوگی وہ ہوچکی ہے۔[1]

اِن فتنوں کی کیفیت

آپ ﷺ نے فرمایا تھا کہ وہ فتنے سمندر کی موجوں کی طرح ہوں گے۔

---

[1] ان ساری علامات کی تفصیل کیلئے ملاحظہ فرمایئے: الاشاعة لاشراطِ الساعة من ۷ تا ۸۶

سمندر کی موجوں کی کیفیت یہ ہوتی ہے کہ ایک موج آتی ہے، وہ ابھی ختم نہیں ہو پاتی کہ ایک بڑی موج اس کے اوپر آجاتی ہے اور یہ موجیں پے در پے ہوتی ہیں۔

آپ ﷺ نے فرمایا تھا کہ فتنے ایسے ہوں گے کہ بعض فتنے دوسرے فتنوں کو چھوٹا کر دیں گے۔ مطلب یہ ہے کہ ایک فتنہ آئے گا، لوگ سمجھیں گے کہ بہت بڑا فتنہ ہے، بلاشبہ وہ بڑا فتنہ ہوگا لیکن ابھی وہ ختم ہونے نہیں پائے گا کہ اس سے بڑا فتنہ ظاہر ہو جائے گا۔ اور اِس نئے فتنے کے مقابلے میں پہلا فتنہ چھوٹا معلوم ہوگا۔ یہ سب کچھ ہو رہا ہے۔ ایک فتنہ ختم نہیں ہوتا کہ دوسرا شروع ہو جاتا ہے، دوسرا ختم نہیں ہوتا کہ تیسرا آ جاتا ہے اور ہر نئے فتنے کے مقابلے میں پچھلا فتنہ چھوٹا معلوم ہوتا ہے۔

فتنوں کا ایک نیا دور شروع ہونے والا ہے

اس کے علاوہ فتنوں کا ایک دور شروع ہونے والا ہے اور وہ دور قریب آ گیا ہے، یہ دجال کے فتنوں کا دور ہے۔ حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ دنیا کی تاریخ میں اس کے برابر کوئی فتنہ نہیں آئے گا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ فتنہ بھی اب زیادہ دور نہیں رہا اس لئے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس فتنے کے نمودار ہونے سے پہلے آنے والی جو علاماتِ قیامت اور اِس فتنے کی تفصیلات بیان فرمائی ہیں، وہ ظاہر ہو چکی ہیں، اور اس سے پہلے جو واقعات پیش آنے والے تھے، وہ سارے پیش آ چکے ہیں۔

امام مہدی کے ظہور کا انتظار ہے

صرف ایک علامت باقی ہے وہ ہے امام مہدی کا ظہور۔ اب صرف امام مہدی کے ظہور کا انتظار ہے۔ ان کے ظہور سے پہلے جتنے واقعات پیش آنے تھے، وہ

سب پیش آچکے ہیں۔ اب کوئی علامت ایسی نہیں رہی کہ جو امام مہدی کے آنے سے پہلے ظاہر ہونی تھی اور وہ ظاہر نہ ہوئی ہو۔ لہٰذا امام مہدی کا ظہور آج بھی ہوسکتا ہے، کل بھی ہوسکتا ہے اور اس میں سو سال بھی لگ سکتے ہیں۔

دنیا کی عمر

سو سال کا عرصہ دنیا کی عمر کے اعتبار سے کچھ بھی نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ اپنی شہادت کی انگلی اور اس کے ساتھ والی ملا کر فرمایا "بعثت أنا و الساعة کھاتین" [1] (میں اس حالت میں مبعوث ہوا ہوں کہ میرے اور قیامت کے درمیان صرف اتنا فرق ہے جتنا ان دو انگلیوں کے درمیان فرق ہے)۔ یہ معمولی سا فرق ہے۔ شہادت کی انگلی ذرا پہلے ختم ہو جاتی ہے۔ درمیان والی انگلی ذرا آگے جا کر ختم ہوتی ہے۔ گویا دنیا کی پوری عمر کے اعتبار سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے لے کر قیامت تک کا زمانہ اتنا مختصر اور قلیل ہے جتنا شہادت کی انگلی اور درمیان والی انگلی کا درمیانی فاصلہ۔ اس میں چودہ سو سال گذر گئے اور باقی اللہ کو معلوم ہے کہ اس کے علاوہ اور کتنا زمانہ باقی ہے۔

تعیینِ قیامت کا علم صرف اللہ تعالیٰ کو ہے

قیامت کتنے سال بعد آئے گی؟ کس دن اور کس تاریخ کو آئے گی؟ یہ راز اللہ رب العالمین کے علاوہ کسی کو معلوم نہیں اور یہ راز اللہ تعالیٰ نے کسی کو بتلایا بھی نہیں۔ کسی رسول کو بھی نہیں بتلایا اور کسی فرشتے کو بھی نہیں بتلایا۔ روایت میں آتا ہے کہ جبرائیل امین نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر قیامت کے بارے میں سوال کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ جتنی خبر سوال کرنے والے کو ہے،

[1] مشکوٰۃ المصابیح، کتاب الفتن

اس سے زیادہ علم جواب دینے والے کو نہیں[1]۔ (یعنی یہ بتلایا کہ مجھے بھی تم سے زیادہ خبر نہیں)...... لیکن آپ ﷺ کو قیامت کی علامات بتلائی گئی تھیں، اس لئے آپ ﷺ نے ان کو تفصیل سے بیان فرما دیا تھا اور وہ علامتیں ظاہر ہو چکیں۔

غلط فہمی کا ازالہ

لیکن خوب سمجھ لیجئے! اس کا مطلب یہ نہیں کہ چونکہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فتنوں کی خبر دے رکھی تھی اور وہ فتنے ظاہر ہونے تھے اور گناہوں کا بازار گرم ہونا تھا، اس لئے ہم بھی گناہ کرتے رہیں، اور حرام حلال سب ایک کرتے رہیں۔ یہ سمجھنا درست نہیں۔

ایک جماعت حق پر قائم رہے گی

آپ ﷺ نے یہ نہیں فرمایا تھا کہ اس زمانے میں متقی لوگ نہیں ہوں گے۔ بلکہ یوں فرمایا تھا:

﴿لاتزال طائفة من أمتي قائمين على الحق و في رواية رائعين على الحق لا يضرهم من خذلهم﴾

(یعنی) ''میری امت میں سے مسلمانوں کی ایک بہت بڑی تعداد حق پر قائم رہے گی اور انہیں کوئی حق سے ڈگمگا نہیں سکے گا اور انہیں کوئی دوسرا نقصان نہیں پہنچا سکے گا'' یعنی انہیں دبا نہیں سکے گا۔ وہ دباؤ کے بغیر اپنا کام کرتی رہے گی۔

وہ دین کی اشاعت، حفاظت اور اسکی دعوت کا کام کرتے رہیں گے، دنیا کی کوئی طاقت انہیں دبا کر خاموش نہیں کر سکے گی۔ الحمد للہ یہ کام جاری ہے۔ آج اہل

---

[1] مشکوٰۃ المصابیح، ج ا ص اا بحوالہ بخاری ومسلم

اسلام اور مسلمانوں پر شدید دباؤ ہے۔ لیکن اہل حق، حق بول رہے ہیں، دنیا کی کوئی طاقت ان کی زبانوں کو روک نہیں سکی۔

امریکی مسلمانوں کی حق گوئی

میرا یہ سفر ہوا جو کہ امریکہ اور یورپ کے مختلف ممالک کا سفر تھا۔ آپ کو معلوم ہے کہ پوری دنیا پر امریکہ کی دہشت گردی کا رعب بیٹھا ہوا ہے۔ پوری دنیا اس کی دہشت گردی سے خوف زدہ ہے اور اہل دنیا اب یہ محسوس کر رہے ہیں کہ دنیا کا سب سے بڑا ''دہشت گرد'' امریکہ ہے۔ امریکہ کی اِس عالمی دہشت گردی کے باوجود خود امریکہ میں موجود مسلمان حق بات کر رہے ہیں، انہیں امریکہ کی طاقت خاموش نہیں کرا سکی۔ مجلسوں میں کھلے طور پر امریکہ کی پالیسیوں پر تنقید کرتے ہیں اور کوئی مسلمان ان سے خوش نہیں۔ وہ صاف کہتے ہیں کہ یہ کام یہودیوں کا تھا، انہوں نے مسلمانوں پر جھوٹا الزام لگایا ہے۔ دنیا میں کہیں بھی حق کو روکا اور دبایا نہیں جا سکا۔

یورپ جانے والے مسلمانوں میں تبدیلی

ہم نے امریکہ جا کر اپنی آنکھوں سے یہ مشاہدہ کیا ہے کہ ہمارے وہ پاکستانی مسلمان جو امریکہ اور یورپ کی نقالی پر فخر کرتے تھے، اب یورپ میں جا کر انکے اندر زبردست تبدیلیاں آ چکی ہیں۔ وہ لوگ جو یہاں نماز نہیں پڑھتے تھے انہوں نے وہاں جا کر نمازیں شروع کر دیں، جو یہاں داڑھیاں منڈواتے تھے، انہوں نے وہاں جا کر داڑھیاں رکھ لیں، جو عورتیں یہاں پردہ نہیں کرتی تھیں، وہ جا کر پردہ کرنے لگ گئیں۔ آپ امریکہ جا کر دیکھ لیں، آپ کو کتنے ایسے دوست ملیں گے جو یہاں داڑھیاں منڈواتے تھے، وہاں جا کر انہوں نے داڑھیاں رکھ لیں، وہ عورتیں

جو یہاں کبھی پردہ نہیں کرتی تھیں اور ان کے بارے میں تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا کہ وہ کبھی پردہ کریں گی، وہ وہاں ایسا پکا پردہ کرتی ہیں کہ ان کے جسم کا کوئی حصہ نظر نہیں آتا۔ الحمدللہ اب امریکہ، جرمنی، اٹلی، سویٹزرلینڈ، فرانس اور برطانیہ میں پردے نظر آتے ہیں۔

تبدیلی کی وجہ

اِس تبدیلی کی بڑی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے اس کفر کی لعنت کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا ہے۔ جس ننگی تہذیب سے وہ بہت زیادہ مرعوب ہو چکے تھے، اسکی خرابیاں اپنی آنکھوں سے دیکھنے کے بعد انہیں یہ بات سمجھ میں آگئی کہ ہمارے دین نے کتنا عمدہ راستہ بتلایا تھا، یورپ کی نقالی کر کے ہم لوگ بھٹک گئے تھے۔ اب وہ اپنے اصل راستے کی طرف آ رہے ہیں۔

گناہوں سے بچنے کا راستہ کھلا ہوا ہے

لہٰذا معلوم ہوا کہ اگر کوئی شخص گناہوں سے بچنا چاہے گا تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے اِن فتنوں کے دور میں بھی خلاصی کا راستہ نکال دیں گے۔ اِن فتنوں کے باوجود بھی ہمارے لئے گناہوں سے بچنے کا راستہ کھلا ہوا ہے۔ ہم مجبور نہیں ہوئے۔ البتہ تھوڑا سا مشقت کا معاملہ ہو گیا ہے۔ پہلے کے مقابلہ میں اب دین پر عمل کرنا کچھ مشکل ہو گیا ہے۔

ایک اہم پیشین گوئی

ایک مرتبہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پیشین گوئی کرتے ہوئے فرمایا کہ

ایسا زمانہ آنے والا ہے کہ اس دور میں دین پر قائم رہنا اتنا مشکل ہو جائے گا جیسے آگ کا انگارہ پکڑ کر آدمی اپنی مٹھی میں بند کر لے۔ جس طرح انگارے کو مٹھی میں پکڑنا انتہائی تکلیف دہ اور اذیت ناک ہوتا ہے، ایسے ہی دین پر عمل کرنا مشکل ہو جائے گا[1]۔ ابھی وہ مشکل وقت تو نہیں آیا لیکن اس کے آثار ظاہر ہو رہے ہیں اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ بعض لوگوں کے ساتھ ایسی صورت بھی پیش آئی ہو۔

فتنوں کے دور میں نیک اعمال کی عظیم فضیلت

لیکن اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی ثابت ہے کہ ان فتنوں کے دور میں نیک اعمال کا اجر بہت بڑھ جائے گا چنانچہ ایک حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اس دور میں ایک شخص کا نیک عمل پچاس صحابہ کے نیک عمل کے برابر ہوگا۔ غور فرمایئے یہ کتنی عظیم فضیلت ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد اس زمین و آسمان نے اتنے عظیم انسان نہیں دیکھے جتنے کہ صحابہ کرام تھے۔ بڑے سے بڑا ولی، بڑے سے بڑا امام، مجتہد اور فقیہ ادنیٰ سے ادنیٰ صحابی کی ادنیٰ سے ادنیٰ فضیلت کو نہیں پہنچ سکتا۔ اللہ رب العزت نے صحابہ کرام کو بہت عظیم مقام دیا ہے لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اِس حدیث سے معلوم ہو رہا ہے کہ فتنوں کے دور میں دین پر قائم رہنے والوں میں سے ہر ایک کو پچاس، پچاس صحابہ کے عمل کے برابر ثواب ملے گا۔

اسلام شروع میں بھی اجنبی تھا اور آخری دور میں بھی اجنبی ہوگا

آپ ﷺ نے ایک مرتبہ ارشاد فرمایا:

﴿انّ الاسلام بدأ غریباً و سیعود کمابدأ فطوبی للغرباء﴾

جب اسلام کا آغاز ہوا تو اِس دنیا میں اجنبی تھا کہ اس کے عقائد اور احکام

[1] ترمذی، باب الفتن رقم الحدیث ۲۲۶۱ "یاتی علی الناس زمان الصابر علی دینه کالقابض علی الجمر"

لوگوں کے لئے اچھنبے کا باعث تھے اور اسلام پر عمل کرنے والے لوگ دنیا میں اجنبی سمجھے جاتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ ان پر مظالم بھی کئے جاتے تھے چنانچہ بلال حبشی رضی اللہ عنہ پر کوڑے برسائے جاتے تھے کہ لا الٰہ اِلَّا اللّٰہ کہنا چھوڑ دو۔ آپ کے پیروکاروں کا سوشل بائیکاٹ کیا جارہا تھا۔ مسلسل تکالیف اور پریشانیوں کا سامنا تھا، یہاں تک کہ وہ مدینہ منورہ ہجرت کرنے پر مجبور ہوئے۔

یہ سب کچھ اس لئے ہوا کہ اسلام اس وقت اجنبی تھا، پوری دنیا اس کے خلاف تھی۔ دین پر قائم مسلمانوں کی تعداد تھوڑی سی تھی ان کی ہر بات اور عمل کو معاشرے میں اجنبی سمجھا جارہا تھا۔

لفظ ''غریب'' کا مطلب

اس وقت بھی اسلام اجنبی تھا اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا کہ وسیعود کمابدأ (اسلام پھر اجنبی ہو جائے گا)۔ حدیث میں ''غریب'' لفظ استعمال ہوا، عربی میں ''غریب'' کا مطلب ہے اجنبی۔ یہ اردو والا غریب نہیں۔ اردو میں تو غریب مفلس کو کہتے ہیں جب کہ عربی میں ''غریب'' اجنبی کو کہتے ہیں۔ تو آخری دور میں اسلام کے اجنبی ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس کے عقائد اور اعمال معاشرے میں اجنبی سمجھے جائیں گے۔ لوگ تعجب سے دیکھیں گے کہ یہ اِس زمانے میں بھی عمل کرتے ہیں۔ آج کل یہ بھی ہو رہا ہے۔

سفر کے دوران پیش آنے والے واقعات

ابھی میرے سفر کے دوران یہ بات کئی بار پیش آئی کہ جب ہم مختلف جگہوں مثلاً ایئرپورٹوں، پارکوں وغیرہ پر نماز پڑھتے۔ اسی طرح شہر کے اندر بھی مختلف جگہوں پر نمازیں پڑھتے تھے تو بعض لوگ ہمیں تعجب سے دیکھتے تھے اور انگلیوں سے ہماری

طرف اشارہ کرتے تھے۔ نماز میں تو ایسا ہوتا ہی تھا، ویسے بھی ہماری شکلیں دیکھ دیکھ کر لوگ ایک دوسرے کو دکھاتے تھے۔ کہیں کہیں بچے ہمیں دیکھ کر ''بن لادن''، ''بن لادن'' کا نعرہ بھی لگاتے تھے۔

یورپی مسلمان ایمان پر مزید پکے ہو چکے ہیں

اب پوری دنیا میں یہ مشہور کر دیا گیا ہے کہ جو لوگ داڑھی رکھنے والے ہوتے ہیں وہ دہشت گرد ہوتے ہیں حالانکہ مشہور کرنے والے خود سب سے بڑے دہشت گرد ہیں۔ ان لوگوں کے غلط پروپیگنڈے کے باجود وہاں کے لوگ اپنے دین پر پختہ ہو گئے ہیں، انہوں نے اپنی روش نہیں بدلی۔ اگرچہ کچھ لوگوں نے یہ غلطی کی کہ اپنی داڑھیاں منڈوا دیں لیکن بھاری اکثریت ایسی ہے جنہوں نے اپنی شکل و ہیئت میں کوئی تبدیلی نہیں کی، ان کے لباس میں کوئی فرق نہیں آیا، بہت سے لوگ ایسے ہیں جو ٹوپی، کرتہ اور پاجامہ پہنتے ہیں اور اِسی لباس میں دفتر جاتے ہیں، وہ ڈرتے نہیں بلکہ اور پکے ہو گئے ہیں اور ایسے بھی لوگ ہیں کہ جو پہلے داڑھیاں نہیں رکھتے تھے لیکن ان واقعات کے بعد جب ان سے چھیڑ چھاڑ کی گئی تو انہوں نے داڑھیاں رکھ لیں۔

ایک عظیم خوشخبری

اور میں آپ کو ایک عظیم خوشخبری سناتا جاؤں۔ وہ یہ کہ اب امریکہ میں اسلام اور زیادہ تیز رفتاری کے ساتھ پھیل رہا ہے۔ پہلے بھی کافی لوگ مسلمان ہو رہے تھے لیکن اِن واقعات کے بعد جب وہاں کے لوگوں نے اپنے ریڈیو اور ٹی وی میں بار بار دیکھا کہ اسلام، مسلمان اور دہشت گردی (Terrorism) کے بارے میں بہت زیادہ کوریج دی جا رہی ہے اور اس کے بارے میں بہت زیادہ شور مچایا جا رہا ہے

تو انہوں نے اسلام کا مطالعہ کرنا شروع کر دیا۔ اب وہاں کے بک سٹالوں پر مذہبی کتابیں ختم ہو چکی ہیں، گاہک زیادہ ہیں، کتابیں کم ہیں۔ بہت زیادہ لوگوں نے اسلام کا مطالعہ کیا اور اس کے نتیجہ میں انہوں نے اسلام قبول کرنا شروع کر دیا ہے۔

اسرائیل کے حق میں یہودیوں کی ریلی

اسی سفر میں واشنگٹن میں میری موجودگی میں وہاں کے یہودیوں نے ایک بہت بڑی ریلی نکالی، تقریباً ایک میل لمبی ریلی ہوگی۔ ہم اس ریلی کو دیکھنے گئے تھے۔ یہ ریلی کے افراد وہاں کی پارلیمنٹ کے سامنے موجود ایک بہت بڑے پارک میں جمع ہوئے، انہوں نے پلے کارڈ اٹھا رکھے تھے، ان پر انگریزی میں لکھا ہوا تھا کہ اسرائیل کو بچاؤ، اسرائیل کی حفاظت کرو۔ حالانکہ یہ وہ زمانہ ہے جب کہ اسرائیل فلسطین کے مسلمانوں پر مسلسل مظالم ڈھا رہا ہے، عورتوں اور بچوں کو شہید کر رہا ہے۔

اس کے جواب میں مسلمانوں کی ریلی

وہاں کے مسلمانوں کو پہلے سے معلوم تھا کہ فلاں دن ریلی نکلنے والی ہے، اس لئے انہوں نے وہاں عیسائیوں کے ساتھ مل کر پروگرام بنایا کہ ریلی نکلنے کے اتنے دنوں بعد ہم بھی ریلی نکالیں گے۔ چنانچہ ایک دو دن کے بعد وہاں ایک بہت بڑا جلوس اسرائیل کے خلاف نکالا گیا۔ ان لوگوں کو جلوس نکالنے سے کوئی روک نہیں سکا۔

اہل حق کیلئے راستہ کھلا ہوا ہے

چنانچہ اس حدیث میں جہاں یہ بتلایا گیا ہے کہ اس دور میں اسلام اجنبی ہو جائے گا، ساتھ ساتھ یہ بھی کہا گیا ہے کہ فطوبیٰ للغرباء (ایسے اجنبی لوگوں کیلئے خوشخبری ہے)۔ تو معلوم ہوا کہ اس دور میں بھی اہل حق کے لئے راستہ کھلا ہوا ہے، انہیں حق پر عمل

کرنے سے کوئی روک نہیں سکے گا۔ البتہ تھوڑے سے عزم و ہمت کی ضرورت ہے۔

موجودہ فتنوں کے دو حل

موجودہ دور کے فتنوں سے بچنے اور ہمارے مسائل کا حل دو چیزیں ہیں۔ پہلی چیز عزم و ہمت ہے۔ اپنے اندر خود اعتمادی پیدا کیجئے، احساس کمتری کو قریب پھٹکنے نہ دیں۔ الحمدللہ ہم حق پر ہیں، ہمارا خدا ایک ہے اور حق ہے، ہمارے خدا نے کوئی بات غلط نہیں کی۔ ہماری کتاب ایک ہے اور حق ہے، اس میں موجود سب کچھ حق ہے، ہمارا رسول ایک ہے اور حق ہے، انہوں نے کوئی غلط بیانی نہیں کی تھی، ہمارا دین ایک ہے اور حق ہے، اس میں غلطی کا کوئی ادنیٰ سا شائبہ بھی نہیں ہے۔ جب ہم حق پر ہیں تو کیوں دبیں؟ دبنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ کسی کے سامنے نہ دبیں، کوئی کتنا ہی مذاق اڑائے، کتنی ہی باتیں کرے، آپ عزم و ہمت کے ساتھ جم جائیں، اپنے دین کو نہ چھوڑیں۔

اور دوسرا علاج یہ ہے کہ ہر قدم پر اللہ رب العزت کی ان فتنوں سے بچنے کی پناہ مانگو۔ جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اِن فتنوں سے پناہ مانگنے کی دعا سکھلائی۔ یہ ایک مختصر سی دعا ہے۔ اسے یاد کر کے خوب اللہ سے یہ دعا مانگیں۔ چلتے، پھرتے، اٹھتے، بیٹھتے یہ دُعا کرتے رہیں۔ یہ دُعا بھی اِن فتنوں کا بڑی حد تک علاج ہے۔ دُعا یہ ہے:

﴿اللّٰهم انّا نعوذُبكَ مِن الفتن مَا ظَهَر مِنها وَمَابَطن﴾

"اے اللہ! ہم آپ کی پناہ مانگتے ہیں اِن فتنوں سے جن میں سے کچھ کھلے ہوئے فتنے ہیں اور کچھ چھپے ہوئے فتنے ہیں"۔

یہ دُعا خود بھی یاد کریں اور اپنے گھر والوں کو بھی یاد کرائیں۔ اور جب بھی

یاد آئے تو یہ دُعا تین مرتبہ پڑھ لیا کریں۔

انشاء اللہ تعالیٰ اگر یہ کام کر لئے گئے تو اللہ رب العزت کی طرف سے حفاظت ہوگی، کوئی آپ کا بال بیکا نہیں کر سکے گا اور آپ کو فتنے میں مبتلا نہیں کر سکے گا انشاء اللہ۔ اللہ رب العزت ہم سب کی اِن فتنوں سے حفاظت فرمائے۔

وآخر دعوانا أنِ الحمدللّه رب العالمين

چھ افضل اعمال

موضوع: چھ افضل اعمال
بیان: حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب مدظلہ
مقام: مدرسۃ البنات جامعہ دارالعلوم کراچی
ضبط و ترتیب: مولانا اعجاز احمد صمدانی (فاضل جامعہ دارالعلوم کراچی)
باہتمام: محمد ناظم اشرف

بسم اللہ الرحمن الرحیم

﴿چھ افضل اعمال﴾

خطبہ مسنونہ

نحمدہٗ و نصلی علی رسولہ الکریم امابعد:

"عن أبی ذر جندب بن جنادہ رضی اللّٰہ عنہ قال: قلت یارسول اللّٰہ، أی الاعمال أفضل؟ قال: الایمان باللّٰہ و الجہاد فی سبیلہ" قلت: أیّ الرقاب أفضل؟ قال: أنفسہا عند أہلہا و أکثرہا ثمناً۔ قلت: فان لم أفعل؟ قال: تعین صانعاً أو تصنع لأخرق"۔ قلت یارسول اللہ ان ضعفت عن بعض العمل۔ قال: تکف شرک عن الناس فانّہا صدقۃ منک علی نفسک"۔ (متفق علیہ)

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کا تعارف:

یہ حدیث حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ حضرت

ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ مشہور صحابی ہیں۔ آپ کا مزاج درویشانہ تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عاشق ذات تھے۔ ان کی ایک خاص بات یہ تھی کہ اپنے پاس کبھی کچھ بچا کر نہیں رکھتے تھے۔ بس ادھر سے مال آیا، ادھر خرچ کر دیا۔ ہر صحابی کی الگ الگ شان ہے۔ ان کی عجیب فقیرانہ شان تھی، ان کے عجیب عجیب واقعات ہیں۔ خود ان کے اسلام لانے کا واقعہ بڑا سبق آموز اور ایمان افروز ہے۔

سب سے افضل عمل: اللہ پر ایمان لانا

انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت اچھے اچھے سوالات کئے۔ جب ان سوالات کے جوابات آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دیئے تو اس کے نتیجے میں بڑا زبردست علم ہم تک پہنچ گیا۔ چنانچہ اِس حدیث میں حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ سلم سے پہلا سوال یہ کیا کہ یارسول اللہ! أی الاعمال افضل؟ (کون سا عمل سب سے زیادہ افضل ہے؟) آپ نے فرمایا: الایمان باللہ (اللہ رب العزت پر ایمان لانا)۔

اللہ رب العزت پر ایمان لانا ایک زبردست عمل ہے۔ اس کے برابر تو کوئی عمل ہو ہی نہیں سکتا۔ یہ ایمان دِل میں ہوتا ہے، یہ دِل کا عمل ہے اور یہ اس قدر عظیم عمل ہے کہ سب زمین و آسمان ایک طرف اور یہ دِل کا عمل ایک طرف، زندگی بھر کے سارے اعمال ایک طرف اور صرف یہ ایک عمل ایک طرف۔ اس لئے اس میں کوئی شک وشبہ نہیں کہ سب سے افضل عمل ایمان باللہ ہے۔

اس ایمان پر اللہ کا شکر ادا کریں

اللہ رب العزت نے ایمان کی یہ دولت ہم سب کو دے رکھی ہے، اس پر

اللہ رب العزت کا شکر ادا کرنا چاہئے، ضعیف سے ضعیف مسلمان، کمزور سے کمزور مسلمان اور گنہگار سے گنہگار مسلمان کے دل میں بھی ایمان موجود ہے، اگر ایمان نہ ہوتا تو وہ کافر ہوتا، اگر ایک شخص جاہل، ان پڑھ، فاسق، فاجر، شرابی، حرام کھانے والا، سارے گناہوں میں ملوث ہے لیکن وہ مسلمان ہے، عقیدہ اس کا ٹھیک ہے، ایمان اس کے پاس ہے تو اس کے پاس اتنا بڑا عمل ہے کہ اس کے برابر کوئی عمل ہی نہیں اور اس میں کوئی شک وشبہ ہی نہیں۔ لہٰذا اس ایمان کی قدر کرنی چاہئے اور اللہ تعالیٰ کا شکر بھی ادا کرنا چاہئے کہ اس نے ہمیں کسی استحقاق کے بغیر، کسی مشقت اور تکلیف کے بغیر، کسی مجاہدے اور ریاضت کے بغیر اور کسی قربانی کے بغیر اتنی بڑی دولت دے رکھی ہے۔

ایمان کی دولت گھر بیٹھے مل گئی

مزید شکر کی بات یہ ہے کہ ایمان کی یہ دولت ہمیں خود بخود مل گئی کہ ہم مسلمانوں کے گھروں میں پیدا ہوئے۔ والدین نے بچپن ہی میں کلمہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ سکھا دیا اور ہمیں ایمان کی دولت مل گئی الحمد للہ الحمد للہ۔ اس پر بھی اللہ کا شکر ادا کریں۔ جب کبھی بھی تصور آئے تو چپکے سے کہہ دیا کریں الحمد للہ۔ خدانخواستہ اگر ہم کسی یہودی کے گھر پیدا ہوتے یا کسی ہندو کے گھر پیدا ہوتے یا کسی عیسائی وغیرہ کے گھر میں پیدا ہوتے تو کیسی جاہلیت میں ڈوبے ہوئے ہوتے۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں مردود ہو جاتے یہ اللہ رب العزت کا کرم ہے کہ اس نے مسلمان ماں باپ کے گھر میں پیدا کیا اور گھر بیٹھے ایمان کی دولت عطا فرمائی۔

ایمان کی قیمت صحابہ سے پوچھو

ورنہ ایمان کی قیمت حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے پوچھئے کہ انہیں ایمان لانے کیلئے کیا کیا پاپڑ بیلنے پڑے۔ ان کے ایمان لانے کا قصہ مشہور ہے۔ بہت سے لوگوں نے سن رکھا ہے کہ ایمان لانے کیلئے انہیں کس طرح مصائب کا سامنا کرنا پڑا، پندرہ روز تک پیاسے رہے۔ اسی طرح حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے بھی سخت مصیبتیں جھیلیں۔ سخت گرمی کے موسم میں مکہ مکرمہ کی سنگر یزوں والی تپتی ہوئی زمین پر کپڑے اتار کر ننگے بدن لٹا دیا جاتا اور اوپر سے کوڑے برسائے جاتے۔

یہاں بیٹھ کر آپ کو تپنے کا اندازہ نہیں ہوسکتا اور نہ پاکستان کے کسی اور حصہ میں اس کا اندازہ ہوسکتا ہے، نہ سندھ وبلوچستان میں اور نہ سرحد وپنجاب میں۔ تپنے کا مطلب مکہ مکرمہ میں جاکر سمجھ میں آئے گا جب جون جولائی کا مہینہ ہوتا ہے تو اس وقت مکہ مکرمہ میں اس قدر شدید گرمی پڑتی ہے کہ اگر تھوڑی دیر کیلئے زمین پر ننگے پاؤں رکھے جائیں تو ان پر آبلے پڑجاتے ہیں۔

بلال حبشی رضی اللہ عنہ پر یہ تشدد اس لئے ہورہا تھا کہ ان سے یہ مطالبہ کیا جاتا تھا کہ اللہ رب العزت کے ایک ہونے کا انکار کرو اور اس پر انہیں اتنے کوڑے مارے جاتے کہ ان کی شدت کی وجہ سے آپ بے ہوش ہوجاتے لیکن جب ہوش آتا تو فرماتے، اُحد، اُحد (اللہ ایک ہے، اللہ ایک ہے)۔

تقریباً تمام صحابہ کرام کا یہی حال ہے۔ صحابہ کی بہت تھوڑی سی تعداد ایسی ہے جو مسلمان گھروں میں پیدا ہوئی اور ماں کی گود میں انہیں کلمہ نصیب ہوا ورنہ صحابہ کرام کی ایک بہت بڑی تعداد وہ ہے جنہوں نے بڑی عمر میں اسلام قبول کیا اور ایمان کے راستے میں مشقتیں برداشت کیں۔ ان صحابہ سے پوچھئے کہ ایمان کی کیا قیمت ہے اور ایمان لانا کتنا مشکل کام ہے۔

دوسرا افضل عمل: جہاد فی سبیل اللہ

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ نے دوسرا سوال یہ پوچھا کہ ایمان کے بعد سب سے افضل عمل کون سا ہے؟ تو آپ نے فرمایا: الجہاد فی سبیل اللہ (اللہ کے راستہ میں جہاد کرنا)

جہاد فی سبیل اللہ بہت بڑا عمل ہے۔ اس میں مشقت بہت زیادہ ہوتی ہے۔ انسان اپنی جان کو داؤ پر لگا کر موت سے پنجہ آزمائی کرتا ہے، موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اس کا مقابلہ کرتا ہے گویا مجاہد کی موت سے کشتی ہوتی ہے جس میں ہر وقت یہ امکان ہوتا ہے کہ یا تو یہ موت کو شکست دے دے گا یا موت اسے شکست دے دیگی۔ انسان کیلئے جان سے زیادہ عزیز کوئی چیز نہیں ہوسکتی، ماں، باپ، بیوی، بچے سب عزیز ہوتے ہیں لیکن اپنی جان کے برابر نہیں ہوتے۔ جہاد ایسا بڑا عمل ہے کہ اس میں مجاہد اپنی سب سے عزیز چیز اللہ کے راستہ میں قربان کردیتا ہے۔

جہاد اور جنگ میں فرق

لیکن یہ جہاد اس وقت ہوگا جب خالص اللہ کی رضا کیلئے ہو، اگر اللہ کی رضا کے علاوہ کوئی اور مقصد پیش نظر ہوتو یہ جہاد نہیں بلکہ جنگ ہوگی لہٰذا اگر کوئی شخص قومیت کیلئے لڑ رہا ہے تو یہ جنگ ہے، زمین کیلئے لڑ رہا ہے تو یہ جنگ ہے، عزت وشہرت کے لئے لڑ رہا ہے تو یہ بھی جنگ ہے، جہاد نہیں، جہاد تو وہ ہے جو شرعی حدود میں رہتے ہوئے اللہ رب العزت کے دین کی سربلندی کیلئے صرف اللہ رب العزت کو راضی کرنے کے جذبے کے ساتھ اللہ کے دشمنوں سے کیا جائے۔

ایک اشکال اور اس کا جواب

یہاں آپ لوگوں کے ذہن میں ایک اشکال پیدا ہو رہا ہوگا کہ اس حدیث میں ایمان کے بعد سب سے افضل عمل جہاد فی سبیل اللہ کو قرار دیا گیا، حالانکہ مشہور یہ ہے کہ ایمان کے بعد سب سے افضل عمل نماز ہے، یہی وجہ ہے کہ قیامت کے روز تمام اعمال میں سے سب سے پہلے نماز کے بارے میں سوال ہوگا، اور ایک دوسری حدیث میں ایمان کے بعد نماز کا سب سے افضل ہونا مذکور بھی ہے تو پھر کیا وجہ ہے کہ اس حدیث میں ایمان کے بعد سب سے افضل عمل ''جہاد'' کو بیان کیا گیا۔

علماء کرام نے اس اشکال کے مختلف طریقوں سے جوابات دیئے ہیں۔ میں ان میں سے ایک جواب عرض کرتا ہوں، وہ یہ کہ ایمان کے بعد جہاد سب سے افضل عمل ہے مشقت کے اعتبار سے اور نماز سب سے افضل عمل ہے اللہ رب العزت کے سامنے تذلل اور انکساری کے اعتبار سے۔ نماز ایک ایسی عبادت ہے کہ جس میں بندہ اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے سامنے سب سے زیادہ ذلیل کرتا ہے، نماز سے پہلے بہت تیاریاں کرتا ہے، مثلاً سب سے پہلے جسم سے ہر قسم کی ناپاکی دور کی، کپڑے پاک کئے، وضو کیا، صاف ستھری جگہ تلاش کی اور پھر تکبیر کہہ اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑا ہوگیا، نہ اِدھر دیکھ سکتا ہے، نہ اُدھر دیکھ سکتا ہے، نہ کھانا نہ پینا اور نہ کسی سے بات چیت کرنے کی اجازت ہے، اسی حال میں رکوع میں پہنچتا ہے اور پھر بالآخر اپنے جسم کا عظیم ترین حصہ پیشانی جسے کسی کے آگے جھکانے کیلئے تیار نہیں، اُسے اللہ رب العزت کے سامنے ٹیک دیتا ہے۔ اس طرح اللہ رب العزت کے سامنے اپنی انتہائی عاجزی اور انکساری کا اظہار کر کے یہ بتلاتا ہے کہ میں نے اپنے آپ کو تیرے سامنے مٹا دیا، تیری عظمت کے سامنے اپنے آپ کو ہیچ کر دیا لہٰذا انکساری اور تذلل کے اعتبار سے ایمان کے بعد سب سے افضل عمل نماز ہے اور مشقت کے اعتبار سے ایمان کے

بعد سب سے افضل عمل جہاد ہے حاصل یہ ہوا کہ ایمان کے بعد نماز بھی سب سے افضل عمل ہے اور جہاد بھی سب سے افضل عمل ہے البتہ دونوں کی حیثیتیں اور وجہیں جدا جدا ہیں۔

تیسرا افضل عمل: عمدہ غلام آزاد کرنا

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ نے تیسرا سوال یہ کیا کہ یارسول اللہ! کون سا غلام آزاد کرنا سب سے افضل عمل ہے، یعنی اگر اللہ تعالیٰ کے راستہ میں کسی غلام کو آزاد کروں تو کون سا غلام آزاد کرنا سب سے افضل ہے؟ آپ نے فرمایا: أنفسها عند أهلها واكثرها ثمناً ''وہ غلام آزاد کرنا سب سے افضل ہے جو مالک کے نزدیک سب سے اعلیٰ درجے کا اور سب سے زیادہ قیمتی غلام ہو''۔

چوتھا افضل عمل: ہنرمند کی مدد کرنا

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ نے پھر سوال کیا اور پوچھا کہ "فان لم أفعل؟ یعنی اگر میں یہ کام نہ کرسکوں تو پھر کون سا عمل سب سے افضل ہے۔ تو آپ نے اس کے جواب میں فرمایا کہ تعين صانعا أوتصنع لأخرق "کسی ہنرمند کی مدد کرو یا کسی بے ہنر کیلئے صنعت کرو"۔

کسی ہنرمند کے ساتھ تعاون کرنا بہت بڑی نیکی کا کام ہے اور اس کی فضیلت اس حدیث سے ظاہر ہے کہ چوتھے نمبر پر اس عمل کو رکھا گیا۔

اسلام دین ہے، مذہب نہیں

میں کہا کرتا ہوں کہ اسلام کوئی مذہب نہیں، قرآن وحدیث میں کہیں بھی

اس کیلئے مذہب کا لفظ استعمال نہیں کیا گیا۔ عیسائیت مذہب ہے، یہودیت مذہب ہے، ہندومت مذہب ہے، اسلام مذہب نہیں بلکہ دین ہے۔ قرآن مجید میں ہر جگہ اسلام کیلئے دین کا لفظ استعمال کیا گیا۔ چنانچہ ایک ارشاد باری ہے:۔

﴿ ان الدین عنداللہِ الاسلام﴾ (آل عمران،۱۹)

ایک اور جگہ ارشاد ہے:

﴿ ومن یبتغ غیر الاسلام دیناً فلن یقبل منہ﴾ (آل عمران،۸۵)

ایک اور جگہ ہے:

﴿الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الإسلام دیناً﴾

(المائدہ،۳)

تو اللہ رب العزت نے ہر جگہ اسلام کو دین ہی کہا ہے، مذہب نہیں کہا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس کا نام دین ہی بتلایا ہے۔

مذہب اور دین میں فرق

مذہب اور دین میں فرق ہے۔ مذہب چند عقائد، کچھ عبادات اور کچھ اخلاقیات کا مجموعہ ہوتا ہے اس میں تجارت و معیشت کا ذکر نہیں ہوتا، زراعت وکاشتکاری کے احکام نہیں ہوتے، سیاست اور حکومت کے مسائل نہیں ہوتے، اس میں عدالت اور انصاف قائم کرنے کے طور وطریقے بیان نہیں کیے جاتے، اس میں دوسری اقوام کے ساتھ تعلقات رکھنے کے قوانین مذکور نہیں ہوتے جبکہ دین میں یہ سب چیزیں ہوتی ہیں کیونکہ دین نام ہے ایک طرز زندگی کا جس میں پوری زندگی کا ایک نظام اور دستور العمل بتایا جاتا ہے۔

اسلام میں رہبانیت نہیں

یہی وجہ ہے کہ اسلام میں رھبانیت اور ترک دنیا نہیں ہے اور نہ ہی اسلام نے ہمیں یہ تعلیم دی ہے کہ تم دنیا کو چھوڑ کر عبادات میں لگے رہو تو پھر تم اللہ والے بن سکتے ہو ورنہ نہیں بن سکتے بلکہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ سے یہ سبق ملتا ہے کہ ترکِ دنیا کوئی کمال بات نہیں بلکہ کمال کی بات یہ ہے کہ دنیا میں رہو اور دنیا کے سارے کام بھی کرو، مزدوری بھی کرو، ملازمت بھی کرو، سیاست بھی چلاؤ، حکومت بھی کرو، عدالتیں بھی چلاؤ، جنگیں بھی کرو، صلح و صفائی بھی کرو، معاہدات بھی کرو، بکریاں بھی چراؤ، تجارت بھی کرو، اولاد کو بھی پالو اور ان کی تعلیم وتربیت کا انتظام بھی کرو، غرضیکہ دنیا کے سارے کام کرو لیکن یہ کام اسلامی تعلیمات کے مطابق کرو، اسی کا نام دین ہے۔

اسلام نے دنیا کو دین بنادیا

اسلام میں دین ودنیا میں تفریق نہ ہونے کا مطلب یہی ہے کہ اسلام نے دنیا کو بھی دین بنادیا ہے۔ صنعت کاری بظاہر دنیا کا کام ہے یہی وجہ ہے کہ عیسائی مذہب میں صنعت کار کو اچھی نظر سے نہیں دیکھا جاتا تھا، جو شخص تجارت یا صنعت کاری کرتا تو اس کے بارے میں کہا جاتا کہ یہ دنیا دار آدمی ہے لیکن اسلام میں تجارت کرنے والا دنیا دار نہیں ہوتا، اور اگر تجارت کرنے والے کو دنیا دار مان لیا جائے تو پھر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں کیا کہو گے کیونکہ آپ نے بھی مشارکت اور مضاربت کی بنیاد پر تجارت کی تھی۔ اس کے علاوہ دنیا کے دوسرے کام بھی کئے تھے، بکریاں بھی چرائی تھیں، مزدوری بھی کی تھی، حکومت بھی کی تھی، عدالتی فیصلے بھی

کیے، مسجدوں کی امامت بھی کی، جہاد میں اسلامی لشکر کی قیادت بھی کی، شادیاں بھی کیں، بچوں کی پرورش بھی کی، غرضیکہ دنیا کا ہر قسم کا کام کیا۔

دنیا کا کام کر کے اللہ کا ولی بن سکتا ہے

اسلام ہمیں اس بات کی تعلیم دیتا ہے کہ دنیا کا کوئی بھی کام کرو لیکن اللہ کی رضا کیلئے اور شریعت کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق کرو تو اسی میں ولایت ہے، چنانچہ آدمی تجارت کرتے کرتے اللہ کا ولی بن سکتا ہے، بادشاہت کرتے کرتے اللہ کا ولی بن سکتا ہے، کارخانے چلاتے چلاتے اللہ کا ولی بن سکتا ہے، مزدوری اور کھیتی باڑی کرتے ہوئے اللہ کا ولی بن سکتا ہے۔

دنیا کو دین بنانے کا طریقہ

خلاصہ یہ کہ اسلام میں ترک دنیا نہیں ہے بلکہ دنیا کو بھی دین بنانے کی تعلیم دی گئی ہے۔ جس کا طریقہ یہ ہے کہ جب بھی آپ کوئی کام کریں تو اس میں دو کام اور کریں۔ (۱) نیت اللہ کی رضا کی ہو۔ (۲) اور یہ سوچیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسے سنت قرار دیا ہے، پھر اسی سنت کے مطابق اُسے کرو۔ مثلاً شادی کرنا تو یہ سمجھ کر شادی کرو کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے اور نیت یہ ہو کہ اللہ کا حکم پورا کر رہا ہوں، تو یہ بھی عبادت ہے، اسی طرح بیوی بچوں کے ساتھ دل لگی کرو، تو یہ دل لگی یہ سوچ کر کرو کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی اپنے بیوی، بچوں کے ساتھ دل لگی فرمایا کرتے تھے اور یہ اللہ کا حکم ہے تو یہ بھی عبادت ہوگا۔

سب کام شرعی حدود میں ہوں

ہاں البتہ اس بات کا خیال رکھنا ضروری ہے کہ یہ سب کام شرعی حدود میں ہوں، شرعی حدود سے تجاوز نہ کیا جائے۔ ایسا نہ ہو کہ بندوں کے حقوق ادا کرنے لگے تو اللہ کو بھول گئے، اور اللہ کے حقوق ادا کرنے لگے تو بندوں کو بھول گئے۔ یہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات اور آپ ﷺ کے عمل کے منافی ہے۔ آپؐ حقوق اللہ اور حقوق العباد دونوں کا پورا پورا خیال فرماتے تھے اور کسی ایک کی وجہ سے دوسرے کو نہیں بھلاتے تھے۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے کسی نے پوچھا کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں کس طرح وقت گذارتے ہیں۔ آپ نے جواب دیا کہ جس طرح تم اپنے بال بچوں کے ساتھ رہتے ہو، اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی رہتے ہیں، ہنستے بولتے ہیں، دل لگی کی باتیں کرتے ہیں، بکری کا دودھ دوہ لیتے ہیں، گھر والوں کے کام میں ہاتھ بٹاتے ہیں، کپڑے پھٹ جائیں تو خود سی لیتے ہیں، جوتا ٹوٹ جائے تو خود ہی گانٹھ لیتے ہیں، یہ سب کام کرتے ہیں لیکن جب اذان کی آواز سنتے ہیں تو ایسے گذرے چلے جاتے ہیں جیسے ہمیں پہچانتے ہی نہیں۔

اندازہ لگایئے کہ کہاں دل لگی ہورہی ہے، اور بیوی بچوں کی دل جوئی ہورہی ہے اور دوسرے سارے کام ہورہے ہیں لیکن اذان کے وقت اس طرح حالت ہوجاتی ہے کہ گویا گھر والوں کو پہچانتے ہی نہیں۔ یہ ہے دین اور دنیا کو جمع کرنے کا طریقہ۔

ہنر مند کی مدد: بہت بڑی عبادت

اور دنیا کا کام جب اللہ کی رضا کیلئے اور شرعی حدود میں کیا جاتا ہے تو وہ عبادت بن جاتا ہے، پھر اگر سوئیں گے تو وہ بھی عبادت، کھانا کھائیں گے تو وہ بھی عبادت، تجارت کریں گے تو وہ بھی عبادت، بلکہ بہت بڑی عبادت، چنانچہ یہ حدیث آپ کے سامنے ہے، اس میں چوتھے نمبر پر جو افضل عمل بتلایا گیا، وہ کسی ہنر مند کی مدد کرنا ہے۔

ہنر مند کی مدد کرنے کے طریقے

کسی ہنر مند کی مدد کرنے کے کئی طریقے ہو سکتے ہیں۔ مثلاً ایک عام اور سیدھا سادھا طریقہ یہ ہے کہ آپ نے کسی بڑھئی کو دیکھا کہ وہ بیچارہ بہت ضعیف اور بوڑھا شخص ہے، اپنا کام محنت سے کر رہا ہے اور آپ کو معلوم ہے کہ یہ بہت جلد تھک جائے گا لیکن بیچارہ اس وجہ سے اس کام میں لگا ہوا ہے کہ محنت کریگا تو پیسے ملیں گے۔ آپ اس کے پاس پہنچ گئے اور جا کر اس کی مدد کی۔ یہ بہت بڑا ثواب کا کام ہے، اور جب یہ کام کرو گے تو اس میں مزہ آئے گا، دل میں ایسا نور پیدا ہوگا کہ جی چاہے گا کہ آئندہ یہی کام کیا کروں۔

اس کی مشق دار العلوم میں بھی ہو سکتی ہے

اور اس کی مشق آپ یہاں دار العلوم میں بھی کر سکتے ہیں۔ دیکھئے یہاں کتنا تعمیراتی کام ہو رہا ہے، دیکھئے کوئی مزدور کام کر رہا ہے تو اس کی مدد کر دو، اور کچھ نہیں کر سکتے تو صرف پندرہ، بیس منٹ کیلئے اس کا سامان اٹھا اٹھا کر اس کو دے دو۔

ایک اہم طریقہ

صنعتکار کی مدد کرنے کا ایک طریقہ اور بھی ہے۔ یہ طریقہ وہ ہے کہ جس پر چل کر دوسری قوموں نے بڑی شاندار صنعتی ترقیاں کی ہیں اور ہماری حکومتوں نے اس طریقے کو اختیار نہیں کیا، جس کی وجہ سے صنعتکاروں کی حوصلہ شکنی ہوئی اور ترقی کے میدان میں پیچھے رہ گئے۔

وہ طریقہ یہ کہ بعض اوقات کوئی شخص ایک ہنر دریافت کرلیتا ہے لیکن اس کے لئے آلہ بنانے کی ضرورت ہوتی ہے اور اس کے پاس وہ آلہ بنانے کیلئے پیسے اور وسائل نہیں ہوتے۔ اگر اس کی مالی امداد کی جائے تو وہ اس سے ایسا آلہ بنالے گا جس سے پوری انسانیت کو فائدہ پہنچے گا۔

انجینئر ظفر صاحب کی ٹیکنالوجی کی طرف حکومت نے توجہ نہ دی

اس کی ایک مثال میرے سامنے ہے۔ حضرت والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ سے محبت اور تعلق رکھنے والے اور حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے مرید، دارالعلوم کراچی کی مجلس منتظمہ کے رکن، حضرت ڈاکٹر عبدالحئی عارفی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے بہت خاص ساتھی انجینئر ظفر صاحب پانی کے جہازوں پر ملازمت کرتے تھے۔ انگریز کے زمانہ سے ان کی یہ ملازمت چلی آرہی تھی۔ بہت اونچے عہدے پر تھے۔ ان کے دل میں اللہ تعالیٰ نے یہ بات ڈالی کہ سورج کی تپش اور حرارت کو اگر مرتکز اور جمع کرلیا جائے تو اس سے ہم ایندھن کا کام لے سکتے ہیں، اس سے وہی کام لے سکتے ہیں جو بجلی اور آگ سے لیا جاتا ہے۔ اس زمانہ میں پاکستان میں سوئی گیس دریافت نہیں ہوئی تھی، لکڑی اور کوئلے پر کھانے پکتے تھے۔ یہ ۱۹۴۸ء یا ۱۹۴۹ء کی بات

ہے۔ چنانچہ انہوں نے سورج کی تپش کو مرتکز اور جمع کر کے ایک چولہا تیار کیا اور اس پر کھانا پکایا۔ حضرت والد صاحب اور ہم سب کی دعوت بھی کی، چنانچہ وہاں گئے اور اس چولہے سے پکا ہوا کھانا کھایا۔

دیکھئے یہ خود تو ایسا آلہ بنا سکتے تھے لیکن اس کو ملکی یا عالمی پیمانے پر ترقی یافتہ قسم کا آلہ بنا کر پھیلانے کیلئے تجربات، وسائل اور ساز و سامان کی ضرورت تھی۔ حضرت والد صاحب نے اس وقت کے وزیر صنعت سے یہ کہا بھی تھا کہ دیکھئے پاکستان نیا نیا بنا ہے، اس وقت ہمیں پاکستان میں بہت سے سائنس دانوں کی ضرورت ہے لہٰذا اس کا تقاضا یہ ہے کہ ان کی حوصلہ افزائی کی جائے، انہوں نے بہت اچھا آلہ ایجاد کیا ہے، اس کی طرف توجہ دی جائے اور اس کی سرپرستی کی جائے تو اس سے ملک وقوم کو فائدہ پہنچے گا۔ حکومت نے اس بات کی طرف کوئی توجہ نہ دی۔ ان کا مزاج تو یہ تھا کہ جو چیز انگریز کی طرف سے آئے وہ مستند اور قابل اعتماد ہے اور جو انگریز کے واسطے کے بغیر آئے، وہ قابل اعتبار نہیں، نتیجہ یہ کہ انہوں نے والد صاحب کی بات ایک کان سے سنی، دوسرے کان سے اڑا دی۔

دوسرے ممالک کی نقالی

دوسرے لوگوں نے انجینئر ظفر صاحب کی ٹیکنالوجی کی نقالی شروع کی اور رفتہ رفتہ یہ ٹیکنالوجی ترقی کرتی چلی گئی۔ یہاں تک کہ یہ ٹیکنالوجی اتنی ترقی کر گئی ہے کہ برطانیہ کے میرے دوستوں نے مجھے بتایا کہ وہاں اسی ٹیکنالوجی کی مدد سے بہت بڑے پیمانے پر بجلی تیار کی جا رہی ہے، اس سے کارخانے چل رہے ہیں اور کئی بستیاں اس سے بجلی حاصل کر رہی ہیں۔ اس ٹیکنالوجی کے اصل موجد وہی انجینئر ظفر صاحب ہیں۔

اگر اس ٹیکنالوجی کی حوصلہ افزائی کی جاتی

دیکھئے اگر ان کی حوصلہ افزائی کی جاتی تو ان کا بھی فائدہ ہوتا اور ملک وقوم کو بھی عظیم الشان فائدہ پہنچتا، ان جیسے لوگوں کے حوصلے بڑھتے، جس کا نتیجہ یہ نکلتا کہ آج یہ آلہ ایجاد ہوا ہے تو کل کوئی دوسرا آلہ ایجاد ہو جاتا، سائنس دان تیار ہوتے، ٹیکنالوجی کے ماہرین آگے آتے اور ہمارا ملک سائنس اور ٹیکنالوجی کے میدان میں زبردست ترقی کرتا۔

اب بھی حکومت توجہ نہیں دیتی

آج کل بھی آئے دن یہ خبریں آتی رہتی ہیں کسی یونیورسٹی کے فلاں استاد یا طالب علم نے یہ اعلان کیا کہ فلاں چیز تیار کر سکتا ہوں بشرطیکہ حکومت میرے ساتھ تعاون کرے۔ حکومت ان کی بات پر کوئی توجہ نہیں دیتی، نتیجہ یہ کہ دوسرے لوگ یہ ٹیکنالوجی حاصل کر لیتے ہیں اور اس کی وجہ سے زبردست ترقی کرتے ہیں۔

ہنر مند کی مدد کرنے کے دوسرے طریقے

صنعت کار اور ہنر مند شخص کی مدد کے بہت سے ذریعے ہیں۔ جس طریقے سے بھی اس کی مدد کی جائے گی اس حدیث میں بیان کردہ فضیلت حاصل ہو جائے گی، اور ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ مثلاً کوئی شخص لوہار والا کام کرتا ہے یا کوئی اور ایسا فن جانتا ہے، لیکن اس کے پاس اتنے پیسے نہیں کہ وہ اوزار خرید سکے تو اُسے اوزار خرید کر دے دو، سارے اوزار خرید کر نہیں دے سکتے تو کوئی ایک دو خرید کر دے دو، تیسرا کوئی اور دلوادے گا، اس طرح وہ روزی کمانے کے قابل ہو جائے گا۔

پانچواں افضل عمل: بے ہنر کیلئے صنعت کرنا

پانچویں نمبر پر افضل عمل یہ ہے کہ اگر تم کسی ہنر مند کی مدد نہیں کر سکتے تو کسی بے ہنر کیلئے صنعت کردو، اسے کوئی چیز سکھا دو مثلاً ایک عورت ایسی ہے کہ وہ بچوں کے کپڑے سینا نہیں جانتی اور تمہیں معلوم ہے تو اُسے کپڑے سینا سکھا دو، سویٹر بُننا نہیں جانتی، اسے سویٹر بُن دو یا کوئی اور کام ہے جس کی کسی کو ضرورت ہے لیکن وہ اس فن کو نہیں جانتا، جبکہ تم اس کو جانتے ہو تو تم اس کیلئے یہ کام کردو۔ خلاصہ یہ کہ بے ہنر کی مدد کرنے کے بھی بے شمار طریقے ہیں۔

یہ خدمت خلق کی باتیں ہیں

یہ سب خدمت خلق کی باتیں ہیں۔ بات یہ ہے کہ جب آدمی کے دل میں اللہ رب العزت اپنے تک پہنچنے کا جذبہ پیدا فرمادیتے ہیں تو پھر وہ اس فکر میں رہتا ہے کہ کہاں سے میں نیکی کمالوں، کہاں سے میں اپنی آخرت بنالوں۔

والدصاحب رحمۃ اللہ علیہ کے دو واقعات

مجھے والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی کے دو واقعات یاد آرہے ہیں۔ یہ دونوں واقعات میں نے اپنے والد کے متعلق اپنی کتاب[1] میں بھی لکھے ہیں۔ والدصاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مرتبہ اپنی زندگی میں دونوں واقعے سنائے اور فرمایا کہ اب تک یہ دونوں واقعے میرے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان راز تھے۔ میں نے یہ واقعات کسی سے بیان نہیں کئے تھے اور اب تمہارے فائدے کے لئے سنا رہا ہوں۔ یہ دونوں واقعے برسوں پہلے ہندوستان میں قیام کے دوران کے تھے اور ہمیں

---

[1] ''حیات مفتی اعظم'' ادارۃ المعارف، کراچی سے چھپ چکی ہے۔م

یہاں پاکستان آنے کے بعد سنائے۔

پہلا واقعہ

فرمایا کہ ایک مرتبہ میں صبح کی نماز کیلئے مسجد کی طرف جا رہا تھا تو راستہ میں ایک بوڑھی خاتون کو دیکھا۔ یہ ہمارے گھر کے قریب رہتی تھی، ہمارے گھر کے قریب جولاہوں کا محلّہ تھا اور یہ اسی محلے کی ایک خاتون تھی۔ ہمارے گھر سے مسجد کے راستے پر ایک کنواں پڑتا تھا۔ یہ عورت اس کنویں سے پانی بھر کر لا رہی تھی۔ والد صاحب فرماتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ یہ بیچاری بوڑھی عورت ہے اور پانی کا گھڑا بھر کر لا رہی تھی، گھڑا بھاری ہونے کی وجہ سے اس نے سانس لینے کیلئے چلتے چلتے گھڑا زمین پر ٹیکا۔ اتنی دیر میں، میں اس کے قریب پہنچ گیا۔ مجھے خیال آیا کہ اس کا گھڑا اٹھوا دوں۔ یہ سوچ کر میں نے کہا لاؤ اماں میں اٹھوا دوں۔

جب میں اٹھانے لگا تو خیال آیا کہ یہ بھی کوئی اچھی بات نہیں کہ یہ گھڑا اٹھا کر اسی بوڑھی عورت کے سر پر رکھ دوں، اس لئے میں نے وہ گھڑا اٹھا کر اپنے سر پر رکھا لیا اور اس بوڑھی عورت سے کہا اماں بتلایئے آپ کا گھر کہاں ہیں؟ میں اسے وہاں پہنچا دیتا ہوں۔ اس نے اپنے گھر کا راستہ بتایا اور میں یہ گھڑا سر پر رکھ کر اس کے گھر کی طرف چل پڑا۔

جب گھر کے دوازے پر پہنچا تو اس سے کہا اماں آپ گھر میں جا کر پردہ کروائیں، میں اندر جا کر یہ گھڑا رکھ کر آتا ہوں۔ وہ گئی، پردہ کروایا اور کہا کہ بیٹا یہاں رکھ دو۔ میں نے وہیں رکھ دیا۔

فرماتے ہیں کہ میں یہ گھڑا رکھ کر گھر سے باہر نکلنے نہیں پایا تھا کہ اس بڑھیا نے مجھے بے تحاشا دعائیں دینا شروع کیں۔ اور اس طرح کہ معلوم ہوتا تھا

کہ وہ دل کی گہرائیوں سے دعائیں دے رہی ہے۔ مجھے نماز کی جلدی تھی اس لئے میں جلدی جلدی وہاں سے چلا، لیکن دور تک مجھے اس کی دعائیں سنائی دیتی رہیں۔

میرے دل میں خیال آیا کہ یہ تو سودا بہت سستا ہے کہ عمل تھوڑا سا اور دعائیں اتنی زیادہ۔ تو میں نے ارادہ کیا کہ اب ہر روز یہ عمل کیا کروں گا۔ اگلے دن میں ذرا جلدی گھر سے نکلا۔ اس وقت وہ کنویں سے پانی بھر رہی تھی، گھڑا پاس رکھا ہوا تھا، ڈول کنویں میں ڈالا ہوا تھا۔ میں نے کہا'' اماں لاؤ، میں پانی بھر دیتا ہوں'' چنانچہ میں نے ڈول نکال نکال کر اس کا گھڑا بھرا اور پھر اُسے سر پہ اٹھا کر گھر چھوڑ کر آیا۔

مجھے اس عمل میں اتنا نور محسوس ہونے لگا کہ میں روزانہ پابندی سے پہلے نکلتا تھا تا کہ اُسے کنویں سے پانی بھی کھینچنا نہ پڑے۔ اللہ رب العزت کے فضل وکرم سے میرا یہ روزانہ کا معمول بن گیا۔ جب تک یہ بڑھیا زندہ رہی اور میں دیو بند ہوا (کسی سفر میں نہ ہوا، بیمار نہ ہوا) بلا ناغہ یہ عمل عرصہ دراز تک جاری رہا، اور اس عمل کی خبر اللہ تعالیٰ، اس بوڑھی خاتون اور میرے علاوہ اور کسی کو نہیں۔ آج یہ واقعہ تمہاری اصلاح کیلئے تم سے بیان کر رہا ہوں۔

دوسرا واقعہ

اسی طرح کا ایک اور واقعہ بھی سنایا۔ یہ واقعہ تھانہ بھون کے ریلوے سٹیشن کا ہے۔ تھانہ بھون ایک چھوٹا سا قصبہ ہے۔ اس کا ریلوے سٹیشن بہت ہی چھوٹا سا ہے اور اس زمانے میں تو بہت ہی چھوٹا اور کچا سا تھا حتی کہ اس زمانے میں اس سٹیشن پر بجلی بھی نہیں تھی۔ اس سٹیشن پر چھوٹی لائن پر چلنے والی گاڑی آتی تھی اور صرف ایک دو منٹ کیلئے رک کر چل پڑتی۔

والد صاحب فرماتے ہیں کہ سردیوں کے موسم میں ایک مرتبہ میں حضرت تھانویؒ سے ملنے کیلئے رات کے وقت سہارنپور سے سوار ہوکر تھانہ بھون آیا۔ ریلوے اسٹیشن پر اترا۔ اترتے ہی گاڑی چل پڑی۔ اندھیرے میں کچھ سائے نظر آئے جن سے محسوس ہورہا تھا کہ کچھ اور لوگ بھی میرے ساتھ اترے ہیں۔ میرے پاس اپنی چادر کے علاوہ اور کوئی سامان نہ تھا۔ گاڑی روانہ ہونے کے تھوڑی دیر بعد آواز آئی، قلی، قلی، مجھے معلوم تھا کہ اس سٹیشن پر قلی نہیں ہوتا تو میں سمجھ گیا کہ یہ ایسے لوگ ہیں جنہیں یہاں کے طور طریقے معلوم نہیں۔

میں نے جب ان کی طرف نظریں جمانے کی کوشش کی تو معلوم ہوا کہ ان کے ساتھ کچھ عورتیں بھی ہیں۔ وہ پھر آوازیں دینے لگے قلی، قلی۔

میں نے سوچا کہ یہ اجنبی لوگ ہیں۔ ان کے پاس سامان بھی ہے۔ عورتیں بھی ساتھ ہیں۔ میں ان کی کیسے مدد کروں۔ میں یہی سوچ رہا تھا کہ ایک مرتبہ پھر آواز آئی، قلی، قلی۔ میں نے جلدی سے اپنی چادر اپنے سر پر اس طرح لپیٹی جس طرح قلی لپیٹتے ہیں، اور چہرے کو بھی چھپالیا تاکہ وہ مجھے پہچان نہ سکیں اور فوراً ان کے پاس جاکر کہا قلی آگیا۔

وہ بڑے خوش ہوئے، اور سامان اٹھا کر میرے اوپر رکھنے لگے۔ میں نے ان کا ایک صندوق لیا، اور وہ بہت بھاری تھا، میں نے سوچا ایک ہلکا سا صندوق اور بھی سر پر رکھ لوں۔ چنانچہ میں نے ایک چھوٹا سا صندوق پکڑا۔ وہ کہنے لگے کہ یہ رہنے دو، اور ایک بھاری سا صندوق اٹھا کر میرے سر پر رکھنے لگے، میں نے کہا دیکھو میں ایک کمزور قلی ہوں۔ (والد صاحب کی صحت اس زمانہ میں کمزور تھی، ویسے بھی علمی مشاغل کی کثرت کی وجہ سے اکثر بیمار رہتے تھے) میں جتنا سامان اٹھا سکوں گا، اتنا ہی اٹھاؤں گا۔ باقی تم اٹھاؤ۔

چنانچہ میں نے ایک صندوق سر پر رکھا، اس کے اوپر ایک اور چھوٹا سا صندوق رکھا اور کوئی چھوٹی سی چیز بغل میں لی۔ اور وہاں سے ہم چل پڑے۔ چلنے سے پہلے میں نے سوچا کہ اگر میں پیچھے رہا اور یہ آگے چلے تو میرا چہرہ پہچان لیں گے، اور پھر شرمندہ ہوں گے کہ ہم نے کس کو قلی بنالیا۔ کیوں کہ یہ صاحب والد صاحب کو جانتے تھے اور حضرت والد صاحب سے عقیدت بھی رکھتے تھے۔

میں نے ان سے کہا کہ دیکھئے میرے پاس ٹارچ ہے۔ آپ میرے پیچھے چلیں، میں آگے آگے جاتا ہوں اور خوش ہوئے کہ یہ کتنا اچھا قلی ہے کہ اس کے پاس ٹارچ بھی ہے۔ میں نے ان سے پوچھا کہ کہاں جاؤ گے۔ انہوں نے کہا تھانہ بھون۔ تھانہ بھون کا قصبہ ریلوے سٹیشن سے ایک کلومیٹر دور واقع تھا۔ راستہ بھی بالکل ناہموار، کہیں اونچائی، کہیں گہرائی، کھڈے وغیرہ بھی راستے میں پڑتے تھے، کوئی پختہ سڑک نہیں تھی۔

میں ان کا سامان لے کر چل پڑا اور ان کے گھر تک پہنچا دیا۔ گھر پہنچ کر انہوں نے کہا کہ فلاں جگہ رکھ دو، وہاں پر سامان رکھا، انہوں نے کہا باہر ٹھہرو، ہم ابھی آتے ہیں اور تمہیں پیسے دیتے ہیں۔ میں باہر نکلا اور وہاں سے خانقاہ آ گیا۔ وہ تلاش کرتے رہے ہوں گے کہ وہ قلی کہاں گیا۔

چھٹا افضل عمل: اپنے شر سے دوسروں کو بچانا

اس حدیث میں حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ نے سب سے آخری سوال یہ کیا کہ یارسول اللہ اگر میں سارے کام نہ کرسکوں یا ان میں سے بعض نہ کرسکوں تو کیا کروں؟ آپ ﷺ نے جواب میں فرمایا: تکف شرك عن الناس یعنی ''اپنے شر کو دوسروں سے روک لو''۔ تم سے کسی کو تکلیف نہ پہنچے، تمہاری وجہ سے کسی کا

دل نہ دکھے، تمہاری وجہ سے کسی کا نقصان اور ضرر نہ ہو۔

اس عمل پر کچھ خرچ نہیں ہوتا

یہ ایسا عمل ہے کہ اس میں کچھ کرنا نہیں پڑتا، بلکہ اس میں نہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور نہ کرنے کیلئے نہ طاقت کی ضرورت ہے، نہ پیسوں کی، نہ وقت کی اور نہ محنت کی لیکن یہ عمل بہت بڑا ہے اور اس کی فضیلت یہ بیان فرمائی کہ فانها صدقة منك على نفسك کہ "یہ تمہاری طرف سے اپنے اوپر صدقہ ہے"۔ اگر دوسروں کو تکلیف نہ پہنچاؤ، تو اس کا فائدہ تمہیں پہنچے گا۔

اِس عمل کے فائدے

دوسروں کو تکلیف نہ دینے سے کون کون سے فوائد حاصل ہوں گے؟ یہ فوائد بہت زیادہ ہیں مثلاً یہ کہ بڑے بڑے کبیرہ گناہوں سے بچے رہوگے، آخرت کے عذاب سے بچ جاؤ گے۔

اور جب اپنے آپ کو اس گناہ سے روکنے کی کوشش کرو گے تو یہ خود ایک نیکی ہے۔ شریعت کا ایک قانون یہ بھی ہے کہ آدمی کے دل میں گناہ کا ارادہ پیدا ہو اور پھر اللہ کے خوف سے اُسے چھوڑ دے تو یہ خود ایک نیک عمل ہے۔ مثلاً یہ خیال آیا کہ نامحرم کو دیکھوں لیکن اللہ کے خوف سے نظریں نیچی کرلیں تو صرف یہ نہیں کہ گناہ نہیں ہوا بلکہ اللہ کے خوف کی وجہ سے اس گناہ کا چھوڑنا خود ایک نیکی ہے جو نامہ اعمال میں لکھی جائے گی۔

اسی طرح آپ کے دل نے چاہا کہ آپ کسی کو گالی دیں لیکن اللہ کے خوف کی وجہ سے آپ نے اپنی زبان کو روک لیا تو یہاں دو فائدے حاصل ہوئے، ایک

تو یہ کہ بڑے کبیرہ گناہ سے بچ گئے اور دوسرا فائدہ یہ ہوا کہ تمہارے نامہ اعمال میں ایک نیکی کا اضافہ ہوگیا۔

اس پر جتنا بھی اللہ کا شکر کریں، کم ہے

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا بیان کردہ یہ حکم اتنا عجیب وغریب ہے کہ اس پر جتنا بھی اللہ کا شکر کریں، کم ہے اس لئے کہ اس میں محنت کچھ نہیں کرنی پڑتی، دولت کچھ نہیں لگانی پڑتی اور بھی کچھ نہیں کرنا پڑتا لیکن فائدہ یہ ہوتا ہے کہ آدمی گناہوں سے بچ جاتا ہے اور نیکیوں میں اضافہ ہوتا چلا جاتا ہے۔

دنیا جنت بن جائے گی

اگر سب لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد پر عمل کرلیں تو یہ دنیا کی زندگی جنت بن جائے گی۔ ہر شخص اس بات کا اہتمام کرے کہ میرے کسی فعل سے دوسرے کو تکلیف نہ پہنچے۔ ہمارے معاشرے میں ہونے والے کتنے جھگڑے، فساد، مصیبتیں، اذیتیں اور پریشانیاں صرف اسی وجہ سے کھڑی ہوتی ہیں کہ ایک سے دوسرے کو تکلیف پہنچی، جھگڑا کھڑا ہوا، دشمنی پیدا ہوگئی، مقدمہ بازی کا سلسلہ چل پڑا یہاں تک کہ قتل وغارت تک نوبت پہنچ گئی۔

لیکن اگر شروع سے ہر شخص ہی اس بات کا اہتمام کرے کہ اس سے کسی دوسرے کو تکلیف نہ پہنچے تو یہ دنیا جنت بن جائے۔ جنت کے بارے میں یہ شعر مشہور ہے کہ:

بہشت آنجا کہ آزارے نہ نباشد
کسے رابا کسے کارے نہ نباشد

ترجمہ: ”جنت وہ جگہ ہے جہاں کسی کو کسی سے تکلیف نہیں پہنچے گی اور کسی کو کسی شرے سے کوئی سروکار نہ ہوگا“۔

ہمارے آرام میں ایک بڑی رکاوٹ

یہ ایسا عظیم الشان عمل ہے کہ اگر لوگ اس پر عمل کرنے لگیں تو ہر ایک کو اس کی وجہ سے ایسی راحت اور آرام ملے کہ اس سے پہلے ایسی راحت وآرام کا تصور نہیں کیا ہوگا۔ آج کل ہمارے راحت وآرام کے اندر ایک بہت بڑی رکاوٹ اس حدیث پر عمل نہ کرنا ہے، اور درحقیقت پورے اسلامی معاشرے کا روح رواں اس حدیث کا یہ جملہ ہے کہ ”اپنے شر کو لوگوں سے روکو“۔

دین کے بڑے بڑے شعبے

دین کے بڑے بڑے شعبے کل پانچ ہیں:

نمبر۱: عقائد، یعنی ایمان لانا۔ اللہ پر ایمان، اس کے رسولوں پر ایمان، کتابوں پر ایمان، ملائکہ پر ایمان، یوم آخرت پر ایمان، اچھی بری تقدیر پر ایمان، مرنے کے بعد زندہ ہونے پر ایمان وغیرہ وغیرہ

نمبر۲: عبادات، جیسے نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، قربانی، صدقۃ الفطر وغیرہ وغیرہ

نمبر۳: معاملات جیسے تجارت ومعیشت، لین دین، مالی معاملات، حکومتی نظام کا چلانا، عدالتی معاملات وغیرہ وغیرہ۔

نمبر۴ معاشرت: معاشرت عشرت سے ماخوذ ہے جس کا معنی ہے زندگی۔ اور معاشرت کا معنی ہے ایک دوسرے کے ساتھ زندگی گذارنا، مل جل کر ایک دوسرے کے ساتھ رہنا، اور غور کیجئے کہ دنیا میں بسنے والا ہر انسان دوسرے لوگوں کے ساتھ مل کر ہی زندگی گذارتا

ہے۔ بچپن میں ماں باپ اور بہن بھائیوں کے ساتھ، بڑا ہو جائے تو پھر بیوی کے ساتھ، کچھ عرصہ بعد بیوی، بچوں کے ساتھ اور مزید کچھ عرصہ گذرنے کے بعد پوتے، پوتیوں کے ساتھ۔

جب سکول جاتا ہے تو وہاں اپنے ساتھیوں اور اساتذہ کے ساتھ، ملازمت کرتا ہے تو افسروں اور ماتحتوں کے ساتھ، بازار جاتا ہے تو گاہکوں اور دکانداروں کے ساتھ، بس اور ریل میں سفر کرتا ہے تو مسافروں کے ساتھ غرضیکہ ہر انسان کی زندگی دوسرے کے ساتھ مل جل کر گذرتی ہے۔ اب ہم یہاں مل جل کر بیٹھے ہوئے وقت گذار رہے ہیں۔

معاشرت کے متعلق تعلیمات

اسلام نے معاشرت کے متعلق تفصیلی تعلیمات دی ہیں مثلاً یہ بتلایا کہ بڑوں سے کس طرح بات کرو، چھوٹوں سے کس طرح کرو، دوسرے لوگوں کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے کا طریقہ کیا ہے؟ اگر خدانخواستہ کسی سے لڑائی ہو جائے تو کس حد تک غصے کا اظہار کرنے کی اجازت ہے۔ کسی سے اختلاف ہو جائے تو اس کا اظہار کیسے کیا جائے گھر میں زندگی کس طرح گذاری جائے، اسی طرح ہم یہاں بیٹھے ہوئے ہیں تو ہمیں ایک دوسرے کا کیا خیال رکھنا چاہیے، بس اور ریل میں ہیں تو اپنے ہم سفر لوگوں کے ہم پر کیا حقوق ہیں۔ مسجد میں دوسرے نمازیوں کے ساتھ ہمیں کس طرح رہنا چاہیے۔ یہ ساری چیزیں معاشرت سے متعلق ہیں۔

نمبر ۵ باطنی اخلاق:

باطنی اخلاق سے مراد یہ ہے کہ دل باطنی بیماریوں سے پاک ہو، مثلاً دل

میں تکبر نہ ہو تواضع اور انکساری ہو، بخل نہ ہو سخاوت ہو، بزدلی نہ ہو شجاعت ہو، حسد نہ ہو ایثار ہو، اللہ تعالیٰ سے بے رغبتی نہ ہو بلکہ اللہ رب العزت کا دھیان ہو، اللہ کا خوف ہو بے خوفی نہ ہو، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت ہو۔

آدابِ معاشرت کے متعلق بنیادی اصول: دوسروں کو تکلیف سے بچانا

مذکورہ پانچ شعبوں میں سے چوتھے شعبہ یعنی معاشرت سے متعلق اس حدیث میں ہدایات بیان فرمائی گئی ہیں۔ یوں تو معاشرت کے بے شمار مسائل اور ہیں لیکن ان مسائل اور آداب کی بنیاد ایک بنیادی اصول اور قاعدہ کلیہ ہے۔ اس قاعدہ کلیہ کے تحت ہی سارے مسائل آجاتے ہیں۔ اگر اس قاعدہ کلیہ پر عمل کیا جائے تو معاشرت کے تمام احکام پر عمل ہوجائے گا اور وہ قاعدہ وہی ہے جو اس حدیث میں بیان کیا گیا کہ

﴿تکف شرك عن الناس﴾

یعنی ''اپنے شر کو دوسرے لوگوں سے روکو''

تقریباً یہی مضمون آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک اور حدیث صحیح میں بیان فرمایا۔ وہ حدیث یہ ہے۔

﴿المسلم من سلم المسلمون من لسانه ویده﴾

''مسلمان وہ ہوتا ہے، جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمانوں کو تکلیف نہ پہنچے''۔

تکلیف سے مراد ناحق تکلیف ہے

گویا معاشرت کے تمام احکام کا خلاصہ یہ ہے کہ آپ کے کسی قول وفعل

سے دوسرے کو ادنیٰ تکلیف نہ پہنچے۔ اس سے مراد ناحق تکلیف ہے یعنی کسی کو ناحق تکلیف نہ پہنچے۔ بعض مرتبہ حق کی وجہ سے دوسرے کو تکلیف پہنچتی ہے وہ اس میں داخل نہیں مثلاً قاضی سزائیں جاری کرتا ہے، عدالتوں میں ہاتھ کاٹے جاتے ہیں اور قصاص کے فیصلے بھی ہوتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔

ٹریفک کے قوانین اسی اصول کے تحت بنائے گئے ہیں

معاشرت کے متعلق ایسے بنیادی اصول کا خیال نہ ہونے کی وجہ سے معاشرہ میں بے شمار خرابیاں پیدا ہوتی ہیں، اور ہر روز اس کا مشاہدہ بھی ہوتا رہتا ہے مثلاً ٹریفک کے تمام قوانین اسی اصول کے تحت بنائے ہیں، بعض جگہ لکھا ہوتا ہے۔ نو پارکنگ (No Parking) یہاں گاڑی کھڑی کرنا منع ہے۔ اکثر چوراہوں پر سرخ اور سبز سگنل لگے ہوتے ہیں سرخ سگنل جل رہا ہوتو گاڑی کھڑی کرنا ضروری ہے، اگر سبز سگنل جل رہا ہوتو گاڑی چلانے کی اجازت ہے۔ اسی طرح ٹریفک کے قوانین میں یہ بھی ہوتا ہے کہ مختلف سڑکوں پر گاڑی چلانے کی رفتار کی ایک حد مقرر کردی جاتی ہے جو سڑک اچھی حالت میں ہوتی ہے وہاں تیز گاڑی چلانے کی اجازت ہوتی ہے اور جہاں اونچ نیچ ہوتی ہے یا سڑک خراب ہوتی ہے، وہاں گاڑی آہستہ چلانے کی ہدایات درج ہوتی ہیں۔ پلوں پر عام طور پر لکھا ہوتا ہے کہ یہاں اوورٹیک (Over Take) کرنا منع ہے۔

ٹریفک قوانین کی پابندی شرعاً لازم ہے

یہ سارے قوانین اس لئے بنائے گئے ہیں تاکہ لوگوں کو جانی مالی نقصان کا سامنا نہ کرنا پڑے۔ اب اگر ان قوانین کی پابندی نہ کی جائے تو اس سے دوسروں کو

تکلیف پہنچتی ہے۔ لہٰذا ان قوانین کی پابندی کرنا بھی شرعاً لازم اور واجب ہے۔

جانور قانون کا پابند نہیں ہوتا

ہمارے معاشرے میں کچھ ایسا رواج ہوگیا ہے کہ قانون توڑنے کو بڑے فخر اور مہارت کی بات سمجھا جاتا ہے کہ میاں فلاں تو کسی قانون کا پابند نہیں، حالانکہ جو قانون کی پابندی نہ کرے وہ تو جانور ہوتا ہے، آدمی کی زندگی تو قانون کی پابند ہوتی ہے۔ جو جتنا زیادہ آزاد ہوگا، اس میں جانور پنا اتنا ہی زیادہ ہوگا۔ ہمارے ہاں کسی اصول کی پابندی نہیں کی جاتی، جس کی وجہ سے دوسروں کو تکلیف کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

آداب معاشرت کی رعایت نہ کرنے سے دوسروں کو تکلیف پہنچنے کی چند مثالیں: مسجد سے متعلق چند مثالیں

عام طور پر مسجدوں میں وضو کرنے کیلئے چوکیاں بنی ہوتی ہیں۔ ایک صاحب آئے، وضو کیا اور گیلا پاؤں اس چوکی پر رکھ دیا۔ اس حدیث سے اور دوسری حدیث "المسلم من سلم المسلمون من لسانه و يده" سے معلوم ہوا کہ اس نے گناہ کا کام کیا۔ اس لئے کہ یہ بیٹھنے کی جگہ تھی۔ اس کا خشک رہنا ضروری تھا۔ جب آپ نے اُسے بھگو دیا تو اب وہاں کوئی شخص کیسے بیٹھ سکے گا، اگر بیٹھے گا تو اس کے کپڑے گیلے ہوجائیں گے، سردی کا موسم ہے تو اور زیادہ تکلیف پہنچے گی۔

شرعی قاعدہ یہ ہے کہ عام جگہ جہاں پر بیٹھنے کا سب کو برابر کا حق حاصل ہے، وہاں اگر کوئی شخص پہلے پہنچ جائے تو دوسرے آدمی کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ اُسے اس جگہ سے اٹھائے۔ مثلاً مسجد میں سب کا برابر حق ہے۔ جو شخص جہاں بیٹھ گیا، وہ اسی کی جگہ ہوگئی،

اب ایک دوسرا شخص وہاں پہنچ گیا اور اُسے وہاں سے ہٹا کر خود اس جگہ پر بیٹھنے کی کوشش کی تو اس کا یہ عمل شرعاً درست نہیں۔ اس طرح کرنے سے عام طور لڑائی جھگڑے پیدا ہوتے ہیں۔

گھریلو آدابِ معاشرت کی رعایت نہ رکھنے کی مثالیں

عام طور پر گھروں میں پانی پینے کے مٹکے یا کولر وغیرہ کی جگہ مقرر ہوتی ہے۔ اس کے ساتھ گلاس یا پیالہ وغیرہ رکھا رہتا ہے۔ اب مثلاً گھر کے ایک فرد نے وہاں سے پانی پیا، اور اُس گلاس کو مقررہ جگہ پر رکھنے کی بجائے کسی دوسری جگہ رکھ دیا۔ اب جب دوسرا فرد پانی پینے آئے گا اور اُسے مقررہ جگہ پر گلاس نہیں ملے گا تو اُسے تکلیف ہوگی، اور اگر اُسے رات کے وقت پیاس لگی اور وہ رات تین بجے سخت اندھیرے میں اٹھ کر پانی کی جگہ پر آیا تو ایسی صورت میں اس جگہ پر گلاس نہ ملنے کی صورت میں بہت زیادہ تکلیف ہوگی اور جب تکلیف ہوگی تو اس کے منہ سے کوئی نامناسب کلمہ نکل جائے گا اور پھر اس پر جھگڑا کھڑا ہو جائے گا۔

اسی طرح تولیہ کا معاملہ ہے۔ عام طور پر تولیہ لٹکانے کی ایک جگہ مقرر ہوتی ہے۔ گھر کے ایک فرد نے وضو کیا تو لیہ استعمال کیا اور اُسے اس کی مقررہ جگہ پر ڈالنے کے بجائے کہیں اور ڈال دیا، بعد میں کسی دوسرے نے وضو کیا، تولیہ تلاش کیا تو وہ اپنی جگہ پر نہیں۔ اب وہ گیلے ہاتھوں کے ساتھ مختلف جگہوں پر تولیہ تلاش کرتا پھر رہا ہے۔ تو یہ بھی اسے ایذاء پہنچانا ہے۔

رات کے وقت عام طور پر لوگ دروازوں کو بند کر کے اور کنڈی لگا کر سوتے ہیں۔ اب مثلاً ایک گھر میں سب لوگ اسی طرح دروازہ بند کر کے سوئے ہوئے ہیں۔ ایک صاحب تہجد کیلئے اٹھے اور دھرام سے دروازہ کھولا جس سے دوسرے کی نیند خراب

ہوگئی۔ اب اس نے اٹھ کر تہجد تو پڑھی لیکن اس کے ساتھ ساتھ ایک زبردست کبیرہ گناہ بھی کر ڈالا۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا تہجد کیلئے اٹھنے کا طریقہ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب رات کے وقت تہجد کیلئے اٹھ کر کمرے سے باہر تشریف لاتے تو گھر والوں کے آرام کا پورا پورا خیال فرماتے، چنانچہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ایک مرتبہ کا واقعہ بیان فرماتی ہیں کہ ایک دفعہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم رات کے وقت بیدار ہوئے (یہ بعد میں پتہ چلا کہ اس لئے اٹھے تھے کہ اللہ رب العزت کی طرف سے حکم آیا تھا کہ جنت البقیع میں جا کر شھداء کیلئے دعائے مغفرت کیجئے) اٹھنے کا انداز یہ تھا کہ بالکل آہستہ آہستہ اٹھے تاکہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی آنکھ نہ کھل جائے، آہستہ سے جوتے پہنے، آہستہ سے دروازہ کھولا اور پھر آہستہ سے اُسے بند کر کے تشریف لے گئے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں جاگ رہی تھی اور یہ سب چیزیں دیکھ رہی تھی۔

غور کیجئے کہ یہ سب کام آہستہ آہستہ کیوں ہوا تاکہ دوسرے کو تکلیف نہ پہنچے حالانکہ آپ اللہ رب العزت کے حکم کو پورا کرنے کیلئے اٹھ رہے تھے۔ آج کل عام طور پر تہجد گذار لوگوں کا ان چیزوں کی طرف دھیان نہیں ہوتا۔ اگر آپ تہجد گذار ہیں تو بہت اچھی بات ہے لیکن اگر اس طرح تہجد پڑھیں کہ دروازوں کو اس طرح زور زور سے کھولیں کہ اس سے آوازیں پیدا ہوں اور دوسروں کی نیندیں خراب ہوں تو یہ کوئی نیکی کا کام نہیں۔ دوسروں کو تکلیف پہنچانا حرام ہے، اس سے بہتر یہی تھا کہ آپ تہجد کیلئے بیدار ہی نہ ہوتے بلکہ اپنی جگہ پڑے سوتے رہتے۔ کم از کم گناہ سے تو بچے رہتے، اب اٹھنے کی صورت میں کتنا بڑا گناہ کر ڈالا کہ دوسروں کو تکلیف پہنچا دی۔

گھروں میں لڑائیاں کیوں ہوتی ہیں

گھروں میں جب اس طرح کی چھوٹی چھوٹی باتوں کا خیال نہیں رکھا جاتا تو پھر جھگڑے کھڑے ہوجاتے ہیں، میاں بیوی کے جھگڑے، ساس بہو کے جھگڑے، بہو اور نند کے جھگڑے وغیرہ۔ جتنے جھگڑے گھروں میں ہوتے ہیں، زیادہ تر اسی وجہ سے ہوتے ہیں کہ اس بات کی رعایت نہیں رکھی جاتی کہ ایک کے فعل سے دوسروں کو تکلیف نہ پہنچے۔

سفر میں بھی ان آداب کا خیال رکھنا ضروری ہے

سفر کے دوران بھی ان باتوں کا خیال رکھنا ضروری ہے کہ آپ کی وجہ سے کسی دوسرے کو تکلیف نہ پہنچے۔ آج کل عام طور پر اس سے غفلت برتی جاتی ہے۔ مثلاً آپ ٹرین کے ذریعہ لاہور جارہے ہیں۔ آپ نے بھی ٹکٹ لیا اور آپ کے پاس بیٹھنے والے شخص نے بھی ٹکٹ لیا۔ آپ کو اپنی ٹکٹ کی وجہ سے صرف ایک آدمی کی جگہ کے برابر جگہ قبھانے کی اجازت ہے۔ اب اگر آپ چادر وغیرہ بچھا کر دو تین آدمیوں کی جگہ پر قبضہ کرلیں گے تو اس سے دوسروں کو تکلیف پہنچے گی۔ اور یہ تکلیف بھی ناحق ہوگی، دوسرے کو غصہ آئے گا اور پھر لڑائی ہوجائے گی۔

ہمیشہ کا لفظ بڑا خطرناک ہے

ایک صاحب نے بڑی اچھی بات کہی کہ ”ہمیشہ“ کا لفظ بڑا خطرناک لفظ ہے، اور گھر کی گفتگو میں عام طور پر یہ لفظ استعمال ہوتا ہے۔ مثلاً ایک روز سالن میں غلطی سے نمک زیادہ ہوگیا، تو شوہر بیوی سے کہتا ہے کہ تم تو ہمیشہ ہی نمک زیادہ

کردیتی ہو۔ حالانکہ وہ ہمیشہ ایسا نہیں کرتی، یہ سن کر اس کا دل جلا اور اس نے کہا کہ تم تو ہمیشہ ہی ایسی باتیں کرتے رہتے ہو حالانکہ شوہر بھی ہمیشہ ایسی باتیں نہیں کرتا، تو یہ سن کر اس کا دل ٹوٹا اور پھر لڑائی جھگڑا ہوگیا۔ الفاظ کی رعایت نہ رکھنا بہت بڑے بڑے جھگڑوں کا باعث بنتا ہے۔

زبان بڑی خوفناک چیز ہے

زبان بڑی خوفناک چیز ہے۔ زبان سے جس قدر تکلیفیں دوسروں کو پہنچتی ہیں، ہاتھ سے اس قدر نہیں پہنچتیں اور نہ ہی پہنچائی جاسکتی ہیں۔ ہاتھ سے تو صرف وہاں تک تکلیف پہنچا سکتے ہیں جہاں تک ہاتھ پہنچے گا اور اگر ہاتھ میں لاٹھی ہے تو جہاں تک لاٹھی پہنچے گی اور اگر ہاتھ میں بندوق ہے تو جہاں تک بندوق کی گولی پہنچے گی وہاں تک تکلیف پہنچائی جاسکتی ہے، لیکن زبان کی رینج تو امریکہ تک پہنچ جاتی ہے، امریکہ میں بیٹھے ہوئے شخص کو یہاں بیٹھ کر گالی دی جاسکتی ہے۔

پھر یہ کہ ہاتھ سے تکلیف پہنچانے کیلئے طاقت کی بھی ضرورت ہے اگر آپ اپنے سے زیادہ طاقتور آدمی کو ہاتھ سے تکلیف پہنچانا چاہیں گے تو اولاً تو ہمت ہی نہیں ہوگی اور اگر پہنچائیں گے تو بہت مہنگی پڑ جائے گی، لیکن زبان کے ذریعے کمزور سے کمزور آدمی بڑے سے بڑے طاقتور آدمی کو تکلیف پہنچا دیتا ہے۔

حدیث میں زبان کو ہاتھ سے پہلے ذکر کرنے کی وجہ

زبان سے جرائم بھی بڑے بڑے ہوتے ہیں۔ زیادہ تر جھگڑے اور جرائم زبان کی وجہ سے ہوتے ہیں، ہاتھ کی وجہ سے کم ہوتے ہیں، گالی دینا، غیبت کرنا، تہمت لگانا وغیرہ یہ سب گناہ زبان سے ہوتے ہیں۔ اسی لئے آنحضور صلی اللہ علیہ

وسلم نے اپنی حدیث "المسلم من سلم المسلمون من لسانہ ویدہ" میں زبان کو ہاتھ سے پہلے ذکر کیا۔

کم گوئی بڑا اہم اصول ہے

اگر آدمی زبان پر قابو پالے تو معاشرت کے آدھے مسائل حل ہو جاتے ہیں اور بے شمار گناہوں سے نجات مل جاتی ہے۔ اسی لئے بزرگ اس بات کی ہدایت کرتے ہیں کہ کم بولنے کی عادت ڈالی جائے۔ ''قلة الکلام'' (یعنی کم گوئی) بڑا اہم اصول ہے۔ اور کم گوئی کا مطلب یہ ہے کہ بے ضرورت نہ بولا جائے، ہاں جب ضرورت پیش آئے تو پھر بولو۔

اس اصول پر عمل پیرا کرنے کیلئے مجاہدے

اس اصول پر عمل پیرا کرنے کیلئے بڑے بڑے مجاہدے اور ریاضتیں کرائی جاتی ہیں کیونکہ جس شخص کو زیادہ بولنے کی عادت ہوتی ہے، اس سے یہ عادت چھڑانا بڑا مشکل ہوتا ہے۔

بعض لوگوں کو بیماری ہوتی ہے کہ ہر وقت بولتے رہتے ہیں حالانکہ یہ بہت بُری بیماری ہے۔ آدمی جتنا زیادہ بولتا ہے، اتنے ہی اس سے گناہ زیادہ ہوتے ہیں اور جتنا کم بولتا ہے، اتنے ہی کم گناہ ہوتے ہیں۔ بعض مرتبہ اس بیماری کا علاج ڈانٹ ڈپٹ سے ہو جاتا ہے کہ دو تین مرتبہ سب کے سامنے ڈانٹ دیا جائے تو یہ عادت چھوٹ جاتی ہے، لیکن بعض دفعہ ڈانٹ ڈپٹ سے بھی کام نہیں چلتا اور یہ عادت باقی رہتی ہے تو ایسی صورت میں بعض بزرگوں نے ایسا بھی کیا ہے کہ ایسے شخص کو منہ کے اندر لوہے کے گولے بنا کر رکھنے کا حکم دیا تاکہ جب بھی بولنے کی ضرورت پڑے تو پہلے خوب سوچے

کہ بولنے کی ضرورت ہے یا نہیں؟ کیونکہ بولنے سے پہلے گولے نکالنے پڑیں گے، بقدر ضرورت بات کر کے پھر گولوں کو دھو کر منہ میں رکھنا ہوگا، اب پھر بات کرنے کو جی چاہے گا تو سوچے گا کہ بولوں یا نہ بولوں کیونکہ یہ ساری مشقت سامنے ہوگی۔ اس طرح کم بولنے کی عادت پڑ جائے گی۔

ادب کی جامع تعریف

ہمارے مرشد حضرت ڈاکٹر عبدالحئی عارفی قدس اللہ سرہ نے ایک مرتبہ ایک مجلس میں پوچھا کہ بتاؤ ادب کسے کہتے ہیں؟ حاضرین خاموش رہے، آپ نے بار بار پوچھا، پھر خود ہی فرمایا کہ کیا بڑوں کے سامنے گردن جھکانے کا نام ادب ہے، کسی نے کہا کہ ہاں! تو آپ نے فرمایا، نہیں، یہ ادب نہیں، پھر فرمایا کہ کیا بڑوں کے سامنے آہستہ بولنے کا نام ادب ہے، کسی نے ہاں! کہا تو فرمایا، یہ بھی ادب نہیں، کسی نے کہا کہ بڑوں کا ادب یہ ہے کہ جب وہ چلیں تو ان کے پیچھے پیچھے چلے، فرمایا یہ بھی نہیں۔ ان میں سے کوئی بات بھی ادب کی تعریف نہیں۔ پھر خود ہی فرمایا کہ "دوسروں کا ادب کرنے کا مطلب یہ ہے کہ ایسا عمل کرو، جس سے دوسروں کو ادنیٰ تکلیف یا ناگواری نہ ہو، اور اگر تکلیف پہنچا دی تو یہ بے ادبی ہے۔" چنانچہ جب یہ بات ہے تو کبھی گردن جھکا کر بیٹھنا ادب ہوگا اور کبھی گردن اٹھا کر بیٹھنا ادب ہوگا، اور کبھی آہستہ بولنا ادب ہوگا اور کبھی ذرا بلند آواز میں بولنا ادب ہوگا چنانچہ اگر آپ کا استاد یا شیخ آپ سے بات کر رہا ہے، آپ کو کچھ سمجھانا چاہتا ہے یا کوئی مشورہ لینا چاہتا ہے اور آپ گردن جھکائے ہوئے بیٹھے ہیں، وہ آپ سے باتیں کر رہا ہے اور آپ اس کی طرف دیکھ ہی نہیں رہے تو یہ ادب نہیں بلکہ بے ادبی ہے کیونکہ اس سے اس کو الجھن ہوگی کہ نجانے آپ اس کی باتیں سن رہے ہیں یا سو رہے ہیں۔ وہ سوچے گا کہ نجانے میں کسی بُت سے بات کر رہا ہوں یا

انسان سے۔ اُسے شدید پریشانی ہوگی۔ اس صورت میں ادب یہ ہے کہ گردن اٹھا کر بیٹھا جائے اور اس کی طرف دیکھا جائے۔

اسی طرح ایسی صورت میں اگر آپ اتنا آہستہ بولیں کہ اس کو آواز ہی سنائی نہ دے تو یہ بے ادبی ہوگی یا اگر آپ قریب بیٹھے ہیں لیکن اتنا زور سے بولیں کہ استاذ یا شیخ بھی ڈر جائے تو یہ بھی بے ادبی ہوگی۔

اسی طرح کبھی پیچھے چلنا ادب ہوگا اور کبھی آگے چلنا ادب ہوگا۔ مثلاً اندھیری رات ہے، راستہ خطرناک ہے، پتھر بھی ہیں، جھاڑیاں اور کانٹے وغیرہ بھی ہیں اور آپ اپنے استاد یا شیخ کے ساتھ جارہے ہیں تو وہاں پیچھے چلنا بے ادبی ہوگی، وہاں ادب کا تقاضا یہ ہے کہ آپ آگے چلیں اور بڑے کو پیچھے کریں۔

ادب کا مقصود

ادب کا مقصود یہ ہے کہ دوسروں کو تکلیف سے بچائیں، اس کیلئے کبھی آپ کو گردن جھکانا پڑے گی، کہیں گردن اٹھانا ہوگی، کہیں آہستہ بولنا ہوگا، کہیں بلند آواز سے بات کرنا ہوگا، کہیں پیچھے چلنا پڑے گا، کہیں آگے چلنا ہوگا اور کہیں دائیں بائیں چلنا پڑے گا وغیرہ۔

مصافحہ کرنے کا رواج

آج کل مصافحوں کا بہت زور ہے، سلام کریں یا نہ کریں مصافحہ ضرور کیا جاتا ہے، اس سے دوسروں کو تکلیف پہنچتی ہے۔ بزرگوں سے مصافحہ کرنے کو بڑے ادب کی بات سمجھا جاتا ہے، اس کے لئے نجانے کیا کیا گناہ کئے جاتے ہیں، اس کو کہنی ماری، اُس کو کہنی ماری، اِدھر دھکا دیا، اس کی گردن پھلانگی اور مصافحہ کیلئے پہنچ گئے، یہ سب ناجائز ہے، بے

شک بزرگوں سے مصافحہ کرنا برکت کی چیز ہے اور مستحب بھی ہے لیکن اس کے بھی آداب ہیں، ان کا خیال از حد ضروری ہے۔ آج کل ان آداب کا عام طور پر خیال نہیں رکھا جاتا۔

بڑے بھائی کا ایک دلچسپ واقعہ

میرے بڑے بھائی صاحب جن کا اب انتقال ہوگیا ہے۔ ایک مرتبہ اپنا واقعہ سنانے لگے۔ فرمایا کہ بہت دیر سے بس کے انتظار میں کھڑا تھا، ہجوم بہت زیادہ تھا، کافی دیر کے بعد مطلوبہ بس آگئی، تیزی سے اس کی طرف بڑھنے لگے تو پیچھے سے کسی نے نام لیکر آواز دی، پیچھے مڑ کر دیکھا تو اس نے کہا السلام علیکم (صرف سلام اور مصافحہ کرنا مقصود تھا) ان سے سلام کرنے کی دیر میں بس نکل گئی۔ بتایئے ایسے شخص کے سلام کا جواب دیا جائے یا اُسے تھپڑ مارا جائے۔

بعض جگہ سلام کرنا مکروہ ہے

فقہاء کرام نے لکھا ہے کہ بہت سے مواقع ایسے ہیں، جہاں سلام کرنا مکروہ ہے مثلاً کوئی شخص کھانا کھا رہا ہے تو اُسے سلام نہ کیا جائے، کوئی چیز پی رہا ہے تو سلام مت کرو، کسی کا وعظ اور تقریر سن رہا ہے تو سلام نہ کرو۔ بعض لوگوں کی عادت ہوتی ہے کہ جب کسی مجلس میں پہنچتے ہیں تو سب سے پہلے سلام کرتے ہیں اور پھر ہر ایک سے مصافحہ کرتے ہیں، یہ غلط طریقہ ہے کہ اس سے گویا اتنی دیر تک مجلس کو بے کار اور معطل کر دیا۔

مصافحہ کے آداب

اسی طرح مصافحہ کے بھی آداب ہیں۔ اگر ایک شخص مصروف ہے اور اس کے

دونوں ہاتھ مصروف ہیں تو اس سے مصافحہ نہ کیا جائے، اگر تم مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھا دو گے تو وہ بے چارہ کس طرح جواب دے گا، اسی طرح اگر کوئی نماز کیلئے جارہا ہے اور جماعت کھڑی ہوچکی ہے تو اس سے بھی مصافحہ نہیں کرنا چاہیے، میرے ساتھ ایسا ہوتا رہتا ہے کہ جماعت کھڑی ہوگئی، میں مسجد کی طرف جارہا ہوں، کسی نے دیکھا تو بجائے مسجد جانے کے میری طرف آ گیا اور سلام کرکے مصافحہ کیلئے ہاتھ بڑھا دیئے، ایسے موقعوں پر میں مصافحہ نہیں کرتا تاکہ اُسے معلوم ہو کہ یہ وقت مصافحہ کرنے کا نہیں۔ اسی طرح اور کوئی شخص کسی اور جلدی میں جارہا ہے تو اسے سلام تو کرلیا جائے لیکن مصافحہ نہ کیا جائے کیونکہ سلام کرنے میں اس کا کوئی مستقل وقت خرچ نہیں ہوتا لیکن مصافحہ کرنے میں اُسے تکلیف اور اذیت پہنچے گی۔

انتظار کرنے کے آداب

آج کل انتظار کرنے والے لوگ بھی بہت تکلیف پہنچاتے ہیں۔ انتظار کرنے کے آداب میں یہ بات بھی ہے کہ جس شخص کا آپ انتظار کر رہے ہیں اگر وہ نماز میں یا کسی اور اہم کام میں مشغول ہے تو ایسی جگہ کھڑے ہوکر انتظار کریں کہ اُسے پتہ نہ چلے کہ آپ اس کا انتظار کر رہے ہیں۔ اگر اُسے پتہ چل گیا کہ آپ انتظار میں ہیں تو فوراً تشویش ہوجائے گی مثلاً اگر وہ نماز پڑھ رہا ہے تو نماز میں دل نہیں لگے گا اور بار بار خیال آئے گا کہ نجانے کیا خبر لے کر آیا ہے، کوئی خطرناک خبر لے کر آیا ہے یا خیر خیریت کی خبر لے کر آیا ہے، نماز میں خلل آئے گا اور پریشانی ہوگی۔

آج کل اس کا بالکل خیال نہیں رکھا جاتا۔ ہمارے ساتھ یہ قصے بارہا پیش آتے رہتے ہیں۔ کئی دفعہ ایسا ہوا کہ میں نماز پڑھ رہا ہوتا ہوں ایک ادھر سے آ کر

بیٹھ گیااور دوسرا دوسری طرف سے آکر بیٹھ گیا اور اپنے اعتبار سے وہ یہ سمجھ رہے ہوتے ہیں کہ ہم بڑا نیک کام کررہے ہیں کہ نماز کے بعد مصافحہ کریں گے، لیکن انہیں معلوم نہیں کہ اس کیلئے انہوں نے جو طریقہ اپنایا وہ بالکل غلط ہے۔

میرے ساتھ پیش آنے والا ایک قصہ

میرے ساتھ ایک مرتبہ یہ قصہ پیش آیا کہ میرے ذمہ سجدۂ سہو تھا۔ میں نے آخری رکعت میں تشہد کے بعد سلام پھیرا تو ایک صاحب نے وہیں سے ہاتھ پکڑ کر سلام کر ڈالا، بے خیالی میں مَیں نے بھی وعلیکم السلام کہہ دیا۔ اب نماز بھی گئی، دوبارہ چار رکعت پڑھنی پڑی۔ اس کا تو مصافحہ ہوا، میری چار رکعت فرض نماز چلی گئی۔

لائن کی پابندی ضروری ہے

مختلف جگہوں پر مطلوبہ کام کیلئے لائن لگانی پڑتی ہے مثلاً ٹکٹ لینا ہے اور رش زیادہ ہے تو لائن لگائی جاتی ہے۔ اسی طرح یہاں دارالعلوم میں کھانا لینے کیلئے لائن لگائی جاتی ہے۔ شرعی حکم یہ ہے کہ جو شخص آپ سے آگے کھڑا ہے، اس کی اجازت کے بغیر اس کی جگہ پر جانا یا اس سے آگے بڑھنا حرام ہے، لائن کی پابندی کرنا بہت ضروری ہے۔ بعض لوگ اس میں بڑا فخر محسوس کرتے ہیں کہ ہم لائن کے پابند نہیں، ہمیں کون روک سکتا ہے۔ جانور کو تو کوئی بھی نہیں روک سکتا، لیکن اگر وہ انسان ہے تو انسان ہونے کے ناطے تو اُسے رکنا چاہیے اسلامی احکام کا تقاضا بھی ہے۔

اہل یورپ کی ایک اچھی عادت

یورپ کے معاشرہ میں اگرچہ بہت ساری خرابیاں ہیں، لیکن معاشرہ کے آداب کے سلسلے میں ان میں بہت سی خوبیاں بھی پائی جاتی ہیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ جب بھی پانچ، سات آدمی کسی کام کیلئے جمع ہوجائیں تو اپنی لائن خود لگالیتے ہیں، کسی کو کہنا نہیں پڑتا کہ لائن بنالو، خود بخود لائن بناتے ہیں اور لائن لگا کر پھر ایک دوسرے سے فاصلے پر کھڑے ہوتے ہیں تاکہ دوسرے کو تکلیف نہ پہنچے۔ جبکہ ہمارے ہاں اولاً تو لائن لگانے کا رواج نہیں اور اگر کہیں لگتی ہے تو عام طور پر دھکم دھکا ہوتی ہے اور ایک طوفانِ بدتمیزی برپا ہوتا ہے حالانکہ شریعت اسلامی کا تقاضا وہ ہے جو اس معاملے میں یورپ کے لوگ کرتے ہیں کہ " المسلم من سلم المسلمون من لسانہ ویدہ" یہ اصول اسلام کا تھا لیکن اہل اسلام نے اسے چھوڑ دیا اور یورپ والوں نے اختیار کرلیا۔

اِن باتوں پرعمل کیسے ہو

مختلف مثالوں کے ذریعے سے میں نے جو بات آپ کو سمجھانے کی کوشش کی ہے۔ اگر اسے عمل میں لانے کی کوشش نہ کی گئی تو کچھ عرصہ بعد بھول جائے گی اور عمل کرنے کی عادت ایسے ماحول میں رہنے سے پڑتی ہے جہاں ان چیزوں کی پابندی کی جائے، اسی لئے کہا جاتا ہے کہ اللہ والوں کی صحبت میں رہا جائے کیونکہ ان پرعمل کرنے کا ماحول ہوتا ہے۔ اس لئے وہاں رہنے سے اس کی عادت پڑتی ہے، اور اس کی عادت بنانے سے زندگی خوشگوار بن جاتی ہے جبکہ اس کی رعایت نہ کرنے کی وجہ سے زندگی جہنم بن جاتی ہے۔

امام غزالی رحمہ اللہ تعالیٰ کا مقولہ

امام غزالی رحمہ اللہ تعالیٰ انسان سے مخاطب ہوکر فرماتے ہیں، جس کا حاصل یہ ہے کہ اے انسان! تم تو انسان تھے، تمہیں تو جانوروں سے بلند و بالا ہونا چاہیے تھا، لیکن اگر تم نے انسانیت سے گر کر جانور ہی بننا تھا تو پھر گائے، بھینس اور بھیڑ بکری کی طرح بن جاتے کہ تم سے لوگوں کو فائدہ پہنچتا، تکلیفیں نہ پہنچتیں، اور اگر یہ نہیں بن سکتے تو پھر ایسے جانور بن جاؤ جن سے نہ انسان کو راحت پہنچتی ہے اور نہ نقصان ہوتا ہے جیسے دور جنگلوں میں رہنے والے جانور کہ انسانوں سے دور ہونے کی وجہ سے انسان کو نقصان نہیں پہنچاتے لیکن اس سے کم درجے والے جانور یعنی ڈنگ مارنے والے جانور جیسے سانپ اور بچھو تو نہ بنو۔

خوشگوار زندگی گذارنے کا بہترین نسخہ

یہ تو امام غزالی رحمہ اللہ تعالیٰ کی بات ہے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کے اس آخری جملے کا حاصل یہ ہے کہ اگر تم بیان کردہ افضل اعمال میں سے بعض عمل کرنے سے عاجز ہو یا تمام پر عمل کرنا دشوار ہے تو کم از کم اتنا تو کرو کہ لوگوں کو اپنی تکلیفوں سے بچاؤ، یہ خوشگوار زندگی گذارنے کا ایک بہترین نسخہ ہے۔ اللہ رب العزت ہمیں اس پر عمل کرنے کی توفیق نصیب فرمائے۔ (آمین)

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

تین آسان نیکیاں

موضوع: تین آسان نیکیاں
بیان: حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب مدظلہ
مقام: مدرسۃ البنات جامعہ دارالعلوم کراچی
ضبط وترتیب: مولانا اعجاز احمد صمدانی (فاضل جامعہ دارالعلوم کراچی)
باہتمام: محمد ناظم اشرف

بسم اللہ الرحمن الرحیم

﴿تین آسان نیکیاں﴾

۱۔ راستہ سے تکلیف دہ چیز کو ہٹانا۔
۲۔ مسجد کی صفائی کا خیال رکھنا۔
۳۔ دوسروں کے لئے مسکرانا۔

خطبہ مسنونہ:

نحمدهٗ ونصلی علٰی رسولہٖ الكريم، امابعد!

قال النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم "عرضت علی أعمال أمتی حسنها و سيئها، فوجدت فی محاسنِ اعمالها الأذی يماط عن الطريق و وجدت فی مساوی أعمالها النخاعة تكون فی المسجد لاتدفن۔

و قال النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم: لا تحتقرن من المعروف شيئًاولوأن تلقی أخاك بوجهٍ طليق۔

(رواہ مسلم بحوالہ ریاض الصالحین ص۷۰)

تمہید:

اللہ رب العزت کا شکر ادا کرنا چاہئے کہ ہم اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے یہاں دین کی باتیں سننے کے لئے جمع ہو جاتے ہیں۔ اگر ہم اِس وقت یہاں جمع نہ ہوتے تو یہی وقت کسی اور بے کار کام یا باتوں وغیرہ میں خرچ ہو کر ضائع ہو جاتا۔

وقت کی صحیح قدر و قیمت کا اندازہ آخرت میں ہوگا جہاں ہماری زندگی کے ایک ایک لمحے اور ایک ایک حرکت و سکون کا حساب ہونے والا ہے۔ اس وقت بہت سے لوگوں کو یہ حسرت ہوگی کہ ہم نے فلاں وقت جو بے کار گذارا تھا کاش وہ وقت بھی ہم آخرت کی تیاری میں خرچ کر دیتے۔ دنیاوی زندگی میں اس کی صحیح قدر و قیمت کا احساس نہیں ہوتا۔

دین کی باتیں سننے کی فضیلت:

دین کی باتیں سننے کے لئے یہاں جمع ہونا کوئی معمولی عمل نہیں۔ آپ سب حضرات کے لئے اور خصوصاً ان حضرات کے لئے جو دور دور سے اس مجلس میں شریک ہونے کے لئے آتے ہیں، ان سب کے لئے وہ بشارت ہے جو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث مبارک میں بیان فرمائی۔ آپ نے فرمایا:

"من سلك طريقاً يلتمس فيه علماً سهل الله لهٗ به طريقاً من طرقِ الجنة" (سنن دارمی، کتاب العلم)

"جو شخص دین کا علم حاصل کرنے کے لئے کسی راستہ پر چلتا ہے

تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت کا راستہ آسان فرما دیتے ہیں''۔

آپ حضرات یہاں دین کی باتیں سننے اور دینی معلومات میں اضافہ کرنے کے لئے تشریف لائے ہیں، انشاء اللہ یہ بشارت ہم سب کے لئے ہے۔

دین کی باتیں سننے کے لئے چل کر کہیں جانا، اس کے لئے کچھ وقت نکالنا مستقل عبادت ہے۔

نیکی کے راستے:

پچھلی مجالس میں اس پر بیان چل رہا تھا کہ نیک کاموں کے بہت سے طریقے ہیں[1]۔ آخرت کمانے اور اللہ رب العزت کا قرب حاصل کرنے کے لئے بہت سے طریقے ہیں۔ جنت کمانے اور جہنم سے بچنے کے راستے بہت زیادہ ہیں۔ بہت سارے چھوٹے اور بڑے اعمال ایسے ہیں جن پر عمل پیرا ہو کر اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کی جا سکتی ہے۔ اگر کوئی آدمی ایک عمل نہیں کر سکتا تو دوسرا کر لے، دوسرا نہیں کر سکتا تو تیسرا کر لے وغیرہ وغیرہ۔

ایک مشہور مقولہ:

بزرگوں کے ہاں ایک مقولہ مشہور ہے:

﴿طرق الوصول الی اللہ بعدد أنفاس الخلائق﴾

''اللہ تک پہنچنے کے راستے اتنے ہی ہیں، جتنی تمام مخلوقات کے سانسوں کی تعداد''۔

---

[1] اس سے پہلے کئی مجلسوں میں اس موضوع پر بیان ہوا ہے۔ اسی سلسلہ میں مزید دو احادیث کی تشریح اس بیان میں ہے۔

اس میں صرف انسانوں کے سانس کی بات نہیں کی گئی بلکہ تمام مخلوقات کے سانس کا ذکر کیا گیا۔

غور فرمائیے! صرف ایک انسان کے کتنے سانس ہوتے ہیں۔اور آدم علیہ السلام سے اب تک جتنے انسان پیدا ہو چکے اور جو آئندہ پیدا ہوں گے، ان سب انسانوں کے کتنے سانس ہیں۔ یہ تو صرف انسانوں کے سانس ہوئے۔ اب جانوروں کے سانسوں کا اندازہ لگائیے، ہر جانور عمر بھر میں کتنے سانس لیتا ہے اور دنیا میں کل کتنے جانور ہیں۔ اس کے علاوہ اور ذی روح مخلوقات کتنی ہیں اور ان کے کتنے سانس ہیں!

اِن سب مخلوقات کے عمر بھر کے جتنے سانس بنتے ہیں، اتنے ہی اللہ رب العزت تک پہنچنے کے راستے ہیں۔

دین بہت آسان ہے:

یہ اللہ رب العزت کا ہم پر کتنا احسان ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس ایسا دین لے کر آئے ہیں کہ اس میں کمزور سے کمزور، مشغول سے مشغول آدمی بھی اللہ رب العزت تک پہنچ سکتا ہے۔ اگر کوئی شخص محنت والے اعمال نہیں کرسکتا تو ایسے اعمال اختیار کرسکتا ہے، جن میں محنت نہ ہو۔ وقت طلب اعمال کرنا مشکل ہو تو ایسے اعمال اختیار کرسکتا ہے جن کے لئے کوئی خاص وقت نہیں نکالنا پڑتا۔

اعمال کی قسمیں اور ان کا حکم:

اعمال دو طرح کے ہیں۔ ایک تو فرائض و واجبات ہیں جن کا بجا لانا

بہر حال ضروری ہے جیسے پانچ وقت کی نماز، رمضان کے روزے، مال کی زکوٰۃ، زندگی میں ایک مرتبہ کا حج، قربانی وغیرہ۔ یہ اعمال وہ ہیں جو اپنی اپنی شرائط کے ساتھ فرض و واجب ہیں۔ جس جس کی شرطیں پائی جائیں گی، وہ فرض و واجب ہوتا چلا جائے گا۔ لہٰذا یہ اعمال تو کرنے ہی ہیں، انہیں چھوڑا نہیں جاسکتا اور یہ تھوڑے سے ہیں۔

لیکن وہ اعمال جو متعین طور پر فرض و واجب نہیں، ان کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ ان کے اندر یہ تفصیل ہے کہ کسی ایک کام کا اختیار کرنا ضروری نہیں، اگر ایک کام نہیں کرسکتا تو دوسرا کرلے تب بھی اللہ تعالیٰ تک پہنچ جائے گا، دوسرا نہیں تو تیسرا کرلے تب بھی اللہ تک پہنچ جائے گا، غرضیکہ جو عمل بھی کرلے، اس کے ذریعے اللہ تک پہنچ جائے گا۔

اللہ تک پہنچنے کا مطلب اور ولی اللہ کی تعریف:

اللہ تک پہنچنے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کا ولی اور دوست بن جائے گا۔ عام لوگوں کے ذہنوں میں یہ ہوتا ہے کہ اللہ کا ولی اسے کہتے ہیں جو ہواؤں میں اڑتا ہو، اسے کشف ہوتا ہو، غیب کی باتیں بتاتا ہو وغیرہ وغیرہ۔ یہ خیال درست نہیں۔ اللہ کا ولی اسے کہتے ہیں جو گناہوں سے بچنے کا اہتمام کرتا ہو اور فرائض و واجبات کو ادا کرتا ہو، سنت کے مطابق زندگی گزارتا ہو، خواہ زندگی میں اسے ایک مرتبہ بھی کشف نہ ہوا ہو اور کبھی بھی ہوا میں نہ اڑا ہو۔ ہوا میں اڑنا یا کشف و کرامت کا پایا جانا نہ ولی ہونے کی لازمی شرط ہے اور نہ اس کی علامت ہے اور نہ اس سے آدمی کے درجات میں کوئی اضافہ ہوتا ہے البتہ بعض مرتبہ اللہ تعالیٰ بعض اولیاء کو کشف و

کرامت سے بھی نواز دیتا ہے، لیکن یہ مقصود نہیں۔ اصل مقصود یہ ہے کہ انسان اللہ رب العزت کے احکام کا پابند ہو، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے مطابق زندگی گزارے۔

لہٰذا اگر انسان اللہ تعالیٰ کے احکام اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں پر عمل پیرا ہو اور اللہ تعالیٰ کے قریب کرنے والے جو اعمال ہیں، جن میں بہت سے اس باب میں تفصیل سے آ رہے ہیں، ان میں سے سب یا کچھ اختیار کرلے تو وہ اللہ کا ولی ہے۔

ہماری مجلس میں یہی بیان چل رہا تھا کہ نیک کام کرنے کے طریقے بہت سے ہیں۔ چنانچہ اسی سلسلہ میں چند احادیث اور ان کی مختصر تشریح ذکر کی جاتی ہے۔

پہلی حدیث کا ترجمہ:

پہلی حدیث کا ترجمہ یہ ہے:

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھ پر میری امت کے اعمال پیش کئے گئے (یعنی یہ دکھایا گیا کہ آپ کی امت کے لوگ کیا کیا اعمال کر رہے ہیں اور کیا کرنے والے ہیں، اچھے اعمال بھی دکھائے گئے اور برے اعمال بھی) آپ نے فرمایا کہ اپنی امت کے نیک اعمال میں سے ایک عمل میں نے یہ دیکھا کہ راستہ میں سے تکلیف دہ چیز کو ہٹا دیا گیا۔ اور اپنی امت کی بداعمالیوں میں سے ایک بدعملی یہ پائی کہ کسی نے (منہ یا ناک سے) بلغم نکالا اور اسے مسجد میں ڈال دیا اور پھر اُسے صاف بھی نہیں کیا گیا۔ (لفظی ترجمہ یہ

ہے کہ دفن نہیں کیا گیا)۔

تکلیف دہ چیز کو راستے سے ہٹانے کی صورتیں:

تکلیف دہ چیز کو راستہ سے ہٹانے کی بہت سی صورتیں ہیں، مثلاً رستے میں کوئی کانٹا پڑا ہے تو اسے ہٹادے، پتھر پڑا ہے تو اسے ہٹا دے، شاخ گری ہوئی ہے، کوئی چھلکا خصوصاً ایسا چھلکا جس سے پھسلن پیدا ہو جاتی ہے جیسے کیلے کا چھلکا، یا کوئی گندگی وغیرہ کہ جس سے لوگوں کو تکلیف ہوتی ہے، غرضیکہ کوئی بھی تکلیف دہ چیز نظر آئے تو اُسے راستے سے ہٹا دیا جائے۔

اور یہ صورت بھی اسی میں داخل ہے کہ اپنی گاڑی ایسی جگہ کھڑی نہ کی جائے جس سے دوسروں کو تکلیف پہنچے۔ بعض لوگ اپنی سائیکل، موٹر سائیکل، کار وغیرہ ایسی جگہ کھڑی کر دیتے ہیں، جس سے لوگوں کی آمدورفت میں خلل واقع ہوتا ہے مثلاً گیٹ کے سامنے گاڑی کھڑی کرنا وغیرہ۔

ٹریفک قوانین کی پابندی شرعاً بھی ضروری ہے:

ٹریفک کے قوانین میں جہاں نوپارکنگ (Noparking) لکھا ہوتا ہے، وہ بھی ایسی جگہ ہوتی ہے کہ اگر وہاں گاڑی کھڑی کی جائے تو اس سے لوگوں کو تکلیف پہنچتی ہے۔ اسی طرح بسوں کے اسٹاپ مقرر ہوتے ہیں۔ لوگ وہاں بس کا انتظار کررہے ہوتے ہیں۔ ان میں بچے، بوڑھے، عورتیں اور کمزور ہر طرح کے لوگ ہوتے ہیں۔ اب اگر کوئی شخص اس جگہ اپنی کار کھڑی کردے جہاں بس آکر رکتی ہے تو بس وہاں اپنے سٹاپ پر رکنے کے بجائے دوسری جگہ کھڑی ہوگی اور

مسافروں کو سوار ہونے کے لئے وہاں تک جانا پڑے گا، عورتوں، بچوں اور کمزوروں کو وہاں تک پہنچنے میں دشواری ہوگی۔ اور یاد رکھئے کہ ایسی جگہ گاڑی کھڑی کرنا صرف قانوناً ممنوع نہیں بلکہ شرعاً بھی ناجائز ہے۔ اس سے بچنا ضروری ہے۔

راستے میں کھڑے ہو کر باتیں کرنا تکلیف دینے کے مترادف ہے:

بہت سے لوگ راستے میں کھڑے ہو کر بات چیت کرنے لگتے ہیں جس کی وجہ سے راستہ پر چلنے والوں کو تکلیف ہوتی ہے۔ بعض لوگ مسجد کے دروازے پر کھڑے ہو کر ایک دوسرے سے ملاقاتیں کرتے ہیں یا کسی کا انتظار کرتے ہیں حالانکہ مسجد کا دروازہ تنگ ہوتا ہے اور مسجد سے نکلنے والوں کی تعداد بہت زیادہ ہوتی ہے، وہاں کھڑے ہونے سے لوگوں کو تکلیف ہوتی ہے، اس سے بھی اپنے آپ کو بچانا چاہئے۔

ایسا عمل نہ کیا جائے جس سے دوسروں کو تکلیف ہو:

صرف اتنی بات کافی نہیں کہ دوسروں کے لئے تکلیف دہ چیزوں کو ہٹادیا جائے بلکہ یہ بھی ضروری ہے کہ خود بھی کوئی ایسا عمل نہ کیا جائے جس سے دوسروں کو تکلیف ہو، اس لئے کہ شرعاً کسی دوسرے کو ناحق تکلیف میں مبتلا کرنا ناجائز ہے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

﴿المسلم من سلم المسلمون من لسانہ ویدہ﴾

''مسلمان وہ ہوتا ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے دوسرے مسلمان

کو تکلیف نہ پہنچے"

(مشکوۃ، کتاب الایمان)

تکلیف دہ چیز ہٹانا آسان عمل ہے:

اور یہ کوئی مشکل کام بھی نہیں۔ ہم میں سے ہر شخص یہ کام بآسانی کرسکتا ہے کہ چلتے پھرتے راستہ میں جب بھی کوئی تکلیف دہ چیز نظر آئے تو اُسے راستہ سے ہٹادے۔

اِس عمل کے فضائل:

یہ عمل اگرچہ دیکھنے میں بہت آسان ہے لیکن اس کے فضائل بہت زیادہ ہیں۔ مسلم شریف کی ایک حدیث میں ہے کہ ایمان کے ستر سے زیادہ شعبے ہیں۔ ان بں سے ایک شعبہ یہ ہے کہ راستہ سے تکلیف دہ چیز کو ہٹادیا جائے۔ (مسلم، کتاب یمان) گویا اس عمل کو ایمان کا شعبہ قرار دیا گیا۔

اور ایک روایت میں ہے کہ ایک شخص کی مغفرت اِسی وجہ سے ہوگئی کہ اس درخت کی شاخ کو راستہ سے ہٹا دیا تھا[1]۔ وہ شاخ درخت پر لگی ہوئی تھی لیکن راستہ ، ہوئی تھی، لوگ چلتے تھے تو انہیں قدرے تکلیف ہوتی تھی، شاخ سے کوئی بڑی ۔ نہیں ہوتی، وہاں سے بچ کر بھی گذرا جا سکتا ہے، کترا کر گذرنا بھی چونکہ ، تکلیف پر مشتمل ہے اس لئے اس نے اسے ہٹا دیا۔ اللہ رب العزت نے اس عمل کی وجہ سے اس کی مغفرت فرمادی۔

سلم بحوالہ ریاض الصالحین ص ۳ ۷

چھوٹے عمل کو حقیر نہیں سمجھنا چاہئے:

جو کڑا وقت میدان حساب میں آنے والا ہے، اس کے بارے میں کچھ معلوم نہیں کہ ہمارا کون سا عمل کام دے جائے گا اور کس عمل سے ہماری جان بخشی ہو جائے گی۔ اس لئے کسی چھوٹے سے چھوٹے عمل کو بھی حقیر سمجھ کر نہیں چھوڑنا چاہئے۔ لہٰذا اس طرح کے چھوٹے چھوٹے اعمال کرنے کا موقع ہو تو غنیمت سمجھ کر انہیں کر لیا جائے۔

لیکن بہت کم لوگ اس طرف دھیان دیتے ہیں۔ عام طور پر اسے دین کا کام ہی نہیں سمجھا جاتا۔ یوں سمجھتے ہیں کہ یہ تو دنیا کا کام ہے حالانکہ یہ بہت بڑی فضیلت کا عمل ہے جیسا کہ ابھی معلوم ہوا۔ ویسے بھی کسی عمل کو معمولی اور حقیر سمجھ کر نہیں چھوڑنا چاہئے۔ بعض لوگ کہتے ہیں میاں! ہم تو بڑا کام کریں گے، چھوٹا کر کے کیا کریں گے۔ یہ بات غلط ہے، چھوٹا کام کرو، بڑا بھی کر لینا۔ بڑے کام کے انتظار میں چھوٹا کام چھوڑنا درست نہیں، معلوم نہیں کہ بڑے کام کی توفیق ملے گی نہیں؟ موقع مل سکے گا یا نہیں؟ اس وقت تک زندہ بھی رہیں گے کہ نہیں؟ کرنے کی ہمت ہوگی یا نہیں؟ دھیان ہوگا یا نہیں؟ یاد رہے گا یا نہیں؟ ان سب چیزوں کے بارے میں کچھ معلوم نہیں۔ لہٰذا جو کام آج ہو رہا ہے یا ہو سکتا ہے اُسے کل پر نہ چھوڑا جائے۔

مسجد میں تھوکنا، ایک بُرا عمل:

اور اِس حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جس بدعملی کا ذکر

یہ ہے کہ کسی نے ناک یا منہ سے بلغم نکال کر مسجد میں پھینکا اور پھر اس بلغم کو دفن بھی نہیں کیا گیا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دفن کا لفظ اس لئے استعمال فرمایا کہ اس زمانے میں مسجد نبوی کا فرش کچا تھا۔ اس زمانے میں اگر کوئی مسجد میں تھوک دیتا یا بلغم ڈال دیتا تو اُسے صاف کرنے کا طریقہ یہ تھا کہ اس زمین کو کھرچ کر اُسے وہیں دفن کر دیا جاتا اور اوپر سے مٹی ڈال دی جاتی۔ لیکن اس سے مراد یہ ہے کہ اسے صاف کیا جائے۔ آج کل ہماری مسجدوں میں عام طور پر پکے فرش ہوتے ہیں تو انہیں صاف کرنا ضروری ہوگا۔ ابتداءً کسی کپڑے وغیرہ سے صاف کر لیا جائے اور بعد میں گیلا کپڑا پھیر دیا جائے تو اچھی طرح صاف ہو جائے گا۔

مسجد کی صفائی میں غفلت:

بعض اوقات مساجد کے صحنوں میں جانور بیٹ کر دیتے ہیں اور وہ بیٹ پڑے رہتے ہیں۔ اسے صاف کرنے کی طرف کسی کا دھیان بھی نہیں جاتا۔ عام طور پر لوگ اِس انتظار میں رہتے ہیں کہ یہ کام مسجد کا خادم کرے گا۔

مسجد کی صفائی صرف خادم مسجد کے ذمہ نہیں:

یہ بات درست ہے کہ مسجد کی صفائی کرنا خادمِ مسجد کی ذمہ داریوں میں سے ہے۔ اسے تنخواہ بھی اسی کام کی ملتی ہے یہ اس کا فرض منصبی ہے اور ایسا کرنا اس کے لئے فرض عین ہے، اِس کے بغیر اس کی تنخواہ حلال نہیں ہوگی لیکن یہ تنہا اس کا فرض نہیں بلکہ یہ ہر مسلمان کی ذمہ داری ہے۔ جو مسلمان بھی مسجد میں داخل ہوتا ہے، اگر مسجد میں کوئی گندگی کی چیز دیکھتا ہے تو اسے ہٹانا اس کی ذمہ داری ہے۔

مسجد میں تھوکنے سے پرہیز ضروری ہے:

صرف یہی نہیں کہ مسجد میں بلغم وغیرہ پڑی ہوئی ہو تو اسے ہٹایا جائے بلکہ اس بات کی بھی کوشش کرنی چاہئے کہ یہ چیزیں مسجد میں گرنے نہ پائیں، چنانچہ اگر نماز پڑھتے پڑھتے کسی کی ناک سے ریزش یا بلغم آجاتی ہے تو اس کا طریقہ بھی بتایا گیا کہ اسے تھوکنے کے بجائے اپنے ہی کسی کپڑے مثلاً چادر، رومال یا قمیض کی الٹی طرف سے ناک پونچھ لے کیونکہ مسجد میں تھوکنا یا ریزش، بلغم وغیرہ پھینکنا بے ادبی کی بات ہے اور اگر کسی نے پھینک دی اور کسی دوسرے نے دیکھ لی تو اس کی ذمہ داری ہے کہ مسجد کو اس سے صاف کرے۔

خلاصہ:

خلاصہ یہ ہے کہ یہاں دو باتیں ہیں، ایک یہ کہ مسجد میں ایسی چیزیں ڈالنا جائز نہیں، دوسرا یہ کہ اگر کسی نے ڈال دی تو سب سے پہلا فریضہ ڈالنے والے کا ہے کہ وہ اسے صاف کرے لیکن اگر وہ صاف نہ کرے تو جو بھی دیکھ رہا ہے اس کی ذمہ داری ہے کہ اسے صاف کرے۔

دین کی باتیں یاد رکھنے کا طریقہ:

اور بھائی! بات یہ ہے کہ ہم باتیں سن تو لیتے ہیں لیکن اپنے کاموں میں لگنے اور اِدھر اُدھر متوجہ ہونے کے بعد بہت ساری باتیں بھول جاتے ہیں۔ ان کو یاد رکھنے کا طریقہ یہ ہے کہ ان پر عمل شروع کر دیا جائے ابھی ہم نے دو باتیں سنی ہیں۔ ایک یہ کہ اچھے اعمال میں سے ایک عمل یہ ہے کہ راستہ سے تکلیف دہ چیز کو ہٹا دیا

جائے، دوسرا یہ کہ مسجد میں گندگی وغیرہ نظر آئے تو اسے ہٹا دیا جائے۔ ان دونوں باتوں پر آج سے عمل کرنے کا عزم کیا جائے۔

جائزہ لے کر عمل شروع کر دیں:

اور اِس بات کا جائزہ لیں کہ کون کونسی چیزیں ایسی ہیں کہ جن کے راستہ میں ہونے کی وجہ سے دوسروں کو تکلیف پہنچ سکتی ہے۔ ان چیزوں کو راستہ سے ہٹانے کا عزم کریں اور اپنے عمل سے بھی دوسروں کو تکلیف سے بچائیں۔

اور دوسری بات یہ ہے کہ آج جب ہم یہاں سے اٹھنے کے بعد مسجد میں جائیں تو مسجد کے صحن کو دیکھتے ہوئے جائیں جہاں کوئی گندگی کی چیز نظر آئے، اسے صاف کر دیں۔

آج سے عمل شروع کر دیں گے تو یہ حدیث یاد رہے گی اور پھر انشاء اللہ زندگی بھر کے لئے آپ کی رفیق بن جائے گی۔ پھر آپ کے لئے یہ ممکن ہی نہیں ہوگا کہ آپ کہیں جا رہے ہوں، وہاں تکلیف دہ چیز پڑی ہو اور آپ اسے نہ ہٹائیں۔ آپ کا دل ہی نہیں مانے گا۔ آپ کا ضمیر آپ کو آگے جانے کی اجازت نہیں دے گا اور اس طرح آپ کو ایک بہت اچھی عادت پڑ جائے گی۔

دوسری حدیث:

﴿عن ابی ذر غفاری رضی اللّٰه عنه قال قال النبی صلی اللّٰه علیه وسلم: لا تحتقرن من المعروف شیئًاولوأن تلقی أخاك بوجهٍ طلیق﴾۔

ترجمہ: ''حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کسی بھی نیک کام کو حقیر نہ سمجھنا خواہ یہ کام صرف اپنے بھائی کو مسکرا کر ملنا ہو''۔

بڑے کاموں کی توفیق کن لوگوں کو ہوتی ہے:

اس حدیث سے معلوم ہو رہا ہے کہ کسی بھی نیک کام کو محض اس وجہ سے چھوڑنا درست نہیں کہ یہ تو چھوٹا سا کام ہے، ہم کوئی بڑا کام کریں۔ عام طور پر دیکھا گیا جو لوگ چھوٹے چھوٹے نیکی کے کاموں کو حقیر سمجھ کر اس لئے چھوڑ دیتے ہیں کہ بڑے بڑے کام کریں گے تو ایسے لوگوں کو بڑے کاموں کی بھی توفیق نہیں ہوتی۔ اللہ تعالیٰ بڑے اور عظیم کاموں کی توفیق بھی انہی لوگوں کو عطا فرماتے ہیں جو چھوٹے چھوٹے کاموں کی قدر کرتے ہیں اور انہیں حقیر سمجھ کر نہیں چھوڑتے۔ کیا معلوم کہ یہی کام آخرت میں جان بخشی کا ذریعہ بن جائے۔

مسکرانے کی عادت ڈالنی چاہئے:

ان چھوٹے کاموں میں سے ایک کام کسی مسلمان بھائی سے خندہ پیشانی سے ملنا ہے یعنی کسی سے خندہ پیشانی کے ساتھ ملنا بھی ایک نیکی اور ثواب کا کام ہے، اس ثواب کے کام کو بھی حقیر سمجھ کر چھوڑنا درست نہیں۔ بلکہ اس کی عادت ڈالنی چاہئے۔

بعض لوگوں کے نہ مسکرانے کی وجوہات:

بہت سے لوگوں کو دیکھا گیا ہے کہ وہ کبھی مسکراتے ہی نہیں۔ ہر وقت ان کا

چہرہ مغموم رہتا ہے، ماتھے پر شکنیں پڑی رہتی ہیں۔ دوسرا آدمی دیکھ دیکھ کر ڈرتا رہتا ہے کہ نجانے یہ کب ناراض ہو جائے اور کب اسے غصہ آجائے۔

اس کی مختلف وجوہات ہیں۔ بعض لوگوں کو یہ عادت کسی بیماری کی وجہ سے پڑ جاتی ہے۔ ہر وقت بیماری کی تکلیف اور شدت کی وجہ سے غمگین رہتے ہیں، چہرے پر مسکراہٹ نہیں آتی۔ بعض لوگوں کو زیادہ مصروفیات اور تفکرات کے کاموں میں گھرے رہنے کی وجہ سے یہ عادت پڑ جاتی ہے کہ کاموں اور تفکرات کی وجہ سے پریشان سے رہتے ہیں، اس لئے چہرہ پر مسکراہٹ نہیں آتی۔ بعض لوگوں میں زیادہ غموں اور صدموں کے آنے کی وجہ سے یہ صورت پیدا ہو جاتی ہے۔

اگر غیر اختیاری طور پر کسی مجبوری کی وجہ سے یہ حالت پیش آجائے کہ آدمی کی عادت مسکرانے کی نہ رہے تو یہ معاف ہے لیکن ہر شخص کو تو یہ مجبوریاں لاحق نہیں ہوتیں۔ اس لئے عام حالات میں اس کی عادت بنانا درست نہیں۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول:

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول بھی یہی تھا کہ جب بھی کسی سے ملتے تو مسکرا کر ملتے، ایک صحابی کہتے ہیں کہ میں نے کبھی نہیں دیکھا کہ میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ملا ہوں اور آپ نے مسکرا کر مجھ سے ملاقات نہ کی ہو۔ بس جب بھی آپ سے ملتا تو آپ کے چہرے پر تبسم ہوتا تھا[1]۔ لوگوں سے مسکرا کر ملنا آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بڑی محبوب اور خاص سنت ہے۔ آپ جس سے بھی ملتے تھے تو آپ کے چہرے پر تبسم ہوتا تھا ہاں اگر کبھی کہیں گناہ ہوتا دیکھتے تو اس وقت آپ پر ناگواری کے اثرات ظاہر ہو جاتے لیکن عام عادت مسکرانے کی تھی، گھر میں داخل ہوتے تو

---

[1] شمائل ترمذی، باب ماجاء فی ضحکِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

آپ کے چہرۂ انور پر تبسم ہوتا تھا، کوئی ملتا تو مسکراہٹ کے ساتھ اسے ملتے، مصافحہ کرتے تھے تو چہرے پر مسکراہٹ ہوتی تھی۔

مسکرانے کے فوائد:

یہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ایسی پیاری اور بہترین سنت ہے کہ اگر کوئی شخص اس کو اپنا لے تو اس کو اپنی زندگی میں اتنی آسانیاں میسر آئیں گی کہ ان کا تصور کرنا مشکل ہے اس کے ساتھ ساتھ اس عمل پر زبردست ثواب بھی ہے، اس لئے کہ جس شخص سے آپ مسکرا کر ملیں گے، اس کے دل میں ٹھنڈک پڑ جائے گی۔ اس طرح دوسرے مسلمان کو خوش کرنے کا ثواب آپ کو ملے گا۔ اور اگر آپ اس عادت کو جاری رکھیں گے تو دنیا میں اس کا فائدہ یہ بھی ظاہر ہوگا کہ سب لوگ آپ سے محبت کریں گے، ہر ایک آپ کی بات توجہ سے سنے گا اور آپ کی بات ماننے کی کوشش کرے گا اور آپ کے ساتھ تعاون کرے گا۔

آپ کسی سے کوئی بات بغیر مسکرائے کر کے دیکھیں اور پھر وہی بات مسکرا کر کریں۔ آپ خود محسوس کریں گے کہ دونوں میں بہت بڑا فرق ہے۔ آپ تجربہ کر کے دیکھ لیں دونوں میں زمین و آسمان کا فرق ہوگا۔ جو بات آپ نے مسکرا کر کی اس کا اثر کچھ اور ہوگا اور جو بغیر مسکرائے کی، اس سے فرق پڑے گا۔

آپ اس کی عادت بنا کر تجربہ کیجئے، تاجر اپنے گاہک کے ساتھ مسکرا کر بات کرے، افسر اپنے ماتحت کے ساتھ مسکرا کر بولے، ماتحت اپنے افسر کے ساتھ، استاد شاگرد کے ساتھ اور شاگرد استاد کے ساتھ مسکرا کر بات کر کے دیکھے وہ خود بخود اس کا فرق محسوس کریں گے۔

بتکلف مسکرانے کی کوشش کرے:

میں یہ چاہتا ہوں کہ آج سے آپ اسکی مشق شروع کر دیں۔ مشق کے بغیر اس کی عادت بننا مشکل ہے۔ صرف سننے اور علم میں لانے سے یہ مسئلہ حل نہیں ہوگا، بلکہ اس کی عادت ڈالنی پڑنے گی۔ اگر کسی غم، پریشانی یا تکلیف وغیرہ کی وجہ سے چہرے پر مسکراہٹ نہیں آ رہی تو بتکلف مسکرانے کی کوشش کریں، رفتہ رفتہ تکلف کے بغیر خود بخود مسکرانے کی عادت پڑ جائے گی اور پھر آپ جب بھی کسی سے بات کریں گے تو مسکرا کر کریں گے۔

سنت کی اہمیت:

دیکھئے کہ اگرچہ دیکھنے میں یہ ایک چھوٹی سی سنت ہے لیکن حقیقت میں یہ ایک بہت بڑی سنت ہے، یہ دنیا و آخرت بنانے والی سنت ہے۔ میں کہا کرتا ہوں کہ سنت ایسی چیز ہے کہ جو شخص اسے اپنا لے گا، وہ انسانوں کا محبوب بن جائے گا، دنیا اُسے عزت کی نظر سے دیکھے گی، اس سے محبت کرے گی اور اس کی پیروی کرے گی۔

ہمارے ہاں اِس سنت پر بہت کم عمل ہوتا ہے:

اس بات سے بہت ہی دل دکھتا ہے کہ ہمارے ہاں اس سنت پر عمل کرنے کا رواج بہت ہی کم ہے۔ بہت کم لوگوں کے چہروں پر ملاقات کے وقت مسکراہٹ نظر آتی ہے، دکان پر جائیں، دکاندار کے چہرے پر مسکراہٹ کم نظر آئے گی، گاہک کے چہرے پر مسکراہٹ کم نظر آئے گی، دو عام ملاقاتیوں کے چہروں پر مسکراہٹ بہت کم نظر آتی ہے۔ ہمارے ہاں اِس سنت پر بہت کم عمل کیا جاتا ہے۔

اہل یورپ کی ایک اچھی عادت:

لیکن بہت ہی دکھے دل سے کہتا ہوں کہ بہت سے وہ اعمال جو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو سکھائے تھے اور ہم نے ان پر عمل کرنا تقریباً چھوڑ دیا لیکن یورپ کے لوگوں نے انہیں اختیار کرلیا۔ یہ اعمال وہ تھے جو دنیاوی ترقی کے لئے بے نظیر تھے چونکہ وہ لوگ صرف دنیا کے طالب ہیں تو انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ان تعلیمات کو لے لیا جن سے دنیاوی ترقیاں ملتی ہیں اور چونکہ انہیں آخرت سے کوئی سروکار نہیں اور آخرت پر ان کا عقیدہ بھی نہ ہونے کے برابر ہے، اس لئے آخرت سے متعلق تعلیمات کو چھوڑ دیا۔ مسکرانے کا عمل ایک ایسا عظیم عمل ہے کہ جس کی وجہ سے زبردست دنیاوی ترقیاں ہوتی ہیں چنانچہ انہوں نے اِس عمل کو اپنا لیا اور اس پر عمل کرنا شروع کر دیا۔

برطانیہ اور سوئٹزر لینڈ کے لوگوں کی عادت:

اب وہاں کی حالت یہ ہے کہ یورپ کے مختلف ممالک خصوصاً برطانیہ، سوئٹزر لینڈ اور بعض دیگر ممالک میں مسکرانے کی عادت عام ہے۔ برطانیہ میں آپ جس سے بھی ملاقات کریں گے، خواہ وہ مرد ہو یا عورت وہ مسکرا کر بات کرے گا۔ آپ کسی سے راستہ پوچھیں، وہ مسکرا کر جواب دے گا حالانکہ وہ آپ کا کام کر رہا ہے۔

وہاں سپاہی مسکرا کر چالان کرتا ہے:

حتی کہ وہاں پر پولیس والا سپاہی بھی مسکرا کر چالان کرتا ہے۔ ان کے

ہاں چالان کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ جب کوئی شخص قانون کی خلاف ورزی کرتا ہے تو پولیس والا آتا ہے اور ہاتھ میں ایک ٹکٹ تھما دیتا ہے، اس ٹکٹ پر لکھا ہوتا ہے کہ آپ فلاں تاریخ تک اتنی رقم عدالت میں جمع کرادیں، اگر جمع نہیں کرائیں گے تو آپ کی گاڑی ضبط ہو جائے گی۔ لیکن ٹکٹ دینے کا طریقہ یہ ہے کہ وہ آئے گا، گڈ مارننگ (Good morning) کہے گا، مسکرا کر اسے ٹکٹ دے گا اور پھر کہے گا very sory (معاف کرنا) مسکرا کر اسے رخصت کرے گا۔ جس کا نتیجہ یہ ہے کہ وہاں کسی شخص کا پولیس والوں سے جھگڑا نہیں ہوتا جب کہ یہاں آئے دن جھگڑے ہوتے رہتے ہیں۔ کیونکہ یہاں پر پولیس والے بدتمیزی سے بات کرتے رہتے ہیں حالانکہ انہیں یہ حق حاصل نہیں کہ کسی سے بدتمیزی سے بات کریں، انہیں چالان کرنے کا تو حق ہے لیکن بدتمیزی سے بات کرنے کا حق نہ انہیں قانون نے دیا ہے اور نہ شریعت نے دیا ہے۔ برطانیہ میں اس بات کی پابندی کی جاتی ہے کہ پولیس والا مسکرا کر بات کرے، بدتمیزی اور سخت لہجے میں بات نہ کرے۔

برطانیہ اور سوئٹزر لینڈ میں تقریباً سو فیصد یہ عادت پائی جاتی ہے کہ جب بھی کسی سے بات کریں گے، پوچھیں گے یا کسی بات کا جواب دیں گے تو مسکرا کر بولیں گے اور دیگر بعض ممالک میں بھی یہ عادت بکثرت پائی جاتی ہے۔

مسکرانے کے معاشرتی اثرات:

اس عادت کو اپنانا ہمارے لئے بہت اہم ہے۔ ہمیں چاہئے کہ ہم آج سے اِس پر عمل شروع کریں اور اگر ملتے وقت کسی کو مسکرانا یاد نہ رہے تو اسے یاد دلا دیں کہ

بھائی آپ مسکرائے نہیں۔ اگر آپس میں اس کا معمول بنا لیا جائے اور بھولنے کی صورت میں یاد دہانی کرائی جانے لگے تو ہمارے معاشرہ میں شہد ہی شہد گھل جائے۔ ہمارے درمیان جو تلخیاں، کشیدگیاں اور نفرتیں پھیلی ہوئی ہیں، وہ سب کی سب ختم ہو جائیں۔ اور ہماری زندگی جنت والی زندگی کا نمونہ بن جائے۔ اللہ تعالیٰ ہم کو اس پر عمل کرنے کی توفیق نصیب فرمائے۔ (آمین)

وآخر دعوانا أنِ الحمد للّٰه رب العالمين

محبّتِ رسُول اَور اُس کے تقاضے

موضوع: محبت رسولؐ اور اس کے تقاضے

بیان: حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب مدظلہ

مقام: مدرسۃ البنات جامعہ دار العلوم کراچی

ضبط و ترتیب: عبد المنتقم سلہٹی صاحب

باہتمام: محمد ناظم اشرف

بسم اللہ الرحمن الرحیم

﴿محبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور اس کے تقاضے﴾

الحمدللّٰہ نحمدہ ونستعینه ونستغفرہ ونؤمن به ونتوکل علیه ونعوذ باللّٰہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا، من یهدہ اللّٰہ فلامضل له ومن یضلله فلا هادی له ونشهدان لا اله الا اللّٰہ وحدہ لاشریک له ونشهدان سیدنا وسندنا ومولانا محمداً عبدہ ورسوله صلی اللّٰہ تعالیٰ علیه وعلی اله واصحابه وبارک وسلم تسلیماً کثیراً۔ امابعد! ﴿عن انس رضی اللّٰہ عنه قال: سمعت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم یقول: لا یؤمن احد کم حتی اکون احب الیه من والدہ وولدہ والناس اجمعین﴾

(صحیح بخاری، کتاب الایمان، باب حب الرسول ﷺ من الایمان)

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی عظمت شان

معزز حاضرین اور محترم خواتین، جو حدیث میں نے آپ کے سامنے تلاوت کی، اس کو حضرت انس رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے اور حضرت انس رضی اللہ عنہ وہ صحابی ہیں جن کو پورے دس ۱۰ سال تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اس طرح رہنے کا موقع ملا، جس طرح گھر کا کوئی بچہ ہوتا ہے اور ایسا لگتا تھا کہ یہ آپ کے بیٹے ہیں، اور انہوں نے دل وجان سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خوب خدمت بھی کی ہے۔ پھر بچپن میں جو باتیں آدمی سن لیتا ہے وہ یاد بھی رہتی ہیں، چنانچہ ان کو بہت احادیث یاد بھی تھیں اور بہت سی حدیثیں انہوں نے امت کو پہنچائیں۔ ان کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا کی تھی کہ یا اللہ ! ان کی عمر میں بھی برکت عطا فرما اور ان کی اولاد میں بھی برکت عطا فرما۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے نکلی ہوئی دعا تھی، عمر میں تو برکت کا حال یہ ہوا کہ ان کا شمار تقریباً ان صحابہ کرام میں سے ہے جن کا انتقال بالکل آخر میں ہوا ہے، سن ۹۳ ہجری میں ان کا انتقال ہوا، یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد تراسی ۸۳ سال زندہ رہے جب کہ ان کی عمر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کے وقت تقریباً دس ۱۰ سال ہو چکی تھی اس طرح آپ کی عمر ایک سو تین ۱۰۳ سال ہوئی۔ یہ تو اللہ تعالیٰ نے ان کی عمر میں برکت عطا کی اور اولاد میں برکت کا یہ حال تھا کہ جب حجاج بن یوسف کا زمانہ آیا، اس وقت تک یہ اپنی اولاد کی اولاد میں چالیس ۴۰ سے زیادہ کو دفن کر چکے تھے، اب اندازہ کیجئے، جو اولاد زندہ تھی وہ کتنی ہوگی، ان کی اولاد اور اولاد کی اولاد سینکڑوں میں تھی، اسی طرح ان کے مال اور پیسے میں بھی اللہ تعالیٰ نے برکت عطا فرمائی۔

محبت رسول ﷺ کا معیار

بہر حال، حضرت انس رضی اللہ عنہ، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث سنا رہے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

﴿لا یؤمن احد کم حتی اکون احب الیه من والده وولده والناس اجمعین﴾

''تم میں سے کوئی آدمی پورا ایمان دار اور پورا مومن نہیں ہوسکتا، یہاں تک کہ میں اس کے نزدیک اس کے والد، اس کی اولاد اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب ہوجاؤں۔''

یعنی جب تک میری محبت کسی کے دل میں اپنے باپ سے اپنی اولاد سے اور دنیا کے تمام انسانوں سے زیادہ نہ ہوگی، اس وقت تک وہ شخص پورا مومن نہیں ہے اس کا ایمان پورا نہیں ہے۔ معلوم ہوا کہ ایمان مکمل ہونا اس بات پر موقوف ہے کہ دل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اپنے ماں باپ سے اپنی اولاد سے اور تمام دنیا کے انسانوں سے زیادہ ہو اس کے بغیر ایمان مکمل نہیں ہوتا بلکہ ادھورا اور ناقص رہتا ہے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی شان یہی تھی کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر، آپ کے دین پر اور آپ کی محبت پر سب کچھ قربان کردیا تھا۔ اسی سلسلے کی ایک اور حدیث، جس میں اسی ارشاد کی مزید تفصیل موجود ہے، اسے بھی حضرت انس رضی اللہ عنہ ہی نے بیان فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے۔

﴿لا یؤمن عبد حتی اکون احب الیه من ماله واھله والناس اجمعین﴾

''کوئی بندہ پورا مومن نہیں ہوسکتا، یہاں تک کہ میں اس کے نزدیک اس کے گھر والوں سے اس کے مال سے اور دنیا کے تمام انسانوں سے زیادہ محبوب ہو جاؤں۔''

(نسائی، کتاب الایمان، باب علامة الایمان)

اس روایت میں سارے گھر والوں کا ذکر آ گیا، جن میں بیوی بچے سب شامل ہے۔ حاصل یہ نکلا کہ جب تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت ہمارے تمام رشتہ داروں پر، ماں باپ اور بیوی بچوں کی محبتوں پر غالب نہ آ جائے اور ہمارے جتنے بھی اموال ہیں، روپیہ پیسہ ہے، زیورات ہیں ساز وسامان ہے، ان سب پر جب تک اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت غالب نہ آ جائے آدمی کا ایمان پورا اور مکمل نہیں ہوتا۔

حضرت فاروق اعظم اور محبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم

آپ جانتے ہیں کہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سچے عاشق اور جانباز تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ادنی اشارے پر سب کچھ لٹانے کے لیے ہر وقت تیار رہتے تھے۔ ان کی محبت کا حال یہ تھا کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کر کے مدینہ طیبہ تشریف لائے تو اس کے ایک سال بعد اسلام اور کفر کے درمیان سب سے پہلا معرکہ غزوۂ بدر ہوا۔ کفار مکہ جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمن تھے اور مسلسل دشمنیاں کرتے رہتے تھے۔ رسول اللہ صلی

اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرامؓ پر حملہ آور ہوگئے۔ مدینہ طیبہ کے قریب ''بدر'' نامی جگہ میں لشکر کفار کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے جانثار صحابہؓ کا مقابلہ ہوا۔ مسلمانوں کی تعداد صرف تین سو تیرہ ۳۱۳ تھی اور کفار مکہ کی تعداد ایک ہزار تھی، کفار مکہ سب سواریوں پر تھے اور طرح طرح کے سازوسامان سے مسلح تھے جبکہ مسلمانوں کے پاس مشکل سے دو گھوڑے تھے، اور صرف ستر ۷۰ اونٹ تھے، باقی سب پیدل تھے، بہت سوں کے پاؤں میں جوتے تک نہیں تھے، بہت سوں کے پاس تلواریں تک نہیں تھیں، سب تقریباً نہتے تھے۔ جب لشکر اسلام دشمن کے مقابلے پر جانے لگا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرامؓ کو جمع کیا، کہ تم ہمیں مشورہ دو کہ کیا کرنا چاہیئے، جنگ کی جائے یا نہ کی جائے؟ جنگ کی جائے تو کس طرح کی جائے؟ اس پر مختلف حضرات نے مشورے دیئے، اس موقع پر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کھڑے ہوگئے اور عرض کیا کہ یارسول اللہ! یہ پہلا موقع ہے کہ آپ کے دشمنوں سے ہمارا مقابلہ ہونے والا ہے، اور آج ہمیں اپنی محبت کا ثبوت اللہ کے حضور پیش کرنا ہے۔ آج ہماری محبت کا اور ہمارے ایمان کا امتحان ہو رہا ہے اس واسطے میری تجویز یہ ہے کہ دشمن کی طرف سے ابوبکر کے باپ ابوقحافہ آرہے ہیں، ابوبکر کو آپ حکم دیجئے کہ وہ بڑھ کر اپنے باپ ابوقحافہ کو قتل کرے تاکہ دنیا کو یہ معلوم ہو جائے کہ آپ کی ذات گرامی ہمیں اپنے باپ سے زیادہ محبوب ہے۔ اور یارسول اللہ میرا حقیقی بھائی کفارہ کی طرف سے لڑنے کے لئے آرہا ہے، مجھے اجازت دیجئے کہ میں تلوار سے اس کی گردن اڑاؤں، اور فلاں کا بھائی آرہا ہے، فلاں کا بیٹا آرہا ہے، ہر ایک اپنے اپنے رشتہ دار کی گردن اڑائے، تاکہ دنیا کو یہ بات معلوم ہو جائے کہ ہمارے نزدیک آپ کی محبت کے سامنے ساری محبتیں ہیچ ہیں۔

دشمنوں کے ساتھ آپ کا سلوک

لیکن تاجدار دو عالم سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم رحمت للعالمین بنا کر بھیجے گئے۔ آپ نے دشمنوں کے بارے میں بھی حفظ مراتب کا لحاظ رکھا، چنانچہ آپ نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جواب میں فرمایا کہ یہ مناسب نہیں ہے کہ بیٹا اپنے باپ کو قتل کرے بلکہ کوئی اور قتل کرے، اور ابوبکر اپنے باپ کو قتل نہ کرے، ہاں اگر باپ قتل کرنے کیلئے حملہ آور ہوجائے، اور ابوبکر کو اپنی جان بچانے کے لئے باپ پر تلوار اٹھانی پڑے تو اس کی گنجائش ہے۔ دیکھئے! رحمت للعالمین کفار اور دشمنوں کے حقوق کی بھی رعایت کررہے ہیں اور ابوبکر سے کہہ رہے ہیں کہ عین حالت جنگ میں بھی تم اپنے باپ کو نہ مارنا۔

فاروق اعظمؓ کا مقام خشیت

بہرحال، فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ وہ ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جانثار صحابی ہیں۔ انہوں نے جب یہ حدیث سنی کہ جب تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دنیا کے ہر مال ودولت سے اور تمام عزیز واقارب ماں، باپ، بیوی بچوں سے زیادہ محبوب نہیں ہونگے، اس وقت تک ایمان کامل نہیں ہوگا، تو ان کو یہ فکر لاحق ہوگئی کہ آپ مجھے اپنی جان سے زیادہ محبوب نہیں ہیں۔ لہٰذا میرا ایمان کامل نہیں ہے، چنانچہ فوراً حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا:

﴿انت یارسول اللہ احب الی من کل الا من نفسی﴾

''یارسول اللہ! آپ مجھے ہر چیز سے زیادہ محبوب ہیں،

لیکن اپنی جان سے زیادہ محبوب نہیں ہیں"۔

اپنی جان کی محبت میں اپنے دل میں زیادہ محسوس کرتا ہوں، اب میرا ایمان کامل اور پورا ہے یا نہیں؟ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ایسے عاشق کو صاف جواب دیدیا اور فرمایا:

﴿لاوالذی نفسی بیده حتی اکون احب الیك من نفسك﴾

"پھر تو تمہارا ایمان بھی ناقص ہے، مکمل نہیں ہے، یہاں تک کہ میں تمہیں اپنی جان سے زیادہ محبوب ہو جاؤں"۔

یعنی اگر اپنی جان اللہ کے رسول سے زیادہ محبوب ہے تو ایمان کامل نہیں ادھورا اور ناقص ہے، مگر یہ بھی فاروق اعظم تھے، انہوں نے فوراً عرض کیا:

﴿فانك الان واللّٰہ احب الی من نفسی﴾

"کہ پھر تو اب آپ میرے نزدیک اپنی جان سے بھی زیادہ محبوب ہیں"۔

تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

﴿الان یا عمر تم ایمانك﴾

ایک شبہ کا ازالہ

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس موقع پر یہی بات لکھی

ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جب یہ کہہ رہے تھے کہ آپ ہر چیز سے زیادہ محبوب ہیں، لیکن میری جان سے زیادہ محبوب نہیں، تو بات یہ نہیں تھی کہ اس وقت حقیقتاً ان کے دل میں محبت کم تھی، اور بعد میں جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایمان محبت کے بغیر کامل نہیں ہوگا، تب محبت کامل پیدا ہوئی، بلکہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ خیال ہوا کہ آدمی کو اگر چوٹ لگتی ہے، مثلاً چاقو کا زخم آ گیا، پیٹ میں درد ہوگیا، سر میں درد ہوگیا، یا کوئی اور زبردست تکلیف پر اپنی تکلیف کا جتنا اثر ہوتا ہے، اتنا اثر دوسرے کی تکلیف کا نہیں ہوتا، تو شاید حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تکلیف کا اثر اتنا نہ ہو، اورشاید یہ اس بات کی علامت ہے کہ میرے دل میں حضور ﷺ کی محبت کم ہے۔ اس لئے یہ شبہ پیدا ہوا، لیکن پھر جب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ اب تو آپ مجھے اپنی جان سے بھی زیادہ محبوب ہیں، یہ اس وجہ سے کہا کہ اس عرصے میں انہوں نے غور کیا کہ الحمدللہ! یہ بات نہیں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اپنی جان سے کم ہے، بلکہ اگر خدانخواستہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر کوئی دشمن حملہ آور ہو، یا کوئی سانپ یا بچھو نقصان پہنچانے کی کوشش کرے تو اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس تکلیف سے بچانے کے لئے میں اپنی جان کی بازی لگادوں گا یا نہیں؟ دل نے گواہی دی کہ لگادوں گا، تو انہوں نے فرمایا کہ الحمدللہ! آپ مجھے اپنی جان سے بھی زیادہ محبوب ہیں۔

محبت رسول ﷺ میں صحابہ کی جانثاری

صحابہ کرامؓ کے حال کا کیا کہنا، حقیقت یہ ہے کہ حضرات صحابہ کرامؓ نے محبت کے ایسے حسین نمونے چھوڑے ہیں کہ ان کی نظیریں پھر دنیا نے نہیں دیکھیں۔ آپ کو معلوم ہے کہ جنگ احد کے موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرامؓ کو ساتھ

لے کر میدان احد میں دشمن کا مقابلہ کرنے کیلئے تشریف لے گئے، چونکہ اندازہ یہ تھا کہ معرکہ سخت ہونے والا ہے، اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ میں جانے کے لئے لوہے کی ٹوپی پہنی ہوئی تھی، اور لوہے کی دو زر ہیں اوپر نیچے پہنی ہوئی تھیں۔ اس جنگ میں منافقین کا ایک گروہ جو اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرتا تھا۔ وہ بھی ساتھ گیا، لیکن اس نے یہ پلان بنا رکھا تھا کہ جب دشمن سے مقابلہ شروع ہوگا تو ہم میدان سے بھاگ کھڑے ہونگے۔ منافقین کئی سو تھے، اور قاعدہ یہ ہے کہ جب کسی جگہ جنگ ہو رہی ہو، مثلاً ایک طرف مقابلہ کرنے والا ایک ہزار ہیں اور دوسری طرف تین ہزار ہیں، اب چاہے ایک ہزار لڑنے والے کتنے بھی بہادر ہوں، اگر ان میں سے تین سو آدمی یکدم بھاگ پڑیں اور پیٹھ دکھادیں تو لڑنے والے بڑے بڑے بہادروں کے بھی پاؤں اکھڑ جاتے ہیں۔ تو منافقین کا منصوبہ یہی تھا کہ جب جنگ شروع ہوگی تو ہم تین سو آدمی وہاں سے پیچھے کی طرف بھاگ کھڑے ہونگے تاکہ لڑنے والے مجاہدین کے پاؤں اکھڑ جائیں اور مسلمانوں کو شکست ہو جائے، اور تاجدار دو عالم سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم جو آفتاب رسالت بنا کر بھیجے گئے تھے۔ یہ بدنیت لوگ اس آفتاب کو بجھانے کے درپے تھے، چنانچہ منافقین بھاگ کھڑے ہوئے اور اس کی وجہ سے مسلمانوں کے حوصلے ٹوٹے، البتہ شروع میں فتح ہوگئی اور مسلمان دشمنوں کا تعاقب کرنے لگے، لیکن ایک دستے کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک جگہ مقرر کیا تھا اور اس دستے کے سربراہ کو آپ نے بار بار تاکید فرمائی تھی کہ ہمیں فتح ہو یا شکست ہو، تکلیف ہو یا راحت ہو، تم یہاں سے مت ہٹنا، کیونکہ وہ مقام بہت اہم تھا۔

اطاعت امیر سے بے احتیاطی کا نتیجہ

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ نے دشمن کو شکست فاش دی اور ان کا تعاقب کرنے لگے، تو اس وقت دشمن کا ایک بڑا دستہ اسی جگہ پر پہاڑ کے

پیچھے چھپا ہوا تھا، جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کا دستہ مقرر کیا تھا۔ لیکن جب دستے کے لوگوں نے یہ دیکھا کہ مسلمانوں کو فتح ہو رہی ہے، تو انہوں نے اپنے امیر سے کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمانے کا مقصد تو یہ تھا کہ جب جنگ ہو رہی ہو، اس وقت تک یہاں سے مت ہٹنا، اب تو جنگ ختم ہوگئی اور دشمن بھاگ کھڑا ہوا، لہٰذا اب آپ ہمیں اجازت دیجئے کہ ہم بھی آگے چلے جائیں، امیر نے روکنے کی بہت کوشش کی، مگر اکثر لوگ چلے گئے اور وہ مورچہ خالی ہوگیا۔ دشمن نے وہیں پشت سے زبردست حملہ کیا اس حالت میں کچھ صحابہ کرامؓ کے پاؤں اکھڑ گئے اور کچھ صحابہ کرامؓ بھاگ کھڑے ہوئے۔ دشمن اس کوشش میں تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نشانہ بنائے، چنانچہ دشمن نے دیکھ لیا کہ تاجدار دو عالم سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم ایک جگہ پر موجود ہیں اس وقت آپ کے ساتھ چند صحابہ کرامؓ تھے جن میں حضرت ابودجانہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور چند انصاری نوجوان تھے۔ چونکہ دشمن کے اچانک حملے سے صحابہ کرامؓ میں بھگدڑ مچ گئی تھی اور افراتفری پھیل گئی تھی تو کسی کو کسی کی خبر نہ رہی اور کسی کو یہ بھی معلوم نہ رہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہاں ہیں؟ ہر ایک تلاش کر رہا تھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی جگہ پر نظر نہیں آ رہے تھے۔

حضرت انسؓ کے خاندان کا عشق رسول

اللہ تعالیٰ نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پورے گھرانے کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عشق دیا تھا۔ ان کے والد ابوطلحہ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پروانے تھے، بیٹے انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی آپ کے سچے عاشق تھے اور حضرت انس

رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی والدہ ام سلیم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رضاعی خالہ بھی تھیں۔ جب افراتفری مچی تو کچھ صحابہ کرامؓ تو واپس لوٹ رہے تھے۔اور کچھ صحابہ کرامؓ پر عجیب بے خودی کی سی کیفیت طاری ہوگئی اور ان کے ہاتھوں سے تلواریں گرنے لگیں، کچھ صحابہ کرامؓ بے خود ہوکر بیٹھ گئے، لیکن یہ ام سلیم دوڑتی ہوئی لشکر کی طرف جارہی تھیں اور یہ آواز لگارہی تھیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہاں ہیں؟ بے تحاشا رو رہی تھیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تلاش کررہی تھیں۔ کسی نے کہا ام سلیم! تمہارا بھائی شہید ہوگیا، تو کہا مجھے بھائی کی پرواہ نہیں، مجھے یہ بتاؤ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی حیات ہیں یا نہیں؟ اس وقت دشمن نے یہ بات مشہور کردی تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شہید کردیئے گئے۔ ام سلیم کو ان کے مختلف رشتہ داروں کے بارے میں بتایا گیا کہ تمہارا فلاں شہید ہوگیا، تمہارا فلاں شہید ہوگیا، لیکن سب کے جواب میں انہوں نے کہا کہ مجھے تو ان کی پرواہ نہیں، مجھے تو آفتاب رسالت کا حال معلوم کرنا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دیدار ہوجائے تو مجھے چین آئے گا۔ یہ حالت تو ام سلیم کی تھی اور ادھر دشمن نے تاجدار دوعالم، سرورکونین صلی اللہ علیہ وسلم کو نشانہ بنالیا تھا، چونکہ آپ کے ساتھ صرف چند صحابہ کرامؓ تھے اس لئے کافروں نے اپنی پوری طاقت خرچ کرڈالی کہ تیروں کی بارش سے اس آفتاب رسالت کو بجھا دیا جائے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف تیروں کی بارش آنے لگی، دشمن کی یلغار تھی، ہر طرف سے دشمن کا نرغہ تھا، اور مٹھی بھر چند جانثار صحابہ کرامؓ آپ کے ساتھ تھے۔

حضرت ابودجانہ کی بے مثال قربانی

حقیقت یہ ہے کہ ان حضرات نے عشق ومحبت کی جوداستانیں چھوڑی ہیں،

وہ اہل ایمان کے لئے مشعل راہ ہیں۔ حضرت ابودجانہؓ اٹھے اور ان کے دل میں بس ایک ہی تدبیر آئی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منہ کرکے اور تیروں کی طرف پشت کرکے کھڑے ہوگئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ڈھال بن گئے، تاکہ جو تیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف آرہے ہیں۔ وہ سارے ابودجانہ کی پشت میں پیوست ہوجائے اور تاجدار دوعالم سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کا بال بیکا نہ ہونے پائے۔ اب دیکھئے یہ ہے کہ عشق، ایثار، جانثاری اور پروانہ پن! کہ عین اس حالت میں بھی جبکہ جانوں کی پڑی ہوئی ہے، ابودجانہؓ تیروں کی بارش کو اپنی پشت پر روکنے کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منہ کرکے کھڑے ہوگئے۔

عشق اور دانائی کا حسین امتزاج

عین جنگ کی حالت میں بھی حضرت ابودجانہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ادب کا کتنا خیال رکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف پشت کرکے کھڑے نہیں ہوئے، یوں بھی تو کرسکتے تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف پشت کرکے کھڑے ہوجاتے اور تیروں کی طرف سے اپنا منہ اور سینہ کردیتے، لیکن اس وقت بھی ایسا نہیں کیا اور ادب کا لحاظ رکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف پشت نہ ہو اور سینہ وچہرہ آپ کی طرف رہے۔ ایسا کرنے میں ایک اور حکمت بھی تھی اور وہ بھی ان کے ایمان اور محبت کی بناء پر تھی، وہ حکمت یہ تھی جب تیروں کی بارش آئے گی تو یہ خطرہ تھا کہ کہیں غیر ارادی طور پر اگر میں ذرا سا ہل گیا، تو تیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو لگ جائے گا، اور جب پشت ہوگی تو مجھے پتہ نہیں چلے گا کہ کب تیر آرہا ہے کب نہیں، اس میں ہلنے کا امکان کم ہے تو حضرت ابودجانہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس حکمت ودانائی کو عشق کے ساتھ جمع کیا۔ لوگ کہتے ہیں کہ عشق کے ساتھ دانائی جمع نہیں ہوتی، اور دانائی کے ساتھ عشق جمع نہیں ہوتا۔ ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے یہ مثالیں چھوڑی ہیں کہ عشق

کے ساتھ حکمت کو بھی جمع کیا ہے اور عشق کے ساتھ جنون کو بھی جمع کیا ہے۔ عشق اپنے مقام پر ہے حکمت اپنے مقام پر ہے اور شریعت کے احکام کی پابندی اپنے مقام پر ہے۔ انہوں نے ادب واحترام میں ذرہ برابر اور ادنی سی بے احتیاطی نہیں ہونے دی۔ حضرت ابودجانہؓ اور چند صحابہ کرامؓ کے علاوہ باقی سب حضرات منتشر تھے۔ اس موقع پر دشمنوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر اپنی تلواروں سے یلغار کی۔

ایفاءِ عہد کی تجدید

چند انصاری نوجوان صحابی آپ کے ساتھ تھے۔ انہوں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! جب ہم نے آپ کو مدینہ طیبہ آنے کی دعوت دی تھی، تو یہ عہد کیا تھا کہ آپ کے اوپر آنچ آنے نہیں دیں گے۔ ہم اپنی جانیں آپ کے سامنے قربان کریں گے۔ آج اس عہد کو پورا کرنے کا وقت آ گیا ہے ہمیں وہ عہد یاد ہے۔

ہم راہ وفا میں کٹ آئے

چنانچہ ایک نوجوان آگے بڑھا، اپنی تلوار اور نیزوں سے دشمن کا مقابلہ کیا، یہاں تک کہ شہید ہوگیا، دوسرا بڑھا، وہ بھی زخمی ہوکر گر پڑا، تیسرے نے مقابلہ کیا، کچھ کافروں کو مارا، لیکن کافروں کا مجمع بہت بڑا تھا، اس لئے وہ بھی زخمی ہوکر گر پڑا، یہاں تک کہ ایک ایک کرکے شہید ہورہے تھے اور زخمی ہوکر گر رہے تھے۔ ان میں سے ایک نوجوان جو زخمی ہوکر گر پڑے تھے، خون بے تحاشا بہہ رہا تھا، یقین تھا کہ اب میری جان نکلنے والی ہے، تو لیٹے لیٹے اور کھسکتے کھسکتے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں میں آکر گر پڑے اور عرض کی کہ یارسول اللہ! اللہ کے سامنے آپ گواہی دیجئے گا کہ ہم نے عہد پورا کیا ہے۔ لیکن اس وقت لشکر کفار نے رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم کو اور نرغے میں لے لیا تھا، جو صحابہ کرامؓ آپ ﷺ کا دفاع کر رہے تھے۔ وہ ایک ایک کر کے شہید ہو رہے تھے، تو حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ تلوار لے کر آگے بڑھے اور کفار کا مقابلہ تلوار سے کیا، بالآخر لڑتے لڑتے ان کی تلوار بھی ٹوٹ گئی، اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کے لئے سوائے ہاتھوں کے ان کے پاس کچھ بھی نہیں تھا، چنانچہ دشمنوں کے مقابلے میں اپنے ہاتھ رکھ دیئے، اس میں زخمی ہوئے اور ہاتھ شل ہوگیا، پھر پوری عمر اسی حالت میں رہے۔ اس عرصے میں صحابہ کرامؓ کو جب یہ پتہ چلا کہ ہمارے سید الاولین والآخرین، ہمارے امام ومقتدا اور ہمارے ماوی وملجا یہاں تشریف فرما ہیں، تو صحابہ کرامؓ آپ کے پاس جمع ہوگئے۔ اسی حالت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دندان مبارک شہید ہوئے تھے اور اس سے سرزمین احد پر خون بہا، لیکن دیکھنے کی بات یہ ہے کہ ان صحابہ کرامؓ نے محبت کا کیسا حق ادا کیا الحمدللہ! صحابہ کرامؓ میں سے ایک ایک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایسا عاشق تھا کہ اس کے سامنے دنیا کی کوئی چیز اتنی محبوب نہیں تھی۔ انسان کو سب سے زیادہ محبوب اپنی جان ہوتی ہے، جان سے زیادہ کوئی پیارا نہیں ہوتا لیکن صحابہ کرامؓ نے عملی نمونہ پیش کیا کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی جانوں سے بھی زیارہ محبت فرمائی۔

آج کے دور میں محبت رسول ﷺ کی چنگاریاں

آج اگرچہ ہمارے اعمال بہت خراب ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے مسلم مائیں اب بھی ایسے بیٹے جن رہی ہیں جو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کی خاطر اپنی جانیں قربان کرنے کے لئے تیار رہتے ہیں۔ کشمیر میں مجاہدین اسلام اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کر رہے ہیں۔ کشمیر میں یہ نہتے مجاہدین، جن میں نوجوان اور چھوٹے چھوٹے لڑکے بھی شامل ہیں، ہندوستان کی چھ ٦ لاکھ فوج سے

برسر پیکار ہیں۔ یہ لڑائی کس وجہ سے ہے؟ کیا روپے پیسے کی وجہ سے ہے؟ مال غنیمت کے ملنے کا وہاں تو سوال ہی نہیں، وہاں تو جان ہی جا رہی ہے، وہاں تو ہندوستانی فوج اتنے بڑے پیمانے پر قتل عام کر رہی ہے کہ میں ایک دوسرے ملک میں گیا ہوا تھا۔ وہاں ایک مولوی صاحب سے ملاقات ہوئی، وہ ہندوستان کے رہنے والے ہیں اور مقبوضہ کشمیر سے ہو کر آئے تھے۔ انہوں فرمایا کہ مقبوضہ کشمیر کے سارے قبرستان لڑکوں نوجوانوں سے بھر چکے ہیں۔ اب قبرستانوں میں مزید دفنانے کی جگہ نہیں رہی۔ ایک طرف یہ نہتے نوجوان ہیں اور دوسری طرف ہر طرح کے اسلحہ سے لیس فوج ہے۔ لیکن یہ سارے نوجوان اتنی بڑی طاقت سے کس لئے ٹکرا رہے ہیں؟ مائیں اپنے لخت جگر بیٹوں کو شہادت کے لئے میدان جہاد میں کیوں بھیج رہی ہیں؟ کہ بیٹے! لڑو، اگرچہ تمہاری جان چلی جائے لیکن دین پر حرف نہ آنے دینا۔ الحمدللہ! اس کی وجہ صرف ایک ہے اور وہ ہے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت۔

جہاد کے ثمرات

بہرحال، ایمان تو اس محبت کے بغیر پورا ہی نہیں ہوتا۔ اگر مائیں اپنے بیٹوں کو اس طریقے سے جہاد میں نہ بھیجا کرتیں تو آج ہم پاکستان میں مسلمان نہ ہوتے۔ یہ سارا ملک کفرستان ہوتا۔ یہاں اذانوں کی آوازیں سنائی نہ دیتیں۔ اللہ کو جاننے پہچاننے والا کوئی نہ ہوتا۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام لیوا بھی کوئی نہ ہوتا۔

مومن ماؤں کے جگر گوشے

یہ ان ماؤں کا اپنے رسول ﷺ سے عشق تھا کہ انہوں نے اپنے بیٹوں اور

جگر کے ٹکڑوں کو جن کی خاطر بچپن میں اپنی نیند کو چھوڑا تھا، اپنے سارے آرام وراحتوں کو قربان کیا تھا، اپنی جوانی کی ساری لذتوں کو قربان کیا تھا۔ جب اسلام کو ان بیٹوں کی قربانی کی ضرورت پیش آئی تو ان ماؤں نے اپنے لخت جگر بیٹوں کو آگے کردیا۔ ان ہی مومن ماؤں کے بطن سے خالد بن ولید، محمد بن قاسم، طارق بن زیاد اور سلطان ٹیپو جیسے سپوت پیدا ہوئے اور انہی ماؤں نے محمود غزنوی، قتیبہ بن مسلم اور سلطان صلاح الدین ایوبی جیسے فاتحین پیدا کئے۔ انہوں نے ان بچوں کو اس لئے پالا تھا اور دودھ اس واسطے پلایا تھا کہ جب دین کو ان کی جانوں کی ضرورت ہوگی۔ تو یہ بیٹے لشکر اسلام میں سب سے آگے ہوں گے۔

ناموس رسالت کے لئے جانثاری کا تاریخی واقعہ

الحمدللہ! جو بھی مومن ہوتا ہے۔ اس کے دل میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت ہر چیز سے زیادہ ہوتی ہے۔ یہاں تک کہ اپنی اولاد، بیوی اور شوہر سے بھی زیادہ ہوتی ہے۔ آپ نے واقعہ سنا ہوگا کہ انگریزی دور حکومت میں ایک ہندو خبیث نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخیاں کیں اور ایک کتاب لکھی جس کا نام تھا ''رنگیلا رسول۔'' العیاذ باللہ اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر تہمتیں لگائیں اور آپ کے بارے میں بڑی شرمناک باتیں کیں۔ اس واقعہ سے مسلمانوں میں بجا طور پر اضطراب پھیل گیا، جلسے، جلوس اور مظاہرے ہونے لگے کہ اس کو پکڑ کر سزا دی جائے مسلمانوں نے عدالت میں اس خبیث کے خلاف جس نے شان رسالت میں گستاخی کی، مقدمہ دائر کیا تو ایک شخص جس کا نام علم الدین تھا اس نے نہ کوئی علم دین حاصل کیا اور نہ کوئی اللہ والوں میں اس کا شمار تھا، بلکہ ایک آزاد منش نوجوان تھا۔ اسکو جب پتہ چلا کہ بدنام زمانہ راجپال نے شان رسالت میں ایسی گستاخی کی تو اس کی

غیرت ایمانی کو جوش آیا اور گستاخ رسول راجپال کو سر بازار جہنم واصل کر کے خود تختہ دار پر چڑھ کر حیات جاودانی حاصل کر گیا۔ اس علم الدین نے شہادت کا درجہ پایا جس کی زندگی آزادی میں گذری تھی اور غفلتوں میں گذری تھی، لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کے طفیل نوازا گیا، اللہ تعالیٰ نے اس کو ایسی عظیم شہادت عطاء فرمائی کہ آج بڑے بڑے اولیاء اللہ بھی اس کی شہادت پر رشک کرتے ہیں۔ یہ نوازش، یہ اکرام اور یہ اونچا مقام، علم الدین کو کس چیز سے ملا؟ صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اور عشق سے ملا۔

رسول ﷺ سے عشق ومحبت کے کچھ تقاضے

اس عشق ومحبت کا تقاضا یہ ہے کہ جس چیز سے اللہ اور اس کا رسول ﷺ ناراض ہو، اس کے پاس نہ جائیں خواہ وہ چیز ہمیں کتنی ہی محبوب ہو، کیونکہ یہ ہمارے ایمان اور ہماری محبت کا تقاضا ہے، ورنہ ہم اپنے اس دعویٰ میں جھوٹے ہیں کہ ہمیں اللہ کا رسول ﷺ سب سے زیادہ محبوب ہے۔ لہٰذا جس حرام پیسے سے اللہ نے منع کر دیا مثلاً فرمادیا کہ سود نہ کھاؤ، رشوت نہ لو، تجارت میں دھوکہ بازی کر کے ناپ تول میں خیانت کر کے اور ملاوٹ کر کے حرام پیسے مت کماؤ، ڈیوٹی پوری دیئے بغیر تنخواہ پوری مت لو، کیونکہ ڈیوٹی پوری دیئے بغیر تنخواہ حلال نہیں ہوتی۔ اسی طرح دھاڑی مزدوری کے پیسے اس وقت تک حلال نہیں ہوتے جب تک اتنی دیر کام نہیں کیا جتنی دیر کی ڈیوٹی طے ہوئی تھی۔ ان کے علاوہ بھی پیسے کمانے کے جو طریقے حرام ہیں ان سب سے بچنا محبت رسول کا تقاضا ہے۔ یاد رکھئے! پیسے کی چاہے دل میں کتنی ہی طلب ہو، لیکن اگر حرام مال آئے گا تو اللہ کا غضب متوجہ ہوگا۔ اس کا رسول ﷺ ناراض ہوگا۔ لہٰذا اگر ہمارے دلوں میں واقعتاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت ہے تو

ہمیں اپنے آپ کو اپنی اولاد اور بیویوں کو ہر ایسے کام سے روکنا پڑے گا۔ جو اللہ اور اس کے رسول کی ناراضی کا موجب ہو۔

خواتین ہمت سے کام لیں

خواتین اپنے شوہروں کو حرام آمدنی سے روکیں اور انہیں یہ یقین دلائیں کہ اگر تم حرام آمدنی نہیں لائے اور صرف حلال آمدنی لائے اور اس حلال آمدنی سے ہمیں صرف روٹی چٹنی سے گذارا کرنا پڑے تو ہم انشاء اللہ روٹی چٹنی سے گذارا کریں گے، لیکن حرام مال ہمیں گوارا نہیں۔ اگر ہمیں اپنے کپڑوں میں پیوند لگانے پڑیں، تو ہم پیوند لگے کپڑے پہنیں گی لیکن اپنے رسول کو ناراض کر کے اپنے خدا کی نافرمانی نہیں کریں گی، اگر ہمیں فاقہ کرنا پڑے تو ہم فاقے کے لئے تیار ہیں لیکن حرام کا لقمہ کھانے اور اپنے بچوں کو کھلانے کے لئے تیار نہیں، کیونکہ یہ جہنم کا لقمہ اور جہنم کی آگ ہے ہم اپنے پیٹ میں اور اپنے بچوں کے پیٹ میں جہنم کی آگ بھرنے نہیں دیں گی۔

احسان فراموشی کمینوں کا کام ہے

اس ایمان، اس محبت اور اس عشق کا تقاضا یہی ہے کہ ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مکمل پیروی کریں اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے محسن اعظم ہیں۔ اس کائنات میں اللہ کے بعد اگر ہمارا سب سے بڑا کوئی محسن ہے تو وہ محسن اعظم آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہیں۔ اگر ہمارے دلوں میں اتنی محبت پیدا نہیں ہوتی تو یہ ہماری شرافت کے خلاف ہے محسن کے احسان کو فراموش کرنا کمینے لوگوں کا کام ہوا کرتا ہے۔ شریف لوگوں کا کام نہیں ہوا کرتا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اللہ اور اس کے

رسول ﷺ کی سچی پکی اور گہری محبت ایسی عطاء فرمائے کہ ہمارے اعمال واخلاق اس محبت کے سانچے میں ڈھل جائیں اور ان تمام باتوں سے ہم رک جائیں جن سے اللہ یا اس کا رسول ﷺ ناراض ہوتا ہے۔

محبت کا صلہ: آخرت میں رفاقت

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک اعرابی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور کہا کہ یارسول اللہ! متی الساعۃ؟ قیامت کب آئے گی؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے جواب میں یہ نہیں بتلایا کہ قیامت کب آئے گی۔ کیونکہ یہ اللہ رب العالمین کا ایک راز ہے اور اس راز کو اللہ تعالیٰ نے کسی نبی اور کسی فرشتے پر بھی ظاہر نہیں فرمایا، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دینے کے بجائے اس سے اور ایک سوال کردیا، آپ نے پوچھا کہ: ماعددت لھا؟ تم نے قیامت کی کیا تیاری کی؟ مطلب یہ ہے کہ تم قیامت کے بارے میں جو پوچھ رہے ہو، یہ تو بتلاؤ کہ اس قیامت کے لئے کچھ تیاری بھی کررکھی ہے؟ یعنی تم نے کیا ایسے اعمال کررکھے ہیں کہ قیامت کے دن کام آنے والے ہوں؟ (تو یہ بدو حضرات اور عرب کے دیہاتی حضرات بڑے سادہ مزاج ہوتے تھے) انہوں نے بھی بڑی صفائی کی بات کہی اور فرمایا کہ میں نے قیامت کے لئے نہ تو بہت زیادہ نمازیں پڑھی ہیں اور نہ بہت زیادہ روزے رکھے ہیں۔ مطلب یہ تھا کہ جو فرض نمازیں ہیں اور واجب وسنت موکدہ ہیں اور جو سب مسلمان پڑھتے ہیں وہ تو پڑھتا ہی ہوں، لیکن میں نے نہ زیادہ نفل نمازیں پڑھیں اور نہ زیادہ نفلی روزے رکھے، الا انی احب اللہ ورسولہ مگر اتنی بات ہے کہ میں اللہ اور اس کے رسول سے محبت رکھتا ہوں (اگرچہ میرے پاس نفلی نمازیں

اور نفلی روزے زیادہ نہیں ہیں) تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے فرمایا ''المرء مع من احب ''یعنی آدمی آخرت میں ان لوگوں کے ساتھ ہوگا جن سے وہ محبت رکھتا ہے اگر اس کی محبت اللہ والوں سے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تھی تو آخرت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اللہ والوں کے ساتھ ہوگا، ذرا تصور کیجئے کہ کتنی بڑی بشارت ہے۔

زیارت مدینہ کا شوق

ایک مومن عمر بھر کتنی تمنائیں کرتا ہے کہ مدینہ کی زیارت کرلے، مدینہ کی زیارت کے لئے لوگ کتنے تڑپتے ہیں، مرد بھی اور عورتیں بھی۔ کتنے شاعر ہیں جنہوں نے مدینہ منورہ کی زیارت کا بے تابانہ شوق ظاہر کیا اور اس موضوع پر نعتیں اور نظمیں کہیں، کیونکہ مدینہ میں مسجد نبوی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے عظیم یادگار ہے۔ جس میں آپ پانچوں وقت نماز پڑھاتے تھے اور پھر مسجد نبوی میں روضہ اقدس ہے حاجی صاحبان کو جالی مبارک کی زیارت تو ہوتی ہے۔ قبر شریف کی زیارت ان کے لئے ممکن نہیں ہوتی کیونکہ وہ اندر پردوں میں ہے۔ لیکن کتنے بے شمار عاشق اس دنیا میں ہیں جو روضہ اقدس کی صرف جالیوں کا دیدار کرنے کے لئے ترستے ہیں۔ بہت سے لوگ تو وہ بھی ہوتے ہیں کہ حج کا زمانہ نہیں ہوتا پھر بھی مدینہ طیبہ جاتے ہیں۔ محض اس واسطے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ اقدس پر حاضری کی دولت نصیب ہوجائے۔ اس لئے کہ یہ وہ دولت ہے جو کسی اور جگہ مل نہیں سکتی۔ اگر کسی مسلمان کو دنیا میں یوں کہا جائے کہ ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں تیری پیشی کرا دیتے ہیں، بتا! تو کیا دینے کے لئے تیار ہے؟ ایک مسلمان اپنا سب کچھ

قربان کردینے کے لئے تیار ہوجائے گا۔

حضرات صحابہؓ کا بلند مقام

اس واسطے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دیدار وہ نعمت کبریٰ ہے کہ جس شخص نے ایک مرتبہ ایمان کی حالت میں دیدار کرلیا وہ صحابی کہلایا، اور صحابی اس امت کے تمام انسانوں میں افضل ترین انسان ہے۔ صحابی کی برابری کوئی بڑے سے بڑا ولی، کوئی بڑے سے بڑا عالم، محدث، فقیہ، امام اور مجتہد نہیں کرسکتا، کیونکہ صحابہ کرامؓ کا مقام ان سب سے اونچا ہے۔ کسی نے حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا: یہ بتایئے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ میں سے کس کا مقام اونچا ہے؟

حضرت معاویہؓ کی مظلومیت

یہ سوال اس لئے ذہن میں پیدا ہوا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ایسے مظلوم صحابی ہیں۔ جن پر بہت سے بدبختوں نے طرح طرح کے اعتراضات بھی کئے اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ ان کی جنگ بھی ہوئی، جو جنگ صفین کے نام سے مشہور ہے۔ دوسری طرف حضرات صحابہ کرامؓ کے بعد اس وقت تک جو عظیم شخصیتیں سامنے آئی تھیں۔ ان میں سب سے عظیم ترین شخصیت جو مسند خلافت پر جلوہ گر ہوئی تھی وہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت تھی۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ پورے عالم اسلام میں سب کی آنکھوں کا تارا تھے۔ علماء، صلحاء صوفیاء، اور اولیاء اللہ سب ان کے معتقد تھے جبکہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر بعض لوگوں کی طرف سے کچھ اعتراضات بھی تھے۔ اس وجہ سے یہ سوال کیا گیا کہ ان میں

سے کس کا مقام زیادہ بلند اور اونچا ہے، تو جواب میں حضرت عبداللہ بن مبارک رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی ناک میں جو غبار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں کفار سے جہاد کرتے ہوئے پڑا، عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ اس غبار کے برابر بھی نہیں۔

مقام صحابیت اتنا بلند کیوں؟

صحابی کا مقام اتنا اونچا کیوں ہوا؟ اس واسطے کہ ان کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دیدار نصیب ہوا، اور وہ دیدار ایسا اکسیر تھا کہ جو شخص ایمان کے ساتھ دیدار کرلیتا تھا اس کے دل کی کایا پلٹ جاتی تھی۔ اس کے ایمان کی وہ عظمت ہوتی تھی کہ ہمارے کروڑوں آدمیوں کا ایمان ان میں سے ایک آدمی کے ایمان کی برابری نہیں کرسکتا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر جس پر پڑگئی، مٹی کو سونا بنادیا، دنیا میں جن لوگوں نے دیدار کرلیا پوری امت کا اتفاق ہے کہ ان کے برابر کوئی نہیں۔ ہمیں معلوم ہے کہ اس دنیا میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں دیکھ سکتے، لیکن یہ کتنی بڑی بشارت مل گئی کہ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت رکھتا ہے آخرت میں وہ ان کے ساتھ ہوگا۔ آخرت میں صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دیدار ہی نصیب نہیں ہوگا بلکہ آپ کی معیت بھی ہمیں نصیب ہوگی۔ اللہ تعالیٰ ہمارے دلوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کو قائم فرمادے اور اس محبت میں برکت وقوت عطا فرمادے۔ آمین۔

وآخر دعوانا ان الحمدللہ ربّ العالمین

تقدیر پر ایمان اور اُس کے فوائد

موضوع: تقدیر پر ایمان اور اس کے فوائد

بیان: حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب مدظلہ

مقام: مدرسۃ البنات جامعہ دارالعلوم کراچی

ضبط و ترتیب: محمد ناظم اشرف (فاضل جامعہ دارالعلوم کراچی)

باہتمام: محمد ناظم اشرف

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تقدیر پر ایمان اور اس کے فوائد

بعد از خطبہ مسنونہ!

اللہ کا علم ازلی ہی تقدیر ہے

گذشتہ بدھ کو ہم نے تقدیر اور اللہ کے اوپر بھروسے کا بیان شروع کیا تھا اور اس پر ایمان لانے کا مطلب یہ بیان کیا تھا کہ کائنات میں اب تک جو واقعہ ہو چکا، یا اب ہو رہا ہے، یا آئندہ ہوگا خواہ وہ چھوٹا ہو یا بڑا، اچھا ہو یا برا، ظاہر ہو یا پوشیدہ، سب اللہ تعالیٰ کے علم کے مطابق ہوتا ہے اور اسی کے وجود میں لانے سے وجود میں آتا ہے۔ اس کے حکم کے بغیر کچھ نہیں ہوسکتا، کوئی پتہ اور کوئی ذرہ بھی ہل نہیں سکتا، چنانچہ تندرستی اور بیماری، بچوں کی پیدائش اور جانداروں کی موت حتیٰ کہ نیکی اور بدی بھی اللہ کے علم ازلی کے مطابق اور اللہ تعالیٰ کے پیدا کرنے سے وجود میں آتی ہے۔ اسی علم ازلی کا نام تقدیر ہے، یعنی کائنات میں جو کچھ بھی ہوتا ہے، اسی تقدیر کے مطابق ہوتا ہے۔ خلاصہ یہ کہ ہمیں جو بھی اچھائی یا برائی، نفع یا

نقصان پہنچتا ہے اللہ کو ان تمام چیزوں کا ازل سے علم ہے اور اسی کے مطابق وہ کام ہوا ہے، کسی کی مجال اور قدرت نہیں کہ وہ اس علم ازلی (تقدیر) کے خلاف کسی کو نفع یا نقصان پہنچا سکے۔ چنانچہ زہر کسی کو تقدیر کے خلاف نقصان نہیں پہنچا سکتا، دوا کسی بیمار کو تقدیر کے خلاف شفاء نہیں دے سکتی، سانپ کسی کو تقدیر کے بغیر مار نہیں سکتا، چھری کسی چیز کو کاٹ نہیں سکتی جب کہ پہلے سے اللہ تعالیٰ نے تقدیر میں طے نہ کر دیا ہو۔ اگرچہ چھری کے بارے میں اللہ نے یہ قانون رکھا ہے کہ جب وہ کسی نرم چیز پر چلائی جاتی ہے تو وہ کٹ جاتی ہے لیکن اگر وہ چاہے کہ نہ کٹے تو پھر آپ لاکھ زور لگالیں وہ نہیں کٹ سکتی، چنانچہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خواب میں دکھایا گیا کہ وہ اپنے اکلوتے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو ذبح کر رہے ہیں تو نبی کا خواب چونکہ وحی ہوتا ہے لہٰذا اس کا مطلب یہ تھا کہ تم اپنے بیٹے کے گلے پر چھری چلاؤ۔

غیر نبی کا خواب حجت نہیں ہوتا

یاد رکھیں! غیر نبی کا خواب وحی کے درجے میں نہیں ہوتا اور نہ ہی یقینی ہوتا ہے۔ بہت سے لوگ خوابوں کے بارے میں طرح طرح کے اعتقادات لیکر بیٹھ جاتے ہیں۔ یاد رکھیئے! ہر خواب سچا نہیں ہوتا، کبھی سچا ہوتا ہے اور کبھی جھوٹا، پھر یہ کہ کبھی اس خواب کا ظاہری مطلب ہوتا ہے اور کبھی ظاہری مطلب نہیں ہوتا، یہی وجہ ہے کہ محض خواب کی بناء پر شریعت کا کوئی حکم ثابت نہیں ہوسکتا۔ اگر کوئی شخص بالفرض خواب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے دیکھے کہ اپنے بیٹے کو ذبح کر دو تو بیٹے کو ذبح کرنا جائز نہیں ہوگا۔ کیونکہ یہ ہمارا خواب ہے، اور ہمارے خواب سے شریعت کے کسی مسئلے کے حلال یا حرام ہونے کا ثبوت حاصل نہیں ہوگا۔

ایک واقعہ

کراچی میں یہ واقعہ پیش آچکا ہے کہ ایک صاحب نے اپنے بیٹے کو ذبح کردیا، پولیس نے اسے پکڑ کر تفتیش کی تو اس نے کہا کہ میں نے خواب میں دیکھا تھا کہ میں اپنے بیٹے کو ذبح کررہا ہوں۔ گویا وہ یہ سمجھے کہ اللہ نے اسے اپنے بیٹے کو ذبح کرنے کا حکم دیا ہے، اور بیٹے کو ذبح کردیا پھر بعد میں ان پر مقدمہ چلا، اور یہ کام صرف اورصرف جہالت کی وجہ سے ہوا کیونکہ نبی کے علاوہ شریعت کے احکام میں کسی اور کا خواب معتبر نہیں۔

حکم صرف اللہ ہی کا چلتا ہے

صرف نبی کا خواب حجت ہوتا ہے چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خواب میں دیکھا کہ وہ اپنے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کے گلے پر چھری چلارہے ہیں، جس کا مطلب ان کو اس کام کا حکم ملنا تھا، قرآن میں بھی اس واقعہ کو بیان کیا گیا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خواب میں جتنا منظر دیکھا تھا اسے اپنی جانب سے پوری قوت سے چھری چلا کر پورا کردیا، خواب میں گلا کٹنا نہیں دکھایا گیا تھا، صرف چھری چلانا دکھایا گیا تھا، چنانچہ گلا کٹنا تو دور کی بات خراش تک نہ آئی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے آسمان سے ایک دنبہ اتارا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام سے فرمایا کہ تم اپنے امتحان میں کامیاب ہوگئے اب تم اس دنبے کو ذبح کردو۔ معلوم ہوا کہ چھری کے اندر بھی ذرہ برابر کاٹنے کی طاقت نہیں جب تک اللہ تعالیٰ کا حکم نہ ہو، اسی طرح آگ میں جلانے کی صفت بھی اللہ تعالیٰ کے حکم کے بغیر نہیں آسکتی۔ غرض

جو کچھ ہوتا ہے اللہ تعالیٰ کے علم ازلی کے مطابق اور اسی کے حکم سے ہوتا ہے، اس کے بغیر کچھ نہیں ہوسکتا۔ چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ہی کے واقعہ کو قرآن نے از خود بیان کیا کہ نمرود اور اس کی قوم نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لئے آگ کا اتنا بڑا جہنم تیار کیا تھا کہ اگر سینکڑوں آدمی بھی اس میں ڈالے جاتے تو وہ جل کر راکھ ہوجاتے، لیکن جب حضرت ابراہیم علیہ السلام اس آگ میں کودے، تو اللہ تعالیٰ کا حکم آگیا:

﴿ يٰنَارُ كُوْنِىْ بَرْدًا وَّسَلٰمًا عَلٰى اِبْرٰهِيْمَ ﴾

''اے آگ! تو ابراہیم کیلئے ٹھنڈک اور باعث سلامتی ہوجا''

(سورۂ انبیاء، آیت نمبر ۶۹)

تو وہ آگ حضرت ابراہیم علیہ السلام کیلئے گلزار بن گئی۔ غرضیکہ ہر کام اللہ تعالیٰ کے حکم ہی سے ہوتا ہے اور اس کے حکم کے بغیر کچھ نہیں ہوسکتا۔ جو کچھ بھی دنیا میں ہوتا ہے وہ اسے پہلے سے معلوم ہے، اس نے اس کو تقدیر میں لکھ رکھا ہے کہ میں مثلاً فلاں وقت فلاں فلاں شخص کو بیماری اور فلاں فلاں شخص کو شفا دوں گا وغیرہ۔

دواء میں اللہ کے حکم کے بغیر شفاء نہیں

آئے دن ہم اس بات کا مشاہدہ کرتے رہتے ہیں کہ ایک ایسی دوا کہ جس سے عموماً لوگوں کو شفا ہوجاتی ہے لیکن کسی مریض کو جب اسی مرض میں وہ دوا دی گئی تو وہی اس کیلئے مہلک بن گئی۔ ہمارے بڑے بھائی جناب محمد زکی کیفی مرحوم جن کی ایک مشہور کتاب ''کیفیات'' ان کے اشعار پر مشتمل ہے، اور جس کو طلباء بہت شوق سے پڑھتے ہیں، ان کی اہلیہ صاحبہ کی آنکھ کا آپریشن لاہور کے ایک مشہور اور پرانے تجربہ

کار ڈاکٹر نے کیا جو ہمارے بھائی جان کے دوست تھے، اور آپریشن بھی ٹھیک ہوگیا، لیکن آپریشن کرتے وقت ایک ایسا انجکشن بھی لگایا جو عام طور پر مریضوں کو لگایا جاتا ہے، اسی انجکشن سے ان کی موت واقع ہوگئی۔ انا للّٰہ وانا الیه راجعون۔ معلوم ہوا کہ دوا اور ڈاکٹر میں شفا نہیں وہ تو اللہ کے قبضہ قدرت میں ہے، اور وہی ڈاکٹر صاحب کہتے ہیں کہ ہم تو روزمرہ یہ مشاہدہ کرتے ہیں کہ دوا حلق میں اترنے کے بعد اللہ تعالیٰ سے پوچھتی ہے کہ کیا اثر کروں؟ شفا کا ذریعہ بن جاؤں یا بیماری کا؟ پھر جو حکم ہوتا ہے وہ ویسا اثر کرتی ہے۔

اسی طرح کوئی انسان دوسرے کو اس وقت تک نقصان نہیں پہنچا سکتا جب تک کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم نہ ہوجائے۔ یہ تمام کام اللہ کے قبضۂ قدرت میں بھی ہیں اور ازل سے اس کے علم میں بھی محفوظ ہیں اسی بات کو دل سے ماننے کا نام ہے "تقدیر پر اعتقاد رکھنا"۔ اچھی یا بری تقدیر اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہوتی ہے۔ اور توکل کہتے ہیں "اللہ پر بھروسہ رکھنے کو" یعنی اس بات کا یقین رکھنا کہ ہمارا کارساز اللہ ہی ہے اس کے علاوہ کوئی نہیں۔

تقدیر پر ایمان دل کی مضبوطی کا سبب ہے

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ فرماتے ہیں کہ اس اعتقاد اور عمل میں بہت سارے فوائد ہیں، منجملہ ان کے ایک فائدہ یہ ہے کہ کیسی ہی سخت مصیبت اور پریشانی ہو، اس اعتقاد کی بدولت انسان کا دل مضبوط رہتا ہے اور انسان سمجھ لیتا ہے کہ اللہ کو یہی منظور تھا، اس کے خلاف ہو نہیں سکتا تھا، اور جب وہ چاہے گا تو اس حالت کو تبدیل بھی فرمادے گا۔ اور ابھی گذشتہ بدھ کو میں عرض کررہا تھا کہ

جس کوتقدیر پر ایمان نہیں ہوتا وہ پچھتاتا رہتا ہے۔ مثلاً خدانخواستہ کسی کا ایکسڈنٹ ہوجائے تو وہ اپنے دل میں یہ خیال کرتا ہے کہ میں تو پہلے ہی یہ سوچ رہا تھا کہ اس راستے سے جاؤں یا دوسرے سے، کاش! میں اس دوسرے راستے سے چلا جاتا تو بچ جاتا، حالانکہ تقدیر میں اس کا اسی راستے سے جانا اور اسی گاڑی سے ٹکرانا اور اسی زخم کا لگنا لکھا جاچکا تھا تو پھر اس سے کیسے بچ سکتا تھا؟ لہٰذا پچھتانے سے کوئی فائدہ نہیں کیونکہ ماضی پر پچھتانا حماقت ہے جس میں اپنی توانائی کو بھی ضائع کرنا ہے اور اپنے دل کو مشوش اور پریشان بھی کرنا ہے، لیکن ایک مومن کی سوچ یہ ہوتی ہے کہ تقدیر میں ایسا ہی لکھا جاچکا تھا لہٰذا یہ سوچ کر صبر کرتا ہے۔

تقدیر پر ایمان مایوسی کا علاج ہے

غرضیکہ تقدیر کا ایک فائدہ تو یہ ہے کہ انسان کا دل مضبوط ہوتا ہے اور پریشانی کم ہوتی ہے، اور دوسرا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ انسان مایوس نہیں ہوتا اور بیماری کی صورت میں وہ علاج معالجہ کرتا ہے، لیکن یہ سوچ کر کرتا ہے کہ یہ تو ایک تدبیر ہے اور ہوگا وہی جو منظور خدا ہے، اس کے قبضہ وقدرت میں یہ بات ہر وقت ہے کہ وہ مجھے شفا دیدے۔ اور انسان کو ایک امید لگی رہتی ہے جس سے دل کو تقویت ملتی ہے اور ڈھارس بندھی رہتی ہے۔ اور تیسرا فائدہ یہ ہے کہ انسان اس کی بدولت اپنے مقاصد کے حصول کیلئے کوئی ایسی تدبیر اور کوشش نہیں کرے گا جس کو شریعت نے منع کیا ہو، لہٰذا وہ جادوگر وغیرہ کے پاس بھی نہیں جائے گا۔

مومن کی نظر اللہ پر ہوتی ہے

ایک بڑے بزرگ کا واقعہ ہے کہ مدرسہ دارالعلوم نظامیہ میں زیر تعلیم

تھے، بہت محنتی تھے اور ہر وقت مطالعہ اور پڑھنے وغیرہ میں مصروف رہتے تھے۔ ایک مرتبہ حضرت خضر علیہ السلام ان کے پاس آ کر کھڑے ہو گئے۔ یہ اپنے مطالعہ میں مصروف تھے اس لئے نظر اٹھا کر نہیں دیکھا، تو حضرت خضر علیہ السلام نے انہیں سلام کیا؟ انہوں نے گردن کو کچھ اٹھا کر سلام کا جواب دیا اور پھر مطالعہ میں مصروف ہو گئے۔ تھوڑی دیر کھڑے رہنے کے بعد حضرت خضر علیہ السلام نے ان سے کہا کہ تم نے شاید مجھے پہچانا نہیں، میرا نام خضر ہے، انہوں نے یہ سن کر دیکھے بغیر کہا اچھا آپ خضر ہیں اور پھر مطالعہ میں مشغول ہو گئے۔ تو حضرت خضر علیہ السلام نے ان سے کہا تم عجیب آدمی ہو لوگ اور بڑے بڑے رئیس میری تلاش میں رہتے ہیں اور میں تمہارے پاس کھڑے ہو کر تمہیں سلام کر رہا ہوں اور تم میری طرف متوجہ ہی نہیں ہو رہے! انہوں نے کہا مجھے آپ کی طرف توجہ کرنے اور دیکھنے سے کیا فائدہ ملے گا؟ حضرت خضر علیہ السلام نے کہا کہ لوگ تو اس کی بڑی تمنائیں رکھتے ہیں اور میرے سامنے طرح طرح کی حاجتیں پیش کرتے ہیں۔ اُن بزرگ نے کہا کہ کیا آپ مجھے وہ چیز دے سکتے ہیں جو میری تقدیر میں نہیں؟ انہوں نے کہا نہیں! پھر پوچھا کہ کیا آپ ایسی چیز کو روک سکتے ہیں جو میری تقدیر میں میرے لئے لکھی جا چکی ہے؟ حضرت خضر علیہ السلام نے کہا نہیں! تو انہوں نے کہا پھر میں آپ سے کیوں مانگوں؟ ایسی ذات سے کیوں نہ مانگوں جس کے قبضہ قدرت میں سب کچھ ہے۔

غرضیکہ ایک مومن اللہ کے سوا کسی کے سامنے نہیں جھکتا، اور نہ ہی اللہ کے علاوہ کسی کے سامنے دست سوال دراز کرتا ہے۔

جتنا تقدیر میں ہے اتنا ہی ملے گا

آج لوگ یہ بات کثرت سے پوچھتے ہیں کہ دوسری جگہوں میں ہمیں اول تو

ملازمت ملتی ہی نہیں اور اگر ملتی ہے تو تنخواہ گزر اوقات کیلئے ناکافی ہوتی ہے، لیکن بینک میں ہمیں ملازمت بھی مل سکتی ہے اور تنخواہ ودیگر سہولتیں بھی زیادہ ملتی ہیں۔ یاد رکھیئے! بینک میں ایسی ملازمت حرام ہے جس میں سود کا لین دین، یا حساب کتاب، یا سود سے متعلق کوئی کام کرنا پڑتا ہو۔ کیونکہ احادیث میں سود کے لینے والے پر، سود کے دینے والے پر، اور سود کے معاملے میں گواہ بننے والے پر اور سود کے معاملے کو لکھنے والے پر لعنت آتی ہے۔ صحیح مسلم کی روایت ہے کہ

﴿لعن اللہ اکل الربوا وموکلہ وکاتبہ وشاھدیہ﴾

"رسول اللہ ﷺ نے اس شخص پر لعنت فرمائی ہے جو سود کھاتا ہو، یا سود کھلاتا ہو (یعنی دیتا ہو) یا سود کے کاروبار اور حساب لکھتا ہو، یا سودی معاملات میں گواہ بنتا ہو۔"

(رواہ مسلم)

لہٰذا اگر کسی کو تقدیر پر ایمان ہے، تو وہ کبھی ناجائز ملازمت یا بینک میں ایسی ملازمت نہیں کرے گا، کیونکہ اس کو اس کا ضمیر یہ جواب دے گا کہ تیرے مقدر میں جتنا رزق لکھا ہوا ہے، وہ تو تجھے ملنا ہی ہے پھر تو حرام کام اور ملازمت کیوں کرتا ہے۔

حصول مقصد کیلئے تدبیر

تقدیر پر ایمان رکھنے کا ایک اور بڑا فائدہ یہ ہے کہ انسان اپنے مقاصد کو حاصل کرنے کیلئے کوشش اور تدبیریں کرتا رہتا ہے اور ایسا کرنا بھی چاہئے۔ کیونکہ تقدیر پر ایمان لانے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ انسان ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ جائے، بلکہ تقدیر میں یہ بھی لکھا ہوا ہے کہ انسان اس کیلئے محنت وکوشش بھی کرے گا اور اگر اس

نے محنت نہ کی تو کچھ نہیں ملے گا۔ اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ کوشش کئے بغیر مقصود حاصل ہو جاتا ہے، اور کبھی کوشش کے باوجود مقصد حاصل نہیں ہوتا، لیکن قدرت کا عام قانون یہی ہے کہ انسان جیسا سبب اختیار کرتا ہے ویسے ہی اس کے نتائج ہوتے ہیں۔ چنانچہ اگر آپ آگ جلا کر اس پر توا رکھ کر روٹی پکانا چاہیں تو روٹی پک جائے گی، اگر آپ آگ جلائے بغیر یہ چاہیں کہ اس سے روٹی خود بخود پک جائے تو اگرچہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہیں لیکن وہ عام طور پر ایسا نہیں کرتے۔

غرضیکہ تقدیر پر ایمان کا ایک فائدہ یہ ہوگا کہ انسان کوشش تو کرے گا لیکن یہ سوچ کر کہ اس میں اثر پیدا کرنے والی اللہ کی ذات ہے، پھر وہ دعا کرنے پر مجبور ہوگا کہ اے اللہ! یہاں تک تو میری کوشش ہے آگے آپ کا کام ہے، آپ اس میں اثر پیدا فرما دیجئے۔

تدبیر سبب کے درجہ میں ہے

کچھ لوگ کسی بزرگ کے پاس بارش کی دعا کی درخواست کرنے کے لئے گئے کہ بارش نہیں ہو رہی آپ دعا کریں! انہوں نے کہا بہت اچھا اور یہ کہہ کر اپنے گھر سے ایک برتن لا کر چھت کے ایک پرنالے کے نیچے رکھ دیا، لوگوں نے بھی ان بزرگ کی ہدایت پر اپنے اپنے برتن اپنے پرنالوں کے نیچے رکھدیئے، دور دور تک بادلوں کا کوئی نام ونشان نہ تھا، پھر ان لوگوں نے مل کر دعا کی کہ اے اللہ! یہاں تک تو ہم کر سکتے ہیں آگے آپ اپنا کام کر دیجئے، چنانچہ اللہ رب العزت نے بارش برسا دی۔ تو انسان کے سامنے یہ بات رہے گی کہ یہ جو کچھ میں کر رہا ہوں، سبب کے درجے میں تو ہے لیکن اس میں تاثیر اللہ کے پیدا کرنے سے ہوگی، اس لئے لامحالہ وہ

کوشش اور دعا کرنے پر مجبور ہوگا۔

دعا کی توفیق بڑی چیز ہے

ایک اور بات کا آپ تجربے سے مشاہدہ کریں گے کہ جب کوئی شخص کسی کام کیلئے جائز طریقے سے کوشش بھی کرتا ہے اور دعا بھی کرتا ہے تو میں نے کسی ایسے شخص کو اپنے مقصد میں ناکام ہوتے ہوئے نہیں دیکھا، بلکہ کثرت سے ایسا ہوتا ہے کہ اس موقع پر دل یہ گواہی دیتا ہے کہ یہ کام ہوکر رہے گا، کیونکہ اگر اللہ تعالیٰ کو یہ کام کرنا منظور نہ ہوتا تو اسے دعا کی توفیق ہی نہ ملتی، چنانچہ جب اللہ تعالیٰ کو کسی انسان کی کامیابی مقصود نہیں ہوتی تو انسان کوشش تو کرتا ہے لیکن دعا نہیں کرتا۔ خلاصہ یہ کہ انسان تقدیر پر ایمان رکھنے کی وجہ سے اپنی ساری جدوجہد کے باوجود اللہ کی طرف لولگائے رکھتا ہے اور اسی سے دعائیں مانگتا رہتا ہے، اور جب انسان دعا کرتا رہتا ہے تو اس کا تعلق اللہ سے بڑھتا رہتا ہے، کیونکہ دعا ایک عظیم الشان عبادت ہے خواہ وہ دنیاوی مقصد کے لئے ہو یا آخرت کی کامیابی کے لئے، یہ دعا کرنے والا اللہ تعالیٰ کا محبوب بنتا چلاتا ہے اور دین ودنیا کی کامیابیوں کی بنیاد یہی ہے کہ انسان کا تعلق اللہ تعالیٰ سے بڑھ جائے۔

تکبر سے بچاؤ ہوگا

تقدیر پر ایمان رکھنے کا ایک اور فائدہ یہ ہے کہ جو شخص اس مقصد کا دھیان رکھے گا تو چاہے وہ بڑے سے بڑا کارنامہ سرانجام دے لے، وہ کبھی تکبر، ناز اور فخر میں مبتلا نہیں ہوگا، کیونکہ اسے معلوم ہوگا کہ یہ کامیابی میرے کرنے سے نہیں ہوئی بلکہ

یہ کامیابی عطا کرنے والے کی جانب سے آئی ہے۔

ان تمام باتوں کا خلاصہ یہ نکلا کہ جو شخص تقدیر پر ایمان رکھے گا اسے جب کوئی خوشی اور راحت ملے گی تو وہ اللہ کا شکر ادا کرے گا اور اگر خدانخواستہ تکلیف اور غم پہنچا تو صبر کرے گا۔ اور شکر و صبر انسان کیلئے رحمت کا بہت بڑا ذریعہ ہیں۔

صبر اور شکر کے عنوان سے ایک لطیفہ یاد آیا کہ ملا نصر الدین کی بیوی بدصورت تھی اور ملاجی خود بڑے خوبصورت تھے، ایک مرتبہ ملا جی بڑے موڈ میں تھے، کہنے لگے بیگم! تم بھی جنتی ہو اور ہم بھی جنتی ہیں، بیوی نے پوچھا وہ کیسے؟ تو انہوں نے کہا اس لئے کہ جب تم مجھے دیکھتی ہو تو اللہ کا شکر ادا کرتی ہو (کہ خوبصورت شوہر ملا) اور جب میں تمہیں دیکھتا ہوں تو صبر کرتا ہوں، اور صابر و شاکر دونوں جنت میں جائیں گے، اور واقعہ بھی ایسا ہی ہے کہ جو شخص ان صفتوں کے ساتھ موصوف ہوگا وہ سیدھا جنت میں جائے گا، اور تقدیر پر ایمان رکھنے کی وجہ سے یہ دونوں صفتیں پیدا ہوتی ہیں۔

ایک غلط فہمی کا ازالہ

تقدیر کا ایک اور بڑا فائدہ بھی سمجھتے چلئے۔ بعض کم ہمت لوگ یہ سمجھتے ہیں جب ہر کام تقدیر میں لکھا ہے تو پھر کوشش کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ جیسے ایک نوجوان صاحب زادے تھے، تندرست، تعلیم یافتہ اور کھاتے پیتے گھرانے سے متعلق تھے، لیکن کام کوئی نہیں کرتے تھے اور نہ ہی تعلیم حاصل کی تھی، بس دن بھر عیش و آرام کرتے، لوگوں نے بہت سمجھایا، ایک مرتبہ اس کے والد نے اسے بہت نرمی سے سمجھایا کہ بیٹا! تم تعلیم حاصل کرلو! اس نے کہا تعلیم سے کیا فائدہ ہوگا؟ کہا کہ تمہیں لکھنا پڑھنا آجائے گا اور تم کوئی اچھی سی ملازمت کرسکو گے، اس نے پوچھا ملازمت سے کیا ہوگا؟

انہوں نے کہا اچھی تنخواہ ملے گی، آمدنی ہوگی، اس نے پوچھا کہ اس سے کیا ہوگا؟ انہوں نے کہا کہ اسے تم جمع کر کے کوئی اچھا سا مکان بنا سکتے ہو اور شادی کر سکتے ہو، اس نے پوچھا پھر کیا ہوگا؟ انہوں نے کہا کہ بچے ہوں گے تو ان پر خرچ کرنے کیلئے تمہارے پاس پیسے ہوں گے۔ اس نے پوچھا کہ پھر کیا ہوگا؟ انہوں نے کہا عیش کرو گے، تو اس نے کہا تو اب میں کیا کر رہا ہوں، اب بھی تو عیش ہی کر رہا ہوں، جب یہ سب پاپڑ بیلنے کے بعد عیش ہی کرنا ہے تو اس محنت اور مشقت کو برداشت کرنے کی کیا ضرورت ہے؟

تقدیر سے ہمت بڑھتی ہے

اگر کوئی شخص تقدیر پر صحیح ایمان رکھتا ہے تو تقدیر پر ایمان رکھنا اس کو کوشش اور جدوجہد پر آمادہ کرتا ہے، اس لئے کہ اسے یہ معلوم ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے اسباب بھی بنائے ہیں اور ان کو اختیار کرنے کا بھی حکم ہے تو پھر وہ چھوٹے سے چھوٹا سبب بھی اختیار کرے گا کہ شاید اللہ تعالیٰ نے اس میں اثر رکھا ہو۔ لہٰذا اگر انسان تقدیر پر ایمان رکھتا ہوگا تو اس سے ہمت مزید بڑھے گی، اور وہ جدوجہد پر آمادہ ہوگا۔

پہلے تدبیر پھر تقدیر پر توکل

ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ نے ایک مقدمے کا فیصلہ فرمایا تو وہ فیصلہ جس کے خلاف تھا اس نے کہا ''حسبی اللّٰہ ونعم الوکیل'' ''اللہ تعالیٰ مجھے کافی ہے اور وہ بہترین کارساز ہے'' تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کم ہمتی کو ناپسند کرتا ہے لیکن ہوشیاری اور عقل سے کام لو یعنی کوشش اور تدبیر میں کم ہمتی سے کام نہ لو۔ ہاں

جب کوئی کام تمہارے قابو اور بس سے باہر ہو جائے، تب کہو" حسبی اللّٰہ ونعم الوکیل "گویا اس کام کے کرنے سے جو مقصد ہم حاصل کرنا چاہتے تھے اور وہ حاصل نہیں ہوا تو اللہ کو یہ بھی قدرت ہے کہ وہ کسی اور ذریعے سے اس کو حاصل کروادے۔ مثلاً آپ ملازمت حاصل کرنے کیلئے انٹرویو کی تیاری بھی کریں درخواستیں بھی دیں، اور جو کوششیں ضروری ہیں وہ بھی کرلیں، اور ساتھ ہی" حسبی اللّٰہ ونعم الوکیل " بھی پڑھتے رہیں۔ اور یہ مضمون بھی ہمارے ذہنوں میں ہونا چاہئے جو حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا" لایؤمن احد کم حتی یؤمن بالقدر خیره وشره۔ الخ۔

یعنی تم میں سے کوئی آدمی مومن نہیں ہوسکتا جب تک کہ وہ تقدیر پر ایمان نہ لے آئے خواہ وہ تقدیر اچھی ہو یا بری یعنی یہ جان لے کہ اچھی تقدیر بھی اللہ ہی کی طرف سے ہے اور بری تقدیر بھی اللہ ہی کی طرف سے ہے یہاں تک کہ وہ اس بات کا یقین کرلے کہ جو واقعہ بھی ہونے والا تھا وہ ہوکر رہے گا اور جو واقعہ اس کے ساتھ پیش نہیں آنا تھا وہ پیش نہیں آسکتا۔

تقدیر سے متعلق چند احادیث

۱۔ ﴿عن ابن عمرؓ وقال: قال رسول اللّٰہ ﷺ کل شیء بقدر حتی العجز والکیس﴾

حضرت ابن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "ہر چیز تقدیر سے ہے یہاں تک کہ آدمی کا ناکارہ ہونا اور ہوشیار ہونا بھی تقدیر ہی سے ہے"۔ (رواہ مسلم)

۲۔ ﴿عن عبداللّٰہ ابن عمرؓ وقال: قال رسول اللّٰہ ﷺ کتب

اللّٰــه مقــادیـر الـخـلائق قبل ان خلق السمٰوٰت والارض بخمسین الف سنة ﴾

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے زمین وآسمان کی تخلیق سے پچاس ہزار برس پہلے تمام مخلوقات کی تقدیریں لکھ دی تھیں''۔ (مسلم)

۳۔ ﴿عـن عبـدالـلّٰه ابن عمرؓوقال: قال رسول الله ﷺ ان قـلـوب بـنـی آدم کـلـهـا بیـن اصبـعین من اصابع الرحمن کـقـلـب واحـدیـصـرفه کیف یشاء ثم قال رسول الله ﷺ اللّٰهم مصرف القلوب صرف قلوبنا علی طاعتك﴾۔

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''بنی آدم کے تمام قلوب ایک دل کی طرح اللہ تعالیٰ کی انگلیوں میں سے دو انگلیوں کے درمیان ہیں، وہ جس طرح چاہتا ہے اس کو پھیر دیتا ہے: پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اے اللہ دلوں کو پھیرنے والے! ہمارے دل اپنی اطاعت کی طرف پھیر دے''۔

(رواہ مسلم)

اللہ تبارک وتعالیٰ ہمیں دین کی صحیح سمجھ عطا فرمائے، ہمارے ایمانوں کی حفاظت فرمائے، اور ایمان کے مطابق عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

آخر دعوانا ان الحمد للّٰه رب العلمین

اسلام میں غلامی کا تصوّر

موضوع: اسلام میں غلامی کا تصور
بیان: حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب مدظلہ
مقام: مدرسۃ البنات جامعہ دارالعلوم، کراچی
ضبط وترتیب: مولانا اعجاز احمد صمدانی (فاضل جامعہ دارالعلوم کراچی)
باہتمام : محمد ناظم اشرف

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اسلام میں غلامی کا تصور

خطبہ مسنونہ

نحمدهٗ و نصلی علٰی رسولہٖ الکریم امابعد:

”عن أبی ذر جندب بن جنادہ رضی اللّٰہ عنہ قال: قلت یارسول اللّٰہ، أی الاعمال أفضل؟ قال: الایمان باللّٰہ و الجہاد فی سبیلہٖ“ قلت: أیّ الرقاب أفضل؟ قال: أنفسہا عند أہلہا و أکثرہا ثمناً۔ قلت: فان لم أفعل؟ قال: تعین صانعاً أو تصنع لأخرق“۔ قلت یارسول اللّٰہ ان ضعفت عن بعض العمل۔ قال: تکف شرک عن الناس فانّہا صدقة منک علی نفسک“۔ (متفق علیہ)

بزرگانِ محترم اور برادرانِ عزیز! حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث میں مذکورہ افضل اعمال میں سے تیسرے افضل عمل کے متعلق بیان کرنا مقصود ہے۔

تیسرا افضل عمل: عمدہ غلام آزاد کرنا

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ نے تیسرا سوال یہ کیا کہ یا رسول اللہ! کون سا غلام آزاد کرنا سب سے افضل عمل ہے، یعنی اگر اللہ تعالیٰ کے راستہ میں کسی غلام کو آزاد کروں تو کون سا غلام آزاد کرنا سب سے افضل ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: أنفسها عند أهلها واكثرها ثمناً ''وہ غلام آزاد کرنا سب سے افضل ہے جو مالک کے نزدیک سب سے اعلیٰ درجے کا اور سب سے زیادہ قیمتی غلام ہو''۔

غلامی کے متعلق بحث

چونکہ اس زمانہ میں غلام نہیں پائے جاتے، اس لئے ہوسکتا ہے کہ یہاں پر موجود بہت سے حضرات یہ بات نہ سمجھ رہے ہوں کہ غلام سے کیا مراد ہے اور اس کو آزاد کرنے کا کیا مطلب ہے؟ تو آج کی مجلس میں اس کے متعلق قدرے وضاحت سے عرض کردیتے ہیں۔

غلامی کے متعلق اسلام پر اعتراض

آج کل انسانی حقوق (Human Rights) کا بہت چرچا ہے۔ امریکہ اور یورپ کے لوگ اس کے بہت دعویدار ہیں۔ مغربی میڈیا صبح سے لیکر شام تک انسانی حقوق کے راگ الاپتا ہے اور امریکہ بہادر اس کی قیادت کررہا ہے اور جن لوگوں نے امریکہ ہی کو دیکھا، اس کی کتابیں اور لٹریچر پڑھا، اس کی تعلیمات حاصل کیں، اسی کے میڈیا کو دیکھا اور سنا، جب وہ قرآن، حدیث اور فقہ کی کتابوں میں

غلامی، غلاموں اور ان کی خرید وفروخت کا ذکر دیکھتے ہیں تو انہیں حیرت ہوتی ہے کہ اسلام میں تو انسانوں کو غلام بنانا بھی جائز ہے اور اسلام نے انسانوں کی خرید وفروخت کی اجازت بھی دے رکھی ہے۔

اسلام سے پہلے غلام بنانے کا طریقہ

اس کا جواب دینے سے پہلے یہ سمجھنا ضروری ہے کہ اسلام سے پہلے غلامی کی حقیقت کیا تھی؟ اسلام سے پہلے غلام بنانے کا طریقہ یہ ہوتا تھا کہ کوئی بھی طاقتور کسی بھی کمزور کو پکڑ کر لاتا اور اُسے اپنا غلام بنالیتا، اب یہ شخص جو چاہے اس سے مشقت اور خدمت لے، اسے کھانے پینے کیلئے کچھ دے یا نہ دے، یہ اس کی مرضی پر موقوف ہے، بس پکڑا ہوا شخص ایک بے دام غلام ہے جو ہرا عتبار سے اپنے مالک کے حکم کا پابند ہے، اور اگر کسی کے پاس آٹھ دس غلام ہوگئے جبکہ اُسے صرف ایک یا دو غلاموں کی ضرورت ہوتی تو بقیہ غلاموں کو پیسے لے کر فروخت کردیتا۔

حضرت یوسف علیہ السلام کے غلام بننے کا واقعہ

حضرت یوسف علیہ السلام کو بھی اسی طریقے سے غلام بنایا گیا تھا حالانکہ وہ خود آزاد تھے اور آزاد باپ کے بیٹے تھے۔ ان کے غلام بننے کا قصہ قرآن مجید میں موجود ہے کہ ان کے بھائیوں نے اپنے باپ کو دھوکہ دے کر ایک کنویں میں جاکر ڈال دیا۔ وہاں سے ایک قافلے والے کا گذر ہوا انہوں نے ایک آدمی کو اس کنویں سے پانی لینے کیلئے بھیجا۔ جب اس نے ڈول اندر ڈالا تو یوسف علیہ السلام نے اس ڈول کو پکڑ لیا اور اس کے ساتھ باہر آگئے۔ بھائیوں کو پتہ چلا تو قافلہ والوں کے پاس

آئے اور کہا کہ یہ ہمارا غلام ہے اور معمولی قیمت کے عوض حضرت یوسف علیہ السلام کو قافلہ والوں کے ہاتھ بیچ دیا، اور اس طرح حضرت یوسف علیہ السلام ان کے غلام بن گئے۔ انہوں نے مصر میں جا کر حضرت یوسف علیہ السلام کو بیچ دیا۔

اسلام سے پہلے غلاموں کے کوئی حقوق نہیں تھے

جس طرح اسلام سے پہلے غلام بنانے کیلئے کسی قاعدے اور قانون کی ضرورت نہیں تھی۔ اسی طرح اسلام سے پہلے غلاموں اور باندیوں کے کوئی حقوق بھی نہ تھے۔ غلاموں سے کام لیا جاتا اور باندیوں سے شہوت رانی کی جاتی یہاں تک کہ ان سے اولادیں پیدا ہوتیں لیکن نہ ان غلاموں کے کوئی حقوق تھے اور نہ باندیوں کو کسی قسم کے حقوق دیئے جاتے تھے۔ خلاصہ یہ کہ اسلام سے پہلے دنیا میں غلامی کے سلسلہ میں بالکل جنگل کا قانون تھا۔

یورپ کے لوگوں نے اسی طرح غلام بنائے

یورپ کے لوگوں نے بھی انسانوں کو اسی طرح غلام بنایا۔ یہ یورپ کے لوگ جب امریکہ پہنچے اور امریکہ کو آباد کرنے کیلئے انہیں انسانوں کی ضرورت پڑی تو افریقہ اور اسپین کے لوگوں کو غلام بنا کر یہاں امریکہ میں لائے۔

امریکہ کس طرح دریافت ہوا؟

امریکہ دریافت ہونے سے پہلے چونکہ لوگ امریکہ سے واقف نہیں تھے اس لئے جب امریکہ دریافت ہوا تو اس زمانہ میں لوگ اسے نئی دنیا کہا کرتے تھے۔ امریکہ کو لمبس نے دریافت کیا۔ دراصل وہ ہندوستان کی تلاش میں نکلا تھا کیونکہ اس

نے ہندوستان کی بہت تعریفیں سن رکھی تھیں تو سمندری سفر کے دوران ہندوستان کو تلاش کرتے کرتے اِدھر آنے کی بجائے امریکہ کی طرف مڑ گیا اور وہ سمجھا کہ سامنے جو خشکی نظر آرہی ہے، یہی ہندوستان ہے حالانکہ وہ امریکہ تھا۔ واسکو ڈے گاما نے ہندوستان دریافت کیا۔ یہ سمندر میں سفر کرتے ہوئے ساؤتھ افریقہ سے بحر جنوبی کو پار کرکے ادھر پہنچا تو ہماری بدقسمتی سے اسے ہندوستان مل گیا، جس کے نتیجہ میں انگریزوں کی ایسٹ انڈیا کمپنی آئی اور اس نے وہ ساری خباثتیں کیں جو تاریخ کا حصہ ہیں۔

یورپی لوگوں کا امریکہ پر قبضہ

امریکہ کے اصلی باشندے سرخ رنگ کے تھے۔ چونکہ کولمبس اور اس کے ساتھی ہندوستان کی تلاش میں نکلے تھے اور یوں سمجھ رہے تھے کہ یہ انڈیا ہے، اس لئے انہوں نے امریکہ کے ان اصلی باشندوں کا نام ریڈ انڈین (Red Indian) رکھا۔ یورپ کے لوگوں اور امریکہ کے ان اصلی باشندوں کے درمیان جنگیں ہوئیں۔ چونکہ یہ بہت تھوڑی تعداد میں تھے اور بیچارے ان پڑھ قسم کے لوگ تھے۔ اس لئے یورپی لوگوں کا مقابلہ نہ کرسکے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ یورپ کے لوگوں نے امریکہ پر قبضہ کرلیا۔

اصل امریکی باشندوں پر مظالم

یورپی لوگوں نے امریکہ کے ان اصلی باشندوں پر بہت مظالم ڈھائے۔ انہیں شہروں سے نکالا، انہوں نے پناہ لینے کیلئے گاؤں گوٹھوں کا رخ کیا تو وہاں پر انہیں تنگ کیا، یہاں تک کہ وہ پہاڑوں میں چلے گئے، اور انہی پہاڑوں، صحراؤں

وغیرہ میں کچے پکے مکانوں میں رہتے رہے، نہ ان کی تعلیم کا کوئی انتظام تھا، نہ صحت کا کوئی انتظام اور نہ ان کے ذریعہ معاش کا کوئی انتظام تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ان کی نسلیں ختم ہوتے ہوتے اب تقریباً ختم ہوگئی ہیں، دور گاؤں گوٹھوں میں کہیں اکا دکا ان کے خاندان رہ گئے ہیں۔ آج امریکہ میں یہ لوگ ڈھونڈے سے نہیں ملتے۔ یہ معاملہ ان لوگوں کے ساتھ کیا گیا جو وہاں کے اصلی باشندے اور اس زمین کے مالک تھے، جن کا یہ ملک اور وطن تھا۔ یہ ہیں انسانی حقوق کے علمبردار!

امریکہ کی زمینی وسعت

براعظم امریکہ کے دو حصے ہیں۔ جنوبی امریکہ اور شمالی امریکہ۔ شمالی امریکہ میں دو ملک آباد ہیں، کینیڈا اور ریاستہائے متحدہ امریکہ (United States of America) شمالی امریکہ کا جو حصہ ریاستہائے متحدہ امریکہ (U.S.A) کے پاس ہے۔ اس کے ایک کنارے سے دوسرے کنارے تک اتنی لمبائی ہے کہ اگر نیو یارک سے لاس اینجلس تک بذریعہ ہوائی جہاز سفر کیا جائے تو یہ چھ گھنٹے کی فلائٹ ہے۔ میں نے یہ سفر کیا ہے۔ یورپ، برطانیہ اور دیگر ممالک کے لوگ وہاں جا کر آباد ہوئے۔

افریقی لوگوں کو غلام بنا کر امریکہ لایا گیا

امریکہ کو کار آمد بنانے کے لئے دریافت کرنے والوں کو انسانوں کی ضرورت تھی۔ اس مقصد کے لئے انہوں نے افریقہ کے لوگوں کو غلام بنایا اور یہاں امریکہ لے آئے۔ جس کا طریقہ کار یہ تھا کہ وہ افریقہ کے کسی گاؤں میں جاتے، وہاں جال ڈال کر گاؤں کا محاصرہ کرتے، سارے مرد، عورتیں، بچے، بوڑھے، جوان ان سب کو گرفتار کرتے، جو بھاگنے کی کوشش کرتا، اُسے زخمی کرتے۔ جس طرح

جانوروں کا شکار کیا جاتا ہے بالکل اسی طرح انسانوں کا شکار کرتے اور پھر ان میں سے چھانٹتے کہ کون کام کا ہے اور کون کام کا نہیں ہے۔ جو اُن کے کام کا نہ ہو، اسے وہیں چھوڑ دیتے نتیجہ یہ نکلتا کہ کسی کا باپ رہ جاتا، کسی کی ماں رہ جاتی، کسی کا بھائی رہ جاتا اور کسی کی بہن رہ جاتی۔ ان لوگوں کو اس سے بحث نہیں تھی کہ کس کا کون سا رشتہ دار رہ گیا، انہیں صرف اپنے مقصد سے غرض تھی۔ جانوروں کے ساتھ بھی وہ سلوک نہیں کیا جاتا جو انہوں نے افریقہ کے ان کالوں اور سیاہ فام لوگوں کے ساتھ کیا۔ اس طرح یہ ان افریقیوں کو امریکہ لے کر پہنچے اور امریکہ کی سرزمین کو ان کے ذریعے آباد کیا۔

اسپین کے مسلمانوں کو زبردستی امریکہ پہنچایا گیا

اسپین کے لوگوں کو بھی اسی طرح زبردستی امریکہ پہنچایا گیا۔ جب امریکہ دریافت ہوا تو تقریباً یہ وہی دور تھا کہ جب سقوط غرناطہ ہوا۔ اسپین میں اسلامی خلافت کا خاتمہ ہوا تو وہاں کے بہت سے مسلمانوں کو تہ تیغ کر دیا گیا، بہت سے مسلمانوں کو جیل میں ڈال دیا گیا۔ بہت سے مسلمان وہاں سے بھاگ کر مراکش وغیرہ میں پناہ گزین ہوئے، اور بہت سے مسلمانوں کو انہوں نے زبردستی عیسائی بنا کر امریکہ پہنچایا۔

امریکہ میں غلاموں کی خرید وفروخت

اس نئی دنیا کو آباد کرنے کے لئے افریقہ کے ان آزاد انسانوں کو غلام بنایا گیا جو آزاد ماؤں کے پیٹ سے پیدا ہوئے تھے۔ انہیں، ان کے والدین کو، ان کی بہنوں اور بیٹیوں کو غلام بنا بنا کر امریکہ لایا گیا اور یہاں امریکہ میں ان غلاموں کی

خرید وفروخت ہوتی تھی۔ ان کی منڈیاں اور بازار لگتے تھے۔

یہ خرید وفروخت اسی طرح ہوتی تھی جس طرح پچھلے چند مہینوں میں یہاں افغانستان کے اندر امریکہ نے قیدیوں کی خرید وفروخت کروائی ہے۔ کتنے مسلمان قیدیوں کو ہندوستان خرید کر لے گیا۔ حالانکہ اقوام متحدہ کے چارٹر پر لکھا ہوا ہے کہ اب غلامی کا خاتمہ ہو چکا ہے، اب کسی کو غلام نہیں بنایا جائے گا لیکن افغانستان کے قیدیوں کو غلام بنایا گیا ہے۔ اگرچہ انہوں نے ان کا نام غلام نہیں رکھا لیکن معاملہ غلاموں سے بدتر کر رکھا ہے۔ اب بھی ان کی خرید وفروخت کا سلسلہ جاری ہے۔ یہ قیدی جو ہمارے بھائی ہیں۔ اب بھی بک رہے ہیں۔

قدرت کا انتظام

قدرت کے بھی عجیب کھیل ہیں۔ قدرت کیسے کیسے انتظامات کرتی ہے۔ آج آپ اگر امریکہ جائیں تو وہاں جتنے آپ کو گورے نظر آئیں گے، اتنے ہی کالے بھی نظر آئیں گے۔ وہ پرانے امریکی نیشنل ہیں۔ قانونی اعتبار سے برابر کا درجہ رکھتے ہیں۔ اب یہ کالے ان گوروں کیلئے وبال جان بنے ہوئے ہیں۔ وہی سیاہ فام جنہیں غلام بنا کر امریکہ لایا گیا تھا۔ انہوں نے گوروں کے ناک میں دم کیا ہوا ہے۔ وہ اپنے حقوق مانگتے ہیں۔ مجبوراً امریکی حکومت کو ان کے حقوق دینے پڑتے ہیں، اگرچہ صدیوں تک انہوں نے غلامی کی لیکن اب غلامی کے خاتمے کی وجہ سے انہوں نے آزادی حاصل کرلی ہے اور برابر کے امریکی شہری ہیں۔

اسلام میں غلامی کا تصور

غلامی کے متعلق انسانی حقوق کے علمبردار امریکہ اور اس کے حواری یورپ

ممالک کا طرز عمل بیان کرنے کے بعد اب ہم بتلاتے ہیں کہ اسلام میں غلامی کا کیا تصور ہے؟ اسلام پہلا دین ہے جس نے غلامی کے راستوں پر قدغن لگادی۔ انسانوں کو غلام بنانے کے راستہ میں جابجار کاوٹیں اور پابندیاں عائد کیں، اور اگر اتنی پابندیوں کے اندر رہتے ہوئے کسی کو غلام بنایا گیا تو پھر ان غلاموں کے زبردست حقوق مقرر کئے اور ان کی آزادی کے بے انتہا راستے کھولے اور جب تک وہ غلام رہیں انہیں عزت کی زندگی عطا کی۔ گویا نام تو غلامی کا رہا لیکن عملاً غلامی ختم کردی گئی، غلام بھائی بنادیے گئے، ہر غلام مسلمان کا بھائی ہوتا ہے۔ مسلمان اپنے غلاموں کے ساتھ بھائیوں جیسا سلوک کرتے تھے۔ یہ ایک لمبی داستان ہے۔ (جو آگے آئے گی) پہلے یہ سمجھ لیجئے کہ اسلام میں غلام بنانے کی کیا کیا شرائط ہیں۔

اسلام میں غلام بنانے کی شرائط

اسلام میں غلام بنانے کیلئے متعدد شرائط ہیں۔ جن میں سے پہلی شرط یہ ہے کہ کوئی مسلمان کسی دوسرے مسلمان کو غلام نہیں بنا سکتا خواہ وہ دوسرا مسلمان کالا ہو یا گورا، اس کا تعلق دنیا کی کسی بھی نسل، علاقے اور زبان سے ہو، اُسے غلام بنانا جائز نہیں کیونکہ دنیا میں بسنے والے سارے مسلمان بھائی بھائی ہیں۔ یہ شرط اسلام میں ہے دوسرے مذاہب میں اس کی کوئی پابندی نہیں تھی نتیجہ یہ کہ عیسائی عیسائی کو غلام بنالیتا تھا۔ یہودی، یہودی کو غلام بنالیتا تھا وغیرہ، تو اس شرط کی وجہ سے دنیا میں بسنے والے انسانوں کی کتنی بڑی تعداد غلامی سے محفوظ کردی گئی۔ اس وقت دنیا میں ایک ارب سے زیادہ مسلمان ہیں۔ یہ سب مسلمان ہمیشہ کیلئے غلامی سے محفوظ ہوگئے۔ دوسری شرط یہ ہے کہ تمام کافروں کو غلام نہیں بنا سکتے بلکہ صرف انہی کافروں کو غلام بنایا جاسکتا ہے جو جنگ کے دوران ہمارے مقابلے میں آئیں۔

کافروں کی تین قسمیں

کافروں کی تین قسمیں ہیں۔ ایک کافر وہ ہیں جو مسلمان ممالک میں رہتے ہیں۔ اسلامی ملک اور اسلامی حکومت کے قانون کی پابندی کرتے ہیں جیسے پاکستان میں یہود، عیسائی، ہندو، پارسی، قادیانی وغیرہ رہتے ہیں۔ ان میں سے کسی کو غلام بنانا جائز نہیں، نہ مرد کو، نہ عورت کو، نہ چھوٹے کو، نہ بڑے کو تو اس طرح کافروں کی بھی ایک بہت بڑی تعداد غلامی سے بچادی گئی۔ دوسرے کافر وہ ہیں جو کسی غیر مسلم ملک میں رہتے ہیں اور ویزہ لیکر اسلامی ملک میں آتے ہیں۔ انہیں شریعت کی اصطلاح میں ''مستامن'' کہا جاتا ہے۔ انہیں بھی غلام بنانا جائز نہیں خواہ مرد ہو یا عورت، بوڑھا ہو یا بچہ، باقی دنیا میں جو کافر بچ گئے انہیں بھی اس طرح غلام بنانا جائز نہیں کہ جب چاہو پکڑ لو اور غلام بنالو جیسا کہ یورپ والوں نے کہا۔ بلکہ اس کا اصول یہ ہے کہ اگر کبھی مسلمانوں کی کسی کافر قوم سے جنگ ہو اور اس جنگ کے دوران کچھ قیدی پکڑے جائیں، تو ان قیدیوں کو پکڑنے کے بعد اسلامی حکومت کو یہ اختیار ہے کہ چاہے تو ان قیدیوں کو ویسے ہی بلا معاوضہ چھوڑ دے یا فدیہ (معاوضہ) لے کر چھوڑے اور اگر چاہے تو ان کو غلام بنالے۔ اس تفصیل میں بھی پہلی دو صورتوں میں غلامی نہیں آئی۔

اسلام نے قیدی بنا کر رکھنے کی حوصلہ افزائی کیوں نہیں کی؟

اگرچہ اسلامی تعلیمات کی رو سے جنگ کے دوران پکڑے جانے والے کافروں کو قیدی بنانا جائز ہے لیکن اسلام نے قیدی بنا کر رکھنے کی حوصلہ افزائی نہیں کی اور اس بات کو پسند نہیں کیا کہ ان انسانوں کو جیل میں ڈال کر سڑایا جائے، ملک کے

خزانے پر بوجھ ڈالا جائے، انسان کو بالکل بیکار کر کے ڈال دیا جائے کہ کھانے کے علاوہ اور کوئی کام نہیں۔ عام طور پر جیلوں میں پڑے ہوئے قیدی طرح طرح کی بیماریوں کا شکار ہو جاتے ہیں۔ جنسی جرائم کے بھی مرتکب ہوتے ہیں اور پھر ان میں مختلف طرح کی بیماریاں پھیلتی ہیں اور پھر یہ کہ ان قیدیوں پر مختلف طرح کے مظالم بھی ڈھائے جاتے ہیں جیسے کیوبا میں ہمارے بھائیوں پر مظالم ڈھائے جا رہے ہیں۔

کیوبا کے قیدیوں پر ہونے والے مظالم

آپ کو معلوم ہے کہ اس وقت کیوبا میں ہمارے بھائیوں پر کیا قیامت ٹوٹ رہی ہے، تصویریں آ چکی ہیں، کیوبا کے قیدیوں کی حالت یہ ہے کہ انسانی حقوق کے علمبرداروں نے انہیں اکڑوں بٹھا رکھا ہے۔ اکڑوں بیٹھنا کس قدر مشکل ہے اگر صرف دو گھنٹے کے لئے اکڑوں بیٹھنا پڑے تو پتہ چل جاتا ہے، اور ان قیدیوں کو اسی حال میں کئی مہینے گذر گئے ہیں، ہاتھ پیچھے سے بندھے ہوئے ہیں، کانوں میں روئی ٹھونسی ہوئی ہے تاکہ کوئی آواز سنائی نہ دے، آنکھوں پر پٹی باندھی ہوئی ہے تاکہ کوئی چیز نظر نہ آئے، ناک میں روئی ٹھونسی ہوئی ہے تاکہ کوئی بو یا بدبو سنگھائی نہ دے، ہاتھوں پر موٹے موٹے دستانے چڑھائے گئے ہیں تاکہ وہ اپنے آپ کو چھو کر محسوس نہ کر سکیں۔ اسی حالت میں اکڑوں بیٹھے ہوئے ہیں۔ ان پر کیا قیامت ٹوٹ رہی ہے، وہ جانتے ہیں یا پھر ان کا رب جانتا ہے۔

اسلام ایسے انسانی حقوق کا روادار نہیں۔ اسلام کہتا ہے کہ اس سے بہتر تو یہی ہے کہ تم ان قیدیوں کو غلام بنالو۔

غلاموں کے حقوق

لیکن غلام بنانے کی اجازت اس شرط کے ساتھ دی کہ ان غلاموں کے حقوق بھی ادا کئے جائیں، مثلاً ان کے کھانے پینے کا انتظام بھی کرو، انہیں تعلیم بھی دلواؤ، ان کی تربیت بھی کرو، ان کی شادیاں بھی کرو، انہیں معاشرے کا حصہ بناؤ، انہیں کاروبار میں لگاؤ، ان کو عہدے اور ملازمتیں بھی دو، البتہ ملکیت تمہاری رہے گی، اور اگر کسی عورت کو باندی بناؤ تو اس کے ساتھ جنسی تعلق قائم کرنے کی بھی اجازت ہے، شرعاً مالک اور باندی کے درمیان وہ جنسی تعلق قائم ہوسکتا ہے جو میاں بیوی کے درمیان ہوتا ہے لیکن اس تعلق کے نتیجہ میں اگر بچہ پیدا ہوجائے تو وہ آزاد ہوگا۔

غلام جنگی قیدی ہیں لیکن............

گویا غلام جنگی قیدی ہیں۔ ان جنگی قیدیوں کو غلام و باندی کا نام دیا گیا، لیکن ان قیدیوں کو جیلوں میں بے کار نہیں رکھا، اکڑوں نہیں بٹھایا، ہاتھ پاؤں نہیں باندھے، بیڑیاں نہیں ڈالیں، بلکہ انہیں چلتا پھرتا رکھا تاکہ ان کی صحت بھی ٹھیک رہے، خوش بھی رہیں، تعلیم و تربیت بھی حاصل کریں اور ترقیاں بھی کریں۔ اسلامی تاریخ میں ایسے غلاموں کی تعداد بے شمار ہے جو بڑے بڑے علماء و مشائخ، سائنس دان اور فلکیات کے ماہرین بنے ہیں۔ فوج کے سردار اور جرنیل بنے ہیں حتی کہ بادشاہ بھی بنے ہیں۔

قیدی بنانے کا بہتر طریقہ

پھر اس طرح غلام بنانے کا ایک اور فائدہ یہ ہے کہ ان کی وجہ سے حکومت

کے خزانے پر کوئی بوجھ نہیں پڑتا۔ اتنے قیدیوں کو اگر جیلوں میں رکھا جائے تو ان کے لئے بہت بڑی جیل بنوانی پڑتی ہے۔ ان کی حفاظت کیلئے عملہ رکھنا پڑتا ہے۔ کھانے کا انتظام کرنا پڑتا ہے لیکن پھر بھی وہ مصیبت اور پریشانی میں مبتلا رہتے ہیں۔ اسلام کی اختیار کردہ صورت میں حکومت کو ان قیدیوں پر کچھ خرچ نہیں کرنا پڑتا اور قیدی بھی زیادہ آرام سے رہتے ہیں، ان کی صحت بھی زیادہ اچھی رہتی ہے اور پھر یہ کہ ان کے تمام فطری اور جنسی تقاضوں کے پورے ہونے کا انتظام بھی ہوتا ہے تو بتلایئے کہ قیدی بنانے کا یہ طریقہ زیادہ اچھا ہے یا وہ طریقہ زیادہ اچھا ہے جو مغرب نے اختیار کر رکھا ہے۔

اسلام غلامی کو ختم کرنا چاہتا ہے

بات صرف یہاں پر ختم نہیں ہوتی کہ اسلام نے قیدی بنانے کا ایک بہتر طریقہ اختیار کیا اور ان قیدیوں کو غلاموں کا نام دیکر انہیں ان کے تمام حقوق دیئے، بلکہ اس سے بڑھ کر یہ کہ اسلام اس غلامی کو بھی ختم کرنا چاہتا ہے۔ اسلام نے غلامی کے سلسلہ میں جو اقدامات کئے ہیں۔ ان پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ آج جو دنیا میں غلامی کا طریقہ ختم ہوا ہے، یہ دراصل اسلام کی اسی حکمت عملی کا نتیجہ ہے۔

غلامی کے خاتمے کیلئے اسلام کے اقدامات

غلامی کے خاتمہ کیلئے اسلام نے بہت اہم اقدامات کئے۔ جن میں سے سب سے اہم یہ ہے کہ غلام کو آزاد کرنے کے اتنے زیادہ راستے بنادیئے کہ بہانے بہانے سے غلام کو آزادی مل جاتی ہے۔ غلام کی آزادی کی صورتیں یہ ہیں۔

غلام آزاد کرنے کی فضیلت

اسلام نے پہلا کام تو یہ کیا کہ غلام آزاد کرنے کا ثواب بہت زیادہ رکھا۔ یہ حدیث آپ کے سامنے ہے جس میں بتلایا گیا کہ سب سے افضل عمل ایمان باللہ ہے۔ اس کے بعد سب سے بڑا عمل جو اس حدیث میں بتلایا گیا وہ جہاد فی سبیل اللہ ہے اور اس کے بعد سب سے بڑا عمل، غلام کو آزاد کرنا ہے۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ جو شخص کسی غلام کو آزاد کرتا ہے تو اس غلام کے ہر عضو کے بدلے میں آزاد کرنے والے کا ہر عضو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے آزاد ہو جاتا ہے۔ اس کے علاوہ غلام آزاد کرنے کے اور بھی متعدد فضائل ہیں۔

مختلف کفاروں میں غلام کی آزادی

معاملہ صرف یہیں پر ختم نہیں ہوا کہ غلام آزاد کرنے کو صرف ایک فضیلت کی چیز قرار دیا گیا ہو، بلکہ اس سلسلہ میں کچھ قوانین بھی مقرر فرما دیئے گئے مثلاً یہ کہ چار قسم کے اعمال ایسے ہیں کہ ان کا کفارہ غلام آزاد کرنا ہے۔

کفارۂ قتل

پہلی صورت یہ ہے کہ اگر کوئی شخص کسی دوسرے کو غلطی سے قتل کرے مثلاً جانور کا شکار کرنا چاہتا تھا لیکن غلطی سے گولی انسان کو لگ گئی اور وہ شخص مر گیا تو یہ قتل خطا ہے، ایسے قتل میں دیت بھی واجب ہوتی ہے جسے ''خون بہا'' کہا جاتا ہے۔ دیت کی قیمت لاکھوں روپے تک ہوتی ہے۔ پاکستان میں یہی قانون رائج ہے۔ یہ

دیت مقتول کے ورثاء کو دی جاتی ہے لیکن دیت کے ساتھ اس عمل کا کفارہ ادا کرنا بھی ضروری ہے اور وہ کفارہ غلام آزاد کرنا ہے۔ اگر غلام دستیاب نہ ہو تو پھر دوسری صورت یہ ہے کہ پے در پے دو مہینے کے روزے رکھنا ضروری ہیں۔ آج کل چونکہ غلام موجود نہیں اس لئے روزے رکھنے ہوں گے۔

کفارۂ ظہار

دوسری صورت کفارۂ ''ظہار'' ہے۔ عربوں میں یہ رواج تھا کہ کوئی شخص اپنی بیوی سے یہ کہہ دیتا'' أنتِ علی کظھرِ أمیّ'' ''تم مجھ پر میری ماں کی کمر کی طرح ہو'' یعنی جس طرح میری ماں مجھ پر حرام ہے۔ اسی طرح تم بھی مجھ پر حرام ہو۔ اس طرح کہنے سے بیوی حرام ہو جاتی ہے۔ اب حکم یہ ہے کہ اگر بیوی کو اپنے پاس رکھنا چاہتے ہو تو اس کا کفارہ ادا کرو، اور کفارہ یہ ہے کہ غلام آزاد کرو، اگر غلام آزاد نہیں کرسکتے تو پے در پے دو مہینے کے روزے رکھو۔

جان بوجھ کر روزہ توڑنے کا کفارہ

تیسری صورت یہ ہے کہ کوئی شخص رمضان المبارک میں روزہ رکھ کر جان بوجھ کر اُسے توڑ ڈالے تو اس کا کفارہ یہ ہے کہ یا تو غلام آزاد کرے یا پھر دو مہینے کے لگاتار روزے رکھے۔ اس کے اور کفارۂ ظہار کے احکام ایک جیسے ہیں۔

قسم توڑنے کا کفارہ

چوتھی صورت یہ ہے کہ اگر کوئی شخص قسم کھالے اور پھر اس کی خلاف ورزی کرے تو اس کے بارے میں قرآن مجید میں فرمایا گیا:

﴿فکفارتہٗ إطعام عشرۃ مساکین من أوسط ماتطعمون أھلیکم أو کسوتھم أو تحریر رقبۃ۔ فمن لم یجد فصیام ثلثۃ أیام﴾۔ (المائدہ:۸۹)

یعنی ''دس مسکینوں کو کھانا کھلاؤ یا انہیں جوڑے پہناؤ یا غلام آزاد کرو''۔

دیکھئے مذکورہ گناہوں کے کفاروں کے اندر ہر جگہ غلام کے آزاد کو کفارہ کے طور پر ذکر کیا جارہا ہے اور اگر غلام نہ ہوتو اس صورت میں روزہ رکھنے کا حکم دیا گیا ہے۔

''تو آزاد ہے'' کہنے سے غلام کی آزادی

اس کے علاوہ ایک اور قانون یہ بنایا کہ اگر کوئی شخص زبان سے یہ کہہ دے کہ ''تو آزاد ہے'' تو وہ آزاد ہوجاتا ہے۔ اس کی غلامی فوراً ختم ہوجاتی ہے۔ اس میں کہنے والے کی نیت کا کوئی اعتبار نہیں، یہ جملہ خواہ وہ آزاد کرنے کی نیت سے کہے یا کسی اور نیت سے کہے، ہر صورت میں غلام آزاد ہوجاتا ہے مثلاً کہنا تو یہ چاہتا تھا کہ میاں تم بڑے ذہین آدمی ہو لیکن غلطی سے زبان سے یہ جملہ ادا ہوگیا کہ تم آزاد ہو تو وہ غلام آزاد ہوجائے گا۔ اب اگر مالک یہ کہے کہ صاحب! میری تو نیت غلام آزاد کرنے کی نہیں تھی۔ میں نے تو غلطی سے کہہ دیا تھا تو اُسے جواب دیا جائے گا کہ نیت ہو یا نہ ہو، جب صاف لفظوں میں غلام سے یہ کہا کہ تو آزاد ہے، تو اب آزاد ہوگیا، اب غلام کی واپسی کی کوئی صورت نہیں۔

غلام کا آزاد کرنا طلاق دینے کی طرح ہے

یہ بالکل طلاق کی طرح ہے جیسے کوئی شخص اپنی بیوی کو صریح الفاظ میں طلاق

دے دے تو اس سے طلاق واقع ہو جاتی ہے خواہ نیت ہو یا نہ ہو۔ آج کل بہت سے لوگ بیوی کو طلاق دے دیتے ہیں اور پھر کہتے ہیں کہ صاحب! میں نے تو غصے میں طلاق دی تھی۔ ان سے کوئی پوچھے کہ محبت میں طلاق کون دیتا ہے۔ سب غصے ہی میں تو دیتے ہیں۔ تو طلاق غصے میں دی جائے یا پیار میں، جان بوجھ کر دی جائے یا بھول کر جب لفظ طلاق صریح بولا جائے گا تو اس سے طلاق واقع ہو جائے گی۔

تیر مارنے کی طرح

یہ دونوں معاملے بالکل تیر مارنے کی طرح ہیں جیسی کوئی شخص کہے کہ میں نے تیر تو مارا تھا لیکن میری نیت تیر مارنے کی نہیں تھی، تو اُسے کہا جائے گا کہ نیت تھی یا نہیں تھی، سامنے والے کو تیر تو لگ گیا۔ اسی طرح غلام آزاد کرنے میں نیت ہو یا نہ ہو، غلام آزاد ہو جائے گا اور صریح طلاق میں نیت ہو یا نہ ہو، بیوی پر طلاق واقع ہو جائے گی۔

غلامی کے خاتمے کیلئے ایک اور قانون

مذکورہ تمام صورتوں کے علاوہ غلامی کے خاتمہ کیلئے ایک اور قانون یہ بنایا گیا کہ اگر مسلمانوں کا کسی غیر مسلم قوم سے جنگی قیدیوں کے بارے میں یہ معاہدہ ہو جائے کہ وہ ایک دوسرے کے قیدیوں کو غلام نہیں بنائیں گے تو شرعاً اسکی پابندی لازمی ہو جاتی ہے اور پھر کسی قوم کے قیدیوں کو غلام بنانا جائز نہیں رہتا۔

اس زمانہ میں غلامی کیسے ختم ہوئی؟

چنانچہ اس زمانہ میں غلامی ختم ہونے کی سب سے بڑی وجہ یہی ہے کہ

ہمارے سمیت دنیا کے بہت سے ممالک اقوام متحدہ کے رکن ہیں۔ ہمارا سب سے بڑا دشمن اسرائیل بھی اقوام متحدہ کا رکن ہے اور ہم بھی اس کے رکن ہیں، اسی طرح ہمارا سب سے بڑا دشمن بھارت بھی اقوام متحدہ کا رکن ہے اور ہم بھی اس کے رکن ہیں، اور جتنے ممالک اقوام متحدہ کے رکن ہیں ان سب نے اقوام متحدہ کے ایک چارٹر پر دستخط کئے ہوئے ہیں اور یہ معاہدہ کیا ہے کہ ہم اقوام متحدہ کے قوانین کی پابندی کریں گے۔ ان قوانین میں سے ایک قانون یہ ہے کہ اگر جنگ ہوگی تو کوئی بھی قوم کسی دوسری قوم کے جنگی قیدیوں کو غلام نہیں بنائے گی۔ چنانچہ اب اسلام کا بھی یہی حکم ہے کہ اگر ہماری جنگ کسی بھی ایسے ملک سے ہو جو اقوام متحدہ کا رکن ہے تو ہم ان کے جنگی قیدیوں میں سے مردوں کو غلام اور عورتوں کو باندی نہیں بنا سکتے اور وہ بھی ہمارے جنگی قیدیوں کو غلام اور باندی نہیں بنا سکتے۔

گذشتہ جہادِ افغانستان میں روسیوں کو غلام بنانے کا مسئلہ

لیکن اسلام کی رو سے اس حکم کا اطلاق ان ممالک کیلئے ہوگا جو اقوام متحدہ کے رکن ہیں۔ جو ممالک اقوام متحدہ کے رکن نہیں، ان کیلئے یہ حکم بھی نہیں چنانچہ جب افغانستان میں روسیوں کے خلاف جہاد ہورہا تھا اور مجاہدین اپنے سردھڑ کی بازی لگا رہے تھے تو یہ مجاہدین وہ لوگ تھے کہ جن کی نہ اپنی کوئی حکومت تھی اور نہ یہ کسی اور حکومت کے ماتحت تھے چنانچہ یہ اقوام متحدہ کے رکن بھی نہیں تھے۔ اس وقت میں ان مجاہدین سے کہا کرتا تھا کہ ان روسیوں کو پکڑو اور غلام بناؤ اور اگر ان کی عورتیں ہاتھ آجائیں تو انہیں باندی بناؤ۔ ہم پاکستانیوں کیلئے تو انہیں غلام بنانا جائز نہیں، تمہارے لئے جائز ہے، اس لئے کہ ہم اقوام متحدہ کے رکن ہیں، تم اس کے رکن نہیں ہو۔

اسلام میں انسانی احترام

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ اسلام نے انسانی احترام اور عظمت کا اتنا خیال رکھا کہ غلام بنانے کے بہت سے راستے مسدود کردیئے اور یہ کوشش کی کہ غلامی میں بدستور کمی واقع ہوتی رہے یہاں تک کہ ختم ہوجائے اور جب تک یہ غلامی رہے تو غلاموں کی حالت قیدیوں سے ہزار درجہ بہتر رہے جو عمر دراز تک جیلوں کے اندر گلتے رہتے ہیں اور شدید مظالم کا شکار ہوتے ہیں۔ (تفصیل پیچھے گذر چکی)

غلاموں کے ساتھ حسنِ سلوک کرنے کا حکم

اسلام نے غلاموں کے ساتھ حسن سلوک کے جو احکامات اور ترغیبات دی ہیں، ان پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ غلامی کا صرف نام ہی نام ہے، ورنہ غلام تو درحقیقت بھائی ہوتا ہے، آدمی اس جنگی قیدی کو اپنا بھائی بنالیتا ہے کیونکہ شریعت نے ان کے ساتھ اس طرح معاملہ کرنے اور ان سے کام لینے کا حکم دیا ہے جس طرح بھائیوں سے لیا جاتا ہے مثلاً یہ کہ اس پر کام کا اتنا بوجھ نہ ڈالو جسے وہ برداشت نہ کرسکے، اگر کبھی اتنا کام بتاؤ تو اسکے ساتھ خود بھی حصہ لو اور اس کی مدد کرو اور ایک مستحب حکم یہ بھی ہے کہ جو تم کھاتے ہو وہی ان کو کھلاؤ اور جو تم پہنتے ہو وہی ان کو پہناؤ، ایسا کرنا مستحب ہے، واجب نہیں۔

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کا معمول

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کا معمول یہی تھا کہ جو خود پہنتے تھے، وہی غلام کو پہناتے۔ چنانچہ ایک صحابی اپنا واقعہ بیان کرتے ہیں کہ وہ حضرت ابوذر غفاری

رضی اللہ عنہ سے ملنے کیلئے تشریف لے گئے تو دیکھا کہ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کے بدن پر ایک عمدہ چادر ہے لیکن تہہ بند کسی اور کپڑے کا ہے اور دوسری اسی طرح کی عمدہ چادر ان کے غلام کے بدن پر ہے اور اس کا تہہ بند بھی کسی اور کپڑے کا ہے۔ تو اس صحابی نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ اگر دونوں عمدہ کپڑوں کو آپ ہی استعمال کر لیتے تو آپ کے پاس ایک حلہ (سوٹ) بن جاتا اور ہلکے درجے کی دونوں چادریں غلام کو دے دیتے تو اس کے پاس بھی ایک حلہ بن جاتا۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ جو تم خود پہنو، وہی لباس اپنے بھائیوں (غلاموں) کو بھی پہناؤ۔ لہٰذا مجھے یہ پسند نہیں کہ میں عمدہ لباس پہنو اور غلام کے پاس کم درجے کا لباس ہو۔ لہٰذا اگر میں یہ دونوں عمدہ چادریں استعمال کر لیتا تو میرے بھائی (غلام) کو اس جیسا لباس نہ ملتا۔

غلاموں کیلئے بھائی کا لفظ استعمال کرنا

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ غلاموں کیلئے بھائی کا لفظ استعمال کرتے تھے اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی غلاموں کیلئے بھائی کا لفظ استعمال فرمایا ہے چنانچہ ایک حدیث میں ہے:

﴿اخوانکم وخولکم﴾

”یہ تمہارے بھائی اور خادم ہیں“

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا واقعہ

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ واقعہ بہت مشہور ہے کہ جب آپ مدینہ طیبہ سے شام کے علاقہ فلسطین تشریف لے گئے تو آپ کے پاس ایک سواری تھی اور ایک

غلام بھی ساتھ تھا تو آپ نے غلام کے ساتھ باری مقرر کر رکھی تھی کہ اتنی دیر تم پیدل چلو گے، میں سواری کروں گا اور اتنی دیر میں پیدل چلوں گا تم سواری کرو گے، برابر برابر کی باری مقرر کر رکھی تھی۔ کُل ایک مہینے کا سفر تھا، اسی طرح باری باری سواری کر کے شام کے علاقہ میں پہنچے۔

اس زمانہ میں شام بڑا متمدن علاقہ سمجھا جاتا تھا۔ وہاں کے لوگ پڑھے لکھے، ترقی یافتہ اور شہری قسم کے لوگ سمجھے جاتے تھے۔ وہاں کے لوگوں کو جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے آنے کی اطلاع ہوئی تو استقبال کیلئے ایک زبردست مجمع باہر آیا۔ چونکہ یہ علاقہ فتح ہو چکا تھا۔ اس لئے استقبال کیلئے اسلامی لشکر بھی آیا تھا اور ان کے علاوہ نومسلم لوگ اور کچھ غیر مسلم سردار اور عام لوگ بھی استقبال کیلئے آئے تھے کہ وہ امیر المؤمنین آرہے ہیں جن کی حکومت درجنوں ممالک پر پھیلی ہوئی ہے اور جن کی عظمت کا ڈنکا پوری دنیا میں بج رہا ہے۔

اتفاق کی بات دیکھئے کہ جب وہ مقام آیا جہاں پر استقبال کرنے والے آپ کو دیکھ سکتے تھے تو اُس وقت غلام کے سوار ہونے اور آپؓ کے پیدل چلنے کا نمبر آ گیا۔ چنانچہ آپؓ اس شہر میں اسی حال میں داخل ہوئے ہیں کہ غلام سوار تھا اور آپؓ اسکے ساتھ ساتھ پیدل چل رہے تھے۔

غلام کو تھپڑ مارنے پر بدلہ دلوانا

ایک صحابی کے بیٹے نے غلام کو تھپڑ مار دیا اور پھر بھاگ گیا کیونکہ اُسے معلوم تھا کہ اگرچہ یہ غلام ہے لیکن میرا والد اس بات کو بھی برداشت نہیں کریگا اور وہ میری پٹائی کریگا۔ وہ خود اپنا واقعہ بیان کرتے ہیں کہ میں ظہر کے وقت گھر واپس پہنچا تو باپ نے مجھے بلالیا اور اس غلام کو بھی بلایا اور پھر اس غلام سے کہا کہ اپنا بدلہ لے لو۔

تھپڑ مارنے پر آزادی

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ نے اپنے ایک غلام کو تھپڑ مار دیا تو پھر فوراً اُسے آزاد کر دیا، اور پھر فرمایا کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ "اگر کوئی شخص اپنے غلام کو تھپڑ مارے تو پھر اُسے آزاد کر دے!" اس حدیث پر علماء کرام نے کلام کیا ہے کہ کیا اس صورت میں غلام کا آزاد کرنا واجب ہے یا مستحب ہے؟ اس میں دونوں احتمال ہیں تاہم آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کا ظاہری مفہوم یہ بتلاتا ہے کہ غلام کو تھپڑ مارنے کا کفارہ یہ ہے کہ اُسے آزاد کر دیا جائے۔ اب غور کیجئے کہ ایک تھپڑ کہاں اور ایک پورے غلام کی آزادی کہاں۔

مارنے پر آزاد کرنے کا ایک اور واقعہ

ایک مرتبہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صحابی کو دیکھا کہ وہ اپنے غلام کو مار رہے تھے اور وہ غلام یہ کہہ رہا تھا "اللہ کی پناہ' اللہ کی پناہ" لیکن وہ صحابی غصے کی وجہ سے اس کا یہ جملہ سن نہیں رہے تھے۔ غلام نے حضور رحمۃ للعلمین صلی اللہ علیہ وسلم کو آتے ہوئے دیکھا تو اس نے کہا کہ "رسول اللہ کی پناہ' رسول اللہ کی پناہ" پہلے غصہ کی وجہ سے اس صحابی نے غلام کا پہلا جملہ سنا نہیں تھا لیکن اب شائد غصہ کچھ کم ہو چکا تھا، اس لئے غلام نے جب "رسول اللہ کی پناہ" کا جملہ بولا تو اس صحابی نے سن لیا، پلٹ کر دیکھا تو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لا رہے تھے۔ آپ ﷺ کو دیکھ کر انہوں نے فوراً اپنا وہ کوڑا پھینک دیا جس سے غلام کو مار رہے تھے اور فرمایا کہ یہ غلام اللہ کیلئے آزاد ہے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اگر تم اس غلام کو آزاد نہ کرتے تو جہنم کی آگ تجھے پکڑ لیتی۔

غلام بادشاہ بنے

یہ تھی وہ غلامی جس کی اجازت اسلام نے دے رکھی تھی کہ ان کے ساتھ حسن سلوک کرنے کا اور ان کے حقوق کی ادائیگی کا پورا پورا خیال رکھا گیا، اور اتنا خیال رکھا کہ باندیوں کی اولاد کو بادشاہ تک بنادیا۔ چنانچہ تاریخ اسلام اور بنو عباس واندلس کی تاریخ میں کئی مرتبہ یہ واقعات پیش آئے کہ بادشاہ کے حرم میں باندی تھی، اس سے اولاد پیدا ہوئی، وہ شہزادے بنے اور پھر یہی شہزادے اسلامی حکومت کے فرمانروا بنے۔ چنانچہ خلافت بنو عباس کے دور کے مشہور خلیفہ ہارون الرشید کا بیٹا مامون الرشید جو ایک عرصے تک بادشاہ رہا ایک باندی کا بیٹا تھا۔ اب دیکھئے کہ اسلام نے باندی کو کتنا اونچا مقام دیا کہ اس کے بیٹے کو بادشاہ بننے کا موقع دیا۔

خلافت بنو عباس کی زمینی وسعت

اور اس زمانے میں مسلمانوں کی زیرنگیں سلطنتیں بھی بڑی بڑی ہوتی تھیں چنانچہ یہی بنو عباس جن کا تذکرہ پہلے ہوا، ان کی حکومت پورے براعظم ایشیا، عراق اور افریقہ کے بہت سے ممالک پر تھی۔ بنو عباس کے دور میں ایک مشہور خلیفہ ابو جعفر منصور گذرے ہیں۔ ان کے دور کا واقعہ ہے کہ ایک مرتبہ دارالخلافۃ بغداد میں پانی کی سخت قلت ہوئی، لوگ بارش کیلئے دعائیں مانگ رہے تھے۔ ایک روز ایک گھنگھور گھٹا بغداد کے اوپر آئی۔ سب خوش ہوگئے کہ اب بارش ہوگی، خلیفہ منصور بھی بڑی امید کے ساتھ اپنے محل سے باہر نکلے اور بادل کو دیکھنے لگے لیکن خلیفہ منصور اور اہل بغداد دیکھتے ہی رہے، وہ بادل بغداد سے گذر کر آگے چلا گیا۔ یہ منظر دیکھ کر خلیفہ منصور نے مسکرا کر کہا کہ اے بادل! تو جہاں چاہے جا کر برس، تیرے پانی کی جو پیداوار ہوگی،

اس کا خراج تو یہیں آئے گا، تو اسلام نے اتنے بڑے علاقوں اور سلطنتوں کا بادشاہ غلاموں کو بنا دیا۔

غرض غلام سے متعلق یہ ساری تفصیل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کے ایک حصہ کی تشریح کی گئی ہے جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے غلام کو آزاد کرنا افضل عمل قرار دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس کو سمجھنے کی اور دین پر صحیح عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

وآخر دعوانا ان الحمد للہ ربِّ العلمین

صدقہ کرنے کے آسان طریقے

موضوع: صدقے کی آسان قسمیں
بیان: حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب مدظلہ
مقام: مدرسۃ البنات جامعہ دارالعلوم کراچی
ضبط و ترتیب: مولانا اعجاز احمد صمدانی (فاضل دارالعلوم کراچی)
باہتمام: محمد ناظم اشرف

بسم اللہ الرحمن الرحیم

صدقے کی آسان قسمیں

خطبہ مسنونہ!

نحمدہٗ ونصلی علی رسولہ الکریم، امابعد

عن ابی ذر رضی اللہ عنہ: ان ناساً من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم قالوا للنبی صلی اللہ علیہ وسلم: یارسول اللّٰہ، ذھب اھل الدثور بالأجور یصلون کما نصلی و یصومون کما نصوم و یتصدقون بفضول اموالھم۔ قال: أولیس قدجعل اللّٰہ لکم ما تصدقون، ان بکلّ تسبیحۃٍ صدقۃ و کل تکبیرۃ صدقۃ و کل تحمیدۃ صدقۃ و کل تھلیلۃ صدقۃ و أمر بالمعروف صدقۃ و نھی عن منکر صدقۃ و فی بضع احدکم صدقۃ۔ قالوا: یارسول اللّٰہ، أیاتی أحدنا شھوتہ و یکون لہٗ فیھا أجرٌ؟ قال: "أرَء یتم لو وضعھا فی حرام أکان علیہ وزر؟ فکذلک اذا و ضعھا فی الحلال کان لہٗ اجرٌ۔

(مسلم، ج۲، ص۶۹۷ رقم الحدیث ۱۰۰۶)

و عن ابی ذر ایضاً رضی اللّٰہ عنہ أنّ رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم قال: یصبح علٰی کل سلامی من أحدکم صدقة، فکل تسبیحةٍ صدقة و کل تحمیدةٍ صدقة، و کل تهلیلةٍ، و کل تکبیرة صدقة، و أمر بالمعروف صدقة و نهی عن المنکر صدقة و یجزی من ذلك رکعتان یرکعهما من الضحی" (رواہ مسلم)

عن أبی هریرة رضی اللّٰہ عنه عن النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم قال: من غدا الی المسجد أوراح، اعد اللّٰہ لهٗ فی الجنة نزلاً کلّما غدا اوراح" (متفق علیہ)

غریب صحابہؓ کی شکایت:

اِس حدیث میں صدقہ کرنے کے مختلف اور عجیب طریقے ذکر کئے گئے ہیں۔حدیث کا مفہوم یہ ہے:

ایک مرتبہ غریب صحابہ کرام نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں یہ شکایت کی کہ امیر صحابہ نے تو خوب ثواب کما لیا، زکوٰۃ دی تو اس کا ثواب ان کو ملا، قربانی کی تو اس کا ثواب ان کو ملا، صدقۃ الفطر اور نفلی صدقات دیئے تو ان کا ثواب ملا۔ اِن سب چیزوں کا ثواب صرف انہیں ملا۔ چونکہ ہمارے پاس مال نہیں، اس لئے ہمیں اِن چیزوں کا ثواب نہ مل سکا۔ جب کہ وہ اعمال جو ہم کرتے ہیں، وہ مال دار بھی کرتے ہیں مثلاً نماز ہم پڑھتے ہیں، وہ بھی پڑھتے ہیں، روزہ ہم بھی رکھتے ہیں، وہ بھی رکھتے ہیں تو اس طرح یہ مالدار لوگ ہم سے بہت آگے نکل جائیں گے کیونکہ جن اعمال میں وہ ہمارے ساتھ شریک ہیں، ان کا ثواب ہمیں بھی ملتا ہے اور ان کو

بھی ملتا ہے لیکن جو اعمال صرف وہ کرتے ہیں، ان کا ثواب انہیں تو ملتا ہے، ہمیں نہیں ملتا۔ تو اس طرح جنت کے داخلے کے وقت بھی صرف مالداروں کے مزے ہوں گے لہٰذا غریب لوگ دنیا میں بھی پیچھے ہیں، آخرت میں بھی پیچھے رہ جائیں گے۔

صدقے کی صورتیں:

ان کی یہ شکایت سن کر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں صدقہ کرنے کے مختلف طریقے بتلائے۔ اور سمجھایا کہ تم میں سے ہر شخص صدقہ کرسکتا ہے چنانچہ آپ نے فرمایا:

﴿ان بكل تسبيحة صدقة، و كل تكبيرة صدقة و كل تحميدة صدقة و كل تهليلة صدقة و امرٌ بالمعروف صدقة و نهى عن المنكر صدقة و فى بضع أحدِكم صدقة﴾

اس حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صدقہ کرنے کے ایسے طریقے بتادیئے کہ غریب سے غریب آدمی بھی اسے کرسکتا ہے۔ وہ یہ کہ سبحان اللہ کہنا بھی صدقہ ہے، الحمد للہ کہنا بھی صدقہ ہے، اللہ اکبر کہنا بھی صدقہ ہے، لا الہ الا اللہ کہنا بھی صدقہ ہے۔ اب یہ صدقات کرنا کتنا آسان ہے۔ مالدار حضرات اتنا لاتعداد اپنا مال خرچ نہیں کرسکتے جتنی لاتعداد مرتبہ یہ کلمات کہہ کر غریب صدقات کا ثواب حاصل کرسکتا ہے۔ چلتے، پھرتے، اٹھتے، بیٹھتے اِن کلمات کو پڑھتے رہیں، صدقہ ہوتا رہے گا اور اس طرح مالداروں سے بھی آگے نکل جاؤ گے۔

دین میں کہیں مایوسی نہیں:

دیکھئے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا لایا ہوا دین کیسا پیارا دین ہے کہ اس میں

کہیں مایوسی نہیں ہے، امید ہی امید ہے، امید کے راستے کھلے ہوئے ہیں، امید کی روشنیاں جگ مگا رہی ہیں۔ غریب سے غریب، بیمار سے بیمار اور کمزور سے کمزور آدمی اگر کچھ نہیں کرسکتا تو سبحان اللہ، الحمد للہ تو کہہ سکتا ہے، اللہ اکبر اور لا الہ الا اللہ تو کہہ سکتا ہے، درود شریف تو پڑھ سکتا ہے، استغفار تو کرسکتا ہے، یہ سب صدقات ہیں اور ان سے آخرت کا اجر وثواب اور درجات کی بلندی ملنے والی ہے۔

امر بالمعروف صدقہ بھی، فریضہ بھی:

اور اس حدیث میں یہ بھی بتلا دیا کہ امر بالمعروف یعنی کسی دوسرے کو نیک کام کی تلقین کرنا بھی صدقہ ہے، اور نہی عن المنکر یعنی کسی دوسرے کو کسی برائی سے روکنا بھی صدقہ ہے۔ اور یہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا کام صدقہ ہونے کے علاوہ بڑا اہم فریضہ بھی ہے۔ کسی برائی کو دیکھنے کے بعد اسے مقدور بھر ختم کرنے کی کوشش کرنا ہر مسلمان کی ذمہ داری ہے اور اسی طرح اپنی قدرت کے بقدر دوسروں کو نیک کام کی تلقین کرنا بھی ضروری ہے مثلاً کوئی نماز نہیں پڑھتا تو اُسے نماز پڑھنے کی ترغیب دینا وغیرہ صدقہ بھی ہے اور ایک حد تک مسلمان کا فریضہ بھی ہے۔ اور یہ دین کا قطبِ اعظم ہے۔

اور یہ عمل اپنے اپنے درجے میں فرض ہوتا ہے۔ باپ پر فرض ہے کہ اپنی اولاد کو نماز کی تلقین کرے، ناجائز کاموں سے روکنے کی کوشش کرے۔ شوہر پر لازم ہے کہ وہ بیوی کو سمجھائے، استاذ پر لازم ہے کہ وہ شاگردوں کو سمجھائے اور ایک دوست کے لئے ضروری ہے کہ اپنے دوسرے دوست کو نیکی کی تلقین کرے۔

امر بالمعروف کب صدقہ بنے گا؟:

لیکن یاد رکھئے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر اس وقت صدقہ بنے گا جب یہ کام اصول وضوابط کے مطابق کیا جائے۔ عام طور پر لوگوں سے اس میں بہت کوتاہی ہوتی ہے جس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ جب کوئی شخص امر بالمعروف یا نہی عن المنکر کرتا ہے تو جھگڑا کھڑا ہو جاتا ہے، اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ اُسے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا صحیح طریقہ معلوم نہیں ہوتا۔

ہمیں کسی کو ڈانٹنے کا اختیار نہیں:

یہ کام جتنا زیادہ ضروری ہے اتنا ہی یہ نازک بھی ہے۔ اگر یہ کام سنت کے مطابق کیا جائے گا تو اس کا فائدہ بھی ہوگا اور ثواب بھی ملے گا اور اگر سنت کے خلاف کیا جائے گا تو اس کے الٹے اثرات پڑیں گے۔ مثلاً ایک شخص مسجد میں وضو کر رہا ہے، آپ نے دیکھا کہ اس کا ایک عضو خشک رہ گیا تو اس صورت میں آپ کا کام یہ ہے کہ آپ اسے چپکے سے جا کر کہہ دیتے کہ میاں تمہاری یہ کہنی خشک رہ گئی ہے۔ لیکن اگر دور سے ہی آپ نے اسے کہہ دیا کہ دیکھو تمہاری کہنیاں خشک رہ گئی ہیں، وضو کرنا تو سیکھو۔ اب اِسی بات پر جھگڑا ہو جائے گا کیونکہ آپ نے اپنے اس عمل سے اس کا دِل دکھا دیا اور اس کی توہین کر دی جس کا آپ کو کوئی حق حاصل نہیں تھا۔ اس نے تو صرف ایک غلطی کی کہ وضو صحیح طرح نہ کیا لیکن آپ نے کئی غلطیاں کر دیں۔ ایک مسلمان کا دِل دکھا دیا، اُسے ذلیل و رسوا کیا اور اُسے ڈانٹا حالانکہ آپ کو اس میں سے کسی بات کا بھی حق نہیں تھا۔ اس لئے کہ وہ شخص آپ کا ماتحت نہیں، آپ کا شاگرد نہیں، آپ کا خادم نہیں ہے ہاں آپ صرف اس سے درخواست کر سکتے ہیں، ڈانٹنے اور سخت کلامی کا بالکل اختیار نہیں۔

فرعون کے بارے میں موسیٰ علیہ السلام کو ہدایت:

اور مجھے یا آپ کو اِس کا کیا اختیار حاصل ہوتا، اللہ رب العزت نے جب حضرت موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کو فرعون کی طرف بھیجا تو انہیں بھی فرعون کو ڈانٹنے کا اختیار نہیں دیا بلکہ یوں فرمایا:

﴿قُولا لہٗ قولاً لینا﴾

''اس سے نرمی سے بات کرنا''

حالانکہ فرعون وہ شخص تھا جو خدائی کا دعویٰ کرتا تھا اور اس کا یہ اعلان تھا کہ "أنا ربکم الأعلی" (میں تمہارا سب سے بڑا پروردگار ہوں)۔

حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ کا ایک مقولہ:

ہمارے والد ماجد قدس اللہ سرہٗ فرمایا کرتے تھے کہ ہمارے مخاطب فرعون سے زیادہ گمراہ نہیں اور ہم موسیٰ اور ہارون علیہما السلام سے زیادہ مصلح نہیں، جب موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کو اپنے مخاطب فرعون کے مقابلہ میں سخت کلامی کی اجازت نہیں دی گئی تو ہمیں اپنے مخاطب سے سخت کلامی کی اجازت کیسے ہوسکتی ہے۔

مسجدوں میں جھگڑے کیوں ہوتے ہیں؟:

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا یہ بنیادی اصول ہے۔ اس سے بہت کم لوگ واقف ہوتے ہیں یہی وجہ ہے کہ آج کل مسجدوں میں جگہ جگہ جھگڑے ہوتے ہیں مثلاً آج آپ نے کسی کو مسجد میں سب کے سامنے ڈانٹ دیا اور ذلیل کر دیا تو اس کے دل میں گرہ پڑ گئی۔ اب آئندہ وہ اس فکر میں رہے گا کہ کسی نہ کسی طرح وہ آپ کو

ذلیل کرے۔ آپ کی برائیاں تلاش کرے گا اور انہیں دوسروں کے سامنے بیان کرے گا۔ آپ کو پتہ چلے گا تو اس سے نفرت پیدا ہوگی، جس کے نتیجہ میں جھگڑے کھڑے ہو جائیں گے۔

بدعات ختم کرنے کا صحیح طریقہ:

بعض مرتبہ آپ دیکھتے ہیں کہ لوگ مسجد میں بدعات کا ارتکاب کرتے ہیں۔ بدعت کا عمل ناجائز اور حرام ہے، لیکن اُسے بھی سخت کلامی سے روکنا درست نہیں کیونکہ اس طرح کرنے سے جھگڑا کھڑا ہو جائے گا۔ اس کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ کسی وقت تنہائی میں عزت و احترام کے ساتھ، اپنے آپ کو چھوٹا اور اس کو اپنے سے بڑا ظاہر کر کے نرمی اور خیر خواہی کے انداز میں بات کریں اور بہتر یہ ہے کہ اس سے پہلے اللہ رب العزت سے دُعا بھی کر لیں کہ اے اللہ مجھے اخلاص نصیب فرمادے اور میری بات میں اثر بھی پیدا فرمادے۔

لیکن آج کل عام طور اس کا خیال نہیں رکھا جاتا بلکہ دِل میں یہ خیال ہوتا ہے کہ میں اس سے بلند ہوں اور اپنی بڑائی اور اس کی حقارت ظاہر کرنے کے لئے سخت لہجے میں اُسے منع کیا جاتا ہے۔ یاد رکھئے کہ برائی، برائی سے نہیں مٹا کرتی، برائی خیر سے مٹا کرتی ہے۔

ایک حرام کو اگر آپ حرام افعال کا ارتکاب کر کے مٹانا چاہیں گے تو اس سے حرام تو پھیلے گا، خیر نہیں پھیلے گی۔

ایک عجیب صدقہ:

اور اِس حدیث میں ایک اور صدقہ یہ بتلایا کہ "فی بضع أحدِکم صدقة"

کہ میاں بیوی جو جنسی عمل کرتے ہیں، وہ بھی صدقہ ہے حالانکہ یہ عمل جنسی لذت حاصل کرنے اور شہوت کے تقاضوں کو پورا کرنے کے لئے کیا جاتا ہے بظاہر اس میں عبادت کا کوئی پہلو بھی نہیں لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے ایک لذیذ عمل کو صدقہ بنا دیا۔

صحابہ کرامؓ کو یہ سن کر تعجب ہوا اورانہوں نے سوال کیا کہ یارسول اللہ! اگر آدمی اپنی بیوی سے شہوت کو پورا کرے تو کیا اس پر بھی اُسے ثواب ملے گا۔ آپ نے فرمایا کہ اچھا یہ بتاؤ کہ اگر کوئی شخص اپنی شہوت کو غلط طریقے سے پورا کرتا تو اُسے گناہ ہوتا یا نہ ہوتا؟ صحابہ کرام نے عرض کیا کہ اُسے گناہ ہوتا تو آپ نے فرمایا کہ جب اس نے اپنے آپ کو حرام سے بچا کر حلال طریقے سے اپنی شہوت کو پورا کیا تو اُسے اس پر صدقے کا ثواب عطا کیا گیا۔

دیکھئے اللہ رب العزت نے دین کو کتنا آسان فرما دیا۔ ذکر کردہ اعمال میں سے بہت سے عمل ایسے ہیں کہ ان کا کرنا انتہائی آسان ہے مثلاً سبحان اللہ کہنا، الحمد للہ، اللہ اکبر کہنا، درود شریف پڑھنا، کلمہ پڑھنا وغیرہ وغیرہ۔ اور ان میں یہ بھی پابندی نہیں کہ بیٹھ کر اور باوضو ہو کر پڑھو اور یہ بھی پابندی نہیں کہ حالت جنابت میں نہ ہو اور یہ بھی پابندی نہیں کہ قبلہ کی طرف منہ کر کے پڑھو بلکہ جس حال میں بھی ہوں، انہیں پڑھا جا سکتا ہے۔ آپ بازار جا رہے تو بھی پڑھ سکتے ہیں، کہیں اور جا رہے ہیں تو بھی انہیں پڑھ سکتے ہیں۔ قرآن مجید کے بارے میں یہ تفصیل ہے کہ حالت جنابت میں اُسے چھونا اور پڑھنا جائز نہیں، بلاوضو پڑھ تو سکتے ہیں، چھو نہیں سکتے باقی تمام اذکار بلاوضو اور جنابت کی حالت میں بھی کر سکتے ہیں۔

امیر صحابہؓ کے اندر عبادت کی حرص:

غریب صحابہ کرام نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے نسخے پر عمل کرنا شروع کر دیا یعنی آپ کے بیان کردہ طریقے کے مطابق ذکر شروع کر دیا۔ ایک اور حدیث میں وارد ہوا ہے کہ مالداروں نے بھی یہ حدیث کہیں سے سن لی تو انہوں نے بھی وہ سب کام شروع کر دیئے، تسبیح، تہلیل، تکبیر اور امر بالمعروف وغیرہ وغیرہ کام کرنا شروع کر دیئے۔ اب یہ غریب صحابہ کرام دوبارہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یارسول اللہ! اب تو مالدار بھی یہ کام کرنے لگے ہیں۔ آپ نے یہ سن کر فرمایا:

﴿ذلك فضل الله يؤتيه من يشاء﴾

''یہ اللہ رب العزت کا فضل وکرم ہے جسے چاہتا ہے عطا کرتا ہے''

یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کے لئے انعام ہے کہ انہیں دونوں چیزوں کی توفیق عطا فرمائی ہے۔

غریب صحابہؓ کی نئی تدبیر:

یہ جواب سننے کے بعد بہت سے غریب صحابہ کرامؓ نے سوچا کہ اب تو ہم پیچھے رہ گئے چنانچہ انہوں نے اس کی یہ تدبیر نکالی کہ مزدوری شروع کی، جنگل سے جا کر لکڑیاں کاٹیں، بازار لا کر انہیں فروخت کیا اور اس سے جو پیسے ملے، اس سے صدقہ وخیرات کیا۔ اسی طرح مختلف صحابہ نے مختلف طرح کے کام کئے اور ان سے حاصل ہونے والی آمدنی کا صدقہ وخیرات کیا۔

صحابہ کرامؓ حقیقت کو سمجھ چکے تھے:

یہ صحابہ کرامؓ کی شان تھی کہ ان کے اندر نیکی کے کاموں میں آگے بڑھنے کا جذبہ، جنت کی طرف دوڑ کا جذبہ بہت زیادہ تھا۔ وہ دنیا کی حقیقت سمجھ چکے تھے کہ دنیا کی زندگی دھوکہ کی زندگی ہے، اس کا کوئی بھروسہ نہیں، اس کے لئے اتنی بھاگ دوڑ کرنی چاہئے جتنا ہمیں اس دنیا میں رہنا ہے اور آخرت کے لئے اتنی بھاگ دوڑ کریں، جتنا آخرت میں رہنا ہے۔ دنیا کی اِس محدود زندگی کو آخرت کی لامحدود زندگی کی تیاری کے لئے استعمال کیا جائے۔ صحابہ کرام اس راز کو سمجھ چکے تھے اس لئے ہر وقت اس کوشش میں لگے رہتے تھے کہ ہم نیکیوں میں آگے نکل جائیں۔

آج کل مال و دولت کے اندر دوڑ لگی ہوئی ہے۔ ہر شخص یہ کہتا ہے کہ میں مال و دولت میں اس سے آگے نکل جاؤں، میرا مکان اس سے اعلیٰ ہو، میری گاڑی اس سے بڑھیا ہو، میرے کپڑے اس سے بہتر ہوں، میرا بنک بیلنس اس سے زیادہ ہو۔ یہ ہماری دوڑ ہے۔

لیکن صحابہ کرام کی دوڑ وہ تھی جس کا حکم قرآن مجید میں دیا گیا۔ قرآن مجید میں ہے:

﴿سابقوا الی مغفرۃٍ من ربکم و جنۃٍ عرضھا السمٰوٰت والارض﴾ (ال عمران:۱۳۳)

”تم دوڑ لگاؤ اپنے رب کی بخشش کی طرف اور اس جنت کی طرف جس کی چوڑائی زمین وآسمانوں کے برابر ہے“

اللہ رب العزت ہمیں صحابہ کرام کے طریقوں پرعمل کرنے کی توفیق نصیب فرمائے۔

(آمین)

دوسری حدیث:

و عن ابی ذر ایضاً رضی اللّٰہ عنه أنّ رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم قال: یصبح علی کل سلامی من أحدکم صدقة، فکل تسبیحةٍ صدقة و کل تحمیدةٍ صدقة، و کل تهلیلةٍ، وکل تکبیرة صدقة، و أمر بالمعروف صدقة و نهی عن المنکر صدقة و یجزی من ذلك رکعتان یرکعهما من الضحی" (رواه مسلم)

''حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ انسان کے جسم میں جتنے جوڑ ہیں، ہر جوڑ کے بدلے میں انسان پر روزانہ ایک صدقہ واجب ہو جاتا ہے، پس سبحان اللہ کہنا صدقہ ہے، الحمدللہ کہنا صدقہ ہے، لا الہ الا اللہ کہنا صدقہ ہے، اللہ اکبر کہنا صدقہ ہے، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر صدقہ ہے اور چاشت کے وقت دو رکعتیں پڑھ لینا اِن سب سے کفایت کرتا ہے''۔

عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ ؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُلُّ سَلَامٰی مِنَ النَّاسِ عَلَيْهِ صَدَقَةٌ كُلَّ يَوْمٍ تَطْلُعُ فِيْهِ الشَّمْسُ يَعْدِلُ بَيْنَ اثْنَيْنِ صَدَقَةٌ وَ يُعِيْنُ الرَّجُلَ عَلٰی دَابَّتِهٖ فَيَحْمِلُ عَلَيْهَا مَتَاعَهٗ صَدَقَةٌ وَ الْكَلِمَةُ الطَّيِّبَةُ صَدَقَةٌ وَّ كُلُّ خُطْوَةٍ يَّخْطُوْهَا اِلَی الصَّلٰوةِ صَدَقَةٌ وَ يُمِيْطُ الْاَذٰی عَنِ الطَّرِيْقِ صَدَقَةٌ۔

(بخاری و مسلم)

''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وسلم نے فرمایا انسان کے ہر جوڑ پر ہر روز ایک صدقہ لازم ہے دو شخصوں کے درمیان انصاف کر دے یہ بھی صدقہ ہے کسی شخص کو جانور پر سوار کرنے میں یا اس کا اسباب لادنے میں مدد کر دے یہ بھی صدقہ ہے کوئی اچھی بات (جس سے کسی کا بھلا ہو جائے) یہ بھی صدقہ ہے جو قدم نماز کی طرف اُٹھائے وہ بھی صدقہ ہے۔ کوئی تکلیف کی چیز راستہ سے ہٹادے یہ بھی صدقہ ہے"۔ (بخاری ومسلم)

ہر جوڑ پر روزانہ صدقہ واجب ہوتا ہے:

اس حدیث میں یہ بتلایا گیا کہ انسان کے ہر جوڑ پر روزانہ ایک صدقہ واجب ہوتا ہے جس کی ادائیگی ضروری ہے۔ گزشتہ حدیث میں صدقہ کی ادائیگی کے مختلف طریقے بیان کئے گئے تھے۔ مثلاً یہ کہ سبحان اللہ کہنا صدقہ ہے، الحمد للہ کہنا صدقہ ہے، اللہ اکبر کہنا صدقہ ہے، لا الہ الا اللہ کہنا صدقہ ہے وغیرہ۔ یہاں پر صدقہ کی ادائیگی کے کچھ اور طریقے بھی بتائے گئے ہیں۔

دو آدمیوں میں انصاف کرنا صدقہ ہے:

پہلا طریقہ یہ بتایا گیا ہے کہ دو آدمیوں کے درمیان اگر کوئی نزاع ہے اور آپ نے ان کے درمیان انصاف کے ساتھ فیصلہ کر دیا تو یہ بھی صدقہ ہے۔

سوار ہونے میں مدد کرنا صدقہ ہے:

دوسرا طریقہ یہ بتایا گیا کہ اگر کسی شخص کے ساتھ اس کی سواری پر سوار ہونے میں مدد کر دی جائے تو یہ بھی ایک صدقہ ہے۔ اس کے مختلف طریقے ہیں،

کوئی بوڑھا شخص ہے تو اس کے لئے سہارا بن جائے، کسی کا ہاتھ پکڑ لیا یا اس کا سامان اٹھوا کر گاڑی میں رکھوا دیا یا وہ خود اٹھا رہا ہے تو اس کی مدد کر دے وغیرہ وغیرہ یہ ساری صورتیں اس میں شامل ہیں۔ پہلے زمانے میں سواری کے جانور ہوتے تھے جب کہ آج کل عام طور پر گاڑیاں استعمال ہوتی ہیں تو گاڑی پر سوار ہونے میں مدد کرنے کی جو جو صورتیں ہیں، وہ سب بھی اِس میں داخل ہیں۔

مدد کرنے کے لئے یہ ضروری نہیں کہ جس کی مدد کی جا رہی ہے وہ شخص بوڑھا یا ناتواں ہو بلکہ ہر ایک کی مدد کی جا سکتی ہے۔

اور یہ ایک ایسا عمل ہے کہ آدمی روزانہ اس پر عمل کر سکتا ہے۔ اگر آپ ایئرپورٹ پر جائیں تو وہاں بہت سے لوگ ملیں گے جنہیں مدد کی ضرورت ہوگی، اسی طرح ریلوے اسٹیشن، بسوں کے اڈے، بس اسٹاپ وغیرہ پر جا کر دیکھیں۔ وہاں پر خدمت کرنے کے کیا کیا مواقع ہیں اور یہ سارے مواقع اِسی صورت میں داخل ہیں۔

کسی سے اچھی بات کر لینا صدقہ ہے:

تیسرا طریقہ یہ بیان کیا گیا کہ کسی سے اچھی بات کر لینا بھی صدقہ ہے۔ اچھی بات کسی بھی قسم کی ہو وہ اس میں داخل ہے۔ دین کی کوئی بات کی، اچھے کام کی تلقین کی، گناہ سے بچنے کی بات کر دی، ایسا کوئی جملہ بول دیا جس سے وہ خوش ہو جائے، دعا کا کوئی کلمہ کہہ دیا، مہمان کے آنے پر اُسے ایسا جملہ کہہ دیا جس سے اس کا دِل خوش ہو جائے مثلاً عربوں میں یہ رواج ہے کہ جب مہمان آتا ہے تو اُسے اهلاً و سهلاً کہتے ہیں، ہمارے ہاں خوش آمدید کہنے کا رواج ہے یا یوں کہا جاتا ہے کہ آپ کے آنے سے بڑی خوشی ہوئی وغیرہ وغیرہ یہ ساری صورتیں اسمیں داخل ہیں اور ان پر صدقہ کا ثواب ہے۔

مسجد کی طرف اٹھنے والے ہر قدم پر صدقہ کا ثواب:

چوتھی صورت یہ بیان کی گئی کہ نماز پر جاتے ہوئے ہر قدم پر ایک صدقہ کا ثواب ہے۔ ایک شخص مسجد جا رہا ہے تو گھر سے لے کر مسجد جانے تک وہ جتنے قدم اٹھائے گا، ہر قدم پر ایک صدقے کا ثواب ملے گا۔ مسجد کی طرف جانے کی اور فضیلتیں بھی احادیث میں مروی ہیں۔

مسجد کی طرف جانے کے دیگر فضائل

چنانچہ ایک حدیث میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا:

﴿من غدا الی المسجد أوراح اعد اللّٰہ لہٗ فی الجنة نزلاً کلما غدا أوراح﴾ (متفق علیہ)

''جو شخص صبح کو یا شام کے وقت مسجد میں جائے اللہ تعالیٰ جنت میں اس کی مہمانی کا سامان تیار کر دیتے ہیں''

یہ کتنی عظیم الشان فضیلت ہے، آدمی جتنی مرتبہ بھی نماز کے لئے جاتا ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کی مہمانداری کا سامان ہوتا ہے۔ وہ سامان کتنا عظیم الشان ہوگا! دنیا کی ساری نعمتیں جنت کی چھوٹی سے چھوٹی نعمت کے برابر نہیں ہو سکتیں۔ ایک حدیث قدسی میں ہے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿اعددت لعبادی الصالحین مالاعین رأت ولا أذن سمعت ولاخطر علی قلب بشر﴾

(اخرجہ احمد و الستة سوی النسائی وابوداود)

''میں نے اپنے نیک بندوں کے لئے ایسی نعمتیں تیار کی ہیں جو کسی آنکھ نے دیکھی نہیں، کسی کان نے سنی نہیں اور کسی دِل پر ان کا خیال تک نہیں گزرا''

یہ ساری نعمتیں مسجد میں جانے والے آدمی کے لئے تیار کی جاتی ہیں۔ تو گویا مسجد میں جانے کے بدلے میں ہر قدم پر صدقہ کا ثواب ملتا ہے اور وہاں جانے کے بعد اللہ تعالیٰ کی طرف سے مہمانی کا سامان تیار کیا جاتا ہے۔ یہ سامان جنت میں ہمارے لئے ذخیرہ ہو رہا ہے۔ جب ہم وہاں پہنچیں گے تو انشاء اللہ تعالیٰ ہمیں وہاں یہ سامان ملنے والا ہے۔

راستہ سے تکلیف دہ چیز ہٹانا صدقہ ہے:

پانچویں صورت یہ بیان کی گئی کہ راستے سے تکلیف دہ چیز کا ہٹانا بھی صدقہ ہے، مثلاً راستہ میں کوئی کانٹا، شاخ، اینٹ، پتھر، لوہا، میخ وغیرہ پڑی ہے تو اگر کسی نے راستہ سے اُسے ہٹا دیا تو یہ بھی صدقہ کرنے میں داخل ہے۔

یہ تمام طریقے صدقہ میں داخل ہیں۔ اِس حدیث اور گذشتہ حدیث سے معلوم ہوا کہ صدقہ صرف پیسوں سے نہیں ہوتا بلکہ صدقہ زبان سے بھی ہوتا ہے، ہاتھ سے بھی ہوتا ہے، عمل سے بھی ہوتا ہے اور وہ اعمال بھی بہت آسان آسان ہیں، جن کی وجہ سے صدقہ کرنے کا ثواب ملتا ہے۔

ایک اور حدیث:

اسی طرح کی ایک اور حدیث حضرت عائشہ صدیقہؓ سے مروی ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''ہر انسان تین سو ساٹھ (۳۶۰) جوڑوں پر پیدا کیا گیا ہے (یعنی ہر انسان کے جسم میں تین سو ساٹھ جوڑ ہیں) پس جس شخص نے اللہ اکبر کہا یا الحمد للہ کہا یا لا الہ الا اللہ کہا یا سبحان اللہ کہا یا استغفر اللہ کہا یا راستہ سے کوئی پتھر، کانٹا یا کوئی ہڈی ہٹا دی یا کسی کو نیک کام کی تلقین کر دی یا کسی سے گناہ سے رکنے کی بات کر دی تو اس دِن وہ شام اِس حال میں کرے گا کہ وہ اپنے آپ کو آگ سے بچا ہوا پائے گا'' (صحیح مسلم رقم:۱۰۰۷ ج۲ ص۶۹۸)

خلاصہ:

خلاصہ یہ کہ یہ اعمال بہت آسان ہیں، ان پر نہ کوئی رقم خرچ ہوتی ہے اور نہ کچھ محنت خرچ ہوتی ہے۔ صرف ان کی عادت ڈالنے کی ضرورت ہے۔ اگر ہم اپنے روزمرہ کے اعمال میں ان کی عادت ڈال لیں تو ہمارے اعمال نامہ میں کسی محنت کے بغیر نیکیاں ہی نیکیاں جمع ہوتی رہیں گی۔ اللہ رب العزت ہمیں ان پر عمل کرنے کی توفیق نصیب فرمائے۔ (آمین)

وآخر دعوانا أن الحمدللّٰه ربّ العالمين

فضول خرچی اور اُسکے خطرناک نتائج

موضوع: فضول خرچی اور اس کے خطرناک نتائج
بیان: حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب مدظلہ
ضبط وترتیب: محمد ناظم اشرف (فاضل جامعہ دارالعلوم کراچی)
باہتمام: محمد ناظم اشرف
مقام: جامع مسجد دارالعلوم، کراچی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

﴿فضول خرچی اور اس کے خطرناک نتائج﴾

الحمد للّٰہ نحمدہ ونستعینہ ونستغفرہ ونؤمن بہ ونتوکل علیہ ونعوذ باللّٰہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا من یھدہ اللّٰہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ ونشھدان لا الہ الا اللّٰہ وحدہ لاشریک لہ ونشھدان سیدنا ومولانا محمداً عبدہ ورسولہ:

اما بعد!

﴿كُلُوا وَاشْرَبُوا وَلَا تُسْرِفُوا إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِينَ﴾

یہ سورہ اعراف کی ایک آیت کے دو حصے ہیں۔ پہلے حصہ میں اللہ پاک نے

فرمایا کہ تم کھاؤ پیو اور اسراف نہ کرو۔ جب کہ اسی کے دوسرے حصہ میں فرمایا کہ بے شک اللہ تعالیٰ فضول خرچی کرنے والوں سے محبت نہیں رکھتا۔

ترجمہ سے یہ بات تو واضح ہوچکی ہے کہ اسراف فضولی خرچی کو کہتے ہیں۔ اللہ رب العزت نے جس طرح ہماری جسمانی نشوونما اور صحت کو تندرست اور توانا رکھنے کے لئے ہمیں کھانے پینے کا حکم دیا ہے اسی طرح باری تعالیٰ نے ہماری روحانی نشوونما اور صحت کے فائدے کے لئے ہمیں فضول خرچی سے بچنے کا حکم دیا ہے۔ تو یہ حکم اس آیت سے واضح ہے کہ فضول خرچی حرام اور ناجائز ہے۔

مالِ مفت دلِ بے رحم

ہمارے معاشرے میں دیگر طرح طرح کی بیماریوں میں سے ایک سنگین مرض فضول خرچی کا ہے جس میں اکثر حضرات ملوث ہیں۔ کھانا پینا تو ماشاء اللہ خوب چلتا ہے لیکن اسراف کی پرواہ نہیں کی جاتی۔ خاص طور پر دعوتوں کے مواقع پر ایسے مناظر کثرت سے دیکھنے میں آتے ہیں جن میں بے انتہا فضول خرچی اور رزق کی بے قدری کی جاتی ہے۔ اول تو اہتمام کرنے والے حضرات فضول خرچی کرتے ہیں جو سراسر ناجائز ہے۔ پھر باقی کسر کھانے والے حضرات پوری کردیتے ہیں۔ پلیٹوں میں چاول یا سالن وغیرہ خوب بھر کر ڈال لیتے ہیں۔ اب کھایا نہیں جاتا تو بہت سارے چاول اور سالن پلیٹ میں چھوڑ کر کھڑے ہوجاتے ہیں۔ مال مفت دل بے رحم۔ حالانکہ درست طریقہ یہ ہے کہ پہلے تھوڑا سا نکال کر کھالیا جائے پھر اور نکال کر کھائیں۔ اس طرح فضول خرچی اور رزق کی ناقدری نہ ہوگی۔ مگر افسوس کہ دعوتوں وغیرہ میں پلیٹ میں کھانا بچانا آج کل ایک فیشن بن گیا ہے۔

فضول خرچی کرنے والے شیطان کے بھائی ہیں

قرآن پاک میں ایک اور جگہ فضول خرچی کرنے والوں کو شیطان کے بھائی کہا گیا ہے۔

﴿اِنَّ الْمُبَذِّرِیْنَ کَانُوْا اِخْوَانَ الشَّیَاطِیْنُ﴾

''بیشک فضول خرچی کرنے والے شیطان کے بھائی ہیں''۔

(سورہ الاسراء، آیت ۲۷)

اللہ تبارک وتعالیٰ نے فضول خرچی اور اسراف کرنے والوں کو شیطان کا بھائی قرار دیا ہے۔ معلوم ہوا کہ فضول خرچی کرنے سے اللہ تعالیٰ ناراض ہوتے ہیں اور شیطان خوش ہوتا ہے۔

مطلقاً فضول خرچی حرام ہے

قرآن پاک میں اللہ رب العزت نے فضول خرچی کو کسی شے کے ساتھ مقید نہیں فرمایا۔ یعنی یوں نہیں فرمایا کہ مال میں فضول خرچی ناجائز ہے۔ کھانے پہننے وغیرہ کو ذکر نہیں فرمایا بلکہ مطلقاً فرمادیا کہ تم اسراف نہ کرو تو اب اس اسراف کے تحت ہر چیز میں فضول خرچی اور اسراف کرنا ناجائز ہوگیا۔ چاہے وہ وقت کے ضیاع کی صورت میں ہو یا جسمانی توانائی کے بے جا خرچ کی صورت میں ہو یا زبان کو بے مقصد باتوں میں استعمال کرنے سے ہو۔

وقت کی قدر کرنا بہت اہم ہے آج کل عموماً لوگوں کو اس کا احساس نہیں رہا،

خاص طور پر چھٹی وغیرہ کے مواقع پر وقت زیادہ جان کر بے جا خرچ کرتے ہیں۔ خیال بھی نہیں رہتا کہ یہ ناجائز کام کر رہا ہوں، لہٰذا سوچ سمجھ کر اپنے وقت کو زیادہ سے زیادہ دینی کاموں میں خرچ کریں، کیونکہ آخرت میں اس وقت کا بھی حساب ہوگا۔ اسی طرح جسمانی توانائی کو جائز کاموں یا اللہ کے دین اور اس کی مخلوق کے فائدے میں استعمال کیا جائے گا تو نفع ہی نفع ہے ورنہ ناجائز اور گناہ کا کام ہے۔

حضور اکرم ﷺ کی سنتیں

حضور پاک ﷺ نے امت کو معمولی سے معمولی کام کرنے کا طریقہ بھی بتایا ہے۔ آپ ﷺ نے وقت کی قدر کرنے کی اہمیت دلائی اور توانائی کو بہتر کاموں میں خرچ کرنے کے طریقے بتائے۔ اسی طرح کھانے کے بارے میں فرمایا جس کا مفہوم یہ ہے کہ مومن کو چاہئے کہ کھانے سے پہلے تصور میں اپنے پیٹ کے تین حصے کر لے (۱) ایک کھانے کے لئے (۲) دوسرا پانی کے لئے (۳) تیسرا سانس کے لئے۔ اسی طرح بسم اللہ پڑھ کر کھانا بھی سنت ہے۔ کھانے سے پہلے اور بعد میں ہاتھ دھونا اور پلیٹ کو انگلیوں سے صاف کرنے کے بعد چاٹ لینا بھی سنت ہے تاکہ رزق کی بے قدری نہ ہو اور شاید کھانے کے اسی حصے میں برکت ہو۔ جسے پلیٹ یا انگلیوں میں لگا رہنے دیا گیا اور پانی میں بہا دیا گیا۔

کھاتے ہوئے سنتوں کا اہتمام کریں

اب ہماری حالت یہ ہے کہ یہ سنتیں الا ماشاء اللہ کم لوگ ہی پوری کرتے ہوں گے۔ اور خاص طور پر سانس کے لئے تو کوئی حصہ نہیں چھوڑتے، اس میں بھی کھانا بھر لیتے ہیں، ادھر رزق کی بے قدری کرتے ہیں پھر اگر پیٹ پھول جائے اور

ہاضمہ خراب ہو جائے تو ڈاکٹر کے پاس جاتے ہیں اور گلہ کرتے ہیں۔ حالانکہ اصل بیماری ترک سنت کی وجہ سے آئی۔ اور رزق کی ناقدری کی وجہ سے شاید برکت والا حصہ اس کے پیٹ میں نہ گیا ہو۔اور پانی میں بہادیا گیا ہو، اس لئے تکلیف ہوگئی ہو لہٰذا ہمیں ان سنتوں کا خیال رکھنا چاہیے۔

زبان کی فضول خرچی

اللہ تعالیٰ نے انسان کے جسم میں ایک بہت عجیب وغریب آلہ زبان کی صورت میں رکھا ہے کہ انسان اس پر جتنا غور کرتا جائے اس کی کارکردگی پر مزید حیران ہوجاتا ہے۔ ذہن میں جونہی کوئی بات آئی وہ زبان سے ادا ہوگئی۔ جانوروں میں بھی زبان ہوتی ہے مگر وہ بول نہیں سکتے۔ اب انسان کو اللہ نے اتنی عظیم نعمت دی ہے تو یہ اس کی قدر کرنے کی بجائے اس کو بیہودہ اور لغو باتوں میں مشغول رکھے تو اس سے بڑا بیوقوف اور ناقدرا کون ہوگا؟ اس کے ساتھ ساتھ فضول وقت بھی خرچ ہوگا اور توانائی بھی۔ تو گویا زبان کو فضول خرچ کرنے سے انسان کتنے گناہوں کا مرتکب ہوتا ہے۔ حضور ﷺ کا ارشاد گرامی ہے۔

﴿من صمت نجا﴾

”جو خاموش رہا وہ نجات پا گیا“

(احمد وترمذی)

ایک اور حدیث مبارک میں ارشاد ہے۔

﴿املاء الخیر خیر من السکوت والسکوت
خیر من املاء الشر﴾ (بیہقی)

” اچھی بات کہنا بتانا خاموشی سے بہتر ہے اور خاموش

رہنا بری بات بتانے سے بہتر ہے۔"

لہٰذا ہمیں زبان کی حفاظت کا خاص طور پر خیال رکھنا چاہئے کیونکہ ہمارے منہ سے نکلی ہوئی ہر ہر بات کا حساب ہوگا۔ زبان کو زیادہ سے زیادہ اچھی باتوں میں استعمال کریں۔

پانی میں اسراف

ایک اور بری عادت جو آج کل لوگوں میں بہت زیادہ پائی جاتی ہے وہ پانی میں فضول خرچی کرنا ہے۔ وضو کے اوقات میں اس سے خصوصاً لاپرواہی برتی جاتی ہے کہ مسواک کرتے ہوئے بھی ٹونٹی کھلی ہے۔ اسی طرح اعضاء کو رگڑ رہے ہیں اور پانی کھلا ہوا ہے۔ یہ طریقہ صحیح نہیں، کیونکہ اس سے پانی جیسی عظیم نعمت ضائع ہوتی ہے اس لئے ایسے مواقع پر ٹونٹی فوراً بند کردینی چاہئے۔ ویسے بھی اعضاء کو زیادہ سے زیادہ تین دفعہ دھونا سنت ہے۔ اس سے زیادہ سنت نہیں ہے۔ پانی اگر زیادہ مقدار میں بھی ہوتب بھی اس کی فضول خرچی ناجائز ہے، جیسا کہ حدیث شریف میں آتا ہے کہ ایک صحابی کو وضو میں آپ ﷺ نے زیادہ پانی خرچ کرنے پر تنبیہ فرمائی تو صحابی نے عرض کیا کہ پانی وافر مقدار میں موجود ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ زیادہ پانی کے ہونے پر بھی اس کی ناقدری کرنا درست نہیں۔ اگرچہ تم دریا کے کنارے کھڑے ہو۔

بجلی میں اسراف

اسی طرح آج کل بجلی ضائع کرنے کی بھی ایک عادت بہت عام ہے۔ لوگ بعض اوقات بلاوجہ اور بغیر ضرورت کے بجلی جلائے رکھتے ہیں۔ بجلی بلاشبہ اللہ تعالیٰ کی ایک نعمت ہے جسے ضائع کرنا نعمت کی ناشکری ہے۔ اس کو دیکھ بھال کر

استعمال کرنا چاہیئے۔

پیسوں میں اسراف

اسی طرح بہت سے لوگ دوسروں کو دکھانے کی خاطر اپنے مال اور پیسوں میں اسراف کرتے ہیں۔ جس سے نہ صرف فضول خرچی کا گناہ ہوتا ہے بلکہ ریا کاری کا بھی گناہ ہوتا ہے۔ یاد رکھیں یہ سب ناجائز ہے۔

فضول خرچی نے ہم سے آزادی چھین لی

اب آیئے ذرا اپنا جائزہ لیتے ہیں۔ وہ ملک جس کو ہم نے اتنی قربانیوں کے بعد حاصل کیا تھا۔ اس کی آج فضول خرچیوں کی وجہ سے یہ حالت ہے کہ ہم غلام بن چکے ہیں۔ یہ آزادی صرف نام کی آزادی ہے، اسی وجہ سے ہم سے مطالبہ کیا جاتا ہے کہ کشمیر کو بھول جائیں، اس کو بھارت کا حصہ قرار دے دیں، کیونکہ اب ہم اپنی فضول خرچیوں کی وجہ سے امریکہ، آئی ایم ایف اور دیگر ممالک کے مقروض ہیں۔

افسوس کی بات یہ ہے کہ اخبارات میں خوشخبری کے طور پر یہ خبر دی جاتی ہے کہ آج اتنے ڈالر کے قرضے کی منظوری ہوگئی، ہمارا اس طرف خیال نہیں جاتا کہ منظوریاں تو کرا رہے ہیں مگر ان کو ادا کون کرے گا؟ پاکستان کا بچہ بچہ اور اس کی آئندہ نسل بھی اسی طرح مقروض رہے گی۔ پھر اس قرضے پر سود الگ لگتا ہے جو کہ اسلام میں قطعی حرام ہے۔

اب اگر آئی ایم ایف کی طرف سے سختی ہوجاتی ہے تو کسی دوسرے ملک سے وقتی طور پر مانگ کر قسط ادا کردیتے ہیں مگر وہ بھی صرف سود کی رقم ہوتی ہے اور

ساتھ ہی اس دوسرے ملک کے بھی مقروض ہوجاتے ہیں۔

فضول خرچی برائیوں کی جڑ ہے

ایک وقت وہ تھا جب پاکستان نے اتنی تیزی سے ترقی کی کہ ہندوستانی حیران تھے کہ یہ لٹی پٹی قوم جس کو ہم نے کسی قابل نہ چھوڑا تھا کس طرح ترقی کررہی ہے۔ وجہ یہی تھی کہ ہم نے اس وقت فضول خرچی کی بجائے کفایت شعاری اختیار کی تھی۔ لیکن جب حکمرانوں نے خاص طور پر فضول خرچی شروع کی تو آج یہ وقت بھی آگیا کہ ملک کے خزانے ان کے لئے ناکافی ثابت ہوئے۔ آج کل جو حالات پیش آرہے ہیں ان کی وجہ دیکھیں تو جڑ فضول خرچی ہی نظر آئے گی۔ یہ فضول خرچی صرف حکمرانوں میں ہی نہیں عوام میں بھی ہے۔ لہٰذا ہمیں انفرادی طور پر بھی اور اجتماعی طور پر بھی اس برائی پر قابو پانا چاہئے وگرنہ وہ کل دور نہیں کہ یہ فضول خرچی آخرت تو اکارت کرے ہی گی دنیا کو بھی بربادی کا نمونہ بنادے گی۔

ماں باپ کی طرف سے تربیت میں کمی

اس فضول خرچی میں ماں باپ کی تربیت کا بھی بہت بڑا حصہ ہے۔ عموماً آج کل والدین بچوں کو زیادہ پیسے دیتے ہیں جو کہ سراسر زیادتی ہے کیونکہ ناسمجھ بچے کو ان کے مصرف کا علم تو ہوتا نہیں وہ ان کو یونہی فضول چیزیں کھانے پینے میں خرچ کردیتا ہے۔ پھر بچپن سے ہی جیسی عادت پڑتی ہے بڑے ہوکر وہی پختہ ہو جاتی ہے والدین کو چاہئے کہ نابالغ اولاد کی ضرورتوں کو زیادہ زیادہ خود پورا کرنے کی کوشش کریں اور ان کے ہاتھ میں کبھی زیادہ پیسے نہ دیں اس سے عادت بگڑتی ہے۔ اسی طرح چھوٹی چھوٹی اور ضروری باتوں پر والدین توجہ نہیں کرتے اور بچہ سمجھ کر چھوڑ دیتے

ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ بڑا ہو کر سنور جائے گا۔ جب ابھی سے ہی تربیت درست نہ ہوگی تو پھر کیسے سنورے گا؟ بلکہ آج کل تو ہمارے معاشرے کے مطابق اس کے بگڑنے کے مواقع زیادہ ہیں۔ یہ چھوٹی چھوٹی کوتاہیاں بعض اوقات سنگین واقعات کا پیش خیمہ بنتی ہیں جن میں والدین الگ تکلیف کا شکار ہوتے ہیں اور اولاد بھی مصائب میں گھر جاتی ہے۔

ایک قاتل کا پیغام

مشہور ہے کہ ایک قاتل کو پھانسی کا حکم ہوا۔ جب اس کو تختہ دار پر چڑھانے لگے تو اس سے اس کی آخری خواہش پوچھی گئی، اس نے جواب میں کہا ’’میری ماں کو میرا یہ پیغام دے دینا کہ ماں! آج تیری وجہ سے تیرا بیٹا پھانسی پر چڑھ گیا ہے۔‘‘ پوچھنے والے نے حیرت سے کہا کہ بھئی کیا قتل کا حکم تیری ماں نے تجھے دیا تھا؟ اس نے کہا نہیں بلکہ جب میں چھوٹا بچہ تھا تو میرے والد کی قمیص کھونٹی سے لٹک رہی تھی، میں نے اس میں ایک روپیہ نکال لیا۔ ماں نے دیکھا مگر کچھ نہ کہا۔ پھر اگلے دن دو روپے نکال لئے ماں نے پھر بھی کچھ نہ کہا۔ پھر میں چھوٹی چھوٹی دوسری چوریاں کرنے لگا، لیکن ماں نے علم ہونے کے باوجود کچھ نہ کہا۔ اس طرح بڑے ہو کر مجھے چوری کی عادت ہوگئی اور چوری سے ڈاکے مارنے لگا۔ انہی ڈاکوں میں ایک دفعہ مجھ سے قتل ہوگیا جس کی سزا آج مجھے پھانسی کی صورت میں دی جارہی ہے۔ اگر میری ماں مجھے پہلے ہی دن ایک روپیہ نکالنے پر منع کردیتی تو آج میرے گلے میں پھانسی کا پھندا نہ ہوا۔

تو دیکھئے کہ ایک ماں کے صرف ایک روپے سے نہ روکنے کی وجہ سے بیٹے کی آخرت تو خراب ہوئی دنیا میں بھی ذلت کی موت مرا۔ اور اس کے بعد ماں کو کیسے

سکون آیا ہوگا؟

ابتداء معمولی انتہا سنگین

ماں باپ چھوٹی باتوں کو معمولی سمجھ کر نظر انداز کر دیتے ہیں یاد رکھیں کہ ابتدأ غلطی نہایت معمولی ہوتی ہے مگر اس کی انتہا نہایت سنگین ہوتی ہے۔ جیسا کہ اس واقعہ میں ابتداء صرف ایک روپے سے ہوئی اور انتہا سزائے موت پر ہوئی، تو خاص طور پر معمولی غلطیوں پر بھی سمجھانا چاہیے معمولی غلطیاں ہی بڑی غلطیوں کا سبب بنتی ہیں۔

اللہ تعالیٰ ہمیں ان غلطیوں سے خود بچنے اور دوسروں کو بھی بچانے کی توفیق عطاء فرمائے اور فضول خرچی واسراف جیسی مہلک بیماریوں سے بچنے کی توفیق عطاء فرمائے۔ ﴿آمین﴾

واخر دعوانا اَن الحمدللّٰہ رب العالمین

دوٗ قومی نظریہ

موضوع: دو قومی نظریہ جس پر پاکستان بنا
بیان: حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب مدظلہ
باہتمام : محمد ناظم اشرف
مقام: جامعہ ریاض العلوم۔ حیدرآباد سندھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

﴿دوقومی نظریہ﴾

بعداز خطبہ مسنونہ! امابعد:

بھارت کی سابق وزیر اعظم اندرا گاندھی نے سقوطِ مشرقی پاکستان کا خونی ڈرامہ رچانے کے بعد کہا تھا کہ ''ہم نے دوقومی نظریہ کو (جس پر پاکستان بنا ہے) خلیج بنگال میں ڈبودیا ہے''۔ اور بعض نجی مجلسوں میں یہ بھی کہا تھا کہ ''اب ہمارا اگلا نشانہ سندھ ہوگا''۔ دوقومی، یا دوملی نظریہ صرف پاکستان کا نہیں، بلکہ قرآن وسنت کا نظریہ ہے اور اسلامی سیاست کا ایک اہم اصول ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ دنیا بھر کے مسلمان ایک ملت ہیں اور کافر دوسری ملت، قرآن کریم کا واضح اعلان ہے کہ

﴿هُوَالَّذِیْ خَلَقَکُمْ فَمِنْکُمْ کَافِرٌوَ مِنْکُمْ مُؤْمِنٌ﴾

''اللہ وہی ہے جس نے تم کو پیدا کیا (جس کا تقاضا تھا کہ اس پر سب ایمان رکھتے اور سب مومن ہوتے لیکن) پھر تم میں سے بعض کافر ہوگئے اور بعض مومن رہے'' (سورۃ تغابن۔۲)

اس آیت کے لفظ ''فَمِنْکُمْ'' میں جو حرف فا ہے، اردو میں اس کا ترجمہ ''پس'' یا

''پھر'' کیا جاتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ انسانوں کی تخلیق وآفرینش کے ابتدائی دور میں کوئی انسان کافر نہیں تھا۔ یہ کافر اور مومن کی تقسیم بعد میں کچھ لوگوں کے کافر ہوجانے سے وجود میں آئی۔ایک حدیث سے بھی اس کی تائید ہوئی ہے جس میں رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ:۔

﴿ كُلُّ مَوْلُوْدٍ يُّوْلَدُ عَلَى الْفِطْرَةِ فَاَبَوَاهُ يُهَوِّدَانِهٖ اَوْيُنَصِّرَانِهٖ ﴾

''ہر بچہ فطرت سلیم پر پیدا ہوتا ہے (جس کا تقاضا مومن ہونا ہے) پھر اس کے ماں باپ اس کو یہودی یا عیسائی وغیرہ بنادیتے ہیں۔'' (تفسیر معارف القرآن ص ۴۶۳ ج ۸ بحوالہ قرطبی)

دنیا بھر کے مسلمان ایک ملت ہیں اور کافر دوسری ملت:

بہرحال اوپر سورۃ تغابن کی جو آیت ذکر کی گئی اس میں قرآن حکیم نے تمام بنی آدم کو دو گروہوں میں تقسیم کیا ہے'' کافر اور مومن'' جس کا حاصل یہ ہے کہ آدم علیہ السلام کی ساری اولاد جو ایک برادری تھی اور دنیا کے سب انسان اس برادری کے افراد تھے اس برادری کو توڑنے اور الگ الگ گروہ بنانے والی چیز صرف کفر ہے، جو لوگ کافر ہوگئے وہ انسانی برادری کا رشتہ توڑ کر مومن برداری سے خارج ہوگئے اس لئے مسلمان خواہ کسی ملک اور خطہ کا ہو کسی بھی رنگ اور قبیلہ کا ہو کوئی زبان بولتا ہو، ان سب کو قرآن حکیم نے ایک برادری قرار دیا۔ارشاد ہے:۔

﴿ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ ﴾

''مسلمان تو سب (ایک دوسرے کے) بھائی ہیں''۔

(سورۃ الحجرات۔۱۰)

اور دوسری طرف اسلام نے قیامت تک کے لئے یہ قانون بنادیا کہ مسلمان اور کافر اگرچہ آپس میں باپ بیٹے یا حقیقی بھائی ہوں تب بھی وہ ایک دوسرے کے وارث نہیں ہوسکتے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:۔

﴿لَا یَرِثُ الْمُسْلِمُ الْکَافِرَ وَلَا یَرِثُ الْکَافِرُ الْمُسْلِمَ﴾

''مسلمان کافر کا وارث نہیں ہوسکتا اور کافر مسلمان کا وارث نہیں ہوسکتا'' (صحیح مسلم حدیث نمبر ۴۰۱۸)

نیز آپ ﷺ کا ارشاد ہے کہ:۔

﴿لَا یَتَوَارَثُ اَھْلُ مِلَّتَیْنِ شَتّٰی﴾

''دو مختلف ملّتوں (دین) والے ایک دوسرے کے وارث نہیں ہوسکتے'' (سنن ابی داؤد۔ حدیث ۲۹۱۱)

اس طرح قرآن وسنت نے دنیا کے تمام انسانوں کو دو الگ الگ ملتوں میں تقسیم کرکے فیصلہ کردیا کہ مسلمان ایک ملت ہیں اور کافر دوسری ملت، لیکن اس کا یہ مطلب بھی نہیں ہے کہ تمام کفار سے برسرپیکار رہا جائے اور ان کے کوئی حقوق تسلیم نہ کئے جائیں۔ اس کے برعکس اسلام نے اپنی عالمگیر رحمت کے سایہ میں غیر مسلموں کے ساتھ معاملات اور برتاؤ کے سلسلے میں جو تفصیلی ہدایات دی ہیں، ان میں ان کے ساتھ حسن سلوک ، انصاف ،ہمدردی، خیر خواہی ، مداراۃ ، و رواداری کی غیر معمولی ہدایات بھی اہمیت کے ساتھ شامل ہیں البتہ ان کی حدود اعلیٰ درجے کے اعتدال وتوازن کے ساتھ مقرر کردی گئی ہیں۔

﴿غیر مسلموں سے تعلقات کی حدود﴾

اس سلسلے میں اسلامی ہدایات اور ضوابط کا ایک مختصر خاکہ یہ ہے۔

ان کے ساتھ بھی عدل وانصاف کرنا فرض ہے:

اسلام نے ہمیں کفار کے ساتھ بھی عدل وانصاف کرنے کا حکم دیا ہے اور یہ ہر حال میں ہمارا مقدس فریضہ ہے، اگرچہ وہ ہم سے برسرپیکار ہوں، بلکہ اسلام میں تو عدل وانصاف جانوروں کے ساتھ بھی واجب ہے کہ ان کی طاقت سے زیادہ بار ان پر نہ ڈالا جائے اور ان کے چارے اور آرام کا مناسب انتظام کیا جائے۔ قرآن حکیم کا ارشاد ہے:

﴿یـآ اَیُّھَا الَّـذِیْـنَ اٰمَـنُـوْا کُـوْنُـوْا قَوّٰا مِیْنَ لِلّٰـہِ شُھَدَآءَ بِـالْـقِسْطِ وَلَا یَجْرِ مَنَّکُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓی اَلَّا تَعْدِلُوْا ط اِعْدِلُوْاقف ھُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰی وَاتَّقُوا اللّٰہَ ط اِنَّ اللّٰہَ خَبِیْرٌ بِمَا تَعْمَلُوْنَ﴾۔

''اے ایمان والو! کھڑے ہوجایا کرو اللہ کے واسطے انصاف کی گواہی دینے کو، اور کسی قوم کی دشمنی کے باعث انصاف کو ہرگز نہ چھوڑو، عدل کرو۔ یہی بات تقویٰ کے زیادہ قریب ہے۔ اور ڈرتے رہو اللہ سے۔ اللہ کو تمہارے ہر عمل کی پوری خبر ہے۔

(سورۃ المائدہ۔۸)

صلح کرلینا بھی جائز ہے:

اسلام اور مسلمانوں کی مصلحت کا تقاضا ہوتو ان سے صلح (ترک جنگ) کا

معاہدہ کرنے کی بھی اجازت ہے۔ قرآن حکیم ہی کا ارشاد ہے کہ:

﴿وَاِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ط اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ﴾

اور اگر وہ (کفار) صلح کی طرف جھکیں تو آپ کو بھی (اجازت ہے کہ اگر اس میں مصلحت دیکھیں تو) اس طرف جھک جایئے اور (اگر باوجود مصلحت کے یہ احتمال ہو کہ یہ ان کی چال ہو تو) اللہ پر بھروسہ رکھئے (ایسے احتمالوں سے اندیشہ نہ کیجئے) بلا شبہ وہ خوب سننے والا خوب جاننے والا ہے (ان کے اقوال اور احوال کو سنتا جانتا ہے ان کا خود انتظام کر دے گا)

(معارف القرآن صفحہ ۲۷۱ ج ۴) (سورۃ الانفال۔ ۶۱)

دوطرفہ تعاون کا معاہدہ بھی ایک حد تک جائز ہے:

بعض شرائط کے ساتھ ان سے ایک حد تک دوطرفہ تعاون کا معاہدہ بھی کیا جا سکتا ہے۔ (تفصیل کیلئے دیکھئے جواہر الفقہ ص ۲۰۴ تا ۲۱۷ جلد ۲)

تجارتی معاملات کی بھی گنجائش ہے:

حسب ضرورت و مصلحت ان سے خرید و فروخت اور تجارتی معاملات کرنے کی بھی اجازت ہے۔ لیکن بلا ضرورت مسلمانوں کو چھوڑ کر کفار و مشرکین کے ساتھ معاملات اور تجارت نہ کی جائے۔

(جواہر الفقہ ص ۱۸۳ تا ۱۸۶، ص ۱۸۸ تا ص ۱۹۰)

ہمارے ملک کے غیر مسلموں کے حقوق ہمارے فرائض ہیں

جو غیر مسلم ہمارے ملک میں ہماری اجازت سے داخل ہوں (مثلاً ویزا وغیرہ لے کر) یا ہمارے ملک کے باشندے اور ہمارے قانون کے پابند ہوں، ان کی جان ومال اور آبرو کی حفاظت اور ان کی عبادات میں عدم مزاحمت بھی ہماری ذمہ داری قرار دی گئی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ

﴿ألا من ظلم معاهدا أو انتقصهٗ أو كلّفه فوق طاقته أو أخذ منه شيئاً بغير طيب نفس منه فانا حجيجه يوم القيامة﴾۔ (مشکوۃ المصابیح ۳۵۴)

خبردار جو شخص کسی معاهد (یعنی ایسے کافر جو اسلامی مملکت کے ماتحت رہتے ہیں یا باہر سے ویزا لیکر آتے ہیں) پر ظلم کریگا یا اس کے حقوق میں کمی کریگا یا اس کی طاقت سے زیادہ بار ڈالے گا یا اس سے کوئی چیز اس کی مرضی کے بغیر (ناحق) لیگا تو میں قیامت کے دن اس کے خلاف فیصلہ کن گواہی دوں گا۔

نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ:

﴿ان اللّٰه تعالى لم يحل لكم ان تدخلوا بيوت أهل الكتاب إلّا باذن ولا ضرب نسائهم ولا أكل ثمارهم﴾ (ابوداؤد کتاب الامارۃ)

''اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے اهل کتاب کے گھروں میں بلا اجازت داخل ہونے، ان کی عورتوں کو مارنے پیٹنے اور ان کے

پھل (بلا اجازت) کھانے کو حلال نہیں فرمایا“۔

نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

﴿مَنْ اٰذیٰ ذِمِّیًّا فَاَنَا خَصْمُہٗ وَمَنْ کُنْتُ خَصْمَہٗ خَصَمْتُہٗ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ﴾

جس شخص نے کسی ذمی کو ستایا تو قیامت کے روز اس کی طرف سے میں دعوے دار ہوں گا، اور جس مقدمہ میں میں دعوے دار ہوں تو میں ہی غالب رہوں گا۔

(تفسیر معارف القرآن ص۱۵۸ ج۲)

ان کے ساتھ احسان کرنا مستحب ہے:

جو غیر مسلم ہم سے برسر پیکار اور ہمارے درپے آزار نہ ہوں اور ہمارے دینی مقاصد میں حائل نہ ہوں ان کے ساتھ ہمیں رواداری، ہمدردی، خیرخواہی اور احسان کرنے کی بھی اجازت ہے۔ بلکہ قرآن وسنت میں اس کی تلقین وتاکید کی گئی ہے۔ قرآن کریم میں ارشاد ہے:

﴿لَا یَنْھٰکُمُ اللّٰہُ عَنِ الَّذِیْنَ لَمْ یُقَاتِلُوْ کُمْ فِی الدِّیْنِ وَلَمْ یُخْرِ جُوْ کُمْ مِنْ دِیَا رِکُمْ اَنْ تَبَرُّوْھُمْ وَتُقْسِطُوْا اِلَیْھِمْ ط﴾

”اللہ تعالیٰ تم کو ان لوگوں کے ساتھ احسان کا برتاؤ کرنے سے منع نہیں کرتا جنہوں نے تم سے دین کے بارے میں لڑائی نہیں کی اور تم کو تمھارے گھروں سے نہیں نکالا“۔ (سورۃ ممتحنہ۔۸)

صحیح بخاری کی روایت ہے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کی صاجبزادی حضرت اسماءؓ کی والدہ بحالت کفر مکہ مکرمہ سے مدینہ طیبہ پہنچیں۔ (مسند احمد کی روایت میں ہے کہ یہ واقعہ اس وقت کا ہے جب کفار مکہ سے صلح حدیبیہ ہوچکی تھی، ان خاتون کا نام "قبیلہ ہے") تو حضرت اسماءؓ نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ میری والدہ مجھ سے ملنے کے لئے آئی ہیں، اور وہ کافر ہیں میں ان کے ساتھ کیا سلوک کروں؟ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اپنی والدہ کے ساتھ صلہ رحمی کرو، یعنی ان کیساتھ اچھا سلوک کرو، اس پر (سورہ ممتحنہ) کی یہ آیات نازل ہوئی جس میں اس قسم کے دوسرے غیر مسلموں کیساتھ بھی حسن سلوک اور احسان کا معاملہ کرنے کا حکم بیان فرمادیا گیا۔

(تفسیر معارف القرآن ص ۴۰۵ ج ۸)

فقہائے کرام نے وضاحت کی ہے کہ کوئی کافر بیمار ہو تو اس کی مزاج پرسی اور عیادت جائز ہے، اور ان میں سے کوئی مرجائے تو اس کی تعزیت بھی جائز ہے۔ آنحضرت ﷺ کا ایک پڑوسی یہودی بیمار ہوا تو آپ ﷺ نے اس کی عیادت فرمائی۔ (ہدایہ وردالمختار ص ۳۴۱۔ ج ۵)

لیکن دوستی جائز نہیں:

یہ سب کچھ ہے لیکن اسلام کی معتدل اور متوازن تعلیمات نے ہمیں اپنے دین وملت کی حفاظت اور ملّی تشخص کی خاطر ساتھ ہی یہ ہدایات بھی دی ہیں کہ کسی بھی قسم کے کافروں کو اپنا دوست نہ بناؤ، ایسا میل جول اور ربط وضبط پیدا کرنے کی اجازت نہیں جس سے ان کے ساتھ محبت والفت کا اظہار ہوتا ہو، کیونکہ مسلمان جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت کا دعوے دار ہے وہ ان کے دشمنوں کو اپنا دوست کیسے

بنا سکتا ہے۔ ایسے تعلقات کو قرآن حکیم نے قطعی طور پر حرام اور ممنوع قرار دیا ہے۔

ارشاد ہے:

﴿یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا الْیَھُوْدَ وَالنَّصٰرٰیٓ اَوْلِیَآءَ م بَعْضُھُمْ اَوْلِیَآءُ بَعْضٍ ط وَمَنْ یَّتَوَلَّھُمْ مِّنْکُمْ فَاِنَّہٗ مِنْھُمْ ط﴾ (سورۂ مائدہ آیت ۵۱)

"اے ایمان والو! یہودیوں اور نصرانیوں کو دوست مت بنانا وہ خود ہی ایک دوسرے کے دوست ہیں، جو شخص تم میں سے ان کے ساتھ دوستی کرے گا تو بلا شبہ وہ انہیں میں سے ہوگا"

سورۃ میں آگے ارشاد ہے:

﴿یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا الَّذِیْنَ اتَّخَذُوْا دِیْنَکُمْ ھُزُوًا وَّلَعِبًا مِّنَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ مِنْ قَبْلِکُمْ وَالْکُفَّارَ اَوْلِیَآءَ ج﴾

"اے ایمان والو! جن لوگوں کو تم سے پہلے کتاب (تورات وانجیل) مل چکی ہے جنہوں نے تمہارے دین کو ہنسی کھیل بنا رکھا ہے، ان کو اور دوسرے کافروں کو دوست مت بناؤ"۔

سورۃ ممتحنہ کو اللہ تعالیٰ نے شروع ہی اس حکم سے فرمایا ہے کہ:

﴿یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا عَدُوِّیْ وَعَدُوَّکُمْ اَوْلِیَآءَ﴾

"اے ایمان والو! تم میرے دشمنوں اور اپنے دشمنوں کو دوست نہ بناؤ"۔ (سورۃ ممتحنہ۔۱)

غیر مسلموں کو اپنا رازدار اور بھیدی بنانا بھی جائز نہیں:

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا بِطَانَةً مِّنْ دُوْنِكُمْ لَا یَاْلُوْنَكُمْ خَبَالًا ؕ﴾

''اے ایمان والو! غیروں کو اپنا راز دار دوست نہ بناؤ، وہ تمہاری خرابی میں کوتاہی نہیں کرتے۔ (سورۃ آل عمران۔۱۱۸)

فاروقِ اعظم حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے کہا گیا کہ یہاں ایک غیر مسلم نوجوان ہے جو بڑا اچھا کاتب ہے۔ اگر آپ اس کو اپنا میر منشی بنالیں تو بہتر ہے۔ اس پر فاروقِ اعظمؓ نے فرمایا: ''قَدِاتَّخَذْتُ اِذًا بِطَانَةً مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِیْنَ'' یعنی میں ایسا کروں تو مسلمانوں کو چھوڑ کر دوسری ملت والے کو راز دار بنالوں گا جو حکم قرآنی کے خلاف ہے۔ (تفسیر معارف القرآن ص۱۵۹ ج۲ بحوالہ ابن ابی حاتم) امام قرطبیؒ جو پانچویں صدی میں اسپین (اندلس) کے مشہور مفسر قرآن ہوئے ہیں، بڑی حسرت اور داد کے ساتھ فرماتے ہیں کہ'' اس زمانے میں حالات میں ایسا انقلاب آیا کہ یہود و نصاریٰ کو راز دار و امین بنالیا گیا، اور اس ذریعہ سے وہ جاہل سرمایہ داروں اور حکمرانوں پر مسلط ہوگئے۔ (حوالہء بالا)

وضع قطع اور طرز معاشرت میں ان کے ساتھ ایسی مشابہت اختیار کرنا بھی ممنوع ہے جس سے اسلام کے امتیازی نشانات اور ملی تشخص گڈمڈ ہونے لگیں۔

آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے:

﴿مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ﴾

(سنن ابی داؤد حدیث ۴۰۳۱)

''جس نے کسی قوم کی مشابہت اختیار کر لی وہ اس قوم میں سے سمجھا جائے گا''۔

جو کافر حالت کفر میں مرگئے ان کے لئے مغفرت کی دعا کرنے کو بھی قرآن حکیم نے ممنوع فرمادیا ہے۔ سورۃ توبہ میں ارشاد ہے:

﴿مَاكَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِيْنَ آمَنُوْا اَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ وَلَوْكَانُوْا اُولِىْ قُرْبٰى مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُمْ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ﴾

''نبی (ﷺ) کو اور دوسرے مسلمانوں کو جائز نہیں کہ مشرکین کے لئے مغفرت کی دعا مانگیں، اگرچہ وہ رشتہ دار ہی (کیوں نہ) ہوں اس بات کے ظاہر ہوجانے کے بعد کہ یہ لوگ (کفر پر مرنے کی وجہ سے) دوزخی ہیں''۔ (سورۃ توبہ ۱۱۳)

البتہ زندہ کافروں کے لئے ہدایت واصلاح کی دعا جائز ہے۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ نے غزوۂ احد کے موقع پر مشرکین مکہ کے لئے دعا فرمائی کہ

﴿رَبِّ اهْدِ قَوْمِىْ فَاِنَّهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ﴾

''اے میرے رب میری قوم کو ہدایت عطاء فرمادے کیونکہ انہیں (حقیقت) معلوم نہیں''۔

اللہ کے راستہ میں جہاد:

بلکہ جو کفار مسلمانوں سے برسرپیکار یا ان کے درپے آزار ہوں یا اسلام

یا مسلمانوں کیلئے خطرہ بنیں، ان سے تو ہمیں جہاد کا حکم ہے، ایسے کافروں کے بارے میں قرآن حکیم نے ہدایت کی ہے کہ ہم حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کے اصحاب کی تقلید کریں جنہوں نے اپنے ایسے ہی کافر ہم وطنوں اور اہل خاندان سے صاف کہہ دیا تھا کہ:

﴿اِنَّا بُرَءٰٓؤُا مِنْكُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ز كَفَرْنَا بِكُمْ وَبَدَا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَآءُ اَبَدًا حَتّٰى تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗٓ﴾

''ہم تم سے اور ان (بتوں) سے بیزار ہیں جن کی تم اللہ کے سوا عبادت کرتے ہو، ہم تمہارے منکر ہیں، اور جب تک تم اللہ واحد پر ایمان نہ لاؤ گے ہمارے اور تمہارے درمیان ہمیشہ کھلم کھلا عداوت اور دشمنی رہے گی''۔ (سورۃ ممتحنہ۔۴)

خلاصہ یہ کہ قرآن وسنت نے دنیا کے تمام انسانوں کو ''مومن اور کافر'' دو ملتوں میں تقسیم کرکے دونوں کے درمیان تعلقات ومعاملات اور جنگ وصلح کی حدود بھی نہایت اعتدال اور توازن کے ساتھ مقرر فرمادی ہیں اور ان کو گڈمڈ کرنے کی اجازت نہیں دی۔

ہو حلقہ یاراں تو بریشم کی طرح نرم
رزم حق وباطل ہو تو فولاد ہے مومن

عہد رسالت اور خلافت راشدہ میں کافروں سے جتنے جہاد ہوئے وہ اسی دوملّی نظریہ پر مبنی تھے، ساری صلیبی جنگیں اسی بنیاد پر لڑی گئیں، انبیاءؑ سابقین کو کافروں سے جتنے معرکے پیش آئے ان سب میں یہی دوملّی نظریہ کارفرما تھا۔

نظریہ پاکستان:

پاکستان کا وجود بھی اسی نظریہ کا مرہون منت ہے جو ہندوستان کو تقسیم کرکے محض اس لئے حاصل کیا گیا ہے کہ مسلمان یہاں دوسری قوموں سے آزاد اور خود مختار رہ کر خدا پرستی اور قرآن وسنت کے ہمہ گیر نظام عدل اور معاشی انصاف کی بنیاد پر اسلام کا پاکیزہ فلاحی معاشرہ قائم کرسکیں اور اسے مضبوط ترقی یافتہ اسلامی ریاست بنا سکیں۔ اسے حاصل کرنے کے لئے ہم نے نعرہ لگایا تھا کہ پاکستان کا مطلب کیا ؟ لا الہ الا اللہ، پھر جب ہندو کانگریس نے مسلمانوں کو اپنی اکثریت کے جال میں پھانسنے کے لئے ''ہندو مسلم بھائی بھائی'' کا نعرہ چلتا کیا تو ہم سب نے مل کر ''مسلم مسلم بھائی بھائی'' کا جوابی نعرہ بلند کیا، جس سے پورا برصغیر گونج اٹھا تھا، یہ صرف جذباتی نعرہ نہ تھا یہ ہمارے عقیدے اور ایمان کی آواز اور ہمارے سیاسی منشور کا عنوان تھا۔ ہم اُس دوملّی نظریہ کے ترجمان تھے جو ہمیں قرآن وسنت نے عطا کیا ہے، اسی نظریہ کی طاقت پر ہم نے بیک وقت تین طاقتوں انگریزوں، ہندوؤں اور سکھوں سے چومکھی لڑکر پاکستان حاصل کیا۔

دوملّی نظریہ عالمی اتحاد کا پیغام:

یہاں یہ بات خاص طور پر قابل لحاظ ہے کہ انسانی برادری کو مختلف سیاسی نظریات نے کہیں رنگ کی بنیاد پر تقسیم کیا۔ جیسا کہ جنوبی افریقہ میں آزادی سے پہلے تھا کہ وہاں جو حقوق کتے کو حاصل تھے کالے آدمی کو حاصل نہیں تھے، کہیں نسل کی بنیاد پر تقسیم کیا گیا، جیسا کہ اسلام سے پہلے قبائل عرب کا حال تھا اور آج بھی

دنیا کے بعض قبائلی علاقوں میں ایک قبیلہ دوسرے قبیلہ کے خون کا پیاسا نظر آتا ہے، اور کہیں اس برادری کو زبان اور وطن کی بنیاد پر ٹکڑے ٹکڑے کر دیا گیا۔ جیسا کہ لسانی اور وطنی قومیت کی بنیاد پر آج پاکستان میں ایک بھائی دوسرے بھائی کا گلا کاٹ رہا ہے۔ ان سب کے برخلاف اسلام نے بنی نوع انسان کی تقسیم کا مدار ''ایمان اور کفر'' پر رکھا ہے۔ غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ صرف یہی ایسی تقسیم ہے جو انسانی برادری کے مکمل اتحاد کا وسیع ترین میدان اور موثر ترین پیغام بھی ساتھ رکھتی ہے، اس لئے کہ ''مومن اور کافر'' ان دوملتوں کی بنیاد ایسی دو چیزوں پر ہے جو ہر انسان کے اختیار میں ہیں، کیونکہ ایمان بھی انسان کے اختیار میں ہے اور کفر بھی، اگر کوئی شخص ان میں سے ایک ملت چھوڑ کر دوسری ملت میں شامل ہونا چاہے تو بڑی آسانی سے اپنے عقائد بدل کر دوسری ملت میں شامل ہوسکتا ہے، چنانچہ آخری زمانے میں جب عیسیٰ علیہ السلام کا نزول ہوگا تو قرآن کریم اور آنحضرت ﷺ کے ارشادات کے مطابق وہ دور پھر واپس آجائے گا کہ دنیا کے تمام انسان ایمان لاکر ایک ملت ہوجائیں گے اور انسانی برادری جو کفر کی وجہ سے دوملتوں میں بٹ گئی تھی اس کا بٹوارہ ختم ہوجائے گا۔

(تفسیر معارف القرآن ص ۲۰۳ تا ص ۲۰۵ ج ۲)

آملیں گے سینہ چاکانِ چمن سے سینہ چاک
بزمِ گُل کی ہم نفس بادِصبا ہوجائیگی

پھر دلوں کو یاد آجائے گا پیغامِ سجود
پھر جبیں خاکِ حرم سے آشنا ہوجائیگی

وطنی، لسانی اور نسلی قومیت فساد عالم:

برخلاف قبیلہ، خاندان، رنگ وزبان اور ملک ووطن کے کہ کسی انسان کے اختیار میں نہیں کہ اپنا قبیلہ وخاندان بدل دے۔زبان اور وطن اگرچہ بدلے جاسکتے ہیں مگر زبان اور وطن کی بنیاد پر بننے والی قومیں دوسروں کوعموماً اپنے اندر جذب کرنے پر آمادہ نہیں ہوتیں اگرچہ ان کی ہی زبان بولنے لگیں اور ان کے وطن میں آباد ہوجائیں۔غرض ان غیر فطری تقسیموں میں بٹ جانے کے بعد انسانی برادری کے اتحاد اور پائیدار عالمی امن کا کوئی امکان باقی نہیں رہتا، بلکہ وطن اور نیشنلزم کی بنیاد پر جو تقسیم ہوتی ہے اس کی رو سے تو انسانی برادری پہلے ملکوں کی بنیاد پر تقسم کی گئی پھر ان کا بٹوارہ صوبوں کی بنیاد پر کیا جانے لگا اور اب تو شہروں اور محلوں کی بنیاد پر بھی تقسیم کا المناک منظر ہمارے سامنے ہے۔

تفریقِ مِلَل حکمتِ افرنگ کا مقصود
اسلام کا مقصود فقط ملّتِ آدم

انسانیت کو ان لامحدود تقسیموں سے بچانے کے لئے قرآن وسنت کی ان صریح ہدایات اور دیگر بہت سی آیات واحادیث نے واضح کردیا کہ پوری دنیا میں گروہ بندی صرف ایمان اور کفر کی بنیاد پر ہوسکتی ہے، رنگ اور زبان، نسب اور قبیلہ، وطن اورملک میں سے کوئی چیز اس قابل نہیں کہ اس کی بنیاد پر انسانی برادری کو مختلف گروہوں میں بانٹ دیا جائے۔ ایک باپ کی اولاد اگر مختلف شہروں میں بسنے لگے یا مختلف زبانیں بولنے لگے یا ان کے رنگ میں تفاوت ہو، تو وہ الگ الگ گروہ نہیں ہوجاتے، رنگ وزبان اور ملک وطن کے اختلاف کے باوجود یہ سب آپس میں بھائی

رہتے ہیں، ان کو مختلف گروہ قرار دینا عقل وحکمت کی بات نہیں ہوسکتی۔ ہاں کفروہ بدترین اختلاف ہے اور اپنے خالق ومالک اور پالنے والے کے خلاف اعلان بغاوت ہے جس نے پوری انسانی برادری کو الگ الگ ملتوں میں بانٹ دیا۔

مسلم برادری:

رنگ، زبان اور قبائل کے فرق کو قرآن حکیم نے اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کی نشانی اور انسان کے لئے بعض فوائد پر مشتمل ہونے کی وجہ سے ایک نعمت تو قرار دیا ہے۔ (سورۃ الروم۔ آیت نمبر۲۲ وسورۃ الحجرات آیت نمبر۱۳)

لیکن اس کو بنی آدم میں گروہ بندی کا ذریعہ بنانے کی اجازت نہیں دی، اسلام سے پہلے زمانہ جاہلیت میں قبائل کو گروہ بندی کی بنیاد بنادیا گیا تھا، اسلام نے ان سب گروہ بندیوں کو توڑ ڈالا۔

کفار مکہ جو آنحضرت ﷺ کے ہم وطن، ہم زبان اور ہم قبیلہ تھے۔ آپ نے اور آپ ﷺ کے جان نثار صحابہ کرامؓ نے ایمان وکفر ہی کی بنیاد پر ان سے دشمنی مول لی، آبائی وطن سے ہجرت کی اور اپنے رشتہ داروں تک سے بار بار جہاد فرمایا، اُن سے الگ ایک ''مسلم برادری'' قائم فرمائی جس میں انصار مدینہ کو اور حبشی، رومی اور فارسی (ایرانی) مسلمانوں کو بھائی بنا کر گلے سے لگالیا۔ جس قبیلے اور جس علاقے کے لوگ مشرف بہ اسلام ہوتے گئے وہ اس برادری میں شامل ہوتے چلے گئے اسلام نے ان کو سبق ہی یہ دیا تھا کہ:

بتانِ رنگ وبو کو توڑ کر ملت میں گم ہوجا
نہ تورانی رہے باقی، نہ ایرانی نہ افغانی

ایک سفر میں دو صحابیوںؓ کے درمیان جھگڑا ہوا۔ ایک مہاجر تھے دوسرے انصاری، مہاجر نے انصاری کی پشت پر مار دیا تھا۔ انصاری نے اپنی مدد کے لئے انصار کو "یا للاَ نصار" کہہ کر پکارا، اور مہاجر نے مہاجرین کو "یا لَلْمُھَا جرین" کہہ کر پکارا آپ ﷺ نے یہ آواز سنی تو پوچھا:۔

﴿ مابَالَ دَعوٰی الجَاھِلِیّة ﴾

"یہ جاہلیت کے الفاظ کیوں پکارے جارہے ہیں؟"

لوگوں نے واقعہ بتایا تو آپ ﷺ نے فرمایا:۔

﴿ دَعُوھَا فَاِنَّھَا مُنتِنَة ﴾

"ان (متعصبانہ اور گروہ بندیوں کے) الفاظ کو چھوڑ دو، کیونکہ ان میں (جاہلیت اور کفر کی) بدبو ہے"

(جامع ترمذی۔ حدیث ۳۳۱۵ تفسیر سورۃ المنافقون ج ۲)

یہی وہ اسلامی برادری اور ایمانی اخوت تھی جس نے تھوڑے ہی عرصے میں مشرق ومغرب، جنوب وشمال، کالے گورے، امیر وغریب اور عرب وعجم کے بے شمار افراد کو ایک لڑی میں پرو دیا اور مسلمان دیکھتے ہی دیکھتے دنیا کی سب سے بڑی طاقت بن گئے۔

پرانا جال، نیا شکاری:

اس طاقت کا مقابلہ دنیا کی قومیں نہ کرسکیں تو انہوں نے پھر ان بتوں کو زندہ کیا جن کو رسول اللہ ﷺ نے پاش پاش کر ڈالا تھا۔ مسلمانوں کی عظیم ملت واحدہ کو ملک ووطن، رنگ وزبان اور نسب وقبائل کے مختلف ٹکڑوں میں تقسیم کرکے ان کو باہم

ٹکرادیا۔ اسپین (اندلس) سے مسلمانوں کا تقریباً ایک ہزار سالہ اقتدار اسی آپس کی پھوٹ کی نذر ہوا۔ ترکی خلافتِ عثمانیہ اسی ٹکراؤ کے نتیجہ میں پارہ پارہ ہوئی اور ......سقوطِ مشرقی پاکستان کے المناک سانحہ کے لئے بھی بھارت نے اسی وطنی اور لسانی قومیت کو آلہ کار بنایا۔ عرب ممالک تو "عربی قومیت" کے فریب سے اس کے تلخ وسنگین تجربات کے بعد کسی حد تک نکل بھی گئے، بنگلہ دیش بھی بنگالی قومیت کی تباہ کاریوں سے نڈھال ہوکر "مسلم ملت" کی طرف واپس آرہا ہے۔ لیکن پاکستان اور خصوصاً کراچی اور اندرونِ سندھ میں لسانی اور وطنی قومیت کے نئے بت تراش لئے گئے ہیں، جن کی بنیاد پر مسلمانوں کی ملت واحدہ کو پھر ٹکڑے ٹکڑے کیا جارہا ہے۔ لسانی اور وطنی عصبیتوں نے ایسا اندھا کردیا ہے کہ مشرقی پاکستان کی طرح اب پھر بھائی بھائی کا گلا کاٹ رہا ہے۔ حالانکہ رسول اللہ ﷺ نے خطبہ حجۃ الوداع میں بڑی دل سوزی سے یہ وصیت فرمائی تھی کہ:

﴿لَا تَرجِعُوابَعدِیْ کُفَّارًا یَّضرِبُ بَعْضُکُمْ رِقَابَ بَعْضٍ﴾

"میرے بعد تم کافر نہ ہوجانا کہ آپس میں ایک دوسرے کا گلا کاٹنے لگو"

(صحیح البخاری، کتاب العلم، باب الانصات للعلماء، ص ۲۱۷ ج اول مع فتح الباری)

طرفہ تماشہ یہ ہے کہ ہر خود ساختہ لسانی گروہ اپنے مقتولوں کو شہید کا مقدس خطاب دینے پر مصر ہے۔ حالانکہ رحمۃ للعالمین ﷺ ایسی لڑائی میں مرنے والوں کے بارے میں آگاہ فرما چکے ہیں کہ:

﴿اذَا التَقَی الْمُسْلِمَانِ بِسَیفَیهِمَا فَقَتَلَ احَدُ هُما

صَاحِبَه فَالقَاتِلُ وَالْمَقْتُولُ فِی النَّارِ﴾

''جب دومسلمان اپنی اپنی تلواریں لے کر آپس میں لڑیں اور ان میں سے کوئی دوسرے کو قتل کرڈالے تو قاتل اور مقتول دونوں جہنم میں جائیں گے (کیونکہ مقتول کا ارادہ بھی قتل کرنے کا تھا۔)'' (سنن نسائی۔ حدیث ۴۱۲۴)

اب جن گھناؤنی عصبیتوں کا صور پھونکا جارہا ہے ان کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد ہر مسلمان کے کانوں تک پہنچ جانا چاہیئے کہ:

﴿لَیسَ مِنَّا مَنْ دَعَا اِلَی العَصَبِیَّة وَ لَیسَ مِنَّا مَنْ قَاتَلَ عَصَبِیَّةً وَلَیسَ مِنَّا مَنْ مَّاتَ علٰی عَصَبِیَة﴾

''وہ شخص ہم میں سے نہیں جو عصبیت کی طرف بلائے۔ اور وہ شخص ہم میں سے نہیں جو عصبیت کی بناء پر لڑے اور وہ شخص میں ہم میں سے نہیں جس کی موت عصبیت پر آئے''

(سنن ابی داؤد حدیث ۵۱۲۱ کتاب الادب، باب فی العصبیة)

ڈاکٹر اقبال مرحوم نے انہی تعصبات کے بارے میں بڑے درد سے یہ کہا تھا:

اس دور میں مے اور ہے جام اور ہے جَم اور
ساقی نے بنا کی روشِ لطف وکرم اور
مسلم نے بھی تعمیر کیا اپنا حَرم اور
تہذیب کے آذر نے ترشوائے صَنم اور
اِن تازہ خداؤں میں بڑا سب سے وطن ہے
جو پیرہن اس کا ہے وہ ملت کا کفن ہے

یہ بت کہ تراشیدۂ تہذیب نوی ہے
غارت گرِ کا شانۂ دینِ نبوی ہے
بازو ترا توحید کی قوت سے قوی ہے
اسلام ترا دیس ہے تو مُصطفویؐ ہے
نظارۂ دیرینہ زمانے کو دکھا دے
اے مصطفویؐ خاک میں اس بُت کو ملا دے

ہماری کمزوریاں:

اس شرمناک خانہ جنگی کی پشت پر ہمارے دشمنوں کی سازشیں تو کارفرما ہیں ہی لیکن یہ بھی ایک واقعہ ہے کہ کوئی بیرونی سازش اس وقت تک کامیاب نہیں ہوسکتی جب تک اسے ہماری کچھ ایسی کمزوریاں ہاتھ نہ آجائیں جن کے ذریعہ وہ اپنے مکرو فریب کا تانا بانا بُن سکیں۔ اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ ہماری سب سے بڑی کمزوری وہ ظلم، بدعنوانیاں اور حق تلفیاں ہیں جن کا موجودہ سرمایہ دارانہ اور جاگیر دارانہ نظام میں بازار گرم ہے، اور جو اس ظالمانہ نظام کی بے دین فضا نے قدم قدم پر پھیلا رکھی ہیں۔ نئی نسل اس صورت حال پر مضطرب ہے اور اس اضطراب کو بنیاد بنا کر بیرونی سازشوں نے ان پر لسانی اور صوبائی عصبیت کا جال پھینکا ہے۔ اگر اسلام کا صرف نام لے کر نہیں، بلکہ اسلام کے نظام معیشت اور نظام عدل کو عملاً نافذ کر کے ان مظالم، بدعنوانیوں اور حق تلفیوں کا خاتمہ کر دیا جائے تو کچھ غدار تو شاید پھر بھی ملک میں باقی رہیں، لیکن ان سادہ لوح عوام کو گمراہ کرنے کا راستہ بند ہو جائے گا جو نہ ملک کے دشمن ہیں نہ اسلام کے باغی، بلکہ انہیں مظالم اور حق تلفیوں نے فساد پر آمادہ کیا ہے۔

ہمارا اصل مسئلہ پنجابی پٹھان سندھی یا مہاجر نہیں، ان میں سے کسی طبقے کو علی الاطلاق ظالم اور دوسرے کو علی الاطلاق مظلوم قرار دینا پرلے درجے کی ناانصافی کی بات ہے، یہ منطق دین ودانش کے کسی خانے میں فٹ نہیں ہوسکتی کہ ظلم ہمیشہ دوسرے علاقے کے باشندے کرتے ہیں اور اگر کوئی اپنا ہم وطن یا ہم زبان ظلم کرے تو وہ ظلم نہیں انصاف ہے اور حقوق کی جدوجہد ہے۔

دراصل ہمارا اصل مسئلہ وہ بے دینی اور خدا فراموشی ہے جو ظالم کو بے خوف وخطر ظلم پر آمادہ کرتی ہے، یہی ذہنیت ہے جس نے ہر جگہ مظالم اور حق تلفیوں کا بازار گرم کیا ہوا ہے۔ یہی ذہنیت دوسروں سے ہر وقت اپنے نام نہاد حقوق کا مطالبہ کرتی رہتی ہے لیکن اسے نہ اپنے فرائض کا کوئی احساس ہے نہ دوسروں کے حقوق کا پاس۔

جب تک یہ بے دین اور اللہ تعالیٰ کے خوف سے عاری ذہنیت موجود ہے اگر ہر صوبہ اور ہر علاقہ خدا نہ کرے الگ بھی ہوجائے تب بھی اسے مظالم اور حق تلفیوں سے نجات نہیں مل سکتی۔ بنگلہ دیش کا تجربہ ہمارے سامنے ہے۔

جلال بادشاہی ہو یا جمہوری تماشا ہو
جُدا ہو دیں سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی

وآخر دعوانا ان الحمد للّٰہ ربّ العالمین
”وصلی اللّٰہ علی النبی الکریم
محمد وآلہ واصحابہ اجمعین“

عَقِیدۂ ختمِ نبوّت اور اُس کا تحفّظ

موضوع: عقیدہ ختم نبوت اور اس کا تحفظ
بیان: حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب مدظلہ
مقام: سنٹرل جامع مسجد برمنگھم (برطانیہ)
ضبط وترتیب: محمد ناظم اشرف (فاضل جامعہ دارالعلوم کراچی)
باہتمام : محمد ناظم اشرف

بسم اللہ الرحمن الرحیم

﴿عقیدہ ختم نبوت ﷺ اور اس کا تحفظ﴾

نحمدونصلی علی رسولہ الکریم۔ امابعد:

صدر محترم! حضرات علماء کرام اور میرے عزیز دوستو اور بھائیو!

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی ایسی عظیم اور محبوب ہے کہ اس کے ادنیٰ سے ادنیٰ پہلو پر اگر بولنے والا شروع کرے تو دن تو کیا ہفتے اور مہینے گذر جائیں اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے بولنے والے کم نہیں ہوں گے۔

چودہ سو سال کی تاریخ شاہد ہے کہ جب کبھی ناموس رسالت صلی اللہ علیہ وسلم پر کوئی حرف آنے کا شائبہ بھی پیدا ہوا تو لاکھوں فدائی اور پروانے اپنی جانیں قربان کرنے کے لئے میدان میں اتر آئے۔

فتنوں کی بہتات

جس دور سے ہم گذر رہے ہیں یہ فتنوں کا دور ہے، مسلمانوں کے لیے

آزمائشوں اور امتحانوں کا دور ہے میرے مرشد حضرت ڈاکٹر محمد عبدالحی عارفی صاحب رحمۃ اللہ علیہ جو حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ کے خلیفہ مجاز تھے، فرمایا کرتے تھے کہ یہ فتنے کم نہیں ہوں گے۔ فتنوں کا یہ سیلاب رفتہ رفتہ طوفان بنے گا اور پھر یہ طوفان جاکر قیامت سے ٹکرائے گا، بس خوش نصیب ہیں وہ لوگ جو اپنی توانائیاں اس سیلاب کی روک تھام کے لئے صرف کرتے رہیں گے۔ اور ثواب کماتے رہیں گے۔

لہٰذا یہ سیلاب رکے گا تو نہیں، ایک فتنہ ختم نہیں ہوگا کہ دوسرا آجائے گا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ قرب قیامت میں جو فتنے آئیں گے ان کا حال یہ ہوگا کہ ''یرقق بعضها بعضا'' یعنی جو فتنہ آئے گا لوگ سمجھیں گے کہ یہ بہت بڑا فتنہ ہے۔ ابھی یہ ختم نہیں ہونے پائے گا کہ دوسرا اس سے بڑا فتنہ آجائے گا اور وہ اتنا بڑا ہوگا کہ اس کی سامنے پہلا فتنہ چھوٹا معلوم ہونے لگے گا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ 'یہ فتنے اس طرح آئیں گے جیسے سمندر کی موجیں ہوتی ہیں، ایک موج آتی ہے وہ ابھی ختم نہیں ہونے پاتی کہ اس سے بڑی موج آکر اس کو چھپا دیتی ہے، اور جس طرح سمندر کی موجیں ہر طرف سے آتی ہیں یہ فتنے بھی ہر طرف سے آئیں گے، اور جیسے سمندر کی موجیں طرح طرح کی ہوتی ہیں یہ فتنے بھی طرح طرح کے ہوں گے، یہ فتنوں کا دور ہے اور اللہ رب العالمین کی پناہ مانگنے کے علاوہ کوئی چارہ کار نہیں ہے۔ ہمارے پاس صرف دو ہی چیزیں ہیں (۱) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی تعلیمات پر ایمان (۲) ان تعلیمات پر اللہ کی پناہ اور مدد مانگتے ہوئے عمل کرنے کی بھرپور جدوجہد۔

قادیانی فتنے کی سرکوبی

میرے والد ماجد مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے

اپنی زندگی کا بہت بڑا حصہ قادیانیت کے رد اور اس کے تعاقب میں خرچ کیا۔ وہ فرماتے تھے کہ جب یہ قادیانی فتنہ بڑھنے لگا تو میں اپنے استاذ محترم حضرت علامہ سید محمد انور شاہ کشمیریؒ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ یہ ملاقات طویل مدت کے بعد ہوئی تھی، میں نے دیکھا کہ حضرت کے چہرے پر کمزوری اور حزن وملال کے آثار ہیں، میں نے خیریت دریافت کی تو فرمایا۔ خیریت کیا پوچھتے ہو زندگی برباد ہوگئی۔ خیال فرمائیے کون کہہ رہا ہے کہ عمر برباد ہوگئی؟ وہ جس نے اپنی زندگی کا ایک ایک لمحہ دین کی حفاظت اس کی نشر واشاعت، اسلامی علوم کے درس وتدریس اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کی خصوصی تحقیق میں صرف کیا تھا، اور جس کے ہزاروں شاگرد ہیں، آج ہندوستان، پاکستان اور بنگلہ دیش میں جو کوئی عالم دین موجود ہے، گو براہ راست ان کا شاگرد نہ ہو کیونکہ اب غالبًا ان کا کوئی شاگرد زندہ نہیں ہے۔ لیکن ان کے شاگردوں کا شاگرد ہے، یا شاگردوں کے شاگردوں کا شاگرد ہے، اس مجمع میں بھی جو علماء کرام موجود ہیں، بلا استثناء کوئی ان کے شاگردوں کا شاگرد ہوگا، یا شاگردوں کے شاگردوں کا شاگرد ہوگا۔

اتنا کام اللہ رب العلمین نے حضرت مولانا سید انور شاہ کشمیریؒ سے لیا، وہ کہتے ہیں کہ 'میری عمر برباد ہوگئی، جس کے شاگرد مولانا مفتی محمد شفیعؒ اور علامہ بنوریؒ جیسے علماء وقت ہوں، جس کے شاگرد مولانا بدر عالمؒ اور مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ جیسے محدثین ہوں، مولانا قاری محمد طیبؒ اور مولانا مناظر احسن گیلانیؒ جیسے محققین ہوں وہ یوں کہہ رہا ہے کہ میری عمر برباد ہوگئی!

حضرت والد صاحبؒ فرماتے ہیں۔ میں نے پوچھا حضرت کیا بات ہوئی؟ فرمایا عمر برباد ہوگئی، ہم مدرسوں میں معتزلہ کے مذاہب پڑھاتے رہے ان کا رد کرتے رہے، خوارج، کرامیہ، مرجئیہ، جہمیہ کے مذاہب پڑھاتے اور ان کا رد کرتے رہے اور

فقہی مسائل میں فقہ حنفی کی ترجیح بیان کرنے میں اپنی توانائیاں خرچ کرتے رہے لیکن اب یہ فتنہ اٹھ کھڑا ہوا ہے جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے خلاف ایک بہت بڑا محاذ کھول دیا ہے، قادیانیت کا یہ فتنہ مسلمانوں کو مرتد اور کافر بنا رہا ہے، امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے خلاف اتنی بڑی بغاوت اٹھ کھڑی ہوئی ہے اور ہم یہاں دوسرے مسائل میں گھرے ہوئے ہیں'' فرمایا کہ تم میری خیرت پوچھتے ہو؟ جب سے اس قادیانی گروہ کے حالات پڑھے اور سنے میری بھوک بھی اڑ گئی ہے اور نیند بھی، والد صاحبؒ فرماتے تھے کہ اس کے بعد ان کی کیفیت یہ تھی کہ ان کا کسی اور کام میں دل نہیں لگتا تھا بس وہ اپنی زندگی کا باقی حصہ اس فتنہ کی سرکوبی میں خرچ کرنا چاہتے تھے۔

ملحدین کی تکفیر کا اصول

چنانچہ حضرت مولانا محمد انور شاہ کشمیریؒ نے اس سلسلہ میں خود بڑی عظیم کتابیں تالیف کیں اور اپنے نابغہ روزگار شاگردوں کو بھی اس مہم پر لگادیا۔ اس مسئلے کے جتنے علمی پہلو اور علمی گوشے تھے ان کو اپنی دوررس اور دقیقہ رس تحقیق سے حل کیا اور ضخیم ضخیم کتابیں لکھیں۔ آپ کی عربی تصنیف ''اکفار الملحدین'' بھی اسی سلسلے کا ایک بڑا تحقیقی کارنامہ ہے۔ اس وقت عام طور سے یہ سوال اٹھایا گیا تھا کہ یہ قادیانی ''لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ'' کا کلمہ پڑھتے ہیں، قرآن کو بھی مانتے ہیں، تمام رسولوں کو بھی مانتے ہیں، سب فرشتوں کو بھی مانتے ہیں، یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہیں، پھر ان کو مسلمان کیوں نہیں کہا جاتا؟ اور ان کو کافر کیوں کہا جاتا ہے؟ اسی سوال کے جواب میں حضرت مولانا سید محمد انور شاہ کشمیریؒ نے وہ مشہور عربی کتاب تالیف فرمائی جس کا نام ''اکفار الملحدین'' ہے، اس میں اس مسئلہ کی بے مثال تحقیق فرمائی ہے کہ کسی ملحد اور بے دین اور زندیق کو کافر قرار دینے کے کیا اصول ہیں اور کیا شرائط

ہیں؟ کن پابندیوں اور احتیاطوں کے ساتھ کسی کو کافر کہا جاسکتا ہے؟ اور اسے کافر کہنا واجب ہوجاتا ہے۔ جس کا حاصل یہ تھا کہ اگر کوئی شخص اسلام کی تمام تعلیمات کو مانتا ہو لیکن اگر کوئی ایک بات جس کا ثبوت قرآن کریم سے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث متواترہ سے صراحۃً ہوا ہو، اس کی حقانیت سے منکر ہوجائے تو وہ شخص دائرہ اسلام سے خارج ہوجاتا ہے۔ اس لئے کہ اگر اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی ایسی تعلیمات میں سے کسی ایک بات کو حق ماننے سے انکار کردیا تو اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو العیاذ باللہ جھوٹا کہہ دیا اور رسول کو جھوٹا کہنے والا کیسے مسلمان ہوسکتا ہے؟ یہ قادیانی سب چیزیں مانتے ہیں لیکن ختم نبوت کے جو معنی قرآن کریم اور سنت متواترہ نے مقرر اور متعین کردیئے ہیں اس کا انکار کرتے ہیں۔

میرے والد ماجدؒ کی ایک کتاب جس کا نام ''ختم نبوت'' ہے اس میں حضرتؒ نے قرآن کریم کی ایک سو دس آیات نقل فرمائی ہیں جن سے پوری طرح واضح اور ثابت ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نیا نبی یا رسول نہیں آسکتا، کسی قسم کا چھوٹا یا بڑا، ظلی یا بروزی، تشریعی یا غیر تشریعی، نہ رسول آسکتا ہے نہ نبی آسکتا ہے۔ اور جو شخص ایسا دعویٰ کرے گا وہ بدترین جھوٹا اور کذاب ہوگا۔ اسی طرح اسی کتاب میں دو سو سے زیادہ احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نقل فرمائی ہیں اور پھر اجماع امت کو نقل فرمایا ہے اور اکابرین امت کے اقوال نقل کئے ہیں جن کا حاصل یہی ہے کہ جو شخص ختم نبوت کا منکر ہوگا وہ کافر ہوگا۔

خوب یاد رکھئے! کہ جس طریقہ سے قرآن کریم کے کسی لفظ کا انکار کفر ہے اگر کوئی شخص یوں کہے کہ پورے قرآن کو مانتا ہوں لیکن ''صراط مستقیم'' کے اندر جو لفظ ''صراط'' ہے اس کو نہیں مانتا یا لفظ ''مستقیم'' کو نہیں مانتا، یا اس کی ''ر'' کو نہیں یا اس کی ''ط'' کو نہیں مانتا۔ گویا کسی ایک حرف کا بھی انکار کرے گا تو کافر ہوجائے گا،

کیونکہ اس نے قرآن کریم کے ایک جز کا انکار کردیا، تو جس طرح قرآن کریم کے کسی لفظ کا انکار کفر ہے، اسی طرح قرآن کریم یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث متواترہ سے قطعی طور پر ثابت ہونے والے مضمون کے کسی ایک حصہ کا انکار کردینا بھی کفر ہے۔

ختم نبوت کا عقیدہ بھی قرآن کریم کی سو سے زیادہ آیات، اور دو سو سے زیادہ احادیث سے قطعی طور پر ثابت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ختم نبوت کا منکر پوری امت کے نزدیک بالاتفاق کافر ہے۔ خواہ وہ کتنی ہی نمازیں پڑھتا ہو اور کتنے ہی روزے رکھتا ہو، اور اگرچہ زبان سے کلمہ طیبہ بھی پڑھتا ہو۔

مثلاً دیکھئے! قرآن کریم نے کتنے واشگاف انداز میں فرمایا کہ:

﴿مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ﴾

"کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں، لیکن یہ اللہ کے رسول ہیں اور خاتم النبیین ہیں (آپ کے بعد کوئی نیا نبی آنے والا نہیں)"

(سورۃ الاحزاب آیت نمبر ۴۰)

چنانچہ ہمارے بزرگوں نے قادیان میں جاجا کر قادیانیوں کو للکارا اور ان سے مناظرے کئے اور ہر مرتبہ یا تو انہوں نے راہ فرار اختیار کی اور اگر کبھی مناظرے کئے تو شکست فاش کھائی۔

پاکستان اور قادیانی

افسوس صد افسوس کہ مملکت خداداد پاکستان بن جانے کے بعد ہماری حکومتوں میں قادیانی داخل ہوگئے۔ پاکستان کی سب سے پہلی حکومت بنی اس میں

سر ظفر اللہ پاکستان کا وزیر خارجہ بنا، ہماری حکومتوں کا فرض تھا کہ وہ کام کرتیں جو حضرت ابوبکر صدیقؓ نے خلافت سنبھالتے ہی کیا تھا۔ خلافت سنبھالتے ہی حضرت ابوبکر صدیقؓ نے ایک کام یہ کیا تھا کہ جتنے نبوت کے جھوٹے دعویدار تھے مسلیمہ کذاب، طلیحہ، سجاح وغیرہ ان کے خلاف صحابہ کرامؓ کے لشکر بھیجے اور جب تک ان فتنوں کا قلع قمع نہیں ہوگیا حضرت ابوبکر صدیقؓ چین سے نہیں بیٹھے، یہ ان کا دینی فریضہ تو تھا ہی، ایمانی فراست کا تقاضا بھی تھا، کیونکہ جب تک اندرونی دشمنوں سے نہ نمٹا جائے، بیرونی دشمنوں کا مقابلہ نہیں کیا جاسکتا۔ لہٰذا کم از کم اتنی احتیاط تو فوراً کی جاتی کہ قادیانیوں کو اس نئے مسلم ملک میں کلیدی عہدوں پر نہ رکھا جاتا۔

نیز پاکستانی حکومت کا شرعی اور دینی فریضہ تھا کہ وہ پاکستان بن جانے کے بعد کم از کم یہ کام تو کرتی کہ دستوری اور قانونی طور پر فیصلہ کردیتی کہ جو شخص بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد مدعی نبوت ہو وہ کافر ہے، مرزا غلام احمد قادیانی اور اس کو ماننے والے سب کافر ہیں، قادیانی غیر مسلم اقلیت ہیں، لیکن (حکومت نے) یہ نہیں کیا، اس کے بعد سر ظفر اللہ قادیانی کو وزیر خارجہ بنائے رکھا، اس وقت کے حالات سے جو لوگ باخبر ہیں وہ جانتے ہیں کہ سر ظفر اللہ ہی کی غدارانہ سازش کی وجہ سے اس وقت کشمیر کے مجاہدین جو ''بارہ مولا'' پر قبضہ کرچکے تھے اور اگلے روز ''سری نگر'' میں داخل ہونے والے تھے، اپنی جیتی ہوئی جنگ ہار بیٹھے، اور کشمیر کا مسئلہ ایک ناسور بن کر رہ گیا۔

میرے ایک استاذ کا واقعہ

مجھے یاد ہے کہ جب میں دارالعلوم کراچی میں عربی صرف ونحو کی ابتدائی کتابیں پڑھتا تھا تو ہمارے ایک استاذ حضرت مولانا امیر الزماں کشمیری صاحبؒ تھے، جن کا آزاد کشمیر میں حال ہی میں انتقال ہوا ہے، ان سے ہم نے فارسی پڑھی تھی، ان

کی نئی نئی شادی ہوئی تھی، نئی نویلی دلہن گھر میں تھی کہ انہی دنوں میں قادیانیوں نے ایک بڑی کانفرنس کراچی میں منعقد کی، جہانگیر پارک اس زمانے میں کراچی کا مشہور باغ تھا، بڑے بڑے جلسے وہیں ہوتے تھے، جہانگیر پارک ہمارے گھر سے تقریباً ڈیڑھ میل کے فاصلہ پر تھا اور مغرب کے بعد قادیانیوں کا جلسہ شروع ہونے والا تھا، تو ہمارے استاذ گھر پر تشریف لائے، حضرت والد صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے وہ والد صاحبؒ کے شاگرد تھے، اور اپنا کچھ زیور، کچھ نقدی، کچھ امانتیں اور ایک وصیت نامہ لکھ کر والد صاحبؒ کی خدمت میں پیش کیا کہ، حضرت میں تواب جارہا ہوں جلسہ گاہ میں، یا تو اس جلسے کو روکنے میں کامیاب ہوجاوں گا ورنہ شہید ہوجاؤں گا، یہ چیزیں آپ کے پاس امانت ہیں وصیت نامہ کے مطابق ان کو تقسیم فرمادیجیئے، میری ایک بیوی ہے، کوئی بچہ نہیں ہے میں شہید ہوجاؤں تو عدت کے بعد اسے وطن بھیجنے کا انتظام فرمادیجیئے، وہ بندہ خدا تو والد صاحب کے پاس امانت اور وصیت رکھوا کر چلے گئے، مجھے پتہ چلا تو میں اور میرے برادر بزرگوار جناب محمد ولی رازی صاحب اور میرے پھوپھی زاد بھائی جناب فخر عالم صاحب بھی جلسہ گاہ کو روانہ ہوگئے۔ راستے میں زبردست پہرے تھے، داڑھی والوں کو جلسے کے پاس تک نہیں جانے دے رہے تھے، میری داڑھی ابھی نکلنی شروع ہوئی تھی، بہرحال کسی نہ کسی طرح ہمیں پہنچنے کا موقع مل گیا۔ وہ جلسہ گاہ ایک جیل سی بنی ہوئی تھی کیونکہ مسلمانوں نے اس جلسہ گاہ کا گھیراؤ کر رکھا تھا، کوئی قادیانی باہر نہیں نکل سکتا تھا، اندر جانے کے لئے فوجی پہرے تھے، جس کے ذریعہ قادیانی اندر جاتے تھے، لیکن انہوں نے لاؤڈ اسپیکر باہر دور تک لگائے ہوئے تھے ہم نے ان کھمبوں کو اکھاڑنا شروع کیا جن پر لاؤڈ اسپیکر لگے ہوئے تھے اور ان کی بتیوں کو پتھر مار مار کر توڑنے لگے، آس پاس جو مسلمان جمع تھے ان کے سامنے کسی نے یہاں تقریر شروع کردی، کسی نے وہاں، اور دیکھتے ہی دیکھتے مسلمانوں

نے جلسے کو درہم برہم کردیا، پولیس آگئی، بھگدڑ مچی، پولیس نے گولی چلائی، ہمیں گھیر کر لاٹھی چارج کیا جس میں کئی لاٹھیاں میرے بھی لگیں، مگر پھر الحمدللہ کراچی میں قادیانیوں کا کوئی قابل ذکر جلسہ نہ ہوسکا۔

۱۹۵۳ء کی تحریک ختم نبوۃ صلی اللہ علیہ وسلم

لیکن یہ آگ جو مسلمانوں کے دلوں میں لگی ہوئی تھی۔ بڑھتی چلی گئی، کیونکہ قادیانیوں کو بڑے بڑے عہدوں پر رکھا جارہا تھا اور غیر مسلم اقلیت قرار نہیں دیا جارہا تھا، یہاں تک کہ ۱۹۵۳ء میں ختم نبوت کی وہ مشہور تحریک چلی، جس میں صرف لاہور میں دس ہزار مسلمانوں نے اپنی جانیں قربان کیں، پاکستان میں سب سے پہلے ''مارشل لاء'' وہیں لگا تھا، پورے پاکستان میں ایک آگ تھی اور ہر مسلمان بے تاب تھا کہ اپنی جان ناموس رسالت صلی اللہ علیہ وسلم اور ختم نبوت کی حفاظت کے لیے قربان کردے۔ جس دن تحریک شروع ہونے والی تھی وہ جمعہ کا دن تھا لیکن راتوں رات تحریک کے تمام علماء کو گرفتار کرلیا گیا، پورے پاکستان میں جس شہر میں جہاں کوئی عالم دین تحریک کا سرگرم نمائندہ تھا گرفتار کرلیا گیا اور پھر ان پر فوجی عدالتوں میں مقدمے چلے، فوج کا حکم یہ تھا کہ کوئی شخص گھر سے باہر نہ نکلے، گلیوں کے اندر بھی نکلنے کی اجازت نہیں تھی، فوج نے مورچے سنبھالے ہوئے تھے اور مشین گنیں نصب کررکھی تھیں اور فوج کو یہ حکم تھا کہ جس کو باہر دیکھو گولی ماردو، بکتر بند گاڑیوں میں فوجی جوان اپنی مشین گنیں تانے ہوئے لاہور کی سڑکوں پر گشت کررہے تھے۔ میری بہن کا اور میرے بڑے بھائی صاحب کا گھر لاہور میں ہے۔ وہ اپنے گھروں میں سے یہ سب نظارے دیکھتے تھے، حکم یہ تھا کہ کوئی شخص باہر نہ نکلے، لیکن اچانک ایک گلی سے شمع رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کے پروانوں کا ایک دستہ نمودار ہوتا اور ''ختم نبوت زندہ باد'' کے نعرے لگاتا ہوا آگے بڑھتا اور اپنے کھلے ہوئے سینوں کی طرف اشارہ کرکے

کہتے گولی یہاں مارو، یہاں مارو، فوج جس میں قادیانی بھی گھسے ہوئے تھے وہ مشین گنوں سے تڑتڑ گولیاں چلاتی، لیکن جلوس کا کوئی آدمی پیچھے نہیں بھاگتا تھا، وہیں گر کر شہید ہوجاتا تھا، ابھی یہ خون ریزی ختم نہ ہوتی کہ دوسری گلی سے ایسا ہی جلوس نکلتا، پھر تیسری سے، پھر چوتھی سے، پھر پانچویں سے، ہفتوں یہ سلسلہ جاری رہا، یہاں تک کہ صرف لاہور کے اندر دس ہزار مسلمانوں نے شہادت کا جام نوش کیا۔

﴿رحمهم الله اجمعين﴾

مخلصانہ قربانیوں کے اثرات

وقتی طور پر وہ تحریک بظاہر ناکام ہوگئی، کیونکہ ظفر اللہ اسی طرح وزیر خارجہ رہا اور قادیانیوں کو حکومت نے غیر مسلم اقلیت بھی قرار نہیں دیا اور مسلمانوں کا کوئی مطالبہ نہ مانا گیا، لیکن اللہ تعالیٰ کے راستے میں دی جانے والی قربانی کبھی رائیگاں نہیں جاتی اس کے اثرات کبھی فوراً سامنے آجاتے ہیں، کبھی دیر لگتی ہے، کبھی وہیں ظاہر ہوجاتے ہیں، کبھی دوسری جگہ، آپ نے دیکھا؟ غزوۂ خندق میں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرامؓ خندق کھودنے میں مشغول تھے اور چھ دن تک یہ سلسلہ جاری رہا وہ خندق ساڑھے تین میل میں پھیلی ہوتی تھی، کھدائی کرنے کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرامؓ کو دس دس آمیوں کی جماعت میں تقسیم کرکے ہر جماعت کو دس دس گز خندق کھودنے کا ذمہ دار بنایا تھا، جس جماعت میں حضرت سلمان فارسیؓ تھے (انہی کی رائے پر انہی کے مشورہ سے اس خندق کے کھودنے کا فیصلہ ہوا تھا) ان کی کھدائی میں ایک بہت سخت چٹان آگئی، صحابہ کرامؓ سے وہ ٹوٹ نہیں رہی تھی، بلکہ اس کوشش میں ان کے اوزار بھی ٹوٹ گئے۔

حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ٹھہرو، میں خود اترتا ہوں، بھوک کی وجہ سے

آپ کے شکم مبارک پر پتھر بندھا ہوا تھا، ہم نے بھی تین دن سے کوئی چیز نہیں چکھی تھی، آپ نے دعا پڑھ کر کدال سے اس چٹان پر ضرب لگائی تو اس کا ایک تہائی حصہ ٹوٹ گیا۔

آپ نے فرمایا:

"اللہ اکبر! مجھے ملک شام کی کنجیاں عطا کردی گئیں، اللہ کی قسم شام کے سرخ محلات اس وقت میں اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں۔"

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسری بار دعا پڑھ کر کدال ماری تو چٹان کا دوسرا تہائی حصہ ٹوٹ کر گر پڑا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"اللہ اکبر! مجھے فارس کی کنجیاں دے دی گئی ہیں، اللہ کی قسم مدائن کے قصر ابیض کو اس وقت میں اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں۔"

تیسری بار آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا پڑھ کر کدال ماری تو بقیہ چٹان بھی ٹوٹ گئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"اللہ اکبر! مجھے یمن کی کنجیاں عطا کردی گئیں، اللہ کی قسم، میں صنعا (شہر) کے دروازوں کو اس وقت اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں۔"

دیکھئے! کھدائی مدینہ منورہ میں ہو رہی تھی، لیکن فیصلہ ملک شام کی فتح کا

ہورہا تھا، کدال کی ضرب یہاں پڑ رہی تھی، خوشخبری ایران، فارس اور یمن کی فتوحات کی مل رہی تھی۔ فاقہ کشی اور کھدائی کی مشقت یہاں جھیلی جارہی تھی لیکن اس کے نتائج وہاں مرتب ہورہے تھے، قربانی آج دی جارہی تھی، اس کے ثمرات کئی سال بعد مرتب ہورہے تھے۔

۱۹۷۴ء کی تحریک ختم نبوۃ

اسی طرح ۱۹۵۳ء کے شہیدوں کا لہو کئی سال بعد رنگ لایا، ۱۹۷۴ء میں یہ تحریک دوبارہ اٹھی، اس مرتبہ اس کی قیادت حضرت علامہ سید محمد انور شاہ کشمیریؒ کے شاگرد رشید حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوریؒ کے ہاتھ میں تھی، اللہ تعالیٰ نے اس بار فتح مبین عطا فرمائی، پاکستان میں مرزائیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دے دیا گیا، اور اس مقصد کے لئے پاکستان کے آئین میں ترمیم کی گئی، لیکن اس مقصد کی تکمیل کے لئے کئی قانونی اور انتظامی اقدامات ضروری تھے تاکہ قادیانی خود کو مسلمان کہہ کر لوگوں کو دھوکہ نہ دے سکیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان قانونی اور انتظامی اقدامات کی سعادت صدر پاکستان شہید ضیاء الحق مرحوم کو عطا فرمائی، مسلمانوں اور علماء کرام کے مطالبے کے مطابق انہوں نے آرڈیننس نافذ کیا، جس کے بعد الحمدللہ پاکستان میں اب قادیانیت کا مسئلہ طے ہوگیا ہے، اب وہاں کسی قادیانی کو جرات نہیں ہے کہ وہ اسلام کے نام پر قادیانیت کا فریب دے سکے یا اسلامی اصطلاحات کو قادیانیت کے لئے استعمال کرے، یا اپنے آپ کو قادیانی بھی کہے مسلمان بھی کہے، جیسا کہ مولانا زاہد الراشدی صاحب مدظلہ نے ابھی آپ کو وہ آرڈیننس پڑھ کر سنایا ہے۔

مسلمانان برطانیہ کی ذمہ داری

لیکن اے مسلمانان برطانیہ! اب آزمائش آپ کے کندھوں پر آگئی ہے،

برصغیر کے مسلمانوں نے اللہ کے فضل وکرم سے اس فتنے کی سرکوبی کر کے وہاں سے اسے جلا وطن کر دیا ہے۔ اب یہ فتنہ اور فراڈ، اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ دشمن ٹولہ یہاں آپ کے انگلینڈ میں آ گیا ہے، یہاں اس نے اپنا سب سے بڑا مرکز بنایا ہے، اور یہاں سے وہ یورپ اور امریکہ میں نوجوانوں میں عقیدۂ ختم نبوت کے خلاف تحریک چلا رہا ہے، پاکستان، بنگلہ دیش اور انڈیا میں ناکام ہونے کے بعد انہوں نے اپنا مرکز لندن کو بنایا ہے اور بہت سوچ سمجھ کر انہوں نے یورپ کے مسلمانوں کو نشانہ بنانے کا یہ قدم اٹھایا ہے، کیونکہ یہاں اسلام دشمن طاقتیں ان کی سرپرستی کے لئے موجود ہیں، اب دیکھئے کس کس طریقہ سے یہ اپنی باطل تحریک قادیانیت کی تبلیغ کر رہے ہیں، کئی یورپین ممالک کسی پاکستانی یا ہندوستانی کو آسانی سے ویزہ نہیں دیتے، لیکن ان ممالک میں قادیانیوں کو یہ مراعات حاصل ہیں کہ اگر وہ کسی کی سفارش کر دیں اور ذمہ داری لے لیں تو اس کو بہت آسانی سے یہاں ملازمت کرنے کا ویزہ مل جاتا ہے۔ یہ نوجوانوں کو کہتے ہیں، دیکھو! تم کو ویزہ دلوا دیں گی، پرمٹ ویزہ دلوا دیں گے، تم اس فارم پر دستخط کر دو، اس فارم میں اس بات کا عہد لیا جاتا ہے کہ وہ ''احمدی'' ہے، بہت سے نوجوان قادیانیت کا شکار اسی طریقے سے ہوئے ہیں۔ جب ان سے کہا گیا کہ بندۂ خدا تم کفر نامہ پر دستخط کر رہے ہو؟ تو وہ کہتے ہیں کہ ہم تو دستخط ایسے ہی جھوٹ موٹ کر رہے ہیں۔ دل میں تو ہمارے ایمان ہے، لیکن یاد رکھئے جو شخص کھلا ہوا صریح کلمۂ کفر قلم یا زبان سے نکالتا ہے تو جب تک وہ اس کفر سے اپنی مکمل علیحدگی کا مظاہرہ نہیں کرے گا، دنیا میں اسے قادیانی ہی سمجھا جائے گا، کیونکہ اس نے کھلے کفر پر دستخط کئے ہیں۔

یہاں ایمان والوں کے ایمان پر ڈاکے ڈالے جا رہے ہیں۔ اب یہ ساری ذمہ داری یورپ میں بسنے والے مسلمانوں پر آ گئی ہے، خاص طور پر برطانیہ میں بسنے

والے مسلمانوں کی ذمہ داری سب سے زیادہ ہے کہ وہ ان نقش قدم پر چلیں جو پاکستان کے مسلمانوں نے آپ حضرات کے لئے تاریخ پر ثبت کردیئے ہیں۔ اپنے بچوں اور اپنے نسلوں کو اس فتنے سے بچانے کے لئے جو اقدامات ہوسکتے ہیں کئے جائیں، اپنی تعلیمی اداروں میں اس فتنہ سے ہمارے طلبہ اور طالبات کو باخبر کیا جائے۔ خاص طور پر ہمارے نوجوانوں کو پھانسنے کے لئے ان کی لڑکیوں کا حربہ بڑا خطرناک ہے، اس پر خصوصی نظر رکھی جائے، اللہ تعالیٰ آپ سب حضرات کا حامی وناصر ہو، میں اپنی گذارشات اسی دعا پر ختم کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ برطانیہ، یورپ اور امریکہ کے مسلمانوں کو اس خطرناک فتنے سے محفوظ رکھے، آمین!

وآخر دعوانا ان الحمد للہ ربّ العلمین

محمد عربی انسائیکلو پیڈیا کی غیر معمولی مقبولیت کے بعد ڈاکٹر ذوالفقار کاظم کے شاندار قلم سے قرآنِ حکیم سے متعلق بھر پور معلومات پر مبنی مستند حوالا جات کے ساتھ سوالاً جواباً لکھی جانے والی اپنی نوعیت کی سب سے مفصل، مدلل اور ضخیم کتاب۔

قرآنِ حکیم

اِنسائیکلوپیڈیا

(جس میں مندرجہ ذیل موضوعات پر بھر پور معلومات موجود ہیں)

تاریخ قرآن ☆ نزول قرآن ☆ جمع قرآن ☆ مقامات نزول ☆ اسماء القرآن ☆ انبیائے قرآن ☆ قصص القرآن ☆ علوم القرآن ☆ احکام قرآن ☆ مضامین قرآن ☆ آیات قرآن ☆ قرآنی دعائیں ☆ قرآن اور آسمانی کتب ☆ قرآن اور اقوام عالم ☆ قرآن اور معاشرتی نظام ☆ قرآن کے تراجم وتفاسیر ☆ قرآن کا انداز بیان ☆ معجزات قرآن ☆ عجائبات قرآن ☆ قرآن کی پیشگوئیاں ☆ تعلیمات قرآن ☆ قرآن کے بارے میں تاثرات ونظریات ☆ قرآن اور امہات المومنینؓ ☆ قرآن اور صحابہ کرامؓ ☆ قرآن اور انسان ☆ قرآن اور فرشتے ☆ قرآن اور جنات ☆ نباتات قرآنی ☆ حیوانات قرآنی ☆ معدنیات قرآنی ☆ قرآن اور کائنات ☆ قرآن اور سائنس ☆ قرآن اور ماحولیات ☆ قرآن اور سیرۃ النبیؐ ☆ قرآن اور صفات الٰہی ☆ ان کے علاوہ بہت سے دیگر موضوعات

☆ دینی مدارس، سکولوں اور کالجوں کے طلباء واساتذہ کے لئے مختصر وقت میں زیادہ معلومات حاصل کرنے کا ذریعہ۔

☆ قرآن کوئز پروگراموں اور دوسرے معلوماتی مقابلوں اور امتحانات میں شرکت کرنے والے خواتین وحضرات کے لئے انتہائی اہم کتاب۔

بیت العلوم کی مطبوعات ایک نظر میں

إِنَّ مِنَ الْبَيَانِ لَسِحْرًا

اِصلاحی تقریریں

عمل پر اُبھارنے والی عام فہم اور فکر انگیز تقاریر
علماء، خطباء اور عوام کے لیے یکساں مفید

- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی چار اہم نصیحتیں
- سُنت کا مفہوم اور اتباعِ سُنت کی اہمیت
- سُنت کا مقام اور فتنۂ انکارِ حدیث
- حج کے بعد زندگی کیسے گذاریں
- دینی تعلیم اور عصبیت
- دو کمزور — یتیم اور عورت
- دارالعلوم دیوبند سے دارالعلوم کراچی تک
- اللہ تعالیٰ کی بے شمار نعمتیں
- تغیر پذیر حالات میں اجتماعی اجتہاد کی ضرورت
- عظمتِ مدارسِ دینیہ

جلد چہارم

مفتی اعظم پاکستان مولانا محمد رفیع عثمانی مدظلہم

بیت العلوم

۲۰- نابھہ روڈ، پُرانی انارکلی لاہور- فون: ۷۳۵۲۴۸۳

اِصلاحی تقریریں

عمل پر اُبھارنے والی عام فہم اور فکر انگیز تقاریر
علماء، خطباء اور عوام کے لیے یکساں مفید

جلد چہارم

مفتی اعظم پاکستان مولانا محمد رفیع عثمانی مدظلہم

مرتب:
مولانا اعجاز احمد صمدانی

بیت العلوم
۲۰- نابھہ روڈ، پرانی انارکلی لاہور۔ فون: ۷۳۵۲۴۸۳

﴿جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں﴾

نام کتاب	اصلاحی تقریریں
جلد	چہارم
مقرر	حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی مدظلہ
ضبط وترتیب	مولانا اعجاز احمد صمدانی
باہتمام	محمد ناظم اشرف
ناشر	بیت العلوم ۔ ۲۰ نابھہ روڈ، چوک پرانی انارکلی، لاہور
	فون: ۷۳۵۲۴۸۳

﴿ملنے کے پتے﴾

بیت العلوم = ۲۰ نابھہ روڈ، پرانی انارکلی، لاہور
ادارہ اسلامیات = ۱۹۰ انارکلی، لاہور
ادارہ اسلامیات = موہن روڈ چوک اردو بازار، کراچی
دارالاشاعت = اردو بازار کراچی نمبر ا
بیت القرآن = اردو بازار کراچی نمبر ا
بیت الکتب = گلشن اقبال، کراچی
ادارۃ المعارف = ڈاک خانہ دارالعلوم کورنگی کراچی نمبر ۱۴
مکتبہ دارالعلوم = جامعہ دارالعلوم کورنگی کراچی نمبر ۱۴
مکتبہ سید احمد شہید = الکریم مارکیٹ، اردو بازار، لاہور
مکتبہ رحمانیہ = غزنی سٹریٹ، اردو بازار، لاہور

پیش لفظ

حضرت مفتی اعظم پاکستان مولانا محمد رفیع عثمانی مدظلہ

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

مجھ جیسے ناچیز کی زبان سے نکلی ہوئی باتیں تو اس قابل بھی نہ تھیں کہ ان کو ''تقریریں'' کہا جاتا، چہ جائیکہ انہیں ''اصلاحی تقریریں'' کا عظیم الشان نام دے کر کتابی شکل میں شائع کیا جائے۔ لیکن اہل محبت کا حسن ظن ہے کہ وہ ان کو ٹیپ ریکارڈ پر محفوظ کر لیتے ہیں۔

عزیز القدر مولوی محمد ناظم سلمہ نے جو دار العلوم کراچی کے ہونہار فاضل، اور ''جامعہ اشرفیہ لاہور'' کے مقبول استاذ ہیں، کئی سال سے ان ٹیپ شدہ تقریروں کو ضبط تحریر میں لاکر اپنے ادارے بیت العلوم لاہور سے شائع کرنے کا سلسلہ جاری کیا ہوا ہے اور اب تک اس سلسلے کے چار درجن سے زیادہ کتابچے شائع کر چکے ہیں، اور اب ان میں سے کچھ مطبوعہ کتابچوں کا ایک مجموعہ ''اصلاحی تقریریں (جلد چہارم)'' کے نام سے شائع کر رہے ہیں۔

یہ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ ماشاء اللہ انہوں نے ٹیپ ریکارڈ سے نقل کرنے میں

بڑی کاوش اور احتیاط سے کام لیا ہے اور ذیلی عنوانات بڑھا کر ان کی افادیت میں اضافہ کر دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی اس محنت کو شرفِ قبولیت سے نوازے اور ان کے علم وعمل اور عمر میں برکت عطاء فرمائے، اور اس کتاب کو قارئین کے نافع بنا کر ہم سب کے لئے صدقہ جاریہ بنادے اور ''بیت العلوم'' کو دینی اور دنیاوی ترقیات سے مالامال کردے۔

والله المستعان

بسم اللہ الرحمن الرحیم

﴿عرض ناشر﴾

مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب مدظلہ ملک و بیرون ملک ایک جانی پہچانی علمی اور روحانی شخصیت ہیں۔ آنجناب ملک کی مشہور دینی درسگاہ ''دارلعلوم کراچی'' کے مہتمم اور اسلامی نظریاتی کونسل کے ایک فعال ممبر ہونے کے علاوہ کئی جہادی، اصلاحی اور تعلیمی تنظیموں کے سرپرست ہیں۔ آپ مفسر قرآن مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ کے فرزند ارجمند اور عارف باللہ حضرت ڈاکٹر عبدالحئی عارفی صاحبؒ کے ممتاز اور اخص الخواص خلفاء میں سے ہیں۔ ان تمام خوبیوں کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ نے حضرت مفتی صاحب مدظلہ کو حسن خطابت سے خوب خوب نوازا ہے۔ ہر موقعہ پر پراثر اور دلنشین پیرائے میں ہر سطح کے سامع کو بات سمجھانا حضرت کا خصوصی کمال ہے جو اس قحط الرجالی کے دور میں کہیں کہیں نظر آتا ہے۔ پھر بزرگوں کی صحبت کی برکت سے لوگوں کی اصلاح کا جذبہ کہ کسی طرح لوگ روحانی طور پر درست ہوجائیں حضرت کے بیانات کا لازمی حصہ ہے۔ گویا حضرت کے خطبات و بیانات شریعت وطریقت کا ایک حسین امتزاج ہوتے ہیں۔ جن میں عالمانہ تحقیق، فقیہانہ نکتہ وری کے ساتھ ساتھ، ایک بلند پایہ صوفی، مصلح اور مربی کی سوچ بھی جلوہ نما ہوتی ہے۔

الحمدللہ ''بیت العلوم'' کو یہ شرف حاصل ہوا کہ پہلی مرتبہ حضرت کے ان اصلاحی، پرمغز اور آسان بیانات کو حضرت مفتی صاحب مدظلہ کے تجویز کردہ نام ''اصلاحی تقریریں'' کے نام سے شائع کررہا ہے۔ اصلاحی تقریریں جلد اول' دوم اور سوم کی غیر معمولی مقبولیت کے بعد اب جلد چہارم آپ کے سامنے ہے۔ جس میں

حضرت کے کچھ بیانات لاہور، کراچی اور دوسرے ملکی و غیر ملکی مقامات کے شامل ہیں۔ اس کتاب کی ضبط وترتیب کا کام مولانا اعجاز احمد صمدانی (فاضل جامعہ دارالعلوم کراچی) نے انجام دیا ہے۔ اس میں حتی الوسع ضبط وترتیب کا خیال رکھا گیا ہے اور آیات واحادیث کی تخریج بھی کردی گئی ہے، پھر بھی اگر کوئی غلطی نظر سے گزرے توبراہ کرام مطلع فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ ''بیت العلوم'' کی اس کاوش کوقبول فرمائے اور ہم سب کوعمل کی توفیق عطا فرمائے اور حضرت مفتی صاحب مدظلہ کوصحتِ عافیت عطا فرمائے تاکہ ہم حضرت کے بیانات سے زیادہ سے زیادہ مستفید ہوسکیں۔

آمین

والسلام

محمد ناظم اشرف

مدیر ''بیت العلوم''

اجمالی فہرست

اصلاحی تقریریں

(جلد چہارم)

فہرست

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی چار اہم نصیحتیں

﴿سنت کا مفہوم اور اتباع سنت کی اہمیت﴾

سنت کا مقام اور فتنہ انکارِ حدیث

حج کے بعد زندگی کیسے گذاریں؟

اللہ تعالیٰ کی بے شمار نعمتیں

﴿دو کمزور۔ یتیم اور عورت﴾

﴿دارالعلوم دیوبند سے دارالعلوم کراچی تک﴾

دینی تعلیم اور عصبیت

تغیر پذیر حالات میں اجتماعی اجتہاد کی ضرورت

﴿عظمتِ مدارسِ دینیہ﴾

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
کی چار اہم نصیحتیں

موضوع	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی چار اہم نصیحتیں
مقرر	حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی مدظلہ
مقام	مدرسۃ البنات، جامعہ دارالعلوم کراچی
تاریخ	۱۶ جمادی الاول ۱۴۲۳ھ
ضبط وترتیب	مولانا اعجاز احمد صمدانی
باہتمام	محمد ناظم اشرف

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی چار اہم نصیحتیں

۱۔ تقویٰ کا اہتمام　　۲۔ امیر کی اطاعت

۳۔ سنت پر عمل　　۴۔ بدعت سے اجتناب

خطبہ:

نحمدهٗ ونصلّی علٰی رسولہٖ الکریم،

امابعد!

عن أبی نجیح العرباض بن ساریه رضی الله عنه قال:" وَعَظَنَا رسولُ اللّٰهِ صلی الله علیه وسلم موعظَةً بليغَةً وَجِلَتْ منها القلوب وذَرَفَت منه العُيون فقلنا: يارسول الله كأنّها موعظة مودّع فأوصينا۔ قال: " أوصيكم بتقوى الله، والسمع والطاعة انْ تأمّر عليكم عبدٌ حبشيٌّ وانّه من يعش منكم فسيرى اختلافًا كثيراً۔ فعليكم بسنّتي وسنة

الخلفاء الراشدين المهديين، عضوا عليها بالنواجذ وايا كم ومحدثات الأمور فان كل بدعةٍ ضلالةٌ

(رواه ابوداود رقم الحديث(٤٤٤٣) باب فی لزوم السنة، والترمذی باب ماجاء فی الا خذ بالسنة واجتناب البدع رقم الحديث ٢٦٨١)

ترجمہ:

''حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں بڑا بلیغ وعظ فرمایا جس سے دل ڈر گئے اور آنکھیں بہہ پڑیں۔ ہم نے عرض کیا یارسول اللہ! آپ نے یہ ایسا وعظ فرمایا جیسے کوئی رخصت ہونے والا وعظ ونصیحت کرتا ہے۔ آپ ہمیں کچھ نصیحت فرمائیں۔ آپ نے فرمایا کہ میں تمہیں وصیت کرتا ہوں کہ اللہ سے ڈرو اور امیر کی بات سننے اور اس کی اطاعت کرنے کی، اگرچہ تم پر زبردستی ایک حبشی کو امیر کیوں نہ بنایا جائے اور جو تم میں سے زندہ رہے گا۔ وہ بہت سے اختلافات دیکھے گا پس تم لازم پکڑو میری سنت اور میرے خلفاءِ راشدین جو ہدایت یافتہ ہیں، ان کی سنت کو اور اسے اپنی داڑھوں سے پکڑ لو اور بچاؤ تم اپنے آپ کو نئی نئی باتوں سے، کیونکہ ہر بدعت گمراہی ہے۔''

تمہید:

سنت کی اہمیت اور حجیت کے متعلق بیان چل رہا تھا۔ اس ذیل میں چند آیات اور ایک حدیث کا بیان ہو چکا۔ آج دوسری حدیث کا بیان شروع کرتے ہیں۔ یہ روایت جلیل القدر صحابی حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

پہلی نصیحت: تقویٰ کا حکم:

اس حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے چند نصیحتیں فرمائی ہیں۔ ان نصیحتوں میں آپ نے سب سے پہلا جملہ یہ ارشاد فرمایا" أوصیکم بتقوی اللہ" (میں تمہیں اللہ سے ڈرنے کی وصیت کرتا ہوں) یہ ایسا فصیح اور بلیغ جملہ ہے کہ اگر آپ اس کے علاوہ اور کچھ بھی ارشاد نہ فرماتے تو بھی یہ جملہ کافی تھا۔ اس لئے کہ یہ ایک ایسا جملہ ہے کہ پورا دین اس کے اندر آ گیا ہے۔ اللہ سے ڈرنے کا حاصل یہ ہے کہ اس کی نافرمانی سے بچا جائے اور اللہ کی نافرمانی سے بچنے کا مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جن چیزوں کے کرنے کا حکم دیا ہے وہ کرو اور جن سے منع کیا ہے یعنی گناہ کے کام ان سے بچو۔ یہی تو سارا دین ہے۔ عقیدہ وہ رکھو جو اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ نے بتلایا ہے۔ وہ نہ رکھو جس سے اللہ نے روک دیا ہے۔ نماز ویسی پڑھو جیسی اللہ اور اس کے رسول نے بتلائی۔ اس کے برخلاف نہ کرو۔ سارے اعمال ظاہرہ ویسے کرو جیسے کرنے کا حکم دیا گیا اور جن سے منع کیا گیا ان سے رک جاؤ۔ تمام فرائض وواجبات اور سنن اس میں آ گئیں اور تمام حرام ومکروہات سے بچنا اس کے اندر آ گیا۔

اصلاحِ معاشرہ کے لئے اکسیر نسخہ:

یہی ایک ایسی چیز ہے کہ اگر اسلامی معاشرے کے تمام طبقات مثلاً علماء، اساتذہ، حکام، مفتیانِ کرام، سیاسی زعماء اسے اپنا مطمحِ نظر بنا کر مشترک پالیسی بنالیں اور یہ فیصلہ کرلیں کہ ہم نے اسی کے مطابق عمل کرنا ہے تو پورے معاشرے کی اصلاح ہوجائے گی۔ نہ چوری باقی رہے گی اور نہ ڈکیتی، نہ رشوت باقی رہے گی اور نہ ناجائز سفارشات، پورے معاشرے اور ملک میں امن وامان قائم ہوجائے گا۔ جو کچھ بدنظمی،

بدامنی، نااتفاقیاں، قتل وغارت گری، چوری ڈکیتی اور سرکاری دفاتر، عدالتوں اور ہسپتالوں میں بدعنوانیاں نظر آرہی ہیں وہ سب اس ایک جملے سے صرف نظر کرنے کی وجہ سے ہیں۔ وہ جملہ یہی ہے " أوصيكم بتقوى الله" (میں تمہیں وصیت کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہنا) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں وصیت کرکے گئے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے بچنا۔

رشوت اور دیگر جرائم کی روک تھام کیسے ہو؟:

آج کمیشن پر کمیشن قائم ہورہے ہیں۔ صوبائی محتسب ہے پھر محتسب اعلیٰ ہے، عدالتیں چھوٹی، پھر بڑی پھر اس سے بڑی یہاں تک کہ سپریم کورٹ۔ اسی طرح رشوت کی روک تھام کے لئے مختلف قسم کے ادارے قائم ہورہے ہیں۔ ان سب چیزوں سے مسئلہ حل نہیں ہوگا بلکہ یہ مسئلہ حل ہوگا خدا کا خوف پیدا کرنے سے۔ حضرت والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ کی بات یاد آئی۔ یہ ۱۹۵۰ء کی دہائی کی بات ہے۔ پاکستان بنے ہوئے ابھی چند سال ہوئے تھے۔ اس زمانے میں ضلع کا بڑا حکمران ڈی سی کے بجائے کلکٹر کہلاتا تھا۔ یہ نام انگریز کے زمانے سے چلا آرہا تھا اور اس وقت تک یہی نام برقرار تھا۔ اس زمانے کے کلکٹر والد صاحب سے اچھا تعلق رکھتے تھے۔ ایک روز والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے عرض کرنے لگے: مفتی صاحب! ہم نے رشوت خوری کی روک تھام کے لئے ایک کمیٹی بنادی ہے۔ والد صاحب نے پوچھا اس کمیٹی میں کتنے افراد ہیں۔ کہنے لگے: دس آدمیوں پر مشتمل ہے۔ والد صاحب نے فرمایا کہ آپ نے رشوت کھانے والوں میں دس آدمیوں کا اور اضافہ کردیا۔ ان کی رشوت کا پتہ لگانے کے لئے پھر آپ کو ایک اور کمیٹی بنانی پڑیگی اور پھر ان کی رشوتوں کی خبر گیری کے لئے ایک اور کمیشن بنانا ہوگا (هلم جراً) اس طرح لامتناہی سلسلہ

شروع ہوجائے گا۔

کمیٹیوں کے قائم کرنے سے مسئلہ حل ہونے والا نہیں بلکہ اس کے لئے ضروری کہ معاشرے میں خدا کا خوف پیدا کرو۔ اللہ کی حکمرانی کا تصور قائم کراؤ اور یہ تصور پیدا کراؤ کہ اللہ تعالیٰ ہر وقت دیکھ رہا ہے اور ہماری ہر بات کو سن رہا ہے۔ سب کچھ ریکارڈ میں محفوظ ہو رہا ہے۔ سب کچھ دکھایا جائے گا اور ایک ایک چیز کا جواب دینا پڑے گا۔ جب تک آپ لوگوں کے دلوں کے اندر جوابدہی کا احساس پیدا نہیں کریں گے آپ لوگوں کو جرائم سے نہیں روک سکتے۔

روزہ تقویٰ کی اعلیٰ مثال:

میں اس کی مثال دیا کرتا ہوں کہ ہم لوگ الحمدللہ رمضان المبارک میں روزے رکھتے ہیں۔ آج کل تو خیر سردیوں کے رمضان ہیں لیکن جب گرمیوں کے رمضان ہوتے ہیں تو دوپہر کے وقت پیاس کی وجہ سے برا حشر ہوتا ہے۔ حلق میں کانٹے جمے رہتے ہیں، پیاس کی شدت کی وجہ سے بات کرنے کو جی نہیں چاہتا، بات کرنا دوبھر محسوس ہوتا ہے۔ اس حالت میں آپ ٹھنڈے ٹھنڈے پانی سے وضو کرتے ہیں لیکن جب اس سے کلی کرتے ہیں تو بہت احتیاط کرتے ہیں کہ کہیں کوئی قطرہ منہ کے اندر نہ چلا جائے حالانکہ اگر آپ پانی کا ایک گھونٹ حلق میں اتار لیں تو کسی انسان کو بھی اس کا علم نہ ہوگا اور غسل خانے میں جاکر یہ کاروائی کریں تو بالکل ہی آسان ہے لیکن آپ کتنی احتیاط کرتے ہیں۔ ذرا سا خطرہ بھی محسوس ہو کہ کوئی قطرہ حلق کے قریب پہنچ گیا تو خا، خا کرکے اس کو تھوکتے ہیں۔ یہ کیا ہے!! یہاں کوئی پولیس آئی ہوئی ہے؟ کوئی انٹی کرپشن کمیٹی کے لوگ معائنہ کر رہے ہیں؟ یا فوج اور عدالت کے افراد موجود ہیں؟ کچھ بھی نہیں، یہ صرف اور صرف خدا کا خوف ہے۔

تقویٰ ہے بس یہ تصور ہوتا ہے کہ جس کیلئے میں نے روزہ رکھا وہ مجھے دیکھ رہا ہے۔ اس لئے وہ پانی کا گھونٹ تک نہیں پیتا۔

پس ہمارے تقویٰ کی جو کیفیت روزے کے دوران ہوتی ہے۔ اگر زندگی کے ہر حال میں ہماری وہی کیفیت پیدا ہوجائے تو پورے معاشرے کی اصلاح ہوجائے۔ چنانچہ جب ہم دفتر میں کام کررہے ہوں تو ہمیں اس بات کا احساس ہو کہ ہمیں اس وقت کی تنخواہ مل رہی ہے جو ہم یہاں دے رہے ہیں۔ ہمارا یہ وقت سرکاری کاموں میں ہی خرچ ہو، ڈیوٹی کے علاوہ کسی اور کام میں خرچ نہ ہو، بے کار کی گپ شپ میں، ذاتی کاموں میں، ذاتی خط لکھنے وغیرہ میں نہ خرچ ہوجائے اور یہ ڈر لگا رہے کہ اللہ تعالیٰ دیکھ رہا ہے۔

افسر کا ڈر......!!

آج کل بڑی بڑی تجارتی فرمیں اور ادارے اپنے ہاں لگالیتے ہیں۔ تو اس کی سکرین پر اس ادارے کے متعلق سب کچھ آتا رہتا ہے۔ مثلاً پانچ منزلہ عمارت ہے اور اس میں کئی شعبے ہیں تو ہر شعبہ نظر آتا رہتا ہے اور پتہ چلتا رہتا ہے کہ کون آرہا ہے، کون جارہا ہے، کون کیا کررہا ہے وغیرہ۔ نتیجہ یہ کہ سارے ملازمین چوکس رہتے ہیں۔ نہ ٹیلی فون پر کسی سے غیرضروری بات کرتے ہیں اور نہ آنے جانے والوں میں سے کسی سے فضول باتیں کرتے ہیں کیونکہ انہیں معلوم ہوتا ہے کہ انہیں دیکھا جارہا ہے۔ اگر ہر ایک کے اندر یہی تصور اللہ رب العالمین کے بارے میں رہنے لگے کہ وہ مجھے ہر وقت دیکھ رہا ہے میری ہر بات سنی جارہی ہے اور میری ہر بات ریکارڈ ہورہی ہے تو پھر کام چوری مکمل طور پر ختم ہوجائے گی اور کام چوری کے خاتمے کے نتیجے میں دفاتر کا سارا نظام ٹھیک ہوجائے گا۔ تعلیمی اداروں میں طلبہ کو تعلیم ملنے لگے گی۔

ہسپتالوں میں مریضوں کو علاج ملنے لگے گا۔ عدالتوں میں لوگوں کو انصاف ملنے لگے گا۔ بلدیاتی اداروں سے شہروں کے مسائل حل ہونے لگیں گے۔ پولیس سے لوگوں کو تحفظ ملنے لگے گا اور چوری ڈکیتی کا خاتمہ ہوجائے گا۔ پولیس والوں کے بارے میں مشہور ہے کہ پولیس والا اپنے افسر کے علاوہ کسی سے نہیں ڈرتا۔ پولیس والا جتنا اپنے افسر سے ڈرتا ہے اگر اتنا وہ اپنے خدا سے ڈرنے لگے تو معاملہ آسان ہوجائے گا۔ افسر سے ڈرنے کا اتنا فائدہ نہیں ہوتا کیونکہ وہ ہر بات دیکھتا اور سنتا نہیں جبکہ اللہ تعالیٰ ہر بات دیکھتا اور سنتا ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ دنیا کے مسائل کا حل ''تقویٰ'' ہے۔ خدا کے خوف اور تقویٰ کے بغیر دنیا میں امن وامان قائم ہو ہی نہیں سکتا۔

اُولوالامر کی اطاعت:

اس کے بعد فرمایا "والسمع والطاعة" (اور سمع وطاعت کی بھی تمہیں نصیحت کرتا ہوں) اس کی تشریح بھی ذرا سمجھ لیجئے۔ ''سمع'' کے معنی ہیں سننا اور ''طاعت'' معنی ہیں قبول کرنا اور اس کے مطابق عمل کرنا۔ کس کی سمع وطاعت؟ اللہ اور اس کے رسول کی اور أولوالامر (حکام) کی۔ قرآن مجید میں ایک جگہ ارشاد ہے:

﴿یاایھا الذین امنوا اطیعوا اللہ واطیعواالرسول واولی الأمر منکم﴾ (النساء،۵۹)

''اے ایمان والو! خدا اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرو اور جو تم میں سے صاحبِ حکومت ہیں، ان کی بھی''۔

"أولوالأمر" سے کون مراد ہیں؟:

"أولوالامر" سے کون کون لوگ مراد ہیں؟ اس سلسلے میں مختلف اقوال ہیں۔

تحقیقی بات یہ ہے کہ حکومت کے معاملات میں حکام اور افسران جبکہ شریعت کے مسائل میں علماء کرام اور مفتیان عظام اُولوالامر ہیں۔ انتظامی معاملات میں حکومت کا حکم چلے گا۔ جبکہ جائز وناجائز میں حکم چلے گا مفتی صاحبان کا۔ حکومت کے لوگوں کی ذمہ داری ہے کہ وہ جائز وناجائز کے بارے میں علماء سے پوچھتے رہیں اور علماء کرام کی ذمہ داری ہے کہ حکومت شرعی حدود کے اندر جو حکم نافذ کرے اس کی خلاف ورزی نہ کریں۔

غلام کو امیر کی اطاعت کا حکم:

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ''سمع وطاعت'' کے حکم میں مزید تاکید پیدا کرنے کے لئے فرمایا کہ اگرچہ تم پر زبردستی کوئی غلام امیر بن بیٹھے۔ آج کل دنیا میں غلام باقی نہیں رہے لیکن ایک وقت تھا کہ دنیا میں غلام بھی پائے جاتے تھے۔ شریعت کا قانون یہ ہے کہ کسی غلام کو سربراہِ مملکت بنانا یا اس کا ازخود بن جانا جائز نہیں۔ آزاد آدمی ہی کو امیر بنایا جائے، لیکن فرض کریں کہ اگر کوئی غلام زبردستی طاقت کے ذریعے مسلط ہوگیا اور سربراہ بن بیٹھا تو اب جائز امور میں اس کی اطاعت بھی واجب ہوجائے گی۔ چونکہ اس کے لئے سربراہ بننا جائز نہیں تھا اس لئے اسے تو گناہ ہوگا اور آخرت میں اس بات کی پکڑ ہوگی کہ جب تیرے لئے سربراہ مملکت بننا جائز نہیں تو تو کیوں سربراہ بنا لیکن ہم پر جائز امور میں اس کی اطاعت واجب ہوگی اور اس کی خلاف ورزی جائز نہیں ہوگی۔

ایک اور حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

''اپنے امیر کی اطاعت کرو اگرچہ اس کے منہ کے اعضاء کٹے ہوئے ہوں۔'' (مسلم، کتاب الامارہ)

ظاہر ہے کہ جس کے منہ کے اعضاء کٹے ہوں کہ ناک بھی کٹی ہوئی۔ کان بھی کٹا ہوا۔ آنکھ بھی پھوٹی ہوئی تو وہ کس کام کا امیر ہوگا لیکن آپ نے اس کی بھی اطاعت کرنے کا حکم دیا حالانکہ اس شخص کے اندر امیر بننے کی اہلیت نہیں اس لئے کہ امیر بننے کے لئے شرط یہ ہے کہ وہ نابینا نہ ہو۔ اس کی سماعت ٹھیک ہو۔ زبان صحیح ہو، وہ بول اور سن سکے لیکن اگر وہ زبردستی امیر بن گیا یا کسی نے اس کو امیر بنادیا تو اب جائز امور میں اس کی اطاعت واجب ہوگی۔

موجودہ حکام کی اطاعت کی تفصیل:

اسی سے آج کل کے حکام کا مسئلہ سمجھ لیجئے کہ اگر حکومت نے کسی نااہل شخص کو ڈپٹی کمشنر، کمشنر یا وزیر وغیرہ بنادیا یا خودکوئی زبردستی صدر بن گیا حالانکہ وہ اس کا اہل نہیں تھا۔ آج کل ناانصافیوں کا دور ہے اس لئے ایسا ہوتا رہتا ہے تو اس صورت میں جن لوگوں نے اسے اس عہدے پر فائز کیا، وہ گنہگار ہوں گے اور اگر یہ خود زبردستی اس عہدے پر آیا تو خود گنہگار ہوگا لیکن اس کے ماتحت افراد پر اس کی اطاعت واجب ہوگی بشرطیکہ اس کا حکم شریعت کے خلاف نہ ہو۔ جو حکم شریعت کے خلاف ہو، وہ نہیں مانا جائے گا۔ خواہ کسی کا ہو، باپ کا نہ ماں کا، عدالت کا نہ حاکم کا اور نہ کسی اور شخص کا۔

جائز امور میں اطاعت کی مثال:

البتہ صرف جائز امور میں ان کی اطاعت واجب ہے۔ اس کی مثال یوں سمجھئے کہ جیسے ٹریفک کے قوانین ہیں۔ ان قوانین کا ذکر قرآن وحدیث میں نہیں اور نہ ہی قرآن وسنت میں ان کی پابندی کرنے کا حکم دیا ہے۔ یہ حکم قانون کی کتابوں میں

ہے اور ''اولوالأمر'' نے اس پر عمل کرنے کا حکم دیا ہے۔ چونکہ یہ حکم ایسا ہے کہ جو شریعت کے خلاف نہیں بلکہ شریعت کے اعتبار سے پسندیدہ بھی ہے کیونکہ ان قوانین پر عمل کرنے سے لوگ تکالیف سے بچتے ہیں۔ اگر اس کی خلاف ورزی ہو تو حادثات وغیرہ ہوں گے۔ جس سے لوگوں کو تکلیف ہوگی۔ شریعت نے بھی لوگوں کو تکلیف پہنچانے سے منع کیا ہے۔ چنانچہ فقہاء کرام نے یہ مسئلہ بیان کیا ہے کہ عام حالات میں مسجد کے اندر نمازِ جنازہ پڑھنا مکروہ تحریمی ہے لیکن اگر باہر نماز جنازہ پڑھنے کے لئے سڑک یا گلی کے علاوہ کوئی جگہ نہیں۔ اور یہ خیال ہو کہ اگر وہاں نمازِ جنازہ پڑھی جائے تو ٹریفک رک جائے گا۔ لوگوں کی آمدورفت بند ہو جائے گی تو ایسی صورت میں علماء نے فرمایا ہے کہ نمازِ جنازہ مسجد میں ادا کی جائے تاکہ راستہ بند نہ ہو۔

چونکہ ٹریفک کے قوانین نہ صرف یہ کہ شریعت کے خلاف نہیں بلکہ شریعت میں پسندیدہ بھی ہیں۔ اس لئے ان کی پابندی کرنا واجب ہوگا۔

نظم وضبط کی شرعی حیثیت:

اسی کے ضمن میں ایک بات یہ سمجھ لیجئے کہ شریعت نے ہر چیز میں نظم وضبط رکھنے کا اہتمام کیا ہے مثلاً نماز کو دیکھ لیجئے، یہ ایک عبادت ہے۔ بندے اور اللہ تعالیٰ کا براہ راست تعلق ہے لیکن اس میں بھی ایک امام مقرر کیا گیا جس کی اقتداء میں نماز ادا کی جاتی ہے اور ایک رخ متعین کیا گیا۔ اگر یہ پابندی نہ ہوتی اور قبلے کا کوئی رخ متعین نہ کیا جاتا اور ہر ایک کو اختیار دیا جاتا کہ مسجد میں آنے کے بعد جس طرف چاہو، منہ کر کے کھڑے ہو جاؤ اور جس طرح چاہو کھڑے ہو جاؤ تو اس سے کیسی بدنظمی پھیلتی۔ شریعت نے اسے منظم کیا، صفیں بنوائیں، قبلہ کا رخ متعین کیا، ایک امام بنایا، اس سے ایک خوبصورت اور منظم شکل بن گئی۔ اس سے معلوم ہوا کہ شریعت کے ہاں

نظم وضبط پسندیدہ چیز ہے بدنظمی شریعت کے مزاج کے خلاف ہے۔

''امیر'' مقرر کرنے کی وجہ:

یہی وجہ ہے کہ شریعت نے نظم وضبط کو برقرار رکھنے کے لئے مختلف کاموں میں امراء مقرر کئے مثلاً حج میں آپ دیکھتے ہیں کہ ایک امیر الحج ہوتا ہے۔ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو امیر الحج بنا کر بھیجا۔ اسی طرح جتنے جہاد ہوتے تھے۔ آپ اس لشکر کے افراد میں سے کسی کو امیر مقرر فرماتے تھے۔ مبلغین کو بھیجتے تو ان میں ایک امیر مقرر کیا جاتا۔ یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

''اگر تم تین آدمی مل کر سفر کرو تو اپنے میں سے کسی ایک کو امیر بنالو''[1]

پھر جب کوئی امیر مقرر ہو جائے تو اس کی اطاعت واجب ہے۔ اس سے نظم وضبط برقرار رہتا ہے۔

مولانا حسین احمد مدنی رحمہ اللہ کا واقعہ:

اسی سے ایک عجیب واقعہ یاد آیا۔ حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمہ اللہ ہمارے اکابر اور بزرگوں میں سے ہیں۔ حضرت والد صاحب قدس سرہ فرمایا کرتے تھے کہ ''میں نے ان سے سبق تو نہیں پڑھا لیکن وہ میرے استادوں کے درجے کے بزرگ تھے۔'' اللہ تعالیٰ نے انہیں عجیب تواضع سے نوازا تھا۔ تواضع، زہد، مجاہدے، مشقت، اٹھانا یہ ان کے خاص وصف تھے۔ والد صاحب قدس سرہ نے بتلایا کہ ایک مرتبہ ہمارا ان کے ساتھ ایک سفر پیش آیا۔ جب ہم لوگ اکٹھے ہو گئے تو حضرت مدنی

---

[1] مشکوۃ باب آداب السفر، رقم الحدیث ۳۹۱۱

رحمہ اللہ نے فرمایا کہ بھائی! کوئی امیر مقرر کرلو۔ ہم نے عرض کیا۔ آپ امیر متعین ہیں۔ آپ ہم سب کے بڑے ہیں۔ چنانچہ آپ امیر مقرر ہوگئے۔ جب ریل آ کر کھڑی ہوئی تو اپنے سامان کے ساتھ کئی دوسروں کا سامان بھی اٹھایا۔ کچھ کندھے پر، کچھ بغل میں، کچھ کہیں، کچھ کہیں، کسی اور کو سامان نہیں دیا، سب کا سامان اپنے سر پر اٹھالیا حالانکہ آپ کے شرکاء میں آپ کے شاگرد بھی تھے اور مرید بھی۔ سب نے عرض کیا حضرت! یہ سامان ہم اٹھاتے ہیں۔ فرمایا: دیکھو، بات مان جاو، امیر کی اطاعت واجب ہے اور امیر کا حکم ہے کہ تم سامان نہ اٹھاو۔ اور فرمایا کہ:

﴿سید القوم خادمهم﴾

''قوم کا سردار ان کا خادم ہوتا ہے''۔

چنانچہ کسی کو سامان اٹھانے نہیں دیا اور خود ہی سارا سامان اٹھا کر وہاں لے گئے۔

حکومت سے اختلاف میں بھی حدود کی رعایت ضروری ہے:

آج کل یہ طریقہ چل پڑا ہے کہ جتنا حکومت کے خلاف بولا جائے، اتنی بہادری کی بات سمجھی جاتی ہے اور تعریف کی جاتی ہے کہ فلاں صاحب تو بڑے حق گو ہیں، انہوں نے تو حق ادا کردیا اور یہ بہت بڑے لیڈر ہیں۔ یہ کوئی اچھی بات نہیں ہے۔ اگر حکومت کے لوگوں سے اختلاف ہوتو اختلاف، اختلاف کے طریقے سے کیا جائے، قانون شکنی جائز نہیں، اور جائز امور میں ان کی نافرمانی جائز نہیں۔

ایک غلط فہمی اور اس کا ازالہ:

بہت سے لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ فاسق وفاجر حکام کی اطاعت واجب نہیں

ہوتی اور آج کل کے حکام تقریباً ایسے ہی ہیں۔ پاکستان کے حکام کو تو پھر بھی کچھ غنیمت سمجھو، دوسرے اکثر اسلامی ممالک میں اس سے بھی زیادہ حالت خراب ہے۔ تو یوں سمجھا جاتا ہے کہ ان حکام کی اطاعت ضروری نہیں کیونکہ یہ نماز نہیں پڑھتے، روزہ نہیں رکھتے۔ فلاں فلاں خرابی میں مبتلا ہیں۔ ویسے سب کے بارے میں یہ کہنا تو مشکل ہے کہ سب نماز نہیں پڑھتے اور روزہ نہیں رکھتے البتہ ظاہری حالات جو ہمارے سامنے ہیں۔ وہ اچھے نہیں، بڑے بڑے گناہوں میں ملوث نظر آتے ہیں۔ وضع قطع کے لحاظ سے بھی ان کی حالت اچھی نہیں لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ جائز امور میں بھی ان کی اطاعت نہ کی جائے۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

> ''امیر کی اطاعت کرو، خواہ تمہیں ان کا حکم پسند ہو یا ناپسند ہو اور ان سے لڑائی مت کرو مگر یہ کہ تم ان سے کھلا ہوا کفر دیکھو اور کفر بھی ایسا جس کی واضح دلیل تمہارے پاس ہو''۔
>
> (مسلم، کتاب الامارہ)

ایسی صورت میں ان کے خلاف بغاوت کی جائے گی اور ان سے طاقت کے ذریعے سے نمٹا جائے گا۔ لیکن جب تک یہ کیفیت نہیں، ان کے خلاف بغاوت بھی جائز نہیں اور جائز امور میں ان کی اطاعت بھی واجب ہے۔

کون کہاں امیر ہے؟

اسی سے یہ سمجھ لیجئے کہ جس حصے میں جس شخص کو اختیار دیا گیا ہے۔ اس حصے کا وہ امیر ہے اور اس حد تک اس کی اطاعت واجب ہے۔ درسگاہ میں استاذ امیر ہے۔ وہاں اس کی اطاعت واجب ہے۔ ہاسٹل میں اس کا نگران امیر ہے۔ وہاں اس

کی اطاعت واجب ہے۔ اسی طرح ادارے کا سربراہ وہاں کا امیر ہے، ادارے کے اندر اس کی اطاعت واجب ہے وغیرہ۔

اختلافِ امت کے وقت کرنے کا کام:

اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا:

''تم میں سے جو شخص زندہ رہے گا تو وہ بہت اختلافات دیکھے گا۔''

یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئی ہے۔ اختلافات کا دور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے دور سے شروع ہوا اور اس کے بعد اختلافات بڑھتے گئے۔ یہاں تک کہ آج کل اختلافات کی شدت ہمارے سامنے ہے۔ اس صورت میں ہمارے لئے کیا حکم ہے؟ تو اس کے بارے میں آپؐ نے فرمایا:

﴿فَعَلَيْكُمْ بِسُنَّتِيْ وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِيْنَ الْمَهْدِيِّيْنَ﴾

''لازم پکڑنا میری اور خلفاءِ راشدین کی سنت کو''۔

خلفاءِ راشدین کے فضائل:

خلفاءِ راشدین میں سب سے پہلے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ان کے بعد عمر فاروق رضی اللہ عنہ ان کے بعد عثمان غنی رضی اللہ عنہ اور ان کے بعد علی رضی اللہ عنہ ہیں۔ ان کو آپ نے خلفاء راشدین اور مہدیین کہا۔ یہ ان کے حق میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بہت بڑی شہادت ہے۔ اس جملے میں آپ نے ان کے تین فضائل بیان کئے۔

۱۔ خلفاء:۔ خلیفہ کے معنی ہیں جانشین۔ کس کے جانشین؟ سید الاولین والآخرین کے جانشین، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جانشین۔ ان جانشینوں کی اللہ کے ہاں کیا عظمت ہوگی۔

۲۔ راشدین: راشد کے معنی ہیں رُشد والا۔ اور رُشد کہتے ہیں ہدایت کو۔ راشدین کا مطلب ہے ہدایت والا۔ گویا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان چاروں صحابہ کے بارے میں گواہی دے دی کہ یہ لوگ ہدایت یافتہ ہیں۔ ہدایت کے خلاف کام نہیں کریں گے۔

۳۔ مہدیّین:۔ پھر اسی معنی کے اندر مزید تاکید پیدا کرنے کے لئے فرمایا مہدیین:۔ لفظ مہدی، ہدایت سے اسم مفعول ہے۔ مہدی اس شخص کو کہتے ہیں جسے ہدایت دے دی جائے۔ مہدیین، مہدی کی جمع ہے یعنی وہ لوگ جنہیں ہدایت دے دی گئی ہے۔

حق و باطل پہچاننے کی کسوٹی:

تو آپ نے ایک حل تجویز فرمادیا کہ جب امت میں اختلافات ہوں تو میرے اور خلفاءِ راشدین کے راستے کو اپنالو یہی جنت کا راستہ ہے۔ گویا حق و باطل کو پہچاننے کی ایک کسوٹی ہمارے ہاتھ میں دے دی کہ جب بھی اختلاف رائے سامنے آئے تو اس کا حل یہ ہے کہ یہ دیکھو کہ کونسی بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے مطابق ہے۔ جو سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق ہوئی، وہ درست ہوگی۔ بعض مرتبہ براہ راست رسول اللہ کی سنت میں اس کا ذکر نہیں ہوگا تو پھر خلفاء راشدین میں سے دیکھ لو کہ کس کی بات ان سے ملتی ہے۔ جو بات خلفاءِ راشدین کے مطابق ہوگی۔ وہ صحیح ہوگی۔ اس پر عمل کرنے سے اختلاف ختم ہو جائے گا۔

شیعہ سنّی اختلاف کی وجہ:

شیعہ سنی اختلاف بھی یہی ہے۔ سنی کہتے ہیں کہ ہم ''اہل السنّت والجماعۃ'' ہیں۔ جماعت سے مراد صحابہ کرام کی جماعت ہے۔ یعنی ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو حجت مانتے ہیں اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی سنت کو حجت سمجھتے ہیں۔ بعض مرتبہ ایک مسئلہ میں دو قسم کی روایات آجاتی ہیں اور کسی سے اس عمل کا جواز معلوم ہوتا ہے اور کسی دوسری روایت میں اس کا عدم جواز معلوم ہوتا ہے۔ ایسی صورت میں صحابہ کرام کا عمل دیکھا جاتا ہے۔ صحابہ کرام نے جس عمل کو اختیار کیا، ہم سمجھیں گے وہی ٹھیک ہے اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کو جتنا انہوں نے سمجھا، اتنا کوئی دوسرا نہیں سمجھ سکتا۔ تو ہم اہل السنّت والجماعت ہیں۔ جبکہ یہ شیعہ حضرات (اللہ تعالیٰ انہیں ہدایت عطا فرمائے) کہتے ہیں کہ ہم اہل بیت کو مانتے ہیں حالانکہ اہل بیت کو تو ہم بھی مانتے ہیں۔ اہلِ بیت تو ہمارے سر کے تاج ہیں اور خلفاءِ راشدین کو بھی مانتے ہیں لیکن یہ صرف اہل بیت ہی کو مانتے ہیں۔ اگر یہ بھی سب کو ماننے لگ جائیں تو اختلاف ختم ہو جائے گا۔

ایک دلچسپ واقعہ:

ایک واقعہ یاد آیا۔ یہاں عام طور پر جب عاشورہ کا موسم آتا ہے تو حکومتی افسران میٹنگ بلاتے ہیں۔ شیعہ سنی علماء کو جمع کرتے ہیں اور ضابطہ عمل طے کرتے ہیں۔ مولانا ادریس کاندھلوی رحمہ اللہ بہت بڑے عالم اور محدث تھے۔ جامعہ اشرفیہ لاہور میں پڑھاتے تھے۔ ان کے دور میں ایک مرتبہ گورنر نے میٹنگ بلوائی۔ شیعہ سنی علماء گئے۔ ان میں یہ بھی تھے۔ گورنر صاحب نے کہا کہ ہم نے امن وامان قائم کرنے

کے لئے آپ کو بلایا ہے۔ مولانا ادریس کاندھلوی رحمہ اللہ نے فرمایا: آپ نے مجھے کیوں بلایا۔ میں تو سنی ہوں۔ میں تو ان کے سارے بزرگوں کو مانتا ہوں اور سب سے محبت اپنے ایمان کا حصہ سمجھتا ہوں۔ لیکن یہ ہمارے بہت سے بزرگوں کو گالیاں دیتے ہیں۔ اگر آپ ان کو ٹھیک کردیں تو امن وامان قائم ہوجائے گا۔ باقی ہمیں بلانے کی کیا ضرورت ہے۔ واقعہ بھی یہی ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں اس گناہ سے بچنے کی توفیق دے دے۔

سنت کو مضبوطی سے پکڑنے کی ہدایت:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے آگے فرمایا:

﴿عضوا علیها بالنواجذ﴾

''میری اور خلفاءِ راشدین کی سنت کو) اپنی داڑھوں سے پکڑ لو''۔

جب کسی کو مضبوطی سے پکڑنے کے لئے کہا جاتا ہے تو عربی میں یوں کہا جاتا ہے کہ اسے نواجذ (داڑھوں) سے پکڑلو۔ یعنی اگلے دانتوں سے پکڑو گے تو اس بات کا خطرہ ہے کہ دانت ٹوٹ جائیں گے۔ داڑھ سے پکڑو گے تو مضبوطی رہے گی اور وہ چیز چھوٹے گی نہیں۔ گویا یہ فرمایا کہ میری اور خلفاءِ راشدین کی سنت کو اس طرح مضبوطی سے پکڑلو کہ وہ چھوٹنے نہ پائے۔

بدعت سے بچنے کا حکم:

اس کے بعد فرمایا:

وإيَّاكُم ومُحدثاتِ الأمُور فَإنَّ كُلَّ بِدْعَةٍ ضَلالَةٌ

بچاؤ تم اپنے آپ کو نئی نئی باتوں سے کیونکہ ہر بدعت گمراہی ہے۔

یعنی اگر کوئی شخص کسی شرعی دلیل کے بغیر دین کے اندر کوئی بات بڑھائے گا تو یہ بدعت ہے جو کہ حرام ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔

بدعت کے لغوی واصطلاحی معنی:

بدعت کے لغوی معنی ''نئی چیز'' کے ہیں۔ جو نئی چیز ایجاد کی گئی ہو، وہ لغوی معنی کے اعتبار سے بدعت ہے چنانچہ اس معنی کے اعتبار سے جہاز بھی بدعت ہے۔ ٹیلی فون اور مائیکروفون وغیرہ بھی بدعت ہیں۔ لیکن شریعت کی اصطلاح میں بدعت کا مطلب یہ ہے کہ جو چیز دین میں شامل نہیں، اُسے کوئی شخص کسی شرعی دلیل کے بغیر اپنی طرف سے دین میں شامل کر دے عمل کے طور پر یا عقیدے کے طور پر۔ تو یہ اضافہ جو اس نے اپنی طرف سے دین کے اندر کیا ''بدعت کہلائے گا۔''

کونسا اضافہ بدعت ہے؟:

اگر یہ نئی چیز کسی شرعی دلیل سے آئی ہو۔ مثلاً قرآن، حدیث، اجماع یا قیاس سے ثابت ہو رہی ہو تو وہ بدعت نہیں ہوگی کیونکہ وہ شرعی دلیل سے ثابت ہو رہی ہے۔ بدعت وہ چیز ہوتی ہے جو کسی شرعی دلیل کے بغیر ہو مثلاً کوئی شخص یوں کہے کہ صبح کے وقت آدمی خوب تازہ دم ہوتا ہے۔ کسی قسم کی تھکاوٹ نہیں ہوتی تو اس وقت دو رکعت فرض کے بجائے چار فرض ہونے چاہئیں۔ لہٰذا ہم چار رکعت فرض پڑھا کریں گے تو یہ اضافہ چونکہ شرعی دلیل کے بغیر ہے۔ اس لئے بدعت ہے اور ایسے اضافے کرنے والے کو جوتے پڑیں گے کہ تم کون ہو دین کے اندر اضافہ کرنے والے، دین

بنانے اور بھیجنے والے ہم ہیں۔ تم اپنی بقراطیت کو اپنے پاس رکھو۔

ایک غلط فہمی اور اس کا ازالہ:

بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ ہر نئی چیز کو بدعت کہتے ہیں۔ اس لئے وہ کہتے ہیں کہ صاحب! آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں مسجد نبوی کچی تھی۔ چھت کھجور کی شاخوں کی تھی اور فرش پر سنگریزے پڑے ہوئے تھے اور اب تم لوگوں نے اتنی عظیم الشان مسجدیں بنالی ہیں خود مسجدِ نبوی اور حرم کی مسجد کتنی عظیم الشان بن چکی ہیں۔ اسی طرح دنیا میں اور سینکڑوں پکی مساجد بنائی گئی ہیں تو پھر یہ بھی بدعت ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اگر ہر نئی چیز کو بدعت کہا جائے تو پھر تم خود بھی بدعت ہو اس لئے کہ تم بھی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں نہیں تھے۔

خوب سمجھ لیجئے! ہر نئی چیز کو بدعت نہیں کہتے، بدعت اس نئی چیز کو کہتے ہیں جو دین کے طور پر دین میں شامل کی جائے چنانچہ اگر کوئی شخص یہ کہے کہ کچی مسجد میں نماز پڑھنے کا ثواب کم ہے اور پکی مسجد میں نماز پڑھنا کا ثواب زیادہ ہے لہٰذا میں اس مقصد کے لئے پکی مسجد تعمیر کرتا ہوں تو یہ بدعت ہوگی، اس لئے کہ اس نے اپنی طرف سے شریعت کے اندر ایک حکم کا اضافہ کردیا وہ یہ کہ پکی مسجد میں نماز پڑھنے کا ثواب زیادہ ہے۔''

اس کے علاوہ دوسری بات یہ ہے کہ مسجد کو پکا بنانا حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے ثابت ہے۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ جلیل القدر صحابی اور خلفاءِ راشدین میں سے ہیں اور اسی حدیث کے شروع میں گذر چکا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ '' تم اپنے اوپر لازم پکڑ لو میری سنت کو اور خلفاء راشدین کی سنت کو'' تو چونکہ پکی مسجد بنانا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے فعل سے ثابت ہے تو گویا پکی مسجد کا بنانا خود

سنت سے ثابت ہوگیا۔

اور یہ بھی ثابت نہ ہوتا تب بھی اتنی بات تو ثابت ہے کہ مسلمانوں کو راحت پہنچانا ثواب کا کام ہے۔ یہ بات قرآن اور حدیث دونوں سے ثابت ہے اور پکی مسجد بننے سے ظاہر ہے کہ نمازیوں کو راحت ملے گی تو اس طرح قرآنی آیات اور احادیث کے عموم سے مسجد کے پکا بنانے کا جواز بھی ثابت ہوگیا۔ ہاں البتہ پکی مسجد میں نماز پڑھنے پر زیادہ ثواب ملنے کا اعتقاد رکھنا بلا شبہ بدعت ہے، کیونکہ اس کی کوئی دلیل نہیں۔

یہی معاملہ دینی مدارس کا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ''صفہ'' کے نام سے جو مدرسہ تھا۔ وہ ایک چبوترہ تھا۔ اس پر چھت بھی کچی سی تھی۔ اب مدارس کے اندر شاندار عمارتیں بن چکی ہیں۔ یہاں پر بھی وہی بات ہے کہ اگر طالب علموں کو راحت پہنچانے کی نیت سے پکی عمارتیں بنائی جائیں گی تو یہ ثواب کا کام ہے لیکن اگر کوئی یوں کہے کہ پکی عمارت میں پڑھنے کا ثواب کچی عمارت میں پڑھنے کے مقابلے میں زیادہ ہوتا ہے تو یہ بدعت اور جہالت کی بات ہوگی۔

اذان سے پہلے درود وسلام پڑھنے کا حکم:

اسی سے مروّجہ چند بدعتوں کی حقیقت بھی سمجھ لیجئے۔ آج کل یہ سلسلہ چلا ہے کہ اذانوں سے پہلے " الصلوۃ والسلام علیك یارسول اللہ " پڑھا جاتا ہے۔ بلا شبہ درود شریف بہت بڑی نعمت ہے۔ اور اتنی بڑی عبادت ہے کہ جب قرآن وحدیث میں ہم اس کے فضائل پڑھتے ہیں تو جی یہ چاہتا ہے کہ کوئی اور کام ہی نہ کریں۔ بس درود شریف ہی پڑھتے رہیں۔ بہت ہی خیر وبرکت کی چیز ہے۔ دین ودنیا کی کامیابی اس میں مضمر ہے۔ لیکن اس موقع پر دورد شریف پڑھنے کا کوئی ثبوت

نہیں۔ جو اذان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال کو سکھائی تھی۔ حضرت بلال اسی کے مطابق اذان دیتے تھے۔ مکہ مکرمہ میں آپ نے حضرت ابومحذورہ کو اذان پر مقرر فرمایا تھا۔ وہ وہاں اذان دیتے تھے، وہی اذان آج تک چلی آرہی ہے۔ اس اذان کے شروع میں درود شریف پڑھنا ثابت نہیں۔

اگر آج کوئی شخص یہ کہے کہ چونکہ درود شریف کے فضائل بہت زیادہ ہیں۔ اس لئے اذان کے شروع میں مذکورہ درود کہنے میں کیا حرج ہے تو اس کا جواب ہے کہ یہ بات ٹھیک ہے کہ درود شریف کے فضائل بہت زیادہ ہیں لیکن اس موقع پر درود پڑھنے کی کوئی فضیلت ثابت نہیں۔ اگر اس موقع پر درود شریف پڑھنا باعثِ فضیلت ہوتا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت بلال اور حضرت ابومحذورہ رضی اللہ عنہما کو اس کا حکم دیتے اور وہ اپنی اذانوں کے شروع میں اس کا اضافہ فرماتے تو کیا (العیاذ باللہ) حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے غلطی ہوگئی اور انہیں وہ بات سمجھ میں نہ آئی جو آج تمہاری سمجھ میں آئی۔ اس موقع پر درود شریف پڑھنے کو باعث فضیلت اور ضروری سمجھنا تو ایک قسم کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر تہمت لگانا ہے کہ یہ بات ان کی سمجھ میں نہیں آئی تھی۔ ہم ان سے بہتر کام کرتے ہیں۔ بھلا رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے بہتر کوئی کام کرسکتا ہے اور دین کے معاملے میں کوئی شخص صحابہ سے آگے بڑھ سکتا ہے؟ ہرگز نہیں تو جب انہوں نے یہ کام نہ کیا تو آج اسے باعث فضیلت سمجھنا بدعت اور جہالت کی بات ہے۔

جنازہ کے ساتھ کلمہ شہادت کا نعرہ لگانا:

اسی طرح جب جنازہ اٹھایا جاتا ہے تو بعض لوگ نعرے لگاتے ہیں ''کلمہ شہادت'' ''اشھد ان لا الہ الا اللہ'' بلاشبہ کلمہ پڑھنا بہت بڑی فضیلت کی بات ہے

لیکن یہ دیکھو کہ اس موقع پر تاج دار کونین محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا کیا تھا یا نہیں کیا؟ صحابہ کرام نے ایسا کیا تھا یا نہیں؟ اگر کیا تھا یا اس کے کرنے کی ہدایت دی تھی تو ضرور کرو اور اگر نہیں کیا تو تم اسے کیوں کرتے ہو؟

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود کتنے جنازے اٹھائے ہیں اور کتنی بار جنازوں میں اور کفن ودفن میں صحابہ کرام کے ساتھ شریک رہے ہیں۔ اگر اس موقع پر کلمہ پڑھنا مقصود یا باعثِ فضیلت ہوتا تو کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام اسے چھوڑ دیتے؟

تیجہ اور اس کی قباحتیں:

اسی طرح تیجہ اور سوم کا معاملہ ہے۔ جب کسی کا انتقال ہوا تو تیسرے روز سب جمع ہوگئے۔ قرآن خوانی ہوئی اور مٹھائی یا کھانا وغیرہ کھلایا گیا۔ عام طور پر غریب اور مسکینوں کو کھلانے کے بجائے مالدار لوگ خود کھا جاتے ہیں۔ حالانکہ اصل حکم یہ ہے کہ اگر میت کی روح کو ثواب پہنچانا ہو تو صدقہ وخیرات کرو جس کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ اس طرح صدقہ کرو کہ ایک ہاتھ سے کرو تو دوسرے ہاتھ کو خبر نہ ہو۔ جبکہ تیجہ میں دھوم دھڑ کا ہوتا ہے اگر غریب کو کھلانا بھی ہو تو گویا سب کے سامنے اعلان کر کے کھلانا ہوا۔ اور پھر یہ سمجھنا بھی غلط ہے کہ تیسرے دن کریں گے تب تو ثواب ملے گا۔ کسی اور دن کریں گے تو پھر ثواب نہیں ملے گا۔ تیسرا دن بھی کوئی ضروری نہیں بلکہ صدقہ کسی اور روز بھی کیا جا سکتا ہے مثلاً چوتھے روز کرلو، دوسرے روز کرلو یا پہلے ہی دن کرلو وغیرہ۔

اس میں ایک اور قباحت یہ پائی جاتی ہے کہ عام طور پر لوگ تیجے وغیرہ کا کھانا میت کے ترکے میں سے کھلا دیتے ہیں۔ مثلاً میت کے گھر میں چاول بھی ہیں۔ گھی بھی رکھا ہے۔ مصالحے وغیرہ بھی موجود ہیں۔ اسی میں چاول پکا کر کھلا دیتے ہیں

اور اگر خریدنا پڑا تو اسی کے پیسوں سے خرید کر پکایا حالانکہ یہ جائز نہیں۔ اس لئے کہ اس کا سارا ترکہ حتی کہ نمک مرچ اور سوئی دھاگے تک کا سارا سامان اب میت کی ملک نہیں رہا جبکہ وارثوں کی ملکیت ہوگیا۔ لہٰذا جب تک سارے ورثاء راضی ہوکر یہ فیصلہ نہ کریں کہ ہم اپنے حصے میں صدقہ خیرات کریں گے۔ اس وقت تک اس میں سے صدقہ خیرات کرنا جائز نہیں اور اگر وارثوں میں کوئی نابالغ ہے تو اس کی اجازت کے باوجود بھی اس کا حصہ صدقہ کے لئے استعمال نہیں کرسکتے اس لئے کہ شرعی حکم یہ ہے کہ نابالغ بچہ اگر یہ کہہ بھی دے کہ میری رقم صدقہ خیرات پر خرچ کردو تو بھی اُسے خرچ کرنا جائز نہیں کیونکہ وہ ناسمجھ ہے اور یہی حکم مجنون کا ہے۔

اب دیکھئے کہ اس میں کتنی خرابیاں ہیں۔ وارثوں کا حق مارا جارہا ہے اور بدعت کا ارتکاب بھی ہورہا ہے۔ اگر کوئی شخص تیجہ نہ کرے تو کہا جاتا ہے کہ ارے فلاں نے تو تیجہ بھی نہ کیا۔ پھر دسواں آجاتا ہے۔ پھر چالیسواں اور پھر برسی آتی ہے حالانکہ شریعت میں تیجہ اور دسواں کا کوئی ذکر ہے اور نہ چالیسویں اور برسی کا۔

گیارھویں کا حکم:

ایک صاحب مجھ سے کہنے لگے کہ گیارھویں کا کیا حکم ہے؟ میں نے جواب دیا کہ قرآن مجید میں تو کہیں گیارھویں کا ذکر نہیں ہے اور نہ حدیث میں اور نہ فقہ کی کتابوں میں۔ اس لئے ہم تو اس کا حکم جانتے نہیں اگر کوئی دین کی بات ہوتی تو ہم جان گئے ہوتے یہ بات تو دین کی کسی کتاب میں لکھی ہوئی نہیں۔ اس لئے ہم تو جانتے نہیں، آپ ہی جانتے ہوں گے۔

نماز باجماعت کے بعد زور سے کلمہ طیبہ پڑھنا:

اسی طرح بعض مسجدوں میں دیکھتے ہیں کہ نماز کے سلام پھرنے کے بعد

زور زور سے لا الہ الا اللہ، لا الہ الا اللہ پڑھتے ہیں۔ یہ بہت اونچا اور عظمت والا کلمہ ہے۔ آدمی مسلمان ہی اس کلمہ سے ہوتا ہے لیکن اس کا موقع یہ نہیں۔ روایات میں آتا ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نماز کا سلام پھیرتے تو فرماتے استغفر اللہ، استغفر اللہ، تین مرتبہ کہتے تھے۔ (مشکوۃ المصابیح، باب الذکر بعد الدعاء، رقم الحدیث ۹۶۱)

اب اگر کوئی شخص یہ کہے کہ استغفار سے بہتر تو کلمہ ہے تو پھر اسے کیوں نہ پڑھا جائے تو اس کا جواب یہ ہے کہ بلاشبہ کلمہ طیبہ استغفار سے بہتر اور افضل ہے لیکن اس موقع پر أستغفر اللّٰہ کہنا افضل ہے اس لئے کہ ہمارے آقا نے اس موقع پر یہی کہا۔ ہمارے آقا، ماوٰی اور ملجاً تاجدار کونین سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جو طریقہ انہوں نے کر کے بتلا دیا۔ وہی طریقہ افضل ہے۔ اس جیسا طریقہ دنیا کی کوئی طاقت لا نہیں سکتی۔ نہ کوئی فرشتہ لا سکتا ہے، نہ کوئی عالم اور مجتہد لا سکتا ہے اور نہ کوئی امام لا سکتا ہے۔

بدعت کرنے والوں کی مثال:

ایک بات اور بھی سمجھ لیجئے۔ وہ یہ کہ عام طور پر بدعت کرنے والوں کی نیت بری نہیں ہوتی، جذبہ ہوتا ہے زیادہ ثواب کمانے کا لیکن سمجھ کی غلطی کی وجہ سے ان کا طریقہ غلط ہوتا ہے۔ جس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ ثواب زیادہ حاصل کرنے کے بجائے اصل ثواب سے بھی محرومی ہوتی ہے۔ اس لئے کہ ثواب تو اس صورت میں ملتا ہے جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے کے مطابق عمل ہوگا۔ اس کے علاوہ اگر کوئی اور طریقہ اختیار کیا جائے گا تو فائدے کے بجائے الٹا نقصان ہوگا۔ ایسے شخص کی مثال شیخ چلی کی سی ہو جائے گی۔

شیخ چلی کے بارے میں طرح طرح کے لطیفے مشہور ہیں۔ ایک مرتبہ اس کی

والدہ نے اسے ایک پیسہ دیا کہ اس کا تیل لے آؤ اور پیالہ بھی دے دیا اور ساتھ یہ ہدایت کی کہ جب بھی دکاندار سے کوئی چیز لو تو اسے کہا کرو کہ اور بھی ڈال دو۔ یہ سیدھا سادا آدمی تھا۔ ماں کی ہدایت کو پلے باندھ کر دکان کی طرف گیا۔ ایک پیسہ کا تیل خریدا۔ دکاندار نے پیالہ بھر کر تیل دیا۔ شیخ چلی نے کہا اور بھی ڈال۔ دکاندار بولا بھائی اس میں تو جگہ ہی نہیں۔ سارا پیالہ تو بھر گیا۔ شیخ چلی نے پیالہ الٹا کیا اور اس کا پیندا سامنے کرکے کہا کہ اس میں ڈال دو۔ دکاندار سمجھ گیا لیکن اس کی دلداری کے لئے اس پیندے میں تیل ڈال دیا۔

اب یہ بڑا خوش خوش گھر جارہا تھا کہ والدہ نے جس طرح حکم دیا تھا ویسا ہی عمل کیا۔ جب والدہ کے پاس پہنچا تو اس کی ماں نے یہ منظر دیکھ کر کہا بیٹے صرف اتنا تیل لے کر آئے ہو۔ کہنے لگا نہیں امی! ادھر بھی ہے۔ (اور اُسے الٹایا) تو جو تھوڑا سا تیل تھا وہ بھی گیا۔ یہی حال اس شخص کا ہے جس کو زیادہ ثواب کی ہوس ہوتی ہے لیکن طریقہ صحیح اختیار نہیں کرتا تو ایسا شخص شیخ چلی کے علاوہ اور کیا بنے گا؟

صرف نیت کا اچھا ہونا کافی نہیں

بہت سے گناہوں میں ملوث لوگ کہتے ہیں کہ ہماری نیت تو بہت اچھی ہے۔ خوب سمجھ لیجئے کہ صرف نیت کا اچھا ہونا کافی نہیں بلکہ طریقے کا صحیح ہونا بھی ضروری ہے۔ ورنہ نیت تو کافروں کی بھی اچھی ہوتی ہے۔ ہندو جو عبادت کرتے ہیں کیا ان کی کوئی دنیا کی نیت ہوتی ہے وہ رام رام کرکے جس طرح بتوں کو پوجتے ہیں۔ وہ بھی اللہ تعالیٰ کو راضی کرنا چاہتے ہیں لیکن چونکہ ان کا طریقہ شریعت کے مطابق نہیں۔ اس لئے وہ مردود ہیں۔

جب نیت بھی صحیح ہو اور طریقہ بھی شریعت کے مطابق ہو تو اللہ تعالیٰ کی

نصرت آتی ہے، قبولیت ہوتی ہے اور مسلمان کامل مسلمان بنتا ہے۔ اور جب کبھی اللہ تعالیٰ کی نصرت اور مدد نہیں آتی تو ان دو شرطوں میں سے کسی ایک شرط کی کمی ہوتی ہے۔

سنت اور بدعت کی مثال:

سنت اور بدعت کی مثال سمجھ لیجئے۔ آپ تختہ سیاہ (Black board) پر کوئی ہندسہ لکھیں اور پھر اس کے دائیں طرف صفر (Zero) لگائیں تو وہ دس گنا بڑھ جائے گا۔ پھر ایک صفر لگائیں تو اور بڑھ جائے گا غرضیکہ جتنے صفر لگاتے جائیں گے۔ وہ ہندسہ بڑھتا رہے گا۔ یہ سنت کی مثال ہے کہ اس پر عمل کرنے سے نیکیوں میں مسلسل اضافہ ہوتا رہتا ہے۔ اس کے برعکس اگر آپ اس ہندسے کے بائیں طرف صفر لگاتے رہیں تو عدد میں کوئی اضافہ نہ ہوگا۔ آپ جتنے صفر لگانا چاہیں لگاتے رہیں، لیکن اس سے عدد کی قیمت میں کوئی فرق نہیں الٹی ساری محنت بے کار جائے گی۔ یہ بدعت کی مثال ہے کہ اس کے ارتکاب سے نیکیوں میں کوئی اضافہ نہیں ہوتا بلکہ خسارہ ہی خسارہ ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اِن نصیحتوں پر عمل کرنے کی توفیق نصیب فرمائے۔

(آمین)

وآخر دعوانا أن الحمدللہ رب العالمین

سُنّت کا مفہوم اور
اتباع سُنّت کی اہمیّت

موضوع سنت کا مفہوم اور اس کی اہمیت
مقرر حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی مدظلہ
مقام مدرستہ البنات، جامعہ دارالعلوم کراچی
تاریخ ۱۷ ربیع الثانی ۱۴۲۳ھ
ضبط و ترتیب مولانا اعجاز احمد صمدانی
باہتمام محمد ناظم اشرف

﴾سنت کا مفہوم اور اس کی اہمیت﴿

خطبہ:

نحمدهٗ ونصلی علٰی رسولہِ الکریم،

امابعد!

باب فی الأمر بالمحافظة علی السنة و آدابها
قَالَ اللّٰهُ تَعالٰی: وَمَا اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوه وَما نَهاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوه (الحشر، ۷) وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْىٌ يُّوحٰى (النجم، ۳،٤) قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِىْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَ يَغْفِرْلَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ط

(آلِ عمران:۳۱)

تمہید:

گذشتہ مجلسوں میں ان اعمال کی تفصیل بیان کی گئی تھی جو بہت ہی آسان اور بڑے اجر وثواب والے اعمال تھے جیسے راستہ سے تکلیف دہ چیز کا ہٹانا، مسجد کی

صفائی کرنا، لوگوں سے مسکرا کر ملنا وغیرہ وغیرہ۔ آج کی مجلس سے ہم ایک اہم باب کا آغاز کر رہے ہیں۔ یہ باب آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں سے متعلق ہے[۱]۔ یہ بہت اہم باب ہے۔ ہر مسلمان کو ہر آن اور ہر لمحے اس سے رہنمائی ملتی ہے۔

''سنت'' کے لفظی اور اصطلاحی معنی:

لفظ ''سنت'' آپ کثرت سے سنتے ہیں۔ اس کا مفہوم ذرا تفصیل سے سمجھنے کی ضرورت ہے۔ لفظ ''سنت'' کے لغوی معنی ہیں ''طریقہ''۔ جب یوں کہا جائے کہ ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ سلم کی سنت'' تو اس کا مطلب ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ۔ کس چیز میں طریقہ؟ پوری زندگی کے اعمال میں، زندگی کے تمام شعبوں میں۔

شریعت کی اصطلاح میں لفظِ ''سنت'' دو معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ نماز اور وضو وغیرہ میں آپ پڑھتے ہیں کہ نماز میں اتنی سنتیں اور وضو میں اتنی سنتیں ہیں اور اتنے فرض، اتنے واجبات اور شرائط ہیں۔ اس جگہ سنت سے مراد ہوتا ہے ''واجب سے کم درجے کے اعمال''۔ لیکن آج ہم جس باب کا آغاز کر رہے ہیں، اس جگہ سنت کے یہ معنی مراد نہیں بلکہ دوسرے معنی مراد ہیں۔ نہ صرف یہاں بلکہ عام طور پر قرآن و سنت کی اصطلاحات میں جب لفظِ ''سنت'' بولا جاتا ہے تو اس سے مراد ہوتا ہے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ، خواہ وہ فرض ہو یا واجب، سنتِ موکدہ ہو یا غیر موکدہ، آداب میں سے ہو یا شرائط میں سے، یہ سب سنت کے اصطلاحی مفہوم میں داخل ہیں۔ مثلاً ایمان لانا تو سب سے بڑا فرض ہے، جس کے بغیر کوئی عمل مقبول نہیں ہوتا، وہ بھی سنت ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ ہے، اسی طرح ہم نماز

---

[۱] باب کا عنوان ہے: "باب فی الامر بالمحافظة علی السنة و آدابها" (ملاحظہ فرمائیے: ریاض الصالحین، قدیمی کتب خانہ کراچی ص ۸۶)، مرتب

ادا کرتے ہیں مثلاً صبح کو دو فرض، ظہر میں چار فرض، عصر میں چار فرض، مغرب میں تین اور عشاء میں چار فرض پڑھتے ہیں، یہ پانچ نمازیں بھی سنت ہیں حالانکہ فرض ہیں لیکن اِس اعتبار سے سنت ہیں کہ یہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ ہے۔ اس معنی کے اعتبار سے زکوٰۃ بھی سنت ہے اور روزہ بھی، حج بھی سنت ہے اور ایمان بھی اور کلمہ توحید و شہادت کہنا بھی سنت ہے۔ غرضیکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام اقوال و افعال جو احادیث میں بیان کئے گئے ہیں، وہ سب کے سب سنت ہیں کیونکہ وہ آپ کا طریقہ ہیں۔ البتہ پھر حکم کے اعتبار سے کوئی فرض ہے اور کوئی واجب، کوئی سنت ہے اور کوئی مستحب۔

اِسی سے یہ بھی سمجھ لیجئے کہ پاکستان کے آئین میں جو یہ عبارت درج ہے کہ اس ملک کا کوئی قانون قرآن و سنت کے خلاف نہیں بنایا جائے گا، اس سے مراد بھی یہی دوسرے معنی ہیں یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و افعال سے جو کچھ ثابت ہے، اس کے خلاف نہیں بنایا جائے گا۔

غلط فہمی کی وجہ:

عام طور پر سنت کا مطلب یہ لیا جاتا ہے کہ یہ واجب نہیں۔ یہ بہت بڑا مغالطہ ہے اور یہ مغالطہ اس وجہ سے لگتا ہے کہ جب نماز وغیرہ میں فرائض اور سنتوں کو گنوایا جاتا ہے تو اس وقت سنت سے مراد ''واجب سے کم درجے کا عمل'' ہوتا ہے۔ تو اس مغالطہ کی وجہ سے لوگ سمجھتے ہیں کہ جب بھی اور جہاں بھی سنت کا لفظ بولا جائے گا، تو اس سے واجب سے کم درجے کا عمل مراد ہوگا۔

''داڑھی رکھنا سنت ہے'' اس کا صحیح مطلب:

اسی سے یہ بھی سمجھ لیجئے کہ جب یہ کہا جاتا ہے کہ ایک مشت کے برابر

داڑھی رکھنا اور جب تک مشت بھر سے بڑھ نہ جائے، اُسے نہ کاٹنا ''سنت'' ہے تو عام طور پر لوگ اس کا مطلب یہ سمجھتے ہیں کہ یہ واجب نہیں۔ یہ سمجھنا بالکل غلط ہے، داڑھی رکھنا واجب ہے۔ آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا بار بار حکم دیا ہے اور تاکید سے حکم دیا ہے اور جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی چیز کا حکم دیں تو وہ فرض اور واجب ہوتی ہے۔ لہٰذا داڑھی رکھنا اس معنی میں تو سنت ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ ہے مگر اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ یہ واجب نہیں۔ خوب سمجھ لیجئے کہ چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا حکم دیا ہے، اس لئے یہ واجب ہے۔ اس کا کٹوانا گناہ اور آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی ہے۔

چار بنیادیں:

دوسری بات یہ ہے کہ شریعت کے احکام صرف چار چیزوں سے ثابت ہو سکتے ہیں، قرآن سے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت سے یعنی آپ کے قول سے یا فعل سے یا اجماع سے یا قیاس سے۔ یہ چار بنیادیں ہیں اور جتنے شرعی احکام ہیں، وہ سارے کے سارے انہی میں سے کسی سے ثابت ہیں۔

قرآن و سنت:

قرآن مجید میں اگرچہ بہت سے احکام آگئے تاہم سارے احکام کا بیان نہیں آیا۔ بعض احکام کے صرف اصول بیان کئے گئے، بعض جگہ صرف اشارہ دے دیا گیا، کہیں صرف ایک روح دے دی گئی اور باقیوں کے بارے میں کہہ دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو ارشاد فرمائیں، تم اس کی پیروی کرو۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَمَا اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا

(الحشر، ۷)

''سو جو چیز تم کو پیغمبر دیں وہ لے لو اور جس سے منع کریں (اس سے) باز رہو''۔

گویا سارے احکام بیان کرنے کے بجائے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حوالہ دے دیا کہ یہ ہمارے رسول ہیں، یہ اپنی طرف سے دین کی باتیں نہیں کرتے، جو کچھ ہم کہتے ہیں، وہی باتیں یہ آپ کو بتلاتے ہیں۔

وَمَا یَنۡطِقُ عَنِ الۡھَوٰی ۝ اِنۡ ھُوَ اِلَّا وَحۡیٌ یُّوۡحٰی ۝
(النجم،۳،۴)

''اور نہ خواہشِ نفس سے منہ سے بات نکالتے ہیں یہ تو حکمِ خدا ہے جو ان کی طرف بھیجا جاتا ہے''

لہٰذا یہ جس چیز کا حکم دیں، اسے کرتے جاؤ اور جس سے روکیں اس سے رک جاؤ۔ پھر قرآن مجید میں سنت کی اہمیت کے بارے میں آیت ملتی ہے:

مَنۡ یُطِعِ الرَّسُوۡلَ فَقَدۡ أَطَاعَ اللّٰهَ ط (النساء:۸۰)

''جو شخص رسول کی فرمانبرداری کریگا تو بیشک اس نے خدا کی فرمانبرداری کی''۔

اس تفصیل سے یہ بات واضح ہوئی کہ جتنے بھی شرعی احکام احادیث میں بیان ہوئے یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل سے ثابت ہوئے درحقیقت وہ احکام قرآن ہی سے بالواسطہ ثابت ہو گئے اس لئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع قرآن کا اتباع ہے۔

اجماع:

تیسری چیز اجماع ہے۔ اجماع سے حکم ثابت ہونے کا مطلب یہ ہے کہ

ایک زمانے کے پوری امت کے جتنے مجتہدین ہیں اگر وہ کسی حکم پر متفقہ فیصلہ کردیں تو وہ اللہ کا حکم ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس امت کو یہ اعزاز بخشا ہے کہ اِس امت کے فقہاء، مجتہدین خواہ وہ کسی بھی زمانے میں ہوں، اگر سب کے سب مل کر متفقہ طور پر یہ فیصلہ کریں کہ یہ چیز حلال ہے یا یہ چیز حرام ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بھی حلال ہے یا وہ اللہ کے نزدیک بھی حرام ہے۔ اس کی دلیل آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث ہے۔ آپ نے فرمایا:

لاتجتمع أمتی علی الضلالة

میری امت کسی گمراہی پر متفق نہیں ہوگی۔[1]

یعنی یہ نہیں ہوسکتا کہ ساری امت کسی گمراہی کے کام پر متفق ہو کر کہنے لگے کہ یہ جائز ہے، یہ کبھی نہیں ہوگا۔ اگر کوئی جائز کہنا چاہے گا تو دوسرے لوگ اس کی مخالفت کریں گے۔ اور اگر کوئی اس کی مخالفت نہ کرے تو یہ اس بات کی علامت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں ہدایت عطا فرمائی ہے اور ان کا فیصلہ درست ہے۔ امت کے فیصلے سے مراد امت کے مجتہدین اور فقہاء کا فیصلہ ہے۔

اجماع کی حجیت قرآن کریم سے بھی ثابت ہوتی ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

وَ مَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْ بَعْدِ مَاتَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَ يَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَاتَوَلّٰى وَ نُصْلِهٖ جَهَنَّمَ ط وَ سَاۤءَتْ مَصِيْرًا O (النساء:۱۱۵)

’’اور جو شخص سیدھا راستہ معلوم ہونے کے بعد پیغمبر کی مخالف

[1] یہ حدیث تھوڑے لفظی فرق کے ساتھ آٹھ صحابہ کرام سے مروی ہے۔ البتہ اتنا جملہ مشترک ہے ’’امت محمدیہ کو اللہ تعالیٰ گمراہی پر متفق نہیں کرے گا‘‘ (تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیے: فقہ میں اجماع کا مقام از مفتی محمد رفیع عثمانی مدظلہم) مرتب

کرے اور مومنوں کے راستے کے علاوہ کسی اور راستے پر چلے
تو جدھر وہ چلے گا ہم اُسے ادھر ہی چلتا کردیں گے اور (قیامت
کے دن) اُسے جہنم میں داخل کریں گے اور وہ بری جگہ ہے''۔

یعنی جو شخص تمام مومنین سے مختلف راستہ اختیار کرے گا اسے ہم جہنم میں پھینکیں گے۔ معلوم ہوا کہ تمام مومنین کا جو متفقہ فیصلہ ہو جائے، اس کے برخلاف کرنا جائز نہیں۔

قیاس:

چوتھی چیز ''قیاس'' ہے۔ عام طور پر لوگ قیاس کا مطلب یہ سمجھتے ہیں کہ جیسے اخبارات میں قیاس آرائیاں ہوتی رہتی ہیں، یہ قیاس بھی ویسا ہی ہوتا ہوگا۔ یہ خیال درست نہیں۔ قیاس کا عمل ایک بہت مشکل کام ہے۔ ہر ایک کے بس کا کام نہیں اور ہر ایک کے اندر اس کی صلاحیت بھی نہیں ہوتی۔ بڑے بڑے علماء اور فقہاء عمریں خرچ کرتے ہیں تب کہیں جا کر ان کے اندر یہ صلاحیت ہوتی ہے کہ وہ قیاس کر سکیں۔

قیاس کی حقیقت:

اس کی حقیقت جاننے کے لئے لمبی تفصیل درکار ہے۔ آپ صرف اتنا سمجھ لیں کہ اگر کوئی حکم قرآن، حدیث یا اجماع سے ثابت ہے، پھر کوئی ایسا معاملہ پیش آ گیا جس کا صریح حکم نہ قرآن میں ہے اور نہ حدیث اور نہ اجماع میں، لیکن یہ معاملہ پہلے معاملے سے ملتا جلتا ہی ہے تو جو حکم پہلے معاملے کا تھا، وہی اس کو بھی دے دیتے ہیں، اِس عمل کا نام قیاس ہے۔ مثال کے طور پر گندم کو گندم کے مقابلہ میں کمی بیشی کے ساتھ فروخت کرنا جائز نہیں مثلاً ایک شخص ایک کلو گندم دے رہا ہے اور دوسرے سے ڈیڑھ کلو گندم اس کے بدلے میں لیتا ہے تو یہ جائز نہیں، حرام ہے۔ سنت میں

اسے سود قرار دیا گیا ہے۔ اس کے بارے میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا صریح ارشاد موجود ہے۔ اب غور کیجئے کہ گندم کے بارے میں تو یہ حکم آ گیا لیکن چاول کے بارے میں حدیث میں یہ حکم نہیں آیا کہ اگر ایک کلو چاول کے بدلے میں ڈیڑھ کلو چاول لے لیا جائے تو وہ جائز ہے یا نہیں؟ تو چاول کے معاملے میں فقہاء اور مجتہدین نے قیاس کیا چنانچہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جو حکم گندم کا ہے وہی حکم چاول کا بھی ہے یعنی جس طرح ایک کلو گندم کے عوض میں ڈیڑھ کلو گندم لینا جائز نہیں، اسی طرح ایک کلو چاول کے عوض میں ڈیڑھ کلو چاول لینا بھی جائز نہیں۔ گویا چاول کے اندر گندم والے حکم کو ثابت کرنا قیاس ہے۔

قیاس کرنا ہر ایک کے بس کا کام نہیں:

میں نے آپ کے سامنے قیاس کو آسان سے انداز میں سمجھا دیا، لیکن قیاس کے لئے نجانے کتنے پاپڑ بیلنے پڑتے ہیں، کتنے پہلوؤں کو دیکھنا پڑتا ہے، کتنی چیزوں کا جائزہ لینا پڑتا ہے، کتنی باریکیوں میں جانا پڑتا ہے، تب کہیں جا کر قیاس سے حکم ثابت کرنا ممکن ہوتا ہے۔ یہ ہر ایک کے بس کا کام نہیں۔ مجھ جیسے آدمی کا کام نہیں ہے، بڑے بڑے مجتہدین اور ائمہ کا کام ہے۔ ہر مفتی کا کام نہیں اور ہر عالم بھی نہیں کر سکتا بلکہ صرف مجتہد قیاس کر سکتا ہے۔

قیاس کی بنیادی شرط:

یہ بھی یاد رکھئے کہ یہ قیاس الل ٹپ نہیں ہوتا بلکہ بہت سے اصول و شرائط کا پابند ہوتا ہے۔ ان میں سے بنیادی شرط یہ ہے کہ یہ قرآن سے لیا جائے گا، حدیث سے لیا جائے گا یا پھر اجماع سے لیا جائے گا، ان تین ماخذ کے علاوہ اگر کہیں اور کوئی

بات آئی ہے مثلاً کسی قانون کی کتاب میں کوئی بات لکھی ہوئی ہے تو اس پر قیاس کر کے شرعی حکم ثابت نہیں کیا جا سکتا اور قیاس معتبر بھی نہیں۔

یہ رویہ ہرگز درست نہیں:

اسی تفصیل سے آپ یہ بات سمجھ سکتے ہیں کہ آج کل بہت سے جاہل اپنے آپ کو مجتہدین کے مقام پر لا کر کھڑا کرتے ہیں اور پھر اناپ شناپ باتیں کرتے ہیں۔ ابھی سپریم کورٹ کے اندر سرکاری وکیل نے جو اناپ شناپ باتیں کی ہیں، وہ آپ نے سن لی ہوں گی۔ ربا (سود) کے بارے میں کہا کہ ربا کی دو قسمیں ہیں۔ ایک مکروہ ہوتا ہے اور دوسرا حرام ہوتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ خنزیر کے گوشت کی بھی دو قسمیں ہوں گی، ایک مکروہ، دوسرا حرام۔ اِن جیسے لوگوں کا رویہ ہرگز درست نہیں۔

غیر عالم کے مسئلہ بتانے کا حکم:

اگر کوئی شخص عالم دین نہیں اور کسی عالم دین کے علم، تقوی اور دیانت پر اُسے اعتماد ہے تو اس سے مسئلہ معلوم کرے، وہ جو مسئلہ بتا دے، آنکھیں بند کر کے اس پر عمل کرے، انشاء اللہ سیدھا جنت کا راستہ ہے اور جو شخص عالم دین نہیں یا قابل اعتماد عالم دین نہیں، اس کا تقوی قابل اعتماد نہیں، اگر وہ کوئی ایسا مسئلہ بیان کرے جو علماء کرام کے بیان کردہ مسئلہ کے خلاف ہے تو آپ اس سے یہ مطالبہ کر سکتے ہیں کہ شریعت کا حکم چار چیزوں سے ثابت ہوتا ہے، آپ جو حکم بیان کر رہے ہیں، یہ کونسی چیز سے ثابت ہے؟ اگر قرآن سے ثابت ہے تو آیت بتلاؤ، سنت سے ثابت ہے تو حدیث دے دو، اجماع سے ثابت ہے تو اس کا حوالہ دے دو کہ کس زمانے کے

مجتہدین نے یہ فیصلہ کیا، اور اگر قیاس سے ثابت ہے تو بتاؤ کونسے مجتہد نے یہ قیاس کیا ہے۔ اگر نہیں بتا سکتے تو تمہاری یہ بات ناقابل اعتماد ہے، اسے اپنے پاس رکھو، شریعت کے سر نہ منڈو۔

سنت کی پیروی کے درجات:

مذکورہ تفصیل کے بعد اب ہم اِس باب کی تشریح بیان کرتے ہیں۔ آج ہم اِس باب کا آغاز کر رہے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے کی پابندی لازم ہے، آپ کی سنت کی پیروی ضروری ہے۔ پیروی کے مختلف درجات ہیں۔ کہیں یہ پیروی فرائض میں ہوگی تو کہیں واجبات میں، کہیں سنن میں ہوگی تو کہیں مستحبات میں، کہیں شرائط میں ہوگی تو کہیں آداب میں۔ مثلاً یہ کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فجر کی دو رکعتیں جماعت کے ساتھ پڑھیں اور انہیں فرض قرار دیا تو ہم بھی انہیں فرض کہیں گے۔ یہ سنت بھی ہیں اس لئے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا حکم دیا ہے اور اس پر عمل کر کے دکھلایا ہے اور چونکہ اسے فرض کہا ہے اس لئے یہ فرض ہیں۔ اور فجر کی نماز سے پہلے جو دو سنتیں ہیں، انہیں آپ نے فرض نہیں کہا، اس لئے ہم بھی انہیں فرض نہیں کہتے، البتہ یہ سنت ہیں کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بتائی ہوئی ہیں۔

بعض سنتیں فرض و واجب یا سنت نہیں بلکہ مستحب ہیں مثلاً جوتا پہننے کا طریقہ جو سنت سے ثابت ہے وہ یہ ہے کہ جب جوتا پہنیں تو دائیں پاؤں میں پہلے پہنیں، بائیں میں بعد میں پہنیں۔ ایسا کرنا ضروری نہیں لہٰذا اگر اس کے برخلاف کرو گے تو گناہ نہیں ہوگا لیکن اگر اس کے مطابق کرو گے تو ثواب ملے گا۔ یہ مستحب عمل ہے لیکن اسے سنت بھی کہہ سکتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فعل اسی طرح تھا۔

اِس باب میں یہ بتلانا مقصود ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت یعنی

آپ کے طریقے کی پابندی کرنا ضروری ہے۔

پہلی آیت:

”وَمَا اٰتٰکُم الرَّسُوْلُ فَخُذُوْہُ وَمَا نَھٰاکُم عَنْہُ فَانْتَھُوْہُ۔
(الحشر:٧)

”اور جو چیز تم کو پیغمبر دیں وہ لے لو اور جس سے منع کریں، اس سے باز رہو“۔

”دینا“ کئی طریقے سے ہوتا تھا، کبھی ہاتھ سے اٹھا کر کوئی چیز دے دی، روپیہ پیسہ دے دیا، کبھی زبان سے کوئی حکم یا ہدایت دے دی کہ فلاں کام کرو، فلاں نہ کرو، فلاں جگہ چلے جاؤ، بیویوں کے حقوق ادا کرو، رشتہ داروں کے ساتھ حسنِ سلوک کرو وغیرہ وغیرہ۔ خلاصہ یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جو کچھ بھی دیں، اُسے لے لیا کرو یعنی اُسے قبول کرو، اگر مال و دولت ہے تو اُسے نعمت سمجھو کہ اللہ تعالیٰ نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں تمہیں دلوائی ہے، کوئی ہدایت اور رہنمائی ہے تو اسے زندگی بھر کے لئے اپنے لئے مشعلِ راہ بناؤ۔ اور جس چیز سے روکیں، اس سے رک جاؤ یعنی جس جس گناہ سے بھی آپ روک دیں، اس کی خلاف ورزی نہ کرو۔

اصل شرعی ضابطہ:

اصل شرعی ضابطہ یہ ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی چیز کا حکم دے دیں تو وہ فرض ہو جاتی ہے اور جب کسی چیز سے روک دیں تو وہ حرام ہو جاتی ہے البتہ اگر قرائن وغیرہ سے یہ بات معلوم ہو جائے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حکم فرض کے طور پر نہیں دیا بلکہ شفقت کے طور پر رہنمائی فرمائی ہے تو وہ فرض یا حرام نہیں

ہوتا۔ اس کی تفصیلات بہت زیادہ ہیں۔ کبھی موقع ملا تو عرض کردیں گے۔ البتہ آپ اتنی بات یاد رکھیں کہ اصل ضابطہ یہی ہے کہ آپ کے حکم پر عمل کرنا فرض ہے، صحابہ کرام کے اندازِ اتباع سے بھی یہی بات سامنے آتی ہے۔ چنانچہ روایات میں آتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک مرتبہ مسجد نبوی علی صاحبہا الصلوۃ والسلام میں خطبہ ارشاد فرمارہے تھے، سامنے کچھ لوگ کھڑے ہوں گے، آپ نے ان سے فرمایا کہ بیٹھ جاؤ۔ اس وقت حضرت عبداللہؓ بن مسعود اپنے گھر سے مسجد نبوی کی طرف آرہے تھے۔ راستے میں تھے کہ کانوں میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ آواز پڑی تو وہیں راستے میں بیٹھ گئے۔ یہ تحقیق بعد میں کی کہ اس حکم کے مخاطب کون تھے۔ چونکہ الفاظ عام تھے اس لئے جب آپ نے یہ حکم سنا تو اس سے سمجھ لیا کہ میرے لئے بیٹھنا فرض و واجب ہو چکا ہے۔ حالانکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصود ان لوگوں کو بٹھانا تھا جو سامنے کھڑے تھے لیکن اس وقت حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کو یہ معلوم نہیں تھا کہ آپ کی کیا مراد ہے؟ البتہ اس اصول کو جانتے تھے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم آجائے تو اس کی تعمیل فرض ہو جاتی ہے اور اسکی خلاف ورزی کرنا حرام ہو جاتا ہے لہٰذا فوراً زمین پر بیٹھ گئے۔ یہ آپ کی شانِ تفقہ ہے۔ آپ کا تفقہ صحابہ کرام کے درمیان معروف تھا۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا فقہ زیادہ تر عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی فقہ سے ماخوذ ہے۔

بعض مرتبہ حکم فرضیت کے لئے نہیں ہوتا:

البتہ بعض مرتبہ حکم فرضیت کے لئے نہیں ہوتا بلکہ دیگر مقاصد کے لئے ہوتا ہے مثلاً بعض مرتبہ یہ بتانے کے لئے ہوتا ہے کہ اب یہ کام جائز ہو گیا ہے۔ آپ کو معلوم ہے کہ حالت احرام میں کسی قسم کا شکار کرنا جائز نہیں، حرام ہے لیکن جب

حاجی احرام سے فارغ ہو جائے تو اس کے لئے شکار کرنا جائز ہو جاتا ہے۔ اس مضمون کو قرآن مجید میں یوں بیان فرمایا گیا کہ:

﴿وَاِذَا حَلَلْتُمْ فَاصْطَادُوا﴾ (المائدہ، ٢)

''جب تم حالت احرام سے نکل آؤ تو (پھر اختیار ہے کہ) شکار کرو''۔

اب اس حکم کا یہ مطلب نہیں کہ جب حالت احرام ختم ہو جائے تو سب بندوقیں لے لے کر شکار کرنا شروع کر دو بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اب شکار کرنے کی ممانعت ختم ہو گئی اور شکار کرنا جائز ہو گیا۔ اب اگر یہاں بھی فرضیت کے معنی میں قرار دیں گے تو مصیبت کھڑی ہو جائے گی۔

لطیفہ:

ایک لطیفہ یاد آ گیا۔ ایک دیہاتی صاحب کسی کام سے شہر میں آئے اور کسی کام کے لئے انہیں کسی سرکاری عمارت میں جانا پڑا جو کئی منزلہ تھی۔ وہاں شہر میں اپنے کسی عزیز کے ہاں ٹھہرے ہوئے تھے۔ جب اس عمارت میں کام سے فارغ ہو کر واپس آئے تو بہت تھکے ہوئے تھے، حالت خراب تھی اور کہہ رہے تھے: توبہ توبہ، میرا تو حلق خشک ہوا، کیسا ظلم ہے، کیا مصیبت ہے، عزیز نے پوچھا: صاحب کیا قصہ ہوا؟ کہنے لگے کہ جب عمارت کے گیٹ میں داخل ہوا تو وہاں ایک گملہ رکھا ہوا تھا، اس پر لکھا تھا اس میں تھوکئے تو میں نے اس میں تھوک دیا۔ آگے بڑھا تو ایک اور گملہ رکھا تھا، اس پر لکھا تھا اس میں تھوکئے تو میں نے اس میں بھی تھوک دیا۔ جتنا بھی آگے بڑھتا رہا، ہر جگہ یہی لکھا ہوا نظر آیا تو میں بھی ہر ایک گملے میں تھوکتا رہا۔ تھوکتے تھوکتے تھک گیا۔ پھر واپسی پر بھی یہی قصہ پیش آیا۔ اب میرا تو حلق خشک ہو چکا ہے۔ تمہارا

شہر کیسا ظالم ہے؟ اب وہ صاحب جو بات سمجھے، وہ غلط تھی بلکہ قرائن سے یہ معلوم ہو رہا ہے کہ اس کا مطلب یہ تھا کہ اگر تھوکنا ہے تو اس میں تھوکو۔ یہ مطلب نہیں تھا کہ اس میں ہر مرتبہ ضرور تھوکو۔

کھڑے ہو کر پانی پینے کا حکم:

اسی طرح کبھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم یا فعل کسی عمل کے مستحب ہونے کو ظاہر کرنے کے لئے بھی ہوتا ہے مثلاً آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہو کر پانی پینے سے منع کیا، لیکن ایک موقع پر آپ نے کھڑے ہو کر پانی پی لیا۔

اس سے معلوم ہوا کہ آپ کا منع کرنا حرام ہونے کے لئے نہ تھا اس لئے کہ اگر کھڑے ہو کر پانی پینا حرام ہوتا تو آپ کبھی اس کا ارتکاب نہ کرتے البتہ ایسا کرنا ادب کے خلاف ہے اور آپ کا یہ فعل کرنا یہ بتلانے کے لئے تھا کہ یہ جائز ہے، ناجائز نہیں البتہ ادب کے خلاف ہے۔

دوسری آیت:

﴿وَمَا يَنۡطِقُ عَنِ الۡهَوٰى ٥ اِنۡ هُوَ اِلَّا وَحۡىٌ يُّوۡحٰى﴾

(النجم،۴)

''اور نہ خواہش نفس سے منہ سے بات نکالتے ہیں۔ یہ تو حکم خدا ہے جو (ان کی طرف) بھیجا جاتا ہے''۔

یعنی دینی معاملات میں آپ جو کچھ فرماتے ہیں، وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھیجی ہوئی وحی کے مطابق ہوتا ہے۔ اس کے خلاف نہیں ہوتا مثلاً فلاں چیز جائز ہے، فلاں ناجائز ہے، فلاں فرض ہے، فلاں واجب ہے، فلاں عمل کا اتنا ثواب ہے وغیرہ، یہ دین کی

باتیں ہیں، ان میں سے کوئی بات آپ اپنی طرف سے نہیں کہتے بلکہ وہ وحی ہوتی ہے جو آپ کی طرف بھیجی جاتی ہے البتہ یہاں دنیا کے معاملات مراد نہیں مثلاً کسی کو مشورہ وغیرہ دے دیا یا کوئی اور بات کہہ دی وغیرہ تو وہ یہاں مراد نہیں۔ اِس تفصیل سے بھی یہی معلوم ہوا کہ آپ کی ہدایات اور احکام کی پیروی فرض و واجب ہے۔

تیسری آیت:

﴿قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِي يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَ يَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ﴾ (آل عمران: ۳۱)

''(اے پیغمبر لوگوں سے) کہہ دو کہ اگر تم خدا کو دوست رکھتے ہو تو میری پیروی کرو، خدا بھی تمہیں دوست رکھے گا اور تمہارے گناہ معاف کردے گا''۔

اس سے معلوم ہوا کہ جو شخص اللہ تعالیٰ سے محبت کرتا ہے، اس پر لازم ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع کرے، اگر وہ آپ کی پیروی نہیں کر رہا تو اس کا یہ دعویٰ جھوٹا ہے کہ میں اللہ سے محبت کرتا ہوں۔ اور آپ کی پیروی یہی ہے کہ آپ نے جس کام کے کرنے کا حکم دیا، اسے کرو اور جس سے منع کیا، اس سے باز آجاؤ۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کے دو فوائد:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کرنے کے دو نتائج اور فوائد ظاہر ہوں گے۔

(۱) يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ (اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرنے لگے گا)۔ یہ ایک عجیب بات ہے۔ عام قاعدہ یہ ہے کہ آپ کسی سے محبت کریں تو آپ کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ وہ بھی مجھ سے محبت کرے، چنانچہ اگر ہم اللہ تعالیٰ سے محبت کرتے ہیں تو ہمارے

دل میں بھی یہ خواہش ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سے محبت کرنے لگے اور اس سے بڑھ کر ہمارے لئے سعادت کی اور کیا بات ہوگی کہ خود اللہ تعالیٰ ہم سے محبت کریں لیکن اللہ تعالیٰ نے یہ ضابطہ بنا دیا کہ تم مجھ سے جتنی محبت کرنا چاہو، کرو لیکن تمہاری محبت اس وقت معتبر ہوگی جب تم میرے رسول کی پیروی کرو گے۔ جب تم میرے رسول کا اتباع کرلو گے تو میں محبت کا جواب محبت سے دوں گا اور اگر میرے رسول کی پیروی نہ کی تو میری طرف سے محبت کا جواب محبت سے نہیں ملے گا۔

(۲) وَ یَغْفِرْلَکُمْ ذُنُوْبَکُمْ (اور تمہارے گناہوں کو بخش دیگا) معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کرنے سے جس طرح انسان اللہ تعالیٰ کا محبوب بن جاتا ہے، اسی طرح اگر اس سے گناہ ہو بھی جائیں تو اللہ تعالیٰ انہیں معاف فرما دیتے ہیں۔

صحابہ کرام کا اتباعِ سنت:

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اپنے آپ کو سنت کے سانچے میں مکمل طور پر ڈھال دیا تھا، لباس و پوشاک میں، گفتگو میں، کھانے پینے میں، اٹھنے بیٹھنے میں، چلنے پھرنے میں، نماز میں، عبادات میں، معاملات میں، تجارت میں، محنت و مزدوری میں غرضیکہ ہر چیز میں وہ دیکھتے تھے کہ ہمارے رسول کا اس میں کیا طریقہ تھا؟ چنانچہ اس کی مثالیں ہمارے سامنے ہیں

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا معمول:

امیر المومنین حضرت عمرِ فاروق رضی اللہ عنہ جو عالم اسلام کے عظیم حکمران تھے۔ جن کے بھیجے ہوئے دستوں نے اس وقت کی دو سپر پاور حکومتوں کو زیر کیا، کسریٰ

اور قیصر کو۔ یہ دونوں سپر طاقتیں شمار ہوتی تھیں۔ اس وقت کی ساری دنیا دو حصوں میں بٹی ہوئی تھی، ایک حصہ کسریٰ کے ماتحت تھا اور دوسرا حصہ قیصر کے زیرنگین تھا۔ آپ کے دور میں ان دونوں کو ملیا میٹ کر کے اسلام کا جھنڈا بلند کیا گیا تھا۔ اس کے ساتھ ساتھ اتنے بڑے منتظم (Administrator) تھے کہ اسلام کے کھلے دشمنوں نے بھی آپ کے حکومتی نظم و ضبط کو سراہا اور اُسے قابل تقلید قرار دیا۔ متحدہ ہندوستان میں انگریز کے دورِ حکومت میں جب الیکشن ہوئے اور کانگریس کو بھاری کامیابی حاصل ہوئی جس کی وجہ سے کانگریس کے لیڈر گاندھی وزیراعظم مقرر ہوئے۔ وزیراعظم بننے کے بعد اس نے اپنے وزیروں کے نام جو ہدایت نامہ بھیجا، اس میں یہ بھی کہا: تمہیں صدیوں بعد اب حکومت مل رہی ہے۔ اگر تم کامیاب حکومت کرنا چاہتے ہو تو ویسی حکومت کرو جیسی ابوبکر اور عمر نے کی۔ (گاندھی کو نمونے کے طور پر پیش کرنے کے لئے ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما کے علاوہ کوئی نہیں ملا) اس جملے پر ہندوؤں نے بہت ناک بھوں چڑھائے اور کہا کہ تم نے مسلمانوں کے سامنے ہماری ناک کٹوادی۔ گاندھی نے جواب دیا کہ میں کیا کروں پوری تاریخ میں مجھے اتنے بڑے کامیاب حکمران اور کوئی ملتے ہی نہیں۔

اتنے بڑے عظیم حکمران اور منتظم ہونے کے باوجود ان کا طریقہ اور معمول یہ تھا کہ جب کوئی معاملہ یا مقدمہ یا کوئی بھی واقعہ پیش آتا جس کا شرعی حکم آپ کو معلوم نہ ہوتا تو صحابہ کرام کو جمع کر کے فرماتے کہ فلاں واقعہ پیش آیا ہے، اسکے بارے میں ہمیں فیصلہ کرنا ہے۔ کیا تم میں سے کسی نے اسکے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی قول سنا یا کوئی فعل دیکھا ہے۔ اگر کوئی کہتا کہ میں نے سنا یا دیکھا ہے تو فرماتے اچھا اس پر گواہ لے آؤ۔ اور جب گواہی آنے کے بعد اطمینان ہو جاتا کہ واقعی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی فرمایا تھا یا اسی کے مطابق فیصلہ فرمایا تھا تو آپ

بھی اسی پر عمل کرتے اور مملکت کا قانون بھی وہی بن جاتا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے کامیاب حکمران ہونے کا راز:

صحیح بات یہ ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے کامیاب حکمران ہونے کا راز ہی یہی تھا کہ آپ کامل متبع سنت تھے، واقعہ یہ ہے کہ اگر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ طیبہ کا تفصیلی مطالعہ کیا جائے اور پھر اپنے آپ کو اسی کے سانچے میں ڈھالا جائے تو زندگی اتنی خوشگوار، اتنی آسان، اتنی کامیاب اور اتنی قابل رشک بن جائے کہ لوگ دیکھ دیکھ کر حیرت کریں۔ میں یہ بات صرف عقیدت کی بنیاد پر نہیں کہہ رہا بلکہ واقعات کی بنیاد پر کہہ رہا ہوں۔ جو شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت یعنی آپ کے طریقوں کے مطابق زندگی گذارتا ہو، وہ ہر دلعزیز ہوتا ہے۔

سنت کے تفصیلی مطالعہ کی ضرورت ہے:

سنت پر عمل کرنے کے لئے آپ کی پوری زندگی کی تفصیلی معلومات حاصل کرنا ضروری ہے مثلاً یہ کہ آپ صبح کو اٹھ کر کیا کرتے تھے، غسل اور استنجاء کے لئے کس طرح جاتے تھے، وہاں سے کس طرح آتے تھے، وضو کس طرح کرتے تھے، نماز کے لئے کس طرح جاتے تھے، سنتیں کس طرح پڑھتے تھے، نماز کس طرح ادا کرتے تھے، دعا کس طرح مانگتے تھے، نماز کے بعد اپنے ساتھیوں سے باتیں کس طرح کرتے تھے۔ (روایات میں آتا ہے کہ آپ فجر کی نماز کے بعد صحابہ کرام کے ساتھ بیٹھ جاتے تھے اور ان سے باتیں کرتے تھے، کسی نے کوئی خواب دیکھا ہوتو وہ سناتا تھا، کبھی کبھی دل لگی کی باتیں بھی ہوتی تھیں، آپ ہنستے بھی تھے، ہنساتے بھی تھے) پھر گھر میں آکر کیا کرتے تھے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھئے، ام سلمہ

رضی اللہ عنہا سے پوچھئے، حفصہ اور صفیہ رضی اللہ عنہما سے پوچھئے، ان ازواج مطہرات سے پوچھئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں تشریف لا کر اپنی بیویوں کے ساتھ کس طرح بات کیا کرتے تھے، گھر کے کام کاج میں کس طرح حصہ لیتے تھے۔

گھر سے باہر کیا کام کرتے تھے، جب کوئی مہمان آتا تو اس کے ساتھ کیا برتاؤ ہوتا تھا، دشمنوں سے بات کرتے تھے تو کیسی بات ہوتی تھی، اپنوں سے بات ہوتی تو کس طرح ہوتی تھی، جب بکریاں چرائیں، تو کس طرح چرائیں تھیں، تجارت کس طرح کی تھی، اور جب اتنی بڑی حکومت سنبھالی جو آج تقریباً ایک درجن ملکوں پر پھیلی ہوئی ہے تو اس حکومت کو کس طرح چلایا تھا، عدالت میں فیصلے کن اصولوں پر کرتے تھے، جہاد میں اپنے ساتھیوں کے ساتھ کیا برتاؤ ہوتا تھا اور دشمنوں کے ساتھ کیسا معاملہ ہوتا تھا، بہادری اور شجاعت کیسی ہوتی تھی، سفر کس طرح فرماتے تھے، سفروں میں نمازیں کس طرح ادا کرتے تھے، جب رات کو گھر میں جاتے اور نیند کے لئے لیٹتے تو کس طرح لیٹتے تھے، آپ کے سرہانے کیا رکھا ہوا ہوتا تھا۔ یہ ساری تفصیلات احادیث کی کتابوں میں موجود ہیں۔

سنت پر عمل کرنے کے طریقے:

اب سوال یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقوں کی پیروی کس طرح کی جائے۔ اس کے دو راستے ہیں اور دونوں پر عمل کرنا ضروری ہے۔

پہلا طریقہ:

ایک یہ ہے کہ ہمارے مرشد حضرت ڈاکٹر عبدالحئی عارفی قدس سرہ کی بڑی مشہور کتاب ہے ''اسوۂ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم'' یہ کتاب اردو میں ہے۔ اس میں

آپ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صبح سے شام تک کے معمولات اور طریقے بہت تفصیل سے لکھے ہیں۔ یہ کتاب ہر گھر میں ہونی چاہئے اور ہر مسلمان کو اس کا مطالعہ کرنا چاہئے، یہ کئی سو صفحات پر مشتمل ضخیم کتاب ہے۔ جن حضرات کے پاس فارغ وقت ہے، وہ چند روز میں پوری کتاب کا مطالعہ کر سکتے ہیں لیکن جو لوگ مصروف ہیں، وہ روزانہ تھوڑا سا وقت اس کے مطالعہ کے لئے طے کر لیں مثلاً سونے کا وقت یا اور جس وقت میں آپ کو آسانی ہو۔ عام طور پر مختصر مطالعے کے لئے سونے سے پہلے کا وقت زیادہ سہولت کا ہوتا ہے اور ایک ورق روزانہ مطالعہ کے لئے مقرر کر لیں۔ اور اس پر عمل کرنے کی نیت سے باقاعدگی سے مطالعہ شروع کر دیں اور جن جن سنتوں کا علم ہوتا جائے ان پر عمل شروع کر دیا جائے، اس طرح ان سنتوں پر عمل بھی ہوگا اور وہ سنتیں آپ کو یاد ہو جائیں گی، کبھی بھولیں گی نہیں۔

دوسرا طریقہ:

دوسرا یہ کہ ایسے بزرگوں کی صحبت میں رہیں جن کے بارے معلوم ہے کہ ان کی زندگی سنت کے مطابق ہے۔ خوب سمجھ لیجئے کہ سنت پر عمل کرنے کی مشق سنت پر عمل کرنے والوں کی صحبت میں رہنے سے ہوتی ہے۔ اگر ایسے حضرات نہیں ملتے جن کی زندگی سو فیصد سنت کے مطابق ہو تو جن کی زندگی نسبتاً زیادہ سنت کے مطابق ہو، اس کی صحبت میں رہنا شروع کریں۔

صرف مطالعہ سے مقصد حاصل نہ ہوگا:

اس دوسرے طریقے پر عمل کرنا بھی انتہائی ضروری ہے۔ صرف مطالعے سے مقصد حاصل نہ ہوگا بلکہ میرا خیال یہ ہے کہ صرف مطالعے سے آدمی بعض اوقات جہل

مرکب میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ کتاب کا مطالعہ کرنے اور اپنی سمجھ کے مطابق اس پر عمل کرنے کے بعد یہ سمجھے گا کہ میں تو بڑا متقی اور پرہیزگار ہو گیا، میں تو ساری سنتوں پر عمل کر رہا ہوں لیکن حقیقت میں صحیح طریقے سے عمل نہیں کر رہا ہوگا۔ تکبر میں مبتلا ہو جائے گا، جہنم میں جائے گا اس لئے کہ حدیث میں آتا ہے:

لایدخل الجنة من كان فی قلبه مثقال ذرّةٍ من كبر

''جس شخص کے دل میں ذرہ برابر بھی تکبر ہوگا وہ جنت میں نہیں جائے گا'' (مشکوۃ، باب الغضب والکبر، الفصل الاول رقم الحدیث ۵۱۰۴)

اتباعِ سنت کے ثمرات:

اس لئے سنت پر صحیح طریقے سے عمل کرنے کے لئے ضروری ہے کہ دونوں طریقوں کو اختیار کیا جائے۔ اور جب آپ ان دونوں طریقوں کو اختیار کر کے سنت پر عمل کرنا شروع کر دیں گے تو کچھ عرصے بعد آپ کو اپنی زندگی میں ایک خوشگوار تبدیلی محسوس ہوگی، چین و سکون نصیب ہوگا، کاموں میں آسانی اور برکت نظر آئے گی، دولت اور وقت میں برکت ہوگی اور وہ لوگ جو آپ سے نفرت کرتے ہیں، وہ آپ سے محبت کرنے والے بن جائیں گے، آپ ہر دلعزیز بنتے چلے جائیں گے اس لئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں میں ایسی دلکشی اور کشش ہے کہ دوسروں کو اپنی طرف کھینچتی ہے، حتیٰ کہ کافر کو اپنی طرف کھینچتی ہے۔ کافر بھی جب کسی سنت پر عمل کرنے والے کو دیکھے گا تو اس کی طرف مائل ہوگا۔

اللہ تعالیٰ ہمیں سنتوں پر عمل کرنے کی توفیق نصیب فرمائیں۔ (آمین)

وآخر دعوانا أن الحمدلله رب العالمين

سُنّت کا مقام
اور فتنہ انکارِ حدیث

موضوع سنت کا مقام اور فتنہ انکارِ حدیث
مقرر حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی مدظلہ
مقام مدرسۃ البنات، جامعہ دارالعلوم کراچی
تاریخ ۲۴ ربیع الثانی ۱۴۲۳ھ
ضبط و ترتیب مولانا اعجاز احمد صمدانی
باہتمام محمد ناظم اشرف

سنت کا مقام اور فتنہ انکار حدیث

خطبہ:

نحمده ونصلى على رسوله الكريم

امابعد:

قال الله تبارك وتعالىٰ:

لَقَدْ كَانَ لَكُم فِي رَسُولِ اللّٰهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الآخِرَةِ۔ (الاحزاب، ۲۱)

فَلَا وَرَبِّكَ لَايُؤْمِنُونَ حَتَّى يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَبَيْنَهُمْ ثُمّ لَا يَجِدُوافِيْ أَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا۔ (النساء، ٦٥)

فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُولِ (النساء،۵۹)

وَمَنْ يُطِعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللّٰهَ۔ (النساء، ۸۰)

تمہید:

گذشتہ مجلس میں سنت کا معنی اور اس کی حقیقت کافی تفصیل سے بیان ہوئی

جس کا حاصل یہ تھا کہ لفظ سنت کے دو معنی ہیں۔ (۱) وہ عمل جو واجب سے کم درجے کا ہو جیسے کہا جاتا ہے کہ نماز میں اتنی سنتیں ہیں وغیرہ۔ (۲) آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ خواہ وہ فرض ہو یا واجب، سنت ہو یا نفل، اور اس سلسلہ میں تین آیات کی تشریح کی گئی تھی۔ اب مزید آیات کی تشریح کی جاتی ہے۔

پہلی آیت: آج کی پہلی آیت یہ ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِمَنْ كَانَ يَرْجُو اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَةَ﴾

"تحقیق تمہارے لئے پیغمبر خدا کی زندگی میں بہترین نمونہ ہے (یعنی) اس شخص کے واسطے جسے اللہ تعالیٰ (سے ملنے) اور آخرت (کے آنے) کی امید ہو"۔

بہترین انسان بننے کا طریقہ:

یعنی آپ کی زندگی کے جتنے واقعات ہیں۔ آپ کے جتنے اعمال وافعال ہیں۔ آپ کے جتنے ارشادات ہیں وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے منتخب نمونہ ہیں۔ لہٰذا اگر کوئی شخص بہترین انسان اور اللہ تعالیٰ کا مقرب اور ولی بننا چاہتا ہے تو وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ کے مطابق اپنی زندگی ڈھال لے۔ یہ اعلیٰ ترین منصب ہے۔ اس سے بڑھ کر کوئی منصب نہیں۔

صحابہ کرامؓ کے بلند مرتبہ ہونے کی وجہ:

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کو بلند مرتبہ اسی وجہ سے نصیب ہوا کہ انہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت اور آپ کی اتباع اور پیروی کرنے کی سعادت

ملی۔ نتیجہ یہ ہے کہ دنیا میں انہیں وہ مقام ملا جو ان کے بعد کسی کو نہیں ملا اور آخرت میں یہی مقام ملے گا۔ چنانچہ اس بات پر ساری امت کا اجماع ہے کہ کوئی بڑے سے بڑا ولی، بڑے سے بڑا مجتہد، بڑے سے بڑا فقیہ، بڑے سے بڑا محدث، بڑے سے بڑا امام اور بڑے سے بڑا صوفی مرتبہ میں ادنی سے ادنی صحابی کے برابر نہیں ہوسکتا۔

اور اسی اتباع اور صحبت کی برکت تھی کہ کہاں تو ان کی یہ حالت تھی کہ وہ دنیا کے جاہل ترین علاقے کے رہنے والے تھے، عرب کے بدو تھے، عام طور پر وہاں لکھنے پڑھنے کا بھی رواج نہیں تھا، متمدن دنیا سے کٹے ہوئے تھے، معاشی طور پر پسماندہ تھے، علم سے دور تھے، کوئی آسمانی کتاب ان کے پاس نہیں آئی تھی، تورات اور انجیل وغیرہ بنی اسرائیل کے پاس تو آئی تھیں لیکن اس علاقے میں اس سے پہلے ایک طویل عرصے تک کوئی نبی اور کتاب نہیں آئی تھی لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت اور پیروی نے ان کو یہ مقام عطا کیا کہ دیکھتے ہی دیکھتے دنیا پر چھا گئے۔ کسی نے بڑی اچھی بات کہی کہ:

> ''صحابہ کرام جب جزیرہ عرب سے نکلے تو اونٹوں کی مہاریں ان کے ہاتھ میں تھیں لیکن دنیا والوں نے دیکھا کہ تھوڑے ہی عرصے میں قوموں کی تقدیریں اور مہاریں ان کے ہاتھ میں آ گئیں۔''

دنیا کے حاکم بنے اور انہی کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے اسلام کو دنیا کی سب سے بڑی طاقت بنایا۔ قیصر وکسری سمیت اس وقت دنیا کی متمدن آبادی اسلام کے زیر نگین ہوگئی۔

اتباع سنت کی قوت ایک واقعہ

اتباع سنت میں اللہ رب العزت نے حیرت ناک قوت رکھی ہے۔ فاروق

اعظم رضی اللہ عنہ کے دور کا واقعہ ہے۔ اس وقت اسلامی لشکر کئی ممالک کو فتح کرتا ہوا سیلاب کی طرح آگے بڑھ رہا تھا۔ یہاں تک کہ ایران وعراق سے آگے نکل کر وسط ایشیا کے کسی علاقے میں پہنچ چکا تھا۔ وہاں اسلامی لشکر نے کسی شہر کا محاصرہ کر رکھا تھا لیکن وہ قلعہ فتح نہیں ہو رہا تھا۔ وہ قوم اتنی مضبوط اور جنگجو تھی کہ قابو میں نہیں آرہی تھی۔ اس قلعہ کو فتح کرنے کے جتنے طریقے ہو سکتے تھے وہ سارے آزمائے گئے لیکن قلعہ فتح ہونے کی کوئی صورت نہ بن سکی۔

مجبور ہو کر انہوں نے امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی طرف خط لکھ کر بھیجا اور صورت حال سے آگاہ کیا۔ انہوں نے اس کا جو حل تجویز فرمایا اس سے سنت کی طاقت کا کچھ اندازہ ہوتا ہے۔ آپ نے اس کے لئے کوئی مادی حل تجویز نہیں کیا بلکہ جوابی خط میں لکھا کہ سب مجاہدین کو جمع کرو اور پھر خود بھی اپنا جائزہ لو اور ان سے بھی کہو کہ وہ اپنا جائزہ لیں، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کوئی سنت تم سب سے چھوٹ چکی ہے۔ جائزہ لو کہ وہ کونسی سنت ہے جس پر تم سب نے عمل چھوڑ رکھا ہے۔ جب وہ سمجھ میں آجائے تو سب اس پر عمل کریں اور پھر اللہ تعالیٰ سے فتح کی دعا کر کے حملہ کر دیں۔ انشاء اللہ فتح ہو گی۔

جب سپہ سالار کے پاس یہ خط پہنچا تو اس نے سب مجاہدین کو جمع کیا اور یہ خط پڑھ کر سنایا۔ سب نے مل کر غور کیا کہ ہم نے کونسی سنت چھوڑ رکھی ہے۔ بظاہر ساری سنتوں پر عمل ہو رہا تھا۔ کافی غور کے بعد یہ سامنے آیا کہ ہم سفر کی حالت میں تھے اس لئے بہت دنوں سے ہم نے مسواک نہیں کی، چنانچہ کمانڈر تے سارے لشکر کو حکم دیا کہ جاؤ مسواک لے کر آؤ اور پھر مسواک کرو۔ لشکر کے تمام افراد جنگل میں پھیل گئے، وہاں سے مسواک بنا کر لائے اور کرنے لگے۔

مؤرخین نے لکھا ہے کہ اس زمانے میں مسلمانوں کا کفار پر اتنا رعب بیٹھا

ہوا تھا کہ عورتیں اپنے بچوں کو مسلمانوں سے ڈراتی تھیں مثلاً جب کوئی بچہ شرارت کرتا تو والدہ کہتی دیکھو، باز آجاؤ ورنہ مسلمان کو بلالوں گی اور انہوں نے اس بات کو مشہور کردیا تھا کہ مسلمان آدمیوں کو کچا کھا جاتے ہیں۔ جب مسلمانوں نے مسواک کرنا شروع کی تو اوپر قلعہ پر کھڑے ہوئے کفار حیرت سے دیکھنے لگے کہ نجانے کیا قصہ ہوا کہ کمانڈر کا ایک حکم ملنے پر یہ سب کے سب اپنے دانتوں کو تیز کررہے ہیں۔ پھر خیال آیا کہ ہم نے جو یہ سن رکھا ہے کہ مسلمان لوگوں کو کچا کھا جاتے ہیں تو شاید یہ ہمیں کچا کھانے کی تیاری ہے۔ جمعہ کا دن تھا، صبح کا وقت تھا، مسواک سے فارغ ہونے کے بعد سپہ سالار نے حکم دیا کہ اب حملہ کرو، کفار اس خیال سے کہ یہ اب ہمیں کچا کھا جائیں گے، ڈرگئے اور بھاگ کھڑے ہوگئے۔ جمعہ کی نماز سے پہلے قلعہ فتح ہوگیا۔ اسلامی لشکر نے جمعہ کی نماز قلعہ میں جاکر پڑھی۔

اتباع سنت کی ایک اہم فضیلت:

اگرچہ مسلمانوں کے بارے میں ان کا یہ تاثر غلط تھا کہ یہ لوگوں کو کچا کھا جاتے ہیں لیکن بہرحال اللہ رب العزت نے سنت پر عمل کرنے کو قلعہ فتح ہونے کا ذریعہ بنادیا۔ یقیناً سنت کے اندر بہت بڑی طاقت ہے۔ اس پر عمل کرنے کے اور بھی متعدد فضائل وارد ہوئے ہیں، چنانچہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

﴿مَنْ تَمَسَّكَ بِسُنَّتِيْ عِنْدَ فَسَادِ أُمَّتِي فَلَهُ أَجْرُ مِائَةِ شَهِيدٍ﴾ (مشکوۃ، کتاب الایمان، رقم الحدیث ۱۷۶)

''جس نے فساد کے زمانے میں میری سنت کو مضبوطی سے پکڑا اس کے لئے سو شہیدوں کا ثواب ہے۔''[1]

---

[1] روایت معجم الطبرانی الاوسط (۱۹۷/۶) پر ایک اور روایت ہے جس میں ایک شہید کے برابر ثواب ملنے کا ذکر ہے۔ م

دوسری آیت:

﴿فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِىٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجاً مِمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا﴾ (النساء: ۶۵)

"قسم ہے آپ کے رب کی یہ لوگ جب تک اپنے تنازعات میں تمہیں منصف نہ بنائیں اور جو فیصلہ تم کرو اس سے اپنے دل میں تنگ نہ ہوں بلکہ خوشی سے مان لیں، تب تک مومن نہیں ہوں گے۔"

یعنی جب تک اختلافی مسائل میں آپ کو حاکم تسلیم نہ کرلیں، اس وقت تک یہ مومن نہیں ہوسکتے اور جب آپ فیصلہ کردیں تو دلوں کے اندر تنگی بھی محسوس نہ کریں بلکہ خوشی سے قبول کریں خواہ ان کی مرضی کے خلاف ہو یا ان کے خلاف فیصلہ ہو اور پھر اس فیصلے کو پوری طرح تسلیم کرلیں۔ جب تک یہ بات نہ ہوگی اس وقت تک ان کے اندر ایمان مکمل نہیں ہوسکتا۔

تیسری آیت:

﴿فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِى شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ إِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ﴾

(النساء، ۵۹)

"اور اگر کسی بات میں تمہارے درمیان اختلاف واقع ہو تو اس میں خدا اور اس کے رسول (کے حکم) کی طرف رجوع کرو"۔

اللہ اور اس کے رسول کی طرف لوٹانے کا مطلب یہ ہے کہ یہ دیکھو کہ اس

مسئلے میں اللہ تعالیٰ کا کیا حکم ہے اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا حکم ہے۔ اللہ اور اس کے رسول کا تو حکم ایک ہی ہوتا ہے چنانچہ جب اللہ تعالیٰ کا حکم مل جائے یا اس کے رسول کا حکم مل جائے، اس پر عمل کرلو، جھگڑا ختم ہو جائے گا۔

جھگڑوں کی بنیاد

سارے جھگڑوں کی بنیاد یہی ہے کہ انسان اپنی رائے چلانا چاہتا ہے۔ جب اپنی رائے کو ختم کر دیا جائے اور اللہ اور اس کے رسول کے حکم کو تسلیم کرلیا جائے تو سب جھگڑے ختم ہو جاتے ہیں۔

چوتھی آیت:

ایک اور جگہ ارشاد ہے:

﴿وَمَنْ يُطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ أَطَاعَ اللّٰهَ﴾ (النساء:۸۰)

''اور جو شخص رسول کی فرمانبرداری کریگا تو بیشک اس نے خدا کی فرمانبرداری کی''۔

لہٰذا جو شخص رسول اللہ کی نافرمانی کریگا، وہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرنے والا ہوگا۔ اس لئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت اللہ کی اطاعت اور آپ کی نافرمانی اللہ رب العزت کی نافرمانی ہے۔

منکرین حدیث کا تعارف:

یہ چند آیات قرانی ہیں، اس کے علاوہ اور متعدد آیات ہیں جن سے ثابت ہے کہ جو اللہ کا حکم ہے، وہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ہے اور جو رسول اللہ صلی

اللہ علیہ وسلم کا حکم ہے، وہی اللہ تعالیٰ کا حکم ہے۔ یہیں سے ایک بات سمجھ لیجئے کہ آج کل ایک بہت خطرناک فتنہ ہمارے ہاں موجود ہے۔ ہمارے ملک سمیت اور کئی ممالک میں ایک فرقہ پایا جاتا ہے۔ یہ چھپا ہوا فرقہ ہے، دشمن اسلام ہے، یہ اپنا کفر چھپاتا ہے، اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرتا ہے حالانکہ وہ مسلمان نہیں ہے، وہ ''منکرین حدیث'' کا فرقہ ہے۔

یہ لوگ حدیث کا انکار کرتے ہیں اور لوگوں کی نظروں میں اپنے آپ کو باوقعت ظاہر کرنے کیلئے کہتے ہیں کہ ہم ''اہل قرآن'' ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ بس قرآن کافی ہے۔ حدیث کی ضرورت نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نہ کسی ارشاد کی ضرورت ہے اور نہ کسی فعل کی اور شریعت کا کوئی مسئلہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول یا فعل سے ثابت نہیں ہوسکتا۔ جو حکم قرآن مجید میں ہے بس وہی ٹھیک ہے۔ جو حکم قرآن مجید میں نہیں آیا لیکن حدیث میں آ گیا وہ قابل اعتبار نہیں۔

وہ بہت ملمع سازی کرکے اپنا نظریہ پیش کرتے ہیں اور علماء کرام پر یہ اعتراض کرتے ہیں کہ ملاؤں نے خود حدیثیں گھڑ گھڑ کے انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کردیا اور پھر حدیث کو حجت قرار دے دیا حالانکہ حدیث کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ حدیث کو ضروری قرار دینا قرآن مجید کی مخالفت اور اس کا درجہ گھٹانے کی کوشش کرنا ہے۔ یہ قرآن کے خلاف سازش ہے۔

منکرین حدیث کی سرگرمیاں:

نوتعلیم یافتہ طبقے اور بہت سے اونچے عہدوں پر اس فرقے نے اپنے لٹریچر کو پھیلایا اور ان میں سے بہت سے لوگ اونچے اونچے عہدوں پر پہنچ گئے ہیں اور کوشش کرکے ایسے لوگوں کو ان عہدوں پر پہنچایا جاتا ہے۔ آپ اپنے حکمرانوں کے

بارے میں بہت سی چیزوں کو دیکھتے ہیں کہ وہ اسلام کے خلاف کاروئیاں کرتے ہیں مثلاً کبھی دینی مدارس کے خلاف، کبھی دینی قوتوں کے خلاف اور کبھی دینی شخصیات کے خلاف، ان میں بسا اوقات ان لوگوں کی کوششوں کا بھی دخل ہوتا ہے، قادیانی بھی شامل ہوتے ہیں۔ یہ لوگ علماء سے بغض وعناد رکھنے والے لوگ ہیں۔

منکرین حدیث کے دعوے کا جواب:

ان لوگوں کے دعویٰ کی قلعی خود انہی آیات سے کھل جاتی ہے جو آج بیان ہوئیں اور گذشتہ ہفتے بیان ہوئیں[۱]۔ یہ آیات قرآنی سراسر ان کے خلاف ہیں۔ منکرین حدیث کا کہنا ہے کہ احادیث حجت نہیں، شریعت میں ان کی کوئی بنیاد نہیں جبکہ قرآن کہتا ہے: ''جو کچھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دیں، وہ لے لو جس سے منع کریں، اس سے رُک جاؤ۔ جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کی اس نے اللہ کی پیروی کی، اور تم میں اس وقت تک کوئی مومن نہیں ہوسکتا جب تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلے کو فیصلہ کن نہ سمجھے'' وغیرہ وغیرہ۔ یہ آیات ان منکرین حدیث کو کافر قرار دے رہی ہیں۔

منکرین حدیث پر کفر کا فتویٰ کب اور کیسے لگا؟

ان کے سرگروہ کا نام تھا ''غلام احمد پرویز''۔ اردو کا ادیب بہت اچھا تھا۔ ماہنامہ ''طلوع اسلام'' کے نام سے لاہور سے رسالہ نکالتا تھا اور اس نے قرآن مجید کی

---

۱ وَمَا اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا (الحشر، ۷) (۲) وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى (النجم، ۳،۴) (۳) قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِىْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ط (آل عمران: ۳۱)

تفسیر بھی لکھی۔

آج سے تقریباً چالیس سال یا اس سے بھی کچھ زیادہ عرصہ پہلے کی بات ہے کہ اس کی سب کتابوں کو یہاں دارالعلوم کراچی میں جمع کیا گیا۔ ہمارے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ، مولانا محمد یوسف بنوری صاحب رحمۃ اللہ علیہ، مولانا مفتی رشید احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ، مولانا مفتی ولی حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ، مولانا عاشق الٰہی صاحب رحمۃ اللہ علیہ، مولانا سحبان محمود صاحب رحمۃ اللہ علیہ، مولانا شمس الحق صاحب مدظلہ اور دارالعلوم کے دیگر اساتذہ کرام کے درمیان اِن کتابوں کو تقسیم کیا گیا کہ وہ ان کا مطالعہ کریں اور ان میں سے کفریہ کلمات کی نشاندہی کریں۔ ہم سب لوگ لگے، مہینوں تک اس کی کتابوں کا مطالعہ کیا۔ اِن کلمات کو نکالا گیا پھر ان پر مزید تحقیق کر کے ایسے کفریہ کلمات باقی رکھے گئے جن میں کوئی تاویل ممکن نہ تھی۔ جب ایسے کلمات سامنے آگئے کہ جن میں تاویل کی کوئی صورت نہ تھی تو پھر ان کے بارے میں فتویٰ لکھا گیا کہ ''پرویز اور ہر وہ شخص جو پرویز جیسے نظریات رکھتا ہو، وہ دائرۂ اسلام سے خارج ہے''۔ اس پر تمام مکاتب فکر دیوبندی، بریلوی، اہلحدیث علماءِ کرام کے دستخط ہوئے اور پھر یہ فتویٰ شائع کر دیا۔ تو اس پر علماءِ کرام کا اجماع ہے کہ منکرینِ حدیث کافر ہیں۔

منکرینِ حدیث کی شرانگیزیاں:

اس موقع پر ان کے ذکر کرنے کی وجہ یہ ہے کہ یہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات و افعال کی پیروی کا بیان چل رہا ہے کہ اس کے بغیر ایمان مکمل نہیں ہوتا تو یہ بات سامنے رکھنا ضروری تھی کہ ایسا فرقہ اِس وقت دنیا میں موجود ہے کہ جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و افعال کی حجیت کا انکار کرتا ہے اور وہ دائرۂ

اسلام سے خارج ہے۔ ان لوگوں نے بڑا شر پھیلایا ہے۔ انگریزی اخبارات میں ان کے آرٹیکلز شائع ہوتے رہتے ہیں۔ کبھی علماءِ کرام کے خلاف، کبھی حدیث کے خلاف اور کبھی صحابہ کرام کے خلاف وغیرہ۔

ایک اصولی بات:

ان کے ساتھ ہمارے مناظرے بھی ہوتے رہے ہیں۔ چونکہ ان کے پاس کوئی بنیاد نہیں ہے اس لئے کبھی وہ ٹھہر نہیں پاتے۔ ابھی ہم ان کا تذکرہ کرتے ہیں۔ پہلے ایک اصولی بات سمجھ لیجئے وہ یہ کہ ''حدیث کے بغیر قرآن پر عمل کرنا ممکن نہیں''۔ مثلاً دیکھئے کہ ایمان کے بعد سب سے اہم حکم اور رکن اسلام ''نماز'' ہے۔ نماز کے بارے میں قرآن مجید میں تفصیلات بیان نہیں کی گئیں۔ اس میں یہ نہیں بیان کیا گیا کہ نماز کے ارکان کتنے ہیں، ان میں ترتیب کیا ہوگی، فجر میں کتنی رکعتیں ہوں گی، ظہر میں کتنی ہوں گی، عصر، مغرب اور عشاء میں کتنی رکعتیں ہوں گی وغیرہ، یہ ساری تفصیلات تو حدیث میں آئی ہیں۔ اب قرآن کا حکم ہے کہ ''نماز قائم کرو''۔ جب تک احادیث سے یہ تفصیلات نہیں لی جائیں گی قرآن کے اس حکم پر عمل کیسے ہوگا؟

منکرینِ حدیث سے ہونے والے مناظرے کی روئیداد:

جس سال میں دورۂ حدیث سے فارغ ہوا، اسی سال کی بات ہے کہ میں شہر میں تراویح پڑھاتا تھا ایک منکرِ حدیث جو کسی بڑے عہدے پر فائز تھا، نوتعلیم یافتہ تھا، وہ میرے پیچھے تراویح پڑھنے کے لئے دور سے آتا تھا۔ روزانہ کوئی نہ کوئی مسئلہ پوچھتا تھا جس سے نوک جھونک سی محسوس ہوتی تھی۔ ایک روز اس نے مجھ سے کوئی مسئلہ پوچھا۔ میں نے بتایا کہ یہ مسئلہ حدیث میں یوں ہے۔ اس پر بات چل پڑی۔

وہ بولا کہ حدیث کی ضرورت کیوں ہے؟ قرآن کافی ہے۔ میں نے جواب دیا کہ حدیث کے بغیر تم نماز ہی نہیں پڑھ سکتے۔ کہنے لگا یہ کس طرح؟ میں نے کہا تم نماز میں جو رکوع کرتے ہو کیا قرآن مجید میں اس طرح رکوع کرنے کا کوئی ذکر ہے۔ وہ چکرا سا گیا۔ پھر میں نے بات آگے بڑھاتے ہوئے کہا کہ دیکھو رکوع کے معنی جھکنے کے ہیں۔ وہ بولا کہ رکوع کے معنی ہی جھکنے کے ہیں (تو گویا قرآن سے جھکنا ثابت ہو گیا) میں نے کہا کہ جھکنے کے معنی تو ہیں لیکن کس طرف جھکنا، آگے جھکنا، پیچھے جھکنا، دائیں جھکنا یا بائیں جھکنا۔ یہ تو رکوع کے معنی سے معلوم نہیں ہوتا بلکہ یہ تو حدیث سے معلوم ہوگا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل سے معلوم ہوگا۔ کہنے لگا، اچھا سجدہ؟ میں نے کہا سجدہ کی بات بھی یہی ہے۔ سجدہ کا لغوی مطلب ہے "پیشانی کو زمین پر ٹیکنا"۔ پیشانی کو زمین پر ٹیکنا الٹا لیٹ کر بھی ہو سکتا ہے، اس مخصوص طریقے سے پیشانی ٹیکنے کا طریقہ جو ہم نماز میں کرتے ہیں، وہ کسی لغت کی کتاب میں مذکور نہیں، بلکہ اس کا علم حدیث سے ہوگا۔ اس سے کچھ بن نہ پڑا۔

دوسرا واقعہ:

میں نے ایک موقع پر کسی منکر حدیث سے کہا کہ بتلاؤ، قرآن مجید میں کہیں ہے کہ پاخانہ کھانا اور پیشاب پینا حرام ہے تو پھر جب تم صرف قرآن ہی کے احکام پر بات کرتے ہو تو پاخانہ کیوں نہیں کھاتے اور پیشاب کیوں نہیں پیتے؟ وہ خاموش ہو گیا۔

منکرینِ حدیث کا دوسرا رخ:

منکرینِ حدیث نے پہلے تو یہ کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و

افعال کی ضرورت ہی نہیں، صرف قرآن ہی کافی ہے لیکن جب ان کے سامنے قرآن مجید کی وہ آیات رکھی گئیں جن سے حدیث کا حجت ہونا معلوم ہوتا ہے اور جب یہ کہا گیا کہ جب تم قرآن کو مانتے ہو تو اس کے ماننے کی وجہ سے حدیث کو بھی ماننا پڑے گا تو اس محاذ پر وہ شکست کھا گئے۔ اب انہوں نے نئی بات نکالی اور بات انہوں نے اپنی طرف سے نہیں کی، ان کی اپنی عقل تو بہت تھوڑی سی ہے، ان کی عقل تو یورپ اور امریکہ سے آتی ہے۔ ایک یہودی مستشرق گولڈ زہر نے آج سے سو ڈیڑھ سو سال پہلے ایک شوشہ چلتا کیا تھا کہ احادیث قابلِ اعتبار نہیں کیونکہ یہ عہدِ رسالت میں نہیں لکھی گئی تھیں بلکہ دو سو سال بعد لکھی گئیں۔

کتابت حدیث پر اعتراض:

چنانچہ یہ بھی کبھی یہ بات کرتے دکھائی دیتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث عہدِ رسالت میں نہیں لکھی گئیں بلکہ دو سو سال بعد لکھی گئیں پھر وہ بڑے چٹ پٹے انداز میں بات کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ دیکھئے آج کوئی صدر یا وزیراعظم کی تقریر ہو اور وہ لکھی نہ جائے اور ریکارڈ بھی نہ کی جائے اور کوئی آدمی یہ تقریر سنے پھر وہ دوسرے کو بتائے، دوسرا تیسرے کو بتائے، تیسرا چوتھے کو، چوتھا پانچویں کو، اسی طرح کئی آدمیوں نے ایک دوسرے کو بتایا۔ ایک ہفتے کے بعد جب آپ آخری آدمی سے پوچھیں گے کہ صدر صاحب نے اپنی تقریر میں کیا کہا تھا تو وہ کچھ کی کچھ ہو چکی ہوگی، اصل بات کوئی اور ہوگی اور ہم تک کوئی اور بات پہنچے گی جب کہ احادیث تو دو سو سال تک نہیں لکھی گئیں اور ٹیپ ریکارڈ تو ویسے بھی اس زمانے میں نہیں ہوتا تھا۔ دو سو سال کے بعد امام بخاری، مسلم اور ابوداؤد وغیرہ آئے۔ اس وقت عالمِ اسلام میں کچی پکی باتیں پھیلی ہوئی تھیں، انہوں نے وہ سن کر اپنی کتابوں

میں لکھ دیں اور کہا کہ یہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات ہیں، ان پر کیسے بھروسہ کیا جا سکتا ہے؟۔

جواب:

یہ اعتراض بالکل غلط ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ عہد رسالت میں خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نگرانی میں آپ کی ہدایت کے مطابق اور آپ کی اِملاء سے صحابہ کرام نے ہزارہا حدیثیں لکھیں۔ اس کے علاوہ صحابہ کرام کی ایک بہت بڑی تعداد احادیث کو حفظ کرتی تھی۔ حدیثوں کو اسی طرح حفظ کیا جاتا تھا جس طرح قرآن مجید کو حفظ کیا جاتا ہے اور ساتھ ساتھ لکھنے کا کام بھی ہوتا ہے۔ انہیں درساً پڑھایا جاتا تھا۔ اس موضوع پر ہمارے اکابر نے بہت سی کتابیں لکھیں۔ حضرت مولانا مناظر احسن گیلانی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی مشہور کتاب ہے ''تدوینِ حدیث''۔ اس میں انہوں نے پوری داستان لکھی ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کے دور میں کس طرح احادیث لکھی جاتی تھیں اور انہیں کس طرح حفظ کیا جاتا تھا اور یہی سلسلہ تابعین، تبع تابعین اور بعد کے دور میں بھی رہا۔ ناچیز[1] کی بھی ایک کتاب ہے جس کا نام ہے ''کتابتِ حدیث عہدِ رسالت اور عہد صحابہ میں''[2] یہ اردو میں ہے۔ اس میں ہم نے یہ ثابت کیا ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کے زمانہ میں کتنے بڑے پیمانے پر حدیث کی کتابت کا انتظام کیا گیا تھا۔ اور اس کے علاوہ صحابہ کرام کی کتنی بڑی جماعت نے اپنے آپ کو حفظِ حدیث کے مشغلے پر لگا لیا تھا کہ اس کے علاوہ کوئی کام ہی نہیں تھا۔ لہٰذا ان کا یہ اعتراض بھی غلط ہے۔

---

[1] یعنی استاذ مکرم حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی مدظلہم۔ م

[2] یہ کتاب ''مکتبہ دارالعلوم کراچی'' سے چھپ چکی ہے۔ م

احادیث کی حفاظت تین طرح سے ہوئی:

بلکہ صحیح بات یہ ہے کہ احادیث لکھی بھی گئیں، حفظ بھی کی گئیں، ان پر عمل بھی ہوتا تھا بلکہ حکومتوں کے قوانین اسی کے مطابق چلتے تھے اور جو چیز ایک مرتبہ قانون بن جائے وہ کیسے بھلائی جا سکتی ہے۔ خلافتِ راشدہ کی ساری حکومتوں کا نظام احادیث کی بنیاد پر چلتا تھا۔ حضرت عثمانِ غنی رضی اللہ عنہ جن کی حکومت اتنی زیادہ پھیلی ہوئی تھی کہ آپ کی حدودِ سلطنت کے مقابلے میں پاکستان کی حیثیت اتنی بھی نہیں بنتی، جتنی پاکستان کے مقابلے میں اس کی چھوٹی سی تحصیل کی۔ اتنی بڑی سلطنت کے سارے قوانین اور عدالتی فیصلے سنت کے مطابق ہو رہے تھے، آپ کے ارشادات اور افعال کے مطابق ہو رہے تھے۔ گویا احادیث کی حفاظت تین طریقے سے ہو رہی تھی، کتابت کے ذریعے، حفظ کے ذریعے اور عمل کے ذریعے۔ پھر عمل انفرادی سطح پر بھی ہو رہا تھا اور سرکاری سطح پر بھی ہو رہا تھا، اِن حالات میں احادیث کیسے بھلائی جا سکتی تھیں۔

احادیث کس طرح حفظ کی جاتی تھیں؟:

حفظِ حدیث کا کام بھی اعلیٰ پیمانے پر ہو رہا تھا۔ چنانچہ حضراتِ صحابہ کرام سے لے کر محدثین کے آخری دور تک ایسے ہزاروں حضرات ملتے ہیں جنہوں نے اپنی زندگیاں علم حدیث کی حفاظت، کتابت اور زبانی یاد کرنے کے لئے وقف کر رکھی ہیں۔ احادیث کو اس طرح حفظ کیا جاتا تھا جس طرح قرآنی آیات کو حفظ کیا جاتا ہے۔ احادیث کو یاد رکھنے کے بھی عجیب وغریب واقعات ہیں۔ اس کی ابتداء اصحابِ صفہ سے ہوئی۔

صفہ اسلام کا پہلا مدرسہ تھا۔ اس مدرسے کے استاذ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تھے اور شاگرد اصحابِ صفہ تھے۔ اصحابِ صفہ ان صحابہ کرام کو کہا جاتا ہے جو صفہ میں رہتے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دین سیکھنے کے علاوہ ان کا کوئی اور مشغلہ نہیں تھا۔ اور دین کس طرح سیکھتے تھے؟ قرآن سیکھتے تھے، اس کا معنی سیکھتے تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل دیکھتے رہتے تھے اور آپ کے اقوال کو یاد کرتے رہتے تھے اور دوسروں تک پہنچاتے تھے۔

حفاظتِ حدیث کے لئے حضرت ابوہریرہؓ کی فاقہ کشی:

ان میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ پیش پیش تھے۔ ان کا حافظہ بھی خوب تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو خصوصی دعا بھی دی تھی اور ان کا اس کے علاوہ اور کوئی کام ہی نہیں تھا۔ کھانے کو کچھ مل گیا تو کھا لیا ورنہ فاقہ۔ بعض اوقات فاقہ کی وجہ سے مسجد میں اس حالت میں پڑے ہوتے تھے کہ کسی سے بات نہیں کر سکتے تھے۔ ایک مرتبہ ایسے ہی فاقے کی حالت میں تھے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ان کو دیکھا تو ان کے لئے کھانے کا انتظام کیا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایات:

صحابہ کرام میں سب سے زیادہ احادیث روایت کرنے والے ہی ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ہیں۔ انہوں نے پانچ ہزار سے زائد احادیث روایت کی ہیں۔ آپ اصحابِ صفہ کے سردار ہیں۔ احادیث بہت بیان کرتے تھے۔ دوسروں کو سناتے رہتے تھے، اس لئے بھی سناتے تھے کہ جتنی مرتبہ سنائیں گے اتنی اور پکی یاد ہو جائیں گی۔ کثرت سے روایات بیان کرنے کی وجہ سے بعض لوگوں نے ان کا امتحان بھی لیا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے حفظِ حدیث کے امتحان کا ایک واقعہ:

مروان بن حکم مدینہ کے گورنر تھے۔ انہوں نے دیکھا کہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ احادیث بہت سناتے ہیں تو ان کا امتحان لینے کا ارادہ کیا۔ چنانچہ ایک مرتبہ ان کو اپنے ہاں دعوت دی۔ بڑے اعزاز و اکرام کے ساتھ بلایا۔ جب یہ تشریف لائے تو درخواست کی کہ آپ ہمیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کچھ احادیث سنا دیں۔ یہ تو حدیثیں سنانے کے لئے تیار رہتے تھے چنانچہ انہوں نے خاصی تعداد میں احادیث سنائیں۔ مروان نے خفیہ طور پر ایک کاتب کو پردے کے پیچھے بٹھا رکھا تھا اور اسے ہدایت کی تھی کہ جو کچھ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بولتے جائیں، وہ سب لکھتے جانا۔ چنانچہ وہ احادیث لکھتا رہا۔ حدیث کا ایک اچھا خاصہ مجموعہ تیار ہو گیا۔ مروان بن حکم نے بڑے اعزاز سے آپ کو رخصت کیا اور اس ذخیرۂ احادیث کو اپنے پاس محفوظ کر لیا۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو اِن احادیث کے محفوظ ہونے کا کچھ علم نہیں تھا۔

ایک سال کے بعد مروان بن حکم نے پھر دعوت کی۔ اعزاز و اکرام کے ساتھ بلایا اور درخواست کی کہ آپ نے پچھلے سال جو احادیث بیان کی تھیں، وہ میرے پاس محفوظ نہیں رہیں۔ آپ براہِ کرم دوبارہ وہ حدیثیں سنا دیجئے۔ آپ نے پھر وہی حدیثیں اسی ترتیب سے سنا دیں۔ اس مرتبہ بھی مروان نے کاتب کو خفیہ طور پر پردے کے پیچھے بٹھا رکھا تھا، وہ احادیث لکھتا چلا گیا۔ اب دو نوشتے اور تحریریں تیار ہو گئیں۔ جب حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ رخصت ہو گئے تو دونوں کو ملا کر دیکھا تو اس میں زبر زیر کا فرق نہیں تھا اور کوئی حرف آگے پیچھے نہیں تھا۔ یہ شان تھی ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ:

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ بہت بڑے محدث ہیں۔ ان کی زندگی کا بڑا وقت سفروں میں گذرا ہے، محنت و مشقت کی زندگی گزاری ہے۔ علمِ حدیث کی تلاش میں مختلف علاقوں اور ملکوں کے سفر کئے، جہاں سے امید ہوتی تھی کہ کچھ احادیث مل جائیں گی، وہاں تشریف لے جاتے تھے۔ اس زمانے میں مدرسے نہیں ہوتے تھے بلکہ اشخاص تھے اور طلبہ ان کے پاس جا کر علم حاصل کرتے تھے۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسی طرح علم حاصل کیا اور علم میں اتنا کمال پیدا کیا کہ ان کے حافظے کی، ان کے تقوی کی، ان کی علمِ حدیث میں مہارت اور ان کی محنت کی پوری دنیا میں شہرت ہورہی تھی۔ چنانچہ ان سے بھی علمِ حدیث کے سلسلے میں کافی امتحان لئے گئے۔

ایک مرتبہ ایک شہر میں پہنچے۔ وہاں کے محدثین نے آپس میں کہا کہ بخاری آرہے ہیں، ان کی بڑی شہرت ہے لہٰذا ان کا امتحان لینا چاہئے۔ اس کا طریقہ یہ طے کیا گیا کہ دس علماء مقرر ہوئے۔ ان میں سے ہر ایک کے ذمے یہ لگایا گیا کہ وہ دس احادیث سنائے گا اور یہ سب علماء حدیثیں اس طرح سنائیں گے کہ کسی کا کوئی لفظ آگے ہو جائے گا، کسی کا پیچھے کر دیا جائیگا، کسی میں کوئی اور لفظ لایا جائے گا غرضیکہ کوئی نہ کوئی تغیر کر دیا جائے گا۔ اور پھر امام بخاری سے پوچھا جائے گا کہ ان حدیثوں کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے کہ یہ درست ہیں یا نہیں؟

اندازہ کیجئے یہ کتنا کڑا امتحان تھا۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کو اس کا کچھ علم نہیں تھا۔ آپ تشریف لائے۔ ہزاروں لوگ جمع ہو گئے۔ امام بخاری جب بیٹھ گئے تو ایک عالم کھڑے ہوئے اور کہا کہ میرے پاس دس حدیثیں پہنچی ہیں انہیں سنانا چاہتا ہوں اگر آپ نے تصدیق کی کہ یہ حدیثیں درست ہیں تو میں انہیں اپنے پاس لکھ لوں

گا۔ اجازت ملنے پر انہوں نے دس حدیثیں سنائیں۔ ان سب احادیث میں تغیر و تبدل کیا گیا تھا۔ امام بخاریؒ نے پہلی حدیث سنی تو فرمایا کہ یہ حدیث تو میرے علم میں نہیں ہے، دوسری سنی تو اس کے بارے میں بھی یہی جواب دیا۔ حتی کہ دس کی دس حدیثوں کے بارے میں یہ کہہ دیا کہ یہ میرے علم میں نہیں ہیں۔ پھر دوسرے عالم نے دس احادیث تغیر و تبدل کے ساتھ سنائیں۔ ان کو وہی جواب دیا جو پہلے عالم کو دیا تھا۔ لوگ چہ میگوئیاں کرنے لگے کہ یہ کیسے محدث ہیں، علماء انہیں حدیثیں سنا رہے ہیں اور انہیں کسی ایک کی بھی خبر نہیں۔ پھر تیسرے عالم نے تغیّر کے ساتھ حدیثیں سنائیں۔ اسی طرح دس کے دس علماء نے احادیث بیان کر دیں۔ ہر ایک کے بارے میں آپ کا یہی جواب تھا کہ یہ میرے علم میں نہیں ہے۔

اب عوام کی چہ میگوئیاں تو اور بڑھ گئیں البتہ علماء سمجھ گئے کہ کچھ بات ہے، یہ معمولی آدمی نہیں معلوم ہوتا۔ پھر کسی نے کہا حضرت! اِن سو حدیثوں میں سے کسی کے بارے میں بھی آپ کو علم نہیں۔ فرمایا کہ جس طرح انہوں نے حدیثیں سنائی ہیں، اس طرح تو کوئی حدیث میرے علم میں نہیں البتہ پہلی حدیث جو سنائی گئی وہ فلاں طریق سے فلاں الفاظ کے ساتھ میرے علم میں آئی ہے۔ حدیث کو صحیح سند اور الفاظ کے ساتھ بیان فرمایا۔ پھر اسی طرح دوسری حدیث کے بارے میں کہا اور صحیح پڑھ کر سنا دی، پھر تیسری، چوتھی، پانچویں غرضیکہ سو کی سو احادیث کو اسی ترتیب سے پڑھا جس ترتیب سے سنانے والوں نے بتائی تھیں اور پھر انہیں صحیح طریقے سے سنا کر فرمایا کہ میں نے اس طریقے سے یہ حدیثیں سنی ہیں۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کو یہ مقام کیسے ملا؟:

سب علماء نے وہیں ہتھیار ڈال دیئے اور سب کی گردنیں جھک گئیں۔ واقعہ یہ ہے کہ امام بخاری کو امت نے اگر امام مانا ہے تو بے وجہ نہیں مانا، ان کے سامنے جو

گردنیں جھک جاتی ہیں، وہ ایسے ہی نہیں جھک جاتیں اور نہ ہی کسی پروپیگنڈے کے نتیجے میں جھکتی ہیں، علماءِ کرام نے انہیں کسوٹی پر پرکھا ہے اور ان سے بڑے بڑے امتحانات لئے، جب علماء کو سو فیصد یقین ہو گیا کہ یہ شخص علمِ حدیث کا بہت بڑا ماہر ہے، تب جا کر اس کی بات مانی ہے۔

عرب علماء اور امام بخاری:

آج کل بہت سے عرب علماء میں یہ مزاج نظر آتا ہے کہ وہ عام طور پر غیر عرب عالم کی بات کو توجہ سے نہیں سنتے بلکہ ان کی بات کو درخورِ اعتنا ہی نہیں سمجھتے البتہ جن عرب علماء نے ہمارے بزرگوں کی عربی کتابوں کا مطالعہ کیا ہے تو وہ ان کے عاشق اور فریفتہ ہو جاتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ پاکستان اور ہندوستان میں بڑے بڑے علماء ہیں ورنہ عام طور پر عجمی علماء کے بارے میں ان کا رویہ یہی ہے کہ وہ ان کی بات پر توجہ نہیں دیتے۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ بھی عجمی تھے لیکن آج بھی اگر عالمِ عرب کے بڑے سے بڑے فقیہ، بڑے سے بڑے محقق اور بڑے سے بڑے محدث کے سامنے جب کوئی حدیث پڑھ کر یوں کہا جائے کہ اسے بخاری نے روایت کیا ہے تو اس کے سامنے اس کی گردن جھک جاتی ہے۔

امام ترمذی کا حافظہ:

یہ صرف امام بخاری کے حالات ہیں۔ ان کے علاوہ امام مسلم، امام ابوداؤد، امام ترمذی کے حالات بھی عجیب ہیں۔ ان کے حافظے، ان کی کاوشیں، ان کی قربانیاں بڑی حیرت ناک ہیں۔ امام ترمذی جنہوں نے صحاح ستہ میں شامل مشہور کتاب جامع ترمذی لکھی، یہ امام بخاری رحمۃ اللہ کے شاگرد ہیں۔ یہ ازبکستان کے شہر ترمذ کے رہنے

والے ہیں۔ ان کے حافظے کا حال عجیب وغریب تھا۔ آخری عمر میں نابینا ہو گئے تھے۔ اس زمانے میں ایک مرتبہ حج کیلئے جا رہے تھے۔ راستے میں ایک جگہ سے گذرے تو سر جھکا لیا اور ساتھیوں سے کہا کہ سر جھکا لو۔ لوگوں نے پوچھا کیا بات ہے فرمایا کہ یہاں جھاڑی دار درخت نہیں ہے؟ ساتھیوں نے انکار کیا تو امام ترمذی نے گھبرا کر قافلے کو روکنے کا حکم دیا اور فرمایا اس کی تحقیق کرو، مجھے یاد ہے کہ عرصہ دراز پہلے جب میں یہاں سے گذرا تھا تو اس جگہ ایک درخت تھا جس کی شاخیں بہت جھکی ہوئی تھیں اور وہ مسافروں کے لئے پریشانی کا باعث تھا، سر جھکائے بغیر اس کے نیچے سے گذرنا ممکن نہ تھا۔ شاید اب وہ درخت کسی نے کاٹ دیا ہے۔ اگر واقعہ ایسا نہیں ہے اور ثابت ہو جاتا ہے کہ یہاں درخت نہیں تھا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ میرا حافظہ کمزور ہو چکا ہے لہٰذا میں روایتِ حدیث کو ترک کر دوں گا۔

لوگوں نے اتر کر آس پاس کے لوگوں سے تحقیق کی تو بڑی عمر کے لوگوں نے بتایا کہ واقعۃً یہاں ایک درخت تھا چونکہ وہ مسافروں کی پریشانی کا باعث تھا، اس لئے اُسے کٹوادیا گیا۔

اِس جیسے اور کئی واقعات ہیں اور اس طرح حفاظتِ حدیث کی ایک درخشندہ تاریخ مرتب ہوئی جو آج تک محفوظ ہے۔

احادیث کی تاریخ:

اگر آج آپ ہم سے یہ کہیں کہ اس حدیث کی تاریخ بتائیں تو ہم آپکو اس کی پوری تاریخ بتلا دیں گے کہ یہ حدیث ہم نے کس سے سنی، اس نے کس سے سنی پھر اس نے کس سے سنی، پھر امام مسلم نے کس سے سنی، امام بخاری نے کس سے سنی

یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پورا سلسلہ بیان کریں گے انشاء اللہ۔ کسی بھی محدث سے پوچھئے وہ آپ کو پورا سلسلہ بتادے گا۔ یہ ایک زنجیر (chain) ہے جس میں کوئی لڑی درمیان میں غائب نہیں اور کوئی لڑی کھوٹی نہیں ہے، سب کے سب کھرے لوگ ہیں، متقی اور پرہیزگار ہیں، ذہین اور سمجھدار ہیں، محنت سے احادیث کو یاد کرنے والے اور اپنی زندگیاں کھپانے والے لوگ ہیں۔

راوی کے حالات جاننے کا طریقہ:

اگر آپ ایک سند میں کسی راوی کا نام پڑھتے ہیں لیکن آپ کو اس کے حالات معلوم نہیں تو لائبریریوں میں ''اسماء الرجال'' کے فن سے متعلق کتابیں موجود ہیں۔ ان میں تمام راویوں کے حالاتِ زندگی لکھے ہوئے ہیں۔ عام طور پر حروفِ تہجی کے نام سے ہوتے ہیں مثلاً آپ یحییٰ بن معین کے حالات معلوم کرنا چاہتے ہیں تو آپ حرف ''ی'' کو نکالئے، حرفِ ''ی'' سے شروع ہونے والے محدثین کے نام آجائیں گے۔ ان میں یحییٰ بن معین کے حالات بھی ہوں گے۔ جس میں یہ درج ہوگا کہ وہ کہاں پیدا ہوئے، کب پیدا ہوئے، کن اساتذہ سے پڑھا، کن لوگوں نے ان سے علم حاصل کیا۔ کن کن شہروں میں گئے، کن کن سے ملاقاتیں کیں، ان کا علم کیسا تھا، حافظہ کیسا تھا وغیرہ وغیرہ یہ سارا ریکارڈ محفوظ ہے۔

خلاصہ:

خلاصہ یہ کہ یہ کہنا بالکل دجل وفریب ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کے بارے میں اطمینان سے نہیں کہا جاسکتا کہ یہ واقعی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث ہیں۔ یقیناً کہا جاسکتا ہے اور ان سے احکام ثابت کئے جاسکتے ہیں۔

لہٰذا منکرینِ حدیث کا دعویٰ بالکل غلط اور نا قابلِ اعتناء ہے۔

اللہ رب العزت ہمیں اِتباع سنت کی توفیق نصیب فرمائے اور اس فتنے سے ہماری مکمل حفاظت فرمائے۔ (آمین)

وآخر دعوانا أنِ الحمدللّٰه رب العالمين ○

حج کے بعد
زندگی کیسے گذاریں

موضوع　حج کے بعد زندگی کیسے گزاریں؟
مقرر　حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی مدظلہ
مقام　عالمگیر مسجد، کراچی
تاریخ　۱۶ مارچ ۲۰۰۳ء
ضبط وترتیب　مولانا اعجاز احمد صمدانی
باہتمام　محمد ناظم اشرف

﴿حج کے بعد زندگی کیسے گذاریں؟﴾

خطبہ مسنونہ:

الحمدللّٰه نحمدهٗ ونستعينهٗ ونستغفرهٗ ونؤمنُ بهٖ ونتوكل عليه ونعوذ باللّٰه من شرور أنفسنا ومن سيئات اعمالنا ○من يهده اللّٰه فلا مضل لهٗ ومن يضللهٗ فلا هادى لهٗ ونشهدأن لا اله الا اللّٰه وحده لاشريك لهٗ ونشهدأن سيدنا وسندنا ومولانا محمداً عبدهٗ ورسولهٗ۔ صلى اللّٰه تعالىٰ عليه وعلىٰ آلهٖ وصحبه اجمعين ○ امّا بعد فاعوذ باللّٰه من الشيطان الرجيم○بسم اللّٰه الرحمن الرحيم

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اتَّقُوااللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ○

تمہید:

بزرگانِ محترم ، برادرانِ عزیز ! آج کا یہ مبارک اجتماع ان بہنوں اور

بھائیوں پر مشتمل ہے جو تازہ تازہ حرمین مبارک پر حاضری دے کر واپس آئے ہیں۔ حج کی دولت ایسی عجیب ہے کہ اس میں تمام عبادتوں سے ایک الگ انفرادیت ہے۔

فوائد حج کے حصول کے لئے بیت اللہ کی حاضری ضروری ہے

اسلام کے اندر تمام عبادتیں عظیم الشان اور ایک دوسرے سے بڑھ کر ہیں۔ نماز، زکوٰۃ، روزہ اور اسی طرح دیگر عبادات، ان کی الگ الگ برکات اور انوارات ہیں اور دنیا و آخرت کی زندگی میں ان کے عظیم الشان اثرات ہیں۔ اور ان میں سے ایک عبادت سے دوسری عبادت کی ضرورت بھی پوری نہیں ہوتی۔ اگر کوئی یہ چاہے کہ نماز پڑھنے سے روزے کی ضرورت پوری ہوجائے تو ایسا نہیں ہوسکتا۔ اسی طرح اگر کسی کی یہ خواہش ہو کہ زکوٰۃ دیکر نماز کی ضرورت پوری کرلے تو یہ بھی نہیں ہوسکتا۔

اسی طرح حج کا فائدہ بھی دیگر عبادات کے ذریعے حاصل نہیں ہوسکتا بلکہ فوائد حج کے حصول کے لئے ضروری ہے کہ بیت اللہ شریف جاکر حاضری دی جائے۔

مختلف عبادات کے اثرات

ہر عبادت کا ایک الگ فائدہ ہے جس کا اثر انسان کے دل و دماغ اور اس کے اعمال و اخلاق پر پڑتا ہے۔ چنانچہ قرآن مجید میں نماز کا ایک اہم فائدہ یہ بتلایا گیا کہ یہ فحش اور برے کاموں سے منع کرتی ہے۔ چنانچہ ارشاد باری ہے:

﴿إِنَّ الصَّلٰوةَ تَنۡهٰى عَنِ الۡفَحۡشَاۤءِ وَالۡمُنۡكَرِ﴾ (عنکبوت)

''بلاشبہ نماز بے حیائی اور برے کاموں سے روکتی ہے''۔

روزے کا فائدہ یہ بتلایا گیا کہ اس سے انسان کے اندر تقویٰ پیدا ہوتا ہے۔ چنانچہ یہ کہا گیا:

﴿یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُتِبَ عَلَیْکُمُ الصِّیَامُ کَمَا کُتِبَ عَلَی الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکُمْ لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنَ﴾ (البقرۃ)

''اے ایمان والو! تم پر روزے فرض کئے گئے جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر فرض کئے گئے تھے تا کہ تمہارے اندر تقویٰ پیدا ہو''۔

گویا روزے کی تاثیر یہ ہے کہ وہ انسان کے اندر تقویٰ پیدا کرتا ہے اور انسان کے دل میں یہ احساس رہنے لگتا ہے کہ اللہ مجھے دیکھ رہا ہے۔

زکوٰۃ کا فائدہ یہ ذکر کیا گیا کہ اس سے مال پاک ہوتا ہے اور مال میں برکت پیدا ہوتی ہے اور غرباء و مساکین کی ضرورتیں پوری ہوتی ہیں۔

حج کے فوائد سننے سے سمجھ نہیں آ سکتے:

لیکن حج کے معاملے میں قرآن مجید نے بالکل الگ انداز اختیار کیا۔ وہ یہ کہ حج کے فائدے صراحتاً ذکر نہیں کئے بلکہ سب سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اعلانِ حج کا جو حکم دیا تھا اُسے قرآن مجید میں یوں ذکر کیا گیا۔

﴿وَاَذِّنْ فِی النَّاسِ بِالْحَجِّ یَاْتُوْکَ رِجَالًا وَّعَلٰی کُلِّ ضَامِرٍ یَّاْتِیْنَ مِنْ کُلِّ فَجٍّ عَمِیْقٍO﴾ (الحج:۲۷)

''اور لوگوں میں حج کے لئے ندا کرو کہ تمہاری طرف پیدل اور دبلے دبلے اونٹوں پر جو دور دراز راستوں سے چلے آتے ہوں (سوار ہوکر) چلے آئیں''۔

اس آیت مبارکہ میں اعلانِ حج کا حکم دینے کے بعد پہلے یہ خوشخبری سنائی گئی کہ لوگ حج کے لئے آئیں گے حتیٰ کہ اتنے دور دراز سفر سے بھی آئیں گے کہ

اونٹیاں چلتے چلتے دبلیاں ہوجائیں گی۔ اور پھر ان کے آنے کا معنی خیز فائدہ بتلاتے ہوئے یہ فرمایا گیا:

﴿لِيَشْهَدُوا مَنَافِعَ لَهُمْ﴾

''تاکہ وہ اپنے منافع کا خود مشاہدہ کرلیں''۔

دیکھئے! نماز روزے اور زکوٰۃ وغیرہ کے فائدے بیان کردیئے لیکن حج کے فائدے ذکر کرنے کے بجائے یوں کہا گیا کہ'' وہ خود آکر اپنے منافع کا مشاہدہ کرلیں۔'' اس کی وجہ یہ ہے کہ حج کے فائدے ایسے ہیں کہ اگرانہیں کوئی بیان کرے گا تو بھی سننے والے سمجھ نہیں سکیں گے۔ گویا یہ فائدے پڑھنے، سننے سے سمجھ میں آ ہی نہیں سکتے بلکہ ان فوائد کا تعلق تجربہ اور مشاہدہ سے ہے۔

مثال:

اس کی مثال یوں سمجھئے کہ مثلاً کوئی شخص آپ سے پوچھے کہ آم کسے کہتے ہیں اگر آپ یہ جواب دیں کہ ایک پھل ہوتا ہے جو گرمیوں میں آتا ہے۔ آپ کہیں کہ نہیں صاحب! وہ خربوزے سے بھی چھوٹا ہوتا ہے اور کچھ لمبوترا سا بھی ہوتا ہے۔ یہ سن کر وہ کہے گا کہ بھائی کھیرا بھی خربوزے سے چھوٹا ہوتا ہے اور لمبوترا بھی ہوتا ہے۔ آپ کہیں کہ وہ ذرا ٹیڑھا بھی ہوتا ہے اور اس میں ہلکا سا پیلا پن بھی ہوتا ہے۔ تو وہ کہے گا کہ پھر تو وہ سیب کی طرح کا ہوگا۔ آپ کہیں کہ نہیں صاحب! اس کے اوپر چھلکا ہوتا ہے۔ وہ اتار لیتے ہیں، اس کے اندر گودا ہوتا ہے اور گودے کے اندر گٹھلی ہوتی ہے، تو وہ کہے گا کہ اِملی بھی ایسی ہوتی ہے۔ غرضیکہ آپ آم کی جتنی بھی علامتیں بتاتے چلے جائیں۔ اس سے آم کی پوری حقیقت سمجھ میں نہیں آئے گی اور نہ یہ پتہ چلے گا کہ آم کا ذائقہ کیا ہے؟ لیکن اگر آپ اُسے ایک آم لاکر دے دیں اور کہیں کہ

ذرا اسے کھا کر دیکھ لو تو اُسے سب کچھ پتہ چل جائے گا۔ اور اُسے کچھ بتانے کی ضرورت نہیں پڑے گی۔

حجِ بیت اللہ کے حیرت ناک اثرات:

حج کے معاملے میں بھی قرآن مجید نے یہی اسلوب اختیار کیا اور گویا یوں فرمایا کہ اگر تمہیں حج کے فائدے بتلائے جائیں تو تم انہیں سمجھ ہی نہیں سکو گے۔ ہاں اگر خود حج کے لئے چلے جاؤ تو پتہ چل جائے گا کہ حج کے منافع کیا ہیں۔ تمہارا دل گواہی دے گا کہ تمہارے اندر انقلاب آرہا ہے، تمہارے کردار میں تبدیلی آرہی ہے۔ تمہاری سوچ تبدیل ہورہی ہے۔ تمہارے جذبات بدل رہے ہیں اور یہاں آکر تم کچھ اور ہو گئے ہو۔ حج پر جا کر آدمی یہ محسوس کرتا ہے کہ میں وہ نہیں ہوں جو اپنے وطن میں تھا، میں کچھ اور ہو گیا ہوں۔ یہ سب حجِ بیت اللہ کے حیرت ناک اثرات ہیں۔

سادگی مگر............

حالانکہ بیت اللہ شریف ایک سادہ سی عمارت ہے۔ بظاہر اس میں کوئی خوبصورتی اور فن تعمیر کی شاہکاری نظر نہیں آتی کالے پتھروں کی ایک عمارت ہے۔ جس میں کوئی کھڑکی تک نہیں، ایک دروازہ ہے اس پر بھی پردہ پڑا ہوا لیکن آنکھ ہے کہ اس کے دیکھنے سے تھکتی نہیں، سیر نہیں ہوتی، وہاں سے ہٹنے کے لئے تیار نہیں ہوتی اور دیکھتے رہنے کے باوجود دل نہیں بھرتا۔

عجیب مقناطیسیت

دنیا کے اندر بہت سی عجیب تعمیرات موجود ہیں۔ سات عجائب مشہور ہیں اور

اب تو دنیا عجائبات سے بھری ہوئی ہے لیکن ان سب کا حال یہ ہے کہ کسی انتہائی حسین سے حسین منظر اور خوبصورت سے خوبصورت عمارت کو ایک دفعہ دیکھیں، دو مرتبہ دیکھیں، دس مرتبہ دیکھ لیں، زیادہ سے زیادہ پندرہ بیس مرتبہ دیکھنے سے دل بھر جائے گا حتیٰ کہ اُسے دیکھنے کو جی نہیں چاہے گا، لیکن اس کالے کالے پتھروں والے کمرے میں کیا عجیب مقناطیسیت ہے کہ نظروں کو اپنی طرف کھینچ لیتا ہے، دل موہ لیتا ہے کہ گھروں کو آنے کے باوجود دل وہیں لگا رہتا ہے۔ اور یوں لگتا ہے کہ خود تو آ گئے لیکن دل وہیں چھوڑ آئے۔

منافع بقدر اخلاص وتقویٰ:

اس لئے حج کے منافع بتلانے کے بجائے یوں کہا گیا کہ ’’وہ خود آ کر اس کے منافع کا مشاہدہ کریں۔‘‘ اور ہر شخص اپنی اپنی صلاحیتوں کے مطابق ان منافع کا مشاہدہ کرے گا۔ جس کے اندر جتنا زیادہ اخلاص، تقویٰ اور جذبہ ہے اور جتنی زیادہ احتیاط کے ساتھ وہ حج کر رہا ہے۔ اتنے ہی اس کو منافع زیادہ نظر آئیں گے۔

ہر بار نئے منافع:

اور پھر ایک بات یہ ہے کہ جتنی بار حج پر جاؤ گے۔ ہر مرتبہ نئے فائدے نظر آئیں گے۔ ہر سال نظر آنے والے منافع بڑھتے ہی رہیں گے کیونکہ اس کے منافع کی کوئی حد وانتہاء نہیں ہر شخص اپنی صلاحیت کے مطابق منافع کا مشاہدہ کر کے اپنے ایمان کے اندر تازگی پیدا کرتا ہے۔

قبولیتِ حج اور اس کی علامات:

میں آپ حضرات کو اس مبارک فریضے کی ادائیگی پر مبارک باد دیتا ہوں اور

یہ دُعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ آپ سب کے حج کو قبول فرمائے۔

پہلی علامت:

قبولیتِ حج کی ایک علامت احادیث کے اندر یہ آئی ہے کہ جمرات پر شیطان کو جو کنکریاں ماری جاتی ہیں۔ ان کے بارے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''جن کا حج قبول ہوجاتا ہے، ان کی یہ کنکریاں اٹھالی جاتی ہیں۔'' اور جو کنکریاں پڑی رہ جاتی ہیں یہ ان لوگوں کی ہوتی ہیں جن کا حج قبول نہیں ہوتا۔ اس لئے علماء کرام نے یہ مسئلہ لکھا ہے کہ وہاں کی کنکریاں اٹھا کر رمی نہ کی جائے کیونکہ یہ ان لوگوں کی کنکریاں ہیں جن کا حج مقبول نہیں ہوا۔

قرآن مجید میں بیت اللہ شریف کے بارے میں یہ کہا گیا ہے:

﴿فِيهِ آيَاتٌ بَيِّنَات﴾ (آل عمران:۹۷)

''اس میں کھلی ہوئی نشانیاں ہیں''۔

ان کھلی کھلی نشانیوں میں سے ایک نشانی یہ بھی ہے کہ جن کا حج قبول ہوجاتا ہے۔ ان کی کنکریاں اٹھالی جاتی ہیں۔

دوسری علامت:

قبولیتِ حج کی دوسری علامت وہ ہے جو ہم نے اپنے بزرگوں سے سنی، وہ یہ کہ حج سے واپس آنے کے بعد آدمی کے اعمال میں بہتری پیدا ہوجائے۔ فرائض وواجبات کی ادائیگی میں جتنا اہتمام پہلے ہوتا تھا۔ اب اس سے زیادہ ہونے لگی اور گناہوں سے بچنے کی پہلے جتنی کوشش کی جاتی تھی، اب اس سے زیادہ ہونے لگے۔ اگر کسی کے اندر یہ بات پیدا ہوجائے تو یہ اس بات کی علامت ہے کہ وہ ''حج مقبول''

لے کر آیا ہے۔

تیسری علامت:

ایک علامت اور بھی ہے۔ یہ بھی ہم نے اپنے بزرگوں سے سنی ہے۔ وہ یہ کہ دوبارہ وہاں جانے کا شوق بڑھ جاتا ہے۔

لہٰذا ہمیں چاہئے کہ اپنے اعمال کا جائزہ لیں اور دیکھیں کہ حج کے بعد ہمارے اعمال میں کیا تبدیلی آئی ہے۔ فرائض وواجبات کی ادائیگی میں جو اہتمام حج سے پہلے ہوتا تھا۔ اس اہتمام میں بہتری آئی ہے یا نہیں؟ گناہوں سے بچنے کی جو کوشش حج سے پہلے ہوتی تھی۔ اس کوشش میں کچھ اضافہ ہوا ہے یا نہیں؟ اگر یہ تبدیلیاں ہوئی ہیں تو پھر یہ حج مقبول کی علامت ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ایسا حج نصیب فرمائے۔

مایوسی کی کوئی بات نہیں:

لیکن اگر خدانخواستہ اعمال میں بہتری پیدا نہیں ہوئی اور وہی کیفیت برقرار ہے جو حج سے پہلے تھی۔ تو بھی مایوسی کی کوئی بات نہیں، توبہ کے دروازے کھلے ہوئے ہیں۔ اب توبہ کرلیں تو پچھلے سارے گناہ معاف۔

ولی اللہ بننے کا آسان طریقہ:

حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ لوگ سمجھتے ہیں کہ ولی اللہ بننا بہت مشکل کام ہے۔ اس کے لئے برسوں کے مجاہدوں اور ریاضتوں کی ضرورت ہے۔ حالانکہ یہ بات بالکل درست نہیں۔ ''ولی اللہ'' کا مطلب

ہے'' اللہ کا دوست۔'' اور ولی اللہ بننا ہر آدمی کے اختیار میں ہے۔ جب چاہے ولی اللہ بن جائے۔ ابھی آپ چاہیں تو ابھی ولی اللہ بن سکتے ہیں۔ فرمایا کہ ایک منٹ میں آدمی اللہ رب العزت کے سامنے شرمندہ ہوکر اپنے سب گناہوں پر توبہ کرلے تو گناہوں سے پاک ہوجائے گا کیونکہ حدیث شریف میں آتا ہے:

﴿اَلتَّائِبُ من الذَّنْبِ کَمَنْ لَاذَنْبَ لَهٗ﴾

(مشکوۃ باب الاستغفار والتوبہ حدیث:۲۳۶۳)

''گناہ سے توبہ کرنے والا گناہوں سے ایسا پاک ہوجاتا ہے جیسے اس نے کبھی کوئی گناہ ہی نہ ہو''۔

توبہ وہ کلیدِ کیمیا ہے جو مٹی کو سونا اور جوہر بنادیتی ہے۔ منٹوں میں آدمی گناہوں سے پاک ہوجاتا ہے۔

حج قبول ہونے کا مطلب؟:

یہاں ایک بات سمجھ لیجئے۔ ایک ہے حج کا قبول ہونا، اور ایک ہے حج کا ادا ہونا۔ دونوں باتیں الگ الگ ہیں۔ حج تو اس وقت ادا ہوجائے گا جب آپ حج کے سارے اعمال قاعدے کے مطابق ادا کرلیں گے۔ حج کے دو ہی رکن ہیں۔ ایک وقوفِ عرفہ خواہ ایک منٹ کے لئے ہو اور دوسرے، طوافِ زیارت۔ باقی کچھ واجبات ہیں، کچھ شرائط ہیں اور کچھ سنن ومستحبات ہیں۔ لہٰذا اگر حج کے شرعی طریقہ کار کے مطابق فرائض وواجبات ادا کرلیں تو حج کا فریضہ ادا ہوگیا۔ لیکن اگر وہ حج مقبول نہیں تو اس پر ثواب نہیں ملے گا۔ اس لئے حج مقبول ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس پر اجروثواب بھی مرتب ہو۔

شکر کرنے کے ثمرات:

اور اگر حج سے آنے کے بعد آپ اپنے اعمال میں بہتری محسوس کرتے ہیں تو اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کریں شکر کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ جب تم کسی نعمت پر شکر ادا کرو گے تو ہم اس نعمت میں اور اضافہ کریں گے۔[۱] لہٰذا شکر کا فائدہ یہ ہوگا کہ تمہارے اعمال میں اور بہتری پیدا ہوگی۔ نیک اعمال کا جذبہ اور پیدا ہوگا۔ گناہوں سے نفرت میں مزید اضافہ ہوگا۔ جتنا شکر کرتے جاؤ گے۔ اتنی یہ نعمت بڑھتی چلی جائے گی۔ اعمال خیر بڑھتے چلے جائیں گے اور گناہ کم ہوتے چلے جائیں گے۔ حتیٰ کہ ایک وقت ایسا آجائے گا کہ طاعات میں مزہ آنے لگے گا اور گناہوں سے نفرت ہوجائے گی اور اگر خدانخواستہ کبھی گناہ میں مبتلا ہوبھی گئے تو اس میں مزہ نہیں آئے گا۔''

گناہ مزے کی چیز نہیں:

سچی بات یہ ہے کہ گناہ مزے کی چیز ہے ہی نہیں۔ اگر روحانی طور پر انسان تندرست ہے تو اُسے گناہ سے ہمیشہ وحشت اور نفرت ہوگی کیونکہ گناہ کرنے سے پہلے اس پر یہ تصور غالب ہوجائے گا کہ اپنے حقیقی خالق و مالک کی نافرمانی کررہا ہوں اور تاجدار دو عالم سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا امتی ہونے کے باوجود ان کے حکم کی خلاف ورزی کررہا ہوں۔ یہ تصور ایسا ہے کہ اس کی وجہ سے اُسے گناہ میں مزہ نہیں آئے گا۔

---

۱ قال اللہ تعالیٰ: لَئِن شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ

گناہ میں لذّت آنے کی مثال:

لیکن اگر خدانخواستہ گناہ میں مزہ آنے لگے تو یہ تندرستی کی علامت نہیں بلکہ بیمار ہونے کی نشانی ہے۔ حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی بڑی اچھی مثال دی ہے۔ فرمایا کہ دیکھو! تندرست آدمی اگر کھجلائے تو اُسے اس میں کوئی مزہ نہیں آئے گا لیکن اگر اس کے خون میں تیزابیت پیدا ہونے سے خارش کی بیماری لگ جائے تو کھجلانے میں کتنا مزہ آتا ہے۔ مقولہ مشہور ہے:

''جو مزہ ہے کھاج میں، نہیں ہے وہ راج میں''

خارش کے مریض کو جو مزہ کھجلانے میں آتا ہے، اور کسی چیز میں نہیں آتا لیکن اس مزے کا آنا اس کے بیمار ہونے کی علامت ہے۔ اسی لئے وہ ڈاکٹروں کے پاس جاکر اپنی بیماری کا علاج کراتا ہے اور یہ کہتا ہے کہ میرے خون کی خرابی سے جو مجھے کھجلانے میں مزہ آنے لگا ہے، میرے اس مزے کو ختم کردو۔ اسی طرح اگر گناہوں میں مزہ آنے لگے تو اس مزے کے خاتمے کے لئے بھی علاج ضروری ہے۔

انسان ماحول سے متأثر ہوتا ہے:

یہ انسان کی فطرت ہے کہ وہ ماحول سے متأثر ہوتا ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی کیفیت بھی یہ تھی کہ ایک صحابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوکر عرض کرتے کہ یارسول اللہ! جب ہم آپ کی خدمت میں ہوتے ہیں تو ہمیں یوں محسوس ہوتا ہے کہ گویا ہم جنت اور جہنم کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں لیکن جب گھر چلے جاتے ہیں اور بیوی بچوں کے ساتھ باتوں میں لگ کر اس کو بھول جاتے

ہیں۔[1]

حج کے اثرات دراصل تقویٰ کی کیفیت ہے:

آپ حضرات حج پر تشریف لے گئے تو وہاں کے ماحول کے اثرات آپ پر پڑے اور ابھی تک وہ آثار موجود ہیں۔ اس سے پہلے کہ وہ اثرات ماند پڑیں۔ ان کی حفاظت کیجئے۔ یہ اثرات دراصل تقویٰ کی کیفیت ہے۔ اس کی حفاظت بہت ضروری ہے۔ قرآن مجید میں اس کی حفاظت کا طریقہ بتایا گیا۔ اللہ رب العزت کا ارشاد ہے:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوۡنُوۡا مَعَ الصّٰدِقِيۡنَ﴾

(التوبہ:۱۱۹)

''اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور سچے لوگوں کے ساتھ رہو''۔

اس آیت میں پہلے یہ کہا گیا کہ اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو۔ اللہ سے ڈرنے کا مطلب ہے۔ اس کی نافرمانی نہ کرو، اور گناہوں سے بچو۔

تقویٰ کیسے اختیار کریں؟:

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ہمارا ماحول گناہوں سے بھرا ہوا ہے، ادھر جاؤ

---

[1] صحیح مسلم میں اس سے متعلق حضرت حنظلہ اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہما کا ایک واقعہ مذکور ہے۔ اس میں یہ بھی ہے کہ حضرت حنظلہ کو اپنی کیفیت بدلنے پر نفاق کا ڈر ہوا جس کا تذکرہ انہوں نے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے سامنے کیا۔ اور اپنی حالت بتلائی انہوں نے جواب میں بتلایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس سے اٹھنے کے بعد تو ہماری بھی کیفیت بدل جاتی ہے۔ دونوں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہوئے۔ آپ کے اطمینان دلانے پر تسلی ہوئی۔ أنظر صحيح مسلم: باب فضل دوام الذكر و الفكر فى أمور الآخرة والمراقبه و جواز ترك ذلك فى بعض الأوقات والاشتغال بالدنيا۔ رقم الحديث: ٢٧٥۔

أيضاً فى جامع الترمذى، رقم الحديث: ٢٥١٤، و فى مسند احد بن حنبل: ٣٤٦/٤

گناہوں کی دعوت، اُدھر جاؤ گناہوں کی کثرت، نگاہوں کو گناہوں سے بچانا آسان نہیں، کانوں کو گناہوں سے بچانا آسان نہیں، کہیں گانے باجے ہیں، کہیں غیبت ہے، کہیں گالیاں ہیں اور کہیں جھوٹ ہے۔ اپنے پیٹ کو حرام مال سے بچانا آسان نہیں، کہیں رشوت ہے، کہیں سود ہے، کہیں ناجائز ملازمتیں ہیں، کہیں کام چوری ہے (کہ تنخواہ تو پوری لے رہے ہیں لیکن ڈیوٹی پوری نہیں دے رہے) وغیرہ۔ خلاصہ یہ کہ تقویٰ اختیار کرنے کا حکم تو بہت مختصر ہے لیکن جب اس کا عملی پہلو سامنے آتا ہے تو گناہوں سے بچنا آسان نظر نہیں آتا۔ گویا معاشرے کی حالت ایسی ہے کہ ہر طرف کیچڑ ہی کیچڑ بکھری ہوئی ہے اور آپ کو اسی کیچڑ میں چلنا ہے لیکن اپنے بدن، کپڑوں اور جوتوں کو اس کیچڑ سے بچانا ہے۔ یہ کوئی آسان کام نہیں۔

قرآن مجید کا خاص اسلوب:

لیکن یہ حکم دینے والا رب الأرباب ہے، ہمارا خالق ومالک ہے، ہمارے اندر گناہوں کے جذبات بھی اُسی نے پیدا کیے۔ وہ ہماری کمزوریوں سے بھی واقف ہے اور ان کمزوریوں کا علاج بھی جانتا ہے چنانچہ قرآن مجید کا یہ اسلوب ہے کہ جہاں کہیں بھی اللہ تعالیٰ کوئی ایسا حکم دیتے ہیں جس میں کچھ مشقت یا مشکلات ہوں تو ساتھ ساتھ ایک اور حکم بھی دیتے ہیں۔ اس دوسرے حکم پر عمل کرنے سے پہلے حکم پر عمل پیرا ہونے میں آسانی پیدا ہوجاتی ہے۔

تقویٰ اختیار کرنے کا طریقہ......اللہ والوں کی صحبت اختیار کرنا:

یہاں پر جب پہلے یہ حکم دیا کہ تم تقویٰ اختیار کرو (یعنی گناہوں سے بچو) تو ساتھ ہی ایک حکم دے دیا جس سے اس پر عمل کرنا آسان ہوگیا۔ وہ حکم یہ ہے:

﴿وَكُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ﴾

''اور سچوں کے ساتھ رہو''۔

یعنی اللہ والوں کے ساتھ رہا کرو، اللہ والوں سے تعلق جوڑ لو۔ ان سے محبتیں پیدا کرلو۔ ان کے پاس جایا کرو۔ ان سے ملا کرو، ان کی باتیں سنا کر، وغیرہ۔ جب یہ ہوگا تو تقویٰ خود بخود پیدا ہوجائے گا۔ اللہ والوں کے ساتھ تمہارا ملنا جلنا جتنا زیادہ ہوگا۔تمہارے لئے گناہوں سے بچنا اتنا ہی آسان ہوجائے گا۔

ایک واقعہ:

اللہ والوں کے ساتھ رہنے سے منزل اتنی آسانی سے طے ہوتی ہے کہ راستہ میں آنے والی مشکلات کا پتہ ہی نہیں چلتا کہ کب مشکل آئی تھی اور کب چلی گئی۔ ہم ایک مرتبہ اپنے مرشد حضرت ڈاکٹر عبدالحی عارفی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں تھے۔ وہاں یہ بات چل رہی تھی کہ اللہ والوں کے ساتھ رہنے کا کتنا فائدہ ہوتا ہے۔ اسی پر انہوں نے اپنا ایک قصہ سنایا، فرمایا کہ ہندوستان میں رہائش کے زمانے میں ایک مرتبہ گرمی کے موسم میں ہم تفریح کے لئے مسوری گئے ہوئے تھے (مسوری ہندوستان کا ایک تفریحی مقام ہے اور یہ علاقہ دوسرے علاقوں کے مقابلے میں سرد بھی ہے) وہاں جس صاحب کے ہاں ٹھہرے ہوئے تھے۔ وہ ایک روز ہمیں صبح سویرے گھمانے کے لئے لے کر نکلے، پروگرام یہ تھا کہ آج دن بھر سیر کریں گے۔ پہاڑوں میں ایک جگہ ایسی تھی کہ ایک پہاڑ اور دوسرے پہاڑ کے درمیان کھائی تھی اور دونوں پہاڑوں کے درمیان مشکل سے صرف ایک فٹ کا فاصلہ ہوگا۔ اگر غلطی سے قدم ایک پہاڑ سے اٹھ کر دوسرے پہاڑ پر پڑنے کے بجائے درمیانی خلاء پر پڑ جائے تو کئی ہزار فٹ گہرے خلا میں چلا جائے۔ ہم پھلانگتے ہوئے جارہے تھے۔ جب اس جگہ کے

قریب پہنچے تو میزبان نے بتلایا کہ یہاں ایک جگہ ایسی آنے والی ہے جہاں دو پہاڑوں کے درمیان کھائی ہے۔ ذرا خیال رکھیں۔ جب وہ آئے گی تو میں آپ کو بتاؤں گا۔ جب وہ جگہ آگئی تو اس نے بتلادیا اور ہم آسانی سے پار ہوگئے کیونکہ فاصلہ زیادہ نہ تھا۔ (صرف ایک فٹ کا فاصلہ تھا)

لیکن میرے ذہن میں واپسی کے وقت کا خیال لگا رہا کہ شام کے قریب واپسی ہوگی تو اس وقت اسے کیسے پار کیا جائے گا۔ چنانچہ مغرب کے بعد ہماری واپسی ہوئی۔ چلتے چلتے میں نے میزبان سے کہا کہ ذرا اس جگہ کا خیال رکھئے گا جہاں خطرناک کھائی ہے۔ اس نے جواب دیا صاحب! وہ تو گذر بھی گئی۔

معلوم ہوا کہ اگر رہبرِ کامل ہو تو اس کے ساتھ چلتے ہوئے کہیں مشکل پیش نہیں آتی بلکہ پتہ بھی نہیں چلتا کہ کہیں مشکل تھی بھی سہی یا نہیں؟

تو قرآن مجید نے بھی تقویٰ کے راستے پر چلنے کا نسخہ یہ بتلایا کہ اللہ والوں کے ساتھ ہوجاؤ، راستہ کی مشکلات خود بخود دور ہوجائیں گی۔

اللہ والے قیامت تک رہیں گے:

بعض لوگ کہا کرتے ہیں کہ آج کل اللہ والے کہاں ملتے ہیں؟ ہمارے والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ اس زمانے میں اگر تم اللہ والوں کو ڈھونڈو گے تو تمہیں شیخ عبدالقادر جیلانی بایزید بسطامی اور مولانا روم جیسے لوگ نہیں ملیں گے۔ تمہیں اس زمانے کے اللہ والے ملیں گے اور الحمدللہ وہ موجود ہیں، قیامت تک رہیں گے۔ کیوں؟ خود اسی آیت میں اس کی دلیل ہے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے قیامت تک کے لوگوں کو یہ حکم دیا ہے کہ تم اللہ والوں کے ساتھ رہو۔ اور اگر اللہ والے موجود نہ ہوں تو ان کے ساتھ رہنا ممکن ہی

نہیں۔ (اور اللہ تعالیٰ ایسا حکم نہیں دیتے جس پر عمل کرنا ممکن نہ ہو) لہٰذا خود یہ آیت بتلارہی ہے کہ قیامت تک اللہ والے رہیں گے۔ تمہارا کام یہ ہے کہ تلاش کرو۔

صراطِ مستقیم میں اللہ والوں کا حوالہ دیا گیا:

سورۃ فاتحہ جسے ہم ہر نماز کی ہر رکعت میں پڑھتے ہیں، اس میں اللہ تعالیٰ نے ہمیں ایک دُعا سکھلائی کہ یوں کہو:

﴿إِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ﴾ (الفاتحہ:۵)

اے اللہ! ہمیں سیدھے راستے کی ہدایت عطا فرمائیے۔

اور پھر سیدھے راستے کی تشریح یوں نہیں کہ صِراطَ القُرآن (قرآن کا راستہ) صِراطَ الحدیث (حدیث کا راستہ) یا صراطَ الإسلام (اسلام کا راستہ) بلکہ اللہ والوں کا حوالہ دیتے ہوئے فرمایا:

﴿صِرَاطَ الَّذِيْنَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ﴾

ان لوگوں کا راستہ جن پر آپ نے انعام کیا۔

انعام یافتہ لوگ:

اور انعام یافتہ لوگوں کی نشاندہی بھی فرمادی۔ چنانچہ قرآن مجید میں ایک دوسری جگہ ارشاد ہے:

﴿فَأُولٰئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ أَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيِّيْنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِيْنَ﴾ (النساء:۶۹)

"پس وہ (قیامت کے روز) ان لوگوں کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام کیا یعنی انبیاء، صدیق، شہید اور نیک

لوگ''۔

انعام یافتہ لوگ چار قسم کے ہیں۔ اس آیت سے معلوم ہوا کہ

۱۔ نبییّن ۲۔ صدیقین

۳۔ شہداء ۴۔ صالحین

اگرچہ آج انبیاء موجود نہیں لیکن اللہ والوں کے باقی تین طبقے موجود ہیں تو قرآن یہ بتلا رہا ہے کہ ان کا راستہ ڈھونڈو اور ان کے پیچھے لگ جاؤ، سیدھے جنت میں پہنچ جاؤ گے۔

اللہ والوں کے ساتھ رہنے کا ایک خاص فائدہ:

اللہ والوں کے ساتھ رہنے میں ایک خاص فائدہ یہ ہے کہ اگر اعمال میں کچھ کمی ہوئی تو اس سے درجات تو کم ہوجائیں گے لیکن پہنچیں گے وہیں جہاں وہ پہنچیں گے۔ حضرت ڈاکٹر عبدالحی عارفی رحمۃ اللہ علیہ اس کی ایک مثال دیا کرتے تھے کہ مثلاً کراچی سے ایک اعلیٰ قسم کی ریل پشاور کے لئے چلی، اس میں عمدہ اور شاندار قسم کی بوگیاں لگی ہوئی ہیں اور ہر طرح کی سہولتیں موجود ہیں۔ اس میں اونچے درجے کے حکام اور افسران سفر کر رہے ہیں۔ اسی ریل کے آخر میں ایک پرانا زنگ آلود ڈبہ بھی لگادیا گیا، تو اگرچہ اس ڈبے میں اور ان بوگیوں میں زمین وآسمان کا فرق ہے لیکن اس ڈبے میں بیٹھا ہوا مسافر بھی وہیں پہنچے گا۔ جہاں وہ پہنچیں گے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

﴿المرء مَع مَن أحَبَّ﴾ (مشکوۃ)

''(آخرت میں) آدمی ان لوگوں کے ساتھ ہوگا جن سے وہ محبت کرتا ہوگا''۔

اللہ والوں کے ساتھ رہنے سے اثراتِ حج کی حفاظت:

اللہ والوں کے ساتھ رہنے کا ایک فائدہ یہ بھی ہوگا کہ ہم حج سے جو نیک جذبات لے کر آئے ہیں۔ تاجدار دو عالم سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ اقدس کی فضاؤں کے اثرات اپنے اندر لے کر آئے ہیں۔ ان کی حفاظت رہے گی کیونکہ یہ اللہ والے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ غلام ہیں جنہوں نے اپنی زندگی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نقالی میں لگا رکھی ہے۔

کیسے لوگوں کی صحبت میں رہیں:

اللہ والوں سے مراد بھی وہی لوگ ہیں جنہوں نے اپنی زندگی شریعت کے سانچے میں ڈھال رکھی ہے۔ اور ایسا شخص اگر مستند عالم دین بھی ہوتو اس کی صحبت اختیار کرنا ہزار غنیمت ہے۔

لیکن اگر کسی کو اپنے قریب میں مستند عالم دین اللہ والا نہیں ملا لیکن ایسا شخص مل گیا جو باقاعدہ سند یافتہ عالم دین تو نہیں لیکن علماء کی صحبت میں رہا ہے اور علماء کرام نے اس پر اعتماد کیا ہے تو اس کی صحبت بھی غنیمت ہے۔ ہمارے مرشد حضرت ڈاکٹر عبدالحئی عارفی صاحب رحمتہ اللہ علیہ ضابطے کے عالم نہیں تھے۔ وہ فرمایا کرتے تھے کہ میں نے چودہ سال تک صرف ایک کتاب پڑھی ہے، اور وہ کتاب میرا مرشد ہے۔ میں نے اپنے مرشد کو پڑھا ہے۔

دوسرا راستہ: تبلیغی جماعت کے ساتھ وقت لگانا:

اور اگر اللہ والوں سے کسی کا تعلق کسی وجہ سے قائم ہونا مشکل ہو رہا ہو۔ مثلاً

اللہ والا بہت دور رہتا ہے۔ اس سے تعلق قائم کرنے کا موقع نہیں مل رہا تو پھر دوسرا راستہ ہے۔ وہ یہ کہ الحمدللہ ہمارے تبلیغی جماعت کا کام ہو رہا ہے۔ یہ ایک خاموش دینی انقلاب ہے۔ اس وقت پوری دنیا میں کوئی لمحہ ایسا نہیں گذر رہا کہ جس میں یہ تبلیغی قافلے اللہ کا پیغام نہ پہنچا رہے ہوں۔

یہ بات اپنی جگہ صحیح ہے کہ اس میں علماء کرام کی کمی ہے، لیکن جتنے کام میں وہ لگے ہیں، اتنا کام علماء پر موقوف نہیں۔ ان کا کام چھ نمبروں کی حد تک ہے البتہ اس کی برکت سے انہیں اور بھی بہت سی چیزیں ہو جاتی ہے۔ تو جسے اللہ والوں کی صحبت میسر نہ ہو رہی ہو وہ تبلیغی جماعت میں زیادہ سے زیادہ وقت دے۔

تبلیغ میں لگنے کے لئے بھی حدود وقیود کی پابندی ضروری ہے:

لیکن خوب یاد رکھئے کہ تبلیغی جماعت میں لگنے کے لئے بھی حدود وقیود کی ضرورت ہے۔ لہٰذا تبلیغ میں اس طرح وقت لگائے کہ اس سے کسی کا حق تلف نہ ہو، نہ ماں باپ کا اور نہ بیوی بچوں کا۔ اگر ان کے حقوق تلف ہوئے تو قیامت کے روز اس سے مؤاخذہ ہوگا۔

حضرت والد صاحب رحمتہ اللہ علیہ کا واقعہ:

حضرت والد صاحب رحمتہ اللہ علیہ اپنی آخری عمر میں ایک مرتبہ فرمانے لگے کہ الحمدللہ اللہ تعالیٰ نے مجھ پر اتنے احسانات کئے ہیں کہ میں ان کا شکر ہی ادا نہیں کرسکتا۔ میں دنیا سے کوئی حسرت لیکر نہیں جارہا۔ اللہ تعالیٰ نے میری ساری ضرورتیں اور حسرتیں پوری فرمادیں لیکن صرف ایک حسرت لے کر جارہا ہوں۔ وہ حسرت ایسی ہے کہ وہ میرے ساتھ قبر تک جائے گی۔ (یہ بات کہتے وقت انکے

چہرے پر انتہائی غم کے آثار نمایاں تھے) ہم بڑی توجہ سے سننے لگے۔ فرمایا کہ جب میری والدہ مرض الموت میں مبتلا تھیں۔ اس وقت میں نے ان کی خدمت کے لئے تمام ممکنہ انتظامات کرر کھے تھے۔ خود بھی دن میں بار ہا حاضر ہو کر خود اپنے ہاتھوں سے خدمت کرتا۔ علاج معالجہ کا مکمل انتظام کرر کھا تھا۔ ان کا ایک نواسہ جس کو انہوں نے پالا تھا اور جس سے انہیں بے پناہ محبت تھی۔ اسے چھٹی دلوا کر انہیں میں نے خدمت میں مقرر کرر کھا تھا۔ ان کی پوتی (یعنی ہماری بہن) لاہور میں تھی، وہ ان کی بہت چہیتی تھی۔ میں نے اُسے لاہور سے بلوا کر ان کی خدمت کے لئے مقرر کرر کھا تھا۔

اگر چہ میں نے یہ سب انتظامات کرر کھے تھے لیکن میری والدہ کی خواہش یہ تھی کہ شفیع میری چار پائی کی پٹی سے لگا بیٹھا رہے کیونکہ میں ان کا اکلوتا بیٹا تھا۔ میں یہ سوچتا تھا کہ میرے ذمے فتوی کا کام ہے، دارالعلوم کی انتظامی ذمہ داری بھی ہے، ملک وملت کے بھی کئی کام سرانجام دے رہا ہوں۔ تفسیر معارف القرآن بھی جاری ہے۔ یہ دین کے اہم کام ہیں۔ اس لئے میں سمجھتا تھا کہ میں مجبور ہوں۔ لیکن ''کاش! اپنے سارے کاموں کو آگ لگا دیتا اور اپنی والدہ کی پٹی سے لگ کر بیٹھ جاتا۔''

یہ اس شخصیت کی سوچ ہے کہ جس کی فقاہت کا لوہا پوری دنیا نے مانا اور ہندوستان و پاکستان کے علماء نے اسے مفتی اعظم پاکستان کا لقب دیا۔

اس سے معلوم ہوا کہ دین کے کاموں میں مختلف درجات ہیں۔ اعتدال کے ساتھ ان سب کو انجام دینا ہے۔ ان حدود کے ساتھ تبلیغی جماعت کا کام کریں۔

﴿معمولاتِ یومیہ﴾

ا۔ دینی کتب کا مطالعہ:

فارغ اوقات میں دینی کتابوں کا مطالعہ کریں۔ الحمدللہ ہر زبان میں دینی

کتابیں موجود ہیں، جس کی جو زبان ہے، وہ اسی میں انکا مطالعہ کرسکتا ہے۔

۲۔تلاوت قرآن مجید:

روزانہ تلاوت قرآن کا اہتمام کریں۔ اس میں ناغہ نہ ہو۔ اگر زیادہ نہ ہوسکے تو کم ازکم ایک رکوع ہی کی تلاوت کرلیں۔ فجر کی نماز کے بعد جتنی فرصت ملے ،خواہ دو تین منٹ ہی کیوں نہ ہو، تلاوتِ قرآن کی کوشش کریں۔

۳۔مناجاتِ مقبول کی دُعائیں پڑھنا:

اس کے علاوہ مناجات مقبول میں سے بھی ہر روز کی دُعائیں اسی روز کے اعتبار سے مانگیں۔ اس میں وہ ساری دُعائیں موجود ہیں جو قرآن مجید میں آئی ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مانگی ہوئی اور امت کو سکھائی ہوئی دُعائیں ہیں۔ حکیم الامت حضرت تھانوی رحمتہ اللہ علیہ نے ان دعاؤں کو جمع کیا ہے۔ ان دُعاؤں کو سات حصوں میں تقسیم کردیا اور ہر حصے کا نام رکھا ''منزل'' مثلاً ہفتے کی منزل، اتوار کی منزل، پیر کی منزل وغیرہ۔ دُعائیں عربی میں ہیں، نیچے اردو میں ترجمہ بھی ہے۔ تلاوت کے لئے کوشش کریں کہ روزانہ ایک منزل پڑھ لیں۔ اگر شروع میں پڑھنے میں دقت ہو اور پوری ایک منزل نہ پڑھی جاسکے تو آدھی منزل پڑھ لیں، آدھی منزل پڑھنا بھی مشکل ہو تو پاؤ منزل پڑھ لیں۔ مجھے ایک منزل پڑھنے میں چھ منٹ لگتے ہیں جب آپ کو عادت ہوجائے گی تو آپ بھی چھ منٹ میں ایک منزل پڑھ لیا کریں گے۔

اس منزل میں بہت جامع دُعائیں ہیں۔ اپنے اور اپنے متعلقین کے دین ودنیا میں ہر اعتبار سے مانگنے کی چیزیں موجود ہیں۔ اگر ہم چوبیس گھنٹے سوچیں کہ ہم کیا

کیا چیزیں اللہ تعالیٰ سے مانگیں، تو بھی ہم وہ باتیں نہیں سوچ سکتے جو اس کے اندر آ گئی ہیں۔

دو کام ہر حال میں:

ان کے علاوہ دو کام ایسے ہیں کہ جو ہر حال میں کرنے ہی ہیں۔

ا۔ نماز کی پابندی اور وہ بھی جماعت کے ساتھ اور اگر کسی وجہ سے جماعت نہ مل سکے تو جہاں ہوں، جس حال میں بھی ہوں، نماز نہ چھوڑیں۔

۲۔ مالِ حرام سے بچنے کی کوشش۔

مال حرام سے مکمل اجتناب ضروری ہے:

مالِ حرام کو اپنے لئے زہرِ قاتل سمجھیں۔ اپنے گھر میں ہرگز مال حرام نہ آنے دیں خواہ کسی بھی شکل میں ہو، رشوت کی شکل میں ہو، سود کی شکل میں ہو، بینک کی ملازمت میں اگر سودی معاملات سے واسطہ پڑتا ہو تو وہ کام بھی حرام اور اس سے ملنے والی تنخواہ بھی حرام ہے۔ اسی طرح کام چوری کرکے پوری تنخواہ لینا بھی حرام ہے۔ حرام کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ آدمی زکوٰۃ کا مستحق نہ ہو اور زکوٰۃ لے لے اسی طرح کاروبار میں جھوٹ بول کر، کم ناپ کر اور کم تول کر پیسے کمانا بھی حرام ہے۔

غرضیکہ حرام خوری کے جتنے بھی طریقے ہیں۔ ان سب سے اجتناب کریں اور نماز کی پابندی کرلیں تو اللہ رب العزت کی رحمت سے توقع ہے کہ انشاء اللہ سیدھے جنت میں جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس پر عمل کرنے کی توفیق نصیب فرمائے۔ (آمین)

وآخر دعوانا أن الحمد للّٰہ رب العالمین

اللہ تعالیٰ کی
بے شمار نعمتیں

موضوع — اللہ تعالیٰ کی بے شمار نعمتیں
مقرر — حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی مدظلہ
مقام — مدرسۃ البنات، جامعہ دارالعلوم کراچی
ضبط و ترتیب — مولانا اعجاز احمد صمدانی
باہتمام — محمد ناظم اشرف

﴿اللہ تعالیٰ کی بے شمار نعمتیں﴾

خطبہ:

نحمدهٗ ونصلی علی رسوله الکریم،

امابعد:

قال النبی صلی اللّٰه علیه وسلم "الایمان بضع و ستون أو سبعون شعبة اعلاها قول لا اله الا اللّٰه و ادناها اماطة الأذیٰ عن الطریق و الحیاء شعبة من الایمان" (متفق علیہ)

''ایمان کے ساٹھ یا ستر سے زیادہ شعبے ہیں، جن میں سب سے اعلیٰ شعبہ لا الہ الا اللہ کہنا ہے اور سب سے ادنیٰ شعبہ راستہ سے تکلیف دہ چیز کو ہٹانا ہے اور حیا ایمان کا ایک عظیم شعبہ ہے''۔

ایمان کے شعبے:

اس حدیث میں یہ بتلایا گیا کہ ایمان کے ساٹھ یا ستر سے زیادہ شعبے ہیں۔

اِس بارے میں دو روایات ہیں۔ بعض میں بضع وستون کے الفاظ ہیں جس کا مطلب ہے ساٹھ سے زیادہ اور بعض میں بضع وسبعون کے الفاظ موجود ہیں جس کے معنی ہیں ستر سے زیادہ ایک اور روایت میں آیا ہے کہ ایمان کے ستتر شعبے ہیں۔

ان ستتر (۷۷) شعبوں میں سے یہاں صرف تین شعبوں کا ذکر کیا گیا، سب سے افضل، سب سے ادنیٰ اور ایک درمیانے اور عظیم شعبے کا ذکر کیا گیا ہے۔

حیا۔ ایمان کا ایک عظیم شعبہ:

حیا ایمان کا ایک عظیم شعبہ اور انسان کی ایک شریفانہ صفت ہے۔ خوب سمجھ لیجئے کہ اِس حدیث میں حیا سے مراد اللہ تعالیٰ سے حیا کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے حیا کرنے کا مطلب یہ ہے کہ آدمی یہ تصور کرے کہ اللہ رب العزت کی نعمتیں مجھ پر کتنی زیادہ ہیں اور میری طرف سے ان نعمتوں کے شکر میں کتنی کوتاہیاں ہوتی ہیں، نماز میں سستی ہو جاتی ہے، چھوٹے بڑے گناہ بھی ہو جاتے ہیں وغیرہ، یہ سوچ کر گناہ کرنے سے شرمانے لگے اور یہ سوچ کر گناہ چھوڑ دے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اتنی نعمتیں عطا کر رکھی ہیں، میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کیسے کروں۔ اِسے حیاءِ شرعی کہتے ہیں۔

حیا۔ ایک عظیم نعمت:

اور یہ حیا ایسی عظیم نعمت ہے کہ جس شخص کو یہ نصیب ہو جائے، وہ گناہوں سے بچ جائے گا اور متقی، پرہیزگار شخص بن جائے گا کیونکہ ہر گناہ کرتے ہوئے اُسے اللہ تعالیٰ سے شرم آئے گی نتیجتاً وہ گناہ اس سے چھوٹ جائے گا۔

اس بات کو ایک مثال کے ذریعے یوں سمجھا جا سکتا ہے کہ آپ کا کوئی میزبان ہے وہ آپ کی تمام راحتوں کا ہر لحاظ سے خیال رکھتا ہے، بیٹھنے، لیٹنے، کھانے،

پینے وغیرہ ہر چیز کا آرام دہ اور بہتر سے بہتر انتظام موجود ہے، اتنے انتظامات کرنے کے بعد وہ آپ سے کوئی معمولی بات کہتا ہے مثلاً یہ کہتا ہے کہ ہمارے لئے دعا کر دیجئے، ہمارے بچے کے لئے دُعا کر دیجئے وغیرہ تو آپ اس سے انکار کرتے ہوئے شرمائیں گے کہ اس نے اتنی راحت و آرام کا سامان کر رکھا ہے اور میں یہ چھوٹا سا کام بھی نہ کروں تو یہ بڑی بدتمیزی اور بے حیائی کی بات ہوگی۔

اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو سوچنے کا فائدہ:

بالکل اسی طرح انسان جب اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کے بارے میں سوچے کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی ہم پر کتنی زبردست بارش ہے۔ ہر وقت اور ہر آن ہم اس کی نعمتوں میں ڈوبے ہوئے ہیں جب کہ اللہ رب العزت نے ہمیں کچھ آسان اعمال کرنے کے لئے کہا ہے، اگر ہم انہیں نہیں کریں گے تو یہ بھی بے حیائی کی بات ہوگی۔ تو یہ سوچنے کے بعد اسے گناہ کرتے ہوئے شرم آئے گی۔

سانس لینا۔ اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے:

ہم پر اللہ رب العزت کی نعمتیں اس قدر ہیں کہ ان کا اندازہ لگانا مشکل ہے۔ ہم جو سانس لیتے ہیں، یہ اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے، جس ہوا سے ہم سانس لیتے ہیں، وہ چار گیسوں کا مجموعہ ہے، جب ہم سانس لیتے ہیں تو صرف آکسیجن استعمال کرتے ہیں۔ اِس آکسیجن کی ہمیں ہر آن ضرورت ہے، دن میں بھی ضرورت ہے، رات میں بھی ضرورت ہے، جاگتے ہوئے بھی ضرورت ہے، سوتے ہوئے بھی ضرورت ہے۔ اب اللہ تعالیٰ کا انعام وکرم دیکھئے کہ ہم سو جاتے ہیں لیکن دینے والا ہمیں آکسیجن فراہم کرتا رہتا ہے، اگر اللہ تعالیٰ تھوڑی دیر کے لئے آکسیجن روک لیں تو

دم گھٹ جائے گا اور موت واقع ہو جائے گی۔

یہ نعمت مفت میں ہر وقت ملی ہوئی ہے:

یہ نعمت ہمیں ہر وقت ملی ہوئی ہے اور بلامعاوضہ ملی ہوئی ہے۔ یہ کتنی قیمتی نعمت ہے ذرا بازار سے اس کی قیمت معلوم کر کے دیکھئے! مارکیٹ سے آکسیجن کے ڈرم ملتے ہیں۔ بعض مریضوں کو انتہائی نازک صورت میں لگائی جاتی ہے، مریض کے ناک میں نلکی لگا کر آکسیجن اس کے پھیپھڑوں تک پہنچائی جاتی ہے۔ یہ ڈرم خود بھی کافی مہنگا آتا ہے پھر لگانے کے لئے جو ڈاکٹر وغیرہ آتا ہے، وہ بھی بھاری فیس وصول کرتا ہے اور پھر بھی وہ راحت حاصل نہیں ہوتی جو قدرتی ہوا سے سانس لینے کے بدلے میں ہوتی ہے

ذرا اندازہ لگائیے! یہ سانس لینا بظاہر کتنی چھوٹی سی چیز ہے لیکن اس پر انسانی زندگی موقوف ہے اور کوئی انسان اِس ہوا کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا۔

پانی کی نعمت:

اسی طرح پانی اللہ تعالیٰ کی ایک بہت بڑی نعمت ہے۔ یہ ایسی عظیم نعمت ہے کہ دنیا کے قیمتی سے قیمتی اور اعلیٰ سے اعلیٰ مشروبات ایک طرف اور پانی ایک طرف۔ یہ سب مشروبات مل کر پانی کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ کوکا کولا، پیپسی کولا، روح افزا وغیرہ وغیرہ پانی کے مقابلے میں کچھ نہیں حالانکہ ان کے خریدنے میں رقم بھی خرچ کرنا پڑتی ہے۔ شربت کا ایک گلاس پئیں یا دو چار گلاس یا اس سے زیادہ پی لیں، لیکن کچھ دیر بعد جی بھر جائے گا، پینے کو جی نہیں چاہے گا۔ ایک روز سارا دن پیاس لگنے پر پیتے رہو اگلے دن نہیں پی سکو گے۔ لیکن پانی ایسی نعمت ہے کہ آپ اسے ہر گھنٹے،

آدھے گھنٹے بعد پئیں تو مزہ آئے گا، دل نہیں اکتائے گا۔ دنیا میں اتنا لذیذ مشروب کوئی اور ہے ہی نہیں جتنا لذیذ پانی ہے۔ اگر آپ کو تین دن تک پانی نہ ملے اور آپ مسلسل بوتلیں استعمال کریں تو تھک ہار کر کہیں گے کہ خدا کے لئے اِن بوتلوں سے میری جان چھڑاؤ، مجھے کہیں سے پانی لاکر دو۔

لیکن اندازہ لگائیے کہ یہ بوتلیں تو کتنی مہنگی ملتی ہیں جب کہ پانی جیسا عظیم مشروب کہ جس کے بغیر انسان زندہ نہیں رہ سکتا، وہ اللہ تعالیٰ نے مفت دے رکھا ہے اور ہر جگہ دے دیتا ہے۔

ہارون الرشید کا ایک واقعہ:

ہارون الرشید بنوعباس کے مشہور خلیفہ ہیں۔ ان کے اردگرد اہل علم، دانا اور حکمت والے لوگ بھی ہوتے تھے، تاکہ یہ لوگ وقتاً فوقتاً ان کے کانوں میں ایسی باتیں ڈالتے رہیں، جس سے ان کے علم میں اضافہ ہو، ان کی بصیرت میں اضافہ ہو، ایمان میں قوت پیدا ہو، عمل مین اصلاح ہو۔ انہی اہل علم لوگوں میں سے ایک مشہور عالم اور فقیہ یحییٰ ابن اکثم بھی بادشاہ کے مصاحبین میں سے تھے۔

ایک روز خلیفہ کی مجلس میں بیٹھے تھے کہ امیر المومنین نے پانی طلب کیا، پانی آ گیا، اُسے پینے کے لئے جب وہ گلاس کو منہ کے قریب لے گئے تو یحییٰ بن اکثم نے کہا: اے امیر المومنین! ذرا تھوڑی دیر ٹھہر جائیے۔ امیر المومنین ان کی عزت واحترام کرتے تھے، یہ بہت دانا اور سمجھدار شخص تھے۔ ان کی بات سن کر امیر المومنین رک گئے۔ جب انہوں نے گلاس منہ سے ہٹا لیا تو یحییٰ بن اکثم نے سوال کیا: اے امیر المومنین! ایک بات بتلائیے وہ یہ کہ اگر آپ سے گلاس کا پانی روک لیا جائے تو اسے آپ کتنے میں خریدنے کے لئے تیار ہو جائیں گے؟۔

خلیفہ ہارون الرشید نے یحییٰ بن اکثم کے اس سوال کرنے پر غور کیا اور پھر فرمایا کہ اس کے بغیر تو زندگی ہی نہیں، اگر اس کے لئے مجھے اپنی آدھی سلطنت بھی دینی پڑے تو وہ بھی دے دوں گا۔ غور کیجئے! یہ کوئی معمولی بات نہیں، اِس وقت پوری دنیا میں اتنی وسیع حکومت کوئی نہیں تھی، جتنی بڑی وہ حکومت تھی۔ ایشیا کا تقریباً سارا علاقہ ان کے زیر نگین تھا۔ چین، جاپان اور مشرقِ بعید کے چند علاقوں کے علاوہ تمام علاقوں پر ان کی حکومت تھی، مشرقی افریقہ اور شمالی افریقہ کے سارے ممالک بنو عباس کے زیرِ حکومت تھے، اور اسلامی حکومت اسپین اور فرانس تک پہنچی ہوئی تھی تو وہ اتنی بڑی سلطنت کو ایک گلاس پانی پر قربان کرنے کے لئے تیار ہو گئے۔

امیر المومنین کا یہ جواب سن کر یحییٰ بن اکثم نے فرمایا! ٹھیک ہے اے امیر المومنین! نوش فرمایئے۔ ہارون الرشید نے پانی پی لیا اور گلاس رکھ دیا۔ یحییٰ بن اکثم نے پھر عرض کیا کہ اے امیر المومنین ایک سوال کرنا چاہتا ہوں۔ خلیفہ نے کہا: فرمایئے، یحییٰ بن اکثم نے فرمایا: اے امیر المومنین! جو پانی آپ نے پیا ہے، اگر اُس کو پیشاب کے راستے سے باہر نکلنے سے روک دیا جائے تو اُسے نکالنے کے لئے آپ کیا کچھ خرچ کرنے کے لئے تیار ہیں۔ امیر المومنین نے غور کیا اور پھر فرمایا کہ اگر پیشاب بند ہو جائے تو زندگی ہی جاتی رہے گی لہٰذا اس کے لئے میں آدھی سلطنت بھی دینے کے لئے تیار ہوں۔

یہ سن کر یحییٰ بن اکثم نے فرمایا: اے امیر المومنین! یہ ایک گلاس کا پانی جو ہر غریب سے غریب آدمی کو دستیاب ہے، آپ کی پوری حکومت اس کی برابری نہیں کر سکتی اور حقیقت بھی یہی ہے کہ پانی واقعی اتنی ہی عظیم الشان نعمت ہے۔ اور اس کا جسم سے اخراج بھی بہت بڑی نعمت ہے۔

جسم سے پیشاب نکلنا بہت بڑی نعمت ہے:

اس کی قدر و قیمت ان لوگوں سے پوچھئے جن کے گردے بیکار ہو گئے ہیں۔ وہ لوگ پانی پیتے ہیں لیکن ان کے گردے اس پانی کی صفائی نہیں کر سکتے، پیشاب نہیں بنتا اور جسم سے باہر نہیں نکلتا، نتیجہ یہ ہے کہ ہفتہ میں تین مرتبہ ڈائلیسز (Dylessis) کرنا پڑتا ہے۔ ایک دن کی ڈائلیسز کی فیس تین ہزار روپے ہوتی ہے اس طرح ہفتہ میں نو ہزار روپے کا خرچہ ہے، اگر بہت ہی سستا ہو تو ایک ہزار میں ہو جاتا ہے، اس طرح ہفتہ میں کم از کم تین ہزار روپے کا خرچہ ہے صرف ایک ہفتے کے لئے پیشاب کا انتظام کرنے کے بدلے میں۔ اور زندگی اسی طرح گذر رہی ہے۔

اللہ رب العزت کا ہم پر یہ کتنا احسان ہے کہ اس نے ہمارے جسم میں ایسا نظام بنا رکھا ہے کہ ہمارے جسم کو جتنے پانی کی ضرورت ہوتی ہے، اتنا پانی ہمارا جسم جذب کر لیتا ہے، جس سے نشوونما میں مدد ملتی ہے اور زائد پانی کو نکال دیتا ہے۔

گردوں کے ہسپتال کا دورہ:

یہاں کراچی میں سول ہسپتال کے قریب گردوں کے امراض سے متعلق ایک بہت بڑا ادارہ ہے۔ اس ادارے کے سربراہ ملک کے مایہ ناز گردوں کے امراض کے سپیشلسٹ اور عالمی شہرت کے حامل ہیں۔ انہوں نے ایک مرتبہ اپنے ادارے میں آنے کی دعوت دی اور دعوت دینے کی غرض یہ تھی کہ وہ ہم سے یہ فتویٰ مانگنا چاہتے تھے کہ کیا کسی ایک آدمی کا گردہ دوسرے آدمی کو لگانا جائز ہے یا نہیں؟ فتویٰ دینے سے پہلے آپ اس عمل کا مشاہدہ کر لیں۔

ہم وہاں گئے، انہوں نے ہسپتال میں بہت سے انتظامات کر رکھے تھے۔

ہم نے دیکھا کہ وہاں بہت سے لوگ موجود ہیں، جن کا ڈائلیسز ہو رہا ہے۔ ڈائلیسز کا طریقہ یہ ہے کہ ایک بہت بڑی مشین ہوتی ہے جو گردے کا کام کرتی ہے یعنی جسم کا پورا خون ایک طرف سے نکالا جاتا ہے اور دوسری طرف سے جسم میں داخل کیا جاتا ہے اور وہ مشین اس خون میں موجود پیشاب کے حصے کو نکال کر باہر پھینکتی ہے یہ عمل چار گھنٹوں میں مکمل ہوتا ہے تو جو کام ایک معمولی سائز کا گردہ کرتا ہے، وہ کام ایک بہت بڑے حجم کی مشین سے لیا جاتا ہے۔

ہمیں بہت سے ایسے لوگ بھی دکھائے گئے جن کے گردے تبدیل کئے گئے تھے۔ ایک آدمی کا گردہ نکال کر دوسرے کے جسم میں لگایا گیا تھا، ہم نے وہ مریض بھی دیکھے جن کے جسموں سے گردے نکالے گئے تھے اور وہ مریض بھی دیکھے جن کے جسموں میں گردے لگائے گئے تھے۔

کیا مصنوعی گردہ بنایا جا سکتا ہے؟:

میں نے ان سے سوال کیا کہ اب تو ہر چیز مصنوعی بننے لگی ہے کیا ابھی تک سائنس کو اس میں کامیابی نہیں ہوئی کہ کوئی ربڑ یا پلاسٹک وغیرہ کا مصنوعی گردہ بنا لیا جائے اور پھر اسے انسان کے جسم میں لگا کر اس سے مطلوبہ مقصد حاصل کیا جائے تاکہ کسی انسان کے گردے کو نکال کر دوسرے انسان کے جسم میں لگانے کی نوبت ہی نہ آئے۔

انہوں نے جواب دیا کہ ایسا ہونا تقریباً ناممکن ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ گردہ ایک چھلنی ہے، اس میں پانی چھنتا ہے، خراب پانی مثانے کی طرف چلا جاتا ہے اور صاف پانی انسان کی تر و تازگی کا سبب بنتا ہے۔ اس پانی کے چھننے کے لئے گردوں کے اندر انتہائی باریک نالیاں لگی ہوئی ہیں، یہ نالیاں اتنی باریک ہیں کہ عام نگاہ سے

دکھائی نہیں دیتیں بلکہ انہیں خوردبین کے ذریعے سے دیکھا جاتا ہے اور ایک انسان کے گردے میں اِن نالیوں کی تعداد اتنی زیادہ ہے کہ اگر انہیں انسان کے جسم سے نکال ایک دوسرے سے جوڑ کر لمبائی میں پھیلایا جائے تو یہاں (کراچی) سے لے کر حیدرآباد تک پہنچ جائیں۔ اس قدر باریک باریک نالیاں کونسی مشین بنا سکتی ہے کہ انہیں تیار کر کے انسانی جسم میں لگا دے، ابھی تک ایسی ٹیکنالوجی ایجاد نہیں ہوئی۔

دوسری بات یہ ہے کہ اگر بالفرض سائنس اس قدر باریک نالیاں بنانے میں کامیاب ہو بھی جائے تو ان پر اتنا زیادہ خرچہ آئے گا کہ انہیں لگایا ہی نہیں جا سکے گا۔

اور پھر ایک اور بات یہ ہے کہ گردہ صرف یہی کام نہیں کرتا کہ وہ پانی کو چھانتا ہے بلکہ وہ ایک لمبا چوڑا حساب بھی کرتا ہے۔ وہ حساب یہ ہے کہ انسان کے جسم میں تیرہ لٹر پانی ہر وقت موجود رہنا چاہئے، اگر اس سے کم ہوگا تو انسان کی نشوونما رک جائے گی، بیمار پڑ جائے گا، یہاں تک کہ جان جانے کا بھی خطرہ پیدا ہو جائے گا۔ چنانچہ جب پانی گردے سے گزرتا ہے تو وہ حساب لگاتا ہے کہ اس وقت جسم میں کتنا پانی موجود ہے اور اسے مزید کتنے پانی کی ضرورت ہے اور اس وقت کتنا پانی زائد ہے وغیرہ جو پانی زائد ہوتا ہے اسے باہر نکال دیتا ہے اور باقی واپس جسم کی طرف بھیج دیتا ہے۔ اگر ہم نے کوئی ایسا مصنوعی گردہ تیار بھی کر لیا کہ جس میں باریک باریک چھلنیاں لگی ہوں تو اِس گردے کو اس حساب و کتاب کے کرنے کے لئے عقل کہاں سے دیں گے؟ لہٰذا ہمارے لئے اس طرح کا گردہ بنانا ممکن نہیں۔

غور کیجئے کہ یہ گردہ کتنی بڑی نعمت ہے جو اتنا بڑا اور باریک کام کرتا ہے اور مسلسل کرتا رہتا ہے۔

دل۔ اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت:

اس کے علاوہ ہمارے جسم میں اللہ کی ایک اور نعمت ''دل'' کی صورت میں

موجود ہے۔ دل ایک پمپ کرتا ہے، یہ ہر وقت دھڑکتا رہتا ہے۔ دنیا میں آج تک کوئی ایسا پمپ تیار نہیں ہوا جو ستر اسی سال تک کسی وقفے کے بغیر مسلسل پمپنگ کا کام کرتا رہے۔

یہ دل روزانہ کئی من خون پمپ کرتا ہے۔ جب ایک مرتبہ دل دھڑکتا ہے تو جسم میں موجود سارا خون پمپ ہوتا ہے، پھر دوسری مرتبہ دھڑکتا ہے تو اس طرح دوسری مرتبہ سارا خون پمپ ہوتا ہے۔ ایک منٹ میں کتنی مرتبہ دل دھڑکتا ہے اور ہر مرتبہ کتنے خون کو پمپ کرتا ہے، اگر اس کا حساب لگایا جائے تو معلوم ہوگا کہ دن بھر میں ٹنوں اور منوں کے حساب سے خون کی مقدار کو یہ دھکا دیتا ہے۔

دنیا کا کوئی پمپ اس طرح کام نہیں کرسکتا

اور پھر ایک اہم بات یہ ہے کہ یہ پمپ سالہا سال تک مسلسل چلتا رہتا ہے۔ دنیا والوں کے بنائے ہوئے پمپ مسلسل کام نہیں کر سکتے، فولاد یا لوہے کا بنا ہوا پمپ بھی مسلسل کئی سال تک نہیں چل سکتا بلکہ ایک، دو سال بعد گھسنے لگتا ہے، دنیا میں آج تک ایسا پمپ ایجاد نہیں ہوا جو ستر، اسی سال تک کسی وقفے کے بغیر مسلسل چلتا رہے؟ عام طور پر پمپنگ سٹیشن پر کئی پمپ رکھے جاتے ہیں کہ جب ایک پمپ تھک جائے گا تو دوسرا چلایا جائے گا۔ ہمارے دارالعلوم میں پمپنگ سٹیشن (Pumping station) ہے۔ یہ زیر زمین پانی کے ذخیرہ کی ایک ٹینکی ہے، اس پانی کو پورے دارالعلوم میں بھیجنے کے لئے ایک بہت بڑا کمرہ بنایا گیا ہے، جس میں چار پمپ لگے ہوئے ہیں۔ انجینئروں نے کہا کہ اگر آپ صرف ایک پمپ لگائیں گے تو دو تین گھنٹوں میں گرم ہو کر بے کار ہو جائے گا، لہٰذا اس کی بجائے کئی پمپ لگانے پڑیں گے اور ان کے اوقات مقرر کرنا ہوں گے کہ اتنی دیر یہ پمپ چلے گا، پھر دوسرا چلے گا،

پھر تیسرا چلے گا وغیرہ اس طرح کرنے سے کام ہوگا ورنہ نہیں ہوسکتا۔

دیکھئے یہ دل کتنی بڑی نعمت ہے کہ لوہے کے لگے ہوئے پمپ بھی مسلسل کام نہیں کر سکتے جب کہ یہ دل مسلسل کئی سالوں تک کام کرتا ہے، ایک منٹ کا وقفہ بھی نہیں کرتا، اگر یہ تھوڑی دیر کے لئے رک جائے تو انسان کی موت واقع ہو جاتی ہے۔ اللہ رب العزت نے اپنے فضل وکرم سے یہ نعمت غریب سے غریب آدمی کو بھی دے رکھی ہے۔ یہ تو صرف چند نعمتوں کا ذکر ہوا، اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ کی اور بھی لامحدود نعمتیں ہیں۔

خلاصہ:

خلاصہ یہ کہ جب انسان اللہ تعالیٰ کی ان نعمتوں کی طرف دھیان کرے گا اور اپنی کوتاہیوں پر نظر ڈالے گا تو اُس سے جو کیفیت پیدا ہوگی اسی کا نام حیا اورشرمندگی ہے۔

اس حیا اورشرمندگی کی وجہ سے وہ گناہوں سے بچے گا، اسی لئے حیا کو ایمان کا شعبہ قرار دیا گیا۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اِس حیا کے تمام تقاضوں پرعمل کرنے کی توفیق نصیب فرمائے۔ (آمین)

وآخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمين

دو کمزور
یتیم اور عورت

موضوع — کمزور، یتیم اور عورت
مقرر — حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی مدظلہ
مقام — مدرسۃ البنات، جامعہ دارالعلوم کراچی
ضبط و ترتیب — مولانا اعجاز احمد صمدانی
باہتمام — محمد ناظم اشرف

﴿دو کمزور۔ یتیم اور عورت﴾

خطبہ:

نحمده ونصلی علی رسوله الكريم O

امابعد:

عن أبى شريح خويلد بن عمرو الخزاعى رضى الله عنه قال: قال النبى صلى الله عليه وسلم " اللّٰهم إنى أحرّج حق الضعيفين ، اليتيم والمرأة"

(حديث حسن رواه النسائى باسناد جيد وايضاً فى مسند احمد بن حنبل (۴۳۹/۲) وابن ماجه رقم الحديث: ۳۶۷۸)

حدیث کا مطلب:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:
''اے اللہ! دو قسم کے ضعیفوں کی حق تلفی کرنے کو میں گناہ قرار دیتا ہوں۔''

مطلب یہ کہ جو شخص ان دو قسم کے ضعیفوں کا حق پامال کریگا، وہ سخت گنہگار ہوگا اور سزا کا مستحق ہوگا۔ ان میں ایک یتیم کا ذکر فرمایا اور دوسرے، عورت کا۔

یتیم اور عورت دونوں ضعیف ہیں:

یتیم بھی ضعیف ہے کہ وہ اپنے مال، جان اور آبرو کی خود حفاظت نہیں کرسکتا، وہ اپنا حق بھی خود وصول نہیں کرسکتا۔ یتیم ہے، باپ کا انتقال ہوچکا ہے، خود بچہ ہے، بھلا وہ کیسے اپنے حقوق وصول کرسکتا ہے۔

دوسرے عورت ، کہ وہ بھی جسمانی، خلقی اور پیدائشی طور پر کمزور ہے۔ اگر کوئی مرد اس کا حق مارلے تو عموماً وہ بیچاری اپنا حق وصول کرنے پر قادر نہیں ہوتی۔

یتیم کا مال کھانے کی وعید:

یتیم کے بارے میں قرآن مجید کی متعدد آیات اور کئی دیگر احادیث بھی وارد ہوئی ہیں۔ قرآن مجید میں ایک جگہ ارشاد باری ہے:

﴿إِنَّ الَّذِينَ يَأْكُلُونَ أَمْوَالَ الْيَتَمٰى ظُلْمًا إِنَّمَا يَأْكُلُونَ فِي بُطُونِهِمْ نَارًا ؕ وَسَيَصْلَوْنَ سَعِيرًا﴾ (النساء:١٠)

''جو لوگ یتیموں کا مال ناحق طور پر کھاتے ہیں، وہ اپنے پیٹوں میں آگ بھر رہے ہیں اور عنقریب وہ جہنم کی آگ میں داخل ہوں گے''۔

ایک حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد مروی ہے کہ:

''یتیم کا مال ناحق کھانے والا شخص قیامت کے روز اس حالت میں اٹھایا جائے گا کہ پیٹ کے اندر سے آگ کی لپٹیں اس کے

منہ، ناک، کانوں اور آنکھوں تک نکل رہی ہوں گی‘‘۔

(ابن کثیر ۱؍۴۰۳)

یتیم کا مال کھانے کی ایک صورت، جس کی طرف دھیان نہیں جاتا:

ویسے تو یتیم کے مال کو کھانا، اس کے حق کو مارنا، اس کے ساتھ بدسلوکی کرنا اوراس کے ساتھ ناانصافی کرنے کو عام طور پر ہرانسان برا سمجھتا ہے اور بے رحمی قرار دیتا ہے لیکن اس کی بعض صورتیں ایسی ہیں کہ عام طور پر لوگوں کا انکی طرف دھیان نہیں جاتا اور یہ خیال تک نہیں گذرتا کہ ہم یتیموں کا مال کھا رہے ہیں۔ حالانکہ وہ خود بھی یتیموں کا مال کھارہے ہوتے ہیں بلکہ بسا اوقات دوسروں کو بھی یتیموں کا مال کھلا دیتے ہیں۔

ان میں سے ایک بات وہ ہے جو ناواقف لوگوں اورطرح طرح کی رسموں کے شکار افراد میں پائی جاتی ہے۔ وہ یہ ہے کہ جب ان میں سے کسی کے میت ہوجائے تو تعزیت کے لئے اس کی برادری کے لوگ اور دیگر دوست واحباب آتے ہیں۔ اور اس کے گھر میں آ کر پڑاؤ ڈال دیتے ہیں۔ یا صبح شام آتے رہتے ہیں۔ دوپہر کا کھانا بھی یہیں کھاتے ہیں اور شام کا کھانا بھی میت والوں کے ہاں کھاتے ہیں۔ کئی کئی دن تک ان کا یہ معمول چلتا رہتا ہے۔ بجائے اس کے کہ میت والوں کی مدد کی جاتی، الٹے ان پر بوجھ بن جاتے ہیں۔

شریعت کا بتلایا ہوا ادب اور ہمارا طرزِ عمل:

حالانکہ یہ بات آداب میں سے ہے اور پڑھے لکھے لوگوں میں بھی عام طور پر یہ طریقہ رائج ہے کہ جن کے ہاں میت ہوجاتی ہے کہ ان کے دوست احباب اورقریبی رشتے دار ان کے ہاں پکا ہوا کھانا بھیجتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی

ہدایت بھی یہی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ لوگ غم میں مبتلا ہوتے ہیں، کھانے کا سامان اور اسے تیار کرنے کا کام اب ان کے لئے آسان نہیں رہا۔ بلکہ غم کی وجہ سے ان کا کھانا کھانے کو جی بھی نہیں چاہتا تو شریعت نے یہ ادب بتلایا کہ تم پکاپکایا کھانا لے جاکر اپنے سامنے کھلا دو تو کھانا کھالیں گے ورنہ بیچارے روتے پیٹتے ہی رہ جائیں گے۔ بھوکے پڑے رہ جائیں گے۔

شریعت کا بتلایا ہوا طریقہ تو یہ تھا جو ابھی بیان ہوا لیکن ناواقف لوگوں نے میت والوں پر الٹا بوجھ ڈال دیا۔ اب وہ غریب آدمی نہ صرف اپنے کھانے کا انتظام کرتا ہے بلکہ مہمانوں کا انتظام بھی کرتا ہے اور یہ غریب بھی وہ ہے جو میت ہوجانے کی وجہ سے غمزدہ بھی ہے۔

غلط طرزِ عمل کا نتیجہ:

اس میں بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ مثلاً گھر کے سربراہ کا انتقال ہوگیا۔ اس کے ورثاء میں اس کی بیوی اور چھوٹے بڑے بچے شامل ہوتے ہیں۔ بعض مرتبہ ایسے وارث بھی ہوتے ہیں جو اُس وقت وہاں نہیں ہوتے، کسی سفر میں ہوتے ہیں یا بیرون ملک مقیم ہوتے ہیں وغیرہ۔ اب انتقال کے بعد میت کے گھر میں موجود سامان جیسے آٹا، گھی، دل، مرچ مصالحے وغیرہ سے ہی کھانا تیار کیا جاتا ہے۔ حالانکہ جونہی میت کا انتقال ہوا فوراً اس کا مال اس کی ملکیت سے نکل گیا، اب اس کی ملکیت میں کچھ نہیں رہا، اس کا بچھونا، اس کے کپڑے، کھانے پینے کا سامان حتی کہ جو دوائیں اس کی زیر استعمال تھیں، اب وہ بھی اس کی ملکیت نہیں رہیں بلکہ وارثوں کی ملکیت میں آ گئیں۔

ان وارثوں میں بسا اوقات یتیم بھی ہوتے ہیں، بعض مرتبہ ایسا وارث بھی ہوتا ہے جو عقل نہیں رکھتا، بعض اوقات ایسا وارث بھی ہوتا ہے جو وہاں موجود نہیں

ہوتا۔ اب یہاں یہ ہوا کہ غیر موجود وارث کی مرضی اور اجازت کے بغیر اس کا مال مہمانوں کو کھلا دیا، نابالغ بچے کی تو اجازت کا شرعاً اعتبار ہی نہیں، اسی طرح دماغ سے معذور شخص اگر کسی کو کچھ دے دے تو لینے والا اس کا مالک نہیں بنتا جبکہ اس صورت میں نابالغ اور دماغ سے محروم وارث کا مال مہمان کو کھلا دیا گیا، اور کھانے والوں نے بھی بلا جھجک یتیم کا مال کھالیا حالانکہ قرآن میں یہ وعید ہے کہ:

''جو لوگ یتیموں کا مال ناحق طور پر کھاتے ہیں، وہ اپنے پیٹوں میں آگ بھر رہے ہیں اور جہنم میں داخل کئے جائیں گے''۔

(النساء:۱۰)

غرباء کے لئے پریشانی

مجھے ایک گاؤں کے لوگوں نے بتلایا کہ ہمیں ڈر لگا رہتا ہے کہ اگر کسی کا انتقال ہوگیا تو اس کی وجہ سے ہونے والے غم کے علاوہ ہزاروں روپے کے مہمانداری کے خرچے کی رقم کہاں سے لائیں گے۔ انہوں نے بتلایا کہ ہمارے ہاں شادی پر اتنا خرچہ نہیں ہوتا جتنا کہ میت ہونے پر ہوجاتا ہے۔ اور پھر عجیب بات یہ ہے کہ اس طرف کسی کا دھیان بھی نہیں جاتا کہ ہم یتیم کا مال کھا رہے ہیں۔ یہ بڑی افسوس ناک بات ہے۔

ہمارے مرشد کی احتیاط

ہمیں یاد ہے کہ جب ہمارے حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی وفات ہوئی تو ہمارے مرشد حضرت ڈاکٹر عبدالحئی عارفی صاحب رحمۃ اللہ علیہ (جو ہمارے لئے باپ کی طرح تھے وہ) تشریف لے آئے، کمزور اور ضعیف تھے۔ میں نے دیکھا

کہ حضرت تھکے ہوئے ہیں تو میں گھر میں رکھے ہوئے ایک خمیرہ کو لے کر حضرت کی خدمت میں آیا اور عرض کیا کہ اس سے کچھ کھا لیجئے۔ فرمایا کہ یہ ترکے کا تو نہیں ہے۔ میں نے عرض کیا کہ حضرت! یہ والد صاحب کا نہیں، یہ تو ہمارا ہے تو حضرت نے تناول فرمالیا۔ اگر یہ والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ہوتا تو ہرگز نہ کھاتے۔

عورتوں سے متعلق چند احکام

دوسرا ضعیف، جس کا ذکر شروع میں آیا تھا، وہ ''عورت'' ہے۔ عورتوں کے بارے میں شریعت نے بہت سے احکام دیئے ہیں۔ ایک حکم تو یہ ہے کہ:

﴿وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ﴾ (النساء:۱۹)

''عورتوں کے ساتھ اچھے طریقے سے زندگی گذارو۔''

مراد یہ ہے کہ ان کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آؤ اور محبت وشفقت کا برتاؤ کرو، خیر خواہی اور ہمدردی کا برتاؤ کرو۔

دوسرا حکم یہ ہے کہ اگر ایک سے زائد نکاح کرو تو پھر ان کے درمیان برابری کرو، اگر یہ خطرہ ہو کہ ایک سے زائد بیویوں کی صورت میں ان کے درمیان برابری نہیں کرسکو گے تو پھر ایک ہی کو نکاح میں رکھو۔ چنانچہ ارشاد باری ہے:

﴿فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً أَوْمَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ﴾ (النساء:۳)

''اگر تمہیں اندیشہ ہو کہ (سب عورتوں سے) یکساں سلوک نہ کرسکو گے تو ایک عورت (کافی ہے) یا باندی جسکے تم مالک ہو''۔

فرض کریں اگر کسی کے پاس دو بیویاں ہیں کہ اس کے لئے ضروری ہے کہ

ایک رات ایک بیوی کے پاس گذارے اور دوسری رات دوسری بیوی کے پاس۔ یہ جائز نہیں کہ ایک بیوی کے پاس دو راتیں گذارے اور دوسری بیوی کے پاس ایک رات۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ازواج کے ساتھ برابری کرتے تھے۔

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا طرز عمل

حکیم الامۃ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ کی دو بیویاں تھیں۔ آپ ان کے درمیان برابری کا پورا اہتمام فرماتے۔ ۔ چنانچہ خانقاہ میں ترازو رکھی ہوئی تھی۔ جب بھی کہیں سے کوئی تحفہ آتا تو تول کر آدھا آدھا کرتے اور پھر اسے ہر ایک کے گھر میں بھیجتے۔ محض اندازہ سے کام نہ چلاتے۔ کسی نے عرض کیا کہ حضرت آپ نے دوشادیاں کرکے زیادہ شادیوں کا راستہ کھول دیا۔ فرمایا: راستہ کھول دیا یا بند کردیا؟ میں نے تو راستہ بند کردیا۔ مجھے دیکھنے والا کبھی دو شادیاں نہیں کریگا۔ مجھے جو تکلیف اور محنت ومشقت اٹھانی پڑتی ہے۔ اسے دیکھ کر کسی کو دوشادیاں کرنے کی جرأت نہیں ہوگی۔

محبت کے اعتبار سے برابری کرنا ممکن نہیں

البتہ ایک بات یہ ہے کہ یہ حکم عمل میں برابری سے متعلق ہے۔ دل کی محبت میں برابری کے متعلق نہیں کیونکہ محبت کے اعتبار سے برابری کرنا ممکن نہیں۔ قرآن مجید میں ہے:

﴿وَلَنْ تَسْتَطِيْعُوْا أَنْ تَعْدِلُوا بَيْنَ النِّسَاءِ﴾ (النساء:۱۲۸)

''تم خواہ کتنا ہی چاہو، عورتوں میں ہرگز برابری نہ کرسکو گے''۔

لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ ایک ہی کی طرف زیادہ جھک جاؤ، چنانچہ اسی

آیت کے اگلے حصے میں اس سے منع کیا گیا کہ:

﴿فَلَا تَمِيلُوا كُلَّ الْمَيْلِ فَتَذَرُوهَا كَالْمُعَلَّقَةِ﴾

''ایسا نہ کرنا کہ ایک ہی کی طرف ڈھل جاؤ اور دوسری کو (ایسی حالت میں) چھوڑ دو کہ گویا وہ لٹک رہی ہے''۔

''معلّقہ'' کا مطلب ہے کہ وہ نہ شادی شدہ کی طرح ہو اور نہ غیر شادی شدہ کی طرح۔ شادی شدہ کی طرح تو اس لئے نہیں کہ تم اس کا حال پوچھتے نہیں اور غیر شادی شدہ (کنواری) کی طرح اس لئے نہیں کہ تمہارے نکاح کے بندھن میں بندھی ہوئی ہے کسی اور سے نکاح نہیں کرسکتی ہے۔ ایسا رویہ اختیار کرنا ناجائز ہے۔

عورت پسلی سے پیدا کی گئی

ایک روایت میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد منقول ہے:

استوصوا بالنساء خيرا فإن المرأة خلقت من ضلع وإن اعوج مافى الضلع اعلاه فإن ذهبت تقيمهٗ كسرتهٗ وإن تركتهٗ ، لم يزل أعوج فاستوصوا بالنساء

(متفق عليه)

''مجھ سے عورتوں کے ساتھ حسنِ سلوک سے پیش آنے کی نصیحت قبول کرو، اس لئے کہ عورت پسلی سے پیدا کی گئی ہے اور پسلی کا سب سے زیادہ ٹیڑھا حصہ اس کا اوپر والا حصہ ہوتا ہے پس اگر تم اُسے سیدھا کرنے کی کوشش کرو گے تو اُسے توڑ بیٹھو گے اور اگر اُسے چھوڑ دو گے تو وہ اسی طرح ٹیڑھی ہی رہے گی۔ پس عورتوں سے اچھا برتاؤ کرو''۔

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ عورت کو پسلی سے پیدا کیا گیا۔ لہٰذا جس طرح پسلی کے اندر ٹیڑھ پن ہوتا ہے، اس کے اندر بھی مرد کے مزاج کے اعتبار ٹیڑھ پن ہوگا یعنی مرد سے اس کا مزاج مختلف ہوگا۔ مرد کے لئے ضروری ہے کہ وہ اسے اسی حال میں برداشت کرے ورنہ اگر اسے سیدھا کرنے کی کوشش کریگا تو وہ ٹوٹ جائیگی اور ایک روایت میں ہے کہ:

"کَسرُهَا طَلَا قُهَا" (مسلم)

"اس کا ٹوٹنا اس کو طلاق دینا ہے"۔

اس سے معلوم ہوا کہ اسے سیدھا کرنے کی کوشش سے طلاق کی نوبت آسکتی ہے۔

یہ عورت کا عیب نہیں

یہاں پر خوب سمجھنے کی بات یہ ہے کہ اس حدیث میں عورت کے پسلی سے پیدا ہونے کا ذکر کرکے اس کا عیب بیان نہیں کیا جارہا، اس لئے ہر ٹیڑھی چیز بری نہیں ہوتی۔ اگر ساری چیزیں سیدھی ہوا کرتیں تو کوئی حسن و جمال باقی نہ رہتا۔

مثلاً اگر سارے درخت سیدھے اور چوکور ہوتے تو کوئی حسن و جمال باقی رہتا؟

اگر پہاڑ عمارتوں کی طرح بالکل مربع یا مستطیل ہوتے تو ان میں سے کوئی دیکھنے کے قابل نہ ہوتا؟

اگر پھول پتیاں بالکل سیدھی یا چوکور ہوتیں تو ان میں کوئی حسن پیدا ہوتا؟

جس طرح ان سب کے اندر حسن و جمال اور خوبی اسی ٹیڑھ پن میں ہے، اسی طرح پسلی کا حسن اس کے ٹیڑھ پن میں ہے۔ اگر پسلیاں بالکل سیدھی ہوتیں تو

کیا انسان کی ساخت ایسی مناسب ہوسکتی تھی؟ ہرگز نہیں، معلوم ہوا کہ فطرت کا تقاضا یہ ہے کہ پسلی ٹیڑھی ہو۔

پسلی سے پیدا ہونے کا مطلب

اور اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ نہیں ہوسکتا کہ عورت سو فیصد تمہاری مرضی اور مزاج کے مطابق ہو بلکہ اس کے اور تمہارے مزاج کے درمیان فرق رہے گا۔ جس کی وجہ سے تمہیں اس کی بعض باتیں مزاج کے خلاف نظر آئیں گی۔ تمہیں ان باتوں کو برداشت کرنا ہوگا۔ اگر برداشت نہیں کرو گے تو پسلی ٹوٹ جائے گی یعنی طلاق دینے کی نوبت آپہنچے گی۔

بیوی کی جائز ضد پوری کردینی چاہئے

اور بات یہ ہے کہ اعلیٰ ظرف انسان عورتوں کی ناز برداریاں کرکے خوش ہوتا ہے۔ اس کو اسی میں مزہ آتا ہے۔ ہاں البتہ ناجائز امور میں تو اس کی بات نہیں مانی جائے گی تاہم جائز امور میں ان کی بات مان لینے میں کوئی عیب کی بات نہیں۔

ایک مرتبہ کسی میاں بیوی میں جھگڑا تھا۔ انہوں نے مجھے بلایا۔ وہاں ساس سسر بھی موجود تھے۔ شوہر نے یہ شکوہ کیا کہ میری بیوی ضد بہت کرتی ہے۔ میں نے اُسے سمجھایا کہ چلو تم اس کی ضد پوری کردیا کرو۔ تم مرد ہو، اللہ تعالیٰ نے تمہیں طاقت دے رکھی ہے ہاں اگر تمہارے بس سے باہر ہوجائے تو اس پر معذرت کردو۔ لیکن جو مطالبے بآسانی پورے کرسکتے ہو، اور وہ جائز بھی ہوں تو انہیں پورا کردو۔ تمہارے کتنے مطالبے یہ پورے کرتی ہے۔

عورت کی قربانیاں

عورت کی حالت دیکھئے، یہ اپنے شوہر کے لئے کتنی قربانیاں دیتی ہے۔ جن ماں باپ نے اسے پیدائش سے لے کر جوانی تک پالا، جن بہن بھائیوں کے ساتھ پیارومحبت سے اس نے زندگی گذاری۔ ان سب سے جدائی اختیار کرکے ایک بالکل اجنبی مرد کے ساتھ ہمیشہ کی زندگی گذارنے کے لئے آجاتی ہے اور پھر اس نئے گھر میں اپنے شوہر کے ماں باپ سے وہ معاملہ کرتی ہے جو اپنے ماں باپ کے ساتھ کرتی تھی، اس کے بہن بھائیوں کے ساتھ وہ سلوک کرتی ہے جو اپنے بہن بھائیوں کے ساتھ کرتی تھی۔ اور پھر شوہر کی بے شمار ضرورتوں کو پورا کرتی ہے، اس کی خدمت کرتی ہے۔ اب اگر کسی جائز معاملے میں ضد کرتی ہے تو تم اس کی ضد پوری کردو، پھر وہ تمہاری ضدیں بھی پورا کرے گی اور اس سے تمہارے درمیان محبت اور بڑھ جائے گی۔ اسی طریقے سے ہی آپس میں محبتیں بڑھا کرتی ہیں۔ محض قاعدے اور قانون کے اندر رہتے ہوئے میاں بیوی کی زندگی خوشگوار نہیں ہوسکتی۔

ہمارے معاشرے میں عورت کے ساتھ برتاؤ کی کیفیت

ہمارے معاشرے میں عام طور پر عورت کے ساتھ بدسلوکی کی جاتی ہے، ان کے ساتھ بے رحمی کا معاملہ کیا جاتا ہے۔ انہیں باندی اور غلام بنا کر رکھا جاتا ہے یوں سمجھا جاتا ہے کہ بجائے اس کے کہ کسی عورت کو تنخواہ دے کر گھر میں رکھتے، مفت میں خادمہ آگئی۔ اور پھر اس سے خادمہ کی طرح گھر کے سارے کام لئے جاتے ہیں۔

کیا بیوی کے حصہ میں صرف سسرال والے ہی آئے ہیں؟

بہت سے گھروں میں یہ ہوتا ہے کہ شادی کرنے کے بعد شوہر چند دن گھر رہتا ہے۔ اس کی ملازمت کسی باہر ملک مثلاً برطانیہ، سعودی عرب، امریکہ وغیرہ میں ہوتی ہے۔ چند روز بعد وہ اپنی ملازمت پر چلا جاتا ہے اور بیوی بیچاری سسرال میں رہتی ہے۔ وہاں رہتے ہوئے ساس کے نخرے بھی برداشت کرتی ہے۔ سسر کے نخرے بھی جھیلتی ہے، نندوں اور دیوروں کے احکام کی بھی پابندی کرتی ہے لیکن وہ شوہر جس کے ساتھ اس کی شادی ہوئی تھی، وہ غائب ہے۔ جس کی خاطر اس نے اپنے سارے خاندان کو چھوڑا، اپنا سب کچھ قربان کیا تھا، وہ تو غائب ہے لیکن اس کے متعلقین کی خدمت اس کے ذمہ لگ گئی۔ یہ بات اپنی جگہ درست ہے کہ ساس، سسر وغیرہ کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آنا اور ان کی خدمت کرنا اچھی بات ہے لیکن کیا اس کے حصہ میں سسرال والے ہی آئے ہیں، شوہر نہیں آیا۔

یہ تو جانوروں کا سا سلوک ہے!

یہاں اسی علاقے میں ایک غریب عورت رہتی ہے۔ کبھی کبھی ہمارے ہاں بھی آتی رہتی ہے۔ اس کا شوہر باہر ملک ملازمت کرتا ہے۔ اس کا شوہر سال، دوسال بعد یہاں آتا ہے۔ اس نے یہاں شادی کی اور شادی کے چند روز بعد وہ باہر چلا گیا۔ وہ حاملہ ہوگئی۔ نو ماہ بعد بچہ پیدا ہوگیا اور ابھی تک شوہر نامراد باہر تھے۔ وہ بچے کو اکیلی پالتی رہی۔ سال کے بعد صاحب بہادر آئے۔ ایک ہفتہ ٹھہرے اور دوسرے بچے کا انتظام کر کے چلے گئے۔ نو ماہ بعد دوسرا بچہ پیدا ہوا۔ وہ اس کو پالتی رہی۔ پھر سال دوسال بعد شوہر آئے اور تیسرے بچے کا انتظام کر گئے۔ ان کا یہی طرز

عمل رہا، اب کئی بچے پیدا ہو چکے ہیں۔ خود شوہر کا یہ حال یہ ہے کہ اس نے وہاں دوسری شادی کرلی ہے۔ وہ خود عیش وعشرت کی زندگی گذار رہا ہے اور بیوی کو ساس سسر کے پاس چھوڑا ہوا ہے۔ وہ ان کی خدمت بھی کرتی ہے اور اپنے بچوں کو بھی پالتی ہے۔ یہ کیسی بے رحمی ہے! یہ تو جانوروں کا سا سلوک ہے!

ایک اور سنگین غلطی

ہمارے معاشرے میں ایک سنگین غلطی اور بھی ہورہی ہے۔ وہ بھی بڑی خطرناک ہے۔ وہ یہ ہے کہ بعض جگہوں پر ایسا ہوتا ہے کہ مرد گھروں میں رہتے ہیں اور عورتیں محنت مزدوری کر کے کما کر لاتی ہیں۔ شہروں میں گھروں کے اندر جو ماسیاں کام کرتی ہیں۔ یہ بیچاری محنت کر کے دو وقت کا کھانا کھاتی ہیں، کچھ کھانا بچوں کیلئے لے جاتی ہیں اور ان کے شوہر اور جوان بیٹے گھر پر آرام کرتے ہیں اور آوارہ پھرتے رہتے ہیں۔ یہ بڑی بے غیرتی کی بات ہے اور عورت پر بہت بڑا ظلم ہے۔

یہ اسلام کا قصور نہیں

اپنی باتوں کی وجہ سے دشمنان اسلام کو اسلام کو بدنام کرنے کا موقع ملا ہے اور انہیں یہ کہنے کا موقع ملا ہے کہ اسلام میں عورتوں کے ساتھ انصاف نہیں کیا جاتا۔ عورتوں کو چاردیواری میں قید کردیا جاتا ہے۔ عورتوں کو انسانی حقوق سے محروم کردیا جاتا ہے وغیرہ وغیرہ۔ یہ اسلام کا قصور نہیں، اسلام نے تو عورتوں کے حقوق کی ادائیگی کا حکم دیا تھا لیکن ظلم کیا ہے مسلمان مرد نے کہ اس نے اپنے دین کا پاس نہ کیا، اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے احکام کو فراموش کردیا، بے زبان، مسکین عورت جو اپنا حق زبردستی وصول نہیں کرسکتی۔ اس کو مصیبت میں ڈال کر خود عیاشی کا مرتکب ہوا۔ اور اس

کے اس عمل کی وجہ سے اسلام بدنام ہوا اور مغرب کو اسلام کے خلاف زبان کھولنے کا موقعہ ملا۔

مغرب نے عورتوں پر بے حد ظلم کیا ہے

ورنہ حقیقت یہ ہے کہ جتنا ظلم اہل مغرب نے عورت کے ساتھ کیا ہے، وہ اتنا زیادہ ہے کہ اہل مشرق نے بھی اتنا نہیں کیا۔ عورت کو جیسا بیوقوف بنا کر جس طرح اس سے محنت لی جاتی ہے، اور صبح سے لے کر شام تک اُسے جس طرح گھن چکر میں رکھا جاتا ہے، اس کے مقابلے میں تو مشرق کی عورت بدر جہا بہتر حالت میں ہے۔ (لیکن یہ وہ گھرانے ہیں جہاں دین پر کچھ نہ کچھ عمل ہوتا ہے۔)

امریکہ میں عورتوں کے مسلمان ہونے کی وجہ

امریکہ کے سفر میں مجھے وہاں کے لوگوں نے بتلایا کہ وہاں عورتیں زیادہ مشرف باسلام ہورہی ہیں۔ میں نے وجہ پوچھی تو انہوں نے کہا کہ زیادہ تر وہ عورتیں مسلمان عورتوں کو دیکھ کر مسلمان ہورہی ہیں۔ غیر مسلم عورت اپنی پڑوس مسلمان عورت کو دیکھتی ہے کہ وہ کتنی عزت کے ساتھ اپنے گھر میں زندگی گذار رہی ہے، اسے ملازمت کے لئے جانا نہیں پڑتا، گھر میں بچوں کی دیکھ بھال کرتی ہے، آرام کرتی ہے، شوہر آتا ہے تو شام کو کہیں تفریح وغیرہ کے لئے بھی چلے جاتے ہیں جبکہ غیر مسلم عورت کا یہ حال ہوتا ہے کہ بیچاری صبح سویرے اٹھی۔ سب سے پہلا کام یہ کیا کہ بچوں کو نہلا دھلا کر سکول کے لئے تیار کیا، شوہر کا ناشتہ تیار کیا، اپنی تیاری کی۔ عام طور پر وہاں سات بجے ڈیوٹی شروع ہوجاتی ہے دفتر پہنچنے سے کم ازکم گھنٹہ، ڈیڑھ گھنٹہ پہلے نکلنا پڑتا ہے۔ لہٰذا کم ازکم چھ بجے گھر سے نکلنا پڑتا ہے۔ چنانچہ خود ناشتہ

نہیں کر پاتی، برگر وغیرہ اپنے پاس رکھ لیتی ہے اور راستے میں کھاتے ہوئے جاتی ہے۔

صبح سات بجے سے لے کر شام پانچ بجے تک ڈیوٹی دیتی ہے اور ڈیوٹی کے دوران کھانا کھانے کی اجازت نہیں ہوتی۔ شام پانچ بجے عورت بھی واپس آئی، بچے اور شوہر بھی آئے۔ شوہر کو تو کوئی کام نہیں۔ یہ آتے ہی کھانا پکانے میں لگ جاتی ہے۔

بعض مرتبہ ایسا ہوتا ہے کہ شوہر اور بیوی کی ڈیوٹی کا وقت مختلف ہوتا ہے۔ شوہر ڈیوٹی سے واپس آرہا ہوتا ہے تو عورت جارہی ہوتی ہے اور جب بیوی واپس آتی ہے تو شوہر ڈیوٹی کے لئے نکل رہا ہوتا ہے۔

لندن کا ایک واقعہ

لندن میں ہمارے ایک دوست رہتے ہیں۔ مجھ سے بہت مرتبہ کہا ہے کہ جب کبھی لندن آنا ہو تو مجھے بھی اطلاع ہو جائے تاکہ میں خدمت میں حاضر ہو جاؤں۔ میرا قیام عام طور پر لندن میں کم ہوتا ہے۔ ایک مرتبہ میں ایک دن کے لئے لندن میں تھا۔ سوچا کہ فون کرلوں، فون کیا تو کہنے لگے کہ کیا کروں میرا دل بے تاب ہے آپ کے پاس آنے کے لئے لیکن میرا ایک عجیب مسئلہ ہے۔ وہ یہ کہ میں ڈیوٹی پر جانے کے لئے نکل رہا ہوں اور میری بیوی ڈیوٹی سے واپس آرہی ہے۔ اور مجھے آج ڈیوٹی پر ضروری پہنچنا ہے۔

مغرب نے عورت کو بیوقوف بنایا

اس طرح مغرب نے عورت کو بیوقوف بنایا اور نعرہ یہ لگایا کہ عورتوں اور

مردوں کے حقوق برابر ہیں۔ حالانکہ اس عمل کا حاصل یہ ہے کہ گھر کے جو کام کاج مشرقی عورت کے ذمہ ہیں، وہ تو مغربی عورت پر برقرار رہے، مزید یہ اضافہ ہوا کہ مرد نے کہا کہ تیرا خرچہ میں برداشت نہیں کروں گا، تو اپنا خرچہ خود کما کر لا۔

مغرب میں عورتوں کو مردوں کے برابر حقوق حاصل نہیں

اور پھر دوسری بات یہ ہے کہ وہاں عورتوں کے پاس وہ عہدے نہیں ہیں، جو مردوں کے پاس ہیں، امریکہ میں آج تک کبھی عورت صدر نہیں بنی، وہاں کی آبادی میں عورت کا جو تناسب ہے، اس تناسب سے عورت کو ایوان (اسمبلی) میں نمائندگی حاصل نہیں بلکہ تمام مغربی ممالک کا یہی حال ہے۔ اور نزلہ ہم پر گراتے ہیں کہ عورتوں اور مردوں کے درمیان مساوات کرو۔

اسلام نے عورت کو جو مرتبہ دیا، وہ کسی اور مذہب میں نہیں

حالانکہ عورتوں اور مردوں کے درمیان مساوات ممکن نہیں، عورتوں کی ساخت الگ ہے، مرد کی ساخت الگ ہے، عورت کی ذمہ داریاں الگ ہیں، مرد کے فرائض الگ ہیں، عورت کا مزاج الگ ہے، مرد کا مزاج الگ ہے، عورت کو اس طرح بنایا گیا ہے کہ وہ گھر کے متعلق اپنی ذمہ داریوں کو اچھے طریقے سے نبھا سکے اور مرد کی ساخت ایسی ہے کہ وہ بیرونی معاملات کو سلجھائیں، اس لئے دونوں میں برابری نہیں ہوسکتی۔ دونوں کے درمیان زمین آسمان کا فرق ہے۔

البتہ اسلام نے عورتوں کے ساتھ حسن سلوک کرنے اور ان کے حقوق اد اکرنے کا حکم دیا ہے اور عورت کو وہ مرتبہ دیا کہ کسی دوسرے دین و مذہب نے وہ مقام نہیں دیا۔

اسلام نے تو عورت کو بہت بلند مرتبہ عطا فرمایا تھا، لیکن ہمارے ناواقف لوگوں نے یہ حرکت کی ہے کہ وہ عورتوں پر ظلم اور سختیاں کرتے ہیں، جس کی وجہ سے دین بدنام ہوتا ہے۔ اس سے بچنا ضروری ہے۔ آپ خود بھی اس سے بچیں اور یہ پیغام دوسروں تک بھی پہنچائیں۔

اللہ رب العزت ہمیں یتیم اور عورت دونوں کی حق تلفی کرنے سے محفوظ فرمائے اور ان کمزوروں کے حقوق کی ادائیگی اور ان کے ساتھ حسنِ سلوک کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

وآخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمين

دار العلوم دیوبند
سے دار العلوم کراچی تک

موضوع دار العلوم دیوبند سے دار العلوم کراچی تک
مقرر حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی مدظلہ
مقام جامع مسجد، جامعہ دار العلوم کراچی
تاریخ ۳۰۔ اگست ۲۰۰۲ء
ضبط و ترتیب مولانا اعجاز احمد صمدانی
باہتمام محمد ناظم اشرف

﴿دارالعلوم دیو بند سے دارالعلوم کراچی تک﴾

خطبہ مسنونہ:

الحمدللّٰه نحمدهٗ ونستعينهٗ ونستغفرهٗ ونؤمن به ونتوكل عليه۔ ونعوذ باللّٰه من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا من يهدهِ اللّٰه فلا مضلّ لهٗ ومن يضللهٗ فلا هادى لهٗ۔ ونشهد ان لا اِلٰه اِلّا اللّٰه وحدهٗ لاشريك له ونشهد أنّ سيدنا ومولانا محمداً عبدهٗ ورسولهٗ صلى اللّٰه تعالىٰ عليه وعلىٰ آله وصحبه وسلم تسليماً كثيراً۔

امابعد:

قال النبى صلى اللّٰه عليه وسلم " انّ العلماء ورثة الانبياء وانّ الأنبياء لم يورّثوا ديناراً ولا درهمًا انّما ورّثوا العلم فمن أخذ به اخذ بحظٍ وافرٍ۔

(رواہ الترمذی، کتاب العلم، باب ماجاء فی فضل الفقہ علی العبادۃ رقم الحدیث ۲۶۸۷)

تمہید:

گذشتہ چند جمعوں سے اس بات کا بیان چل رہا ہے کہ یہ تعلیمی سلسلہ کن کن مراحل سے گذر کر ہم تک پہنچا ہے اور علماء امت نے اپنے اپنے زمانے میں کس کس قسم کی قربانیاں دی ہیں۔ یہ قربانیوں کی تاریخ ہے جس کا مختصر جائزہ میں نے آپ حضرات کے سامنے پیش کیا۔آج کی مجلس میں دارالعلوم دیو بند اور اس کے بعد دار العلوم کراچی کی کچھ تاریخ بیان کرنا مقصود ہے۔

جنگِ آزادی کے بعد مسلمانوں کی حالت:

۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی کے نتیجہ میں جب انگریزوں نے ہندوستان میں اپنا تسلط قائم کرلیا اور مسلمانوں کو شکست کا سامنا کرنا پڑا۔ مغلیہ خاندان کے آخری بادشاہ بہادر شاہ ظفر کو گرفتار کر کے رنگون پہنچا دیا گیا تھا۔ اور عام مسلمانوں کو تختہ دار پر لٹکایا جارہا تھا۔ جگہ جگہ پھانسی کے پھندے لٹکائے گئے تھے۔ جس کے بارے میں ذرا سا بھی شبہ ہوجاتا کہ یہ تحریک آزادی میں شریک تھا۔ اُسے پھانسی چڑھا دیا جاتا، اور اگر کسی کے بارے میں جھوٹا الزام بھی لگایا جاتا کہ یہ جنگ آزادی میں شریک ہوا تھا تو بلاتحقیق اُسے بھی تختہ دار پر لٹکا دیا جاتا۔ ہمارے بہت سے اکابر بھی اس جہاد میں شریک تھے خصوصاً مولانا رشید احمد گنگوھی رحمہ اللہ، مولانا قاسم نانوتوی رحمہ اللہ اور حافظ ضامن شہید رحمہ اللہ کے نام قابلِ ذکر ہیں۔

اس شکست کے بعد اب مسلمانوں میں اسلحہ کے ذریعے مقابلہ کرنے کی سکت باقی نہ رہی تھی اور یہ اندازہ ہورہا تھا کہ اگر مزید طاقت کا مظاہرہ کیا گیا تو مسلمانوں اور ان کے دینی اداروں کو بالکل نیست ونابود کردیا جائے گا۔

انگریزوں کے دو اہم کام:

انگریزوں نے جنگِ آزادی کے بعد دو بڑے کام کئے۔ ایک یہ کہ سرکاری زبان فارسی کو ختم کر کے انگریزی کو سرکاری زبان بنایا دوسرے یہ کہ لارڈ میکالے کے ذریعے ایک ایسا نظام تعلیم مرتب کرایا گیا۔ جس میں دین اسلام کا کوئی گذر نہیں تھا۔ صرف انگریزی زبان کے ذریعے سے آنے والے علوم وفنون کو داخلِ نصاب کیا گیا تھا۔

جنگِ آزادی سے قبل مسلمانوں کے تعلیمی اداروں کی کیفیت:

برصغیر میں انگریزوں کے قدم جمانے سے پہلے عصری اور دینی علوم میں کوئی تفریق نہیں تھی۔ مسلمانوں کے سرکاری تعلیمی اداروں میں دونوں قسم کے علوم کی تعلیم دی جاتی تھی اور پرائیویٹ تعلیمی اداروں کا بھی یہی حال تھا۔ ان اداروں سے فارغ التحصیل ہونے والے حکومت کے اعلیٰ اعلیٰ عہدوں پر بیٹھتے تھے۔ وزیر بھی بنتے، گورنر بھی بنتے اور دیگر اعلیٰ عہدیدار بھی بنتے۔ انگریزوں کے آنے پر ان اداروں سے دین کو نکالا گیا۔

لارڈ میکالے کے نظامِ تعلیم کی خصوصیات:

لارڈ میکالے نے جب اپنا نظامِ تعلیم پیش کیا تو اس کی خصوصیات بیان کرتے ہوئے اس نے کہا:

> ''اس نظامِ تعلیم سے جو نسل تیار ہوگی وہ چمڑے اور چہرے کے اعتبار سے تو ہندوستانی ہوگی لیکن دل ودماغ کے اعتبار سے انگریز ہوگی۔''

اس نظام تعلیم میں ایک بات یہ بھی رکھی گئی کہ مسلمانوں کو تعلیم صرف اتنی ہی دینی ہے کہ یہ ہماری نوکری چاکری کر سکیں۔ ہمارے کلرک بن جائیں، ہیڈ کلرک بنیں، سیکشن آفیسر اور ڈپٹی سیکرٹری بن سکیں۔ اکا دکا آدمی ڈپٹی کمشنر بھی بنے۔ اس سے اوپر کے عہدے مسلمانوں کے لئے بند تھے۔ اس سے مقصود یہ تھا کہ مسلمانوں کو صرف انگریزوں کی نوکری کرنا ہی آئے۔ حکومت کرنے کا سلیقہ نہ آئے۔ اپنے افسر کے سامنے ہاتھ جوڑ کر کھڑے رہیں، جو حکم ملے، یس سر (Yes Sir) کہہ کر اس کی بجا آوری کریں۔

عیسائیت اور ہندومت کی تبلیغ:

اس کے علاوہ انگریزوں نے ایک اور کام بڑے پیمانے پر کیا، وہ یہ کہ عیسائی مشنریوں کو عیسائیت کی تبلیغ پر لگایا چونکہ اس وقت مسلمان ناداری کا شکار ہو رہے تھے۔ حکومت ان کے ہاتھوں سے چھن چکی تھی۔ جس کی وجہ سے مسلمانوں میں غربت اور افلاس پھیل رہا تھا۔ سرکاری زبان انگریزی بننے کے بعد اچھے پڑھے لکھے مسلمان جو اعلیٰ اعلیٰ عہدوں پر فائز تھے، جاہل قرار پائے تھے اور ملازمت نہ ہونے کی وجہ سے انہیں بھی مالی پریشانی کا سامنا تھا۔ اس حالت میں عیسائی مشنریوں نے اپنا کام شروع کیا اور مسلمانوں کو مرتد بنانے کی بڑے پیمانے پر کوششیں کی گئیں۔ ادھر ہندوؤں نے انگریزوں کے ساتھ گٹھ جوڑ کر کے اپنے مذہب کی تبلیغ کے لئے ''سدھی تحریک'' چلا ڈالی جس کے ذریعے غریب اور پسماندہ علاقوں کے مسلمانوں کو ہندو بنایا جانے لگا۔

اندلس کے حالات پیدا ہونے کا اندیشہ:

اس صورتحال میں مسلمان سخت ترین خطرے میں پڑ گئے تھے اور قوی اندیشہ

ہو گیا تھا کہ کہیں یہاں بھی وہی داستان نہ دہرا دی جائے جو آج سے پانچ سو سال پہلے اسپین (اندلس) میں دہرائی گئی تھی کہ وہاں مسلمانوں کا آٹھ سو سالہ اقتدار چھن گیا اور پھر وہاں کسی ایک کلمے والے کو زندہ نہیں چھوڑا گیا، یا تو مسلمانوں کو قتل کیا گیا، یا کچھ لوگ مراکش وغیرہ کی طرف بھاگ کر پناہ گزین ہو گئے۔ اس کے علاوہ اس زمانہ میں امریکہ نیا نیا دریافت ہوا تھا اور وہ نئی دنیا کہلاتا تھا۔ وہاں پر ایسے لوگوں کی ضرورت تھی جو اس زمین کو آباد کریں تو اس مقصد کیلئے اسپین (اندلس) کے بہت سے مسلمانوں کو جہازوں میں بھر بھر امریکہ پہنچایا گیا اور جو باقی بچ گئے انہیں عیسائی بنا دیا گیا۔ وہاں کوئی مسلمان باقی نہیں بچا اور کوئی مسجد وہاں باقی نہیں چھوڑی گئی۔

اندلس کے موجودہ مذہبی حالات:

چار پانچ سال پہلے کا واقعہ ہے کہ ہم لوگ اسپین گئے۔ ہم فرانس سے اسپین کے ایک کنارے میں داخل ہوئے اور دوسرے کنارے تک سفر کیا۔ بائی روڈ (زمینی) سفر کیا۔ کئی روز تک سفر کرتے رہے دن رات سفر کرتے تھے۔ رات کو جب تھک جاتے تو کہیں دو تین گھنٹے کیلئے آرام کر لیتے۔ راستہ میں جو شہر یا جو چھوٹی یا بڑی بستی آتی تو سب سے پہلے جو چیز نظر آتی وہ مسجد کا مینارہ ہوتا تھا۔ اسے دیکھ کر خوشی ہوتی کہ یہ مسجد ہو گی۔ یہاں جا کر نماز پڑھیں گے۔ وہاں پہنچتے تو معلوم ہوتا کہ اسے چرچ بنا دیا گیا ہے۔

نماز پڑھنے کی دقت:

دنیا کے کسی ملک میں ہمیں نماز پڑھنے کیلئے اتنی دشواری پیش نہیں آئی۔ ایک مرتبہ غرناطہ میں ہمارے لئے عشاء کی نماز پڑھنا مصیبت بن گیا۔ وضو کرنے اور

نماز پڑھنے کے لئے کوئی جگہ نہیں مل رہی تھی۔ بہت پریشانی کا سامنا تھا۔ ایک ریسٹورنٹ میں اس خیال سے داخل ہوئے کہ کچھ چائے پی لیں گے اور اسی بہانے وضو کرنیکی جگہ مل جائیگی۔ لیکن چائے پی کر جب وضو کرنے کیلئے گئے تو وہاں ایک آدمی کھڑا ہوا تھا۔ اس نے کہا کہ یہاں وضو کرنے کی اجازت نہیں۔

قرطبہ کی جامع مسجد میں لمبا سفر کرکے یہ شوق لے کر پہنچے کہ یہاں پر صدیوں تک بڑے درجے کے علماء' اولیاء اللہ اور محدثین نے نمازیں پڑھی ہیں۔ جامع قرطبہ اسلام کا مشہور مرکز تھا۔ مسجد کے قریب پہنچے تو پتہ چلا کہ اندر جانے کے لئے ٹکٹ خریدنا ضروری ہے۔ ٹکٹ لے کر اندر پہنچے تو دیکھا کہ اس کے بہت سے حصوں میں چرچ بنا ہوا ہے اور دوسرے بعض حصوں میں بھی مختلف چیزیں بنی ہوئی ہیں البتہ محراب اور اس کے اردگرد تقریباً دس بارہ فٹ کی جگہ پر قالین ڈالا ہوا ہے۔ اس کے گرد زنجیر لگی ہوئی ہے۔ یہ اس بات کی علامت کے طور پر کہ یہ کبھی مسجد تھی۔ ہم نے اس جگہ پر نماز پڑھنے کی کوشش کی تو وہاں بھی نماز پڑھنے کی اجازت نہیں دی گئی۔

واپسی پر جب ہم بارشلونا کی طرف آرہے تھے تو ایک جگہ عصر کی نماز کا وقت ہوگیا' نماز کا وقت تنگ ہونے لگا تو ہم ایک بستی میں گھس گئے۔ وہاں بھی مینارہ نظر آرہا تھا۔ یہ امید لگائی کہ ہوسکتا ہے کہ یہ مسجد ہو تاکہ نماز پڑھ لیں لیکن پہنچنے پر معلوم ہوا کہ وہ چرچ ہے اور وہ بھی بند پڑا تھا۔ قریب ایک ریسٹورنٹ میں داخل ہوئے۔ وہاں کچھ نوجوان تھے۔ ہم نے ان سے کہا کہ ہم مسلمان ہیں اور ہم نماز پڑھنا چاہتے ہیں۔ کیا آپ میں سے کوئی ہمیں بتائیگا کہ ہم کہاں نماز پڑھ سکتے ہیں۔ تو ان میں دو لڑکے کھڑے ہوئے اور انہوں نے کہا کہ ہم مسلمان ہیں۔ ہم الجزائر کے رہنے والے ہیں اور یہاں مزدوری کے لئے آئے ہیں۔ یہ ریسٹورنٹ جہاں وہ بیٹھے تھے۔ ایک شراب خانہ تھا۔ ہم ریسٹورنٹ سمجھ کر اس میں داخل ہوئے تھے۔ ان میں سے

ایک نے کہا کہ فلاں جگہ میرے دوست کا گھر ہے۔ آپ اس کے گھر میں نماز پڑھ سکتے ہیں۔ میں آپ کو لے چلتا ہوں۔ ہم نے کہا اسی ریسٹورنٹ والے سے اجازت دلوا دو ہم چائے بھی پی لیں گے۔ اس نے کہا کہ یہ نماز نہیں پڑھنے دیں گے۔

ہم نے سوچا کہ نجانے یہ ہمیں کہاں لے جائیگا۔ ہمیں کوئی دھوکہ نہ دے دے۔ قریب میں ایک اور ریسٹورنٹ نظر آیا۔ ہم اس میں داخل ہوئے۔ اسے چائے کا آرڈر دیا۔ ہم آٹھ دس آدمی تھے۔ ہم نے سوچا کہ اجازت لینے کی ضرورت نہیں۔ جن ساتھیوں کا وضو تھا انہوں نے اسی ریسٹورنٹ کے فٹ پاتھ پر نماز پڑھ لی اور جن کا وضو نہیں تھا انہوں نے ایک ایک دو دو کر کے غسل خانے میں جا کر وضو کیا اور نماز پڑھی۔ جب ہم نماز پڑھ رہے تھے تو بستی کے لوگ جمع ہو کر آ گئے اور ہمیں حیرت سے دیکھنے لگے۔

غرناطہ میں مسلمان دور کی ایک مشہور یادگار ''الحمراء'' کے نام سے ایک محل ہے۔ اسے دیکھنے کیلئے وہاں پہنچے تو نماز کا وقت ہو گیا۔ تو وہاں جب ہم نماز با جماعت پڑھنے لگے تو مختلف ملکوں سے آئے ہوئے انگریز سیاح ہمارے گرد جمع ہو گئے۔ ہمارے فوٹو اتارنے اور مووی بنانے لگے۔

دارالعلوم دیوبند کیوں قائم کیا گیا؟:

یہ اسپین کے موجودہ حالات کا مختصر جائزہ ہے۔ ہمارے بزرگوں نے اپنی فراست کی بنیاد پر اس خطرے کو بھانپ لیا۔ اس لئے انہوں نے یہ کام کیا کہ سیاست سے بالکل کنارہ کش ہو کر اپنی مساجد اور خانقاہوں کی حفاظت کی اور مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ نے دارالعلوم دیوبند کی بنیاد رکھی۔ یہ بنیاد کسمپرسی اور ناداری کے عالم میں رکھی گئی۔ انار کے ایک درخت کے نیچے ایک استاد اور ایک شاگرد کے ساتھ

دارالعلوم دیوبند کا آغاز ہوا۔ استاد کا نام بھی محمود اور شاگرد کا نام بھی محمود۔ شاگرد محمود بعد میں شیخ الہند بنا۔ وہ انار کا درخت آج بھی موجود ہے۔ میری پیدائش بھی وہیں کی ہے۔ میرا بچپن بھی وہیں گذرا۔ وہاں ایک چھتے کی مسجد مشہور تھی۔ وہ مسجد بھی ابھی تک موجود ہے۔

دارالعلوم دیوبند کی بنیاد رکھنے کا مقصد یہ تھا کہ اگرچہ اب ہماری حکومت نہیں رہی، کبھی تو ہندوستان آزاد ہوگا۔ اس عرصے میں ہمارے اسلامی علوم محفوظ رہ جائیں۔ اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے اس دارالعلوم کی برکت سے ہندوستان میں مسلمان اقلیت اپنے دین کو بچانے میں کامیاب ہوگئے۔ اگر دارالعلوم دیوبند کی خدمات نہ ہوتیں اور وہاں دین محفوظ نہ ہوتا تو پاکستان بننے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ پاکستان تو اس بنیاد پر بنایا گیا کہ ان علاقوں میں مسلمانوں کی اکثریت ہے لیکن دارالعلوم کی کوششیں نہ ہوتیں تو مسلمانوں کی اکثریت باقی نہ رہتی۔ اس عرصے میں مسلمانوں کو تباہ کردیا جاتا۔ پاکستان کا وجود دارالعلوم دیوبند کا فیض ہے۔

علی گڑھ یونیورسٹی بنانے کا مقصد؟:

دارالعلوم دیوبند کے بالمقابل علی گڑھ میں سرسید احمد خان نے ایک تعلیمی ادارہ قائم کیا۔ ان کے پیش نظر یہ تھا کہ مسلمانوں کی دنیا کی حفاظت ہوجائے۔ معاشی میدان میں انہیں سرکاری ملازمتیں مل سکیں اور اگر کبھی سیاست میں موقع ملے تو اس میں حصہ لے سکیں۔

اس ادارے میں وہی علوم پڑھائے جاتے تھے جو انگریزوں کے ذریعے آئے تھے۔ فرق صرف یہ تھا کہ یہ ادارہ مسلمانوں کے تحت تھا اور دوسرے ادارے انگریزوں کے ماتحت تھے۔ ایک خاص بات یہ ہے کہ مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ

اور سرسید احمد خان ایک استاذ کے شاگرد ہیں لیکن مولانا قاسم نانوتوی نے دارالعلوم دیو بند قائم کیا اور سرسید احمد نے علی گڑھ قائم کیا۔

سرسید کی ذہنی مرعوبیت

سرسید احمد خان پر انگریزوں کی مرعوبیت سوار ہوگئی اور ان کے دماغ میں یہ بات بیٹھ گئی تھی کہ مسلمانوں کی ترقی اگر ہوسکتی ہے تو صرف انگریزوں کی نوکری چاکری کے ذریعے ہوسکتی ہے اور یہ بات بھی ذہن میں آگئی تھی کہ انگریز جو بات سوچتا ہے، وہ صحیح ہوتی ہے، اس کے خلاف جو بات ہوتی ہے، وہ غلط ہوتی ہے۔ اس ذہن کی وجہ سے انہوں نے قرآن مجید کی جو تفسیر لکھی، اس میں تحریفات کیں، معجزات اور حجیت حدیث کا تقریباً انکار کردیا، جہاد اقدامی کا انکار کرکے اسے صرف دفاعی حد تک تسلیم کیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس ادارے سے تیار ہونے والی نسل ذہنی طور پر انگریزوں سے مرعوب تھی۔ آزاد ذہنیت نہیں تھی اور نہ ہی اس کے اندر آزاد قوم کی رہنمائی کرنے کی صلاحیت تھی۔

دارالعلوم دیو بند میں تیار ہونے والا ذہن

اس کے برعکس دارالعلوم دیو بند والوں نے سوچا کہ اگر دنیا ہمیں نہیں ملتی تو کوئی بات نہیں۔ ہم فقر وفاقہ کرکے اور روکھا سوکھا کھا کر گذارا کرلیں گے۔ تنگ وتاریک حجروں میں زندگی گذارلیں گے لیکن انگریز کی غلامی کرنے اور اپنے دین میں ترمیم کرنے کے لئے ہم تیار نہیں اور اپنی قوم کو مرعوب بنانے کے لئے ہم تیار نہیں۔ اور دارالعلوم اپنے اس مقصد میں پوری طرح کامیاب ہوا۔ آج تک انگریزوں اور یورپی لوگوں کی مرعوبیت ہمارے دینی مدارس میں نہیں آسکی۔ ابھی ماضی قریب میں

جب افغانستان پر امریکی حملے ہوئے تو یہ علماء ہی تھے۔ جنہوں نے سینہ تان کر کہا کہ امریکی طاعون کے خلاف جہاد ضروری ہے اور ان کے مقابلے میں ہر شخص پر اس کی قدرت کے بقدر طالبان کی حمایت فرض ہے۔ یہ اس ذہن کی پیداوار تھی جو دیو بند میں تیار کیا گیا تھا۔ علی گڑھ میں یہ ذہن تیار نہیں ہوا۔

سر سید کا معجزات سے انکار

علی گڑھ میں یہ ذہن تیار ہوا کہ انگریزوں کی ہر بات صحیح ہے مثلاً اس زمانے میں انگریزوں نے کہا کہ یہ جو معجزات کی باتیں کی جاتی ہے۔ یہ دیو مالائی قسم کی باتیں ہیں، جو سمجھ میں آنے والی نہیں، مسلمان کیسی پرانی اور دقیانوسی باتیں کرتے ہیں۔ تو سر سید احمد خان نے اپنی تفسیر میں معجزات کی ایسی تعبیر کی کہ وہ معجزہ ہی نہ رہے۔ مثلاً قرآن مجید میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا یہ معجزہ بیان کیا گیا کہ جب وادی تیہ میں پانی کی قلت کا مسئلہ پیش آیا اور موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے پانی کی درخواست کی تو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ:

﴿فَاضْرِبْ بِعَصَاكَ الْحَجَرَ﴾

''آپ اپنا عصا پتھر پر ماریئے''۔

جب آپ نے اللہ کے حکم سے اپنا عصا پتھر پر مارا تو وہاں سے پانی کے بارہ چشمے پھوٹ پڑے۔ موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ بارہ قبائل تھے گویا ہر قبیلے کے لئے ایک الگ چشمہ اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمادیا۔

قرآن مجید نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا یہ عظیم الشان معجزہ کئی مقامات پر ذکر کیا لیکن سر سید احمد خان نے اس میں یہ تاویل کی کہ ''فَاضْرِبْ بِعَصَاكَ الحجر'' کا مطلب ہے کہ ''اپنی لاٹھی ٹیک کر پہاڑ پر چڑھ جا'' چنانچہ موسیٰ علیہ السلام پہاڑ پر

چڑھ گئے۔ وہاں بارہ چشمے پہلے سے موجود تھے جو پستی پر ہونے کی وجہ سے نظر نہیں آرہے تھے اوپر چڑھنے کے بعد وہ نظر آنے لگے تو اللہ تعالیٰ نے اس طرح موسیٰ علیہ السلام کی مدد کی۔ خلاصہ یہ کہ یہ معجزہ نہیں بلکہ یہ ایک واقعہ تھا جس کا علم موسیٰ کو نہیں تھا۔ انہیں بتانے کیلئے پہاڑ پر چڑھایا گیا۔

اقدامی جہاد کا انکار:

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے بعد انگریزوں کو اس بات کا خدشہ تھا کہ کہیں یہاں کے مسلمان دوبارہ علم جہاد بلند نہ کریں تو اس وقت وہ ذہن جو سرسید احمد کے مکتب میں تیار ہو رہا تھا۔ اس نے یہ بات چلائی کہ اسلام میں جسے جہاد کہا جاتا ہے۔ یہ وہ نہیں جس سے آپ کو خدشہ ہے بلکہ اسلام میں صرف دفاعی جہاد ہے یعنی اگر کوئی قوم تم پر حملہ آور ہو جائے تو تم اس کا مقابلہ طاقت سے کر سکتے ہو لیکن اس بات کی اجازت نہیں کہ کسی سے لڑائی میں ابتداء کی جائے۔

حالانکہ یہ بات بھی بالکل غلط ہے۔ شریعت میں دفاعی اور اقدامی دونوں قسم کے جہاد ہیں۔ البتہ حملہ کرنے کے لئے کچھ شرائط ہیں۔ ان شرائط وقیود کے ساتھ اقدامی جہاد بھی مشروع ہے مثلاً کسی ملک کے بارے میں اندیشہ ہو کہ وہ ہمارے لئے خطرہ بن جائے گا کہ اس نے ابھی تک حملہ تو نہیں کیا لیکن وہ حملے کی تیاریوں میں مصروف ہے تو ایسی صورت میں اس ملک پر ابتداء حملہ کیا جا سکتا ہے۔ غزوۂ تبوک میں یہی ہوا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ملی کہ جزیرہ نما عرب کے قریب شام کے علاقے کا حکمران قیصر روم کے ساتھ مل کر حملے کی تیاری کر رہا ہے تو آپ نے جہاد کا اعلان عام کیا اور تیس ہزار کا لشکر لے کر تبوک کے میدان میں تشریف لے گئے۔

ہمارے اکابر نے سکول کی تعلیم کی مخالفت کیوں کی؟:

سرسید کے قائم کردہ سکول کی ایک خوبی ضرور تھی کہ وہ مسلمانوں کے زیرانتظام تھا لیکن یہاں کا نظام تعلیم وہی تھا جو لارڈ میکالے نے دیا تھا اور یہاں وہ سوچ تیار ہوئی جو ایک غلام قوم کی سوچ ہوا کرتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہمارے اس زمانے کے بزرگوں نے سرکاری سکولوں میں بچوں کو بھیجنے کی مخالفت کی۔ ان کا خیال یہ تھا کہ سکولوں میں جا کر عصری تعلیم تو حاصل ہو جائے گی اور ملازمتیں بھی مل سکتی ہیں لیکن اس سے دین چلے جانے کا اندیشہ ہے حالانکہ ایمان زیادہ قیمتی ہے۔

علماءِ دین کے خلاف جھوٹا پروپیگنڈہ:

اس کی وجہ سے لوگوں نے جھوٹا پروپیگنڈہ یہ کیا کہ علماءِ دین عصری تعلیم کے خلاف ہیں۔ یہ بات بالکل غلط ہے۔ علماءِ دین نے دنیاوی علوم کی کبھی مخالفت نہیں کی۔ وقت کے عصری علوم ہمارے مدارس میں پڑھائے جاتے تھے چنانچہ اس زمانے کی سائنس، فلسفہ، علم ہیئت، علم فلکیات، علم طب، ہندسہ (انجینئرنگ) جغرافیہ وغیرہ تمام علوم پڑھائے جاتے تھے اور جب علماء تیار ہوتے تو یہ دیناوی علوم سے بھی اچھی واقفیت رکھنے والے ہوتے تھے۔ انگریز نے آکر سب سے پہلے سرکاری مدرسوں کو دینی علوم سے محروم کیا۔ مجبوراً علماء نے یہ فیصلہ کیا کہ اگرچہ اب ہم تمام عصری علوم نہیں پڑھا سکتے لیکن مسلمانوں کے زمانے کے عصری علوم اور دینی علوم پڑھائیں گے چنانچہ دارالعلوم دیوبند مین علمِ طب، علمِ فلکیات، جغرافیہ، الجبراء، اقلیدس اور جیومیٹری وغیرہ جیسے علوم پڑھائے جاتے تھے۔ یہ مسلمانوں کے وہ عصری علوم تھے جب انگریزوں نے قبضہ کیا۔

علماء کو عصری علوم سے محروم کرنے کی انگریزی سازش:

انگریزوں نے آنے کے بعد نئے علوم حاصل کرنے کے لئے یہ پہرہ بٹھا دیا تھا کہ اس کے لئے سب سے پہلے انگریزی سیکھنا ہوگی اور اس کے ساتھ ساتھ دین سے عملی لاتعلقی تو کرنی ہی پڑیگی کیونکہ ان اداروں میں دین کا کوئی گذر نہیں۔ اس لئے علماء جدید عصری علوم کو حاصل نہ کرسکے۔

قیام پاکستان کے بعد نئے نظام تعلیم کی ضرورت:

پاکستان بننے کے بعد ضرورت اس بات کی تھی کہ ایک نیا نظام تعلیم قائم کیا جائے۔ جس میں موجودہ زمانے کے ترقی یافتہ تمام عصری علوم اور دینی علوم کی تعلیم دینی ماحول میں دینی تربیت کے ساتھ اعلیٰ معیار پر دی جائے۔ لیکن بدقسمتی سے انگریز نے یہ اقتدار ان لوگوں کو منتقل کیا جو ان کے نظام تعلیم کے تربیت یافتہ تھے۔ وہ بیوروکریسی جنہوں نے عمر بھر نوکری چاکری کی تربیت حاصل کی تھی اور جن کے ذہنوں میں بیٹھا ہوا تھا کہ کامیابی اس میں ہے کہ انگریز کی ہر بات پر (Yes Sir) کہہ کر عمل کیا جائے، وہ یہاں منتقل ہوگئی اور اس نے نظام حکومت سنبھالا۔ پاکستان بنانے والے لیڈر تو تھوڑے ہی عرصے میں رخصت ہوگئے۔ قائداعظم بھی رخصت ہوگئے۔ قائدِ ملت لیاقت علی خان بھی شہید کردیئے گئے۔ شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ بھی چلے گئے۔ البتہ سردار عبدالرب نشتر پر بیوروکریسی غالب آگئی۔

نئے نظام تعلیم کے لئے علماءِ کرام کی تجاویز اور کوششیں:

پاکستان بننے کے بعد حضرت والد صاحب انڈیا سے یہاں تشریف لائے۔

شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی، مولانا ظفر احمد عثمانی، والد ماجد مفتی محمد شفیع صاحب اور دیگر علماء نے سر توڑ کوشش کی کہ یہاں کا نظام تعلیم درست ہو جائے اور اس کے لئے یہ تجویز دی کہ ایسے تعلیمی ادارے قائم ہوں جس میں میٹرک تک دین اور دنیا کی تفریق نہ ہو۔ میٹرک کے بعد الگ الگ شعبے قائم کئے جائیں۔ ان میں کوئی انجینئر بنے، کوئی ڈاکٹر بنے، کوئی سائنس دان بنے، کوئی عالم دین بنے، کوئی محدث بنے، کوئی مفسر بنے، کوئی مجتہد بنے غرضیکہ مختلف شعبوں میں ماہرین تیار ہوں۔ نظام تعلیم کی اصلاح کے لئے کئی کمیٹیاں اور کمیشن تشکیل دیئے گئے اور ہمارے بزرگ ان میں شامل رہے اور کوشش بھی کرتے رہے۔

دینی مدارس قائم کرنے کی وجہ

لیکن ان تھک محنت کے بعد ہمارے بزرگوں نے محسوس کیا کہ انکا ارادہ نظام تعلیم میں تبدیلی لانے کا نہیں ہے تو مجبوراً انہوں نے وہی کام کیا جو انگریزوں کے دور حکومت میں مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ نے کیا تھا کہ الگ سے دینی مدارس قائم کئے تاکہ ضروری عصری علوم کے ساتھ ساتھ اپنی نسلوں کو دینی علوم پڑھائیں چنانچہ الحمدللہ بہت سے دینی مدارس میں آٹھویں جماعت تک اور بڑے بڑے مدارس میں میٹرک تک کی دینی اور دنیاوی تعلیم یکساں طور پر دی جارہی ہے۔ ہمارے ہاں اس وقت تک درس نظامی میں داخلہ نہیں ملتا جب تک طالبعلم کے اندر عصری علوم کے اعتبار سے میٹرک کی صلاحیت پیدا نہ ہو جائے۔

دارالعلوم کراچی کا قیام:

والد صاحب اور ہم ۱۹۴۸ء میں پاکستان آ گئے۔ دو تین سال تو اسی کوشش

میں گذر گئے کہ نظام تعلیم میں تبدیلی آ جائے لیکن جب مایوسی ہوئی تو والد صاحب نے ایک دینی مدرسہ قائم کرنے کا ارادہ کیا۔ اس زمانے میں پورے کراچی کے اندر دینی تعلیم کا کوئی مدرسہ نہیں تھا۔ صرف ایک چھوٹا سا مدرسہ ''کھڈہ'' میں تھا جو بہت پرانا چلا آرہا تھا لیکن اب وہ بھی گمنام سا ہو گیا تھا۔ والد صاحب نے نانک واڑہ کے محلے میں ایک مدرسہ قائم کیا۔

پاکستان بننے سے پہلے یہاں سکھ رہتے تھے۔ نانک وارہ کا نام بھی اسی مناسبت سے ہے۔ اس محلے میں سکھوں کے زمانے کے پرائمری سکول کی ایک عمارت تھی جو وزارت تعلیم کے کنٹرول میں تھی لیکن اس وقت ہندوستان سے آئے ہوئے مہاجرین قیام پذیر تھے۔ جب وہ عمارت خالی ہوئی تو والد صاحب رحمہ اللہ نے کوشش کر کے اُسے دارالعلوم کے لئے حاصل کرلیا۔ دو تین کمروں اور چھوٹے سے صحن پر مشتمل یہ ایک چھوٹی سی عمارت تھی۔ وہاں دارالعلوم قائم ہوا۔

دارالعلوم کی سب سے پہلی جماعت:

اور اس سال سب سے پہلی جماعت جو دارالعلوم کراچی میں تعلیم کے لئے داخل ہوئی، اس میں الحمد للہ میں اور میرے بھائی مولانا محمد تقی عثمانی صاحب بھی شامل تھے۔ اسی سال میں درجہ حفظ سے فارغ ہوا تھا اور پہلی تراویح سنائی تھی۔ ہمیں بھی فکر تھی کہ اب ہم کیا پڑھیں گے۔ اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے دارالعلوم کراچی کی بنیاد رکھی گئی جس سے ہمارا تعلیمی سلسلہ بھی برقرار رہا۔ ہماری رہائش شہر میں برنس روڈ کے پاس تھی۔ روزانہ آنا جانا ہوتا تھا۔

طلبہ کا ہجوم اور جگہ کا کم پڑ جانا:

جیسے ہی یہ مدرسہ قائم ہوا تو مشرقی ومغربی پاکستان کے تمام صوبوں بلکہ

دوسرے ملکوں سے بھی جوق درجوق طلبہ آنا شروع ہو گئے کیونکہ اس وقت مدارس کے اعتبار سے پورے ملک کی کیفیت یہ تھی کہ ایک مدرسہ ملتان میں تھا۔ ایک مدرسہ لاہور میں تھا اور ایک مدرسہ اکوڑہ خٹک میں تھا۔ اور شاید چھوٹے چھوٹے دو چار مدرسے اور ہوں گے۔

طلبہ کی کثرت کی وجہ سے یہ جگہ تنگ پڑ گئی۔ اب اس بات کی ضرورت محسوس ہوئی کہ کوئی کشادہ حاصل کر کے وہاں دارالعلوم منتقل کیا جائے کیونکہ اس مدرسہ میں بہت تنگی تھی طلبہ جہاں پڑھتے تھے۔ انہیں کمروں میں ان کے بستر لگے ہوتے تھے۔ صبح کو اٹھتے تو بستر لپیٹ کر رکھ دیتے۔ یہ درسگاہ بن جاتی۔ سبق ختم ہونے کے بعد دوپہر یا رات کو لیٹنے کا وقت ہوتا تو بستر بچھا دیتے، یہ سونے کے کمرے بن جاتے۔

دارالعلوم کے لئے بڑے میدان کا حصول (علامہ عثمانیؒ کی یادگار کے طور پر):

شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ کی وفات کے بعد جہاں انکا مزار بنایا گیا۔ وہ ایک بہت بڑا میدان تھا۔ ہم بچپن میں جب حضرت کے ہاں جاتے تو ان کے نواسوں کے ساتھ مل کر اس میدان میں کھیلا کرتے تھے۔ یہ میدان خالی پڑا تھا۔ حضرت والد صاحب نے یہ خواہش ظاہر کی کہ علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ علیہ اتنی بڑی شخصیت تھے، حکومت نے ان کے لئے کوئی یادگار قائم نہ کی، ہم کوشش کر کے وہ میدان حاصل کرلیں اور اس میں علامہ عثمانیؒ کی یادگار کے طور پر بڑا دارالعلوم قائم کریں۔ اس مقصد کے لئے والد صاحب نے کوشش کی اور بالآخر یہ میدان مل گیا۔ یہ وہی جگہ ہے جہاں آج اسلامیہ کالج (کراچی) بنایا ہوا ہے۔ وہاں دارالعلوم کے لئے نقشہ منظور کرایا گیا۔ اسی میدان کے اندر علامہ عثمانی رحمہ اللہ کی اہلیہ اور ان کے دو

بھائیوں کے لئے چھ چھ سو گز کے پلاٹ مالکانہ حقوق کے ساتھ منظور کرائے گئے۔ یہ سب کچھ مشوروں سے ہوا۔ علامہ شبیر احمد عثمانی کے بھائی بھی اس مشورہ میں شریک تھا۔

مدرسہ کا سنگِ بنیاد اور علامہ عثمانی کی اہلیہ کی مخالفت:

والد صاحب رحمہ اللہ علیہ نے اس مدرسہ کا سنگِ بنیاد رکھنے لئے تین روزہ کانفرنس اس میدان میں منعقد کرنے کا فیصلہ کیا۔ اس میں مشرقی ومغربی پاکستان اور ہندوستان کے بڑے بڑے علماء اور اکابر کو دعوت دی گئی۔ دارالعلوم کے طلبہ اور اساتذہ نے اس میدان میں اپنا کیمپ ڈالا ہوا تھا اور دن رات ہم اس کی تیاریوں میں لگے ہوئے تھے۔

بالآخر کانفرنس شروع ہوگئی۔ بنیادیں بھی کھد گئیں۔ ان میں روڑی بھی ڈال دی گئی اور بزرگوں نے اپنے ہاتھوں سے اس کا سنگ بنیاد بھی رکھ دیا، کانفرنس کے ایک روز اچانک یہ ہوا کہ ایک طرف کچھ لوگ جمع تھے۔ ان میں اخباری نمائندے بھی شامل تھے۔ وہ تصویریں اتار رہے تھے۔ پتہ کرنے پر معلوم ہوا کہ ایک سیاسی لیڈر علامہ عثمانی کی اہلیہ صاحبہ کو بہلا کر یہاں لے آیا، ان سے کہا کہ دیکھئے علامہ عثمانی کے نام پر انہوں نے اس میدان پر قبضہ کرلیا ہے۔ لہٰذا آپ اس کی مخالفت کیجئے۔ وہ اسی لئے آئی تھیں۔ اخبار میں اگلے دن یہ ساری تصویریں اور خبریں لگ گئیں۔

والد صاحب کا وہاں دارالعلوم قائم کرنے سے انکار:

والد صاحب رحمہ اللہ کو اس کا بڑا غم ہوا۔ آپ علامہ عثمانی کی اہلیہ کے پاس تشریف لے گئے۔ میں بھی ساتھ تھا۔ والد صاحب نے اپنی ٹوپی ان کے قدموں میں

ڈال دی۔ (علامہ عثمانی والد صاحب کے قریبی رشتہ دار بھی تھے بزرگ بھی تھے اور استاذ بھی تھے) والد صاحب نے ان سے کہا کہ اگر آپ راضی نہیں ہونگی تو میں یہاں دارالعلوم نہیں بناؤں گا۔ یہ شخص آپ کو بہکا رہا ہے۔ آپ اس کی باتوں میں نہ آئیں۔ علامہ عثمانی کے نام ہی پر تو یہ سارا دارالعلوم قائم ہوا ہے۔ مگر وہ خاتون تھیں۔ عورت زاد تھیں۔ علامہ عثمانیؒ اسی سیاسی لیڈر کے ہاں رہتے تھے۔ ان کی وفات کے بعد یہ بھی وہاں رہتی تھیں۔ یہ اس کے بہکاوے میں آچکی تھیں۔ والد صاحب کے سمجھانے کے باوجود ان کی سمجھ میں نہ آیا اور انہوں نے والد صاحب کی بات ماننے سے انکار کر دیا۔ اسی حال میں تین دن گذر گئے۔ تیسرے روز والد صاحب نے اس جلسہ میں اعلان کیا کہ جب تک علامہ عثمانی کی اہلیہ صاحبہ راضی نہیں ہوں گی، میں یہاں دارالعلوم نہیں بناؤں گا۔

انکار کی وجہ:

دارالعلوم کے تمام اساتذہ وطلبہ اور دور دراز سے آنے والے اکابر اور علماء حیرت میں پڑ گئے۔ جن طلبہ اور اساتذہ نے دن رات لگ کر اس انتظام کو سنبھالا تھا۔ وہ دھاڑیں مار مار کر رونے لگے۔ لوگوں نے بہت اصرار کیا لیکن آپ نے انکار فرمایا۔ اس زمانے میں کراچی کا چیف کمشنر ابوطالب نقوی تھا۔ یہ شیعہ تھا۔ یہ بڑا مضبوط اور سخت گیر شخص تھا۔ اس نے اپنے ہاتھ سے ایک خط والد صاحب کی طرف لکھ کر بھیجا کہ مجھے پتہ چلا ہے کہ کچھ لوگ آپ کی مخالفت کر رہے ہیں۔ قانون کی پوری طاقت آپ کے ساتھ ہے کیونکہ آپ نے زمین کا باقاعدہ الاٹ منٹ کرایا ہے اور اس کے نقشے پاس کرائے ہیں۔ آپ تعمیر کرائیں، کوئی طاقت آپ کو روک نہیں سکتی۔ والد صاحب اس کے باوجود بھی دارالعلوم کی تعمیر پر آمادہ نہ ہوئے اور وجہ یہ بتلائی کہ

دارالعلوم بنانا فرض عین نہیں ہے جبکہ مسلمانوں کو خلفشار سے بچانا فرض عین ہے۔ علامہ عثمانی کی اہلیہ صاحبہ اگر مطمئن نہیں ہونگی تو کچھ لوگ میرا ساتھ دیں گے اور کچھ لوگ ان کا ساتھ دیں گے جس سے مسلمانوں میں خلفشار پیدا ہوگا۔ میں امت کو خلفشار میں نہیں ڈالنا چاہتا۔

دارالعلوم کے لئے موجودہ زمین کا ملنا:

ایک دو مہینے گذرے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ زمین دارالعلوم کے لئے دے دی، جنوبی افریقہ کا ایک تاجر اس پوری زمین کا مالک تھا۔ یہ پورا علاقہ ریگستان تھا۔ یہاں سے سات میل دور تک زندگی کے کوئی آثار نہیں تھے۔ نہ کوئی سڑک تھی نہ آبادی، نہ بجلی، نہ پانی نہ گیس اور نہ کوئی سہولت۔ یہاں سے کلفٹن تک درمیان میں کوئی آڑ نہیں تھی، صرف ریت کے ٹیلے تھے۔

والد صاحب رحمہ اللہ کو تردّد ہوا کہ اگر اس ریگستان میں جا کر میں طلبہ کو ڈال دوں تو یہ زندہ کیسے رہیں گے۔ مگر احباب نے کہا کہ آپ زمین قبول فرمالیں، تعمیر ہم کرائیں گے، جب تعمیر ہوجائے گی تو پھر آپ منتقل ہوجائیں۔ والد صاحب آمادہ ہوگئے۔

دارالعلوم کی ابتدائی اور موجودہ حالت

دارالعلوم ۱۹۵۵ھ میں یہاں آیا۔ آج اسے اڑتالیس سال ہوچکے۔ ہم نے پانچ سال تک نانک واڑہ میں تعلیم حاصل کی تھی۔ بقیہ تین سال یہاں پڑھا۔ یہاں کا حال یہ تھا کہ روزانہ دو تین طلبہ کو بچھو کاٹتے تھے۔ ایک دو سانپ روزانہ نکلتے تھے۔ گیدڑ کمروں میں گھس کر انکا کھانا کھا جاتے۔ طرح طرح کی پریشانیاں تھیں۔ اس

وقت تک قریب کوئی آبادی نہیں تھی لیکن دو سال کے بعد کورنگی کی آبادی شروع ہوگئی اور پھر رفتہ رفتہ آبادی بڑھتی رہی اور دارالعلوم بھی ترقی کرتا رہا۔ یہاں تک کہ آج دارالعلوم اس حالت میں پہنچا ہے جو آپ دیکھ رہے ہیں۔ یہ اللہ رب العزت کا فضل وکرم ہے۔ اللہ تعالیٰ اسے قیامت تک کیلئے صدقہ جاریہ بنائے۔ (آمین)

وآخر دعوانا أن الحمدللّٰه رب العالمین

دِینی تعَلیم
اَور عَصبیّت

موضوع دینی تعلیم اور عصبیت
مقرر حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی مدظلہ
باہتمام محمد ناظم اشرف

دینی تعلیم اور عصبیت

خطبہ مسنونہ

الحمدلله، الحمدلله نحمده ونستعينه ونستغفره و نؤمن به ونتوكل عليه ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا، من يهده الله فلا مضل له و من يُضلل فلا هادى له ونشهدان لا اله الا الله وحده لاشريك له ونشهدان سيدنا ومولانامحمد اعبده ورسوله صلى الله تعالىٰ عليه وعلىٰ آله وصحبه اجمعين وسلم تسليما كثيرا۔

امابعد

فاعوذبالله من الشطين الرجيم ط بسم الله الرحمن الرحيم ط

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ إِذْبَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِنْ

أَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْ عَلَيْهِمْ آيَاتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ
وَالْحِكْمَةَ وَإِنْ كَانُوا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلَالٍ مُّبِيْنٍ ○

(آل عمران:۱۶۴)

بزرگان محترم، حضرات علمائے کرام، محترم اساتذہ اور عزیز طلبہ!

حیدر آباد میں میری حاضری اس مرتبہ سالہا سال کے بعد ہوئی ہے اپنے والد ماجد مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ اپنی طالب علمی کے زمانہ میں اور لڑکپن کے زمانہ میں بارہا یہاں حاضری ہوئی۔ اس کے بعد آنا کم ہوا۔ بعض مرتبہ تو رات کو آیا اور رات ہی کو واپس چلا گیا۔

۴۸ء میں ہم نے پہلی بار اس حیدر آباد کو دیکھا جب ہجرت کر کے پاکستان پہنچے تو پاکستان میں ہماری سب سے پہلی منزل یہی حیدر آباد تھی، یہاں ایک رات گذاری اور اس کے بعد کراچی جانا ہوا۔

حیدر آباد سندھ سے قلبی تعلق

حیدر آباد سے ذہنی وقلبی وابستگی تو اور بھی پہلے سے تھی، پاکستان بننے سے پہلے جب تحریک پاکستان پورے عروج پر تھی تو یہاں کے بعض علماء کرام اور مشائخ عظام نے جمعیت علمائے اسلام کی ایک عظیم الشان کانفرنس یہاں منعقد کی تھی۔

جمعیت علمائے اسلام سے مراد وہ جمعیت ہے جس کو شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد صاحب عثمانی رحمتہ اللہ علیہ نے قیام پاکستان سے پہلے قائم کیا تھا اور اس کا سب سے پہلا مقصد پاکستان کے قیام کے لئے جدوجہد کرنا تھا، چنانچہ اس جمعیت علمائے اسلام کی اس عظیم الشان کانفرنس کے لئے شیخ الاسلام مفسر قرآن علامہ شبیر احمد عثمانی رحمتہ اللہ علیہ کو مدعو کیا گیا اور انہی کی زیر صدارت یہ کانفرنس منعقد ہوئی تھی، لیکن ان

کی علالت کے باعث انہوں نے والد ماجد رحمتہ اللہ علیہ کو اپنا نائب بنا کر یہاں بھیجا اور والد صاحبؒ کی صدارت میں یہ کانفرنس منعقد ہوئی یہ پاکستان بننے سے چھ ماہ قبل جنوری ۱۹۴۷ء کا واقعہ ہے۔

یہاں جو خطبہ صدارت والد ماجدؒ نے دیا تھا، بعد میں وہ کتابی شکل میں شائع ہوا، یہ خطبہ سیاسی مسائل پر دینی علوم کا بہت بڑا ذخیرہ ہے۔ بہر حال اس وقت سے حیدر آباد سے ذہنی وقلبی وابستگی تھی وہ ہمارے بچپن کا دور تھا اور اس وقت ہم دیوبند میں مقیم تھے۔

قیام پاکستان کے بعد ۴۸ء میں یہاں آئے تو اس وقت کچھ مقامی مشائخ اور علمائے کرام موجود تھے، جو یکے بعد دیگرے اللہ کو پیارے ہوگئے، اس کے بعد وقتاً فوقتاً جب کبھی یہاں آنا ہوا اور جب بھی حیدر آباد کے حالات اخبارات میں پڑھے یا لوگوں سے سنے، ایک کسک، ایک خلاء بڑی شدت سے محسوس ہوا۔ اور اس خلا کو محسوس کرتے کرتے۔ ۴۸ء سے لیکر اب یہ ۸۸ء شروع ہونیوالا ہے تقریباً ۴۰ سال کے اس پورے عرصہ میں وہ خلا بڑی شدت سے محسوس ہوتا رہا۔ قبل اس کے کہ میں اس خلا کا ذکر کروں، ایک بات اور ذکر کروں۔

قیام پاکستان اور مدارس عربیہ

جب پاکستان قائم ہوا تو برصغیر میں جتنے بڑے بڑے مدارس اور علوم کے مراکز تھے اور جو بڑی اہم علمی شخصیتیں تھیں، وہ تقریباً تمام ہی ہندوستان میں رہ گئیں۔ پاکستان میں کوئی قابل ذکر مدرسہ یا مرکزی نوعیت کی کوئی دینی درسگاہ موجود نہیں تھی، بالکل اسی طرح جب پاکستان بنا ہے تو تمام صنعتی کارخانے ہندوستان میں رہ گئے تھے، یہاں کارخانے نہیں تھے۔ ہر چیز میں ہم دوسرے ممالک کے محتاج تھے۔ اسی وجہ سے

بہت سے لوگ مذاق اڑاتے تھے کہ ننگا پاکستان ہے، بھوکا پاکستان ہے لیکن جس طریقے سے کارخانوں کی کمی کو اللہ جل شانہ نے پورا کیا اور صنعتی ترقی پاکستان نے کی، اور وہ خلا پر ہوا، جو قیام پاکستان کے وقت صنعتی میدان میں موجود تھا، اسی طریقہ سے ایک خلا دینی حلقوں میں تھا، یہاں کوئی بڑا مدرسہ قابل ذکر موجود نہیں تھا۔ کراچی میں ایک پرانا مدرسہ تھا۔ مظہر العلوم کھڈہ، پورے پاکستان کی ضرورتوں کے لئے وہ کافی نہ تھا، اس ضرورت کو محسوس کرتے ہوئے ہمارے اکابر علماء نے بڑے بڑے مدرسوں کی بنیادیں رکھیں اور بحمد اللہ مدارس قائم ہوتے چلے گئے۔

لاہور میں حضرت مولانا مفتی محمد حسن صاحبؒ نے جامعہ اشرفیہ کی بنیاد رکھی۔ ملتان میں حضرت مولانا خیر محمد صاحبؒ نے خیر المدارس قائم فرمایا۔ کراچی میں میرے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ نے دارالعلوم کراچی قائم کیا۔ ٹنڈو الہیار میں حضرت مولانا احتشام الحق تھانویؒ نے دارالعلوم الاسلامیہ کی بنیاد رکھی اور دیکھتے ہی دیکھتے پورے ملک میں اتنے مدرسہ ہوگئے کہ الحمدللہ اب مدرسوں کی تعداد میں کوئی کمی ملک میں نظر نہیں آتی۔ کراچی میں تو اب یہ حال ہے کہ محلہ محلہ میں مدرسہ ہے بلکہ میں کہتا ہوں اور اپنے والد ماجدؒ سے سنا تھا۔ اس لئے کہتا ہوں کہ کراچی میں درس نظامی کے مدرسے اتنی تعداد میں ہوگئے ہیں کہ اتنی ضرورت وہاں نہیں تھی۔

بلکہ زیادہ تعداد سے یہ نقصان ہوتا ہے کہ ہر مدرسہ کے الگ مصارف ہیں۔ ایک مدرسہ میں تین طالب علم لئے بیٹھے ہیں۔ بعض اساتذہ ان کے لئے چندہ کرتے پھر رہے ہیں، دوسرے مدرسہ میں پانچ طالب علم بیٹھے ہیں ان کے لئے چندہ ہو رہا ہے، عمارتیں بن رہی ہیں، کراچی میں تو مدرسوں کی یہ افراط ہے، پنجاب اور صوبہ سرحد میں بھی آپ جائیں گے تو چھوٹے چھوٹے شہروں میں دو دو تین تین مدرسے آپ کو ملیں گے، بحمد اللہ بڑے بڑے مدرسے بھی ہیں۔

لیکن اللہ ہی کو معلوم ہے اس کا کیا سبب ہے کہ حیدر آباد میں مدرسوں کا جو خلا ۴۸ء میں تھا وہ آج تک اسی طرح ہے، یہاں کوئی ایسا تعلیمی اور تربیتی ادارہ وجود میں نہیں آسکا جو اس شہر کی اور اس کے متعلقات کی دینی ضرورتوں کو پورا کرسکے ابھی تک کوئی قابل ذکر دارالافتاء بھی یہاں میرے علم میں نہیں ہے۔

اور علماء پیدا ہوتے ہیں مدرسوں سے، جب یہاں مدرسہ نہیں ہوگا تو علماء کیسے پیدا ہوں گے؟ تو ۴۸ء سے یہ ایک کسک محسوس ہوتی ہے اور ایک خلا نظر آتا ہے حیدر آباد میں، یہ بہت بڑی کمی ہے اور خطرناک کمی ہے۔

دین اسلام اور علم

وجہ اس کی یہ ہے کہ ہمارا دین جو تاجدار عالم سرور کونین محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں دیا، اس کی بنیاد علم پر ہے، اگر اس میں سے علم نکالا دیا جائے تو دین ختم ہوجائے۔ اس دین کا مدار علم پر ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جو فرائض منصبی قرآن کریم میں بیان کئے گئے ہیں وہ چار ہیں، وہ فرائض اسی آیت میں ارشاد فرمائے گئے ہیں جو میں نے ابھی عربی خطبہ میں پڑھی ہے۔

لقدمن اللہ علی المؤمنین الخ اس آیت میں آپ کی بعثت کے چار مقاصد بیان فرمائے گئے ہیں۔ پہلا یہ کہ یتلو علیھم آیاتہ یعنی اللہ تعالیٰ کی آیات پڑھ کر لوگوں کو سنائیں تاکہ دوسرے لوگ بھی اس کو صحیح طریقہ سے پڑھ سکیں اور اللہ کا پیغام پہنچ جائے۔ دوسرا ویزکیھم اوران کے اخلاق کا تزکیہ کریں یعنی لوگوں کے اخلاق وعادات کی اصلاح فرمائیں۔ ویعلمھم الکتب والحکمۃ اورلوگوں کوقرآن کی اور حکمت کی تعلیم دیں، ان چار مقاصد میں آپ دیکھئے کہ بنیادی طور پر دو باتیں ہیں ایک تعلیم قرآن وسنت دوسرے تربیت یعنی علم کے مطابق اعمال واخلاق کی اصلاح۔

تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے مقاصد کا خلاصہ دو کام ہیں تعلیم اور تربیت انہی دو کاموں کو آپ نے ۲۳ سال تک متواتر انجام دیا، معلوم ہوا کہ دین کی بنیاد علم پر ہے اور اس کا اندازہ ایک تو اسی بات سے ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس امت کا سب سے پہلا معلم اور استاد بنا کر بھیجا گیا، دوسرے آپ اس سے اندازہ کیجئے کہ وہ سب سے پہلی وحی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی یعنی سب سے پہلی آیت جو غار حرا میں جبریل امینؑ لے کر آئے وہ آیت اقراء کے لفظ سے شروع ہو رہی ہے۔

اقرأ باسم ربك الذی خلق، خلق الانسان من علق، اقرأ وربك الاکرم الذی علم بالقلم، علم الانسان مالم یعلم۔ یہ آیات ہیں جو سب سے پہلے غار حرا میں نازل ہوئیں ان آیات میں جو سب سے پہلا حکم ہے وہ اقراء یعنی پڑھئے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو جبریل امینؑ اللہ جل شانہ کا پیغام دے رہے ہیں کہ پڑھئے: اقرأ باسم ربك الذی خلق یعنی پڑھئے اس ذات کے نام سے کہ جس نے پیدا کیا۔ خلق الانسان من علق اس نے جمے ہوئے خون سے پیدا کیا۔ اقرأ وربك الاکرم دیکھئے دوبارہ حکم آیا۔ کہ آپ پڑھئے آپ کا پروردگار بہت کرم والا ہے علم بالقلم جس نے انسان کو تعلیم دی ہے قلم کے ذریعہ دیکھئے تعلیم کا بھی ذکر آ رہا ہے اور قلم کا بھی ذکر آ رہا ہے۔ علم الانسان مالم یعلم انسان کو ایسی چیزوں کی تعلیم دی جو پہلے وہ نہیں جانتا تھا۔

تو سب سے پہلی آیت اور سب سے پہلا حکم یہ ہے کہ پڑھئے۔ یہ آیت نزول کے اعتبار سے سب سے پہلی ہے، ترتیب قرآن کے اعتبار سے تو یہ آیت سب سے پہلی نہیں، لوح محفوظ میں قرآن کریم جس ترتیب سے لکھا ہوا ہے، اسی ترتیب سے یہ قرآن مرتب ہوا ہے اور لوح محفوظ کی اسی ترتیب کے مطابق آج بحمد اللہ

ہمارے مصاحف اور سینوں میں محفوظ ہے لیکن اس کا نزول لوح محفوظ کی ترتیب کے مطابق نہیں ہوا۔ بلکہ یہ مختلف حالات اور ضرورتوں کے مطابق متفرق طور پر نازل ہوا ہے۔ چنانچہ نزول کے اعتبار سے سب سے پہلے آیت اقرأباسم ربك الذی خلق الخ ہے۔

اور قرآن مجید کی جو ترتیب ہمارے مصاحف میں ہے اور جو لوح محفوظ کی ترتیب کے مطابق ہے اس ترتیب میں سب سے پہلے سورہ فاتحہ ہے اور اس کے بعد سورہ بقرہ ہے۔ سورۂ فاتحہ پورے قرآن کریم کا دیباچہ اور مقدمہ ہے قرآن کریم مفصل متن سورہ فاتحہ کے بعد سورہ بقرہ سے شروع ہورہا ہے جس کی سب سے پہلی آیت الٓمّٓ ذالك الكتب ہے۔ یہاں بھی آپ دیکھ رہے ہیں کہ کتاب کا ذکر سب سے پہلے آیا ہے۔ وہاں سب سے پہلی وحی میں پڑھنے کا ذکر ہے۔ قلم کا ذکر ہے تعلیم کا ذکر ہے اور یہاں سورۂ بقرہ کی سب سے پہلی آیت میں کتاب کا ذکر ہے۔

مزید دیکھئے کہ قرآن مجید کا نام ہے۔ ''القرآن'' یعنی وہ چیز جس کو پڑھا جائے۔ اور دوسرا نام ہے ''الکتاب'' یعنی وہ چیز جو لکھی جائے تو یہ دین لکھنے پڑھنے کا دین ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ۲۳ سالہ دور میں یہی کام کیا ہے کہ آپ نے قرآن پڑھایا اور اس پر عمل کرنے کی ترغیب دی، یہی حاصل ہے تاجدار دو عالم سرورکونین صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری سیرت طیبہ کا۔

مزید اندازہ کیجئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تعلیم کو عام کرنے کا کتنا اہتمام فرمایا تھا کہ غزوۂ بدر جو حق و باطل کا سب سے پہلا معرکہ ہے اس میں کفار کے بڑے بڑے سردار قتل کئے گئے۔ اور ۷۰ بڑی شخصیتیں گرفتار ہوئیں۔ مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقہ اور طفیل میں فتح مبین عطا فرمائی، قیدیوں کے بارے میں مشورہ ہوا کہ ان کا کیا کیا جائے۔ کسی نے مشورہ دیا کہ انہیں

قتل کر دیا جائے۔ ایک رائے یہ ہوئی کہ فدیہ اور مال لے کر ان کو چھوڑ دیا جائے تا کہ مسلمانوں کو مالی منفعت حاصل ہو۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ رائے پسند آئی اور آپ نے اسی کے مطابق فیصلہ فرمایا۔ چنانچہ کفار مکہ مال دے کر اپنے قیدی چھڑا رہے تھے۔ لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان قیدیوں میں سے جو لوگ لکھنا جانتے ہیں ان کا فدیہ ہم مال و دولت کی صورت میں نہیں لیں گے۔ بلکہ ہر قیدی جو لکھنا جانتا ہے وہ مسلمانوں کے دس بچوں کو لکھنا سکھا دے اس کی جان بخشی ہو جائے گی۔ اس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو لکھنا سکھانے کا اہتمام فرمایا۔

درسگاہِ صُفّہ

ہجرت مدینہ کے بعد جب مسجد نبوی تعمیر ہوئی تو اسی میں ایک صفہ تھا۔ یہ صفہ اسلام کی سب سے پہلی درسگاہ اور سب سے پہلا مدرسہ ہے۔ اس کے اندر چار سو کے قریب طلبہ صحابہ کرامؓ زیر تعلیم رہے ہیں اور ایک ایک وقت میں تقریباً اسی طالب علم رہے، انہیں میں سے ایک ہونہار طالب علم حضرت ابو ہریرہؓ ہیں جنہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ۵۳۷۴ حدیثیں یاد کر کے امت تک پہنچائیں۔

یہ صفہ کیا تھا؟ یہ مسجد نبوی کے ساتھ ایک چبوترہ تھا۔ یہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کرامؓ کو تعلیم دیا کرتے تھے، خلاصہ یہ کہ سب سے پہلے استاد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور سب سے پہلے شاگرد صحابہ کرامؓ ہیں اور سب سے پہلا مدرسہ صفہ ہے۔

اس سے ایک بات یہ معلوم ہوئی کہ دین علم کے بغیر نہیں آ سکتا، دین موقوف ہے علم پر، علم کے بغیر نہ انسان کا عقیدہ درست ہو سکتا ہے، نہ عمل کی اصلاح

ہوسکتی ہے نہ فرائض ادا ہوسکتے ہیں، نہ حرام سے بچا جاسکتا ہے۔

فضائل علم

وجہ اس کی یہ ہے کہ نجات موقوف ہے عقیدہ اور عمل پر یعنی ایمان اور عمل پر، اور ایمان وعمل موقوف ہے علم پر۔ تو نجات موقوف ہے علم پر، اس واسطے یہ دین علم کا دین ہے، لکھنے پڑھنے کا دین ہے چنانچہ قرآن کریم کی بہت سی آیات میں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کتنی ہی احادیث میں علم کے اور علماء کے فضائل بیان کئے گئے ہیں۔

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ تَدارُسُ العلم سَاعَةً مِنَ اللَّیْلِ خَیْرٌ مِنْ اِحیَاءِ هَا یعنی ایک رات کے گھنٹہ میں علم کا تدارس کرنا، مذاکرہ کرنا، علم میں مشغول رہنا یہ بہتر ہے پوری رات کی عبادت سے، یعنی ایک شخص جو پوری رات کھڑے ہوکر تہجد پڑھتا ہے یہ بھی بہت بڑی فضیلت اور عبادت ہے۔ اللہ کو بہت پسند ہے، لیکن فرمایا کہ دوسرا شخص جو ایک گھنٹہ علم میں مشغول رہتا ہے، پڑھتا ہے یا پڑھاتا ہے اس کا درجہ بڑھا ہوا ہے اس شخص سے جو پوری رات عبادت کرتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دو شخصوں کے بارے میں پوچھا گیا۔ ایک وہ شخص جو فرائض وواجبات ادا کرتا ہے اور حرام وگناہ سے بچتا ہے، نفلی عبادت زیادہ نہیں کرتا، مگر عالم ہے، دوسرا عالم تو نہیں، لیکن بہت عبادت گذار ہے، صحابہ کرامؓ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا ان میں سے افضل کونسا ہے۔ آپ نے فرمایا افضل وہ شخص ہے جو علم والا ہے۔

نیز آپ نے بھی فرمایا فَضْلُ الْعَالِمِ عَلَی الْعَابِدِ کَفَضْلِی عَلٰی ادنکُم ۔ فضیلت عالم کو عابد پر ایسی ہے جیسے میری فضیلت تم میں سے ادنیٰ صحابی پر، یعنی جو فرق

ایک ادنیٰ صحابی اور مجھ میں ہے وہی فرق ایک عابد اور عالم میں ہے تو یہ دین علم کا دین ہے اس میں کمال علم کے بغیر نہیں آتا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيْضَةٌ عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ یعنی علم دین حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے۔

علم دین فرض عین اور فرض کفایہ

علم دین بہت سے علوم پر مشتمل ہے اور ظاہر ہے کہ ہر مسلمان مرد وعورت اس پر قادر نہیں کہ ان سب علوم کو پورا حاصل کر سکے، اس لئے مذکورہ حدیث شریف میں جو علم ہر مسلمان پر فرض قرار دیا گیا ہے اس سے مراد علم دین کا وہ حصہ ہے جس کے بغیر آدمی نہ اپنے عقائد صحیح کر سکتا ہے نہ فرائض وواجبات ادا کر سکتا ہے اور نہ حرام وناجائز کاموں سے بچ سکتا ہے۔ باقی علوم کی تفصیلات یعنی قرآن وحدیث کے تمام معارف ومسائل اور ان سے نکالے ہوئے احکام کی پوری تفصیل کا علم حاصل کرنا نہ ہر مسلمان کی قدرت میں ہے نہ ہر ایک پر فرض عین ہے، البتہ پورے عالم اسلام کے ذمہ فرض کفایہ ہے، یعنی ہر شہر میں ایک عالم دین ان تمام علوم دین کا ماہر موجود ہو تو باقی مسلمان اس فرض سے سبکدوش ہو جاتے ہیں، اور جس شہر یا قصبہ میں ایک بھی عالم دین نہ ہو تو اس بستی والوں پر فرض ہے کہ اپنے میں سے کسی کو عالم بنائیں یا باہر سے کسی عالم کو بلا کر اپنے شہر میں رکھیں تا کہ ضرورت پیش آنے پر باریک مسائل کو اس عالم سے فتویٰ لے کر سمجھ سکیں اور عمل کر سکیں، اسلئے علم دین میں ''فرض عین'' اور ''فرض کفایہ'' کی تفصیل یہ ہے:۔

فرض عین اور فرض کفایہ کی تفصیل

ہر مسلمان مرد وعورت پر فرض ہے کہ اسلام کے صحیح عقائد کا علم حاصل کرے

اور طہارت وناپاکی کے احکام سیکھے، نماز، روزہ اور تمام عبادات جو شریعت نے ہر مسلمان پر فرض یاواجب کی ہیں ان کا علم حاصل کرے، جن چیزوں کو شریعت نے حرام یا مکروہ قرار دیا ہے ان کا علم حاصل کرے۔ جس کے پاس بقدر نصاب مال ہو اس پر فرض ہے کہ زکوٰۃ کے مسائل واحکام معلوم کرے۔ جس کو حج کرنے کی قدرت ہے، اس پر فرض عین ہے کہ حج کے احکام ومسائل معلوم کرے۔ جس کو خرید وفروخت کرنا پڑے یا تجارت وصنعت یا مزدوری کے کام کرنے پڑیں۔ اس پر فرض عین ہے کہ بیع واجارہ کے مسائل واحکام معلوم کرے۔ جب نکاح کرے تو نکاح کے احکام ومسائل اور طلاق کے احکام ومسائل سیکھے، غرض جو کام شریعت نے ہر انسان کے ذمہ فرض یا واجب کئے ہیں ان کے احکام ومسائل کا علم حاصل کرنا بھی ہر مسلمان مرد وعورت پر فرض ہے۔

علم تصوف کا ضروری حصہ بھی فرض عین ہے

دین کے ظاہری اعمال جو ہم اپنی زبان سے انجام دیتے ہیں یا جسم کے باقی ظاہری اعضا وجوارح سے انجام دیتے ہیں مثلاً نماز، روزے وغیرہ کو تو سب ہی جانتے ہیں کہ فرض عین ہیں اور ان کا ضروری علم حاصل کرنا بھی فرض عین ہے لیکن یاد رکھنا چاہئے کہ باطنی اعمال جو اپنے دل سے انجام دیتے ہیں اور جو ہر شخص پر فرض عین ہیں ان کا علم بھی سب پر فرض عین ہے۔

اعمال باطنہ کے علم ہی کو تصوف کہتے ہیں، آجکل جس کو ''علم تصوف'' کہا جاتا ہے وہ بھی بہت سے علوم ومعارف اور مکاشفات واردات کا مجموعہ بن گیا ہے، اس جگہ فرض عین سے مراد اس کا صرف وہ حصہ ہے جس میں اعمال باطنہ فرض وواجب کی تفصیل ہے مثلاً صحیح عقائد جن کا تعلق باطن سے ہے یا صبر وشکر، توکل،

قناعت وغیرہ ایک خاص درجے میں فرض عین ہیں۔ ان کا علم حاصل کرنا بھی فرض عین ہے یا غرور وتکبر، حسد وبغض، بخل وحرصِ دنیا وغیرہ جواز روئے قرآن وسنت حرام ہیں، ان کی حقیقت اور ان سے بچنے کے طریقے معلوم کرنا بھی ہر مسلمان مرد وعورت پر فرض ہے، علم تصوف کی اصل بنیاد اتنی ہے جو فرض عین ہے۔

پورے قرآن کریم کے معانی ومسائل کو سمجھنا اور تمام احادیث کو سمجھنا اور ان میں معتبر اور غیر معتبر کی پہچان پیدا کرنا، قرآن وسنت سے جو احکام ومسائل نکلتے ہیں، ان سب کا علم حاصل کرنا، اس میں صحابہ وتابعین اور ائمہ مجتہدین کے اقوال وآثار سے واقف ہونا۔ یہ اتنا بڑا کام ہے کہ پوری عمر اور سارا وقت اس میں خرچ کر کے بھی پورا حاصل ہونا آسان نہیں، اس لئے شریعت نے اس علم کو فرض کفایہ قرار دیا ہے کہ بقدر ضرورت کچھ لوگ یہ سب علم حاصل کرلیں تو باقی مسلمان سبکدوش ہو جائیں گے ورنہ اس بستی کے سب لوگ گنہگار ہوں گے۔

چنانچہ حضرت حکیم الامت تھانوی رحمتہ اللہ علیہ نے بھی لکھا ہے کہ ہر بستی کے لوگوں پر لازم ہے کہ کم از کم ایک ایسا عالمِ دین اپنی بستی میں تیار کریں، جو اس بستی کی علمی اور دینی ضرورتوں کو پورا کرسکے اگر ایسا عالم تیار نہیں کریں گے تو گناہ گار ہوں گے۔

میں دیکھ رہا ہوں کہ حیدرآباد میں مدرسوں کا فقدان ہے۔ الحمدللہ یہاں بعض مدرسے قائم ہوئے ہیں لیکن ابھی یہاں کی ضرورت کماحقہ پوری نہیں ہوئی۔

ریاض العلوم کی سرپرستی

مجھ سے میرے عزیزوں نے محبت اور تعلق کی بناء پر فرمایا ہے کہ ہم آپ کو جامعہ کا سرپرست مقرر کرتے ہیں قبول کرلو۔ سرپرست کیا، میں تو ایک طالب علم

ہوں، اللہ جل شانہ میرا شمار طالب علموں میں فرمادے تو اس سے بڑا کیا مرتبہ ہے، میں تو طالب علموں کا خادم ہوں سرپرست ہونے کا تو کیا اہل ہوتا لیکن میں نے اس امید پر اس مدرسہ کے ساتھ اس تعلق کو غنیمت سمجھا کہ ممکن ہے اس کے ذریعے سے ہمیں کچھ موقع مل سکے اور اپنے دوستوں اور بہی خواہوں کو توجہ دلاسکیں کہ حیدر آباد کے اندر اتنا بڑا خلا ہے جس کو پر کرنا ضروری ہے اس کے لئے کچھ سوچیں۔

یہ جامعہ عربیہ ریاض العلوم مجھے معلوم ہے کہ ابھی اس میں بالکل ابتدائی درجہ کی تعلیم ہے۔ قرآن کریم حفظ و ناظرہ کی تعلیم ہو رہی ہے اور درسگاہ دینیات میں ابتدائی کتابیں عربی زبان کی اور صرف ونحو کی پڑھائی جاتی ہیں۔ مجھے اس مدرسہ کے منتظمین سے رابطہ کا تعلق اور قلبی تعلق تو پہلے سے تھا لیکن ضابطہ کے تعلق کو میں نے اپنے لئے اس لئے غنیمت سمجھا کہ شاید اس جامعہ کو جو اس وقت ایک چھوٹا سا مکتب ہے اللہ تعالیٰ واقعی جامعہ بنادے اور اس جامعہ کے خدام کی فہرست جب اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش ہو تو اس سیہ کار کا نام بھی اس فہرست کے آخر میں کسی گوشہ میں لکھا ہوا مل جائے جو میرے لئے ذریعہ نجات بن جائے۔

یہ مکتب ہے مگر اس کا نام جامعہ ہے۔ عربی زبان میں جامعہ یونیورسٹی کو کہتے ہیں۔ کہاں یونیورسٹی کہاں پرائمری اسکول، پرائمری اسکول کا نام اگر یونیورسٹی رکھ دیا جائے تو لوگ کیا کہیں گے؟ ممکن ہی اس ابتدائی مدرسہ کا نام ''جامعہ'' دیکھ کر بعض حضرات ہنستے ہوں، لیکن میں تو اس کی یہ تاویل کرتا ہوں کہ جب طالب علم پڑھ رہا ہوتا ہے تو اس کو ''مولوی'' کہتے ہیں۔ نام نہیں لیتے۔ اس سے مراد یہ نہیں ہوتی کہ یہ مولوی بن گیا ہے بلکہ یہ ہوتی ہے کہ آئندہ مولوی بننے والا ہے۔ یہ مدرسہ بھی ابھی جامعہ نہیں ہے زبانوں پر جامعہ کا لفظ آیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے دلوں میں ڈالا ہے۔ کوئی عجب نہیں کہ کسی وقت اللہ تعالیٰ اس کو واقعی جامعہ بنادے اور بڑا دارالعلوم بن جائے۔

نیشنلزم کا بُت

مجھے آپ سے جو بات کرنی ہے وہ یہ ہے کہ اس حیدرآباد میں بدعات کا بہت زور ہورہا ہے، آپ دیکھ رہے ہیں، اتنی شدت سے بدعتیں پھیل رہی ہیں، جس کا اندازہ آپ حضرات کو مجھ سے بدرجہا زیادہ ہوگا، میں تو کراچی میں رہتا ہوں، لیکن وہاں بیٹھ کر حیدرآباد کے حالات پڑھ کر اور سن کر کڑھتا رہتا ہوں، یہ تو بدعتیں ہیں جو حرام ہیں مگر کفر نہیں۔

لیکن ایک اور بت اور اس کے ماتحت بہت سارے بت تراش لئے گئے ہیں۔ کراچی میں بھی اور حیدرآباد میں بھی اور کوشش یہ ہے کہ ان کی پوجا پاکستان کے تمام علاقوں میں شروع ہوجائے حیدرآباد اور کراچی میں تو ان کی پوجا شروع ہوگئی ہے۔

ایک بڑا خطرناک بت تراشا گیا ہے اور اس کی کئی شاخیں ہیں۔ اس طرح وہ کئی بت بن جاتے ہیں۔ یہ وہ بت ہے جس کو تاجدار دو عالم سرور کونین محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود پاش پاش کیا تھا۔ اس بت کو چکنا چور کیا تھا الحمدللہ کراچی میں علماء اس بت کو توڑنے کی کوشش میں لگے ہوئے ہیں۔

افسوس یہ ہے کہ یہاں حیدر آباد میں اس بت کے خلاف موثر کاروائی شروع نہیں ہوئی اور وہ بت ہے قومی عصبیت کا بُت، قومیت کا بُت، کہیں مہاجر قومیت کے اور کہیں پنجابی قومیت کے نعرے اٹھ رہے ہیں، کہیں سندھی قومیت اور کہیں پختون قومیت کے نعرے لگ رہے ہیں یہ نیشنلزم ہے یہ قومیت کا مذہب ہے، قومیت کا دین ہے، اس کا دینِ اسلام سے کوئی تعلق نہیں، اس نیشنلزم کا حاصل یہ ہے کہ پنجابی پنجابی کا بھائی ہے، مہاجر کا بھائی نہیں، پختون پختون کا بھائی ہے سندھی کا بھائی

نہیں، سندھی سندھی کا بھائی ہے بلوچ کا بھائی نہیں۔

جس کا مطلب یہ ہے کہ ایک قوم اور ایک علاقہ کے لوگ آپس میں حق پر ہوں یا باطل پر ایک دوسرے کی ہر صورت میں مدد کریں گے اور دوسری قوم کی ہر صورت میں مخالفت کریں گے یہ حاصل ہے اس نیشنلزم کا اور قومیت کے بت کا۔

خوب سمجھ لیجئے کہ وطنی قومیت، صوبائی قومیت، لسانی قومیت، نسلی قومیت، قبائلی قومیت یہ تمام بت ہیں جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے قدم مبارک سے کچلا تھا۔ اگر اسلام میں وطنی قومیت کی کوئی بنیاد ہوتی تو قرآن یہ اعلان نہ کرتا کہ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ اِخْوَۃٌ یعنی دنیا کے تمام مسلمان بھائی بھائی ہیں، قرآن نے پوری دنیا کے اندر صرف دو قومیں بتلائی ہیں، مومن اور کافر تیسری کوئی قوم نہیں قرآن کریم میں ہے:

﴿ هُوَ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ فَمِنْکُمْ کَافِرٌ وَّمِنْکُمْ مُّؤْمِنٌ ﴾

(التغابن)

''وہی ہے جس نے تم کو پیدا کیا پس تم میں سے کچھ لوگ کافر ہیں اور کچھ لوگ مومن ہیں''۔

اسلامی قومیت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا الکفر کُلُّہٗ مِلَّۃٌ وَاحِدَۃٌ کفر پورا کا پورا ایک ملت ہے چاہے وہ عیسائی ہوں، یہودی ہوں، ہندو ہوں، مجوسی ہوں، مشرک ہوں، بدھ مت کے لوگ ہوں کیمونسٹ ہوں، سوشلسٹ ہوں، یہ سب کے سب ایک ملت ہیں ان کی آپس میں کتنی ہی رقابتیں ہوں لیکن وہ اسلام کے مقابلہ میں ایک ہی ملت ہیں اور پوری دنیا کی تمام اقوام کے مقابلہ میں اسلام ایک ملت ہے اور تمام

مسلمان بھائی بھائی ہیں۔

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ۔ قرآن کریم نے یہ بتلایا ہے کہ ملت دین کی بنیاد پر بنتی ہے جو کلمہ توحید لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کا قائل ہو وہ مومن ہے مسلمان ہے اور جو اس کلمہ کا منکر کافر ہے مشرک ہے اور جہنمی ہے اسلام اور مسلمان کا وہ دوست نہیں ہوسکتا، پورے قرآن کریم میں جگہ جگہ یہ بات واضح کردی گئی ہے۔

یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا الْیَهُوْدَ وَ النَّصَارٰی اَوْلِیَاءَ۔ اے ایمان والو! یہود ونصاریٰ کو اپنا دوست نہ بناؤ ان سے دوستی کرنا بھی ناجائز ہے، لوگ مسئلہ پوچھا کرتے ہیں کہ اگر کسی کافر کے ساتھ کھانا کھانا پڑجائے تو جائز ہے یا نہیں؟ ہم کہتے ہیں جائز ہے پانی پینا پڑجائے تو جائز ہے۔ خرید وفروخت کرنی پڑجائے، شراکت ومضاربت کرنی پڑجائے جائز ہے، لیکن یاد رکھئے کہ کسی کافر سے دوستی جائز نہیں، جب دوستی جائز نہیں تو بھائی بنانا کیسے جائز ہوجائے گا؟

پاکستان اسی بنیاد پر بنا تھا کہ کانگریس نے نعرہ لگایا تھا، ''ہندو مسلم بھائی بھائی'' مسلم لیگ نے اور علماء کرام نے نعرہ لگایا'' مسلم مسلم بھائی بھائی'' ہندو مسلم بھائی بھائی نہیں ہوسکتے، اسی وجہ سے یہ پاکستان الگ بنا تھا کہ مسلمان ایک الگ قوم ہے ہندو الگ قوم ہے ہندو کا وطن الگ ہوگا ہمارا وطن الگ ہوگا، یہی وہ دوقومی نظریہ ہے جس کو نظریہ پاکستان کہا جاتا ہے اور اسی نظریہ پر پاکستان کا وجود قائم ہے۔

انتباہ

یاد رکھیئے کہ یہ پاکستان باقی رہے گا تو اسی نظریہ کی بنیاد پر باقی رہے گا اس نظریہ کو اس ملک سے ختم کرنے کی کوشش کی گئی تو یہ پاکستان ختم ہوجائے گا لیکن پاکستان کے دشمنوں نے اسلام کے دشمنوں نے قومیت کے بت تراشے ہیں۔ مہاجر

قومیت کا بت، پختون قومیت کا بت، ایک سندھی قومیت کا بت، پنجابی قومیت کا بت، بلوچ قومیت کا بت، یہ تمام بت ہیں اور یہ دعوت دی جارہی ہے کہ مہاجر اس بت کی پوجا کریں، پنجابی اس بت کی پوجا کریں۔ پختون اس بت کی پوجا کریں اور بلوچ اس بت کی پوجا کریں اور پرانے سندھی اس بت کی پوجا کریں۔

لَااِلٰہ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّد رسول اللّٰہ کا کلمہ پڑھنے والوں کی غیرت کو کیا ہوا ہے اس مشرکانہ دعوت کو کیوں نہیں ان کے منہ پر مار دیا جاتا، کیوں اس کے خلاف تبلیغ نہیں کی جاتی۔ یہ مشرکانہ نعرہ ہے، کافرانہ نعرہ ہے۔ اسلام کی بنیادوں کے خلاف ہے آپ دیکھ رہے ہیں کہ اس نعرہ کے نتیجہ میں ملک کہاں سے کہاں پہنچ گیا۔ آپ کے حیدرآباد کی معاشی حالت کہاں سے کہاں پہنچ گئی کراچی تباہی کے کنارہ پہنچ چکا ہے۔ یاد رکھئے کراچی ایک ایسا شہر ہے جو پورے ملک کی شہ رگ ہے، دشمن نے اس کراچی کو اپنا نشانہ بنایا ہے تاکہ قومیت کے فسادات ہوں۔ پیش نظر یہ ہے کہ کراچی کو تباہ کریں تاکہ پاکستان تباہ ہوئے۔

پاکستان اہل اسلام کی پناہ گاہ

یہ پاکستان ہم پر اللہ رب العالمین کی عظیم نعمت ہے۔ ہندوستان میں جس مسلمانوں پر مظالم ٹوٹے تو ان کو پناہ پاکستان میں ملی۔ برما کے مسلمانوں پر سوشلسٹوں نے مظالم ڈھائے ان کو پناہ پاکستان میں ملی۔ بنگلہ دیش میں مسلمانوں پر مظالم ڈھائے گئے تو وہاں کے بہاری بھائیوں کو پناہ پاکستان میں ملی۔ افغانستان میں مسلمانوں پر قیامت توڑی گئی تو ان کو پناہ پاکستان میں ملی، ایران میں اب سنیوں پر مظالم ہورہے ہیں تو ان کو پناہ پاکستان میں مل رہی ہے۔

لیکن پاکستانیو! تم یہ بھی سوچو کہ اگر خدانخواستہ اس پاکستان کو کچھ ہوگیا تو

تمہیں پناہ کون دیگا؟ کہاں پناہ لوگے؟ تمہارے پاس سوائے سمندر کے اور کوئی جگہ نہیں ہے۔ کیا سعودی عرب تمہیں پناہ دے گا؟ وہاں تم ایک گھنٹہ بھی بغیر ویزے کے نہیں رہ سکتے۔ یہاں سے جانیوالوں کو اس کا تجربہ ہے کسی بھی اسلامی ملک میں تمہیں ایک گھنٹہ بھی بغیر ویزے کے نہیں رہنے دیں گے کیا ان میں سے کوئی پناہ دے گا کہ یہاں آجاؤ اور رہنے لگو۔ خدانخواستہ پاکستان کو کچھ ہوگیا تو سوائے سمندر میں ڈوبنے کے کوئی راستہ نہیں ملے گا۔

دشمن اس حقیقت سے واقف ہے جو ہمارا بھی دشمن ہے پاکستان کا بھی دشمن ہے دین اور اسلام کا بھی دشمن ہے اس نے ہمارے اندر قومیت کے یہ بت ترشوا دیئے ہیں، لیڈروں نے اپنی لیڈری چمکانے کے لئے لوگوں کو اس دھندے میں لگادیا ہے۔ علامہ اقبال مرحوم نے کتنے عرصہ قبل یہ بات کہی تھی، عصبیت اور قومیت کے بارے میں کہ

ان تازہ خداؤں میں بڑا سب سے وطن ہے
جو پیرہن ہے اس کا وہ ملت کا کفن ہے

اسلامی اخوت ومحبت

یاد رکھئے اس فتنہ کا مقابلہ کرنا ہر مسلمان کا فرض ہے کسی جماعت سے ہماری دشمنی نہیں، کسی شخصیت سے ہمیں عناد نہیں، ہم یہ کہہ رہے ہیں کہ پاکستان کے مسلمان بلکہ ساری دنیا کے تمام مسلمان ہمارے بھائی ہیں، اگر کسی سندھی مسلمان کا کوئی نقصان ہوتا ہے تو ہمیں بے چین ہوجانا چاہیے، پنجابی یا پختون بھائی پر کوئی ظلم ہوتا ہے تو ہماری رگ حمیت پھڑک جانی چاہئے کہ ایک مسلمان پر ظلم ہورہا ہے، بھائی پر ظلم ہورہا ہے۔ اگر مہاجر کو تکلیف پہنچتی ہے تو ہمیں اس کی مدد کے لئے دوڑنا چاہئے

کیونکہ وہ ہمارا مسلمان بھائی ہے۔

قرآن مجید میں فرمایا گیا۔ تعاوَنوا عَلَی البِرّ وَالتَّقوىٰ ولَا تَعا وَنوا عَلى الاِثـمِ والـعُـدوان۔ نیکی میں ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کرو، اور ظلم و گناہ میں ایک دوسرے کا تعاون نہ کرو، قرآن کریم نے دنیا کے سارے مسلمانوں کو ایک دوسرے کا بھائی بنا کر نیک کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کرنے کا حکم دیا ہے، کسی بھی علاقے اور کسی بھی نسل کا مسلمان ہو وہ کوئی بھی زبان بولتا ہو، وہ ہمارا بھائی ہے نیک کاموں میں ان کی مدد کرنا ہمارا فرض ہے اُسے ظلم سے بچانا ہمارا فرض ہے ہاں ناجائز کاموں میں یا ظلم میں کسی کی بھی مدد کرنا خواہ وہ ہمارا بیٹا ہو یا قریبی رشتہ دار ہو حرام ہے لیکن یہ قومیت کا بت جسے نیشنلزم کہا جاتا ہے وہ اپنے پجاریوں کو یہ سکھاتا ہے کہ اپنے ہم وطن کی اور اپنی زبان بولنے والے کی ظلم میں بھی مدد کرو، دوسرے علاقوں کے لوگوں سے نفرت کرو اور ان پر جو بھی ظلم ڈھایا جائے وہ روا ہے۔

کراچی میں اور پاکستان کے دوسرے شہروں میں تمام علاقوں کے مسلمان ہمیشہ پیار سے رہتے تھے۔ ہمیشہ شیر و شکر رہے ہیں، ہمارے دشمن نے یہ کام کیا کہ ہمیں ایک دوسرے کے خلاف بھڑکا دیا، جب جھگڑا کسی محلّہ میں ہو اور وہاں مثلاً کسی مہاجر کے مکان کو کسی ظالم نے آگ لگادی۔ یہ اُس ظالم نے بہت بڑا ظلم کیا، گناہ کبیرہ کا مرتکب ہوا اور اپنے لئے جہنم کی آگ تیار کرلی، لیکن کیا اس کا انتقام کسی اور بے گناہ پنجابی بھائی سے یا پختون بھائی سے لینا جائز ہوگا؟ جس نے کسی پر ظلم نہیں کیا، اور نہ وہ اس ظلم کو درست سمجھتا ہے، بے چارہ بے گناہ ہے اسی طرح اگر کسی محلّہ میں ہمارے پختون بھائی یا پنجابی بھائی پر ظلم ہوا تو کیا دوسرے محلے کے کسی بے گناہ مہاجر بھائی سے اس کا انتقام لینا جائز ہوگا؟

میں آپ سے پوچھتا ہوں ایک ادنیٰ سمجھ والا مسلمان یہ بتائے کہ یہ جائز

ہوگا؟ ظاہر ہے کہ آپ بھی یہی کہیں گے کہ ناجائز ہے حرام ہے، جس نے مکان جلایا ظالم وہ ہے، اس کو پکڑو، اس علاقہ کا دوسرا مسلمان بھائی یہاں رہتا ہے اس نے تمہارا کوئی نقصان نہیں کیا، اس کو پکڑ نا تمہیں کیسے جائز ہے؟ لیکن یہ قومیت کا بت کہتا ہے اپنی قوم کے آدمیوں کی مدد کرو۔ چاہے وہ ظلم کر رہے ہوں تب بھی مدد کرو۔

اگر ہم اپنے بھائی کو اپنی برادری کے، اپنے قبیلہ کے، اپنے وطن کے آدمی کو ظلم کرتا ہوا دیکھ رہے ہیں تو ہم پر لازم ہے کہ اس کا ہاتھ پکڑ لیں اور اس کو ظلم نہ کرنے دیں، اس لئے کہ وہ دنیا میں بھی رسوا ہوجائے گا اور آخرت میں بھی تباہ وبرباد ہوجائے گا۔ مسلمان کی جان ومال اور آبرو کی بڑی قیمت ہے اللہ جل شانہ کے نزدیک اس کی بڑی عظمت ہے اس کے بارے میں حدیث میں فرمایا کہ اس کی حرمت ایسی ہے جیسی حرمِ مکہ کی حرمت۔

آج اس قومیت کے بت نے ہمیں پاش پاش کرڈالا ہے، میں یہ نہیں کہتا ہے کہ آپ سیاسی پارٹیوں کے ساتھ ڈنڈا بازی شروع کردیں، لڑائی جھگڑا شروع کردیں کہ اس سے ایک نیا جھگڑا کھڑا ہوجائے۔ میں یہ بھی نہیں کہتا کہ ان کو گالی گلوچ شروع کردی جائے اور ان کے خلاف بیان بازی کا بازار گرم کردیا جائے نہیں، بلکہ میں یہ کہتا ہوں کہ لوگوں کے اندر اسلامی بھائی چارے کے جذبات کو زندہ کیجئے اسلامی اخوت اور برادری کی تعلیم دیجئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت یاد دلایئے۔

آپ ان کو بتایئے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ کے رہنے والے تھے، حضرت ابوبکرصدیق، عمرفاروق، عثمان غنی اور علی مرتضیٰ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین مکہ کے رہنے والے تھے، ان کی لڑائیاں کن سے ہوئیں؟ اپنے وطن کے لوگوں سے، مکہ مکرمہ کے کافروں سے، دیکھئے قوم تو ایک ہی ہے قریش تھے، مکی تھے۔ ایک

علاغقہ اور ایک زبان کے تھے، ایک قبیلہ اور ایک معاشرت کے لوگ تھے لیکن جنہوں نے کلمہ توحید کو قبول نہیں کیا۔ وہ دشمن سے بدتر ہوگئے اور جنہوں نے کلمہ توحید کو قبول کرلیا۔ وہ بھائی بن گئے۔

چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے وطن کو چھوڑ کر مہاجر بنے، مدینہ طیبہ پہنچے۔ وہاں کن کو بھائی بنایا؟ انصاریوں کو، وہ آپ کے وطن کے تھے؟ آپ کے قبیلہ کے تھے؟ آپ کی نسل کے تھے؟ نہیں بلکہ ایک نئی قومیت بنائی گئی اور اس نئی قومیت کی بنیاد اسلام ہے۔

ابولہب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا چچا تھا اس کو تو مردود قرار دیا، ابوطالب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا چچا جس نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پرورش دادا کے انتقال کے بعد کی۔ وہ بھی کفر کی وجہ سے جہنمی قرار پائے لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سینہ سے کس کو لگایا؟ زید بن حارثہؓ کو، حبشہ کے رہنے والے بلال حبشیؓ کو، فارس وایران کے رہنے والے مسلمان کو، روم کے باشندے صہیب رومیؓ کو، ان کو بھائی بنالیا اور جو اپنے خاندان اور قبیلہ کے کافر لوگ تھے، ان کی گردنیں کاٹیں اور ان کو قید کیا، معلوم ہوا کہ دنیا کے سارے مسلمانوں کی ایک برادری ہے ایک قومیت ہے اور دنیا کے تمام کافر اس برادری سے خارج ہیں۔

میری آپ سے درخواست ہے کہ خدا کے لئے محبت و پیار کے ساتھ بھائیوں کو سمجھائیں کہ کسی بھی علاقہ کا مسلمان جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا امتی ہونے کا دعویدار ہے اور اسلام کے دائرہ کے اندر داخل ہے وہ بھائی ہے اس پر کوئی ظلم نہ ہونے دو، یاد رکھو! جو قدرت ہونے کے باوجود ظلم کو نہیں روکے گا اور کوتاہی کرے گا وہ بھی مجرم اور گنہگار ہوگا۔

ایک مرکزی ادارہ وشخصیت کی ضرورت

اگر یہ کام حیدر آباد میں ہوتا تو علماء کی طرف سے ہوتا۔ اور الحمدللہ یہاں علماء موجود ہیں، لیکن افسوس اسی کا ہوتا ہے کہ یہاں مرکزی ادارہ نہیں، مرکزی شخصیت نہیں، میری آپ سے درخواست ہے ان فتنوں کا مقابلہ کریں، یہ فتنے آج ہیں کل اور فتنے اٹھیں گے، ان فتنوں کا مقابلہ علمی طور پر علماء کو کرنا ہوتا ہے اس کے لئے یہاں ادارہ کی ضرورت ہے یہ ایک چھوٹا سا مکتب قائم ہوا ہے، اللہ کے بھروسہ پر کچھ لوگوں نے کام شروع کردیا ہے۔ بے سروسامانی میں شروع کیا ہے لیکن مسلسل محنت وکوشش سے انشاء اللہ یہ مدرسہ ترقی کر جائے گا۔

میں تو تنہا ہی چلا تھا جانب منزل مگر
لوگ کچھ ملتے گئے اور قافلہ بنتا گیا

جن لوگوں نے یہ کام شروع کیا ہے۔ آپ ان کے ساتھ لگ جائیے۔ یہ مسجد ومدرسہ کا کام ایسا ہی ہے جیسے مسجد نبوی اور صفہ کا کام تھا۔ مسجد نبوی سب سے پہلی مسجد اور صفہ سب سے پہلا مدرسہ، اسی طرح یہ مسجد ومدرسہ ہے، اللہ تعالیٰ نے دونوں کا سامان کردیا ہے میری درخواست ہے کہ اس مدرسہ کو آگے بڑھائیں۔

ستم ظریفی

آج کل ایک افتادیہ ہے کہ اوّل تو عام لوگوں کو ان مدرستوں کی طرف دھیان کم ہوتا ہے اور جن حضرات کو ان مدرسوں کی امداد کرنے کی توفیق ہوتی ہے۔ وہ بھی صرف مالی چندہ دے کر فارغ ہوجاتے ہیں، اپنے بچوں کو ان مدرسوں میں تعلیم نہیں دلواتے، بلکہ انتظار کرتے ہیں کہ ان مدرسوں میں پڑھنے کے لئے طلبہ کسی اور

شہر یا ملک سے آ جائیں۔ اپنے بچوں کو دین کی تعلیم نہیں دلواتے الا ماشاء اللہ۔

ہمارے والد ماجد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے کہ لوگ سوال کرتے ہیں کہ اگر ہم نے اپنے بچے کو دینی تعلیم میں لگایا تو کمائے گا کیا؟ کھائے گا کیا؟ والد صاحبؒ فرماتے تھے کہ میں نے اخبارات میں ایسی خبر تو بہت ساری پڑھی ہیں کہ فلاں گریجویٹ نے بے روزگاری سے تنگ آ کر خودکشی کرلی۔ آپ نے بھی بہت ساری خبریں پڑھی ہوں گی، آپ نے یہ خبر بھی سنی ہے کہ فلاں مولوی صاحب نے بے روزگاری سے تنگ آ کر خودکشی کرلی ہے۔ یہ خبر آپ نے کبھی نہیں سنی ہوگی۔ اور میں نے بھی نہیں سنی، حضرت والد صاحبؒ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث سنایا کرتے تھے کہ "مَن کانَ لِلّٰہِ کَانَ اللّٰہُ لَہٗ" جو اللہ کا ہوجاتا ہے اللہ اس کا ہوجاتا ہے، اللہ کے بھروسہ پر اپنی اولاد کو علم دین میں لگایئے، یہ کافی نہیں کہ اپنے بچوں کو اسکول اور کالج میں پڑھائیں اور دوسروں کے بچوں کو یہاں پڑھائیں اسکول اور کالج میں پڑھانا کوئی گناہ نہیں ہے، ہمارے والد صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ اگر اللہ تعالیٰ نے تمہیں دو لڑکے دیئے ہیں تو اُن میں سے ایک کو تو علم دین کے لئے لاؤ۔

بچوں کا چندہ

لیکن اب ہوتا کیا ہے؟ کہ ''مری بھیڑ اللہ کے نام'' میں ایک جگہ جمعہ کی نماز پڑھاتا تھا، بہت عرصہ تک جمعہ کی نماز پڑھاتا رہا، اور نماز سے پہلے وعظ کرتا تھا کئی سال گذرنے کے بعد میں نے کہا کہ بھئی سنو، لوگ کہتے ہیں کہ مولوی جہاں بھی جاتا ہے چندہ کرتا ہے، میں نے کہا اتنے سال سے تمہارے یہاں جمعہ کی نماز پڑھا رہا ہوں، میں نے کبھی کوئی چندہ مانگا ہے؟ لوگوں نے کہا کہ کبھی نہیں اشارۃً بھی نہیں مانگا، میں نے کہا آج میں آپ سے چندہ مانگوں گا اور وہ چندہ ایسا ہے کہ کسی نے

آپ کے محلہ میں نہیں مانگا ہوگا وہ چندہ ہے بچوں کا اور میں نے یہی بات کہی کہ اللہ تعالیٰ نے جس کو دو بچے دیئے ہیں ان میں سے ایک کو علم دین میں لگادیں۔

سننے والوں پر تقریر کا بڑا اثر معلوم ہوا، چنانچہ اگلے دن ایک صاحب اپنے ایک بچہ کو لے کر کورنگی۔ (دارالعلوم کراچی) پہنچے، بڑے مالدار اور لاکھوں کا کاروبار کرنے والے تھے، انہوں نے کہا کہ آپ کی تقریر میں کل میں بھی تھا، اللہ تعالیٰ نے میرے دل میں جذبہ پیدا کیا، میں اس بچہ کو لایا ہوں اور یہ آپ کے سپرد ہے، تقریباً چھ سال کا بچہ تھا۔ ہم نے کہا کہ اس کا امتحان داخلہ ہوگا، انہوں نے کہا، نہیں نہیں، بس اس کو داخل کریں، اس کی رہائش وطعام کا انتظام بھی کریں اور اس کو علم دین پڑھائیں، میں آپ سے نہیں پوچھوں گا کہ آپ نے کیا پڑھایا ہے اور کیا نہیں پڑھایا ہے۔ مجھے آپ پر اطمینان ہے اور جو کچھ خرچہ ہوگا میں دوں گا اور کچھ پیسے بھی کھانے پینے اور کپڑوں کی دھلائی وغیرہ کے لئے جمع کراگئے۔ اتنے چھوٹے بچہ کو دارالعلوم میں رکھنے کا باقاعدہ انتظام نہیں تھا۔ اس لئے ہم نے مجبوراً اسے اپنے گھر رکھ لیا۔ دو تین دن اس کے ساتھ محنت کی، کبھی بستر پر پیشاب کردیتا ہے کبھی پاخانہ کردیتا ہے، کبھی کوئی چیز اٹھا کر توڑ دی، کبھی کوئی، تین چار دن کے بعد معلوم ہوا کہ وہ تو پاگل ہے پھر بعد میں تحقیق کی تو معلوم ہوا کہ اس بچہ کے تو ماں باپ بھی اس سے عاجز آئے ہوئے تھے اور اس کو گدو بندر کے پاگل خانہ میں لیجانا طے ہوا تھا۔ ان سے یہ برداشت نہیں ہوتا تھا کہ پاگل خانہ میں داخل کرائیں، اس لئے دارالعلوم میں داخل کرادیا۔

یہ تھی وہ ''مری بھیڑ اللہ کے نام کی'' جو علم دین کیلئے نکالی گئی۔ یہ خدا کا دین ہے۔ مذاق نہیں ہے، آخرت میں جواب دینا ہے، زندگی کا ہر قدم ہمیں قبر کی طرف لیجارہا ہے ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اپنا منہ دکھانا ہے، وہاں ان کی

شفاعت اور سفارش کے بغیر کسی کی نجات نہیں ہوگی ہم نے اسلام کا نام بہت لیا ہے، خدا کیلئے قدم بڑھایئے، اپنے بچوں کو ان مدرسوں میں داخل کیجئے آپ اپنے بچوں کو دینی مدرسہ میں داخل کریں گے تو آپ کو یہ فکر بھی ہوگی کہ مدرسہ کا معیار بھی بہتر اس طرح انشاء اللہ مدرسوں کا معیار بھی بہتر ہوگا۔

مدرسہ اور احسان

ایک مصیبت اور ہے کہ اوّل تو مدرسہ میں چندہ دینے میں ہچکچاہٹ بہت ہوتی ہے اور اگر چندہ دیتے ہیں تو چندہ دینے والے حضرات یہ سمجھتے ہیں کہ ہم نے مہتمم صاحب کی ذات پر احسان کردیا ہے مہتمم پر کیا احسان ہے؟ بلکہ مہتمم کا تمہارے اوپر احسان ہے کہ تمہارے چندہ کو اس نے صحیح مصرف پر لگادیا، اگر یہ مدرسہ نہ ہوتا تو اپنی زکوٰۃ وخیرات کے صحیح مصرف تلاش کرتے پھرتے۔

مدرسوں کا معاملہ آجکل اتنا مشکل ہوگیا ہے کہ واقعۃً جب کوئی اخلاص کے ساتھ مدرسہ قائم کرتا ہے تو اسے ہی پتہ چلتا ہے کہ مدرسہ چلانا کتنا مشکل کام ہے، بات لمبی ہورہی ہے۔ آپ حضرات تھک بھی گئے ہوں گے، لیکن میں سوچ رہا ہوں کہ جب اتنی دور سے آیا ہوں، اپنے دل کی کچھ باتیں، آپ سے کہوں تو سہی۔

حضرت مولانا محمد یوسف بنوری صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے پاس ایک عالم تشریف لائے وہ کراچی میں ایک مدرسہ قائم کرنا چاہتے تھے۔ کراچی میں پہلے سے بڑے بڑے مدرسے قائم ہوچکے تھے۔ اب یہ مزید ایک مدرسہ قائم کرنا چاہتے تھے انہوں نے عرض کیا کہ حضرت کچھ نصیحت کردیجئے۔ دعا فرمادیجئے حضرت مولانا بنوریؒ نے فرمایا دعا تو میں آپ کیلئے کروں گا اور نصیحت آپ کو کیا کروں، آپ خود عالم ہیں۔ لیکن ایک بات کہتا ہوں کہ یہ مدرسہ آخرت کے لئے قائم کرنا چاہتے ہوتو

دنیا کی اس سے بڑی کوئی مصیبت نہیں، اور اگر دنیا کے لئے قائم کرنا چاہتے ہوتو آخرت کی اس سے بڑی کوئی مصیبت نہیں، کتنے لوگوں کا چندہ ہوتا، اگر وہ ناجائز طریقہ سے خرچ کردیا تو آخرت میں اس کی جوابدہی کرنی پڑے گی، کس کس کا جواب دوگے؟

جو خلوص کے ساتھ مدرسہ چلانا چاہتا ہے، اس کو ایک مصیبت نہیں اٹھانی پڑتی بہت سی اٹھانی پڑتی ہیں، اوّل چندہ جمع کیا پھر کسی نہ کسی طریقے سے مدرسہ کی تعمیر ہوئی، ایک ایک پیسہ جوڑا، کام کیا، کہیں سے مدرس کو لایا، کہیں سے طالب علموں کو لایا، کہیں سے تعمیر کا انتظام کیا، تب جاکر مدرسہ چلا۔

تہمت تراشی

اور دوسرے لوگ جو کام کرنے کے عادی نہیں، بلکہ ان کی عادت یہ ہے کہ کام کرنیوالے کے راستہ میں رکاوٹیں کھڑی کرتے ہیں اور طرح طرح کی تہمتیں لگاتے ہیں کہ مہتمم صاحب کے بڑے مزے آرہے ہیں، اتنے لاکھ فلاں کھا گیا اور اتنے ہزار فلاں نے کھالئے۔ الٹے سیدھے بہتان لگاکر مخلص اللہ والوں کی حوصلہ شکنی کرتے ہیں۔

اردودانوں اور بستی والوں کی محرومی

کراچی میں بہت سے لوگ اپنے اپنے محلے کی مسجد کے لئے امام اور خطیب مانگتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اتنی تنخواہ دیں گے، مکان دیں گے، لیکن ایک شرط ہے کہ اس کی مادری زبان اردو ہو، کیونکہ سارا محلّہ اردو بولنے والوں کا ہے، اردو میں بات کرنیوالا ہوگا تو اس کا اثر زیادہ ہوگا۔ بات بلاشبہ درست ہے، لیکن میں ان سے کہتا

ہوں کہ تمہیں اردو زبان والا آدمی کیسے دیدوں اردو زبان بولنے والوں نے اپنے بچوں کو پڑھنے کے لئے مدرسہ میں بھیجا تھا؟ عالم دین بنایا تھا، تمہارے محلہ میں کسی نے اپنے بچہ کو مولوی بنوایا ہے؟

دارالعلوم میں تقریباً ڈیڑھ درجن ممالک کے طلبہ پڑھ رہے ہیں اور پاکستان کے بھی تمام علاقوں کے طلبہ زیر تعلیم ہیں، لیکن سب سے کم آٹے میں نمک کے برابر اردو بولنے والے ہیں تو میں تمہیں اردو بولنے والا امام وخطیب کیسے دیدوں، خدا کے لئے آپ سوچئے، کہ اگر آپ اپنے اندر علماء تیار نہیں کریں گے تو آپ کی ساری بستیاں ویران ہوجائیں گی، پڑھ پڑھ کر علماء اپنے اپنے علاقوں میں چلے جائیں گے، مدرسہ ہونے کے باوجود آپ کی بستی علماء سے محروم رہے گی اپنے بچوں کو اس طرف متوجہ کیجئے جو حضرات مدرسہ چلارہے ہیں ان کے ساتھ تعاون کیجئے، روپیہ پیسہ سے اگر تعاون کرسکتے ہیں اس سے کیجئے، عملی کوئی مدد کرسکتے ہیں وہ کیجئے، اور کچھ نہیں کرسکتے تو کم ازکم زبان ہی سے مدد کیجئے، ان کی ہمت بڑھایئے کہ اچھا کام کررہے ہو، اور اگر یہ بھی نہیں کرسکتے تو کم ازکم اتنا تو کیجئے کہ ان کی راہ میں رکاوٹ نہ ڈالئے۔

اگر انسان نہ بنے تو درندہ بھی نہ بنے

امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ انسان تو بہت بڑی چیز ہے، لیکن اگر کوئی جانور ہی بننا چاہے کہ کھانے پینے کے علاوہ کوئی مقصد نہ ہوتو جانوروں کی تین قسمیں ہیں کہ ایک قسم ان جانوروں کی ہے جن کا نفع ہی نفع ہے، جیسے بھیڑ، بکری، گائے، بھینس، ان کی ہر چیز سے دوسروں کو فائدہ پہنچتا ہے، بالوں سے، کھال سے، گوشت سے، ہڈیوں سے، اوجھڑی سے، گوبر سے، اس کی سب چیزوں سے دوسروں کو فائدہ پہنچتا

ہے۔

دوسری قسم ان جانوروں کی ہے جو نفع نہیں پہنچاتے تو نقصان بھی نہیں پہنچاتے۔

جنگلوں اور سمندروں میں بہت سے ایسے جانور ہیں جو نہ درندے ہیں کہ نقصان پہنچائیں اور نہ نفع پہنچاتے ہیں۔

تیسری قسم کے جانور وہ درندے ہیں جو دوسروں کو نقصان ہی پہنچاتے ہیں، نفع کچھ نہیں پہنچاتے، جس کو دیکھا پھاڑ کھایا۔

امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ اصل منصب تو یہ تھا کہ تم انسان بنتے، جو بہت اعلیٰ درجہ ہے علماء بنتے، اللہ والے بنتے، لیکن اگر تمہیں جانور ہی بننا ہے تو پہلی قسم کے جانور بن جاؤ، پہلی قسم کے نہیں بن سکتے تو کم از کم دوسری قسم کے تو بن جاؤ، لیکن تم تو تیسری قسم کے جانور بننا چاہتے ہو، درندہ بننا چاہتے ہو۔

مدرسے سے تعاون کی اپیل

خیر خلاصہ یہ ہے کہ یہ چھوٹا سا مدرسہ بہت سی امیدوں کیساتھ اللہ والوں نے قائم کیا ہوا ہے آپ حضرات سے درخواست ہے بلکہ یہ آپ کے فرائض میں داخل ہے کہ حیدرآباد میں ایک معیاری مدرسہ جو اس شہر کی دینی ضروریات کو پورا کر سکے ہونا چاہیے، اور یہاں کے لوگوں کو اس کے لئے کوشش کرنی چاہیے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو علم دین کی خدمت کی توفیق کامل عطا فرمائے۔ اور جو لوگ دین کی خدمت میں لگے ہوئے ہیں ان کے ساتھ تعاون کی توفیق عطا فرمائے۔

رحمت للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم

خاتم النبیین سیدنا احمد مصطفیٰ محمد مجتبےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

(۱) اللہ تعالیٰ نے میری طرف یہ وحی بھیجی ہے کہ آپس میں تواضع اختیار کرو کوئی کسی پر فخر نہ کرے اور نہ کوئی کسی پر ظلم کرے۔ (مسلم شریف)

(۲) سب لوگ حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد ہیں اور آدم علیہ السلام مٹی سے پیدا ہوئے۔ (ترمذی، ابوداؤد)

(۳) حضرت واثلہ بن الاسقع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یارسول اللہ عصبیت کیا ہے؟ آپ نے فرمایا یہ کہ تم اپنی قوم کی ظلم پر مدد کرو۔ (ابوداؤد)

(۴) حضرت فسیلہؒ فرماتی ہیں کہ میرے والد نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا یارسول اللہ کیا عصبیت میں یہ بات بھی داخل ہے کہ آدمی اپنی قوم سے محبت کرے۔ آپؐ نے فرمایا نہیں! لیکن یہ عصبیت ہے کہ آدمی ظلم کے معاملہ میں اپنی قوم کی مدد کرے۔ (مسند احمد۔ ابن ماجہ)

(۵) جو آدمی اپنی قوم کی ناحق مدد کرے۔ اس کی مثال ایسی ہے۔ جیسے اُونٹ کنوئیں میں گر جائے اور اس کی دم کھینچ کر نکالنے کی کوشش کی جائے۔ (ابوداؤد)

(۶) وہ شخص ہم میں سے نہیں ہے جو عصبیت کی طرف لوگوں کو بلائے، وہ شخص ہم میں سے نہیں ہے جو عصبیت پر لڑے اور وہ شخص بھی ہم میں سے نہیں ہے جس کی موت عصبیت پر آئے۔ (ابوداؤد)

وآخر دعوانا ان الحمدللہ رب العالمین

تغیّر پذیر حالات میں
اِجتماعی اجتہاد کی ضرورت

موضوع تغیر پذیر حالات میں اجتماعی اجتہاد کی ضرورت
مقرر حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی مدظلہ
مقام مدرسۃ البنات، جامعہ دارالعلوم کراچی
ضبط وترتیب مولانا اعجاز احمد صمدانی
باہتمام محمد ناظم اشرف

تغیر پذیر حالات میں
اجتماعی اجتہاد کی ضرورت

جدید فقہی مسائل پر اجتماعی غور و خوض کی ضرورت:

خطبہ مسنونہ کے بعد!

اس اجتماع کا جو سب سے بڑا فائدہ ہے وہ یہ ہے کہ یہاں قدیم اور جدید علوم کے ماہرین کو جمع کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اس زمانہ میں سیاسی، تمدنی، اقتصادی، طبی وغیرہ مسائل اتنے پھیل گئے اور اتنے گوناگوں ہوگئے ہیں کہ ان کے متعلق قرآن وسنت کی روشنی میں احکام شرعیہ کو مرتب اور مستنبط کرنا صرف اسی شخص کے بس کا کام ہوسکتا تھا، جو مجتہد مطلق کہلانے کا اہل ہوتا۔ لیکن مجتہد مطلق کا جو مقام ہے جو شرائط ہیں آپ حضرات جانتے ہیں ان کے پیش نظر آج دور دور تک کوئی ایسی شخصیت نظر نہیں آتی جو اجتہاد مطلق کا دعویٰ کرسکے، لیکن حالات سیاسی میدان میں، اقتصادی میدان میں، معاشرتی میدان میں اور مختلف شعبہ ہائے حیات میں اتنی تیزی سے بدل رہے ہیں، اور اتنے بڑے پیمانے پر ان میں تبدیلی رونما ہورہی ہے کہ نت نئے فقہی مسائل پیدا ہورہے ہیں جن میں امت کی رہنمائی کا فریضہ بہرحال علماء امت

ہی پر عائد ہوتا ہے۔

صورت حال یہ ہے کہ قرآن کو جو کچھ بیان کرنا تھا، وہ بیان کر چکا، سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی بعثت کے بعد تیئس سالہ زندگی میں قرآن کریم کی جو تشریح فرمانی تھی وہ فرما دی، اسلاف امت نے ان دونوں چیزوں کی حفاظت کی، نظم قرآن کی بھی اور معانی قرآن کی بھی۔

ہمارا دعویٰ اور عقیدہ ہے کہ اب کوئی نئی شریعت آنے والی نہیں ہے، کسی اور نبی کے آنے کا امکان نہیں ہے، اللہ نے اپنے دین کی تکمیل کر دی اور اللہ نے ہمیں ایسی امت بنایا جو آخری امت ہے اور قیامت تک تمام مسائل کا سامنا اسی امت کو کرنا ہے، ان حالات میں جب کہ تبدیلیاں تو معاشرہ میں اتنی تیزی سے آرہی ہیں اتنے بڑے پیمانے پر آرہی ہیں کہ ہمارا فقہی ذخیرہ جس میں بلاشبہ ان تمام چیزوں کا حل اصولی طور پر ضرور موجود ہے مگر جزوی طور پر اور جزئیات کی صورت میں وہ پوری طرح کفالت نہیں کر رہا ہے۔

علماء امت کی ذمہ داری:

زندگی رواں دواں ہے، زندگی کا یہ قافلہ کسی کا انتظار نہیں کرتا۔ یہ مسائل جو روز بروز پیدا ہو رہے ہیں ان کے بارے میں امت مسلمہ کی نظریں علماء امت ہی کی طرف اٹھ رہی ہیں، اقتصادی میدان میں آپ کیا کہتے ہیں؟ طبی مسائل جو پیدا ہو رہے ہیں، ان میں آپ کی رہنمائی کیا ہے؟ معاشرت اور سیاست کے میدان میں جو نت نئے نظریات، مسائل اور رسوم جڑیں پکڑ رہے ہیں ان میں اسلام کی ہدایت کیا ہے؟ اس سلسلہ میں نظریں علماء کرام ہی کی طرف اٹھ رہی ہیں، اور اس کا تقاضا ہے کہ ہم اپنی اس مسؤلیت کو پورا کرنے کے لئے وہ جدوجہد اختیار کریں جو ہمارے

اسلاف کا وطیرہ رہی ہے، کیونکہ ابھی امام محمد رحمتہ اللہ علیہ کا قول آپ سن چکے ہیں کہ ''اگر محمد بھی سوگیا تو یہ پوچھنے والے کس سے پوچھیں گے۔'' جو ذمہ داری اس وقت ائمہ مجتہدین پر اور ایک ایک امام پر آرہی تھی اب جب کوئی شخص ان کی جگہ لینے والا نہیں ہے تو ہمیں یہ تسلیم کرنا چاہئے کہ وہ ذمہ داری جو امام محمد رحمتہ اللہ علیہ کے کندھوں پر تھی آج بھی ہم میں سے کسی ایک کے کندھے پر تو نہیں، لیکن ہمارے مجموعہ کے اوپر یہ ذمہ داری موجود ہے جس کا تقاضا ہے کہ تحقیق مسائل کیلئے راتوں کو جاگا کریں ''مَن طَلَبَ العُلی سَہِرَ اللَّیَالی''۔

مجھے والد محترم کا بیان کردہ ایک واقعہ یاد آرہا ہے وہ شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ تعالیٰ سے روایت کرتے تھے، علامہ عثمانیؒ فرماتے ہیں کہ علامہ انور شاہ کشمیریؒ جب مرض الموت میں تھے، ہر وقت یہ خطرہ تھا کہ کسی وقت بھی وفات کی خبر آجائے گی۔ ایک رات تہجد کے وقت دیوبند میں یہ خبر مشہور ہوگئی کہ علامہ کشمیریؒ کی وفات ہوگئی ہے۔

علامہ شبیر احمد عثمانیؒ فرماتے ہیں کہ میں اس وقت بیتاب ہوکر جلد محلّہ خانقاہ کی طرف حضرت کو دیکھنے کیلئے چلا، حضرتؒ کے کمرہ پر پہنچا تو دیکھا کہ لالٹین جل رہی ہے۔ اس زمانہ میں بجلی نہیں تھی۔ اجازت لیکر حاضر ہوا تو دیکھا کہ حضرت شاہ صاحب دو زانو بیٹھے ہیں، کتاب ''شامی'' ہاتھ میں لئے لالٹین پر جھکے ہوئے ''شامی'' کے مطالعہ میں غرق ہیں، بہت سخت علالت اور ضعف کا زمانہ تھا، حضرت علامہ شبیر احمدؒ فرماتے ہیں کہ میں نے بطور شکایت عرض کیا کہ:۔

> ''حضرت ایک بات میری سمجھ میں نہیں آتی وہ یہ کہ شامی میں کونسا ایسا مسئلہ ہے جس کو آپ نے پہلے نہ دیکھا ہو، اور جو آپ کا دیکھا ہوا ہوتا ہے، وہ آپ کو یاد بھی ہوتا ہے او اگر کوئی مسئلہ

ایسا تھا کہ جو آپ نے دیکھا نہیں تھا اور آپ کو یاد بھی نہیں تھا...... تو ہم آپ کے غلام کہاں مرگئے تھے، ہم میں سے کسی کو حکم دیتے وہ مسئلہ نکال کر آپ کی خدمت میں پیش کر دیتا، اس تکلیف میں آپ اتنی مشقت اٹھا رہے ہیں۔''

علامہ عثمانی ؒ فرماتے ہیں کہ حضرت شاہ صاحب ؒ مجھے دیکھنے لگے اور فرمایا کہ'' بھئی! یہ بھی ایک بیماری ہے'' تو حضرت! اگر تحقیق وجستجو اور مطالعہ کی عادت ایک بیماری ہے تو اللہ تعالیٰ سے میری دعا ہے کہ یہ بیماری ہم سب کو لگادے، سچی بات یہ ہے کہ ہماری یہ بیماری چھوٹ گئی اور ہم صحت یاب ہوگئے یہ سارا زوال اسی کی نحوست سے ہے، یہ بیماری ہمارے بزرگوں کوتھی راتوں کو جاگ کر انہوں نے امت مسلمہ کی رہنمائی کی ہے، دوستوں اور بزرگو! بہت بھاری ذمہ داری ہم پر ہے۔

جزوی مسائل میں جزوی اجتہاد:

اب وقت نہیں رہا کہ صدیوں سال پہلے ہمارے اسلاف نے بہت عرق ریزی کے ساتھ جو کتابیں اور فتاویٰ مرتب کئے تھے محض ان کو دیکھ کر اور گردوپیش سے آنکھ بند کر کے فتویٰ دیتے چلے جائیں...... کیونکہ آپ جانتے ہیں کہ بہت سے مسائل عرف، مقام اور حالات زمانہ پر مبنی ہوتے ہیں...... والد صاحب ؒ بکثرت فرمایا کرتے تھے کہ فقہاء کرام کا مشہور قاعدہ ہے:

''مَن لَّم یَعرف اَھلَ زَمَانِہ فَھُوَ جَاھِل'' حالات زمانہ پر جب تک نظر نہ ہو امت کی رہنمائی نہیں کی جاسکتی، فتویٰ اور تفقہ کا دعویٰ نہیں کیا جاسکتا۔ ان حالات میں ہماری ذمہ داریاں بہت بڑھ گئی ہیں۔ قویٰ میں انحطاط ہے۔ حالات میں ناسازگاری ہے۔ ہر شخص اپنے اپنے حالات میں گرفتار ہے، علمی صلاحیتیں بھی دن بدن کم ہوتی

جارہی ہیں۔ دوسری طرف مسائل بڑھتے جارہے ہیں اور نئے نئے علوم سامنے آرہے ہیں، ان حالات میں اس کے بغیر چارہ کار نہیں ہے کہ جزوی مسائل میں جزوی اجتہاد کے راستے کو رواں دواں رکھا جائے۔ جزوی مسائل میں اجتہاد فی المسائل میں ہمارے تمام فقہاء اور اکابر الحمدللہ بڑے بڑے کارنامے چھوڑ گئے ہیں۔ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ کی ''امداد الفتاویٰ'' ایک ایسی چیز ہے جو ان کے اجتہادی کارناموں کا واضح ثبوت ہے اور ساتھ ہی حسین یادگار بھی ہے۔

کیا اجتہاد کا دروازہ بند ہے؟:

یہ تصور ہمارے بہت سے حلقوں میں اب بھی موجود ہے کہ اجتہاد کا دروازہ بند ہوگیا ہے۔ والد ماجدؒ فرمایا کرتے تھے کہ اجتہاد کا دروازہ بند نہیں ہوا، آج بھی بند نہیں ہے اور آئندہ بھی بند نہیں ہوگا، ہاں اس دروازے میں داخل ہونے کے لئے کچھ شرائط ہیں۔ اس زمانہ میں وہ شرائط افراد میں موجود نہیں رہے، اسی واسطے سمجھا جارہا ہے کہ اجتہاد کا دروازہ بند ہوگیا، بھلا قرآن وسنت کا کبھی دروازہ بند ہوگا؟ ہمارے اکابر نئے مسائل میں مسلسل اجتہاد کرتے رہے ہیں۔ ''امداد الفتاویٰ'' کو اٹھا کر آپ دیکھیں خاص طور سے کتاب البیوع اور معاملات کے جو مسائل ہیں۔ ان کے اندر اجتہاد فی المسائل آپ کو جگہ جگہ ملے گا، ان میں صرف یہی کام نہیں کیا گیا کہ یہ بتادیا جائے کہ یہ جائز ہے یا ناجائز ہے، میں نے اپنے والد ماجد رحمہ اللہ تعالیٰ سے بار بار سنا وہ ہمیں تلقین فرمایا کرتے تھے کہ'' معاملات بیوع وشراء سے متعلق، لین دین سے متعلق جب مسائل آئیں تو مفتی کے لئے یہ کہہ دینا کافی نہیں ہے کہ یہ معاملہ ناجائز ہے، بلکہ وہ یہ بھی بتلائے کہ جائز راستہ کیا ہے؟ یہ بتانا بھی مفتی کی ذمہ داری ہے ورنہ خطرہ ہے کہ بہت سے لوگ دین سے مایوس ہوکر اس طرح مرتد

ہوجائیں گے کہ ان کو بھی خبر نہیں ہوگی کہ وہ مرتد ہوگئے ہیں۔“

جدید مسائل کے حل میں فقہاء امت اور علوم جدیدہ کے ماہرین میں تعاون کی ضرورت:

ان حالات میں کسی ایک فرد کے بس کا کام یہ نہیں رہا کہ وہ اجتہاد فی المسائل کسی خاص میدان میں تنہا کرسکے، مثلاً معاملات ہی کے باب میں اجتہاد فی المسائل تنہا کوئی شخص کرسکے، اور سارے مسائل کو حل کردے، اس کی وجہ یہ ہے کہ حالات زمانہ نے اور پچھلے دو سو سال کے سیاسی حالات نے جدید وقدیم علوم کے درمیان ایسی خلیج حائل کردی کہ جن مسائل کا ہمیں حکم معلوم کرنا ہے ان مسائل کی صحیح صورت حال ہمیں نہیں معلوم اور جن حضرات کے سامنے صورت مسئلہ ہے انہیں جواب معلوم کرنے کا راستہ نہیں معلوم۔

میں مبارکباد پیش کرتا ہوں اسلامک فقہ اکیڈمی کے کارکنان حضرات کو خاص طور سے جناب مولانا مجاہد الاسلام قاسمی صاحب کو کہ انہوں نے اس مشکل مسئلہ کو حل کرنے کے لئے اسلامی فقہ اکیڈمی قائم کی، جس کے اندر انہوں نے قدیم وجدید دونوں کو ملادیا اور اس خلیج کو پاٹنے کی کوشش کی ہے جو برسوں سے ہمارے درمیان حائل چلی آرہی ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ ان مسائل میں جتنی احتیاج علماء اور فقہاء او رمفتی صاحبان کی ہے کم وبیش اس کے قریب قریب ہی احتیاج ہمیں ان جدید علوم کے ماہرین کی ہے جن علوم کے بارے میں ہم شرعی احکام کی تحقیق کرنا چاہتے ہیں۔ وجہ یہ ہے کہ جدید علوم کے ماہرین سے ہمیں صورت حال معلوم ہوگی یعنی صورت مسئلہ یہ بتائیں گے اور جواب آپ دیں گے۔ اور صورت مسئلہ معین کرنا بھی آسان

کام نہیں ہوتا کیونکہ مشہور مقولہ ہے کہ ”السوال نصف العلم“ تو نصف العلم جدید علم کے ماہرین سے حاصل ہوگا اور باقی نصف العلم فقہاء کرام سے، مجھے امید ہے کہ یہ اکیڈمی اس سلسلہ میں موثر کردار ادا کرے گی، اور اجتماعی اجتہاد کا میدان ہموار کرے گی۔

اجتماعی اجتہاد و قیاس کی نظیریں:

یہ اجتماعی اجتہاد و قیاس اس امت میں نئی چیز نہیں ہے غور کیا جائے تو پورے تسلسل کے ساتھ اس کی نظیریں ہمیں پچھلے چودہ سو سال کے اندر ملتی ہیں اور خود عہد رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کے اندر ملتی ہیں، اساریٰ بدر (بدر کے قیدیوں) کے واقعہ میں سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین سے مشورہ کیا کہ ان کے ساتھ کیا یہ معاملہ کیا جائے؟ حضرات علماء کرام کو معلوم ہے کہ مشورہ کے بعد فیصلہ ہوا، اس میں خطا ہوئی اور اس پر عتاب بھی ہوا، یہ اجتماعی اجتہاد تھا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی ایسی ایک مجلس بنائی تھی، ایسی مثالیں کثرت سے ملتی ہیں کہ جو بھی نئے مسائل امت کو پیش آتے، خلفائے راشدین صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو جمع کر کے ان سے دریافت کرتے کہ آپ نے کوئی حدیث اس سلسلہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہو تو بتائیں، اگر حدیث مل جاتی تو فیصلہ ہو جاتا ورنہ اجتہاد وقیاس سے فیصلہ کیا جاتا تھا۔ امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنے شاگردوں کے ساتھ بحث و مذاکرہ کا سلسلہ قائم فرمایا اور تقریباً چالیس عظیم المرتبت تلامذہ کے ساتھ اجتماعی اجتہاد و قیاس کا سلسلہ جاری رکھا۔ عالمگیر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فتاویٰ عالمگیریہ مرتب کرنے کیلئے علماء کو جمع کیا، اس زمانہ میں حالات بدلے ہوئے تھے، نئے مسائل پیدا ہوتے تھے، انہیں حل کرنے کی ضرورت تھی اس لئے فتاویٰ عالمگیر یہ مرتب ہوا۔ اس زمانہ کے فقہاء کی جلیل القدر جماعت مقرر کی گئی ”مجلۃ الا حکام

العدلیہ'' خلافت عثمانیہ ترکی میں مرتب ہوا، یہ بھی علماء کرام ہی کی ایک عظیم جماعت نے مرتب کیا۔ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی علیہ الرحمہ نے ستم رسیدہ عورتوں کی مشکلات کا فقہی حل تلاش کرنے کے لئے متعدد حضرات کو'' الحیلۃ الناجزۃ'' کی ترتیب کے لئے مقرر فرمایا، میرے والد ماجدؒ اور مولانا مفتی عبدالکریم گمتھلویؒ اس میں شامل تھے اس میں کئی مسائل میں فقہ مالکی پر فتویٰ دیا گیا ہے، لیکن اس فتویٰ کو شائع نہیں کیا جب تک کہ ہندوستان کے تمام ارباب افتاء سے مراجعت نہیں ہوگئی، اور اصحاب افتاء کی آراء اور تنقیدیں حاصل نہیں ہوگئیں۔ حرمین شریفین کے فقہاء سے خط وکتابت ہوئی، ان تمام مراحل کے بعد اس کو کتابی شکل میں شائع کرایا۔

اجتماعی مسائل میں انفرادی فتاویٰ سے احتراز:

میرے والد محترمؒ فرماتے تھے، ایسے اجتماعی مسائل جو پوری امت کو درپیش ہیں یا ملک کے تمام مسلمانوں کو درپیش ہیں ان میں انفرادی فتاویٰ نہ دیئے جائیں ان میں باہمی مشورہ نہایت ضروری ہے۔ اور تمام بزرگوں کا یہی طریقہ رہا ہے۔ چنانچہ پاکستان میں بھی حضرت والد ماجدؒ اور حضرت مولانا محمد یوسف بنوریؒ نے ایک مجلس قائم کر رکھی تھی جو آج بھی'' مجلس تحقیق مسائل حاضرہ'' کے نام سے موجود ہے۔ اس مجلس کی طرف سے کئی رسائل شائع ہوئے، ایک ایک مسئلہ پر بعض اوقات دو دو سال تک تحقیق ہوتی رہی۔

اپنے خیالات پر تنقید سننے میں وسیع الظرفی:

میں عرض کروں گا کہ اپنے بزرگوں نے ہمیں یہ طریقہ بھی بتلایا ہے کہ

مسائل کی تحقیق اور اپنے خیالات پر تنقید سننے کے معاملہ میں کتنا وسیع الظرف ہونا چاہئے ، میں اور میرے بھائی مولانا محمد تقی عثمانی اس زمانہ میں جب یہ مجلس اعضاء انسانی کی پیوند کاری کے مسئلہ پر، اور پراویڈنٹ فنڈ (P.F.)اور دوسرے مسائل پر تحقیق کررہی تھی، درجہ تخصص فی الافتاء میں زیر تربیت تھے۔آپ جانتے ہیں وہ آدمی جو ابھی درس نظامی سے فارغ ہوا ہواور درجہ تخصص فی الافتاء میں تربیت حاصل کررہا ہو اس جیسی مجلس میں وہ کیا مشورے دے سکتا ہے، کیا مدد پہنچا سکتا ہے، لیکن ہم دونوں بھائیوں کو اور تخصص فی الافتاء کے دیگر طلبہ کو اس مجلس میں والد صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ علماء کے ساتھ حکماً بٹھاتے اور ہم سب کو بحث وتحقیق میں شریک کرتے تھے، اس میں انہوں نے ہمیں اتنا جری بنادیا تھا کہ جہاں مفتی اعظم پاکستان مولانا محمد یوسف بنوری جیسے جلیل القدر علماء گفتگو کررہے ہوں، مسائل پر اجتہادی بحث کررہے ہیں وہاں ہم لوگ صبح سے شام تک نہ جانے کتنی باران کی بات پر اعتراض کرتے، اور ان سے سوالات کرتے تھے۔ ان دونوں حضرات کو میں نے دیکھا کہ ہماری طالب علمانہ آراء کو وہ ایسے ہمہ تن گوش ہوکر سنتے تھے جیسے کسی پیاسے کے سامنے پانی آ گیا ہو، ظاہر ہے کہ اس کی یہ وجہ نہیں کہ ہمارے پاس دلائل وزنی تھے، بلکہ وہ ہماری تربیت کررہے تھے، ہمیں یہ بتلارہے تھے کہ فقہی مسائل میں جہاں یہ ضروری ہے کہ ہم پورا پورا وقت دیں اور صلاحیتیں صرف کریں یہ بھی اتنا ہی ضروری ہے کہ دوسروں کے نکتہء نظر کو پوری توجہ اور حق پسندی کے ساتھ سنیں، اس کے بغیر کسی صحیح نتیجہ تک پہنچنا ممکن نہیں ہے اس لئے مجھے امید ہے کہ ہم انشاء اللہ اسی جذبہ کے ساتھ اس سیمینار کے تمام مباحث میں حصہ لیں گے۔ ہرایک کی بات اسی توجہ کے ساتھ سنیں گے جیسے کوئی طالب علم اپنے استاد کی بات سنتا ہے، اس سے لوگ بہت سارے نتائج تک پہنچ سکیں گے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے انشاء اللہ مدد ہوگی۔

ہمارے بزرگوں کا ایک خاص امتیاز:

ہمارے بزرگوں کا ایک طغریٰ امتیاز ہے بلکہ پوری امت کے علماء اہل سنت والجماعت فقہاء کا یہ طغری امتیاز رہا ہے کہ انہوں نے اپنی بات کی پچ نہیں کی، یہ حضرات علمی غرور انا اور بات کی پچ سے بہت دور تھے۔ ہمارے فقہاء کرام اور اپنے تمام بزرگ، اور جن بزرگوں کو ہم نے دیکھا اور جن کی جوتیاں سیدھی کیں ان کو بھی ہم نے اسی اعلیٰ ظرفی کا حامل پایا کہ ایک ادنیٰ طالب علم ان کی کسی بات پر کوئی اعتراض کردے تو نہ صرف یہ کہ اس کو توجہ کے ساتھ سنتے تھے، بلکہ اگر سمجھے میں آجائے تو فوراً قبول فرمالیتے تھے اور اپنی بات سے رجوع بھی کرلیتے تھے۔

چنانچہ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی صاحب علیہ الرحمہ نے ''امداد الفتاویٰ'' میں حوادث الفتاویٰ کے ساتھ ساتھ ترجیح الراجح کا بھی ایک سلسلہ شروع کررکھا تھا، چنانچہ اگر کسی عالم نے کسی مسئلہ میں ان کی کسی غلطی کی طرف توجہ دلائی اور حضرت کی رائے تبدیل ہوگئی تو صرف یہی نہیں کہ ان کو خط لکھ دیا کہ میں نے رجوع کرلیا ہے، بلکہ اس کو'' ترجیح الراجح'' میں شائع کیا جاتا تھا کہ میں نے پہلے اس مسئلہ کا جواب یہ لکھ دیا تھا، فلاں صاحب کے توجہ دلانے یا بعض حضرات کے توجہ دلانے سے اب میری رائے یوں ہوگئی ہے اور میں پچھلے قول سے رجوع کرتا ہوں، اب میرا فتویٰ یہ ہے۔.......... اس میں کبھی ان حضرات نے نہ کوئی شرم محسوس کی اور نہ ہی کسی دوسرے نے ان کے درجہ میں کمی محسوس کی، بلکہ ان کے اس اعتراف نے ان کی عظمت میں اضافہ کیا ہے۔ ہمارے والد ماجدؒ کے فتاویٰ کا مجموعہ امداد المفتیین کے نام سے شائع ہوا(جو دراصل اس کا تھوڑا سا حصہ ہے اگر مکمل شائع ہوجائے تو بیس پچیس جلدیں ہوں گی) اس میں بھی حضرت نے ایک مستقل باب قائم کیا تھا۔''

اختیار الصواب لمختلف الابواب'' اگر کسی مسئلہ میں ان کی رائے تبدیل ہوجاتی تو رجوع فرما کر اس باب میں شائع فرما دیتے تھے۔ اس بات کو میں اس لئے بیان کر رہا ہوں کہ اس زمانہ میں ہمارے بزرگوں کی یہ سنت مردہ ہوتی جارہی ہے۔ کسی ایک مفتی کے قلم سے کوئی جملہ لکھا گیا تو اب یہ بہت کم رہ گیا ہے کہ توجہ دلانے اور خطا ظاہر ہونے پر رجوع کرلیں۔ اب بھی الحمدللہ ایسے حضرات علماء حق موجود ہیں جن کے سامنے اگر دلائل ان کے معارض آجائیں تو رجوع بھی کرنے میں ان کو تامل نہ ہوگا، لیکن اب ایسے حضرات بہت شاذ و نادر ہیں، ورنہ ہر ایک اس کوشش میں رہتا ہے کہ میرے قلم سے جو بات نکلی ہے، اس کو منوایا جائے۔

اعضاء انسانی کی پیوند کاری:

ہم نے اپنے بزرگوں کو الحمدللہ دیکھا ہے اور ان سے سیکھا ہے، اعضاء انسانی کی پیوند کاری کے مسئلہ میں مجلس تحقیق مسائل حاضرہ میں تقریباً دو سال تک بحث ہوتی رہی ہے، بے شمار سوالات آئے ہوئے تھے، ان سب کو روکا گیا تھا اور پوچھنے والوں کو لکھ دیا گیا تھا کہ اس مسئلہ پر تحقیق ہورہی ہے، وقت لگے گا، جب تحقیق ہوجائے گی تو آپ کو جواب دیا جائے گا۔ سوال یہ تھا کہ ایک انسان کا خون دوسرے انسان کے جسم میں منتقل کرنا جائز ہے یا نہیں؟ نیز ایک انسان کا عضو تناسل کاٹ کر دوسرے انسان کو لگانا اگر ممکن ہوجائے تو اس کا کیا اثر پڑے گا، ثبوت نسب سمیت حلال وحرام کے بہت سارے مسائل پیدا ہوں گے، اس بناء پر سوالات کی تحقیق شروع ہوئی اور جواب لکھا گیا، اس جواب کا حاصل یہ تھا کہ انسانی اعضاء سے پیوند کاری تو جائز نہیں، البتہ ایک انسان کا خون دوسرے انسان کے بدن میں داخل کرنا حالت ضرورت میں جائز ہے، فروخت کرنا جائز نہیں، کوئی شخص اگر پیسوں کے بغیر

نہیں دیتا تو قیمت دینے والا اگر مجبور ہے تو گنہگار نہیں ہوگا، قیمت لینے والا گنہگار ہوگا، یہ حاصل تھا اس جواب کا .... حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی وفات کے بعد اعضاء انسانی کے متعلق عالم اسلام کے دیگر دار الافتاؤں سے کچھ فتاویٰ جاری ہوئے جو ہماری نظروں سے گذرے اور بھی کچھ حضرات علماء کرام نے اس سلسلے میں جو کام کیا تھا اس میں کچھ نئے دلائل ایسے مسائل آئے جن سے اس بات کی ضرورت بڑی شدت سے محسوس ہورہی ہے کہ اس مسئلہ پر ازسرنو غور کیا جائے بہت ممکن ہے کہ جو فتویٰ عدم جواز کا دیا گیا تھا اور پاکستان میں شائع ہوا تھا ان دلائل پر غور ومشورے کے بعد اس فتویٰ سے رجوع کیا جائے۔ اس فتویٰ پر دستخط کرنے والے جو حضرات موجود ہیں وہ رجوع کرلیں گے اور جو حضرات اللہ کو پیارے ہوچکے ہیں ہمیں امید ہے کہ ان کی روحوں کو اس سے تسکین ہوگی۔

معروضات کا خلاصہ:

میری معروضات کا خلاصہ دو باتیں ہیں ایک تو یہ کہ اپنی بات کی پچ اور اپنی بات کو ہر قیمت پر منوانے کی کوشش، یہ ہر تحقیق کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے اس سے بہرحال بچنا چاہئے اور دوسرے یہ کہ اجتماعی مسائل میں باہمی مشورہ کے بغیر انفرادی فتاویٰ جاری کرنے سے حتی الامکان گریز کرنا چاہئے اجتماعی اجتہاد وقیاس کا جو کام اسلامی فقہ اکیڈمی نے اپنے سر لیا ہے، وہ عظیم کام ہے، مشکل ہے، کٹھن ہے، لیکن وقت کی سب سے بڑی پکار ہے۔

جدید فقہی مسائل کے بارے میں علماء پاکستان کی کوششیں:

پاکستان میں بھی الحمدللہ اس سلسلہ میں خاصی پیش رفت اور خاصا کام ہوا

ہے، چونکہ مجھ سے خاص طور پر فرمائش کی گئی ہے کہ اس سلسلہ میں بھی کچھ عرض کروں، اس لئے چند منٹ اس موضوع پر بھی لوں گا۔ نجی طور پر تو وہاں بھی اسی طرح کام چل رہا تھا جیسا کہ یہاں ہندوستان میں بھی الحمدللہ جگہ جگہ ہو رہا ہے، پاکستان میں بھی بعض علماء کرام نے مجالس قائم کی ہیں جیسے "مجلس تحقیق مسائل حاضرہ" لیکن بڑے پیمانے پر کام کی ضرورت تھی جس میں تمام مکاتب فکر کے علماء، علماء دیوبند، علماء بریلی، اہل حدیث، سب حضرات جمع ہوں اور ان مسائل کا حل تلاش کریں، اس سلسلہ میں سرکاری سطح پر افسوس ہے کہ ۱۹۷۷ء سے پہلے کوئی قابل ذکر پیش رفت نہیں ہوئی۔ ۱۹۷۷ء میں پاکستان مین ایسے حالات پیش آئے کہ جنرل محمد ضیاء الحق صاحب مرحوم کو زمامِ اقتدار سنبھالنی پڑی، جب وہ آئے تو ہم سب لرزہ براندام تھے کہ ایک فوجی جنرل آ گیا ہے، پتہ نہیں کس مزاج ومذاق کا انسان ہوگا، کس راستہ پر چلے گا، لیکن جب اس کو قریب سے دیکھا تو معلوم ہوا کہ الحمدللہ یہ علماء کرام اور بزرگوں کا عقیدت مند ہے، حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے انہیں خاص عقیدت تھی۔ ان کے بہنوئی حضرت تھانوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے بیعت تھے۔ انہوں نے الحمدللہ کئی بڑے کام کئے جن میں سے صرف بعض کا تذکرہ مختصر وقت میں کرسکوں گا۔

اسلامی نظریاتی کونسل کی خدمات:

ایک "اسلامی نظریاتی کونسل" جو دستور کی رو سے پہلے سے ضروری تھے اور پہلے سے موجود تھی، لیکن اس میں علماء کو نہیں رکھا گیا تھا، اس میں انہوں نے یہ کیا کہ اچھے اچھے ماہر علماء کو اسلامی نظریاتی کونسل میں شامل کیا۔ حضرت مولانا محمد یوسف بنوری حضرت مولانا شمس الحق افغانی، مولانا محمد تقی عثمانی صاحب اور بڑے بڑے علماء

کرام کو اس میں شامل کیا اور ان سے کہہ دیا کہ اس کام میں جن وسائل کی ضرورت ہوگی وہ سب آپ کو فراہم کئے جائیں گے پس جو کام آپ حضرات اسلامی فقہ اکیڈمی سے کر رہے ہیں الحمدللہ وہ اسلامی نظریاتی کونسل نے کئی سال بڑی تیز رفتاری کے ساتھ کیا، اور جو مسائل درپیش تھے ان کو حل کیا لیکن ان کا کام زیادہ تر قانون سازی سے متعلق تھا کہ ان میں کیا کیا تبدیلیاں لائی جائیں، اگرچہ وہ بھی بہت بڑا کام تھا، کونسل کے ذمہ داروں سے جنرل ضیاء الحق صاحب نے کہا کہ آپ لوگ بینکنگ کو بلکہ پورے مالیاتی نظام کو سود سے پاک کرنے کے لئے تجاویز دیں۔ اسلامی نظریاتی کونسل نے ایک پینل مقرر کیا، جس میں متبحر علماء بھی تھے بینکنگ کے ماہرین بھی اور جدید اقتصادیات کے ماہرین بھی۔ پینل نے شب وروز محنت کرکے اسلامی بینک کاری اور بلاسود بینک کاری پر ایک مفصل اور جامع رپورٹ تیار کی، یہ تو آپ حضرات کو معلوم ہوگا الحمدللہ پورے عالم اسلام میں بلکہ صرف مسلم ممالک ہی میں نہیں دیگر ممالک میں بھی جہاں مسلمان آباد ہیں، اب یہ جذبہ قوت سے پیدا ہورہا ہے کہ سودی نظام جس کو اللہ رب العالمین نے اعلان جنگ قرار دیا ہے اس سے جس طرح بھی ممکن ہو جان چھڑائی جائے ،مختلف ملکوں میں اسلامی بینک کاری اور بلاسود بینک کاری پر کام ہوئے اور ہورہے ہیں، لیکن مجھے یہ بتاتے ہوئے مسرت ہورہی ہے کہ پاکستان کی اسلامی نظریاتی کونسل نے جو رپورٹ تیار کی ہے وہ اسلامی اور بلاسود بینک کاری کے بارے میں اس وقت تک جتنی رپورٹیں عالم اسلام میں تیار ہوئی تھیں۔ ان میں سب سے زیادہ جامع اور بہتر رپورٹ ہے، صدر صاحب مرحوم نے وزرات خزانہ کو حکم دیا کہ اس رپورٹ کے مطابق عمل درآمد کیا جائے، اور ہمارا پورا مالیاتی نظام سود سے پاک کیا جائے، لیکن یہ ہمارے شامت اعمال ہے کہ وزارتوں، مالیات کے محکموں، اور ان جیسے اداروں کے حضرات سودی نظام کے اتنے عادی ہوچکے ہیں کہ

ان کو ادنیٰ قسم کی بھی کوئی کراہت اس میں نظر نہیں آتی بلکہ وہ اس درجہ عادی ہو چکے ہیں کہ اس کو چھوڑنے کو ان کا دل، اگر کوئی معقول عذر نہ ہو تب بھی نہیں چاہتا، الا ماشاء اللہ وہ رپورٹ وزارت خزانہ میں گئی، وہاں سے اسٹیٹ بینک کے پاس پہنچی تو اسٹیٹ بینک نے بینکنگ اور سرمایہ کاری کے بارہ طریقے وہی مقرر کئے جو اسلامی نظریاتی کونسل نے تجویز کئے تھے لیکن ان سب بارہ کے بارہ طریقوں کو ایسا تحریف زدہ کیا کہ نام تو ہوا بلا سود بینکاری کا، مگر سود اور ناجائز معاملات جوں کے توں برقرار رہے۔ اس کی شکایت علماء کرام نے کی، ہم نے بار بار ضیاء الحق صاحب سے عرض کیا کہ آپ یہ کام نہ کریں کہ غیر سودی بینکاری کے نام سے سودی بینکاری کی جائے اس صورت میں لوگ حلال سمجھ کر حرام کھائیں گے، توبہ اور استغفار کی توفیق سے بھی محروم رہیں گے، اس کی اصلاح کی جائے، انہوں نے وعدہ کیا کہ میں اسلامی نظریاتی کونسل کے علماء کو اور وزارت خزانہ کے لوگوں کو پھر جوڑ کر بٹھاوں گا، لیکن شاید موقع میسر نہ آسکا یہاں تک کہ مسلم لیگ کی حکومت قائم ہوگئی اور وہ انتظام حکومت سے الگ ہوگئے۔ صدر ضیاء الحق بحیثیت صدر برقرار رہے لیکن انتظام حکومت جمہوری حکومت کے پاس آ گیا۔ پھر ۲۹ مئی ۱۹۸۸ء کو پچھلے سال جب انہوں نے اسمبلی اور مسلم لیگی حکومت کو برطرف کردیا تو انہوں نے نفاذ شریعت آرڈیننس نافذ کیا اور اس کے تحت انہوں نے جہاں ہائی کورٹوں کو موجودہ غیر اسلامی قوانین کو کالعدم قرار دینے کے اختیارات دیئے اسی کے ساتھ انہوں نے دو کمیشن قائم کئے ایک اسلامی اقتصادی کمیشن، ایک اسلامی تعلیمی کمیشن۔

اسلامی اقتصادی کمیشن پاکستان کی خدمات:

اسلامی اقتصادی کمیشن کو انہوں نے اسلامی نظریاتی کونسل سے زیادہ طاقت

ور بنایا تھا، اس معنی کے لحاظ سے کہ اسلامی نظریاتی کونسل کے ذمہ تو صرف اتنا کام تھا کہ وہ سفارشات پیش کر سکے، اس کمیشن کو یہ اختیار بھی دیا کہ مالیاتی ادارے جن میں اسٹیٹ بینک اور پاکستان کے تمام بینک شامل تھے۔ ان تمام اداروں کی اس طرح نگرانی بھی کرے کہ عدم تعمیل کے واقعات حکومت کے علم میں لائے۔ یہ اقتصادی کمیشن صرف پانچ ارکان پر مشتمل تھا، جن میں مجھ ناکارہ کا نام بھی شامل تھا اور خاص طور سے اسٹیٹ بینک کے گورنر کو بھی اس کا رکن مقرر کیا گیا تاکہ کمیشن کی رپورٹ پر عمل درآمد آسان ہو۔ میں نے ان سے عرض بھی کیا کہ آپ نے مجھے اس کا رکن بنا تو دیا ہے مگر مجھے انگریزی نہیں آتی، متعلقہ سارا لٹریچر انگریزی میں ہے، میں نے بعض دیگر علماء کے نام پیش کئے اور صدر صاحب سے کہا کہ یہ حضرات انگریزی بھی جانتے ہیں اقتصادیات پر بھی ان کی نظر ہے ان میں سے کسی کو لے لیں، انہوں نے ناموں کا وہ پرچہ لیکر مجھ سے کہا کہ آپ تو رہیں، مزید کسی کی ضرورت ہوگی تو کمیشن میں ان کو بھی شامل کرلیا جائے گا۔ ہم آپ کو تکلیف نہیں ہونے دیں گے، ہم آپ کو ایسا اسسٹنٹ دیں گے جو آپ کی ہدایت کے مطابق ہر چیز جمع کرکے اور ترجمہ کرکے آپ کو پیش کیا کرے گا۔

یہ واقعہ صدر ضیاء الحق صاحب کے شہید ہونے سے تقریباً دس دن پہلے کا ہے، یہ ان سے ہماری آخری ملاقات تھی۔ اس روز انہوں نے کمیشن کا پہلا اجلاس اپنی معیت میں بلایا تھا۔ اس میں انہوں نے دل کھول کر رکھ دیا، انہوں نے کہا میں ہر قیمت پر مالی نظام کو سود سے پاک کرنا چاہتا ہوں اور یہ ذمہ داری آپ کے سپرد کررہا ہوں کہ آپ سفارشات پیش کریں گے اور میں اس کا نفاذ کروں گا میں ہر مہینے میں کم ازکم ایک بار آپ حضرات کے ساتھ پورے پورے دن بیٹھوں گا۔ پھر کہنے لگے وقت کافی نہیں ہے نومبر میں انتخابات ہونے ہیں، پھر جب مجلس برخواست ہوگئ

تو مجھ سے پوچھا آپ اسلام آباد میں ایک دو روز ٹھہریں گے؟ میں نے کہا کہ مجھے تو یہاں (ایوان صدر) سے سیدھا ایئرپورٹ جانا ہوگا، لیکن اگر ضرورت ہوتو میں رک جاؤں گا۔ اتنے میں کمیشن کے دیگرارکین بھی آ گئے۔ ہم سب سے پھر کہنے لگے کل تو فوج کے ساتھ مشغول ہوں، پرسوں ملاقات ہوسکے گی۔ میں چاہتا ہوں کہ آپ کے ساتھ بیٹھوں اور اس مسئلہ پر تفصیل سے گفتگو ہو۔ تاکہ ہم سب اس مسئلہ کو جلد آگے بڑھاسکیں۔ پھر کہنے لگے "لیکن اس طرح آپ حضرات کا کل کا دن بیکار جائے گا۔ اچھا آپ حضرات کو چند روز میں پھر زحمت دوں گا۔" پھر ۱۷ اگست کو اللہ تعالیٰ نے ان کو تو شہادت کے مرتبہ پر سرفراز فرمادیا۔ مگر کمیشن وجود میں آچکا تھا، الحمدللہ کمیشن نے کام جاری رکھا اور اس میں چونکہ گورنر اسٹیٹ بینک خود موجود تھے اس لئے اسٹیٹ بینک کی طرف سے کسی اعتراض اور رکاوٹ کا راستہ نہیں رہا، الحمدللہ اس کمیشن نے آٹھ مہینہ میں ایک جامع اور مفصل رپورٹ بلاسود بینکاری کی تیار کی، اس رپورٹ کی تیاری کیلئے ہم نے اپنی ایک ذیلی کمیٹی بنالی تھی، جس میں کمیشن سے باہر کے ماہرین بینکاری اور دارالعلوم کراچی کے دیگر کئی علماء کرام سے بھی استفادہ کیا گیا، خصوصاً بینکنگ کونسل کے سابق چیئرمین جناب حاجی عبدالجبار صاحب، اور میرے برادر عزیز مولانا محمد تقی عثمانی صاحب نے تو اس میں اول سے آخر تک بنیادی حصہ لیا، اس کمیٹی کے اجلاسات دارالعلوم کراچی میں صبح سے رات تک جاری رہتے تھے، دارالعلوم کراچی کے تخصص فی الافتاء میں زیر تربیت طلبہ کو بھی مسائل وجزئیات کی تلاش وجستجو میں شریک کیا گیا۔

الحمدللہ اس مربوط کوشش کا یہ نتیجہ نکلا کہ ماہرین بینکاری کے سامنے جو عملی مشکلات تھیں اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے وہ سب حل ہوگئیں۔ اور ایک جامع رپورٹ تیار ہوگئی۔ پھر یہ اہتمام کیا گیا کہ یہ رپورٹ بنکوں اور مالیاتی اداروں کے سربراہوں

کو بھی غور وفکر کیلئے پیش کی گئی، ان حضرات نے کچھ نئی عملی مشکلات پیش کیں، ان کو بھی اللہ تعالیٰ نے حل کرادیا۔ اس کے بعد کارخانہ داروں، صنعت کاروں اور بڑے تاجروں کے ساتھ مشورہ ہوا، ان کے سامنے جو عملی الجھنیں تھیں اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے وہ بھی دور ہوگئیں۔ اس طرح بلاسود بینکاری کی یہ رپورٹ ہر طرح قابل عمل ہونے کے ساتھ شرعی اعتبار سے بھی اطمینان بخش صورت میں تیار ہوگئی۔

اس رپورٹ کے تیار ہوتے ہی کمیشن کا اجلاس طلب کیا گیا، تاکہ کمیشن اس کا آخری جائزہ لے کر اسے حتمی شکل دیدے اور حکومت کو پیش کردے۔

ہم بجا طور پر سمجھ رہے تھے کہ اس رپورٹ پر اگلے بجٹ سے عمل درآمد شروع ہوجائے گا، اور اس طرح ہماری زندگیوں کی قیمت وصول ہوجائے گی، کیونکہ اس رپورٹ کا حاصل یہ تھا کہ پورے ملک میں سارے بینکوں کا نظام سود سے بالکلیہ پاک ہوجاتا، اوراب اس میں کوئی فنی یا عملی مشکل بھی باقی نہیں رہی تھی۔ بینکار، صنعت کار اور تجار سب متفقہ طور پر اس رپورٹ کو ہر اعتبار سے قابل عمل مفید اور مناسب قرار دے چکے تھے۔

لیکن جس روز کمیشن کا یہ اجلاس ہونے والا تھا، اس سے ایک روز قبل اسلام آباد سے اچانک فون آیا کہ اس ''اسلامی اقتصادی کمیشن'' کا وجود قانونی طور پر ختم ہوچکا ہے، کیونکہ اسے صدر ضیاء الحق مرحوم نے ''نفاذ شریعت آرڈیننس کے تحت قائم کیا تھا، صدارتی آرڈیننس کی توثیق اگر اسمبلی نہ کرے تو وہ آرڈیننس چار مہینے میں خود بخود ختم ہوجاتا ہے، البتہ صدر چاہے تو مزید چار ماہ کیلئے اس کی تجدید کرسکتا ہے، چنانچہ جب چار مہینے پورے ہوئے تو پاکستان کے موجودہ صدر جناب غلام اسحاق صاحب نے اس آرڈیننس کی مزید چار ماہ کیلئے تجدید بھی کردی تھی، اس طرح کمیشن کو اپنا کام کرنے کیلئے کل آٹھ ماہ مل گئے، لیکن جب یہ آٹھ مہینے مکمل ہوئے تو ملک میں اسمبلی

وجود میں آچکی تھی، جس نے ''نفاذِ شریعت آرڈیننس'' کی توثیق نہیں کی، بلکہ اسمبلی میں اس کو زیر بحث ہی نہیں لایا گیا، اس طرح ''نفاذ شریعت آرڈیننس'' کے ساتھ یہ کمیشن بھی ختم ہوگیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

تاہم کمیشن کی ذیلی کمیٹی کی تیار کردہ یہ رپورٹ ایک اہم علمی دستاویز ہے۔ جس سے اللہ تعالیٰ کو منظور ہوا تو پاکستان کی کوئی بھی حکومت استفادہ کرسکتی ہے۔

باہمی ربط کی ضرورت:

بہرحال مجھے اس وقت صرف یہ عرض کرنا ہے کہ الحمدللہ یہ اجتماعی اجتہاد وقیاس کا کام پاکستان میں بھی چل رہا ہے، ضرورت اس بات کی ہے کہ جو کام یہاں ہورہا ہے اور جو کام وہاں ہورہا ہے ان دونوں کے مابین ربط ہو اور ایک دوسرے کی معلومات اور تحقیق سے ہم استفادہ کریں، اللہ تعالیٰ ہماری ان تمام مشکلات اور مسائل میں مدد فرمائے، رہنمائی فرمائے اور ہمیں اپنے اسلاف کی راہ راست پر چلتے ہوئے ان مسائل پر پوری توانائیاں خرچ کرنے کی توفیق کامل عطا فرمائے۔

وآخر دعوانا ان الحمدللّٰہ رب العٰلمین

عظمت مدارسِ دینیہ

موضوع عظمت مدارسِ دینیہ

مقرر حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی مدظلہ

ضبط و ترتیب مولانا اعجاز احمد صمدانی

باہتمام محمد ناظم اشرف

عظمتِ مدارسِ دینیہ

خطبہ مسنونہ

الحمدلله، نحمده ونستعينه ونستغفره و نؤمن به ونتوكل عليه ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا، من يهده الله فلا مضل له ومن يضلل فلا هادى له ونشهدان لا اله الا الله وحده لاشريك له ونشهدان سيدنا ومولانامحمد اعبده ورسوله صلى الله تعالىٰ عليه وعلىٰ آله وصحبه اجمعين وسلم تسليما كثيرا۔

امابعد

فاعوذباللّٰهِ من الشيطان الرجيم ط بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ط

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ إِذْبَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِنْ أَنْفُسِهِمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ

وَالْحِكْمَةَ وَإِنْ كَانُوا مِنْ قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُبِينٍ ۝

(آلِ عمران:۱۶۴)

تمہید

حضرات علماءِ کرام، ہونہار طلبہ، اساتذہِ عظام، معزز حاضرین، محترم خواتین، میری ماؤں، بہنو اور بیٹیو!

''عظمتِ مدارسِ دینیہ'' کے موضوع پر آج کا یہ عظیم جلسہ اور آپ حضرات کا یہ والہانہ انداز الحمد للہ، خود عظمتِ مدارس کی ایک جیتی جاگتی مثال ہے۔ ابھی تھوڑی دیر قبل مولانا زاہد الراشدی صاحب کا فکر انگیز خطاب آپ حضرات نے سنا۔ الحمد للہ، یہ خطاب ان تمام باطل خیالات اور اعتراضات کا خاتمہ کر دیتا ہے جو دینی مدارس کے خلاف اسلام دشمن طاقتوں نے چلتے کئے تھے اور بہت سے سیدھے سادھے مسلمانوں کی زبانوں پر بھی وہ جاری ہو گئے تھے۔ اللہ تعالیٰ مولانا زاہد الراشدی صاحب کو جزائے خیر دے کہ انہوں نے میرے دل کی باتیں کہی ہیں۔ اور اتنے اچھے انداز میں کہی ہیں کہ دل چاہتا ہے کہ ان کی اس تقریر کی کیسٹ کو زیادہ سے زیادہ پھیلایا جائے۔ اگر کتابی شکل میں تیار کر کے اس کو چھاپ دیا جائے بلکہ اس کا انگریزی ترجمہ بھی شائع ہو تو انشاء اللہ مفید ہوگا۔

دینی تعلیم کا سلسلہ بند ہونے والا نہیں

مولانا زاہد الراشدی صاحب نے آخری سوال کا جو جواب دیا، میں اُسی کو کچھ آگے چلانا چاہتا ہوں۔ انہوں نے لوگوں کا تیسرا سوال یہ نقل کیا تھا کہ اگر خدانخواستہ اسلام دشمن طاقتیں اِن مدرسوں کو مٹانے اور سرکاری طور پر قبضہ کرنے میں

کامیاب ہوگئیں تو پھر دینی تعلیم کا کیا ہوگا؟ علم کا یہ سلسلہ کیسے جاری رہے گا؟ انہوں نے اس کا خوب شافی جواب دیا کہ انگریز کی اتنی زبردست قوت دو سو سال یہیں اِن مدارس کو فنا کرنے میں اپنی قسمت آزمائی کرتی رہی لیکن ناکام رہی۔

یہ سلسلہ بند ہونے والا نہیں۔ میں اسی جواب کی مزید کچھ تشریح اور تفصیلات تاریخِ اسلام کے حوالے سے بیان کروں گا۔

دینی مدارس کی تعلیم کا آغاز کب ہوا؟

ان مدارس کی کچھ تاریخ ہے۔ ان کی کچھ روایات ہیں۔ علماء، فقہاء اور محدثین کی ایک طویل داستان ہے۔ تعلیم و تعلم، پڑھنے پڑھانے اور استادی شاگردی کا یہ سلسلہ اس وقت شروع ہوا تھا جب سب سے پہلی وحی تاجدار دو عالم سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم پر غارِ حرا میں نازل ہوئی۔ جس میں جبرئیلِ امین قرآنِ مجید کی سب سے پہلی آیات لیکر آئے تھے۔

سب سے پہلی وحی کی آیات

سب سے پہلی وحی میں نازل ہونے والی آیات یہ ہیں:

﴿إقرا باسمِ ربك الَّذِى خَلَقَ ٥ خلقَ الإِنسانَ مِنُ عَلَقٍ ٥ إقرا و ربك الأكرم ٥ الَّذِى عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ٥ عَلَّمَ الإِنُسَانَ مَالَم يَعُلَمُ ٥﴾ (سورۃ العلق: ۱ تا ۵)

"(اے پیغمبر!) آپ اپنے اس رب کا نام لے کر قرآن پڑھئے جس نے پیدا کیا۔ جس نے انسان کو خون کے ایک لوتھڑے سے پیدا کیا۔ آپ قرآن پڑھئے اور آپ کا رب بڑا کریم ہے۔ جس

نے قلم کے ذریعے تعلیم دی۔ اس نے انسان کو ان چیزوں کی تعلیم دی جن کو وہ جانتا نہ تھا۔"

اِس دین کی بنیاد علم پر ہے

ان آیات میں سب سے پہلی آیت کا آغاز "اِقرأ" (پڑھئے) کے لفظ سے ہو رہا ہے۔ گویا کتاب اللہ اور دینِ اسلام کا آغاز پڑھنے کے حکم سے ہو رہا ہے۔ انہی آیات میں پھر پڑھنے کا حکم ان الفاظ میں دیا گیا:

﴿إقرا و ربك الأكرم○ الَّذِى عَلَّمَ بِالْقَلَمِ○﴾

"اس رب کے نام سے پڑھئے جو بڑا کریم ہے، جس نے قلم کے ذریعے تعلیم دی"۔

پہلی ہی وحی کے اندر تعلیم کا بھی ذکر ہے اور قلم کا بھی۔ اس سے معلوم ہوا کہ اِس دین کی بنیاد ہی علم پر قائم ہے۔

یاد رکھئے! وہ دین فنا ہو جایا کرتا ہے، جس کا علم باقی نہ رہے۔ ہمارا دین قیامت تک برقرار رہنے کے لئے آیا ہے۔ دنیا کی کوئی طاقت اسے مٹا نہیں سکے گی۔ اور جب یہ بات ہے تو اس کے علم کو بھی دنیا کی کوئی طاقت نہیں مٹا سکے گی۔

یہ دبنے والی قوم نہیں

یہ علم کہاں ہے؟ علماء کے سینوں میں ہے۔ مدرسوں کے طلبہ کے پاس ہے، اساتذہ کے پاس ہے، محققین، فقہاء اور مصنفین کے پاس ہے۔ نہ یہ دین کسی سے مٹ سکے گا اور نہ یہ علماء کسی سے مٹ سکیں گے۔ یہ ہو سکتا ہے کہ تم مدرسوں کی عمارتوں پر قبضہ کر لو اور اگر ایسا کیا تو اِن عمارتوں کا حال وہی ہوگا جو جامعہ اسلامیہ

بہاولپور (اسلامی یونیورسٹی بہاولپور) کا حال ابھی مولانا زاہد الراشدی صاحب بیان فرما رہے تھے لیکن اگر تم قال اللہ، قال الرسول کے سلسلے کو بند کرنے کا خواب دیکھو گے تو ناکامی کے سوا کچھ ہاتھ نہیں آئے گا۔ اس لئے کہ علماء اور طلبہ، پڑھنے اور پڑھانے والوں کی یہ قوم ایسی سخت جان ہے کہ ان کی داستان تو فاقوں سے مزین ہے، جذبات کی قربانیوں سے مزین ہے۔ راتوں کو جاگنے سے مزین ہے۔ کہیں یہ تختہ ءدار پر نظر آتے ہیں، کہیں راتوں کو جاگتے نظر آتے ہیں اور کہیں بھوکے اور فاقہ مست نظر آتے ہیں۔ یہ کسی حالت میں دبنے والے نہیں، یہ فنا ہونے والی قوم نہیں۔

اہلِ علم کی قربانیوں کی داستان

آپ نے مجاہدینِ اسلام کی قربانیوں کی رنگین داستان پڑھی ہے اور بلاشبہ وہ ایسی داستان ہے کہ دنیا کی کسی قوم کے پاس اس کی مثال نہیں ہے لیکن اہلِ علم کی قربانیوں کی وہ داستانیں جو علم حاصل کرنے اور اُسے دوسروں تک پہنچانے میں رقم ہوئی ہیں، وہ بہت کم لوگوں کے سامنے ہیں۔ میں اس کی چیدہ چیدہ کچھ مثالیں آپ کو سنانا چاہتا ہوں۔

پہلا مدرسہ

مسجدِ نبوی کا چبوترا ''صفہ'' جو اسلام کا سب سے پہلا مدرسہ ہے۔ وہاں صحابہ کرام کی ایک بڑی جماعت جن کی تعداد اسی (۸۰) تک پہنچی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں میں آ پہنچی تھی۔ ان کا صرف ایک کام تھا کہ دین سیکھیں گے۔ یہ پہلا مدرسہ ہے۔

''استاذ ہیں تاجدار دو عالم سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم، نصابی

کتاب ہے، کتاب اللہ، اور شاگردوں کی جماعت وہ مقدس جماعت ہے کہ انبیاء کرام کے بعد ان کی نظیر آسمان و زمین نے نہیں دیکھی"۔

یہ وہ مقدس جماعت ہے کہ ان کی نہ کوئی تجارت تھی اور نہ ملازمت و مزدوری۔ بس اللہ تعالیٰ کے نام پر اپنے آپ کو دینِ اسلام کے لئے وقف کر کے صفہ میں آپڑے تھے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا فاقے برداشت کرنا

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ یمن سے سب کچھ چھوڑ کر اسی مدرسہ میں آ کر رہنے لگے تھے۔ ۷ہجری میں آئے، ان کی کیفیت یہ تھی کہ کچھ کھانے کو مل گیا تو کھا لیا ورنہ فاقے پر فاقے۔ آپ اپنے حالات بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ مجھ پر یہ اوقات بھی گذرتے تھے کہ کئی کئی وقت کے فاقوں کی وجہ سے میں مسجدِ نبوی میں پڑا ہوتا تھا۔ لوگ سمجھتے تھے کہ میں بے ہوش ہوں حالانکہ میں ہوش میں ہوتا تھا لیکن میرے اندر طاقت نہیں ہوتی تھی کہ ان کی بات کا جواب دے سکوں۔ اسی حالت میں بعض اوقات مجھے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے دیکھا اور میرے کھانے کا انتظام کیا۔

یہی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ جن کی روایات کتبِ حدیث میں سب سے زیادہ ہیں۔ پانچ ہزار سے زائد حدیثیں ان کو ازبر یاد تھیں۔

اہلِ مدارس کی کفالت۔ صفہ کی نقالی

مدینہ طیبہ کے وہ حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین جن کے کچھ

باغات یا زمینیں تھیں، وہ اپنے ان باغات اور زمینوں کی پیداوار سے اور کچھ صحابہ رضی اللہ عنہم اپنی تجارت یا مزدوری کی آمدنی سے پیسے لاکر اِن اصحابِ صفہ پر نچھاور کرتے تھے، جس سے ان کا گذارا چل رہا تھا، یہ بالکل اسی طرح تھا جس طرح آج مدارس کے طلبہ کی مقدس جماعت اللہ پر بھروسے کرتے ہوئے ان مدارس میں پڑی ہے اور علمِ دین کے لئے اپنی زندگیوں کو وقف کرچکی ہے۔ الحمد للہ! اس وقت بھی ملک کے مخیرّ اور غیرت مند مسلمان اِن طلبہ کی کفالت کرتے ہیں، یہ درحقیقت ''صفہ'' اور ''اصحابِ صفہ'' کی نقالی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں صحیح معنوں میں نقالی کی توفیق عطا فرمائے۔

صرف ایک حدیث کے لئے دو مہینے کا طویل سفر

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ درسِ حدیث دیا کرتے تھے۔ کسی نے آپ کو ایک حدیث سنائی اور کہا میں نے دمشق کے فلاں صحابی سے یہ حدیث سنی ہے۔ ان کو شوق ہوا کہ اُس صحابی اور میرے درمیان اِس شخص کا واسطہ ختم ہو جائے اور میں اُس صحابی سے جا کر خود یہ حدیث سنوں۔ چنانچہ ایک حدیث سننے کے لئے مدینہ طیبہ سے روانہ ہوئے۔ ایک مہینے کا سفر جانے کا اور ایک مہینے کا سفر واپسی کا تھا لیکن آپ نے اس حدیث کے لئے یہ سارا سفر اختیار کیا اور وہ حدیث سن کر واپس لوٹے۔ اور یہ صرف ایک واقعہ نہیں بلکہ ایسے بہت سے واقعات ہیں کہ صرف ایک حدیث کے لئے ایک ایک مہینے کا سفر محدثین نے کیا۔

ربیعۃ الرائے رحمہ اللہ کے والدین کی عظیم قربانی

ایک مشہور بزرگ ہیں جو ''ربیعۃ الرائے'' کے نام سے معروف ہیں۔ امام مالک رحمہ اللہ کے استاذ ہیں۔ اپنے وقت کے فقہ و حدیث کے امام ہیں۔ ان کے

والد کا نام ''فروخ'' تھا۔ ان کے والد کی شادی ہوئی۔ نوجوان تھے، نئی نویلی دلہن گھر میں تھی۔ ابھی شادی کو تھوڑا ہی وقت گذرا تھا اور ان کی بیوی امید سے تھیں کہ انہیں اسی حالت میں جہاد کا سفر پیش آ گیا۔ چنانچہ وہ سفر جہاد پر چلے گئے۔ جب آدمی جہاد میں جاتا ہے تو ہر طرح کے امکانات ہوتے ہیں بلکہ زیادہ گمان یہ ہوتا ہے کہ شاید زندہ حالت میں واپسی نہ ہو، چنانچہ اِس حالت میں سفر پر جا رہے تھے حالانکہ نئی نویلی دلہن گھر میں ہے اور وہ بھی امید سے ان کے دل کی کیفیت کیا ہوگی؟ اللہ ہی جانے یا وہ جانیں۔

ان کے پاس تیس ہزار دینار جمع تھے (دینار سونے کا ایک سکہ ہوتا ہے، اسے ہمارے ہاں اشرفی کہتے ہیں) چلتے وقت یہ دینار بیوی کے حوالے کئے اور کہا کہ یہ رقم تمہارے کام آئے گی اور پیدا ہونے والے بچے کی تعلیم و تربیت میں بھی خرچ ہو سکے گی اور اگر میں شہید ہو گیا تو اُسے تجارت میں لگا دینا تا کہ تمہارا اور بچے کا روزگار چلتا رہے۔

یہ کہہ کر جہاد میں چلے گئے۔ وہاں جا کر نجانے کیا حالات پیش آئے، کن مسائل سے دوچار ہوئے، پتہ نہیں کہیں قید ہو گئے یا کوئی اور بات پیش آئی کہ تیس سال جہاد میں گذر گئے۔

تیس سال بعد گھر واپس لوٹے۔ آپ خود اندازہ کیجئے کہ جو شخص نئی نویلی دلہن گھر چھوڑ کر گیا ہو اور پھر اتنے طویل عرصے کے بعد واپس لوٹ رہا ہو تو اس کے دل کی کیفیت کیا ہوگی؟ اُسے اپنے گھر آنے کا کتنا شوق ہوگا؟ جب آپ گھر پہنچے تو گھوڑے پر سوار تھے۔ ہاتھ میں نیزہ تھا۔ اِس خیال سے کہ اگر میں اتر کر دستک دوں گا تو کچھ وقت لگے گا، گھوڑے پر بیٹھے بیٹھے ہی دروازہ پر نیزے سے دست دی۔ اتفاق سے نیزہ کچھ زور سے لگ گیا۔ گھوڑے سے اترے تو اندر سے ایک نوجوان

برآمد ہوا۔ اس نے کہا کہ تم کون ہو؟ کیا تم میرے گھر کے دروازے کو توڑنا چاہتے ہو؟ یہ کہنے لگے کہ تم کون ہو، میرے گھر میں گھسے ہوئے۔ اسی میں اِن دونوں کی آوازیں بلند ہوگئیں۔ اندر سے بیوی نے آواز سن لی اور پہچان لیا۔ دوڑ کر آئی اور کہا خاموش ہو جاؤ، خاموش ہو جاؤ، تم باپ اور بیٹے ہو۔ اب یہ دونوں گلے مل کر خوب روئے۔ گھر میں خوشی کا سماں پیدا ہوگیا۔

گھر کے اندر پہنچے۔ تھوڑی ہی دیر بعد مسجدِ نبوی میں اذان ہوگئی۔ بیٹا فوراً نماز کے لئے روانہ ہوگیا۔ یہ بھی مسجد جانے کی تیاری کرنے لگے۔ مسجد کی طرف چلتے وقت فروخ نے بیوی سے پوچھا کہ ان تیس ہزار دیناروں کا کیا ہوا جو میں تمہیں دے کر گیا تھا۔ اس نے جواب دیا کہ فکر نہ کرو، وہ محفوظ ہیں آپ مسجد چلے گئے۔

مسجد پہنچے، نماز پڑھی۔ نماز کے بعد انہوں نے ایک عجیب منظر دیکھا کہ ایک نوجوان جس نے اپنے سر پر ایک رومال ڈالا ہوا ہے، بلند مسند پر بیٹھا ہے۔ اس کے اردگرد بڑے بڑے علماء دو زانو بیٹھے ہیں۔ امام مالک بھی ان میں موجود ہیں۔ غور سے دیکھا تو یہ ان کا بیٹا ربیعہ تھا۔ یہ منظر دیکھ کر ان کی خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی۔ گھر پہنچے اور بیوی سے کہا کہ آج میں نے ایسا منظر دیکھا ہے کہ اس کی خوشی میری رگ و پے میں سما گئی ہے۔ مجھے زندگی میں اتنی خوشی کبھی نصیب نہیں ہوئی، جتنی آج ہوئی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے میرے بیٹے کو اتنا بلند مقام عطا فرمایا ہے۔ یہ سن کر بیوی کہنے لگی کہ آپ تیس ہزار دیناروں کے بارے میں پوچھ رہے تھے، وہ رقم میں نے اِسی بیٹے پر خرچ کی ہے۔

اندازہ کیجئے! باپ کی قربانی کا کہ اس نے تیس سال وطن سے دور گزارے اور اس سے بڑھ کر ماں کی قربانی کا کہ اس نے یہ طویل عرصہ عفت و عصمت کے ساتھ گذارا اور جو جمع پونجی شوہر نے اس کے حوالے کی تھی، اُسے اپنے اوپر خرچ

کرنے کے بجائے بیٹے کو تعلیم دلوائی۔ اپنی ساری خوشیوں کو قربان کر کے بیٹے کو عالمِ دین بنایا اور عالمِ دین بھی ایسا کہ امام مالک جیسے جلیل القدر امام بھی ان کے شاگرد بنے۔ علماء ان کی روایات کے حوالے دیتے ہیں اور فقہاء ان کے اقوال فقہی مسائل میں بیان کرتے ہیں۔

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا جنازہ جیل سے نکلا

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ اپنے وقت کے امام تھے۔ ان کے علم وفضل کی وجہ جہاں بہت سے لوگ ان کے گرویدہ تھے، وہاں کچھ ان کے حاسدین بھی تھے۔ اِن حاسدین نے عباسی خلیفہ ابو منصور سے شکایت کی کہ ابو حنیفہ تمہارے خلاف ہے۔ اور اس طرح کی شکایات سے اس کے کان بھرتے رہے۔

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی یہ عادت تھی اور علماءِ حق کی بھی یہی عادت ہوتی ہے کہ بلاضرورت حکمرانوں سے نہیں ملتے، کوئی دینی ضرورت ہو تو ملاقات کر لیتے ہیں۔ابو جعفر منصور کو شبہ ہوا کہ چونکہ یہ ملنے نہیں آتے، ہوسکتا ہے کہ یہ میرے مخالف ہوں۔ اس نے آپ کو بلا بھیجا۔

اس وقت قاضی القضاۃ (چیف جسٹس) کا عہدہ خالی ہوا تھا۔ اور یہ چیف جسٹس صرف پاکستان جیسے ملک کا عہدہ نہ تھا بلکہ پورے عالمِ اسلام کا قاضی القضاۃ مقرر ہونا تھا۔ اس وقت عالمِ اسلام بہت وسیع تھا۔ اس کا ایک خلیفہ ہوتا اور تمام علاقے اسی کے ماتحت ہوتے تھے۔ صرف اندلس میں الگ خلافت تھی، باقی تمام علاقے دارالخلافہ بغداد کے ماتحت تھے۔سارے ممالک اس کے صوبوں کی حیثیت رکھتے تھے۔متحدہ ہندوستان جس میں پاکستان، بنگلہ دیش، بھارت اور نیپال شامل ہیں۔ اس وقت کے عالمِ اسلام کے ایک صوبہ کا درجہ رکھتا تھا۔ اتنی بڑی سلطنت کے

لئے خلیفہ نے آپ کو قاضی القضاۃ بننے کی پیش کش کی۔ آپ نے معذرت کرتے ہوئے فرمایا کہ میں اس عہدے کا اہل نہیں ہوں۔

اس کے کانوں میں تو پہلے سے یہ بات پڑی ہوئی تھی کہ یہ میرا مخالف ہے۔ یہ جواب سن کر اس نے سمجھا کہ میری مخالفت کی وجہ سے عہدہ قبول کرنے سے انکار کر رہے ہیں۔ چنانچہ اس نے غصے میں کہا کہ تم جھوٹ بولتے ہو۔ امام صاحب تو بلا کے حاضر جواب تھے۔ سنتے ہی فوراً جواب دیا کہ اگر میں جھوٹ بولتا ہوں تو پھر یہ ثابت ہو گیا کہ میں قاضی بننے کا اہل نہیں۔ خلیفہ کو یہ جواب پسند نہ آیا۔ جب اسے اور کوئی بات سمجھ میں نہ آئی تو اس نے آپ کو بغداد کی جیل میں ڈال دیا۔ آپ پوری زندگی اسی میں رہے۔ وہیں پر آپ کو زہر دیا گیا اور بالآخر اسی جیل سے آپ کا جنازہ نکلا۔

امام صاحب نے قضاء کا عہدہ کیوں قبول نہ کیا؟

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے قضا کا عہدہ اس لئے قبول نہ کیا کہ آپ کا خیال تھا کہ میرے مزاج میں بہت نرمی ہے، جب کہ قاضی کو نرمی بھی کرنی پڑتی ہے اور سختی بھی، کبھی سزائے موت دینی پڑتی ہے، کبھی چور کے ہاتھ کٹوانے پڑتے ہیں۔ اس لئے وہ محسوس کرتے تھے کہ اگر میں قاضی بن گیا تو شاید اس کا حق ادا نہ کر سکوں گا۔ اور جو قاضی انصاف نہ کرے اس کے بارے میں روایات میں سخت وعیدیں آئی ہیں، تو کہیں ایسا نہ ہو کہ میں ان وعیدوں کا مستحق بن جاؤں۔

امام محمد رحمہ اللہ کا ساری ساری رات جاگنا

امام ابو حنیفہؒ کے ایک ہونہار اور ممتاز شاگرد ہیں امام محمدؒ۔ انہوں نے امام صاحب کے فقہی علوم کو کتابی شکل میں لکھا ہے۔ (امام صاحب نے خود اپنی فقہ کتابی

شکل میں ترتیب نہیں دی)۔

ان کا یہ حال تھا کہ پوری پوری رات جاگ کر کتابیں لکھتے تھے۔ ان کی بہت سی تصنیفات ہیں۔ خاص طور پر امام صاحب کی ظاہر الروایۃ کی چھ کتب انہی کے ہاتھوں مکمل ہوئیں۔ کسی نے کہا کہ آپ اتنی زیادہ محنت نہ کریں۔ رات کو سو جایا کریں، ورنہ آپ کی صحت خراب ہو جائے گی۔ فرمایا کہ اگر محمد بھی سو گیا تو پھر پوری امت کو جاگنا پڑے گا۔

امام بخاری رحمہ اللہ کی قربانیاں

امام بخاری رحمہ اللہ نے علمِ حدیث حاصل کرنے کے لئے جو قربانیاں دیں۔ اس کی بھی ایک طویل داستان ہے۔ اٹھارہ سال کی عمر میں اپنے علاقے کے تمام علماء سے احادیث حاصل کرلیں۔ اس کے بعد عالمِ اسلام کے سفر پر نکل پڑے۔ اس زمانے میں اس طرح مدارس نہیں ہوتے تھے، جس طرح آج کل ہیں کہ ایک ہی مدرسہ میں تمام علوم وفنون مل جائیں بلکہ محدثین اپنے اپنے علاقوں میں رہتے تھے۔ اور طلبہ کو سفر کر کے مختلف شہروں اور ملکوں میں جانا پڑتا تھا۔ اور اس زمانے میں سفر پیدل، گھوڑوں، خچروں اور اونٹوں وغیرہ پر ہوتا تھا۔ امام بخاری جس استاذ کے پاس بھی جاتے، اس کے نورِ نظر بن جاتے کیونکہ حافظہ غضب کا تھا، تقویٰ اعلیٰ درجے کا تھا اور علم کا شوق انتہائی درجے میں تھا۔ استاذ کی ایک ایک بات کو یاد رکھتے۔

ایک مرتبہ ایک استاذ کے درس میں اس حال میں شریک ہوتے رہے کہ کپڑے بالکل پھٹے پرانے تھے۔ اسی حال میں ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ اپنے استاذ کے درس میں حاضر نہ ہوئے۔ استاذ نے دوسرے ساتھیوں سے اس کی وجہ پوچھی۔ ان کو خبر نہ تھی تو استاذ نے حکم دیا کہ بخاری کی خبر لے کر آؤ۔

طلبہ آپ کے حجرے پر آئے۔ دروازہ بند تھا۔ اندر سے چٹخنی لگی ہوئی تھی۔ ساتھیوں نے آواز دی اور بتایا کہ ہم فلاں فلاں ہیں، دروازہ کھولو۔ اندر سے کوئی آواز نہ آئی۔ بار بار کہا کہ بخاری! ہم فلاں فلاں ہیں، تمہارے ساتھی ہیں۔ دروازہ کھولو۔ لیکن اندر سے پھر بھی کوئی جواب نہ آیا۔ ان کو خطرہ ہوا کہ کہیں انتقال تو نہیں ہو گیا۔ قسم دے کر کہنے لگے بخاری! دروازہ کھول دو ورنہ ہم اسے توڑ کر اندر داخل ہو جائیں گے۔ اس وقت اندر سے آواز آئی کہ الحمدللہ، میں زندہ ہوں لیکن اِس حالت میں نہیں ہوں کہ دروازہ کھول سکوں۔ میرے پاس عرصہ دراز سے کپڑوں کا صرف ایک ہی جوڑا رہ گیا تھا جو دھو دھو کر پہنتا رہا۔ پھٹ جاتا تو اسی کو سی لیتا۔ زیادہ پھٹ جاتا تو پیوند لگا لیتا۔ لیکن اب اتنا بوسیدہ ہو چکا ہے کہ مزید سینے اور پیوند لگانے کے قابل نہیں رہا اور اتنا پھٹ چکا ہے کہ جسم کے جتنے حصے کو چھپانا شرعاً فرض ہے، اتنے حصے کو بھی نہیں چھپا سکتا۔ اس لئے تمہارے سامنے آنے سے قاصر ہوں۔

یہ وہ امام بخاری ہیں کہ جب ان کے والد کا انتقال ہوا تو بہت مال و دولت ترکہ میں چھوڑا تھا۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے وہ سارا مال و دولت اپنے علم کی تحصیل میں خرچ کر کے یہاں تک حال کر لیا تھا۔

اندھے کنوئیں میں بارہ سال کی قید

شمس الائمہ سرخسی رحمہ اللہ فقہ حنفی کے مشہور امام ہیں۔ امام محمد رحمہ اللہ کی چھ کتابوں کا مجموعہ ایک اور بزرگ نے تیار کیا تھا، جس کا نام ''الکافی'' تھا۔ انہوں نے اِس کتاب کی شرح اپنے شاگردوں کو لکھوانا شروع کی۔ آپ املاء کراتے تھے اور طلبہ لکھتے جاتے تھے، یہی ان کا درس بھی ہوتا تھا اور یہی کتاب کی تصنیف بھی تھی۔ اور اس زمانے میں تصنیف کا یہ بھی ایک طریقہ تھا۔

اسی زمانے میں حکومتِ وقت نے علامہ شمس الائمہ سرخسی سے ایک مسئلہ پوچھا۔ انہوں نے جو جواب دیا، وہ حکومت کی مرضی کے خلاف تھا۔ حکومت کے لوگوں نے کہا کہ آپ اس فتویٰ سے رجوع کریں۔ اس میں فلاں فلاں نقصان اور خرابی ہے۔ انہوں نے جواب دیا کہ مفتی فتویٰ بناتا نہیں، بتاتا ہے۔ بنانے والے تو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ مفتی کا کام تو صرف مسئلہ بتانا ہے۔ اس لئے میرے اختیار میں نہیں کہ حلال کو حرام یا حرام کو حلال کروں جو شرعی مسئلہ تھا میں نے بتا دیا۔

رجوع کے لئے آپ پر بہت دباؤ ڈالا گیا۔ آپ پھر بھی حق پر ڈٹے رہے، یہاں تک کہ آپ کو جیل میں ڈال دیا گیا۔ جیل کیا تھی، ایک تنگ و تاریک کنواں تھا، جس میں پانی کے سونت بند کر دیئے تھے تاکہ پانی نہ آئے۔ اسی میں کھانا پینا، اسی میں پیشاب پاخانہ اور اسی میں غسل وضو وغیرہ۔ اس زمانے میں بعض حکام ایسے بھی گذرے ہیں کہ جیل میں ڈالنے کے بعد بھول جاتے تھے کہ کسی کو جیل میں ڈالا بھی ہے کہ نہیں۔

شاگردوں کو علم ہوا تو بہت پریشان ہوئے۔ حکومت سے اجازت لے کر اس کنوئیں کے پاس پہنچے جہاں آپ قید تھے۔ سلام کیا، حال پوچھا اور اپنے غم کا اظہار کیا کہ ہم آپ پر آنے والی اِس مصیبت کی وجہ سے غمگین ہیں اور اس وجہ سے بھی پریشان ہیں کہ ہمارا درس ختم ہو گیا۔ آپ نے جواب دیا کہ پریشان ہونے کی ضرورت نہیں، تم حکومتِ وقت سے اجازت لے لو، اگر اجازت مل جائے تو تم کنوئیں کے کنارے آکر بیٹھ جانا، میں نیچے سے تمہیں املاء کرا دیا کروں گا۔ چنانچہ یہی ہوا، شاگردوں کو اجازت مل گئی۔ وہ کنوئیں کے کنارے بیٹھ جاتے اور آپ نیچے سے املاء کراتے۔ اِسی حال میں بارہ سال گذر گئے اور ''مبسوط'' کی پندرہ جلدیں تیار ہو گئیں۔ اس کے بعد

رہائی ہوئی اور بقیہ پندرہ جلدیں باہر آنے کے بعد املاء کرائیں۔

تیس جلدوں پر مشتمل یہ کتاب دینی کتب میں بہت اہمیت رکھتی ہے۔ تمام بڑے بڑے مدارس کی لائبریریوں کی زینت اور جان ہے۔ فقہ حنفی کی ریڑھ کی ہڈی ہے۔ اسلامی قانون کی بنیادی کتاب ہے۔ کوئی مفتی اور کوئی عالم اِس سے مستغنی نہیں ہے۔

وسطِ ایشیا کے علماء پر ڈھائے جانے والے مظالم

وسطِ ایشیا کے ممالک کی داستانِ غم پڑھیئے۔ جب روسی لینن کی فوجیں سمرقند اور بخارا پر حملہ آور ہوئیں، تو یہاں کے حکمرانوں نے تھوڑی سی مزاحمت کے بعد ہتھیار ڈال دیئے اور بھاگ کر افغانستان میں پناہ گزین ہو گئے۔ یہ علماء کا طبقہ تھا جنہوں نے آخر وقت تک روسی فوجوں کا مقابلہ کیا لیکن بالآخر روسی فوجیں غالب آگئیں اور سارے علاقے پر قبضہ کرلیا۔ قبضہ کے بعد ان فوجوں نے علماء پر مظالم ڈھائے ہیں، اس کی داستان خونچکاں ہے اور عبرت ناک ہے۔ ضرورت ہے کہ اُسے پڑھا جائے اور پھیلایا جائے۔ بہت سوں کو ٹرکوں اور جہازوں میں بھر بھر کر سائبریا میں پھینک دیا۔ سائبریا کے برفستانوں میں بھوکا پیاسا چھوڑ آئے اور وہیں وہ علماء تڑپ تڑپ کر مر گئے۔ اس کے علاوہ ایک لمبی اور گہری خندق کھودی گئی۔ اس کے اندر کئی فٹ تک چونا بھرا گیا۔ اس کے بعد بھی وہ خندق بہت گہری تھی۔ ہزاروں علماء کو ٹرکوں میں لاد کر یہاں ڈال دیا گیا۔ اور پھر ان زندہ انسانوں کے اوپر بھی چونا ڈال دیا گیا۔ بہت سے علماء تو جہاد میں شہید ہو گئے تھے۔

یہ سلوک ان لوگوں کے ساتھ تھا جن کے بارے میں ذرا بھی کسی نے کہہ دیا کہ یہ مولوی ہے، یا استاذ ہے یا مدرس ہے یا مؤذن یا مسجد کا امام ہے وغیرہ۔

صرف اذان کہنے پر چھ سال قید

قرآن حکیم کی اشاعت پر پابندی لگا دی گئی۔ عربی زبان بولنے اور سیکھنے پر پابندی لگ گئی۔ رسم الخط بدل دیا گیا۔ ابھی جہاد افغانستان کے بعد جب ازبکستان آزاد ہوا تو اس وقت میرا وہاں جانا ہوا۔ جس جہاز میں جا رہے تھے یہ ازبکستان کا جہاز تھا۔ وہاں کے تاجروں نے اُسے چارٹرڈ (Chartered) کیا تھا۔ اسی میں ہم نے بھی ٹکٹ لے لئے تھے۔ ہمارا علماء کا ایک وفد تھا جو تاشقند گیا اور پھر وہاں سے سمرقند و بخارا بھی جانا ہوا۔

راستے میں ایک شخص نے اپنی داستان سنائی کہ روسی تسلط کے زمانے میں میں نے ایک مرتبہ اذان دے دی تو مجھے اِس جرم میں چھ سال قید کی سزا ہوئی۔

علماء پھر بھی موجود......!

جب ہم وہاں پہنچے تو وہاں علماء موجود تھے۔ تاشقند میں بھی علماء، سمرقند میں بھی علماء اور بخارا میں بھی علماء اور تینوں جگہ حافظ و قاری بھی موجود تھے۔ عربی زبان بولنے والے بھی، لکھنے والے بھی۔ ہم نے حیرت سے پوچھا کہ ارے بھائی! تم کہاں سے آگئے یہاں تو علماء کا بیج مار دیا گیا تھا۔ تم نے قرآن کہاں سے پڑھا؟ کہا کہ حجرے میں۔ تم نے حدیث کہاں پڑھی؟ حجرے میں۔ عربی زبان کہاں سیکھی؟ حجرے میں۔ بھائی! حجرہ کیا ہوتا ہے۔ معلوم ہوا کہ پورے وسطِ ایشیا کے اندر حکومت نے پابندی لگا دی تھی کہ یہاں کوئی مدرسہ نہیں بنے گا، پہلے سے موجود مدارس کو سینما ہاؤس میں تبدیل کر دیا گیا تھا تو ان لوگوں نے اپنے گھروں کے اندر خفیہ حجرے بنا لئے۔ اِن خفیہ حجروں کے اندر انہوں نے قرآن مجید اور کچھ دینی کتب کے نسخے محفوظ کر

لئے۔ کسی کے پاس جلالین تھی تو اُس نے اُسے محفوظ کرلیا، کسی کے پاس مشکوٰۃ کی کتاب تھی تو اس نے اُسے محفوظ کرلیا غرضیکہ عربی کی جو کتابیں ہمارے مدرسوں میں پڑھائی جاتی ہیں، انہیں اِن حجروں میں محفوظ کرلیا گیا۔

دن کو محنت مزدوری کرتے تھے کیونکہ سوشلسٹ نظام کی وجہ سے ہر ایک کے لئے کام کرنا ضروری تھا اور اس میں آدمی اپنی مرضی کی ملازمت بھی نہیں کرسکتا تھا۔ رات کو جب سناٹا چھا جاتا تو اِن حجروں میں درس و تدریس کا سلسلہ شروع ہو جاتا۔ جس نے قرآن پڑھا ہوا تھا، وہ قرآن کی تعلیم دیتا۔ جس نے کچھ حدیث پڑھ رکھی تھی، وہ حدیث سکھاتا اور جسے عربی زبان آتی تھی، وہ عربی سکھاتا۔ اِن حالات میں اس قوم پر بہتر سال گذرے ہیں اور جب اتنے طویل عرصے کے بعد روسی تسلط سے آزاد ہوئے تو اس کے اندر علماء بھی موجود تھے اور محدثین بھی، قاری بھی موجود تھے اور عربی جاننے والے بھی۔

ایک امام مسجد کا واقعہ

سمرقند میں ایک جگہ جہاں ہمارا قیام ہوا، وہ ایک مسجد تھی۔ اس مسجد کے امام صاحب نے ہمیں پوری مسجد دکھائی اور بتلایا کہ میرے والد اس مسجد کے امام و خطیب تھے اور اس میں ایک چھوٹا سا مدرسہ بھی چل رہا تھا۔ جب روسیوں کا قبضہ ہوا تو اس مسجد کو چھین لیا گیا اور اسے سینما ہاؤس میں تبدیل کردیا تھا۔ (سینما ہاؤس کے نشانات ابھی وہاں موجود تھے) اور میرے والد کی یہ ڈیوٹی لگا دی گئی کہ تم کھیت میں ہل چلانے کا کام کرو گے۔ والد صاحب دن بھر کھیت میں کام کرتے تھے۔

انہیں نمازوں کی ادائیگی میں یہ مشکل آتی تھی کہ باقی نمازیں تو گھر میں ادا کرلیتے لیکن ظہر کی نماز ڈیوٹی کے اوقات میں آتی تھی۔ اس لئے انہوں نے یہ تدبیر

میرے دادا جان کا ایک عجیب واقعہ

میرے دادا حضرت مولانا محمد یٰسین صاحب رحمتہ اللہ علیہ دارالعلوم دیوبند کے ہم عمر ہیں یعنی جس سال دارالعلوم دیوبند کی بنیاد رکھی گئی، اسی سال ان کی ولادت ہوئی۔ آپ حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ کے ہم درس تھے۔ آپ دونوں نے دورہ حدیث اکٹھے کیا۔ حضرت شیخ الھند کے بھی شاگرد تھے اور مولانا یعقوب نانوتوی رحمہ اللہ کے بھی۔ دادا جان پھر دارالعلوم دیوبند ہی میں مدرس بن گئے اور آخر عمر تک وہاں پڑھایا۔

میں نے اپنے دادا کا واقعہ اپنے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ سے سنا اور کئی بار سنا کہ جب وہ دورہ حدیث کر رہے تھے تو یہ وہ زمانہ تھا کہ جب ان کے والد خلیفہ تحسین صاحب رحمہ اللہ نابینا ہو گئے اور ضعیف بھی ہو چکے تھے۔ کوئی ذریعہ معاش نہ رہا۔ اس حالت میں انہوں نے اپنے نوجوان بیٹے کو کسی محنت مزدوری پر لگا کر کھانے پینے کا انتظام کرنے کے بجائے علمِ دین حاصل کرنے پر لگا دیا۔

طلبہ اور جو حضرات مدرسوں کے احوال سے واقف ہیں۔ جانتے ہیں کہ دورہ کے سال میں اسباق فجر کی نماز کے بعد شروع ہو جاتے ہیں اور رات ایک ایک بجے تک رہتے ہیں۔ درمیان میں تھوڑی دیر کے لئے نماز اور کھانے کا وقفہ ہوتا ہے اور کچھ زیادہ دیر کیلئے دوپہر کے آرام کا وقفہ ہوتا ہے تاکہ طلبہ اس میں کھانا بھی کھالیں اور آرام بھی کرلیں۔ ناشتے کا تو اس زمانے میں رواج ہی نہ تھا۔ فقر و فاقہ کا دور تھا۔

دورۂ حدیث کے سال دادا جان ایک روز صبح سویرے نماز کے بعد اسباق پڑھنے کے لئے چلے گئے۔ دوپہر کو چھٹی ہوئی، جون کا مہینہ، تپتی ہوئی دھوپ اور دادا

کی کہ کھانا کھانے کے لئے گھر آنے کی اجازت لے لی چنانچہ کھانا کھانے کے بہانے گھر آتے اور اسی وقت میں ظہر کی نماز پڑھ لیتے۔

گھر کے باہر پولیس کے آدمی پہرہ دیتے رہتے تھے۔ بعض اوقات کسی اطلاع کے بغیر گھر میں گھس کر دیکھتے کہ کہیں نماز تو نہیں پڑھ رہے۔ میرے والد صاحب مجھے اپنے گھر کے دروازے پر پہرے کے لئے بٹھا دیتے کہ اگر کوئی پولیس والا آئے تو میں ان کو بتا دوں۔

انگریزی دورِ حکومت میں ہمارے اکابر کی قربانیاں

انگریزی دورِ حکومت میں ہمارے اکابر نے جو قربانیاں دیں۔ اس کی ایک درد ناک داستان ہے۔ دارالعلوم دیوبند مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ نے قائم فرمایا۔ اس مدرسے کے لئے بھی بے حد قربانیاں دی گئیں۔

انگریز نے مسلمانوں پر معاش کے سارے دروازے بند کر دیئے تھے۔ جب انگریزوں نے ہندوستان میں قدم رکھا تو اس وقت یہاں کی سرکاری زبان فارسی تھی۔ یہاں کے تمام علماء فارسی زبان کے ماہر تھے۔ اسلامی علوم اور اس وقت کے عصری علوم کے بھی ماہر تھے اور یہ سب تعلیم یافتہ سمجھے جاتے تھے لیکن انگریز نے آکر سب سے پہلا کام یہ کیا کہ یہاں کی زبان بدل ڈالی۔ سرکاری سکولوں اور تعلیمی اداروں میں دین کا داخلہ بند کر دیا۔ جس کی وجہ سے سرکاری اداروں میں علماء کے لئے ملازمتیں ممکن نہ رہیں کیونکہ زبان بدلنے کی وجہ سے یہ سب علماء ان پڑھ قرار پائے۔ اب معاش کے سارے دروازے علماء کے لئے بند ہو گئے۔ اِن حالات میں دارالعلوم دیوبند کی بنیاد رکھی گئی۔

جان بھوک سے بے تاب (آپ اندازہ کیجئے جس پر پوری رات گذر چکی ہو اور صبح ناشتہ کئے بغیر مسلسل پڑھنے میں لگا ہوا ہو، اور وہ ہو بھی جوان تو اب دوپہر کے وقت اس کی بھوک کا کیا حال ہوگا)۔

اسی حالت میں گھر پہنچے۔ والدہ سے کہا: امی جان! کھانا دیجئے۔ ماں کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور کہا کہ بیٹا گھر میں تو کچھ بھی نہیں البتہ بستی کے باہر ہماری تھوڑی سی زمین ہے۔ گندم کی فصل تیار کھڑی ہے۔ اگر تم تھوڑی سی گندم کاٹ کر لے آؤ تو میں اُسے کوٹ کر، چھان پھوڑ کر کے تمہارے لئے روٹی تیار کر دوں گی۔ دادا جان اسی جلتی ہوئی دوپہر میں وہاں گئے۔ کھیت سے گندم کا ایک گٹھا کاٹ کر سر پر لائے۔ دونوں ماں بیٹے نے مل کر اُسے صاف کیا۔ پچھوڑا۔ ماں نے اس کی روٹی تیار کی اور بیٹا روٹی کھا کر فوراً مدرسہ چلا گیا۔

تو یہ ہمارے بزرگوں کی داستانیں ہیں اور اب بھی قربانیاں دی جارہی ہیں اور دی جاتی رہیں گی۔ خوش نصیب ہیں وہ لوگ جو اِن مدارس میں پڑھنے پڑھانے میں لگے ہوئے ہیں۔

مدارس کے حوالے سے ہماری ذمہ داریاں

ہماری ذمہ داری یہ ہے کہ ہم قال اللہ و قال الرسول کرنے والوں کو تنہائی کا احساس نہ ہونے دیں۔ جو مسلمان ان کے ساتھ روپے پیسے سے مدد کر سکتا ہو، وہ روپے پیسے سے کرے۔ جو دعاؤں سے مدد کر سکتا ہو وہ دُعاؤں سے۔ اور ہر مسلمان کم از کم اتنا تو ضرور کرے کہ کوئی ایسی بات نہ کہے، جس سے ان کے حوصلے پست ہوں بلکہ ان کے حوصلوں کو بڑھانے والی بات کہے۔ ان کی خوبیوں کا اعتراف کرے تا کہ اِن طلبہ اور فاقہ مست مدرسین کے حوصلے بڑھیں۔ یہ مدرسین چھوٹی تنخواہوں

اور تنگ و تاریک حجروں میں رہ کر بھی دین کی خدمت کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے یہ سلسلہ جاری رہے گا۔ انشاء اللہ خوش نصیب ہوں گے، وہ لوگ جو اس سلسلے میں داخل ہوں گے اور وہ لوگ جو اس سلسلے کے ساتھ تعاون کریں گے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس سلسلے کے ساتھ وابستہ رکھے۔ (آمین)

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

خواتین کے لیے

اصلاحی بیانات

اسلام میں خواتین کا مقام، حقوق و فرائض، تعلیم و تربیت
اور اصلاحِ باطن کے موضوعات پر اکابر علمائے کرام
کے عام فہم اصلاحی بیانات کا مجموعہ!
یعنی خواتین سے اکابرین کا خطاب

تقریظ
شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ

مرتب
مولانا محمد ناظم اشرف

بیت العلوم
۲۰- نابھہ روڈ، پرانی انارکلی لاہور۔ فون ۷۳۵۲۴۸۳

تعطیر الانام فی تعبیر المنام

خوابوں کی تعبیر کا انسائیکلوپیڈیا

انسانی زندگی میں روزمرہ پیش آنے والے بے شمار خوابوں کی ہزارہا
تعبیرات پر مبنی سب سے مفصل، مستند اور جامع ترین کتاب
تعطیر الانام فی تعبیر المنام کا انتہائی مفید اور سلیس ترجمہ

مؤلف
علامہ عبدالغنی نابلسی

ترجمہ وتحقیق
مولانا خالد محمود صاحب
(فاضل جامعہ اشرفیہ لاہور)

بیت العلوم
۲۰۔ نابھہ روڈ، پرانی انارکلی لاہور۔ فون ۳۵۲۲۸۳۰

گناہوں کے نقصانات اور اُن کا علاج

امام ابن قیمؒ جوزی کی مشہور عربی تصنیف
"الداء والدواء" کا سلیس اُردو ترجمہ

تالیف
امام ابن قیم جوزیؒ

مترجم
لجنۃ المصنفین لاہور

بیت العلوم
۲۰- نابھہ روڈ، پُرانی انارکلی لاہور۔ فون: ۳۵۲۴۹۳

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم
انسائیکلوپیڈیا

صحابہ کرام ؓ سے متعلق بھرپور معلومات پر مبنی سوالاً جواباً
لکھی جانے والی سب سے مفصل مستند اور ضخیم کتاب

مؤلف
ڈاکٹر ذوالفقار کاظم

بیت العلوم
۲۰- نابھہ روڈ، پرانی انارکلی لاہور۔ فون: ۷۳۵۲۲۸۳

بیت العلوم کی مطبوعات

ایک نظر میں

قرآنِ حکیم انسائیکلو پیڈیا ________ ڈاکٹر ذوالفقار کاظم
محمد عربی انسائیکلو پیڈیا ________ ڈاکٹر ذوالفقار کاظم
صحابہ کرامؓ انسائیکلو پیڈیا ________ ڈاکٹر ذوالفقار کاظم
خوابوں کی تعبیر کا انسائیکلو پیڈیا ________ علامہ عبد الغنی نابلسیؒ
خواتین کے لئے اصلاحی بیانات ________ مولانا ناظم اشرف
حضرت عبد اللہ ابن مسعودؓ ________ مولانا عمران اشرف عثمانی
گناہوں کے نقصانات اور ان کا علاج ________ علامہ ابن القیم جوزیؒ
اصلاحی مواعظ ____ ۴ جلد ________ مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ
اصلاحی تقریریں ____ ۴ جلد ________ مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی مدظلہ
ازواجِ مطہراتؓ کے دلچسپ واقعات ________ جناب محمد خرم
اسلامی احکام اور اُن کی حکمتیں ________ شیخ عبد القادر معروف الکردیؒ
تاریخ المشاہیر ________ قاضی سلیمان سلمان منصورپوریؒ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دن اور رات ________ شیخ ابوبکر ابن سنیؒ
فضائل اہل بیت صحابہ کرامؓ وتابعینؒ ________ امام محمد بن علی شوکانیؒ
قصص معارف القرآن ________ مولانا مفتی محمد شفیع عثمانیؒ
کھجور کی اہمیت وافادیت ________ مولانا محمد یوسف خان مدظلہ
مقالاتِ عثمانیؒ ________ مولانا ظفر احمد عثمانیؒ
قیامت کی نشانیاں ________ علامہ عماد الدین ابن کثیرؒ
اولاد کی تربیت قرآن وحدیث کی روشنی میں ________ احمد خلیل جمعہ
مصائب الصحابہؓ ________ مولانا نور الحسن بخاریؒ

إنَّ مِنَ البَيَانِ لَسِحْرًا

اِصلاحی تقریریں

عمل پر اُبھارنے والی عام فہم اور فکر انگیز تقاریر
علماء، خطباء اور عوام کے لیے یکساں مفید

- موت ایک حقیقت
- جہاد اور حقوق والدین
- اتباع سُنّت کے ثمرات
- حُسن اخلاق کی حقیقت اور اُس کے فضائل
- رشتہ داروں کو صدقہ دینے کے فضائل
- والدین اور رشتہ داروں سے بدسلوکی ایک ہولناک گناہ
- رشتہ داروں کے دوستوں سے حسنِ سلوک کی اہمیت
- اللہ والوں کی صحبت میں رہنے کے ثمرات
- ہر نعمت ایک آزمائش
- حُبّ فی اللہ کے فضائل
- اسلام میں پورے پورے داخل ہو جاؤ
- سنگہائے میل

جلد پنجم

مفتی اعظم پاکستان مولانا محمد رفیع عثمانی مدظلہم

بیت العلوم

۲۰- نابھہ روڈ، پُرانی انارکلی لاہور- فون: ۷۳۵۲۴۸۳

اصلاحی تقریریں

عمل پر اُبھارنے والی عام فہم اور فکر انگیز تقاریر
علماء، خطباء اور عوام کے لیے یکساں مفید

جلد پنجم

مفتی اعظم پاکستان مولانا محمد رفیع عثمانی مدظلہم

ضبط و ترتیب:
مولانا اعجاز احمد صمدانی
فاضل جامعہ دارالعلوم کراچی

بیت العلوم
۲۰- نابھہ روڈ، پرانی انارکلی لاہور۔ فون: ۷۳۵۲۴۸۳

نام کتاب	اصلاحی تقریریں
جلد	پنجم
مقرر	حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی مدظلہ
ضبط و ترتیب	مولانا اعجاز احمد صمدانی (فاضل دار العلوم، کراچی)
باہتمام	محمد ناظم اشرف
ناشر	بیت العلوم۔ ۲۰ نابھہ روڈ، چوک پرانی انارکلی، لاہور
	فون: ۷۳۵۲۴۸۳

﴿ملنے کے پتے﴾

بیت العلوم = ۲۰ نابھہ روڈ، پرانی انارکلی، لاہور
ادارہ اسلامیات = ۱۹۰ انارکلی، لاہور
ادارہ اسلامیات = موہن روڈ چوک اردو بازار، کراچی
دار الاشاعت = اردو بازار کراچی نمبر ۱
بیت القرآن = اردو بازار کراچی نمبر ۱
بیت الکتب = گلشن اقبال، کراچی
ادارۃ المعارف = ڈاک خانہ دار العلوم کورنگی کراچی نمبر ۱۴
مکتبہ دار العلوم = جامعہ دار العلوم کورنگی کراچی نمبر ۱۴
مکتبہ سید احمد شہید = الکریم مارکیٹ، اردو بازار، لاہور
مکتبہ رحمانیہ = غزنی سٹریٹ، اردو بازار، لاہور

پیش لفظ

حضرت مفتی اعظم پاکستان مولانا محمد رفیع عثمانی مدظلہ

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

مجھ جیسے ناچیز کی زبان سے نکلی ہوئی باتیں تو اس قابل بھی نہ تھیں کہ ان کو ''تقریریں'' کہا جاتا، چہ جائیکہ انہیں ''اصلاحی تقریریں'' کا عظیم الشان نام دے کر کتابی شکل میں شائع کیا جائے۔ لیکن اہل محبت کا حسن ظن ہے کہ وہ ان کو ٹیپ ریکارڈ پر محفوظ کر لیتے ہیں۔

عزیز القدر مولوی محمد ناظم سلمہ نے جو دار العلوم کراچی کے ہونہار فاضل، اور ''جامعہ اشرفیہ لاہور'' کے مقبول استاذ ہیں، کئی سال سے ان ٹیپ شدہ تقریروں کو قلم بند کروا کر اپنے ادارے بیت العلوم لاہور سے شائع کرنے کا سلسلہ جاری کیا ہوا ہے اور اب تک اس سلسلے کے پانچ درجن سے زیادہ کتابچے شائع کر چکے ہیں، اور اب ان میں سے کچھ مطبوعہ کتابچوں کا ایک مجموعہ ''اصلاحی تقریریں (جلد پنجم)'' کے نام سے شائع کر رہے ہیں۔

یہ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ ماشاء اللہ انہوں نے اور ان کے رفقائے کار نے

بڑی کاوش اور احتیاط سے کام لیا ہے اور ذیلی عنوانات بڑھا کر ان کی افادیت میں اضافہ کر دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی اس محنت کو شرفِ قبولیت سے نوازے اور ان کے علم وعمل اور عمر میں برکت عطاء فرمائے، اور اس کتاب کو قارئین کے لئے نافع بنا کر ہم سب کے لئے صدقہ جاریہ بنادے اور ''بیت العلوم'' کو دینی اور دنیاوی ترقیات سے مالامال کر دے۔

واللّٰہ المستعان

بسم اللہ الرحمن الرحیم

﴿عرض ناشر﴾

مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب مدظلہ ملک و بیرون ملک ایک جانی پہچانی علمی اور روحانی شخصیت ہیں۔ آنجناب ملک کی مشہور دینی درسگارہ ''دارالعلوم کراچی'' کے مہتمم اور اسلامی نظریاتی کونسل کے ایک فعال ممبر ہونے کے علاوہ کئی جہادی، اصلاحی اور تعلیمی تنظیموں کے سرپرست ہیں۔ آپ مفسر قرآن مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ کے فرزند ارجمند اور عارف باللہ حضرت ڈاکٹر عبدالحئ عارفی صاحبؒ کے ممتاز اور اخص الخواص خلفاء میں سے ہیں۔ ان تمام خوبیوں کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ نے حضرت مفتی صاحب مدظلہ کو حسن خطابت سے خوب خوب نوازا ہے۔ ہر موقعہ پر پر اثر اور دلنشین پیرائے میں ہر سطح کے سامع کو بات سمجھانا حضرت کا خصوصی کمال ہے جو اس قحط الرجالی کے دور میں کہیں کہیں نظر آتا ہے۔ پھر بزرگوں کی صحبت کی برکت سے لوگوں کی اصلاح کا جذبہ کہ کسی طرح لوگ روحانی طور پر درست ہوجائیں حضرت کے بیانات کا لازمی حصہ ہے۔ گویا حضرت کے خطبات و بیانات شریعت وطریقت کا ایک حسین امتزاج ہوتے ہیں۔ جن میں عالمانہ تحقیق، فقیہانہ نکتہ وری کے ساتھ ساتھ، ایک بلند پایہ صوفی، مصلح اور مربی کی

سوچ بھی جلوہ نما ہوتی ہے۔

الحمدللہ ''بیت العلوم'' کو یہ شرف حاصل ہوا کہ پہلی مرتبہ حضرت کے ان اصلاحی ، پرمغز اور آسان بیانات کو حضرت مفتی صاحب مدظلہ کے تجویز کردہ نام ''اصلاحی تقریریں'' کے نام سے شائع کررہا ہے۔ اصلاحی تقریریں جلد اول' دوم، سوم اور چہارم کی غیرمعمولی مقبولیت کے بعد اب جلد پنجم آپ کے سامنے ہے۔ جس میں حضرت کے کچھ بیانات لاہور، کراچی اور دوسرے ملکی و غیرملکی مقامات کے شامل ہیں۔ اس کتاب کی ضبط وترتیب کا کام مولانا اعجاز احمد صمدانی (فاضل جامعہ دارالعلوم کراچی) نے انجام دیا ہے۔ اس میں حتی الوسیع ضبط وترتیب کا خیال رکھا گیا ہے اور آیات واحادیث کی تخریج بھی کردی گئی ہے، پھر بھی اگر کوئی غلطی نظر سے گزرے تو براہ کرام مطلع فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ ''بیت العلوم'' کی اس کاوش کو قبول فرمائے اور ہم سب کو عمل کی توفیق عطا فرمائے اور حضرت مفتی صاحب مدظلہ کو صحتِ عافیت عطا فرمائے تاکہ ہم حضرت کے بیانات سے زیادہ سے زیادہ مستفید ہوسکیں۔

آمین

والسلام

محمد ناظم اشرف

مدیر ''بیت العلوم''

اجمالی فہرست

فہرست

موت ایک حقیقت

جہاد اور حقوقِ والدین

اتباع سنت کے ثمرات

حسن اخلاق کی حقیقت اور اس کے فضائل

﴿رشتہ داروں کو صدقہ دینے کے فضائل﴾

والدین اور رشتہ داروں سے بدسلوکی ایک ہولناک گناہ

رشتے داروں کے دوستوں سے حسن سلوک کی اہمیت

﴿اللہ والوں کی صحبت میں رہنے کے ثمرات﴾

ہر نعمت ایک آزمائش

حب فی اللہ کے فضائل

﴿اسلام میں پورے پورے داخل ہو جاؤ﴾

سنگہائے میل

موت ایک حقیقت

موضوع	موت ایک حقیقت
خطاب	حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی مدظلہم
مقام	جامع مسجد، جامعہ دارالعلوم، کراچی
تاریخ	۱۲ ربیع الثانی ۱۴۲۴ھ بمطابق ۱۳ جون ۲۰۰۳ء
ترتیب وعنوانات	مولانا اعجاز احمد صمدانی (فاضل جامعہ دارالعلوم کراچی)
باہتمام	محمد ناظم اشرف

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

موت ایک حقیقت

خطبۂ مسنونہ:

الحمد للّٰه نحمدهٗ و نستعينهٗ و نستغفرهٗ و نؤمِنُ بهٖ ونتوكل عليه. ونعوذ باللّٰهِ مِن شرورِ أنفسنا ومِن سيئاتِ أعمالنا ○ مَن يهدِهِ اللّٰه فلا مُضِلَّ لهٗ وَمَنْ يُضلِلهُ فلا هَادِىَ لهٗ ونشهد أن لآ اِلٰه اِلَّا اللّٰه وحدهٗ لاشريک لهٗ و نشهد أنّ سيدنا و سَندنا و مولانَا محمداً عبدهٗ ورسولهٗ.

امابعد!

فَأَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ. بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ.

كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ○ وَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَكْثِرُوْا ذِكْرَ هَازِمِ اللَّذَّاتِ الْمَوْتِ○

(مشکوۃ کتاب الجنائز، الفصل الثانی، رقم الحدیث: ۱۶۰۷)

تمہید:

بزرگانِ محترم اور برادرانِ عزیز!

پچھلے کئی جمعوں سے حقوق العباد اور اس کی تفصیلات کا بیان چل رہا تھا۔ اس کے بعد گذشتہ دو جمعوں میں انصاف قائم کرنے اور اللہ کے لئے سچی گواہی دینے کے متعلق قرآنی ارشادات کی تشریح بیان کی گئی۔ اسی کے ضمن میں ووٹ کی شرعی حیثیت کا بیان ہوا جس میں ناچیز نے یہ بتلایا کہ ووٹ کی حیثیت گواہی اور شہادت کی ہے اور شرعاً صحیح گواہی دینا فرض ہے اور جھوٹی گواہی دینا کبیرہ ہے حتی کہ ایسا کبیرہ گناہ ہے کہ حدیث میں شرک کے ساتھ اس کا ذکر موجود ہے۔ اور اسی طرح کچھ اور ضروری احکام کا ذکر بھی سامنے آیا۔

ہمارے معاشرے کا افسوسناک پہلو:

لیکن ہمارے معاشرے کا افسوس ناک پہلو یہ ہے کہ لوگ مسائل کو صرف جاننے کی حد تک محدود رکھتے ہیں۔ انہیں عملی زندگی میں لانے کی فکر نہیں کرتے۔ کس کو نہیں معلوم کہ رشوت لینا دینا حرام ہے، مگر لے دے رہے ہیں، کس کو نہیں معلوم کہ ناپ تول میں کمی کرنا حرام ہے، لیکن ایسا ہو رہا ہے، کس کو نہیں معلوم کہ سود لینا دینا حرام ہے مگر پھر بھی سود کا بازار گرم ہے۔ کسے نہیں معلوم کہ کام چوری ناجائز اور حرام ہے لیکن ہمارے ملک میں کام چوری کا دور دورہ ہے۔ ادارے سرکاری ہوں یا پرائیویٹ ہر جگہ کام چوری عام ہے۔

صرف مسئلہ جان لینا کافی نہیں:

اس سے معلوم ہوا کہ صرف برائی کے ختم ہونے کے لئے صرف مسئلہ جان

لینا کافی نہیں کیونکہ لوگوں کو مسائل معلوم ہیں، اس کے باوجود گناہ ہو رہے ہیں۔ حرام کا ارتکاب ہو رہا ہے، فرائض کو چھوڑا جا رہا ہے، ظلم عام ہے، اللہ کے عذاب کو دعوت دی جا رہی ہے۔ غور کریں تو معلوم ہوگا کہ ان گناہوں کی وجہ سے ہم پر اللہ تعالیٰ کا عذاب آچکا ہے۔ ہمارے دن رات کا چین اٹھ چکا ہے، کسی کی جان، مال اور آبرو محفوظ نہیں، لوگ وطن چھوڑ چھوڑ کر دوسرے ممالک میں جا رہے ہیں۔ وہاں جا کر طرح طرح کی تکالیف برداشت کرتے ہیں مگر یہاں نہیں آنا چاہتے۔ ان کا کہنا ہے کہ یہاں ان کی جان، مال اور آبرو محفوظ نہیں۔

گناہ کیوں ہو رہے ہیں؟

پھر ایک اہم پہلو یہ ہے کہ یہ سب گناہ جان بوجھ کر ہو رہے ہیں، بھول چوک سے نہیں ہو رہے۔ اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آخر یہ سب گناہ کیوں ہو رہے ہیں؟ اِس کا جواب یہ ہے کہ ہم سب آخرت کو بھول گئے ہیں۔ اپنی قبر کو فراموش کر بیٹھے ہیں۔ وہ قبر جو ہماری انتظار اور تاک میں ہے، اُسے بھول چکے ہیں۔

قبر کی آواز:

روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر شخص کی قبر کی جگہ پہلے سے متعین ہے۔ اللہ رب العزت نے تقدیر میں اسے لکھ دیا ہے۔ اللہ رب العزت کے علاوہ کسی اور کو معلوم نہیں کہ فلاں انسان کہاں مرے گا اور کہاں دفن ہوگا۔ حتی کہ اپنے بارے میں بھی کسی کو یہ معلوم نہیں کہ اسے کہاں موت آئے گی اور کہاں کی مٹی اس کی قبر بنے گی۔ لیکن قبر کو معلوم ہے کہ میرے پاس کون آئے گا۔ امام غزالی رحمہ اللہ احیاء العلوم میں نقل کرتے ہیں کہ قبر کی جگہ اپنے اندر آنے والے کو آواز دیتی رہتی ہے کہ اے

فلاں! میں تاریکیوں اور اندھیروں کا گھر ہوں، میں تیرے انتظار میں ہوں، میرے اندر رہنے والے بچھو اور سانپ بھی تیرے منتظر ہیں۔ اور اللہ کی رحمتیں بھی منتظر ہیں۔ میرے پاس تیاری کر کے آ۔ اگر تیاری کر کے آئے گا تو میری بانہیں تیرے لئے کھل جائیں گی، تاریکی روشنی سے بدل جائے گی، تنگی وسعت میں تبدیل ہو جائے گی اور اللہ کے عذاب کے بجائے اس کی بے پناہ رحمتیں تیرا استقبال کریں گی۔ لیکن اگر تو تیاری کئے بغیر آ گیا تو یاد رکھ! میرے بچھوؤں اور سانپوں کے ذریعے تیرے اوپر درد ناک عذاب مسلط کیا جائے گا۔

قبر یاد رکھنے کا اثر:

قبر ہماری انتظار میں ہے لیکن ہم قبر کو بھول چکے ہیں۔ اسی قبر اور آخرت کو بھولنے کی وجہ سے انسان گناہوں پر جرأت کرتا ہے۔ اور اگر قبر سامنے ہو اور میدانِ قیامت کا منظر اور آخرت کا عذاب یاد رہے تو انسان گناہ کرتے ہوئے ڈرتا ہے۔ اس کے سامنے یہ تصور جمنے لگتا ہے کہ دنیا تو چند روزہ ہے، معلوم نہیں کہ کتنے دن، کتنے گھنٹے، کتنے منٹ بلکہ کتنے سیکنڈ میں ختم ہو جائے گی۔ اس تصور کے ہوتے ہوئے گناہ یا تو ہوتے نہیں، اگر ہوں تو بہت کم ہوتے ہیں اور ان میں بھی اکثر چھوٹے ہوتے ہیں اور اگر کبھی بڑا گناہ (گناہِ کبیرہ) سرزد ہو جائے تو توبہ کئے بغیر چین نہیں آتا۔

ایسے آدمی سے دوسروں پر ظلم اور سختی نہیں ہوتی کیونکہ ظلم کرنے سے پہلے اسے اپنی قبر یاد آجاتی ہے، آخرت کا منظر آنکھوں کے سامنے گھومنے لگتا ہے اور یہ خیال آجاتا ہے کہ اگر ذرہ برابر بھی ظلم کیا تو قیامت کے روز اس کا حساب چکانا پڑے گا۔ اللہ رب العزت کا ارشاد ہے:

﴿فَمَن يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهُ ○ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ

ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ۝ (سورۃ الزلزال)

''جس نے ذرہ برابر بھی نیکی کی، وہ اسے دیکھ لے گا اور جس نے ذرہ برابر بھی برائی کی، وہ اسے دیکھ لے گا۔''

اور جسے اپنی قبر یاد نہ رہے، موت یاد نہ رہے، میدانِ حساب کا تصور ماند پڑ جائے، پل صراط سے گذرنے کا منظر یاد نہ رہے، وہ گناہ پہ گناہ کرتا جاتا ہے۔ اور مسلسل گناہوں کی طرف بڑھتا جاتا ہے۔ توبہ کی توفیق بھی نہیں ہوتی یہاں تک کہ اچانک ملک الموت (موت کا فرشتہ) آکر پکڑ لیتا ہے۔

خدائی ڈھیل اور پکڑ:

قرآن مجید میں ہے:

''وَاُمْلِیْ لَهُمْ اِنَّ كَیْدِیْ مَتِیْنٌ''(الأعراف:۱۸۳)

''میں اپنے نافرمان بندوں کو ڈھیل دیتا رہتا ہوں۔ میری تدبیر بہت مضبوط ہے۔''

جب آدمی نافرمانی میں حد سے بڑھنے لگتا ہے تو بعض مرتبہ اُسے ڈھیل دی جاتی ہے۔ دیکھنے میں تو اس کے مال و اسباب میں اضافہ ہوتا ہے، عہدے بھی ملتے رہتے ہیں، ظاہری عزت بھی ملتی رہتی ہے۔ ان چیزوں کی وجہ سے وہ گناہوں میں اور مست ہو جاتا ہے۔ حالانکہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ڈھیل ہوتی ہے۔ اور یہ ڈھیل اس لئے دی جاتی ہے کہ ان سب گناہوں کے بدلے ایک ہی مرتبہ پکڑ لیا جائے۔ اور اللہ کی پکڑ ایسی سخت ہے کہ اسے کوئی توڑ نہیں سکتا۔ لہٰذا اگر ایک شخص گناہوں کے باوجود ڈرنے کے بجائے خوش ہوتا ہے اور مزید آگے بڑھتا ہے تو سمجھو کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ڈھیل ہے۔

جسے یہ یاد رہے کہ پتہ نہیں کہ کل بھی زندہ رہوں گا یا نہیں تو وہ آج کے لئے اتنے لوگوں سے کیوں جھگڑے گا۔ لوگوں پر ظلم کیسے کرے گا۔ حرام کیوں کھائے گا۔ وہ تو یہ دیکھے گا کہ اگر میں نے حرام کھا لیا اور کل میں رخصت ہو گیا تو کس کے کام آئے گا کیونکہ دنیا سے جاتے وقت تو سب مال و اسباب یہیں چھوڑ کر جانا ہے۔ وہ میرے کام نہیں آئے گا بلکہ دوسروں کے استعمال میں آئیگا۔ بیوی بچوں کے کام آئے گا۔ رشتہ دار وارثوں کے کام آئے گا۔ حرام کھانے کی وجہ سے ان کی بھی دنیا خراب ہوگی کہ حرام کھائیں گے اور اس مرنے والے کی آخرت برباد ہو جائے گی۔

معلوم ہوا کہ سارے گناہوں کی اصل بنیاد موت کو بھولنا ہے۔ اس لئے جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا

"أَكْثِرُوْا ذِكْرَ هَازِمِ اللَّذَّاتِ الْمَوْتِ"

(لذتوں کو توڑ پھوڑ دینے والی چیز موت کو کثرت سے یاد کیا کرو)

واقعہ بھی یہ ہے کہ موت کے آتے ہی دنیا کی ساری لذتیں دھری کی دھری رہ جائیں گی۔ سب سامانِ عیش و راحت یہیں رہ جائے گا، خود انسان اکیلا چل بسے گا۔

موت کی سختی:

پھر موت کی سختی بھی اس قدر شدید ہے کہ انسانی برداشت سے باہر ہے۔ چنانچہ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ گناہ گار انسان کی روح اس طرح قبض کی جاتی ہے جیسے زندہ جانور کی کھال کتر کتر اتاری جائے تو جس طرح ایسے جانور کو تکلیف ہوتی ہے۔ اسی طرح کی تکلیف گناہ گار انسان کو موت کے وقت ہوتی ہے۔ اور بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ تکلیف اس قدر شدید ہوتی ہے۔ جیسے کانٹے دار جھاڑی پر ململ کا باریک کپڑا ڈال دیا جائے اور پھر اس کپڑے کو جو جھاڑی میں

پوری طرح پھنس چکا ہو، کھینچا جائے تو اس باریک کپڑے پر جو تباہی پھیلتی ہے، وہ حالت گناہ گار انسان کی ہوتی ہے۔

ابتدائی تخلیق کے مراحل:

یہ روح جو ہمارے جسموں میں ہے، یہ اس وقت سے ہمارے اندر آ گئی تھی جب ہمیں ماں کے پیٹ میں آئے ہوئے صرف چار مہینے ہوئے تھے۔ اس سے قبل انسان ماں کے جسم میں پہلے ایک نطفہ تھا، نطفے کو جمے ہوئے خون کے لوتھڑے میں تبدیل کیا گیا پھر اس لوتھڑے کو گوشت بنایا پھر اس گوشت کے اندر ہڈیاں بنائیں پھر ان ہڈیوں پر گوشت چڑھایا گیا۔ جب پورا جسم بن گیا (اور یہ ساری کارروائی چار مہینے میں ہوئی) تو پھر اس میں روح ڈال دی گئی۔

قرآن حکیم نے یہ ساری تفصیل اس طرح بیان کی ہے۔

﴿ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظَامًا فَكَسَوْنَا الْعِظَامَ لَحْمًا ثُمَّ أَنْشَأْنَاهُ خَلْقًا آخَرَ﴾ (المومنون: ۱۴)

''پھر بنایا اس بوند سے جما ہوا لہو، پھر بنائی اس جمے ہوئے لہو سے گوشت کی بوٹی، پھر بنائیں اس بوٹی سے ہڈیاں پھر پہنایا ان ہڈیوں پر گوشت، پھر اٹھا کھڑا کیا اس کو ایک نئی صورت میں۔''

ثُمَّ انشانہُ خلقاً آخر (ہم نے اس کے اندر نئی تخلیق کی) کے اندر خلقاً آخَــر سے مراد روح ڈالنا ہے۔ گویا اس سے پہلے صرف مادہ کے اندر کارروائی ہو رہی تھی۔ اب اس مادے میں روح بھی پڑ چکی ہے۔ روح آنے کے بعد اس سے زندگی

کے افعال سرزد ہونے لگتے ہیں چنانچہ اب بچہ سانس بھی لیتا ہے، ماں کی غذا کے ساتھ غذا بھی کھاتا ہے۔ ماں کے پینے کے ساتھ پانی بھی پیتا ہے۔ یہ ساری کاروائی تین پردوں کے اندر ہورہی ہے۔[1] پھر پانچ ماہ تک مزید ماں کے پیٹ کے اندر رہنے کے بعد وہ باہر کی دنیا میں آتا ہے۔ ادھر وہ باہر آیا، ادھر ماں کی چھاتیوں میں دودھ آگیا، اس سے پہلے ماں کی چھاتیوں میں دودھ نہیں تھا۔ کیونکہ اس سے پہلے اسے ماں کی چھاتی کے دودھ کی ضرورت نہ تھی۔ اب جونہی یہ باہر پہنچا تو اس کی غذا کا مسئلہ پیدا ہوا تو ربِّ کریم نے اس کی ماں کی چھاتیوں کو دودھ سے بھر دیا۔ یہ اللہ تعالیٰ کی شانِ ربوبیت ہے۔

چوتھے ماہ کے بعد سے آنے والی روح کسی کے جسم سے چھ ماہ بعد نکال لی جاتی ہے، کسی سے چھ سال بعد جدا کرلیتی ہے اور کسی کے اندر ستر سال تک رہتی ہے۔ جو دن اور سانس وہ اپنے ساتھ لایا تھا، ان کے پورے ہونے پر یہ روح اس کے جسم سے نکال لی جاتی ہے۔

مرنے کے بعد انسان ''انسان'' نہیں رہتا، ''لاشہ'' بن جاتا ہے:

جب آدمی مر جاتا ہے تو اس کا جسم ایک ڈھانچے کی طرح رہ جاتا ہے۔ موت کے بعد اگرچہ اس کے جسم کے کسی عضو میں بال برابر بھی کمی نہیں آئی، ذرہ برابر وزن کم نہیں ہوا لیکن وہ انسان نہیں رہا، لاش بن گیا۔ یہ آدمی نہیں رہا، مردہ بن گیا۔ اس کی ملکیت میں جو مال و دولت اور جائیداد تھی، وہ سب اس کی ملکیت سے نکل گئی۔ دنیا کے تمام قوانین یہی کہتے ہیں کہ اب اس کی ملکیت میں کچھ باقی نہیں رہا۔ جو کچھ

---

[1] كما في قوله تعالى "يخلقكم في بطون امهاتكم خلقاً مِن بعدِ خلقٍ في ظُلُمٰتٍ ثلٰثٍ
ترجمہ: وہی تم کو تمہاری ماؤں کے پیٹ میں (پہلے) ایک طرح پھر دوسری طرح تین اندھیروں میں بناتا ہے۔ (سورۃ الزمر ۶)

کمایا تھا، اب وہ اس کا نہیں رہا۔ دستخط تو وہ کر ہی نہیں سکتا۔ انگوٹھا بھی خود نہیں لگا سکتا لیکن اگر کوئی دوسرا شخص اس کا انگوٹھا لے کر کسی کاغذ پر لگا دے اور تاریخ بھی ڈال دے تو یہ نشان بھی دنیا کی کوئی عدالت تسلیم نہیں کرے گی۔ کیونکہ اب یہ وہ نہیں رہا جو پہلے تھا۔ معلوم ہوا کہ انسان جسم اور روح دونوں کے مجموعہ کا نام ہے۔ جب تک یہ دونوں ہیں تو انسان، انسان ہے۔ اس کے بعد وہ ایک لاشہ ہے۔

موت کی سختی سے پناہ مانگنے کی تلقین:

تو وہ روح جو ایک عرصہ تک ہمارے جسموں کے اندر رہتی ہے، جسم کی رگ رگ میں سمائی ہوتی ہے، ریشے ریشے میں پیوست ہوتی ہے جب یہ جدا ہوتی ہے تو تکلیف بہت ہوتی ہے۔ اس لئے اس تکلیف سے پناہ مانگنے کی تعلیم دی گئی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی مرض الموت میں یہ دُعا فرماتے تھے:

﴿اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِکَ مِنْ غَمَرَاتِ الْمَوْتِ وَسَکَرَاتِ الْمَوْتِ﴾

''اے اللہ! میں موت کی سختیوں اور تکلیفوں سے پناہ مانگتا ہوں۔''

روح جسم سے غیر متعلق نہیں ہوتی:

لیکن روح جدا ہونے کے بعد جسم سے بالکل غیر متعلق نہیں ہو جاتی بلکہ جب انسانی جسم کو قبر میں رکھا جاتا ہے تو روح کا تعلق پھر اس سے قائم ہو جاتا ہے، جسم کو جو عذاب ہوتا ہے، اس کی تکلیف روح بھی محسوس کرتی ہے اور روح پر جو تکلیف آتی ہے، اس کے اثرات جسم پر بھی ظاہر ہوتے ہیں۔ اور اگر انعامات ہوں تو

اس کا تعلق بھی جسم اور روح دونوں کے ساتھ ہوتا ہے۔

یہاں جو بھی آیا، جانے کے لئے آیا:

یہ سارا منظر ہم میں سے ہر ایک کے ساتھ پیش آنے والا ہے۔ جب یہ منظر انسان کی نظروں سے اوجھل ہو جاتا ہے تو آدمی شیطان بن جاتا ہے، چنگیز خان بن جاتا ہے، درندہ بن جاتا ہے، بچھو اور سانپ بن جاتا ہے، انسانیت کے جامے سے نکل جاتا ہے۔ اور اگر یہ منظر سامنے رہے تو وہ اسے یہ سبق دیتا رہتا ہے کہ اس عارضی زندگی کی خاطر آخرت کی دائمی زندگی کو برباد نہ کرو۔ اصل زندگی تو موت کے بعد شروع ہونے والی ہے۔ یہاں پر تم چند دنوں کے لئے آئے تھے۔

یہاں جو بھی آیا ہے، جانے کے لئے آیا ہے، رہنے کے لئے نہیں آیا۔ اگر موت سے کوئی مستثنیٰ کیا جاتا تو انبیاءِ کرام علیہم السلام اس دنیا سے رخصت نہ ہوتے، سید المرسلین امام الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام اس دنیا سے تشریف نہ لے جاتے لیکن موت نے نہ کسی بادشاہ کو چھوڑا اور نہ کسی فقیر کو، نہ کسی نبی اور ولی کو چھوڑا اور نہ کسی عام انسان کو، نہ کسی پہلوان کو چھوڑا اور نہ کسی کمزور کو۔ موت کسی کو بھی نہیں چھوڑتی، یہ ہر حال میں آکر رہے گی۔

سلیمان علیہ السلام کے ایک ساتھی کا واقعہ:

امام غزالی رحمہ اللہ نے یہ واقعہ لکھا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت سلیمان علیہ السلام اپنے ساتھیوں کے ساتھ تشریف فرما تھے۔ ایک اجنبی آیا اور حاضرین میں سے ایک کو بار بار گھورنے لگا۔ کچھ دیر بیٹھا رہا اور پھر اٹھ کر چلا گیا۔

جس شخص کو وہ گھور رہا تھا۔ اسے بڑا ڈر لگا۔ اس نے حضرت سلیمان علیہ

السلام سے عرض کیا کہ وہ شخص مجھے گھور رہا تھا۔ جس کی وجہ سے میں بہت پریشان ہو چکا ہوں۔ میں زیادہ دیر یہاں ٹھہر نہیں سکتا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کے لئے ہوا کو مسخر کر رکھا ہے۔ براہِ کرم آپ ہوا کو حکم دیں کہ وہ مجھے اڑا کر ہندوستان کے آخری کنارے پہنچا دے۔ (حضرت سلیمان علیہ السلام ملکِ شام میں ہوتے تھے) آپ نے ہوا کو حکم دیا اور وہ اسے اڑا کر ہندوستان کے آخری کنارے چھوڑ آئی۔

اگلے دن وہ اجنبی پھر آیا۔ سلیمان علیہ السلام نے اس سے پوچھا کہ کل تم ہمارے ایک ساتھی کو گھور رہے تھے، کیا بات تھی؟ وہ بولے کہ میں ملک الموت (موت کا فرشتہ ہوں) کل جب میں یہاں آیا تو مجھے یہ دیکھ کر بہت حیرت ہوئی کہ یہ شخص یہاں (شام میں) بیٹھا ہے اور مجھے آج آدھی رات کے وقت ہندوستان کے آخری کنارے پر اس کی روح قبض کرنی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مجھے یہ حکم ملا ہے کہ وہ مجھے ہندوستان کے آخری کنارے پر ملے گا، وہاں میں اس کی روح قبض کر لوں۔ اس حیرت کی وجہ سے میں اسے گھور رہا تھا۔ لیکن جب میں وہاں پہنچا تو وہ وہیں موجود تھا۔

موت کا آنا یقینی ہے:

موت کا وقت تو بہر حال مقرر اور طے شدہ ہے اور اس طے شدہ وقت میں ایک سیکنڈ کے ہزارویں حصے کے بقدر تاخیر نہیں ہوسکتی اور جلدی بھی نہیں ہوسکتی۔ اور یہ اتنی یقینی چیز ہے کہ دنیا کے کسی مذہب کو اس سے اختلاف نہیں، کسی فلسفے اور سائنس کو اس سے انکار نہیں اور کوئی بھی شخص اس کا منکر نہیں۔ لیکن اس سب کے باوجود اکثر لوگ اسے بھولے ہوئے ہیں۔ اپنے پیاروں کو کندھا دیتے ہیں لیکن یہ بھول جاتے ہیں کہ ایک روز انہیں بھی کندھا دیا جائے گا۔ کتنوں کی نمازِ جنازہ میں شریک ہوتے ہیں لیکن یہ تصور جاگزیں نہیں ہوتا کہ ایک روز ان کی نماز جنازہ بھی ادا

کی اجائے گی۔ ہم نے کتنوں کو اپنے ہاتھوں سے قبر میں اتارا ہے، کتنوں کی قبر پر مٹی ڈالی ہے، ان کے مرنے پر ہفتوں، مہینوں بلکہ برسوں تک بھی روئے ہیں لیکن پھر اس موت کو بھول جاتے ہیں جو ہمارے پاس بھی آنے والی ہے۔ اور اُسی بھول کی وجہ سے سارے جرائم واقع ہوتے ہیں۔ اگر یہ موت یاد رہے تو دنیا میں امن و امان قائم ہو جائے گا، قتل و غارت گری کا خاتمہ ہو جائے گا، ظلم وستم مٹ جائے گا، لوگوں کو ان کے حقوق ملیں گے، کوئی کسی کا حق نہیں مارے گا۔ اگر کبھی مارے گا بھی تو زیادہ نہیں مارے گا، دیر تک نہیں مارے گا۔ بالآخر اسے واپس کرنے کی توفیق ہوگی۔

مراقبہء موت:

حکیم الأمت حضرت تھانوی رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے کہ ''موت کا مراقبہ کیا کرو''۔ موت کے مراقبے کا مطلب یہ ہے کہ اپنی موت کا تصور جمایا کرو، اس کا طریقہ بھی ذکر فرمایا۔ وہ یہ کہ روزانہ کسی وقت (مثلاً رات کو لیٹتے وقت یا صبح اُٹھنے کے وقت یا بیچ کسی فرصت کے وقت) دو چار منٹ اپنی موت کا تصور کیا کرو۔ (تین چار منٹ بھی بہت ہیں، اس لئے کہ تصور کی رفتار بہت تیز ہے۔ اس کے برابر کوئی رفتار ابھی تک دریافت ہی نہیں ہوئی، روشنی کی رفتار سے بھی زیادہ تیز ہے) اور تصور اس طرح کرو کہ یہ سوچو کہ ایک وقت ایسا آنے والا جب میری موت قریب ہوگی، میرے رشتے دار، عزیز و اقارب، بہن بھائی، ماں باپ، بیوی بچے میری زندگی سے مایوس ہو چکے ہوں گے۔ اور وہ بیکسی کے عالم میں مجھے دیکھ کر رو رہے ہوں گے۔ اسی حالت میں میری روح نکال لی جائے گی۔ ملک الموت میری روح میرے جسم کے ریشے ریشے سے نکالیں گے۔ پورے گھر میں ایک سوگ ہوگا۔ لوگوں کو اطلاع دی جائے گی۔ نہلانے والے غسل دیں گے۔ پھر کفن دیا جائے گا۔ کفن میں لپیٹ کر میرا جنازہ

اٹھایا جائے گا۔ جس طرح اب تک میں دوسرے جنازوں کو کندھے دیتا رہا ہوں، اسی طرح آج دوسرے لوگ میرے جنازے کو بھی کندھا دے رہے ہوں گے۔ میرے بھائی، میرے والد، میرے بیٹے، میرے دوست، میرے عزیز و قریب سب مجھے کندھوں پر لے جارہے ہوں گے۔ نمازِ جنازہ ہوگی۔ پھر مجھے اس گڑھے میں لے جایا جائے گا جو میرے انتظار میں ہے۔ وہاں نہ روشنی ہے اور نہ کوئی گدا، نہ تکیہ ہے اور نہ کوئی ساتھی ہے اور نہ ہی کھانے پینے کا سامان ہے۔ وہ مجھے لٹا کر اور منوں مٹی میرے اوپر ڈال کر واپس چلے آئیں گے۔ اس کے بعد میں ہوں گا، میری قبر ہوگی اور میرا عمل ہوگا۔ جیسا میرا عمل ہوگا، ویسے ہی وہ قبر میرے لئے ہو جائے گی۔

مراقبۂ موت کے ثمرات:

اگر ہم روزانہ یہ مراقبہ کرنے لگیں (اور یہ صرف دو تین منٹ کا عمل ہے) تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اِس ارشاد کی بھی تعمیر ہو جائے گی کہ ”لذتوں کو توڑنے والی چیز موت کا کثرت سے ذکر کیا کرو“ اور چند ہی دنوں میں آپ محسوس کریں گے کہ آپ کی زندگی میں خوشگوار تبدیلی آرہی ہے۔ آپ کے والدین، بہن بھائی اور بیوی بچے محسوس کریں گے کہ آپ کے اندر ایک انقلاب رونما ہو چکا ہے۔ اور آپ ایک عظیم اور محبوب انسان بنتے جا رہے ہیں۔ آپ کی ہر دلعزیزی بڑھتی جارہی ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنی قبر کی تیاری اور گناہوں سے بچنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

وآخر دعوانا أنِ الحمد للّٰہ رب العالمین ٥

جہاد اور حقوق والدین

موضوع	جہاد اور حقوق والدین
خطاب	حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی مدظلہم
مقام	جامع مسجد، جامعہ دار العلوم کراچی
ترتیب و عنوانات	مولانا اعجاز احمد صمدانی (فاضل جامعہ دار العلوم کراچی)
باہتمام	محمد ناظم اشرف

﴿جہاد اور حقوقِ والدین﴾

خطبہء مسنونہ:

نحمدهٗ و نصلّی علٰی رسولہٖ الکریم.

اما بعد!

عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ: أَقْبَلَ رَجُلٌ إِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: أُبَایِعُکَ عَلَی الْهِجْرَةِ وَالجِهَادِ أَبْتَغِی الْأَجْرَ مِنَ اللّٰهِ تَعَالٰی. قَالَ: فَهَلْ لَکَ مِنْ وَالِدَیْکَ اَحَدٌ حَیٌّ؟ قَالَ: نَعَمْ بَلْ کَلَاهُمَا. قَالَ: فَتَبْتَغِی الْأَجْرَ مِنَ اللّٰهِ تَعَالٰی؟: قَالَ: نَعَمْ. قَالَ: فَارْجِعْ إِلٰی وَالِدَیْکَ، فَأَحْسِنْ صُحْبَتَهُمَا.

(صحیح مسلم، کتاب البر، باب تقدیم برّ الوالدین علی التطوع ۲/۳۱۳)

حدیث کا مفہوم:

بزرگانِ محترم اور برادرانِ عزیز!

والدین اور رشتہ داروں سے حسنِ سلوک سے متعلق بات چل رہی تھی۔ اسی سلسلے کی ایک حدیث حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص سے مروی ہے کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا: ''میں آپ کے ہاتھ پر بیعت کرتا ہوں، ہجرت اور جہاد پر اور ثواب چاہتا ہوں''۔ آپ نے فرمایا کہ کیا تمہارے والدین میں سے کوئی زندہ ہے۔ اس نے جواب دیا کہ جی ہاں، دونوں زندہ ہیں، (والد بھی اور والدہ بھی)۔

آپ نے فرمایا کہ اپنے والدین کی طرف لوٹ جاؤ اور ان کے ساتھ اچھی طرح رہو۔ (صحیح مسلم، باب تقدیم برّ الوالدین علی التطوع، کتاب البر والصلۃ ۲/۳۱۳)

بیعت کسے کہتے ہیں؟

بیعت ایک قسم کا معاہدہ ہوتا ہے۔ اب بھی بیعت کا ایک طریقہ جاری ہے۔ جسے ہمارے ہاں ''پیری مریدی'' کہا جاتا ہے۔ اس میں لوگ اپنے مرشد کے ہاتھ پر بیعت کرتے ہیں یعنی اس بات کا معاہدہ کرتے ہیں کہ ہم دین پر عمل کریں گے اور آپ کی ہدایات کے مطابق آپ کی رہنمائی میں کام کریں گے۔

بیعت کی اقسام:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں بھی یہ بیعت ہوتی تھی بلکہ اس دور میں بیعت کی مختلف قسمیں پائی جاتی تھیں۔

۱۔ بیعت علی الإ سلام۔
۲۔ بیعت علی الجہاد۔
۳۔ مخصوص افعال کی پابندی پر بیعت (بیعتِ تصوف)
۴۔ بیعتِ خلافت۔

ایک قسم یہ تھی کہ کوئی شخص مشرف باسلام ہوتا تو وہ آکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر قبولیت اسلام کی بیعت کرتا یعنی یہ معاہدہ کرتا کہ میں نے اسلام قبول کر لیا ہے اور اب اپنی زندگی اسلام کے عقائد اور احکام کے مطابق گذاروں گا۔ یہ بیعت علی الإ سلام کہلاتی ہے۔

بعض مرتبہ جہاد کے موقعوں پر آپ ﷺ نے صحابہ کرام سے بیعت لی کہ تم اپنے امیر کی اطاعت کرو گے اور جہاد فی سبیلِ اللہ پورے اخلاص کے ساتھ کرو گے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کچھ خواتین آئیں، انہوں نے چند مخصوص افعال کی پابندی پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیعت کی۔ اس کا ذکر قرآن مجید میں ہے۔[۱] اِس قسم کی بیعت آج بھی جاری ہے۔ مرشد کے ہاتھ پر جو بیعت کی جاتی ہے وہ اِسی پر ہوتی ہے کہ شریعت کے فرائض و واجبات بجا لائیں گے اور آپ کی رہنمائی میں یہ کام کریں گے۔ یہ بیعت شریعت کے مطابق ہے اور اس میں بڑی خیر و برکت ہوتی ہے۔

ایک اور قسم کی بیعت یہ تھی کہ جب کوئی خلیفہ یا امیر المومنین مقرر ہوتا تو لوگ اس کے ہاتھ پر اس بات کی بیعت کرتے کہ ہم آپ کو امیر المومنین مانتے ہیں اور جائز کاموں میں آپ کی اطاعت کریں گے۔

ہجرت اور جہاد پر بیعت کرنے کا مطلب:

اس حدیث میں اسی تیسری قسم کی بیعت کا ذکر ہے۔ ہجرت اور جہاد پر

۱۔ سورۃ الممتحنہ، ۱۲

بیعت کرنے کا مطلب یہ تھا کہ میں اپنا وطن چھوڑ کر مدینہ طیبہ ہجرت کر کے آؤں گا اور جہاد میں شریک ہوں گے۔ اور ان دو کاموں پر آپ کی بیعت کرنا چاہتا ہوں۔ آپ نے بیعت فرمانے کے بجائے یہ سوال کیا کہ کیا تمہارے والدین میں سے کوئی زندہ ہے۔ جب اس نے بتلایا کہ دونوں زندہ ہیں تو آپ نے اسے اس کے والدین کی طرف لوٹ جانے کا فرمایا اور ان سے حسنِ سلوک کرنے کا حکم دیا۔

ایک روایت میں ہے کہ آپ نے اِسی طرح کے ایک سوال کے جواب میں فرمایا کہ ''اپنے والدین کے پاس جاؤ اور انہی کے سلسلے میں جہاد کرو''۔ (صحیح مسلم ۱/۳۱۳) یعنی جو محنت اور کوشش تم جہاد میں جا کر کرتے ہو، وہی محنت اور کوشش ان کے حقوق کی ادائیگی میں کرو۔

والدین کی خدمت ہجرت اور جہاد سے بہتر ہے:

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ والدین کی خدمت کرنا ہجرت سے بھی بہتر کام ہے اور جہاد فی سبیل اللہ سے بھی افضل ہے۔ ہجرت اور جہاد کے کتنے فضائل قرآن کریم اور احادیث میں مذکور ہیں۔ درجنوں سے زیادہ آیاتِ قرآنی اور بیسیوں احادیث ان کے فضائل سے بھری ہوئی ہیں لیکن اس سب کے باوجود آپ نے اُسے جہاد اور ہجرت کرنے کے بجائے والدین کی خدمت کا حکم دیا۔

ہجرت سے متعلق مسئلے کی تفصیل:

اس مسئلے کو ذرا تفصیل سے سمجھنے کی ضرورت ہے۔ بات یہ ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ طیبہ ہجرت فرمائی تو اس وقت مکہ مکرمہ کے تمام مسلمانوں پر ہجرت فرض عین تھی۔ کسی کے لئے یہ جائز نہیں تھا کہ وہ ہجرت نہ

کرے۔ ہر مسلمان پر لازم تھا کہ وہ مکہ مکرمہ سے ہجرت کر کے مدینہ طیبہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آکر رہے۔ اِلّا یہ کہ کوئی شخص اتنا سخت مجبور ہو اور مکہ مکرمہ سے نکل نہ سکتا ہو تو وہ مستثنیٰ تھا۔

یہ حکم فتح مکہ تک رہا۔ جب مکہ مکرمہ فتح ہوگیا تو مسلمانوں کی وہاں حکومت قائم ہوگئی تو اب مکہ مکرمہ سے ہجرت کرنے کی فرضیت ختم ہوگئی۔ اگر کوئی شخص مدینہ طیبہ میں آکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں رہنا چاہتا تو وہ اجازت مانگتا۔ اگر آپ کی طرف سے اجازت ملتی تو وہ مدینہ منورہ میں آجاتا ورنہ وہیں رہ جاتا۔ بظاہر اس صحابی کا واقعہ اس وقت کا ہے جب فتحِ مکہ ہو چکا تھا اور ہجرت کی فرضیت نہیں رہی تھی۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ یہ صحابی مکہ مکرمہ کے علاوہ کسی اور علاقے کے ہوں۔

جہاد سے متعلق حکم کی تفصیل:

یہ بات تو ہجرت کے متعلق تھی۔ جہاد کے متعلق تفصیل یہ ہے کہ بعض حالات میں ہر مسلمان مرد پر جہاد فرضِ عین ہو جاتا ہے بلکہ بعض صورتوں میں عورتوں پر بھی جہاد فرض ہو جاتا ہے۔ ایسی حالت میں صرف مریض، نابالغ بچے اور معذور افراد مستثنیٰ ہوتے ہیں۔ باقی لوگوں پر جہاد ایسے ہی فرض ہو جاتا ہے جیسے پانچ وقت کی نماز فرض ہے۔ یہ حکم دو صورتوں میں پایا جاتا ہے۔

(۱) ایک یہ کہ دشمن نے کسی مسلمان بستی پر حملہ کر دیا تو اب اس بستی کے تمام مسلمانوں پر فرضِ عین ہے کہ وہ اس دشمن کا مقابلہ کریں۔ اگر مرد کافی نہ ہوں تو عورتیں بھی شریکِ جہاد ہوں اور ایسی حالت میں عورتیں اپنے شوہروں سے اجازت لینے کی بھی پابند نہیں۔ اور اگر اس بستی کے مرد و عورت کافی نہ ہوں تو قریب ترین بستی کے لوگوں پر جہاد فرض ہو جاتا ہے۔

(۲) دوسری صورت یہ ہے کہ مسلمانوں کا حاکم یہ اعلان کرے کہ تمام لوگ جہاد کے لئے نکل کھڑے ہوں یا کوئی خاص عمر متعین کر دی کہ اس عمر کے تمام لوگ جہاد کے لئے نکلیں۔ ایسی صورت میں جن جن لوگوں پر وہ اعلان عائد ہوتا ہے، ان سب پر جہاد فرضِ عین ہو جائے گا۔ جیسے غزوۂ تبوک کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام مسلمانوں کو جہاد کے لئے نکلنے کا حکم دیا۔ صرف تین صحابہ کسی عذرِ معتبر کی وجہ سے اس جہاد میں شریک نہ ہوئے جس کی وجہ سے ان پر عتاب ہوا اور بعد میں ان کی توبہ قبول کی گئی۔ قرآن و حدیث میں یہ واقعہ تفصیل سے مذکور ہے۔[1]

جہاد کس وقت فرضِ کفایہ ہوتا ہے؟

ان دوصورتوں کے علاوہ دیگر مواقع پر جہاد فرضِ عین نہیں ہوتا بلکہ فرضِ کفایہ ہوتا ہے مثلاً یہ کہ کسی بستی پر دشمن نے حملہ کیا تو اس بستی والوں پر تو فرض عین ہوگا لیکن باقی بستیوں پر فرضِ کفایہ ہوگا۔ یعنی اگر یہ اندازہ ہو کہ اس بستی کے لوگ کافی ہو جائیں گے تو دوسری بستیوں کے افراد پر جہاد فرض نہ ہوگا لیکن اگر یہ اندازہ ہو کہ اس بستی کے لوگ ناکافی ہیں تو قریبی بستی کے لوگوں پر جہاد فرضِ عین ہو جائے گا اور اس بستی والے بھی کافی نہ ہوں تو پھر دوسری بستی والوں پر فرض ہو جائے گا لیکن اگر کچھ لوگوں کا جانا کافی ہو سب کا جانا ضروری نہ ہو تو باقی لوگوں پر فریضہ عائد نہ ہوگا۔ اگر وہ نہ جائیں تو کوئی گناہ نہ ہوگا۔

جہاد فرضِ عین نہ ہو تو والدین کی اجازت کے بغیر جانا جائز نہیں

یہ صحابی جس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت لینے آئے تھے۔

---

[1] ملاحظہ فرمائیے: سورۃ التوبہ: ۱۱۷، ۱۱۸۔ صحیح البخاری، کتاب المغازی، باب حدیث کعب بن مالک (۲/۶۳۴)

اس وقت جہاد فرضِ عین نہ تھا بلکہ فرضِ کفایہ تھا۔ اس لئے آپ نے اُسے جہاد میں جانے کی اجازت دینے کے بجائے فرمایا کہ تم اپنے والدین کی خدمت کرو۔ تمہارے لئے یہی جہاد ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ جب جہاد فرضِ عین نہ ہو، اُس وقت جہاد سے زیادہ افضل والدین کی خدمت میں رہنا ہے۔ اسی بنیاد پر فقہاءِ کرام نے یہ مسئلہ بیان فرمایا ہے کہ جب جہاد فرضِ عین نہ ہو تو والدین کی اجازت کے بغیر جہاد کے لئے جانا جائز نہیں۔ ہاں اگر والدین خوشی سے اجازت دے دیں تو پھر جہاد میں جانا جائز ہوگا۔

کیا والدین کی اجازت کے بغیر علمِ دین اور تبلیغ کے لئے جانا جائز ہے؟

جہاد کے علاوہ دو کام اور ہیں جن کے لئے لوگ خاص طور پر نوجوانوں کو گھر چھوڑ کر جانا پڑتا ہے۔ ایک، علمِ دین کے حصول کے لئے۔ طلبہ اپنے والدین سے رخصت ہو کر لمبے عرصے تک مدرسوں میں رہتے ہیں اور علم حاصل کرتے ہیں۔ دوسرے، تبلیغ کے لئے جیسے سہ روزہ، عشرہ، چلہ، چار ماہ اور ایک سال وغیرہ کے لئے گھروں سے نکلتے ہیں۔ بلاشبہ اِن دونوں کاموں کے لئے نکلنا اللہ تعالیٰ کے راستے نکلنا ہے۔

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا اِن دو صورتوں میں والدین کی اجازت کے بغیر نکلنا جائز ہے یا نہیں اور والدین کا حق یہاں بھی مقدم ہے یا نہیں؟ خوب سمجھ لیجئے کہ یہاں پر بھی والدین کا حق مقدم ہے۔ جہاں تک علمِ دین کے لئے نکلنے کا معاملہ ہے تو اس کی وجہ تو یہ ہے کہ پورا عالمِ دین بننا تمام مسلمانوں پر فرضِ عین نہیں ہے بلکہ اگر اتنے مسلمان عالم بن جائیں جن سے پورے معاشرے کی دینی ضرورت پوری ہو جائے تو باقی مسلمانوں کے لئے پورا علمِ دین سیکھنا ضروری نہیں رہتا۔ البتہ

ہر مسلمان مرد و عورت پر اتنا علمِ دین حاصل کرنا فرضِ عین ہے کہ جس کی روز مرّہ کے کاموں کے لئے ضرورت ہے جیسے نماز، روزہ اور پاکی، ناپاکی کے مسائل، اللہ تعالیٰ مال دے دے تو زکوٰۃ کے مسائل، شادی ہو جائے تو نکاح و طلاق کے مسائل، تجارت کرنے لگے تو اپنی تجارت کے متعلق مسائل وغیرہ۔ اِن سب کے مسائل کو بقدرِ ضرورت سیکھنا فرض ہو جاتا ہے لیکن پورا عالمِ دین بننا فرضِ عین نہیں ہوتا۔ اور ایسے مسلمانوں کا کام یہ ہے کہ اپنے شعبے سے متعلق ضروری احکام علماءِ کرام سے پوچھیں اور ان کے مطابق عمل کریں۔ جب یہ بات ہے کہ ہر مسلمان پر پورا عالمِ دین بننا فرض نہیں تو اس کے لئے والدین کی اجازت کے بغیر عالم بننا جائز نہیں بلکہ ایسی صورت میں لازم ہے کہ ان کے پاس رہے، ان کی خدمت کرے اور ان کے ساتھ حسنِ سلوک سے پیش آئے۔

تبلیغ کے حکم میں تفصیل:

تبلیغ کے کام میں یہ تفصیل ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی آنکھوں سے کسی گناہ کو ہوتے ہوئے دیکھتا ہے تو اس وقت تو اس پر فرض ہے کہ اس گناہ کو روکنے کی کوشش کرے۔ اگر ہاتھ سے روک سکتا ہے تو ہاتھ سے روکے، ہاتھ سے نہیں روک سکتا تو زبان سے روکے۔ اور اگر زبان سے بھی نہیں روک سکتا تو اُسے گناہ سمجھے اور یہ نیت رکھے کہ اگر کبھی قدرت ہوئی تو اس برائی کو روکنے کی کوشش کروں گا۔

سہ روزہ اور چلہ وغیرہ میں جانے کا حکم:

اتنی حد تک تو تبلیغ فرضِ عین ہے، اس سے زیادہ فرضِ عین نہیں کہ ہر شخص گھر سے نکلے اور دوسروں کو نیکی کے کاموں کی ترغیب دے اور گناہوں سے بچنے کی

دعوت دے۔ یہ کام اگرچہ بہت عظیم اور ثواب والا کام ہے لیکن فرضِ عین نہیں۔ اور جب فرضِ عین نہیں تو ماں باپ کی اجازت کے بغیر اس کے لئے نکلنا بھی جائز نہیں، نہ سہ روزہ میں، نہ دس روزہ میں، نہ چلے میں، نہ چار مہینے اور نہ ایک سال میں۔

حد سے تجاوز:

اِس معاملے میں مجاہدین بھی حد سے تجاوز کرتے ہیں کہ وہ والدین کی اجازت کے بغیر جہاد کے لئے چلے جاتے ہیں۔ علمِ دین کے سلسلے میں بھی بعض طلبہ یہ غلطی کرتے ہیں کہ ماں باپ سے اجازت لئے بغیر مدارس میں داخلہ لے لیتے ہیں اور تبلیغ کے کام میں بھی یہ کثرت سے ہوتا ہے کہ والدین راضی ہوں یا نہ ہوں سہ روزہ یا دس روزہ کے لئے چلے گئے اور پھر وہیں سے خط بھیج دیا کہ اب میں چلّہ کے بعد آؤں گا، دوسرا خط آیا کہ میں نے چار مہینے کر دیئے پھر وہاں سے خط آیا کہ اب میں سال بعد آؤں گا۔ یہ سب شرعی حدود سے تجاوز کرنے والی باتیں ہیں۔

والدین کی اجازت کے بغیر نفلی حج کرنا جائز نہیں:

خوب سمجھ لینا چاہئے کہ اسلام نام ہے بندگی کا، اللہ رب العالمین اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کے آگے گردن جھکا دینے کا۔ اپنی مرضی اور شوق کو پورا کرنا اسلام نہیں۔ آپ نے حجِ فرض ادا کرلیا۔ اب نفلی حج پر جانے کا شوق پیدا ہوا تو والدین کی اجازت کے بغیر جانا جائز نہ ہوگا۔ جائیں گے تو گنہگار ہوں گے۔ حالانکہ حج کتنی عظیم عبادت اور ثواب کا کام ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے اپنا حجِ فرض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ان کے حجۃ الوداع کے موقع پر ادا کیا تھا۔ اس کے بعد جب تک آپ کی والدہ حیات رہیں، کبھی حج کے لئے نہیں گئے حالانکہ

مدینہ طیبہ سے حج کے لئے جانا کوئی زیادہ مشکل نہ تھا لیکن والدہ کی خدمت کو چھوڑ کر حج پر جانا گوارا نہیں کیا۔

اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حکم بجا لانا ہی بندگی ہے

شریعت نے جس حال میں جو حکم دیا، اُسے بجا لانا عبادت ہے، اس کے خلاف اپنی مرضی کرنا عبادت نہیں ہوسکتا بلکہ بعض مرتبہ اُسے کرنا جائز بھی نہیں ہوتا جیسے مغرب کی نماز کے بارے میں شریعت نے حکم دیا کہ تین فرض پڑھو۔ اگر کوئی شخص تین کے بجائے چار رکعت پڑھے گا تو وہ قبول نہ ہوگی بلکہ الٹا منہ پر مار دی جائے گی۔ اسی طرح عام حالات میں یہ حکم ہے کہ نماز کے دوران سر کو ڈھانپنا چاہیے لیکن حج کے دوران سر کو ننگا رکھنے کا حکم دیا گیا۔ حتی کہ حج میں اگر کوئی مرد سر پر کپڑا ڈال لے تو اس پر دم[1] واجب ہو جاتا ہے۔ اسی طرح عام حالات میں خوشبو لگانا پسندیدہ ہے لیکن حج کے دوران خوشبو لگانا جائز نہیں۔ اگر لگائے گا تو دم دینا پڑے گا۔

اگر کوئی شخص یہ سوچے کہ نماز میں سر ڈھانپنا اور خوشبو لگانا اللہ تعالیٰ کو پسند ہے، اس لئے میں حج میں بھی سر ڈھانپوں گا اور خوشبو لگاؤں گا تو اِس کا یہ فعل مقبول نہ ہوگا بلکہ الٹا اس کے منہ پر مار دیا جائے گا کیونکہ اس وقت اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حکم اس کے برخلاف ہے۔ اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم کو بجا لانا ہی بندگی ہے اور اسی کا نام دینداری ہے۔ اگر اس کے برعکس کریں گے تو وہ دین نہیں ہوگا۔

حضرت اویس قرنی رحمہ اللہ کا واقعہ:

حضرت اویس قرنی رحمہ اللہ مشہور تابعی ہیں۔ آپ یمن کے رہنے والے

---

[1] دم واجب ہونے کا مطلب ہے کہ ایک جانور جیسے بکرا، دنبہ، بھیڑ وغیرہ (جس میں قربانی کی شرائط موجود ہوں) کو فدیہ کے طور پر ذبح کرنا۔

تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ ہی میں مسلمان ہو گئے تھے۔ آپ وہاں سے سفر کر کے مدینہ طیبہ تشریف لا سکتے تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے شرفیاب ہو کر صحابی ہونے کی فضیلت حاصل کر سکتے تھے۔ صحابی ہونا اتنا اونچا مقام ہے کہ اس امت میں نبی کے بعد اس جیسا کوئی مقام نہیں۔ لیکن آپ کی والدہ بوڑھی تھیں اور آپ کے علاوہ ان کی خدمت کرنے والا کوئی نہ تھا۔ آپ نے بارگاہِ رسالت میں حاضری دینے کے بجائے والدہ کی خدمت کو ترجیح دی حالانکہ یمن کے اور کئی حضرات جن میں حضرت ابوموسیٰ اشعری اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہما شامل ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

دل کس نہیں چاہتا ہوگا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کرے لیکن اس وقت چونکہ آپ پر والدہ کی خدمت فرض عین تھی، اس لئے آپ نے دل کی خواہش کو قربان کیا اور حکمِ شرعی کو سر پر رکھا۔ بندگی اِسی کا نام ہے۔ غلامی اسی کا نام ہے۔ دین اسی کا نام ہے۔ اس بندگی کے نتیجہ میں آپ کو یہ مقام ملا کہ جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا: دیکھو! ایک شخص ہے جس کا نام اویس ہے۔ قبیلہ قرن سے اس کا تعلق ہے۔ یمن کا رہنے والا ہے۔ اس کی فلاں فلاں علامتیں ہیں۔ وہ اپنی والدہ کی خدمت میں رہتا ہے، اگر کبھی تمہاری اس سے ملاقات ہو تو تم اس سے اپنے لئے مغفرت کی دُعا کرانا۔

(صحیح مسلم، باب من فضائل اویس القرنی)

چنانچہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں جہاد میں جانے کے لئے مختلف علاقوں اور شہروں سے لشکر آیا کرتے تھے۔ جب یمن کے مجاہدین آتے تو آپ ان سے پوچھتے کہ تم میں سے کوئی اویس تو نہیں۔ کئی دفعہ پوچھا، ایک مرتبہ اویس قرنی

بھی اِن دستوں کے ساتھ آئے ہوئے تھے۔ ان کے اندر وہ ساری علامات موجود تھیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمائی تھیں۔ فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ نے جب تمام علامات سے پہچان لیا تو ان سے درخواست کی کہ تم میرے لئے مغفرت کی دُعا کرو۔ حالانکہ عمرِ فاروق رضی اللہ عنہ خلیفہءِ راشد ہونے کے ساتھ ساتھ عشرہ مبشرہ میں سے بھی ہیں۔ اور آپ کا نام لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ **عُمَرُ فِي الجنةِ** (عمر جنت میں ہے) اور معراج کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمر فاروق کا جنت میں قلعہ بھی دیکھا۔ اس سب کے باوجود اس شخص سے دُعا کی درخواست کی جا رہی ہے۔ جس نے ماں کی خدمت کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت پر ترجیح دی۔ اور اپنی دِلی خواہش پر عمل کرنے کے بجائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کے آگے گردن جھکا دی۔

محمود و ایاز کا واقعہ:

اسلام نام ہی گردن جھکانے کا ہے۔ اسلام کے لغوی معنیٰ ہیں گردَن نہادَن (گردن جھکا لینا)۔ آقا نے جو حکم دے دیا اس کے آگے گردن جھکا لینے کا نام اسلام ہے۔ آپ نے محمود و ایاز کا واقعہ سنا ہوگا۔ محمود غزنوی افغانستان کا جلیل القدر بادشاہ تھا۔ اس کا ایک غلام تھا جسے ''ایاز'' کہا جاتا تھا۔ ''ایاز'' اپنی سلیقہ مندی، ذہانت، شرافت اور وفاداری کی وجہ سے بادشاہ کا محبوب ہو گیا حتیٰ کہ بعض مرتبہ بادشاہ اس کی بات کو اپنے وزیروں بلکہ وزیرِ اعظم کی بات پر بھی فوقیت دے دیا کرتا تھا۔ وزیروں کو حسد ہونے لگا۔ بادشاہ یہ جتانے کے لئے کہ ایاز کو یہ مقام کیسے حاصل ہوا، کبھی کبھی کوئی امتحان لیا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ بھرے دربار میں وزیرِ اعظم کو حکم دیا کہ فلاں پیالہ جو فلاں ملک کے بادشاہ نے تحفے کے طور پر بھیجا تھا، وہ حاضر کیا جائے۔ وہ پیالہ

بہت ہی قیمتی جواہر کا بنا ہوا تھا۔ کروڑوں اربوں کی مالیت کا تھا۔ وہ لا کر رکھا گیا۔ ایک ہتھوڑا منگوا لیا۔ ایک وزیر سے کہا کہ یہ ہتھوڑا لے کر پیالے کو توڑ ڈالو۔ اس کے ہاتھ کپکپانے لگے۔ کہا کہ بادشاہِ سلامت! جان کی امان پاؤں تو ایک عرض کروں۔ بڑا قیمتی پیالہ ہے، توڑنے سے بڑا نقصان ہوگا۔ بادشاہ نے دوسرے کو حکم دیا۔ وہ بھی کپکپا گیا۔ تیسرے نے بھی معذرت کر دی۔ آخر تک سب وزراء کے اندر اس پیالے کو توڑنے کی ہمت پیدا نہ ہوئی۔ سب سے آخر میں ایاز کو حکم دیا۔ اس نے ہتھوڑا اٹھایا اور اسے پیالے پر دے مارا اور اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے۔ دربار پر سناٹا طاری ہو گیا۔ بادشاہ نے لہجہ بدل کر کہا: ایاز! یہ تو نے کیا کیا؟ اتنا قیمتی پیالہ توڑ دیا۔ ایاز بولا: بادشاہ سلامت! مجھ سے اگر غلطی ہوئی ہے تو معافی چاہتا ہوں لیکن میں نے یہ سوچا کہ ایسے ہزاروں پیالے توڑے جا سکتے ہیں مگر بادشاہ کا حکم نہیں توڑا جا سکتا۔

سب سے بڑی دانشمندی:

اس کے جواب پر غور کیجئے کہ پہلے معافی مانگی یہ نہیں کہا کہ ابھی تو آپ نے حکم دیا تھا کہ اسے توڑ ڈالئے اور اب ناراض بھی ہو رہے ہیں۔ اور پھر حکم بجا لانے کی حکمت کیسے عمدہ انداز میں بیان کی کہ اس جیسے ہزاروں پیالے ٹوٹ سکتے ہیں، بادشاہ کا حکم نہیں ٹوٹ سکتا۔ یہی وہ صفت تھی جس نے ایاز کو محمود غزنوی کا چہیتا غلام بنایا تھا۔ اللہ رب العزت کے ساتھ بھی مسلمان کا یہی معاملہ ہونا چاہئے۔ جس وقت اور جس حال میں اللہ کا حکم آجائے، اُسے صدقِ دل سے مان کر عمل کرنے والا ہو۔ اس کے خلاف کوئی عقلی دلیل اس کے آگے کارگر نہ ہو۔ سب سے بڑی دانشمندی یہ ہے کہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کو بجا لاؤ۔ جہاد چھوڑنا پڑے، جہاد چھوڑ دو، مدرسہ چھوڑنا پڑے، مدرسہ چھوڑ دو، خانقاہ چھوڑنی پڑے، خانقاہ چھوڑ دو، تبلیغ

چھوڑنی پڑے، تبلیغ چھوڑ دو، نفلی حج کو چھوڑنا پڑے، اُسے چھوڑ دو لیکن ضرورت کے باوجود والدین کی خدمت کو نہ چھوڑو، شریعت کے احکام کو نہ چھوڑو۔ یہی تعلیماتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا حاصل ہے اور یہی کلیدِ کامیابی ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں ان باتوں پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

و آخر دعوانا أنِ الحمد للّٰہ رب العالمینo

اتبــاع سُــنّت کے ثمــرات

موضوع	اتباع سنت کے ثمرات
خطاب	حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی مدظلہم
مقام	جامع مسجد، جامعہ دارالعلوم کراچی
تاریخ	۱۹ جمادی الثانیہ ۱۴۲۴ھ
ترتیب و عنوانات	مولانا اعجاز احمد صمدانی (فاضل جامعہ دارالعلوم کراچی)
باہتمام	محمد ناظم اشرف

﴿اتباع سنت کے ثمرات﴾

خطبہ مسنونہ:

الحمد للّٰہ نحمدہٗ و نستعینہٗ و نستغفرہٗ و نؤمِنُ بہٖ ونتوکل علیہ. ونعوذ باللّٰہِ مِن شرورِ أنفسنا ومِن سیئاتِ أعمالنا ٥ مَن یهدِہِ اللّٰہ فلا مُضِلَّ لہٗ وَمَنْ یُضْلِلْہُ فلا ھَادِیَ لہٗ ونشھد أن لآ اِلٰہ اِلَّا اللّٰہ وحدہٗ لاشریک لہٗ و نشھد أنّ سیدنا و سَندنا و مولانَا محمداً عبدہٗ ورسولہٗ صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وعلٰی آلہٖ و صحبہٖ أجمعین. وسلّم تسلیماً کثیراً.

امابعد!

فَأَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ. بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ. قُلْ إِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ وَیَغْفِرْلَکُمْ ذُنُوْبَکُمْ وَاللّٰہُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ٥

تمہید:

عزیز طلبہ!

آپ حضرات سے خطاب کرنے کے لئے پیر کا دن مقرر ہوا لیکن مشاغل کی وجہ سے اس کی پابندی کرنا مشکل ہوجاتا ہے۔ پچھلے پیر کو بیان کرنے کا ارادہ تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے مولانا طارق جمیل صاحب کو بھیج دیا تو ہم نے ان کو غنیمت سمجھا کہ ان سے خطاب سے آپ حضرات کو فائدہ ہوجائے۔

زمانہ طالبعلمی کی اہمیت:

طالبعلمی کا زمانہ ایسا ہے کہ اس پر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد صادق آتا ہے:

﴿نعمتان مغبونٌ فيهما كثير من الناس الصحة والفراغ﴾ (بخاری، کتاب الرقاق، ترمذی، کتاب الزہد)

''دو نعمتیں ایسی ہیں کہ ان کے بارے میں بہت سے لوگ دھوکے میں پڑے ہوئے ہیں۔ ایک صحت دوسرے، فرصت۔''

طالبعلمی کے زمانے میں انسان کی صحت بھی بھرپور ہوتی ہے، کبھی نزلہ زکام ہوجائے تو وہ الگ بات ہے ورنہ طالبعلمی کا دور نوجوانی کا زمانہ ہوتا ہے جو طاقت سے بھرپور ہوتا ہے اور اس دور میں فرصت بھی بہت ہوتی ہے۔

آپ کہیں گے کہ ہمارے پاس فرصت کہاں ہے، ہمیں تو بہت مصروفیت ہے۔ بات یہ ہے کہ آپ کو مشغولیت کا پتہ اس وقت چلے گا جب آپ پر ذمہ داریاں آئیں گی۔ ہم بھی جب طالبعلمی کے زمانے میں یہاں دار العلوم میں پڑھتے تھے تو ہم

اپنے آپ کو بہت مصروف سمجھتے تھے لیکن اب پتہ چلا کہ مشغولیت کس کو کہتے ہیں۔ اس وقت ہمارا حال یہ ہے کہ صبح سے اٹھنے کے بعد کام شروع کرتے ہیں، رات کا ایک بج جاتا ہے۔ عشاء کے بعد اس کوشش میں ہوتے ہیں کہ اب لیٹ جائیں، اب لیٹ جائیں لیکن فرصت نہیں ہوتی۔ اگر کبھی لیٹ بھی جائیں تو نیند نہیں آتی۔ اگلے دن کے کاموں کے بارے میں تفکرات وخیالات آگھیرتے ہیں۔ رات کو جب سوتے ہیں تو نجانے کتنے لوگوں کو کہہ کر سوتے ہیں کہ فلاں فلاں کام کل کو یاد کرادینا، یادداشت کے پرچے بھی لکھ کر رکھتے ہیں۔ بالآخر نیند کی گولی کھانی پڑتی ہے، تب جاکر نیند آتی ہے۔ لیکن جب طالبعلم ہوتے تھے تو ہمیں یاد ہے کہ دورۂ حدیث کے سال میں پہلے گھنٹے میں مولانا مفتی رشیداحمد صاحب کا بخاری شریف کا درس ہوتا تھا اور دوسرے گھنٹے میں مولانا اکبرعلی صاحب مسلم شریف پڑھاتے تھے۔ اب ہوتا یہ تھا کہ یہاں سے مفتی رشید احمد صاحب سبق پڑھا کر نکلے اور ادھر مولانا اکبرعلی صاحب اپنے کمرے سے باہر نکلے۔ ہماری نیندر کی ہوتی کیونکہ راتوں کو نیند پوری نہیں ہوتی تھی۔ وہیں برآمدے میں تکیہ، چادر کے بغیر لیٹ جاتے، درسگاہ تک پہنچنے میں حضرت کو چار منٹ لگتے تو ہم تین منٹ کے لئے سوجاتے اور چوتھے منٹ میں اٹھ جاتے۔

تفکرات اور خیالات نہ ہونے کی وجہ سے نیند اپنے قابو میں تھی کہ جب چاہا سوگئے اور جب چاہا اٹھ گئے۔ لیکن اب کاموں کا اتنا ہجوم اور اتنے تفکرات ہیں کہ نیند کی گولی کھائے بغیر نیند نہیں آتی۔ آپ لوگوں کو یہ تفکرات نہیں۔ آپ کو اگرچہ مصروفیت ہے لیکن یہ مصروفیت اس طرح کی ہے کہ جب تک کام میں لگے ہوئے ہیں تو دماغ مصروف ہے لیکن جب کام سے اٹھ گئے تو دماغ فارغ ہوجاتا ہے لیکن ہمارا حال یہ ہے کہ کام سے اٹھنے کے بعد بھی دماغ فارغ نہیں ہوتا۔

گویا اس دور میں آپ کو صحت اور فراغت کی نعمتیں ملی ہوئی ہیں اور یاد

رکھئے کہ یہ نعمتیں پھر لوٹ کر نہیں آئیں گی۔

جا کے جو نہ آئے وہ جوانی دیکھی
آکے جو نہ جائے، وہ بڑھاپا دیکھا

اس وقت کی قدر کریں:

جوانی جا کر واپس نہیں آتی اور بڑھاپا آ کر واپس نہیں جاتا۔ آج کل آپ کے پاس نوجوانی کا زمانہ ہے۔ یہ بہت تیزی سے گذرتا ہے۔ یہ بہت جلدی ختم ہوجائے گا۔ اس کی قدر کریں کیونکہ عام طور پر لوگ اس کی قدر نہیں کرتے۔ اسی لئے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ دو نعمتیں ایسی ہیں کہ بہت سے لوگ ان کے بارے میں دھوکے میں پڑے ہوئے ہیں، ایک صحت اور دوسرے فراغت۔

جوانی میں عام طور پر لوگ کاموں کو ٹال دیتے ہیں۔ اور اپنے آپ کو تسلی دیتے ہیں کہ چلو یہ کام کل کرلیں گے، اگلے دن کہتے ہیں کہ چلو آئندہ کل کرلیں گے، پرسوں کرلیں گے، آئندہ ہفتے کرلیں گے۔ یہاں تک کہ وہ کام ٹلتا جاتا ہے اور کبھی انجام نہیں پاتا اور جب بڑھاپا آجاتا ہے تو پھر کام کرنے کی ہمت بھی کمزور پڑجاتی ہے۔ لہٰذا آپ اس جوانی کی قدر کریں اور اس سے خوب کام لیں۔

ہمارے طلبہ اصلاح کے طالب ہیں:

ہمارا معاملہ تو وہ ہے جو میں نے آپ سے عرض کیا اس وجہ سے ناغے ہوجاتے ہیں مگر اس بات سے خوشی ہوتی ہے کہ ماشاء اللہ، ہمارے طلبہ یاد دہانی کراتے رہتے ہیں۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ یہ چاہتے ہیں کہ ان سے اصلاحی

خطاب ہو۔ یہ بڑی خوش آئند بات ہے۔ اس سے بڑی خوشی ہوتی ہے۔ یہ علامت اس بات کی ہے کہ ہمارے طلبہ اصلاح کے طالب ہیں۔

اصلاح کی اہمیت وضرورت:

اور اصلاح کی ضرورت اتنی زیادہ ہے کہ کوئی حدو انتہاء نہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ ہمارے بزرگوں کے نزدیک تعلیم سے زیادہ تربیت ضروری ہے۔ تعلیم کے لئے بہشتی زیور یا تعلیم الاسلام وغیرہ کا مطالعہ بھی کافی ہے۔ اگر کوئی شخص ان کتابوں میں لکھے ہوئے مسائل کو معلوم کرکے ان پر عمل کرلے تو آدمی متقی اور پرہیز گار بن سکتا ہے لیکن اصل مسئلہ تربیت کا ہے۔ جب تربیت نہیں ہوتی تو علم بھی بیکار ہوجاتا ہے۔

تربیت حاصل نہ کرنے کے نقصانات:

دارالعلوم کے ایک فاضل اسلام آباد میں مدرس ہیں۔ مجھ سے ان کا اصلاحی تعلق ہے۔ ہزارہ کے قریب ان کا اصل گاؤں ہے۔ آج ان کا اور ان کے اور ساتھی کا خط آیا۔ جس میں انہوں نے لکھا کہ آپ سے ایک اہم مشورہ یہ کرنا ہے کہ ہمارے گاؤں میں بدعتیں اور خلافِ شریعت رسمیں بہت ہیں۔ قبائلی تعصبات کی وجہ سے قتل وغارت گری بھی عام ہے۔ عورتوں کو اغواء کرلیا جاتا ہے۔ غرضیکہ طرح طرح کی جاہلانہ رسمیں جو زمانہ جاہلیت میں کفار عرب کے اندر تھیں۔ اس طرح کی رسمیں ہمارے گاؤں میں پھیلی ہوئی ہیں۔ اور انتہائی افسوسناک بات یہ ہے کہ ہمارے علماء جو مدارس سے فارغ ہوکر گاؤں میں جاتے ہیں۔ وہ خود کسی بزرگ سے تربیت یافتہ نہیں ہوتے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ یہ خود ان خرابیوں میں مبتلا ہوجاتے ہیں۔ مال کے لالچ میں پڑجاتے ہیں۔ قبائلی تعصبات کا شکار ہوجاتے ہیں۔ جس کا نتیجہ یہ ہے کہ یہ خود لڑائی

جھگڑوں میں مبتلا ہوجاتے ہیں تو ایسے علماء سے عوام کو فائدہ کیسے ہوگا؟ یہ انہوں نے لکھا۔

غور کیجئے! جو کچھ انہوں نے لکھا، ایسا ہی ہوتا ہے یا نہیں؟ (طلبہ نے جواب دیا: جی ہاں، پھر فرمایا) آپ لوگوں کو جب شہادۃ العالمیہ ملتی ہے، اس وقت آپ سولہ سال تک پڑھ چکے ہوتے ہیں۔ سرکاری سکولوں اور کالجوں میں تو اس لئے بڑے بڑے عہدے نہیں ملتے کہ وہاں ان سندوں کی کوئی قدر و قیمت نہیں۔ اگر چہ سرکاری طور پر یہ اسناد منظور ہوگئی ہیں لیکن ان کی بنیاد پر سرکاری اداروں میں کوئی بڑا عہدہ نہیں ملتا چھوٹی موٹی ملازمت مل جاتی ہے۔ جیسے فوج میں امامت یا کسی سرکاری مسجد میں امامت وخطابت یا عام سکولوں میں ٹیچر بننے کا موقع مل جاتا ہے۔ کوئی کلیدی عہدہ نہیں مل سکتا۔ البتہ آپ دین کا کام کرسکتے تھے لیکن تربیت حاصل نہ کرنے کی وجہ سے اس کے قابل بھی نہ رہے۔ اس لئے میں بار بار آپ سے کہتا رہتا ہوں کہ تربیت کی طرف توجہ دیں۔

تربیت حاصل کرنے کا بہترین موقع:

یہ تربیت حاصل کرنے کا بہترین موقع ہے اور اتنا بہترین موقع ہے کہ عمر بھر میں آپ کو کبھی ایسا موقع نہیں ملے گا۔ اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے یوں تو تمام دینی مدارس میں تربیت کے بہترین مواقع ہوتے ہیں۔ اگر کوئی طالبعلم تربیت حاصل کرنا چاہے، اپنے اساتذہ کی خدمت میں رہے اور ان سے عرض کرے کہ میں آپ سے تربیت حاصل کرنا چاہتا ہوں تو وہ تربیت کریں گے۔ دارالعلوم کے اندر اللہ تعالیٰ نے غیب سے تربیت کے ایسے سامان فرمائے ہیں کہ آپ کو دنیا میں شاید کہیں نہیں ملیں گے۔ لائبریری اعلیٰ درجے کی ہے۔ کتابوں کے ذریعے آپ اپنے مطالعہ میں

جتنا اضافہ کرنا چاہیں، کر سکتے ہیں۔ کمپیوٹر کے شعبے کے ذریعے آپ جتنی علمی تحقیقات کرنا چاہیں، کر سکتے ہیں۔ منتھی طلبہ دار الافتاء میں جا کر فقہی مسائل کی مشق کرنا چاہیں تو ان کے لئے اس کے بہترین مواقع ہیں اور دار الطلبہ میں رہتے ہوئے اسلامی معاشرت کے احکام پر عمل کرنے کا سنہری موقع ملتا ہے۔

تربیت حاصل کرنے کا آسان طریقہ: اتباعِ سنت

اگر آپ دار الطلبہ میں رہتے ہوئے وہاں کی زندگی کو سنت کے سانچے میں ڈال دیں تو یہی آپ کی تربیت ہے۔ آپ کو ولی اللہ بننے کے لئے کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں۔ یہیں دار العلوم کی چار دیواری میں رہتے ہوئے آپ اللہ کے ولی بن سکتے ہیں۔ جس کا طریقہ یہ ہے کہ آپ ہر کام میں سنت کی رعایت رکھیں۔ چلنے میں، پھرنے میں، اٹھنے میں، بیٹھنے میں، کھانے پینے میں، بیت الخلاء آنے جانے میں، وضو کرنے میں، نماز پڑھنے میں، مسجد آنے جانے میں، رات کو سونے میں، صبح کو اٹھنے میں، کپڑے بدلنے میں، کھانا لینے کے لئے جانے میں، کھیل کود میں غرضیکہ تمام معاملات کو سنت کے تابع کریں تو آپ ولی کامل بن جائیں گے انشاء اللہ اور ولی کامل بھی ایسے بنیں گے کہ آپ کو دیکھ دیکھ کر کافر بھی مشرف باسلام ہوں گے اور بڑے بڑے سرکش بدعتی اور طرح طرح کی گمراہیوں میں مبتلا لوگ ہدایت حاصل کریں گے۔

اتباعِ سنت کا ایک عظیم فائدہ: اللہ تعالیٰ کی محبت:

اپنے آپ کو سنت کے سانچے میں ڈھالیں۔ اپنے آپ کو اسی طرح صاف ستھرا رکھیں جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صفائی کا اہتمام کرتے تھے۔ روایات

سے معلوم ہوتا ہے کہ دن میں نجانے کتنی مرتبہ آپ مسواک کرتے تھے۔ ہر نماز کے وقت مسواک فرماتے تھے، صبح کو اٹھنے کے وقت مسواک فرماتے تھے، تہجد میں اٹھتے تو مسواک فرماتے، کھانے کے وقت بھی مسواک فرمایا کرتے تھے۔ ہر وقت مسواک ساتھ رہتی تھی۔ دانت بالکل صاف ستھرے رہتے تھے۔ آپ کے جسم اطہر سے خوشبو پھوٹتی رہتی تھی۔ آپ کے چہرے پر مسکراہٹ کھیلتی رہتی تھی۔ جس سے ملتے مسکرا کر بات کرتے تھے۔ محبت اور خیر خواہی سے بات کرتے تھے۔

یہ سب باتیں سنت نبوی میں داخل ہیں اور جو شخص آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ان سنتوں کو اپنائے گا وہ ہر دلعزیز بن جائے گا اور لوگوں کی محبت کا مرکز بن جائے گا۔ کیوں بن جائے گا؟ اس لئے کہ قرآن مجید یہ بتلاتا ہے کہ ایسا آدمی تو اللہ کا محبوب بن جاتا ہے:

﴿قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ﴾ (آل عمران:٣١)

"آپ فرما دیجئے کہ اگر تمہیں اللہ سے محبت ہے تو اس محبت کا لازمی تقاضا یہ ہے کہ تم میری پیروی کرو تو اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرے گا۔"

حدیث شریف میں آتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی بندے سے محبت فرماتے ہیں تو جبرئیل امین سے کہہ دیتے ہیں کہ دیکھو کہ میں اس بندے سے محبت کرتا ہوں، تم بھی اس سے محبت کرو۔ جبرائیل امین فرشتوں میں اعلان کر دیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اس بندے سے محبت کرتے ہیں تم بھی اس سے محبت کرو۔ اس کے بعد زمین میں بسنے والے لوگوں کے دلوں میں اس کی قبولیت آجاتی ہے۔ "يُوْضَعُ لَهُ الْقُبُوْلُ فِي الْقُلُوْبِ"۔

کونسا عمل معتبر ہے؟:

خوب سمجھ لیجئے! ایک ہے قابلیت اور ایک ہے مقبولیت۔ کتابوں سے آپ کو قابلیت تو حاصل ہو جائے گی کہ محنت کرنے کی وجہ سے کتابوں کا مطلب سمجھ لیں گے، شرح اور حاشیہ سمجھ لیں گے، مسائل کی دلیل جان لیں گے لیکن کتابوں سے مقبولیت نہیں آئے گی۔ مقبولیت تو عمل سے آئے گی اور عمل وہی معتبر ہے جو سنت کے تابع ہو، ورنہ کأن لم یکن ہے۔

''اتباع سنت'' سے ولایت حاصل ہوگی:

اللہ رب العزت کا کتنا کرم ہے کہ اس نے دین اتنا آسان بنایا ہے کہ آدمی کو ولی اللہ بننے کے لئے کہیں جنگل اور جزیرے میں جانے کی یا کسی ویرانے میں ڈیرہ ڈالنے کی ضرورت نہیں پڑتی بلکہ شریعت یہ کہتی ہے کہ انسانوں کے درمیان زندگی گذارو، اپنے روز مرہ کے کام کرو لیکن انہیں شریعت کی حدود کے اندر کرو۔ بس یہی ولایت ہے۔

آپ کا صبح سے لیکر شام تک کام اس کے سوا کیا ہے کہ پانچ وقت کی نماز باجماعت پڑھیں، صبح کو کچھ نہ کچھ تلاوت کریں، کمروں اور درسگاہوں کی صفائی، صبح کا ناشتہ پھر اسباق میں حاضری، دوپہر کا کھانا اور کچھ دیر کے لئے آرام، ظہر کے بعد پھر اسباق میں حاضری، عصر کے بعد تفریح اور کھیل، مغرب کے بعد مطالعہ اور عشاء کے بعد تکرار پھر سو جانا۔ یہ آپ کی روزمرہ کی زندگی ہے۔ اسی کو سنت کے مطابق ڈھال لیجئے تو آپ اللہ کے ولی بن جائیں گے۔ مثلاً ان کاموں میں سے ایک کام ہے ''کھانا''۔ اسی کے متعلق کتنی سنتیں ہیں۔

مدرسہ میں کھانا لینے سے متعلق سنتیں:

اس سلسلے میں سب سے پہلا قدم ہے ''مطبخ سے کھانا حاصل کرنا''۔ عصر کی نماز کے بعد ہمارے ہاں چھوٹے طلبہ سلام پھیرتے ہی فوراً مطبخ کی طرف دوڑ لگاتے ہیں۔ یہ عمل سنت کے خلاف ہے۔ سنت سے ثابت ہے کہ نماز کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کچھ دیر بیٹھتے تھے، ذکر اور دعا فرماتے تھے۔ یہ بات اپنی جگہ درست ہے کہ سلام پھیرنے کے بعد امام کی تابعیت ختم ہوجاتی ہے۔ لہٰذا یہ ضروری نہیں کہ جتنی دیر امام دعا کرتا ہے آپ بھی اتنی دیر دعا کریں لیکن کچھ نہ کچھ ذکر اور دعا اپنے طور پر کریں کیونکہ فرض نماز کے بعد دعا کی قبولیت کا وقت ہے[1] اور دعا مانگنا مستحب بھی ہے۔ لہٰذا تھوڑی دیر بیٹھ کر اس سنت کو ادا کریں۔ اس کے بعد کھانا لینے جائیں لیکن بھاگ کر نہ جائیں۔

دیکھئے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام سے فرمایا: جماعت کی نماز میں شریک ہونے کے لئے بھاگ کر نہ آؤ۔ ظاہر ہے کہ آدمی نماز کے لئے اس لئے بھاگتا ہوا آتا ہے کہ رکعت یا تکبیر اولیٰ فوت نہ ہوجائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کا حاصل یہ ہے کہ اگرچہ تکبیر اولیٰ یا رکعت چھوٹ رہی ہو لیکن بھاگتے ہوئے نہ آؤ۔ جب نماز کے لئے بھاگنے کی اجازت نہیں تو دوسرے کاموں کے لئے بھاگنے کی اجازت کیسے ہوگی؟ (ورزش کے لئے بھاگنا الگ چیز ہے کہ اس کا مقصد ہی بھاگنے سے حاصل ہوتا ہے لیکن کسی اور کام کے لئے بھاگنا ادب کے

---

[1] ایک حدیث میں فرض نماز کے بعد دعا کی قبولیت کا وقت مذکور ہے: حدیث کے الفاظ یہ ہیں:
عن أبی أمامۃ قال :قیل یارسول اللّٰہ! ای الدعاء أسمع قال: جوف اللیل الآخرو دبر الصلوات المکتوبۃ(رواہ الترمذی فی کتاب الدعوات)

خلاف ہے)

اس کے بعد جب مطبخ میں پہنچیں تو فوراً قطار میں کھڑے ہوں۔ قطار میں وقار سے کھڑے ہوں، ایک دوسرے کو کہنیاں نہ ماریں۔ دھکے نہ دیں، ایک دوسرے کی جگہ پر قبضہ کرنے کی کوشش نہ کریں، مل مل کر کھڑے نہ ہوں، فاصلے سے کھڑے ہوں تاکہ دوسرے کو ایذا نہ پہنچے۔ آپ کو یہ مسئلہ معلوم ہوگا کہ ''ارض مباحہ'' کے اندر جو شخص سب سے پہلے پہنچ جائے وہ اس حصے کا حقدار ہوجاتا ہے۔ کسی کے لئے جائز نہیں کہ وہ اس کو اس جگہ سے ہٹائے جیسے مسجد میں اگر ایک شخص آکر ایک جگہ بیٹھ جاتا ہے تو بعد میں آنے والے شخص کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ اس سے کہے کہ تم اس جگہ سے اٹھو، مجھے بیٹھنے دو۔ یہی حکم مطبخ کی قطار کا ہے۔ جو پہلے آکر آگے پہنچ گیا اس کو ہٹا کر خود آگے بڑھنے کی کوشش کرنا بھی ناجائز ہے۔ جس جگہ جو کھڑا ہے۔ وہ اس کا حق ہے، وہاں سے ہٹانے کا کسی دوسرے کو اختیار نہیں ہے۔

کھانا لانے سے متعلق سنتیں:

کھانا لانے میں سنت یہ ہے کہ اُسے ڈھک کر لائے۔ حدیث میں ہے کہ اگر کوئی ڈھکنا وغیرہ نہ ہو تو لکڑی سے ڈھانک دو۔ بعض طلبہ ڈھکنے کے بغیر برتن لاتے تھے۔ الحمد للہ اب اس کی پابندی کروائی جارہی ہے کہ ڈھکنا ساتھ ضرور لایا جائے، اس لئے کہ کھانے کو کھلا رکھنا سنت کے خلاف ہے۔ آج کل کے سائنس دان بھی اس کی ایک حکمت بتلاتے ہیں کہ فضا میں بیماریوں کے جراثیم پھیلے ہوئے ہوتے ہیں۔ اگر ڈھکنا نہ ہوتو جراثیم کھانے میں شامل ہوکر بیماریوں کا باعث بن سکتے ہیں۔ لیکن ہمیں تو یہ کام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی اتباع کی نیت سے کرنا چاہیے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت میں سراپا حکمتیں ہی حکمتیں ہیں۔ ان میں دین

کا بھی فائدہ ہے اور دنیا کا بھی فائدہ ہے۔

کھانا لانے میں ایک ادب یہ بھی ہے کہ روٹی کے اوپر سالن کا برتن نہ رکھا جائے بلکہ سالن کے برتن پر روٹی رکھنی چاہیے۔ یہ ادب میں نے اپنے والد ماجد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے سنا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اصل غذا تو روٹی ہے سالن اس روٹی کو کھانے کا ایک ذریعہ ہے۔

بچے ہوئے کھانے سے متعلق ایک اہم ہدایت:

کھانا لینے کے بعد اُسے سنت کے مطابق کھائیں اور پھر ایک اہم بات یہ ہے کہ یہاں پر طلبہ کو جو کھانا ملتا ہے، عام طور پر وہ ان کی ضرورت سے زیادہ ہوتا ہے۔ جب چند طلبہ اکٹھے بیٹھ کر کھانا کھاتے ہیں تو کچھ نہ کچھ کھانا بچ جاتا ہے جو بعض مرتبہ ضائع ہوتا ہے۔ گذشتہ خطاب میں ہم نے آپ سے کہا تھا کہ ہر منزل والے ایسا نظم بنائیں کہ بچنے والا کھانا ضائع ہونے کے بجائے یہاں پر کام کرنے والے مزدوروں کے کام آئے۔ جس کی ایک صورت یہ ہے کہ ہر منزل میں ایک صاف برتن رکھا جائے جسمیں طلبہ بچا ہوا کھانا رکھا کریں اور وہ کھانا مزدوروں کو دیا جائے۔ کیا ہماری اس تجویز پر عمل ہو رہا ہے؟ (بہت سے طلبہ نے اثبات میں جواب دیا جس پر حضرت مدظلہم نے خوشی کا اظہار کیا اور فرمایا) الحمد للہ اس طرح بہت سے مزدوروں کو کھانا مل جاتا ہوگا۔ یہ بہت عظیم الشان عبادت ہے۔ وہی کھانا جو گل سڑ کر ضائع ہو جاتا تھا۔ اب وہ مخلوقِ خدا کے کام آ رہا ہے اور آپ کو صدقے کا ثواب مل رہا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک مرتبہ پوچھا گیا کہ اسلام کا سب سے اچھا عمل کونسا ہے؟ تو آپ نے فرمایا:

﴿إِطْعَامُ الطَّعَامِ وإفشَاءُ السَّلَامِ﴾ (مسند احمد بن حنبل ۱/۲۶۴)
''کھانا کھلانا اور سلام کو پھیلانا۔''

برتن سے کھانا نکالنے سے متعلق سنتیں:

کھانا کھانے میں یہ بات سنت کے خلاف ہے کہ آدمی اتنا کھانا نکالے جو کھا نہیں سکتا۔ برتن میں صرف اتنا کھانا نکالے جتنا کھا سکتا ہو۔ زیادہ کھانا لینے کی صورت میں جو برتن میں سالن بچ جائے گا۔ وہ یا تو خراب ہوجائے گا یا اگر دوسرا آدمی کھائے گا تو اُسے ذرا گھن آئے گی۔

اور پھر دوسرا ادب یہ ہے کہ جتنا کھانا نکالے اس کو بھی بڑی صفائی سے کھائے۔ حکیم الامت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے ایک مرید تھے، والد صاحب کے دوست تھے، ہم انہیں تایا ابا کہا کرتے تھے۔ کبھی کبھی ہمارے دارالعلوم دیو بند میں والد صاحب سے ملنے کے لئے آیا کرتے تھے۔ کبھی ایسا ہوتا کہ مثلاً گھر سے چاولوں کی پلیٹ بھر کر آگئی تو وہ ایسا کرتے کہ اس میں سے کچھ چاول اسی پلیٹ میں الگ کرلئے اور وہ کھائے۔ جتنے چاول کھانا ہوتے، وہ کھالیتے، اور اس طرح صفائی کے ساتھ کھاتے کہ بالکل انگلی کا کوئی نشان نظر نہیں آتا تھا اور بقیہ چاولوں کو ہاتھ تک نہ لگاتے تاکہ بچا ہوا کھانا دوسرا آدمی آرام سے کھالے۔

آج کل عام طور پر بڑے برتنوں میں کھانا ہوتا ہے اور ساتھ چھوٹے چھوٹے برتن اور پلیٹیں وغیرہ ہوتی ہیں کہ کھانے والا اپنی ضرورت کے بقدر نکالے۔ اس میں بھی اس بات کا خیال رکھنا چاہیے کہ صرف اتنا کھانا نکالا جائے جتنا کھانا ہو، زیادہ نہ نکالا جائے۔ زیادہ نکالے گا تو پلیٹ کیسے صاف کریگا حالانکہ پلیٹ صاف کرنا سنت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پلیٹ صاف کرنے اور انگلیوں کو دھونے

سے پہلے چاٹنے کی تاکید فرمائی اور فرمایا کہ ''تمہیں کیا خبر کہ تمہارے کھانے کے کون سے حصے میں اللہ تعالیٰ نے برکت رکھی ہے۔'' ہوسکتا ہے کہ کھانے کا جو جزو پلیٹ سے لگا رہ گیا ہے یا انگلیوں سے لگا ہوا ہے، برکت اسی میں ہو۔

بیماریاں پھیلنے کی ایک وجہ:

آج کل بہت زیادہ بیماریاں پھیلنے کی میرے خیال میں ایک بہت بڑی وجہ یہ ہے کہ کھانے کی سنت پر عمل نہیں ہورہا۔ اگر کھانے کی سنت پر صحیح طریقے سے عمل ہونے لگے تو اللہ تعالیٰ کا قرب اور محبت بھی ملے گی اور صحت بھی ٹھیک رہے گی کیونکہ سنت میں سراپا طہارت، نفاست اور پاکیزگی ہے۔

''جان بچانا فرض ہے'':

بعض مرتبہ میزبان زبردستی زیادہ نکال دیتے ہیں۔ اور پھر زیادہ کھانے پر اصرار کرتے ہیں۔ اسی طرح کا ایک واقعہ ہے کہ ایک بزرگ کہیں تشریف لے گئے۔ میزبان نے پلیٹ میں کھانا زیادہ نکال دیا۔ انہوں نے اپنی ضرورت کے بقدر کھالیا۔ باقی بچ گیا۔ میزبان نے کہا: حضرت پلیٹ صاف کرنا سنت ہے۔ فرمایا: ہاں یہ سنت ہے لیکن جان بچانا فرض ہے۔

کھانے سے متعلق دیگر سنتیں:

اس کے علاوہ کھانے کے دوسرے آداب اور سنتیں یہ ہیں کہ بسم اللہ پڑھ کر کھانا شروع کریں۔ ہاتھ دھو کر کھائیں دستر خوان بچھا کر کھانا کھائیں۔ جو کھانا بچ جائے تو اُسے اللہ کے راستہ میں صدقہ کرلیں۔ اگر یہ خیال ہو کہ دوبارہ بھوک لگے گی

تو پھر کچھ اپنے لئے بچا کر رکھ سکتے ہیں لیکن اُسے ڈھانک کر ایسی جگہ رکھو کہ خراب نہ ہو۔

دوسری اہم سنت: سلام کرنا

دوسری اہم سنت جو یہاں ہم زندہ کرسکتے ہیں۔ وہ سلام کی سنت ہے۔ آج کل یہ رواج چل پڑا ہے کہ مصافحہ تو کرتے ہیں، سلام نہیں کرتے حالانکہ تاکید سلام کی آئی ہے۔ مصافحہ کی نہیں آئی۔ مصافحہ تو دو شرطوں کے ساتھ ہے۔ اول یہ کہ دوسرے آدمی کو اتنا موقع ہو کہ وہ مصافحہ کرسکے، دوسرے یہ کہ اس کا ہاتھ بھی خالی ہو۔ لیکن سلام کے یہ دو شرطیں ضروری نہیں بلکہ سلام کے آداب میں سے تو یہاں تک آیا ہے کہ مثلاً آپ دو ساتھی چلے جارہے ہیں۔ راستہ میں دیوار آگئی، پھر دوبارہ ملے تو پھر بھی سلام کریں۔ افشاء السلام شریعت کا پسندیدہ عمل ہے۔

ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا واقعہ:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ایک شاگرد رشید فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما بازار تشریف لے گئے۔ میں بھی ساتھ تھا۔ پورے بازار میں گھومے۔ جو بھی ملتا رہا اُسے سلام کرتے رہے، نہ کوئی چیز خریدی نہ فروخت کی اور نہ کسی چیز کا بھاؤ معلوم کیا اور نہ کسی دکان پر رکے۔ میں نے واپسی پر پوچھا: حضرت! آپ بازار تشریف لے گئے تھے لیکن ویسے ہی واپس آگئے؟ فرمایا: ہم اس لئے گئے تھے کہ وہاں مسلمان ملیں گے، انہیں سلام کریں گے۔ یہ سنت پر عمل کرنے کا جذبہ اور شوق ہے۔

فجر کی سنتوں سے متعلق ایک اہم مسئلہ:

ایک اور اہم بات فجر کی سنتوں کے متعلق عرض کرنی ہے۔ سنتوں کے بارے مسئلہ یہ ہے کہ جب تک نماز کھڑی نہ ہو، اس وقت تک مسجد میں پڑھی جاسکتی ہیں لیکن جب جماعت کھڑی ہوجائے تو اصل مسئلہ یہ ہے کہ مسجد میں سنتیں نہ پڑھی جائیں لیکن فقہاء کرام نے فجر کی سنتوں کے بارے میں اس حد تک اجازت دی ہے کہ اگر امام کے سلام پھیرنے سے پہلے پہلے سنتیں ادا کرکے جماعت میں شریک ہوسکتا ہے تو سنتیں ادا کرلے کیونکہ فجر کی سنتوں کی تاکید بہت زیادہ آئی ہے بلکہ باقی چار نمازوں کی سنتوں کے مقابلے میں ان سنتوں کی تاکید سب سے زیادہ ہے لہٰذا انہیں چھوڑنا یا قضا کرنا معمولی بات نہیں۔ اس لئے فقہاء کرام نے اس کی اجازت دی لیکن ساتھ ساتھ یہ بھی فرمایا کہ اس میں پوری کوشش کی جائے کہ یہ سنتیں مسجد سے باہر ادا کی جائیں کیونکہ ایک روایت میں آتا ہے کہ ایک مرتبہ مسجد نبوی میں جماعت ہورہی تھی اور ساتھ میں ایک صحابی نے سنتیں ادا کیں تو بعد میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر نکیر فرمائی۔ اس لئے فقہاء نے فرمایا کہ بہتر تو یہ ہے کہ مسجد سے باہر سنتیں ادا کی جائیں لیکن اگر باہر جگہ نہ ہوتو بالکل دروازے کے پاس یعنی جتنا دور ہوسکے، وہاں ادا کرے، ہم نے ترکی میں دیکھا کہ وہاں پرانی مسجدوں میں مسجد سے ایک دوصف کے فاصلے پر چبوترے بنائے گئے ہیں۔ وہ شاید اسی لئے بنائے گئے ہیں کہ اگر کسی نے فجر کی سنتیں پہلے نہ پڑھی ہوں تو وہاں ادا کریں۔ یہاں بھی ہم نے مسجد کے باہر صفیں ڈلوائی ہیں تاکہ وہاں سنتیں ادا کی جائیں۔ اکثر طلبہ وہیں پڑھتے ہیں لیکن میں دیکھتا ہوں کہ بعض طلبہ مسجد کے اندر سنتیں پڑھ رہے ہوتے ہیں۔ یہ غلط بات ہے، لااُبالی پن ہے۔ اگر مسئلہ معلوم ہے تو یہ لاپروائی خطرناک ہے۔

سنت پرعمل کرنے اور کرانے کا احسن طریقہ:

اور ایک اہم بات یہ ہے کہ سنت کو زندہ کرنے کا اہتمام اس طرح کیا جائے کہ کوئی کسی پر تنقید نہ کرے۔ بڑے چھوٹوں کو محبت سے سمجھائیں۔ چھوٹے بڑوں سے ادب سے بات کریں۔ برابر کے ساتھ احترام کے ساتھ بات کریں۔ کسی سے غلطی ہوجائے تو چپکے چپکے سے اور تنہائی میں اس سے بات کریں۔ ''امر بالمعروف اور نہی عن المنکر'' دین کا قطب اعظم ہے۔ آپ اس کی مشق یہیں کرسکتے ہیں۔ اس کے لئے کسی چلے کی ضرورت بھی نہیں۔ میں چلے میں جانے سے منع نہیں کرتا۔ چھٹیوں میں اگر والدین اجازت دیں تو چلے میں ضرور جائیں۔ بہت فائدہ ہوتا ہے بڑا خیروبرکت کا کام ہے۔ لیکن میں کہتا ہوں کہ چلہ تو ہوگا چھٹیوں میں، آپ یہاں اپنی روزہ مرہ کی زندگی میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی عادت ڈالیں۔ کھانا کھانے کے دوران کسی سے سنت کے خلاف عمل ہوتو اُسے احترام اور حکمت کے ساتھ یاد دلادیں۔ اسی طرح کسی اور عمل میں کسی ساتھی کا عمل سنت کے خلاف ہوتو احترام کے ساتھ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ انجام دیں۔ ایسا کرنے سے آپ چند دنوں کے اندر نمایاں تبدیلی محسوس کریں گے۔ انشاء اللہ تعالیٰ ہمیں اتباعِ سنت کی توفیق عطا فرمائیں۔ (آمین)

و آخر دعوانا أن الحمدلله رب العالمين

حُسنِ اخلاق کی حقیقت اور
اُس کے فضائل

موضوع	حسن اخلاق کی حقیقت اور اسکے فضائل
خطاب	حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی مدظلہم
مقام	جامع مسجد، جامعہ دارالعلوم کراچی
تاریخ	۱۰ مارچ ۲۰۰۳ء
ترتیب وعنوانات	مولانا اعجاز احمد صمدانی (فاضل جامعہ دارالعلوم کراچی)
باہتمام	محمد ناظم اشرف

﴿حُسنِ اخلاق کی حقیقت اور اسکے فضائل﴾

خطبہء مسنونہ:

نحمدهٗ و نصلّی علی رسولہ الکریم.

امابعد!

عَنْ أَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ أَکْمَلُ الْمُؤْمِنِیْنَ إِیْمَاناً أَحْسَنُهُمْ خُلُقًا وَ خِیَارُکُمْ خِیَارُکُمْ لِنِسَاءِهٖ (رواہ الترمذی وقال ھذا حدیث حسن صحیح کتاب النکاح، وفی المشکوٰۃ، کتاب النکاح، باب عشرۃ النساء و مالکل واحدۃ من الحقوق، الفصل الثانی، رقم الحدیث: ۳۲۶۴)

علامہ نووی رحمہ اللہ کی مشہور کتاب ''ریاض الصالحین'' اس وقت ہمارے سامنے ہے۔ اسے ہم نے کافی عرصے سے شروع کر رکھا ہے۔ آج کی مجلس میں یہ باب شروع کریں گے کہ شریعت میں ''دوسرے کے ساتھ حسنِ سلوک'' کا کیا حکم دیا گیا ہے اور یہ کہ خواتین کے ساتھ برتاؤ کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مردوں کو کیا کیا ہدایات دی ہیں۔

اس سلسلے کی ایک حدیث حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

﴿أَكْمَلُ الْمُؤْمِنِيْنَ إِيْمَاناً أَحْسَنُهُمْ خُلُقًا وَ خِيَارُكُمْ خِيَارُكُمْ لِنِسَاءِ ہٖ﴾

''سب سے مکمل ایمان والے لوگ وہ ہیں جو اخلاق میں سب سے اچھے ہیں اور تم میں سے سب سے اچھے مرد وہ ہیں جو اپنی عورتوں کے ساتھ سب سے اچھے ہیں۔''

''حسنِ اخلاق'' کسے کہتے ہیں؟

''خُلق'' اصل میں عادت کو کہتے ہیں۔ ''حُسْنُ الْخُلُقْ'' کا مطلب ہوا ''اچھی عادت، اچھے اخلاق''۔ حسنِ اخلاق کیا ہے؟ اس کا حاصل اور لبِ لباب جو علماءِ کرام نے لکھا ہے، تین چیزیں ہیں۔

۱۔ بَذْلُ الْمَعْرُوْف

۲۔ كَفُّ الْأَذٰى

۳۔ طَلَاقَةُ الْوَجْه

بذل المعروف کا مطلب یہ ہے کہ آپ دوسرے کیساتھ اچھا اور خیر خواہی کا معاملہ کریں اور روپے، پیسے اور زبان سے اُسے جو کچھ فائدہ پہنچا سکتے ہوں، پہنچانے کی کوشش کریں۔ ہر آدمی یہ سوچے کہ وہ دوسرے کو کیا فائدہ پہنچا سکتا ہے اور پھر جو سمجھ میں آئے اور اس کا موقع بھی مل جائے تو وہ فائدہ پہنچائے۔

۲۔ کف الأذیٰ کا مطلب یہ ہے کہ دوسروں کو تکلیف نہ پہنچائے۔ اس بات کا خیال رکھے کہ میری کسی بات یا کسی فعل سے دوسرے کو ناحق ادنیٰ ناگواری اور

دل آزاری نہ ہو۔

۳۔ طلاقۃ الوجہ کے معنی ہیں خندہ پیشانی سے ملنا۔ مطلب یہ کہ جب آپ کسی سے ملیں تو آپ کے چہرے پر بشاشت ہو۔ دیکھنے والا یہ محسوس کرے کہ مجھ سے ملتے ہوئے خوش ہوا ہے۔ اس سے اس کے دِل میں بھی خوشی پیدا ہوگی۔

یہ تین چیزیں حاصل ہیں حسنِ اخلاق کا۔

''بذل المعروف'' کی صورتیں:

بذل المعروف یعنی دوسروں کو فائدہ پہنچانے میں بہت سے طریقے ایسے بھی ہیں جن میں کوئی وقت، محنت اور پیسہ بھی خرچ نہیں ہوتا مثلاً آپ چلے جا رہے ہیں۔ راستہ میں کوئی ایسی چیز دیکھتے ہیں جس سے چلنے والوں کو تکلیف پہنچ سکتی ہے۔ آپ نے چلتے چلتے اسے ہٹا دیا۔ اس پر کوئی وقت اور محنت خرچ نہیں ہوئی لیکن آپ نے اپنے اس عمل سے لوگوں کے ساتھ ایک حسنِ سلوک کر دیا۔

آپ بس میں بیٹھے ہیں۔ آپ کے پاس ایک ضعیف آدمی کھڑا ہے۔ بے چارہ تھک رہا ہے۔ آپنے تھوڑا سا سرک کر اس کو جگہ دے دی تو آپ نے اس کے ساتھ حسنِ سلوک کر دیا۔

گھر میں گئے، دیکھا کہ کوئی ایسا مختصر سا کام ہے جس کے کرنے سے بیوی کو خوشی ہو سکتی ہے، وہ کر دیا تو یہ بھی بذل المعروف ہے۔ کسی بات سے بچے کو خوشی ہو سکتی ہے، وہ کر دی تو یہ بھی بذل المعروف ہے۔ بعض مرتبہ بچوں کے ساتھ چھیڑ چھاڑ کرنے میں انہیں خوشی ہوتی ہے تو ان کے ساتھ چھیڑ چھاڑ کرنا بھی بذل المعروف میں شامل ہو جائے گا۔ روایات میں آتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چھوٹے چھوٹے بچوں کے درمیان دوڑ لگواتے تھے اور خود بیٹھ جاتے یا کھڑے ہو جاتے کہ تم دوڑ لگاؤ

اور ہمیں کون سب سے پہلے آکر چھوتا ہے۔ بچے دوڑ لگاتے اور آپ کو چھونے کی کوشش کرتے۔ کوئی آپ کے پیٹ پر گرتا، کوئی رانوں پر گرتا، کوئی کہیں گرتا، کوئی کہیں گرتا۔ آپ بھی خوش ہوتے تھے اور بچے بھی خوش ہوتے۔

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ جب اپنی خانقاہ سے گھر کی طرف تشریف لے جاتے تو بعض اوقات بچے کھیل رہے ہوتے تھے تو کبھی کسی بچے کے پیچھے سے آنکھوں پر ہاتھ رکھ دیتے، تو وہ بچہ کہتا: ''اللہ میاں! بڑے ابا مر جائیں''۔ بچے خوش بھی ہوتے اور یہ بددُعا بھی کرتے۔ حضرت کو اسی میں مزہ آتا تھا۔

بذل المعروف کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ مثلاً آپ کہیں بیٹھے ہیں اور دوسرا شخص آپ کے برابر میں آگیا۔ اگرچہ اس کے بیٹھنے کے لئے جگہ کافی ہے لیکن آپ اس کے لئے تھوڑے سے سرک گئے تو اس کے دل میں خوشی پیدا ہو جائے گی کہ آپ نے اس کی قدر کی، اس کی اہمیت کا احساس کیا اور اس کی عزت کی۔ اور اگر سرکنے کی جگہ نہیں ہے تو روایات میں یہاں تک آتا ہے کہ تھوڑے سے ہل جائیں تاکہ اسے معلوم ہو کہ آپ نے اس کے آنے کو محسوس کیا۔ اس سے اس کے دل میں خوشی پیدا ہو جائے گی۔

غرضیکہ بذل المعروف (یعنی دوسرے کے ساتھ اچھا معاملہ کرنے) کے بے شمار طریقے ہو سکتے ہیں۔ گھر میں بھی ہو سکتے ہیں اور سفر میں بھی ہو سکتے ہیں۔ دفتر میں بھی ہو سکتے ہیں اور مسجد میں بھی ہو سکتے ہیں وغیرہ وغیرہ اور ہر موقع کے لئے آدمی خود سوچ کر یہ کام کر سکتا ہے لیکن یہ کام جب ہوگا جب آدمی کو اس بات کا شوق ہوگا کہ وہ دوسروں کے ساتھ حسنِ سلوک کرے۔

والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ:

والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ اپنا واقعہ سنا رہے تھے کہ ایک مرتبہ میں ہندوستان

میں سفر کر رہا تھا۔ انگریزی دورِ حکومت تھا، ریل کا سفر تھا۔ ریل میں رش بہت تھا اور سفر بھی رات بھر کا تھا۔ میرے برابر میں ایک بوڑھا ہندو بنیا آکر بیٹھ گیا۔ دورانِ سفر اس کو نیند آگئی تو میرے کندھے پر سر رکھ کر سو گیا۔ اب میرا مسئلہ یہ ہو گیا کہ اگر میں ذرا سا بھی ہلتا تو اس کی آنکھ کھل جاتی۔ وہ سونے کے بعد خراٹے لینے لگا۔ اس کے منہ سے بدبو بھی آرہی تھی۔ میں نے سوچا کہ ضعیف آدمی ہے اور میرا صاحب بالجنب (عارضی طور پر ساتھ ہونے والا ساتھی) ہے اور قرآن حکیم میں ''صاحب بالجنب'' کے ساتھ بھی حسن سلوک کرنے کا حکم آیا ہے۔ اس لئے میں بڑی احتیاط سے بیٹھا کہ کہیں اس کی آنکھ نہ کھل جائے۔ کئی گھنٹے گذر گئے میں نے کروٹ نہیں بدلی۔ وہ خوب سویا، کسی شہر میں گاڑی رکی تو اس کی آنکھ کھل گئی۔ چونکہ میں کئی گھنٹے کا جاگا ہوا تھا اس لئے میری آنکھ لگ گئی۔ مجھے اونگھ آئی تو میرا سر اس کے کندھے سے ہلکا سا ٹکرایا اس نے فوراً مجھے دھکا دیا۔

اس نے ایک منٹ کے لئے بھی اس کو گوارا نہ کیا کہ کسی مسلمان کو ایک منٹ کے لئے راحت مل جائے جب کہ انہوں نے گھنٹوں تکلیف برداشت کر کے اُسے راحت پہنچائی۔ والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے واقعہ سے بھی یہ بات معلوم ہوئی اور قرآنی آیات اور احادیث سے بھی یہ بات واضح ہوتی ہے کہ حسنِ سلوک کا تعلق صرف مسلمان ہی کے ساتھ خاص نہیں بلکہ کافروں کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنا چاہئے۔ اس کے ساتھ حسنِ اخلاق سے پیش آنا اور اس کو تکلیف سے بچانا اس کا حق ہے۔

''کف الأذی'' کی تفصیل:

''کف الاذی'' کا حاصل یہ ہے کہ اس بات کی کوشش کی جائے کہ کسی دوسرے کو آپ کی وجہ سے ناحق تکلیف نہ ہو۔ بعض لوگوں کی عادت سگریٹ پینے کی

ہوتی ہے، ایسے لوگ بعض مرتبہ دورانِ سفر بھی سگریٹ پیتے رہتے ہیں اور برابر والوں پر دھواں چھوڑتے رہتے ہیں جس سے دوسروں کو تکلیف پہنچتی ہے، یہ جائز نہیں۔

بعض پان والے پان کھاتے ہیں اور قریب ہی اس کی پیک تھوکتے رہتے ہیں۔ دوسرے کو اس سے گھن آتی ہے۔ یہ بھی تکلیف دینے والی چیز ہے۔ بعض نسوار کھانے والے بیچ بیچ تھوکتے رہتے ہیں حالانکہ برابر میں دوسرے افراد موجود ہوتے ہیں۔ اس سے دوسروں کو تکلیف پہنچتی ہے۔

بعض لوگ ریل میں پہلے سے پہنچ جاتے ہیں حالانکہ ان کی ریزرویشن (Reservation) نہیں ہوتی۔ کپڑا بچھا کر جگہ پر قبضہ کر لیا۔ بعض مرتبہ کوئی شخص صرف ایک ٹکٹ لیتا ہے لیکن دو آدمیوں کی جگہ پر قبضہ کر لیتا۔ یہ صرف حسنِ اخلاق کی بات نہیں بلکہ یہ تو حق کی ادائیگی اور گناہوں سے بچنے کی بات ہے۔ جتنے کا ٹکٹ تم نے لیا ہے، اتنے کا دوسروں نے بھی لیا ہے۔ تمہیں بھی ایک آدمی کی جگہ گھیرنے کا حق ہے، دوسرے کو بھی اتنی ہی جگہ گھیرنے کا حق ہے۔ تم نے دو آدمیوں کی جگہ پر قبضہ کر کے دوسرے کا حق مار لیا۔ اسی طرح ایسے طریقے سے بیٹھنا کہ جس سے برابر والے کو تنگی ہو رہی ہو جائز نہیں۔

اسی طرح اگر کسی کے منہ میں بدبو ہو تو اس کے لئے مجلس جانا کہ جس کی وجہ سے دوسروں کو تکلیف ہو، جائز نہیں۔ حدیث میں ہے کہ ''جس شخص نے کچی پیاز کھائی ہو یا کچا لہسن کھایا ہو تو وہ مسجد میں نہ آئے''۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ کچے پیاز اور لہسن کے کھانے سے منہ میں بدبو پیدا ہو جاتی ہے جس سے برابر والوں کو تکلیف ہوتی ہے اور مسجد میں فرشتے بھی ہوتے ہیں، انہیں بھی تکلیف ہوتی ہے۔ اس لئے منع کیا گیا ہے۔ اندازہ کیجئے کہ لہسن اور پیاز سے تکلیف ہی کتنی ہوتی ہے۔ اس سے زیادہ تکلیف تو سگریٹ اور بیڑی سے ہوتی ہے اور اس سے زیادہ تکلیف دہ بو منہ کی ہوتی

ہے اگر کسی کے منہ میں پائیریا کی بیماری ہے۔ اور ایسی ہی تکلیف بغلوں سے ہوتی ہے اگر کسی کی بغلیں صاف نہ رہتی ہوں، سخت گرمی کے موسم میں پسینوں کے باوجود نہاتے نہ ہوں۔ اس سے کپڑوں میں پسینے کی بدبو آجاتی ہے جس سے برابر والوں کو تکلیف پہنچتی ہے۔

''ادب'' کی جامع تعریف:

ہم ایک مرتبہ اپنے مرشد حضرت ڈاکٹر عبدالحیٔ عارفی رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس میں بیٹھے تھے۔ انہوں نے اہلِ مجلس سے ایک سوال کیا۔ فرمایا کہ یہ بات بہت کی جاتی ہے کہ فلاں کام ادب کے موافق ہے اور فلاں بات ادب کے خلاف ہے۔ ادب کس کو کہتے ہیں؟ اس کی تعریف کیا ہے؟ مجلس میں علماءِ کرام موجود تھے اور علماء ہی سے یہ خطاب تھا۔ آپ کے اس سوال پر ہم سب خاموش رہے۔ پھر خود ہی فرمایا کہ بعض لوگ ادب اسے سمجھتے ہیں کہ آہستہ آواز میں بات کرے، اونچی آواز میں نہ بولے۔ بعض لوگ ادب یہ سمجھتے ہیں کہ بڑے کے آگے سر جھکا کے بیٹھے، ان کی طرف نہ دیکھے۔ بعض حضرات ادب یہ قرار دیتے ہیں کہ چھوٹا بڑوں کے پیچھے چلے، آگے نہ چلے وغیرہ وغیرہ۔ ان میں سے کوئی بھی ادب کی جامع اور مکمل تعریف نہیں ہے۔ ادب کی صحیح تعریف یہ ہے کہ ''آپ دوسروں کے ساتھ کوئی ایسا معاملہ نہ کریں جس سے دوسرے کو ناحق ادنیٰ تکلیف یا ناگواری ہو''۔

جو باتیں اوپر ذکر کی گئی ہیں کبھی ان کا کرنا ادب ہوتا ہے اور کبھی ان کے برعکس معاملے میں ادب پایا جاتا ہے۔ مثلاً رات کا وقت ہے اور رستہ تنگ اور پرخطر ہے اور اندھیرا بھی ہے اور آپ کسی بڑے کے ساتھ چل رہے ہیں تو وہاں ادب کا تقاضا یہ ہے کہ آپ خود آگے ہو جائیں اور بزرگ کو پیچھے رکھیں تاکہ راستہ کو دیکھیں،

کوئی دشمن ہے تو اس سے بچاؤ کا انتظام کریں، جھاڑ جھنکار ہیں تو اس کو راستے سے ہٹائیں وغیرہ غرضیکہ یہاں ادب کا تقاضا پیچھے چلنا نہیں، آگے چلنا ہے۔ اسی طرح بعض مرتبہ آہستہ کے بجائے بلند آواز سے بولنا ادب ہوتا ہے۔ اگر آپ اتنا آہستہ بولیں کہ بڑے تک آواز ہی نہ پہنچے تو یہ ادب کے خلاف ہے، اتنی اونچی آواز سے بولنا چاہیے کہ بڑا آپ کی آواز بآسانی سن سکے۔ اسی طریقے سے کبھی گردن جھکا کر بیٹھنا ادب ہوتا ہے لیکن کبھی بڑے کی طرف دیکھنا ادب کی بات ہوتی ہے مثلاً اگر وہ آپ سے بات کر رہے ہیں، اور آپ گردن جھکائے ہوئے بیٹھے ہیں تو اس سے ان کو الجھن ہوگی کہ پتہ نہیں میں پتھر سے بات کر رہا ہوں یا انسان سے کلام کر رہا ہوں۔ معلوم نہیں یہ میری بات سن بھی رہا ہے یا نہیں تو ایسی صورت میں ادب کا تقاضا یہ ہے کہ آپ اس کی طرف دیکھیں۔

خلاصہ یہ کہ اپنے قول وفعل سے دوسروں کو ناحق طور پر ادنیٰ ناگواری اور تکلیف سے بچانا ادب ہے اور ''کف الاذی'' کا حاصل بھی یہی ہے کہ آپ کی وجہ سے کسی کو ادنیٰ ناحق تکلیف یا ناگواری نہ ہو۔

تبسم ...... رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خاص سُنّت:

تیسری چیز ہے ''طلاقۃ الوجہ'' (یعنی خندہ پیشانی کے ساتھ ملنا) یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خاص سنت ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عادتِ شریفہ تھی کہ عام طور پر آپ کے چہرۂ انور پر تبسم رہتا تھا۔ ایک صحابی فرماتے ہیں کہ جب کبھی بھی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملا، آپ نے تبسم کے ساتھ ملاقات فرمائی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب گھر تشریف لے جاتے تو آپ کے چہرۂ مبارک پر بشاشت ہوتی۔ ہر ایک سے خندہ پیشانی سے ملتے۔ ہاں اگر آپ کبھی کوئی

ناجائز بات دیکھتے تو آپ کے چہرۂ انور پر اس سے ناگواری کے آثار ظاہر ہوتے۔ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سفر سے گھر تشریف لائے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے دروازے پر پردہ ڈال رکھا تھا اور اس پر کوئی تصویر تھی (اس وقت تک تصویر کی حرمت سے متعلق احکام آئے ہی نہیں تھے یا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو حکم معلوم نہ تھا) آپ فرماتی ہیں کہ میں نے دیکھا کہ جب آپ تشریف لائے تو آپ کا چہرہ ناگواری کی وجہ سے سرخ ہو گیا۔ میں نے عرض کیا: میں اپنے گناہوں کی معافی مانگتی ہوں۔ مجھ سے کیا غلطی ہوئی۔ (حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے معافی پہلے مانگی۔ غلطی بعد میں پوچھی۔ یہ ادب کی بات ہے) آپ نے یہ سن کر تصویر کے متعلق مسئلہ بتلایا۔ یہ خاص حالت کا بیان ہے ورنہ عام حالات میں آپ کے چہرے مبارک پر تبسّم ہوتا تھا۔

ایمان کے اعتبار سے اتنا ہی کامل:

تو حسنِ خلق کا خلاصہ تین چیزیں ہوئیں، دوسرے کو فائدہ پہنچانا، ناحق تکلیف سے بچانا اور مسکرا کر ملنا۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مسلمانوں میں سب سے زیادہ مکمل ایمان والے وہ لوگ ہیں جو ان میں سے زیادہ اچھے اخلاق والے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ جس شخص کے اندر یہ تین باتیں جتنی زیادہ ہوں گی وہ ایمان کے اعتبار سے اتنا ہی کامل ہوگا۔ اس سے حسنِ اخلاق کی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے۔

مسکرانے کی عادت ڈالیں:

اور یاد رکھئے! یہ صرف سننے سے کام نہیں چلتا بلکہ عادت ڈالنے اور مشق

کرنے سے کام چلتا ہے۔ ان اعمال کو اپنے اندر پیدا کرنے کی مشق کی جائے، بعض لوگوں کے چہروں پر کسی وجہ سے مسکراہٹ نہیں ہوتی مثلاً بچپن سے عادت نہیں پڑی، یا کسی تکلیف و بیماری میں مبتلا رہتے ہیں یا کسی کو غم و پریشانی ہوتی ہے جس کو سوچتے رہنے کی وجہ سے چہرے پر مسکراہٹ نہیں آتی۔ یہ شخص سوچا کرے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر کتنی کتنی پریشانیاں اور سختیاں آئی ہیں۔ جان کے لالے پڑ گئے۔ دشمنوں نے کتنے کتنے منصوبے بنائے اور کتنا کتنا ستایا لیکن سب کچھ کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ انور کی بشاشت معروف ہے۔ یہ تصور کرنے سے چہرے پر مسکراہٹ آنا شروع ہو جائے گی۔ اس کے علاوہ بات کرتے ہوئے یہ عادت ڈالیں کہ جب کسی سے بات کیا کریں تو مسکرا کر کیا کریں۔ شروع میں بتکلف ایسا کرنا ہوگا۔ رفتہ رفتہ اس کی عادت پڑ جائے گی۔

عورتوں کے ساتھ حسنِ سلوک کی فضیلت:

دوسری بات یہ بیان فرمائی کہ:

﴿وَ خِيارُكُم خِيارُكُم لِنساءِ ٥﴾

''تم میں سے سب سے اچھے مرد وہ ہیں جو اپنی عورتوں کے ساتھ سب سے زیادہ اچھے ہیں۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا بیویوں سے حسنِ سلوک اور اسکا اثر:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے گیارہ نکاح فرمائے۔ ایک وقت میں سات خواتین بھی جمع ہوئیں۔ آپ نے ان کے حقوق ادا کئے اور ان کے ساتھ ایسا برتاؤ کیا کہ یہ سب خواتین آپ پر فریفتہ تھیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا آپ کی شان میں

یہ شعر پڑھا کرتی تھیں۔

لَوامِیَ زُلَیْخَا لَوْ رَءَیْنَ جَبِیْنَهٗ
لَآ ثَرْنَ بِقَتْلِ الْقُلُوْبِ عَلی الْیَدِ

ترجمہ: زلیخا کو ملامت کرنے والی عورتیں اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ انور کو دیکھ لیتیں تو انگلیوں کو کاٹنے کے بجائے اپنے دلوں کو چیر ڈالتیں۔

زلیخا کا واقعہ مشہور ہے۔ قرآن حکیم میں بیان کیا گیا ہے۔[۱] حضرت یوسف علیہ السلام سے اُسے عشق کے درجے میں محبت ہوگئی تھی۔ عورتوں نے ملامت کی اور کہا کہ اسے کیا ہوگیا ہے کہ یہ فلاں سے محبت کرنے لگی۔ زلیخا کو جب پتہ چلا تو اسنے ایک مجلس منعقد کی، ان خواتین کی دعوت کی۔ ان کے سامنے پھل رکھ دیئے اور ان کے ہاتھوں میں چاقو دے دیئے تاکہ وہ انہیں کاٹ کاٹ کر کھائیں۔ یوسف علیہ السلام گھر میں کہیں تھے۔ انہیں آواز دی۔ جب آپ سامنے آئے تو عورتیں آپ کے حسن و جمال سے ایسی مبہوت ہوئیں کہ انہیں اپنا ہوش ہی نہ رہا اور پھلوں کے بجائے اپنی انگلیاں کاٹ ڈالیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں ایسے اشعار ارشاد فرما رہی ہیں، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اطہر سے بے پناہ قلبی تعلق تھا۔ یہی حال تمام ازواج مطہرات کا تھا۔ تو آپ نے کر کے دکھایا کہ ایک کامیاب اور عظیم شوہر اپنی بیویوں کے ساتھ کتنا اچھا سلوک کرنے والا ہوتا ہے۔

---

۱ سورۃ یوسف: ۲۹۔۳۲

حضرت ڈاکٹر عبدالحیٔ عارفی رحمہ اللہ کی حیرت ناک کرامت:

ہمارے مرشد حضرت ڈاکٹر عبدالحیٔ عارفی رحمۃ اللہ علیہ ایک بات فرمایا کرتے تھے اور ہمیں حیرت ہوتی تھی اور آج بھی حیرت ہوتی ہے۔ فرماتے تھے کہ الحمدللہ! میں نے شادی کے بعد آج تک کبھی اپنی اہلیہ کو اپنے کسی کام کے لئے نہیں کہا کہ مثلاً مجھے فلاں چیز اٹھا دو، فلاں چیز رکھ دوحتی کہ بعض اوقات وہ بیٹھی ہوتی ہیں اور گلاس ان کے پاس رکھا ہوتا ہے۔ اگر میں انہیں گلاس اٹھا کر دینے کے لئے کہوں تو وہ بڑی خوشی سے اٹھا کر دیتیں اور انہیں اٹھنا بھی نہ پڑتا اور میں اٹھاؤں تو مجھے اٹھنا پڑے گا تو ایسے موقع پر بھی میں نے کبھی ان سے نہیں کہا کہ گلاس اٹھا دو۔ میں سوچتا ہوں کہ یہ میری باندی اور ملازمہ تو نہیں ہے، میری بیوی ہے، رفیقۂ زندگی ہے۔ ان کو کسی کام کا حکم دینے کا مجھے حق کہاں ہے! یہ اور بات ہے کہ وہ اپنی خوشی سے حضرت کی بہت خدمت کرتی تھیں۔ دوسری بات یہ فرمائی کہ میں نے کبھی اپنی اہلیہ سے لہجہ بدل کر بات نہیں کی۔

ہمیں حیرت ہوتی ہے کہ یہ کتنی بڑی کرامت ہے۔ یہ خرق عادت ہے۔ بیوی تو بیوی ہے آدمی سے ماں باپ کے ساتھ بھی بعض اوقات گفتگو میں بھول چوک ہو جاتی ہے، گفتگو کا لہجہ بدل جاتا ہے (اللہ پناہ میں رکھے) بہن بھائیوں کے ساتھ ہو جاتا ہے۔

حضرت کا انتقال اسی (۸۰) سال کی عمر میں ہوا ہے اور شادی کے بعد تقریباً ساٹھ سال کا عرصہ اکٹھے گذرا ہے۔ اتنے طویل عرصہ تک اس کا اہتمام کوئی آسان بات نہیں۔ یہ زبردست کرامت اور خرقِ عادت بات ہے۔

حضرت کا جب انتقال ہو گیا تو آپ کی اہلیہ محترمہ نے ہمارے گھر والوں کو

یہ دونوں باتیں بتلائیں کہ حضرت نے مجھے کبھی کسی کام کے کرنے کا حکم نہیں دیا۔ میں اپنی خوشی سے ان کی خدمت کیا کرتی تھی اور حضرت نے زندگی بھر مجھ سے لہجہ بدل کر بات نہیں کی۔

بیٹیوں کے ساتھ حسنِ سلوک کی فضیلت:

اور یہاں یہ بات جاننا بھی ضروری ہے کہ عورتوں میں جہاں بیویاں ہیں، اسی طرح بیٹیاں بھی شامل ہیں۔ بیٹیوں کے ساتھ بھی اچھا برتاؤ کرنا ضروری ہے۔

عرب میں ایک بڑا بُرا اور ظالمانہ رواج تھا کہ لڑکی کے پیدا ہونے پر ناخوش ہوتے، ناک بھوں چڑھاتے، اپنے لئے لڑکی کو عار سمجھتے اور اُسے زندہ دفناتے۔ قرآن مجید میں اس کا ذکر آیا ہے۔ اسلام نے اِس ظالمانہ اور بہیمانہ رسم کا خاتمہ کیا۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کی فضیلت بیان کی جن کی بیٹیاں ہوتیں اور وہ ان کو پالتے اور آپ نے اپنی شہادت والی اور اس کے ساتھ والی انگلی کو ملا کر فرمایا کہ:

> ''میں اور دو بیٹیوں کی پرورش کرنے والے جنت میں اِن دو انگلیوں کی طرح ہوں گے''۔[۱]

ماں کا مقام:

اسی طریقے سے خواتین میں مائیں بھی داخل ہیں۔ ماں کا یہ مرتبہ رکھا گیا کہ اللہ رب العالمین کے بعد والدین کا حق ہے، اس میں ماں شامل ہے اور ویسے بھی باپ کے مقابلے میں ماں کا حق زیادہ ہے۔ اور جرائم میں شرک کے بعد سب سے بڑا

---

[۱] اس حدیث کی عربی عبارت یہ ہے: مَن عال جاریتین حتی تبلغا جاء یوم القیمة أنا و هو هکذا'' و ضمّ اصابعهٗ (رواه مسلم بحواله مشکوٰة المصابیح، کتاب الآداب، باب الشفقه و الرحمة علی الخلق، الفصل الأول)

جرم والدین کے ساتھ بدسلوکی کا ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ جنت ماں کے قدموں تلے ہے۔

اسلام نے عورت کو بہت بلند مقام دیا ہے:

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اسلام نے عورت کو کس قدر مقام عطا کیا ہے اور اس کا کس قدر احترام رکھا ہے۔ اور ان کے ساتھ حسنِ سلوک کرنے کی کس قدر تاکید کی ہے۔

اسلام نے صلہ رحمی کو فرض قرار دیا۔ جس طرح نماز فرض ہے اسی طرح اپنے اپنے درجے میں صلہ رحمی بھی فرض ہے۔ صلہء رحمی کے مستحق رشتہ داروں میں جس طرح مرد شامل ہیں، عورتیں بھی اسی طرح شامل ہیں۔ لہٰذا جس طرح مرد رشتہ داروں کے ساتھ حسنِ سلوک کرنا ضروری ہے، عورتوں کے ساتھ اچھا برتاؤ بھی ضروری ہے۔

اللہ رب العزت ہمیں حسنِ اخلاق کے تقاضوں پر عمل کرنے اور عورتوں کے ساتھ حسنِ سلوک کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

و آخر دعوانا أنِ الحمد للّٰہِ رب العالمین ٥

رِشتہ داروں کو صدقہ دینے کے فضائل

موضوع	رشتہ داروں کو صدقہ دینے کے فضائل
خطاب	حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی مدظلہم
مقام	جامع مسجد، دارالعلوم کراچی
ترتیب و عنوانات	مولانا اعجاز احمد صمدانی (فاضل جامعہ دارالعلوم کراچی)
باہتمام	محمد ناظم اشرف

﴿رشتہ داروں کو صدقہ دینے کے فضائل﴾

خطبہء مسنونہ:

نحمدہٗ و نصلی علٰی رسولہٖ الکریم.

اَمابعد!

عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ "لَیْسَ الْوَاصِلُ بِالْمُکَافِیْ، وَلٰکِنَّ الْوَاصِلَ الَّذِیْ إِذَا قُطِعَتْ رَحِمُهٗ وَصَلَهَا" (رواہ البخاری وایضاً فی سنن اَبی داؤد رقم الحدیث: ۱۶۹۷ و فی جامع الترمذی رقم الحدیث: ۱۹۰۹)

واصل اور مکافی کے معنیٰ:

اس حدیث میں دو الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔ واصل اور مکافی۔ واصل کے معنیٰ ہیں صلہ رحمی کرنے والا۔ رشتہ داروں کے ساتھ حسنِ سلوک کرنے والا اور مکافی کا مطلب ہے برابر برابر کا معاملہ کرنے والا۔ معاملے کو برابر کر دینے والا۔ فرمایا

لیس الواصل بالمکافی (رشتہ داروں کے ساتھ حسنِ سلوک کرنے والا وہ نہیں ہے جو برابر سرابر معاملہ کرے) بعض لوگ اپنے رشتہ داروں کے بارے میں کہا کرتے ہیں کہ جیسے وہ کریں گے، ویسے ہی ہم کریں گے، وہ ہماری شادی غمی میں شریک ہوں گے تو ہم بھی ان کی خوشی اورغمی میں شریک ہو گے۔ وہ ہم سے ملنے کے لئے آیا کریں گے تو ہم بھی جائیں گے ورنہ نہیں جائیں گے۔ وہ ہمارے کاموں میں مدد کریں گے تو ہم بھی کریں گے وہ نہیں کریں گے تو ہم بھی نہیں کریں گے۔ یہ ہے مکافی۔ مکافی مکافات سے نکلا ہے۔ بمعنیٰ برابری کرنا۔ تو بتلایا کہ ایسے شخص کے بارے میں یوں نہیں کہا جائے گا کہ یہ صلہ رحمی کرنے والا ہے بلکہ یہ تو مکافات کرنے والا ہے۔ واصل (صلہ رحمی کرنے والا) تو اس کو کہتے ہیں کہ رشتے دار اسکے ساتھ تعلق کو توڑے اور یہ اپنے تعلق کو جوڑے۔ رشتہ دار خواہ اس کے ساتھ حسنِ سلوک نہ کریں، یہ ان کے ساتھ صلہ رحمی کا معاملہ کرتا رہے۔ یہ نہ سوچے کہ وہ میرے ساتھ کیا معاملہ کریں گے۔

رشتہ داروں کی خوشی غمی میں شریک ہونا ضروری ہے:

اگر کوئی شخص کسی رشتے دار کی دعوت میں اس لئے شریک نہیں ہوتا کہ اس محفل میں کوئی غیر شرعی کام ہے یا ناچ گانا ہے یا مردوں عورتوں کا مخلوط اجتماع ہے وغیرہ تو یہ صحیح ہے لیکن کسی کسی رشتے کی شادی بیاہ یا کسی اور خوشی میں اس لئے شریک نہ ہونا کہ چونکہ وہ ہماری خوشی میں نہیں آئے تھے، اس لئے ہم بھی نہیں جائیں گے، درست نہیں۔ بلکہ اسے چاہئے کہ دوسرے رشتہ دار نے شرکت کی ہو یا نہ کی ہو، اگر کوئی شرعی عذر نہ ہو تو یہ ان کی خوشی میں شریک ہو۔ اگر زیادہ میل جول کو جی نہیں چاہتا تو زیادہ دیر نہ بیٹھے۔ تھوڑی دیر کے لئے شریک ہو کر واپس آجائے۔ خدانخواستہ

وہ بیمار پڑ جائیں تو یہ نہ سوچے کہ جب ہم بیمار ہوئے تھے، ہمارا آپریشن ہوا تھا تو وہ بھی ہمیں پوچھنے نہیں آئے ہم کیوں جائیں، بلکہ ان کی عیادت کرنے کے لئے چلا جائے۔ ورنہ اسے صلہ رحمی کے فضائل حاصل نہ ہوں گے۔ البتہ اِس بات کا خیال رکھنا بھی ضروری ہے کہ عیادت سنت کے مطابق کریں، اس کے آداب کا خیال کریں مثلاً بے وقت نہ جائیں، زیادہ دیر نہ بیٹھیں، کوئی ایسا کام نہ کریں جس سے مریض یا تیمار داروں کو تکلیف ہو وغیرہ۔

''باندی آزاد کرنے کے بجائے رشتہ داروں کو دیتی تو زیادہ ثواب ملتا''

ایک حدیث میں امّ المومنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کا واقعہ بیان کیا گیا ہے۔ ان کے پاس ایک باندی تھی جسے انہوں نے آزاد کیا۔ (پرانے زمانے میں غلام اور باندیاں ہوتی تھیں اور ان کی خرید وفروخت ہوتی تھی) اس دور میں غلام اور باندی بہت بڑا مال تصور کیا جاتا تھا۔ جس طرح کسی کے پاس اونٹ ہونا اس کے مالدار ہونے کی علامت تھی، اسی طرح غلام اور باندی رکھنے والا شخص بھی مالدار سمجھا جاتا تھا۔ ظاہر ہے کہ حضرت میمونہ نے ثواب حاصل کرنے کے لئے باندی کو آزاد کیا تھا (اور شریعت میں غلام اور باندی کو آزاد کرنے کے متعدد فضائل بیان کئے گئے ہیں) صحابہ کرام میں یہ عام معمول تھا کہ غلام خرید کر اسے آزاد کر دیتے تھے۔

حضرت میمونہؓ نے باندی کو آزاد کرنے سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مشورہ نہیں کیا تھا، اجازت بھی نہیں مانگی تھی چونکہ خود مالکہ تھیں، اس لئے انہیں ایسا کرنے کا اختیار تھا۔ بعد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ میں نے باندی کو آزاد کر دیا ہے۔ آپ نے سوالیہ انداز میں پوچھا: آزاد کر دیا؟ عرض کیا: جی ہاں۔ آپ نے فرمایا: اگر تو یہ باندی آزاد کرنے کے بجائے اپنے ننھیال کے رشتہ

داروں کو دے دیتی تو اور زیادہ اجر وثواب ملتا۔ (بخاری و مسلم)

حدیث میں ''اخوال'' کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ اخوال ''خال'' کی جمع ہے۔ ماموں کو کہتے ہیں۔ اس سے ننھیال کے رشتہ دار مراد ہیں۔ یہاں پر بظاہر ''اخوال'' کے لفظ کا مقصود یہ نہیں معلوم ہوتا کہ دودھیال یا چچا، تایا وغیرہ کو دینے کی یہ فضیلت نہیں بلکہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان کے ننھیال کے رشتے دار کچھ زیادہ ضرورت مند ہوں گے کہ ان کو دینے میں صدقے کا بھی ثواب ملتا اور رشتہ داروں کے حقوق کی ادائیگی بھی ہو جاتی۔ ورنہ دوسرے رشتے داروں کو ہبہ کے طور پر کچھ دینا بھی بڑے اجر وثواب کا کام ہے۔ غلام یا باندی آزاد کرنے کے بارے میں ایک فضیلت یہ آئی ہے کہ اس کے بدلے آزاد کرنے والا جہنم سے آزاد ہو جاتا ہے لیکن اس حدیث سے معلوم ہو رہا ہے کہ اسے آزاد کرنے کے بجائے رشتہ داروں کو ہبہ کے طور پر دینا اس سے بھی زیادہ فضیلت والا عمل ہے۔

رشتہ داروں کو دینا ایک حد تک فرض بھی ہے:

اس غلط فہمی میں بھی بہت سے لوگ مبتلا ہیں کہ وہ دیگر مصارف میں صدقہ دینے کو ثواب کا کام سمجھتے ہیں لیکن رشتہ داروں کو کچھ دینا ان کے خیال میں دنیا کا کام ہے۔ مسجد پر بھی لگائیں گے، پانی کی ٹینکی بنوا دیں گے، کوئی کنواں کھد رہا ہے، اس میں بھی حصہ ڈال دیں گے، مدرسہ کو چندہ بھی دے دیں گے۔ فقیروں کی بھی مدد بھی کر دیں گے لیکن رشتہ داروں کے بارے میں بڑے کنجوس ہوں گے۔ اور یوں سمجھتے ہیں کہ صدقہ کریں گے تو ثواب ملے گا، رشتے داروں کو دیں گے تو ثواب نہیں ملے گا۔

یہ بہت بڑی غلط فہمی ہے۔ رشتے داروں کو دینے میں دگنا اجر ہے۔ صدقے کا بھی ثواب ہے اور صلہ رحمی کا بھی ثواب ہے بلکہ ایک حد تک فرض بھی ہے۔

کافر ماں باپ کے ساتھ حسنِ سلوک اور مالی تعاون کرنا چاہئے؟

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی بڑی بہن حضرت اسماء رضی اللہ عنہا مسلمان تھیں اور ہجرت کر کے مدینہ منورہ آگئی تھیں لیکن ان کی والدہ نے ابھی تک اسلام قبول نہیں کیا تھا۔ صلح حدیبیہ کے موقع پر جب مشرکینِ مکہ اور مسلمانوں کے درمیان صلح کا معاہدہ ہوا۔ اس معاہدہ کی کئی شقیں تھیں۔ ان میں ایک اہم بات یہ طے ہوئی کہ آئندہ دس سال تک دونوں فریقوں کے درمیان جنگ نہیں ہوگی۔ اس معاہدہ کی وجہ سے امن و امان قائم ہوگیا۔ مکہ مکرمہ اور مدینہ طیبہ کے لوگ ایک دوسرے کے پاس آنے جانے لگے۔ رشتے دار ایک دوسرے کو ملنے لگے۔ مکہ مکرمہ کے جو لوگ ہجرت کر کے مدینہ طیبہ آئے تھے، ان کے بھی بہت سے رشتے دار مکہ ہی میں رہ گئے تھے۔ ایسا بھی ہوا کہ باپ کافر ہے تو وہ وہیں رہ گیا، بیٹا مدینہ طیبہ آگیا جیسے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ مدینہ طیبہ آگئے اور ان کے والد ابو قحافہ (جو اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے) مکہ میں رہ گئے۔ بھائی بھائی سے جدا ہوا جیسے عمر فاروق مدینہ طیبہ آگئے ان کے بھائی مکہ میں رہے۔ ماں بیٹی سے الگ ہوگئی۔ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا تو ہجرت کر چکی تھیں لیکن آپ کی والدہ کافر تھیں (بعد میں مسلمان ہوکر مدینہ طیبہ آئی تھیں) اس وقت تک مسلمان نہ ہوئی تھیں۔

صلح حدیبیہ کی وجہ سے مکہ مکرمہ اور مدینہ طیبہ میں لوگ ایک دوسرے سے ملنے لگے۔ رشتہ دار بھی آنے جانے لگے۔ حضرت اسماء کی والدہ بھی آپ سے ملنے کے لئے آئیں۔ آپ کے ذہن میں یہ سوال پیدا ہوا کہ یہ تو کافرہ ہے۔ اس کے ساتھ حسنِ سلوک کروں یا نہ کروں؟ جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوکر عرض کیا: کہ میری والدہ میرے پاس آئی ہے اور یہ امید لے کر آئی ہے کہ

میں اس کے ساتھ احسان کا معاملہ کروں (یعنی اس کی کچھ مالی معاونت کروں) تو کیا میں والدہ کے ساتھ احسان کا سلوک کر سکتی ہوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا:

﴿نَعَمْ، صِلِيْ أُمَّكِ﴾ (صحیح مسلم، کتاب البر والصلۃ والادب)

''ہاں، اپنی والدہ کے ساتھ حسنِ سلوک کرو''

اس سے معلوم ہوا کہ ماں باپ اگر کافر و مشرک بھی ہوں تو بھی ان کے ساتھ اچھا معاملہ کرنا نہ چھوڑا جائے۔ ان کے ساتھ ادب و احترام کا معاملہ ہو۔ ضرورت ہو تو مالی تعاون بھی کیا جائے ان کی خدمت کی جائے البتہ اتنی زیادہ محبت نہ کرو کہ دیکھنے والے یہ سمجھیں کہ آپ ان کے مذہب اور عقیدے کو بھی پسند کرتے ہیں۔

فاسق ماں باپ کا حکم

جب کافر اور مشرک ماں باپ کا یہ حکم ہے تو اگر کسی کے ماں باپ فاسق و فاجر ہوں یعنی کسی اور کبیرہ گناہ میں مبتلا ہوں جیسے شراب پیتے ہوں، سود کھاتے ہیں، رشوت لیتے ہوں یا جھوٹ اور دغا بازی کے جرم میں مبتلا ہوں وغیرہ تو ان کے ساتھ حسنِ سلوک کا معاملہ بدرجہ اولیٰ ہوگا۔ ہم سے ایسے نوجوان ملتے ہیں جو اپنے والدین کے بارے میں ایسی شکایات لے کر آتے ہیں۔ ہم ان سے یہی کہتے ہیں کہ تم نرمی اور ادب و احترام کے ساتھ ایک دو مرتبہ انہیں سمجھا دو، مسئلہ معلوم نہیں تو مسئلہ بتا دو۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ سے دُعا کرو۔ ان سے لڑائی جھگڑا کرو نہ ان سے سخت کلامی کرو۔ بلکہ انہیں خدمت کی ضرورت ہو تو ان کی خدمت بھی کرو۔

ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا خاص وصف:

اگلی روایت حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بڑے جلیل القدر صحابی ہیں اور ان کا خاص وصف یہ ہے کہ یہ افقہ الصحابہ میں شمار ہوتے ہیں یعنی ان صحابہ میں ان کا شمار ہوتا ہے جو فقہ کے اندر سب سے زیادہ ماہر تھے۔ شریعت کے احکام کو سب سے زیادہ سمجھنے والے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ان کا آنا جانا کثرت سے ہوتا تھا کہ بعض دیکھنے والے یہ محسوس کرتے تھے کہ یہ بھی گھر کے ہی کوئی آدمی ہیں۔

خواب میں ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی زیارت کا واقعہ:

بات یاد آگئی۔ اس سے پہلے کبھی میں نے اس کا تذکرہ نہیں کیا۔ میرے مرشد حضرت ڈاکٹر عبدالحیؒ عارفی رحمہ اللہ کی زندگی کا واقعہ ہے۔ ایک مرتبہ میں نے خواب میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی زیارت کی۔ لمبا خواب تھا۔ میں نے حضرت عارفی صاحب رحمہ اللہ کو تنہائی میں وہ خواب سنایا۔ حضرت نے ایسی تعبیر بتائی جو میرے لئے بشارت تھی۔ فرمایا کہ انشاء اللہ، تمہیں تفقہ فی الدین حاصل ہوگا۔ فقہ میں ترقی ہوگی۔ (اَللّٰھم اجْعَلْنَا کَذٰلِکَ) اس سے پہلے اس واقعہ کو بیان کرنے کی ہمت نہیں پڑی۔ آج اس لئے بتا رہا ہوں کہ آپ لوگ دعا کریں کہ میرے مرشد حضرت عارفی صاحب رحمہ اللہ نے جو تعبیر بتائی، اللہ تعالیٰ اسے پورا کر دے۔

عورتوں کو صدقہ دینے کا حکم:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی بیوی زینب فرماتی ہیں کہ ایک مرتبہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خواتین سے خطاب کیا اور اس میں یہ فرمایا:

﴿تَصَدَّقْنَ يَا مَعْشَرَ النِّسَاءِ وَلَوْ مِنْ حُلِيِّكُنَّ﴾

''اے عورتوں کی جماعت! تم صدقہ خیرات کرو، اگر چہ زیور بھی دینا پڑیں۔''

میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد سن کر گھر اپنے شوہر کے پاس آئی اور ان سے کہا: تمہارے پاس پیسے کی کمی ہے۔ تم غریب آدمی ہو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں صدقہ کرنے کا حکم دیا۔ تم حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے جا کر پوچھو کہ کیا میں تمہیں صدقہ کر سکتی ہوں۔ اگر تجھے صدقہ دینے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا منشا پورا ہو جاتا ہے تو بہت بہتر ورنہ میں یہ صدقہ کسی اور کو دے دوں گی۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''تو ہی چلی آ اور یہ بات خود پوچھ لے''۔

شوہر کو صدقہ دینے کی فضیلت:

فرماتی ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بات پوچھنے کے لئے چلی۔ وہاں جا کر دیکھا کہ ایک انصاری عورت بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دروازے پر موجود تھی اور اس کا مسئلہ بھی وہی تھا جو میرا مسئلہ تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے رعب اور جلالتِ شان کی وجہ سے مجھے خود بات کرنے کی ہمت نہ ہوئی۔ اتنے میں بلالِ حبشی رضی اللہ عنہ آ گئے۔ ہم نے ان سے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر بتاؤ کہ دو عورتیں دروازے پر موجود ہیں اور آپ سے یہ پوچھ رہی ہیں کہ اگر وہ اپنا صدقے کا مال اپنے شوہروں کو دے دیں یا ان یتیموں کو دے دیں جو ان کے ہاں زیرِ کفالت ہیں (یتیموں سے مراد پہلے شوہر سے ہونے والی اولاد ہے) تو اس سے صدقہ کرنے کی فضیلت حاصل ہو جائے گی۔ اس سوال کے

ساتھ حضرت بلال سے یہ بھی کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ نہ بتلانا کہ ہم کون ہیں؟

حضرت بلال رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچے اور یہ پیغام پہنچا دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

﴿مَنْ هُمَا﴾

''وہ دو عورتیں کون ہیں؟''

عورتوں نے اپنے بارے میں بتانے سے منع کیا تھا لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمالیا۔ اب ایک طرف عورتوں کا کہنا کہ مت بتانا اور دوسری طرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم کہ بتلاؤ وہ کون ہیں؟۔ ظاہر ہے ایسی حالت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کو ترجیح ہوگی۔ چنانچہ انہوں نے فوراً بتلایا اور کہا کہ ایک انصاری خاتون ہے اور ایک زینب ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی عادتِ شریفہ کے خلاف مزید پوچھا کہ:

﴿أَيُّ الزَّيَانِبَ هِيَ﴾

''یہ کونسی زینب ہے؟''

مطلب یہ کہ زینب نام کی بہت سی عورتیں ہیں۔ یہ کونسی زینب ہے جو مسئلہ پوچھنے آئی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عام عادتِ شریفہ یہ نہیں نظر آتی کہ وہ عورتوں کے نام پوچھیں البتہ اگر کہیں مسئلے کی وضاحت کے لئے ضرورت ہوتی تو نام بھی پوچھنا پڑتا تھا۔ یہاں پر بھی بظاہر یہی وجہ تھی۔ زینب نام کی متعدد خواتین تھیں۔ ان میں سے بعض ایسی تھیں کہ ان کے شوہر مال دار تھے۔ اور بعض ایسی تھیں کہ ان کے شوہر غریب تھے اور مسئلہ صدقے کا پوچھا جا رہا تھا۔ اس لئے اس بات کی ضرورت تھی کہ سائلہ کا علم ہوتا کہ پتہ چلے کہ ان کا شوہر کونسا ہے اور صحیح مسئلہ بتایا جا سکے۔

بلال رضی اللہ عنہ نے اِس سوال کے جواب میں عرض کیا:

﴿اِمرأۃُ عَبْدِ اللّٰہِ﴾

''عبداللہ بن مسعود کی بیوی ہیں۔''

یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر یہ اپنے شوہر کو صدقہ دیں گی تو ان کو دہرا اجر ملے گا۔ ایک رشتہ داری کا ثواب اور دوسرا صدقہ کرنے کا ثواب۔ (بخاری و مسلم)

یہاں پر نفلی صدقہ مراد ہے:

اس سے معلوم ہوا کہ صدقہ خیرات میں رشتہ داروں کا حق بہت مقدم ہے اور رشتہ داروں کو صدقہ دینے میں دوسرے کے مقابلے میں دگنا ثواب ہے۔ البتہ یہاں ایک اہم مسئلہ سمجھنا ضروری ہے۔ وہ یہ کہ صدقے کی دو قسمیں ہیں۔

۱۔ واجب صدقہ جیسے زکوٰۃ، صدقۃ الفطر، قربانی کی کھال کی قیمت، رمضان کے روزوں کا فدیہ، کفّارہ کی رقم وغیرہ۔

۲۔ نفلی صدقہ۔

پہلی قسم کے صدقہ دینے میں یہ تفصیل ہے کہ باپ بیٹے کو نہیں دے سکتا۔ بیٹا باپ کو نہیں دے سکتا، اسی طرح کوئی شخص اپنے دادا، دادی، نانا، نانی، پڑدادا، پڑدادی، پڑنانا، پڑنانی، پوتا، پوتی، نواسہ، نواسی کو نہیں دے سکتا۔ خلاصہ یہ کہ یہ جس کی اولاد میں سے ہے یا جو اس کی اولاد میں ہے اُنہیں صدقہءِ واجب نہیں دیا جا سکتا۔ اسی طرح بیوی شوہر کو اور شوہر بیوی کو صدقہءِ واجب نہیں دے سکتا۔ البتہ نفلی صدقہ ہر ایک کو دیا جا سکتا ہے۔ ان رشتے داروں کو بھی دیا جا سکتا ہے جن کو صدقہءِ واجب دینا جائز نہیں حتی کہ کافر کو بھی دیا جا سکتا ہے اور میاں بیوی ایک دوسرے کو بھی دے سکتے ہیں۔ بظاہر یہاں پر بھی نفلی صدقہ ہی مراد ہے۔

حضرت مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ کا طرزِ عمل:

الحمدللہ، ہم نے والدِ ماجد رحمۃ اللہ علیہ کا یہ عمل دیکھا کہ وہ اپنے رشتہ داروں کا خاص خیال رکھتے تھے۔ ان کی دو بہنیں بیوہ تھیں اور دونوں بہنوں کی کافی اولاد تھی۔ ان بہنوں اور ان کی اولاد کی کفالت والد صاحب رحمہ اللہ کیا کرتے تھے۔ والدہ (یعنی ہماری دادی) بھی بیوہ تھیں، ان کی کفالت بھی انہی کے ذمہ تھے اور ہم ماشاء اللہ نو بہن بھائی تھے۔ والد اور والدہ ملا کر گیارہ آدمی گھر کے تھے۔ بارھویں دادی جان تھیں۔ دو بہنوں اور ان کی اولاد کی کفالت کا مسئلہ بھی تھا۔ تنخواہ کیا تھی؟ دارالعلوم دیوبند کی ملازمت کے آخری زمانے میں ساٹھ روپے تنخواہ تھی۔

حضرتؒ رشتہ داروں کا خیال کس کس طرح کرتے تھے؟

مجھے یاد ہے کہ والد صاحب جب جمعہ کی نماز کے لئے جاتے تھے تو نماز سے فارغ ہو کر پھل لیتے اور اس بہن کے گھر جاتے جو دیوبند میں رہتی تھی (دوسری بہن کسی اور شہر میں رہتی تھی) اور ان کے ہاں پھل دے کر آیا کرتے تاکہ یتیم بچوں کو موسم کے پھلوں کی کمی محسوس نہ ہو اور دوسری بہن کے ہاں مختلف اوقات میں رقم بھجواتے رہتے۔ پاکستان آنے کے بعد بھی ان کا یہ معمول جاری رہا۔ اس کے علاوہ ہندوستان میں رہائش پذیر اپنے ننھیال ماموں زاد بھائی اور خالہ زاد بھائی بہنوں کا ایسا خیال رکھتے کہ ان کو یہاں سے ماہانہ خرچ بھیجتے تھے۔ اور جب قانونی طور پر یہاں سے روپیہ بھیجنے پر پابندی لگ گئی تو دوسرے ملکوں کے ذریعے بھیجتے تھے۔ ان میں سے بعض ایسے بھی تھے کہ ان کے بارے یہ معلوم ہوا کہ ان کا گھر گر چکا ہے اور انکے بارے یہ خدشہ بھی تھا کہ اگر انہیں مرمت کے لئے نقد رقم دی جائے گی تو وہ کھا پی کر

ختم کر دیں گے تو ایسی صورت میں کسی اور رشتے دار کو رقم بھیجی کہ تم ان کے گھر کی مرمت کرادو۔

رشتے داروں کے زبردست حقوق ہیں:

یہ سب کچھ شریعت کا حکم ہے۔ رشتے داروں کا معاملہ معمولی نہیں۔ رشتے داروں کے زبردست حقوق ہیں اور ان کی ادائیگی کا اجر وثواب بھی بہت زیادہ ہے۔ لیکن افسوس کہ آج کل اس طرف دھیان بہت کم دیا جاتا ہے۔ جہاد، تبلیغ، علمِ دین، حج اور عمرے وغیرہ کے فضائل خوب سننے کو ملتے ہیں لیکن صلہ رحمی اور رشتے داروں کے حقوق کا بیان شاذ و نادر ہی سننے میں آتا ہے۔ نتیجہ یہ ہے کہ اس معاملے میں بہت غفلت پائی جاتی ہے۔

دیندار کون؟

میں کہا کرتا ہوں کہ اگر ایک شخص بہت بڑا عبادت گذار ہے، تہجد کا اہتمام کرتا ہے، نفلی حج و عمرے کرتا ہے، تلاوت بہت کرتا ہے۔ یہ سب بڑے اجر وثواب کے کام ہیں لیکن اگر وہ رشتے داروں کے حقوق ادا نہیں کرتا تو آپ اسے عبادت گذار تو کہہ سکتے ہیں۔ دیندار نہیں کہہ سکتے۔ عبادت دین کا ایک حصہ ہے، سارا دین عبادت میں منحصر نہیں۔ دین کے پانچ بڑے بڑے شعبے ہیں۔

۱۔ عقائد

۲۔ عبادات جیسے نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، قربانی وغیرہ

۳۔ معاملات جیسے خرید و فروخت، تجارت، معیشت، ملازمت، مزدوری، زراعت اور کاشتکاری وغیرہ وغیرہ

۴۔ معاشرت: ایک دوسرے کے ساتھ میل جول کرنے کے احکام سے متعلق۔

۵۔ باطنی اخلاق یعنی دل کی اصلاح کے متعلق کہ اس میں تکبر نہ ہو، تواضع اور انکساری ہو، لالچ اور طمع نہ ہو، قناعت ہو، اللہ سے بے خوفی اور بے رغبتی نہ ہو بلکہ اللہ تعالیٰ کا خوف اور اس کی محبت ہو۔ بے حیائی نہ ہو، شرم و حیا ہو۔

جو شخص اِن پانچ حصوں پر عمل کرے گا، اس کے بارے میں کہا جائے گا یہ دیندار ہے۔ شریعت پر عمل کرنے والا ہے، اللہ والا ہے، نیک انسان ہے لیکن اگر کسی ایک شعبے کو چھوڑ رکھا ہے تو اُسے دیندار نہیں کہا جائیگا، اُسے اللہ والا اور ولی اللہ نہیں کہا جائے گا۔

صدقہ بھی، صلہ رحمی بھی:

ایک حدیث میں ہے:

﴿اَلصَّدَقَةُ عَلَى الْمِسْكِيْنِ صَدَقَةٌ وَ عَلٰى ذِی الرَّحِمِ ثِنْتَانِ. صَدَقَةٌ وَ صِلَةٌ﴾ (ترمذی، رقم الحدیث: ۶۵۸)

''اگر کسی غریب اور مسکین آدمی کو صدقہ دیا تو صرف صدقے کا ثواب ملے گا لیکن اگر رشتے دار کو صدقہ دیا جائے تو صدقے کا ثواب بھی ملے گا اور صلہ رحمی کا ثواب بھی ملے گا۔''

لہٰذا اگر کسی کے رشتے دار صدقے کے مستحق ہوں تو، اُسے چاہئے کہ دوسرے فقیروں کے مقابلے میں انہیں مقدم رکھے کیونکہ اس میں زیادہ اجر و ثواب ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں ان ہدایات پر عمل کرنے کی توفیق نصیب فرمائے۔

وآخر دعوانا أنِ الحمد للّٰہ رب العالمین ٥

والدین اور رشتہ داروں سے بدسلوکی
ایک ہولناک گناہ

موضوع	والدین اور رشتہ داروں سے بدسلوکی ایک ہولناک گناہ
خطاب	حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی مدظلہم
مقام	جامع مسجد، جامعہ دارالعلوم، کراچی
ترتیب وعنوانات	مولانا اعجاز احمد صمدانی (فاضل جامعہ دارالعلوم کراچی)
باہتمام	محمد ناظم اشرف

والدین اور رشتہ داروں سے بدسلوکی ایک ہولناک گناہ

خطبہء مسنونہ:

نحمدہٗ و نصلّی علٰی رسولہٖ الکریم

امابعد!

قال اللّٰہ تبارک و تعالٰی: فَهَلْ عَسَيْتُمْ إِنْ تَوَلَّيْتُمْ أَنْ تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ وَتُقَطِّعُوا أَرْحَامَكُمْ. أُولٰئِكَ الَّذِيْنَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فَأَصَمَّهُمْ وَأَعْمٰى أَبْصَارَهُمْ. عن عبدالرحمٰن بن ابی بکرۃ عن أبیه قال کنا عند رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم فقال ألا أنبئکم باکبر الکبائر ثلاثاً الاشراک باللّٰہ و عقوق الوالدین و شهادة الزور أو قول الزور. و کان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم متکئاً فجلس فمازال یکررها حتّٰی قلنا لیتهٗ سکت. (صحیح مسلم، باب الکبائر و اکبرھا)

تمہید

بزرگانِ محترم اور برادرانِ عزیز!

اِس سے پہلے ان آیات و احادیث کی مختصر تشریح کی گئی تھی جن میں والدین اور رشتے داروں کے حقوق کی ادائیگی کے فضائل بیان کئے گئے۔ آج کی مجلس میں نیا باب شروع ہو رہا ہے جس میں یہ ذکر ہے کہ اس کے برخلاف کرنے کا نتیجہ کیا ہوگا۔ والدین کے ساتھ حسن سلوک کے بجائے بدسلوکی کرنے اور رشتہ داروں کے حقوق ادا کرنے کے بجائے قطع رحمی کرنے کی کیا وعیدیں اور کیا کیا نقصانات ہیں۔

اس بارے میں سب سے پہلے یہ آیتِ شریفہ ہے:

﴿فَهَلْ عَسَيْتُمْ إِنْ تَوَلَّيْتُمْ أَنْ تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ وَ تُقَطِّعُوا أَرْحَامَكُمْ. أُولَٰئِكَ الَّذِينَ لَعَنَهُمُ اللَّهُ فَأَصَمَّهُمْ وَ أَعْمَىٰ أَبْصَارَهُمْ.﴾ (سورۃ محمد، ۲۲، ۲۳)

ترجمہ: ''تم سے عجب نہیں کہ اگر تم حاکم ہو جاؤ تو ملک میں خرابی کرنے لگو اور اپنے رشتوں کو توڑ ڈالو۔ یہی لوگ ہیں جن پر اللہ نے لعنت کی ہے اور ان (کے کانوں) کو بہرا اور (ان کی) آنکھوں کو اندھا کر دیا ہے۔''

اللہ تعالیٰ کی لعنت:

اس میں انسانوں سے خطاب کر کے یہ کہا گیا کہ اگر تم اللہ تعالیٰ کے احکام اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایات سے روگردانی کرو زمین میں فساد پھیلاؤ اور قطع رحمی کرو، رشتے داروں کے تعلقات کو جوڑنے کے بجائے انہیں توڑو، ان کے

ساتھ حسنِ سلوک کے بجائے بدسلوکی کرو تو سن لو! یہ وہ لوگ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے لعنت بھیجی ہے اور انکو بہرا اور اندھا کر دیا۔ بہرا اور اندھا کرنے کا مطلب ہے کہ حق بات کو سننے سے بہرا کر دیا اور حق بات کو دیکھنے سے اندھا کر دیا۔ اب انہیں حق سنائی نہیں دیتا اور حق دکھائی نہیں دیتا۔ سنائی نہ دینے اور دکھائی نہ دینے سے مراد یہ ہے کہ اگرچہ ظاہری کانوں سے حق سنتے بھی ہوں اور ظاہری آنکھوں سے دیکھتے بھی ہوں لیکن چونکہ وہ سننے اور دیکھنے کا کوئی فائدہ حاصل نہیں کرتے۔ اس لئے یہ دیکھنا اور سننا نہ دیکھنے اور نہ سننے کے برابر ہو گیا تو گویا یہ ایسے ہی ہو گئے جیسے یہ اندھے بہرے ہیں۔

دیکھئے! اس میں رشتے داروں کے حقوق ادا نہ کرنے اور زمین میں فساد کرنیوالوں پر لعنت بھیجی گئی ہے۔ ایک اور آیت میں بھی اس عمل پر لعنت کا ذکر ہے۔ قرآن حکیم میں ہے:

﴿وَالَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْ ۢ بَعْدِ مِيْثَاقِهٖ وَ يَقْطَعُوْنَ مَـا أَمَـرَ الـلّٰـهُ بِـهٖ أَنْ يُّـوْصَلَ وَ يُفْسِدُوْنَ فِي الْأَرْضِ. أُولٰٓئِكَ لَهُمُ اللَّعْنَةُ وَلَهُمْ سُوْءُ الدَّارِ.﴾ (الرعد، ۲۵)

''اور جو لوگ خدا سے عہد واثق کر کے توڑ ڈالتے ہیں اور جن (رشتہ ہائے قرابت) کے جوڑے رکھنے کا حکم خدا نے دیا ہے ان کو قطع کر دیتے ہیں اور ملک میں فساد کرتے ہیں۔ ایسوں پر لعنت ہے اور ان کے لئے گھر بھی برا ہے۔''

''یقطعون ما أمر اللّٰہ بہٖ أن یوصل'' کا مطلب ہے کہ صلہ رحمی کے بجائے قطع رحمی کرتے ہیں۔ جن تعلقات کو اللہ تعالیٰ نے جوڑنے کا حکم دیا تھا، انہیں توڑتے ہیں۔

والدین کے حقوق سے متعلق ایک خاص بات:

والدین کے حقوق سے متعلق قرآن مجید میں ایک جگہ ارشاد ہے۔

﴿وَقَضٰی رَبُّکَ أَلَّا تَعْبُدُوْا إِلَّا إِیَّاہُ وَ بِالْوَالِدَیْنِ إِحْسَانًاo﴾ (بنی اسرائیل:۲۳)

''اور تمہارے رب نے ارشاد فرمایا ہے کہ اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو اور ماں باپ کے ساتھ بھلائی کرتے رہو۔''

حقوقِ والدین کے بارے ایک خاص بات یہ ہے کہ قرآن مجید اور احادیث کے اندر یہ انداز اختیار کیا گیا ہے کہ احکامات میں سب سے پہلے توحید اور اس کے بعد عام طور پر والدین کے ساتھ حسنِ سلوک کا ذکر ہے اور انہیں بہترین اعمال میں شمار کیا گیا ہے اور بدترین اعمال جہاں بیان کئے گئے ہیں وہاں سب سے پہلے شرک اور اس کے بعد عام طور پر والدین کی نافرمانی کا ذکر ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ حقوق اللہ میں سب سے پہلا حق ایمان لانا ہے، اس لئے سب سے پہلے توحید کو ذکر کیا گیا اور بندوں کے حقوق میں سب سے پہلا حق والدین کا ہے اس لئے توحید کے فوراً بعد والدین کے ساتھ حسنِ سلوک کو بیان کیا گیا۔ اور گناہوں میں سب سے بڑا گناہ شرک ہے اور اس کے بعد والدین کی نافرمانی ہے، اس لئے بدترین اعمال میں ان کا ذکر ایک جگہ ملتا ہے۔

والدین کے سامنے ''اف'' کہنا بھی حرام:

والدین کے حقوق سے متعلق اسی آیت میں مزید فرمایا گیا:

﴿إِمَّا یَبْلُغَنَّ عِنْدَکَ الْکِبَرَ أَحَدُھُمَا أَوْ کِلَاھُمَا فَلَا تَقُلْ

لَهُمَا أُفٍّ وَلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَهُمَا قَوْلًا كَرِيمًا ○ وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ رَبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيَانِي صَغِيرًا ○ (بنی اسرائیل: ۲۴)

''اگر ان میں سے ایک یا دونوں تمہارے سامنے بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو ان کو اف تک نہ کہنا اور نہ انہیں جھڑکنا اور ان سے بات ادب کے ساتھ کرنا۔ اور عجز و نیاز سے ان کے آگے جھکے رہو اور ان کے حق میں دُعا کرو کہ اے پروردگار! جیسے انہوں نے مجھے بچپن میں (شفقت سے) پالا ہے تو بھی ان (کے حال) پر رحم فرما۔''

یہ بڑا اہم مضمون ہے اور بہت یاد رکھنے کی چیز ہے۔ اس میں سب سے پہلے بتلایا گیا کہ اگر تمہارے پاس ماں یا باپ یا دونوں بوڑھے ہو جائیں تو انہیں ''اُف'' تک بھی نہ کہنا۔ ''اُف'' کا لفظ عربی زبان میں ناراضگی کے اظہار کے لئے بولا جاتا ہے۔ اردو میں اس کی جگہ ''اوہ'' اور ''اف'' دونوں الفاظ استعمال ہوتے ہیں۔ مراد یہ کہ والدین کے سامنے کوئی ایسا کلمہ بھی نہ بولو جس سے تمہاری طرف سے ادنیٰ ناگواری کا اظہار ہوتا ہو۔ ''اف'' کا کلمہ کتنا چھوٹا سا ہے، اسے بھی حرام کر دیا اور ایسا حرام کیا کہ اگر کوئی شخص والدین کے آگے یہ کلمہ کہنے کے حرام ہونے کا قائل نہ ہو، کافر ہو جائے گا کیونکہ یہ حکم قرآن مجید میں آچکا ہے۔

ماں باپ کا ادب ہر مذہب وملت میں ہے:

ماں باپ کا ادب ہر مذہب وملت میں ہے۔ دنیا کا کوئی مذہب والدین کی بے احترامی کی تعلیم نہیں دیتا۔ یہی وجہ ہے کہ باپ کو پکارتے وقت ان کا نام لینے کے

بجائے تعظیم کے کلمات استعمال کئے جاتے ہیں۔ نام لے کر پکارنا اگرچہ حقیقت کے اعتبار سے غلط نہیں کیونکہ ان کا نام تو وہی ہے جس سے پکارا گیا لیکن چونکہ اس سے ان کی دل شکنی ہوتی ہے اور بے ادبی سمجھی جاتی ہے، اس لئے یہ معیوب چیز ہے اور شرعاً بھی ناجائز ہے۔

بیٹھنے کے انداز میں بھی ادب ضروری ہے:

اس کے بعد ایک اہم حکم دیا گیا ہے کہ "وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ" (اور اپنے بازو ان کے آگے جھکا کر بیٹھو)۔ یعنی جب ان کے آگے بیٹھو تو تن کر نہ بیٹھو۔ ظاہری ہیئت اور انداز بھی ایسا ہونا چاہئے کہ دیکھنے والا یہ سمجھے کہ تم کسی عظیم شخصیت کے سامنے بیٹھے ہو۔ باپ یہ محسوس کرے کہ تم اس کی تعظیم صرف زبان سے نہیں کر رہے بلکہ تمہارے جسم کی ہیئت بھی تعظیم ظاہر کر رہی ہے۔

پھر آخر میں دُعا کرنے کی ہدایت کی گئی کہ رَبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِي صَغِيْراً (اے اللہ! ان پر ایسے ہی رحم فرمایا جیسے انہوں نے مجھے بچپن میں پالا تھا)۔

"بڑھاپے" کا ذکر کیوں؟

والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ اپنی وفات سے کچھ عرصہ پہلے گھر میں ہم سے فرمانے لگے کہ قرآن مجید میں یہ جو ارشاد ہے کہ اگر والدین بوڑھے ہو جائیں تو ان کے سامنے اف نہ کہو، نہ انہیں جھڑکو بلکہ ادب سے پیش آؤ۔ قرآن مجید نے یہ کیوں کہا کہ "اگر والدین بوڑھے ہو جائیں، تو فلاں فلاں سلوک نہ کرو۔ کیا اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر ماں باپ جوان ہوں تو انہیں اف کہنا اور انہیں جھڑکنا جائز ہے یا ان کے ساتھ تعظیم کا معاملہ نہ کرنا جائز ہے؟ ایسا ہرگز نہیں بلکہ جوانی میں ان کا احترام کرنا اور

ان کے متعلق ان سارے احکام پر عمل ضروری ہے۔ ماں باپ بوڑھے ہوں یا جوان، ان کی تعظیم و تکریم بھی واجب ہے اور ان کے ساتھ کوئی ایسی بات کرنا جائز نہیں جن سے ان کو ناحق ادنیٰ تکلیف یا ناگواری پہنچے۔ جب یہ بات ہے تو پھر قرآن مجید میں بوڑھے ہونے کا ذکر کیوں کیا گیا؟

اس کا جواب خود دیتے ہوئے فرمایا کہ اس کی خاص وجہ یہ ہے کہ والدین کے سامنے اف کرنے یا بدتمیزی کرنے کا اندیشہ اسی وقت پیدا ہوتا ہے جب والدین بوڑھے ہو چکے ہوں۔ جب وہ باپ جوان ہو تو پھر کسی بیٹے کی کیا ہمت ہے کہ اُسے جھڑک دے۔ باپ جوتا اٹھا کر ایسی پٹائی کرے گا کہ وہ ہمیشہ کے لئے یاد رکھے گا، یا گھر سے نکال دے گا۔ غرضیکہ جوانی میں باپ کے سامنے بدتمیزی کر نہیں کر سکتا، جھڑکنا چاہے تو جھڑک نہیں سکتا۔ کبھی اس کی جرأت ہی نہیں ہوگی۔ اس بدتمیزی کی جرأت اس وقت ہوگی جب والدین بوڑھے ہو چکے ہوں گے، اس وقت خطرہ ہے کہ بیٹے کے ذہن میں یہ خناس پیدا ہو جائے کہ اب تو میں ان کو پال رہا ہوں۔ اس لئے یہ فرمایا کہ اگر بڑھاپا آجائے تو یہ یہ کام کرو۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ جوانی میں بدتمیزی کرنا جائز ہے۔

دوسری وجہ:

اس کی دوسری وجہ بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ بڑھاپے میں عام طور پر مزاج میں چڑچڑا پن اور جھنجھلاہٹ پیدا ہوتی ہے۔ کوئی ادنیٰ سی بات بھی طبیعت کے خلاف ہو جائے تو اس پر غصہ زیادہ آتا ہے۔ بعض اوقات ایسی بات پر بھی غصہ آجاتا ہے جو نفس الامر میں بری نہیں ہوتی۔ اور بعض مرتبہ بوڑھے ایسی چیزوں پر بھی روک ٹوک کرتے ہیں جو روکنے ٹوکنے کی نہیں ہوتیں۔ اس وقت اولاد کا امتحان ہوتا ہے کہ

وہ اپنے والدین کا کتنا ادب کرنے والی ہے۔ ان باتوں پر صبر کرتی ہے یا ناک بھوں چڑھاتی ہے۔ اس وجہ کا حاصل یہ ہے کہ اولاد کو یہ حکم دیا جا رہا ہے کہ اگر وہ بڑھاپے کی وجہ سے کسی بات پر بے وجہ بھی ٹوکیں تب بھی ناگواری کا اظہار نہ کرو اور ادب و احترام کوملحوظ رکھو۔

والدین کی نافرمانی، اکبرالکبائر میں شامل ہے:

قرآن مجید کے علاوہ احادیث کے اندر بھی والدین کی نافرمانی کی سخت وعیدیں آئی ہیں۔ چنانچہ ایک معروف صحابی حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ نقل کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے فرمایا:

﴿أَلا أنبئكم بأكبرِ الكَبَائِرِ﴾

''کیا میں تمہیں کبیرہ گناہوں میں سے سب سے بڑے گناہ نہ بتلاؤں''

یہ بات آپ نے تین مرتبہ ارشاد فرمائی۔ صحابہ نے عرض کیا: یارسول اللہ! ضرور بتلائیے۔ آپ نے فرمایا:

﴿إلا شرَاكُ بِاللّٰه وَ عُقُوْقُ الوَالِدَيْن﴾

''اللہ کے ساتھ شریک ٹھہرانا اور والدین کی نافرمانی کرنا''

آپ نے کبیرہ گناہوں میں سب سے پہلے دو گناہ بتلائے۔

۱۔ شرک کرنا۔

۲۔ والدین کے ساتھ بدسلوکی کرنا۔

آپ ٹیک لگائے ہوئے بیٹھے تھے۔ اٹھ کر بیٹھ گئے اور فرمایا:

﴿ألاَ قَوْلُ الزُّوْرِ وَشَهَادَةُ الزُّوْرِ﴾

(صحیح مسلم، باب الکبائر واکبرھا ۱: ۶۴)

''جھوٹی بات اور جھوٹی گواہی''۔

تیسرے نمبر پر جھوٹی گواہی کا ذکر فرمایا۔

حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ آپ بار بار یہ تینوں باتیں ارشاد فرماتے رہے یہاں تک کہ ہم دل میں کہنے لگے کہ ''کاش آپ خاموش ہو جائیں''۔ بار بار بولنے سے آپ کو تکان اور تعب ہو رہا ہوگا۔ لیکن آپ امت کی شفقت اور خیر خواہی کے لئے بار بار ارشاد فرما رہے تھے۔ اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ یہ تین گناہ کتنے خوفناک گناہ ہیں۔ اور ان گناہوں میں شرک کے بعد والدین کی نافرمانی کا ذکر ہے۔

والدین کے ساتھ بدسلوکی کتنی ہولناک چیز ہے؟

غور کیجئے! اول تو کبیرہ گناہ خود ایسی چیز ہے کہ توبہ کے بغیر معاف نہیں ہوتا اور یہ کبیرہ گناہ وہ ہے جو بندوں کے حقوق سے متعلق ہے اور حقوق العباد کے متعلق یہ ضابطہ ہے کہ جب تک صاحبِ حق اپنے حق کو معاف نہ کرے۔ اُس وقت تک اللہ تعالیٰ بھی معاف نہیں فرماتے۔ پھر دیکھنے کی بات یہ ہے کہ کبیرہ گناہوں میں سے سب سے بڑا گناہ شرک اور اس کے بعد والدین کے ساتھ بدسلوکی۔ اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ والدین کے ساتھ برا برتاؤ اور بدسلوکی کتنی خوفناک اور ہولناک چیز ہے۔

والدین کو گالی دینے کی ایک صورت:

ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

﴿مِنَ الْکَبَائِرِ سَبُّ الرَّجُلِ وَالِدَیْهِ﴾

''کبیرہ گناہوں میں سے ایک کبیرہ گناہ یہ ہے کہ آدمی اپنے
والدین کو گالی دے۔''

صحابہ کرامؓ نے تعجب سے پوچھا کہ اے اللہ کے رسول! کیا کوئی شخص اپنے والدین کو بھی گالی دیتا ہے۔ آپ نے جواب میں فرمایا:

﴿يَسُبُّ أَبَا الرَّجُلِ فَيَسُبُّ أَبَاهُ و يَسُبُّ أُمَّهُ فَيَسُبُّ أُمَّهُ﴾ (صحیح مسلم، باب الکبائر و اکبرھا ۱/۶۴)

''آدمی کسی دوسرے کے باپ کو گالی دیتا ہے، جواب میں اس
کے باپ کو گالی دیتا ہے، اسی طرح کسی کی ماں کو گالی دیتا ہے
جس کے نتیجہ میں دوسرا اس کی ماں کو گالیاں دیتا ہوں۔''

یعنی کوئی شخص دوسرے کے والدین کو گالی دینے کی وجہ سے اپنے والدین پر گالی پڑنے کا سبب بنا۔ یہ بھی ایسا ہی ہو گیا کہ گویا اس نے خود اپنے والدین کو گالی دی۔ اس کو بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبیرہ گناہوں میں شمار کیا۔

والدین کو گالی دینا کئی خرابیوں کا مجموعہ ہے

ہمارے ہاں گالی دینے کا عام رواج ہے۔ لوگ گالیاں دیتے وقت کوئی پرواہ نہیں کرتے۔ دوسروں کو ماں کی گالی بھی دیتے ہیں اور باپ کی گالی بھی دیتے ہیں۔ وہ اس کے جواب میں اس کے ماں باپ کو گالی دیتا ہے۔ انا للّٰہ و انا الیہ راجعون۔

گالی دینا ایک مستقل کبیرہ گناہ ہے۔ ایک حدیث میں جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد منقول ہے:

﴿سِبَابُ الْمُسْلِمِ فُسُوقٌ و قِتَالُهُ كُفْرٌ﴾

(مشکوٰۃ، کتاب الآداب)

''مسلمان کو گالی دینا فسق ہے اور اس سے قتال کرنا کفر کے قریب ہے''

گالی دینا تو ویسے ہی بُرا ہے اور کسی دوسرے کے ماں باپ کو گالی دینا اور زیادہ بُرا ہے اور اس نے جواب میں اس کے والدین کو بھی گالی دے دی تو تیسری خرابی اس کے اندر پیدا ہوگئی۔ پہلی خرابی گالی کی، دوسری خرابی دوسرے کے والدین کو گالی دینے کی، تیسری خرابی، اپنے والدین پر گالی پڑنے کا ذریعہ بننے کی۔ کسی کے والدین کو گالی دینا اس لحاظ سے بھی بُرا ہے کہ تمہارا جھگڑا اگر کسی سے ہے تو تمہیں صرف اس سے نمٹنے کا حق ہے۔ اس کے والدین کی بے عزتی کا کوئی حق حاصل نہیں۔ تمہیں اس کے ماں باپ نے نہیں ستایا بلاوجہ ان کو درمیان میں لانا بہت بڑا جرم ہے۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ دوسرے کے ماں باپ کو گالی دینا گناہ ہونے کے علاوہ کئی خرابیوں کا مجموعہ بھی ہے۔

ماں کا حق باپ سے زیادہ ہے

ایک حدیث میں بطور خاص والدہ کے ساتھ بدسلوکی کی ممانعت وارد ہوئی ہے۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے:

﴿إِنّ اللّٰه تعالٰی حَرَّمَ عَلَيۡكُمۡ عُقُوۡقَ الۡاُمَّهاتِ﴾

(مشکوٰۃ، کتاب الآداب)

''اللہ تعالیٰ نے تمہارے اوپر والدہ کے ساتھ بدسلوکی کرنے کو حرام قرار دیا ہے۔''

والدہ کا الگ ذکر کر کے اس کے ساتھ بدسلوکی کی ممانعت کا ذکر کرنے کی وجہ بظاہر یہ ہے کہ ماں کے حقوق کی تاکید دوسری احادیث میں بھی زیادہ آئی ہے۔

اور واقعہ بھی یہ ہے کہ اولاد کے لئے جتنی تکلیف اور صبر آزما حالات کا سامنا ماں کو کرنا پڑتا ہے باپ کو نہیں کرنا پڑتا۔ نو ماہ تک ماں بچے کو اپنے پیٹ کے اندر پالتی ہے۔ اتنے عرصے تک پیٹ کے اندر بچے کو اٹھائے رکھنا کوئی آسان کام نہیں۔ پھر زچگی کی تکلیف، اس کے بعد دو ڈھائی سال تک اسے دودھ پلانا، گود میں کھلانا، اس کا پیشاب پاخانہ دھونا۔ اس کے کھانے پینے اور راحت و آرام کا خیال رکھنا غرضیکہ اس کے لئے ماں اپنی ساری خوشیاں، راحتیں اور آرام بچے کے اوپر قربان کر دیتی ہے۔ سردیوں میں بستر گیلا ہو جائے اور کوئی سوکھا کپڑا دستیاب نہ ہو تو ماں بچے کو سوکھے حصے پر سلاتی ہے، خود گیلے پر لیٹ جاتی ہے، خود بھوکی رہ جائے گی، بچے کو کھلائے گی۔

ایک روایت میں آتا ہے کہ کسی ام المومنین کے گھر ایک غریب عورت آئی۔ محسوس ہوتا تھا کہ وہ عورت بھوکی ہے۔ ان کے پاس کچھ اور تھا نہیں۔ صرف ایک کھجور تھی، وہ اسے دے دی۔ اس عورت نے اس ایک کھجور کے دو ٹکڑے کئے۔ آدھا ایک بچے کو اور آدھا دوسرے بچے کو کھلا دیا، خود بھوکی رہی۔ ماں کا حال یہی ہے۔ اپنے اوپر کچھ بھی گذر جائے بچے کی راحت رسانی کے لئے کوشاں رہتی ہے۔ اس لئے ماں کا حق باپ سے زیادہ ہے۔

حسنِ سلوک کا امتحان کب شروع ہوتا ہے؟

ویسے تو عام طور پر آدمی اپنے والدین کے ساتھ ادب و احترام کا معاملہ کرتا ہے لیکن اس حسنِ سلوک کا امتحان اس وقت شروع ہوتا ہے جب شادی ہو جاتی ہے۔ شادی سے پہلے صاحبزادے کی محبت کا مرکز ماں، باپ اور بہن بھائی تھے۔ شادی کے بعد زندگی میں ایک شخصیت اور داخل ہوگئی جو شب و روز کی رفیق ہے، پوری زندگی کی

ساتھی ہے۔ اسکی سب سے زیادہ ہم راز وہی ہے وہ بھی اپنے ساتھ کچھ حقوق لاتی ہے۔ اس کے حقوق کو بھی قرآن مجید اور احادیث میں جگہ جگہ اور تفصیل سے بیان کیا گیا۔

اب آزمائش شروع ہوتی ہے۔ اِدھر بیوی کے حقوق ہیں اُدھر والدین کے حقوق ہیں۔ جب اولاد ہو جاتی ہے تو آزمائش میں اور اضافہ ہو جاتا ہے۔ ہر بچہ اپنے حقوق ساتھ لے کر آتا ہے۔ اب اس کی بیوی اور بچوں کے بھی حقوق ہیں، اور ماں باپ اور بہن بھائیوں کے بھی حقوق ہیں۔ بسا اوقات ساتھ رہنے کی وجہ سے حقوق کا ٹکراؤ بھی ہوتا ہے۔ بیوی کے ساتھ حسن سلوک کرتے ہیں تو ماں ناراض ہوتی ہے، ماں کے ساتھ ادب و احترام اور اطاعت گذاری کا معاملہ کرتے ہیں تو بیوی ناراض ہوتی ہے۔ ساس بہو کے جھگڑے جنم لیتے ہیں۔ یہ ہمارے معاشرے کا بہت دکھتا ہوا اور نازک مسئلہ ہے۔ یہ بڑا نازک مرحلہ ہوتا ہے۔ اس سے عافیت کے ساتھ پار ہو جانا آسان نہیں۔ اس میں بڑی دیانتداری اور خدا کے خوف کی ضرورت بھی ہوتی ہے اور سمجھداری اور احتیاط کی بھی۔ اس کے علاوہ کسی رہبر و رہنما کی بھی ضرورت ہوتی ہے۔ ہر آدمی کو سارے مسائل معلوم نہیں ہوتے۔ رہبر کے سامنے اپنے مسائل اور مشکلات کا ذکر کر کے اور ان کی ہدایات کی روشنی میں ان مشکلات کو حل کرنے کی کوشش کرتا رہے تو بہت آسانی ہو جاتی ہے۔

ساس بہو کے جھگڑوں کی ایک اہم وجہ اور اس کا حل:

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے بار بار فرمایا کہ عام طور پر ساس بہو کے جھگڑے شادی کے بعد زیادہ عرصے تک مشترک رہائش کی وجہ سے پیدا ہوتے ہیں۔ ایک ہی مکان میں ماں باپ بھی رہتے ہیں اور بیوی بچے بھی رہتے ہیں۔ کبھی ماں باپ کو شوہر کی بیوی یا بچوں سے تکلیف پہنچتی ہے یا کبھی بہو اور اس کے بچوں کو

دادا، دادی سے تکلیف پہنچتی ہے جس کی وجہ سے شوہر کی جان عذاب میں آجاتی ہے۔ اس لئے حضرت تھانوی رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے کہ کوشش کرو کہ شادی کے بعد زیادہ عرصے تک ساتھ نہ رہنا پڑے بلکہ جلدی الگ الگ ہو جاؤ۔ اور اگر گھر بڑا ہے تو کم از کم یہ تو ضروری ہے کہ بیوی کے لئے بالکل ایک الگ کمرہ ایسا ہو جس میں وہ تالا لگانا چاہے تو لگا سکے اور اس کی چابی صرف اسی کے پاس اور اس کے شوہر کے پاس ہو۔ وہ عورت اپنے کمرے میں جو چاہے رکھے، جب چاہے کھولے، بند کرے، جس کو چاہے آنے دے، جس کو چاہے نہ آنے دے۔ یہ اس کا بنیادی حق ہے۔

حضرت تھانوی رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے کہ ایسی صورت میں بھی کوشش کریں کہ چولہا مشترک نہ رہے کیونکہ ساری آگ چولہے سے لگتی ہے۔ یہ دونوں باتیں بڑی حکیمانہ ہیں۔ عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ ان دو باتوں کے ہونے کی وجہ سے جھگڑے پیدا ہوتے ہیں۔

اس رہائش میں اگر شوہر ماں باپ کے حقوق بھی ادا کرے تو اس طرح کی مشترک رہائش کی اس وقت تک گنجائش ہے جب تک جھگڑے پیدا نہ ہوں اور اگر خدانخواستہ جھگڑے شروع ہونے لگیں تو رہائش فوراً الگ کر دینی چاہئے۔ ورنہ سخت خطرہ ہے کہ یا تو ماں باپ کے حقوق مارے جائیں گے یا بیوی بچوں کے حقوق مارے جائیں گے۔ اور یہ بھی خطرہ ہے کہ ماں باپ کی طرف سے اس کے بیوی بچوں کے ساتھ بدسلوکی ہو جائے گی یا بیوی بچوں کی طرف سے اس کے ماں باپ کے ساتھ بے ادبی کا معاملہ ہو جائے گا۔ جس سے وہ گنہگار ہوں گے۔

رشتہ داروں کے ساتھ قطع رحمی:

جس طرح والدین کے ساتھ بدسلوکی کی وعیدیں احادیث میں مذکور ہیں۔

اسی طرح رشتہ داروں کے ساتھ قطع رحمی کی وعیدوں کا ذکر بھی احادیث میں ملتا ہے۔ چنانچہ ایک روایت میں ہے:

﴿لَا یَدْخُلُ الْجَنَّةَ قَاطِعٌ﴾ (صحیح مسلم، باب صلة الرحم وتحریم قطیعتها)

''قطع رحمی کرنے والا جنت میں داخل نہیں ہوگا۔''

قطع رحمی کا مطلب:

قطع رحمی کا مطلب ہے رشتہ داروں کے ساتھ تعلق کو توڑنا۔ ان سے میل جول ختم کر دینا، ان کے ساتھ بدسلوکی کرنا، ان کی شادی غمی میں شریک نہ ہونا اور ان کے ساتھ خیر خواہی نہ کرنا، یہ سب قطع رحمی میں داخل ہیں۔ عام طور پر لوگوں کی توجہ اس طرف نہیں ہوتی بلکہ بہت سے لوگ اسے دنیا کا کام سمجھتے ہیں۔ دین کا کام ہی نہیں سمجھتے حالانکہ اس حدیث سے معلوم ہو رہا ہے کہ قطع رحمی اتنا بڑا گناہ ہے کہ اس کی وجہ سے جنت میں داخلے سے محرومی ہو سکتی ہے۔

قطع رحمی کرنے والا جنت میں داخل نہ ہوگا:

اگر کسی شخص کو یقین سے معلوم ہو کہ قطع رحمی کرنا حرام ہے، پھر بھی اس کو حلال سمجھے گا تو کافر ہو جائے گا، اور کبھی بھی جنت میں نہیں جائے گا۔ لیکن اگر وہ اسے گناہ تو سمجھتا ہے لیکن مغلوب الغضب ہو کر یا بری عادتوں کی وجہ سے (جیسے سخت کلامی کی عادت وغیرہ) عملاً اس سے پرہیز نہیں کرتا اور قطع رحمی کا ارتکاب کرتا ہے تو ایسا شخص کافر تو نہیں ہوگا لیکن فاسق ہے، گناہِ کبیرہ کا مرتکب ہے۔ ایسے شخص کی گواہی اور روایتِ حدیث قبول نہیں ہوتی۔ اور یہ دیندار نہیں خواہ کتنی نفلی عبادات کرتا ہو، کتنے ہی حج و عمرے کئے ہوں۔ کتنی ہی تبلیغ و جہاد کیا ہو۔ البتہ کافر نہیں ہوگا لیکن اگر اس نے

رشتے داروں کے حقوق بھی ادا نہ کئے اور رشتے داروں نے معاف بھی نہ کئے تو نیک مومنوں کے ساتھ ابتداءً تو جنت میں نہیں جائے گا البتہ اس گناہ کی سزا بھگت کر جنت میں جائے گا کیونکہ اس کے اندر ایمان موجود ہے۔

مومن ہمیشہ کے لئے جہنم میں نہیں جائے گا:

ایمان ایسی چیز ہے کہ اگر کسی کے دل میں پکا ایمان ہو اور زبان سے ''لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ'' کا اقرار بھی کیا ہو تو چاہے کتنے ہی گناہ ہوں اور بڑے بڑے سے گناہ ہوں اور اللہ تعالیٰ نے معاف نہ کیا تو ان گناہوں کی سزا تو ہوگی لیکن بالآخر جنت میں چلا جائے گا۔ ایمان والا آدمی ہمیشہ کے لئے جہنم میں نہیں جائے گا۔

جہنم کے عذاب کی شدت:

لیکن جہنم کا عذاب ایسا ہے کہ ایک لمحے کا عذاب بھی ناقابل برداشت ہے۔ ایک حدیث میں آتا ہے کہ ایسے شخص کو لایا جائے گا جس نے دنیا میں سب سے زیادہ راحت و آرام اور خوشیوں کی زندگی گذاری ہے۔ اُسے حاضر کیا جائے گا۔ فرشتوں کو حکم ہوگا کہ جاؤ، اسے جہنم کی فضا میں داخل کر کے فوراً نکال کر لے آؤ۔ وہ ایسا ہی کریں گے۔ اللہ تعالیٰ اس سے پوچھیں گے بتاؤ! تم نے دنیا میں کیسی زندگی گذاری۔ راحت و خوشی کی یا تکلیف و غم کی؟ وہ جواب دے گا کہ یا اللہ! جو منظر میں نے ابھی دیکھا ہے اس کا زہر میرے رگ و پے میں ایسا سما گیا ہے کہ میں اب اس بات کا تصور بھی نہیں کرسکتا۔ کہ میں نے خوشی کا کوئی سماں بھی دیکھا تھا، کسی راحت کا مزہ بھی چکھا تھا۔ (اللہ ہمیں اس عذاب سے محفوظ فرمائے۔ آمین)

والدین اور رشتہ داروں کے حقوق کب ادا ہوں گے؟

اندازہ کیجئے یہ کس قدر سخت وعیدیں ہیں۔ اور حقیقت یہ ہے کہ والدین اور رشتے داروں کے حقوق صحیح طور پر اس وقت ادا ہوں گے جب ہر فریق اسے ادا کرنے کی کوشش کرے گا اور یہ سوچے گا کہ یہ ہماری قبر اور آخرت کا مسئلہ ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے اوپر واجب تمام حقوق ادا کرنے کی توفیق نصیب فرمائے۔ (آمین)

وآخر دعوانا أنِ الحمد للّٰہ رب العالمین o

رِشتہ داروں کے دوستوں سے
حُسنِ سلوک کی اہمیّت

موضوع	رشتہ داروں کے دوستوں سے حسنِ سلوک کی اہمیت
خطاب	حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی مدظلہم
مقام	جامع مسجد، جامعہ دارالعلوم کراچی
ترتیب وعنوانات	مولانا اعجاز احمد صمدانی (فاضل جامعہ دارالعلوم کراچی)
باہتمام	محمد ناظم اشرف

رشتے داروں کے دوستوں سے حسنِ سلوک کی اہمیت

خطبہء مسنونہ:

نحمدہٗ و نصلّی علی رسولہ الکریم۔

امابعد!

عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمِ قَالَ اِنَّ مِنْ اَبَرِّالْبِرِّ أَنْ يَصِلَ الرَّجُلُ اَهْلَ وُدِّ أَبِيْهِ.

(صحیح مسلم، باب فضل صلۃ اصدقاءِ الأب والأم ونحوهما، کتاب البر والصلۃ)

تمہید:

بزرگانِ محترم اور برادرانِ عزیز!

آج کی مجلس میں اس بات کا بیان مقصود ہے کہ جس طرح والدین اور رشتے داروں کے ساتھ حسنِ سلوک کرنے کا حکم ہے اسی طرح ان کے اہلِ محبت اور

دوستوں کے ساتھ بھی حسنِ سلوک کا معاملہ کرنا بھی ضروری ہے۔ نیز بیوی کے رشتے دار اور اس سے محبت کا تعلق رکھنے والیوں کا خیال رکھنا بھی بہت اہمیت کا حامل ہے۔

اِس بات کی طرف توجہ بہت ہی کم ہے۔ والدین کے حقوق تو سب جانتے ہیں۔ رشتے داروں کے حقوق بھی کسی نہ کسی درجے میں لوگ جانتے ہیں لیکن یہ بات عام طور پر لوگوں کو معلوم نہیں کہ ان سے تعلق رکھنے والوں کے بھی حقوق ہیں۔ آج ہم اس سے متعلق چند احادیث کی تشریح بیان کریں گے۔

سب سے اچھا حسنِ سلوک:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں۔ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

﴿اِنَّ مِنْ أَبَرِّ الْبِرِّ أَنْ يَصِلَ الرَّجُلُ اَهْلَ وُدِّ أَبِيْهِ﴾ (صحیح مسلم)

”حسن سلوک میں سب سے اچھا حسنِ سلوک یہ ہے کہ آدمی اپنے باپ کے دوستوں کے ساتھ اچھا سلوک کرے۔“

مطلب یہ کہ آدمی اپنے والد کے ساتھ تو حسنِ سلوک کرتا ہی ہے لیکن ان کے دوستوں اور محبت کرنے والوں کے ساتھ بھی حسنِ سلوک کرتا ہے تو ایسا شخص اپنے والد کے ساتھ سب سے زیادہ حسنِ سلوک کرنے والا ہے۔ کیونکہ یہ بھی بالواسطہ اپنے والد ہی کے ساتھ حسنِ سلوک ہے۔

ابنِ عمر رضی اللہ عنہما کا واقعہ:

اسی حدیث کے راوی حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا واقعہ ہے کہ ایک مرتبہ آپ مدینہ طیبہ سے مکہ مکرمہ سفر کر کے جارہے تھے۔ راستے میں ایک اعرابی

ملا۔ اعرابی (بدّو) ان عربوں کو کہتے ہیں جو شہروں میں نہیں رہتے بلکہ صحراؤں میں اور چھوٹے چھوٹے دیہاتوں میں رہتے ہیں)۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے اسے سلام کیا۔

عرب میں رواج تھا کہ عام طور پر تو اونٹ پر سواری کرتے تھے لیکن اونٹ کی سواری قدرے مشکل ہوتی تھی، مسلسل کئی میل اونٹ کی سواری کرنے سے آدمی تھک جاتا ہے کیونکہ اس میں ہچکولے بہت لگتے ہیں تو عرب گدھا بھی ساتھ رکھ لیتے تھے، جب اونٹ پر سواری کرتے کرتے تھک جاتے تو گدھے پر سواری کرنے لگتے۔

ابنِ عمر رضی اللہ عنہما کے پاس اسی عادت کے موافق ایک گدھا تھا۔ جب یہ اعرابی آپ سے ملا تو آپ نے اسے یہ گدھا تحفے کے طور پر دے دیا۔ اس دور میں گدھا بہت قیمتی چیز سمجھتی جاتی تھی۔ گدھے کے علاوہ ان کے پاس ایک عمامہ تھا، وہ بھی ہدیے میں دے دیا۔

آپ کے شاگرد عبداللہ بن دینار ساتھ تھے۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم نے اپنے استاذ سے عرض کیا کہ یہ بدّو لوگ چھوٹی سی چیز پر بھی خوش ہو جاتے ہیں۔ آپ نے اتنا قیمتی ہدیہ انہیں کیوں دیا جب کہ وہ آپ کی ضرورت کا تھا۔ ابنِ عمر رضی اللہ عنہما نے جواب میں فرمایا:

﴿إِنَّ أَبَا هٰذَا كَانَ وُدًّا لِعُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ﴾

(صحیح مسلم، باب فضل صلۃ اصدقاء الاب والأم ونحوھما)

"اس کا باپ میرے والد عمر بن الخطاب کا دوست تھا۔"

اس اعرابی کا باپ عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا دوست تھا۔ خود یہ اعرابی دوست نہیں تھا لیکن اس کے باوجود حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے اس کی اتنی رعایت کی کہ ہدیے میں عمامہ اور گدھا اسے دے دیا۔ اور پھر اس کی وجہ بیان کی کہ میں نے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سنا ہے کہ ''سب سے اچھا حسنِ سلوک یہ ہے کہ آدمی اچھا سلوک کرے اپنے والد کے دوستوں کے ساتھ''۔ یہ وہی حدیث ہے جو پیچھے گذری۔

ابنِ عمر رضی اللہ عنہما کی خاص شان:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی ایک خاص شان ہے۔ وہ یہ کہ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی پیروی اور اس پر عمل کرنے کا بہت اہتمام کیااور اس پر عمل کا ان کو اتنا شوق تھا کہ ڈھونڈ ڈھونڈ کر ایسی سنتوں کو تلاش کر کے ان کی پیروی کرتے تھے جس کی طرف عام طور پر لوگوں کا ذہن نہیں جاتا۔ مثلاً انہوں نے وہ جگہیں یاد کر رکھی تھیں جہاں جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے سفر میں قیام فرمایا تھا چنانچہ مدینہ طیبہ اور مکہ معظّمہ آنے جانے کے سفر میں یہ بھی وہاں وہاں ٹھہرتے تھے جہاں جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اترے تھے۔ اور یہ بھی آپ کو یاد تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کہاں کہاں نماز پڑھی تھی، اسی جگہ نماز پڑھتے تھے۔ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عشق کی اعلیٰ مثال ہے۔ انہی مقامات پر قیام کرنا اور انہی جگہوں پر نماز پڑھنا شرعاً فرض ہے نہ واجب اور نہ ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا کوئی حکم دیا اور ایسا نہ کرنے سے کسی قسم کا کوئی گناہ یا کراہت بھی نہیں لیکن انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر عمل کی پیروی کرنے کا عشق تھا۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم تو یہ تھا کہ والد کے دوستوں کے ساتھ حسنِ سلوک کرو۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے اس سے بھی بڑھ کر عمل کیا کہ والد کے دوست کے بیٹے کے ساتھ بھی حسنِ سلوک کیا اور حسنِ سلوک بھی اتنا بڑا کہ حالتِ سفر میں اپنی ضرورت کی چیز (گدھا) اسے ہدیے کے طور پر عطا فرما دیا۔

مذکورہ واقعہ سے متعلق دیگر روایات:

بعض روایات میں ہے کہ جس وقت اس اعرابی سے ملاقات ہوئی تھی۔ اس وقت ابنِ عمر رضی اللہ عنہما اسی گدھے پر سوار تھے لیکن اسے دیکھ کر اس کے ادب میں گدھے سے اتر گئے اور اسے ہدیہ کے طور پر گدھا اور عمامہ دے دیا۔

ایک روایت میں ہے کہ اترنے کے بعد حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے اس سے پوچھا کہ آپ فلاں بن فلاں کے بیٹے ہیں ناں؟ اس نے جواب دیا کہ ہاں۔ پھر آپ نے اسے یہ ہدیہ دیا۔ اور جب ساتھیوں نے سوال کیا تو اس کی وجہ یہ بیان کی کہ:

﴿سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ إِنَّ مِنْ أَبَرِّ الْبِرِّ أَنْ يَصِلَ الرَّجُلُ أَهْلَ وُدِّ أَبِيْهِ بَعْدَ أَنْ يُوَلِّيَ﴾ (صحیح مسلم بحوالہ بالا)

''میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ حسنِ سلوک میں سب سے زیادہ سلوک ایک یہ ہے کہ اپنے والد کے انتقال کے بعد ان کے ساتھ محبت کے تعلق والوں سے اچھا سلوک کرے۔''

اس روایت میں یہ اضافہ ہے کہ والد کے انتقال کے بعد یہ سلوک ہو۔

والد کے اہلِ تعلق:

یہ بڑا اہم مسئلہ ہے۔ اس کی بہت سی جزئیات ہیں۔ ہر شخص اپنے اپنے والد کے اہلِ تعلق کا جائزہ لے۔ ان کا کن کن سے محبت کا تعلق ہے۔ سب سے جو قریبی

رشتہ دار ہیں مثلاً والدہ، دادا، دادی، چچا، تایا اور پھوپھیاں ان کے ساتھ اس کا قریبی تعلق تھا۔ اس کے بعد والد کے چچا زاد بھائی، تایا زاد بھائی، ماموں زاد بھائی وغیرہ۔ ان کے بعد دوستوں کا نمبر آتا ہے تو جتنا جتنا جس کا والد کے ساتھ قریبی تعلق تھا اتنا اس کا حق بھی زیادہ ہے اور جو جتنا دور ہوتا جائے گا، اس کا حق بھی پیچھے ہوتا جائے گا۔

دوحق:

والدہ کا ایک حق تو ماں ہونے کی حیثیت سے ہے اور وہ اتنا زبردست حق ہے کہ ازروئے حدیث جنت ماں کے قدموں تلے ہے لیکن اس حق کا ایک دوسرا پہلو بھی ہے وہ یہ کہ والدہ باپ کی بیوی ہے، اور باپ کا اس سے گہرا تعلق تھا۔ اس حیثیت سے ماں کا حق اور بڑھ جاتا ہے۔ اسی طرح دادا، دادی کا حق، دادا، دادی ہونے کی وجہ سے تو ہے ہی لیکن اس اعتبار سے اور بڑھ جاتا ہے کہ وہ والد کے والدین ہیں۔ اسی طرح دوسرے رشتے داروں کا معاملہ ہے گویا ان کے دوحق بن جاتے ہیں۔ ایک اپنا دوسرا والد کی وجہ سے۔

پچھتاوے کا علاج:

والد اپنی زندگی میں تو اپنے رشتے داروں اور دوستوں کے ساتھ خود حسنِ سلوک کرتے رہتے ہیں۔ والد کے رخصت ہونے کے بعد اب ان کا یہ حق ہے کہ آپ ان کے ساتھ حسنِ سلوک اور اکرام کا معاملہ کریں۔ بہت سے لوگوں کو یہ حسرت ہوا کرتی ہے کہ ہم اپنے والد کی زندگی میں ان کی خدمت نہ کر سکے۔ اس پچھتاوے کا ایک علاج یہ ہے کہ والد کے انتقال کے بعد اس کی خدمت اس طرح کی جا سکتی ہے کہ اس کے رشتے داروں اور اہل محبت سے حسن وسلوک کرو۔

والدین کے انتقال کے بعد ان سے حسنِ سلوک کے طریقے:

حضرت ابو اسید ساعدی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے تھے۔ قبیلہ بنو سلمہ کا ایک شخص آیا اور اس نے پوچھا کہ کیا میرے والدین کے حسنِ سلوک میں سے اب کوئی ایسا کام باقی ہے کہ ان کے انتقال کے بعد وہ کرلوں اور وہ والدین کے لئے حسنِ سلوک میں شمار ہو جائے۔ آپ نے فرمایا۔ ہاں ہے آپ نے کئی کام بتلائے۔

ایک یہ کہ الصَّلٰوۃُ عَلَیْھِما (ان کے لئے دعا کرنا)

دوسرا یہ کہ الإسْتِغْفَارَ لَھُمَا (ان کے مغفرت کی دُعا کرنا)

تیسرا یہ کہ إنْفَاذُ عَھْدِھِمَا مِن بَعْدِھِمَا (اگر انہوں نے اپنی زندگی میں کسی سے کوئی عہد کر رکھا تھا اور وہ پورا نہیں کر سکے تھے تو ان کے انتقال کے بعد اس عہد کو پورا کرنا)۔

چوتھا یہ کہ صِلَۃُ الرَحِمِ الَّتِیْ لَا تُوْصَلُ اِلَّا بِھِمَا (ان کے رشتے داروں کے ساتھ حسنِ سلوک کرنا)۔

پانچواں یہ کہ إکْرَامُ صِدِیْقِھِمَا (ان کے دوستوں کا اکرام اور عزت کرنا)۔

(ابوداؤد، رقم الحدیث: ۵۱۴۲، صحیح ابن حبان، حدیث: ۲۰۳۰)

یہ پانچوں کام کرنا یا ان میں سے کوئی کام کرنا ایسا ہے جو گویا زندگی ہی میں خدمت کر رہے ہوں بلکہ یہ خدمت اس اعتبار سے بہت اونچے درجے کی ہے کہ ان کی وجہ سے انہیں قبر اور آخرت میں راحت ملتی ہے۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا پر رشک:

جس طرح والد کے دوستوں سے حسنِ سلوک کا حکم ہے۔ اسی طرح بیوی کی

سہیلیوں سے اچھا برتاؤ کرنے کا تذکرہ بھی احادیث میں ملتا ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

﴿مَا غِرْتُ عَلٰی أَحَدٍ مِنْ نِّسَاءِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَا غِرْتُ عَلٰی خَدِیْجَةَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھَا وَمَا رَءَ یْتُھَاقَطُّ﴾

(صحیح مسلم، کتاب الفضائل، باب من فضائل خدیجہؓ)

''مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویوں میں سے کسی بیوی پر اتنا رشک نہیں آیا جتنا کہ خدیجہ رضی اللہ عنہا پر آیا حالانکہ میں نے انہیں دیکھا نہیں۔''

جب ایک شخص کی کئی بیویاں ہوتی ہیں تو ان کے درمیان باہمی مقابلہ اور منافست ہوتی ہے اور ہر ایک کے اندر دوسرے سے آگے بڑھنے اور شوہر کی نگاہ میں زیادہ پسندیدہ ہونے کا جذبہ ہوتا ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے اس ارشاد کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جو سلوک دوسری ازواج کے ساتھ تھا۔ اس سے کم میرے ساتھ نہیں تھا۔ اس لئے دوسری بیویوں میں کبھی کمی محسوس نہیں ہوئی اور نہ ہی ان پر کبھی رشک آیا البتہ مجھے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا پر رشک آتا تھا حالانکہ میں نے انہیں دیکھا بھی نہیں تھا۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا مختصر تذکرہ:

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے پہلی بیوی تھیں اور مکہ مکرمہ کے اندر ہی آپ کا انتقال ہوگیا۔ عمر کے لحاظ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑی تھیں۔ آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایسے کڑے وقت میں ساتھ دیا جب مکہ کے کفار آپ کے جانی دشمن بنے ہوئے تھے اور مکہ مکرمہ میں

ایک ایک دن گذارنا مشکل ہو رہا تھا۔ چنانچہ جب حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا انتقال ہوا تو یہ آپ کے لئے بہت بڑا صدمہ اور غم تھا۔ اسی کے قریب زمانہ میں آپ کے چچا ابوطالب کا انتقال ہوا۔ ان دو ظاہری سہاروں کے ہٹنے کے بعد اہلِ مکہ کی جرأتیں بڑھ گئیں۔ جس کے نتیجے میں بالآخر ہجرت کا واقعہ پیش آیا۔

رشک کی وجہ:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا پر اس لئے رشک آتا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کا ذکر کثرت سے کیا کرتے تھے۔ اور کبھی ایسا بھی ہوتا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کوئی بکری ذبح کرتے۔ اس کے الگ الگ ٹکڑے کرتے اور انہیں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی سہیلیوں کے پاس تحفے کے طور پر بھیجتے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ عمل دیکھ کر ایک مرتبہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے آپ سے عرض کیا:

﴿كَأَن لَمْ يَكُنْ فِي الدُّنْيَا إِلَّا خَدِيْجَةُ﴾

"(آپ ان کے ساتھ ایسا معاملہ کرتے ہیں) گویا دنیا میں ان کے سوا کوئی خاتون تھی ہی نہیں۔"

اس کے جواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے فضائل بیان کرتے اور ایک وجہ یہ بیان فرماتے کہ میری اولاد انہی سے ہوئی ہے۔ (صحیح مسلم بحوالہ بالا)

(آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد اپنی ازواج میں سے صرف حضرت خدیجہ سے ہی ہوئی ہے۔ آپ کے صاحبزادے ابراہیم ماریہ قبطیہ کے بطن سے ہوئے۔ لیکن وہ آپ کی باندی تھیں بیوی نہ تھیں۔)

بیوی کے رشتہ داروں کے حقوق:

جب بیوی کی سہیلیوں کے یہ حقوق ہیں تو پھر بیوی کے والدین، اس کے بہن بھائی، اگر سابق شوہر سے اولاد ہے تو ان کے حقوق کتنے زبردست ہوں گے۔ بیوی کی زندگی میں ان کے حقوق بدرجہ اولیٰ ادا کیے جائیں گے اور اس کے انتقال کے بعد اس کے ساتھ حسنِ سلوک کا راستہ یہ ہے کہ اس کے رشتہ دار اور بہن بھائیوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کیا جائے۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی بہن کے آنے پر مسرت کا اظہار:

ایک روایت میں ہے کہ ایک مرتبہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی بہن حضرت ھالہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں تشریف لائیں۔ اندر داخل ہونے سے پہلے اجازت طلب کی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں موجود تھے۔ آپ نے ان کی آواز سنی تو اس میں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی آواز کی شباہت آئی۔ اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خوشی ہوئی اور مسرت کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا:

﴿اللّٰهُمَّ هَالَةَ بِنْتِ خُوَيلِدِ﴾ (صحیح مسلم، بحوالہ بالا)

''یا اللہ! یہ تو ھالہ بنت خویلد آگئیں۔''

گویا آپ نے ان کے آنے کا اہتمام فرمایا اور خوشی کا اظہار فرمایا تاکہ انہیں بھی معلوم ہو کہ میرے آنے سے انہیں خوشی ہوئی ہے۔ اس سے سالی کا حق معلوم ہوا، البتہ یہ یاد رہے کہ سالی محرم نہیں ہے۔ اس سے پردہ ہے لیکن اس سے ساتھ حسن سلوک اور اچھا برتاؤ کرنا اپنی بیوی کا حق ہے۔

سسرال کی خدمت: تعلقِ زوجیت کا ایک تقاضا:

جب یہ بات معلوم ہوئی کہ شوہر کے لئے بیوی کے ماں باپ اور اس کے رشتہ داروں کے ساتھ حسنِ سلوک ضروری ہے تو یہ بات بھی معلوم ہوگئی کہ بیوی کو بھی چاہئے کہ وہ شوہر کے والدین، اس کے بہن بھائی اور رشتے داروں کی خدمت کرے۔ گویا بیوی پر اپنے سسرال کی خدمت اور شوہر پر اپنے سسرال کی خدمت کا حق بھی ثابت ہوگیا۔ اور یہ تعلقِ زوجیت کا ایک تقاضا ہے۔

ساس سسر اور بہو ایک دوسرے کو اپنے لئے نعمت سمجھیں:

آج کل ساس بہو کے قصے بہت چلتے ہیں۔ بات یہ ہے کہ جب ساتھ رہیں گے تو ہر ایک کی طبیعت کے خلاف کچھ نہ کچھ تو پیش آئے گا۔ اسے برداشت کرنے کے سوا کوئی چارہ نہیں۔ لیکن ساتھ رہنے میں بہت سے فائدے بھی ہوتے ہیں۔ شادی ہوئی، نئی نویلی دلہن آئی، اسے زیادہ تجربہ نہیں ہوتا، نہ کھانا پکانے کا، نہ کپڑے سینے کا اور نہ گھرستی کو سنبھالنے کا۔ سال ڈیڑھ سال بعد بچوں کی آمد شروع ہوتی ہے، ان کی پرورش اور دیکھ بھال ساس سسر کی موجودگی میں آسان ہوتی ہے۔ برکت رہتی ہے، ان کا تجربہ شامل حال رہتا ہے، ان کی دعائیں ملتی ہیں۔ اگر بہو یہی باتیں سوچ کر ساس سسر کو اپنے لئے نعمت سمجھے اور ساس سسر بہو کو اپنے لئے بیٹی سمجھیں اور نعمت سمجھیں کہ ہمارے بیٹے کا گھر اس کے ذریعے آباد ہوا ہے۔ یہ اپنی جان کھپا کر ہمارے بیٹے کی اولاد کی پرورش کر رہی ہے۔

بہو کو بیٹی بنا کر لے آؤ:

اس کا احسان بھی جانیں اور اس سے محبت بھی ایسی کریں جیسے بیٹی سے کرتے ہیں۔

مجھے ایک واقعہ یاد آیا۔ ہمارے ایک قریبی عزیز اپنے بیٹے کا رشتہ اپنے بہت ہی قریبی عزیز کے ہاں لڑکی سے بھیجنا چاہتے تھے۔ مجھ سے مشورہ کیا، میں نے کہا بہت اچھی بات ہے۔ انہوں نے کچھ اشکال ظاہر کیا اور کہا کہ ویسے تو اس کے اندر بہت خوبیاں ہیں لیکن فلاں فلاں باتیں ایسی ہیں جن کی وجہ سے یہ ڈر لگتا ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ تعلقات خراب ہو جائیں۔ اس دن حضرت ڈاکٹر عبدالحیٔ عارفی رحمہ اللہ کے ہاں دعوت تھی۔ ان کا حضرت سے اصلاحی تعلق تھا۔ وہ بھی وہاں تھے اور میں بھی وہیں گیا ہوا تھا۔ میں نے کہا کہ حضرت عارفی صاحب سے مشورہ کر لیتے ہیں۔ حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ساری صورتحال عرض کی اور یہ اشکال بھی ظاہر کیا کہ اس کے اندر فلاں فلاں باتیں ہیں جس کی وجہ سے رشتہ کرنے میں تأمل ہے۔ آپ نے عجیب حکیمانہ جواب دیا۔ فرمایا کہ یہ ساری باتیں اگر آپ کی بیٹی کے اندر ہوتیں تو آپ کیا کرتے۔ انہوں نے کہا کہ برداشت کرتے۔ فرمایا کہ یہاں بھی وہی کام کرلو۔ بیٹی بنا کر لے آؤ اور ان کمزوریوں کو برداشت کرلو۔ جب اس کے اندر اتنی خوبیاں ہیں تو کچھ نہ کچھ کمزوریاں تو ہر ایک کے اندر ہوتی ہیں۔

اسی وقت ان کے دِل میں بات اتر گئی اور اگلے دن رشتے کا پیغام دے دیا۔ الحمد للہ، بڑا کامیاب رشتہ ہوا اور تعلقات بہت اچھے ہیں۔

بیوی کی قربانیوں کا خیال رکھنا شرافت کا تقاضا ہے:

بات یہی ہے کہ ساس سسر آنے والی لڑکی کو اپنی بیٹی بنائیں اور یہ تصور کریں کہ آنے والی کتنی قربانیاں دے کر آئی ہے۔ جن ماں باپ نے بچپن سے اس کو پالا تھا، جن بہن بھائیوں میں اس نے زندگی گذاری تھی، جس گھر سے باہر وہ کبھی رہی نہیں تھی، اس نے وہ سب کچھ چھوڑ کر ایک شوہر کی خاطر اپنی زندگی کے اندر ایک عظیم

انقلاب برپا کیا۔ شرافت کا تقاضا ہے کہ اس قربانی کا لحاظ کیا جائے۔ شوہر بھی خیال کرے ساس سسر بھی خیال کریں اور نندیں اور دیور بھی خیال کریں۔

بہو کیلئے ساس سسر کی خدمت کرنا شرعاً ضروری نہیں، پسندیدہ ہے

خوب یاد رکھئے کہ عورت کی شرعی ذمہ داری یہ نہیں ہے کہ وہ ساس سسر کی خدمت کرے بلکہ بیٹے سے یہ مطالبہ ہے کہ وہ اپنے والدین کی خدمت کرے البتہ اس کے حق میں بہتر ہے کہ وہ اپنے ساس سسر کے ساتھ بھی ایسا برتاؤ کرے جیسے وہ اپنے ماں باپ کے ساتھ کرتی ہے کیونکہ بیوی پر شوہر کا تو حق ہے تو شوہر کے تعلق کا تقاضا یہ ہے کہ اس کے تعلق والوں سے بھی احترام کا معاملہ کیا جائے۔ لہٰذا وہ ان کی جو کچھ، خدمت کر سکے بڑی خوشی سے کرے لیکن ساس سسر کو یہ اختیار حاصل نہیں کہ وہ یہ مطالبہ کریں کہ فلاں فلاں کام کرو۔

بہو کو نوکرانی کی طرح رکھنا جائز نہیں:

بعض عورتیں اپنی بہو کو اس طرح گھر رکھتی ہیں کہ جس طرح کوئی باندی اور نوکرانی آگئی ہو۔ اس سے پہلے کام کرنے کے لئے ملازمہ نہ تھی، اب یہ آگئی ہے۔ صاحبزادے تو کہیں دور ملازمت کرتے ہیں یا باہر ملک رہتے ہیں اور بیوی کو ساس سسر نندوں اور دیوروں کے حوالے کر گئے۔ وہ بیچاری سسرال میں ان کی خدمت کرتی رہتی ہے۔ ساس کا حکم بھی اس پر چلتا ہے، سسر کا حکم بھی چلتا ہے۔ دیوروں اور نندوں کا حکم بھی چلتا ہے۔ جتنے مہمان آتے ہیں، ان کی خبر گیری بھی اسی کی ذمہ داری میں شامل ہوتی ہے اور ذرہ سی کمی آجائے تو پھر طعن و تشنیع کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔ یہ ظلم ہے اور ناجائز ہے۔ شریعت نے کسی ساس سسر کو بالکل یہ حق نہیں دیا کہ وہ اپنی

بہو کو کام کرنے پر مجبور کریں۔ یہ باہمی رواداری کے معاملات ہیں ان میں زبردستی جائز نہیں۔

بہو کا ایک غلط طرزِ عمل:

بعض مرتبہ الٹا معاملہ ہوتا ہے۔ بیوی شوہر کو اس کے والدین اور خاندان سے کاٹنے کی فکر میں رہتی ہے۔ وہ چاہتی ہے کہ اگر وہ ماں باپ کی خدمت کرتا ہے یا ان پر کچھ خرچ کرتا ہے تو اس میں رکاوٹیں ڈالتی ہے۔ اُسے اس کا کوئی حق حاصل نہیں۔ وہ اپنا خرچہ تو مانگ سکتی ہے اور شوہر پر بھی فرض ہے کہ وہ ادا کرے لیکن جب بیوی کو اپنا پورا حق مل رہا ہو اور بچوں کا حق بھی مل رہا ہو تو اب اسے یہ کہنے کا حق نہیں کہ تم اپنے بہن بھائی کو نہ دو، اپنے والدین پر خرچ نہ کرو وغیرہ۔ اس میں مداخلت کرے گی تو تعلقات خراب ہوں گے۔ میاں بیوی کے جھگڑے کھڑے ہوں گے۔

حقوق کی ادائیگی میں اعتدال ضروری ہے:

یاد رکھئے! شریعت میں اعتدال اور توازن ہے انتہا پسندی نہیں۔ دونوں طرف حقوق کی ادائیگی کا پہلو پیشِ نظر رہے تو ساس بہو کے جھگڑے ختم ہو سکتے ہیں۔ ان حالات میں شوہر بھی سمجھداری سے کام لے۔ نہ ماں باپ کی طرف اتنا جھکے کہ اس سے بیوی کے حقوق تلف ہونے لگیں اور نہ بیوی کی طرف اتنا زیادہ جھکے کہ ماں باپ کے حقوق فوت ہو جائیں۔ اعتدال سے رہنا ضروری ہے کہ بیوی بچوں کے حقوق بھی ادا ہوں اور ماں باپ کے بھی۔ البتہ یہ آسان کام نہیں۔ اس کے لئے رہبر و رہنما کی اور شرعی مسائل کو سمجھنے اور جاننے کی ضرورت ہے اور اپنے آپ پر کنٹرول کرنے کی بھی ضرورت ہے۔

حضرت والد صاحب رحمہ اللہ کے دور میں ہمارا ایک واقعہ:

ہمارے والدِ ماجد رحمۃ اللہ علیہ اپنی زندگی کے آخری چار سال صاحبِ فراش رہے۔ دل کی تکلیف تھی۔ ہمارے دو بڑے بھائی شہر میں رہتے تھے۔ اس زمانے میں بھی اتوار کی چھٹی ہوتی تھی۔ ان کا معمول تھا کہ وہ اپنی بیوی بچوں کو لے کر ہر اتوار کو ملنے آیا کرتے تھے۔ ہمارے والدین ہفتہ بھر ان کی انتظار میں رہتے، اور اتوار کے دن تو دھیان بالکل اسی طرف لگا رہتا۔ شام کے قریب آیا کرتے تھے۔ عصر کے بعد والد صاحب کی نظریں دروازے پر ہوتیں۔ پانچ منٹ بھی دیر ہو تو انہیں مشکل محسوس ہوتا تھا۔ جب وہ آجاتے تو ہمارے گھر میں عید کا سا سماں ہو جاتا۔ سب خوش ہوتے، ہنستے بولتے، والد صاحب کے پاس بیٹھتے۔

کبھی وہ رات کو رہنے کے ارادے سے آتے۔ کبھی صرف رات کا کھانا کھا کر واپس جانے کے ارادے سے آتے اور کبھی کھانا کھائے بغیر ہی واپس جانے کا پروگرام ہوتا تھا۔ مگر جو کچھ بھی ہوتا تھا پہلے سے طے ہوتا تھا۔

ایک مرتبہ آئے ہوئے تھے اور پروگرام کھانا کھانے کا نہیں تھا، رہنے کا بھی نہیں تھا۔ مغرب کے بعد جانے کا تھا۔ ہم دونوں بھائی، میں اور مولانا تقی عثمانی صاحب، اپنے بڑے بھائیوں کے سر ہو گئے کہ ہم نہیں جانے دیں گے۔ آج رات آپ یہیں رہیں یا کم از کم کھانا کھا کر جائیں۔ لیکن وہ جانا چاہ رہے تھے۔

ہماری یہ باتیں والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ سن رہے تھے جو برابر کے ایک اور کمرے میں تھے۔ انہوں نے مجھے اور مولانا محمد تقی عثمانی صاحب کو علیحدگی میں بلایا اور فرمایا کہ تم تو انہیں رکنے پر اصرار کر رہے ہو۔ تم نے اپنی اپنی بیویوں سے پوچھ لیا ہے یا نہیں کہ کیا ان کے پاس اتنے آدمیوں کے کھانے کا انتظام ہے؟ ہم نے عرض

کیا کہ ہم نے تو نہیں پوچھا۔ فرمایا کہ تمہاری تو زبان ہلے گی۔ ساری مشقت تو تمہاری بیویوں پر پڑے گی۔ اگر انہوں نے پہلے سے تیاری نہیں کر رکھی تو انہیں پریشانی ہوگی، انہیں روکنے سے پہلے تمہیں یہ بات دیکھنی چاہئے تھی کہ آپ کی بیویاں آسانی اور خوشی سے ان کے کھانے کا انتظام کرسکیں گی یا نہیں۔ ایسا سبق دے گئے کہ الحمدللہ، اب وہ ہمیشہ یاد رہتا ہے۔ ظاہر ہے کہ اگر وہ رکتے تو خود انہیں کتنی خوشی ہوتی، ہم سے کہیں زیادہ خوشی ہوتی لیکن ہمارے اس عمل پر ناراضگی کا اظہار کیا۔ یہ شریعت کی رعایتیں ہیں، جنہیں اللہ والے جانتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اِن ہدایات پر عمل کرنے کی توفیق نصیب فرمائے۔
(آمین)

وآخر دعوانا أنِ الحمدللّٰہ رب العالمین٥

اللہ والوں کی صحبت میں رہنے کے ثمرات

موضوع	اللہ والوں کی صحبت میں رہنے کے ثمرات
خطاب	حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی مدظلہم
مقام	جامع مسجد، جامعہ دارالعلوم کراچی
تاریخ	ربیع الثانی ۱۴۲۴ھ
ترتیب وعنوانات	مولانا اعجاز احمد صمدانی (فاضل جامعہ دارالعلوم کراچی)
باہتمام	محمد ناظم اشرف

﴿اللہ والوں کی صحبت میں رہنے کے ثمرات﴾

خطبہء مسنونہ:

نحمدهٗ و نصلّی علی رسولهٖ الکریم

اما بعد!

قال النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم: ''اَلرَّجُلُ عَلٰی دِیْنِ خَلِیْلِهٖ فَلْیَنْظُرْ اَحَدُکُمْ مَنْ یُخَالِلُ. (رواہ ابوداؤد والترمذی)

و قال علیه الصلوة والسلام:

لَاتُصَاحِبْ اِلاَّ مُؤْمِنًا وَ لَا یَأْکُلْ طَعَامَکَ اِلاَّ تَقِیٌّ.

(رواہ ابوداؤد والترمذی)

تمہید

آج ایک نیا باب شروع ہو رہا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ اللہ والوں سے ملنے کے لئے جانا ان کی صحبت میں بیٹھنا، ان کو دیکھنا اور ان کی باتیں سننا، اِن سب کے اندر بڑی خیر ہے۔ چنانچہ اس سلسلہ میں چند احادیث آ رہی ہیں۔

صدیقِ اکبر اور فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہما کا امِ ایمنؓ کی زیارت کیلئے جانا:

پہلی حدیث میں یہ واقعہ مذکور ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ ہمیں ''اُمِ ایمن'' کے پاس لے چلو۔

حضرت اُم ایمن رضی اللہ عنہا وہ خاتون تھیں جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پرورش میں حصہ لیا تھا۔ درحقیقت آپ کے والد کی باندی تھیں، پھر ترکہ میں آپ کے حصہ میں آئیں۔ جب آپ بڑے ہوئے تو آپ نے انہیں آزاد کر دیا اور اپنے متبنّٰی بیٹے زید بن حارثہ سے ان کا نکاح کر دیا۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کا بہت اکرام اور احترام فرماتے تھے۔

کہاں جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جلالتِ شان اور کہاں اُم ایمن ایک آزاد کردہ باندی، لیکن چونکہ انہوں نے آپ کی پرورش میں حصہ لیا تھا، اس لئے آپ ان کا اکرام بھی فرماتے اور ان کی زیارت کے لئے تشریف لے جایا کرتے تھے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کا خاص شوق تھا، اس لئے ان کے دل میں بھی یہ خواہش پیدا ہوئی کہ وہ اُم ایمن کی زیارت کے لئے تشریف لے جائیں۔ لہٰذا انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے یہ خواہش کی کہ وہ انہیں حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا کے پاس لے چلیں۔

جب یہ دونوں حضرات پہنچے تو اُم ایمن انہیں دیکھ کر رو پڑیں۔

یہ حضرات یوں سمجھے کہ شاید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جدائی میں رو رہی ہیں، اس لئے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے تسلی دیتے ہوئے فرمایا کہ

''جو کچھ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو وہاں عزت عطا

فرمائی ہے، وہ آپ کے حق میں دنیا کی زندگی سے ہزار درجے
بہتر ہے"

اُم ایمن نے فرمایا کہ میں اس لئے نہیں رو رہی کہ مجھے یہ بات معلوم نہیں جو آپ نے ذکر فرمائی۔ میں اس لئے رو رہی ہوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کی وجہ سے وحی کا سلسلہ منقطع ہو گیا۔ یہ بات سن کر یہ دونوں بھی رونے لگے۔

(مسلم بحوالہ ریاض الصالحین ص ۱۷۰)

اس حدیث کو یہاں ذکر کرنے کی وجہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جس کی زیارت کے لئے تشریف لے جاتے تھے، صحابہ نے بھی اس کا اتباع کیا، اور ان کی زیارت کے لئے پہنچے۔[1]

بزرگوں کی زیارت کے لئے جانا مستقل سنت ہے:

آپ اندازہ کیجئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کس قدر مصروف تھی۔ آخری دور میں پورے جزیرہ نمائے عرب پر آپ کی حکومت تھی۔ جزیرہ نمائے عرب آج تقریباً ایک درجن ملکوں اور ریاستوں پر تقسیم ہو گیا ہے۔ سعودی عرب، بحرین، کویت، دوبئی، شارجہ، ابوظہبی، قطر، مسقط اور عمان یہ سارے ممالک جزیرہ نمائے عرب میں شامل ہیں۔ اتنے بڑے علاقے کی حکومت کی وجہ سے آپ کی مصروفیت کتنی زیادہ ہوتی ہوگی۔ پھر آپ آخری نبی بھی ہیں۔ امت کی تعلیم و تربیت کا کام بھی آپ کے ذمے تھا۔

ان کے علاوہ آپ عدالتی فیصلے بھی فرماتے تھے، جہاد کی کمان بھی آپ کے

[1] کسی بھی صحابی یا صحابیہ کا اللہ والا ہونا ظاہر ہے لہٰذا ان کی زیارت کے لئے جانے سے اللہ والوں کی خدمت میں جانے کی فضیلت ثابت ہوگئی خصوصاً جب کہ یہ صحابیہ ایسی ہیں کہ ان کی زیارت کے لئے خود تاجدار دو عالم سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم بھی تشریف لے جاتے تھے۔ م

ہاتھ میں ہوتی تھی۔ گیارہ بیویاں تھیں۔ ان کے حقوق بھی ادا کرتے۔ پھر بیٹیاں اور نواسے نواسیاں بھی تھیں، ان کا دھیان بھی فرماتے۔ اس قدر مصروفیت کے باوجود آپ اُم ایمن کی زیارت کے لئے تشریف لے جاتے۔

پھر ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ جب خلیفہ بنے تو اندازہ کیجئے کہ ایک خلیفہ کی کتنی ذمہ داریاں ہوتی ہیں خصوصاً حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی اڑھائی سالہ خلافت کا عرصہ سخت مشکلات پر مشتمل ہے کیونکہ پورے جزیرہ نمائے عرب میں بغاوتیں اٹھ کھڑی ہوئی تھیں، مدعیانِ نبوت نے علم بغاوت بلند کر دیا تھا، بہت سے لوگوں نے زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا تھا۔ اور آپ کو ان سب سے جہاد کرنا پڑا تھا۔ اس قدر مصروفیات کے باوجود آپ وقت نکال کر اُمِ ایمن کی زیارت کے لئے تشریف لے جاتے۔

اس سے معلوم ہوا کہ بزرگوں کی زیارت کے لئے جانا خود مستقل ایک سنت ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا خضر علیہ السلام کے پاس جانا:

اسی باب میں علامہ نووی رحمہ اللہ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت خضر علیہ السلام کا واقعہ بھی اشارۃً ذکر فرمایا ہے۔ یہ قصہ قرآنِ حکیم[1] اور احادیث میں تفصیل سے مذکور ہے۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ رب العزت نے بتایا کہ ایک بندہ ایسا ہے کہ اس کو آپ سے بھی زیادہ علم ملا ہوا ہے تو انہیں ان کے پاس جانے کا شوق پیدا ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے کچھ علامتیں بتائیں کہ ان کے پیش آنے پر خضر (علیہ السلام) سے ملاقات ہو جائے گی۔ آپ مشقتیں برداشت

---

[1] سورۃ الکہف، ۶۰ تا ۸۲

کر کے تلاش کرتے ہوئے ان کی خدمت میں پہنچے اور ان سے عرض کیا کہ

''آپ مجھے سکھائیں وہ باتیں جو آپ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے سکھائی گئی ہیں''۔

دیکھئے حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے نبی تھے مگر ان کو بھی یہ حرص تھی کہ جہاں مجھے مزید علم ملے، وہاں جاؤں۔ چنانچہ اتنا لمبا سفر کر کے حضرت خضر علیہ السلام کی خدمت میں پہنچے۔

اس سے یہ بات معلوم ہوئی کہ علماءِ کرام اور اللہ والوں کی صحبت کو بہت بڑی نعمت سمجھ کر اختیار کرنا چاہیے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کی گئی ہدایت:

خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ہدایت فرمائی گئی:

﴿وَاصْبِرْ نَفْسَکَ مَعَ الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ رَبَّھُمْ بِالْغَدٰوۃِ وَالْعَشِیِّ یُرِیْدُوْنَ وَجْھَہٗ﴾ (الکھف: ۲۸)

''اور جو لوگ صبح شام اپنے پروردگار کو پکارتے اور اس کی خوشنودی کے طالب ہیں، ان کے ساتھ اپنے آپ کو ٹھہراؤ۔''

اس آیتِ مبارکہ میں آپ سے فرمایا گیا کہ آپ اللہ والوں کے ساتھ رہیں حالانکہ آپ کے برابر کون اللہ والا ہوگا۔ اس اندازہ ہوتا ہے کہ اللہ والوں کی صحبت اختیار کرنا کتنی ضروری چیز ہے۔

فرشتے کے ذریعے خوشخبری:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ یہ واقعہ نقل کرتے ہیں کہ ایک شخص نے کسی

اللہ والے کی زیارت کے لئے کسی دوسرے گاؤں کا سفر اختیار کیا۔ اللہ والا دوسرے گاؤں میں رہتا تھا۔ یہ اس کی خدمت میں حاضری کے لئے چلا تو اللہ تعالیٰ نے اس کے راستے میں ایک فرشتے کو مقرر کر دیا۔ چنانچہ راستے میں فرشتے کی اس سے ملاقات ہوئی۔ اُس نے اس آدمی سے پوچھا کہ تم کہاں جانا چاہتے ہو۔ اس نے جواب دیا کہ میرا بھائی فلاں گاؤں میں رہتا ہے۔ میں اس سے ملنے کے لئے جا رہا ہوں۔فرشتے نے پوچھا کہ کیا تمہاری کوئی چیز یا مال اس کے پاس رکھا ہوا۔ جس کے لئے تم وہاں جا رہے ہو۔ اس نے جواب دیا کہ نہیں، صرف اتنی بات ہے کہ میں اس کے ساتھ اللہ کے لئے محبت کرتا ہوں۔ چونکہ مجھے اللہ سے محبت ہے اور وہ بھی اللہ والا ہے تو مجھے اس سے بھی محبت ہے۔

یہ سن کر فرشتہ بولا کہ خوب سن لو! میں تمہاری طرف اللہ کا قاصد بن کر آیا ہوں اور اللہ تعالیٰ نے میرے ذریعے تمہارے پاس یہ پیغام بھیجا ہے کہ اللہ تعالیٰ تم سے ایسے ہی محبت کرتا ہے جیسے تم اس سے محبت کرتے ہو۔ (مسلم، بحوالہ ریاض الصالحین ص ۱۷۱)

اس سے معلوم ہوا کہ جو شخص اللہ والوں سے اللہ کے لئے محبت کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس سے محبت فرمانے لگتے ہیں۔

اچھے اور برے ساتھی کی مثال:

ایک حدیثِ مبارک میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اچھے ہم نشین اور برے ہم نشین کی مثال بتلائی۔ فرمایا کہ اچھے ساتھی کی مثال اس شخص کی سی ہے جس نے ہاتھ میں مشک اٹھا رکھی ہے اور برے ساتھی کی مثال اس شخص کی طرح ہے جو دھونکنی والا ہوتا ہے۔

لوہار اپنی بھٹی کو دہکانے اور لوہے کو تپانے کے لئے مشکیزہ کی طرح ایک

چیز ہوتی تھی جسے وہ دباتے تھے اس سے ہوا نکلتی تھی جس سے آگ بڑھتی تھی اور اس کے نتیجے میں لوہا پگھلتا تھا۔ اسے ''کیر'' کہتے تھے۔ اردو میں اسے دھونکنی کہتے ہیں۔ آج کل اس کی جگہ موٹروں اور طرح طرح کے آلات نے لے لی ہے۔

آگے فرمایا کہ مشک اٹھانے والا یا تو تمہیں کچھ مشک مفت دے دے گا یا اس سے تم کچھ خرید لو گے اور اگر اور کچھ نہیں تو پاس رہنے کی وجہ سے تمہیں یہ فائدہ ہوگا کہ اس کی خوشبو تم تک پہنچے گی۔ ان ساری صورتوں میں تمہیں فائدہ ہوگا۔

اور وہ شخص جو دھونکنی دہکا رہا ہے وہ یا تو تیرے کپڑے جلا دے گا۔ (کوئی چنگاری اڑے گی جس سے کپڑے جل جائیں گے) یا اس کی وجہ سے تمہیں بدبو آئے گی (بخاری ومسلم)۔ خلاصہ یہ کہ اس کے پاس بیٹھنا نقصان سے خالی نہیں۔

سچوں کے ساتھ رہو:

مراد یہ کہ برے ساتھی سے ضرور نقصان پہنچے گا اور اچھے ساتھی سے فائدہ ضرور پہنچے گا۔ لہٰذا انسان کو کوشش کرنی چاہیے کہ وہ اچھے لوگوں کے ساتھ رہے۔ اسی بات کو قرآن مجید میں یوں فرمایا گیا۔

﴿يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ﴾

(التوبہ: ۱۱۹)

''اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور سچوں کے ساتھ ساتھ رہو۔''

یعنی وہ لوگ جو دل، عمل اور زبان کے سچے لوگ ہیں ان کے ساتھ رہو۔ اور ایسے سچے اللہ والے ہیں۔

دلی محبت کن سے ہونی چاہیے؟

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کرتے ہیں:

﴿لَاتُصَاحِبْ إِلَّا مُؤْمِناً وَلَا يَأْكُلْ طَعَامَكَ إِلَّا تَقِيٌّ﴾ (رواہ ابوداؤد والترمذی)

''تم صحبت اختیار نہ کرو مگر مؤمن کی اور تمہارا کھانا نہ کھائے مگر متقی پرہیز گار۔''

یعنی اگر ساتھی بنانا ہو تو مومن کو بناؤ۔ کافروں کے ساتھ معاملات وغیرہ کرنا تو اگرچہ جائز ہے۔ یہاں پر دوستی اور دلی محبت کے بارے میں بتایا گیا ہے کہ یہ تعلق صرف ایمان والوں سے ہو۔ اسی طرح کافر کو کھانا کھلانا بھی جائز ہے لیکن یہاں پر بھی یہی مراد ہے کہ تمہارے اچھے تعلقات متقی پرہیز گار لوگوں سے ہوں۔ وہ تمہارے ہاں آئیں اور کھانا بھی کھائیں۔ اگر تعلقات فاسق و فاجر لوگوں سے ہوں گے تو کھانا کھانے میں بھی وہی لوگ پاس بیٹھیں گے۔ اس کا نقصان یہ ہوگا کہ ان کی بری صفات تمہارے اندر منتقل ہو جائیں گی۔

اپنی بات کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک اور موقع پر اس طرح ارشاد فرمایا:

﴿اَلْمَرْءُ عَلٰى دِيْنِ خَلِيْلِهٖ فَلْيَنْظُرْ اَحَدُكُمْ مَنْ يُخَالِلُ﴾

''آدمی اپنے دوست کے طریقے پر ہوتا ہے پس تم میں سے ہر ایک دیکھ لیا کرے کہ وہ کس کے ساتھ دوستی کر رہا ہے''

جس سے محبت، اسی کے ساتھ حشر:

اللہ والوں اور بزرگوں سے محبت کرنے کی ایک عظیم فضیلت وہ ہے جو ایک حدیث میں اس طرح آئی ہے کہ کسی نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ آدمی کچھ لوگوں سے محبت کرتا ہے لیکن ان کے درجے تک نہیں ہوتا (مثلاً علم میں ان کے برابر نہیں، یا تقوی اور بزرگی میں ان کے برابر نہیں۔ خود بڑا عالم یا کوئی بزرگ نہیں لیکن اہلِ علم اور اہلِ تقوی سے محبت کرتا ہے) تو اس کا حکم ہے۔

آپ نے جواب میں فرمایا:

﴿اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ أَحَبَّ﴾ (بخاری ومسلم)

''آدمی انہی لوگوں کے ساتھ ہوگا جن سے وہ محبت کرتا ہے۔''

دنیا میں عام طور پر یہی ہوتا ہے کہ جن لوگوں سے آدمی کو محبت ہوتی ہے، انہی کے ساتھ اس کا دل لگتا ہے، انہی کے پاس باتیں کرنے میں مزہ آتا ہے۔ اور آخرت میں اللہ تعالیٰ اسے ایسے ہی لوگوں کے ساتھ رکھے گا۔

ایک دوسری روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ ایک شخص نیک لوگوں سے محبت کرتا ہے لیکن اس کا اپنا عمل ایسا نہیں ہے جو ان کی برابری کر سکے۔ (گویا اللہ والوں سے محبت تو ہے لیکن عمل میں کمی ہے) ایسے آدمی کا کیا حکم ہے؟

آپ نے جواب میں فرمایا:

﴿اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ أَحَبَّ﴾

''آدمی ان لوگوں کے ساتھ ہوگا جن کے ساتھ اُسے محبت ہے۔''

دنیا میں تو ان کے ساتھ تھا ہی کہ ان سے ملتا جلتا تھا، آخرت میں بھی انہی کے ساتھ ہوگا۔

یہ بہت بڑی بشارت ہے ان لوگوں کے لئے جو اللہ والوں سے محبت کا تعلق رکھتے ہیں اور دنیا کے اندر وہ ان کے ساتھ رہنے کی کوشش میں رہتے ہیں۔

ایک دیہاتی صحابی کا واقعہ:

ایک مرتبہ ایک دیہاتی عربی (بدّو) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور سوال کیا کہ قیامت کب آئے گی؟ آپ نے حکیمانہ انداز میں اس سے پوچھا کہ تم نے قیامت کے لئے کیا تیاری کی ہے؟

حکمت کی بات یہ ہے کہ آدمی یہ سوچے کہ میں نے قیامت کے لئے کیا تیاری ہے۔ اعمال میں کس قدر بہتری پیدا کی ہے۔ کوئی نماز تو ذمہ میں نہیں ہے۔ زکوٰۃ کی ادائیگی تو باقی نہیں ہے۔ کسی رمضان کے روزے تو قضا نہیں ہوئے۔ حقوق العباد ادا ہو رہے ہیں یا نہیں؟ جو فرائض اور ذمہ داریاں شرعاً لازم ہیں، وہ پوری ہوئی ہیں یا نہیں۔ بنیادی طور پر غور کرنے کی بات یہی ہے۔ قیامت کے آنے کے بارے میں سوال کرنا دانشمندی کے خلاف ہے۔ اس لئے آپ نے اُسے اصل بات کی طرف متوجہ کرنے کے لئے اس کی بات کا جواب دینے کے بجائے یہ سوال کیا کہ تم نے قیامت کے لئے کیا تیاری کر رکھی ہے۔

اس نے بھی خوب جواب دیا۔ کہا کہ اور تو کچھ تیار نہیں کیا، صرف اتنی بات ہے کہ اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہوں۔ (آخرت کے لئے میری یہی تیاری ہے)۔

آپ نے اسے خوشخبری سناتے ہوئے فرمایا:

﴿أَنْتَ مَعَ مَنْ أَحْبَبْتَ﴾ (بخاری ومسلم)

''تو آخرت میں انہی کے ساتھ ہوگا جن کے ساتھ تو محبت کرتا ہے۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دُعا:

اللہ والوں سے محبت کرنے کی اس سے بڑھ کر کیا فضیلت ہوگی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس کے لئے دُعا فرمایا کرتے تھے۔ چنانچہ آپ یہ دُعا مانگتے تھے:

﴿اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ أَسْئَلُکَ حُبَّکَ وَ حُبَّ مَنْ یُّحِبُّکَ وَ حُبَّ عَمَلٍ یُقَرِّبُنِیْ إِلٰی حُبِّکَ﴾

''اے اللہ! میں آپ سے آپ کی محبت مانگتا ہوں اور ان لوگوں کی محبت مانگتا ہوں جو آپ سے محبت کرتے ہیں اور ایسے عمل کی محبت مانگتا ہوں جس عمل سے میرے اندر آپ کی محبت اور پیدا ہو جائے۔''

جبرائیل امینؑ کے آنے کے بارے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خواہش:

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جبرائیل امینؑ سے فرمایا:

﴿مَا یَمْنَعُکَ مِمَّا تَزُوْرُنَا أَكْثَرَ مِمَّا تَزُوْرُنَا﴾

''آپ جتنی بار ہم سے ملنے کے لئے آتے ہیں، اس سے زیادہ کیوں نہیں۔''

حضرت جبرائیل امین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں وحی لے کر

حاضر ہوتے تھے جو کبھی قرآن مجید کی آیات کی صورت میں ہوتی تھی اور کبھی قرآن مجید کے علاوہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی اور ہدایت لے کر آتے تو ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جبرائیل سے اپنی خواہش کا اظہار کیا کہ اور زیادہ آیا کریں۔

آپ کی اس خواہش کے جواب میں یہ آیات نازل ہوئیں۔

﴿وَمَا نَتَنَزَّلُ إِلَّا بِأَمْرِ رَبِّكَ. لَهُ مَابَيْنَ أَيْدِيْنَا وَمَا خَلْفَنَا وَمَا بَيْنَ ذٰلِكَ﴾ (مریم: ٦٤)

''(جبرائیل نے عرض کیا) ہم نہیں اترتے مگر آپ کے رب کے حکم کے ساتھ۔ جو کچھ ہے ہمارے آگے، پیچھے اور درمیان، سب کچھ اللہ ہی کا ہے۔''

مطلب یہ ہے کہ یہاں آنے میں ہماری اپنی کوئی قدرت اور اختیار نہیں۔ اللہ تعالیٰ کا حکم ہوتا ہے، ہم حاضر ہوتے ہیں، نہیں ہوتا تو نہیں آسکتے۔

(بخاری بحوالہ ریاض الصالحین: ۱۷۲)

بہرحال! اس روایت سے یہ معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خواہش یہ تھی کہ جبرائیل امین اور زیادہ آیا کریں۔ اور ظاہر ہے کہ یہ خواہش اس وجہ سے تھی کہ جبرئیل امین اللہ رب العزت کے مقرب بندے اور فرشتے ہیں۔ اور اللہ کے مقربین سے تعلق رکھنا اللہ تعالیٰ کو پسند ہے۔

ایک حدیث میں جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

﴿الرَّجُلُ عَلٰى دِيْنِ خَلِيْلِهٖ فَلْيَنْظُرْ أَحَدُكُمْ مَنْ يُخَالِلُ﴾ (رواہ ابوداؤد والترمذی باسناد صحیح بحوالہ ریاض الصالحین: ۱۷۲)

''آدمی اپنے دوست کے طریقے پر ہوتا ہے پس تم میں کا ہر آدمی دیکھ لیا کرے اس کو جس سے وہ دوستی کر رہا ہے۔''

صحبت کے اثرات ضرور پڑتے ہیں:

اِس حدیثِ مبارک میں یہ ہدایت دی گئی ہے کہ کسی سے دوستی کرنے سے پہلے اس شخص کو اچھی طرح دیکھ لینا چاہیے۔ اگر اچھا ہے تو اس سے دوستی کرنی چاہیے اور اگر برا تو اس کی دوستی سے بچنا چاہیے، کیونکہ ایک دوست کے اخلاق و عادات کا اثر دوسرے پر پڑتا ہے۔

اگر آپ کسی برے آدمی سے دوستی کریں گے تو اگر چہ آپ کا ارادہ اس کی بری عادتیں اختیار کرنے کا نہ ہو اور آپ اس کے لئے کوشش بھی کریں لیکن رفتہ رفتہ اس کی صحبت کے اثرات آپ پر ضرور آئیں گے اور آپ کے اندر وہ عادات پیدا ہونا شروع ہو جائیں گی جو اس کے اندر ہیں۔

بہت سے لوگ کہا کرتے ہیں کہ آدمی کو خود مضبوط ہونا چاہیئے۔ اگر وہ خود مضبوط ہوگا تو کسی بھی ماحول میں جائے اس سے متاثر نہیں ہوگا۔ یہ بات بالکل غلط اور تجربات کے خلاف ہے۔ رفتہ رفتہ غیر محسوس طریقے سے آدمی کے اخلاق و عادات تبدیل ہوتے رہتے ہیں اگر چہ شروع شروع محسوس نہیں ہوتا۔ مثلاً آدمی غلط لوگوں کے پاس گیا۔ ایک مجلس میں ان کے ساتھ رہا۔ اپنے آپ کو مضبوط رکھا، کوئی گناہ کا کام نہیں کیا، کوئی بری بات نہیں کی۔ لیکن اگر اس نے ان کے پاس آنا جانا رکھا تو بہت ہی معمولی رفتار سے انکا اثر شروع ہو جاتا ہے۔ آہستہ آہستہ یہ اثر بڑھتا چلا جاتا ہے اور آدمی کو اس وقت محسوس ہوتا ہے جب وہ بہت زیادہ تبدیل ہو چکا ہوتا ہے۔

ریل کے کانٹے کا فرق شروع میں معمولی ہوتا ہے

اس کی مثال حضرت والدِ ماجد رحمۃ اللہ علیہ یہ دیا کرتے تھے کہ آپ نے

دیکھا ہوگا کہ ریلوے کی لائنیں جہاں سے مڑتی ہیں اور ان کا کانٹا بدلا جاتا ہے تو شروع شروع میں سیدھی لائن اور بدلی جانے والی لائن میں صرف ایک انچ کا فرق ہوتا ہے۔ پھر ڈیڑھ انچ کا، پھر دو انچ کا، دو تین منٹ کے یہ فرق فٹوں (Foots) میں تبدیل ہو جاتا ہے اور پانچ چھ منٹ کے بعد دونوں کا رخ بالکل واضح طور پر جدا ہو جاتا ہے۔ کوئی نسبت باقی نہیں رہتی۔ یہی اثر صحبت کا ہوتا ہے کہ کچھ عرصے بعد بالکل واضح تبدیلی آجاتی ہے۔ جس کو دوسرے لوگ بھی محسوس کرتے ہیں اور خود انسان کو اس کا اندازہ ہونے لگتا ہے۔

مالداروں کی صحبت میں رہنے کے اثرات

اس کو ایک اور مثال سے سمجھیں۔ بعض لوگ جو سیدھے سادھے ماحول میں رہتے ہیں کہ ان کے ہاں نہ رسمیں ہیں، نہ ٹیپ ٹاپ ہے، نہ دکھاوا ہے، نہ مال و دولت کی دوڑ ہے۔ وہاں بڑے آرام سے رہ رہے ہیں۔ اب ان میں سے کوئی آدمی مالداروں کے ساتھ رہنے لگا۔ روزانہ کروڑ پتی لوگوں سے ملاقاتیں ہو رہی ہیں۔ کبھی وہ آ رہے ہیں، کبھی یہ جا رہے ہیں، کبھی دعوت ہے، کبھی کوئی تقریب میں شرکت ہے۔ مردوں کے آنے جانے سے عورتوں کا بھی آنا جانا شروع ہو گیا، پھر بچے بھی آنے جانے شروع ہو گئے دوستیاں ہو گئیں۔

آپ دو سال بعد دیکھیں گے کہ اس گھرانے کے مزاج میں فرق پڑ گیا ہوگا۔ مردوں کے مزاج میں بھی فرق آ گیا ہو گیا، عورتوں کے مزاج میں فرق پڑ گیا ہوگا اور بچوں کے مزاج میں بھی تبدیلی آ گئی ہوگی۔ پہلے روپے پیسے کی طرف دھیان نہیں ہوتا تھا اب اس طرف دھیان ہونے لگے گا۔ پہلے اس کا خیال بھی نہیں گذرتا تھا کہ ہماری گاڑی کونسے ماڈل کی ہے، اب اس کا دھیان ہونے لگے گا۔ اب یہ بھی دھیان

ہوگا کہ فرج، اے۔سی وغیرہ کونسی کمپنی کا ہے کیونکہ ایسی مجلسوں میں یہی گفتگو ہوتی ہے جس کے نتیجے میں یہی سوچ دماغ میں آنے لگتی ہے۔ رفتہ رفتہ مزاج بدل جاتا ہے۔

اب امیروں سے ملنے میں مزا آتا ہے، غریبوں سے ملنے میں مزا نہیں آتا کیونکہ غریب لوگ اب اس کی نظروں میں بہت گھٹیا لوگ بن چکے ہیں۔ مالداروں کی عزت بڑھ جاتی ہے اور غریبوں کی محبت اور عزت دل سے نکل جاتی ہے۔ یہ ہمارے آنکھوں دیکھے واقعات ہیں۔ آپ کو بھی جگہ جگہ اس کے اثرات نظر آئیں گے۔ لہٰذا اگر ایسے لوگوں سے محبت ہوگی جو مال سے محبت رکھتے ہوں گے تو آپ کے دل میں بھی مال کی محبت پیدا ہو جائے گی اور اگر ایسے لوگوں سے تعلق ہوگا جن کا مال کی طرف زیادہ التفات نہیں تو آپ کا انداز بھی وہی رہے گا۔ انسان اپنے ماحول سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔

بری صحبت کا ادنیٰ اثر:

اور پھر ایک بات یہ ہے کہ برے لوگوں سے دوستی کرنے کا ایک ادنیٰ اثر یہ ہے کہ جس گناہ میں وہ لوگ مبتلا ہوتے ہیں، دوسری تیسری ملاقات ہی میں اس گناہ سے نفرت میں کچھ نہ کچھ کمی آجائے گی اور پھر رفتہ رفتہ اس گناہ سے نفرت بھی ختم ہو جائے گی۔

صالحین کی صحبت اختیار کرنے کا حکم:

اسی لئے جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دوستی کرنے سے پہلے اس شخص کو دیکھ لو کہ وہ کیسا ہے۔ اور قرآن مجید میں بھی اسی طرف توجہ دلاتے ہوئے صالحین کی صحبت اختیار کرنے کا حکم دیا گیا کہ

﴿يَـٰٓأَيُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ﴾ (التوبہ: ۱۱۹)

"اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور سچوں کے ساتھ رہو۔"

معلوم ہوا کہ اللہ والوں کے ساتھ رہنے کے بہت سے فضائل تو وہ ہیں جو پیچھے بیان ہوئے اور ایک اہم فائدہ یہ بھی ہے کہ آدمی کے اخلاق و عادات کی اصلاح ہو جاتی ہے۔

اللہ رب العزت ہمیں اللہ والوں کی صحبت کو غنیمت سمجھ کر اختیار کرنے کی توفیق نصیب فرمائے۔ (آمین)

و آخر دعوانا انِ الحمد للّٰہ رب العالمین○

ہر نعمت ایک آزمائش

موضوع	ہر نعمت ایک آزمائش
خطاب	حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی مدظلہم
مقام	جامع مسجد، دارالعلوم کراچی
ترتیب وعنوانات	مولانا اعجاز احمد صمدانی (فاضل جامعہ دارالعلوم کراچی)
باہتمام	محمد ناظم اشرف

﴿ہر نعمت ایک آزمائش﴾

خطبۂ مسنونہ:

نحمدهٗ و نصلّی علٰی رسوله الکریم. امّا بعد! عَنْ أُسَامَةَ بْنَ زَيْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ "مَاتَرَكْتُ بَعْدِيْ فِتْنَةً هِيَ أَضَرُّ عَلَى الرِّجَالِ مِنَ النِّسَاءِ" (مشکوٰۃ، کتاب النکاح)

وَ عَنْ ابِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ "دِيْنَارٌ أَنْفَقْتَهُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ دِيْنَارٌ أَنْفَقْتَهُ فِيْ رَقَبَةٍ وَ دِيْنَارٌ تَصَدَّقْتَ بِهٖ عَلٰى مِسْكِيْنٍ وَ دِيْنَارٌ أَنْفَقْتَهُ عَلٰى أَهْلِكَ أَعْظَمُهُمَا أَجْراً الَّذِيْ أَنْفَقْتَهُ عَلٰى أَهْلِكَ.

(صحیح مسلم، کتاب الزکوٰۃ، باب فضل النفقۃ علی العیال والمملوک)

حدیث کا مفہوم:

جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے کہ میں نے اپنے بعد کوئی فتنہ ایسا نہیں چھوڑا جو مردوں کے لئے عورتوں سے زیادہ خطرناک ہو۔ مراد یہ ہے کہ عورتوں کا فتنہ مردوں کے لئے سب سے زیادہ خطرناک اور ضرر رساں ہے۔ اس سے زیادہ ضرر رساں کوئی اور فتنہ مردوں کے لئے نہیں۔

''فتنہ'' کسے کہتے ہیں:

عربی میں فتنہ کہتے ہیں ''آزمائش'' کو۔ ہر وہ چیز جس کے ذریعے کسی کا امتحان لیا جائے، وہ اس کے لئے ''فتنہ'' ہے۔ دنیا خود فتنہ ہے۔ مال و دولت فتنہ ہے۔ اولاد فتنہ ہے۔ قرآن مجید میں ہے۔

﴿اِنَّمَا أَمْوَالُكُمْ وَ أَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ﴾ (التغابن:۱۵)

''تمہارے اموال اور تمہاری اولاد تمہارے لئے فتنہ ہے۔''

فتنہ ہونے کا مطلب یہ نہیں کہ یہ حرام اور ناجائز ہیں اور ان سے بچنا ضروری ہے بلکہ یہ اللہ رب العالمین کی عظیم نعمتیں ہیں۔ مال بھی اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے اور اولاد بھی۔ بلکہ قرآن مجید میں ایک جگہ مال کو ''خیر'' کہا گیا ہے۔[۱]

ان کے فتنہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی یہ نعمتیں تمہارے لئے امتحان اور آزمائش ہیں۔ ان کی قدر کرو۔ ان کے حقوق ادا کرو۔ ان کی حفاظت کرو لیکن ان کی محبت کو شریعت کے تابع کرو۔ عام طور پر انسان کے دل میں ان چیزوں کی محبت بہت ہوتی ہے اگر یہ محبت شرعی حدود میں رہے اور شریعت کے قواعد کے تابع

---

[۱] وانّهٗ لِحُبِّ الخیر لَشَدِیْدٌ. (العٰدیات)

رہے تب تو کوئی نقصان کی بات نہیں اور اگر یہ محبت ایسا کام کرنے کا تقاضا کرے جو شریعت کی حدود سے باہر ہیں تو یہ انسان کے لئے وبال جان ہیں۔ گویا یہ سب چیزیں انسان کے لئے بہت بڑی آزمائش ہیں۔

مال کے ذریعے ہونے والی آزمائشیں:

مال کے ذریعے ہونے والی پہلی آزمائش یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ یہ دیکھتے ہیں کہ مال ملنے پر اس نے میرا شکر ادا کیا یا نہیں کیا؟ اس دولت کو اپنا کمال اور استحقاق سمجھتا ہے یا ہماری نعمت سمجھتا ہے۔

دوسری آزمائش یہ ہے کہ اس مال کی وجہ سے انسان کے دل میں تکبر پیدا ہوتا ہے یا نہیں۔

تیسری آزمائش یہ ہے کہ مال کو جہاں اللہ تعالیٰ نے خرچ کرنے کا حکم دیا ہے، وہاں خرچ کرتا ہے یا نہیں؟ زکوٰۃ کا حکم دیا وہاں خرچ کرتا ہے یا نہیں۔ صدقۃ الفطر ادا کرتا ہے یا نہیں۔ قربانی کرتا ہے یا نہیں۔ غریبوں اور محتاجوں کا خیال کرتا ہے یا نہیں۔

چوتھی آزمائش یہ ہے کہ اس مال کو اللہ کی نافرمانی میں تو خرچ نہیں کرتا۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ پیسہ مل گیا تو نائٹ کلبوں میں جانے لگے، شراب پینے لگے، لوگوں کو حقیر سمجھنے لگے۔

اولاد، اللہ کی نعمت:

اسی طرح اولاد، اللہ رب العالمین کی بڑی نعمت ہے۔ اتنی بڑی دولت ہے کہ اس کا اندازہ کرنا مشکل ہے۔ جن کے ہاں اولاد نہیں ہوتی، ان سے پوچھئے۔ وہ

اولاد کی تمنائیں کس طرح کرتے ہیں۔ اور جن کو مل گئی ان سے پوچھئے کہ وہ کس قدر خوش ہوتے ہیں۔ بچوں کو دیکھنے سے ان کی جان میں جان آتی ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بچوں سے بہت محبت کیا کرتے تھے:

اللہ رب العزت نے ماں باپ کے دلوں میں اولاد کی محبت رکھی ہے۔ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بچوں سے بڑی محبت فرمایا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ آپ خطبہ دے رہے تھے۔ دیکھا کہ حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما گرتے پڑتے چلے آ رہے ہیں۔ آپ خطبہ چھوڑ کر اترے اور ان دونوں کو گود میں بٹھا لیا۔ صحابہ کرام اور اہل خانہ بچوں سے آپ کی محبت کے معاملے کو جانتے تھے۔ چنانچہ جب آپ سفر سے واپس تشریف لاتے تو آپ کے استقبال کے لئے بچوں کو لے کر آتے تھے۔ اور اس میں زیادہ اپنے خاندان کے بچے ہوتے تھے۔ چنانچہ آپ ان بچوں میں سے ایک دو کو سواری پر اپنے ساتھ بٹھا لیتے۔ سوار ہونے والے بچے کی خوشی کی انتہا نہیں رہتی تھی۔

اولاد کے ذریعے ہونے والی آزمائشیں:

تو اولاد بلاشبہ اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے لیکن یہ آزمائش بھی ہے۔ یہاں بھی سب سے پہلی آزمائش یہ ہے کہ اس اولاد کے آنے پر اللہ تعالیٰ کا شکر بھی ادا کرتا ہے یا نہیں کرتا۔

دوسرا یہ کہ اولاد کی محبت میں کہیں ایسا تو نہیں کہ اپنا وہ وقت جو اس کا اللہ رب العزت کے لئے تھا، اسے اولاد میں لگا دیا۔ اذان ہو گئی۔ اس سے پہلے پہلے بچوں کے ساتھ کھیل رہے ہیں۔ یہ سب عبادت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے لیکن اذان

ہونے کے بعد آزمائش آگئی کہ اب بچوں سے کھیلنا چھوڑ کر مسجد میں جاتے ہیں یا نہیں۔

امہات المؤمنین بیان فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب گھر میں ہوتے تو عام مردوں کی طرح ہمارے ساتھ باتیں کرتے، ہنسی مذاق فرماتے، ہمارے کاموں میں شریک ہوتے لیکن جب اذان ہوتی تھی تو ایسے گذرے چلے جاتے تھے جیسے ہمیں پہچانتے ہی نہیں۔

تیسری آزمائش یہ ہے کہ اللہ اور رسول کی ہدایات کے مقابلے میں بچوں کی خواہشات کو ترجیح تو نہیں دیتا۔ لڑکیاں بڑی ہو چکی ہیں اور پردے کے قابل ہیں لیکن ان کا کہنا یہ ہے کہ ہمیں بے پردہ پھراؤ تو اب دیکھا جائے گا کہ یہ بچوں کی بات مانتا ہے یا اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتا ہے۔

عورت ایک نعمت:

اسی طریقہ سے عورتیں اللہ رب العالمین کی بہت بڑی نعمت ہیں۔ سب سے پہلی نعمت جو انسان کو اِس دنیا میں آنے کے بعد ملتی ہے اور بچہ پیدا ہونے کے بعد سب سے پہلے جسے دیکھتا ہے، وہ اس کی ماں ہوتی ہے، ماں بھی عورت ہی ہے۔ ماں کا مقام اتنا اونچا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

﴿الجَنَّةُ تَحتَ أقدَامِ الأُمهَاتِ﴾[1]

''جنت ماؤں کے قدموں تلے ہیں''

ماں ایک آزمائش ہے:

لیکن ماں آزمائش بھی ہے۔ ایک طرف بوڑھی ماں ہوتی ہے اور دوسری

---

[1] اس حدیث کے الفاظ کو بعض محدثین نے ضعیف قرار دیا ہے البتہ معنیً یہ روایت درست ہے کیونکہ اس مفہوم کی تائید دیگر کئی صحیح روایات سے ہوتی ہے۔ ملاحظہ فرمائیے: تذکرۃ الموضوعات ص۲۰۲، کشف الخفاء (۱/ ۱۶۹)

طرف بیوی بچے اور زندگی کے دوسرے بہت سے مشاغل۔ اب امتحان ہوتا ہے کہ ان مشاغل اور بیوی اور بچوں کے ہوتے ہوئے اپنی بوڑھی ماں کی کتنی خدمت کرتا ہے۔ بیوی بچوں کی محبت میں مغلوب ہو کر ماں سے غافل تو نہیں ہو جاتا۔

بیوی بھی آزمائش:

اسی طرح بیوی اللہ رب العالمین کی بڑی عظیم الشان نعمت ہے۔ حدیث میں ہے کہ ''دنیا کے سامانوں میں سب سے بہتر سامان اچھی بیوی ہے''۔ (مشکوٰۃ، کتاب النکاح)۔ بیوی اچھی مل جائے تو وہ دنیا کی ترقی کا بھی ذریعہ بن جاتی ہے اور آخرت کی کامیابی کا۔ لیکن بہت بڑی آزمائش بھی ہے۔ قدرتی طور پر آدمی کو بیوی سے محبت ہوتی ہے بلکہ مردانے جذبے کی وجہ سے مرد اس کا محتاج ہوتا ہے۔ اسی محبت میں مغلوب ہو کر بہت سے لوگ کتنے بڑے بڑے گناہ کر بیٹھے، کتنے بڑے بڑے جرائم میں مبتلا ہو گئے۔ اور کتنے ہی لوگوں نے اِسی محبت کو اعتدال میں رکھا۔ عورتوں کے بھی حقوق بھی ادا کیے اور ماں باپ کے بھی، بہن بھائیوں کے حقوق بھی ادا کیے اور اولاد کے بھی۔ ان سب کے علاوہ اللہ رب العالمین کے حقوق بھی ادا کیے تو انہوں نے جنت کمالی۔

سب سے بڑی آزمائش:

اگرچہ ذکر کردہ سب چیزیں اللہ تعالیٰ کی نعمت اور آزمائش ہیں لیکن حدیث کے مطابق مرد کے لئے سب سے زیادہ خطرناک آزمائش عورتیں ہیں۔ آدمی جب بالغ ہوتا ہے تو اس کے دل میں عورت کے بارے میں ایک طبعی میلان پیدا ہوتا ہے۔ شادی سے پہلے نامحرم عورتیں نامحرم مردوں کے لئے آزمائش ہیں۔ دل چاہتا ہے کہ

نامحرم عورت کو دیکھیں۔ اللہ کا حکم یہ ہے کہ اپنی نظروں کو جھکالو۔

﴿قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ أَبْصَارِهِمْ﴾ (النور:۳۰)

''مومن مردوں سے کہہ دو کہ اپنی نظریں نیچی رکھا کریں۔''

نفس کہتا ہے کہ نامحرم عورت سے باتیں کرو۔ اللہ اور اس کے رسول کا حکم یہ ہے کہ بے ضرورت بات نہ کرو (ہاں ضرورت پیش آجائے تو اس کی گنجائش ہے) نفس کہتا ہے کہ اس کی باتیں سنو، اس کے گانے سنو لیکن شریعت اس سے منع کرتی ہے۔ نفس کہتا ہے اس سے ہاتھ ملاؤ لیکن شریعت اس سے روکتی ہے۔ ہر قدم پر آزمائش ہے۔

آج کل یہ آزمائش اور بڑھ گئی ہے:

آج کل تو یہ آزمائش اور زیادہ بڑھ گئی ہے کیونکہ معاشرے میں بے پردگی پھیلی ہوئی ہے۔ عورتیں بناؤ سنگھار کر کے ننگے سر تقریباً ننگے بدن، گردن کھلی ہوئی، بانہیں کھلی ہوئیں بازاروں میں پھر رہی ہیں۔ اور اپنے اس ناجائز عمل سے دعوتِ گناہ دیتی ہیں۔ حدیث میں ہے کہ آنکھ بھی زنا کرتی ہے، ہاتھ بھی زنا کرتے ہیں۔

آنکھ کا زنا یہ ہے کہ اس سے نامحرم عورتوں کو دیکھا جائے۔ ہاتھ کا زنا یہ ہے کہ اس سے نامحرم عورتوں کو چھوا جائے۔ اس موقع پر انسان زبردست آزمائش کا شکار ہوتا ہے۔

حقوق کی ادائیگی میں آزمائش:

عورت کے ساتھ انسان کو ہر وقت واسطہ رہتا ہے۔ گھر میں ہے تو بیوی کے ساتھ ہے، ماں کے ساتھ ہے، بیٹیوں کے ساتھ ہے اور بہنوں کے ساتھ ہے۔ ان

میں سے ہر ایک کی محبت اپنے درجے میں دل کے اندر ہوتی ہے۔ اس محبت کے کچھ تقاضے بھی ہوتے ہیں اور ان کے حقوق بھی ہوتے ہیں۔ ان حقوق کی ادائیگی میں بھی بہت بڑی آزمائش ہے۔ ان حقوق کی ادائیگی میں کمی کریں گے، تب بھی بہت بڑی پکڑ ہے اور اگر کسی کے حقوق ادا کرنے میں اتنی زیادتی کریں گے کہ دوسروں کے حقوق مارے جائیں تو تب بھی مواخذہ ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ازواجِ مطہرات سے بہت محبت فرماتے تھے لیکن ہر ایک کی محبت اس کی جگہ پر تھی۔ توازن اور اعتدال کا معاملہ تھا۔ کسی ایک کی محبت کی وجہ سے دوسرے کے حقوق تلف نہیں ہوتے تھے۔

مال خرچ کرنے میں آزمائش:

محبت کے علاوہ بیوی بچوں پر مال خرچ کرنے میں بھی بہت آزمائش ہے۔ بعض لوگ اہل و عیال پر خرچ کرنے کو دنیا کا کام سمجھتے ہیں، دین کا اور ثواب کا کام نہیں سمجھتے اس کے برعکس بہت سے لوگ اسی عمل کو کافی سمجھتے ہیں اور دن رات ایک کر کے بیوی بچوں کا پیٹ پالنے کی فکر میں رہتے ہیں۔ حتیٰ کہ حقوق اللہ کی ادائیگی میں بھی کوتاہی ہو جاتی ہے۔

بیوی بچوں پر خرچ کرنے کی فضیلت:

چنانچہ اس کے بعد ان احادیث کا بیان ہو رہا ہے۔ جن میں اہل و عیال پر خرچ کرنے کی فضیلت کا بیان ہے۔ جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے:

﴿دِیْـنَارٌ اَنْفَقْتَهٗ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَ دِیْنَارٌ اَنْفَقْتَهٗ فِیْ رَقَبَةٍ و

دِيْنَارٌ تَصَدَّقْتَهُ عَلٰى مِسْكِيْنٍ وَ دِيْنَارٌ عَلٰى اَهْلِهٖ.
أَعْظَمُهُمَا أَجراً الَّذِىْ اَنْفَقْتَهٗ عَلٰى أَهْلِهٖ

(صحیح مسلم، کتاب الزکوۃ)

''وہ دینار جسے اللہ کے راستے میں خرچ کیا، وہ دینار جو غلام میں خرچ کیا، وہ دینار جو کسی مسکین پر خرچ کیا اور وہ دینار جو تم اپنے گھر والوں پر خرچ کرتے ہو۔ ان سب میں فضیلت کے اعتبار سے وہ دینار بڑھا ہوا ہے جو گھر والوں پر خرچ کیا گیا۔''

اللہ کے راستے میں خرچ کرنے کا مطلب ہے کسی دینی کام میں خرچ کرنا جیسے جہاد میں، تبلیغ میں اور مدارس کے لئے دینا وغیرہ۔ غلام میں خرچ کرنے کا مطلب ہے کہ کسی غلام کو آزاد کرنے کے لئے خرچ کرنا۔ آج کل غلام نہیں پائے جاتے پہلے زمانے میں ہوتے تھے۔ ایک انسان کو غلامی سے آزادی دلوا دینا بہت بڑے اجر و ثواب کا کام ہے۔ احادیث کے اندر اس کے متعدد فضائل آئے ہیں۔

اس حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے چار قسم کے خرچوں کا ذکر فرمایا۔

۱۔ اللہ کے راستے میں۔

۲۔ غلام کو آزاد کرنے میں۔

۳۔ کسی مسکین کی حاجت روائی کے لئے۔

۴۔ اپنے اہل و عیال پر کیا گیا خرچہ۔

لیکن ان سب کا ذکر کرنے کے بعد آخر میں فرمایا کہ سب سے زیادہ ثواب اس خرچے کا ہے جو آدمی اپنے گھر والوں پر کرے۔ اگرچہ پہلے تین مصارف بھی عظیم الشان ہیں اور ان پر خرچ کرنے کے بے حد فضائل ہیں لیکن ان سب میں زیادہ اجر و ثواب اس خرچ میں ہے جو اپنے گھر والوں پر ہو۔

حاجت مند والدین اور بہن بھائی بھی زیر کفالت افراد میں شامل ہیں

آدمی کا ویسے بھی جی چاہتا ہے کہ اپنے بیوی بچوں پر خرچ کرے۔ والدین اگر حاجت مند ہیں تو ان کا خرچ بھی اہل و عیال کے خرچ میں داخل ہیں۔ اور اگر بہن بھائی غریب ہیں تو ان پر خرچ کرنا بھی زیر کفالت افراد پر خرچ کرنے میں شامل ہے۔ یہ خرچ کرنا اتنا عظیم ہے کہ باقی تمام قسم کے خرچوں سے افضل ہے۔

ہمارے ایک دوست کا واقعہ:

عام طور پر لوگوں کا دھیان اس طرف بہت کم جاتا ہے۔ ہمارے ایک دوست ہیں، ملک سے باہر رہتے ہیں، سرجن ہیں۔ اچھی آمدنی ہے۔ سال میں ایک دو مرتبہ یہاں آتے ہیں، انہوں نے مجھے بتایا کہ ان کا گھر میں نزاع ہوتا تھا ان کی بیوی اور بیٹی وغیرہ مطالبہ کرتی ہیں کہ ہمیں جوڑا بنوا دو تو کہتے کہ میں نے تمہارے چار چار جوڑے بنوائے ہیں۔ ایک عیدالفطر کا، ایک عیدالاضحیٰ کا، ایک گرمی میں اور ایک سردی میں۔ اس سے زیادہ نہیں بنوا کر دوں گا۔ حالانکہ ان کے پاس مال و دولت کی فراوانی ہے۔ کہنے لگے کہ میں نے اپنے بیٹے کو ایک اور ملک میں تعلیم کے لئے بھیج رکھا ہے۔ اسے ایک متعین رقم دیتا ہوں اور اس سے کہہ رکھا ہے کہ اس سے زیادہ نہیں دوں گا۔

میں نے پوچھا کہ آپ خرچ میں تنگی کیوں کرتے ہیں، کہنے لگے کہ میں بہت سے دینی کاموں میں خرچ کرتا ہوں۔ تبلیغ کے کام میں، مسجد و مدرسہ میں، صدقہ وخیرات میں، علماء کی خدمت وغیرہ وغیرہ۔ میں نے کہا: بندۂ خدا! تم یہ کیا کر رہے ہو۔ بیوی بچوں کو تنگی میں رکھ کر اور پیسے بچا کر دوسری جگہ خرچ کر رہے ہو، اس میں

تمہارا ثواب کم ہے۔ ان کو یقین نہیں آ رہا تھا۔ چونکہ وہ ہم پر اعتماد کرتے ہیں اس لئے مان تو گئے لیکن ان کا دل اس بات پر مطمئن نہیں ہوا۔ وہ میرے لئے تحفہ لائے۔ میں نے کہا کہ مجھے تحفہ دینے کے بجائے زیادہ ثواب اس میں ہے کہ اپنے بیوی بچوں کو تحفہ لا کر دو۔ کہنے لگے کہ میں اپنے بیوی بچوں پر ان کی ضرورت کے مطابق تو خرچ کرتا ہوں۔ میں نے کہا کہ عرف اور رواج کے مطابق تمہاری بیوی کے معیار کی عورتیں جس قسم کا لباس پہنتی ہیں اور جس طرح کا کھانا پینا ان کا ہے، اس کے حساب سے تمہیں خرچ دینا چاہئے۔ کچھ تو عورتوں کا رواج حد سے گذرا ہوا ہے، اس کی تو پیروی نہیں کی جائے گی لیکن اعتدال کے ساتھ انہیں مناسب خرچ دینا چاہیے۔ ایک حدیث میں آتا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ تمہیں مال دے تو اس کا اثر تم پر ظاہر ہونا چاہئے۔ ظاہر ہونے کا مطلب یہ ہے کہ تمہارے کھانے پینے پر بھی ظاہر ہو، تمہارے لباس میں بھی ظاہر ہو اور تمہارے بیوی بچوں پر بھی ظاہر ہو، ورنہ ناشکری کی بات سمجھی جائے گی کہ خدا تعالیٰ نے بہت کچھ دے رکھا ہے لیکن تمہارے بچوں کو دیکھ کر آدمی یہ سمجھے کہ یہ یتیم ہیں یا کسی غریب کے بچے ہیں۔

انہوں نے اوپرے دل سے میری بات مان لی لیکن کہنے لگے کہ آپ اس سلسلے میں کچھ احادیث لکھ دیجئے گا۔ میں نے وعدہ کر لیا اور کتبِ حدیث سے مختلف احادیث کی فوٹو کاپی ان کے پاس بھیجی۔

بیوی کے منہ میں لقمہ ڈالنا بھی ثواب:

ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

﴿إِنَّکَ لَنْ تُنْفِقَ نَفَقَةً تَبْتَغِیْ بِهَا وَجْهَ اللّٰهِ إِلاَّ أُجِرْتَ

بِهَا حَتّٰی مَا تَجْعَلُ فِی فَمِ امْرَأَتِکَ﴾

(صحیح مسلم، باب فضل النفقۃ علی العیال والمملوک)

''اللہ کی خوشنودی کے لئے تو جو خرچہ بھی کرے گا اس کا تجھے اجر ملے گا حتی کہ جو کچھ تو اپنی بیوی کے منہ میں ڈالے اس پر بھی اجر وثواب ملے گا۔''

عام طور پر بیوی کے منہ کوئی چیز ڈالنا ہنسی اور دل لگی کے طور پر ہوتا ہے۔ فرمایا کہ اس میں بھی اجر وثواب ہے البتہ شرط یہ ہے کہ اس سے اللہ تعالیٰ کی رضا کی نیت ہو۔

کافر اور مسلمان کے خرچ کرنے میں فرق:

آدمی بیوی بچوں پر تو ویسے ہی خرچ کرتا ہے لیکن رضاءِ الٰہی کی نیت نہ ہو تو ثواب نہیں ملے گا اگرچہ بہت اچھا کام ہے لیکن اگر اللہ کی رضا کے لئے کرے گا تو اس پر ثواب بھی مرتب ہوگا۔ ایک کافر اور مسلمان میں فرق یہ ہے کہ کافر یہ سب خرچ کرتا ہے لیکن اپنی خواہش کے تحت کرتا ہے جب کہ مسلمان اللہ کی رضا کے لئے کرتا ہے اور اس کا یہ خرچ عبادت بن جاتا ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ ''جب آدمی اپنے گھر والوں پر ثواب کی نیت سے خرچ کرتا ہے تو وہ اس کے لئے صدقہ ہوتا ہے''۔ اس سے معلوم ہوا کہ اگر ثواب کی نیت نہیں کی تو صدقہ نہیں ہوگا۔ پیسہ خرچ ہو گیا لیکن ثواب نہیں ملا۔

ایک دُعا اور بددُعا:

ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ہر روز جب صبح

ہوتی ہے تو دو فرشتے نازل ہوتے ہیں۔ ان میں سے ایک کہتا ہے:

﴿اَللّٰهُمَّ أَعْطِ مُنْفِقًا خَلَفًا﴾ (کنز العمال، حدیث:۱۶۰۱۶)

''اے اللہ! تو خرچ کرنے والے کو بدل عطا فرما۔''

بدل دنیا کا بھی ہو سکتا ہے اور آخرت کا بھی۔ دنیا کا بدل یہ ہے کہ خرچ کیا، اس کے بدلے اللہ تعالیٰ نے اور مال دے دیا یا کوئی دوسری نعمت عطا فرما دی اور آخرت کا بدل یہ ہے کہ اجر و ثواب ملے، جنت ملے۔

دوسرا فرشتہ کہتا ہے:

﴿اَللّٰهُمَّ أَعْطِ مُمْسِكًا تَلَفًا﴾ (بحوالہ بالا)

''اے اللہ! مال روکنے والے کو تلف (ہلاکت) عطا فرما''

یعنی جو شخص اللہ کے راستے میں خرچ نہیں کرتا۔ واجب حقوق بھی ادا نہیں کرتا مثلاً زکوٰۃ، صدقۃ الفطر ادا نہیں کرتا، قربانی نہیں کرتا یا بیوی بچوں پر جتنا خرچہ کرنا چاہئے تھا، اتنا نہیں کرتا، ماں باپ پر جتنا خرچہ کرنا چاہئے تھا، اس میں کمی کرتا ہے، دوسرے زیرِ کفالت افراد پر خرچ کرنے میں بخل کرتا ہے۔ خلاصہ یہ کہ کنجوسی کرتا ہے تو فرشتہ اس کے لئے بد دُعا کرتا ہے کہ اے اللہ! اس کے مال کو تلف کر دے۔

خرچ کرنے سے مال کم نہیں ہوتا:

چنانچہ خرچ کرنے والوں کو آپ دیکھیں گے کہ ان کے مال میں برکت ہوتی ہے اور بخیلوں کے بارے میں دیکھیں گے کہ ان کے مال میں برکت نہیں ہوتی۔ اسی مضمون کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دوسری حدیث میں اس طرح ارشاد فرمایا:

﴿لَا يَنْقُصُ مَالٌ مِنْ صَدَقَةٍ﴾

(مسند احمد بن حنبل، حدیث:۱۶۷۴/ مسند عبدالرحمٰن بن عوف)

''صدقے کی وجہ سے مال کم نہیں ہوتا۔''

کمی نہ آنے کا مطلب:

بظاہر یہ دیکھنے میں آتا ہے کہ اگر کسی کے پاس ایک ہزار روپے ہوں اور اس میں سے سو روپے اللہ کے راستے میں خرچ کر دیئے تو سو روپے کم ہوئے لیکن حدیث بتلا رہی ہے کہ کمی نہیں آتی۔ تو کمی نہ آنے کا کیا مطلب ہے؟

اس کے دو مطلب ہو سکتے ہیں اور دونوں جمع بھی ہو سکتے ہیں۔

پہلا مطلب:

پہلا مطلب یہ کہ سو روپے خرچ کیے، اللہ تعالیٰ نے کسی اور ذریعے سے اس سے زیادہ رقم دلوا دے گا یا اس سے زیادہ قیمت کی کوئی چیز دلوا دے گا۔

دوسرا مطلب:

دوسرا مطلب یہ ہے کہ اس نو سو روپے سے کام اتنے ہو جائیں گے جو ایک ہزار سے بھی نہ ہوتے۔ میں مثال دیا کرتا ہوں کہ کسی شخص کا بچہ بیمار ہوا۔ نزلہ اور بخار کی تکلیف ہوئی۔ اس نے دس روپے کی دوائی لی تین خوراکیں کھائیں۔ شام کو بچہ صحت یاب ہو گیا۔ یہ تو ہوئی برکت اور بے برکتی یہ ہے کہ کسی کا بچہ بیمار ہوا اسے بھی نزلہ اور بخار تھا لیکن بیماری نے طول کھینچ لیا۔ دوائی مؤثر نہ ہوئی۔ بخار لمبا ہو گیا حتی کہ ٹائیفائیڈ میں تبدیل ہو گیا۔ اور اس کے علاج میں ہزاروں روپے پر پانی پھر گیا۔

اللہ تعالیٰ جب برکت دیتے ہیں تو دس روپے میں دس ہزار کا کام کرا دیتے ہیں اور جب بے برکتی ہوتی ہے تو دس ہزار روپے میں دس روپے کا بھی کام نہیں ہوتا۔ اس لئے یہ سوچ کر بیوی بچوں پر خرچ نہ کرنا کہ اس سے دولت میں کمی ہو جائے گی، درست نہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ اس کے بدلے اور عطا فرمائیں گے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اِن ہدایات پر عمل کرنے کی توفیق نصیب فرمائے۔ (آمین)

وآخر دعوانا ان الحمد للّٰہ رب العالمین٥

حُبِّ فِی اللہ کے فَضائل

موضوع	حبِ فی اللہ کے فضائل
خطاب	حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی مدظلہم
مقام	جامع مسجد، جامعہ دارالعلوم، کراچی
تاریخ	۷ جمادی الثانیہ ۱۴۲۴ھ مطابق ۶ اگست ۲۰۰۳ء
ترتیب وعنوانات	مولانا اعجاز احمد صمدانی (فاضل جامعہ دارالعلوم کراچی)
باہتمام	محمد ناظم اشرف

حبّ فی اللہ کے فضائل

خطبۂ مسنونہ:

نحمدهٗ و نصلّی علٰی رسولہٖ الکریم

امابعد!

فَأَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ. بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ.

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ ۝ (الفتح:۲۹)

وَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ:

سَبْعَةٌ يُظِلُّهُمُ اللّٰهُ تعالٰى فِي ظِلّهٖ يَوْمَ لاظِلَّ إلاّ ظِلُّهٗ، إِمَامٌ عَادِلٌ وَ شَابٌّ نَشَأَ فِيْ عِبَادَةِ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ وَ رَجُلٌ قَلْبُهٗ مُعَلَّقٌ بِالْمَسَاجِدِ وَرَجُلَانِ تَحَابَّا فِي اللّٰهِ إِجْتَمَعَا عَلَيْهِ وَ تَفَرَّقَا عَلَيْهِ وَرَجُلٌ دَعَتْهُ إِمْرَأَةٌ ذَاتَ حُسْنٍ وَجَمَالٍ فَقَالَ اِنِّيْ أَخَافُ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ وَ رَجُلٌ

تَصَدَّقَ بِصَدَقَةٍ فَأَخْفَاهَا حَتّٰى لَا تَعْلَمُ شِمَالُهُ مَا تُنْفِقُ يَمِيْنُهُ وَرَجُلٌ ذَكَرَ اللّٰهَ خَالِياً وَفَاضَتْ عَيْنَاهُ. (متفق علیہ)

اللہ کے لئے محبت کرنا بہت بڑی عبادت ہے:

آج ایک بہت اہم باب کا آغاز ہو رہا ہے۔ جس کا عنوان ہے "بَابُ فَضْلِ حُبِّ اللّٰه" (اللہ تعالیٰ کے لئے کسی سے محبت کرنے کی فضیلت)۔ اللہ کے لئے کسی سے محبت کرنا بہت بڑی عبادت اور عظیم الشان ثواب کا کام ہے۔ قرآن و حدیث میں اس کی بہت تاکید آئی ہے۔

صحابہ کرامؓ ایک دوسرے سے نرمی اور محبت کا سلوک کرنے والے تھے:

اس سلسلے میں ایک آیتِ قرآنی یہ ہے:

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ ○ (الفتح: ۲۹)

"حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ آپ کے ساتھ ہیں وہ کافروں کے مقابلے میں سخت اور آپس میں مہربان ہیں۔"

اس آیت میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی یہ شان بیان کی گئی ہے کہ وہ کفار کے مقابلے میں تو سخت تھے لیکن آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ نرمی، محبت اور ایثار کا سلوک کرنے والے تھے۔

کونسے کفار کے ساتھ سختی کا برتاؤ کیا جائے؟

اتفاق سے آج رات ایک نوجوان کا فون آیا۔ اس نے کہا کہ میں امریکہ

---

[1] یہ باب علامہ نووی رحمہ اللہ کی مشہور کتاب "ریاض الصالحین" کا ہے۔

جارہا ہوں۔ اور میں نے آپ کی فلاں کتاب میں یہ آیت (یعنی اَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ ...... الخ) پڑھی اور اسکے متعلق مضمون بھی پڑھا۔ مجھے آپ سے یہ پوچھنا ہے کہ امریکہ میں مجھے کافروں کے ساتھ کیسا برتاؤ رکھنا چاہیے۔

میں نے اس سے کہا کہ بڑا اچھا کیا کہ آپ نے فون کر کے یہ سوال پوچھ لیا۔ ذرا سمجھ لیجئے کہ قرآن مجید میں صحابہ کرام کے بارے جو یہ بتلایا گیا ہے کہ وہ ''کفار'' کے مقابلے میں سخت ہیں۔ اس سے مراد وہ ''کفار'' ہیں جن سے ہماری جنگ ہو اور ان سے ہمارا صلح کا کوئی معاہدہ نہ ہو۔

اور اس سختی کا مظاہرہ میدانِ جنگ میں ہوتا ہے نہ کہ عام جگہوں میں۔ الحمدللہ، صحابہ کرام میں یہ صفت اعلیٰ درجے میں موجود تھی کہ وہ میدانِ جنگ میں کفار کے مقابلے میں اتنے سخت رہے کہ انہیں سر اٹھانے نہیں دیا، یہاں تک کہ قیصر و کسریٰ کے تخت و تاج کو ختم کر ڈالا۔

لیکن جن کافروں سے ہماری جنگ نہیں ہے، ان پر سختی کرنا جائز نہیں۔ ایسے کافروں کی بہت سی قسمیں ہیں۔ مثلاً وہ کافر جو ہمارے ملک میں رہتے ہیں۔ ہاں اگر قانون کا تقاضا ہے تو پھر مسلمانوں پر بھی سختی ہوگی، کافروں پر بھی ہوگی، لیکن ان پر بے جا سختی کرنا جائز نہیں بلکہ ان کی جان، مال اور آبرو کی حفاظت کرنا اسلامی حکومت کی ذمہ داری ہے۔

اسی طرح ان کو عبادت کی آزادی دینا ہماری ذمہ داری ہے۔ ہمارے لئے جائز نہیں ہے کہ ہم ان کو عبادت کرنے سے منع کریں۔ ان کے عبادت خانوں (مندروں، گرجوں) کو نقصان پہنچانا ہمارے لئے جائز نہیں۔

اسی طرح وہ کافر جو ہمارے ملک میں نہیں، کسی دوسرے ملک میں رہتے ہیں لیکن ویزا لے کر مسلمان ملک میں آئے ہیں، ان کی جان، مال اور آبرو کی حفاظت

ہماری ذمہ داری ہے اور انہیں بلاوجہ نقصان پہنچانا یا ان پر بلاوجہ سختی کرنا جائز نہیں۔

اسی طرح اگر آپ ویزا لے کر کسی کافر ملک میں جاتے ہیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ یہ وعدہ کر کے جا رہے ہیں کہ جب تک آپ کا وہاں قیام رہے گا، آپ وہاں کے قوانین کی پابندی کریں گے۔ لہٰذا اگر آپ کسی کافر ملک میں جائیں تو وہاں کے قانون کی خلاف ورزی کرنا جائز نہ ہوگا بلکہ ان کے ساتھ خوش اخلاقی سے پیش آنا، ان کا انسانی حق بھی ہے اور اسلام کے مکارمِ اخلاق میں بھی داخل ہے۔

والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ایک واقعہ

میرے والد صاحب نے ایک مرتبہ اپنا یہ واقعہ خود سنایا، یہ اس زمانے کا واقعہ ہے جب ہندوستان میں انگریز کی حکومت تھی اور ابھی تک پاکستان نہیں بنا تھا۔ فرمایا کہ ایک مرتبہ میں ریل میں سفر کر رہا تھا۔ رات بھر کا سفر تھا اور رش بھی بہت تھا۔ میرے برابر ایک بوڑھا بنیا آکر بیٹھ گیا۔ بوڑھا بھی تھا، کافر بھی تھا اور کافر بھی ہندو۔ ہندوؤں کی مسلمان دشمنی تو بہت پرانی اور مشہور ہے۔

تھوڑی دیر میں جب گاڑی چل پڑی تو اس کو نیند آگئی تو اس نے اپنا سر میرے کندھے پر ٹیک دیا۔ اب مجھ پر دوہری مشکل پڑ گئی۔ ایک تو خود جاگنے کی اور دوسرے یہ کہ کہیں اسکی نیند خراب نہ ہو جائے۔ چنانچہ میں ساکت اور ساکن بیٹھا رہا۔ بالکل ہلا جلا نہیں۔ نجانے کتنے گھنٹے میں نے اس طرح گذارے۔

دیکھئے! وہ کافر ہی تو تھا لیکن والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی بھی اتنی رعایت فرمائی اس لئے کہ قرآن مجید میں الصاحب بالجنب (عارضی طور پڑوسی بننے والے) کے ساتھ بھی حسنِ سلوک کرنے کا حکم آیا ہے اور اس میں کافر و مسلم کی تخصیص نہیں کی اور یہ نہیں کہا کہ مسلمان ہو تو اس کے ساتھ اچھا معاملہ کرو اور کافر ہو تو نہ

کرو۔

کافر پڑوسی کے ساتھ بھی حسنِ سلوک کیا جائے!

اسی آیت میں یہ حکم بھی آیا ہے کہ

﴿وَالْجَارِ ذِی الْقُرْبٰی وَالْجَارِ الْجُنُبِ﴾

(سورۃ النساء: ۳۶)

''(اور نیک برتاؤ کرو) قریب کے پڑوسی کے ساتھ بھی اور دور کے پڑوسی کے ساتھ بھی۔''

''الجار الجنب'' کی ایک تفسیر یہ بھی کی گئی ہے کہ ''ایسا پڑوسی جو کافر ہو'' لیکن پڑوسی ہونے کی وجہ سے آپ کے حسنِ سلوک کا حق دار ہو۔

اسلام تلوار سے نہیں پھیلا

خلاصہ یہ کہ وہ کفار جن کے ساتھ ہم برسرِ پیکار نہیں اور ان سے ہمارا جنگ بندی کا معاہدہ ہے یا وہ ہمارے ملک میں رہتے ہیں تو ان کے ساتھ حسنِ سلوک کرنا، اسلام کے مکارمِ اخلاق میں سے ہے۔ اسلام اسی طریقے سے ہی پھیلا ہے۔ مسلمانوں نے اپنے اخلاق سے لوگوں کے دل جیتے ہیں۔ ہر جگہ تلوار سے اسلام نہیں پھیلا بلکہ اسلام تلوار سے پھیلا ہی نہیں۔ اسلام تو اپنی حقانیت کے زور اور اہلِ اسلام کے اسلام پر عمل کرنے کی وجہ سے پھیلا ہے۔

مسلمان جہاں کہیں بھی رہے، اپنی زندگی کے تمام شعبوں میں اسلام پر عمل کر کے دکھایا۔ حاکم بنے تو لوگوں کو بتلایا کہ مسلمان حاکم کیسا ہوتا ہے۔ محکوم ہوئے تو لوگوں کو عمل سے بتلایا کہ محکوم کیسے ہوتے ہیں۔ تاجر بنے تو سچی تجارت کر کے بتلایا کہ

مسلمان تاجر کیسا ہوتا ہے۔شوہر ہوئے تو عمل کر کے بتلایا کہ مسلمان شوہر کیسا ہوتا ہے۔ ملازمت و مزدوری کی تو دنیا کو بتلایا کہ مسلمان ملازم اور مزدور کیسا دیانت دار ہوتا ہے۔ نتیجہ یہ کہ ان کو دیکھ دیکھ کر لوگ مشرف بہ اسلام ہوتے چلے گئے۔ لیکن آج ہمیں دیکھ دیکھ کر لوگ اسلام سے متنفر ہو رہے ہیں کیونکہ ہماری عملی زندگی اسلامی تعلیمات کے مطابق نہیں رہی۔

اپنے اخلاق کے ذریعے کفار کو متاثر کیجئے:

ہمارے شہر کے خاکروب زیادہ تر دوسرے مذہب کے لوگ ہیں۔ ہندو ہیں یا عیسائی ہیں۔ آپ ان کے ساتھ خیر خواہی کا معاملہ کریں اور سب سے بڑی خیر خواہی یہ ہے کہ حکمت اور ہمدردی کے ساتھ انہیں حق کی دعوت دیں لیکن باقاعدہ دعوت دینے سے پہلے اخلاق کے ذریعے ان کے دل جیت لیں۔ جب ان کے دلوں میں آپ کی محبت پیدا ہو جائے اور وہ یہ جان لیں کہ آپ عظیم الشان ہیں تو پھر آپ کی بات کا اثر بھی ہوگا اور اس کا مثبت نتیجہ بھی سامنے آئے گا۔ انشاء اللہ۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی باہمی محبت اللہ کے لئے تھی:

تلاوت کردہ آیت میں تو یہ بتلایا گیا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ رحمدلی کا معاملہ کرنے والے اور کافروں کے ساتھ سختی کا معاملہ کرنے والے تھے لیکن علامہ نووی نے یہ آیت اس پس منظر میں ذکر فرمائی ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا یہ معاملہ اللہ تعالیٰ کے لئے تھا۔ ظاہر ہے کہ وہ اپنوں سے اس لئے محبت کرتے تھے کہ وہ اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھنے والے اور دین پر عمل کرنے والے ہیں اور کافروں کے لئے اس لئے سخت تھے کہ وہ اللہ کے دوست نہیں۔

قرآن مجید میں انصار صحابہ رضی اللہ عنہم کی ایک جگہ اس طرح مدح کی گئی ہے:

﴿وَالَّذِينَ تَبَوَّؤُا الدَّارَ وَ الْإِيمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ يُحِبُّونَ مَنْ هَاجَرَ إِلَيْهِمْ﴾ (الحشر)

''اور وہ لوگ جو مہاجرین سے پہلے (ہجرت کے) گھر (یعنی مدینے) میں مقیم اور ایمان میں (مستقل) رہے اور جو لوگ ہجرت کر کے ان کے پاس آتے ہیں، ان سے محبت کرتے ہیں۔''

انصار کی مہاجرین سے محبت ''اللہ'' کے لئے تھی:

مہاجرین کے ساتھ ان کی محبت بھی اللہ کے لئے تھی تا کہ اللہ تعالیٰ راضی ہو جائے۔ انصار کا مہاجرین سے دنیا کا کیا مفاد وابستہ تھا؟ دنیا کا مفاد تو کیا وابستہ ہوتا، انہیں تو مہاجرین کے لئے بڑی قربانیاں دینی پڑیں۔ انصار نے مہاجر بھائیوں کے لئے ایسی بے مثال قربانیاں پیش کیں کہ اس کی نظیر نہیں ملتی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مہاجرین و انصار کے درمیان مواخات یعنی برادرانہ تعلق قائم فرما کر انہیں ایک دوسرے کا بھائی بنا دیا تھا۔ ایک انصاری کے لئے ایک مہاجر کو اس کا بھائی بنایا۔

انصاری نے اپنے مہاجر بھائی کو یہ پیش کش کی کہ دیکھو میرے پاس زمین ہے، آدھی تمہاری، آدھی میری۔ میرا مکان ہے آدھا تمہارا آدھا میرا، میرا باغ آدھا تمہارا آدھا میرا، میرے پاس اتنا مال ہے آدھا تمہارا آدھا میرا۔ حتی کہ اگر کوئی مہاجر غیر شادی شدہ تھا اور اس کے انصاری بھائی کی ایک سے زیادہ بیویاں تھیں تو اس نے اپنے مہاجر بھائی سے یہ پیشکش کی کہ میں اپنی ایک بیوی کو طلاق دے دیتا ہوں تم اس

سے شادی کرلو۔

''حبّ فی اللہ'' سے ایمان مکمل ہوتا ہے:

انصار نے اتنا مال قربان کیا اور اس قدر قربانیاں دیں، یہ سب اللہ کے لئے محبت کی وجہ سے تھا۔ اور اللہ کے لئے ایک دوسرے سے محبت کرنا اللہ تعالیٰ کو بہت زیادہ پسند ہے۔ چنانچہ ایک حدیث میں ہے:

﴿مَنْ أَحَبَّ لِلّٰهِ وَ أَبْغَضَ لِلّٰهِ فَقَدِ اسْتَكْمَلَ الْإِيْمَانَ﴾

(مشکوۃ، کتاب الایمان)

''جس نے اللہ کے لئے محبت کی اور اللہ کے لئے دشمنی کی تو اس نے اپنا ایمان مکمل کرلیا۔''

معلوم ہوا کہ ''حب فی اللہ'' ایسی صفت ہے کہ جس کی وجہ سے انسان کا ایمان مکمل ہوتا ہے۔

سات آدمیوں کے لئے عرش کا سایہ:

اللہ کے لئے محبت کرنے کی ایک عظیم فضیلت حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں۔ یہ ایک طویل حدیث ہے جس کے الفاظ یہ ہیں:

سَبْعَةٌ يُظِلُّهُمُ اللّٰهُ تعالٰى فِي ظِلّهِ يَوْمَ لَاظِلَّ إِلاَّ ظِلُّهُ،
إِمَامٌ عَادِلٌ وَ شَابٌّ نَشَا فِيْ عِبَادَةِ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ وَ
رَجُلٌ قَلْبُهُ مُعَلَّقٌ بِالْمَسَاجِدِ وَرَجُلَانِ تَحَابَّا فِي اللّٰهِ
إِجْتَمَعَا عَلَيْهِ وَ تَفَرَّقَا عَلَيْهِ وَرَجُلٌ دَعَتْهُ إِمْرَأَةٌ ذَاتُ

حُسْنٍ وَجَمَالٍ فَقَالَ اِنِّیْ أَخَافُ اللّٰہ عَزَّوَجل وَ رَجُلٌ تَصَدَّقَ بِصَدَقَۃٍ فَأَخْفَا ھَا حَتّٰی لاَ تَعْلَمُ شِمَالُہٗ مَا تُنْفِقُ یَمِیْنُہٗ وَرَجُلٌ ذَکَرَ اللّٰہَ خَالِیاً وَفَاضَتْ عَیْنَاہُ. (متفق علیہ)

''سات آدمی ایسے ہیں کہ اللہ تعالیٰ انہیں اپنے سائے کے نیچے ایسے روز جگہ عطا فرمائے گا جس روز اس کے سائے کے علاوہ کوئی اور سایہ نہ ہوگا ایک امامِ عادل، دوسرا وہ جوان جو جوانی میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا ہو، تیسرا وہ شخص جس کا دل مسجد میں اٹکا ہوا ہو، چوتھے وہ دو شخص جو اللہ کے لئے ایک دوسرے سے محبت کرتے ہوں کہ اسی پر ان کا اجتماع ہو اور اسی پر جدائی، پانچواں وہ شخص جسے حسب نسب والی خوبصورت عورت (برائی کی طرف) بلائے اور وہ کہے کہ میں اللہ رب العزت سے ڈرتا ہوں، چھٹا وہ شخص جو اس طرح صدقہ کرے کہ اس کے بائیں ہاتھ کو بھی معلوم نہ ہو کہ اس کے دائیں ہاتھ نے کیا خرچ کیا اور ساتواں وہ شخص جو اللہ رب العزت کو تنہائی میں یاد کرے اور اس کے آنسو بہہ پڑیں۔''

یہ حدیث صحیح بخاری اور صحیح مسلم دونوں میں آئی ہے اور جو حدیث صحیح بخاری اور صحیح مسلم دونوں میں آئی ہو، وہ انتہائی درجے کی قوی حدیث ہوتی ہے۔

اس حدیث میں ان سات افراد کی یہ فضیلت بیان کی گئی کہ قیامت کے روز میدانِ حساب میں جب اللہ تعالیٰ کے سائے کے علاوہ کوئی اور سایہ نہ ہوگا، ان لوگوں کو اللہ تعالیٰ اس دن اپنے سائے میں رکھے گا۔ کسی اور چیز کا سایہ نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ وہاں نہ کوئی عمارت ہوگی اور نہ کوئی درخت ہوگا بلکہ کھلا چٹیل میدان ہوگا۔

میدانِ حشر کا حال:

اس میدانِ حساب کا حال احادیث میں یہ لکھا ہے کہ خوف اور دہشت کی وجہ سے پورے مجمع پر سناٹا چھایا ہوا ہوگا حالانکہ اربوں کھربوں انسان ہوں گے۔ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر قیامت تک جتنے انسان اِس دنیا میں آئے یا آئیں گے، وہ سارے کے سارے انسان (مسلمان اور کافر) اس میدان میں جمع ہوں گے۔ اتنے بڑے میدان میں شور شرابا کے بجائے ایسا زبردست سناٹا ہوگا کہ اگر کوئی کھڑا ہو کر آواز دے تو سب تک اس کی آواز پہنچ جائے اور کوئی عمارت اور درخت نہ ہونے کی وجہ سے کسی کو دوسرے سے رکاوٹ نہ ہوگی لہٰذا ایک شخص اگر تمام لوگوں کو دیکھنا چاہے تو دیکھ سکے گا۔

احادیث میں آتا ہے کہ اس روز اللہ تعالیٰ ایسے غضب ناک ہوں گے کہ اس سے پہلے کبھی ایسے غضب ناک نہیں ہوئے اور نہ کبھی اس کے بعد ایسے غضب ناک ہوں گے۔ آفتاب ایسا محسوس ہوگا گویا کہ بالکل سر کے پاس آ گیا ہے، لوگوں کا ہجوم اتنا زبردست ہوگا کہ ایک دوسرے کے اندر گھسے جا رہے ہوں گے۔ اور پسینے کا حال یہ ہوگا کہ کسی کا پسینہ ٹخنوں تک ہوگا، کسی کا گھٹنوں تک، کسی کا رانوں تک، کسی کا ناف تک، کسی کا سینے تک، کسی کا گلے تک اور کسی کا منہ تک آ گیا ہوگا۔ سب ننگے ہوں گے، بدن پر کوئی کپڑا نہ ہوگا۔ کسی کو کسی کی طرف دیکھنے کا ہوش نہ ہوگا۔

ایسے ہولناک دن میں اللہ تعالیٰ سات قسم کے آدمیوں کو اپنے سائے میں جگہ عطا فرمائے گا۔ اپنے سائے سے مراد یہ ہے کہ ایسا سایہ جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان لوگوں کے لئے پیدا کیا گیا ہوگا۔ وہ عرشِ رحمٰن کا سایہ ہوگا۔

پہلا شخص

ان سات آدمیوں میں سب سے پہلا شخص ہے ”امامٌ عادلٌ“ یعنی انصاف کرنے والا بادشاہ۔ جس بادشاہ نے انصاف کے ساتھ حکومت کی، اسے قیامت والے دن یہ عظیم فضیلت حاصل ہوگی کہ اللہ رب العزت کے عرش کا سایہ اسے نصیب ہوگا۔

الحمد للہ اسلام کی تاریخ میں اس کی بے شمار مثالیں ہیں۔ خلفاءِ راشدین بھی اور اس کے بعد کے بہت سے حکام اور خلفاء بھی تاریخ میں عدل و انصاف کے عظیم عظیم نمونے چھوڑ کر گئے ہیں۔

بادشاہ کو یہ عظیم فضیلت ملنے کی وجہ بظاہر یہ ہے کہ بادشاہ کے انصاف کا فائدہ بھی پوری رعیت کو ملتا ہے اور خدانخواستہ اگر وہ ظلم کرے تو اس کا نقصان بھی پوری قوم کو ہوتا ہے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ اگر بادشاہ کے نیچے کا آدمی انصاف نہیں کرے گا تو اسے یہ ڈر ہوگا کہ مجھ کو پکڑ لیا جائے گا لیکن بادشاہ کو دنیا میں پکڑنے والا کون ہے۔ لہٰذا اگر بادشاہ اپنے آپ کو ظلم سے بچاتا ہے تو وہ خالص اللہ کے لئے کرتا ہے۔

دوسرا شخص

دوسری قسم کا شخص وہ ہے جو نوجوان ہے اور اس کی نوجوانی کا زمانہ اللہ تعالیٰ کی عبادت میں گزرا ہے۔

نوجوانی کا زمانہ ایسا ہوتا ہے جس میں آدمی کو کھیل و تماشہ اور تفریح وغیرہ کا شوق ہوتا ہے لیکن وہ اپنے وقت کو ضائع نہیں کرتا بلکہ اللہ تعالیٰ کی عبادت میں گذارتا

ہے تو اس کو یہ فضیلت حاصل ہوگی۔

اپنا وقت عبادات میں گذارنے کا یہ مطلب نہیں کہ کوئی اور کام ہی نہیں کرتا ہر وقت عبادت ہی میں لگا رہتا بلکہ مراد یہ ہے کہ اپنی زندگی سنت کے مطابق گذارتا ہے۔ اس میں کھانا پینا، آرام و جائز تفریح وغیرہ سب آجاتے ہیں۔

نوجوان کے لئے یہ فضیلت اس لئے ہے کہ بڑھاپے میں آدمی کے اندر گناہ کرنے کی طاقت کم ہو جاتی ہے۔ اگر وہ کسی کے ہاں چوری کرنا چاہے تو نہیں کرسکتا، ڈاکہ ڈالنا چاہے تو اس کی ہمت نہیں۔ کسی کو قتل یا اغواء کرنا چاہے تو اس کی طاقت نہیں۔ اس لئے اگر آدمی بڑھاپے میں گناہوں سے بچے اور توبہ کرے تو یہ تو اس کی عمر کا تقاضا ہے۔ اس عمر میں یہ کام نہیں کرے گا تو اور کیا کرے گا۔

اللہ رب العزت کا بڑا فضل و کرم ہے کہ پھر بھی ثواب عطا فرماتے ہیں بلکہ بہت عظیم الشان ثواب ہے لیکن جو ثواب جوانی کی عبادت کا ہے۔ وہ کچھ اور ہی ہے کیونکہ نوجوان کے پاس ہر قسم کے گناہ کرنے کی طاقت ہوتی ہے اور بہت سارے گناہوں کا جذبہ بھی اس کے جسم میں شدید ہوتا ہے۔ اس کے باوجود وہ ان جذبات کو دبا کر اگر اللہ تعالیٰ کی عبادت کے جذبات کو ابھارتا اور ان سے کام لیتا ہے تو بہت بڑا مجاہدہ ہے اور اللہ کے راستے میں جو شخص جتنا بڑا مجاہدہ کرتا ہے، اس کا ثواب اتنا ہی زیادہ ہوتا ہے۔

تیسرا شخص:

تیسری قسم کا شخص وہ ہے جس کا دل مسجد میں اٹکا رہتا ہے، اس کے لئے بھی یہ فضیلت ہے کہ اسے قیامت کے روز اللہ تعالیٰ اپنے خاص سائے میں جگہ عطا فرمائیں گے۔

''مسجد میں دِل اٹکا رہنے'' کا مطلب یہ ہے کہ جب وہ مسجد سے باہر آتا ہے تو اسے یہ دھیان لگا رہتا ہے کہ نماز میں کتنی دیر باقی ہے۔ وہ اپنے سارے کاموں کو مسجد کے تابع کر دیتا ہے اور ان کی ترتیب اس طرح بناتا ہے کہ صحیح وقت پر مسجد میں پہنچ جائے۔

جیسا عمل ویسی جزا۔ دنیا میں رہتے ہوئے بھی اس کا دل دنیا کی آلائشوں سے ہٹا ہوا تھا، دنیا کی ناجائز چیزوں کی محبت سے اس کا دل دور تھا، اس کی محبت اللہ تعالیٰ کے گھر سے تھی، اسی کے مطابق یہ بدلہ ملے گا کہ اللہ اسے اپنا سایہ عطا فرمائیں گے۔

چوتھا شخص:

چوتھی قسم کے وہ دو شخص ہیں جو آپس میں اللہ کے لئے محبت کریں، جمع بھی اللہ ہی کے لئے ہوں اور الگ بھی اللہ کے لئے۔ ان کی محبت اور دوستی صرف اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہو۔

ہمارے والد ماجد رحمتہ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ علماء اور بزرگوں سے جو لوگ محبت کرتے ہیں، ان کی محبت بھی اللہ کے لئے ہوتی ہے۔ آدمی کسی مالدار سے محبت کرے تو اس کے بارے یہ احتمال ہے کہ دل کے کسی گوشے میں یہ حرص اور طمع رکھتا ہو کہ مجھے اس سے کوئی مالی فائدہ پہنچ جائے گا۔ کسی حاکم اور افسر سے محبت کرے تو اس میں بھی یہ امکان ہے کہ اس سے کسی دنیاوی فائدے کے لالچ کے لئے محبت کر رہا ہو لیکن اگر کوئی شخص کسی عالمِ دین یا کسی اللہ والے بزرگ سے محبت کر رہا ہے تو محض اس لئے کر رہا ہے کہ وہ اللہ کے دین کا علم رکھنے والا ہے یا اللہ کے دین کو لوگوں میں پھیلانے والا ہے یا اللہ کے دین پر عمل کرنے والا ہے، تو ظاہر ہے کہ یہ محبت اللہ

ہی کے لئے ہے۔

لہٰذا مرید کی محبت اپنے شیخ سے اور علمِ دین حاصل کرنے والے طالب علم کی محبت اپنے استاذ سے یہ بھی "حُبّ فِی اللّٰہِ" میں داخل ہے۔

اس بات سے متعلق یہی چیز تھی جس کی وجہ سے علامہ نووی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو یہاں ذکر فرمایا۔

پانچواں شخص:

پانچواں شخص وہ ہے کہ جسے کسی حسن و جمال والی عورت نے گناہ کی دعوت دی مگر وہ اس کے جواب میں کہتا ہے: "اِنّی أخاف اللّٰہ" (مجھے اللہ کا خوف ہے) اور وہ اس گناہ سے باز رہتا ہے۔

یہ بات بہت یاد رکھنے کی ہے۔ یہ بہت بڑی آزمائش اور امتحان ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام سے بھی ایسا ہی امتحان لیا گیا تھا۔ زلیخا نے دعوتِ گناہ دی تھی لیکن یوسف علیہ السلام بھاگ کھڑے ہوئے تھے۔ تو ایسے گناہ سے بھاگنا شیوۂ پیغمبری بھی ہے۔

چھٹا شخص:

چھٹا شخص وہ ہے کہ جس نے اتنے خفیہ انداز میں صدقہ کیا کہ اس کے بائیں ہاتھ کو بھی پتہ نہیں چلا کہ دائیں ہاتھ نے کیا دیا ہے۔

ظاہر ہے کہ ہاتھ کو تو کبھی بھی پتہ نہیں چلتا یہاں محاورے کے طور پر ارشاد فرمایا گیا۔ عربی میں یہ محاورہ ہے کہ جب یہ بتانا مقصود ہوتا ہے کہ کسی شخص نے بالکل خفیہ طور پر صدقہ دیا تو یوں کہا جاتا ہے کہ دائیں ہاتھ نے جو کچھ دیا، بائیں کو بھی پتہ

نہیں چلا۔ مطلب یہ کہ مکمل طور پر خفیہ کیا اور اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو خبر نہیں ہوئی۔

ساتواں شخص:

ساتویں قسم ان لوگوں کی ہے کہ جنہوں نے اللہ کو تنہائی میں یاد کیا اور پھر آنکھوں سے آنسو بہہ پڑے۔ اللہ کی محبت میں یا اپنے گناہوں پر ندامت کی وجہ سے اللہ کے خوف میں۔ اس کے ساتھ یہ معاملہ ہوا اور وہ تھا بھی تنہائی کی حالت میں تو اس میں ریا کا کوئی احتمال نہیں۔ اس لئے اس پر اتنی بڑی فضیلت کی خوشخبری سنائی کہ اسے بھی ان سات قسم کے آدمیوں میں شمار کیا گیا جنہیں اللہ تعالیٰ قیامت کے روز اپنا خاص سایہ نصیب فرمائیں گے۔

یہ سات قسم کے افراد وہ ہیں جن کے بارے میں اس حدیث کے اندر عظیم فضیلت بیان کی گئی۔

ایک اشکال اور اس کا جواب:

یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ محبت تو غیر اختیاری چیز ہے، دل انسان کے اختیار میں نہیں ہوتا تو اللہ کے لئے دوسرے سے محبت کیسے پیدا ہو۔

جواب یہ ہے کہ اس کی کوشش کی جائے اور کوشش کا طریقہ یہ ہے کہ اللہ کی محبت بڑھائیں۔ اللہ کی محبت سے اللہ والوں کی محبت پیدا ہوگی۔ کیونکہ محبوب کا محبوب، محبوب ہوا کرتا ہے۔

اور اللہ تعالیٰ سے محبت بڑھانے کا طریقہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا تصور کریں، ان کی صفاتِ کمال کا دھیان کریں اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اللہ سے محبت کرنے والوں کے ساتھ رہیں۔ اللہ والوں کے ساتھ رہنے سے اللہ کی محبت

بڑھے گی اور جب اللہ کی محبت بڑھے گی تو ایسے تمام لوگوں کی محبت پیدا ہوتی چلی جائے گی جو اللہ سے محبت کرنے والے ہیں۔

آپس میں محبت بڑھانے کا ایک اور طریقہ:

آپس میں محبت بڑھانے کا ایک اور طریقہ ''ایک دوسرے کو سلام کرنا'' ہے۔ اس کا ثبوت حدیث سے ملتا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کرتے ہیں:

﴿وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ لَا تَدْخُلُ الْجَنَّةَ حتّٰی تُؤْمِنُوْا وَلَا تُؤْمِنُوْا حَتّٰی تَحَابُّوْا. أَوَلاَ أَدُلُّکُمْ عَلٰی شَیْءٍ إِذَا فَعَلْتُمُوْہُ تَحَابَبْتُمْ. أَفْشُوا السَّلاَمَ بَیْنَکُمْ﴾

(مسلم بحوالہ ریاض الصالحین: ۱۷۷)

''اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری ذات ہے تم اس وقت تک جنت میں داخل نہیں ہو سکتے جب تک کہ ایمان نہ لاؤ اور تم اس وقت تک ایمان والے نہیں ہو سکتے جب تک ایک دوسرے سے محبت نہ کرو۔ کیا میں ایسا عمل نہ بتلاؤں کہ جب وہ کر لو تو تم آپس میں ایک دوسرے سے محبت کرنے لگو۔ آپس میں سلام کو پھیلاؤ۔''

''السلام علیکم'' کہنا اسلام کے شعائر میں سے ہے۔ مسلمانوں کی علامت ہے۔ قرآن و حدیث میں بھی ایک دوسرے کو سلام کرنے کی بڑی تاکید آئی ہے۔ اور یہ باہمی محبت کا ذریعہ ہے۔

سلام کے بارے میں غلط فہمیاں:

آج کل عجیب قصہ ہو گیا ہے۔ بعض لوگ مصافحہ کا تو بہت اہتمام کرتے ہیں، لیکن سلام نہیں کرتے۔ جب کوئی بزرگ آجائے تو ایک دوسرے کو کہنیاں مار کر اور دھکے دے کر آگے پہنچتے ہیں اور جا کر صرف مصافحہ کرتے ہیں، سلام نہیں کرتے۔ حالانکہ احادیث میں مصافحہ کی تاکید نہیں آئی اگرچہ مصافحہ کرنا مستحب ہے لیکن سلام کرنے کی بہت زیادہ تاکید ہے۔ سلام میں ابتداء کرنا سنتِ مؤکدہ ہے اور اس کا جواب دینا واجب ہے۔

بعض لوگوں میں یہ عادت ہوتی ہے کہ سلام اور مصافحہ کو لازم سمجھتے ہیں۔ اِدھر سلام اُدھر مصافحہ۔ جب بھی ملیں گے مصافحہ ضرور کریں گے اور خیر خیریت بھی لمبی پوچھتے ہیں۔

بعض لوگ سلام کر کے انگوٹھا بھی پکڑتے ہیں۔ انگوٹھا پکڑنے کی وجہ یہ ہے کہ جاہلوں میں یہ بات مشہور ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام کے انگوٹھے میں ہڈی نہیں ہے۔ تو وہ چیک کرتے ہیں کہ کہیں یہ ملنے والا آدمی خضر تو نہیں ہے۔

یہ ساری جہالت کی باتیں ہیں۔ دینی معلومات نہ ہونے کی وجہ سے الٹی سیدھی باتوں کو حصہ بنا لیا گیا۔

ایمان کے بعد سب سے اچھا عمل:

ایک اور حدیث میں مذکور ہے کہ ایمان لانے کے بعد سب سے اچھا عمل کونسا ہے؟ آپ نے جواب میں فرمایا:

﴿إِطْعَامُ الطَّعَامِ وَ إِفْشَاءُ السَّلَامِ﴾

''لوگوں کو کھانا کھلانا اور سلام پھیلانا۔''

''افشاء السلام'' کا حاصل یہ ہے کہ جو بھی ملے اسے سلام کرو۔ خواہ آپ اُسے جانتے ہوں یا نہ جانتے ہوں۔ ہر حال میں سلام کریں۔ اپنے اندر سلام کرنے کی عادت ڈالیں۔

سلام کرنے سے محبت بڑھتی ہے:

جب آپ سلام کرنے کی عادت ڈالیں گے تو اس سے آپس میں محبتیں بڑھیں گی۔ آپ اس کا تجربہ کر کے دیکھ لیں۔ مثلاً آپ کسی بس میں سوار ہوں۔ آپ ان کے لئے اور وہ آپ کے لئے اجنبی ہیں لیکن سیٹ پر بیٹھتے ہی اگر آپ نے سلام کرلیا تو فوراً دلوں میں ایک اُنس پیدا ہو جائے گا۔

غیر مسلم ممالک میں سلام کا ایک خاص فائدہ:

غیر مسلم ممالک میں تو اس کی بہت قدر و قیمت محسوس ہوتی ہے۔ وہاں ہمارے بہت سے مسلمان بھائی ایسے رہتے ہیں کہ ان کے لباس اور شکل وصورت سے پتہ نہیں چلتا کہ وہ مسلمان ہیں یا نہیں؟ لیکن وہ ہمیں دیکھ کر پہچان لیتے ہیں۔ یورپ و امریکہ وغیرہ کے سفر میں یہ بات اکثر پیش آتی ہے کہ وہ لوگ ہمیں دیکھ کر سلام کرتے ہیں۔ اس سے اتنی خوشی ہوتی ہے کہ اس کو بیان نہیں کیا جا سکتا۔ سلام کرتے ہی بس دوستی سی ہو جاتی ہے۔ ایک دوسرے کے حال و احوال معلوم کئے جاتے ہیں۔ اور پھر ایک دوسرے کے ساتھ تعاون شروع ہو جاتا ہے۔ یہ بارہا کے تجربہ کی بات ہے۔

سلام کی ایک خاص تاثیر:

سلام کی ایک خاص تاثیر یہ ہے کہ اس کی عادت سے دل میں تکبر پیدا نہیں ہوتا اور اگر پہلے سے ہو تو اُسے دور کرتا ہے۔ظاہر ہے کہ جس کے دل میں تکبر نہیں ہوگا، دوسروں کو اپنے سے اچھا جانے گا اور پھر ان سے محبت کرنے لگے گا۔

غرضیکہ یہ سب طریقے وہ ہیں جن سے باہمی محبت والفت پیدا ہوتی ہے۔

اللہ رب العزت ہمیں اللہ کے لئے ایک دوسرے سے محبت کرنے والا بنائے اور اس کے پیدا کرنے کے طریقوں کو اختیار کرنے کی توفیق نصیب فرمائے۔ (آمین)

وآخر دعوانا أنِ الحمد للّٰہ رب العالمین ○

اِسلام میں پُورے پُورے داخِل ہوجاؤ

موضوع	اسلام میں پورے پورے داخل ہو جاؤ
خطاب	حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی مدظلہم
مقام	جامع مسجد، جامعہ دارالعلوم کراچی
تاریخ	۱۵جولائی ۱۴۲۴ھ
ترتیب وعنوانات	مولانا اعجاز احمد صمدانی (فاضل جامعہ دارالعلوم کراچی)
باہتمام	محمد ناظم اشرف

﴿اسلام میں پورے پورے داخل ہو جاؤ﴾

خطبۂ مسنونہ:

الحمد للّٰه نحمدهٗ و نستعينهٗ و نستغفرهٗ و نؤمِنُ بهٖ ونتوكل عليه. ونعوذ باللّٰهِ مِن شرورِ أنفسنا ومِن سيئاتِ أعمالنا ٥ مَن يهدِهِ اللّٰه فلا مُضِلَّ لهٗ وَمَنُ يُضلِلهُ فلا هَادِيَ لهٗ ونشهد أن لآ اِلٰه اِلَّا اللّٰه وحدهٗ لاشريك لهٗ و نشهد أنّ سيدنا و سَنَدنا و مولانَا محمداً عبدهٗ ورسولهٗ صلى اللّٰه تعالٰى عليه وعلٰى آلهٖ و صحبهٖ أجمعين. وسلّم تسليماً كثيراً كثيراً.

امابعد!

فَأَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ. بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ. يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِي السِّلْمِ كَآفَّةً وَلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ إِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ٥

تمہید:

بزرگانِ محترم اور برادرانِ عزیز!

پچھلے کئی جمعے سفر میں گذر گئے۔ آج کا جمعہ پڑھانے کا موقع مل رہا ہے۔ اس کے بعد پھر تقریباً ایک مہینے تک سفر درپیش ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنی رضا کے لئے سارے کام کرنے کی توفیق نصیب فرمائے اور تمام مقاصدِ حسنہ میں کامیابی عطا فرمائے۔ (آمین)

اسلام میں پورے پورے داخل ہو جاؤ:

آج سورۃ البقرۃ کی جو آیت میں نے تلاوت کی ہے۔ اس میں اللہ رب العالمین نے بہت اہم مضمون ارشاد فرمایا ہے۔ ارشاد باری ہے:۔

﴿یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِی السِّلْمِ کَآفَّةً﴾

(البقرۃ:۲۰۸)

''اے ایمان والو! اسلام میں پورے کے پورے داخل ہو جاؤ۔''

اس آیت مبارکہ میں ایمان والوں کو یہ حکم دیا جارہا ہے کہ اسلام میں پورے کے پورے داخل ہو جاؤ۔ کافروں سے یہ خطاب نہیں بلکہ مسلمانوں سے ہے۔ گویا ایمان والوں سے یہ کہا جارہا ہے کہ ٹھیک ہے کہ تم اللہ کی توحید اور اس کی صفات پر ایمان لائے، اس کی کتابوں، اس کے فرشتوں، یوم آخرت اور اچھی بری تقدیر پر ایمان لے آئے لیکن صرف اتنا کافی نہیں۔

اسلام لانا بہت بڑی دولت ہے مگر..........:

یہ بجا ہے کہ ایمان بہت بڑی دولت ہے۔ بہت بڑا سرمایہ حیات ہے اور

سارے اعمال خیر اسی پر مبنی ہوتے ہیں۔ ایمان کے بغیر کوئی شخص نماز پڑھے، روزہ رکھے، زکوٰۃ دے، حج کرے یا کوئی بھی نیک عمل کرے، اللہ کے ہاں قبول نہیں۔

ایمان اگرچہ بہت بڑی دولت ہے بلکہ اس کے برابر کوئی دولت ہی نہیں۔ اس لئے کہ یہ ایمان ایسی دولت ہے کہ اگر کوئی شخص اپنے ایمان کی دولت کو بچا بچا کر قبر تک پہنچا دے تو اُسے بہت بڑی کامیابی حاصل ہوگی۔ وہ یہ کہ اس کا حشر اور اس کی سزا کافروں جیسی نہیں ہوگی۔ اللہ پناہ میں رکھے، کافروں کی سزا تو یہ ہوگی کہ وہ ہمیشہ ہمیشہ جہنم میں رہیں۔ اس سے کبھی نکلیں گے ہی نہیں اور اس میں کبھی موت بھی نہیں آئے گی۔ عذاب ہی عذاب ہوگا اور عذاب بھی جہنم کا جو انتہائی دردناک ہوگا۔

مومن اگرچہ کتنا ہی بدعمل اور گنہگار ہو، وہ اگر جہنم میں چلا بھی گیا تو بھی وہاں سے نکال لیا جائے گا اور بالآخر جنت میں داخل کردیا جائے گا۔ مومن کا اصل ٹھکانہ جنت ہے اور کافر کا اصلی ٹھکانہ جہنم ہے۔ تو ایمان کی وجہ سے ہمیشہ ہمیشہ کی جہنم سے بچ جانا کوئی معمولی کامیابی نہیں ہے۔

عذاب آخرت کی ایک جھلک:

ایمان کی وجہ سے ہمیشہ کے عذاب سے بچ گیا، عارضی عذاب رہ گیا لیکن وہ عارضی عذاب بھی اتنا خوفناک ہے کہ دنیا میں ہم اس کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔ کچھ اندازہ اس بات سے ہوتا ہے کہ ایک حدیث میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد مروی ہے کہ آخرت کے میدان میں اعلان ہوگا کہ ایسے آدمی کو لایا جائے جس نے دنیا میں سب سے زیادہ آرام، راحت اور خوشیوں کی زندگی گذاری ہو۔ اندازہ کیجئے۔ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر قیامت تک کے آنے والے کھربوں انسان میں جس شخص نے سب سے زیادہ راحت وآرام والی زندگی گذاری ہو، وہ کیسی

لذتوں راحت اور آرام والا انسان ہوگا۔ اس کو لایا جائے گا۔ فرشتوں کو حکم ہوگا کہ اسے جہنم کی فضا میں داخل کر کے نکال لاؤ، وہاں چھوڑنا نہیں ہے، صرف ڈوبا دیکر نکال لانا ہے۔

جب اُسے جہنم کی فضا میں ڈال کر واپس لایا جائے گا تو اس سے پوچھا جائے گا کہ بتاؤ! دنیا میں زندگی کیسی گذاری؟ وہ جواب دیگا کہ یا اللہ! میں جس عذاب سے نکل کر آیا ہوں۔ جس خوفناک منظر کو میں نے دیکھا اور محسوس کیا ہے۔ اس کے بعد مجھے تو یہ معلوم ہی نہیں ہو رہا کہ راحت و آرام کس کو کہتے ہیں۔ لذت وخوشی کس چیز کا نام ہے۔ میرے رگ وپے میں عذاب ایسا سرایت کر گیا ہے کہ اب میں خوشیوں کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔

چند سیکنڈ جہنم میں رہنے والے شخص کا یہ بیان ہے اور اگر کسی کو جہنم میں سال دو سال یا کئی سال تک جہنم میں رکھا جائے تو اس کا کیا حال ہوگا؟ اس عارضی عذاب سے بچنے کے لئے صرف ایمان لانا کافی نہیں بلکہ عمل کرنا بھی ضروری ہے۔ عمل کے بغیر پوری نجات حاصل نہیں ہوسکتی۔ چنانچہ قرآن مجید میں جگہ جگہ اس بات کو بیان کیا گیا۔ ایک جگہ ارشاد ہے:

﴿وَالْعَصْرِ ۝ إِنَّ الْإِنسَانَ لَفِي خُسْرٍ ۝ إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ۝﴾ (سورۃ العصر)

”زمانے کی قسم! بلاشبہ انسان نقصان میں ہے، مگر وہ لوگ جو ایمان لائے ، نیک عمل کرتے رہے اور آپس میں حق بات کی تلقین اور صبر کی تاکید کرتے رہے۔“

یہاں آمنوا کے ساتھ ”وعملوا الصالحات“ کو ذکر کیا گیا اور یہ بتایا

گیا کہ اخروی خسارے سے بچنے کے لئے صرف ایمان لانا کافی نہیں بلکہ نیک اعمال کرنا انتہائی ضروری ہیں۔ اور ''نیک اعمال'' کا حاصل یہ ہے کہ اللہ رب العزت نے جن کاموں کے کرنے کا حکم دیا ہے، انہیں بجالائے اور جن چیزوں سے روکا ہے، ان سے رک جائے۔ اور اگر خدا نخواستہ کوئی گناہ ہوجائے تو تہہ دل سے توبہ واستغفار کرے۔

سارے اعضاء کو اسلام میں داخل کرو:

اب آیئے! اس آیت کے مضمون کی طرف جو میں نے خطبے میں پڑھی۔ اللہ تعالیٰ فرمارہے ہیں کہ'' اے ایمان والو! اسلام میں پورے کے پورے داخل ہوجاؤ۔'' یعنی تم نے دل سے یقین اور زبان سے اقرار کرکے ایمان تو قبول کرلیا۔ اب اپنے سارے اعضاء کو اسلام میں داخل کرو۔ اپنے دل کو اسلام میں داخل کرو یعنی وہ جذبات اور خیالات نہ لاؤ جو اسلام کے خلاف ہیں۔ زبان کو بھی اسلام میں داخل کرو کہ زبان کے جتنے اعمال ہیں۔ ان سب کو اسلام کے تابع کرو۔ آنکھوں کو بھی اسلام میں داخل کرو۔ آنکھوں سے ایسا کام نہ کرو جس سے اسلام نے منع کیا ہے۔ اپنے دماغ کو بھی اسلام مں داخل کرو، اپنے پیٹ کو بھی، اپنے ہاتھوں کو بھی، اپنے پاؤں کو، غرض سر سے لے کر پاؤں کے ناخن تک پورے کے پورے اسلام میں داخل ہوجاؤ۔ ایسا نہ ہو کہ دل میں تو ایمان ہو لیکن عملی زندگی میں اسلام نہ آیا ہو۔ مثلاً نماز نہیں پڑھتے یا نماز پڑھتے ہیں۔ زکوٰۃ نہیں دیتے یا زکوٰۃ دیتے ہیں۔ روزہ نہیں رکھتے یا روزہ رکھتے ہیں، حج فرض ہونے کے باوجود ادا نہیں کیا یا یہ سب کچھ کرلیا لیکن دوسروں کی غیبت بھی کرتے ہیں، دھوکہ بازی بھی کرتے ہیں، حرام بھی کھاتے ہیں، کام چوری بھی کرتے ہیں، سود بھی لیتے دیتے ہیں، رشوت لیتے بھی ہیں دیتے بھی

ہیں، اگر یہ باتیں ہیں تو اسلام میں پورے داخل نہ ہوئے۔

گویا دل تو اسلام میں داخل ہوگیا لیکن پیٹ اسلام میں داخل نہ ہوا کہ اس میں حرام جارہا ہے، منہ اسلام میں داخل نہیں ہوا کہ وہ حرام کھارہا ہے، ہاتھ اسلام میں داخل نہیں ہوئے کہ وہ حرام مال لے رہے ہیں۔

ہماری ایک کمی:

آج کل ہمارے اندر یہ بیماری عام ہے کہ ہم صرف اپنی عبادات کو اسلام میں داخل کرتے ہیں۔ باقی شعبوں میں اپنی مرضی کرتے ہیں مثلاً بعض لوگ نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ کے احکام پر عمل کرلیتے ہیں۔ عمرے بھی کرتے رہتے ہیں۔ تلاوت بھی کرتے ہیں، تسبیحات بھی پڑھتے ہیں لیکن تجارت کے معاملات میں سود لیتے دیتے ہیں یا کم تولتے ہیں یا کم ناپتے ہیں یا جھوٹی قسمیں کھاتے ہیں یا دھوکہ دیتے ہیں یا وعدہ خلافی کرتے ہیں اور اگر ملازمت کرتے ہیں تو اس میں کام چوری کرتے ہیں، محنت پوری نہیں کرتے، تنخواہ پوری لے لیتے ہیں، یا وقت پورا دیا کام بھی کیا لیکن بے دلی سے کیا۔ ایسا کام تو نہ کرنے کے برابر ہوتا ہے۔ یہ بھی کام چوری میں داخل ہے۔

یہ شیطان کی پیروی ہے:

اسی طرح معاشرت کے متعلق اسلامی احکام کی پابندی نہیں کرتے مثلاً لوگوں کی غیبت بھی کرتے ہیں، گالم گلوچ بھی کرتے ہیں۔ لڑائی جھگڑے بھی کرتے ہیں، پڑوسی کو بھی ستاتے ہیں، بیوی بچوں کے ساتھ حسن سلوک کے ساتھ پیش نہیں آتے۔ اسی طرح دیگر شعبوں اور غم وخوشی کے موقعوں پر بھی اسلامی احکام کو فراموش کردیتے ہیں۔ لہٰذا جن جن شعبوں میں ہم اسلامی احکام کی پابندی نہیں کرتے،

ہمارے وہ شعبے اسلام میں داخل نہ ہوئے اور جب اسلام میں نہ ہوئے تو یہ شیطان کی پیروی ہے جو کہ ہمارا کھلم کھلا دشمن ہے۔

اب اندازہ کیجئے اس شخص کی بدقسمتی کا کہ جو اپنے ازلی دشمن کے نقش قدم پر چلے، اس کی ہدایات پر عمل کرے جو بات اس کا دشمن اُسے کہے، وہ اس پر عمل کرتا جائے۔ ایسے شخص کے مقدر میں تباہی نہیں ہوگی تو اور کیا ہوگا۔

موجودہ سیاست اور اسلام:

آج ہمارا رونا اِسی بات کا ہے کہ ہماری مسجدیں تو اسلام میں داخل ہیں۔ ہمارے بازار اسلام میں داخل نہیں ہوئے، ہمارے گھر بھی اسلام سے باہر ہیں، ہمارے کھیل کے میدان بھی اسلام سے باہر ہیں۔ ہمارا میدانِ سیاست بھی اسلام سے باہر ہے۔

دیکھئے! سیاست میں کیا تماشہ ہو رہا ہے۔ اس قوم کو آزادی ملی تھی لیکن چون (۵۴) سال کے عرصے میں یہ ثابت کیا ہے کہ ہم آزادی کی اہلیت رکھنے والی قوم نہیں ہیں بلکہ ہمارے اندر صرف محکوم رہنے کی صلاحیت ہے۔ ہم نے انگریزوں کی محکومی میں ڈیڑھ سو سال گذار کر غلامی کو تو سیکھا، آزادی کو نہیں سیکھا۔ آزادی کے لئے جن اعمال واوصاف اور جن اخلاق وکردار کی ضرورت ہوتی ہے۔ ہم ان سے خالی ہیں۔

دین پر عمل کرنے کا لازمی تقاضا، حکمرانی:

اللہ رب العالمین نے ہمیں ایک ایسا دین دیا تھا۔ جس کا لازمی تقاضا حکمرانی تھی۔ قرآن مجید میں فرمایا گیا:

﴿وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّكُمْ فِي الْأَرْضِ﴾ (سورۃ نور: ۵۵)

''جو لوگ تم میں سے ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے، اُن سے خدا کا وعدہ ہے کہ ان کو ملک کا حاکم بنا دے گا۔''

صحابہ کرام نے یہ شرط پوری کر کے دکھائی تو اللہ تعالیٰ نے ان کے ساتھ اس وعدے کو پورا کیا۔ صحابہ کرام ایمان میں پکے اور عمل میں صالح تھے۔ ان کا دماغ بھی اسلام میں داخل تھا۔ دل بھی اسلام میں داخل تھا۔ آنکھیں، کان، ناک غرضیکہ پورا جسم اور جسم سے نکلنے والے سارے اعمال اسلام میں داخل تھے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ چند سالوں کے اندر دنیا نے یہ حیرت ناک کرشمہ دیکھ لیا کہ وہ قوم جو بدو اور جاہل قوم تھی، جس نے کبھی حکومت خواب میں بھی نہیں دیکھی تھی۔ وہ چند ہی سالوں کے اندر دنیا کی دو سپر پاوروں کو روند کر پوری دنیا کے لئے واحد سپر طاقت بن گئی۔ کسی نے خوب کہا کہ'' صحابہ کرام جب جزیرہ نمائے عرب سے نکلے تو ان کے ہاتھوں میں اونٹوں کی مہاریں تھیں لیکن دیکھتے ہی دیکھتے ان کے ہاتھوں میں قوموں کی مہاریں آگئیں۔'' اور مسلمانوں نے دنیا پر ایک ہزار سال تک اس طرح حکومت کی کہ وہی سپر طاقت تھے۔

تو اسلام نے ہمیں وہ اعمال دیئے ہیں کہ اگر ہم ان کو اختیار کرتے تو ہم ہی سپر طاقت ہوتے، ہمارے مقابلے میں دنیا کی اور قوم نہ ہوتی لیکن ہم نے اس آیت پر عمل نہ کیا۔ ہمارے دلوں میں ایمان تو تھا لیکن پورے اسلام میں داخل نہ ہوئے جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ہم محکوم بنے ہوئے ہیں۔ آپ غور کیجئے کہ ایک محکوم قوم کی جو صفات ہوتی ہیں۔ وہ ساری ہمارے اندر ہیں اور ایک حاکم کی جو صفات ہوتی ہیں، وہ ہمارے اندر نہیں رہیں۔

حاکم قوم کی صفات اور ہمارا حال:

حکمران قوم کی سب سے پہلی صفت یہ ہوتی ہے کہ انسان اپنے قومی مفاد کے مقابلے میں اپنے مفاد کو ترجیح نہیں دیتا۔ اپنے مفاد کو پس پشت ڈال کر قومی مفاد کے لئے کوشش کرتا ہے۔ اس وقت کی جتنی حکمران قومیں آپ دیکھیں گے، ان سب کے اندر یہ صفت موجود ہے۔ وہاں بچے بچے کو یہ تربیت دی جاتی ہے کہ قومی مفاد ذاتی مفاد پر مقدم ہے۔ وہاں کے بچے، بڑے، مرد اور عورتیں قومی مفاد کی خاطر اپنے بڑے بڑے مفادات کو قربان کر دیتے ہیں۔ جبکہ ہمارا حشر اس کے برعکس ہے۔ ہم اپنے ایک روپے کی خاطر قوم کے ایک لاکھ روپے کا بھی نقصان کر دیں، ہمیں کوئی پرواہ نہیں ہوتی۔ اس کا تماشا ہم روز مرہ کی زندگی میں دیکھ رہے ہیں۔

بہت سے تاجر چیزوں کے اندر ملاوٹ کرتے ہیں۔ جس کا نتیجہ یہ ہے کہ لوگوں کی صحتیں خراب ہو رہی ہیں۔ بیماریاں پھیل رہی ہیں۔ دوائیں بھی دو طرح کی ہوتی ہیں نمبر ایک اور نمبر دو۔ ہمارے ہاں کوڑیاں سڑ رہی ہیں۔ ان کا تعفن دور دور تک پھیل رہا ہے۔ کچڑا گاڑیاں موجود ہیں، کوڑا اٹھانے کے لئے نہیں آتیں۔ نہ اٹھانے میں ان کا مفاد یہ ہے کہ جو لوگ کچرے میں سے سامان نکالتے ہیں۔ وہ انہیں اس بات کے پیسے دیتے ہیں کہ کچرا مت اٹھانا، ہمیں اس میں سے چیزیں ملتی ہیں۔ اس دھندے میں ٹھیکے چلتے ہیں۔ گویا تھوڑا سا دنیاوی مفاد حاصل کرنے کے لئے پورے معاشرے کو عذاب میں مبتلا کر رکھا ہے۔ جس کی وجہ سے نجانے کتنی بیماریاں پھیل رہی ہیں۔

سرکاری دفاتر میں رشوت کا بازار گرم ہے۔ بہت سے لوگ بجلی کے تار چوری کر کے لے جاتے ہیں۔ ٹیلی فون کے کیبل چوری ہو رہے ہیں حتیٰ کہ مین

ہول(Main Hole) کے ڈھکنوں تک چوری ہو رہے ہیں۔ کتنے واقعات ایسے پیش آتے ہیں اور آپ اخبارات میں پڑھتے ہیں کہ مین ہول میں بچہ گر کر مرگیا ہے۔ اندازہ کیجئے! جو مین ہول وہ اٹھا کر لے گئے، وہ تو دس بیس روپے میں فروخت کیا ہوگا لیکن اس معمولی رقم کی خاطر کتنی جانوں کو خطرے میں ڈال دیا۔ یہ آزاد قوموں کا شیوہ نہیں ہوتا۔

بلاشبہ اس وقت کی آزاد قوموں کے پاس ایمان نہیں، نماز اور روزہ نہیں لیکن حکمران قوم بننے کے لئے جن صفات کی ضرورت ہوتی ہے۔ وہ صفات ان کے اندر موجود ہیں۔

حکومت کب ملے گی؟

ہر عمل کے کچھ اثرات ہوتے ہیں۔ ایمان کا اثر یہ ہے کہ آخرت میں اس پر ثواب ملے گا، عذاب سے بچیں گے لیکن اس پر حکومت ملنے کا وعدہ نہیں ہے۔ قرآن مجید میں کسی جگہ بھی یہ نہیں کہا گیا کہ اگر ایمان لاؤ گے تو حکومت ملے گی بلکہ یہ کہا ہے کہ اگر اپنے سارے اعمال کو ٹھیک کرلو گے تو حکومت ملے گی، اپنی تجارت کو، اپنی سیاست کو، اپنی معیشت کو، اپنی معاشرت، منڈیوں اور بازاروں کو، سرکاری اور پرائیویٹ اداروں کو، ان سب کو اسلام میں داخل کرو گے تو حکومت ملے گی۔

اہلِ یورپ کی ایک اچھی صفت:

یورپ کے اندر شرک اور کفر، فحاشی اور عریانی تو ضرور ہوتی ہے لیکن یہ کام نہیں ہوتا کہ اپنے معمولی مفاد کی خاطر قوم کو تباہ کردیا جائے۔

وہ اس بات کو بھی جانتے ہیں کہ ہم اس وقت تک کامیاب حکومت نہیں چلا

سکتے جب تک ہماری تجارت صحیح اصولوں پر نہ ہوئی۔ اگر ہم نے تجارت میں بدمعاملگی اور دھوکہ بازی کی تو ہماری تجارت تباہ ہوجائے گی۔ تجارت تباہ ہوئی تو حکومت ہمارے ہاتھ سے نکل جائے گی۔ چنانچہ وہ تجارت میں دھوکہ بازی نہیں کرتے، جھوٹ نہیں بولتے، وعدہ خلافی نہیں کرتے، اور جھوٹی قسمیں نہیں کھاتے جبکہ ہمارے ہاں یہ سب کچھ ہورہا ہے۔

ہم نے یورپ کی صرف برائیاں حاصل کیں:

ہم نے یہ کیا کہ اسلام کی اچھی باتیں تو ان کو دے دیں اور ان کی برائیاں خود لے لیں۔ صاحب بہادر نے کھڑے ہوکر موتنا اور پینٹ پہننا تو سیکھ لیا، ٹائی لگانا بھی سیکھ لیا لیکن سچ بولنا نہ سیکھا، وعدہ پورا کرنا نہ سیکھا، کام چوری سے بچنا نہ سیکھا، محنت کرنا نہ سیکھا، قومی مفاد کے لئے قربانی دینا نہ سیکھا۔ صرف ان جیسا لباس پہن کر ترقی کے خواب دیکھنے لگے۔ یہ آزاد قوموں کا طرزِ عمل نہیں ہوتا۔

ایک عبرتناک واقعہ:

مجھے ایک واقعہ یاد آرہا ہے۔ حکیم الامت حضرت تھانویؒ نے اُسے اپنے کسی وعظ میں بیان فرمایا ہے۔ مکہ مکرمہ میں ایک بہت بڑے شیخ تھے جو دینی شخصیت سمجھے جاتے تھے۔ ان کا انتقال ہوا۔ انہیں مکۃ المکرّمہ کے قبرستان ''جنت المعلیٰ'' میں دفن کیا گیا۔ اگلے دن کوئی اور جنازہ آیا۔ جس کے لئے ان کے برابر میں قبر کھودی گئی۔ چونکہ وہاں قبر کی جگہ بہت کم ہوتی ہے۔ قبریں پاس پاس ہوتی ہیں۔ تو جب نئی قبر کھودی گئی تو اس میں ان کی قبر کھل گئی۔ جب ان کی قبر کھلی تو لوگوں نے عجیب وغریب تماشا دیکھا کہ اس قبر سے شیخ صاحب غائب ہیں اور ان کی جگہ یورپین نوجوان

لڑکی پڑی ہوئی ہے۔ کھلبلی مچ گئی کہ یہ کیا قصہ ہے؟ یہاں پر جس شیخ کو دفن کیا گیا تھا، وہ کہاں گئے اور یہ لڑکی کہاں سے آ گئی۔

پورے مکہ میں کہرام مچ گیا۔ لوگ جمع ہوکر ان کی قبر کی طرف آئے اور یہ منظر دیکھنے لگے۔ اسی مجمع میں ایک صاحب بولے کہ اس لڑکی کو میں جانتا ہوں۔ یہ فرانس کی لڑکی ہے اور میری شاگردہ ہے۔ میں اتنے سال سے فرانس میں رہتا ہوں اور چھٹیوں پر یہاں آیا ہوا ہوں۔ یہ لڑکی وہاں میرے پاس پڑھنے آتی تھی۔ اس کے والدین عیسائی ہیں۔ میں نے اسے دین کی کچھ باتیں بتانا شروع کیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے دل میں ایمان ڈال دیا۔ یہ خفیہ طور پر مسلمان ہوگئی۔ میں اسے مسلمان ہی چھوڑ کر آیا ہوں۔ اگرچہ اس کا سارا خاندان عیسائی ہے مگر یہ خود پکی مسلمان ہوگئی تھی۔ نماز بھی چوری چھپکے پڑھتی تھی۔ لیکن معلوم نہیں کہ یہ یہاں کیسے آ گئی! میں فرانس جارہا ہوں، وہاں جاکر اس کی تحقیق کروں گا۔

جب یہ واپس جانے لگے تو کچھ اور لوگ بھی ان کے ساتھ چلے گئے۔ وہاں جاکر پتہ چلا کہ اس لڑکی کا انتقال ہوگیا۔ اور اُسے عیسائیوں کے فلاں قبرستان میں دفن کیا گیا ہے۔ ان کے وہاں قبرستان کے ذمہ داروں کو بتلایا کہ یہ لڑکی تو مکہ مکرمہ کے قبرستان میں پڑی ہوئی ہے۔ انہوں نے کہا کہ ہم نے تو اُسے یہاں دفن کیا تھا۔ کہا کہ ذرا کھول کر دیکھو۔ جب قبر کو کھولا گیا تو دیکھا کہ مکہ مکرمہ کے شیخ یہاں موجود تھے۔ گویا عیسائی خاندان کی لڑکی مکہ مکرمہ کے قبرستان میں اور مکہ مکرمہ کا شیخ فرانس میں عیسائیوں کے قبرستان میں۔ اب بہت زیادہ حیرت پڑگئی کہ یہ کیا ماجرا ہے۔

مکہ سے گئے ہوئے لوگ واپس آئے اور اس شیخ کی بیوی سے پوچھا کہ شیخ کے کیا حالات تھے۔ بیوی نے جواب دیا کہ میں نے ان کی کوئی اور بات تو قابلِ اعتراض نہیں دیکھی البتہ ایک بات ہوسکتی ہے۔ وہ یہ کہ یہ کہا کرتے تھے کہ اسلام کی

ساری باتیں بڑی اچھی ہیں لیکن ایک بات عیسائیت میں بڑی اچھی ہے۔ وہ یہ کہ عیسائیوں کے مذہب میں غسل جنابت فرض نہیں ہوتا۔

اب دیکھئے! اگرچہ ظاہراً یہ شیخ تھے لیکن پورے کے پورے اسلام میں داخل نہیں تھے۔ ان کا عقیدہ تھا کہ اسلام کا یہ عمل غلط ہے، اس کے مقابلے میں عیسائیوں کا نظریہ اچھا ہے تو یہ مومن نہ رہے۔ دل بھی اسلام میں داخل نہ رہا۔ اس کی سزا یہ ملی کہ دفن تو مکہ مکرمہ میں کئے گئے لیکن اللہ تعالیٰ نے انہیں عیسائیوں کے قبرستان میں پہنچادیا۔ یہ بڑا عبرت ناک واقعہ ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اسلام پر زندہ رکھے اور اسلام پر موت آئے۔ جینا اور مرنا اسلام کے سارے اعمال پر ہو۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ان تمام گناہوں سے بچنے کی توفیق دے جن گناہوں کے نتیجے میں ہم اپنی آزادی کو تقریباً کھو بیٹھے ہیں اور دوسری قومیں ہم پر مسلط ہوچکی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں مزید رسوائیوں سے بچائے۔

وآخر دعوانا أنِ الحمدللّٰہ ربّ العالمینo

سنگہائے مِیل

موضوع	سنگ ہائے میل
خطاب	حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی مدظلہم
مقام	دارالعلوم فیصل آباد
تاریخ	۱۳اگست ۲۰۰۳ء
ترتیب وعنوانات	مولانا اعجاز احمد صمدانی (فاضل جامعہ دارالعلوم کراچی)
باہتمام	محمد ناظم اشرف

﴿سنگھائے میل﴾

خطبہء مسنونہ:

الحمد للّٰہ نحمدہٗ و نستعینہٗ و نستغفرہٗ و نؤمِنُ بہٖ ونتوکل علیہ. ونعوذ باللّٰہِ مِن شرورِ أنفسنا ومِن سیئاتِ أعمالنا ۝ مَن یھدِہِ اللّٰہ فلا مُضِلَّ لہٗ وَمَنْ یُضْلِلْہُ فلا ھَادِیَ لہٗ ونشھد أن لآ اِلٰہ اِلَّا اللّٰہ وحدہٗ لاشریک لہٗ و نشھد أنّ سیدنا و سَنَدنا و مولانَا محمداً عبدہٗ ورسولہٗ صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وعلٰی آلہٖ و صحبہٖ أجمعین. وسلّم تسلیماً کثیراً.

امابعد!

فَأَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ. بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ.

إِنَّما یَخْشَی اللّٰہَ مِنْ عِبَادِہِ الْعُلَمٰٓؤُا ۝ (سورۃ الفاطر: ۲۸)

تمہید:

بزرگانِ محترم، حضراتِ علماءِ کرام، محترم اساتذہ، عزیز طلبہ، معزز حاضرین، محترم خواتین، میری ماؤں، بہنو اور بیٹیو!

میرے لئے یہ بہت بڑی سعادت کی بات ہے کہ ہمارے بزرگوارِ محترم اور ہمارے والدِ ماجد رحمتہ اللہ علیہ کے رفیقِ کار حضرت مولانا مفتی زین العابدین صاحب دامت برکاتہم کے اس عظیم ادارے میں حاضر ہو کر آپ سے خطاب کا موقع مل رہا ہے۔

الحمد للہ، حضرت مولانا مفتی زین العابدین صاحب دامت برکاتہم سے ہمارا اس وقت سے طالبعلمانہ تعلق ہے، جب سے ہم نے پاکستان میں شعور کی آنکھیں کھولیں۔ میں نے یہ دیکھا کہ جب بھی ملک میں کوئی ایسا بڑا مسئلہ پیش آیا جس میں پاکستان کے تمام بڑے علماء کو مل کر کوئی کام کرنے کی ضرورت پیش آئی تو میرے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمتہ اللہ علیہ کے مشوروں میں حضرت مفتی صاحب دامت برکاتہم عموماً شریک رہے اور کئی بار ہمارے والد ماجد یہاں تشریف بھی لائے۔ میں بھی یہاں ایک مرتبہ پہلے حاضر ہوا ہوں لیکن خطاب کا موقع آج پہلی مرتبہ مل رہا ہے۔ میں اپنے بزرگ محترم حضرت مفتی صاحب دامت برکاتہم، ان کے لائق صاحبزادگان اور منتظمینِ مدرسہ کا ممنون ہوں کہ انہوں نے مجھے یہاں بلا کر اِس سعادت کا موقع عطا فرمایا۔

عجیب اتفاقات:

میرے یہاں آنے کا سلسلہ کچھ عجیب طریقے سے چلا ہے بلکہ اب یہ عجیب

بھی نہیں رہا، اس لئے کہ پہلی مرتبہ ایسا نہیں ہوا بلکہ ایسا ہونے ہی لگا ہے۔ یہاں آنے کا قصہ یہ ہے کہ گذشتہ ہفتے اِسلامی نظریاتی کونسل کا اجلاس تھا۔ اس کا رکن ہونے کی وجہ سے مجھے وہاں جانا تھا۔ اتمان زئی ضلع چارسدہ میں دارالعلوم نعمانیہ کے مہتمم مولانا روح اللہ صاحب سے ہمارا کئی سال سے وعدہ چل رہا تھا کہ ان کے ہاں ختمِ بخاری میں حاضری ہوگی۔ کئی پروگرام بنے، تاریخ بھی طے ہوگئی اور انہوں نے اشتہار بھی دے دیا لیکن اچانک کوئی ایسی بات پیش آگئی کہ میں نہ جا سکا اور عذر بھی عذر لنگ نہیں ہوتا تھا بلکہ ایسا عذر ہوتا کہ وہ بھی اسے تسلیم کرتے۔ مثلاً پہلے سال یہ ہوا کہ افغانستان پر امریکہ کا حملہ ہوگیا۔ دوسرے سال مجھے بیماری پیش آگئی، اگلے سال انہیں کوئی عذر پیش آگیا۔ اب کی بار میں نے سوچا کہ اسلامی نظریاتی کونسل کے اجلاس میں تو جانا ہے ہی، وہاں بھی چلے جائیں گے۔ اس خیال سے وہاں جانے کا وعدہ کر لیا۔

مدرسوں میں آخری سہ ماہی کے ایام ان کی جان کنی کے دن ہوتے ہیں۔ اساتذہ اور طلبہ سب پر اسباق ختم کرنے کا بخار چڑھا ہوتا ہے۔ اس بخار میں ہم بھی مبتلا ہوتے ہیں تو وقت نکالنا آسان نہیں ہوتا۔ سوچا کہ اس مرتبہ اسلامی نظریاتی کونسل کا یہ اجلاس آخری مرتبہ ہو رہا ہے کیونکہ ہر کونسل کی مدت تین سال ہوتی ہے۔ اس اجلاس پر یہ مدت ختم ہو جائے گی، پھر نئی تشکیل ہوگی۔ چونکہ یہ آخری اجلاس تھا اور بہت اہم تھا اس لئے اس میں شرکت ناگزیر تھی تو عثمان زئی کا وعدہ کر لیا۔ جب انہوں نے اشتہار بھی دے دیا تو اسلام آباد سے خط آیا کہ کونسل کا اجلاس ملتوی ہو گیا ہے۔

اتمان زئی کا وعدہ کر چکے تھے، اس لئے وہاں جانا پڑا۔ ابھی وہاں پہنچے نہیں تھے کہ مولانا شکیل احمد صاحب کو پتہ چل گیا کہ میں یہاں آیا ہوا ہوں تو انہوں نے

وہیں سے ٹیلی فون کے ذریعے دعوت دی۔ مولانا شکیل صاحب چنیوٹ میں ہوتے ہیں۔ دارالعلوم کراچی کے فارغ التحصیل ہیں۔ تخصص فی الإفتاء انہوں نے مولانا عبدالشکور ترمذی رحمتہ اللہ علیہ کے مدرسہ جامعہ حقانیہ ساہیوال میں کیا۔

انہوں نے ایک بڑے مدرسے کی بنیاد چنیوٹ میں رکھی تھی۔ ہم نے ان سے معذرت کی کہ ہم یہاں پھنس گئے ہیں، اب ہمیں واپس جانا ہے، کہا اچھا اب واپس چلے جایئے، دوبارہ آجایئے۔ ادھر پتہ چلا کہ کونسل کا اجلاس اگلے ہفتے ہو رہا ہے (انشاء اللہ پرسوں شروع ہوگا) تو ہم نے سوچا کہ چلو مولانا شکیل احمد صاحب کے پاس چنیوٹ جانے کا وعدہ کر لیتے ہیں۔ چنیوٹ کا وعدہ کیا ہی تھا کہ آدھے گھنٹے کے بعد سرگودھا سے مولانا اشرف علی صاحب کا فون آیا کہ ہمیں پتہ چلا ہے کہ آپ چنیوٹ آنے والے ہیں۔ ہمیں بھی کچھ وقت دے دیجئے۔ سوچا کہ چنیوٹ تو جا ہی رہے ہیں، وہاں سے اسلام آباد جانا ہے تو راستے میں ایک رات سرگودھا گذار لیں گے، وہاں جلسہ ہو جائے گا۔ چنانچہ ان سے سرگودھا جانے کا وعدہ کر لیا۔ انہوں نے اخبار میں اشتہار دے دیا۔

اخبار میں اشتہار دیا تو بھائی یوسف صاحب کا ٹیلی فون پہنچ گیا کہ معلوم ہوا ہے کہ آپ اس علاقے میں آنے والے ہیں۔ ہمیں بروقت اطلاع مل گئی ہے اور حضرت والد صاحب دامت برکاتہم کا فرمان ہے کہ آپ ہمارے ہاں اختتام اسباق کی تقریب میں شرکت فرمائیں۔ ان کی دعوت زیادہ پرکشش تھی کیونکہ عرصے سے میرا دل چاہتا تھا کہ یہاں حاضری دوں۔ حضرت مدظلہم کی عقیدت ومحبت کا تقاضا بھی یہی تھا کہ یہاں بار بار حاضری ہو تو میں نے کسی تأمل کے بغیر اس دعوت کو قبول کر لیا۔

اب جامعہ امدادیہ فیصل آباد سے فون آیا کہ ہمیں پتہ چلا ہے کہ آپ دارالعلوم فیصل آباد میں آنے والے ہیں تو اب یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ آپ فیصل آباد

تشریف لائیں اور جامعہ امدادیہ میں نہ آئیں۔ ہم نے کہا واقعی نہیں ہو سکتا تو آج صبح وہاں بھی جانا ہوا۔ کئی اور جگہوں سے اب بھی ٹیلی فون آ رہے ہیں۔

یہ فالِ نیک ہے:

لیکن میرے لئے یہ فالِ نیک ہے اس لئے کہ الحمد للہ، ہم طالب علم ہیں اور اپنی طالب علمی کو اپنے لئے سرمایۂ نجات بھی سمجھتے ہیں اور سرمایۂ حیات بھی سمجھتے ہیں۔ طلبہ کی برادری مساکین کی برادری ہے اور مساکین ہی کے بارے میں جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دُعا فرمائی تھی:

﴿اللّٰهُمَّ اَحْيِنِيْ مِسْكِيْنًا و اَمِتْنِيْ مِسْكِينًا وَاحْشُرْنِيْ فِيْ زُمْرَةِ الْمَسَاكِيْنِ﴾ (مناجاتِ مقبول)

''اے اللہ! مجھے مسکین بنا کر زندہ رکھ اور مسکینی کی حالت میں میری موت ہو اور میرا حشر بھی مساکین کے ساتھ ہو۔''

ہمارے والد صاحب غالباً اِسی دُعا کی روشنی میں فرمایا کرتے تھے کہ:

''یا اللہ! میرا جینا بھی طلبہ کے ساتھ ہو، میرا مرنا بھی طلبہ کے ساتھ ہو اور میرا حشر بھی طلبہ کے ساتھ ہو۔''

اللہ تعالیٰ نے ان کی دُعا قبول فرمائی۔ آخر وقت تک دارالعلوم کراچی کے احاطے میں دارالعلوم کے مکان میں قیام رہا۔ دارالعلوم ہی میں نمازِ جنازہ پڑھی گئی اور ان کی قبر پر طلبہ نے مزدوروں کو ہاتھ نہیں لگانے دیا۔ خود طلبہ نے ان کی قبر تیار کی اور ایسی صاف بنائی کہ ایک صاحب مجھ سے کہنے لگے کہ میں نے کبھی ایسی صاف قبر نہیں دیکھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ طلبہ نے اپنی آنکھوں کی پلکوں سے اس کی صفائی کی ہے۔ ان کا جنازہ بھی طلبہ نے اٹھایا تھا اور طلبہ ہی نے انہیں سپردِ خاک کیا تھا۔ جنازہ

میں اتنا ہجوم تھا کہ جنازہ کی چارپائی پر لمبے لمبے بانس باندھے گئے تھے اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ انسانوں کے سمندر میں وہ جنازہ تیرتا ہوا جارہا ہے۔

آخری بیماری کے زمانے ہی میں ایک مرتبہ یہ خبر مشہور ہوگئی کہ ان کا انتقال ہوگیا ہے۔ اب ملک بیرون ملک سے خطوط، ٹیلی فون اور تار کا ایک تانتا بندھ گیا۔ اس زمانے میں فیکس اور موبائل ٹیلی فون نہیں ہوتے تھے۔ باقی جتنے ذرائع تھے، ان سب سے تعزیت کے خطوط آنا شروع ہوگئے تو اپنے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ کو میں نے یہ کہتے ہوئے سنا کہ اگرچہ خبر غلط اور جھوٹی مشہور ہوئی تھی لیکن مجھے ایک بات کی خوشی ہوئی کہ الحمد للہ، الحمد للہ، اللہ کے نیک بندے مجھ سے کتنی محبت کرتے ہیں۔

اگر اللہ والے کسی سے محبت کریں تو یہ فالِ نیک ہیں۔ طلبہ اور مدرسہ کے اساتذہ مجھ ناچیز سے ایسی محبت کریں تو میرے لئے فالِ نیک ہے اور اللہ رب العزت سے قوی امید ہے کہ میری وہ کمزوریاں جن سے میں واقف ہوں اور میرا رب واقف ہے، انشاء اللہ، اِن اللہ والوں کی محبت اور حسنِ ظن سے اللہ تعالیٰ ان کمزوریوں کی بھی اصلاح فرما دے گا۔

میری زندگی کے عزیز ترین اور لذیذ ترین لمحات:

واقعہ یہ ہے کہ میری زندگی کے عزیز ترین، محبوب ترین اور لذیذ ترین لمحات وہ ہوتے ہیں جو میرے طلبہ کے ساتھ گذرتے ہیں۔ دارالعلوم کی تمام انتظامی ذمہ داریوں کا بوجھ مجھ پر ہے، فتوی کی ذمہ داری بھی ہے۔ ملک کے نجانے کتنے اداروں اور کتنی کونسلوں، کتنے بورڈوں اور کتنی کمیٹیوں کا رکن ہوں۔ ان کے اجلاس ہوتے ہیں، ان کے لئے بھی محنت و تیاری کر کے ان میں شریک ہونا پڑتا ہے۔ غیر ملکی سفروں کا بھی ایک سلسلہ جاری رہتا ہے۔ ان سب مصروفیات کے باوجود میں نے اپنا تدریس

کا سلسلہ ختم نہیں کیا۔ ۱۹۶۰ء سے یہ سلسلہ شروع ہوا تھا۔ اب ۲۰۰۳ء ہے۔ الحمدللہ، مجھے یہ خدمت دیتے ہوئے عیسوی اعتبار سے تنتالیس (۴۳) سال ہو گئے۔ درسِ نظامی کی تمام علوم وفنون کی کتابیں ابتداء سے انتہاء تک پڑھانے کی اللہ تعالیٰ نے توفیق عطا فرمائی۔ میرے مرشد حضرت ڈاکٹر عبدالحیٔ عارفی صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے اس زمانے میں مجھ سے کہا بھی، جب میری صحت بار بار بگڑ رہی تھی اور کاموں کا تحمل نہیں ہو رہا تھا، کہ اسباق چھوڑ دو۔ میں نے عرض کیا کہ حضرت مجھے اجازت دیجئے کہ کم از کم ایک درس برقرار رکھوں، فرمایا کہ اجازت ہے لیکن اپنے تحمل کو دیکھو۔ الحمدللہ، آج تک درس کا سلسلہ جاری ہے اور مسلم شریف کا درس مجھ سے متعلق ہے۔

میں نے اس خواہش کا اظہار اس لئے کیا کہ میں واقعۃً کہتا ہوں کہ میری زندگی کا لذیذ ترین وقت وہ ہوتا ہے جو طلبہ کے درمیان گذر جائے۔ ان سے باتوں میں گذرے یا ان سے خطاب میں گذرے۔ الحمدللہ، میں اس وقت بھی آپ حضرات سے خطاب کرتے ہوئے، انتہائی فرحت محسوس کر رہا ہوں۔ اگرچہ مسلسل سفر کی وجہ سے قدرے تھکاوٹ ہے۔ اور آج مجھے سرگودھا میں بھی ایک جلسے میں خطاب کرنا ہے۔ لیکن الحمد للہ میں اسے اپنی روح کی غذا سمجھتا ہوں کہ اپنی برادری سے خطاب کروں۔ میری دُعا بھی یہی ہے کہ:

﴿اَللّٰهُمَّ أَحْيِنِيْ مِسْكِينًا وَ اَمِتْنِيْ مِسْكِينًا و احْشُرْنِيْ فِيْ زُمْرَةِ الْمَسَاكِيْنِ﴾

خوشی اور احتساب کا دِن:

آج دارالعلوم فیصل آباد کے اختتامِ اسباق کی یہ تقریب ہے۔ الحمد للہ، طلبہ کی بہت بڑی تعداد دورۂ حدیث سے فارغ ہوئی ہے، اور ایک تعداد طالبات کی بھی

دورۂ حدیث سے فارغ ہوئی ہے۔ اسی طرح طلبہ کی ایک بڑی تعداد اور طالبات کی بھی ایک تعداد حفظِ قرآن سے فارغ ہوئی ہے۔

اسی طرح تخصص فی الإفتاء سے بھی کئی طلبہ الحمد للہ فارغ ہوئے ہیں۔ ایسے ہی موقع پر جب تعلیمی سال کا اختتام ہو رہا ہوتا تھا۔ میرے والدِ ماجد مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمتہ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ دیکھو! جتنے جتنے بڑے بڑے یا چھوٹے تاجر ہیں، جب ان کا تجارتی سال پورا ہوتا ہے تو پورے سال کا کچا چٹھہ تیار کرتے ہیں کہ سال بھر میں ہم نے کیا کمایا اور کیا کھویا۔ کتنا آیا، کتنا خرچ ہوا اور بچت کیا ہوئی اور مؤمن بھی اپنی جان اور مال کا تاجر ہے۔

﴿اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَ اَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ﴾ (التوبہ:۱۱۱)

”خدا نے مومنوں سے ان کی جانیں اور ان کے مال خرید لئے ہیں (اور اس کے) عوض میں ان کے لئے بہشت (تیار کی) ہے۔“

ہمارا سامانِ تجارت ہماری جانیں ہیں جو ہم نے اللہ رب العالمین کے ہاتھ فروخت کی ہیں۔ اللہ تعالیٰ خریدار ہیں اور اس کا ثمن (قیمت) انشاء اللہ جنت کی شکل میں ملنے والا ہے۔

ایک اور حدیث میں ہے:

﴿كُلُّ مَنْ يَغْدُوْ فَبَائِعٌ نَفْسَهُ فَمُعْتِقُهَا أَوْ مُوْبِقُهَا﴾

(مسلم، کتاب الطہارۃ، ترمذی، کتاب الدعوات)

”جو شخص بھی صبح کرتا ہے تو وہ اپنی جان کی بیع کرتا ہے پس وہ اپنی جان کو اللہ کے عذاب سے چھڑا لیتا ہے یا ہلاکت اور بربادی

میں ڈال دیتا ہے۔"

ہماری زندگی ہماری پونجی ہے۔ اس کا ایک ایک لمحہ ہماری متاع ہے۔ اگر ہم نے اِسے صحیح مصرف پر لگایا تو ہمیں اس کی قیمت پر جنت ملنے والی ہے اور اگر خدانخواستہ، خدانخواستہ اِس متاع کو ہم نے ضائع کردیا تو پھر دوسرا راستہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس سے محفوظ رکھے۔ ہم اِس سے پناہ مانگتے ہیں۔

تو والد صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ فرمایا کرتے کہ جب ہمارا تعلیمی سال ختم ہوتا ہے تو ہمیں بھی اِس بات کا جائزہ لینا چاہیے کہ ہمارے علم میں کتنی ترقی ہوئی۔ عمل صالح میں کتنی ترقی ہوئی اور اخلاق میں کتنی ترقی ہوئی؟ اور ہمارے گناہوں اور غفلت وسستی میں کتنی کمی واقع ہوئی؟ یہ حساب لگانا ہماری ذمہ داری اور فرضِ منصبی ہے۔

آج کا دِن جہاں خوشیوں کا دِن ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے تعلیمی سال کا پر مشقت سفر مکمل کرنے کی توفیق عطا فرمائی ہے۔ وہاں ہمیں اِس بات کا بھی جائزہ لینا ہے کہ اِس سفر میں ہم نے کیا کمایا اور کیا کھویا؟

طلبہ، اساتذہ اور منتظمین اپنا اپنا جائزہ لیں:

طلبہ اِس بات کا جائزہ لیں کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں پڑھنے کے لئے جتنی قدرت دی تھی، کیا انہوں نے اتنی محنت کی؟ اسباق میں شرکت کی، جتنی پابندی کرنا چاہیے تھی، کیا انہوں نے اتنی پابندی کی؟ اس علم کے مطابق جتنا عمل کرنا چاہیے تھا، اتنا انہوں نے عمل کیا؟

اساتذہ کرام کو یہ جائزہ لینا چاہیے کہ ان پر طلبہ کی تعلیم وتربیت کی جو نازک ذمہ داریاں عائد ہوئی تھیں، ان ذمہ داریوں کو پورا کرنے کے لئے وہ جتنا جتنا کام کرسکتے تھے، کیا انہوں نے وہ کام کئے یا اس میں کہیں کوتاہی تو نہیں ہوئی؟ اسباق کی

تیاری میں، مطالعہ میں، اسباق سمجھانے میں اور طلبہ کی اخلاقی تربیت میں کیا ان سے کوئی کوتاہی تو نہیں ہوئی؟

منتظمین کو بھی اِس بات کا جائزہ لینے کی ضرورت ہے کہ ہمارے جو فرائض منصبی تھے، ان میں کوئی کوتاہی تو نہیں ہوئی۔ شعبہ حسابات کو جائزہ لینے کی ضرورت ہے کہ مدرسے کی پیسوں کی صورت میں جو نازک اور خطرناک امانت ہمارے پاس رہی، اس امانت کو ہم نے صحیح جگہ اور صحیح مصرف پر خرچ کیا ہے یا نہیں؟ کیونکہ آخرت میں ایک ایک پائی کا حساب ہونے والا ہے۔

مدارس کے پیسے خوفناک امانت ہیں:

یاد رکھئے! یہ مدارس کے پیسے خوفناک امانت ہیں۔ میں اپنے والد ماجد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ہی کا ملفوظ آپ کے سامنے عرض کرتا ہوں۔ آپ نے اپنے انتقال سے نو ماہ قبل دارالعلوم کا سارا انتظام وانصرام میرے سپرد فرمادیا۔ مجھے اور میرے بھائی مولانا محمد تقی عثمانی صاحب دونوں کو نائب صدر مقرر کیا لیکن تمام انتظامی ذمہ داری میرے سپرد فرمادی۔ انتقال سے دو چار روز پہلے مجھ سے فرمانے لگے کہ یہ جو حدیث ہے کہ غزوۂ خیبر سے واپسی پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے لشکر کے ساتھ پڑاؤ ڈالا۔ آپ کا ایک آزاد کردہ آپ کے کجاوے کو کھول رہا تھا۔ اچانک کسی جانب سے کوئی تیر آکر اُسے لگا جو جان لیوا ثابت ہوا۔ جس سے اس کا انتقال ہوا۔

سفر کیسا؟ جہاد کا۔

کس کے ساتھ؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ۔

کس کی خدمت کرتے ہوئے تیر لگا؟ تاجدارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کرتے ہوئے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے جب یہ منظر دیکھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا:

﴿هَنِيئًا لَكُمْ شَهَادَتُهُ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ!﴾

''یارسول اللہ! اس کو شہادت مبارک ہو۔ (کہ کیسی عظیم شہادت ملی)''

آپ نے جواب میں فرمایا: میں اس کے اوپر اس چادر کو آگ بن کر بھڑکتا ہوا دیکھ رہا ہوں جو اس نے مالِ غنیمت کے تقسیم ہونے سے پہلے نکالی تھی۔

''جہنم کی پٹیاں بن گئی ہیں''

آپ کا یہ جواب سن کر صحابہ کرام ڈر گئے۔ ایک صحابی نے چپل کی ایک یا دو پٹیاں لاکر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیں۔ اس وقت غنیمت تقسیم ہوچکی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وجہ پوچھی تو عرض کیا: یارسول اللہ! چپل کی یہ ایک یا دو پٹیاں مالِ غنیمت تقسیم ہونے سے پہلے میں نے لے لی تھیں۔ اب انہیں واپس لایا ہوں۔

آپ نے فرمایا:

﴿شِرَاكٌ أَوْشِرَاكَانِ فِي النَّارِ﴾ (مسلم، کتاب الایمان)

''(چپل کی) یہ ایک پٹی یا دو پٹیاں آگ کی ہیں۔ (راوی کو شک ہے کہ ایک پٹی تھی یا دو)''

چپل کی پٹی کی قیمت ہی کیا ہوتی ہے۔ اس پر بھی یہ وعید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سنائی۔

یہ واقعہ سنانے کے بعد والد ماجد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے مجھ سے فرمایا کہ

عام طور پر اس کا مطلب یہ سمجھا جاتا ہے کہ اگر تم یہ پٹیاں واپس نہ لاتے تو تمہارے لئے جہنم کی آگ بن جاتیں، لیکن اب چونکہ واپس لے آئے ہو، اس لئے جہنم کی آگ سے بچ گئے۔

فرمایا کہ اس حدیث کا یہ مطلب میرے نزدیک صحیح نہیں بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ تم نے چوری اس وقت کی تھی جب مال تقسیم نہیں ہوا تھا اور واپس اس وقت لائے ہو جبکہ مالِ غنیمت تقسیم ہو چکا ہے اور غانمین اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے ہیں اور یہ پٹی ایسی ہے کہ اس میں تمام غانمین کا حق ہے۔ سب کی مشترک ملکیت ہے اور ان کو تمام غانمین میں تقسیم کرنا ممکن نہیں۔ (اگر کوئی کہے کہ اِسے بیچ کر اس کی قیمت تقسیم کی جاسکتی تھی تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس پٹی کی قیمت تو ایک درہم کے برابر بھی نہ ہوگی اور اگر ایک درہم کے برابر بھی ہوتو اُسے چودہ سو (یا اختلاف روایات کے مطابق اٹھارہ سو) مجاہدین میں کس طرح تقسیم کیا جاتا۔ مجاہدین واپس جاچکے تھے۔ اب اسے تقسیم کرنے کے لئے اس سے زیادہ خرچہ ہوجائے گا۔ جتنی اس کی قیمت ہے) لہٰذا جب غانمین میں تقسیم کرنا ممکن نہیں اور ان سے معاف کرنا بھی ممکن نہیں (کہ ان افراد میں سے بہت سوں کوتو آپ جانتے بھی نہیں) تو یہ ابھی سے تمہارے لئے جہنم کی پٹیاں بن گئی ہیں۔

جو حکم مالِ غنیمت کا ہے، وہی مدرسوں کے مال کا ہے:

والد صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے یہ واقعہ سنانے کے بعد فرمایا کہ جو حکم مالِ غنیمت کا ہے، وہی حکم مدرسوں کے مال کا ہے۔ اس لئے کہ مدارس کے اندر آنے والا چندہ ہزاروں لوگوں کا ہوتا ہے۔ کوئی ایک روپیہ دیتا ہے، کوئی پانچ روپے دیتا ہے، کوئی سو دیتا ہے، کوئی ہزار دیتا ہے، کوئی لاکھ دیتا ہے، دینے والوں میں مرد، عورتیں،

ملکی اور غیر ملکی افراد سب شامل ہوتے ہیں۔ اور یہ چندہ مدرسے کے کاموں اور طلبہ کے لئے دیا جاتا ہے۔ یہ طلبہ کتنے ملکوں اور شہروں کے علاقوں کے ہوتے ہیں۔ مدرسہ کی رقم مشترکہ ملکیت ہوتی ہے۔ خدانخواستہ اگر کوئی شخص اس میں سے چوری دھوکہ بازی کرے تو وہ اِن لاتعداد انسانوں کے حقوق پر ڈاکہ ڈال رہا ہے۔ ان سب سے وہ کیسے معاف کرائے گا۔ اس لئے مدارس کا پیسہ بڑا خطرناک ہے۔

یہ واقعہ طلبہ اور اساتذہ کے لئے بھی عبرت ناک ہے:

یہ واقعہ میں اس لئے سنا رہا ہے کہ اس مال کا تعلق شعبہ حسابات سے تو ہوتا ہی ہے۔ کیونکہ ہر مدرسہ کے اندر ایک شعبہ حسابات ہوتا ہے۔ اس پر اور مدرسہ کے مہتمم پر تو سب سے زیادہ بھاری ذمہ داری ہے ہی لیکن یاد رکھئے کہ یہ واقعہ طلبہ اور اساتذہ کے لئے بھی عبرت ناک ہے۔ اگر خدانخواستہ کسی استاد نے تنخواہ پوری لی لیکن وقت پورا نہیں دیا تو اس کم دیئے ہوئے وقت کے مقابلے میں جو پیسہ آیا، وہ سور کے گوشت کی طرح حرام ہے۔ اور ایسا حرام ہے کہ ''شراک من النار أوشراکان من النار'' کا مصداق ہے۔

اور طلبہ کے لئے اس لئے کہ ان کے پاس مدرسے کی چیزیں امانت ہوتی ہیں۔ جس کمرے میں وہ رہتے ہیں۔ وہ کمرہ ان کے پاس امانت ہے۔ جس درسگاہ میں وہ پڑھتے ہیں، وہ درسگاہ ان کے پاس امانت ہے۔ جس چارپائی پر وہ لیٹتے ہیں۔ وہ چارپائی ان کے پاس امانت ہے۔ مدرسہ کی جو کتابیں وہ پڑھتے ہیں۔ وہ مدرسہ کی طرف سے ان کے پاس امانت ہیں۔ اسی طرح مدرسہ کی دیگر املاک جیسے دیواریں، عمارت اور درخت و پودے وغیرہ بھی امانت ہیں۔ یہ سب مدرسے کی مقدس امانتیں ہیں۔ اگر آپ انہیں خراب کریں گے تو کہیں ایسا نہ ہو کہ ''شراک من النار

أو شراکان من النار'' کا مصداق بن جائیں۔

اس لئے سال کے آخر میں اِس بات کا بھی جائزہ لینے کی ضرورت ہے کہ ہم نے خدانخواستہ مدرسہ کے پیسے یا اس کی املاک میں دانستہ یا نادانستہ کوئی کوتاہی یا خیانت تو نہیں کی۔

وقت میں کوئی خیانت یا کوتاہی تو نہیں کی۔ محنت میں کوئی خیانت اور کوتاہی نہیں کی۔ اگر نہیں کی تو اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہیے اور یہ دُعا بھی کرنی چاہیے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں آئندہ اس پر استقامت کی توفیق عطا فرمائے۔

مختلف درجات سے فارغ ہونے والوں کے لئے الگ الگ نصائح:

ایک بات تو یہ ہے۔ اب میں ایک بات ان سے کہوں گا جو دورۂ حدیث سے فارغ ہوئے ہیں۔ پھر ایک بات ان سے کہوں گا جو درجہ تخصص سے فارغ ہوئے ہیں، پھر ایک بات ان سے کہوں گا جو درجہ حفظ سے فارغ ہوئے ہیں۔

اصلی طالب علمی کا اب آغاز ہوا ہے:

دورۂ حدیث سے جو طلبہ فارغ ہوئے ہیں، انہیں انشاء اللہ وفاق المدارس کے امتحان میں کامیابی پر'' شہادۃ العالمیہ'' ملے گی۔ پہلے یہ سمجھ لیجئے کہ یہ شہادۃ العالمیہ (بفتح اللام) نہیں ہے بلکہ شہادہ العالمیہ (بکسر اللام) ہے یعنی عالم ہونے کی سند۔

یہاں پر یہ بات سمجھ لیجئے کہ وفاق والوں کی یہ مجبوری تھی۔ اس مجبوری میں ہم بھی شریک تھے (عاملہ اور شوریٰ میں ہم بھی شامل تھے) کہ اسے کوئی نہ کوئی نام تو دینا ہی تھا۔ عام طور پر یہ نام جامعۃ الازھر کے فارغ التحصیل علماء کی اسناد پر جاری ہوتا ہے تو ہم نے جامعۃ الازہر کی تقلید میں اس کا نام'' شہادۃ العالمیہ'' تجویز کیا نیز قانونی

طور پر چونکہ حکومت اس کا معادلہ ایم۔اے عربی اور ایم۔اے اسلامیات (ڈبل ایم۔اے) سے کررہی تھی، اس لئے بھی اس کا یہ نام تجویز کیا گیا۔ اس کے معنی ہیں ''عالم ہونے کی گواہی یا عالم ہونے کی سند'' لیکن یہاں دو باتیں قابلِ غور ہیں۔

ایک بات تو یہ ہے کہ دارالعلوم دیوبند سے جو سند جاری کی جاتی تھی، اس کا نام تھا'' سند الفراغ'' یعنی فارغ ہونے کی سند۔ میں نے اپنے والد ماجد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے حضرت مولانا انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا یہ ملفوظ بار بار سنا۔ وہ طلبہ سے فرماتے تھے کہ یہ سند جو تمہیں جاری کی جاتی ہے، اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ تم عالم دین بن گئے ہو بلکہ اس کا مقصد یہ ہے کہ تمہارے اندر قوت مطالعہ پیدا کردی گئی ہے۔ اب اگر، تم فقہ، اصول فقہ، منطق فلسفہ، علوم بلاغت، علمِ صرف ونحو، حدیث، اصول حدیث، تفسیر یا اصولِ تفسیر کی کوئی کتاب اٹھا کر دیکھو گے تو مطالعہ کے ذریعے سمجھ سکو گے، کہیں کہیں اتفاق سے کوئی مشکل پیش آ گئی تو وہاں لغت اور شروح سے مدد مل جائے گی لیکن اب باقاعدہ درساً پڑھنے کی ضرورت نہیں۔ ابھی عالم نہیں ہوئے بلکہ عالم بننے کا راستہ تیار ہوگیا۔ عالم اس وقت بنو گے جب اس قوت مطالعہ کو استعمال کرو گے، اپنے مطالعہ اور تحقیق کو بڑھاؤ گے، کہیں تدریس کے لئے مطالعہ کرو گے، کہیں تصنیف کا کام کرو گے تو اس میں مطالعہ کرو گے، اس سے علم بڑھے گا۔ فتویٰ کا کام کرو گے تو کئی کتابیں دیکھنا پڑیں گی، علم بڑھے گا۔ یہ کئی برس تک جب یہ سلسلہ جاری رہے گا تو انشاء اللہ، عالم دین بھی بن جاؤ گے۔ اب عالم دین نہیں بنے۔ بعض طلبہ کو یہ غلط فہمی ہوجایا کرتی ہے کہ وہ یہ سمجھنے لگتے ہیں کہ ہم عالم دین بن گئے۔ اس لئے دوبارہ کہتا ہوں کہ ابھی عالم دین نہیں ہوئے بلکہ قوت مطالعہ پیدا ہوئی ہے۔ دوسرے لفظوں میں ''اصلی طالب علمی کا اب آغاز ہوا ہے۔''

طالب علمی کبھی ختم نہیں ہوتی:

طالب علمی کبھی ختم نہیں ہوتی۔ بلکہ یہ "من المهدإلى اللحد" جاری رہتی ہے۔ الحمدللہ میں تو دُعا کرتا ہوں کہ اے اللہ! مجھے مرتے دم تک طالب علم رکھئے۔ اگر اللہ تعالیٰ طالب علم بننے کا منصب عطا فرمائے تو یہ بہت بڑا منصب ہے۔ اس میں

﴿مَنْ سَلَكَ طَرِيقًا يَلْتَمِسُ فِيهِ عِلْمًا سَهَّلَ اللّٰهُ لَهُ بِهِ طَرِيقًا إِلَى الْجَنَّةِ﴾ (مسلم، مسند احمد بن حنبل)

کی بشارت ہے، فرشتے قدموں کے نیچے پر بچھاتے ہیں۔ سمندروں کی مچھلیاں ان کے لئے استغفار کرتی ہیں۔

عالمِ دین ہونے کا معیار:

دوسری بات یہ ہے کہ قرآن مجید نے عالمِ دین ہونے کا ایک معیار بتلایا ہے۔ وہ یہ ہے کہ

﴿إِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا﴾ (الفاطر، ۲۸)

"خدا سے تو اس کے بندوں میں سے وہی ڈرتے ہیں جو صاحبِ علم ہیں۔"

یعنی اللہ تعالیٰ کے بندوں میں سے خشیت والے صرف علماء ہی ہوتے ہیں۔ اپنے ضمیر کا جائزہ لیجئے کہ ہمارے اندر اللہ تعالیٰ کی کتنی خشیت پیدا ہوئی ہے۔ اگر کچھ خشیت پیدا ہوئی ہے تو سمجھ لیجئے کہ کچھ علم آیا ہے، اور اگر نہیں پیدا ہوئی تو سمجھ لیجئے کہ محرومی ہے۔ فکر اور پریشانی کی بات ہے۔

اِس خشیت کو ڈھونڈ یئے، تلاش کیجئے۔ یہ خشیت کہاں ملے گی؟ دکانوں میں

ملے گی؟ بازاروں میں؟ کارخانوں میں؟ نہیں نہیں بلکہ یہ خشیت خشیت والوں کے پاس ملے گی۔

﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ كُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ﴾ (التوبہ:۱۱۹)

''اے ایمان والو! خدا تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور راستبازوں کے ساتھ رہو۔''

والد صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا ایک اہم ملفوظ:

یہ اللہ والوں کی صحبت سے پیدا ہوتی ہے۔ جس سال ہم دورۂ حدیث سے فارغ ہوئے تو میرے والد ماجد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اسی سال تخصص فی الافتاء کا شعبہ قائم کیا۔ خود ہی تخصص فی الإفتاء کا کام کراتے تھے۔ ہم دونوں بھائی تخصص کی جماعت میں تھے۔ کل چھ سات ساتھی تھے۔ حضرت والد صاحب بار بار فرمایا کرتے تھے کہ دیکھو! دورۂ حدیث تک پہنچنے کے بعد تم نے فقہ ظاہر کی تعلیم حاصل کرلی ہے۔ ابھی فقہ باطن کی تعلیم باقی ہے۔ جس اہتمام محنت اور کوشش سے تم نے فقہ ظاہر کے کام میں وقت لگایا ہے۔ اتنی بلکہ اس سے بھی زیادہ اہمیت کے ساتھ فقہ باطن کی طرف توجہ دو۔

تخصص فی الإفتاء میں روزانہ سبق تو نہیں ہوتا تھا۔ البتہ فتویٰ نویسی کی وجہ سے روزانہ مجلس میں حاضری ہوتی تھی۔ شاید ہی کوئی دن خالی جاتا ہو۔ جس دن وہ یہ بات نہ فرماتے ہوں کہ دیکھو! جب تک تم علم باطن کو حاصل نہیں کرو گے۔ عالم دین نہیں بنو گے۔ عالم دین بننا تو بہت بڑی بات ہے۔ جب تک باطن کی اصلاح نہ ہو، پورے مسلمان بھی نہیں بنو گے۔

تکبّر دور کیے بغیر جنت میں داخلہ نہیں:

باطن میں اگر تکبر گھسا ہوا ہے تو کیا جنت میں داخلہ مل جائے گا؟ حدیث میں ہے۔

﴿لَایَدْخُلُ الْجَنَّةَ مَنْ کَانَ فِیْ قَلْبِهٖ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ مِنْ کِبَرٍ﴾ (مسلم، کتاب الإیمان)

''اگر ذرّہ برابر بھی کبر ہو تو جنت میں داخلہ نہیں ملے گا۔''

اگر خدانخواستہ دل میں علم کا کبر گھسا ہوا ہے یا عمل کا یا نسب کا یا منصب کا یا خاندان کا یا مال ودولت کا یا ذہانت کا یا حسن وجمال کا، کسی بھی چیز کا کبر اگر گھسا ہوا ہے تو جنت کا راستہ تو اس سے گیا۔ جب تک اس رذیلے سے قلب کو پاک نہیں کرو گے، جنت میں داخلہ نہیں، سارے وظائف دھرے رہ جائیں گے۔

اللہ کے ہاں اخلاص کی قیمت ہے:

اللہ کے ہاں اخلاص کی قیمت ہے۔ میں نے اپنے مرشد حضرت ڈاکٹر عبدالحیٔ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے یہ حکایت سنی فرمایا کہ ایک بزرگ جن کی پوری زندگی تصنیف وتالیف اور علمی مشاغل میں گذری تھی۔ انتقال کے بعد کسی مرید یا شاگرد سے خواب میں ان کی ملاقات ہوئی۔ ان کا حال پوچھا تو فرمایا: بس، بال بال بچ گیا۔ مجھ سے پوچھا گیا: تمہیں اتنی عمر دی گئی، بتاؤ ہمارے لئے کیا لائے۔ میں نے کہا کہ یا اللہ! پوری زندگی آپ کے دین کی خدمت میں گذاری تھی۔ فرمایا گیا کہ تم نے علم دین کی خدمت تو کی لیکن میرے واسطے تو نہیں کی، بلکہ اس لئے کی تھی کہ تمہیں علامہ اور مولانا کہا جائے۔ یہ تو تمہیں مل چکا، میرے لئے کیا لائے ہو۔ وہ بتاؤ۔

میں یہ سن کر سناٹے میں آ گیا۔ میری ساری پونجی کھوٹی نکل آئی۔ مجھ سے بار بار پوچھا جانے لگا کہ بتاؤ ہمارے لئے کیالائے ہو۔ میں نے عرض کیا: یا اللہ! میری تو پونجی ہی یہ تھی اورتو کچھ میرے پاس ہے ہی نہیں۔ فرمایا گیا کہ تمہاری ایک نیکی ہمارے پاس محفوظ ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ جب تم لکھ رہے تھے۔ تم نے دوات میں قلم ڈالا، اسے نکال کر جب لکھنے کے لئے کاغذ کے پاس لائے تو قلم میں سے روشنائی کی ایک بوند کاغذ پر گرگئی۔ تم نے قلم رکھا اور بوند صاف کرنے کے لئے کپڑے کو اٹھایا، اتنے میں ایک مکھی اس پر آ کر بیٹھ گئی جو اس کا پانی چوسنے لگی، تو تم نے یہ سوچ کر اپنے ہاتھ کو روک لیا کہ یہ اللہ کی مخلوق ہے، پیاسی ہے، پیاس بجھالے تو پھر صاف کروں گا۔ یہ کام تم نے ہمارے لئے کیا تھا۔ تمہاری یہ نیکی ہمارے پاس محفوظ ہے۔ اسی کی بدولت تمہاری بخشش کرتے ہیں۔

اللہ والوں کی صحبت کے بغیر عادۃً اصلاح نہیں ہوتی:

یہ باتیں اللہ والوں اور خشیت والوں کی صحبت کے بغیر حاصل نہیں ہوتیں۔ اسی لئے قرآن مجید میں فرمایا گیا۔

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَ كُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ﴾ (التوبہ:۱۱۹)

''اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور راست بازوں کے ساتھ رہو۔''

صادقین سے مراد وہ لوگ ہیں جو زبان کے بھی سچے، دل کے بھی سچے اور عمل کے بھی سچے یعنی اللہ والے۔ اگر تمہیں وحدۃ الوجود، وحدۃ الشہود اور مختلف رذیلوں اور فضیلوں کی اصطلاحیں یاد نہ ہوں تو کوئی بات نہیں لیکن اللہ والوں کی صحبت

کو لازم پکڑلو۔ اپنے آپ کو کسی اللہ والے کے سپرد کردو۔ میرے والد ماجد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ عادۃً اصلاح اس کے بغیر نہیں ہوتی کہ اپنے آپ کو کسی مرشد کے حوالے کرے۔ اور ایسا حوالے کرو کہ اپنا ارادہ ختم کردو۔ جس طرح وہ کہے اس کے مطابق عمل کرو۔ اپنے آپ شیخ کے ایسے سپرد کرو ''کالمیت فی یدالغسال'' جیسے مردہ غسل دلانے والے کے ہاتھ میں ہوتا ہے کہ جدھر اس نے پلٹا، ادھر پلٹ گیا، میت کا اپنا کوئی ارادہ نہیں ہوتا۔

اس طرح کرنے سے انشاء اللہ اصلاح باطن ہوجائے گی، تزکیہ باطن حاصل ہوجائے گا اور جنت کا راستہ کھل جائے گا۔

''تربیت'' کا مرحلہ باقی ہے:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقاصد بعثت چار بیان کئے گئے۔

﴿يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ﴾ (الجمعۃ:۲)

''(رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) ان کے سامنے قرآن کی آیات پڑھتے اور ان کو پاک کرتے اور (خدا کی) کتاب اور دانائی سکھاتے ہیں۔''

''یتلوعلیھم اٰیاتِہٖ'' میں قرآن حکیم کے الفاظ کی تعلیم ہے۔ ''ویعلمھم الکتٰب'' میں قرآن مجید کے معانی کی تعلیم اور ''الحکمۃ'' میں حدیث اور سنت کی تعلیم ہے، اور ''یزکیھم'' میں تزکیہ ہے۔ اسی کا نام تربیت ہے۔ حاصل یہ نکلا کہ تین چیزوں کا تعلق تعلیم سے ہے۔

۱۔ الفاظ قرآن کی تعلیم

۲۔ معانی قرآن کی تعلیم
۳۔ سنت کی تعلیم
اور ایک چیز تربیت کی ہے، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مقاصد کا خلاصہ دو لفظوں میں نکل آیا۔

۱۔ تعلیم ۲۔ تربیت

آپ نے تعلیم تو کچھ حاصل کر لی ہے۔ الفاظ قرآن بھی سیکھے، معانی قرآن کا علم بھی حاصل کیا، جلالین پڑھی، بیضاوی پڑھی اور دورۂ حدیث میں سنت کی تعلیم بھی حاصل کی لیکن ''تربیت'' کا مرحلہ باقی ہے۔ جب تک یہ کام نہیں ہوگا۔ اس وقت تک مکمل عالم نہیں ہو گے اور اپنے والد ماجد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے الفاظ میں کہتا ہوں کہ پورے مسلمان بھی نہیں ہو گے۔

طلبہ دورۂ حدیث کے لئے پیغام کا حاصل:

اس لئے جو طلبہ دورۂ حدیث سے فارغ ہوئے ہیں۔ ان کے لئے میرے پیغام کا حاصل دو چیزیں ہیں۔

۱۔ پہلی بات یہ ہے کہ اپنے آپ کو عالم نہ سمجھو، طالب علم سمجھو اور یہ سمجھو کہ اصل طالب علمی اب شروع ہوئی ہے۔ اپنے علم کو بڑھاؤ۔ دنیا کی اشیاء اور مال پر تو قناعت کرو لیکن علم پر کبھی قناعت نہ کرو، علم ایسی چیز نہیں کہ اس پر قناعت کی جائے۔

۲۔ دوسری بات یہ ہے کہ فقہ باطن کی طرف توجہ کرو اور اس کا راستہ سوائے اس کے نہیں کہ اپنے آپ کو کسی اللہ والے کے سپرد کر دو۔

فارغ التحصیل طالبات کے لئے اہم نصیحت:

یہ تو دورۂ حدیث سے فارغ ہونے والے طلبہ کی خدمت میں گذارشات تھیں اور یہی ساری باتیں ان طالبات سے بھی ہیں جو دورۂ حدیث سے فارغ ہوئی ہیں اور ایک بات ان سے ایسی بھی کہنی ہے جو انہی کے ساتھ خاص ہے۔ وہ یہ کہ طلبہ تو درس نظامی آٹھ سال میں پڑھتے ہیں اور آپ نے چار سال پڑھا لیکن سند آپ کو بھی ''شہادۃ العالمیۃ'' کی ملے گی۔ انصاف سے سوچو! کیا تمہاری علمی قابلیت اتنی ہی ہے جتنی ان طلبہ کی جنہوں نے آٹھ سال کھپائے۔

میں آپ کو طعنہ دینے کے لئے نہیں کہہ رہا بلکہ اس لئے کہہ رہا ہوں تا کہ آپ کے سامنے ایک حقیقت واضح رہے کہ آپ نے آٹھ سال کی بجائے چار سال لگائے ہیں۔ آپ کا نصاب ہم نے ہی بنایا تھا (وفاق کی عاملہ نے بنایا تھا اور میں اس کا رکن ہوں) لیکن آج تک ہمارا ضمیر اس پر مطمئن نہیں ہے کہ اس چار سالہ نصاب پر آپ کو ''شہادۃ العالمیۃ'' دی جائے۔ وفاق المدارس کے صدر ہمارے استاذ محترم حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب مدظلہم کی رائے بھی یہی ہے کیونکہ آپ کو معلوم ہے کہ آپ نے نہ بخاری پوری پڑھی، نہ مسلم پڑھی، نہ ابوداؤد پوری پڑھی، نہ مشکوۃ پوری پڑھی، نہ فقہ کی ساری کتابیں پڑھیں اور نہ منطق وفلسفہ کی۔ آپ کے لئے ایک مختصر سا راستہ نکالا گیا۔ میں اس پر بھی آپ کو مبارک باد دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو چار سالہ تعلیم کے زیور سے آراستہ کیا ہے۔ یہ بھی بہت بڑی دولت ہے۔ آپ قابل قدر ہیں۔ پہلے ہماری بچیوں کو یہ دولت بھی نصیب نہیں تھی لیکن یاد رکھنا اپنے آپ کو آدھا عالم سمجھنا بلکہ میں نے تو ابھی طلبہ سے یہ کہا کہ اپنے آپ کو عالم نہ سمجھنا، طالب علم سمجھنا تو آپ اپنے آپ کو آدھا طالب علم سمجھنا۔

"مدرستہ البنات" کے متعلق آنے والی شکایات:

ایک اور بات بھی عرض کرنا چاہتا ہوں۔ وہ یہ کہ جہاں بھی مدرستہ البنات قائم ہیں، وہاں کے بارے میں یہ بات کثرت سے سننے میں آ رہی ہے۔ سب مدارس اور سب عالمات کے بارے میں نہیں کہہ رہا لیکن بہت سے مدرسوں کی بہت سی عالمات کے بارے میں یہ شکایتیں میرے کانوں تک پہنچی ہیں اور کچھ واقعات بھی میرے سامنے آئے ہیں کہ چونکہ تعلیم ادھوری ملی اس لئے بعض طالبات کو یہ نقصان ہوا کہ ان کے دماغ اونچے ہوگئے۔ اپنے آپ کو اپنے ماں باپ سے بھی بڑا سمجھنے لگیں، اپنے بڑے بہن بھائیوں سے بھی بڑا سمجھنے لگیں کہ ہمارے ماں باپ عالم نہیں، ہم عالمہ ہیں۔ ہمارے بہن بھائی عالم نہیں ہم عالمہ ہیں، حافظہ ہیں، قاریہ ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ماں باپ کی خدمت جتنی پہلے کیا کرتی تھیں، اب نہیں کرتیں۔ بہن بھائیوں کے ساتھ نرمی اور عجز وانکساری کا جو سلوک پہلے تھا، اب اس میں کمی آنے لگی۔ اور اس سے بھی زیادہ خطرناک بات یہ ہے کہ اپنے گھر میں تو ماں باپ، بہن بھائی وغیرہ تو پردہ ڈال دیتے ہیں لیکن سسرال والے تو اس قسم کی باتوں کو برداشت نہیں کرتے، وہ تو چھوٹے سے عیب کو بہت اچھالتے ہیں، پر کا کوا بنا دیتے ہیں۔ اگر وہاں جا کر تمہارا معاملہ اپنے شوہر سے یہی ہوا کہ وہ عالم نہیں اور تم نے اپنے آپ کو اس سے بڑا سمجھا تو کیا ہوگا؟ تم اس کی خدمت کرنے میں عار محسوس کرو گی حالانکہ تمہیں معلوم ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شوہر کے کتنے فضائل بیان کئے ہیں۔ ساس، سسر کے ساتھ تمہارا ادب واحترام کا وہ تعلق نہیں ہوگا جو ہمارے ہاں شریف خاندان کی عورتیں کرتی ہیں کہ ان کا ادب واحترام بھی کرتی ہیں اور ان کی خدمت میں بھی کرتی ہیں۔

محبت کا جواب محبت سے ملا کرتا ہے:

شریف لڑکیوں کا معاملہ یہی ہوتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کا تقاضا بھی یہی ہے۔ یہ بات اپنی جگہ درست ہے کہ بہو کی یہ ذمہ داری نہیں کہ وہ اپنے ساس، سسر کی خدمت کرے یا دیور اور نندوں کی خدمت کرے یا ان کی مہمانداریاں کرتی پھرے۔ ان کو کھانا پکا پکا کھلاتی پھرے لیکن اگر ایسا کرو گی تو اس کا ثواب آپ ہی کو ملے گا اور پھر پیار کے بدلے پیار ملے گا۔ تم ساس، سسر کو اپنا باپ اور ماں بنا کر رکھو گی تو وہ تمہیں بیٹی بنا کر رکھیں گے۔ نندوں اور دیوروں کو اپنا بہن بھائی سمجھو گی تو وہ تمہیں اپنی بہن سمجھیں گے۔ محبت کا جواب محبت سے ملا کرتا ہے۔ تکبر کا جواب محبت سے نہیں ملا کرتا۔

ناگوار واقعات:

الحمد للہ، دارالعلوم کراچی کی طالبات کے ایسے واقعات میرے علم میں نہیں آئے اور الحمد للہ اِس مدرسے کی بھی ایسی کوئی بات ہم نے نہیں سنی لیکن کئی مدرسوں کی طالبات کے یہ قصے سامنے آئے کہ پہلے اچھی خاصی تھیں لیکن اب لڑکیوں کے اخلاق و کردار میں فرق آ گیا۔ نہ ماں باپ کے ساتھ ویسی رہیں اور نہ بہن بھائیوں کے ساتھ وہ سلوک رہا۔ شادی ہوئی تو کچھ ہی دنوں کے بعد میاں بیوی میں تلخیاں شروع ہوگئیں، ساس سسر سے جھگڑے شروع ہو گئے۔ ایک واقعہ ایسا بھی میرے علم میں ہے کہ طلاق ہوگئی اور ایک واقعہ ایسا میرے علم میں ہے کہ طلاق بالکل ہونے والی تھی۔ بیچ میں ہم لوگ پڑ گئے، بہت کچھ سمجھایا، کوششیں کیں۔ تقریباً ایک سال کی کوششوں کے بعد اللہ تعالیٰ نے طلاق سے بچا لیا مگر ابھی تک ان کی زندگی میں وہ لطف پیدا

نہیں ہوا جو میاں بیوی کی زندگی میں ہونا چاہیے۔

اپنے آپ کو بڑا سمجھنا شیطان کی سنّت ہے:

علم ایک نعمت ہے۔ شیطان کوشش کرتا ہے کہ اس کی بنیاد پر تکبر پیدا ہو جائے۔ یاد رکھئے کہ تکبر پیدا ہونا اس بات کی علامت ہے کہ ابھی تک علم نہیں آیا۔ جس کے پاس علم دین آیا کرتا ہے، اس کا سر جھک جایا کرتا ہے۔ آپ نے نہیں دیکھا کہ جس درخت پر کوئی پھل لگا ہوا نہ ہو تو وہ یوں سیدھا کھڑا ہوتا ہے، تنا ہوا، اس کی ساری شاخیں تنی رہتی ہیں اور جو درخت پھلوں سے لدا ہوا ہو، اس کی ساری شاخیں جھکی ہوئی ہوتی ہیں۔ جس کے پاس علم ہوتا ہے اس کا سر جھکا ہوا ہوتا ہے۔ تاجدارِ دو عالم سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کو مشرکین مکہ نے بے دردی سے تکالیف پہنچائیں۔ آپ اپنے آباء واجداد کو چھوڑ کر مدینہ منورہ تشریف لے گئے۔ وہاں بھی کفار نے آپ کو چین نہیں لینے دیا۔ کتنی مرتبہ حملے کئے۔ قتل کے منصوبے بنائے۔ سازشیں کیں لیکن جب تاجدار دو عالم سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم فاتح کی حیثیت سے مکہ شہر میں داخل ہوئے تو آپ کا سرِ مبارک جھکا ہوا تھا۔ تنا ہوا نہیں تھا۔

عزیز طالبات، یاد رکھو! اپنے آپ کو بڑا سمجھنا شیطان کی سنت ہے۔ شیطان بہت بڑا عالم تھا۔ اتنا بڑا عالم کہ بعض فرشتوں سے بھی اس کا علم زیادہ تھا لیکن تکبر کی وجہ سے مردود ہوا۔ اس لئے اگر کوئی تکبر کا شائبہ ہو تو اُسے نکال دو اور کسی اللہ والے سے رشتہ جوڑو۔

بہشتی زیور کو اپنا مشعلِ راہ بناؤ

اِس سلسلے میں آپ کو میں یہ مشورہ دوں گا کہ بہشتی زیور کے ساتویں حصہ میں

پیری مریدی اور باطن کی اصلاح سے متعلق مضامین اور کافی تفصیلی کلام ہے۔ آپ اسے غور سے پڑھیں۔ کوئی بات سمجھ میں نہ آئے تو اپنے بزرگوں اور اساتذہ سے پوچھیں پھر ان کے مطابق عمل کرنے کی کوشش کریں۔ میں آپ سے ایک اور بات کہوں (پتہ نہیں آپ اس کی قدر کریں گی یا نہیں؟ کہیں آپ اس میں اپنی توہین نہ سمجھنے لگیں) وہ بات یہ ہے کہ الحمدللہ آپ نے پڑھا تو بہت کچھ ہے لیکن عملی زندگی میں اس سب کا لبِ لباب وہی ہے جو بہشتی زیور میں لکھا ہوا ہے۔

بہشتی زیور کو اپنا مشعل راہ بنالو۔ از اول تا آخر بہشتی زیور کا مطالعہ کرو۔ صرف ایک مرتبہ مطالعہ کافی نہیں۔ ہم نے دیکھا کہ ہمارے والدِ ماجد رحمۃ اللہ علیہ نے ہماری بہنوں کو ہدایت کر رکھی تھی کہ شروع سے آخر تک پڑھا کرو۔ جب ختم ہو جائے تو پھر دوبارہ شروع کر دو۔

میں نے آپ کو اپنی بیٹیاں سمجھ کر خطاب کیا ہے۔ امید ہے کہ میری یہ باتیں آپ کی دل شکنی کی بجائے باعثِ تقویت ہوں گی۔

یہ مفتی بننے کی سند نہیں

تخصّص سے فارغ ہونے والے ساتھیوں سے بھی ایک بات عرض کرنی ہے اور وہ یہ کہ والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ پورے ملک میں چار پانچ ہی تو مفتی ہیں۔ جب کسی مسئلے میں اجتماعی غور وفکر کی ضرورت پیش آتی ہے تو چار، پانچ سے زیادہ مفتی نظر نہیں آتے۔ جب ہمارا تخصص کا نصاب پورا ہونے لگا تو فرمایا: یاد رکھو! ہم جو تمہیں سند دے رہے ہیں، وہ اس بات کی سند نہیں کہ تم مفتی ہو گئے، بلکہ ہم اس بات کی سند دے رہے ہیں کہ تم نے تخصص فی الافتاء کا نصاب اپنے استادوں کی زیرِنگرانی باقاعدہ پڑھ لیا اور اس کے امتحان میں کامیابی حاصل کی۔ ابھی مفتی نہیں

بنے۔ مفتی اس وقت بنو گے جب سالہا سال کسی ماہر مفتی کی ماتحتی اور نگرانی میں رہ کر اسکی ہدایات کے مطابق فتوے لکھتے رہو گے۔ انہیں دکھاتے رہو گے، وہ ان کی اصلاح کرتے رہیں گے۔ پھر رفتہ رفتہ جب وہ تمہارے فتوے پر اطمینان کرنے لگیں تو پھر تم مفتی کہلاؤ گے۔

میں نے ۱۹۶۰ء میں تخصص کیا اور پھر والد صاحب کی تربیت میں کام کرنا شروع کیا۔ حضرت والد صاحب کا انتقال ۱۹۷۶ء میں ہوا (یعنی سولہ سال بعد) اس وقت تک وہ میرے نام کے ساتھ مفتی نہیں لکھتے تھے، مجھے ''نائب مفتی'' کہتے تھے۔ مولانا عاشق الٰہی صاحب کو بھی ''نائب مفتی'' کہتے ہیں۔

جنوبی افریقہ کا واقعہ

۱۹۶۶ء میں والد صاحب کے ساتھ جنوبی افریقہ جانا ہوا تو پورے ملک میں عالم ہی دو تین تھے، وہ بھی ہندوستان کے تھے۔ والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے انتقال کے بعد ۱۹۷۷ء میں جانا ہوا۔ وہاں جا کر دیکھا کہ اتنے مفتی ہیں کہ ہر گاؤں میں ایک مفتی مل جاتا ہے۔ جہاں جائیں، مفتی صاحب مل جاتے تھے۔ حیرانگی ہوئی کہ گیارہ سال میں کیا انقلاب آ گیا کہ صرف علماء ہی نہیں، یہاں مفتی اتنے زیادہ پیدا ہو گئے۔ جتنے شہر اتنے مفتی، جتنے گاؤں اتنے مفتی۔ شوق پیدا ہوا کہ جا کر ان سے ملاقات کریں، جاکر دیکھا کہ چھوٹے چھوٹے لڑکے مفتی بنے ہوئے ہیں۔ معلوم ہوا کہ ہندوستان میں کوئی کارخانہ لگا ہوا ہے جو ایک سال میں مفتی بنا دیتا ہے، اور بڑی تعداد میں اسی کی پروڈکشن (Production) چل رہی ہے۔

اب ہمارے ملک میں آپ دیکھ لیں۔ مفتیوں کی تعداد کتنی زیادہ ہو چکی ہے۔ تخصص فی الافتاء میں داخلہ ملتے ہی مفتی کہلانا شروع ہو جاتے ہیں حالانکہ ابھی

تک تخصص کی تربیت بھی حاصل نہیں کی ہوتی۔ اور فارغ ہونے کے بعد تو باقاعدہ اپنے نام کے ساتھ بریکٹ میں مفتی کا لفظ لکھتے ہیں۔ بریکٹ میں اس لئے لکھتے ہیں تاکہ دیکھنے والا یوں سمجھے کہ کسی اور نے لکھ دیا ہے حالانکہ لکھتے خود ہی ہیں۔

مفتی بننے کا طریقہ

خدا کے لئے دل سے یہ بات نکال دیجئے کہ آپ مفتی ہو گئے۔ ہرگز خیال نہ کیجئے۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ آپ نے جو تربیت حاصل کی، وہ بے کار چلی گئی۔ نہیں نہیں، وہ بہت قیمتی چیز ہے، بنیاد تیار ہوگئی۔ اب اِس بنیاد پر کام کرنے کی ضرورت ہے۔ اور وہ یہ کہ کسی ماہر مفتی کی ماتحتی میں رہ کر کام کیجئے۔ وہ تمہاری غلطیاں بتائے گا اس پر خوش ہوئیے، برا نہ مانیئے۔ بعض ایسے متکبر بھی ہوتے ہیں کہ استاد غلطی نکالتا ہے تو کہتے ہیں کہ ایسے بے کار میں غلطی نکالی ہے، ایسے لوگوں کی کبھی اصلاح نہیں ہوتی۔ اپنے آپ کو محتاج سمجھ کر اپنے فتووں کی اصلاح لیتے رہیئے اور جب وہ اصلاح کریں تو اس پر ان کے ممنون ہوئیے۔ اس طرح کرنے سے کچھ عرصے کے بعد آپ کے فتوے اس قابل ہو جائیں گے کہ علماء اس پر اعتماد کرنے لگیں۔

ہمارا حال

اس وقت ہمارا حال وہ ہو گیا ہے جو ''اشعب طماع'' کا تھا۔ ''نفحۃ العرب'' میں اس کا قصہ مذکور ہے۔ ''اشعب طمّاع'' لالچی بہت تھے، اتنے لالچی تھے کہ ان کا لالچی ہونا ضرب المثل بن گیا تھا یہاں تک کہ ان کے نام کے ساتھ ''طمّاع'' (لالچی) کا لقب لگ گیا ہے۔ چونکہ واقعۃً لالچی تھے، اس لئے بچے بھی ان کا مذاق اڑاتے تھے۔ ایک مرتبہ کہیں جا رہے تھے۔ بچوں نے چھیڑ چھاڑ شروع کر دی۔ ان کی چھیڑ چھاڑ سے تنگ آ کر

ان سے کہا کہ فلاں کے گھر مٹھائی تقسیم ہو رہی ہے، تم وہاں کیوں نہیں جاتے۔ جیسے ہی بچوں نے یہ سنا، وہ اس مکان کی طرف بھاگ پڑے۔ بچوں کو بھاگتے دیکھ کر خود بھی بھاگ پڑے، لوگوں نے پوچھا کہ تم کیوں بھاگ رہے ہو؟ کہنے لگے کیا خبر! واقعی تقسیم ہو رہی ہو۔ ایسا ہی ہمارا معاملہ ہے کہ خود ہی اپنے آپ کو مفتی لکھنا شروع کیا۔ جب لوگوں نے مفتی کہنا شروع کیا تو سوچنے لگے کیا خبر! واقعی مفتی ہو گئے ہوں۔

قرآن مجید ختم کرنے کا مسنون طریقہ:

اب ایک بات درجہ حفظ و ناظرہ اور درجہ تجوید و قرأت کے طلبہ و طالبات سے کہنی ہے۔ الحمدللہ، آپ نے قرآن مجید مکمل کیا ہے۔ کسی نے حفظ، کسی نے ناظرہ اور کسی نے تجوید و قرأت کے ساتھ۔ اس موقع پر میں آپ کو اپنے والدِ ماجد رحمتہ اللہ علیہ کا ایک ملفوظ سناتا ہوں۔ اس ملفوظ سے پہلے جو بات وہ تمہید کے طور پر فرمایا کرتے تھے، وہ سناتا ہوں۔

کیا آپ کو معلوم ہے کہ ختمِ قرآن کا مسنون طریقہ کیا ہے؟ جب سورۃ الناس پڑھتے ہیں تو فوراً اسی مجلس میں الحمدللہ سے شروع کر کے **الـمّ سے اولٰـئک هـم الـمفلحون**" تک پڑھتے ہیں۔ یہ ختمِ قرآن کا مسنون طریقہ ہے۔ جب اپنے طور پر قرآن مجید کی تلاوت کریں، اس کا بھی مسنون طریقہ یہی ہے۔ حدیث میں "**حـالاً مرتحلاً**" کے الفاظ آئے ہیں۔ جس کا مطلب ہے کہ "اترتے ہی فوراً سواری پر سوار ہو گئے"۔ یعنی قرآن مجید ختم کرتے ہی دوبارہ شروع کر دو۔

اپنی زندگیاں قرآن میں ختم کر دو

اِس مسنون طریقۂ ختم میں اِس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اب جو نیا

شروع کیا، اسے بھی پورا کرو۔ والد صاحب رحمتہ اللہ علیہ اس سنت کا حوالہ دے کر فرمایا کرتے تھے کہ ''یاد رکھو! قرآن مجید ختم کرنے کی چیز نہیں ہے۔ اپنی زندگیوں کو قرآن میں ختم کرنا ہے''۔

حفاظِ قرآن پر اسکی ذمہ داری اور زیادہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں حفظِ قرآن کی دولت سے مالا مال فرمایا، انہیں یہ قدرت بھی دے دی کہ وہ چلتے پھرتے بھی قرآن مجید پڑھ سکتے ہیں، اِس زیور کو اپنے ساتھ رکھو۔ قرآن ایک ایسا رفیق ہے کہ جس کے ساتھ ہو جائے، وہ کبھی تنہا نہیں رہتا۔

اجازتِ حدیث (طلبہ کی طرف سے درخواست پر فرمایا)

میں آپ کو ان تمام کتبِ حدیث کی اپنی سند سے روایت کرنے کی اجازت دیتا ہوں جو میں نے اپنے اساتذہ سے پڑھی ہیں یا سنی ہیں یا جن کی اجازت مجھے بزرگانِ حدیث نے عطا فرمائی ہے۔ چنانچہ اس سلسلہ میں اپنی سند بھی مختصراً بیان کئے دیتا ہوں۔ وہ یہ ہے کہ میں نے مسلم شریف مولانا اکبرعلی صاحب نور اللہ مرقدہٗ سے پڑھی ہے جو وفات تک دارالعلوم کراچی میں استاذ رہے۔ اس سے پہلے مظاہر العلوم سہارنپور میں جلیل القدر استاذ تھے۔ انہوں نے مولانا منظور احمد صاحب سے پڑھی، انہوں نے حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری سے پڑھی۔ حضرت سہارنپوریؒ کی سند مشہور ومعروف ہے۔

بخاری شریف حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحب جالندھریؒ سے پڑھی ہے۔ انہوں نے حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ سے پڑھی۔ حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ کی سندات مشہور ومعروف ہیں۔

والد صاحب رحمتہ اللہ علیہ سے مؤطا امام مالک، شمائل ترمذی درساً پڑھی

ہے۔ اور حصنِ حصین کی اجازت ان سے حاصل ہے۔ انہیں حصنِ حصین کی اجازت حضرت مولانا عزیز الرحمٰن صاحب رحمتہ اللہ علیہ سے حاصل تھی۔ اور یہ میری اعلیٰ ترین سند ہے کیونکہ اس میں میرے اور حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب رحمتہ اللہ علیہ کے درمیان صرف تین واسطے ہیں۔

۱۔ میرے والدِ ماجد قدس سرہ

۲۔ مفتی عزیز الرحمٰن صاحب رحمتہ اللہ علیہ

۳۔ اور حضرت شاہ فضل الرحمٰن گنج مراد آبادی رحمتہ اللہ علیہ

مجھے جن بزرگوں سے اجازتِ حدیث حاصل ہے، ان میں حضرت مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی رحمتہ اللہ علیہ (صاحب اعلاء السنن شامل ہیں، انہوں نے مجھے روایت حدیث کی اجازتِ عامہ مطلقہ عطا فرمائی ہے۔

اسی طرح درساً پڑھنے کے علاوہ تمام مرویات کی اجازت مجھے اپنے والد ماجد سے بھی حاصل ہے۔ اسی طرح حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمتہ اللہ علیہ سے بھی ان کی تمام مرویات کی اجازت حاصل ہے۔ اسی طرح شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب رحمتہ اللہ علیہ کی طرف سے صحاح ستہ کی اجازت حاصل ہے، جو انہوں نے تحریری طور پر دارالعلوم کراچی عطا فرمائی اور میں نے چونتیس کتابوں کے اطراف بھی ان کے پاس پڑھے ہیں۔ انہوں نے ان کی بھی اجازت مدینہ منورہ میں عطا فرمائی۔ اسی طرح حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمتہ اللہ علیہ سے بھی مجھے روایتِ حدیث کی اجازت حاصل ہے۔

ان کے علاوہ شیخ محمد حسن بن مشاط المکّی المالکی المدرس بالمسجد الحرام بمکۃ المکرّمۃ سے بھی اجازت حاصل ہے۔ مکہ مکرمہ میں ۶۴ء میں جب پہلی مرتبہ حاضری ہوئی، میرا پہلا حج تھا۔ وہاں اس وقت وہ مسجد حرام میں مدرس تھے۔ فقہ مالکی کے جلیل القدر فقیہ

اور محدث تھے۔ انہوں نے مجھے اپنی تمام مرویات کی زبانی اور تحریری بھی اجازت عطا فرمائی اور اپنا سبط بھی عطا فرمایا۔

حدیث ''مسلسل بالاولیۃ''

انہوں نے مجھے حدیث ''مسلسل بالاولیّۃ'' بھی سنائی تھی۔ وہ میں آپ کو بھی سنا دیتا ہوں۔ اس کا متن یہ ہے:

﴿قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "اَلرَّاحِمُوْنَ يَرْحَمُهُمُ الرَّحْمٰنُ، اِرْحَمُوْا مَنْ فِي الْأَرْضِ يَرْحَمْكُمْ مَنْ فِي السَّمَاءِ﴾

یہ حدیث مجھ سے لے کر حضرت سفیان بن عیینہ تک ''مسلسل بالاوّلیۃ'' ہے۔ آگے اس کا ''تسلسل بالاولیۃ'' ختم ہو گیا ہے۔

یہاں ایک بات آپ سے یہ عرض کر دوں کہ اگرچہ یہ حدیث ''مسلسل بالاوّلیۃ'' ہے اور میں نے آپ کو سنا کر اسکی اجازت بھی دے دی ہے لیکن یہ حدیث میری زبان سے آپ کے لئے ''مسلسل بالاولیۃ'' نہیں رہی کیونکہ آج ہی کے خطاب میں پہلے اور کئی حدیثیں میں آپ کو سنا چکا ہوں۔ لہٰذا آپ کو مجھ سے ''تسلسل بالاوّلیۃ'' حاصل نہیں ہو سکا ہے۔ کسی اور ایسے استاذ کو تلاش کیجئے جس نے پہلے آپ کو کوئی حدیث نہ سنائی ہو اور وہ سب سے پہلے یہ حدیث آپ کو سنائے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اِن روایات اور بزرگوں کی برکات سے مالا مال فرمائے۔ (آمین)

وآخر دعوانا انِ الحمد للّٰہ رب العالمین ٥

ہماری پریشانیاں اور اُن کا حل

قرآن و حدیث کی دُعاؤں کی روشنی میں

مؤلف

شیخ محمد صدیق المنشاوی

اردو ترجمہ

ابواب الفرج

مولانا خالد محمود

فاضل جامعہ اشرفیہ

بیت العلوم

۲۰- نابھہ روڈ، پرانی انارکلی لاہور۔ فون: ۳۵۲۴۰۸۳-۳

رحمتِ دو عالم ﷺ

اور

اسلامی اخلاق

تالیف

مولانا مفتی محمد فاروق صاحب مدظلہ العالیہ

(مہتمم جامعہ محمودیہ میرٹھ انڈیا)

بیت العلوم

۲۰- نابھہ روڈ، پرانی انارکلی لاہور- فون: ۷۳۵۲۲۸۳

إنَّ مِنَ البَيَانِ لَسِحرًا

اِصلاحی تقریریں

عمل پر اُبھارنے والی عام فہم اور فکر انگیز تقاریر
علماء، خطباء، اور عوام کے لیے یکساں مفید

- دُعا کے فضائل اور قبولیتِ دُعا کی شرائط
- مُتّقی بننے کا طریقہ
- مصائب اور مُشکلات کا عِلاج
- مُعاملات اور مُعاشرت، دو اہم شُعبے
- تصوُّف کی حقیقت و اہمیت
- امریکہ میں مُسلمان کس طرح رہیں
- ماہِ رمضان بخشش کا ذریعہ
- دینی مدارس کی اہمیت اور مغربی دُنیا میں اُن کی ضرورت
- دینی مدارس کا نظام ۔ ایک تعارف

جلد ششم

مفتی اعظم پاکستان مولانا مُحمّد رفیع عُثمانی مدظلہم

بیت العلوم
۲۰۔ نابھہ روڈ، پُرانی انارکلی لاہور۔ فون: ۷۳۵۲۴۸۳

اِصلاحی تقریریں

عمل پر اُبھارنے والی عام فہم اور فکر انگیز تقاریر
علماء، خطباء اور عوام کے لیے یکساں مفید

جلد ششم

مفتی اعظم پاکستان مولانا محمد رفیع عثمانی مدظلہم

ضبط و ترتیب:
مولانا اعجاز احمد صمدانی
فاضل جامعہ دارالعلوم کراچی

بیت العلوم
۲۰- نابھہ روڈ، پرانی انارکلی لاہور۔ فون: ۷۳۵۲۴۸۳

نام کتاب	اصلاحی تقریریں
جلد	ششم
مقرر	حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی مدظلہ
ضبط وترتیب	مولانا اعجاز احمد صمدانی (فاضل دارالعلوم، کراچی)
باہتمام	محمد ناظم اشرف
ناشر	بیت العلوم۔ ۲۰ نابھہ روڈ، چوک پرانی انارکلی، لاہور
	فون: ۷۳۵۲۴۸۳

﴿ملنے کے پتے﴾

بیت العلوم = ۲۰ نابھہ روڈ، پرانی انارکلی، لاہور
ادارہ اسلامیات = ۱۹۰ انارکلی، لاہور
ادارہ اسلامیات = موہن روڈ چوک اردو بازار، کراچی
دارالاشاعت = اردو بازار کراچی نمبر ا
بیت القرآن = اردو بازار کراچی نمبر ا
بیت الکتب = گلشن اقبال، کراچی
ادارۃ المعارف = ڈاک خانہ دارالعلوم کورنگی کراچی نمبر ۱۴
مکتبہ دارالعلوم = جامعہ دارالعلوم کورنگی کراچی نمبر ۱۴
مکتبہ سید احمد شہید = الکریم مارکیٹ، اردو بازار، لاہور
مکتبہ رحمانیہ = غزنی سٹریٹ، اردو بازار، لاہور

پیش لفظ

حضرت مفتی اعظم پاکستان مولانا محمد رفیع عثمانی مدظلہ

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

مجھ جیسے ناچیز کی زبان سے نکلی ہوئی باتیں تو اس قابل بھی نہ تھیں کہ ان کو ''تقریریں'' کہا جاتا، چہ جائیکہ انہیں ''اصلاحی تقریریں'' کا عظیم الشان نام دے کر کتابی شکل میں شائع کیا جائے۔ لیکن اہل محبت کا حسن ظن ہے کہ وہ ان کو ٹیپ ریکارڈ پر محفوظ کر لیتے ہیں۔

عزیز القدر مولوی محمد ناظم سلمہ نے جو دار العلوم کراچی کے ہونہار فاضل، اور ''جامعہ اشرفیہ لاہور'' کے مقبول استاذ ہیں، کئی سال سے ان ٹیپ شدہ تقریروں کو قلم بند کروا کر اپنے ادارے بیت العلوم لاہور سے شائع کرنے کا سلسلہ جاری کیا ہوا ہے اور اب تک اس سلسلے کے چھ درجن سے زیادہ کتابچے شائع کر چکے ہیں، اور اب ان میں سے کچھ مطبوعہ کتابچوں کا ایک مجموعہ ''اصلاحی تقریریں (جلد ششم)'' کے نام سے شائع کر رہے ہیں۔

یہ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ ماشاء اللہ انہوں نے اور ان کے رفقائے کار نے

ریکارڈ سے نقل کرنے میں بڑی کاوش اور احتیاط سے کام لیا ہے اور ذیلی عنوانات بڑھا کر ان کی افادیت میں اضافہ کردیا ہے۔ اور جلد سوم کے بعد کی جلدوں میں جامعہ دارالعلوم کراچی کے ہونہار فاضل، اور استاذ مولوی اعجاز احمد صمدانی سلمہ نے ضبط وترتیب کا یہ کام اس مفید اضافے کے ساتھ کہ تقریروں میں بیان ہونے والی آیات قرآنیہ اور احادیث مبارکہ کے مفصل حوالے بھی درج کردیئے ہیں۔

اللہ تعالیٰ ان کی اس محنت کو شرفِ قبولیت سے نوازے اور ان کے علم وعمل اور عمر میں برکت عطاء فرمائے، اور اس کتاب کو قارئین کے نافع بنا کر ہم سب کے لئے صدقہ جاریہ بنادے اور ''بیت العلوم'' کو دینی اور دنیاوی ترقیات سے مالا مال کردے۔

واللہ المستعان

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عرض ناشر

مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب مدظلہ ملک و بیرون ملک ایک جانی پہچانی علمی اور روحانی شخصیت ہیں۔ آنجناب ملک کی مشہور دینی درسگارہ ''دارالعلوم کراچی'' کے مہتمم اور اسلامی نظریاتی کونسل کے ایک فعال ممبر ہونے کے علاوہ کئی جہادی، اصلاحی اور تعلیمی تنظیموں کے سرپرست ہیں۔ آپ مفسر قرآن مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ کے فرزند ارجمند اور عارف باللہ حضرت ڈاکٹر عبدالحئی عارفی صاحبؒ کے ممتاز اور اخص الخواص خلفاء میں سے ہیں۔ ان تمام خوبیوں کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ نے حضرت مفتی صاحب مدظلہ کو حسن خطابت سے خوب خوب نوازا ہے۔ ہر موقعہ پر پراثر اور دلنشین پیرائے میں ہر سطح کے سامع کو بات سمجھانا حضرت کا خصوصی کمال ہے جو اس قحط الرجالی کے دور میں کہیں کہیں نظر آتا ہے۔ پھر بزرگوں کی صحبت کی برکت سے لوگوں کی اصلاح کا جذبہ کہ کسی طرح لوگ روحانی طور پر درست ہو جائیں حضرت کے بیانات کا لازمی حصہ ہے۔ گویا حضرت کے خطبات و بیانات شریعت وطریقت کا ایک حسین امتزاج ہوتے ہیں۔ جن میں عالمانہ تحقیق، فقیہانہ نکتہ وری کے ساتھ ساتھ، ایک بلند پایہ صوفی، مصلح اور مربی کی سوچ بھی جلوہ نما ہوتی ہے۔

الحمدللہ ''بیت العلوم'' کو یہ شرف حاصل ہوا کہ پہلی مرتبہ حضرت کے ان اصلاحی، پرمغز اور آسان بیانات کو حضرت مفتی صاحب مدظلہ کے تجویز کردہ نام ''اصلاحی تقریریں'' کے نام سے شائع کر رہا ہے۔ اصلاحی تقریریں جلد اول، دوم، سوم،

چہارم اور پنجم کی غیر معمولی مقبولیت کے بعد اب جلد ششم آپ کے سامنے ہے۔ جس میں حضرت کے کچھ بیانات لاہور، کراچی اور دوسرے ملکی و غیر ملکی مقامات کے شامل ہیں۔ اس کتاب کی ضبط وترتیب کا کام مولانا اعجاز احمد صمدانی (فاضل جامعہ دارالعلوم کراچی) نے انجام دیا ہے۔ اس میں حتی الوسع ضبط وترتیب کا خیال رکھا گیا ہے اور آیات واحادیث کی تخریج بھی کردی گئی ہے، پھر بھی اگر کوئی غلطی نظر سے گزرے تو براہ کرم مطلع فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ ''بیت العلوم'' کی اس کاوش کو قبول فرمائے اور ہم سب کو عمل کی توفیق عطا فرمائے اور حضرت مفتی صاحب مدظلہ کو صحتِ عافیت عطا فرمائے تا کہ ہم حضرت کے بیانات سے زیادہ سے زیادہ مستفید ہوسکیں۔

آمین

والسلام

﴿محمد ناظم اشرف﴾

مدیر ''بیت العلوم''

اجمالی فہرست

فہرست

دعا کے فضائل اور قبولیت دعا کی شرائط

متقی بننے کا طریقہ

مصائب اور مشکلات کا علاج

معاملات اور معاشرت، دو اہم شعبے

تصوف کی حقیقت و اہمیت

امریکہ میں مسلمان کس طرح رہیں

﴿ماہِ رمضان بخشش کا ذریعہ﴾

دینی مدارس کی اہمیت اور مغربی دنیا میں ان کی ضرورت

دینی مدارس کا نظام .... ایک تعارف

دُعا کے فضائل اور قبولیتِ دُعا کی شرائط

خطاب:	حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی مدظلہم
مقام:	جامع مسجد، جامعہ دارالعلوم کراچی
تاریخ:	۲۵ جولائی ۲۰۰۳ء
ترتیب وعنوانات:	اعجاز احمد صمدانی
باہتمام:	محمد ناظم اشرف

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

﴿دعا کے فضائل اور قبولیت دعا کی شرائط﴾

خطبہ مسنونہ:

الحمد للّٰه نحمدهٗ و نستعينهٗ و نستغفرهٗ و نؤمِنُ بهٖ ونتوكل عليه ونعوذ باللّٰهِ مِن شرورِ أنفسنا ومِن سيئاتِ أعمالنا مَن يهدِهِ اللّٰه فلا مُضِلَّ لهٗ وَمَنْ يُضللهُ فلا هَادِیَ لهٗ ونشهد أن لآ اِلٰه اِلَّا اللّٰه وحدهٗ لاشريک لهٗ و نشهد أنّ سيدنا و سَنَدنا و مولانَا محمداً عبدهٗ ورسولهٗ صلى اللّٰه تعالٰى عليه و علٰى آلهٖ و صحبهٖ اجمعين و سلّم تسليماً كثيراً كثيراً.

امابعد!

فَأَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ. بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ o و اِذَا سَأَلَکَ عِبَادِی عَنِّی فَاِنِّی قَرِيْبٌ o أُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ o و قال تعالٰى: اُدْعُوْنِی أَسْتَجِبْ لَكُمْ o

دعا پسندیدہ ترین عبادت:

بزرگانِ محترم، برادرانِ عزیز!

میں نے آپ کے سامنے ایک آیت تلاوت کی ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ اپنے رسول ﷺ سے فرما رہے ہیں کہ:

﴿ادعونی استجب لکم.﴾

''تم مجھ سے دعا مانگو، میں قبول کروں گا۔''

گویا اس آیت میں اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو اپنے سے مانگنے کا حکم دے رہے ہیں۔ دعا کی عبادت ایک ایسی عبادت ہے جو اللہ رب العالمین کو سب سے زیادہ پسند ہے۔

نماز کا آغاز اور اختتام دعا پر ہے:

نماز سب سے افضل عبادت ہے لیکن اسے اللہ رب العالمین نے شروع بھی دعا سے کیا اور ختم بھی دعا پر کیا۔ شروع میں سورۃ الفاتحہ پڑھتے ہیں جس میں یہ دعا مانگتے ہیں:

﴿اھدنا الصراط المستقیم.﴾

''اے اللہ ہمیں سیدھا راستہ دکھا۔''

دعا کے آداب میں سے یہ ہے کہ دعا سے پہلے اللہ کی حمد کی جائے۔ چنانچہ سورۃ الفاتحہ میں دعا سے پہلے حمد سکھائی گئی۔ پہلی تین آیات میں حمد بیان ہوئی اور اس کے بعد یہ دعا مانگی گئی کہ ''اے اللہ! ہمیں سیدھا راستہ دکھا۔'' تو غور سے دیکھا جائے تو نماز کا آغاز دعا سے ہی ہوا ہو اس سے پہلے جو کچھ ہے وہ دعا کی تمہید ہے۔ اسی طرح نماز ختم بھی دعا پر ہوتی ہے۔ درود شریف رسول اللہ ﷺ کے لیے دعا ہے اور درود شریف کے بعد جو دعا پڑھی جاتی ہے اس میں کوئی بھی مسنون دعا پڑھی جا سکتی

ہے مثلاً ''ربنا اتنا فی الدنیا حسنة .... الخ ، یارب اجعلنی مقیم الصلوٰة .... الخ'' پڑھی جاسکتی ہے اور یہ سب دعائیں ہیں۔

دعا عبادت کا مغز ہے:

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ نماز کا حاصل اللہ کا ذکر ہے۔ پھر اللہ کا ذکر بھی کئی طرح سے ہے، کہیں حمد کی صورت میں ہے، کہیں تسبیح کی صورت میں، کہیں قرآن مجید کی تلاوت کی صورت میں ہے اور کہیں دعا کی صورت میں ہے۔ اور ہر ایک صورت اپنے اپنے لحاظ سے افضل ترین طریقہ ہے۔ دعا ان میں سے خصوصی لحاظ سے افضل ترین طریقہ ہے کیونکہ اس میں بندہ اپنی عاجزی کا اظہار کر کے اپنی مرادیں مانگتا ہے کہ یا اللہ! میرے قبضۂ قدرت میں کچھ نہیں، دینے والے آپ ہیں، آپ ہی عطا فرمائیں گے تو مل جائے گا، نہیں دیں گے تو نہیں ملے گا۔ اور اللہ رب العالمین کو اپنے بندوں کی عاجزی اور انکساری بہت پسند ہے۔ بندہ اپنے آپ کو جتنا عاجز ظاہر کرتا ہے، اللہ رب العالمین کی رحمت اتنی زیادہ متوجہ ہوتی ہے۔ چنانچہ ایک حدیث میں ہے:

﴿الدُّعاءُ مُخُّ العِبَادَةَ﴾ (مشکوٰۃ، رقم الحدیث: ۲۲۳۱)

''دعا عبادت کا مغز ہے۔''

دعا سے تعلق مع اللہ میں پختگی آتی ہے:

دعا ایک ایسا نسخۂ کیمیا ہے کہ اس میں نہ پیسہ خرچ ہوتا ہے اور نہ محنت خرچ ہوتی ہے لیکن مؤثر سب سے زیادہ ہے۔ دعا کی عادت ڈالنے کا ایک اہم فائدہ یہ ہے کہ انسان کا تعلق اللہ رب العزت سے جڑ جاتا ہے، اور یہ تصور پختہ ہو جاتا ہے کہ دینے والا ایک ہی ہے، اس سے نہ مانگیں تو اور کس سے مانگیں۔

ایک بزرگ کا واقعہ:

ایک اللہ والے بزرگ تھے۔ ایک مرتبہ اپنے مریدوں کے ساتھ رات بھر جاگ کر عبادت کرتے رہے۔ صبح کے قریب آواز آئی کہ تمہاری کوئی عبادت قبول نہیں۔ دوسری رات کو پھر عبادت کے لیے کھڑے ہو گئے۔ رات بھر جاگتے رہے لیکن پھر یہی آواز آئی کہ کوئی عبادت قبول نہیں۔ غرض اس طرح کئی راتیں اسی طرح گزر گئیں۔ مریدوں نے کہا کہ حضرت! جب آپ کی کوئی عبادت قبول نہیں ہو رہی تو آپ یہ محنت کیوں کر رہے ہیں۔ فرمانے لگے کہ تو پھر کوئی دوسرا دروازہ بتا دو اس کے علاوہ اور کس کے در پر جاؤں۔ بس پھر اللہ کی رحمت ہوگئی اور آواز آئی کہ یہ عبادت بھی قبول اور پچھلی ساری بھی قبول۔ یہ کتنا عظیم فائدہ ہے ایک در کے ساتھ لگے رہنے کا۔

دعا تمام بلاؤں سے حفاظت کرتی ہے:

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ دعا انسان کو فائدہ پہنچاتی ہے ان بلاؤں سے بچانے میں بھی جو ابھی تک نازل نہیں ہوئیں اور ان بلاؤں کو دور کرنے میں بھی جو نازل ہو چکی ہیں۔ اس لحاظ سے دعا ہماری زندگی کی بنیادی ضرورت ہے۔

دعا بھی کرو اور محنت بھی کرو:

زندگی کے مقاصد حاصل کرنے کے لیے کوشش کرنا بھی سنت عمل ہے لیکن دعا کرنا بھی ضروری ہے۔ بعض لوگ محنت اور کوشش کرتے ہیں، دعا نہیں کرتے اور بعض لوگ دعا کر کے بیٹھ جاتے ہیں محنت اور کوشش نہیں کرتے۔ یہ دونوں طریقے غلط ہیں۔ صحیح طریقہ یہ ہے کہ دعا بھی کرو اور محنت بھی کرو۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب محنت و کوشش کر لی تو پھر دعا کی کیا ضرورت؟ اس کا جواب یہ ہے کہ دعا کی اس لیے ضرورت ہے کہ محنت میں اثر پیدا کرنا تو اللہ ہی

کے قبضہ میں ہے، اگر وہ نہ چاہے تو ہزار محنت کر ڈالو، زمین و آسمان کے قلابے مٹا ڈالو، ذرہ برابر کامیابی نہیں ہو سکتی۔ اسباب میں کچھ نہیں رکھا۔ اسباب میں تاثیر ہی نہیں ہے، تاثیر تو اللہ کے حکم اور اس کے ارادے میں ہے لیکن اللہ نے اسباب بھی پیدا کیے ہیں تاکہ آدمی صرف دعا پر بھروسہ کر کے نہ بیٹھے بلکہ کچھ ہاتھ پاؤں بھی ہلائے۔

توکل کا صحیح مطلب:

یہی حال توکل کا ہے، بعض لوگ توکل کا مطلب یہ سمجھتے ہیں کہ بس ہاتھ پاؤں باندھ کر بیٹھ جاؤ، صرف اللہ پر بھروسہ کرو۔ کوشش کرنے کی ضرورت نہیں۔ یہ غلط فہمی ہے۔ اللہ پر بھروسہ کرنے کا مطلب یہ نہیں کہ آدمی محنت نہ کرے بلکہ توکل کا مطلب یہ ہے کہ آدمی کوشش کرے پھر اللہ سے یہ دعا کرو کہ وہ اس میں اثر ڈال دے۔ اسی مضمون کو یوں بیان کیا گیا:

''برتوکل پائے اشتر بند''

یعنی اگر تم سفر میں ہو اور اونٹنی یا کوئی جانور تمہارے ساتھ ہے تم سونا چاہتے ہو اور یہ خطرہ ہے کہ کہیں وہ بھاگ نہ جائے تو توکل کا مطلب یہ نہیں کہ بے خوف ہو کر سو جاؤ اور یہ خیال کرو کہ اللہ میاں خود اس کی حفاظت کر دے گا بلکہ توکل یہ ہے کہ اس جانور کو باندھو اور پھر اللہ تعالیٰ سے کہو کہ یا اللہ! جو میرے کرنے کا کام تھا، وہ میں نے کرلیا، اب معاملہ آپ کے سپرد ہے، آپ اس کی حفاظت فرما دیجئے۔

رسول اللہ ﷺ جہاد میں تشریف لے جاتے تو زرہ بھی پہن کر جاتے غزوۂ احد میں آپ نے دو زرہیں پہن رکھی تھیں۔ لوہے کی ٹوپی بھی پہنتے تھے۔ آپ نے صرف دعا پر اکتفاء نہیں کیا۔ آپ نے اپنے عمل سے ثابت کیا کہ دعا بھی کرو اور کوشش بھی کرو مگر اس کا یقین رکھو کہ کوشش اور محنت میں کوئی اثر نہیں، اثر اللہ کے ارادے اور اس کے حکم میں ہے۔ وہ چاہے گا تو اثر پیدا کر دے گا، نہیں چاہے گا تو

پیدا نہیں کرے گا۔ البتہ اللہ رب العزت کا عام قانون یہ ہے کہ جب آدمی کسی کام کے لیے کوشش کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس میں اثر بھی عطا فرما دیتے ہیں۔

کیا مانگیں؟

کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ انسان دعا مانگنے کے لیے ہاتھ اٹھاتا ہے لیکن کچھ یاد نہیں آتا کہ کیا دعا مانگیں۔ تقریباً سب کو یہ کیفیت کبھی کبھی پیش آتی ہے۔ اس کا بھی ایک بڑا اچھا نسخہ ہے۔ وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ سے یہی کہہ دیں کہ اللہ میاں! کچھ یاد نہیں آرہا کہ آپ سے کیا مانگوں، آپ مجھے وہ چیزیں دے دیجئے جو میرے لیے دنیا وآخرت میں مفید ہوں۔

جیسے چھوٹا بچہ کہ اسے چیزوں کے نام معلوم نہیں ہوتے۔ وہ یہ نہیں جانتا کہ بسکٹ کس کو کہتے ہیں، چپس کس کو کہتے ہیں، چاکلیٹ کس کو کہتے ہیں۔ وہ صرف یہ کہتا ہے کہ مجھے چیز دے دو۔ مطلب یہ کہ تمہیں معلوم ہے کہ مجھے کون سی چیزیں پسند ہیں، بس ان میں سے کوئی دے دو۔ اب ماں باپ، دادا دادی سب اس کوشش میں ہوتے ہیں کہ اسے کوئی ایسی چیز دے دیں کہ جس سے یہ خوش ہو جائے تو ہمارا رب ہم پر ہمارے ماں باپ، دادا دادی اور نانا نانی سے زیادہ مہربان اور محبت کرنے والا ہے۔ ان سے صرف یہ کہہ دیں کہ اللہ میاں! ہمارے کام کی چیز دے دیجئے۔ انشاء اللہ، اللہ تعالیٰ تمہارے فائدے کی چیز تمہیں دے دیں گے۔

سب پریشانیوں کا حل .... اللہ تعالیٰ کے آگے رونا:

بچے کے اندر ایک بات اور ہے کہ وہ بچہ جو بہت چھوٹا ہوتا ہے کوئی بات کہہ ہی نہیں سکتا۔ جب اسے اپنا مطالبے ماں باپ، دادا دادی اور گھر والوں سے منوانے ہوتے ہیں تو اس کے پاس ایک خاص نسخہ ہوتا ہے۔ وہ رونا شروع کر دیتا ہے۔ ادھر وہ رویا، ادھر سب گھر والے بے چین ہو گئے کہ کیوں رو رہا ہے، اس کے

پیٹ میں درد ہے۔ اسے پیاس لگی ہوئی ہے، اسے بھوک ہے یا کوئی اور تکلیف ہے۔ اب یہ سب معلومات کرنے کی ذمہ داری ماں باپ کی ہے، اس نے صرف ایک کام کیا کہ بس رو دیا۔ ماں باپ کھوج لگاتے ہیں۔ خود سمجھ میں نہیں آتا تو ڈاکٹر کے پاس لے جاتے ہیں۔ غرض یہ کہ جب تک اس کا رونا ختم نہ ہو اور اس کی تکلیف دور نہ ہو، اس وقت ماں باپ کو چین نہیں آتا۔

اللہ رب العالمین نے اپنے سے مانگنے کے لیے یہی نسخہ ہمیں بھی سکھلایا ہے۔ جب کوئی پریشانی ہو دین کی یا دنیا کی، اپنوں سے یا دشمنوں سے اور اس کا کوئی حل سمجھ میں نہ آئے تو اللہ میاں کے سامنے رونا شروع کر دو۔ جب رونا شروع کر دو گے تو اللہ تعالیٰ جو ماں، باپ سے زیادہ مہربان ہے، وہ سنے گا اور تمہاری پریشانی کا حل نکالے گا۔

حدیث میں آیا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ سے مانگو تو رو رو کر مانگو اور اگر رونا نہ آئے تو رونے جیسی شکل بنا لو۔ قیامت کے روز جن سات قسم کے لوگوں کو عرش رحمٰن کا سایہ نصیب ہوگا ان میں سے ایک شخص وہ ہوگا جو اللہ کے خوف سے یا اس کی محبت میں تنہائی میں رویا ہو، مجھے امید ہے کہ اس میں انشاء اللہ، وہ شخص بھی شامل ہے جو تنہائی میں اپنی کسی حاجت کی وجہ سے رویا ہو۔ کیونکہ حدیث میں یہ ہے کہ وہ تنہائی میں اللہ کے سامنے روئے۔

اللہ کے سامنے رونا پکے ایمان اور بھروسے کی بات ہے:

اللہ کے سامنے رونا پکے ایمان کی بات ہے کہ یہ بندہ اس اللہ کے سامنے رو رہا ہے جس کو کبھی اس نے دیکھا بھی نہیں، صرف غیب کا ایمان رکھتا ہے۔ اور اسے پکا یقین ہے کہ میرا رب میری بات سن رہا ہے اگرچہ میں اس کو نہیں دیکھ رہا۔ یہ پکے ایمان کی بات بھی ہے اور بھروسے کی بات بھی کہ اس کو یہ یقین ہے کہ جس اللہ سے میں بات کر رہا ہوں وہ سن بھی رہا ہے۔ تیسرے، اپنی عاجزی کا اظہار بھی ہے کہ یا

اللہ! میرے بس میں کچھ نہیں، تیرے سامنے اپنی فریاد لایا ہوں۔ تو جب بندہ تنہائی میں رو رو کر اللہ تعالیٰ سے مانگتا ہے تو اس کی دعا ضرور قبول ہوتی ہے۔

اللہ تعالیٰ بہتر چیز عطا فرماتے ہیں:

البتہ اس سلسلے میں ایک بات عرض کرتا ہوں۔ بہت سے لوگوں کو یہ خیال ہوا کرتا ہے کہ ہم اتنی دعا کرتے ہیں لیکن ہماری دعا تو قبول ہی نہیں ہوتی۔

اس کا جواب یہ ہے کہ بعض اوقات بندہ چھوٹی چیز مانگتا ہے، گھٹیا چیز مانگتا ہے، مضر چیز مانگتا ہے، اسے معلوم نہیں ہوتا کہ یہ مضر ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ اسے وہ چیز نہیں دیتے بلکہ اس سے بہتر چیز عطا فرماتے ہیں۔ اس کی مثال ایسے ہے جیسے بچے کو انگارہ خوبصورت نظر آتا ہے تو وہ انگارہ مانگتا ہے۔ لیکن یہ نہیں جانتا کہ اس سے ہاتھ جل جائے گا۔ بچہ چیونگم مانگتا ہے لیکن یہ نہیں جانتا کہ اس سے ہاتھ خراب ہو جائیں گے، صحت خراب ہو گی لیکن ماں ان چیزوں کے نقصانات جانتی ہے۔ لہٰذا وہ اسے انگارہ یا چیونگم دینے کے بجائے اس سے بہتر کوئی چیز دیتی ہے۔ اسی طرح بندہ بعض مرتبہ ایسی ایسی چیزیں مانگتا ہے جو اس کے لیے نقصان دہ ہوتی ہیں یا اس کے لیے مفید نہیں ہوتیں تو اللہ تعالیٰ اس کے جواب میں بہتر اور مفید چیز عطا فرماتا ہے۔

دعا قبول نہ ہونے کے اسباب:

اس کے علاوہ بعض مرتبہ دعا واقعۃً قبول نہیں ہوتی۔ اس کے چند اسباب ہیں۔ میں انہیں ذرا تفصیل سے عرض کرنا چاہتا ہوں۔

پہلا سبب:

سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ بعض لوگ یوں سمجھتے ہیں کہ دعا پڑھنے کی چیز ہے، خوب یاد رکھئے! دعا پڑھنے کی چیز نہیں، مانگنے کی چیز ہے۔ پڑھنے اور مانگنے میں بڑا فرق ہے۔ پڑھتے تو آپ سب کچھ ہیں، نماز میں کیا کیا کچھ پڑھتے ہیں،

قرآن مجید پڑھتے ہیں لیکن آپ کو کچھ پتہ نہیں ہوتا کہ آپ نے کیا پڑھا۔ دعائیں بھی اگر آپ نے اسی طرح پڑھ لیں کہ آپ کو کچھ پتہ نہیں کہ آپ نے کیا پڑھا تو یہ دعا مانگی نہیں، پڑھی ہے۔

بعض لوگ دعاؤں کو رٹا لگا کر یاد کر لیتے ہیں۔ انہیں کچھ معلوم نہیں ہوتا کہ ہم کیا مانگ رہے ہیں۔ بس رٹی ہوئی دعائیں زبان پر جاری ہوتی رہتی ہیں۔ یہ دعا نہیں ہوتی البتہ اللہ کا ذکر ہو گیا۔ اگر یہ ذکر دھیان سے ہوتا تو پورا ثواب ملتا، بے دھیانی سے ہوا تو ثواب پھر بھی ملے گا کیونکہ زبان سے عبادت ہوگئی لیکن دعا نہیں ہوئی۔

اسی لیے ہمارے بزرگوں نے لکھا کہ جو دعائیں عربی زبان میں ہیں، اگر کسی کو ان کا ترجمہ نہیں آتا یا معلوم ہے لیکن ان کی طرف دھیان نہیں لگتا تو پھر اسے اپنی زبان میں دعا مانگنی چاہیے۔ اس لیے کہ اپنی زبان میں مانگو گے تو دھیان سے مانگو گے، تمہیں معلوم ہو گا کہ کیا مانگ رہے ہو۔

دوسرا سبب:

ایک بات تو یہ ہوئی ہے کہ دعا مانگنا ضروری ہے، دعا پڑھنا کافی نہیں۔ دوسری بات جو آداب دعا میں شامل ہے، یہ ہے کہ اس یقین کے ساتھ مانگے کہ اللہ تعالیٰ سن رہا ہے اور اس نے دعا قبول کرنے کا وعدہ فرمایا لہٰذا یہ دعا میرے لیے نافع ہوگی، قبول ہوگی۔ الفاظ بھی حتمی ہوں۔ یوں نہ کہیں کہ اللہ میاں! اگر آپ چاہیں تو مجھے یہ چیز دے دیں اور اگر چاہیں تو اس کے بجائے فلاں چیز دے دیں۔ آپ کون ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ کو اختیار دینے والے۔ وہ تو خود مختار ہیں، وہ چاہیں گے تو دے دیں گے، نہیں چاہیں گے تو نہیں دیں گے آپ کے یہ بات کہنے کا کوئی فائدہ نہیں کہ اگر چاہیں تو دے دیں نہ چاہیں تو نہ دیں۔ لہٰذا یوں کہیں کہ اے اللہ! ہمیں فلاں چیز دے دیجئے۔ جس طرح بچے ماں باپ سے مانگتے ہیں مصر ہو کر، دے دیجئے، دے دیجئے، دے دیجئے کی رٹ لگاتے ہیں، اسی طرح آپ بھی اللہ میاں سے مچل کر اور

رو رو کر مانگئے، گڑگڑا کر مانگئے اور مانگتے رہیے۔

تیسرا سبب:

جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص دعا میں جلد بازی کرتا ہے، اس کی بھی دعا قبول نہیں ہوتی۔ جلد بازی کا مطلب یہ ہے کہ وہ یوں کہتا ہے کہ میں اتنے دنوں سے مانگ رہا ہوں، میری دعا تو قبول نہیں ہوتی۔ گویا وہ اللہ تعالیٰ کی شکایت کرتا ہے۔ یہ جلد بازی کی بات ہے۔ بعض اوقات اللہ تعالیٰ فوراً دعا قبول فرما لیتے ہیں، بعض اوقات اسے مؤخر کر دیتے ہیں۔ اللہ کے ہاں دیر تو ہو سکتی ہے، اندھیر نہیں ہوتا۔ اور جو شخص بے صبری کرتا ہے، اس کی بھی دعا قبول نہیں ہوتی۔ اگر دعا قبول نہیں ہوئی تو اور روئیے، اور گڑگڑائیے، اور اپنے گناہوں کی معافی مانگئے اور توجہ کیجئے، شکایت نہ کیجئے، اگر شکایت کرو گے تو کس سے کرو گے۔ کوئی ایسا ہے جو اللہ میاں کے خلاف تمہاری شکایت سن کر اسے دور کر دے گا۔ ہرگز نہیں، تو بس پھر اللہ تعالیٰ ہی سے کہو کہ اے اللہ! میں آپ ہی سے مانگوں گا، آپ کے علاوہ میرا کوئی سہارا نہیں ہے۔ جب تک آپ نہیں دیں گے، میں مانگتا رہوں گا۔ جب آدمی کسی کے دروزے پر دستک دیتا رہتا ہے تو مالک مکان دروزاہ کھولنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ یہ تو عام بندوں کا معاملہ ہے۔ وہ تو داتا اور کریم ہے۔ جب اس کے دروازے پر دستک دیتے رہو گے، ناک رگڑتے رہو گے، روتے رہو گے، گڑگڑاتے رہو گے۔ وہ تو بہت جلدی راضی ہو جائے گا اور دعا قبول کرلے گا۔

چوتھا سبب:

دعا قبول نہ ہونے کا چوتھا سبب ''مالِ حرام'' ہے۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ بہت عاجزی کی حالت میں اللہ سے مانگتے ہیں، بال بکھرے ہوئے، کپڑے بھی ٹھیک نہیں اور ''یارب یارب'' کہہ کر مانگتے ہیں لیکن ان کا کھانا حرام، پینا حرام، پہننا حرام۔

﴿ فَاَنّٰی یُسْتَجَابُ لَه' ﴾

''ان کی دعا کیسے قبول ہوگی۔''

اس حدیث سے یہ سبق ملتا ہے کہ کتنا ہی انکساری اور عاجزی کے ساتھ مانگو، گڑگڑا کر مانگو لیکن اگر تمہارا کھانا پینا حرام مال کا ہے تو پھر دعا قبول نہیں ہوتی۔

حرام مال کے نقصانات:

آپ غور کیجئے کہ آج ہمارے معاشرے میں بیماریاں ہیں، پریشانیاں ہیں، عداوتیں ہیں، خوف ہے، دہشت ہے، مہنگائی ہے، بے چینی اور ان سے بچنے کی دعائیں بھی خوب ہو رہی ہیں لیکن یہ سب کچھ بڑھ رہا ہے، بے چینیاں پھیلی ہوئی ہیں ہمارے گھروں میں، ہماری بستیوں میں، ہمارے شہروں میں اور ہماری جانوں کے اندر۔ اس کی ایک بہت بڑی وجہ یہ ہے کہ لوگوں نے حلال اور حرام مال میں امتیاز چھوڑ دیا ہے۔ بہت کم لوگ ایسے ہیں جو آنیوالے پیسوں کو بڑی احتیاط سے دیکھتے ہیں کہ یہ حلال طریقے سے آرہا ہے یا حرام طریقے سے آرہا ہے۔ ورنہ عام رواج یہ ہوگیا ہے کہ بس مال آجائے چاہے کسی طریقے سے بھی ہو۔

خوب یاد رکھئے کہ اگر حرام طریقے سے مال آئے گا تو پھر وہ اپنے کرشمے دکھائے گا۔ وہ بیماریاں بھی لائے گا، بے چینیاں اور پریشانیاں بھی لائے گا۔ صدمے بھی لائے گا، حادثات بھی لائے گا۔ یہاں تک کہ زندگی کو اجیرن کر دے گا۔ روپے کی ریل پیل تو ہو جائے گی لیکن جس مقصد کے لیے روپیہ آتا ہے، وہ مقصد حاصل نہیں ہوگا۔ خوشیاں، صحت، راحت اور لذت تو حلال مال سے ہی ملتی ہے، حرام مال سے نہیں ملتی۔

رشوت کا روپیہ سور کے گوشت کی طرح حرام ہے:

آج ہمارے معاشرے میں رشوت کا دور دورہ ہے اور اس کے نت نئے طریقے رائج ہیں۔ حالانکہ رشوت لینا بھی حرام اور اس کا دینا بھی حرام۔ رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

﴿الراشی والمرتشی کلاهما فی النار والذی یمشی بینهما﴾ (مسلم)

''رشوت دینے والا اور لینے والا دونوں جہنم میں جائیں گے اور جو ان دونوں کے درمیان دلالی کرتا ہے، وہ بھی جہنم میں جائے گا۔''

سرکاری دفاتر میں جا کر دیکھئے، تینوں قسم کے لوگ آپ کو ملیں گے۔ رشوت دینے والے بھی ملیں گے، لینے والے بھی ملیں گے اور درمیان میں دلالی کرنے والے چپڑاسی اور کلرک بھی ملیں گے۔

آج عام طور پر لوگوں کو مختلف طرح کی شکایت ہے۔ کوئی کہتا ہے کہ مجھے نظر لگ گئی، کوئی کہتا ہے کہ مجھ پر جادو ہو گیا، کوئی کہتا ہے کہ مجھ پر آسیب کا اثر ہے، کوئی کہتا ہے کہ ہم پر بندش لگا دی گئی، جوان لڑکیوں کے رشتے نہیں آتے، کاروبار کرتا ہوں تو وہ چلتا نہیں، ملازمت کے لیے کوشش کرتا ہوں، کامیابی ہونے لگتی ہے لیکن عین موقع پر کوئی نہ کوئی رکاوٹ کھڑی ہو جاتی ہے۔ کسی نے بندش لگا رکھی ہے۔ آپ نے کبھی سوچا کہ یہ بندش لگانے والا کون ہے؟ بندش کس کے لگانے سے لگتی ہے؟ کوئی شیطان لگا سکتا ہے؟ کوئی جادوگر لگا سکتا ہے؟ اللہ رب العالمین کے حکم اور ارادے کے بغیر کسی پر بندش نہیں لگ سکتی۔ کسی اور نے ہم پر بندش نہیں لگائی۔ ہم نے خود اپنے اوپر بندش لگا رکھی ہے۔

ہم نے توبہ اور دعا کی قبولیت کے دروازے بند کر رکھے ہیں۔ حرام مال ہمارے گھروں میں آ رہا ہے، خود بھی کھا رہے ہیں اور بیوی بچوں کو بھی کھلا رہے ہیں۔ یاد رکھیئے! رشوت کا روپیہ سور کے گوشت کی طرح حرام ہے۔

بینک کی ملازمت کیوں حرام ہے؟

اسی طرح سود بھی عام کھا رہے ہیں۔ بینکوں کے سودی اکاؤنٹ میں روپیہ

رکھا ہے یا بینکوں کے اندر ایسی ملازمت کرتے ہیں جس میں سودی لین دین کے معاملے لکھنے پڑتے ہیں۔ حدیث میں ہے کہ:

﴿لَعَنَ اللّٰهُ اٰكِلَ الرِّبَا وَمُوكِلَهُ وَكَاتِبَهُ وَشَاهِدَيْهِ﴾ (مسلم)

''اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے سود کھانے والے پر، کھلانے والے پر،
لکھنے والے پر اور اس معاملے کے گواہ بننے والے پر۔''

جب سود کا لکھنا حرام تو ایسی ملازمت سے ملنے والی تنخواہ بھی حرام۔ بہت سے لوگ کہا کرتے ہیں کہ صاحب! یہ کیا بات ہے۔ بینک کی ملازمت اور تنخواہ کیوں حرام ہوئی حالانکہ ہم کسی کی چوری نہیں کر رہے، ڈاکہ نہیں ڈال رہے، کسی سے رشوت نہیں لے رہے، مہینہ بھر محنت کرتے ہیں اور مہینے کے بعد محنت کی تنخواہ لیتے ہیں، یہ تو حلال ہونی چاہیے!

لیکن غور کیجئے یہ اس لیے حرام ہے کہ آپ جو کام کر رہے ہیں، جو محنت کر رہے ہیں، وہ محنت حرام ہے تو آپ نے حرام محنت کا معاوضہ لیا ہے۔ ورنہ اگر آپ کی دلیل کو لیا جائے تو پھر تو جو رنڈیاں اور پیشہ ور عورتیں پیشہ کراتی ہیں، جن کا کاروبار ہی حرام کاری کا ہے، محنت تو وہ بھی کرتی ہیں اور اسی محنت کا معاوضہ لیتی ہیں، تو پھر ان کا معاوضہ بھی حلال ہونا چاہیے۔ کیونکہ وہ بھی یہ کہہ سکتی ہیں کہ محنت تو ہم بھی کرتی ہیں، پھر ہماری آمدنی حرام کیوں ہے۔

بات یہ ہے کہ ہر محنت کی آمدنی حلال نہیں ہوتی۔ اسی محنت کی آمدنی حلال ہوگی جو حلال ہو، جو محنت حرام ہوگی اس کی اجرت حرام ہوگی۔

رشوت اور سود کے علاوہ حرام کی اور بھی بہت سی صورتیں ہمارے معاشرے میں موجود ہیں۔ ناپ تول میں کمی اور ملاوٹ عام ہے۔ ایک کلو دودھ کے پیسے لیے لیکن آدھا کلو دودھ اور آدھا کلو پانی دیا۔ گویا دودھ تو آدھا کلو دیا لیکن پیسے پورے ایک کلو کے لیے، یہ بھی حرام ہے۔

اللہ کی نافرمانی سے بڑا کوئی سفلی عمل نہیں:

جب حرام عام ہو جاتا ہے تو بیماریاں اور مصیبتیں بھی عام ہو جاتی ہیں۔ ہم اصل سبب پر غور کرنے کے بجائے عاملوں کے پاس جاتے ہیں کہ کسی نے ہم پر سفلی عمل کر دیا ہے، اس کا توڑ کریں۔ حالانکہ سفلی عمل تو ہم نے خود اپنے اوپر کر رکھا ہے۔ خوب یاد رکھیے کہ اللہ کی نافرمانی سے بڑا کوئی سفلی عمل نہیں کیونکہ اللہ کی نافرمانی ہی سے تو اللہ کی رحمت کے دروازے بند ہوتے ہیں اور اس کی فرمانبرداری سے اس کے رحمت کے دروازے کھلتے ہیں۔

ٹھیک ہے، جادوگر بھی ہوتے ہیں، جنات کے اثرات بھی ہوتے ہیں، نظرِ بد بھی لگتی ہے لیکن یہ تینوں چیزیں اللہ ہی کے قبضے میں ہیں۔ اگر جادوگر نے آپ پر کوئی عمل کیا تو اس نے از خود نہیں کیا، اللہ تعالیٰ نے اس جادوگر کو آپ پر مسلط کر دیا۔ اور اگر کسی جن نے نقصان پہنچایا تو اسے بھی اللہ نے مسلط کیا تاکہ وہ آپ کو سزا دے اور آپ کو توبہ کی توفیق ہو جائے۔ لیکن ہم توبہ کرنے اور حرام مال چھوڑنے کی بجائے عاملوں کی طرف بھاگتے ہیں۔

حرام مال آنے سے مزے ختم ہو جاتے ہیں:

آدمی حرام اس لیے کماتا ہے کہ مال زیادہ ہوگا تو میں مزے کروں گا حالانکہ حرام کے آنے سے مزے ہی ختم ہو جاتے ہیں۔ روپیہ تو بڑھ جاتا ہے لیکن مزے غائب ہو جاتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اپنا بنا لے اور ہماری دعاؤں کو قبول فرما لے، ہمارے گناہوں کو معاف فرما دے۔ ہم نے جو اپنی دعاؤں کی قبولیت کے دروازے بند کر رکھے ہیں، ہمیں یہ دروازے کھولنے کی توفیق عطا فرما دے۔ (آمین)

وآخر دعوانا أن الحمدللّٰہ رب العالمین

مُتّقی بننے کا طریقہ

موضوع: متقی بننے کا طریقہ

خطاب: حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی مدظلہم

مقام: کینیڈا

ترتیب وعنوانات: اعجاز احمد صمدانی

باہتمام: محمد ناظم اشرف

متقی بننے کا طریقہ

خطبۂ مسنونہ:

الحمد للّٰہ نحمدہٗ و نستعینہٗ و نستغفرہٗ و نؤمِنُ بہٖ ونتوکل علیہ ونعوذ باللّٰہِ مِن شرورِ أنفسنا ومِن سیئاتِ أعمالنا مَن یھدہِ اللّٰہ فلا مُضِلَّ لہٗ وَمَنْ یُضللہُ فلا ھَادِیَ لہٗ ونشھد أن لآ اِلٰہ اِلَّا اللّٰہ وحدہٗ لاشریک لہٗ و نشھد أنّ سیدنا و سَنَدنا و مولانَا محمداً عبدہٗ ورسولہٗ صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ و علٰی آلہٖ و صحبہٖ اجمعین و سلّم تسلیماً کثیراً کثیراً.

امابعد!

فَأَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ. بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ o یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اتَّقُوا اللّٰہَ وَ کُوْنُوا مَعَ الصَّادِقِیْنَ o

تلاوت کردہ آیت کا خلاصہ:

بزرگانِ محترم، برادرانِ عزیز!

جو آیت میں نے آپ کے سامنے تلاوت کی ہے۔ اس میں اللہ رب العزت کا ارشاد ہے کہ:

''اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور سچے لوگوں کے ساتھ رہو۔''

اللہ سے ڈرنے کا مطلب یہ ہے کہ ہر قسم کے گناہوں سے بچو، گناہ ہو جائے تو فوراً توبہ و استغفار کر لو اور ایسے لوگوں کے ساتھ رہو جو زبان کے بھی سچے ہیں، دل کے بھی سچے ہیں اور عمل کے بھی سچے ہیں۔

قرآن مجید کا ایک خاص اسلوب:

قرآنِ مجید کا ایک خاص اسلوب یہ ہے کہ جب وہ کوئی ایسا حکم دیتا ہے جو بظاہر مشکل معلوم ہوتا ہے تو پھر ایک اور حکم دیتا ہے جس پر عمل کرنے سے پہلا حکم آسان ہو جاتا ہے۔ دوسرا حکم طریقہ ہوتا ہے پہلے حکم پر عمل کرنے کا۔

یہاں بھی یہی بات ہے۔ فسق و فجور کے ماحول، نفس کے دھوکے، شیطان کے فریب اور گناہوں کے سیلاب میں اپنے آپ کو گناہوں سے بچانا آسان نہیں۔ اس لیے سوال پیدا ہوتا ہے کہ تقویٰ کے حکم پر کیسے عمل ہو؟ شاید یہ وہی دور ہے جس کے بارے میں جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا کہ ایک دور ایسا بھی آنے والا ہے کہ دین پر قائم رہنا اتنا مشکل ہو جائے گا جیسے آگ کا انگارہ ہاتھ میں پکڑنا مشکل ہوتا ہے۔ میں نے ''شاید'' کا لفظ اس لیے استعمال کیا کہ یقین نہیں کہ وہی دور آ گیا ہے یا ابھی اور زیادہ مشکل دور آنے والا ہے۔ بظاہر ابھی نہیں آیا، بعد میں آئے گا لیکن اس کے آثار یہی ہیں جو ہم دیکھ رہے ہیں۔ اس زمانے میں دین پہ قائم رہنا بڑے حوصلے اور دل گردے کا کام ہے۔

اس دور میں دین پر عمل کرنے کی ایک عظیم فضیلت:

پہلے میں ایک بات یہ عرض کر دوں کہ جو شخص اس بگڑے ہوئے ماحول میں رہتے ہوئے بھی دین پر قائم رہے، حلال اور حرام کی فکر رکھے، گناہوں سے بچنے کا اہتمام کرے، گناہ ہو جائے تو فوراً توبہ واستغفار کرے، آئندہ بچنے کی کوشش کرے تو اس کے لیے حدیث میں ایک بشارت آئی ہے۔ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

> ''قرب قیامت میں ایسا دور ہو گا جس میں دین پر عمل کرنا دشوار ہو گا، اس وقت ایک آدمی کو اپنے عمل کا ثواب پچاس صحابہ کے عمل کے برابر ملے گا۔''

(ترمذی بحوالہ علاماتِ قیامت از مولانا عاشق الٰہی بلندشہری ص۱۴)

اللہ کے لیے کیے ہوئے کام میں جب بھی مشقت اور دشواری زیادہ اٹھانا پڑتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس عمل کی قیمت بھی بڑھا دیتے ہیں۔ نہ پڑھیں نفلی نمازیں اور نہ نفلی روزے رکھیں اور نہ دوسری نفلی عبادات کریں لیکن اگر فرائض وواجبات ادا ہو جائیں، حرام اور ناجائز چیزوں سے بچ جائیں تو یہ بھی بہت بڑی کامیابی ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ اس کی بھی توفیق عطا فرما دے تو سیدھی جنت ہے انشاء اللہ۔

تقویٰ پر عمل کرنا کبھی ناممکن نہیں رہا:

لیکن بلاشبہ اس زمانے میں تقویٰ پر قائم رہنا مشکل کام ہے۔ لیکن یہ بھی یاد رکھئے کہ تقویٰ پر قائم رہنا کبھی بھی ناممکن نہیں ہو گا، ہمیشہ ممکن رہے گا۔ آج بھی ممکن ہے، الحمدللہ، آج بھی اللہ کے بندے موجود ہیں بلکہ اس مغربی دنیا میں، امریکہ اور کینیڈا میں بھی موجود ہیں جو دین پر پکے قائم ہیں جو حرام اور ناجائز چیزوں سے بچتے ہیں بلکہ شبہ والی چیزوں سے بھی بچتے ہیں۔ ہم سے مسئلے مسائل پوچھتے رہتے ہیں۔

اللہ والے کم ضرور ہوں گے لیکن ناپید نہیں ہوئے اور قیامت تک ناپید نہیں ہوں گے۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ قرآن مجید نے تقویٰ کا حکم دیا اور ساتھ ساتھ یہ بھی فرمایا کہ سچے لوگوں کے ساتھ رہو یعنی ایسے لوگ دل کے، عمل کے، زبان کے بلکہ ہر اعتبار سے سچے ہوں۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ وہ متقی ہوں، گناہوں سے بچنے والے ہوں، تو معلوم ہوا کہ ایسے لوگ قیامت تک رہیں گے کیونکہ تقویٰ کا حکم قیامت تک کے انسانوں کو دیا گیا ہے۔

متقی ہونے کا مطلب:

متقی ہونے کا مطلب سمجھ لیجئے۔ لوگ ڈر جاتے ہیں کہ ہم کہاں متقی ہو سکتے ہیں، ہم تو گنہگار لوگ ہیں، متقی ہونا کوئی مشکل نہیں۔ متقی ہونے کا مطلب یہ ہے کہ کوئی گناہ نہ کرو، چھوٹے بڑے ہر طرح کے گناہ سے بچو، لیکن خدانخواستہ نفس اور شیطان کے بہکانے، پھسلانے سے کوئی گناہ ہو جائے تو فوراً توبہ و استغفار کر لو اور عزم کر لو آئندہ نہیں کریں گے۔ تقویٰ پھر لوٹ آئے گا۔

اب سمجھئے، ناامیدی کی کوئی وجہ نہیں، آپ کو اپنے سے زیادہ جو تقویٰ والا ملے، اس کے ساتھ لگ جاؤ، اس سے دوستی قائم کرو، بیٹوں اور بیٹیوں کے رشتے کرتے وقت اس بات کو دیکھو کہ کچھ دین دار ہیں یا نہیں۔ کاروبار، ملازمت، تجارت اور تفریحوں میں ایسے لوگوں کے ساتھ رہو جو نسبتاً تم سے دین میں بہتر ہیں۔ اگر آپ ایسا کر لیں تو انشاء اللہ، رفتہ رفتہ آپ کے دلوں میں بھی تقویٰ پیدا ہوتا چلا جائے گا، گناہوں سے بچنے کی توفیق ہوگی، نیک کاموں کی طرف رغبت پیدا ہوگی۔

قرآن مجید کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کو کیوں بھیجا گیا؟

چنانچہ یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید کے ساتھ جناب رسول اللہ ﷺ کو بھیجا گیا تاکہ آپ صحابہ کو قرآن مجید بھی سکھلائیں اور صحابہ کرام آپ کی صحبت میں رہ کر

اپنے ظاہر و باطن کا تزکیہ کریں۔ چنانچہ آپ کے مقاصد نبوت میں یہ بات بیان کی گئی کہ:

﴿يَتْلُوا عَلَيْهِمْ اٰيَاتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ﴾

''قرآن پڑھ کر سنائیں اور ان کا تزکیہ کریں۔''

تزکیہ کرنے سے مراد یہ ہے کہ آپ صحابہ کے اخلاق و اعمال اور معاملات و معاشرت کی اصلاح کریں۔

بڑے بھائی کا سبق آموز واقعہ:

میرے بڑے بھائی محمد ذکی کیفی صاحب رحمۃ اللہ علیہ لاہور میں رہتے تھے۔ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ کے مرید تھے، بڑے شاعر بھی تھے۔ ان کی شاعری مومنانہ تھی، مثبت و تعمیری شاعری۔ والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ان کو لکھا کہ تم لاہور میں ہو، وہاں بزرگوں کی صحبت میں جا کر بیٹھا کرو۔ انہوں نے جواب میں لکھا کہ حضرت! اب تو کوئی نظروں میں جچتا نہیں۔ حضرت تھانوی رحمہ اللہ کو دیکھا، بڑے بڑے بزرگوں کی صحبت میں رہا، اب تو نظروں میں کوئی بزرگ جچتا نہیں۔ والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے تنبیہ کا خط لکھا اور فرمایا کہ کیا اس کا مطلب یہ ہے کہ لاہور میں تم سے اچھا کوئی اور ہے ہی نہیں، اپنی فکر کرو، یہ بیماری ہے، اس کا علاج کرو۔ پھر فرمایا کہ تمہارے محلے کی مسجد کا جو مؤذن ہے، اس کے پاس جا کر بیٹھا کرو، اس کے پاس بیٹھنے سے بھی تمہیں فائدہ ہوگا۔ وہ تم سے اچھا ہے کیونکہ اس کی تکبیر اولیٰ فوت نہیں ہوتی۔

آج ہم مؤذن کی کوئی قدر و قیمت نہیں پہچانتے لیکن ذرا یہ تو دیکھیں کہ اس میں اور کوئی خوبی ہو یا نہ ہو، یہ کتنی بڑی خوبی ہے کہ اس کی تکبیر اولیٰ فوت نہیں ہوتی۔ یہ کوئی معمولی بات ہے! ایمان کے بعد سب سے پہلا فریضہ نماز ہے، اور وہ نماز کو ہم سے بہتر وقت میں پڑھتا ہے۔

اللہ والوں کی صحبت کے اثرات بقدر تعلق منتقل ہوتے ہیں:

جب آدمی اللہ والوں کی صحبت میں رہتا ہے تو بہت سی چیزوں کے تو خود بخود اثرات منتقل ہوتے ہیں۔ اللہ والوں کے جتنا قریب رہے گا، اتنا اس کے اثرات آئیں گے۔ میرے مرشد حضرت عبدالحیؒ صاحب عارفی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ ہر طرف بالکل تاریکی کے عالم میں تم دور سے ایک چھوٹا سا چراغ دیکھتے ہو تو اس کا فوری اثر یہ ہوتا ہے کہ تمہارے اندر امید کی رمق پیدا ہو جاتی ہے کہ ادھر روشنی ہے۔ اب اس کے قریب ہوتے جائیں تو کچھ دیر بعد اس سے ہلکی ہلکی دھندلی روشنی بھی آنے لگے گی، اب یہ فائدہ ہوا کہ راستہ نظر آنے میں سہولت ہوگئی۔ اور قریب چلیں تو راستہ صاف نظر آنے لگا۔ اور قریب پہنچے یہاں تک کہ اس کے بالکل قریب بیٹھ جائیں تو اس کی گرمی بھی محسوس ہونے لگے گی اور اگر وہاں پہنچ کر اس کی لو سے لو لگا لو تو خود چراغ بن جاؤ گے۔"

اللہ والوں کے ساتھ جتنا ربط اور تعلق بڑھتا ہے اتنا ہی آدمی کا تقویٰ، روحانیت اور نورانیت بڑھتی چلی جاتی ہے، پھر ایک وقت آتا ہے کہ وہ آدمی خود جل اٹھتا ہے اور چراغ بن جاتا ہے۔ پندرہ سو سال سے دین کی روشنی اسی طریقے سے پھیل رہی ہے کہ ایک چراغ سے دوسرا اور دوسرے سے تیسرا روشن ہوتا رہا۔

مجاہدے کرانے کی حکمت:

ہمارے مرشد حضرت عارفی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ پہلے زمانوں میں بزرگانِ دین اپنے اپنے مریدوں کو ان کی اصلاح کے لیے بڑے بڑے مشکل مجاہدے بتاتے تھے۔ ان کا یہ عمل بھی حکمت پر مبنی تھا کہ اگر مرید کے دل میں تکبر ہے تو وہ دور ہو جائے، مال و دولت کی حرص ہے تو وہ نکل جائے، بے حیائی ہے تو وہ دور ہو جائے، جھوٹ بولنے یا غیبت کرنے کی عادت ہے تو وہ ختم ہو جائے۔

زیادہ بولنے کی بیماری کا ایک خاص مجاہدہ:

ایک مرید کو جھوٹ بولنے اور غیبت کرنے کی عادت تھی۔ ان کو ہدایت تھی کہ تم ہمیشہ خاموش رہا کرو، تمہیں بولنے کی اجازت نہیں، صرف بقدرِ ضرورت کھانے پینے کے وقت میں بولنا پڑ جائے تو بولو، ورنہ بالکل بولنے کی اجازت نہیں۔ مگر وہ کوشش کے باوجود اس پر پورا عمل نہ کر سکے۔ بعض دفعہ بلاضرورت بولنے لگتے، تو شیخ نے اس کا علاج یہ کیا کہ اس سے کہا کہ لوہے کے دو گولے منہ میں رکھا کرو۔ ان گولوں کے رکھنے کا اثر یہ ہوا کہ جب تک وہ منہ میں ہیں، بولا ہی نہیں جاتا۔ بہت ہی ضرورت اور مجبوری کے وقت بولنا پڑتا تو گولے نکالتے، بات کرتے، پھر گولوں کو دھو کر اور صاف کر کے منہ میں رکھتے۔ ایک بڑی مصیبت وبالِ جان۔ نتیجہ یہ ہوا کہ بلاضرورت بولنا چھوڑ دیا تو شیخ نے وہ گولے نکلوا دیئے۔

ایک شیخی باز نواب کا قصہ:

بعض لوگوں کو شیخیاں بگھارنے کی عادت ہو جاتی ہے، اور نواب لوگوں کو اس کی عادت اور زیادہ ہوتی ہے کیونکہ ان کے نوکر چاکر ہوتے ہیں، وہ ان کی تائید کرتے ہیں کہ سبحان اللہ! کیا بات کی ہے نواب صاحب نے! تو ایک نواب صاحب تھے، انہیں گپیں ہانکنے اور شیخیاں بگھارنے کی بہت عادت تھی۔ آئے دن کوئی نہ کوئی شیخی بگھارا کرتے۔ بعض اوقات کوئی شیخی ایسی بگھارتے کہ سننے والے پہلے ہی لمحے میں محسوس کر لیتے کہ یہ تو جھوٹ ہے۔ لیکن اس کام کے لیے انہوں نے ایک قانون دان اپنے ہاں ملازم رکھا ہوا تھا۔ اس کی ڈیوٹی یہ تھی کہ اگر کبھی نواب صاحب کے منہ سے کوئی ایسی بات نکل جائے، جس پر لوگوں کو یقین نہ آئے، انہیں اپیل (Appeal) نہ کرتی ہو تو تم اس کی کوئی ایسی تاویل کر دینا، جس سے لوگوں کو یقین آ جائے اور لوگ نواب صاحب کو جھوٹا نہ سمجھیں۔

اب نواب صاحب آئے دن کوئی نہ کوئی شیخی بگھارتے اور وکیل صاحب فوراً اس کی کوئی نہ کوئی تاویل کر دیتے جس سے لوگ مطمئن ہو جاتے۔ ایک مرتبہ نواب صاحب نے بڑے جوش میں آ کر کہا کہ ہم ایک دفعہ شکار کے لیے گئے۔ سامنے ہرن نظر آیا۔ ہم نے جو فائر کیا تو گولی اس کے کھر سے لگ کر منہ سے نکل گئی۔ سب لوگ ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے کہ یہ کیسا جھوٹ بولا ہے نواب صاحب نے سب کھنکھارنے بھی لگے۔ نواب صاحب نے کمزوری محسوس کی تو قانون دان کی طرف دیکھا۔ قانون دان صاحب بولے: جی، اصل میں قصہ یوں ہوا کہ جب نواب صاحب نے فائر کیا، اس وقت وہ ہرن اپنے کھر سے منہ کو کھجا رہا تھا، اس لیے گولی کھر سے لگ کر منہ سے نکل گئی۔ نواب صاحب کی جان میں جان آئی۔ لیکن رات کو وکیل صاحب استعفیٰ لے کر نواب صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا کہ نواب صاحب! آپ تو اتنی ترقی کر گئے ہیں کہ آگے میرا علم وفن بھی جواب دے رہا ہے، اس لیے میرا استعفیٰ قبول کیجئے۔

ایک اور نواب کا قصہ:

ایک نواب صاحب کی عادت تھی کہ بات بات پر لوگوں کو گدھا کہا کرتے تھے۔ ''گدھے تم نے یہ کیوں نہیں کیا، گدھے کہیں کے بھاگ جاؤ یہاں سے'' وغیرہ وغیرہ۔ جب آدمی کو کوئی ایسی عادت پڑ جاتی ہے تو پتہ بھی نہیں چلتا کہ کیا ہو رہا ہے۔ کسی بے تکلف دوست نے توجہ دلائی اور کہا کہ نواب صاحب! آپ کی ساری باتیں بہت اچھی ہیں مگر آپ ہر ایک کو بات بات پر گدھا کہہ دیتے ہیں، یہ مناسب نہیں نواب صاحب نے غصے میں آ کر کہا:

''کون گدھا کہتا ہے کہ میں بات بات پر گدھا کہتا ہوں''

جب زبان بے لگام ہو جائے اور اللہ کے خوف سے آزاد ہو جائے تو وہ جھوٹ بھی بولتی ہے، گالیاں بھی دیتی ہے، تہمتیں بھی لگاتی ہیں اور دل آزاریاں بھی

کرتی ہے۔ ایسی صورت میں اس کا علاج کرنا پڑتا ہے جیسے شیخ نے اپنے مرید کے منہ میں گولے رکھوا کر اس کا علاج کیا۔

مجاہدوں کی حیثیت علاج کی ہے:

خوب سمجھ لیجئے! یہ گولے رکھنا کوئی ثواب کا کام اور عبادت نہیں تھی، علاج کے طور پر ایسا کیا گیا۔ بعض لوگ اسی کو تصوف سمجھ لیتے ہیں۔ یہ تصوف نہیں، ہاں تصوف میں جو مقصود ہے یعنی باطن کی اصلاح اور گناہوں سے بچنا، اس کے لیے ایک معاون ہے۔ یہ مجاہدے اور ریاضتیں بذاتِ خود مقصود نہیں ہوتیں بلکہ اچھی صفات پیدا کرنے کے لیے علاج کے طور پر استعمال کی جاتی ہیں۔ جس کی بری عادات جتنی زیادہ پکی ہوتی ہیں، اتنی ہی کڑوی گولیاں اس کو دینی پڑتی ہیں، اتنا ہی بڑا آپریشن کرنا پڑتا ہے۔

ہر دور میں طریقۂ علاج بدلتا رہا:

لیکن ہمارے حضرت ڈاکٹر عبدالحیٔ صاحب رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے کہ آج کل لوگوں میں نہ دین کی اتنی طلب ہے نہ اتنی طاقت ہے اور نہ اتنی فرصت ہے کہ وہ اتنے لمبے لمبے مجاہدے اور ریاضتیں کریں اس لیے ہر دور کے بزرگوں نے ہر زمانے کے لوگوں کے تقویٰ و حالات کا لحاظ کر کے ایسے ایسے علاج تجویز کیے کہ اس زمانے کے لوگ آسانی سے برداشت کریں۔ پچھلے زمانے میں حکیموں کی دوائیں ہوتی تھیں۔ جوشاندہ لاؤ، پانی میں ڈالو، آگ پر پکاؤ۔ اس کو چھانو۔ ٹھنڈا کرو۔ اس میں فلاں فلاں دوائیں ملاؤ۔ پینے کے بعد لحاف میں دبک کر بیٹھ جاؤ، باہر نہ نکلو وغیرہ وغیرہ۔ ان چیزوں سے فائدہ ہوتا تھا لیکن آج کل ان کی جگہ کیپسولوں نے اور چھوٹی چھوٹی ٹیبلٹس (Tablets) نے لے لی۔

باطنی علاج کا مختصر اور آسان نسخہ:

جس طرح یہ طریقہ علاج بدل گیا، اسی طرح اس زمانے میں ہمارے بزرگوں نے مختصر، آسان اور سریع الأثر (تیز اثر کرنے والے) نسخے تجویز کیے ہیں مثلاً حضرت عارفی صاحب رحمۃ اللہ علیہ بتاتے ہیں کہ میں تمہیں ایک نسخہ بتاتا ہوں، اگر تم نے اس کی عادت ڈال لی، اور اہتمام کرلیا تو ان شاء اللہ، تمہارے لیے ظاہری ترقی کے راستے کھل جائیں گے اور باطنی ترقی کی راہیں بھی کھل جائیں گی۔ طریقت میں بھی بڑھتے چلے جاؤ گے اور شریعت میں بھی ترقی کرتے چلے جاؤ گے، دنیا میں بھی کامیابیاں ملیں گی اور آخرت میں بھی کامیابیوں سے نوازے جاؤ گے۔ زندگی خوشگوار اور پرسکون ہو جائے گی۔ اور ہر وقت آپ کے دل کو ایک ڈھارس رہنے لگے گی۔ پریشانی اور گھبراہٹ نہیں ہوگی اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق بڑھتا چلا جائے گا۔

چار اعمال اور ان کی خاص تاثیر:

فرمایا کہ وہ چار اعمال ہیں اور قرآن وسنت سے ماخوذ ہیں، اپنی طرف سے کچھ نہیں۔ اور اس زمانے کے مزاج کے مطابق ہیں۔ ان چار اعمال کی ایک خاص بات یہ ہے کہ ان میں کوئی وقت خرچ نہیں ہوتا۔ دنیا کے کاموں کے ساتھ ساتھ وہ اعمال ہو جائیں گے۔ ان پر کوئی پیسہ خرچ نہیں ہوتا اور کوئی محنت خرچ نہیں ہوتی اور اعمال ایسے زبردست ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے محبوب ترین اعمال میں سے ہیں۔ اور ان کی وجہ سے انسان کے ظاہری گناہوں میں بھی کمی آتی ہے اور باطنی گناہوں سے بچنا بھی آسان ہو جاتا ہے۔

الحمدللہ، میں چودہ سال اپنے اس مرشد کی خدمت میں حاضر ہوتا رہا ہوں، ہر ہفتے میں کم از کم ایک مرتبہ تو حاضری ہوتی ہی تھی، پھر ان کا کرم یہ تھا کہ ہم دونوں بھائیوں کے لیے ایک مجلس انہوں نے الگ رکھی۔ عام مجلس جمعہ کو ہوتی تھی لیکن

میرے لیے اور میرے بھائی مولانا محمد تقی عثمانی صاحب کے لیے پیر کے دن عصر سے مغرب تک خاص مجلس رکھی۔ مگر جب اور لوگوں کو پتہ چلا تو وہ بھی آنے لگے۔ مجھے یاد نہیں کہ چودہ سال کے عرصے میں کبھی ان سے میری ملاقات ہوئی ہو اور انہوں نے ان چار چیزوں میں سے کسی چیز کی ترغیب نہ دی ہو۔ بار بار توجہ دلاتے تھے۔ کبھی میں بھول جاتا تو اس وقت بھی توجہ دلاتے کہ میاں یہ کام تو کرلو۔

آخر کچھ تو بات تھی کہ چودہ سال تک وہ اس کی طرف متوجہ کرتے رہے۔ فرمایا کرتے تھے کہ یہ اعمال شریعت کی بھی جان ہیں اور طریقت کی بھی جان ہیں۔ الحمدللہ، مجھے ان اعمال سے اتنا زیادہ فائدہ ہوا کہ میں بیان ہی نہیں کرسکتا۔ مجھے امید ہے کہ اگر آپ ان کی پابندی کریں گے تو آپ کو بھی ضرور فائدہ ہوگا۔ یہ میرے محسن مرشد کا عظیم تحفہ ہے۔

پہلا عمل:

ان میں سے پہلی چیز ہے ''شکر''۔ شکر کی اصل حقیقت تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو نعمتیں آپ کو عطا کی ہیں، انہیں ناجائز کام میں استعمال نہ کرو فرمایا کہ اس مقام کو حاصل کرنے کے لیے ایک آسان راستہ بتاتا ہوں کہ اس پر چلنے سے تم شکر گزار بندوں میں شامل ہو جاؤ گے اور پھر رفتہ رفتہ شکر کا وہ مقام بھی حاصل ہوگا جو مطلوب ہے۔ اور وہ یہ کہ صبح سے لے کر شام تک ہر انسان کو بے شمار چیزیں ایسی پیش آتی ہیں کہ وہ مرضی کے موافق ہوتی ہیں مثلاً آپ صبح چھ بجے اٹھنا چاہ رہے تھے، رات کو سوئے تو ٹھیک چھ بجے آنکھ کھل گئی۔ یہ اللہ کی ایک نعمت مل گئی، فوراً کہہ دو ''الحمدللہ'' یا اپنی زبان میں کہہ دو ''اللہ تیرا شکر'' یا ''اللھم لک الحمدولک الشکر'' کہہ دو۔ ناشتہ صحیح وقت پر مل گیا، الحمدللہ، مزہ آیا، الحمدللہ۔ باہر نکلے، ٹریفک صاف مل گیا، الحمدللہ۔ صحیح وقت پر دفتر پہنچ گئے، الحمدللہ۔ موسم اچھا معلوم ہوا، الحمدللہ۔ کوئی اچھا منظر سامنے آیا، الحمدللہ، کاروبار میں گاہک زیادہ آئے، الحمدللہ۔ نفع ہوا الحمدللہ۔ گھر میں

آئے تو دروازے پر بچہ ہنستا ہوا ملا، الحمدللہ۔ بیوی کو دیکھا وہ بھی خوش نظر آئی، الحمدللہ۔ کھانے میں مزہ آیا، الحمدللہ۔ پانی میں مزہ آیا، الحمدللہ۔ گرمیوں میں ٹھنڈی ہوا چل رہی ہے، الحمدللہ۔ غرضیکہ صبح سے لے کر شام تک بے شمار کام جو ہماری مرضی کے مطابق ہوتے ہیں اور ان سے ہمیں خوشی حاصل ہوتی ہے یا کوئی پریشانی دور ہوتی ہے، اس پر فوراً اللہ میاں سے کہہ دیا کریں کہ یا اللہ تیرا شکر یا الحمدللہ یا **اللھم لک الحمد ولک الشکر**۔

شکر کے فضائل:

اس عمل پر نہ کچھ وقت لگے گا اور نہ کوئی محنت لیکن اتنی بڑی عبادت انجام پائی کہ اس پر اللہ کا عذاب ہٹ جاتا ہے۔ قرآن مجید میں ہے۔

﴿مَايَفْعَلُ اللّٰهُ بِعَذَابِكُم اِنْ شَكَرْتُم وَاٰمَنْتُم﴾ (النساء:۱۴۷)

''اگر تم خدا کے شکر گزار رہو اور اس پر ایمان لے آؤ تو خدا تمہیں عذاب دے کر کیا کرے گا۔''

معلوم ہوا کہ شکر اللہ کے عذاب سے بچانے والی چیز ہے۔

ایک اور جگہ ارشاد ہے:

﴿لَئِن شَكَرْتُمْ لَأَزِيْدَنَّكُمْ﴾

اس سے معلوم ہوا کہ شکر کرنے سے اللہ تعالیٰ نعمتوں کو بڑھا دیتے ہیں۔

''الحمدللہ'' شکر کا پہلا زینہ ہے:

اور غور کیجئے قرآن مجید جیسی عظیم ترین کتاب کی سب سے پہلی سورت ''سورۃ الفاتحہ'' ہے اور یہ سورت ''الحمدللہ'' سے شروع ہو رہی ہے۔ اور اس سورت کے بارے میں حکم یہ ہے کہ ہر نماز میں پڑھو حتیٰ کہ سنتوں اور نفلوں میں بھی اس کا پڑھنا ضروری ہے۔ فرض کی آخری دو رکعتوں میں سورۃ ملانے کی ضرورت نہیں لیکن ''سورہ

الفاتحہ'' وہاں بھی پڑھنا ضروری ہے، کوئی رکعت سورۃ الفاتحہ سے خالی نہیں۔
''الحمدللہ'' شکر کا پہلا زینہ ہے اور اللہ تعالیٰ شاکرین کو پسند کرتا ہے۔

جنت میں بھی شکر کی عبادت ہوگی:

آگے بڑھئے، جب جنت میں جائیں گے وہاں تو نعمتیں ہی نعمتیں ہوں گی۔ قرآن مجید میں ہے کہ:

﴿وَلَكُم فِيهَا مَاتشتهي أَنفُسُكُمْ﴾ (حم السجدة:۳۱)

''اور وہاں جس نعمت کو تمہارا جی چاہے گا، تمہیں ملے گی۔''

آج مغربی دنیا لذت کے پیچھے ایسی پڑی ہوئی ہے کہ لذت نہ بجھنے والی پیاس اور لذت کی نہ مٹنے والی بھوک اس قوم کا سب سے بڑا مرض ہے، اسی کی وجہ سے طرح طرح کی بیماریاں مول لے رہی ہے اور اللہ تعالیٰ کی ناراضگی بھی مول لے رہی ہے۔ لیکن جنت میں ملنے والی نعمتیں اللہ رب العزت کی رضا کے ساتھ حاصل ہوں گی۔ وہاں عیش ہی عیش ہے۔ عرق گلاب کی طرح مہکتا ہوا پسینہ ہوگا۔ کھانے کے بعد ایک ڈکار آئے گی جس میں مشک کی سی خوشبو ہوگی اور سارا کھانا اسی میں ہضم ہو جائے گا۔

وہاں کوئی عبادت نہیں ہوگی۔ نہ نماز، نہ وضو، نہ پاکی و ناپاکی کا مسئلہ، نہ روزہ، نہ زکوٰۃ، نہ حج، نہ تبلیغ اور نہ جہاد، صرف مزے ہی مزے، کھاؤ، پیو، عیش اڑاؤ۔ حدیث قدسی میں ہے:

﴿أَعْدَدْتُ لِعِبَادِي الصَّالِحِيْنَ مَالاَ عَيْنٌ رَأَتْ وَلاَ أُذُنٌ سَمِعَتْ وَلاَ خَطَرَ عَلٰى قَلْبِ بَشَرٍ﴾

''میں نے اپنے نیک بندوں کے لیے ایسی نعمتیں تیار کر رکھی ہیں کہ کسی آنکھ نے وہ نعمتیں دیکھی نہیں، کسی کان نے سنی نہیں اور نہ ہی کسی دل پر ان کا خیال تک گزرا۔''

ان ساری نعمتوں میں ہماری گزر ہوگی، کوئی عبادت نہیں ہوگی لیکن ایک عبادت وہاں بھی ہوگی۔ وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ کی حمد ہر جنتی کے منہ سے ایسی جاری رہے گی جیسے دنیا میں ہم سانس لیتے ہیں۔ فطری اور خود بخود بغیر کسی ارادے کے یہ حمد جاری رہے گی۔

شکر کا ایک اہم اثر............تکبر سے حفاظت:

اس کا ایک اور خاصہ یہ ہے کہ جب بندہ ہر نعمت کے ملنے پر شکر کرنے کا عادی ہو جائے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ بندہ اس نعمت کو اپنا حق نہیں سمجھتا، اللہ تعالیٰ کا انعام سمجھتا ہے، اپنا کمال نہیں سمجھتا، اللہ تعالیٰ کی نوال سمجھتا ہے اور جب آدمی اپنے کسی بھی کمال کو اپنا کمال نہ سمجھے بلکہ اللہ تعالیٰ کی عطا سمجھے تو ایسے شخص کے دل میں کبھی تکبر آئے گا؟ (نہیں) تو یہ شکر تکبر سے بچانے والی چیز ہے۔ تکبر اتنا خطرناک گناہِ کبیرہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:

﴿لَايَدخُلُ الْجَنَّةَ مَنْ كَانَ فِي قَلْبِهِ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ مِنْ كِبْرٍ﴾

(مسلم، کتاب الایمان)

''وہ شخص جنت میں نہیں جائے گا، جس کے دل میں ذرہ برابر بھی تکبر ہوگا۔''

تکبر شراب پینے سے بھی زیادہ سخت گناہ ہے، زنا کاری سے بھی زیادہ خطرناک گناہ ہے۔ شکر اس خطرناک مرض سے انسان کو بچاتا ہے۔

شکر گناہوں سے بچاتا ہے:

شکر کا ایک اور خاص فائدہ یہ ہے کہ جو شخص شکر کرنے کا عادی ہو، وہ رفتہ رفتہ خود بخود گناہوں سے بچنے لگتا ہے، تقویٰ پیدا ہونے لگتا ہے کیونکہ ہر وقت تو اس کو اللہ تعالیٰ کی نعمتیں یاد رہتی ہیں، اس کا محسن ہونا ذہن میں رچ بس جاتا ہے۔ اب

جب کبھی وہ گناہ کی طرف قدم بڑھانے کی کوشش کرے گا تو اس کا ضمیر اسے جھنجھوڑے گا کہ اتنے بڑے محسن کی نافرمانی کر رہے ہو، جس نے تجھے صبح سے لے کر شام تک اتنی نعمتوں سے نوازا ہے، جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ گناہ کرنے سے شرمائے گا۔

شکر کی وجہ سے پریشانیوں سے حفاظت:

شکر کا ایک اور فائدہ یہ ہے کہ جس شخص کو شکر کی عادت ہو، اگر اس کو کبھی کوئی ناگواری اور تکلیف پیش آجائے تو وہ زیادہ پریشان نہیں ہوتا کیونکہ وہ یہ دیکھتا ہے کہ صبح سے لے کر شام تک اتنی نعمتیں مجھے مل رہی ہیں، جن پر میں الحمدللہ، الحمدللہ کہہ رہا ہوں تو اگر ایک بات مرضی کے خلاف پیش آگئی تو اس میں گھبرانے کی کیا ضرورت ہے۔

تعلق مع اللہ میں اضافہ:

شکر کا ایک اور فائدہ یہ ہے کہ یہ ایک چلتا پھرتا مراقبہ اور چلتا پھرتا مشاہدہ ہے، جس سے انسان کا اللہ رب العزت سے تعلق بڑھتا رہتا ہے۔ جب نعمت کے ملنے پر اللہ کی حمد بیان کرتا جا رہا ہے تو اللہ تعالیٰ کے تعلق میں اضافہ لازمی بات ہے۔ اور تعلق مع اللہ تقویٰ کی روح اور جان ہے، ظاہری گناہوں سے بھی بچاتا ہے، باطنی گناہوں سے بھی حفاظت کرتا ہے۔

صبر پیدا کرنے کا آسان طریقہ:

ان چار اعمال میں دوسرا عمل "صبر" ہے۔ صبر کی حقیقت تو یہ ہے کہ آدمی ہر حال میں اپنے آپ کو قابو میں رکھے، بے قابو نہ ہونے دے، اور ہر بری چیز سے اپنے آپ کو روک لے۔ لیکن اس مقام تک پہنچنا آسان نہیں۔ بہت سے مجاہدوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس کے لیے حضرت عارفی رحمہ اللہ نے آسان نسخہ یہ تجویز فرمایا کہ اس کی عادت ڈالو کہ صبح سے لے کر شام تک جو باتیں آپ کی مرضی کے خلاف

ہوں، ان پر ''انا للہ وانا الیہ راجعون'' کہو مثلاً آپ اٹھنا چاہتے تھے چھ بجے لیکن آنکھ ساڑھے چھ بجے کھلی تو فوراً کہہ دیں انا للہ وانا الیہ راجعون۔ آپ بروقت دفتر پہنچنا چاہتے تھے لیکن دیر ہوگئی۔ فوراً کہہ دیں انا للہ وانا الیہ راجعون۔

یہ بات قرآن سے ثابت ہے اور تاجدار دو عالم سرور کونین ﷺ کی سنت سے ثابت ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے سامنے ایک مرتبہ چراغ گل ہوگیا۔ آپ نے فرمایا: انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مصیبت کے وقت ''انا للہ وانا الیہ راجعون'' کہنے کی فضیلت:

ہمارے ہاں رواج یہ ہوگیا ہے کہ انا للہ وانا الیہ راجعون صرف ایک ہی مرتبہ پڑھا جاتا ہے (یعنی کسی کے انتقال کے وقت) یہ صحیح نہیں۔ سنت سے یہ ثابت ہے کہ جب بھی کوئی بات مرضی کے خلاف ہو، اس پر انا للہ وانا الیہ راجعون کہہ دیں۔

اس عمل پر کوئی وقت خرچ نہیں ہوتا لیکن ان کلمات کے کہنے پر کیا ملتا ہے، دیکھئے قرآن کیا کہتا ہے:

﴿وَ بَشِّرِ الصّٰبِرِیْنَ الَّذِیْنَ اِذَاۤ اَصَابَتْهُمْ مُّصِیْبَةٌ قَالُوْۤا اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّاۤ اِلَیْهِ رٰجِعُوْنَ ○ اُولٰٓئِكَ عَلَیْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَ رَحْمَةٌ وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ﴾

(البقرہ: ۱۵۶:۱۵۵)

''بشارت سنا دو، ان لوگوں کو جن پر جب کوئی مصیبت واقع ہوتی ہے تو کہتے ہیں کہ ہم خدا ہی کا مال ہیں اور اسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں۔ یہی لوگ ہیں جن پر ان کے پروردگار کی مہربانی اور رحمت ہے اور یہی سیدھے راستے پر ہیں۔''

یعنی وہ لوگ جو مصیبت کے آنے پر صبر کرتے ہیں اور ایسے موقعوں پر انا للہ وانا الیہ راجعون کہتے ہیں، آپ ان کو خوشخبری سنا دیجئے کہ ان پر اللہ کی رحمتیں عام بھی

نازل ہوں گی اور خاص بھی نازل ہوں گی اور ایسے لوگ ہدایت یافتہ ہیں۔ غور کیجیے! ایسے لوگوں کو قرآن مجید ہدایت یافتہ ہونے کی سند دے۔

مجاہدین افغانستان کے ساتھ اللہ کی مدد کا مشاہدہ:

اس سے پچھلی آیت میں ہے:

﴿اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ﴾ (البقرۃ: ۱۵۳)

''بے شک خدا صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔''

مجاہدین افغانستان نے گیارہ سال تک صبر سے کام لیا۔ پہاڑوں میں ڈٹے رہے، بیوی بچوں کو پاکستان بھیج دیا۔ خود بھوک و پیاس کی تکلیفیں اٹھائیں۔ بمباری اور برفباری کے عالم میں بھی ڈٹے رہے، اپنی آنکھوں سے محسوس ہوتا تھا کہ اللہ کی مدد اتر رہی ہے بلکہ بہت سے لوگوں کی زبانوں پر یہ آتا تھا کہ یہ جہاد اللہ میاں خود لڑ رہے ہیں۔

الحمدللہ، میں دو مرتبہ افغانستان گیا ہوں۔ ویسے آدمی کو اپنا عمل چھپانا چاہیے، لیکن میں اپنا یہ عمل ظاہر کرتا رہتا ہوں کیونکہ آج کل ہمارے دیندار طبقوں میں جہاد کا تذکرہ اور چرچا نہیں رہا۔ حالانکہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی زندگی کے آخری دس سال اس طریقے سے گزارے ہیں کہ کوئی مہینہ مشکل سے گزرتا تھا جس میں کوئی نہ کوئی جہادی مہم درپیش نہ ہوتی۔

افغانستان جانے کے بعد تو یہ محسوس ہوتا تھا کہ زندگی کا مزہ اگر کہیں ہے تو میدانِ جہاد میں ہے اور مرنے کا مزہ اگر کہیں ہے تو وہ بھی میدانِ جہاد میں ہے۔ مجاہدین نے صبر سے کام لیا تو اللہ تعالیٰ نے سوویت یونین کا نقشہ دنیا سے مٹا دیا۔ سات مسلم ممالک آزاد ہوئے۔ یہ اور بات ہے کہ آج افغانستان کے لوگ آپس میں اقتدار کی جنگ کے لیے لڑ رہے ہیں، یہ فساد ہے، جہاد نہیں۔ لیکن جب تک انہوں نے صبر سے کام لیا، اللہ تعالیٰ کی معیّت ان کے ساتھ تھی جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ سپر

طاقت ان کے سامنے ریزہ ریزہ ہوگئی۔ آج دنیا کا نقشہ اٹھا کر دیکھ لیجئے، وہاں سے سوویت یونین غائب ہے۔ یہ نہتے تھے اور صابرین تھے، ان کے صبر کو میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔

پہلا زینہ:

صبر کے اس مقام تک پہنچنے کے لیے پہلا زینہ یہ ہے کہ صبح سے لے کر شام تک جو بات مرضی کے خلاف پیش آئے اس پر انا للہ وانا الیہ راجعون کہہ دیں۔ موسم خراب ہوگیا، بیمار ہو گئے، گھر پہنچے بچے کو بیمار پایا، بیوی کو روتے ہوئے پایا، ہر موقع پر کہہ دو انا للہ وانا الیہ راجعون۔

یہاں تک دو باتوں کا بیان ہوا:

(۱) شکر کا (۲) صبر کا۔

ملا نصیر الدین کا واقعہ:

ایک لطیفہ یاد آ گیا۔ ملا نصیر الدین بہت خوبصورت شخص تھے لیکن ان کی بیوی بدصورت تھی۔ ایک روز بڑے اچھے موڈ میں تھے۔ بیوی سے کہنے لگے بیگم! تم بھی جنتی، میں بھی جنتی، بیگم نے کہا: کیسے؟ کہا: یہ قرآن میں لکھا ہے؟ بیگم بولی: قرآن میں کہاں لکھا ہے؟ کہنے لگے، دیکھو! تم مجھے دیکھتی ہو تو اللہ کا شکر ادا کرتی ہو، میں تمہیں دیکھتا ہوں تو صبر کرتا ہوں۔ اور صابر و شاکر دونوں جنت میں جائیں گے۔

اگرچہ ملا جی نے یہ بات لطیفہ کے طور پر کہی لیکن یہ بات سچی ہے کہ جو شخص صابر بھی ہو، شاکر بھی ہو، انشاء اللہ وہ جنت میں جائے گا۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

﴿الطاعم الشاکر کالصائم الصابر﴾

(مشکوۃ رقم الحدیث: ۴۲۰۵)

''جو شخص کھانا کھا کر اللہ کا شکر ادا کرتا ہے، اس روزے دار کی طرح ہے جو روزہ رکھتا ہے اور صبر کرتا ہے۔''

اچھا کھانا اور اچھا پہننا برا نہیں:

حضرت مولانا مسیح اللہ خان صاحب فرمایا کرتے تھے کہ اچھا کھانا اور اچھا پہننا کوئی بری چیز نہیں۔ اچھے سے اچھا کھاؤ اچھے سے اچھا پہنو، اچھے سے اچھی گاڑی میں سفر کرو، اچھے سے اچھا مکان بناؤ، جو مال اللہ نے دیا ہے اس کے مطابق خرچ کرو لیکن اس پر اللہ کا شکر بھی ادا کرو اور ان کی محبت دل میں نہ آنے دو۔

دنیا کی مذمت کس صورت میں ہے:

اللہ نے دنیا کی مذمت بھی بیان فرمائی لیکن دنیا کی نعمتوں کو خیر اور فضل بھی فرمایا، مذمت اس صورت میں ہے جب ان کی محبت دل میں گھس جائے اور تعریف ان نعمتوں کی ہے جن کی محبت دل میں نہ گھسے۔ آپ نے دیکھا کہ کشتی پانی کے بغیر چل نہیں سکتی لیکن کشتی کی یہ زندگی اسی وقت تک ہے جب تک پانی کشتی سے باہر ہے، اگر یہ پانی کشتی میں گھس جائے تو اسے ہلاک کر ڈالتا ہے۔ اسی طرح دنیا کے مال و اسباب، بیوی بچے، عزیز رشتہ دار، گاڑی و مکانات یہ سب اللہ کی نعمتیں ہیں اور ان پر ہماری زندگی کی کشتی چلتی ہے لیکن یہ صرف اس وقت تک نعمتیں ہیں جب تک دل میں نہ گھسیں اگر یہ چیزیں ہمارے دل کے اندر آ گئیں تو ہمیں ہلاک کر ڈالیں گی۔

دل تو اللہ تعالیٰ کا مسکن ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مومن کا دل اپنے لیے بنایا ہے۔ اس میں محبت صرف اللہ کی ہو، اس کے رسول کی ہو، اللہ سے محبت رکھنے والوں کی ہو۔ باقی چیزوں کی محبت دل کے اندر نہ ہو، باہر باہر ہو۔

ایک سوال اور اس کا جواب:

سوال یہ پیدا ہوگا کہ انسان کو اپنے بیوی بچوں دکان و مکان سے فطری طور

پر محبت ہوتی ہی ہے۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ آدمی کا دل ان کی محبت سے خالی ہو جائے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ جب تک یہ محبت اس درجے میں ہے کہ اللہ و رسول کی نافرمانی کا ذریعہ نہیں بنتی، اس وقت تک کوئی گناہ نہیں، لیکن اگر یہ محبت نافرمانی کا ذریعہ بننے لگے تو یہ محبت خطرناک ہے۔

تیسرا عمل:

تیسری چیز ''استغفار'' ہے۔ صبح سے لے کر شام تک ہم سے بے شمار گناہ ہوتے ہیں۔ بہت سے گناہ تو ایسے ہوتے ہیں جن کے بارے میں ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ ہم نے گناہ کیا لیکن بہت سے گناہوں کا پتہ بھی نہیں چلتا کہ ہم سے گناہ ہو چکا کیونکہ ہم بے فکری کی زندگی گزارتے ہیں۔

جب بھی کوئی گناہ ہو جائے یا پچھلا کوئی گناہ یاد آجائے تو فوراً کہہ دیا کرو ''استغفر اللہ'' اگر پورے کلمات یعنی ''أَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ رَبِّي مِنْ كُلِّ ذَنْبٍ وَ أَتُوبُ إِلَيْهِ'' پڑھیں تو یہ زیادہ اچھا ہے لیکن اگر پورا پڑھنے کا موقع نہ ہو یا کسی کو یاد نہ ہو تو صرف ''استغفر اللہ'' کہنا بھی کافی ہے اور اگر کسی کو یہ عربی الفاظ بھی نہیں آتے تو اپنی زبان میں کہہ دے ''اے اللہ، معاف کر دے۔''

قرآن مجید میں ہے:

﴿وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَأَنْتَ فِيهِمْ وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُونَ﴾ (الانفال: ٣٣)

''اور خدا ایسا نہ تھا کہ جب تک تم ان میں تھے انہیں عذاب دیتا اور ایسا نہ تھا کہ وہ بخشش مانگیں اور انہیں عذاب دے۔''

ہر گناہ پر استغفار کی عادت ڈالیں، نظر بہکی، کسی ناجائز کو دیکھا، نظر ہٹا کر کہیں استغفر اللہ، کوئی غلط بات سنی استغفر اللہ کہیں، کسی بری بات کا پکا ارادہ کرلیا تو استغفر اللہ کہہ کر رک جائیں۔ بری بات کا خیال آنے پر تو گناہ نہیں ہوتا لیکن پکا ارادہ

کرنے پر گناہ لکھا جاتا ہے۔

غرضیکہ کوئی بھی چھوٹا یا بڑا گناہ ہو جائے یا اس کا خیال آ جائے، اس پر استغفر اللہ کہہ دیں۔ جب صبح سے لے کر شام تک ہر گناہ پر استغفار کرتے رہیں گے تو رفتہ رفتہ گناہوں میں کمی آتی جائے گی۔ شرم آئے گی کہ ابھی تو استغفر اللہ کہا تھا، پھر گناہ کر لیا۔

بڑے سے بڑا گناہ بھی توبہ سے معاف ہو جاتا ہے:

ایک جگہ میں نے توبہ کا مضمون بیان کیا۔ اس میں میں نے یہ عرض کیا کہ کوئی بڑے سے بڑا گناہ بھی توبہ سے معاف ہو جاتا ہے۔ البتہ یہ جاننا ضروری ہے کہ ''توبہ'' کی حقیقت یہ ہے کہ آدمی گناہ کو گناہ سمجھے، شرمندہ ہو جائے اور آئندہ نہ کرنے کا عزم کرے۔ ایسی توبہ کرنے سے یوں ہو جاتا ہے گویا وہ گناہ کیا ہی نہیں۔ البتہ بندوں کے حقوق اس وقت تک معاف نہیں ہوتے جب تک ان سے معافی نہ مانگی جائے۔

ایک غلط فہمی اور اس کا ازالہ:

ایک صاحب کہنے لگے کہ کیا اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر میرے ذمے پندرہ سال کی نمازیں رہی ہوئی ہیں اور ان پر تہہ دل سے توبہ واستغفار کرتا ہوں تو کیا پچھلے پندرہ سال کی نمازیں معاف ہو جائیں گی۔ خوب سمجھ لیجئے کہ وہ معاف نہیں ہوں گی اس لیے کہ نماز کے بارے میں پہلا حکم یہ تھا کہ اسے وقت پر پڑھو۔ اگر وقت پر نہ پڑھی تو اللہ تعالیٰ کا دوسرا حکم یہ ہے کہ بعد میں اس کی قضا کرو۔ جب آپ نے وقت پر نماز نہ پڑھی تو اللہ تعالیٰ کا حکم ٹوٹنے کی وجہ سے گناہ ہو گیا، آپ نے توبہ کر لی تو وہ معاف ہو گیا۔ لیکن اب اللہ کا نیا حکم آیا کہ اب پڑھو۔ اس نئے حکم کی خلاف ورزی کرنا جائز نہیں۔ اس کی خلاف ورزی کرو گے تو یہ پچھلی توبہ سے کیسے معاف ہو گا؟

گویا توبہ کا اثر یہ ظاہر ہوا کہ صرف نماز کی ادائیگی میں تاخیر کا گناہ معاف ہو گیا لیکن نماز اس وقت تک معاف نہیں ہوتی جب تک ادا نہ کی جائے اور چھوٹی ہوئی نماز اس وقت تک معاف نہیں ہوتی جب تک قضا نہ کی جائے۔

توبہ گناہوں پر پانی پھیر دیتی ہے:

توبہ ایک ایسی چیز ہے کہ انسان کے گناہوں پر پانی پھیرتی رہتی ہے اور اسے پاک کرتی رہتی ہے۔ ایک صاحب میری اس بات پر کہنے لگے کہ یہ تو گناہوں کی ترغیب ہو گئی۔ بڑے سے بڑا گناہ کرلو اور یہ سوچو کہ توبہ کرلیں گے، تو جو گناہ نہیں کیے، آدمی یہ سوچ کر وہ گناہ بھی کرنے لگے گا کہ بعد میں توبہ کرلوں گا۔

بات یہ ہے کہ اگر وہ بعد میں توبہ کر لے اور اللہ میاں اس کی مغفرت کر دے تو آپ کو اعتراض کیوں ہے، جب کہ اللہ تعالیٰ نے خود وعدہ کر رکھا ہے کہ میں توبہ کرنے والے کو معاف کر دوں گا۔ کیا آپ اسے جہنم میں پہنچانے کے خواہش مند ہیں!

یہ سمجھنا صحیح نہیں کہ توبہ سے گناہوں پر جرأت ہوتی ہے:

البتہ یہ یاد رکھیں کہ یہ کہنا کہ اس بات سے گناہوں کی ترغیب ہو گی، یہ صحیح نہیں۔ تجربہ شاہد ہے کہ جو شخص اس بات کا عادی ہو جائے گا کہ جب بھی اس سے گناہ ہو فوراً توبہ کر لے تو اس کے گناہوں میں کمی آتی جائے گی۔ اور ایک وقت ایسا آئے گا کہ وہ توبہ کرنے والوں میں شمار ہو گا۔ جو شخص توبہ کا اہتمام کرے گا، رفتہ رفتہ وہ متقی ہوتا جائے گا۔

ایک مرتبہ ہمارے مرشد حضرت عارفی صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمانے لگے کہ ڈرتے کیوں ہو، پریشان کیوں ہوتے ہو۔ ہر وقت اپنے آپ کو گناہ گار مت کہا کرو۔ توبہ کرلو، استغفار کرلو، معاف ہو جائے گا۔ میں نے عرض کیا: حضرت! اس کا تو

مطلب یہ ہوا کہ آدمی اس خیال سے گناہ کرلے کہ پھر توبہ کرلے گا۔ عجیب طرح کی آنکھیں بنا کر فرمایا: کرنہیں سکو گے۔ جب توبہ کی عادت بنالو گے تو پھر گناہ کرنا بھی چاہو گے تو اللہ تعالیٰ وہ گناہ نہیں ہونے دے گا۔ کچھ نہ کچھ ایسے اسباب پیش آجائیں گے کہ وہ گناہ نہیں ہوگا۔ یہ اللہ تعالیٰ کی خاص رحمت ہے۔

توبہ کی امید پر گناہ کرنا بہت بڑا دھوکہ ہے:

توبہ کا دروازہ اس وقت تک کھلا ہوا ہے جب تک انسان پر نزع کی کیفیت طاری نہیں ہوتی۔ شعر یاد آ گیا ؎

جام میرا توبہ شکن، توبہ میری جام شکن
سامنے ڈھیر ہیں ٹوٹے ہوئے پیمانوں کے

اگر زندگی اسی طریقے سے گزر گئی کہ ہر گناہ پر توبہ کرتے رہے تب بھی بیڑا پار ہے لیکن ایک بات یاد رکھیں۔ وہ یہ کہ گناہ کو اس امید پر کرنا کہ بعد میں توبہ کرلیں گے یہ دنیا کا سب سے بڑا دھوکہ ہے اس لیے کہ موت ہمیشہ اچانک ہی آتی ہے، وہ بتا کر نہیں آتی کہ میں آرہی ہوں۔

استغفار کا ایک اہم فائدہ:

استغفار کا ایک اہم فائدہ یہ ہے کہ جو شخص بار بار توبہ کرتا ہے، کبھی وہ تکبر میں مبتلا نہیں ہوتا کیونکہ وہ اپنے آپ کو اللہ کے سامنے مجرم سمجھتا ہے، شرمندہ رہتا ہے۔ اور ایسا شخص لوگوں سے لڑائی جھگڑا بھی نہیں کرے گا، لوگوں سے انتقام لینے کی بجائے ان کی غلطیوں کو معاف کرے گا کیونکہ اس کے ذہن میں یہ خیال جاگزین ہوگا کہ میں صبح سے لے کر شام تک کتنی غلطیاں کرتا ہوں، اللہ تعالیٰ انہیں معاف کرتے ہیں تو اس بندے سے اگر میرے حق میں کوئی غلطی ہوگئی تو میں اس سے کیا مواخذہ کروں۔

چوتھا عمل:

چوتھی چیز ہے ''استعاذہ'' صبح سے لے کر شام تک انسان کو طرح طرح کے اندیشے اور خوف دل میں آتے ہیں۔ فلاں کاروبار میں روپیہ لگایا ہے، کہیں اس میں گھاٹا نہ ہو جائے، فلاں ملازمت کر رہا ہوں، اس میں میری ترقی نہ رک جائے، بیوی حمل سے ہے کہیں اس میں پیچیدگی نہ پیدا ہو جائے، بچہ بیمار ہے اس کی بیماری نہ بڑھ جائے، مجھے بیماری نہ لگ جائے، گاڑی چلا رہا ہوں ایکسیڈنٹ نہ ہو جائے، دفتر جا رہا ہوں پہنچنے میں دیر نہ ہو جائے، عزت بے عزتی میں نہ بدل جائے، میری فلاں کمزوری لوگوں کے سامنے آ کر میری رسوائی کا ذریعہ نہ بن جائے، طرح طرح کے اندیشے ہر چھوٹے بڑے انسان کو لگے رہتے ہیں، کوئی انسان ان خطروں سے خالی نہیں۔ آپ ذرا اپنے اندر جھانک کر دیکھیں کتنے اندیشے نظر آئیں گے۔ اندیشوں اور خطرات کی ایک لمبی لائن لگی ہوئی ہے۔

ان خطرات کی پریشانی سے بچنے کا طریقہ یہ ہے کہ جب کبھی کسی ایسے خطرے کا خیال پیدا ہو تو فوراً چپکے سے کہہ دیا کرو ''أعوذُ باللّٰه'' (میں اللہ کی پناہ مانگتا ہوں) اگر أعوذُ باللّٰه کا لفظ بھی یاد نہ رہے تو اپنی زبان میں کہہ دو: یا اللہ! میں آپ کی پناہ مانگتا ہوں۔

اس در کا کوئی بھکاری خالی نہیں رہتا۔ جو جانتا ہو کہ وہاں کے علاوہ کہیں اور پناہ نہیں ہے اور یہ جان کر جب وہ پناہ مانگتا ہے تو پھر اللہ میاں ضرور پناہ دیتا ہے، بے پناہ نہیں چھوڑتا۔ اس سے آپ کا مستقبل بھی محفوظ ہو جاتا ہے۔

تینوں زمانے محفوظ!

غور کیجیے! صبر اور شکر کا تعلق زمانۂ حال سے ہے۔ استغفار کا تعلق زمانۂ ماضی سے ہے اور استعاذہ کا تعلق مستقبل سے ہے۔ ان چار عملوں میں انسان کے

تینوں زمانے محفوظ ہو جاتے ہیں۔ اور جس شخص کا زمانہ حال، ماضی اور مستقبل تینوں محفوظ ہو جائیں بتایئے، اس کے برابر کون محفوظ ہو گا اور پھر اس کے علاوہ انعامات الگ ہیں جو پیچھے بیان ہوئے۔

ذاکرین میں شمار:

ان سب کے علاوہ ایک اور اہم فائدہ یہ ہے کہ یہ اعمال کرنے والا شخص ''ذاکرین'' میں شمار ہو جاتا ہے کیونکہ ہر وقت اللہ تعالیٰ کا کوئی نہ کوئی ذکر کرتا ہے۔ خوشی ہوتی ہے تو اللہ کا ذکر کرتا ہے، تکلیف آتی ہے تو اللہ کا ذکر کرتا ہے۔ گناہ ہوتا ہے تو اللہ کا ذکر کرتا ہے، کوئی اندیشہ نظر آتا ہے تو اللہ کا ذکر کرتا ہے۔ جب یہ کیفیت ہوتی ہے تو انسان ہر وقت یوں محسوس کرنے لگتا ہے کہ ''اللہ میرے ساتھ ہے'' اور یہ محسوس کرتا ہے کہ کسی نے میرے سر پر ہاتھ رکھا ہوا ہے جو میرے سارے کام کراتے جا رہا ہے۔

ریا سے محفوظ اعمال:

ایک اور خاص بات ان چار اعمال کی یہ ہے کہ یہ اعمال ریا اور دکھاوے سے محفوظ رہتے ہیں۔ اور بہت سے اعمال میں ریا ہو جاتی ہے، جہاد میں جاتے ہیں، دیکھنے والے دیکھتے ہیں، تبلیغ میں لوگ دیکھتے ہیں، اس لیے ان میں ریا ہو جاتی ہے۔ یہ مطلب نہیں کہ ریا کے خوف سے یہ اعمال چھوڑ دیئے جائیں بلکہ بتلانا یہ ہے کہ ان جیسے اعمال میں شیطان اپنی راہ نکال لیتا ہے۔ عالم کی تقریر میں، قاری کی قرأت میں، حاجی کے حج میں ریا کا اندیشہ رہتا ہے کیونکہ ان میں شیطان کو خوب موقع ملتا ہے جبکہ یہ اعمال ایسے ہیں کہ ان کی خبر آپ کو ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ کو ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ کو وہ عبادت سب سے زیادہ پسند ہے جو خالص اس کے لیے ہو۔

تو عبادت ایسی کہ کسی کو کانوں کان خبر نہیں، اللہ کی عین رضا کے مطابق اور

کسی پیسے کا اور وقت کا خرچ بھی نہیں۔

یہ اعمال فوراً شروع کر دو:

ان اعمال کے بارے میں ایک تجربہ کی بات، یہ ہے کہ اگر ان پر فوراً عمل کر دیں تب تو یہ یاد رہتے ہیں اور اگر چند روز تک بھول جائیں تو بس پھر بھول ہی جاتے ہیں۔ آج سے بلکہ ابھی سے عمل شروع کیجیے۔

اس نسخہ پر خود بھی عمل کیجئے اور گھر والوں اور بچوں کو بھی اس کی عادت ڈلوایئے۔ دوسرے مسلمانوں تک بھی یہ پیغام پہنچایئے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس نسخے پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

وآخر دعوانا أن الحمدلله رب العالمين

........❖........

مَصَائب اور مُشکلات کا عِلاج

موضوع: مصائب اور مشکلات کا علاج

خطاب: حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی مدظلہم۔

مقام: دارالعلوم مظاہر العلوم حیدرآباد، سندھ۔

بوقت: پہلا سالانہ اجتماع، زیر اہتمام مجلس صیانۃ المسلمین پاکستان شاخ حیدرآباد۔ سندھ

تاریخ: ١٤ شعبان المعظم ١٤١٤ھ مطابق ٢٧ جنوری ١٩٩٤ء۔

ضبط و ترتیب: مولانا جمیل احمد صاحب فاضل جامعہ دارالعلوم کراچی۔

باہتمام: محمد ناظم اشرف

مصائب اور مشکلات کا علاج

خطبہ مسنونہ:

الحمد للّٰہ نحمدہٗ و نستعینہٗ و نستغفرہٗ و نؤمِنُ بہٖ ونتوکل علیہ ونعوذ باللّٰہِ مِن شرورِ أنفسنا ومِن سیئاتِ أعمالنا مَن یھدِہِ اللّٰہ فلا مُضِلَّ لہٗ وَمَنْ یُضللہٗ فلا ھَادِیَ لہٗ ونشھد أن لآ اِلٰہ اِلَّا اللّٰہ وحدہٗ لاشریک لہٗ و نشھد أنّ سیدنا و سَنَدنا و مولانَا محمداً عبدہٗ ورسولہٗ صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ و علٰی آلہٖ و صحبہٖ اجمعین و سلّم تسلیماً کثیراً۔

امابعد!

فَأَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ. بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ o یا ایّھا الذین آمنوا استعینُوا بالصّبر والصّلٰوۃ انّ اللّٰہ مع الصابرینo

آغازِ بیان:

میں نے اس وقت سورہ بقرہ کی جو آیت تلاوت کی ہے اس کا ترجمہ یہ ہے۔

"اے ایمان والو! تم مدد لو صبر سے اور نماز سے، اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہوتا ہے۔"

(اور جب صبر کرنے والوں کے ساتھ اللہ ہو گا تو پھر کسی اور چیز کی ضرورت ہی نہیں رہے گی۔ سارے مسائل حل ہو جائیں گے۔)

معاشرہ کی حالت:

آج ہمارے معاشرہ کا جو بحران ہے، معاشرہ میں بے چینی، بدامنی، ناچاقیاں، پریشانیاں، بیماریاں اور الجھنیں پھیل رہی ہیں، کون سا گھر ہے جو ان سے خالی ہو، گھر گھر یہ فساد ہے۔

شہروں میں جو بدامنی کا حال ہے۔ کراچی اور حیدر آباد کے لوگ سب سے زیادہ واقف ہیں۔ معاشرہ میں بدامنی پھیلی ہوئی ہے۔ بے اعتمادی کی فضا اتنی کہ باپ کا بیٹے پر، اور بھائی کا بھائی پر اعتماد نہیں رہا۔ خودغرضی ہمارے معاشرہ کا حصہ بن گئی ہے۔

دفتر میں جاؤ تو رشوت کے بغیر کام نہیں ہوتا، عدالت میں مظلوم جائے تو جتنا ظلم اس پر ظالم نے کیا تھا، اس سے زیادہ ظلم عدالت کے چکروں میں سہنا پڑتا ہے۔ یہ ہمارے معاشرہ کی ابتری کا حال ہے۔

بین الاقوامی صورتِ حال:

اور بین الاقوامی سطح پر بھی مسلمان دنیا بھر میں جس طرح بے چینی کی زندگی گزار رہے ہیں، اس کا کچھ اندازہ اخبارات اور ریڈیو میں ہو جاتا ہے، کابل میں جو

کچھ ہو رہا ہے، قازقستان میں مسلمانوں پر قیامت گزری، کشمیر میں مظالم اتنے بڑے پیمانے پر ڈھائے جا رہے ہیں کہ بھارتی فوجیں مسلمانوں کی نسل کشی پر تلی ہوئی ہیں۔

کشمیر میں قتل عام:

پچھلے دنوں بنگلہ دیش میں وہاں ہندوستان کے بعض علماء کرام تشریف لائے ہوئے تھے، ان میں سے ایک بزرگ نے بتلایا کہ ہم چند روز پہلے کشمیر گئے تھے، وہاں اتنے بڑے پیمانے پر مسلمانوں کا قتل عام ہوا ہے کہ وہاں کے قبرستانوں میں جگہ نہیں رہی، اور کہتے تھے میں ایک دن قبرستان گیا تو بہت بڑی تعداد اور بھاری اکثریت میں قبریں ۱۵۔۱۵ اور ۱۶ سال کے نوجوانوں کی تھیں۔

بھارتی فوجیں چن چن کر بچوں اور نوجوانوں کو قتل کر رہی ہیں، کیونکہ انہوں نے سوچا ہے کہ بوڑھے تو خود ہی مر جائیں گے، اور یہ اٹھنے والی نسل ختم کر دی جائے، اس بڑے پیمانے پر کشمیر میں قتل عام ہو رہا ہے۔

بوسنیا میں خونی کھیل:

بوسنیا میں یورپ کی حکومتوں اور اقوام متحدہ کی شہ پر یوگوسلاویہ کے لوگ مسلمانوں کے ساتھ خونی کھیل کھیل رہے ہیں۔

فلسطین میں یہودی ٹینک:

فلسطین میں انتفاضہ کی تحریک چل رہی ہے اور آپ دیکھتے ہوں گے تصویروں میں کہ یہودی ٹینکوں کا مقابلہ وہاں کے مجاہدین، نوجوان لڑکے پتھروں سے کر رہے ہیں اور ظاہر ہے کہ پتھر مار کر ٹینک تو تباہ نہیں کیا جا سکتا، مگر ٹینک ان کی دھجیاں بکھیر دیتا ہے۔

صومالیہ اور الجزائر کی حالت:

صومالیہ میں مسلمانوں کی حالت زار کی خبریں آرہی ہیں۔الجزائر میں دیندار مسلمانوں کے لیے زندگی اجیرن کر دی گئی ہے۔ امریکہ اور یورپ خاص طور سے فرانس کی طاقتیں ان ظالموں کی پشت پناہی کر رہی ہیں، وہاں ایک فوجی حکومت قائم ہے تاکہ دیندار طبقہ کو ختم کر دیا جائے۔

برما اور ہندوستان کے مسلمان:

برما میں مسلمانوں پر ظلم وستم کی داستانیں بکھری ہوئی ہیں، غرض جدھر اٹھا کر آپ دیکھیں وہاں مسلمان طرح طرح کے مصائب اور مشکلات میں گرفتار ہیں، ہندوستان کے مسلمانوں پر عرصہ حیات تنگ کر دیا گیا ہے۔ ''مسجد بابری'' کے ساتھ جو کچھ ہوا وہ ہمارے سامنے ہے۔

ان حالات میں مسلمانوں کو کیا کرنا چاہیے، ہم کیا کریں؟ ان حالات کا علاج کیسے ہو؟ اور ہم ان حالات سے کیسے نبرد آزما ہوں؟

قرآن کریم کا نسخۂ کیمیا:

قرآن کریم نے اس آیت میں نسخۂ کیمیا عطا فرمایا ہے۔ یہ ایسا نسخۂ اکسیر ہے جس کا کوئی بدل نہیں، جو کبھی ناکام اور بے اثر نہیں ہوتا۔ طبی اور ڈاکٹری نسخوں سے کبھی شفاء ہوتی ہے کبھی نہیں لیکن یہ نسخۂ پروردگارِ عالم کا بتلایا ہوا ہے کہ جب بھی مسلمانوں پر کوئی مشکل وقت آئے، کوئی مصیبت یا پریشانی ہو تو ہمیں اس کا علاج دیا گیا اور یہ علاج کبھی ناکام نہیں ہوتا۔

وہ علاج یہ ہے کہ قرآن کریم نے دو چیزوں سے مدد حاصل کرنے کی ہدایت کی ہے۔ ایک یہ کہ صبر سے مدد لو، دوسرے یہ کہ نماز سے مدد لو۔ اپنے بیان کا آغاز میں نے جس آیت سے کیا ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ نے یہی نسخۂ کیمیا ارشاد فرمایا

ہے۔ وہ آیت یہ ہے۔

﴿یاایھاالذین امنوا استعینوا بالصبر والصلوۃ ان اللّٰہ مع الصٰبرین﴾ (البقرہ:۱۵۳)

''اے ایمان والو! تم مدد حاصل کرو صبر اور نماز سے۔ اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔''

صبر کی حقیقت کیا ہے؟

صبر کیا ہے؟ صبر کے معنی اور حقیقت کیا ہے؟ عام طور سے لوگ صبر کے معنی بس یہ سمجھتے ہیں کہ غم میں آدمی خاموش ہو کر بیٹھ جائے اور چیخ چلائے نہیں۔ بلاشبہ یہ بھی صبر ہے لیکن یہ صبر کے پورے معنی نہیں بلکہ صبر کے تین حصوں یا شعبوں میں سے صرف ایک حصہ یا ایک شعبہ ہے۔ صبر کی حقیقت یہ ہے کہ آدمی اپنے آپ کو ہر حالت میں قابو میں رکھے، بے قابو نہ ہونے دے۔

صبر کے تین حصے یا شعبے:

صبر کے تین حصے ہیں۔ جب ان تینوں پر عمل ہو گیا تو انسان صابر کہلائے گا۔

اس طرح ان تینوں حصوں کا مجموعہ مل کر صبر کہلاتا ہے۔

صبر کا پہلا شعبہ ''صبر علی الطاعۃ'' ہے، دوسرا ''صبر عن المعصیۃ'' اور تیسرا ''صبر فی المصیبۃ'' کہلاتا ہے۔

صبر علی الطاعۃ:

صبر علی الطاعۃ یہ ہے کہ شریعت کے جس حکم پر عمل کرنے کو دل نہ چاہے یا جس پر عمل کرنا نفس پر بھاری ہو یا جس پر عمل کرنے کی ہمت نہ ہو رہی ہو، عزم و ہمت سے کام لے کر اس حکم کو بجا لائے۔ اس کی مثال سمجھئے۔ نیند آ رہی ہے، سردی کا

زمانہ ہے، لحاف کی گرمائی بڑی لذیذ معلوم ہو رہی ہے، ادھر اللہ تعالیٰ کا منادی اذان دے کر نماز اور فلاح کی طرف بلا رہا ہے۔ حی علی الصلاۃ، حی علی الفلاح کہہ کر پکار رہا ہے۔ نفس کہتا ہے ذرا ایک کروٹ لے لو، دوسری کروٹ لے لو۔ شیطان کہتا ہے میاں بغیر جماعت کے بھی نماز ہو جاتی ہے، تھوڑی دیر بعد پڑھ لینا، نفس کہہ رہا کہ لیٹے رہو، سوتے رہو حالانکہ اللہ تعالیٰ کا منادی کہہ رہا ہے ''حی علی الصلاۃ، حی علی الفلاح'' جس کا حاصل یہ ہے کہ اس وقت کامیابی اور فلاح صرف نماز میں ہے اور کسی کام میں اس وقت حقیقی کامیابی نہیں مل سکتی۔ اس موقع پر آدمی نفس کی بات نہ مانے بلکہ اللہ تعالیٰ کے حکم کو بجا لائے۔ اس کو ''صبر علی الطاعۃ'' کہتے ہیں۔

اسی طرح مثلاً دل چاہتا ہے کہ ایک نظر نامحرم کو دیکھے مگر قرآن کہتا ہے کہ:

﴿قل للمؤمنين يغضوا من أبصارهم﴾

''آپ کہہ دیجئے مؤمنین سے کہ وہ اپنی نظریں جھکا لیں (نامحرم کو نہ دیکھیں'')

اللہ کا حکم ہے کہ نظریں جھکا لو اور نفس کہتا ہے کہ نظریں اٹھا لو۔ اس موقع پر نفس کو قابو میں رکھنا ''صبر علی الطاعۃ'' ہے، یعنی اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کے لیے نفس کو قابو میں رکھنا، اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے احکام کو نفس کی ناگواری کے باوجود ہمت کر کے بجا لانا ''صبر علی الطاعۃ'' ہے۔

صبر عن المعصیۃ:

دوسرا شعبہ صبر کا ہے صبر عن المعصیۃ یعنی گناہوں سے بچنا، اپنے نفس کو گناہوں سے روکنا۔ نفس کہہ رہا ہے کہ فلاں گناہ کرو۔ رشوت لے لو، فلاں ایک لاکھ روپے دے رہا ہے رشوت کے، وہ لے لو۔ اپنے آپ کو ایک لاکھ روپیہ لینے سے روک لینا یہ اپنے نفس کو روکنا ہے معصیت سے اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے تو یہ ''صبر عن المعصیۃ'' ہے۔

صبر فی المصیبة:

تیسرا شعبہ صبر فی المصیبة ہے۔ خدانخواستہ کوئی مصیبت یا غم آ گیا۔ اس موقع پر دل تو چاہتا ہے کہ آدمی خوب چیخے چلائے۔ بعض جذباتی لوگ اس موقع پر اپنے بال نوچنے اور سینہ پیٹنے لگتے ہیں، گریبان چاک کر ڈالتے ہیں، بے صبری کرنے لگتے ہیں۔ آنحضرت ﷺ نے ان تمام حرکتوں سے سختی سے ممانعت فرمائی ہے۔ بعض لوگ اللہ میاں کی شکایتیں کرنے لگتے ہیں۔ بعض لوگ یہاں تک کہنے لگتے ہیں کہ ''کیا بات ہے، بس اللہ میاں کو ہمارا ہی گھر رہ گیا تھا، اس مصیبت میں ڈالنے کے لیے، پتہ نہیں ہم سے کیا گناہ ہو گیا ہے۔''

اللہ تعالیٰ کی شکایت کرنا حرام ہے:

گویا ہم سے کوئی گناہ ہوتا نہیں۔ اللہ میاں کو غلط فہمی ہو گئی کہ انہوں نے ہمیں گنہگار سمجھ کر تکلیف میں مبتلا کر دیا۔ یہ بے صبری کی بات ہے اور بڑی ناشکری، بڑی گستاخی اور بدتمیزی کی بات ہے۔ حرام ہے اور گناہِ کبیرہ ہے۔

راحت و تکلیف اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ہے:

مصیبت کے وقت میں نفس کو قابو میں رکھ کر اللہ تعالیٰ کی شکایت نہ کرے اور یہ یقین رکھے کہ مومن کو جو تکلیف پہنچتی ہے اس کا ثواب اس کو ملتا ہے اور یہ یقین رکھے کہ جو تکلیف آتی ہے، اللہ تعالیٰ ہی کی بھیجی ہوئی آتی ہے اور جو تکلیف جاتی ہے وہ اللہ تعالیٰ ہی کے بھیجنے سے جاتی ہے۔

قلب مومن کو جو تکلیف پہنچتی ہے، اس پر اس کو ثواب ملتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی شکایت زبان پر نہ آئے اور صدمے سے مغلوب ہو کر کوئی کام یا کلام خلافِ شریعت سرزد نہ ہو، یہ حقیقت ہے ''صبر فی المصیبة'' کی۔

حاصلِ کلام:

صبر کے تین شعبے ہوئے:

(۱) صبر علی الطاعۃ یہ ہے کہ فرمانبرداری کے لیے نفس کو آمادہ کرے اور آمادہ رکھے۔

(۲) صبر عن المعصیۃ یہ ہے کہ گناہوں سے بچانے کے لیے نفس کو قابو میں رکھے اور نفس کو گناہ نہ کرنے دے۔

(۳) صبر فی المصیبۃ یہ ہے کہ مصیبت کے وقت اپنے آپ کو قابو میں رکھے، کوئی کام یا کلام شریعت کے خلاف نہ ہونے دے۔

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معمول وتلقین:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں احادیث میں آتا ہے کہ جب بھی آپ کو کوئی پریشانی اور فکر دامن گیر ہوتی تو آپ فوراً نماز کی طرف متوجہ ہوتے۔ اگر فرض نماز کا وقت ہے وہ تو پڑھی ہی جاتی تھی، اس کے علاوہ ایسے موقع پر آپ نفل نماز بھی پڑھتے تھے۔ اور یہی آپ نے تلقین فرمائی ہے کہ کوئی پریشانی اور کوئی مصیبت آئے تو اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرلو، نماز پڑھ لو۔

نماز بھی صبر ہے:

غور سے دیکھا جائے تو نماز بھی صبر کا ایک حصہ ہے۔ اس کے لیے اور اس کے اندر کئی کام کرنے پڑتے ہیں، وہ ''صبر علی الطاعۃ'' ہے اور کئی کام چھوڑنے پڑتے ہیں وہ صبر عن المعصیۃ ہے۔ نماز کے اندر آدمی اپنے نفس کو قابو میں رکھتا ہے بلکہ جو باتیں نماز کے علاوہ حلال تھیں، وہ نماز میں حرام ہوگئیں مثلاً بات چیت کرنا ویسے آپ کے لیے حلال تھا لیکن اللہ اکبر کہہ کر نماز شروع کی تو لوگوں سے باتیں کرنا حرام ہوگیا۔ اسی طرح کھانا، پینا، چلنا پھرنا بھی آدمی کے لیے حرام ہو جاتا ہے۔ نمازی ان

کاموں سے اپنے آپ کو روکتا ہے۔ حاصل یہ کہ نماز میں صبر علی الطاعۃ بھی ہے اور صبر عن المعصیۃ بھی۔

البتہ اتنی بات ہے کہ یوں تو دین کے بہت سارے اعمال ہیں اور تمام اعمالِ خیر صبر ہی کا حصہ ہیں لیکن ان میں سے نماز ایک ایسا عمل ہے جس کے اندر صبر سب سے زیادہ نمایاں ہوتا ہے۔ بھری دنیا میں دنیا کے سارے مشاغل، ساری لذتوں اور اس کی ساری دلچسپیوں سے منہ موڑ کر اللہ تعالیٰ کے لیے یکسوئی اختیار کی جاتی ہے اور زندگی بھر دن میں پانچ مرتبہ اس کی پابندی کی جاتی ہے۔ اس لیے اس آیت میں صبر کے ساتھ خاص طور پر اسے ذکر کیا گیا ہے۔

خلاصۂ کلام:

خلاصۂ کلام یہ کہ ہمارے تمام مصائب کا حل تین چیزوں میں ہے۔ ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کا حکم بجا لاؤ۔ دوسرے یہ کہ گناہوں سے بچو، جن چیزوں سے روکا ہے، ان سے رک جاؤ، تیسرے یہ کہ جزع فزع نہ کرو، ہمت نہ ہارو، حوصلے سے کام لو اور حالات کا حکمت اور پامردی سے مقابلہ کرو۔ کوئی پریشانی یا تکلیف پیش آئے تو اپنے آپ کو قابو میں رکھو۔

جب تم یہ تین کام کر لو گے تو تمہارے مسائل کا حل نکل آئے گا۔ اس کے علاوہ مسلمانوں کے مسائل کا کوئی حل نہیں ہے۔ مسلمانوں کے مسائل نہ کسی غیر ملکی امداد سے حل ہوں گے نہ دشمنوں کی خوشامد کرنے سے حاصل ہوں گے۔ نہ بھیک مانگ کر آزادیاں ملیں گی، نہ اللہ سے غافل ہو کر امن و امان قائم ہو گا اور نہ صحت و شفاء ملے گی۔ جو کچھ حاصل ہونا ہے، وہ پروردگار کو راضی کرنے سے حاصل ہو گا۔ وہی رب العالمین اور وہی رب الارباب ہے۔

مسلمانوں کو اقتدار کیسے حاصل ہو؟

حاصل یہ نکلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے احکام بجا لاؤ اور اس کے بجا لانے میں لگ جاؤ تو دنیا کی ساری طاقتیں ہمارے قدموں میں ڈھیر ہو جائیں گی، اور یہ قصے کہانیاں نہیں ہیں، صرف زبانی عقیدہ کی بات نہیں ہے، بلکہ تاریخ اس کو بار بار دھراتی رہی ہے، جب بھی مسلمانوں نے اللہ تعالیٰ کے احکام کی پابندی کی ہے دنیا کے تخت و تاج ان کے قدموں میں آ گرے ہیں۔

اسلامی تعلیمات کا کرشمہ:

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین عرب کی کیسی قوم تھے، ان پڑھ، جاہل اور تمدن سے دور، اسلام کی تعلیمات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سیکھیں تو فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے زمانہ ہی میں اور عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ایشیا کا بیشتر حصہ مسلمانوں کے زیرنگیں آ گیا تھا اور افریقہ کے کئی ممالک ان کے نیچے آ گئے تھے۔کفر کی ساری طاقتیں ڈھیر ہو جاتی ہیں مومن کے قدموں کے نیچے، جب وہ اللہ رب العالمین کے احکام بجالانے میں لگ جائے۔

نفس کی مثال:

ساری بات ہمت کرنے کی ہے اس نفس کو قابو میں رکھو، تجربہ کر کے دیکھئے کہ چالاک گھوڑے کے اوپر، اگر اناڑی آدمی سواری کرے تو وہ اس کو پٹخ دے گا، اور اگر اس کو یہ معلوم ہو جائے کہ میرے اوپر سواری کرنے والا شہسوار ہے تو وہ اس کے اشاروں پر چلتا ہے، اس کی حکم عدولی نہیں کرتا، نفس بھی گھوڑے کی طرح ہے، اس کو شہسوار کی ضرورت ہے، اناڑی اس پر سواری نہیں کرسکتا بلکہ اناڑی پر تو الٹا نفس ہی سواری کرنے لگتا ہے اور بالآخر جہنم لے جا کر پھینک دیتا ہے۔

نفس بدترین دشمن ہے:

ہمارا نفس کافر سے بھی زیادہ بدترین دشمن ہے، اس لیے کہ کافر ہر وقت ہمارے ساتھ نہیں رہتا اس مسجد میں کوئی کافر نہیں، الحمدللہ، ہمارا یہاں کوئی دشمن نہیں ہے، لیکن نفس یہاں بھی ساتھ ہے اور آپ جب تنہائی میں جائیں گے وہاں بھی ساتھ ہو گا، نماز میں آتے ہیں وہاں بھی ساتھ ہے وہ ہر وقت کا ساتھی ہے، دشمن ایسا ہے کہ وہ ہر وقت گھات میں لگا رہتا ہے، اگر کسی وقت ذرا سی غفلت اس کی طرف سے کی جائے تو پینترا مارے بغیر نہیں چھوڑتا۔

فاتح کون ہے؟

جو اپنے آپ کو فتح کر لے وہ سب سے بڑا فاتح ہے اور سب سے زیادہ شکست خوردہ انسان وہ ہے جو اپنے آپ سے شکست کھا جائے، انبیاء کرام علیہم السلام یہی تعلیمات لے کر آئے تھے کہ تم فاتح بن کر جینے کے لیے بھیجے گئے ہو، اس نفس کے اوپر فاتح بن کر رہو، مفتوح اور محکوم بن کر نہ رہو ورنہ یہ جہنم میں پھینکے بغیر چھوڑے گا نہیں۔

انسان کے دو بڑے دشمن:

انسان کے دو بڑے دشمن ہیں:

ایک نفس............ دوسرا شیطان

اور دونوں ایسے کہ نظر نہیں آتے، شیطان بھی ایسا لعین ہے کہ ہر وقت ساتھ ہے، وہ کبھی آدمی بن کر پیش آتا ہے اور کبھی جانور بن کر دھوکہ دیتا ہے اور کبھی ہوا کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ کبھی دوست کی شکل میں آتا ہے، کبھی مددگار کی شکل میں۔

حدیث شریف میں ہے کہ شیطان انسان کے جسم میں اس طرح داخل ہو جاتا ہے اور پورے جسم کی رگوں میں گردش کرتا ہے جس طرح خون رگوں میں گردش

کرتا ہے اور وہ بدلہ اتارنے کے لیے ہر وقت تیار ہے، وہ تو ازلی دشمن ہے، وہ حضرت آدم علیہ السلام کی وجہ سے جنت سے نکالا گیا تھا، اس لیے وہ ان کی اولاد سے بدلہ لینے کی فکر میں ہے اور وہ کسی وقت چوکتا نہیں ہے۔

شیطان کا طریقہ واردات:

ہمارے مرشد (عارف باللہ حضرت ڈاکٹر محمد عبدالحئیؒ صاحب عارفی نور اللہ مرقدہ) نے ایک واقعہ سنایا کہ شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ نے اعتکاف کا ایک چلہ کیا، مراقبہ، مجاہدہ اور عبادت کے سوا کوئی مشغلہ نہیں تھا، جس وقت چلہ ختم ہوا تو دیکھا کہ ایک روشنی ہر طرف چھا گئی۔ اور وہ جگہ منور ہوگئی۔

اور شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے اوپر بھی نور آیا اور ایک غیبی آواز آئی کہ عبدالقادر! تم نے ہماری ایسی عبادت کی ہے کہ تم نے ہمیں خوش کر دیا اور ہم رب العالمین ہیں، رحمان ہیں، رحیم ہیں، آج ہم تمہیں ایک انعام دیتے ہیں۔

اور وہ یہ کہ آج سے تم کو شریعت کے سارے احکام سے مستثنیٰ کرتے ہیں، سارے فرائض معاف کرتے ہیں، سارے حرام، حلال کر دیتے ہیں، اب تم پر کوئی کام فرض و واجب نہیں رہا اور کوئی کام حرام یا مکروہ نہیں رہا۔

شیخ عبدالقادر جیلانیؒ نے فرمایا او ملعون! تو شیطان ہے ابلیس ہے۔ تو مجھے دھوکہ نہیں دے سکتا کیا میری عبادت رسول اللہ ﷺ سے بھی زیادہ ہوگئی ہے، جب ان کو فرائض سے مستثنیٰ نہیں کیا گیا اور ان کے لیے حرام کو حلال نہیں کیا گیا تو میرے لیے کیسے حرام کو حلال اور فرائض کو معاف کیا جا سکتا ہے۔ تو شیطان ہے، تو مردود ہے۔ یہ کہہ کر شیخ نے اللہ کی پناہ مانگی اور شیطان غائب ہوگیا، وہ جھوٹا نور بھی غائب ہوگیا۔

تھوڑی دیر کے بعد ایک اور نور آیا جو پہلے سے زیادہ روشن تھا اسی طرح ایک دوسری طرح کی آواز آئی کہ ”عبدالقادر! تمہارے علم نے تمہیں بچا لیا ورنہ

شیطان نے میرے کتنے ہی بڑے بڑے نیک بندوں کو اسی طریقہ سے دھوکہ دیا ہے" حضرت شیخ عبدالقادرؒ نے فرمایا کہ او مردود! تو دوبارہ مجھے دھوکہ دے رہا ہے کہ میرے علم نے مجھے بچا لیا، میں خوب جانتا ہوں تو بھی مان لے کہ میرے علم نے مجھے نہیں بچایا، بلکہ میرے اللہ نے مجھے بچایا ہے" بہرصورت شیطان، صوفی، عالم، مبلغ اور مجاہد کے پاس انہیں کے روپ میں آتا ہے اور انسان کو گمراہ کرنے کی سرتوڑ کوشش میں لگا رہتا ہے۔

نفس و شیطان کے فریب کی پہچان:

ہمارے مرشد حضرت ڈاکٹر محمد عبدالحیؒ صاحب عارفی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ نفس و شیطان کے دھوکوں کی ایک پہچان ہے جس سے پتا چلایا جا سکتا ہے کہ کونسا دھوکہ شیطان دے رہا ہے اور کون سا دھوکہ نفس دے رہا ہے؟

نفس کی پہچان:

فرمایا کہ نفس تو لذت اور مزے کا متوالا ہے، نفس تو لپکتا ہے ایسی چیز کی طرف کہ جہاں مزا آئے، دیکھنے میں جہاں مزہ آئے گا وہاں اس کی نظر اٹھے گی، جس چیز کو سننے میں مزہ آئے گا ادھر اس کے کان لگیں گے، جس چیز کو چھونے میں مزہ آئے گا اس کی طرف ہاتھ بڑھیں گے، جس چیز کی طرف کھانے میں مزہ آئے گا، اس کی طرف اس کا ذائقہ لپکے گا اور جس بات کے بولنے میں مزا آئے گا نفس اس بات کی ترغیب دے گا کہ یہ دیکھ لو مزا آئے گا اس کی بات سن لو مزا آئے گا، اسے چھو کے دیکھو کیا مزا آئے گا، اس کو کھا کر دیکھو کیسا مزا آئے گا وغیرہ وغیرہ۔

شیطان کی پہچان:

اور شیطان جو بہکاتا ہے وہ اپنی دلیلیں دے کر بہکاتا ہے مثلاً نماز کے

بارے میں جیسا کہ میں ابھی کہہ رہا تھا کہ اذان ہوئی آنکھ کھل گئی، شیطان کہتا ہے کہ ابھی تو اذان ہوئی ہے تھوڑی دیر اور لیٹ جاؤ چند منٹ اور سو لو گے تو نماز میں چستی اور نشاط کے ساتھ شریک ہوسکو گے۔ اور مختلف طریقہ سے عقلی دلیلیں دے کر مطمئن کرنے کی کوشش کرتا ہے اور آخر میں کہتا ہے کہ چلو جماعت نہیں ملی تو نماز بغیر جماعت کے بھی تو ہو جاتی ہے۔

اور نفس کہتا ہے کہ تھوڑی دیر اور لیٹے رہو کہ مزہ آئے گا، ذرا اور نیند آجائے، یہ نفس کا دھوکہ ہے، ان دونوں دشمنوں پر قابو پانا، یہ صبر ہے۔

صبر وشکر کی خصوصیت:

ہمارے حضرت ڈاکٹر صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ دو چیزیں ایسی ہیں کہ پورا دین اس کے اندر آجاتا ہے۔

(۱) صبر (۲) شکر

صبر ہی کو دیکھ لیجیے۔ اللہ کے تعالیٰ کے سارے احکام بجا لاؤ، جن چیزوں سے روکا ہے اس سے رک جاؤ، کوئی مصیبت اور تکلیف آئے تو شرعی حدود سے باہر نہ نکلو، یہی پورا دین ہے، اور دوسری طرف شکر کا بھی لب لباب یہی ہے۔ صبر پر بھی جنت کے وعدے ہیں، شکر پر بھی جنت کے وعدے ہیں، قرآن حکیم میں فرمایا گیا کہ:

﴿مَايَفْعَلُ اللّٰهُ بِعَذَابِكُمْ ان شَكَرْتُمْ وامَنْتُمْ﴾

(سورۃ النساء: ۱۴۷)

''اللہ تعالیٰ تمہیں عذاب دے کر کیا کرے گا اگر تم شکر کرو اور ایمان لے آؤ۔''

معلوم ہوا کہ شکر گذار بندے کو اللہ تعالیٰ عذاب نہیں دیتا کیونکہ شکر کی اصل حقیقت یہ ہے کہ بندہ اپنے رب کی نعمت کو اس کی نافرمانی میں استعمال نہ کرے۔

سبق آموز لطیفہ:

ملانصیر الدین کے لطیفے بڑے مشہور ہیں۔ ایک دن بڑے موڈ میں تھے۔ بیوی تھی بدصورت اور خود بڑے خوبصورت تھے۔ بیوی سے کہنے لگے کہ بیگم تم بھی جنتی، میں بھی جنتی۔ بیوی نے پوچھا: وہ کیسے؟ کہا کہ یہ قرآن سے ثابت ہے۔ جب تم مجھے دیکھتی ہو تو تم اللہ کا شکر ادا کرتی ہو اور جب میں تمہیں دیکھتا ہوں تو صبر کرتا ہوں اور صابر و شاکر دونوں جنت میں جائیں گے۔

دنیا میں آنے کا مقصد:

بلاشبہ یہ دنیا وہ مقام ہے کہ جہاں انسان کی آزمائش ہوتی ہے۔ اس میں آزمائش اور امتحان کے لیے انسان کو اس دنیا میں بھیجا گیا ہے۔ اس امتحان میں جو کامیاب ہوں گے وہ جنتی ہوں گے اور خدانخواستہ جو ناکام ہو گئے وہ جہنم میں جائیں گے۔ مؤمن کو اس امتحان سے گزرنا پڑتا ہے۔ بالغ ہونے سے لے کر موت تک یہ امتحان جاری رہتا ہے۔

دنیا مؤمن کے لیے قید خانہ ہے:

یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:

﴿الدنيا سجن المؤمن وجنة الكافر.﴾

''دنیا مؤمن کے لیے قید خانہ اور کافر کے لیے جنت ہے۔''

قید خانہ ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ مؤمن جیل میں پڑے ہوئے ہیں۔ پھر اس کا کیا مطلب ہے؟ تو خوب سمجھ لیجئے کہ قید سے مراد احکام الٰہی کی پابندی ہے اور مطلب یہ ہے کہ مؤمن احکام الٰہی کا پابند ہوتا ہے اور کافر احکام الٰہی کی پابندی نہیں کرتا۔ احکام خداوندی سے اپنے آپ کو آزاد رکھ کر زندگی گزارتا ہے۔ قرآن و سنت کی اور احکام الٰہی کی قید ہے جس میں ہر وقت ظاہری و باطنی اعمال کی بھی حفاظت

کرنی پڑتی ہے، زبان، آنکھ، ہاتھ، پیٹ اور ٹانگوں کے اعمال کی کڑی نگرانی کرنی پڑتی ہے۔ غرضیکہ ہر وقت گناہوں سے اپنی حفاظت کرنی پڑتی ہے۔ اس معنی کے اعتبار سے دنیا مؤمن کے لیے قید خانہ ہے اور کافر کے لیے جنت ہے۔ کافر کے سامنے تو عقیدۂ آخرت ہے ہی نہیں اور اعمال کی جوابدہی کا کوئی تصور اس کے پاس نہیں، جنت و دوزخ کا ایمان اس کے پاس نہیں۔ وہ بس اسی دنیا کو سب کچھ سمجھتا ہے۔ اس لیے وہ کھانے پینے میں، پہننے اوڑھنے میں اور دیکھنے، چھونے میں جس طرح چاہتا ہے، عمل کرتا ہے احکام الٰہی کی پابندی سے آزاد ہے۔

صبر کرنا آسان نہیں:

صبر کی جو حقیقت آپ کے سامنے آئی، وہ یہ ہے کہ بندہ اللہ و رسول کے احکام کو بجالائے اور ہر قسم کے گناہوں سے اپنے آپ کو بچائے۔ جب یہ بات ہے تو صبر آسان نہ رہا، کافی مشکل ہو گیا۔ چونکہ یہ کام مشکل ہے، اس لیے اس پر عظیم انعام کا وعدہ فرمایا گیا، چنانچہ فرمایا گیا کہ:

﴿اِنّ اللّٰہ مع الصابرین.﴾

''اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔''

یعنی جو لوگ اس امتحان میں کامیاب ہو جائیں گے، انہیں یہ انعام ملے گا کہ اللہ تعالیٰ کی معیّت انہیں نصیب ہوگی اور جسے اللہ تعالیٰ کی معیّت نصیب ہو جائے پھر اس کے لیے دنیا میں کس چیز کی کمی ہے۔

صبر کا مرحلہ کیسے آسان ہو؟

لیکن صبر کا مرحلہ آسان کیسے ہو؟ اس مشکل کا حل ایک ہی ہے اور وہ اللہ رب العالمین کی محبت۔ دل میں اگر اللہ رب العالمین کی محبت سما جائے تو ساری مشکل حل ہو جاتی ہے۔ جب آدمی کے دل میں کسی کی محبت سما جاتی ہے اور دل میں عشق کا

سودا جگہ پا لیتا ہے تو بڑے بڑے پہاڑ کھود ڈالتا ہے، تکلیف محسوس نہیں کرتا ہاں محبت شرط ہے۔

جیسے ماں کے دل میں بچہ کی محبت ہوتی ہے، وہ اپنی تمام راحتوں کو قربان کر کے، بچہ کی تمام ضروریات پوری کرنے کے لیے بے شمار تکالیف بخوشی گوارا کرتی ہے، اگر کوئی یہ کہے کہ لاؤ بی بی ہم تم کو اس مشکل سے نجات دے دیں اور تمہارے بچہ کو ہم لے جاتے ہیں، کیا ماں دے دے گی؟ وہ ساری تکلیفوں اور مصیبتوں کو برداشت کرتی ہے اس واسطے کہ اس کو محبت ہے اپنے بچہ سے، جب محبت ہوتی ہے تو کام آسان ہو جاتے ہیں۔

افغان مجاھدین کا واقعہ:

یہ مجاہدین افغانستان کا واقعہ سامنے کی مثال ہے، اب وہ جو حرکتیں کر رہے ہیں اس پر تو سارا عالم اسلام رو رہا ہے۔ لیکن جب تک انہیں جہاد کی دھن تھی، کافروں، کمیونسٹوں اور منکرین خدا کے مقابلہ پر اللہ کے لیے لڑ رہے تھے تو واقعہ یہ ہے کہ اس جہاد میں ان لوگوں نے وہ واقعات اور یادیں تازہ کر دیں جو کبھی تاریخ اسلام میں ہم نے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے بارے میں پڑھی تھیں۔

اللہ کی نصرت کا مشاہدہ:

اگر ہم وہ واقعات اپنی آنکھوں سے جا کر نہ دیکھتے تو شاید یقین آنا مشکل ہوتا۔ میں اپنی خوش نصیبی سمجھتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے دو مرتبہ اس جہاد میں حاضری کا موقعہ دیا، وہاں اللہ رب العالمین کی نصرت کے حیرت ناک واقعات اپنی آنکھوں سے دیکھنے کا موقع ملا، وہ نصرت خداوندی نازل ہوئی اس بناء پر کہ قرآن کا وعدہ تھا۔

﴿ان اللّٰہ مع الصابرین.﴾

''اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔''

ایسا معلوم ہوتا تھا کہ کمیونسٹوں کے مقابلہ پر یہ مجاہدین نہیں لڑ رہے ہیں بلکہ اللہ خود ان سے لڑ رہا ہے۔ مجاہدین نے بلا شبہ اس جہاد کے دوران صبر کی وہ مثالیں قائم کی ہیں کہ ان کے نتیجے میں فرشتوں کی مدد آیا ہی کرتی ہے اور اللہ تعالیٰ کا وعدہ اس کے خلاف نہیں ہوا کرتا۔

دنیا کی سب سے بڑی مملکت کا حشر نشر:

ان مجاہدین کا مقابلہ سوویت یونین سے جس کے پاس دنیا کا سب سے بڑا رقبہ تھا۔ سوویت یونین، جس کے پاس دنیا کی سب سے بڑی فوج تھی امریکہ کے پاس بھی اتنی بڑی فوج نہیں تھی۔ روس جس کی فوج کی تاریخ یہ تھی کہ وہ جب کبھی جس ملک میں گھسی وہاں سے وہ کبھی باہر نہیں نکلی، یہ موج ظفر موج، عالم اسلام کو تاراج کرتی ہوئی ستر سال تک بڑھتی چلی گئی۔ ستر سال کے عرصہ میں ازبکستان، بخارا و سمرقند، ترمذ اور تاشقند کو تاراج کیا، تاجکستان، ترکمانستان، کرغیزستان، قازقستان، آذربایجان، قفقاز اور کوہ قاف کو تاراج کیا، یہ تمام ممالک کو تاراج کرتی ہوئی آخر میں افغانستان میں آئی تھی اور اس کا اگلا قدم پاکستان کے بلوچستان میں آنے والا تھا۔

مجاہدین خالی ہاتھ تھے، ان کے پاس بندوقیں پرانی قسم کی تھیں وہ بھی اکثر کے پاس نہیں تھیں، لیکن یہ کافر فوج گھس آئی تھی افغانستان میں، بدترین کافر فوج جو اللہ تعالیٰ کے صرف منکر نہیں بلکہ اللہ کے بدترین دشمن بھی تھے، وہ کمیونسٹ تھے جنہوں نے ماسکو، لینن گراڈ میں جنازے نکالے تھے اور یہ اعلان کیا تھا ''یہ خدا کا جنازہ ہے'' العیاذ باللہ، العیاذ باللہ العظیم۔

گن شپ ہیلی کا پٹر اور پتھر:

یہ افغان مجاہدین بہت بڑے علماء اور متقی لوگ نہیں تھے، لیکن اتنا ایمان

سب کا تھا کہ ہم مسلمان ہیں اور ایسے بدترین دشمنان خدا کو ہم اپنی سرزمین میں رہنے کی اجازت نہیں دے سکتے۔

ٹینکوں، گن شپ ہیلی کاپٹروں کے مقابلے میں پتھر لے کر مقابلہ پر ڈٹ گئے دو سال تک ان کی دنیا کے کسی ملک نے مدد نہیں کی، بہت شور ہو رہا ہے ان کی امداد کا، امریکہ تو دو سال تک یہ تماشا دیکھتا رہا کہ ان میں سے جیتنے والا گھوڑا کون سا ہے؟ اگر جیتنے کے آثار نظر آتے روس کے تو وہ روس کی مدد کرتا، اور مجاہدین کے جیتنے کے آثار نظر آتے تو وہ مجاہدین کی مدد کرنے لگا۔ یہ مجاہدین پتھروں اور ڈنڈوں سے لڑنے کے لیے مقابلہ پر نکلے ہیں اور پھر اللہ تعالیٰ نے دنیا کو وہ تماشا دکھایا کہ ان صبر کرنے والوں کے اوپر اللہ کی نصرت کا نزول ہوا اور دنیا نے اس کو حیرت سے دیکھا کہ سویت یونین گیارہ سال کے عرصے میں ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا۔

یہی عجیب وغریب حالات و واقعات دیکھنے کے بعد، کئی ممالک کے صحافی اور یورپی صحافی، مرد اور عورتیں مشرف بہ اسلام ہوئے ہیں وہ کہتے تھے کہ جنگ ہے ہی نہیں یہ تو کچھ اور ہو رہا ہے۔

مولانا جلال الدین حقانی کا واقعہ:

مولانا جلال الدین حقانی نے اپنا واقعہ خود سنایا جب وہ دارالعلوم کراچی تشریف لائے تھے، پھر دوبارہ انہوں نے یہ واقعہ میران شاہ میں ایک دعوت کے موقع پر سنایا، کہنے لگے کہ جب کمیونسٹوں کے خلاف اعلانِ جہاد ہوا تو ہمارے پاس کوئی اسلحہ اور کوئی طاقت نہیں تھی، ہم نے پہاڑوں پر جا کر بسیرا کر لیا، بال بچوں کو پاکستان بھیج دیا، اور جتنے مرد تھے انہوں نے پہاڑوں میں جا کر مورچے سنبھال لیے۔

ہم یہ کرتے تھے کہ نیچے سے کوئی ٹرک گزرتا تو اوپر سے بڑی سی چٹان لڑھکا دیتے، وہ ٹرک پر دھڑام سے گرتی ٹرک ناکارہ ہو جاتا اور اس میں سے جو سامان ہمیں ملتا وہ اٹھا کر اوپر لے آتے، اگر کوئی اسلحہ ہوا تو اسلحہ مل گیا یا کھانے پینے کا سامان مل

گیا۔ یا پہننے اور اوڑھنے کے کپڑے اور کمبل وغیرہ۔ ہمیں جب موقع ملتا ہم دشمن فوج پر چھاپے مارتے۔ وہ کہتے ہیں کہ میرے ساتھ تقریباً تین سو مجاہدین تھے ایک وقت ایسا آیا کہ کھانے پینے کا سامان ختم ہو گیا۔

فجر کی نماز کے بعد میں اپنے مصلی پر بیٹھا ہوا، اللہ میاں سے کہنے لگا کہ یا اللہ یہ تین سو مجاہدین آپ کے نام پر جان دینے کے لیے میرے ساتھ جمع ہو گئے ہیں، لیکن ان کے کھانے کا کیا ہو گا؟

کہتے ہیں کہ میں ابھی یہ کہہ ہی رہا تھا کہ اچانک کسی نے میرے کاندھے پر ہاتھ رکھا۔ میں چونکا، نظر کوئی نہیں آیا، آواز آئی: ''مجھ سے بدگمانی کرتے ہو''؟ میں اپنی بات بھول گیا کہ میں اللہ میاں سے کیا کہہ رہا تھا، میں نے کہا نہیں تو، فرمایا کہ ''جب تم جہاد نہیں کر رہے تھے، اس وقت کھانے کو کون دے رہا تھا''؟ اور جب تم میری خاطر جان دینے کے لیے آ گئے تو کیا اب میں تم کو بھوکا مار دوں گا؟ تمہیں کھانے کی کمی نہیں ہو گی، تمہیں درختوں کے اندر لٹکا ہوا گوشت تک ملے گا۔

کہتے ہیں کہ میں اٹھ کر کام میں لگ گیا جب مختلف کاموں سے فارغ ہو کر تقریباً ایک گھنٹہ بعد وہاں واپس آیا تو سامنے درخت پر نظر پڑی دو دنبے جن کی کھال اتری ہوئی تھی اور ذبح شدہ تھے، درخت میں لٹکے ہوئے ہیں مجھے فوراً خیال آیا کہ ابھی تھوڑی دیر پہلے تو اللہ میاں نے کہا تھا کہ درخت پر لٹکا ہوا گوشت ملے گا، میں بھاگ کر پاس پہنچا تو دیکھا کہ اُن دنبوں کے پاس ایک افغانی کھڑا ہے، میں نے پوچھا کیا بات ہے کہاں سے آئے ہو؟ اس نے کہا میں اپنے گاؤں سے آیا ہوں، بیٹھے بیٹھے مجھے خیال آیا کہ مجاہدین بھوکے ہوں گے، ان کی میں کیا خدمت کر سکتا ہوں؟ میرے پاس دو دنبے تھے میں انہیں ہانک کر یہاں لے آیا اور ذبح کر کے یہاں درخت پر لٹکا دیا ہے یہ آپ کے لیے ہیں۔ مولانا جلال الدین حقانی کہتے ہیں کہ وہ دن تھا اور آج کا دن ہے، مجھے اور میرے مجاہدین کو اس کے بعد کھانے کی کوئی تنگی نہیں پیش آئی۔

جب اللہ رب العالمین کی محبت دل میں سما جاتی ہے تو بڑے سے بڑے کام آسان ہو جاتے ہیں اور مشکلات سے گزرنے میں مزہ آنے لگتا ہے، نفس کے خلاف لڑنے میں مزہ آنے لگتا ہے۔

نوجوان مجاہد کا جذبۂ جہاد:

جب ہم ارغون کے محاذ پر تھے تو ایک ۲۴ سال کا نوجوان ملا اس کی دلیری اور شجاعت کے بڑے قصے مشہور تھے، اس اکیلے نے روسیوں کے چھ ہیلی کاپٹر تنہا مار گرائے تھے، اور اس کے اندر جو روسی سوار تھے سب کو قتل کر دیا تھا۔

وہ نوجوان ہماری واپسی پر ڈیرہ اسماعیل خان تک ساتھ آیا، راستہ میں بے تکلفی سی ہوگئی، میں نے شادی کا تذکرہ کیا، کہنے لگا والدین تو بہت کہتے ہیں لیکن جب تک ارغون فتح نہیں ہوگا، شادی نہیں کروں گا، پھر فتح ارغون کے بعد معلوم ہوا کہ وہ ''خوست'' کے محاذ پر برسر پیکار ہے، ''خوست'' کی فتح کے بعد وہ ''گردیز'' کے محاذ پر جہاد میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینے لگا، وہاں ملاقات ہوئی، میں نے پوچھا ''تم نے اب تک شادی نہیں کی''؟ کہنے لگا کہ فتح کابل کے بعد شادی کروں گا۔

آخر یہ کیا دھن سمائی ہوتی تھی۔ جسے جہاد کے مقابلے میں شادی بھی گوارا نہیں تھی جب اللہ کی محبت دل میں سما جاتی ہے تو بڑے سے بڑے مشکل کام آسان ہو جاتے ہیں، اللہ تعالیٰ اپنی محبت، ہمارے دلوں میں پیدا فرما دے۔ (آمین)

محبت غیر اختیاری ہے:

سوال پیدا ہوگا کہ محبت تو غیر اختیاری ہے دل پر تو کسی کو اختیار نہیں ہے اور شاعر لوگ تو دل کی بے اختیاری کا ہمیشہ رونا روتے ہیں، تو پھر اللہ سے محبت کیسے پیدا ہو؟ قرآن کریم نے اس کا ایک نسخہ بتلایا ہے، فرمایا:

﴿ان کنتم تحبون اللّٰہ فاتبعونی یحببکم اللّٰہ﴾

”آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کہہ دیجئے کہ اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی کرو اللہ تعالیٰ بھی تم سے محبت کرنے لگے گا، یعنی تمہاری محبت کو قبول کرے گا اور تمہاری محبت کو سچا قرار دے گا۔“

اللہ کی محبت کیسے پیدا ہو؟ اور کیسے راسخ ہو؟ ایسی راسخ کہ دین کے کام آسان ہو جائیں۔ گناہوں سے بچنے میں لذت آنے لگے۔ یہ محبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی اور آپ کی سنتوں پر عمل کرنے سے پیدا ہوگی۔ جتنا جتنا اپنی زندگی کو سنتوں کے ڈھانچے میں ڈھالتے جائیں گے، اتنی ہی اللہ تعالیٰ کی محبت دل میں جاگزین ہوتی چلی جائے گی اور جوں جوں محبت بڑھتی چلی جائے گی، اعمالِ خیر میں لذت آنے لگے گی اور گناہوں سے نفرت ہونے لگے گی۔

حضرت عارفی کی عارفانہ بات:

ایک مرتبہ ہمارے مرشد حضرت ڈاکٹر عبدالحیٔ عارفی رحمہ اللہ تعالیٰ فرمانے لگے ہر وقت آپ لوگ کہتے رہتے ہیں ہم بڑے گنہگار ہیں، بہت گنہگار ہیں، میاں! ہر وقت اپنے آپ کو گناہ گار مت کہا کرو۔ (کبھی کبھی جوش میں ایسی باتیں فرمایا کرتے تھے، فرمایا) ارے بھئی اگر گناہ ہو گیا تو کیا قیامت آ گئی ہے؟ توبہ کا دروازہ بند ہو گیا ہے؟ توبہ و استغفار کرلو، ختم ہو جائے گا۔ جب کفر توبہ سے معاف ہو جاتا ہے تو گناہ تو بدرجہ اولیٰ توبہ سے معاف ہو جائے گا اور توبہ کرنا اپنے اختیار میں ہے۔

ایک مرتبہ فرمایا کہ جو باتیں میں تم کو بتاتا ہوں کہ نیکی یہ کرو، اس طرح کرو، اگر تم یہ سب اعمال جو میں تم کو بتاتا ہوں کرتے رہو تو تم گناہ نہیں کرسکو گے، کرنا بھی چاہو گے تو نہیں کرسکو گے۔

سنت کا مطلب:

بہت سے لوگ سنت کا مطلب یوں سمجھتے ہیں مثلاً وضو کی سنتیں، نماز، روزہ

اور حج کی سنتیں وغیرہ۔ ٹھیک ہے ان اعمال کی سنتیں بھی بہت اہم ہیں۔ ان کا ضرور اہتمام کرنا چاہیے مگر سنت ان اعمال میں منحصر نہیں۔ سنت کا مفہوم بہت عام اور وسیع ہے۔ سنت سے مراد ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا طرزِ زندگی، رہن سہن کے طریقے، کھانے پینے کا انداز، چلنے پھرنے، گفتگو کرنے، ملنے جلنے، بیوی بچوں کے ساتھ معاشرت، دوستوں کے ساتھ برتاؤ اور دشمنوں کے ساتھ گزارا کرنے کا انداز وغیرہ وغیرہ۔ غرض رسول اللہ ﷺ کا طرزِ زندگی ہی سنت کا دوسرا نام ہے۔

بعض لوگوں کی اس بیان سے بہت ہمت ٹوٹتی ہے کہ حضور اکرم ﷺ کی زندگی میں یتیمی بھی ہے، دشمنوں کی گالیاں، اہل وطن کی دشمنیاں بھی ہیں، دانت مبارک کا ٹوٹنا بھی ہے اور فاقے بھی ہیں۔ ایک تکلیف تو نہیں بلکہ مشقت اور جفاکشی کی زندگی ہے۔ بہت سے لوگ ہمت ہارنے لگتے ہیں کہ ہم حضور ﷺ کی سنتوں پر عمل کیسے کر سکتے ہیں؟

شیطان کی بات مت مانیے:

شیطان کہتا ہے کہ میاں اگر ایسا کرو گے تو مر جاؤ گے۔ وہ زمانہ اور تھا۔ اس زمانے کے لوگوں کی قوتیں کچھ اور تھیں۔ تم ناز و نعمت میں پلے ہوئے ہو، تم ان سنتوں پر کیسے عمل کرو گے۔ چھوڑو ان سنتوں کو، زمانے کا ساتھ دو اور مزے اڑاؤ۔

لیکن میں بس آپ سے یہی کہوں گا کہ شیطان کی بات مت مانیئے۔ جن جن سنتوں پر عمل کر سکتے ہو، ان کو شروع کر دیجیئے جن پر عمل کرنے کی ہمت نہیں ہو رہی، ان کے لیے اللہ تعالیٰ سے ہمت مانگیئے۔ انشاء اللہ، اس طرح بیڑا پار ہو جائے گا۔ رہی دانت ٹوٹنے اور یتیمی وغیرہ کی بات تو ان سنتوں پر عمل کرنے کا یہ مطلب نہیں کہ تم بھی اگر یتیم نہیں تو یتیم بن جاؤ اور جا کر کسی سے دانت تڑوالو۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ اگر خدانخواستہ تم پر ایسی مصیبتیں آجائیں تو ان آزمائشوں کا مقابلہ اسی ہمت سے کرو جس طرح رسول اللہ ﷺ نے کیا تھا۔ اور شیطان سے کہہ دو کہ اگر ہم سے

بڑے بڑے کام نہیں ہوسکیں گے تو ان کی وجہ سے ہم آسان سنتوں پر عمل کو ترک نہیں کریں گے۔

متبع سنت کون ہے؟

بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ ہم نے داڑھی رکھ لی تو ہم متبع سنت اور متشرع ہو گئے، اگر کوئی داڑھی کے ساتھ جھوٹ بولتا ہے تو وہ متشرع کہاں ہوا؟ وہ پورے دین پر عمل کرنے والا انسان نہیں بلکہ وہ ادھورا مسلمان ہے۔

بعض لوگوں نے یہ سمجھا ہے کہ داڑھی رکھ لی تو بس سب کچھ ہو گیا اور جس نے داڑھی نہیں رکھی اس کے بارے یہ سمجھا کہ وہ ملعون ہو گیا۔ دونوں افراط وتفریط کی باتیں ہیں۔ ایک نے سنت پر عمل کر رکھا ہے، اس پر اسے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہیے۔ دوسرے نے سنت چھوڑ رکھی ہے۔ اس کے لیے اللہ تعالیٰ سے دعا کرو کہ اللہ تعالیٰ اسے بھی توفیق دے دے۔ کسی دوسرے کو حقیر سمجھنے یا طعنہ دینے کی اجازت نہیں ہے۔ صرف خیر خواہی کے ساتھ اصلاح کی بات کی جائے اور دعا کی جائے۔

داڑھی رکھنے کو مشکل سمجھنا شیطان کا بہکاوا ہے:

بلاشبہ داڑھی رکھنا ایک اہم سنت ہے اور واجب ہے۔ آج کل کے معاشرے میں اس واجب پر عمل کرنا اکثر گھرانوں میں انتہائی دشوار ہے۔ آدمی ڈرتا ہے کہ اگر داڑھی رکھ لی تو کوئی ملا جی، چچا جان، یا بڑے میاں کہہ کر پکارے گا، کوئی صوفی جی کہے گا۔ بیوی کہے گی یہ تم نے گالوں پر کیا اگا رکھا ہے۔ بچے کہیں گے ابا جان آپ کو کیا ہو گیا ہے۔ آدمی کے دل میں یہ سب خطرے منڈلاتے رہتے ہیں، اس لیے ہمت نہیں ہوتی۔

اصل بات یہ ہے کہ یہ بھی شیطان کا بہکاوا ہے۔ کسی داڑھی والے پر کوئی قیامت نہیں ٹوٹ پڑی اور نہ وہ ذلیل و خوار ہوا نہ اس کی زندگی اجیرن ہوئی اور نہ

اسے کوئی تکلیف و پریشانی پیش آئی۔ جتنے داڑھی والے ہیں، ان سے پوچھ لو پتہ چل جائے گا کہ ان کی زندگی میں کسی چیز کی کمی نہیں آئی البتہ خیر و برکت ضرور آئی ہے۔

سنت پر عمل کرنے سے زندگی خوشگوار ہوتی ہے:

حضور اکرم ﷺ کی ایک سنت یہ ہے کہ جس سے ملتے تھے مسکرا کر ملتے تھے، خندہ پیشانی سے ملتے تھے، گھر میں مسکراتے ہوئے تشریف لے جاتے تھے۔ ایک صحابیؓ فرماتے ہیں مجھے کبھی یاد نہیں کہ میں حضور اکرم ﷺ سے ملا ہوں اور آپ نے مسکرا کر ملاقات نہ کی ہو، یہ ایک سنت ہے، اس میں کوئی محنت و مشقت نہیں، کوئی پیسہ خرچ نہیں ہوتا ہے۔

اس سنت پر عمل شروع کر دیجئے، گھر جایئے اور مسکراتے ہوئے بیوی سے بات کیجئے۔ اس طرح ماتحتوں، گاہکوں اور افسران سے مسکرا کر بات کیجئے، آپ دیکھیں گے کہ آپ کی زندگی میں خوشگواریاں اور کامیابیاں بڑھ جائیں گی، لوگ آپ سے محبت کرنے لگیں گے، آپ ہر دلعزیز ہو جائیں گے اور گھریلو زندگی بھی خوشگوار ہوتی چلی جائے گی۔

سلام کرنا اور میرے بچپن کا واقعہ:

ایک سنت یہ ہے کہ جو مسلمان ملے اسے السلام علیکم کہو۔ خواہ چھوٹا ہو یا بڑا، جان پہچان کا ہو یا اجنبی۔ اگر آپ کسی بس یا ٹرین میں سوار ہونے کے بعد اپنی سیٹ پر سلام کہہ کر بیٹھ گئے یا کسی مجلس میں سلام کہہ کر داخل ہوئے تو السلام علیکم کی برکت سے ماحول آپ کا ہو جائے گا، تجربہ کر کے دیکھ لیجئے۔

مجھے اپنے بچپن کا واقعہ یاد آ گیا، میری جان تو پٹائی سے السلام علیکم کی وجہ سے بچی تھی، دیوبند میں ہمارے محلّہ کی مسجد تھی، جس میں ایک امام صاحب جو سنکیا نگ (چین) کے باشندے تھے۔ دیوبند کے بڑے فاضل عالم تھے۔

محلّہ کے دس بارہ بچے جس میں میرے بڑے بھائی بھی شامل تھے، مسجد میں شرارت، بھاگ دوڑ اور شور کرنے لگے، اس وقت میری عمر تقریباً چھ سات سال تھی، امام صاحب نے کئی بار ٹوکا مگر بچے باز نہ آئے۔ دو تین مرتبہ کی تنبیہ کے بعد امام صاحب باہر دوڑتے ہوئے نکل آئے، جو بڑے لڑکے تھے وہ مسجد کے ستون کے گرد گھوم گھوم کر سب باہر نکل گئے، میں چھوٹا تھا، بھاگ نہ سکا جیسے ہی امام صاحب میری طرف آئے تو میں نے کہا ''السلام علیکم'' تو انہوں نے مجھے تھپکی دی اور شفقت سے سر پر ہاتھ پھیرا اور چھوڑ دیا۔ میرے دل پر تو نقش اس وقت سے بیٹھا ہوا ہے کہ ''السلام علیکم'' کہنا کیسی بڑی نعمت ہے۔

حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ قربِ قیامت میں ایک وقت آئے گا کہ لوگ صرف جان پہچان والوں کو سلام کریں گے، اجنبی لوگوں کو سلام نہیں کریں گے، آجکل یہی ہو رہا ہے، اس سنت کو زندہ کیجئے، آپ دیکھیں گے کہ آپ کی زندگی میں آسانی پیدا ہو رہی ہے، زندگی کا لطف بڑھ رہا ہے۔

سنت پر عمل، بیماری سے تحفظ:

کھانے پینے کی سنتیں ہیں: کھانے سے پہلے ہاتھ دھونا، بسم اللہ پڑھ کر شروع کرنا، پانی تین سانس میں پینا، سانس برتن منہ سے الگ کر کے لینا، دائیں ہاتھ سے پانی پینا، جہاں سے گلاس اٹھایا ہو وہیں واپس رکھنا تاکہ دوسروں کو تکلیف نہ ہو اور آخر میں الحمدللہ کہنا۔

اطباء کہتے ہیں کہ جو شخص کھڑے ہو کر پانی نہیں پیتا اس کا پیٹ کی متعدد بیماریوں سے بچاؤ ہو جاتا ہے اسی طرح کھانے کی سنتیں ہیں۔ آج سے عمل شروع کر دیجئے۔ عزم کیجئے اور اللہ کے بھروسہ پر ان چھوٹی چھوٹی سنتوں کے علاوہ جو مزید سنتیں معلوم ہوتی جائیں ان پر عمل کرنا شروع کر دیجئے، انشاء اللہ تمام سنتوں پر عمل کرنا آسان ہو جائے گا۔

میرا یقین ہے کہ جب آپ ان سنتوں پر عمل شروع کر دیں گے تو رفتہ رفتہ عمل کرنے میں لذت آئے گی، قلب میں وہ نور آئے گا جس سے زندگی کو سرور ملے گا اور بڑی بڑی سنتوں کی طرف آپ کا دل خود بخود راغب ہو گا اور مشکل سنتوں پر بھی عمل کرنا آسان ہو جائے گا۔

اور جب سنتوں پر عمل ہونے لگے گا تو اللہ رب العالمین کی محبت کا کمال حاصل ہو گا اور پھر سارا دین آسان ہو جائے گا اور اللہ تعالیٰ کی معیّت نصیب ہو گی، اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

و آخر دعوانا ان الحمدلله رب العالمین

مُعاملات اور مُعاشرت، دو اہم شُعبے

موضوع: معاملات اور معاشرت، دو اہم شعبے
خطاب: حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی مدظلہم
مقام: جامع مسجد، دارالعلوم کراچی،
تاریخ: ۸ ستمبر ۲۰۰۳ء
ترتیب وعنوانات: اعجاز احمد صمدانی
باہتمام: محمد ناظم اشرف

معاملات اور معاشرت، دو اہم شعبے

خطبہ مسنونہ:

الحمد للّٰہ نحمدہٗ و نستعینہٗ و نستغفرہٗ و نؤمِنُ بہٖ ونتوکل علیہ ونعوذ باللّٰہِ مِن شرورِ أنفسنا ومِن سیئاتِ أعمالنا مَن یھدہِ اللّٰہ فلا مُضِلَّ لہٗ وَمَنْ یُضللہُ فلا ھَادِیَ لہٗ ونشھد أن لآ اِلٰہ اِلَّا اللّٰہ وحدہٗ لاشریک لہٗ و نشھد أنّ سیدنا و سَنَدنا و مولانَا محمداً عبدہٗ ورسولہٗ صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ و علٰی آلہٖ و صحبہٖ اجمعین و سلّم تسلیماً کثیراً.

امابعد!

فَأَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ. بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○ انّما یخشی اللّٰہَ مِنَ عبادِہٖ العلمٰؤا.

تمہید:

عزیز طلبہ!

سال کا آخر ہو رہا ہے۔ امتحانِ سالانہ کا وقت قریب ہے۔ اسباق کا بھی زور ہے اور آپ حضرات امتحان کی تیاریوں میں بھی لگے ہوئے ہیں۔ مجھے تأمل تھا کہ آج خطاب کیا جائے یا نہیں، لیکن مجھے بتایا گیا کہ طلبہ کو میرے خطاب کا انتظار بھی ہے اور تقاضا بھی۔ ادھر یہ بات بھی ہے کہ آج کے بعد میرے لیے اس سال کے آخر تک کوئی ایسا موقع نہیں تھا جس میں آپ حضرات سے خطاب کیا جا سکے کیونکہ مسلسل سفر درپیش ہیں، اس لیے میں نے مناسب سمجھا کہ آپ حضرات سے خطاب ہو جائے۔ ایک خطاب ختم بخاری کے موقع پر ہوگا لیکن اس میں عام خطاب ہوتا ہے کیونکہ اس میں طلبہ کے علاوہ دوسرے لوگ بھی شریک ہوتے ہیں۔ اپنے گھر والوں اور اپنی اس اولاد سے خطاب تو یہیں ہوتا ہے۔ اس نوعیت کا یہ خطاب اس سال کا آخری خطاب ہے اللہ تعالیٰ نے زندگی رکھی تو آئندہ سال پھر انشاء اللہ اس طرح کا خطاب ہوا کرے گا۔

دارالعلوم کا کنبہ مسلسل پھیلتا جا رہا ہے:

اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے دارالعلوم کا کنبہ مسلسل پھیلتا جا رہا ہے۔ دنیا کے کتنے ہی ممالک میں دارالعلوم کے فضلاء دین کی خدمت میں لگے ہوئے ہیں اور الحمد للہ، وہاں نیک نام ہیں۔ لوگ ان کی تعریف کرتے ہیں۔ یہ دیکھ کر خوشی ہوتی ہے لیکن جب کنبہ پھیل جاتا ہے تو کنبہ والے کے لیے سب کو سنبھالے رکھنا اچھا خاصا مشکل کام ہوتا ہے۔ اب کیفیت یہ ہے کہ ماشاء اللہ، ہمارے دارالعلوم کے فاضلین نے اپنے اپنے علاقوں میں ادارے قائم کیے، کہیں مکاتب قرآنیہ کا سلسلہ ہے، کہیں درس نظامی کے مدارس ہیں، کہیں ابتدائی درجات ہیں، کہیں دورۂ حدیث تک اسباق

ہیں، کہیں دارالافتاء قائم کیا جا رہا ہے، کہیں دارالتحقیق اور دارالتصنیف قائم ہو رہا ہے۔ اب ان سب کا تقاضا ہوتا ہے کہ ہمارے اساتذہ آ کر ہمارے سروں پر ہاتھ رکھیں، ہمارے کام کو دیکھیں، ہماری رہنمائی کریں اور ہمارے لیے دعا کریں تاکہ ہماری حوصلہ افزائی ہو۔ یہ ان کا حق بھی ہے لیکن ''یک انار وصد بیمار'' والا معاملہ ہے۔ الحمد للہ، دارالعلوم کے اساتذہ کرام ایک دو تو نہیں، بہت ہیں لیکن جتنا بڑا کنبہ ہے، سارے اساتذہ کے لیے بھی اس کو سنبھالنا آسان نہیں۔ ابناءِ دارالعلوم کا یہ کنبہ پوری دنیا میں پھیلا ہوا ہے۔ ہمیں ان کے پاس بھی جانا پڑتا ہے۔ گلگت کا سفر بھی ابناءِ دارالعلوم کی دعوت پر ہوا تھا اور ابھی حال میں ایک ہفتہ کا سفر بھی ابناءِ دارالعلوم کی دعوت پر اور ان کے کاموں کو دیکھنے کے لیے ہوا۔ غرض یہ کہ ان کاموں میں ہمارا کافی وقت خرچ ہو جاتا ہے۔

فضلاءِ دارالعلوم کی ایک خاص شان:

الحمد للہ، یہ دیکھ کر خوشی ہوتی ہے کہ دارالعلوم کے فاضلین جہاں بھی کام کر رہے ہیں، وہ ممتاز نظر آتے ہیں۔ ہمیں مسلسل یہ اطلاعات ملتی ہیں کہ جب یہاں پاکستان ہی میں فوج یا سرکاری اداروں میں خطابت کے لیے یا مذہبی افسر (Relegious Officer) کے لیے درخواستیں لی جاتی ہیں تو انٹرویو کے لیے سینکڑوں آدمی آتے ہیں لیکن جب انتخاب ہوتا ہے تو دارالعلوم ہی کے فاضلین کا انتخاب ہوتا ہے۔ الحمد للہ، اللہ تعالیٰ نے دارالعلوم کو سرکاری اداروں میں بھی ایک وقار عطا فرمایا ہے اور عوام بھی الحمد للہ اعتماد کرتے ہیں، دارالعلوم کے فاضلین کو ہاتھوں ہاتھ لیا جاتا ہے۔

الحمد للہ، میں نے ایسا نہیں دیکھا کہ دارالعلوم کے فاضلین بے کار پھر رہے ہوں۔ فارغ ہوتے ہی ان کو فوراً جگہ مل جاتی ہے بشرطیکہ اس نے محنت اور تقویٰ کے ساتھ طالبعلمی کا دور گزارا ہو۔ یہ اللہ رب العالمین کا کرم ہے۔ ہم اس پر جتنا بھی شکر

کریں، کم ہے۔

دین کے دو اہم شعبے جن کا بیان کم ہوتا ہے:

آج کے خطاب میں ایک بات جو میں پہلے بھی کہتا رہا ہوں اور آج بھی کہنا چاہتا ہوں۔ وہ یہ کہ آپ مختلف جگہوں پر جائیں گے، علماء اور بزرگوں کے خطابات سنیں گے، دین کی اہم باتیں ہوں گی لیکن ایک شعبہ ایسا ہے جو عام طور پر تقریروں اور مواعظ میں بیان نہیں کیا جاتا، حالانکہ وہ دین کا بڑا اہم اور بنیادی شعبہ ہے بلکہ دو شعبے ہیں۔ ایک معاملات، دوسرے معاشرت۔ ان دونوں کا تعلق حقوق العباد سے ہے۔ معاملات سے مراد دوسروں سے لین دین، شرکت، تجارت، مضاربت، ملازمت، مزدوری وغیرہ کے کام ہیں۔ معاشرت کا موضوع یہ ہے کہ ایک انسان دوسرے انسان کے ساتھ مل کر کس طرح زندگی گزارے، دوسروں کے ساتھ میل جول کس طرح ہو۔

ہر انسان کو ہر وقت دوسرے انسانوں سے واسطہ پڑتا ہے۔ گھر میں جائے گا تو گھر والوں سے واسطہ پڑے گا، سبق پڑھنے جائے گا تو ساتھیوں سے واسطہ پڑے گا، مسجد میں آئے گا تو نمازیوں سے واسطہ ہے، بازار میں جائے گا تو عوام سے واسطہ ہے۔ غرضیکہ جہاں بھی جائے گا، کچھ نہ کچھ لوگوں سے واسطہ پیش آئے گا۔ ان کے ساتھ سلوک کیسا ہو، گفتگو کیسی ہو، اختلافِ رائے ہے تو اس کا اظہار کس طرح کیا جائے، اتفاق ہے تو اسے کس طرح بیان کیا جائے، دوستی کس طرح ہو، اگر خدانخواستہ کسی وجہ سے دشمنی ہو تو اس میں کیا طرز عمل اختیار کرنا چاہیے۔ چھوٹوں کے ساتھ کیسا سلوک کرنا، بڑوں کے ساتھ کس طرح پیش آنا اور اپنے ہم عمروں کے ساتھ کیا کرنا یہ ساری تفصیلات ''معاشرت'' سے متعلق ہیں۔

معاشرت کی حقیقت اور اہمیت:

''معاشرت'' کا لفظ ''عشرت'' سے بنا ہے۔ عشرت زندگی کو کہتے ہیں۔

معاشرت ایک دوسرے کے ساتھ زندگی گزارنے کا نام ہے۔

اسلام نے معاشرت کے متعلق بہت احکام دیئے ہیں۔ تقریباً پوری کی پوری سورۂ حجرات معاشرت کے احکام پر مشتمل ہے۔ اس کے علاوہ جگہ جگہ قرآن مجید نے معاشرت کے متعلق ہدایات دی ہیں۔ اسی طرح احادیث کے اندر بھی اس کے متعلق مفصل ہدایات موجود ہیں۔ عام طور پر تقریروں اور مواعظ میں الحمدللہ عقائد کا بیان بھی ہوتا ہے، عبادات کا بیان بھی ہوتا ہے، فضائل کا بیان بھی ہوتا ہے، بلاشبہ ان کی اہمیت بالکل کم نہیں کی جاسکتی، وہ تو مقصودِ اصلی ہیں۔ ان کے علاوہ آپ بعض جگہوں پر لڑائی جھگڑے کا بیان بھی سنیں گے۔ کوئی بریلویوں کو مکّے دکھا رہا ہوگا، کوئی اہلحدیثوں کو مکّے دکھا رہا ہوگا، کوئی اچھل کود کر تقریر کر رہا ہوگا۔

فضائل کا بیان تو بہت اہم ہے لیکن مکّے دکھانے والا طریقہ کوئی مناسب طریقہ نہیں۔ نہ جناب رسول اللہ ﷺ نے یہ طریقہ سکھلایا اور نہ ہی یہ سنت انبیاء ہے۔ سنت انبیاء تو یہ ہے کہ نرمی، ہمدردی اور خیر خواہی کے ساتھ اپنی بات کو سمجھایا جائے۔ عام طور پر اچھل کود کر تقریریں کرنے والے ایسے لوگ ہوتے ہیں جنہیں بزرگوں کی صحبت حاصل نہیں ہوتی، دین کی صحیح تربیت نہیں ملتی جس کا نتیجہ یہ ہے کہ مناظرہ باز لوگوں کی تقریریں سن سن کر بولنا تو خوب آجاتا ہے لیکن دین کی فہم میں کمی آجاتی ہے۔

جبکہ معاملات اور معاشرت کے متعلق بیانات اتنے کم ہوتے ہیں حتیٰ کہ ذہنوں میں یہ آنے لگتا ہے کہ شاید اس کا دین سے کوئی تعلق نہیں حالانکہ یہ دین کے بہت بڑے شعبے ہیں۔ اور ان کا ایک اہم پہلو یہ ہے کہ ان کا تعلق حقوق العباد سے متعلق ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے حقوق میں تو بہت فیاض ہے، آسانی سے معاف کر دیتا ہے لیکن بندے کے حقوق اس وقت تک معاف نہیں کرتا جب تک اُس سے معاف نہ کرایا جائے، اس لیے حقوق العباد کا معاملہ بہت نازک اور سنگین ہے۔

حضرت تھانوی رحمہ اللہ کے ہاں ایک معمول:

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں یہ طریقہ تھا کہ اگر کوئی مرید رات کو تہجد نہ پڑھے، اوابین یا دوسری نفلیں نہ پڑھے تو کوئی سرزنش نہیں ہوتی تھی، تلاوت میں یا تسبیحات میں کمی ہو جاتی تو کوئی سرزنش نہیں ہوتی تھی۔ تلقین تو کی جاتی تھی لیکن اس پر سختی نہیں ہوتی۔ لیکن معاشرت کے معاملے میں اگر کوئی بدتمیزی کرتا تو اس پر ڈانٹ پڑتی تھی اور بڑے بڑے علماء پر پڑ جاتی تھی بلکہ علماء پر تو زیادہ پڑتی تھی۔ بعض دفعہ ڈانٹ پڑتی تھی، بعض مرتبہ نکال دیتے تھے۔ فرمایا کرتے تھے کہ ''اگر کسی کو بزرگ بننا ہو تو کسی دوسری خانقاہ میں جائے، جس کو انسان بننا ہو، وہ میرے پاس آئے، میں تو انسان بناتا ہوں۔''

بزرگ بننے سے پہلے انسان بننا ضروری ہے اور انسان میں اس وقت تک انسانیت نہیں آتی جب تک کہ معاشرت اور معاملات شریعت کے مطابق نہ ہوں، اس وجہ سے میں آپ حضرات کو ان چیزوں کی طرف توجہ دلاتا رہتا ہوں۔

نظم ونسق کا اہتمام کرنے اور نہ کرنے کے اثرات:

بعض جگہوں پر اپنے دارالعلوم کے فاضلین کے ہاں جانا ہوا۔ ماشاء اللہ، وہاں نظم ونسق اور سلیقہ ہر چیز میں نمایاں نظر آیا۔ درسگاہوں میں، رہائش گاہوں میں، جلسہ کیا تو اس میں بھی ہر چیز قاعدے میں مرتب نظم ونسق کے ساتھ نظر آئی۔ مہمانوں کو بھی راحت ملی، خوشی ہوئی۔ انہوں نے یہاں دارالعلوم سے یہ بات سیکھی تو اپنے ہاں اس کو اختیار کیا۔

لیکن بعض جگہوں پر جانا ہوتا ہے۔ وہ بھی یہیں سے فارغ التحصیل ہوتے ہیں لیکن انہوں نے یہ بات پوری طرح نہیں سیکھی ہوتی تو ان کے ہاتھوں وہی بے ہنگم ہوتا ہے۔ مثلاً پہلے سے کوئی بات سوچی سمجھی نہیں، جلسہ شروع ہو گیا، اب یہ

سمجھ میں نہیں آ رہا کہ لاؤڈ سپکیر پر اعلان کس سے کروائیں۔ اسی وقت کسی کو پکڑ لائے، اس نے اعلان کرنا شروع کیا تو اچانک لاؤڈ سپیکر خراب ہو گیا، بجلی چلی گئی۔ بیٹری کا بھی انتظام نہیں۔ اب سب حاضرین بیٹھے ہیں۔ پھر یہ کہ کھچے پچے، بیٹھنا مشکل، چلنا مشکل، منتظمین بھی پریشان، حاضرین بھی مشکل میں۔ کسی کو یہ خبر نہیں کہ میری ذمہ داری کیا ہے یا پھر ایک دو آدمیوں کے ذمہ سارے کام ہوتے ہیں، وہ آگے پیچھے ہو گئے تو ایک ہڑبونگ سا نظر آتا ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ مہمان یہ تاثر لے کر جاتے ہیں کہ مولویوں کو انتظام نہیں آتا، یہ بے ڈھنگے ہوتے ہیں، ان کے اندر صفائی ستھرائی نہیں ہوتی جبکہ یہ بلند بانگ دعوے کرتے ہیں کہ ہمیں ووٹ دو، ہم اسلامی حکومت لائیں گے۔ اگر ان کے ہاتھ حکومت آ گئی تو یہ ملک کا ستیاناس کر ڈالیں گے۔

دارالعلوم میں صدر ضیاء الحق کے آنے کا واقعہ:

جہاں کہیں نظم ونسق اچھا ہوتا ہے تو وہاں تعریف بھی ہوتی ہے۔ چنانچہ ہم نے اپنے کانوں سے یہ سنا کہ صاحب! انتظام بھی سیکھنا ہو تو علماء سے سیکھو۔ ہم آپ کو یہاں دارالعلوم کا واقعہ سناتے ہیں۔ ۱۹۸۶ء کی بات ہے۔ ضیاء الحق صاحب پاکستان کے صدر تھے۔ انہوں نے کئی مرتبہ مجھ سے کہا کہ میرا دل چاہتا ہے کہ دارالعلوم دیکھوں۔ ہم اس خیال سے دعوت نہیں دیتے تھے کہ صدر کو بلانا آسان کام نہیں ہوتا، ذمہ داری بہت بڑی ہوتی ہے۔ صدر صاحب حضرت ڈاکٹر عبدالحیٰ صاحب عارفی رحمۃ اللہ علیہ کے بہت عقیدت مند تھے۔ حضرت کے پاؤں دباتے تھے۔ ان سے اپنی خواہش کا اظہار کیا کہ میں دارالعلوم آنا چاہتا ہوں۔ حضرت نے دعوت دے دی کہ اچھا آپ دارالعلوم آ جائیں۔ لائبریری کا افتتاح ان سے کروانا طے ہو گیا۔ اگرچہ افتتاح پہلے ہو چکا تھا رسماً ان سے چابیاں کھلوانا طے ہوا۔

اب ایک مہینہ پہلے سے مختلف سرکاری ایجنسیوں کی آمدورفت شروع ہو گئی، ریڈیو، ٹی وی اور پولیس اور فوج والے بھی آنے شروع ہو گئے۔ آخری دن کمشنر وغیرہ

سب آئے۔ ہمارے انتظامات دیکھ کر حیران رہ گئے، کمشنر صاحب نے کہا مفتی صاحب! آپ نے تو ہم سب کو مات کر دیا۔ آپ نے حسنِ انتظام میں حد کر دی، ہم ایسا منظم انتظام نہیں کر سکتے۔ اگلے دن ضیاء الحق صاحب یہاں آئے۔ الحمد للہ، ایسا منظّم پروگرام ہوا کہ اگلے دن پورے اخبارات اس سے بھرے پڑے تھے اور اخبارات نے شہ سرخیاں لگا لگا کر لکھا کہ یہ ملکی تاریخ کی یادگار اور بے نظیر تقریب تھی۔ اس میں یہ بھی تھا کہ جو کہا، کر کے دکھا دیا۔ کیا مطلب یعنی دارالعلوم کراچی فتویٰ دیتا ہے کہ تصویر حرام ہے۔ یہ پہلا موقع تھا کہ ملک کا صدر اس تقریب میں موجود تھا لیکن ایک کیمرہ حرکت میں نہیں آیا۔ ٹی وی کے اعلیٰ افسران ہمارے پاس آئے اور پوچھنے لگے کہ ہم کہاں کیمرے نصب کریں گے۔ ہم نے جواب دیا کہ آپ کو تکلیف کرنے کی ضرورت نہیں۔ کہنے لگے صاحب! ہماری تو ملازمت چلی جائے گی۔ ہماری تو یہ ذمہ داری ہے کہ جہاں صدر مملکت جاتا ہے، ٹی وی پر اس کے سارے مناظر دکھاتے ہیں۔ ہم مجبور ہیں۔ ہم نے جواب دیا کہ آپ بے فکر رہیں۔ آپ کی ملازمت نہیں جائے گی، ہم صدر صاحب سے بات کر لیں گے۔

اسی طرح اخبارات اور نیوز ایجنسیوں کے لوگ بھی آ کر پوچھنے لگے کہ ہمارے لیے آپ نے کیا انتظام کیا ہے۔ ہم نے جواب دیا کہ آپ کے بیٹھنے کا یہ انتظام ہے۔ آپ کو چائے بھی ملے گی، خاطر مدارات بھی ہو گی لیکن دارالعلوم کے احاطے کے اندر کیمرے کا داخلہ بند ہے۔

ٹی وی نے ضیاء الحق صاحب کی آمد کا سارا منظر دکھایا۔ جہاں سے چلے وہاں سے مناظر شروع ہوئے۔ راستے میں لوگ ان کا استقبال کر رہے ہیں، زندہ باد کے نعرے لگ رہے ہیں، پھر باہر سے دارالعلوم کا احاطہ دکھایا گیا، گیٹ دکھایا گیا، گیٹ بند تھا، جب ضیاء الحق صاحب کی گاڑی پہنچی تو گیٹ کھلا۔ ضیاء الحق صاحب دارالعلوم کے اندر داخل ہوئے تو گیٹ بند اور ٹی وی بھی بند۔ آگے کا کوئی منظر ٹی وی پر نہیں دکھایا۔ یہ پاکستانی تاریخ کی پہلی تقریب تھی کہ صدر مملکت وہاں موجود تھا اور

وہاں کوئی کیمرہ حرکت میں نہیں آیا۔

''ایسی منظّم تقریب میں نے کہیں نہیں دیکھی''

اور اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے منظم ایسی تھی کہ قابل دید تھی۔ اخباری نمائندوں اور کالم نگاروں نے اس پر کالم لکھے۔ چند ہی روز کے بعد ضیاء الحق صاحب یہاں کراچی میں کسی تقریب میں تشریف لائے۔ مجھے بھی اس میں بلایا گیا۔ عام مہمان باہر تھے۔ خاص خاص مہمانوں کو اندر ایک ہال میں رکھا گیا، اس کے اندر میں بھی تھا۔ جب کھانے کا وقت ہوا تو میرے برابر میں گورنر سندھ تھے، ان کے برابر میں ضیاء الحق صاحب تھے اور میرے بائیں ہاتھ پر صدر صاحب کے ملٹری سیکرٹری تھے، بعد میں وہ بڑے جنرل ہو گئے۔ وہ مجھ سے کہنے لگے، مفتی صاحب! آپ نے ایسی زبردست اور منظّم تقریب کی کہ میں تو بیان نہیں کر سکتا۔ ضیاء الحق صاحب بعد میں گاڑی میں بیٹھ کر مجھ سے بار بار کہنے لگے کہ ایسی منظّم تقریب میں نے کہیں نہیں دیکھی۔ جہاز میں بھی مجھ سے ذکر کرنے لگے۔ پھر وہ کہنے لگا کہ یہ تو ضیاء الحق صاحب کی بات ہے، آپ میری بات بھی سنیں۔ میں ضیاء الحق صاحب کے ساتھ کتنی تقریبات میں شریک ہوتا ہوں۔ اندرون ملک میں بھی اور بیرون ملک کی تقریبات میں بھی ان کے ساتھ ہوتا ہوں۔ ایسی منظّم تقربب میں نے کہیں نہیں دیکھی جیسی منظّم تقریب آپ کے ہاں تھی۔

مصافحہ کرانے کا عمدہ انتظام:

ہم نے یہ انتظام کیا تھا کہ دارالعلوم کے تمام اساتذہ اور تمام ملازمین کا مصافحہ ضیاء الحق صاحب سے کروائیں گے لیکن ہر ایک کے مصافحے کی جگہ الگ مقرر تھی۔ ضیاء الحق صاحب جس شعبے میں پہنچیں گے، وہاں شعبے کا ذمہ دار اپنے عملے کے ساتھ موجود ہو گا اور سب عملے کا ضیاء الحق صاحب سے مصافحہ کرائے گا۔ اس طریقے سے ہر ایک کے

الگ الگ مصافحے ہوئے۔ ہمارے چپڑاسی منظور کا بھی مصافحہ ہوا۔ ہمارے دفتر کے باہر کھڑا ہوا تھا۔ سب سے آخر میں صدر صاحب وہاں آئے۔ وہاں اکیلے اس نے صدر صاحب کا استقبال کیا۔

ایک وفاقی وزیر کے تاثرات:

کچھ عرصے بعد مولانا روح اللہ صاحب اُتمان زئی والے یہاں تشریف لائے۔ مجھ سے کہنے لگے کہ میں نے آپ کے یہاں کی تقریب کی بہت تعریف سنی ہے۔ ہمارے علاقے کے ایک وفاقی وزیر ہیں۔ وہ کہنے لگے کہ دارالعلوم کراچی کن لوگوں کا ہے۔ میں نے بتایا کہ ہمارے اپنے لوگ ہیں۔ کہنے لگا کہ ضیاء الحق صاحب نے کابینہ کی میٹنگ میں اس جلسے کی بہت تعریف کی اور کہا کہ دارالعلوم والوں نے ایسی تقریب کی کہ میں نے ایسی منظّم تقریب کہیں نہیں دیکھی۔ پھر مولانا روح اللہ صاحب مجھ سے پوچھنے لگے کہ آپ نے کیا کیا تھا؟ میں نے کہا کہ صرف انتظام تھا اور کچھ بھی نہیں تھا۔ ہم نے لوگوں پر کام تقسیم کر رکھے تھے۔ ہر ایک کو معلوم تھا کہ میرے ذمے کیا کام ہے۔ مجھے کہاں، کس وقت، کیا کام کرنا ہے۔

بہت سے ذمہ دارانِ مدارس ہمارا نظم ونسق دیکھنے کے لیے تشریف لاتے ہیں:

میں آپ لوگوں سے یہ کہنا چاہتا ہوں کہ الحمد للہ، آپ نے دارالعلوم میں نظم ونسق کو دیکھا ہے۔ ابھی ویسا نظم ونسق تو نہیں جیسا ہم چاہتے ہیں، ہماری تمنا یہ ہے کہ اس کا نظم ونسق اور زیادہ اچھا ہو اور انشاء اللہ ہو گا، بتدریج ترقی ہو رہی ہے لیکن اب بھی ملک کے کتنے ہی مدرسوں کے ذمہ داران محض اس نظم ونسق کو دیکھنے کے لیے سفر کر کے یہاں آتے ہیں اور ہم سے کہتے ہیں کہ آپ کے یہاں جو قواعد وضوابط ہیں، وہ ہمیں دے دیں تا کہ ہم اپنے مدرسوں میں اس نظم ونسق کو جاری کر سکیں۔

(یہاں تک بیان کے بعد بجلی چلی گئی، حضرت نے تمام طلبہ کو گیارہ مرتبہ انّا للّٰہ وانا الیہ راجعون o پڑھنے کے لیے فرمایا۔ اتنی دیر میں جامعہ کا جنریٹر چل گیا۔ اس پر حضرت نے فرمایا) دیکھئے! یہ بھی نظم ونسق کا حصہ ہے کہ یہ متعین ہے کہ جب بجلی جائے گی تو کون جنریٹر چلائے گا۔ یہ نہیں کہ بجلی چلی گئی تو بلاتے پھریں کہ فلاں کو بلاؤ، یہ کرو، وہ کرو۔ معلوم ہوا کہ وہ پیشاب کرنے گیا ہوا ہے۔ چابی اس کے پاس ہے۔ اب سارے کے سارے انتظار میں بیٹھے ہیں۔ بدنظمی کے نتیجے میں یہی کچھ ہوتا ہے۔

سرکاری اداروں کے ذمہ داران کے تأثرات:

پہلے سرکاری اداروں میں کچھ حسنِ انتظام تھا۔ اب وہاں بھی بدنظمی ہوتی ہے۔ سرکاری اداروں کے افسران ہمارے ہاں آتے ہیں تو کہتے ہیں کہ آپ کے ہاں نظم ونسق ایسا ہے کہ آپ کے ادارے کے سامنے ہماری یونیورسٹیاں بھی شرماتی ہیں۔ یہ انگریزی دان طبقہ جو پہلے مدارس کو حقارت کی نگاہ سے دیکھتا تھا۔ اور وہ یہ کہتے تھے کہ صاحب! مدرسوں میں گندگی پھیلی ہوتی ہے، کوئی ڈسپلن نہیں ہوتا، ایڈمنسٹریشن (Administration) نہیں ہوتی۔ (انگریزی کے الفاظ بول بول کر اظہار کرتے تھے) الحمد للہ، اب وہ یہاں آکر شرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمارے اداروں میں اتنا حسنِ انتظام نہیں، جتنا یہاں ہے۔

علماءِ کرام کی عزت دین کی عزت ہے:

ہمارا جی بھی یہی چاہتا ہے کہ ہمارا حسنِ انتظام ایسا مثالی ہو کہ علماءِ کرام کی عزت اور وقار میں اضافہ ہو کیونکہ علماءِ کرام کی عزت دین کی عزت ہے۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ جہاں بیٹھ کر درس حدیث دیتے تھے، بہت شاندار مسند تھی۔ ہر وقت خوشبو سے مہکی رہتی تھی اور جب درس کے لیے آتے تو روزانہ نیا جوڑا پہن کر آتے تھے۔

کسی نے ان کے لیے اس کا انتظام کر رکھا تھا۔ وہ ایسا اس لیے کرتے تھے کہ حدیث کی شان اس میں تھی۔ اور درس حدیث اس قدر عظمت سے پڑھاتے تھے کہ ایک مرتبہ درس حدیث کے دوران شاگردوں نے دیکھا کہ بار بار ان کا چہرہ زرد پڑ جاتا ہے۔ پڑھتے پڑھتے اچانک بے چین ہو جاتے ہیں لیکن درس حدیث کی وجہ سے کچھ نہیں کیا۔ کافی دیر کے بعد جب حدیث کا درس ختم ہوا تو شاگردوں نے وجہ پوچھی۔ فرمایا کہ میرا کپڑا دیکھو، کوئی جانور گھسا ہوا ہے۔ پشت سے کپڑا ہٹا کر اندر دیکھا تو ایک بچھو تھا جس نے نجانے کتنے ڈنگ آپ کی پشت پر مارے تھے لیکن حدیث کی عظمت کی وجہ سے انہوں نے بچھوں کے کاٹنے کو برداشت کیا۔

شعبۂ حسابات میں کی جانے والی احتیاطیں:

میں کہا کرتا ہوں کہ جس نے دارالعلوم میں رہ کر نظم ونسق اور حسنِ انتظام نہ سیکھا، اس نے دارالعلوم کی قدر نہیں پہنچانی۔ اسی طرح جس نے روپے پیسے کے معاملے میں احتیاط اور تقویٰ نہیں سیکھا، اس نے بھی دارالعلوم کی قدر نہیں کی۔ ہم متقی ہونے کا دعویٰ تو نہیں کرتے، ہم بہت گنہگار ہیں لیکن اتنی بات ضرور ہے کہ ہم اس بات کی کوشش بہت کرتے ہیں کہ روپے پیسے کے حسابات بالکل صاف ہوں۔ میں شعبۂ حسابات کے سربراہ کو اپنے سے ڈیڑھ گنا زیادہ تنخواہ دیتا ہوں۔ کیوں؟ اس لیے کہ ہمیں اس سے کم تنخواہ پر معیاری حسابات کرنے والا نہیں ملتا، اس لیے مجبوراً ہم زیادہ تنخواہ دے کر اچھا حسابات کرنے والا ملازم رکھتے ہیں۔

مدارس میں اختلافات کی بنیادی وجہ:

ہمارا تجربہ اور مشاہدہ یہ ہے کہ مدرسوں کے اندر جب کبھی کہیں فتنہ پیدا ہوا ہے اور اختلافات اور جھگڑے ہوئے ہیں، پھر مدرسے یا تو تباہ ہو گئے یا ان کے دو دو تین تین ٹکڑے ہو گئے، ان میں بنیادی کردار حسابات کا تھا۔ بعض مرتبہ پیسوں میں

خورد برد ہوتی لیکن ایسے واقعات بہت کم ہوئے۔ زیادہ تر ایسا ہوا کہ حسابات کے اندر بدنظمی تھی۔ حسابات واضح نہیں تھے یعنی اس طرح نہیں تھے کہ کوئی الزام لگائے تو ثابت کیا جا سکے کہ تمہارا الزام غلط ہے۔ ہمارے پاس سارے حسابات موجود ہیں۔

ایک اہم واقعہ:

والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے چند ماہ بعد ایک شخص کا میرے پاس خط آیا کہ میں نے کچھ رقم دارالعلوم کے استقبالیہ میں فلاں تاریخ کو دارالعلوم کے چندے کے لیے دی ہے۔ میرا نام فلاں ہے۔ براہِ کرم آپ مجھے یہ بتلائیں کہ وہ رقم کتنی ہے۔ اس کا رسید نمبر کیا ہے اور وہ کس مدّ میں درج کی گئی ہے۔ اس نے ہمارا امتحان لیا۔ رقم کی مقدار بھی نہیں لکھی اور یہ بھی نہیں بتایا کہ کس مد کے لیے یہ رقم دی تھی۔ صرف نام بتایا اور تاریخ لکھی اور یہ بھی بتلایا کہ میرے پاس اس کی رسید ہے۔ میں نے اس کی معلومات کروائیں۔ ریکارڈ میں سب کچھ محفوظ تھا، ہم نے وہ سب معلومات لکھ کر بھیجیں جو اس نے پوچھی تھیں۔ کچھ دنوں کے بعد اس کا مسرت بھرا خط آیا۔ اس نے کہا کہ مجھے بڑا اطمینان ہوا کہ حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے انتقال کے بعد آپ نے حسابات کو اعتماد میں رکھا ہوا ہے۔ میں نے جواب میں لکھا کہ مجھے آپ کے خط سے بڑی خوشی ہوئی میری درخواست ہے کہ آئندہ بھی کبھی کبھی ایسا خط لکھتے رہا کریں۔ اس کا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ ہم اپنے عملے کو بتا دیتے ہیں کہ اس طرح تمہارا امتحان ہو سکتا ہے تو وہ چوکنا رہتے ہیں جس سے حسابات کا نظام درست رہتا ہے۔

دارالعلوم کو اتنا زیادہ چندہ کیوں ملتا ہے؟

بتائیے کہ اگر ہمارے پاس وہ حسابات لکھے ہوئے نہ ہوتے اگرچہ پیسہ سارا کا سارا مدرسے ہی میں خرچ ہوتا تو کیا ہم اس کو مطمئن کر سکتے تھے؟ فوراً وہ الزام

لگا تاکہ مولوی، پیسے کھا گئے۔ الحمدللہ، اب اس کے دل میں اعتماد پیدا ہوا۔ اس کا نتیجہ آپ دیکھ رہے ہیں کہ دارالعلوم کا کوئی سفیر چندہ کرنے کے لیے نہیں جاتا۔ ہم اتنے ملکوں میں جاتے ہیں، جلسوں میں تقریریں کرتے ہیں لیکن کہیں بھی دارالعلوم کے لیے چندے کی اپیل نہیں کرتے۔ بہت سی جگہوں پر تو دارالعلوم کا نام تک بھی نہیں لیتے، کہیں وہ یہ نہ سمجھیں کہ ہم چندہ کرنے کے لیے آئے ہیں۔ اس سب کچھ کے باوجود آپ دیکھ رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کس طرح پیسہ بھیجتا ہے۔ تقریباً پچاس لاکھ روپے دارالعلوم کا ماہانہ خرچہ ہے۔ تعمیرات کا خرچ اس کے علاوہ ہے۔ اتنی رقم بغیر کسی بھاگ دوڑ کے اللہ تعالیٰ یہاں پہنچا دیتا ہے، اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ لوگوں کو دارالعلوم پر اعتماد ہے۔

فارغ ہونے والے طلبہ کو وصیت:

آپ میں سے بہت سے طلبہ اس سال فارغ ہو کر چلے جائیں گے تو میری وصیت یہ ہے کہ دو باتوں کا لحاظ رکھو۔ اسلامی معاشرت کا اور اسلامی معاملات کا۔ صرف یہی نہیں کہ آپ کو بدمعاملگی نہیں کرنی اور ناجائز پیسہ نہیں کھانا بلکہ اس کا ثبوت بھی اپنے پاس رکھیے کہ آپ نے کوئی پیسہ ناجائز نہیں کھایا اور وہ جبھی ہو سکے گا جب حسابات آپ کے پاس لکھے ہوئے ہوں۔

میری احتیاط:

میں جب دفتر سے گھر جاتا ہوں، اگر کوئی امانت میرے پاس ہو تو اسے جیب میں نہیں ڈالتا۔ الگ لفافے میں رکھتا ہوں۔ گھر جا کر جہاں اُسے رکھنا ہوتا ہے، وہاں پھر اس کے بارے میں لکھنا ہوتا ہے کہ یہ امانت کی رقم ہے لیکن راستے کے چند منٹ کی تاخیر برداشت نہیں کرتا کہ گھر جا کر لکھ دوں گا بلکہ ان چند منٹ کے لیے لفافے پر لکھ دیتا ہوں کہ یہ فلاں مد کی رقم ہے کیونکہ ہو سکتا ہے کہ راستے میں موت

آ جائے اور لفافے کی یہ رقم میرے ورثاء کی سمجھی جائے۔ اسی طرح گھر سے دفتر آتے وقت بھی یہی احتیاط کرتا ہوں، حالانکہ گھر میں لکھا ہوتا ہے اور دفتر میں بھی لکھنا ہوتا ہے۔

حسابات لکھنے کا قرآنی حکم:

میں آپ حضرات سے یہ بات اس لیے عرض کر رہا ہوں کہ میں نے اپنے اکابر کو اسی طرح عمل کرتے ہوئے پایا ہے اور قرآن مجید نے حسابات لکھنے کے بارے میں پورا ایک رکوع نازل کیا ہے۔

﴿يٰا أَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا إِذَا تَدَايَنْتُمْ بِدَيْنٍ إِلٰى أَجَلٍ مُسَمًّى فَاكْتُبُوهُ......... الخ﴾ (البقرة: ۲۸۲)

''اے ایمان والو! جب تم آپس میں کسی معیادِ معین کے لیے قرض کا معاملہ کرو تو اس کو لکھ لیا کرو۔''

اس سارے رکوع کا حاصل یہ ہے کہ اگر کسی کا حق آپ کے ذمہ ہے تو وہ لکھا ہوا ہونا چاہیے۔

دارالعلوم میں عالیشان دارالاقامہ بنانے کی وجہ:

ایک اور بات یہ کہنی ہے کہ الحمد للہ، آپ کے دارالطلبہ میں اللہ تعالیٰ نے کیسا اچھا انتظام کر رکھا ہے۔ یورپ اور امریکہ کی سرکاری یونیورسٹیوں میں بھی اس سے زیادہ اچھا انتظام نہیں ہوتا۔ میرے دیکھے ہوئے ہیں اور جو لوگ وہاں سے آتے ہیں، وہ بھی ہمارا انتظام دیکھ کر بتاتے ہیں کہ ہمارے ہاں میڈیکل کالج اور یونیورسٹیوں کے ہاسٹل بھی اس سے بہتر نہیں ہیں۔

اصل میں ہمیں اس بات کی دھن ہے کہ ہم دنیا کو یہ دکھانا چاہتے ہیں کہ ملاّ بھی اچھے ادارے اور اچھی اقامت گاہیں بنا سکتا ہے۔ ملاّ بھی اچھا نظم و نسق قائم کر

سکتا ہے۔ اور وہ لوگ جو دینی مدرسوں کو حقیر سمجھتے ہیں، ان کے دلوں سے حقارت نکلے اور انہیں معلوم ہو کہ ہم سے زیادہ بہتر نظام ملا چلا سکتے ہیں۔

الحمدللہ، اللہ تعالیٰ نے ہمیں اتنا اچھا دارالطلبہ دیا ہے لیکن اس کو صاف ستھرا اور منظم رکھنا آپ کی ذمہ داری ہے۔ اگر آپ حضرات اس کو گندہ رکھیں گے تو لوگوں کو یہ کہنے کا موقع ملے گا کہ یہ طلبہ اس قابل نہیں ہیں کہ اعلیٰ درجے کی عمارتوں میں رہیں، انہیں تو جھونپڑیوں میں رہنا چاہیے۔

معاملات اور معاشرت کے اصولوں پر عمل کرنے کا نتیجہ:

اور اگر آپ معاملات اور معاشرت کو سیکھ کر ان کی عادت ڈالیں گے تو انشاء اللہ، جہاں جاؤ گے لوگوں کی نظروں کا تارا بن کر رہو گے، لوگ تمہاری عزت کریں گے، ادارے تمہارے محتاج ہوں گے، تم اداروں کے محتاج نہیں ہوں گے۔ انشاء اللہ، امیرِ کاروان بن کر رہو گے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اخلاص کی دولت سے مالا مال فرمائے اور معاملات و معاشرت سے متعلق اسلامی احکام پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

وآخر دعوانا أن الحمدلله رب العالمين.

تصوّف کی حقیقت واہمیّت

موضوع: تصوف کی حقیقت و اہمیت
خطاب: حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی مدظلہم
مقام: کینیڈا
ترتیب و عنوانات: اعجاز احمد صمدانی
باہتمام: محمد ناظم اشرف

تصوف کی حقیقت و اہمیت

خطبۂ مسنونہ:

الحمد للّٰہ نحمدہٗ و نستعینہٗ و نستغفرہٗ و نؤمِنُ بہٖ ونتوکل علیہ ونعوذ باللّٰہِ مِن شرورِ أنفسنا ومِن سیئاتِ أعمالنا مَن یھدِہِ اللّٰہ فلا مُضِلَّ لہٗ وَمَنْ یُضللہُ فلا ھَادِیَ لہٗ ونشھد أن لآ اِلٰہ اِلَّا اللّٰہ وحدہٗ لاشریک لہٗ و نشھد أنّ سیدنا و سَنَدنا و مولانَا محمداً عبدہٗ ورسولہٗ صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وعلٰی آلہٖ و صحبہٖ اجمعین و سلّم تسلیماً کثیراً۔

امابعد!

فَأَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْم. بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ o یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اتَّقُوا اللّٰہَ وَ کُوْنُوْا مَعَ الصَّادِقِیْنَ o

دو حکم:

بزرگانِ محترم، برادرانِ عزیز!

اس وقت میں نے آپ کے سامنے سورۃ توبہ کی ایک آیت تلاوت کی۔ جس میں اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کو دو حکم دیئے۔

ارشاد ہے:

﴿یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ﴾

''اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو۔''

یہ پہلا حکم ہے۔ دوسرا حکم یہ ہے کہ:

﴿وَکُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ۝﴾

''اور رہو سچے لوگوں کے ساتھ۔''

یعنی ایسے لوگوں کے ساتھ رہو جو دل کے بھی سچے ہیں اور زبان کے بھی سچے اور عمل کے بھی سچے یعنی متقی لوگ۔

تقویٰ کیا ہے؟

پہلا حکم ہے ''اللہ سے ڈرو۔'' اللہ سے ڈرنے کا کیا مطلب؟ اس کا مطلب یہ ہے کہ گناہوں سے بچو، چھوٹے گناہوں سے بھی بچو اور بڑے گناہوں سے بھی بچو یعنی نافرمانی سے بچو۔ گناہوں سے بچنے کا نام ہی اللہ سے ڈرنا ہے اور اسی کو تقویٰ کہتے ہیں۔

ہر کام کے کرنے کے وقت اور ہر بات کے بولنے کے وقت دل میں یہ خلش رہنے لگے کہ میرا یہ عمل یا میرا یہ بول اللہ کی نافرمانی تو نہیں، گناہ تو نہیں۔ جب دل میں یہ خلش پیدا ہوگئی اور اس کے نتیجے میں ہم نے اپنی زبان اور جسموں پر پہرہ لگا لیا تو یہی تقویٰ ہے۔

روزہ کو تقویٰ میں سب سے زیادہ دخل ہے:

تقویٰ کو میں ایک اور مثال کے ذریعے واضح کرتا ہوں جس سے اس کی حقیقت اور زیادہ اچھی طرح سمجھ میں آجائے گی آپ روزہ رکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم نے رمضان کے روزے فرض کیے اور اس کی ایک حکمت یہ بیان فرمائی کہ **لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ** (تاکہ تمہارے اندر تقویٰ پیدا ہو جائے) کیا جوڑ ہے روزے میں اور تقویٰ میں؟ جوڑ یہ ہے کہ یوں تو ہر عبادت تقویٰ کی صفت میں انسان کو مدد ملتی ہے، لیکن روزہ سے تقویٰ کی نشوونما اور اس کی مشق زیادہ ہوتی ہے۔

مثال سمجھئے! تصور کیجئے گرمیوں کے طویل روزوں کا۔ جبکہ تقریباً اٹھارہ گھنٹے کا روزہ ہوتا ہے۔ سخت گرمی ہو اور آپ ظہر کے وقت مسجد میں نماز پڑھنے کے لیے آئے۔ وضو کرنے لگے۔ پیاس زبردست لگی ہوئی ہے، لیکن آپ کوشش کرتے ہیں کہ پانی کا کوئی قطرہ حلق میں نہ جائے۔ کلی کرنے بعد بار بار تھوکتے رہتے ہیں کہ کہیں ایسا تو نہیں کہ کوئی قطرہ حلق میں چلا گیا ہو۔ حالانکہ اگر اس وقت آپ پانی کے چند گھونٹ پی لیں تو کون دیکھے گا۔ سب آپ کو روزہ دار سمجھیں گے۔ اس موقع پر جب آپ اہتمام سے یہ کوشش کرتے ہیں کہ پانی کا کوئی قطرہ حلق تک نہ جائے، یہ کوشش صرف تقویٰ اور اللہ کے خوف کی وجہ سے ہے۔

آپ غسل خانے میں تنہا ہیں، چاہیں تو خوب ڈٹ کر پانی پی لیں۔ بیوی بچوں کو بھی خبر تک نہ ہوگی لیکن نہیں پیتے کیونکہ یہ تصور ذہن میں ہے کہ جس اللہ کے لیے روزہ رکھا ہے، وہ دیکھ رہا ہے۔ اگر میں پانی پیوں گا تو میرا روزہ ٹوٹ جائے گا۔ روزے سے تقویٰ کی مشق ہوتی ہے اور اس سے تقویٰ بڑھتا جاتا ہے جس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ آدمی ہر بات بولتے وقت اور ہر کام کرتے وقت یہ سوچنے لگتا ہے کہ میرا یہ عمل جائز ہے یا ناجائز؟ حرام ہے یا حلال؟ اللہ کی رضا کے لیے ہے یا نہیں؟ اسی کا نام "تقویٰ" ہے۔

تقویٰ کا محل کیا ہے؟

تقویٰ کا محل کیا ہے؟ کیا تقویٰ ہمارے ہاتھ میں ہے؟ ہمارے پاؤں میں ہے؟ یا ناک اور کان میں ہے؟ نہیں بلکہ یہ تقویٰ ہمارے جسم کے سب سے اہم حصے ''دل'' میں ہے، یہ ہمارا باطنی عمل ہے۔ کسی کو معلوم نہیں کہ کس کے دل میں تقویٰ ہے اور کس کے دل میں تقویٰ نہیں کیونکہ یہ دل کے اندر چھپا ہوا ہے۔

یہ تقویٰ ہے تو دل میں لیکن کنٹرول کرتا ہے ہماری آنکھوں کو بھی اور ہمارے کانوں کو بھی۔ ہماری زبان کو بھی اور ہمارے ہاتھوں کو بھی۔ غرضیکہ پورے جسم کو کنٹرول کرتا ہے۔ ہر قسم کے ظاہری گناہوں سے بھی بچاتا ہے اور باطنی گناہوں سے بھی حفاظت کرتا ہے۔ حسد سے بھی بچاتا ہے اور تکبر سے بھی بے حیائی سے بھی بچاتا ہے اور بدنگاہی سے بھی۔

جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

﴿إِنَّ فِي الْجَسَدِ مُضْغَةً إِذَا صَلُحَتْ صَلُحَ الْجَسَدُ كُلُّه وَ إِذَا فَسَدَتْ فَسَدَ الْجَسَدُ كلّه ألاوَهِيَ الْقَلْبُ﴾

(بخاری و مسلم)

''انسان کے جسم میں گوشت کا ایک ٹکڑا ہے جب وہ درست ہوتا ہے تو سارا جسم درست ہو جاتا ہے اور جب وہ بگڑ جاتا ہے تو پورا جسم بگڑ جاتا ہے۔ غور سے سن لو وہ ٹکڑا ''دل'' ہے۔''

جب تک دل صحیح نہ ہو، برائیوں سے نہیں بچ سکتے:

درحقیقت دل کی اصلاح بنیاد ہے ہمارے سارے اعمال کے اصلاح کی۔ گناہوں سے بچنے کی بھی اور فرائض کو ادا کرنے کی بھی۔ جب تک دل کی اصلاح نہیں ہوگی اس وقت تک ہمارے ظاہری اعمال بھی درست نہیں ہوں گے اور باطنی

اعمال میں درستگی نہیں ہوگی۔ ہماری زبانوں سے گالیاں نکلتی رہیں گی، دوسروں کی غیبت ہوتی رہے گی، دوسروں کی دل آزادی ہوتی رہے گی، دوسروں پر تہمت لگاتے رہیں گے، ناجائز گانے سنتے رہیں گے، نامحرموں کو دیکھتے رہیں گے، حرام اور سود کا مال کھاتے رہیں گے، تجارت میں دھوکہ کرتے رہیں گے، بیوی بچوں کے ساتھ بھی ناانصافیاں کرتے رہیں گے، پڑوسیوں کے حقوق کو بھی پامال کرتے رہیں گے۔ جب تک دل صحیح نہیں ہوگا، اس وقت ان برائیوں سے نہیں بچ سکیں گے۔

''احسان'' کسے کہتے ہیں؟

دل کی اصلاح کا نام قرآن وسنت میں ''احسان'' ہے۔ اگر ہمارا دل اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت سے، آخرت کے خوف سے، جنت کے شوق سے، عجز وانکساری سے، قناعت اور حیا سے بھرا ہوگا تو اس کو کہتے ہیں ''احسان'' اور اگر دل میں بیماریاں ہوں، حسد ہو، تکبر ہو، اللہ سے بے خوفی ہو، اللہ اور اس کے رسول کی عظمت دل میں نہ ہو، قناعت کی بجائے طمع وحرص ہو تو ایسا دل ''احسان'' سے خالی ہے۔

نبوت کے آخری دور میں جبرئیل امین کے حاضر ہونے کی وجہ:

رسول اللہ ﷺ کی وفات کا زمانہ جب قریب آیا تو اس وقت آپ کو قرآن وسنت کی تعلیم دیتے ہوئے تئیس سال ہو چکے تھے۔ اسلام کی تکمیل کا اعلان ہو چکا تھا۔

﴿اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا﴾ (المائدہ: ۳)

''آج ہم نے تمہارے لیے تمہارا دین مکمل کر دیا اور اپنی نعمتیں تم پر پوری کر دیں اور تمہارے لیے اسلام کو دین پسند کیا۔''

اس اعلان کا حاصل یہ تھا کہ اب دین مکمل ہو گیا۔ اس دین کی جو تفصیلات آپ نے بتائیں وہ تئیس سالہ تعلیم پر مشتمل تھیں۔ اللہ نے چاہا کہ ان تمام تعلیمات کا خلاصہ ایک مجلس میں دو تین جملوں میں امت کے سامنے آ جائے۔ تو اس کے لیے اللہ تعالیٰ نے یہ انتظام کیا کہ جبرئیل امین علیہ السلام کو حضور ﷺ کی مجلس میں بھیجا۔ صحابہ کرامؓ کا مجمع تھا، آنحضرت ﷺ تشریف فرما تھے۔ جبرئیل امین انسانی شکل میں حاضر ہوئے اور عجیب وغریب اور ڈرامائی انداز اختیار کیا تاکہ تمام حاضرین کی توجہ آپ کی طرف مبذول ہو جائے۔ اس کی تفصیلات کتب حدیث میں موجود ہیں، میں اسے چھوڑ رہا ہوں۔ آپ کے اس انداز سے جب صحابہ کرامؓ کی توجہ آپ کی طرف مبذول ہوگئی تو انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا کہ ایمان کیا ہے؟ آپ ﷺ نے ایمان کی تشریح فرما دی پھر انہوں نے سوال کیا کہ اسلام کیا ہے؟ آپ نے اسلام کی تشریح فرما دی۔ پھر سوال کیا کہ احسان کیا ہے؟ آپ نے احسان کی بھی تشریح فرما دی۔ جب وہ چلے گئے تو بعد میں رسول اللہ ﷺ کو پتہ چلا کہ یہ جبرئیل امین تھے۔ آپ نے صحابہ کرام کو پیچھے بھیجا کہ انہیں بلاؤ مگر وہ غائب ہو چکے تھے۔ پھر آپ نے صحابہ کرام سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ جبرئیل امین تمہارے پاس اس لیے آئے تھے تاکہ تمہیں تمہارا دین سکھلائیں۔

دین کا خلاصہ:

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ یہ تین چیزیں جن کے بارے میں جبرئیل امین نے سوال کیا اور رسول اللہ ﷺ نے ان کی تشریح فرمائی، یہ پورے دین کا لب لباب اور خلاصہ ہیں۔

(۱) ایمان جو دل میں ہوتا ہے۔

(۲) اسلام جو ہمارے ظاہری اعمال کا مجموعہ ہے۔

(۳) احسان جس کا مرکز ہمارا قلب ہے۔

قرآن وسنت کی اصطلاح میں جسے احسان کہا گیا ہے، بعد کے زمانے میں علماء نے اس کا نام ''تصوف'' اور ''طریقت'' رکھ دیا لوگوں کے عرف کی وجہ۔

تصوف کی حقیقت:

احسان یعنی تصوف کی حقیقت دل کے گناہوں سے بچنا اور دل کے فرائض کو انجام دینا ہے یعنی باطن کے گناہوں سے بچنا اور باطن کے فرائض کو انجام دینا۔

تفصیل اس کی یہ ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے ہمارے اوپر بہت سے ظاہری اعمال فرض کیے جیسے نماز ظاہری عمل ہے، نظر آتا ہے، زکوٰۃ یہ بھی نظر آنے والا عمل ہے۔ روزہ کسی نہ کسی درجے میں ظاہری ہے کہ آدمی کھاتا ہوا نظر آتا ہے، سحری و افطاری کے وقت کھاتا ہے۔ حج، جہاد، تبلیغ، ذکر، تلاوت، دعا وغیرہ یہ سب ظاہری اعمال ہیں۔ ان ظاہری اعمال میں کچھ فرائض ہیں، کچھ واجبات ہیں، کچھ سنن ہیں اور کچھ مستحبات ہیں، اس کے برعکس بعض حرام اور ناجائز ہیں جیسے شراب پینا، دھوکہ دینا، جھوٹ بولنا، سود کھانا وغیرہ۔ ان سے بچنا لازم ہے۔

تو جس طرح ظاہری اعمال میں سے بہت سے اعمال حرام ہیں، اسی طرح اللہ تعالیٰ نے باطنی اعمال میں سے بھی بہت سے اعمال کو حرام قرار دیا ہے۔ جیسے تکبر حرام ہے۔ حدیث میں ہے کہ ''وہ شخص جنت میں داخل نہیں ہوگا، جس کے دل میں ذرہ برابر بھی تکبر ہوگا'' حسد یعنی دوسروں کے مال و دولت اور عزت پر جلنا حرام ہے۔ اسی طرح حرص اور طمع بھی حرام ہے۔

اور جس طرح بہت سے ظاہری اعمال فرض ہیں۔ اسی طرح باطن میں بھی بہت سے اعمال فرض ہیں مثلاً توکل، یہ دل کا عمل ہے اور ایک درجے میں فرض و واجب ہے۔ قناعت یعنی اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی نعمتوں پر راضی ہو جانا۔ قناعت کا مطلب یہ نہیں کہ مزید کی کوشش نہ کرے۔ جائز حدود میں اللہ پر بھروسہ کر کے کوشش کرے لیکن اگر نہ ملے تو اس پر دل پریشان نہ ہو۔ اس کا نام قناعت ہے۔ یہ بھی دل

کا عمل ہے اور ضروری ہے۔

سچی بات یہ ہے کہ جس شخص کے پاس ضرورت کے مطابق کھانے پینے اور رہنے سہنے کا سامان ہو اور اسے قناعت بھی مل جائے۔ وہ دنیا کا سب سے بڑا مالدار انسان ہے، جبکہ وہ کروڑ پتی انسان جس کے واپس مال و دولت کے ڈھیر ہیں لیکن قناعت نہیں ملی تو وہ فقیر ہے۔

قرآن مجید میں ظاہری اور باطنی دونوں قسم کے گناہوں سے بچنے کا حکم دیا گیا ہے۔ ارشاد ہے:

﴿وَذَرُوا ظَاهِرَ الاِثْمِ وَ بَاطِنَهٗ﴾ (الانعام: ۱۲۰)

''اور ظاہر اور پوشیدہ ہر طرح کا گناہ ترک کر دو۔''

معلوم ہوا کہ آدمی اس وقت تک متقی نہیں ہو سکتا جب تک ظاہری اور باطنی دونوں قسم کے گناہوں سے اجتناب نہ کرے۔ باطنی گناہوں سے بچنے کا نام احسان اور تصوف ہے۔

تعویذ گنڈے اور کشف و کرامات کا ظہور بزرگ ہونے کے لیے ضروری نہیں:

آج کل تو لوگوں نے تصوف کو عجیب چیز سمجھ لیا ہے۔ کوئی تعویذ گنڈے کو تصوف سمجھتا ہے اور تعویذ گنڈے والوں کو ''پیر'' کہتا ہے چاہے ان کی زندگی شریعت کے خلاف ہو، حلال و حرام کی تمیز نہ کرتے ہوں لیکن چونکہ وہ تعویذ گنڈے کرتے ہیں، اس لیے وہ پیر صاحب ہیں۔

بعض لوگوں نے ''کشف و کرامت'' کا نام تصوف رکھ لیا۔ یہ سمجھتے ہیں کہ جو ہواؤں میں اڑتے ہیں، وہ اللہ والے ہوتے ہیں۔ ایک بزرگ تھے، بہت سے لوگ ان کے مرید تھے۔ بڑے اللہ والے بزرگ تھے لیکن ان کی بیوی ان کی معتقد نہیں تھی۔ عام طور پر بیویاں اپنے شوہر کی معتقد نہیں ہوتیں۔ بیوی کہتی تھی کہ تو جھوٹا پیر ہے لوگ ایسے ہی تمہارے معتقد ہو گئے۔

ایک روز کہنے لگے کہ اللہ والے تو ہوا میں اڑتے ہیں۔ کل میں نے دیکھا تھا، ایک اللہ والا ہوا میں اڑتا ہوا جا رہا تھا۔ بزرگ نے جواب میں کہا: بی بی! تم نے غور سے نہیں دیکھا، وہ اڑنے والا شخص میں ہی تو تھا۔ کہنے لگی: اچھا تم تھے، جبھی تو ٹیڑھے ٹیڑھے ہو رہے تھے۔ اس بیچاری نے یوں سمجھ رکھا تھا کہ اللہ والا وہ ہوتا ہے جو ہواؤں میں اڑے، اس سے کشف و کرامت کا ظہور ہو۔

خوب سمجھ لیجئے! اللہ والا ہونے کے لیے یہ ضروری نہیں کہ اس سے کشف و کرامات کا ظہور ہو۔ بعض اوقات عجیب و غریب کارنامے تو سائنس دان بھی انجام دے دیتے ہیں اور بعض اوقات کوئی جادوگر بھی کوئی بڑے سے بڑا کرشمہ دکھا دیتا ہے تو وہ کیا وہ اللہ والے ہو گئے۔

سب سے بڑی کرامت اتباع سنت ہے:

ایک صاحب بیعت کرنے کی غرض سے ایک بزرگ کی خدمت میں پہنچے۔ مرید ہو گئے اور اس کے بعد دس سال ان کی خدمت میں رہے۔ وہ یوں سمجھ کر گئے تھے کہ بڑے درجے کے اللہ والے ہیں تو ان کے ہاں کشف و کرامت کا ظہور ہوتا ہو گا۔ غیب کی باتیں بتاتے ہوں گے، کچھ عجیب و غریب واقعات ان کے ہاتھوں پر ظاہر ہوتے ہوں گے لیکن دس سال کے عرصے میں کوئی بھی کشف و کرامت ان کے سامنے نہ آئی۔ دل میں خیال آیا کہ شیخ سے اس کے بارے میں عرض کروں۔

تصوف کے آداب میں سے ایک بات یہ بھی ہے کہ دل میں جو کوئی کھٹک اور شبہ پیدا ہو، اسے اپنے شیخ اور پیر سے ذکر کرے تاکہ اگر کوئی غلط بات ہو تو اس کی اصلاح ہو جائے۔ یہ سچے مرید تھے۔ انہوں نے اپنے شیخ سے عرض کیا کہ میں تو یہ سمجھتا تھا کہ اللہ والے بڑے کشف و کرامت والے ہوتے ہیں۔ لیکن میں نے دس سال کے عرصے میں آپ سے کوئی کشف و کرامت نہیں دیکھی۔ شیخ نے جواب میں فرمایا: یہ بتاؤ کہ دس سال کے عرصے میں تم نے میرا کوئی عمل سنت کے خلاف دیکھا۔

وہ مرید غور کر کے کہنے لگے کہ میں نے آپ کا کوئی عمل سنت کے خلاف نہیں دیکھا۔ فرمایا ہے کہ اس سے بڑی کرامت اور کیا ہے؟ انسان کی سب سے بڑی کرامت یہ ہے کہ وہ اللہ کا نیک بندہ بن جائے اور رسول اللہ ﷺ کی سنت کا پیروکار ہو جائے۔

تصوف کے نام پر دھوکہ:

آج ہندو پاک میں ایسے بھی نام نہاد صوفی موجود ہیں، جن کا کوئی باپ دادا اللہ والا تھا۔ وہ واقعی اللہ والا تھا لیکن بعد میں جانشینی کا سلسلہ شروع ہوا تو ان کو وراثت میں ''پیری'' مل گئی۔ یہ پیر صاحب داڑھی بھی منڈاتے ہیں، نماز نہیں پڑھتے اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ آپ نماز کیوں نہیں پڑھتے تو وہ جواب دیتے ہیں کہ شریعت والوں کا کام ہے نماز پڑھنا۔ ہم تو طریقت والے ہیں، ہمارا دل نماز پڑھتا ہے۔

لوگوں کو دھوکہ دینے کے لیے اور اپنی دنیا کمانے کے لیے انہوں نے اسلام کے اندر چوری اور ڈکیتی کی ہے، طریقت اور تصوف کے نام پر لوگوں کا ایمان لوٹتے ہیں۔

قوالی کے شوقین پیر:

ہندو پاک میں ایسے صوفی بھی نظر آئیں گے جو نماز تو پڑھیں یا نہ پڑھیں مگر قوالی بڑے شوق اور پابندی سے روزانہ سنتے ہیں اور عورت سے بیعت لیتے ہیں تو ہاتھ لے کر بیعت لیتے ہیں۔ حالانکہ رسول اللہ ﷺ نے کبھی کسی نامحرم عورت کا ہاتھ نہیں چھوا۔ اور یہ نام نہاد پیر عورتوں کے ہاتھ اپنے ہاتھ میں ڈال کر بیعت لیتے ہیں اور قوالیاں بھی ڈٹ کر سنتے ہیں۔

اکبر الہ آبادی نے ایسے لوگوں کے بارے میں خوب کہا کہ:

با ادب بن کر رہو تو قوم کی گالی سنو
بے ادب بن کر رہو تو طعنۂ حالی سنو
بس پیر بن کر بیٹھ جاؤ ڈٹ کے قوالی سنو

تصوف کی حقیقت سمجھنے میں غلطی کیوں ہوئی؟

جب لوگوں نے قوالیوں اور کشف و کرامات کا نام تصوف رکھا اور جاہل صوفیوں نے اس طرح کی ڈھکوسلے بازی کی تو بہت سے لوگوں نے یہ سمجھا کہ شاید اسی کا نام تصوف ہے چنانچہ وہ کہنے لگے کہ تصوف گمراہی ہے اور قرآن وسنت سے اس کا کوئی ثبوت نہیں۔ یہ دین میں اضافہ اور تحریف ہے۔ بلاشبہ یہ چیزیں دین کا حصہ نہیں لیکن انہیں تصوف کی حقیقت سمجھنے میں غلطی ہوئی۔ تصوف نام ہے ''احسان'' کا یعنی باطن کی اصلاح کرنے کا۔ اور اس سے قرآن بھرا ہوا ہے۔ قرآن مجید نے اللہ اور اس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت کرنے کا حکم دیا، تقویٰ کا کتنی جگہ حکم دیا، قناعت کا کتنی جگہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم فرمایا۔ توکل کا کتنی جگہ حکم آیا۔ تکبر، حسد اور غیبت سے بچنے کی کتنی جگہ تاکید آئی۔ انہی گناہوں سے بچنے کا نام ''تصوف'' ہے۔

باطن ٹھیک ہو تو ظاہر بھی ٹھیک ہو جاتا ہے:

اور جب انسان کا باطن ٹھیک ہو جاتا ہے تو ظاہری اعمال بھی خود بخود ٹھیک ہوتے چلے جاتے ہیں۔ دوسروں کے ساتھ اس کا رویہ رحمدلانہ ہوتا ہے، بیوی کے ساتھ رویہ رفیقانہ ہوتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رات کو تہجد کے لیے اٹھتے ہیں۔ پاس میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا لیٹی ہوئی ہیں تو اٹھتے وقت احتیاط فرماتے ہیں کہ کہیں عائشہ کی نیند خراب نہ ہو جائے۔ چنانچہ پائنتی کی طرف سے اٹھتے ہیں، آہستہ آہستہ دروازے کی طرف چلتے ہیں، آہستہ سے کمرے کا دروازہ کھولا، آہستہ سے

دروازہ بند کیا۔ یہ سب کیوں کیا؟ تاکہ حضرت عائشہ صدیقہ کی نیند خراب نہ ہو جائے۔

صحبت کے اثرات:

تو جب باطن صحیح ہو جاتا ہے تو اس کا لوگوں کے ساتھ رویہ محبت کا اور شائستہ ہوتا ہے لیکن جب باطن خراب ہو تو پھر ظالمانہ رویہ ہوتا ہے۔ تجارت میں دھوکہ دہی چلتی ہے، حلال وحرام کی تمیز باقی نہیں رہتی۔

اس سے معلوم ہوا کہ باطن کی اصلاح کس قدر ضروری ہے۔ اس کے بغیر تقویٰ حاصل نہیں ہو سکتا۔ اور قرآن مجید کا ایک خاص حکیمانہ اسلوب ہے کیونکہ یہ اللہ کی کتاب ہے جو حاکم بھی ہیں اور حکیم بھی۔ وہ یہ کہ قرآن صرف حکم نہیں دیتا بلکہ حکمت کے ساتھ حکم دیتے ہیں۔ حکم دیتے ہیں تو اس پر عمل کرنے کو آسان بنانے کا طریقہ بھی ساتھ بتاتے ہیں۔ جہاں کوئی ایسا حکم دیا جاتا ہے کہ جس میں بظاہر کوئی مشکل نظر آتی ہے تو وہاں ساتھ دوسرا حکم دیا جاتا ہے کہ یہ کام کر لو۔ چنانچہ جو آیت میں نے خطبہ میں تلاوت کی، وہاں یہی ہوا۔

سب سے پہلے حکم ہوا کہ ''تقویٰ'' اختیار کرو۔

اور تقویٰ، جیسا کہ آپ نے ابھی سنا، اچھا خاصا مشکل کام ہے کہ ہر وقت زبان، کان، آنکھ اور دل پر پہرہ بٹھاؤ کہ کوئی گناہ نہ ہو جائے۔ چونکہ یہ مشکل کام تھا تو قرآن نے اپنی عادت کے مطابق ایک دوسرا حکم دیا۔ وہ یہ کہ:

﴿وَكُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ﴾

''سچے لوگوں کے ساتھ رہا کرو۔''

''سچے لوگوں'' سے مراد متقی لوگ ہیں۔ جب ایسے لوگوں کے ساتھ رہو گے، رفتہ رفتہ تمہارے اندر بھی تقویٰ پیدا ہو جائے گا۔ مثل مشہور ہے کہ ''خربوزے کو دیکھ کر خربوزہ رنگ پکڑتا ہے۔'' خربوزہ دوسرے خربوزے سے رنگ پکڑے یا نہ پکڑے،

ایک انسان دوسرے انسان سے ضرور رنگ پکڑتا ہے اور غیر محسوس انداز سے دوسرے انسان کا اثر لیتا ہے۔ انسان جو کچھ سنتا ہے اور جو کچھ دیکھتا ہے، وہ اگرچہ اسے یاد نہ رہے لیکن وہ اس کے تحت الشعور میں محفوظ ہو جاتا ہے۔ اور اس کے اخلاق و کردار پر اثر انداز ہوتا رہتا ہے۔

جو حضرات مسجد نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام حاضر ہوئے ہیں، وہ جانتے ہوں گے کہ یہاں نماز پڑھنے میں اور مسجد نبوی میں نماز پڑھنے کے درمیان کتنا فرق ہے۔ اسی اللہ کی نماز یہاں پڑھتے ہیں، اسی اللہ کی نماز وہاں پڑھ رہے ہیں۔ فرق کیا ہے؟ رسول اللہ ﷺ کے قرب کا فرق ہے وہاں سے ایمان، اخلاص، تقویٰ، احسان اور صدق کی شعاعیں پھوٹتی ہیں اور قلب پر اثر انداز ہوتی ہیں۔ اسی طرح جب سچوں کے ساتھ رہو گے تو ان کے دلوں سے بھی سچائی اور اخلاص کی شعاعیں نکلیں گی جو تم پر اثر انداز ہوں گی۔

تقویٰ کے اثرات:

اور جب تمہارے دل میں تقویٰ پیدا ہو جائے گا تو تم لوگوں پر سختی نہیں کر سکو گے۔ اگر کوئی تم پر سختی کرے گا تو سختی کا جواب سختی سے نہیں دو گے، اگر کرو گے تو اتنی ہی کرو گے، جتنی اس نے کی ہے۔ اس سے زیادہ کی اجازت بھی نہیں۔ قرآن مجید میں ہے:

﴿وَجَزَاءُ سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا﴾ (الشوریٰ: ۴۰)

''اور برائی کا بدلہ تو اسی طرح کی برائی ہے۔''

جس نے تمہارے ساتھ برائی کی، تم بھی اتنی ہی برائی اس کے ساتھ کر سکتے ہو۔

ملا نصیر الدین کا ایک لطیفہ:

ایک لطیفہ یاد آ گیا۔ ملا نصیر الدین کے لطیفے بہت مشہور ہیں۔ بڑے حاضر

جواب تھے۔ ایک مرتبہ گھر میں تیسری منزل پر کھڑے تھے۔ نیچے سے ایک آدمی نے آواز دی۔ وہ شخص بھکاری تھا لیکن اس نے اپنا بھکاری ہونا ظاہر نہیں کیا۔ ملا جی اس کے کہنے پر اتر آئے اور آ کر کہا: کیا بات ہے۔ کہنے لگا: اللہ کے نام کچھ دے دیجئے۔ ملا صاحب نے جواب میں کہا کہ اچھا اوپر آ جاؤ۔ وہ سمجھا کہ شاید اوپر لے کر کچھ دینا چاہتے ہیں۔ ساتھ چل پڑا۔ جب تیسری منزل پر پہنچ گئے تو کہا: ''معاف کر دو۔'' تو جیسی برائی اس نے کی، اتنی ہی ملا صاحب نے کر لی۔ یہاں تک تو اجازت ہے، اس سے زیادہ کی اجازت نہیں۔

اللہ والے کہاں ہیں؟

یہاں ایک سوال آپ کے ذہنوں میں بار بار پیدا ہو رہا ہوگا کہ آج کل اللہ والے کہاں ہیں؟ اس گئی گزری دنیا میں اللہ والے کہاں سے لائیں؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ والے آج بھی موجود ہیں البتہ شاہ عبدالقادر جیلانی جیسے اولیاء اللہ آج نہ پیدا ہوتے ہیں اور نہ ملیں گے۔ آج اولیاء اللہ بھی ایسے ہوں گے کہ '' جیسے روح ویسے فرشتے'' الحمدللہ، آج بھی اولیاء اللہ موجود ہیں اگرچہ کم ہیں۔ ان سے اصلاحی تعلق قائم کیا جا سکتا ہے، ان کی خدمت میں حاضری دی جا سکتی ہے اور ان سے خط و کتابت کے ذریعے رہنمائی حاصل کی جا سکتی ہے۔

اگر اللہ والے نہ ملیں تو..................

اس کے علاوہ یہاں رہتے ہوئے اس کی ایک صورت ہے وہ یہ کہ جو شخص دینی اعتبار سے اپنے سے بہتر ہو، اس کے ساتھ تعلقات قائم کرو۔ اگر خدانخواستہ آپ پانچ وقت کی نماز کے پابند نہیں اور ایک دوسرا شخص پانچ وقت کا پابند ہے تو اس سے تعلقات قائم کیجئے، اس سے آپ بھی نماز کے پابند ہو جائیں گے۔

خلاصہ یہ کہ جو شخص آپ سے دینی اعتبار سے بہتر ہے، اس سے دوستیاں

قائم کیجئے۔ باہر سے اللہ والے آئیں تو ان کی خدمت میں جا کر بیٹھئے، اور ان کی صحبت سے فائدہ اٹھایئے۔ مجھے بار بار محسوس ہوتا تھا کہ جب میں اپنے والد ماجد کے برابر میں نماز پڑھتا تھا تو میری کیفیت کچھ اور ہوتی تھی اور جب الگ پڑھتا تھا تو کچھ اور کیفیت ہوتی تھی۔

بزرگوں کی صحبت میں بیٹھنے کا بھی فائدہ ہوتا ہے خواہ ان سے کوئی سوال نہ پوچھے اور وہ بھی کچھ نہ بتائیں۔ صرف بیٹھنے سے اور ان کو دیکھنے سے بھی فائدہ ہوتا ہے۔

اور اگر بزرگوں کی صحبت میسر نہ ہو تو جو شخص نسبتاً دین کے اعتبار سے بہتر ہو، اس کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا اور میل جول رکھنا بھی مفید ہے۔

والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی ایک اہم نصیحت:

ہمارے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے آخری زمانے میں سارے خاندان کو جمع کر کے کئی وصیتیں فرمائی تھیں۔ ایک وصیت یہ کی تھی کہ جب تم شادی بیاہ کرنے لگو تو جہاں اور چیزیں دیکھتے ہو مثلاً وہ تندرست ہے یا نہیں، تعلیم یافتہ ہے یا نہیں، مال و دولت اس کے پاس اتنا ہے کہ وہ بیوی کا خرچہ آسانی سے اٹھا سکتا ہے یا نہیں۔ جب یہ چیزیں دیکھتے ہو تو ان سب سے پہلے یہ دیکھو کہ اس کے اندر اللہ کا خوف کتنا ہے؟ اس کی زندگی میں دین کتنا ہے؟

رشتے کرتے وقت دینداری کا لحاظ نہ کیا گیا تو ....

اگر آپ کا سارا گھرانہ دیندار ہے لیکن آپ کوئی بہو بے دین لے آئے، جو نماز نہیں پڑھتی، جو شرم و حیا کی پابند نہیں، فلمیں دیکھنے کی شوقین ہے، وہ آپ کے گھر کا سارا ماحول برباد کر ڈالے گی۔ اسی طرح اگر آپ گھر میں ایسا داماد لے آئے جس کو نماز، روزہ اور حلال و حرام کی تمیز نہیں تو اس کے آنے سے آپ کے خاندان

کے اندر زمین و آسمان کا فرق پڑ جائیگا۔

میرے رشتے داروں میں ایسی مثالیں موجود ہیں۔ بعض بڑے دیندار گھرانے تھے اور ان کا حضرت تھانوی رحمہ اللہ کے خاندان سے خاص ربط تھا۔ عورت اور مرد سب کے سب دین کے پکے۔ انہوں نے اپنی شادی ایک امیر خاندان کے لڑکے سے کر دی جسے حلال و حرام کی کوئی تمیز نہیں تھی، نماز، روزہ کی کوئی فکر نہیں تھی۔ اس ایک آدمی نے پورے خاندان کا ستیاناس کر ڈالا۔ آج اس گھر کے اندر پردہ نہیں رہا، ٹی وی، وی سی آر اور نجانے کیا کیا خرافات آ گئی ہیں۔

لہٰذا رشتہ داریاں کرتے وقت یہ دیکھنا بھی ضروری ہے کہ اس کے اندر دین کتنا ہے۔ اگر یہ نہ دیکھا گیا تو اپنے گھر کو گناہوں سے نہیں بچا سکو گے۔

انگلینڈ کے مسلمانوں کا ایک اچھا اقدام:

انگلینڈ کے اندر میں نے ایک بات دیکھی جو پسند آئی۔ آج سے تقریباً پندرہ بیس سال پہلے وہاں اکا دکا مسلمان تھے۔ کوئی ایک محلے، کوئی دوسرے محلے میں، کوئی چوتھے محلے میں حتیٰ کہ دس دس پندرہ پندرہ میل کے فاصلے پر بھی تھے۔ لیکن اب کی بار میں جب وہاں گیا تو وہاں یہ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ مسلمانوں نے پورے محلے کے محلے آباد کر لیے۔ ان محلوں میں ہوتے ہوئے یہ محسوس نہیں ہوتا کہ انگلینڈ میں گھوم رہے ہیں یا پاکستان میں گھوم رہے ہیں۔

انہوں نے یہ کام کیا کہ ایک مسجد بنائی۔ مسجد کے ساتھ مدرسہ بنایا اور وہیں اپنے گھر لے لیے۔ جس سے ان کا پورا اسلامی کلچر محفوظ ہو گیا۔ نتیجہ یہ ہے کہ اب گھر کا کوئی لڑکا یا لڑکی باہر نکلے تو آسانی سے اس پر کوئی ہاتھ نہیں ڈالتا کیونکہ سارا محلّہ مسلمانوں کا ہے۔ اور یہاں آپ کے ہاں گھر سے نکلنے کے بعد لڑکا اور لڑکی آزاد ہیں، کوئی روک ٹوک کرنے والا نہیں۔ وجہ یہ ہے کہ یہاں مسلمانوں کے مکان دور دور ہیں آپ حضرات ابتدائی دور سے گزر رہے ہیں۔ آپ بھی یہ کوشش کریں کہ مسلمانوں

کے گھر آس پاس ہوں، مسلمانوں کے اپنے محلے آباد ہوں۔

ایک ساتھ رہنے کا ایک اہم فائدہ:

ایک ساتھ متحد ہو کر رہنے کا ایک فائدہ یہ بھی ہو گا کہ آپ اپنے ووٹ کی قوت کو اپنے مسلمانوں کے حقوق کے تحفظ اور اسلام کی سربلندی کے لیے استعمال کر سکیں گے۔ آج آپ کا ووٹ بکھرا ہوا ہے۔ جب آپ ایک جگہ اکٹھے ہو جائیں گے تو آپ کا ووٹ طاقتور ہو جائے گا۔ جو انتخاب لڑے گا، وہ آپ کے ووٹوں سے کامیاب ہو گا۔ یہ تو ایک سیاسی فائدہ ہے اور دینی فائدہ یہ حاصل ہو گا کہ اپنے اپنے دینی اقدار کا تحفظ کر سکیں گے۔

اللہ تعالیٰ یہاں کے مسلمانوں کے دین و ایمان کی حفاظت فرمائیں اور دنیا کے مسلمانوں کے دین و ایمان کی حفاظت فرمائیں۔ (آمین)

مغربی دنیا میں رہتے ہوئے دین پر عمل کیسے ہو؟

آخر میں ایک بات عرض کرنا چاہتا ہوں۔ گذشتہ کل ایک صاحب مجھ سے کہنے لگے کہ آپ ہمیں کوئی ایسا نسخہ بتا دیجیے کہ ہمارے لیے دین پر چلنا آسان ہو جائے۔ تو ہمارے پاس اپنا تو کچھ ہے نہیں، جو کچھ ہے ہمارے بزرگوں کا دیا ہوا ہے۔ ہمارے شیخ حضرت ڈاکٹر عبدالحئی صاحب عارفی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک نسخہ ہمیں دیا وہ نسخہ چار اعمال کا مجموعہ ہے، جن میں نہ وقت خرچ ہوتا ہے، نہ محنت خرچ ہوتی ہے اور نہ پیسہ خرچ ہوتا ہے اور عمل اتنے زبردست ہیں کہ شریعت وطریقت کی روح ہیں۔ آدمی اگر ان پر عمل کرتا جائے تو شریعت میں بھی ترقی ہوتی ہے اور طریقت میں بھی ترقی ہوتی ہے، ظاہر میں بھی ترقی ہوتی ہے اور باطن میں بھی ترقی ہوتی ہے، دین میں بھی ترقی ہوتی ہے اور دنیا میں بھی ترقی ہوتی ہے۔ صحت، عزت اور مال ودولت میں برکت ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ کا قرب بھی حاصل ہوتا جاتا ہے۔

آج میں انہی کے متعلق عرض کرنا چاہتا تھا لیکن بات دوسرے موضوع پر چل پڑی۔ خیر، یہ موضوع بھی ضروری تھا کیونکہ لوگ آج کل تصوف سے واقف نہیں، جس کی وجہ سے تصوف کی مخالفت کرنے لگتے ہیں۔ الحمدللہ، اس موضوع پر بقدر ضرورت بات ہوگئی۔ انشاء اللہ ان چار اعمال کے متعلق کل کے بیان میں تفصیلی بات کروں گا۔ آج اجمالی طور پر صرف اتنا سمجھ لیجئے کہ وہ چار اعمال یہ ہیں۔

(۱) شکر (۲) صبر

(۳) استعاذہ (۴) استغفار

ان پر عمل کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ جب بھی طبیعت کے موافق کوئی چیز سامنے آئے، اس پر الحمدللہ کہہ دیں، اور جب طبیعت کے مخالف کوئی بات سامنے آئے تو اناللہ وانا الیہ راجعون کہہ دیں۔ اور مستقبل کے بارے میں جب کوئی خطرہ یا اندیشہ لاحق ہو تو ''اعوذ باللہ'' کہہ دیں اور جب ماضی کا کوئی گناہ یاد آئے یا گناہ کا خیال پیدا ہو تو استغفر اللہ کہہ دیں۔

ان اعمال پر آپ کی کچھ بھی محنت اور وقت خرچ نہیں ہوگا، لیکن ان کی عادت بنانے سے آپ کو ڈھیروں فائدے حاصل ہوں گے، جن کی تفصیل کل کے بیان میں عرض کروں گا، انشاء اللہ۔

آج جو کچھ سنا، سنایا ہے، اللہ تعالیٰ ہمیں اس پر عمل کرنے کی توفیق نصیب فرمائے۔ (آمین)

وآخر دعوانا أن الحمدللّٰه رب العالمين

امریکہ میں مسلمان کس طرح رہیں

موضوع: امریکہ میں مسلمان کس طرح رہیں؟

بیان: محمد رفیع عثمانی

مقام: دارالہدیٰ، اسپرنگ فیلڈ، واشنگٹن۔ امریکہ

تاریخ: ۳۰ ستمبر ۲۰۰۳ء

باہتمام: محمد ناظم اشرف

امریکہ میں مسلمان کس طرح رہیں؟

خطبہ مسنونہ:

الحمد للّٰه، الحمد للّٰه نحمدهٗ و نستعينهٗ و نستغفرهٗ و نؤمِنُ بهٖ ونتوكل عليه ونعوذ باللّٰهِ مِن شرورِ أنفسنا ومِن سيئاتِ أعمالنا مَن يهدِهِ اللّٰه فلا مُضِلَّ لهٗ وَمَنْ يُضلِلهُ فلا هَادِیَ لهٗ ونشهد أن لآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه وحدهٗ لاشريک لهٗ و نشهد أنّ سيدنا و سَنَدنا و نبينا و مولانَا محمداً عبدهٗ ورسولهٗ صلى اللّٰه تعالٰى عليه و علٰى آلهٖ و اصحابه اجمعين و سلّم تسليماً كثيراً كثيراً.

امابعد!

فَأَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ. بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ يٰآ أَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْا اَنْفُسَكُمْ وَ اَهْلِيْكُمْ نَارًا وَّ قُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ عَلَيْهَا مَلآئِكَةٌ غِلَاظٌ شِدَادٌ لَّا يَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَآ اَمَرَهُمْ وَ يَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ ○

حضرت عارفی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک اہم ارشاد:

بزرگانِ محترم، برادرانِ عزیز اور محترم خواتین، میری ماؤں، بہنوں اور بیٹیو!

ہمارے بزرگوں نے ہمیں تعلیم دی ہے کہ فرمائشی تقریریں نہ کی جائیں اور رسمی تقریروں سے بھی اجتناب کیا جائے، میرے مرشد، عارف باللہ حضرت ڈاکٹر محمد عبدالحیٔ صاحب عارفی رحمۃ اللہ علیہ بار بار مجھے یہی تاکید فرماتے تھے کہ فرمائشی تقریریں اور رسمی وعظ نہ کرنا، جہاں درد ہو وہاں دوا رکھنا اور جہاں زخم ہو وہاں مرہم لگانا۔

میرے مرشدؒ کے اس ارشاد نے مجھ پر یہ ذمہ داری عائد کر دی ہے کہ جب کہیں میرا خطاب ہو تو خطاب سے پہلے اپنی بساط کی حد تک یہ سمجھنے کی کوشش کروں کہ اس اجتماع میں کس بات کی زیادہ ضرورت ہے؟

تقریر کا موضوع:

اپنی فکر اور سوچ کی حد تک جو بات آپ حضرات کے سامنے بیان کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی اس کے مطابق میں نے قرآن کریم کی آیت تلاوت کی ہے، یہ سورۂ تحریم کی آیت ہے، اللہ رب العالمین کا ارشاد ہے:

﴿يَآيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَ اَهْلِيْكُمْ نَارًا﴾

''اے ایمان والو! بچاؤ تم اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو آگ سے یعنی جہنم کی آگ سے''

اس آیت میں ایمان والوں سے خطاب ہے، مسلمانوں سے خطاب ہے، مجھ سے اور آپ سے خطاب ہے کہ جہنم کی آگ سے تم اپنے آپ کو بھی بچاؤ اور اپنے گھر والوں کو بھی بچاؤ۔

جہنم کی آگ:

آگے اس آگ کی تفصیل ہے کہ وہ آگ کیسی ہے؟ ظاہر ہے دنیا کی آگ

جیسی تو ہے نہیں بلکہ وہ بہت ہی خوفناک آگ ہے جس کی کچھ تفصیل یہ ارشاد فرمائی کہ:

﴿وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ﴾

اس آگ کا ایندھن پٹرول، لکڑی اور کوئلہ وغیرہ نہیں بلکہ

''اس کا ایندھن انسان اور پتھر ہیں۔''

جہنم کی آگ ایسی خطرناک ہے کہ دنیا میں اس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا، اللہ تعالیٰ ہم سب کو جہنم کی آگ سے پناہ میں رکھے۔

جہنم کی آگ پر مقرر فرشتے:

آگے اس پر مقرر پہریداروں کا بیان ہے۔

﴿عَلَيْهَا مَلٰٓئِكَةٌ غِلَاظٌ شِدَادٌ﴾

''کہ اس آگ پر ایسے فرشتے مقرر ہیں جو سخت ہیں اور سخت مزاج ہیں کہ مجرموں پر ان کو رحم نہیں آتا۔''

﴿لَا يَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَآ اَمَرَهُمْ﴾

''وہ اللہ کے حکم کی خلاف ورزی اور نافرمانی نہیں کرتے۔''

یعنی یہ نہیں ہوسکتا کہ آپ ان کی خوشامد کر کے، ان تک سفارش پہنچا کر یا ان کو کوئی رشوت وغیرہ دے کر ان سے چھوٹ جائیں۔

﴿وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ﴾

''جس کام کا انہیں حکم دیا جاتا ہے اس کو کر کے چھوڑتے ہیں۔''

یعنی انسانوں کو جہنم میں ڈالنے کا یا جہنم میں پڑے رہنے دینے کا ان کو جو بھی حکم دیا جاتا ہے وہ اس کے خلاف نہیں کرتے، اگر اللہ تعالیٰ نے کسی انسان کے لیے جہنم کا فیصلہ کر لیا ہے تو وہ ان سے چھوٹ نہیں سکتا۔

دنیا میں بے مثال زندگی گزارنے والا آدمی:

ایک روایت میں آتا ہے کہ میدانِ حساب میں اعلان ہوگا کہ جس شخص نے دنیا میں سب سے زیادہ راحت و آرام اور سب سے زیادہ خوشیوں کی زندگی گزاری ہو اس کو پیش کیا جائے چنانچہ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر قیامت تک کے انسانوں میں سے جس شخص نے سب سے زیادہ آرام و راحت اور خوشیوں کی زندگی گزاری ہوگی اس کو پیش کیا جائے گا، اندازہ کیجیے کہ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر قیامت تک کے انسان کھربوں کی تعداد میں ہیں تو اس شخص نے کتنے آرام و راحت کی زندگی گزاری ہوگی، پھر فرشتوں کو حکم ہوگا کہ جاؤ اس کو جہنم کی فضا میں ایک ڈوبا دے کر لاؤ، وہاں چھوڑو نہیں، اس میں ڈالو بھی نہیں، صرف جھنم میں ایک ڈوبا دے کر اسی سیکنڈ میں نکال لاؤ، چنانچہ ملائکہ ایسے ہی کریں گے پھر اللہ تعالی اس شخص سے پوچھیں گے تم نے دنیا میں کیسی زندگی گزاری تھی؟ وہ کہے گا کہ یا اللہ دنیا کی زندگی تو مجھے کچھ بھی یاد نہیں رہی میں تو ایک ایسی خوفناک فضا سے ہو کر آرہا ہوں کہ اس کے بعد اب مجھے کوئی خوشی یاد نہیں، اس فضا سے ایسا زہر میرے رگ و پے میں سما گیا ہے کہ اب میں کسی خوشی کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔

ہمارا فریضہ:

یہاں دیکھنے کی بات یہ ہے کہ اس آیت میں خطاب مجھ سے اور آپ سے یعنی سب مسلمانوں سے ہے کہ اے ایمان والو! جہنم کی آگ سے اپنے آپ کو بچاؤ اور اپنے گھر والوں کو بچاؤ، یہ حکم تو ہر جگہ آیا ہے کہ اپنے آپ کو جہنم کی آگ سے بچاؤ، لیکن یہاں فرمایا گیا کہ اپنے آپ کو بچانا بھی تمہاری ذمہ داری ہے اور اپنے بال بچوں کو بچانا بھی تمہاری ذمہ داری ہے یہ بھی تمہارا ایک فریضہ ہے، خود اگر تم نے اپنا ایمان برقرار رکھا، نمازوں کی پابندی بھی کر لی، روزے بھی رکھ لیے، حج اگر فرض تھا تو

وہ بھی ادا کر لیا، زکوٰۃ اگر فرض ہوئی تو وہ بھی ادا کر دی اور جو واجبات ہیں سب ادا کرتے رہے، گناہوں سے بھی بچتے رہے لیکن اگر اپنے بیوی بچوں کے ایمان اور دین کی حفاظت کی تم نے کوئی کوشش نہیں کی یا جتنی کوشش کر سکتے تھے اتنی کوشش نہیں کی، ان کے دین و ایمان کو بچانے کے لیے اپنی قدرت کو استعمال نہیں کیا یا جتنا استعمال کر سکتے تھے اتنا استعمال نہیں کیا تو تمہارا فریضہ ادا نہیں ہوگا۔

جس طرح دنیا میں ہماری یہ ذمہ داری ہے کہ اگر ہمارا بچہ چولہے کی طرف جا رہا ہو تو اس کو چولہے کی طرف جانے سے روکیں، کوئی مضرصحت چیز کھانا چاہ رہا ہو تو اس کو وہ کھانے نہ دیں، جو کچھ اس کی جان کی حفاظت ہم کر سکتے ہیں ہمیں کرنی ہے اسی طرح جو لوگ گھر میں ہمارے زیر کفالت یا زیر سرپرستی ہیں ان کو جہنم کی آگ سے بچانے کی اتنی تدبیریں اختیار کرنا جو ہمارے لیے ممکن ہیں ہماری ذمہ داری اور ہمارا فریضہ ہے، یہ قرآن کریم کا ایک بہت اہم حکم ہے۔

مغربی دنیا کی صورتحال:

خاص طور سے ہمارے وہ بہن بھائی جو اس مغربی دنیا میں آ کر آباد ہوئے ہیں خواہ یورپ میں ہوں یا امریکہ میں یا کسی اور غیر مسلم ملک میں جہاں مسلمان اقلیت میں ہیں، ان کے لیے یہ بہت بڑا مسئلہ ہے جس کی طرف قرآنِ کریم نے توجہ دلائی ہے۔

مغرب کی صورتحال یہ ہے کہ یہاں تیس سال پہلے حالات کچھ اور تھے اب الحمدللہ حالات میں بڑی تیزی سے تبدیلی آئی ہے، پہلے یہاں (مغربی ممالک میں) جو مسلمان لڑکے تعلیم حاصل کرنے کے لیے یا افسران ٹریننگ حاصل کرنے کے لیے آتے تھے تو وہ اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرتے ہوئے بھی شرماتے تھے چنانچہ وہ یہیں کے لوگوں کے رنگ میں رنگ جاتے تھے، لیکن اب وہ فضا نہیں ہے، مسلمان یہاں دوسری قوموں سے اپنے آپ کو منوا رہے ہیں، اپنا تشخص تسلیم کروا رہے ہیں، الحمدللہ!

آج تاجر بھی اپنے ہاں یہ بورڈ لگانے پر مجبور ہو گئے ہیں کہ ہمارے ہاں کھانا حلال ہے، گوشت حلال ہے اور اسلامی طریقے کے مطابق ذبح کیا ہوا ہے، بڑی بڑی کمپنیاں اپنی پیداوار کے پیکٹوں پر یہ لکھنے پر مجبور ہوگئی ہیں کہ اس کے اندر حیوانی اجزاءنہیں ہیں وغیرہ وغیرہ۔

الحمدللہ! یہ بڑی خوش آئند بات ہے کہ مسلمانوں نے اپنا وجود تسلیم کروالیا ہے، مسلمان مسجدیں بھی بنوا رہے ہیں، مدرسے بھی بنا رہے ہیں، قرآنی مکاتب بھی کھول رہے ہیں، انگلینڈ کے مسلمانوں نے تو بہت کام کیا ہے یہاں ابھی بہت کچھ کرنا باقی ہے، یہاں حالات امید افزا تو ضرور ہیں مگر خطرناک بھی ہیں۔

مغرب میں ہماری نئی نسل کے مسائل:

مغرب میں ہماری جو نسلیں پل کر جوان ہو رہی ہیں وہ ایک بہت بڑا مسئلہ لے کر جوان ہو رہی ہیں جو یہاں کے حضرات کے لیے بہت بڑا چیلنج ہے، قرآن کریم کی اس آیت نے اس چیلنج کی طرف توجہ دلائی ہے، کھلی ہوئی بات ہے کہ یہ کفرستان ہے یہاں فسق و فجور کا دور دورہ ہے، یہاں نظروں کو، کانوں کو، ہاتھوں کو، پاؤں کو اور دل و دماغ کو گناہوں سے بچانا آسان نہیں، حتیٰ کہ یہاں ایمان کو بچانا بھی آسان نہیں، یہاں آپ بہت مشکل دور سے گزر رہے ہیں اور یہاں آ کر آپ حضرات نے اپنی بیوی بچوں کو بہت خطرے میں ڈال دیا ہے۔

ہمارے بہت سے قریبی رشتہ دار بھی یہاں آئے ہیں، ہمارے بہت خاص دوست بھی یہاں آئے ہیں جب وہ یہاں آئے تو ان کے سامنے بہت دور تک کا کوئی مسئلہ نہیں تھا بلکہ معمولی مسئلہ تھا کہ کوئی اچھی جاب مل جائے، رہنے کی کوئی معقول جگہ ہو جائے، اس کے بعد پھر شادی کرنی ہے اور پھر بچے ہو جائیں گے، یہاں تک تو کوئی بڑا مسئلہ نہیں تھا لیکن جب بچے بڑے ہونے شروع ہوئے تو مسائل سامنے آنے لگ گئے، ان کے رشتوں اور شادیوں کے مسائل بھی ہیں اور مستقبل میں ان

کے دین و ایمان کی حفاظت کے مسائل بھی ہیں۔

جہاں دین پر عمل ممکن نہ ہو وہاں رہنا جائز نہیں:

یہاں رہ کر اگر ہم اپنے دین کی حفاظت نہیں کر سکتے، اپنے ایمان کی حفاظت نہیں کر سکتے، فرض کر لیجئے اگر یہاں رہ کر دین پر عمل کرنا ہمارے لیے ممکن نہیں ہے تو پھر شریعت ہمیں ایسی جگہ رہنے کی اجازت نہیں دیتی، بلکہ ایسی صورت میں شریعت کا حکم یہ ہے کہ اللہ کی زمین بہت وسیع ہے کسی ایسی زمین اور ملک کی طرف ہجرت کر جاؤ جہاں تم اسلام پر عمل کر سکو، دین پر عمل کر سکو۔

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نمونہ:

تاجدارِ دو عالم، سرورِ کونین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نمونہ ہمارے سامنے ہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے روپیہ پیسہ کمانے کے لیے مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت نہیں کی تھی، روپیہ، پیسہ تو کیا؟ مکہ معظّمہ میں رہتے ہوئے تو آپ کو حکومت کی پیشکش ہو رہی تھی کہ ہم آپ کو پورے عرب کا بادشاہ تسلیم کرنے کے لیے تیار ہیں بشرطیکہ آپ ہمارے بتوں کو برا کہنا چھوڑ دیں، آپ نے اس پیشکش کو تسلیم نہیں کیا اور اس کے بدلے اپنے آبائی وطن کو چھوڑنا گوارا کر لیا، آبائی وطن بھی کون سا؟ جہاں بیت اللہ شریف تھا یعنی مکہ مکرمہ۔

چنانچہ مکہ مکرمہ میں دین پر عمل ممکن نہ ہونے کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اور صحابہ کرامؓ پر فرض ہو گیا کہ مکہ مکرمہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ آ جائیں بلکہ تمام اہل مکہ پر فرض عین کر دیا گیا کہ سب کے سب ہجرت کر کے مدینہ طیبہ پہنچ جائیں کیونکہ اب مکہ مکرمہ میں رہتے ہوئے دین پر عمل کرنا ممکن نہیں رہا۔

اسی طرح اگر ہم یہاں رہتے ہوئے دین پر عمل نہیں کر سکتے تو ہمارے لیے یہاں رہنا جائز نہیں بلکہ ہمیں یہاں سے جانا پڑے گا، اور اگر ہم خود تو دین پر عمل کر

سکتے ہیں لیکن اپنے بیوی بچوں کا ایمان نہیں بچا سکتے، ان کا دین نہیں بچا سکتے تب بھی ہم پر لازم اور فرض ہے کہ ان بچوں کا مستقبل بچالیں، ان کا ایمان بچالیں اور ان کو لے کر واپس چلے جائیں جہاں یہ اپنے ایمان اور دین کی حفاظت کرسکیں، میں جذبات میں یہ بات نہیں کہہ رہا ہوں بلکہ بہت سوچ سمجھ کر عرض کر رہا ہوں اور شریعت کا مسئلہ عرض کر رہا ہوں، فقہاء کرام نے قرآن کریم کی آیات کی روشنی میں اس مسئلہ کی وضاحت کر رکھی ہے۔

عیسائیوں کا نقشہ:

الحمدللہ! آپ حضرات نے اپنی خون پسینے کی کمائی سے یہ مسجدیں بنائی ہیں، مدرسے بھی بنا رہے ہیں لیکن اپنی نسلوں کے اندر اگر ایمان چھوڑ کر نہ جا سکے، اپنی نسلوں کے ایمان کی حفاظت نہ کر سکے تو کہیں ایسا نہ ہو کہ جو کام عیسائیوں کی موجودہ نسلوں نے کیا اور کر رہی ہیں وہی کام خدانخواستہ ہماری تیسری چوتھی نسل کرنے لگے کہ آپ کی اور ہماری بنائی ہوئی مسجدوں کو فروخت کر کے کھا جائے، عیسائیوں کا نقشہ آپ حضرات کے سامنے ہے کہ ان کی موجودہ نسلیں اپنے چرچ فروخت کر رہی ہیں اور مسلمان وہ چرچ خرید کر ان کو مساجد و مدارس میں تبدیل کر رہے ہیں، یہ آپ کے امریکہ میں بھی ہو رہا ہے اور یورپ میں بھی ہو رہا ہے، اگر ہم نے بھی اپنی نسلوں کے ایمان اور دین کی حفاظت نہ کی تو یقین کیجیے کہ یہ کام ہوگا، ہماری نسلیں یہ مسجدیں بیچ ڈالیں گی۔

اس واسطے یہ معمولی مسئلہ نہیں ہے بلکہ بہت سوچنے اور بڑی ذمہ داری کا کام ہے اگر آپ اپنی نسلوں کے ایمان کی حفاظت کی کوشش کر رہے ہیں تو اللہ تعالیٰ یہاں آپ کے قیام کو مبارک کرے، دین اور دنیا کی ترقیوں سے آپ کو اور آپ کی نسلوں کو خوب خوب نوازے اور اگر آپ کو یقین یا ظن غالب ہے کہ آپ یہاں اپنی نسلوں کے دین اور ایمان کی حفاظت نہیں کرسکیں گے تو آپ کے لیے یہاں رہنا جائز

نہیں، اگر یہاں ان نسلوں کو ایسے ہی چھوڑ کر اس دنیا سے چلے گئے تو اللہ کے ہاں آپ سے سوال ہو گا کہ بیوی بچوں کے دین و ایمان کو کس کے سپرد کر کے آئے ہو؟ میں بہت ہی خیر خواہی سے ڈرے ہوئے دل کے ساتھ عرض کر رہا ہوں کہ یہ بہت بڑا مسئلہ ہے اس پر غور فرمائیں۔

امریکہ کے مسلمانوں کی ضرورت:

میں یہاں (امریکہ) کے حالات کا جتنا جائزہ لیتا ہوں اور پچھلے سات آٹھ سال سے تقریباً ہر سال یہاں مختلف علاقوں اور شہروں میں آنا ہو رہا ہے، میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ یہاں لمبی چوڑی تقریروں کی ضرورت کم ہے، یہاں اصل میں سوالات کی کثرت ہے سوالات کے جوابات دینے والے علماء نہیں ہیں، اس وجہ سے میں آج کی اپنی تقریر لمبی کرنا نہیں چاہتا بلکہ ایک اہم بات کی طرف توجہ دلا کر اس کا جو کچھ حل اپنے دوست احباب سے مشورہ کرنے کے بعد میں نے سوچا اور مناسب سمجھا ہے وہ آپ کے سامنے عرض کروں گا کہ اس اہم مسئلے کا حل کیا ہے۔ اس کے بعد انشاء اللہ سوالات و جوابات کا سلسلہ ہم دیر تک جاری رکھیں گے۔

مسئلہ کا حل:

اتنی بات عرض کر دوں کہ اس مسئلے کا حل آسان نہیں ہے، مشکل ہے مگر حل موجود ہے، مشکلات سے گزرے بغیر بڑے بڑے کارنامے انجام نہیں دیئے جا سکتے، موجودہ جو قومیں دنیا کی ترقی کی معراج پر پہنچی ہیں وہ بھی آسانی سے نہیں پہنچیں بلکہ انہوں نے بڑے مجاہدے اور ریاضتیں کی ہیں، قربانیاں دی ہیں، کئی نسلوں نے اپنی اپنی محنتیں لگائی ہیں تب کہیں جا کر ان کو دنیا کی ترقی نصیب ہوئی ہے، تو دین کے معاملے میں بھی کچھ مشکلات سے گزرے بغیر چارۂ کار اور نجات نہیں ہے، میں انشاء اللہ اس مسئلے کے حل پر مشتمل چند باتیں عرض کروں گا اور پھر سوال و جواب کا سلسلہ ہو گا۔

دین و ایمان کی حفاظت کے سات نکات

یہاں (غیر مسلم ممالک میں) دین اور ایمان کی حفاظت کیسے کی جائے؟ اس سلسلے میں، میں نے سات نکات کافی غور و فکر اور یہاں کے تجربہ کار حضرات سے تبادلہ خیال کے بعد متعین کیے ہیں۔ اور وہ میں تقریباً اپنے ہر سفر امریکہ میں اپنے بہن بھائیوں اور احباب سے عرض کرتا ہوں، آپ کی خدمت میں بھی اس امید سے عرض کر رہا ہوں کہ اس کو اپنے ایک مخلص بھائی کا مشورہ سمجھ کر توجہ سے اس پر غور فرمائیں گے۔

(۱) نئی نسل کی تعلیم کا مسئلہ

پہلا مسئلہ یہاں آپ کی اور ہماری نسلوں کی تعلیم کا مسئلہ ہے، اپنے بچوں اور بچیوں کو ہمیں جاہل نہیں چھوڑنا، ناگزیر ہے کہ ہم ان کو تعلیم دلوائیں علم کی جو فضیلت اور اہمیت اسلام میں آئی ہے وہ آپ کو اجمالی طور پر معلوم ہی ہے، رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

﴿طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيْضَةٌ عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ﴾

''ہر مسلمان پر علم حاصل کرنے کیلئے کوشش کرنا فرض ہے۔''

ہر مسلمان یعنی مرد و عورت سب پر ایک حد تک علم حاصل کرنا فرض ہے، بچوں کو جاہل چھوڑنا نہ کوئی نیکی کا کام ہے اور نہ ہی اس میں اولاد کے ساتھ خیر خواہی ہے، تعلیم تو دینی ہے لیکن سرکاری سکولوں اور سیکولر سکولوں میں ہماری بچیاں اور بچے جائیں گے اور جا رہے ہیں، ان کے دین اور ایمان کا وہاں کیا حشر ہو رہا ہے آپ حضرات مجھ سے زیادہ جانتے ہیں، واقعات آپ کے علم میں ہوں گے کہ ہماری بعض بیٹیوں نے سکھ سے شادی کر لی، عیسائیوں سے شادی کر لی، یہودیوں سے شادی کر

لی، ہندوؤں سے شادی کر لی اور کہیں یہ بھی ہے کہ شادی کے بغیر ہی میاں بیوی کی طرح رہ رہے ہیں، یہ سب کچھ ہو رہا ہے جس میں بنیادی کردار یہ سکول ادا کر رہے ہیں بیشتر دوستیاں سکولوں میں ہوتی ہیں، یونیورسٹیوں اور کالجوں میں ہوتی ہیں، وہیں سے ''لومیرج'' ہوتی ہے اور زیادہ تر وہیں سے سارے قصے نکلتے ہیں۔

مسلم سکولوں کا قیام:

مسئلہ ہے مشکل کہ بچوں کو تعلیم سے محروم بھی نہیں رکھا جا سکتا اور تعلیمی اداروں میں بھیجیں تو ان کے دین و ایمان کا یہ حشر ہوتا ہے جو ہو رہا ہے، اس واسطے میں اپنے بہن بھائیوں سے عرض کرتا ہوں، انگلینڈ میں بھی عرض کرتا رہا ہوں کہ سوائے اس کے کوئی چارۂ کار نہیں ہے کہ مسلم سکول قائم کئے جائیں، جہاں جہاں مسلمان آباد ہیں ہر ہر بستی میں مسلم سکول قائم کئے جائیں اور وہ سکول بھی مسلّم معیار کے ہوں، سرکاری سطح پر جو معیار مقرر ہے یا دوسری قوموں کے جو سکول قائم ہیں اسی معیار کے مسلّم سکول ہونے چاہیں۔

میری معلومات کی حد تک یہ بات سامنے آئی ہے کہ یہودی اپنے سکول الگ قائم کرتے ہیں اور بہت شاندار سکول قائم کرتے ہیں، اگر یہودی اپنے دین کی حفاظت کے لئے، اپنے مذہب کی حفاظت کیلئے، اپنی نسلوں کا مذہب بچانے کے لئے اپنے سکول الگ قائم کر سکتے ہیں تو کیا حضور ﷺ کی یہ امت نہیں کر سکتی؟ بلاشبہ کر سکتی ہے، الحمد للہ! یہاں کا مسلمان روپے پیسے کے اعتبار سے اتنا گیا گذرا بھی نہیں کہ اس کے لئے خرچ نہ کر سکے، بات صرف ہمت اور عزم کی ہے، جس دن آپ یہ عزم اور ارادہ کر لیں گے کہ ہمیں مسلم سکول قائم کرنا ہے اس دن راستے کی ساری مشکلات ہٹ جائیں گی اور جب تک ارادہ نہیں ہوگا تو راستے میں مشکلات ہی مشکلات نظر آئیں گی۔

لوگ اس معاملے میں طرح طرح کی مشکلات ذکر کیا کرتے ہیں، سب سے بڑا مسئلہ فنڈ کا ہوتا ہے کہ اگر ہم فیس زیادہ رکھتے ہیں تو لوگ فیس دینے کے لئے تیار نہیں ہوتے اور اگر فیس کم رکھتے ہیں تو خرچہ پورا نہیں ہوتا، میں یہ کہا کرتا ہوں کہ جس دن آپ یہ عزم کرلیں گے کہ ہمیں یہ کام کرنا ہے تو سب مسائل حل ہو جائیں گے، جب آپ کے اوپر کوئی بڑا خرچہ آتا ہے تو کہیں نہ کہیں سے آپ اس کا انتظام کرتے ہیں یا نہیں کرتے؟ خدانخواستہ اگر کوئی ایکسیڈنٹ ہو گیا ہو اور علاج کرنا پڑ جائے، مریض کو ہسپتال بھیج دیا جائے اور وہاں آپریشن کرانا پڑ گیا تو ہزاروں لاکھوں ڈالر وہاں خرچ کرتے ہیں یا نہیں کرتے؟ جب جان بچانے کے لئے ہزاروں لاکھوں ڈالر ہمیں خرچ کرنے پڑ جائیں تو ہم خرچ کرتے ہیں تو دین اور ایمان بچانے کے لئے کیوں نہ خرچ کریں، ساری بات عزم اور ارادے کی ہے جس دن آپ عزم اور ارادہ کرلیں گے انشاء اللہ اسی دن مسلم سکول کے لئے فنڈ کا مسئلہ حل ہو جائے گا۔

الحمدللہ! میری معلومات کی حد تک یہاں اسپرنگ فیلڈ میں بھی ایک مسلم سکول قائم ہے، اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے محترم جناب عبدالحمید صاحب کو کہ وہ اور ان کے رفقاء یہ سکول چلا رہے ہیں، ضرورت اس بات کی ہے کہ ان سکولوں کا تعلیمی اور تربیتی معیار اور بڑھایا جائے تاکہ ہمارے جو بچے ان سکولوں میں تعلیم حاصل کریں وہ احساس کمتری کا شکار نہ ہوں نیز دوسرے سکولوں کے مقابلے میں ان کا ظاہری معیار بھی اچھا ہو کہ کھیل کود کا مناسب انتظام ہو، باغیچہ ہو اور بچوں کے کھیلنے کے لیے جھولے وغیرہ ہوں، دوسری قوموں کے سکولوں اور سرکاری سکولوں میں بچوں کے لیے جو سہولتیں فراہم کی جاتی ہیں وہ سہولتیں ہمارے ان سکولوں میں فراہم کی جائیں، بلاشبہ اس میں خرچہ بہت ہے، مسائل اور مشکلات بھی ہیں لیکن کوشش کرنے سے سب کچھ آسان ہو سکتا ہے۔

دینی مدرسہ اور دارالعلوم کا قیام:

جہاں تک بڑے دینی مدرسے کا معاملہ ہے کہ کوئی دارالعلوم قائم ہو، جس میں دین کی اعلیٰ تعلیم دی جائے، عقائد، تفسیر، حدیث، اصولِ حدیث، فقہ، اصول فقہ اور عربی زبان وغیرہ اسلامی علوم وفنون پڑھائے جائیں جیسا کہ دارالعلوم دیوبند، دارالعلوم کراچی اور پاکستان و ہندوستان کے دوسرے دینی مدارس اور دارالعلوم میں پڑھائے جاتے ہیں، یہ بھی بہت بڑا اور عظیم الشان کام ہے، دینی تعلیم یعنی علماء تیار کرنے کا کوئی ادارہ یہاں قائم ہو اس کی بھی ضرورت ہے، لیکن فرض کر لیجئے پورے امریکہ میں اگر ایک ادارہ بھی معیاری قائم ہو جائے، اچھے اور ماہر علماء وہاں لائے جائیں، علماء اسلام میں سے بہترین مغز کو یہاں لایا جائے اور چیدہ چیدہ شخصیات کو یہاں لا کر ایک بھی ایسا ادارہ قائم کر لیا جائے تو پورے امریکہ کی کم ازکم فوری ضرورت پوری ہو جائے گی اور اگر ایک سے زائد ادارے قائم ہو جائیں تو نور علی نور ہے۔

البتہ مسلم سکول کا قیام ہماری ہر بستی کی ضرورت ہے جہاں جہاں مسلمان آباد ہیں وہاں کے بچوں کو ہمیں تعلیم تو دلوانی ہی ہے، مگر اپنے بچوں کو دوسروں کے سکولوں میں بھیج کر اپنے دین کو خطرے میں نہیں ڈال سکتے، اس واسطے آپ سے میری درخواست ہے کہ اس کا حل نکالیں، اس میں جو مشکلات ہیں وہ آپ کو سوچنی بھی ہیں اور ان کا حل بھی نکالنا ہے، یہاں کے حالات کا علم وفہم مجھ سے زیادہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو دیا ہے، جب کوشش کریں گے تو اس کا حل بھی نکلے گا، کیونکہ قرآن کریم کا وعدہ ہے:

﴿وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا﴾

(سورۃ العنکبوت، آخری آیت)

''جو لوگ ہمارے راستے میں مجاہدہ کرتے ہیں (محنت و مشقت

اٹھاتے ہیں تو) ہم ان کیلئے ضرور راستے کھول دیتے ہیں"

محنت اور کوشش شرط ہے، اخلاص کے ساتھ اللہ کی رضا کے لئے، اپنے بچوں کو جہنم کی آگ سے بچانے کی کوشش کیجئے۔

عزم و ہمت کی مثال:

میرے والد ماجد مفتی اعظم پاکستان، حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ ایک مثال میں فرمایا کرتے تھے کہ کوئی آدمی ہائی وے پر جا رہا ہو اور دونوں طرف اونچے اونچے گھنے درخت ہوں تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آگے جا کر درختوں کی دونوں قطاریں آپس میں مل گئی ہیں اور سڑک بند ہوگئی ہے، اگر کوئی بے وقوف اور کم ہمت آدمی یہ دیکھ کر بیٹھ جائے کہ آگے تو راستہ بند ہے اس لئے آگے جانے سے کوئی فائدہ نہیں تو وہ کبھی بھی منزلِ مقصود پر نہیں پہنچے گا، لیکن جو شخص چلنا شروع کر دے گا تو وہ یہ دیکھے گا کہ وہ جتنا چلتا چلا جائے گا راستہ کھلتا چلا جائے گا کیونکہ قرآن کریم کا وعدہ ہے:

﴿وَالَّذِیْنَ جَاهَدُوْا فِیْنَا لَنَهْدِیَنَّهُمْ سُبُلَنَا﴾

(سورۃ العنکبوت: آخری آیت)

"جو لوگ ہمارے راستے میں مجاہدہ کرتے ہیں ہم ان کے لئے ضرور راستے کھول دیتے ہیں۔"

(۲) مسلم محلوں کا قیام

دوسری بات بھی اسی سے قریب قریب ہے وہ یہ کہ انگلینڈ میں مسلمانوں نے اپنے محلے کے محلے الگ قائم کر لیے ہیں بلکہ بعض شہر بھی ایسے ہیں کہ ان کو دیکھ کر ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے ہم پاکستان کے کسی شہر میں پھر رہے ہیں کہ محلے کے محلے

مسلمانوں کے ہیں جن میں سارے گھر مسلمانوں کے ہیں، اس کا ایک بڑا فائدہ یہ ہو گیا ہے کہ ان کے لیے اپنے کلچر کی حفاظت آسان ہوگئی ہے، ان کے بچے باہر نکلیں تو ان کو خطرہ نہیں ہوتا کہ وہ کسی غلط ماحول میں چلے جائیں گے، مسجد بھی محلے ہی میں بنی ہوئی ہے اور عورتوں کا آپس میں آنا جانا بھی بہت ہے اس طریقے سے ان کا دین بھی بچا ہوا ہے اور سہولتیں بھی میسر ہوگئی ہیں، ایک دوسرے کی شادی غمی میں اور دکھ درد میں شریک ہونا آسان ہو گیا ہے جو ان کے لیے تقویت کا باعث ہے، اس طرح اُن میں پردیسی پن اور اجنبیت کا احساس بھی تقریباً ختم ہو گیا ہے۔ یہاں امریکہ میں ابھی تک یہ صورتحال نہیں بنی، مسلم محلے ابھی قابل ذکر حد تک تو نہیں بنے البتہ کہیں کہیں بن گئے ہیں۔

مسلم محلوں کے قیام کا طریقہ:

اس کا ایک راستہ یہ ہے کہ جہاں مسجد ہے اس کے قریب مکانات لینے کی کوشش کی جائے، اس طرح خود بخود مسلمانوں کا محلّہ بن جائے گا، مسلمانوں کا محلّہ بن جائے گا تو اس ماحول میں رہتے ہوئے سکول قائم کرنا بھی آسان ہو جائے گا، ورنہ اگر لوگ بکھرے ہوئے ہوں گے کہ ایک گھر دس میل کے فاصلے پر ہے دوسرا بیس میل کے فاصلے پر تو وہاں بچوں کو کسی ایک سکول میں لانا آسان نہیں ہوگا، لیکن جب پورا محلّہ مسلمانوں کا ہوگا اور ان کی ایک کمیونٹی ہوگی، گھر بھی پاس پاس ہوں گے، محلے میں مسجد بھی ہوگی تو پھر انشاء اللہ مسلم سکول کا قیام بھی آسان ہوگا۔

تو دوسری بات یہ ہے کہ مسلم محلے بنانے کی کوشش کی جائے، اور ظاہر ہے کہ یہ ایک دو دن کا کام نہیں لیکن اگر یہ ضرورت ذہنوں میں رہے گی اور اسی کی بنیاد پر آپ اپنی زندگی کی منصوبہ بندی کریں گے تو رفتہ رفتہ انشاء اللہ یہ مقصد بھی حاصل ہو جائے گا۔

(۳) اللہ والوں سے تعلق قائم کیجئے

تیسری بات بھی دین و ایمان کو بچانے کے لیے بہت اہم ہے، سورۂ توبہ میں قرآن کریم کا ارشاد ہے کہ:

﴿یٰۤاَیُّهَاالَّذِیۡنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ﴾

''اے ایمان والو! ڈرو اللہ سے''

یعنی گناہوں سے بچو، آگے گناہوں سے بچنے کا طریقہ بتلا دیا کہ:

﴿وَكُوۡنُوۡا مَعَ الصّٰدِقِیۡنَ﴾

''رہو سچوں کے ساتھ''

یعنی ان لوگوں کے ساتھ رہو جو دل کے بھی سچے ہیں، زبان کے بھی سچے ہیں، عمل کے بھی سچے ہیں، جس کا حاصل یہ ہے کہ وہ خود نیک ہوں، دیندار ہوں، جب دینداروں کے ساتھ رہو گے تو تمہارا ماحول دینداری کا ہوگا، پھر وہاں گناہ کرنا مشکل ہو جائے گا، نیکیاں کرنا آسان ہو جائے گا۔

قرآن کریم کا ارشاد یہ ہے کہ نیک لوگوں کے ساتھ رہو، پھر نیک لوگوں کے درجات مختلف ہیں، بعض اونچے درکے کے اولیاء اللہ ہوتے ہیں، اللہ تعالیٰ کسی ایسے بندے سے آپ کا تعلق جوڑ دے تو ان کو اپنا رہبر و رہنما بنا کر ان کے ساتھ رہیں اور قدم قدم پر ان سے مشورے کرتے رہیں، انشاء اللہ بیڑا پار ہو جائے گا، اگر آپ کی بستی اور شہر میں کوئی ایسا رہبر نہیں ہے تو دنیا کے دوسرے علاقوں میں تو موجود ہیں، ان سے اپنا رابطہ رکھیں، اب تو رابطے آسان ہو گئے ہیں، ٹیلیفون پر، فیکس کے ذریعے اور ای میل کے ذریعے رابطے ہو سکتے ہیں، جب اللہ والوں سے آپ کا تعلق ہوگا تو دین پر عمل کرنا آسان ہو گا، دین کے خلاف عمل کرنا مشکل ہو گا، اگر آدمی کسی سفر میں ہو اور سفر میں سارے ساتھی نمازی ہوں تو نماز پڑھنا آسان اور اسے چھوڑنا مشکل ہو جاتا ہے، نماز پڑھنی پڑے گی اگر پڑھنا نہ چاہے تب بھی شرما شرمی میں

پڑھنی پڑے گی۔

قرآنِ کریم کا حکیمانہ محبت بھرا اسلوب:

قرآنِ کریم کا ایک عجیب مربیانہ اور مشفقانہ اسلوب ہے کہ جب وہ کوئی ایسا حکم دیتا ہے جس میں بندوں کے لئے کچھ مشکل ہو تو اس کے ساتھ آگے یا پیچھے ایک اور حکم ایسا دے دیتا ہے جس سے اس مشکل کو آسان کرنے کا راستہ نکل آتا ہے، اسی اسلوب کے مطابق یہاں بھی قرآنِ کریم نے بڑی حکیمانہ بات کہی ہے، حکم دیا:

﴿یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا اتَّقُو اللّٰہ﴾

''اے ایمان والو! ڈرو اللہ سے''

یعنی گناہوں سے بچو، آگے ایک اور حکم دے دیا کہ یہ کام بھی کرو، یہ بھی فرض ہے، مقصد یہ ہے کہ اس فرض کو ادا کرو گے تو پہلا فرض آسان ہو جائے گا، وہ یہ کہ:

﴿کُوْنُوْا مَعَ الصَّادِقِیْنَ﴾

''اللہ والوں کے ساتھ رہو، نیک لوگوں کے ساتھ رہو''

جب نیک لوگوں کے ساتھ رہو گے تو تقویٰ آسان ہو جائے گا، گناہوں سے بچنا آسان ہو جائے گا۔

اس آیت کی روشنی میں میری آپ سے یہ درخواست ہے کہ اپنا تعلق اللہ والوں سے جوڑیں، ان سے جس حد تک اپنے تعلقات بڑھا سکتے ہیں بڑھائیں، جتنا زیادہ سے زیادہ وقت ان کے ساتھ گزار سکیں گزاریں، اگر وہ آپ کی بستی سے دور ہیں تو سفر کر کے وہاں جائیں، سال میں مہینہ، دو مہینہ، ہفتہ دو ہفتہ، ان کے پاس جا کر رہا کریں۔

رشتہ میں بھی دینداری کا خیال رکھیں

اسی سلسلے کی ایک بات یہ بھی ہے کہ رشتہ دینے میں اور رشتہ مانگنے میں بھی دینداری کا خاص طور سے خیال رکھیں، اپنے بننے والے داماد میں جہاں آپ اور بہت

سی باتیں دیکھتے ہیں ایک بات یہ بھی دیکھیں کہ اس میں دین اور ایمان کتنا ہے۔

اسی طرح تجارت میں اگر آپ کسی کے ساتھ پارٹنرشپ قائم کرنا چاہتے ہیں تو کوشش کریں کہ آپ کو ایماندار مسلمان اور دیندار آدمی ملے، غرض یہ کہ روز مرہ کی زندگی میں بھی یہ کوشش کی جائے کہ ہمارے تعلقات اور رشتے نیک لوگوں سے زیادہ سے زیادہ قائم ہوں۔

تبلیغی جماعت کے ساتھ تعلق قائم کیجئے:

اسی سلسلے کی ایک اہم کڑی یہ بھی ہے کہ تبلیغی جماعت کے ساتھ اپنا تعلق قائم کیجئے، الحمدللہ! اس جماعت سے پوری امت کو جو فائدہ پہنچا ہے، جس بڑے پیمانے پر پہنچا ہے، جس عالمگیر انداز میں پہنچا ہے اس کی کوئی نظیر نہیں ملتی، اگرچہ اس وقت وہ فائدہ جزوی حد تک ہے کہ تبلیغی جماعت کے احباب پورے دین کی تعلیم نہیں دیتے لیکن جتنی چیزوں کی وہ تعلیم دیتے ہیں وہ بہت اہم ہیں اور ان کے ذریعے باقی ماندہ نیک اعمال کے اور گناہوں سے بچنے کے بھی راستے نکلتے ہیں، یہ اتنے بڑے پیمانے پر کام ہو رہا ہے کہ پوری دنیا میں اس وقت اس کی نظیر نہیں ہے، نہ مسلمانوں میں ایسی کسی تنظیم کی نظیر ہے جو عوامی سطح میں دین کی اتنے بڑے پیمانے پر خدمت انجام دے رہی ہو، اور نہ عیسائی اور یہودیوں میں اس کی کوئی نظیر ہے، عیسائیوں کے ہاں کتنے فنڈ ہیں، کتنی تنظیمیں ہیں اور کتنے مشن ہیں جو عیسائیت کی تبلیغ میں لگے رہتے ہیں، لیکن جو کام ہماری تبلیغی جماعت کر رہی ہے وہ اس کا دسواں حصہ بھی نہیں ہیں۔

عجیب و غریب بات یہ ہے کہ اس جماعت کا کوئی دفتر نہیں، کوئی فنڈ نہیں، کوئی بینک بیلنس نہیں، ان کے ہاں کوئی اشتہار نہیں چھپتا لیکن جو فیصلہ یہاں ہوتا ہے تین دن کے بعد آپ اس کو ہانگ کانگ میں سنتے ہیں، چائنا میں سنتے ہیں، افریقہ میں سنتے ہیں ایشیا میں سنتے ہیں، پوری دنیا میں شہرت ہو جاتی ہے۔

تبلیغی جماعت کا کام جذبہ اور اخلاص کے ساتھ ہو رہا ہے اور ہر قسم کی گروہ

بندی اور فرقہ واریت سے دور رہ کر ہو رہا ہے۔ ہر شخص اپنا پیسہ خرچ کر کے لکھ پتی، کروڑ پتی، عرب پتی لوگ اپنا سامان کندھے پر لاد کر اور بستر زمینوں پر بچھا کر، پیدل چل کر، ہوائی جہازوں میں اڑ کر، بحری جہازوں میں جا کر، ریلوں اور بسوں میں سفر کر کے، سفر کے اندر طرح طرح کی مشقتیں اور مجاہدے کر کے کفرستانوں، برفستانوں اور ریگستانوں میں اللہ کا پیغام پہنچا رہے ہیں، شاید کوئی لمحہ ایسا نہیں گزرتا کہ پوری دنیا میں کتنے ہی قافلے کہیں نہ کہیں اللہ کا پیغام نہ پہنچا رہے ہوں، اللہ تعالیٰ اس جماعت سے بہت بڑا کام لے رہے ہیں، یہ ہمارے بزرگوں کا شروع کیا ہوا کام ہے، حضرت مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا شروع کیا ہوا کام ہے، اس واسطے خاص طور سے مغربی ممالک کے مسلمان بھائی اس جماعت سے اپنا جوڑ قائم کریں، ان کے ساتھ جوڑ میں لگے رہیں گے تو انشاء اللہ دین پر عمل کرنا آسان ہوگا۔

تبلیغی جماعت پر اعتراضات:

بہت سے لوگوں کی طرف سے تبلیغی جماعت پر طرح طرح کے کچھ اعتراضات بھی ہوا کرتے ہیں، کوئی کہا کرتا ہے کہ یہ لوگ ''امر بالمعروف'' تو کرتے ہیں لیکن ''نہی عن المنکر'' نہیں کرتے یعنی نیک کاموں کی تبلیغ تو کرتے ہیں بُرے کاموں سے بچنے کی تبلیغ نہیں کرتے، میں ان سے کہا کرتا ہوں کہ نیک کاموں کی تبلیغ کرنا بھی اچھا کام ہے۔ اور بُرے کاموں سے بچنے کی تبلیغ کرنا بھی اچھا کام ہے۔ ایک اچھا کام وہ کر رہے ہیں دوسرا اچھا کام تم کر لو، جو کام وہ نہیں کر رہے وہ آپ شروع کر دیں۔

بعض لوگ یہ کہا کرتے ہیں کہ ان کے ہاں تشدد بہت ہوتا ہے میں ان سے کہا کرتا ہوں کہ تم تشدد نہ کرو، لیکن حقیقت میں ایسا نہیں ہے، الحمدللہ! تبلیغی جماعت کے علمائے کرام اور بزرگوں کے ہاں حد سے تجاوز کرنے کرنے کی بات نہیں ہے، البتہ جو لوگ نئے نئے تبلیغ میں لگتے ہیں، ان کو چونکہ دین کی معلومات نہیں ہوتیں، وہ

یہ سمجھ لیتے ہیں کہ دین اسی تبلیغ میں منحصر ہے جو کام تبلیغ میں ہو رہا ہے، بس دین کا یہی کام ہے، وہ اس میں اتنے لگ جاتے ہیں کہ دین کے دوسرے اہم کاموں کو غیر اہم سمجھنے لگتے ہیں، مدرسوں کو بھی بے کار سمجھنے لگتے ہیں، اسی طرح بعض لوگوں میں یہ خرابی بھی پیدا ہو جاتی ہے کہ وہ اپنے بیوی بچوں کے حقوق، ماں باپ اور بہن بھائیوں کے حقوق سے غافل ہو جاتے ہیں اور جوشیلے نوجوان بڑے فخر سے کہتے ہیں کہ بیوی کا جنازہ پڑا ہوا تھا یا بیوی ہسپتال میں پڑی ہوئی تھی اور شوہر نامدار چلّے میں نکل گئے۔

خوب سمجھ لیجئے یہ کوئی دین کا کام نہیں ہے، یہ باتیں واقعی حد سے گزری ہوئی ہیں جس کی شریعت اجازت نہیں دیتی اور یہ باتیں قابل اصلاح ہیں لیکن یہ تبلیغی جماعت کے بزرگوں کی اصل پالیسی نہیں ہے، یہ چھوٹے اور جوشیلے قسم کے لوگوں کی باتیں ہیں، جب آدمی نیا نیا اور جوشیلا ہوتا ہے تو وہ ایسے ہی کرتا ہے، جیسے مشہور ہے کہ دو آدمی راتوں کو جاگتے ہیں ایک وہ جو کسی کا نیا نیا مرید ہوا ہو، اور دوسرا وہ جس کی نئی نئی شادی ہوئی ہو، اسی طریقے سے تبلیغی جماعت میں جو لوگ نئے نئے لگتے ہیں جنہیں دین کی کوئی خبر نہیں ہوتی تو وہ اسی کو سب کچھ سمجھ کر اس قسم کی باتیں کرنے لگتے ہیں جبکہ یہ تبلیغی جماعت کی اصل پالیسی نہیں ہے۔ آپ تبلیغی جماعت میں ضرور لگیں اگر اس میں کچھ لوگ غلط کام کر رہے ہیں تو ان کی پیروی نہ کریں بلکہ بزرگوں اور علماء کی بات پر چلیں کیونکہ علماء کی بات معتدل ہوتی ہے اور اس میں شریعت کے تمام پہلوؤں کی رعایت ہوتی ہے۔

(۴) دینی کتب کا مطالعہ

چوتھی بات یہ ہے کہ دینی کتب کا مطالعہ کریں، یہاں آپ کے پاس دینی لٹریچر بہت کم ہے، اب الحمدللہ! انگریزی میں بھی دینی لٹریچر آنے لگا ہے، اردو میں تو دینی لٹریچر ہندوستان و پاکستان میں بہت موجود ہے، اردو میں یا اپنی اپنی مادری زبان میں دین کی جو کتابیں میسر آئیں ان کا مطالعہ کیا جائے، اگر آپ کو دینی کتابیں مطالعہ

کرنے کی فرصت نہیں ہے تب بھی آپ سے میری درخواست یہ ہے کہ کتابیں لا کر آپ گھر میں رکھیں، کیونکہ ہوسکتا ہے کہ آپ کو تو فرصت نہ ہو لیکن آپ کی بیگم صاحبہ کو فرصت مل جائے تو وہ کبھی مطالعہ کر لیں، ان کو بھی فرصت نہ ملے تو آپ کے بچوں کو کبھی موقع مل جائے وہ مطالعہ کر لیں، کتابیں گھر میں موجود ہوں گی تو کبھی نہ کبھی ان کو پڑھنے والے بھی میسر آ ہی جائیں گے۔

(۵) حرام مال سے اجتناب:

پانچویں بات بھی نہایت ہی اہم ہے اور وہ یہ کہ حرام مال سے اپنے آپ کو بچائیں، دیکھنے میں یہ آیا ہے کہ بعض گناہوں کا وبال ایسا ہوتا ہے کہ وہ دوسرے بہت سے گناہوں کو جنم دیتا ہے، حرام مال بھی ایسی ہی چیز ہے، جب آدمی حرام مال کھاتا ہے تو اس کے اثرات اتنے خطرناک ہوتے ہیں کہ اس کی وجہ سے پھر دین کی دوسری چیزوں میں بھی کمزوری آجاتی ہے، حرام مال کھانے کا جو گناہ اور عذاب ہے وہ تو ہو گا ہی، اس کا مزید نقصان یہ ہوتا ہے حرام مال کھانے والے کے لیے دین پر عمل کرنے میں دشواریاں پیدا ہونے لگتی ہیں، انسان میں دین سے غفلت پیدا ہونے لگتی ہے، اولاد نافرمان ہونے لگتی ہے اور اس میں دین سے دوری پیدا ہونے لگتی ہے یہ حرام مال کے اثرات ہوتے ہیں، حرام مال بہت ہی تباہ کن چیز ہے، حرام مال کے بے شمار راستے ہیں، ان سب سے بچنے کی ضرورت ہے، یہ ملک خاص طور سے سودی لین دین کا مرکز ہے اس لیے سود سے اپنے آپ کو بچائیں، حرام لقمہ اور حرام گھونٹ آپ کے گھر میں نہ آئے، شراب سے بھی بچیں، جس طرح حرام مال بہت سارے گناہوں کو دعوت دینے والا ہے اسی طرح شراب ام الخبائث یعنی تمام گناہوں کی بنیاد ہے، جب آدمی شراب پی لیتا ہے تو پھر اس کی عقل ہی کام نہیں کرتی، اس واسطے جس طریقے سے بھی ممکن ہو حرام کھانے پینے سے اپنے آپ کو بچائیں۔

(۶) گھروں میں اپنی مادری زبان کو زندہ رکھئے

چھٹی بات جو بلاشبہ آپ کے لیے مشکل ضرور ہوگی لیکن ناممکن نہیں ہے، تھوڑی سی کوشش سے مسئلہ حل ہوسکتا ہے اور ابھی تو حل ہوسکتا ہے لیکن جوں جوں وقت گزرتا جائے گا اس میں مزید مشکلات پیدا ہوتی جائیں گی، آپ اپنے بچوں کو انگریزی خوب پڑھوائیں، یہ یہاں کی زبان ہے اس میں ترقی کے بغیر ہمارے بچے معاشی میدان اور ملازمتوں میں دوسری قوموں کا مقابلہ نہیں کرسکتے، اس لیے مسلمان بچوں میں انگریزی زبان لکھنے کی، بولنے کی اور انگریزی میں مضمون نویسی اور تصنیف و تالیف کی خوب مہارت پیدا کروائیں، لیکن آپ سے میری درخواست یہ ہے کہ آپ گھر میں انگریزی نہ بولیں، میاں بیوی آپس میں انگریزی نہ بولیں، ماں باپ اپنے بچوں کے ساتھ انگریزی نہ بولیں، گھروں میں اپنی مادری زبان کی حفاظت کریں، اگر آپ کی مادری زبان گھروں میں محفوظ رہے گی، آپ کے بچوں میں محفوظ رہے گی تو ان بچوں کا جوڑ اور رابطہ ماضی سے قائم رہے گا، امت مسلمہ سے قائم رہے گا، ہندوستان و پاکستان سے قائم رہے گا اور اگر عرب بچے ہیں تو عالم عرب سے قائم رہے گا، زبان صرف زبان ہی نہیں ہوتی، زبان کی ایک سوچ اور مزاج ہوتا ہے، اگر ہمارے بچے مادری زبان بھول جائیں گے، تو ماضی سے کٹ جائیں گے اور پھر ان پر وہی اثرات باقی رہ جائیں گے جو یہاں کی تہذیب اور زبان کے ہوں گے بہت سی اسلامی اصطلاحات ایسی ہیں کہ ان کا ترجمہ انگریزی میں ہو ہی نہیں سکتا، وہ اصطلاحات ہماری نئی نسل سے اوجھل ہو جائیں گی۔

میں یہاں دیکھ رہا ہوں کہ اچھے خاصے دیندار پاکستانی اور ہندوستانی گھرانوں کے بچے اردو نہیں بول پا رہے، اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ آج تو میری تقریر آپ سن رہے ہیں اور سمجھ بھی رہے ہیں، اگر ہمارے بچوں میں اردو ختم ہوگئی تو اب سے دس سال بعد میری تقریر سمجھنے والے کم رہ جائیں گے حتیٰ کہ بیس سال بعد کوئی

نہیں رہے گا، اس طرح ہماری نئی نسل ماضی سے کٹ جائے گی، اور اپنی روایات بھول جائے گی، اپنے علماء سے کٹ جائے گی، ان کی کتابوں، تحریروں اور تقریروں سے محروم ہو جائے گی، اور دین سے دور ہوتی چلی جائے گی۔ اس واسطے میری یہ درخواست اپنے بھائیوں سے بھی ہے اور ان ماؤں بہنوں سے بھی جو اس وقت میری بات سن رہی ہیں کہ اگر اب تک آپ کی عادت انگریزی بولنے کی رہی ہے تو بلاشبہ ایکدم سے اس عادت کو چھوڑنا بہت مشکل ہو گا لیکن یقین کیجئے کہ ناممکن نہیں ہے، یہ بچے آپ کے پاس امانت ہیں، ان پر رحم کیجئے، ان کے دین و ایمان کی حفاظت کے لیے ان کی مادری زبان کی حفاظت کی ضرورت ہے، آپ اپنے بچوں کو بخار اور نزلے سے بچانے کے لیے کتنی محنتیں اور مشقتیں اٹھاتے ہیں، اس کام کے لیے بھی تھوڑی سی مشقت اٹھا لیجئے۔

(۷) سب کے ساتھ حسنِ سلوک (حقوق العباد کا اہتمام)

آخر میں ساتواں نکتہ ایسا پیش کر رہا ہوں جس کی طرف سے مسلمانوں میں عام طور سے غفلت پائی جاتی ہے، اور وہ ہے حقوق العباد کی ادائیگی، یعنی اللہ تعالیٰ کی مخلوق کے ساتھ حسن سلوک۔ ہمیں اسلامی تعلیمات کے عین مطابق تمام انسانوں کے ساتھ یعنی اپنے ساتھ رہنے والے غیر مسلموں کے ساتھ بھی احسان، خیر خواہی، حسن سلوک، انصاف اور حسن اخلاق کا اہتمام کرنا لازم ہے۔

ظلم اور بدعہدی غیر مسلموں کے ساتھ بھی جائز نہیں:

خوب سمجھ لیجئے کسی قسم کا ظلم یا بدعہدی کرنا یا امانت میں خیانت کرنا، یا ناحق تکلیف پہنچانا اور دل آزاری کرنا جس طرح مسلمانوں کے ساتھ ناجائز اور حرام ہے اسی طرح کسی کافر اور غیر مسلم کے ساتھ بھی ناجائز اور حرام ہے، اسلام مسلمانوں کو انسان تو انسان کسی جانور پر بھی ظلم کرنے کی اجازت نہیں دیتا۔

دوسروں کو تکلیف دینے والی عادتیں:

بڑے افسوس کے ساتھ کہہ رہا ہوں اور اس پر معذرت بھی چاہتا ہوں کہ ہمارے اندر بہت ساری بری عادتیں ایسی پھیل گئی ہیں کہ اُن سے غیر ارادی طور پر بھی دوسروں کو تکلیف پہنچتی ہے، مسلمانوں کو بھی اور غیر مسلموں کو بھی، ہمیں ایسی عادتوں سے یوں تو ہر جگہ ہی بچنا ضروری ہے مگر خاص طور سے ایسے ممالک میں تو اور بھی ضروری ہے جہاں ہمارا واسطہ غیر مسلموں سے ہو۔ کیونکہ وہ ہمارا اخلاق و کردار دیکھ کر ہی اسلام کے بارے میں اپنی رائے قائم کرتے ہیں، اگر ہمارا اخلاق و کردار اچھا، مہذب اور شائستہ ہو گا، انصاف پر مبنی ہو گا، دوسروں کے ساتھ احسان، خیر خواہی، حسن سلوک اور حسن اخلاق پر مبنی ہو گا تو وہ اسلام کو اچھا، انصاف کا، سلامتی کا اور احسان کا دین سمجھیں گے، اور خدانخواستہ ہمارا اخلاق و کردار اگر اسلامی تعلیمات کے مطابق اچھا نہیں ہو گا تو وہ اسلام سے بھی بیزار ہو جائیں گے، اور یہ سمجھیں گے کہ اسلام نے ان کو (نعوذ باللہ) ایسی ہی تعلیم دی ہو گی۔

یاد رکھئے آپ ان مغربی ممالک میں اسلام کے سفیر ہیں، یہاں رہنے والے مسلمانوں کو ایسا کوئی کام نہیں کرنا چاہیے جو دوسروں کے لیے ناحق تکلیف یا ناگواری کا یا دل آزاری کا باعث ہو۔

اپنے پڑوسیوں، ہمسفروں، ہمنشینوں کے ساتھ ایسا برتاؤ رکھئے جس سے اُن کو راحت ملے، خوشی ہو، تکلیف نہ پہنچے، ناگواری نہ ہو، دل آزاری نہ ہو۔

ہماری ایسی بری عادتیں جن سے دوسروں کو تکلیف پہنچتی ہے یا جن سے عہد کی خلاف ورزی ہوتی ہے یوں تو بہت ساری ہیں، نہ جانے مسلم معاشرے میں یہ کہاں سے آ گئی ہیں؟ مگر چند عادتیں جو میں اس مغربی دنیا میں بھی مسلمانوں کے بعض طبقوں کے اندر دیکھ رہا ہوں یہ ہیں:

(۱) صفائی کا پورا اہتمام نہ کرنا۔

(۲) شور و شغب کرنا۔

(۳) ٹریفک کے قوانین خصوصاً پارکنگ کے قوانین کی پوری طرح پابندی نہ کرنا۔

(۴) وعدہ خلافی۔

(۵) پڑوسیوں کی راحت کا خیال نہ رکھنا۔

(۶) بدعہدی (معاہدے کی خلاف ورزی، عہد شکنی) جس میں ویزا ختم ہو جانے کے باوجود چوری چھپے یہاں قیام کرنا بھی داخل ہے۔

اسلام ان میں سے کسی بھی برائی کی اجازت نہیں دیتا۔ ان باتوں سے دوسروں کو تکلیف پہنچتی ہے، اور اسلام اور مسلمانوں کی بدنامی ہوتی ہے۔ اور دوسروں کو ناحق تکلیف پہنچانا مسلمان تو مسلمان، کسی شریف انسان کا کام نہیں ہوتا۔ اسی طرح بدعہدی یعنی معاہدے کی خلاف ورزی ایسی خرابی ہے کہ اسے آنحضرت ﷺ نے منافق ہونے کی علامت قرار دیا ہے۔

مسلم و غیر مسلم پڑوسیوں کے حقوق:

خوب سمجھ لیجئے پڑوسی خواہ مسلمان ہو یا غیر مسلم، اسلام میں اس کے اتنے حقوق ہیں کہ آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں کہ جبرئیل امین علیہ السلام نے میرے پاس آکر بار بار اتنی کثرت سے پڑوسی کے حقوق کی تاکید کی کہ مجھے یہ خیال ہونے لگا کہ شاید پڑوسی کو وارث قرار دیئے جانے کا حکم بھی آنے والا ہے۔

ایک حدیث میں آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

﴿لایدخل الجنة من لا یأمن جارُہ بوائقه﴾

''وہ شخص جنت میں نہیں جائے گا، جس کی ایذا رسانیوں سے اُس کا پڑوسی محفوظ نہ ہو۔''

پڑوسیوں کے ساتھ خیر خواہی، حسن سلوک اور احسان کے معاملہ میں قرآن حکیم اور آنحضرت ﷺ نے مسلم اور غیر مسلم کا فرق نہیں کیا، پڑوسی خواہ مسلم ہو یا غیر مسلم،

اس کے ساتھ ہمیں خیر خواہی، مدارات، حسن سلوک اور احسان کا برتاؤ کرنے کی تاکید ہے، اور کوئی ایسا کام کرنے کی اجازت نہیں جس سے ان کو ناحق تکلیف یا ناگواری پیش آئے۔ اس حدیث میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسلم اور غیر مسلم پڑوسی کا فرق نہیں کیا۔

ایک مجلس میں برطانیہ کے ایک محلے کے مسلمانوں نے اظہارِ مسرت کے طور پر کہا کہ یہاں تو اب صرف مسلمان ہی ہیں، جتنے غیر مسلم تھے وہ سب ایک ایک کر کے یہاں سے چلے گئے۔ لوگوں نے یہ بھی بتایا کہ مغربی ممالک کے اصل باشندے شور و شغب والے علاقے میں رہنا پسند نہیں کرتے، پرسکون محلوں کو ترجیح دیتے ہیں۔ اسی طرح گھروں کے آس پاس گندگی ان کے لیے ناقابل برداشت ہوتی ہے۔

سابق امیر تبلیغی جماعت حضرت مولانا انعام الحسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے یہ سن کر سخت افسوس کا اظہار فرمایا، اور فرمایا کہ کاش وہ تم سے مانوس ہو جاتے اور ان کو اسلام کی ہدایت نصیب ہو جاتی، مگر وہ آپ لوگوں کی بری عادتوں سے بیزار ہو گئے ہوں گے۔ کاش اُن کے سامنے آپ کی اچھی عادتیں آتیں، اُن کے ساتھ آپ لوگوں کا حسن سلوک اور حسن اخلاق آتا، اسلامی تعلیمات کے مطابق صفائی ستھرائی اور نظم و ضبط آتا، سنجیدگی اور شائستگی آتی تو وہ آپ سے مانوس ہو جاتے اور آپ کے دین کی طرف بھی راغب ہو جاتے۔

ویزا کی مدت ختم ہو جانے کے بعد یہاں رہنا:

خوب سمجھ لیجئے ویزا کی مدت ختم ہو جانے کے بعد بغیر اجازت کے کسی ملک میں چوری چھپے رہنا بھی شرعاً جائز نہیں، کیونکہ یہ عہد کی خلاف ورزی اور عہد شکنی ہے، جو کسی غیر مسلم کے ساتھ بھی ہرگز جائز نہیں۔

اسی طرح یہاں رہتے ہوئے یہاں کے قوانین کی خلاف ورزی کرنا بھی عہد شکنی میں داخل ہے۔ اگر آپ کو کسی ملک کے قوانین پسند نہیں اور آپ اس پر عمل کرنا نہیں چاہتے یا اسلام اُن پر عمل کرنے کی اجازت نہیں دیتا تو اس ملک کو چھوڑ کر کسی ایسے

ملک میں چلے جائیں جہاں ان قوانین پر عمل نہ کرنا پڑے۔ یہاں رہتے ہوئے قانون شکنی کرنا بدعہدی میں داخل ہے، اسلامی تعلیمات کے منافی ہے۔ اور اسلام اور مسلمانوں کے لیے بدنامی کا باعث ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان بری عادتوں سے دور رہنے کی توفیق عطاء فرمائے، اور قرآن وسنت کی تعلیمات پر ٹھیک ٹھیک عمل کی توفیق عطاء فرمائے۔ (آمین)

اسلام کی نشأۃ ثانیہ:

یہ سات چیزیں ہیں، اللہ تعالیٰ ہمارے بھائی بہنوں کو ان کی طرف متوجہ فرما دے کہ ان پر عمل شروع ہو جائے، اگر یہ کام ہو گئے تو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے قوی امید ہے کہ جو نسل یہاں پروان چڑھ رہی ہے۔ یہی اسلام کی نشأۃ ثانیہ کا ذریعہ بن جائے گی، ایک بات یہ بھی عرض کر دوں کہ اگرچہ پوری دنیا میں مسلمانوں کو طرح طرح کے مسائل کا سامنا ہے لیکن ساتھ ساتھ اسلام کی نشأۃ ثانیہ بھی واضح طور پر نظر آ رہی ہے اور کوئی بعید نہیں کہ مغرب کے مسلمانوں ہی کو اللہ تعالیٰ اس کا ذریعہ بنا دے کیونکہ یہ بات بھی ہم دیکھ رہے ہیں کہ جو مسلمان ہندوستان و پاکستان میں رہتے ہوئے نماز نہیں پڑھتے تھے اُن میں سے بہت سے بھائی اور بہنیں یہاں آ کر نمازی بن گئے، جو داڑھیاں نہیں رکھتے تھے وہ داڑھیاں رکھنے لگے، جو عورتیں پردہ نہیں کرتی تھیں وہ یہاں آ کر پردہ کرنے لگیں۔ جو لوگ دوسروں کی تکلیف ناگواری یا دل آزاری کا باعث بنتے تھے اور اسلام کی بتائی ہوئی تہذیب وشائستگی سے دور تھے انہوں نے اپنی اصلاح کر لی ہے۔ کیا بعید ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ حضرات کو اس ملک میں اسلام پھیلانے کے لیے بھیجا ہو، اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان چیزوں پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

وآخر دعوانا أن الحمدللہ رب العالمین

........❖........

﴿مغربی دنیا میں کیے گئے چند اہم سوالات و جوابات﴾

دارالہدیٰ اسپرنگ فیلڈ، واشنگٹن میں بیان کے بعد امریکی مسلمانوں کے رواج کے مطابق سوالات اور جوابات کا سلسلہ بھی دیر تک جاری رہا، خواتین کے لیے پردے کا انتظام تھا ان کی طرف سے سوالات تحریری شکل میں آتے رہے اور مرد حضرات کچھ تحریری اور کچھ زبانی سوالات کرتے رہے......... حضرت مفتی صاحب کے جوابات سے سب ہی خواتین و حضرات کو اطمینان اور تشفی ہوئی۔

یہاں اُن سوالات اور جوابات کو بھی ہدیۂ قارئین کیا جا رہا ہے، کیونکہ امریکہ اور دیگر مغربی ممالک میں یہ سوالات کثرت سے پیش آتے ہیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ٥

(۱) کام چوری؟

سوال: خدمت اور کام کے لیے ملازم مقرر کیے جاتے ہیں جن کی تنخواہ اور الاؤنس وغیرہ بھی مقرر ہوتے ہیں اُن میں بعض اپنی تنخواہ اور الاؤنس تو پورے لے لیتے ہیں مگر خدمت پوری انجام نہیں دیتے اور کام پورا نہیں کرتے، جتنا وقت لگانا چاہیے اتنا وقت نہیں لگاتے اور جتنی محنت کرنی چاہیے اتنی محنت نہیں کرتے کیا ان کے لیے تنخواہ لینا حلال ہے یا نہیں؟ خلاصہ یہ کہ کیا کام چوری جائز ہے یا نہیں؟

جواب: کام چوری جائز نہیں بلکہ حرام ہے اور کام چوری یہ بھی ہے کہ آدمی تنخواہ تو پوری لے لے لیکن جس کام کی تنخواہ لی ہے اس کو پورا نہ کرے اور یہ ایسا ہی ہے جیسے کوئی ناپ تول میں کمی کرے کہ پیسے تو پورے لے لے اور ناپ تول میں کمی کرے جس طرح وہ حرام ہے اسی طرح یہ بھی حرام ہے۔

(۲) پاکستانی حکومت اور دینی مدارس:

سوال: کیا یہ صحیح ہے کہ پاکستانی حکومت دینی مدارس اور دینی سکولوں کو بند کرنے کی کوشش کر رہی ہے؟ اور اگر کوشش کر رہی ہے تو پھر آپ حضرات نے اس کے بارے میں کیا سوچا ہے؟

جواب: الحمدللہ! ایسی کوئی بات نہیں ہے کہ پاکستانی حکومت دینی مدرسوں کو بند کرنے کی کوشش کر رہی ہے البتہ اس پر دباؤ ضرور ہے اور بہت سخت دباؤ ہے، اس سلسلے میں اعلیٰ سطحی اجلاسوں میں حکومت کی ذمہ دار شخصیات کے ساتھ بار بار ہماری میٹنگیں بھی ہوئی ہیں جن میں کئی کئی گھنٹے کی بات چیت ہوئی ہے، بعض اوقات بحث مباحثہ کی نوبت بھی آئی ہے لیکن ایسی کوئی بات نہیں ہے کہ حکومت دینی مدرسوں کو بند کرنے کی کوشش کر رہی ہو اس لیے کہ اگر کوئی حکومت ایسا کرے گی تو پھر اپنا وجود برقرار نہیں رکھ سکے گی انشاء اللہ، اور یہ بات حکومت بھی جانتی ہے اس لیے یہ کوشش تو وہاں نہیں ہو رہی البتہ باہر کے دباؤ کی وجہ سے انہوں نے دینی مدارس کے اوپر اپنی نظریں کچھ زیادہ جما دی ہیں اور ان کے بارے میں تحقیق اور جستجو کچھ زیادہ ہونے لگی ہے میں سمجھتا ہوں کہ اس میں کوئی حرج کی بات نہیں ہے بلکہ اچھا ہے کہ اگر ہمارے مدرسوں میں کوئی خرابی ہے تو اس طرح اس کی اصلاح ہو جائے گی، الحمدللہ! پاکستان میں ابھی ایسی تشویش کی بات نہیں ہے۔

(۳) مسجد کی خرید و فروخت:

سوال: کیا مسجد کی جگہ کو بیچا جا سکتا ہے اور اگر کوئی بیچ دے تو اس کے لیے کیا وعید ہے۔ بیان فرما دیں؟

جواب: جس جگہ کو ایک مرتبہ باقاعدہ مسجد بنا دیا گیا ہو اور باقاعدہ مسجد بنانے سے مراد یہ ہے کہ ایسا نہ ہو کہ صرف نماز پڑھنے کے لیے مصلیٰ اور جائے نماز بنا دی جائے

یا جماعت خانہ بنا دیا جائے کہ زمین نماز کے لیے کرایہ پر لے لی اور نماز کی جگہ ہوگئی یہ شرعاً مسجد نہیں ہے یہ صرف نماز کی جگہ ہے، شرعاً اس پر مسجد کے احکام جاری نہیں ہوتے، مسجد کے احکام شرعاً اس جگہ پر جاری ہوتے ہیں جو مسجد کے لیے ہمیشہ کے لیے وقف کر دی گئی تو وہ جگہ قیامت تک کے لیے مسجد بن گئی، پھر کبھی بھی کسی شخص کے لیے اس جگہ جو بیچنا یا کسی اور کام میں لا جانا جائز نہیں، اس پر قیامت تک وہی احکام رہیں گے جو مسجد کے ہیں چنانچہ حالت جنابت میں اس جگہ جانا جائز نہیں وغیرہ وغیرہ۔

(۴) جرابوں پر مسح:

سوال: یہاں کپڑوں کی جرابوں پر مسح کیا جاتا ہے، بالخصوص عرب حضرات کو دیکھ کر اب باقی حضرات بھی دیکھا دیکھی میں ایسا کرتے ہیں، کیا یہ شرعاً جائز ہے؟

جواب: قرآن کریم میں اصل حکم وضو کے لیے پاؤں دھونے کا ہے، لہٰذا اصل حکم ٹخنوں تک پاؤں کو دھونا ہے لیکن پھر رسول اللہ ﷺ کی احادیث متواترہ میں یہ حکم آ گیا کہ خفین (چمڑے کے موزوں) پر مسح بھی جائز ہے اور ''خف'' اس زمانے میں چمڑے کے ہوتے تھے لہٰذا چمڑے کے موزوں پر مسح بھی جائز ہے کہ ایک مرتبہ وضو کر کے آپ نے چمڑے کے موزے پہن لیے تو چوبیس گھنٹے تک ہر وضو میں انہیں اتارنے کی ضرورت نہیں بلکہ ان پر مسح کافی ہے، چوبیس گھنٹے کے بعد موزے اتار کر وضو میں پاؤں دھو لیں اور پھر موزے پہن لیں، مسافر کے لیے تین دن تین رات تک ایسا کرنا جائز ہے، صورتحال یوں ہوگئی کہ وضو میں اصل حکم پاؤں دھونے کا ہے اور احادیث متواترہ (یعنی ایسی احادیث جن کو روایت کرنے والے صحابہ کرام اور ان کے بعد سے اب تک کے لوگ ہر زمانے میں اتنی بڑی تعداد میں رہے ہیں کہ اُن کا جھوٹ پر متفق ہو جانا محال ہے) سے پتہ چلا کہ خفین پر مسح بھی جائز ہے اور یہ بھی پاؤں دھونے کے قائم مقام ہے۔

نتیجہ یہ نکلا کہ احادیث متواترہ سے جو استثناء نکلا ہے وہ (خفین) چمڑے کے موزوں کے لیے ہے، کپڑے کی جرابوں کے لیے نہیں اس لیے جرابوں کا حکم وہی رہے گا جو پہلے تھا یعنی ان پر مسح کرنا جائز نہیں ہے، چنانچہ محققین فقہاء کا یہی فتویٰ ہے، ہمارے والد ماجد مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا اس موضوع پر مستقل ایک رسالہ ہے اور اس میں مفصل دلائل سے اس بات کو واضح اور ثابت کیا گیا ہے کہ چمڑے کے موزے ہوں یا چمڑے جیسی کوئی چیز ہو تو اس پر مسح کرنا جائز ہے اور اگر وہ چمڑا نہیں ہے اور چمڑے جیسی کوئی چیز بھی نہیں ہے بلکہ کپڑا وغیرہ ہے کہ اس میں پانی جذب ہو جاتا ہے یا لاسٹک کے بغیر وہ کھڑا نہیں رہتا تو اس پر مسح جائز نہیں۔

اس کے برخلاف بہت سے علماء کا موقف یہ ہے کہ کپڑے کی جرابوں پر بھی مسح جائز ہے۔ شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں، میں نے والد ماجد سے سنا کہ وہ اس کو جائز کہتے تھے، بلکہ اُن کا واقعہ جو میں نے اپنے والد ماجد سے سنا وہ بھی عرض کر دوں، والد صاحب کا فتویٰ تو یہ تھا کہ جرابوں پر مسح جائز نہیں، چونکہ دارالعلوم دیوبند کے صدر مفتی والد صاحب ہی تھے اس لیے دارالعلوم دیوبند سے بھی فتویٰ عدم جواز کا جاتا تھا، جبکہ حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی رحمۃ اللہ علیہ جو بڑے اونچے درجے کے عالم اور محدث تھے وہ والد صاحب رحمہ اللہ علیہ کے اگرچہ استاد تو نہیں تھے لیکن والد صاحب فرماتے تھے کہ اگرچہ میں نے ان سے کچھ پڑھا نہیں ہے لیکن وہ میرے ایسے ہی بڑے اور بزرگ ہیں جیسے کہ میرا کوئی استاذ ہو، وہ جرابوں پر مسح کو جائز کہتے تھے اور مسح کرتے بھی تھے۔

والد صاحبؒ نے خود یہ واقعہ سنایا کہ ایک سفر میں حضرت مدنیؒ کے ساتھ تھا، جب نماز کا وقت ہوا تو حضرت مدنیؒ نے جرابوں پر مسح کیا جبکہ میں نے پاؤں دھوئے اور جب وضو کر کے فارغ ہوئے تو حضرت مدنیؒ نے فرمایا کہ مفتی صاحب آپ کے نزدیک تو میری نماز نہیں ہوگی، والد صاحبؒ نے فرمایا کہ ہاں میرے نزدیک آپ کی

نماز نہیں ہوگی اور میں آپ کے پیچھے نماز پڑھوں گا بھی نہیں۔ حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ہم نے پہلے ہی یہ سوچ لیا تھا کہ آج ہم آپ کے پیچھے نماز پڑھیں گے۔ یہ ہمارے بزرگوں کی بزرگانہ باتیں ہیں کہ ایک دوسرے کا احترام بھی بہت کرتے تھے لیکن شرعی مسئلہ اپنی جگہ ہوتا تھا۔

(۵) کسی بزرگ کے نام کے ساتھ ''دامت برکاتہم'' کا استعمال:

سوال: اشتہار میں آپ کے نام کے ساتھ ''دامت برکاتہم'' کا لفظ لکھا گیا ہے جبکہ یہ لفظ اللہ کے سوا کسی کے نام کے ساتھ نہیں ہونا چاہیے اس لیے آپ اعلان فرما دیں کہ کسی آدمی کے نام کے ساتھ ''دامت برکاتہم'' کا لفظ نہ لکھا جائے۔

جواب: پہلے یہ سمجھ لیں کہ ''دامت برکاتہم'' کا مطلب کیا ہے، یہ ایک دعائیہ کلمہ اور دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی برکتوں کو ہمیشہ قائم رکھے، اس میں شرک کی کوئی بات نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی جا رہی ہے کہ یا اللہ اس آدمی کی برکتیں آئندہ بھی قائم رکھ، ہمیں تو ہر مسلمان کے لیے دعا کرنی چاہیے اس لیے اس میں کوئی ناجائز بات نہیں ہے۔

(۶) کافر کا ذبیحہ:

سوال: کوئی کافر اگر اسلامی طریقہ سے جانور ذبح کرے تو کیا وہ کھانا حلال ہوگا یا صرف مسلمان ہی کا ذبیحہ حلال ہے؟

جواب: کافروں کی دو قسمیں ہیں: اہل کتاب اور دوسرے غیر اہل کتاب۔ اہل کتاب سے مراد عیسائی اور یہودی ہیں ان کے ذبیحہ کا حکم الگ ہے اور باقی کافروں کے ذبیحہ کا حکم الگ ہے، جو غیر اہل کتاب ہیں یعنی نہ یہودی ہیں، نہ عیسائی اور کافر ہیں ان کا ذبیحہ تو کبھی بھی حلال ہو ہی نہیں سکتا، اور جو یہودی اور عیسائی ہیں اگر وہ صرف نام کے یہودی اور عیسائی نہیں ہیں یعنی صرف نسلی طور پر اپنے آپ کو یہودی اور عیسائی نہیں کہتے

بلکہ اپنے مذہب کو مانتے ہیں اور اللہ کے وجود کے قائل ہیں مثلاً عیسائی اگر اللہ کے وجود کے قائل ہوں (اگرچہ عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا مانتے ہوں) انجیل کو اللہ کی کتاب مانتے ہوں، یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہوں، اگر یہ اپنے مذہب کے مطابق جانور ذبح کریں تو ان کا ذبیحہ حلال ہوگا اور اگر اپنے مذہب کے مطابق ذبح نہ کریں تو جس طرح مسلمان اگر اپنے مذہب کے مطابق ذبح نہ کرے تو جانور حلال نہیں ہوتا اسی طرح ان کا ذبح کیا ہوا جانور بھی حلال نہ ہوگا۔

اور اگر وہ ایسے یہودی اور عیسائی ہیں کہ اپنے آپ کو یہودی اور عیسائی صرف خاندانی طور پر کہتے ہیں، وہ اللہ کے وجود ہی کے قائل نہیں، انجیل اور تورات کو اللہ کی کتاب نہیں مانتے، موسیٰ اور عیسیٰ علیہم السلام کو نہیں مانتے، یوم آخرت پر ایمان نہیں رکھتے اور اپنے آپ کو عیسائی کہتے ہیں تو درحقیقت یہ عیسائی یا یہودی نہیں ہیں اور اہل کتاب نہیں ہیں۔ اس لیے ایسے یہودی اور عیسائیوں کا ذبیحہ بھی حلال نہیں۔

(۷) قرآن وحدیث میں تحقیق یا تحریف:

سوال: قرآن وحدیث میں نئی تحقیق کی اسلام میں کہاں تک اجازت ہے؟ کیا صرف تقلید ضروری ہے یا مزید تحقیق بھی کی جاسکتی ہے؟

جواب: قرآن وحدیث میں تحقیق کا سلسلہ جاری ہے اور آئندہ بھی جاری رہے گا لیکن تحقیق کا کام وہی لوگ کریں گے جو اس کے اہل ہوں جبکہ ہر شخص اس کا اہل نہیں ہوتا، میں نے امریکہ میں ایک بیماری یہ بھی دیکھی ہے (اللہ تعالیٰ اس بیماری سے نجات عطا فرمائے) کہ یہاں کے مسلمانوں کو دینی مسائل کے بارے میں "I Think" یعنی "میرا خیال ہے" (کہنے) کی بیماری لگی ہوئی ہے کہ کوئی شرعی مسئلہ پیش آیا تو جس کا دل چاہا اس نے "I Think" کہہ کر جواب دینا شروع کر دیا اگرچہ علم دین کی اُن صاحب کو ہوا بھی نہ لگی ہو۔ یہ بیماری امریکا میں عام ہوگئی ہے اور اس پر مزید یہ کہ مسئلہ کی دلیل بھی پوچھتے ہیں کہ صاحب اس کی دلیل کیا ہے؟

اسلام میں تحقیق کرنے کی اجازت ہے لیکن شرط یہ ہے کہ تحقیق کرنے والے میں تحقیق کی اہلیت ہو، تحقیق کی جو شرائط ہیں وہ اس میں پائی جائیں، اگر کوئی قرآن کریم پر تحقیق کرے تو کم ازکم اس کو عربی زبان کا ماہر ہونا چاہیے، لاکھوں کی تعداد میں جو احادیث ہیں اُن کا بڑا حصہ جو قرآن کریم کی تفسیر سے متعلق ہے وہ اس کے علم میں ہونا چاہیے، اور صحابہ کرام اور بعد کے محققین نے قرآن کریم کی جو تفسیر کی ہے وہ اس کے علم میں ہونی چاہیے، جب ان علوم پر اس کو دسترس ہو پھر مزید آگے تحقیق کرے تو نور علی نور ہے ہمیں بھی اس سے استفادہ کرنا چاہیے، لیکن صورتحال یہ ہے کہ بعض لوگ قرآن کریم پر تحقیق کرنے لگ جاتے ہیں جبکہ عربی زبان جانتے نہیں، حدیثیں پڑھی نہیں، قرآن کریم کو صحیح تلفظ سے پڑھ نہیں سکتے اور قرآن کریم میں "I Think" کرنا شروع کر دیتے ہیں یہ I Think کوئی تحقیق نہیں ہے بلکہ یہ اسلام میں تحریف ہے اور قرآن کریم کے ساتھ مذاق ہے، اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو اس سے نجات عطا فرمائے۔

آج میں آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ میرے اس پیغام کو دوسرے مسلمان بھائیوں تک پہنچائیں کہ اسلام کے بارے میں I Think اس وقت کہیں جب آپ کے اندر I Think کہنے کی صلاحیت موجود ہو، اسلام کی معلومات آپ نے حاصل کی ہوں، کچھ سال اس کام کے اندر آپ نے لگائے ہوں۔

آج ہی ایک صاحب هیوسٹن سے ٹیلیفون پر مسئلہ پوچھ رہے تھے، کسی مسجد میں کوئی کام ان کی مرضی کے خلاف ہو رہا ہوگا تو انہوں نے مجھ سے مسئلہ پوچھا، میں نے کہا یہ سنت کے مطابق تو نہیں ہے لیکن نماز ہو جائے گی کہنے لگے کہ اچھا یہ تو بتائیے کہ اس کی کوئی دلیل ہے؟ کون سی حدیث میں آیا ہے؟ میرا خیال تو یہ ہے کہ نماز نہیں ہوگی۔ میں نے کہا، میں آپ کو دلیل ضرور بتاؤں گا، آپ آکر ہمارے یہاں دارالعلوم میں داخلہ لیجئے، میرے درس میں آیئے، درس میں استاذ کا کام یہی ہوتا ہے کہ شاگرد کو پوری تفصیل سے دلیل کے ساتھ بات کو سمجھاتا ہے، اگر آپ کلینک جا کر

کسی ڈاکٹر سے کہیں کہ آپ نے جو نسخہ تجویز کیا ہے میرے خیال میں تو وہ درست نہیں۔ ذرا اس کی دلیل بھی دیجئے کہ آپ نے یہ دوا کیوں دی ہے فلاں دوا کیوں نہیں دی؟ تو وہ آپ کو کلینک سے باہر چلے جانے کا مشورہ دے گا۔ کیونکہ اس سوال کی جگہ میڈیکل کالج ہے۔ میڈیکل کالج میں داخلہ لیجئے وہاں پر دلیل بتانا استاذ کی ذمہ داری ہے، اسی طرح اگر آپ کو مجھ سے مسئلہ پوچھنا ہے تو میری بات پر اعتماد کیجئے اور اگر دلیل پوچھنی ہے تو دارالعلوم میں داخلہ لیجئے، سولہ سال وہاں علم حاصل کریں، انشاء اللہ دلائل سے آپ کا پیٹ بھر دیا جائے گا۔

(۸) اسلام اور مسئلہ غلامی:

سوال: غلامی کے مسئلہ میں اسلام کیا کہتا ہے؟ جب اللہ تعالیٰ نے انسان کو آزاد پیدا کیا ہے تو وہ دوسرے کا غلام کیونکر ہوگا؟

جواب: یہ بڑا تفصیل طلب مسئلہ ہے اگر اسی سوال کا جواب میں تفصیل سے دوں تو اس کے لیے کم از کم ایک گھنٹہ چاہیئے بظاہر یہ اس کا موقع نہیں، اس موضوع پر میری ایک تقریر بھی چھپی ہوئی ہے، دارالعلوم ہی میں بدھ کے دن عوام کے لیے ایک اجتماع ہوتا ہے جس میں خواتین بھی آتی ہیں اور مرد بھی، اسی اجتماع میں اس موضوع پر میری تین چار تقریریں تین چار ہفتوں تک ہوتی رہیں ان کو لاہور کے ایک ادارے نے کتابی شکل میں ''اسلام میں غلامی کا تصور'' کے نام سے ایک چھوٹے سے رسالے کی صورت میں شائع کیا ہے جو آپ آدھے گھنٹے میں بھی پڑھ سکتے ہیں، میرے پاس اس رسالے کا ایک نسخہ ہے، دارالہدیٰ (اسپرنگ فیلڈ، واشنگٹن) کے سربراہ محترم جناب عبدالحمید صاحب کو میں کچھ کتابیں پیش کروں گا جن میں انشاء اللہ وہ رسالہ بھی ہوگا اس لئے جن صاحب نے یہ سوال کیا ہے وہ اس رسالے کی فوٹو کاپی محترم جناب عبدالحمید صاحب سے حاصل کر کے اس کا مطالعہ فرمائیں۔

خلاصہ اس کا یہ ہے کہ اسلام میں غلامی کو پسند نہیں کیا گیا اور اسلام سے قبل

غلامی بنانے کی جتنی آزادی اور چھوٹ تھی اسلام نے اس پر سخت پابندیاں عائد کر کے صرف ایک صورت برقرار رکھی ہے کہ جہاد میں کوئی غیر مسلم قید ہو جائے تو اس کو غلام بنایا جا سکتا ہے اور غلام بنانے کے باوجود بھی اُن کے ساتھ وہ ظالمانہ سلوک اسلام نے کسی حال میں جائز نہیں رکھا جو آجکل ''کیوبا'' میں افغانستان کے مسلمان قیدیوں کے ساتھ کیا جا رہا ہے۔ اسلام نے غلام کو لفظ غلام تو دیا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس کو بھائی بنا کر رکھا ہے، چنانچہ اسلام میں یہاں تک تعلیم دی گئی ہے کہ جو تم کھاتے ہو وہی غلاموں کو کھلاؤ اور جو تم پہنتے ہو وہی انہیں پہناؤ، اور غلاموں کی آزادی کے اتنے راستے رکھے ہیں کہ حیرت ہوتی ہے اس کی ایک مثال یہ ہے کہ اگر کوئی مالک بھولے سے بھی اپنے کسی غلام کو کہہ دے کہ ''تو آزاد ہے'' یا اس کے ہم معنی کوئی لفظ بول دے تو غلام فوراً آزاد ہو جائے گا پھر وہ مالک لاکھ روکے کہ یہ لفظ میری زبان سے غیر ارادی طور پر نکل گیا ہے یا میرا ارادہ آزاد کرنے کا بالکل نہیں تھا، یا یوں کہے کہ میں نے یہ لفظ صرف مذاق میں بولا تھا تو مالک کی یہ بات ہرگز تسلیم نہیں کی جائے گی، شریعت کا قانون یہ ہے کہ غلام فوراً آزاد ہو جائے گا۔ حتیٰ کہ اگر غلام بھی کہے کہ واقعی اس کی نیت آزاد کرنے کی نہیں تھی اس لیے میں آزاد نہیں ہوا، یا غلام کہے کہ اگر میں آزاد ہو گیا ہوں مگر میں اب دوبارہ اس کا غلام ہونا چاہتا ہوں، تب بھی وہ آزاد ہی رہے گا دوبارہ اپنی مرضی سے بھی غلام نہیں بن سکتا۔ پھر روزے کا کفارہ، قسم کا کفارہ، ظہار کا کفارہ، قتل کا کفارہ، ان سب کفاروں میں غلام آزاد کرنے کا حکم ہے نیز رسول اللہ ﷺ نے یہ تعلیم بھی دی کہ اگر کسی مالک نے اپنے غلام کی پٹائی کی یا تھپڑ مار دیا تو اس کا کفارہ یہ ہے کہ وہ اس کو آزاد کر دے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے اپنے غلام کی پٹائی کر دی تھی جس سے اس کے جسم پر نشان پڑ گیا تھا تو اس کو فوراً آزاد کر دیا اور فرمایا کہ حضور ﷺ نے فرمایا تھا کہ جس نے اپنے غلام کو تھپڑ مارا، یا کوئی اور چیز ماری تو اس غلطی کا کفارہ یہ ہے کہ وہ اس غلام کو آزاد کر دے۔

(صحیح مسلم، باب صحبۃ الممالیک۔ حدیث نمبر ۳۱۷۴)

جنگی قیدیوں کے ساتھ دونوں جنگ عظیموں میں جو انسانیت سوز سلوک کیا گیا وہ انسانیت کے نام پر انتہائی بدنما داغ ہے جبکہ اسلام میں جنگی قیدیوں کے ساتھ وہ سلوک ہرگز جائز نہیں چنانچہ تاریخ اسلام دیکھ لیں کہ یہی غلام آزاد ہوکر بادشاہ بھی بن گئے، باندی کے پیٹ سے پیدا ہونے والا ہارون الرشید کا بیٹا ماٗمون الرشید عالم اسلام کا ''امیر المؤمنین'' (خلافت عباسیہ کا مشہور خلیفہ) بن گیا۔ اسلام نے غلام کے لیے لفظ تو غلام کا رکھا لیکن حقیقت میں اس کو اتنی عزت اور آزادی دی کہ دوسرے مذاہب اس کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔

دوسری بات یہ کہ جنگی قیدیوں کو غلام یا باندیاں بنانے کا جواز بھی صرف اس وقت تک ہے جب ہمارا دوسری قوموں سے غلام نہ بنانے کا کوئی معاہدہ نہ ہو، لیکن کسی قوم سے اگر ہمارا معاہدہ ہو جائے کہ اگر ہماری جنگ ہو گی تو جنگی قیدیوں کو غلام نہیں بنائیں گے تو پھر غلام بنانا جائز بھی نہیں ہو گا جیسا کہ اقوام متحدہ کے معاہدوں میں غلام نہ بنانے کا معاہدہ بھی شامل ہے تو جو ملک اور جو قوم اقوام متحدہ کی رکنیت قبول کر چکی ہے یا کرے گی۔ اسلامی شریعت کی رو سے وہ اس بات کی پابند ہو گی کہ وہ رکن ممالک کے جنگی قیدیوں کو غلام یا باندیاں نہیں بنا سکے گی۔ اس طرح ہم مسلمانوں کے لیے بھی جنگی قیدیوں کو غلام بنانا جائز نہ ہو گا۔

(۹) زیادہ عرصے کے لیے گھر سے باہر رہنا:

سوال: رائے ونڈ سے دو دو سال کی تشکیل ہوتی ہے جبکہ اس عرصے میں ان حضرات کے بیوی بچے پریشان ہوتے ہیں کیا اتنا عرصہ گھر سے باہر رہنا صحیح ہے؟

جواب: مسلسل اتنا عرصہ گھر سے باہر رہنا مناسب نہیں اس کے بہت سے مضر اثرات ہم نے اپنی آنکھوں سے دیکھے ہیں، دوسروں کی اصلاح تو بعد میں فرض ہے پہلے اپنے اور اپنے بیوی بچوں کے دین و ایمان کو بچانے کا مسئلہ ہے جب آدمی دو سال تک بیوی بچوں سے غائب رہے گا تو ان کے حقوق کون ادا کرے گا؟ ان کی تعلیم و

تربیت کا انتظام کون کرے گا؟ اور ان کی دیکھ بھال کون کرے گا؟ اس لیے یہ طریقہ مناسب نہیں، چنانچہ میدان جہاد میں جب مجاہدین کو چار مہینے ہو جاتے تھے تو حضرت فاروق اعظمؓ ان کو چھٹی دے دیتے تھے کہ گھر جاؤ اور گھر میں کچھ عرصہ رہ کر پھر واپس چلے آؤ۔

(۱۰) عیسائیوں، یہودیوں اور دوسرے کافروں میں فرق:

سوال: عیسائی اور یہودی کافر ہیں یا نہیں؟

جواب: عیسائی اور یہودی کافر ہیں اس میں کوئی شک وشبہ اور اختلاف نہیں، پوری امت کا اس پر اتفاق اور ائمہ اربعہ کا اجماع ہے کہ عیسائی اور یہودی کافر ہیں، البتہ یہ کافروں کی وہ قسم ہیں جو اہل کتاب کہلاتے ہیں، باقی کافروں سے اہل کتاب کا صرف دو مسئلوں میں فرق ہے ایک یہ کہ اگر یہ اپنے مذہبی طریقے کے مطابق جانور ذبح کریں تو ان کا حلال ہے اور دوسرا یہ کہ ان کی عورتوں سے نکاح جائز ہے اس کے علاوہ باقی تمام چیزوں میں یہ دوسرے کفار کی طرح ہیں، رہی یہ بات کہ کافر کس کو کہتے ہیں؟ تو کافر اس شخص کو کہتے ہیں جو رسول اللہ ﷺ کو نہ مانے یا ان کی تعلیمات میں سے کسی ایسی تعلیم کا انکار کرے جو یقینی طور پر اس تک پہنچی ہو، اگر کوئی شخص رسول اللہ ﷺ کو رسول نہیں مانتا یا رسول تو مانتا ہے مگر یہ کہتا ہے کہ میں آپ ﷺ کی فلاں بات کو نہیں مانتا تو ایسا شخص کافر ہے۔

........❖........

ماہِ رمضان بخشش کا ذریعہ

موضوع: ماہِ رمضان بخشش کا ذریعہ
خطبات: حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی مدظلہم
مقام: جامعۃ العلوم الاسلامیہ، بنوری ٹاؤن کراچی
تاریخ: ۲۹ رمضان المبارک ۱۴۲۳ھ
ترتیب وعنوانات: اعجاز احمد صمدانی
باہتمام: محمد ناظم اشرف

﴿ماہِ رمضان بخشش کا ذریعہ﴾

خطبہ مسنونہ:

الحمد للّٰه نحمدهٗ و نستعينهٗ و نستغفرهٗ و نؤمِنُ بهٖ ونتوكل عليه ونعوذ باللّٰهِ مِن شرورِ أنفسنا ومِن سيئاتِ أعمالنا مَن يهدِهِ اللّٰه فلا مُضِلَّ لهٗ وَمَنْ يُضللهُ فلا هَادِىَ لهٗ ونشهد أن لآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه وحدهٗ لاشريك لهٗ و نشهد أنّ سيدنا و سَنَدنا و مولانَا محمداً عبدهٗ ورسولهٗ صلى اللّٰه تعالٰى عليه و علٰى آلهٖ و صحبهٖ اجمعين و سلّم تسليماً كثيراً.

امابعد!

فَأَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ. بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْراً يَرَهٗ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شراً يَرَه. (سورة الزلزال)

بزرگانِ محترم، برادرانِ عزیز، محترم خواتین اور میری ماؤں، بہنو اور بیٹیو!

قبولیتِ دعا کے خاص اوقات:

اللہ رب العالمین کا فضل و کرم ہے کہ اس نے ہمیں تراویح میں ختم قرآن کی توفیق بخشی ہے۔ ختم قرآن کا موقع قبولیت دعا کا خاص وقت ہوتا ہے بلکہ رمضان المبارک کی ہر رات دعاؤں کی قبولیت کے لیے خاص ہے۔ رمضان کی ہر رات میں مغرب سے لے کر سحری کا وقت ختم ہونے تک اللہ رب العالمین کا ایک منادی پکار پکار کر اعلان کرتا ہے۔

> ''ہے کوئی بخشش مانگنے والا کہ میں اُسے معاف کر دوں، ہے کوئی رزق مانگنے والا کہ میں اُسے رزق عطا کر دوں، ہے کوئی مصیبت اور پریشانیوں میں گرفتار عافیت مانگنے والا کہ میں اُسے عافیت عطا کر دوں۔'' (کنز العمال رقم الحدیث: ۲۳۷۰۵)

یہ ندا اس ذات کی طرف سے ہوتی ہے جو مالک الملک ہے۔ کائنات کا خالق ہے۔ جس کے خزانوں میں کوئی کمی نہیں۔

آج کی رات بہت اہم ہے:

ہر رات یہ اعلان ہوتا ہے۔ پھر عشرۂ اخیرہ کی طاق راتوں میں اللہ تعالیٰ نے لیلۃ القدر رکھی۔ اس عشرہ کی ہر طاق رات میں یہ امکان ہوتا ہے کہ ہوسکتا ہے کہ آج لیلۃ القدر ہو۔ آج کی رات بھی طاق رات ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ نے ہمیں ختم قرآن کی توفیق بخشی۔ ہوسکتا ہے کہ یہ لیلۃ القدر ہو۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ یہ رات رمضان المبارک کی بھی آخری رات ہو کہ کل شام کو عید کا چاند نظر آجائے[1]۔

کچھ معلوم نہیں کہ اگلا رمضان ہم میں سے کس کے مقدر میں ہے اور کس کے مقدر میں نہیں۔ پچھلے رمضان میں ہمارے کتنے ساتھی، رشتہ دار، دوست، عزیز

---

[1] حضرت مدظلہم نے یہ بیان ۲۹ رمضان المبارک کو فرمایا تھا۔

احباب روزوں اور تراویح میں ہمارے ساتھ تھے لیکن آج وہ ہم سے رخصت ہو کر اپنی منزل پر جا چکے ہیں۔ کچھ معلوم نہیں کہ اگلے سال ہم میں سے کون وہاں جا چکا ہو گا۔ اس لیے آج کی یہ رات ہمارے لیے بہت اہم ہے۔ اللہ رب العزت سے خوب مانگنے اور ان کے آگے گڑگڑانے کی رات ہے۔

رجب کا چاند دیکھنے پر دعا:

رسول اللہ ﷺ رجب کا چاند دیکھ کر یہ دعا فرماتے تھے:

اللّٰهم بَارِكْ لَنَا فِي رَجَبَ وشَعْبَانَ وَبَلِّغْنَا إِلٰى رَمَضَان.

(مشکوٰۃ)

''اے اللہ! ہمارے لیے رجب اور شعبان میں برکتیں عطا فرمایئے اور ہمیں رمضان تک پہنچا دیجئے۔''

''رمضان تک پہنچا دیجئے'' کا مطلب یہ ہے کہ ہمیں رمضان المبارک تک زندہ رکھیئے۔

یہ دعا مانگتے تھے سید الأولین والآخرین جو سب سے پہلے جنت کا دروازہ کھولیں گے۔ جن کو خبر دے دی گئی کہ آپ کی شفاعت کے بغیر کوئی جنت میں نہیں جائے گا۔ شافع محشر اور صاحب مقام محمود۔ وہ بھی اپنے آپ کو رمضان کی لیل ونہار کا محتاج سمجھتے تھے اور یہ دعا فرماتے تھے کہ یا اللہ! جب آپ نے ہمیں رجب تک پہنچا دیا تو ہماری دعا یہ ہے کہ ہمیں رمضان تک بھی پہنچا دیجئے۔ تو کچھ بات ہوئی رمضان میں!

رمضان المبارک ...... بخشش کا بہانہ:

آیاتِ قرآنیہ اور رسول اللہ ﷺ کے ارشادات میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ رمضان المبارک کو آنحضرت ﷺ کی امت کی بخشش کے لیے بہانہ بنایا گیا ہے۔ چونکہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے جنابِ رسول اللہ ﷺ سے یہ وعدہ کر

دیا تھا کہ:

﴿وَلَسَوۡفَ یُعۡطِیۡکَ رَبُّکَ فَتَرۡضٰی﴾ (سورۃ الضحیٰ)

''ضرور دے گا آپ کو آپ کا رب کہ آپ خوش ہو جائیں گے۔''

اور سرورِ کونین صلی اللہ ﷺ جب سراپا رحمت بن کر تشریف لائے۔ اور آپ اپنی امت کے لیے ایسی رحمت تھے کہ راتوں کو جاگ کر رو رو کر اور بلک بلک کر امت کے لیے اللہ رب العالمین سے دعائیں مانگتے تھے۔ تو کیا آپ اس حال میں راضی ہو جائیں گے جبکہ آپ کا ایک امتی بھی جہنم میں ہوگا، بلکہ جب تک آخری امتی کو بھی جہنم سے نہیں نکلوالیں گے، اس وقت تک راضی نہیں ہوں گے۔

چونکہ اللہ رب العالمین کو اپنے محبوب محمد ﷺ کو راضی کرنا ہے اور آپ اس وقت راضی ہوں گے جب آپ کی ساری امت جنت میں چلی جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ رمضان المبارک کو اللہ رب العزت نے مغفرت اور بخشش کا بہانہ بنایا ہے۔ اس میں بخشش کے کیسے کیسے وعدے کیے گئے! فرمایا کہ جس شخص نے رمضان کے روزے رکھ لیے، اس کے پچھلے سارے گناہ معاف، جس نے رمضان کی تراویح پوری پڑھ لیں، اس کے پچھے سارے گناہ معاف۔[1] جس نے لیلۃ القدر میں عبادت کر لی، اس کے پچھلے سارے گناہ معاف۔ اور اس ایک رات کی عبادت کا ثواب ایک ہزار مہینے کی عبادت سے زیادہ ہے۔ ایک ہزار مہینوں کے تقریباً تراسی سال بنتے ہیں اور آج کل کے لوگوں کی عمریں شاذ و نادر ہی ۸۳ سال ہوتی ہیں۔ عام طور پر ساٹھ اور ستر سال کے درمیان رخصت ہو جاتے ہیں۔

---

[1] پوری حدیث کے الفاظ یہ ہیں: عن أبی هريرة قال قال رسول الله ﷺ من صام رمضان ايماناً و احتساباً غُفر لهٗ ماتقدم من ذنبه و من قام رمضان ايماناً و احتساباً غفر لهٗ ما تقدم من ذنبه و من قام ليلة القدر ايماناً و احتساباً غفر لهٗ ماتقدم من ذنبه (متفق علیہ) یہاں پر ''رمضان میں کھڑا ہونے'' سے مراد یہ ہے کہ رمضان کی راتوں میں تراویح پڑھے (کذا فی مظاہر حق ۲/۲۹۵)

اس کا مطلب یہ ہوا کہ جس شخص کو لیلۃ القدر میں عبادت کرنے کا موقع مل جائے تو گویا اس نے پوری عمر بلکہ اس سے بھی زیادہ عرصہ عبادت کر لی یہ سب انعامات دیکھ کر یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ مہینہ اللہ کی طرف سے بخشش کا بہانہ ہی ہے۔ چنانچہ رمضان المبارک میں اور بھی بہت سے چھوٹے چھوٹے اعمال پر بڑے بڑے فضائل رکھے گئے۔

روزہ افطار کرانے کی فضیلت:

سید الکونین ﷺ نے فرمایا کہ اگر کوئی اپنے کسی مسلمان بھائی کا روزہ افطار کروا دے تو اس کے سارے گناہ معاف۔ اور پھر یہ بھی کہ افطار کرنے والے کو تو اس کے روزے کا ثواب ملے گا ہی، افطار کرانے والے کو بھی ایک روزے کا ثواب دیا جائے گا۔ اور رمضان المبارک میں ایک روزے کا ثواب ستر روزوں کے برابر ہوتا ہے۔ ایک روپے کے صدقے کا ثواب ستر روپے کے صدقے کے برابر ہوتا ہے۔ فجر کی ایک نماز پڑھی تو فجر کی ستر نمازیں پڑھنے کا ثواب۔ غرض یہ کہ ہر عمل کا ثواب ستر گنا بڑھ جاتا ہے۔

روزہ افطار کرانے کی اتنی بڑی فضیلت سن کر صحابہ کرامؓ نے یہ سمجھا کہ شاید اتنا بڑا ثواب اس صورت میں ملے گا جب پیٹ بھر کر کھانا کھلایا جائے۔ اس لیے انہوں نے جنابِ رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! ہم میں سے ہر ایک کے اندر تو یہ طاقت نہیں ہے کہ وہ دوسرے کو پیٹ بھر کر کھانا کھلا سکے۔ آپ ﷺ نے جواب میں فرمایا کہ یہ بات نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ تو یہ ثواب اس شخص کو بھی دیتے ہیں جو ایک کھجور سے کسی کا روزہ افطار کرا دے اور اس کو بھی دیتے ہیں جو پانی کے ایک گھونٹ سے کسی کا روزہ افطار کرا دے۔

عشرۂ اخیرہ کے اعتکاف کی فضیلت:

ایک حدیث میں فرمایا گیا کہ جس نے رمضان المبارک کے آخری عشرہ

میں اعتکاف کر لیا، اسے دو حج اور دو عمروں کا ثواب ملے گا۔ سال بھر میں آدمی صرف ایک ہی حج کر سکتا ہے، اس سے زیادہ نہیں اور یہاں دس دن میں دو حجوں کا ثواب مل جاتا ہے اور مزید دو عمرے بھی ساتھ ہیں۔ یہ سب کچھ مغفرت کا بہانہ نہیں تو اور کیا ہے؟

لیلۃ القدر کیوں دی گئی؟

لیلۃ القدر بھی اسی طرح کا ایک بہانہ ہے۔ صحابہ کرامؓ کے سامنے ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے بنی اسرائیل کے ایک عابد کا ذکر فرمایا کہ وہ دن کو روزہ رکھتا تھا اور رات کو عبادت کرتا تھا۔ اسی حال میں اُس نے ایک ہزار مہینے گزارے۔ یہ سن کر صحابہ کرامؓ کے دل میں حسرت ہوئی کہ پچھلی امتوں کے لوگ تو آگے نکل گئے، ہم اگر پوری عمر بھی عبادت میں لگا دیں تو ان کے برابر نہیں پہنچ سکتے۔ تو اللہ تعالیٰ نے تاجدار دو عالم سرورِ کونین ﷺ کی آنکھیں ٹھنڈی کرنے کے لیے ''سورۃ القدر'' نازل فرما دی تاکہ آپ ﷺ کے دل میں اپنی امت کے بارے میں کوئی حسرت نہ رہے اور امت کا دل بھی یہ سن کر خوش ہو کہ لیلۃ القدر تو ایک ہزار مہینے سے بھی بہتر ہے۔

اس لیے اس پر ہم اللہ تعالیٰ کا جتنا بھی شکر ادا کریں، کم ہے کہ اُس نے اپنے فضل سے ہمیں رمضان المبارک عطا فرمایا، روزے رکھنے کی توفیق دی اور تراویح کے اندر قرآن مجید پڑھنے اور سننے کی توفیق عطا فرمائی۔

قرآن مجید کی ایک غیر معمولی فضیلت:

قرآن مجید کا حال یہ ہے کہ یہ ایسی عظیم نعمت ہے کہ شریعت کا عام قانون تو یہ ہے کہ جو شخص کوئی نیکی کرے گا، اس کا ثواب دس گنا لکھا جاتا ہے مثلاً ایک روپیہ صدقہ کیا تو لکھے جائیں گے دس روپے، ایک ہزار صدقہ کیا تو لکھے جائیں گے دس ہزار، دو رکعتیں پڑھیں تو لکھی جائیں گی بیس رکعتیں۔ قرآن مجید میں ہے:

﴿مَن جَاءَ بِالْحَسنَةِ فَلَهُ عَشْرُ أَمْثَالِهَا﴾ (اعراف: ۱۶۰)

''جو کوئی (خدا کے حضور) نیکی لے کر آئے گا، اس کو ویسی دس نیکیاں ملیں گی۔''

ظاہر ہے کہ یہ قانون اس صورت میں ہے کہ جب کوئی ایک نیکی پوری ہو جائے مثلاً دو رکعتیں پوری ہو گئیں تو پھر وہ بیس رکعت کے برابر ہوں گی، اگر درمیان میں سے نماز توڑ دی تو ظاہر ہے کہ اس پر یہ ثواب نہیں ملے گا۔ لیکن قرآن مجید کے معاملے میں حیرت ناک آسانی فرما دی۔ وہ یہ کہ قانون کا تقاضا تو یہ ہے کہ قرآن مجید کی تلاوت میں عمل اس وقت پورا ہوگا، جب آیت پوری ہو گی یا کم از کم ایک لفظ پورا ہو جائے گا مثلاً کوئی شخص کہتا ہے ''قل یاایھاالکافرون'' تو یہ عمل اس وقت مکمل ہوتا جب پوری آیت پڑھ لیتا یا کم از کم ''قل'' کہنے پر عمل مکمل ہوتا۔ لیکن فرمایا گیا کہ نہیں، قرآن مجید اس قانون میں اور زیادہ آگے ہے، وہ یہ کہ ابھی عمل پورا نہیں ہوا، قــــل کا صرف ''ق'' پڑھا تو بھی دس نیکیاں ہو گئیں۔ اس کے بعد جب ''لام'' پڑھا تو دس نیکیاں اور مل گئیں چنانچہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ:

﴿لا أَقُولُ الٓمٓ حَرْفٌ، لٰكِنْ أَلِفٌ حَرفٌ وَلامٌ حَرْفٌ وَمِيمٌ حَرْفٌ.﴾ (مشکوۃ)

''میں یہ نہیں کہتا کہ پورا ''الم'' ایک حرف ہے بلکہ الف ایک ایک حرف ہے، لام دوسرا حرف ہے اور میم تیسرا حرف ہے۔''

ایک حرف کے بدلے سو نیکیاں.........!

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے نقل کیا کہ ایک حرف پر دس نیکیاں تو اس صورت میں ملتی ہیں کہ جب آدمی قرآن شریف بغیر وضو کے پڑھے۔ (بغیر وضو قرآن مجید کو چھونا تو جائز نہیں لیکن پڑھنا جائز ہے) لیکن اگر وضو کی حالت میں قرآن مجید پڑھے گا تو ایک حرف پر پچیس نیکیاں اور اگر نفل نماز میں

بیٹھ کر پڑھے گا تو ایک حرف پر پچاس نیکیاں اور اگر کھڑے ہو کر پڑھے گا تو سو نیکیاں۔ جب نفلوں کا یہ حال ہے تو فرض نمازوں کا آپ خود اندازہ کر سکتے ہیں۔

کیسا بدبخت ہے وہ انسان جس کی رمضان المبارک میں بھی بخشش نہ ہوئی!

ان تمام انعامات اور خوشخبریوں کے ساتھ ساتھ ایک چیز ایسی ہے جو بہت فکر میں ڈالنے والی ہے۔ دانشمندی اور ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ اس پر بھی نظر کی جائے۔ وہ یہ کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

﴿رَغِمَ اَنْفُ رَجُلٍ أَتٰی عَلَیْهِ رَمَضَانُ ثُمَّ انْسَلَخَ قَبْلَ اَنْ يُغْفَرَ لَهٗ.﴾ (ترمذی رقم الحدیث ۳۵۴۵، مسند احمد بن حنبل: ۲/۲۵۴)

''ذلیل و رسوا ہو جائے وہ شخص جس پر رمضان آیا اور چلا گیا اس نے اپنی مغفرت نہ کرائی۔''

اس حدیث میں اس ذات نے بددعا فرمائی ہے جس نے دشمنوں کی گالیاں سن کر بھی کبھی انہیں بددعا نہیں دی تھی، خود رحمت عالم نے جس شخص کے لیے بددعا فرمائی، اندازہ کیجیے وہ کیسا بدبخت انسان ہو گا۔

اس کا جرم یہ ہے کہ اس پر پورا رمضان المبارک گزر گیا لیکن اس نے اپنی مغفرت نہ کرائی۔ اس کے لیے اتنی سخت وعید کیوں؟ اس لیے کہ اس مہینے میں اللہ تعالیٰ نے مغفرت کے اتنے راستے کھول رکھے تھے کہ اگر وہ ذرا سی کوشش اور ہمت کر لیتا تو اس کی مغفرت ہو جاتی لیکن یہ اس کی بدبختی کہ رمضان کے دن اور رات گزر گئے لیکن اس نے کوئی ایسا کام نہ کیا، جس سے اس کی بخشش ہوتی۔

چار قسم کے آدمی جن کی لیلۃ القدر میں بخشش نہیں ہوتی:

اسی طرح ایک اور حدیث میں فرمایا گیا کہ لیلۃ القدر میں جبرئیل امین فرشتوں کی ایک جماعت کے ساتھ دنیا میں آتے ہیں اور جو شخص بھی عبادت کر رہا ہوتا

ہے، کھڑے ہوکر یا بیٹھ کر اس کے لیے دعا فرماتے ہیں۔ جب واپس جانے لگتے ہیں تو ملائکۃ جبرئیل امین سے پوچھتے ہیں کہ یہ بتلایئے کہ اللہ تعالیٰ نے اس رات میں امت محمدیہ ﷺ کو کیا دیا؟ جبرئیل امین فرماتے ہیں کہ اس رات میں اللہ تعالیٰ نے امت محمدیہ ﷺ پر یہ انعام کیا کہ انہیں بخش دیا سوائے چار قسم کے آدمیوں کے۔

گویا یہ چار قسم کے بدبخت آدمی وہ ہیں کہ لیلۃ القدر میں بھی ان کی بخشش نہیں ہوئی۔ یہ سن کر صحابہ کرامؓ ڈر گئے۔ انہوں نے آپ ﷺ سے پوچھا کہ وہ کون لوگ ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ پہلا وہ شخص جو شراب کا عادی ہو۔ دوسرا وہ جو اپنے ماں باپ کے ساتھ بدسلوکی کرنے والا ہو، (بدسلوکی میں یہ بھی داخل ہے کہ ماں باپ کے سامنے بلند آواز سے بولے)

والدین رمضان المبارک سے بھی بڑا بخشش کا ذریعہ ہیں:

والدین کی نافرمانی کرنے کے لیے آپ ﷺ نے الگ سے بھی یہ بددعا فرمائی کہ ذلیل و رسوا ہوا وہ شخص جس کو ماں باپ کا بڑھاپا ملا، پھر بھی اس نے بخشش نہ کرائی۔ کیوں؟ اس لیے اللہ تعالیٰ نے والدین کو بخشش کا ایسا ذریعہ بنایا تھا کہ غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ رمضان المبارک سے بھی زیادہ بخشش کا ذریعہ ماں باپ ہیں کیونکہ حدیث میں آتا ہے کہ ماں باپ کو ایک مرتبہ محبت کی نظر سے دیکھنے پر ایک حج کا ثواب ملتا ہے۔ اعتکاف میں تو دس دن میں بیٹھنے سے دو حج کا ثواب ملتا ہے جبکہ یہاں ایک نظر پر ایک حج کا ثواب مل رہا ہے۔ دن میں سو مرتبہ دیکھے تو سو حج کا ثواب ملے گا۔

ایک حدیث میں رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد منقول ہے ''ماں باپ تمہارے لیے جنت کا دروازہ ہیں۔'' ایک اور حدیث میں فرمایا کہ ''ماں باپ تمہارے لیے جنت بھی ہیں، دوزخ بھی ہیں۔'' مراد یہ کہ اگر ان کی خدمت کر کے انہیں بخشش

کا ذریعہ بنالوگے تو جنت مل جائے گی۔ اگر نہیں بناؤ گے تو جہنم ٹھکانہ ہوگا۔

صلہ رحمی نہ کرنے والے کی بھی بخشش نہیں ہوتی:

تیسرا شخص جس کی اس رات میں بخشش نہیں ہوگی وہ یہ کہ جو رشتے داروں کے ساتھ تعلقات کو کاٹتا ہے۔

صلہ رحمی شریعت کا ایسا ہی فریضہ ہے جس طرح نماز، روزہ حج اور زکوٰۃ۔ صلہ رحمی کیا ہے؟ رشتے داروں کے ساتھ اچھا سلوک کرنا۔ اچھے سلوک میں یہ داخل ہے کہ ان سے ملنے کے لیے جائیں۔ اگر وہ تمہارے پاس آئیں تو ان سے خندہ پیشانی سے پیش آنا۔ اگر انہیں کوئی پریشانی ہو تو ان کی مدد کریں، بیمار ہوں تو عیادت کرو، ان کی کوئی خوشی ہے تو اس خوشی میں شریک ہو جاؤ۔ انہیں خوش کرنے کے لیے کبھی کبھی کوئی تحفہ دے دو یا کوئی ایسی بات کر دو جس سے وہ خوش ہو جائیں۔

جس طرح نماز چھوڑنا حرام ہے، اسی طرح رشتے داروں سے تعلق کو توڑنا بھی حرام ہے۔ گناہِ کبیرہ ہے۔ آنحضور ﷺ نے ارشاد فرمایا:

﴿لایدخل الجنة قاطع.﴾ (مشکوٰۃ)

''قطع رحمی کرنے والا جنت میں داخل نہیں ہوگا۔''

قطع رحمی کا مرض کینسر کی طرح پھیل چکا ہے:

آج ہمارے معاشرے میں یہ بیماری کینسر کی طرح پھیلی ہوئی ہے۔ ہمارے دین اور دنیا کو برباد کر رہی ہے۔ ''میاں! میں تو اس سے بات بھی نہیں کرتا، فلاں میرا بھانجا ہے، فلاں بھتیجا ہے، فلاں میرا بھائی ہے، فلاں میری بہن ہے لیکن میں اُن کے گھر میں قدم بھی نہیں رکھوں گا۔'' قدم نہیں رکھے گا اور بات نہیں کرے گا تو اپنا ہی بگاڑے گا، کسی دوسرے کا کیا بگاڑے گا۔ جب تک اپنی ''انا'' کو نہیں توڑو گے، جنت کا راستہ نہیں کھلے گا۔ رشتے دار خواہ بدکار ہو، گنہگار ہو، فاسق و فاجر ہو پھر بھی اس کا حق ہے کہ اس کے ساتھ حسنِ سلوک کیا جائے۔ رشتے دار کے ساتھ

آنا جانا رکھنا بھی مناسب نہیں تاہم اس سے بائیکاٹ کرنا، بالکل بات چیت نہ کرنا، سلام وکلام چھوڑنا اور قدرت کے باوجود تکلیف کے وقت ان کی مدد نہ کرنا یہ سب قطع رحمی ہے جو کہ حرام اور ناجائز ہے۔

میدانِ حساب میں سب تکبر نکل جائے گا:

یہ سب انانیت اور غرور وتکبر اس وقت نکل جائے گا جب آخرت میں میدان حساب میں پہنچیں گے۔ ایک مرتبہ تاجدارِ کونین ﷺ سے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا کہ یا رسول اللہ! میدان حساب میں آپ ہمارا بھی خیال رکھیں گے؟ غور کیجیے کہ پوچھنے والی چہیتی بیوی، صدیق اکبر کی صاحبزادی اور خود صدیقیت کے مرتبے پر فائز اور جس سے پوچھا جا رہا ہے وہ رحمت عالم۔ آپ ﷺ نے جواب میں فرمایا کہ آخرت کے میدان حساب میں تین موقع ایسے ہوں گے کہ وہاں کسی کو کسی کی ہوش نہیں ہوگی۔ ہر ایک کو اپنی پڑی ہوگی۔

ایک وقت وہ جب اعمال کا وزن ہو رہا ہوگا۔ جب تک نیکیوں کا پلڑا نہ جھک جائے۔ اس وقت تک کسی کو کسی کا ہوش نہ ہوگا۔ دوسرا وقت وہ جب اعمالنامے اڑ کر لوگوں کے پاس آئیں گے تو جب تک اعمالنامہ دائیں ہاتھ میں نہ مل جائے اس وقت تک کسی کو کسی کا ہوش نہ ہوگا، اور تیسرا وقت وہ جب پل صراط سے گزر ہوگا، اس وقت بھی کسی کو کسی کا ہوش نہ ہوگا۔

قطع رحمی کی ایک شدید وعید:

پل صراط جہنم پر بچھائی گئی ایسی پل ہے جس کی مسافت پانچ سو برس کے برابر ہے۔ اس پر سے بہت سے لوگ اس طرح گزر جائیں گے جس طرح بجلی کا کرنٹ گزرتا ہے۔ اور بہت سے لوگ اس طرح گزریں گے جس طرح پرندے اڑ کر گزرتے ہیں۔ بہت سے لوگ اس طرح گزریں گے جس طرح تیز رفتار سواری گزرتی ہے۔ اپنے اپنے اعمال کے اعتبار سے ان کی رفتاریں ہوں گی۔ فرمایا کہ جہنم

میں کلالیب (آنکڑے) ہوں گے جو پل صراط کے اردگرد کھڑے ہوں گے اور جس جس نے رشتے داروں کا حق مارا ہوگا، وہ انہیں اچک اچک کر جہنم میں ڈال دیں گے۔ یہ کتنے خطرے کی بات ہے۔ رشتے داروں کا کتنا حق ہے۔

مایوسی کی بات نہیں:

الحمدللہ، ہم نے بشارتوں کی بہت سی حدیثیں سنی اور پڑھی ہیں اور بلاشبہ وہ بالکل حق ہیں لیکن یہ حدیثیں بھی ہیں۔ ابھی توبہ کا موقع ہے۔ مایوسی کی بات نہیں اور ابھی رمضان المبارک کے ختم ہونے میں تقریباً چوبیس گھنٹے باقی ہیں، اور توبہ کے لیے ایک منٹ بھی کافی ہوتا ہے۔ ابھی وقت ہے۔ ہوسکتا ہے کہ آج کی رات رمضان المبارک کی آخری رات ہو بلکہ ممکن ہے کہ ہماری زندگی کے رمضان کی بھی آخری رات ہو۔

آسان راستہ:

اگر کسی رشتے دار سے رنجش ہے، آنا جانا بند ہے، قطع تعلق کر رکھا ہے تو اس کے پاس چلے جائیں۔ نہیں جا سکتے تو ٹیلی فون کر لیں یا فیکس کر لیں یا موبائل فون کر لیں وغیرہ۔ اور میں آپ کو اس کام کے کرنے کا آسان راستہ بتاتا ہوں۔ اگر یہ بحث کرنا چاہو کہ غلطی کس کی تھی؟ تو یہ مسئلہ کبھی حل نہیں ہوگا۔ آسان معاملہ یہ ہے کہ آپ یوں کہیں کہ دیکھو بھئی، ہمارے اور تمہارے تعلقات خراب رہے۔ ہمیں رسول اللہ ﷺ کی یہ حدیثیں معلوم ہوئی ہیں (اور پھر وہ حدیثیں سنا دو جو اوپر بیان ہوئیں) اپنے آپ کو آگ سے بچانے کے لئے میں آپ سے معافی مانگتا ہوں۔ مجھ سے جو غلطی ہوئی ہو، وہ معاف کر دو اور اگر تجھ سے کوئی غلطی ہوئی ہے تو وہ میں نے معاف کر دی۔ میں نے بھی اللہ کے لیے معاف کیا تم بھی اللہ کے لیے معاف کر دو تاکہ میری بھی بخشش ہو جائے اور آپ کی بھی بخشش ہو جائے اور اگر وہ کہے کہ میں معاف نہیں کرتا، تب بھی آپ کہہ دیں کہ میں نے معاف کر دیا۔

معافی مانگنے سے عزت بڑھے گی۔

اور یاد رکھئے، معافی مانگنے سے عزت خراب نہیں ہوگی بلکہ عزت بڑھے گی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

﴿مَنْ تَواضَعَ لِلّٰهِ رَفعهُ اللّٰه﴾ (مسند احمد بن حنبل: ۷۶/۳)

''جو اللہ کے لیے تواضع اختیار کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اُسے عزت دیتا ہے۔''

اس لیے اگر آپ اللہ کو راضی کرنے کے لیے اپنے راشتے داروں سے معافی مانگیں گے تو اس سے انشاء اللہ، آپ کی عزت میں اضافہ ہوگا۔

کچھ نہ کچھ غلطی آپ کی بھی ضرور ہوگی!

اور یاد رکھئے کہ یہ ہرگز نہ سوچئے کہ ساری غلطی تو اس کی ہے، میں کیوں معافی مانگوں؟ کچھ نہ کچھ غلطی آپ کی بھی ضرور ہوگی، تالی ایک ہاتھ سے کبھی نہیں بجتی۔ یہ ہوسکتا ہے کہ اس کی غلطیاں زیادہ ہوں، تمہاری کم ہوں تو تمہاری ان تھوڑی غلطیوں کی وجہ سے تمہاری گردن پکڑی جاسکتی ہے۔ اس سے تو اپنے آپ کو بچاؤ۔

کینہ رکھنے کی وعید:

چوتھا شخص جس کی لیلۃ القدر میں بخشش نہیں ہوتی، وہ ہے جو کسی سے کینہ رکھتا ہو۔ بعض لوگوں کے دلوں میں کسی کے خلاف کینہ ہوتا ہے اور دل چاہتا ہے کہ وہ ذلیل و رسوا ہو، اسے جوتے پڑیں تاکہ ہمارا دل خوش ہو جائے۔ ایسے شخص کی بھی لیلۃ القدر میں بخشش نہیں ہوتی۔ جب لیلۃ القدر میں بخشش نہیں ہوتی تو باقی رمضان المبارک میں کیسے ہوگی!

وہ لوگ جنہیں روزے سے بھوکے رہنے کے سوا کچھ نہیں ملتا:

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

﴿رب صائم لیس لہ من صیام الا الجوع ورب قائم

لیس له فی القیام الا السّهر ﴿ (ابن ماجہ و نسائی)

''بعض روزے دار ایسے ہیں کہ انہیں روزے سے سوائے بھوک کے کچھ نہیں ملتا اور بعض راتوں کو کھڑے ہو کر عبادت کرنے والے ایسے ہوتے ہیں کہ انہیں سوائے جاگنے کے کچھ نہیں ملتا۔''

علماء نے لکھا کہ جنہیں روزے سے بھوک کے سوا کچھ نہیں ملتا یہ وہ لوگ ہیں جو روزہ رکھتے ہیں لیکن افطار حرام مال سے کرتے ہیں۔ رشوت کا مال ہے، چھینا ہوا مال ہے، ڈاکے کا مال ہے، بھتے کا وصول کیا ہوا ہے، سود کا پیسہ ہے، سودی کام کی تنخواہ کا پیسہ ہے۔ جو لوگ سود کے معاملات لکھتے ہیں، ان کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

﴿لَعَنَ اللّٰهُ اٰكِلَ الربٰوا ومُوكِلَه' وكَاتِبَه' وَشَاهِدَيْهِ﴾

(مسلم)

''اللہ تعالیٰ نے لعنت کی ہے سود کھانے والے پر، سود کھلانے والے، سود کا معاملہ رکھنے والے پر اور سود کے معاملے پر گواہ بننے والے پر بھی۔''

لہٰذا جو شخص بینکوں کے اندر سودی کام کر رہا ہے، وہ حرام کام کر رہا ہے اور اسے جو تنخواہ مل رہی ہے، وہ بھی حرام مل رہی ہے۔ بعض لوگ کہا کرتے ہیں کہ صاحب! ہم تو محنت کر کے تنخواہ لیتے ہیں، مفت میں تو نہیں لے رہے۔ میں ان کو جواب دیا کرتا ہوں کہ فاحشہ عورت جو پیسے کماتی ہے، وہ بھی تو محنت کر کے کماتی ہے۔ یاد رکھئے کہ ہر محنت کی کمائی حلال نہیں۔ سود کی کمائی ایسی ہی حرام ہے جیسے سور کا گوشت حرام ہے۔

سود کے علاوہ ہمارے ہاں حرام کمائی کے اور بہت سے دروازے کھلے ہوئے ہیں۔ تجارت میں نمبر دو مال چل رہا ہے، ناپ تول میں کمی، دھوکہ بازی، جھوٹ بول کر چیزیں فروخت کرنا، اور کام چوری (تنخواہ پوری لے لینا اور ڈیوٹی پوری

نہ دینا) یہ سب حرام ہے۔

اور ایک تفسیر علماء نے یہ کی کہ یہ وہ لوگ ہیں، جو رمضان المبارک میں روزہ رکھتے ہیں اور غیبت نہیں چھوڑتے۔ تو یہ کتنے افسوس کی بات ہے کہ روزہ بھی رکھا، محنت بھی کی لیکن حصے میں کچھ نہ آیا، راتوں کو جاگے بھی لیکن حصے میں کچھ نہ آیا۔

صدقِ دل سے توبہ کریں:

اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ وہ ہمیں ایسے لوگوں میں نہ کریں۔ توبہ کا موقع ہے خوب گڑگڑا کر اللہ تعالیٰ سے توبہ کریں۔ اگر کوئی شخص ان میں سے کسی گناہ میں مبتلا ہے تو وہ صدقِ دل سے توبہ کرے، انشاء اللہ نوازا جائے گا۔

اللہ تعالیٰ ہمیں ان باتوں پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائیں۔

وآخر دعوانا أن الحمدلله رب العالمين.

.......❖.......

دینی مدارس کی اہمیت اور مغربی دنیا میں اُن کی ضرورت

موضوع:	دینی مدارس کی اہمیت اور مغربی دنیا میں ان کی ضرورت
خطاب:	حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی مدظلہم
مقام:	دار العلوم نیویارک، امریکہ
ترتیب وعنوانات:	اعجاز احمد صمدانی
باہتمام:	محمد ناظم اشرف

دینی مدارس کی اہمیت اور مغربی دنیا میں ان کی ضرورت

خطبہ مسنونہ:

الحمد للّٰہ نحمدہٗ و نستعینہٗ و نستغفرہٗ و نؤمِنُ بہٖ ونتوکل علیہ ونعوذ باللّٰہِ مِن شرورِ أنفسنا ومِن سیئاتِ أعمالنا مَن یھدہِ اللّٰہ فلا مُضِلَّ لہٗ وَمَنْ یُضللہُ فلا ھَادِیَ لہٗ ونشھد أن لآ اِلٰہ اِلَّا اللّٰہ وحدہٗ لاشریک لہٗ و نشھد أنّ سیدنا و سَندنا و مولانَا محمداً عبدہٗ ورسولہٗ صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ و علٰی آلہٖ و صحبہٖ اجمعین و سلّم تسلیماً کثیراً۔

امابعد!

فَأَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ. بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ o لَقَدْ مَنَّ اللّٰہُ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ إِذْ بَعَثَ فِیْھِمْ

رَسُولاً مِنْ أَنْفُسِهِمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ اٰيَاتِهٖ وَ يُزَكِّيْهِمْ وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَ اِنْ كَانُوا مِنْ قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُّبِيْنٍo

تمہید:

بزرگانِ محترم اور برادرانِ عزیز!

میرے لیے یہ بڑی سعادت اور خوش نصیبی کی بات ہے کہ نیویارک میں قائم ہونے والے اس دارالعلوم میں کئی سالوں سے تقریباً ہر سال حاضری ہو رہی ہے۔ میں اس حاضری کو واقعۃً اپنے لیے بہت بڑا سرمایۂ حیات سمجھتا ہوں اس لیے کہ جس بے سروسامانی اور مشکل حالات میں اور جن رکاوٹوں کو دور کر کے ان حضرات نے یہ دارالعلوم قائم کیا ہے، دل چاہتا ہے کہ میں اپنا زیادہ سے زیادہ وقت ان حضرات کو دوں۔ اس وقت تو آپ کو چھوٹے سے چند کمرے نظر آرہے ہیں۔ ان بیچاروں کے پاس بے سروسامانی ہی کا سامان ہے۔ نجانے کن کن مشکلات سے گزر کر انہوں نے یہ جگہ حاصل کی۔ اب اللہ تعالیٰ نے انہیں دوسری جگہ عطا فرمائی ہے۔

نامور دینی اداروں کا آغاز عام طور پر بے سروسامانی کی حالت میں ہوا:

کچھ بعید نہیں کہ اللہ رب العالمین اس ادارے کو اس مغربی دنیا میں اسلامی علوم کا گہوارہ بنا دے قرآن و سنت کی روشنی یہاں سے پھیلے اور یہ دارالعلوم مینارۂ ہدایت بنے۔ جتنے بھی دینی اداروں نے دنیا میں اسلامی علوم کی ترویج میں تاریخ ساز کارنامے انجام دیئے، ان کا آغاز ہمیشہ بے سروسامانی سے ہوا۔

اسلام کی پہلی درسگاہ انتہائی صبر آزما حالات میں قائم ہوئی:

اسلام کی سب سے پہلی درسگاہ انتہائی صبر آزما حالات میں مکہ مکرمہ میں "دارارقم" کے نام سے قائم ہوئی جو دراصل حضرت ارقم رضی اللہ عنہ کا مکان تھا۔

آنحضرت ﷺ کو حکم دیا گیا کہ آپ کو وحی کے ذریعے جو تعلیم دی جا رہی ہے، قرآن کریم نازل ہو رہا ہے، اسے آپ آگے سکھائیں، اس کی تعلیم دیں۔ چنانچہ جو آیت میں نے خطبے میں تلاوت کی، اس میں آپ ﷺ کا یہی فریضہ بیان کیا گیا ہے۔

﴿لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ إِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلاً مِنْ أَنْفُسِهِمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ﴾ (آل عمران، ۱۶۴)

"خدا نے مومنوں پر بڑا احسان کیا ہے کہ ان میں انہیں میں سے ایک پیغمبر بھیجا جو ان کو خدا کی آیات پڑھ پڑھ کر سناتے اور ان کو پاک کرتے اور (خدا کی) کتاب اور دانائی سکھاتے ہیں۔"

آنحضرت ﷺ کے ذمے چار کام لگائے گئے:

اس آیت میں بتایا کہ آپ ﷺ کے ذمے چار کام لگائے گئے۔

پہلا کام یہ کہ آپ قرآن مجید کی آیات پڑھ کر لوگوں کو سنائیں تاکہ دوسرے لوگ بھی قرآن مجید کی تلاوت صحیح طریقے سے کرسکیں۔ یہ الفاظ قرآن کی تعلیم تھی جو ہمارے مکاتب قرآنیہ میں ہوتی ہے۔ ناظرہ، حفظ، قرآن وتجوید کی تعلیم کی شکل میں۔

دوسرا کام یہ کہ ان کا تزکیہ کریں، انہیں پاک کریں۔ کس چیز سے پاک کریں؟ غلط عقیدوں سے، برے اعمال سے اور برے اخلاق سے۔ ان کے اندر اچھے اخلاق کی نشو ونما کریں، اور ان کے اندر برے اخلاق سے رکنے کی عادت ڈالیں اور دین پر عمل کرنے کی ٹریننگ دیں۔

تیسرا کام یہ بتلایا گیا کہ "وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ" (اور انہیں قرآن مجید کی

تعلیم دے)۔ پہلا جو کام بتایا گیا تھا وہ یہ تھا کہ قرآن مجید پڑھ کر سنائے یعنی اس کے الفاظ سکھائے۔ اب آیا کہ قرآن مجید کی تعلیم دے، یہاں مطلق ہے، یعنی جو کام ابھی نہیں ہوا تھا، وہ کرے۔ الفاظِ قرآن کی تعلیم ہوئی تھی معنی قرآن کی تعلیم بھی دے۔

قرآن مجید اگرچہ عربی زبان میں آیا ہے اور صحابہ کی مادری زبان بھی عربی ہے۔ کتنے صحابہ کرامؓ ایسے ہیں کہ ان کی مادری زبان عربی تھی جیسے حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ، حضرت عبدالرحمنؓ بن عوف وغیرہ وغیرہ۔

قرآن مجید کے معانی صرف زبان جاننے سے نہیں سمجھے جا سکتے:

صحابہ کرامؓ کی مادری زبان بھی عربی اور قرآن کی زبان بھی عربی لیکن اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہم نے آپ کو بھیجا کہ آپ معنیٰ قرآن کی تعلیم دیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ قرآن کے معنی صرف زبان جاننے سے نہیں سمجھے جا سکتے۔ آدمی عربی کا کتنا ہی ماہر ہو جائے، بڑا سے بڑا ادیب، بلیغ اور فصیح ہو جائے لیکن اس وقت تک قرآن نہیں سمجھ سکتا جب تک رسول کی تعلیم اس کے پاس نہ آئے۔

کیا ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما عربی نہیں جانتے تھے؟ آج کون دعویٰ کر سکتا ہے ان کے برابر عربی زبان جاننے کا۔ یہ لوگ عربی زبان کے زبردست خطیب تھے۔ جن لوگوں سے رسول اللہ ﷺ خطاب فرمایا کرتے تھے، وہ لوگ عربی کے اُدباء اور بُلغاء تھے۔

عربی زبان کی اہم خصوصیات:

ویسے بھی عرب لوگوں کو اپنی زبان دانی پر ناز ہے کیونکہ دنیا میں کوئی اور زبان ایسی نہیں ہے جو اس کا مقابلہ کر سکے، آپ زبان دانی کے ماہرین سے پوچھ سکتے ہیں، وہ آپ کو یہی بتلائیں گے کہ آج تک عربی زبان کی ٹکر کی کوئی زبان

سامنے نہیں آئی۔ اس زبان میں بے شمار کمالات ہیں۔ معانی کے معمولی معمولی فرق کو واضح کرنے کے لیے الفاظ کی بھرمار ہے۔ نئی سے نئی چیز ایجاد ہوتی ہے، اس کا نام پہلے سے عربی میں موجود ہوتا ہے۔ انگریزی اور دوسری زبانوں میں بڑے بڑے مشکل الفاظ سے اس معنی کو تعبیر کیا جاتا ہے جبکہ عربی میں ایک آسان لفظ پہلے سے موجود ہوتا ہے۔ مثلاً ٹیلی فون۔ یہ ایک لمبا لفظ ہے۔ اور جدید ایجاد ہے۔ عربوں میں پہلے سے اگرچہ ٹیلی فون موجود نہ تھا لیکن اس کے لیے ''ھاتف'' کا لفظ پہلے سے موجود تھا۔

اب دیکھئے کہاں ''ٹیلی فون''، کہاں ''ھاتف''! ھاتف چھوٹا سا لفظ ہے، ٹیلی فون کے لفظ کے مقابلے میں کم جگہ لینے والا لیکن اتنے صحیح معنی بیان کرتا ہے کہ ٹیلی فون کے لیے اس سے بہتر کوئی لفظ ہو نہیں سکتا۔

شراب کا لفظ لیجیے۔ زمانۂ جاہلیت میں یہ لوگ شراب کے عاشق تھے، تو شراب کی مختلف عمروں کے اعتبار سے اس کے کئی سو نام تھے مثلاً صبح کی شراب کے لیے فلاں لفظ استعمال ہوگا، شام کی شراب کے لیے فلاں لفظ، دن کو پی جانے والی شراب کے لیے فلاں لفظ اور رات کو پی جانے والی شراب کے لیے فلاں لفظ۔ اگر پانی میں ملا کر پی جائے گی تو اور لفظ ہوگا اور اگر خالص بغیر پانی کے پی جائے گی تو اور لفظ۔ اسی طرح گھوڑوں اور اونٹوں کی مختلف عمروں کے اعتبار سے درجنوں نام ہیں۔ ایک سال کا ہے تو یہ نام ہے، دو سال کا ہے تو یہ نام اور اگر تیسرے سال کا ہے تو یہ نام۔

اہل عرب کی اپنی زبان میں مہارت اور اس کے تحفظ کا اہتمام:

اس کے علاوہ ایک اہم بات یہ ہے کہ اگرچہ یہ لوگ اَن پڑھ تھے۔ لکھنا پڑھنا نہیں جانتے تھے الا ماشاء اللہ لیکن اس کے باوجود یہ ایسے زبردست ادیب اور شاعر تھے کہ ایک لڑکی کھڑی ہو جاتی اور پچاس پچاس، ساٹھ ساٹھ اشعار کا قصیدہ فی

البدیہہ کہہ جاتی۔

اپنی زبان کے تحفظ کا انہیں اتنا پاس تھا کہ مہمانداری ان کا مزاج ہونے کے باوجود کسی مہمان کو اپنے ہاں تین دن سے زیادہ ٹھہرانا پسند نہیں کرتے۔ اس کی وجہ کنجوسی نہیں تھی بلکہ ان کو یہ خطرہ ہوتا تھا کہ اگر یہ مہمان زیادہ عرصہ رہ گیا تو ہمارے بچے اس کے الفاظ سیکھ لیں گے، ہماری زبان خرب ہو جائے گی۔

اور کچھ تو اس زبان کی بات ہے کہ جنت کی زبان بھی عربی ہوگی، باقی سب زبانیں یہیں رہ جائیں گی، عربی زبان باقی رہے گی۔ اس زبان میں قرآن نازل ہوا ہے۔

عربی میں مہارت کے باوجود تعلیم قرآن کی ضرورت:

اس زبان میں یہ سارے ماہرین تھے، ایک سے ایک بڑھ کر ماہر تھا لیکن اس سب کچھ کے باوجود فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سورۃ بقرہ بارہ سال میں پڑھی۔

کیا وہ قرآن مجید کا ترجمہ سیکھ رہے تھے؟ ہرگز نہیں۔ نجانے اس کے اندر کیا معانی و معارف تھے قرآن میں اور کیا حقائق چھپے ہوئے تھے اور کیا باریکیاں تھیں جن کی وجہ سے آنحضرت ﷺ کو حکم دیا گیا کہ آپ قرآن مجید کے الفاظ کے ساتھ اس کے معانی بھی امت کو سکھائیں۔ یہ وہ کام ہے جو آج کل دینی مدارس میں ہو رہا ہے۔ الفاظ قرآن کے ساتھ، اس کے معنی بھی سکھائے جاتے ہیں۔

چوتھا کام:

چوتھا کام یہ تھا کہ ''حکمت سکھائیں۔'' حکمت کی بہت تفسیریں کی گئی ہیں لیکن جمہور کے نزدیک یعنی صحابہ کرام اور مفسرین کی بہت بڑی جماعت کے نزدیک یہاں پر حکمت سے مراد ہے ''رسول اللہ ﷺ کی سنتیں''۔ اور سنت سے مراد ہے

آپ ﷺ کا عمل، اور آپ ﷺ کی تعلیمات۔ آپ کی تعلیمات خواہ عمل کے ذریعے آئیں یا زبان سے آئیں، یہ سب ''سنت'' ہیں اور اسی کا دوسرا نام حکمت ہے۔

سنت کو حکمت سے کیوں تعبیر کیا گیا:

یہاں پر سوچنے کی بات یہ ہے کہ قرآن مجید نے یہاں سنت کا لفظ استعمال نہیں کیا حالانکہ حکمت سے یہاں سنت مراد ہے۔ اگر یہاں پر حکمت کا لفظ استعمال کرنے کی بجائے سنت کا لفظ استعمال کیا جاتا تو یہ سیدھی سادی بات تھی۔ سنت معروف لفظ ہے۔ لیکن قرآن تو بلیغ ہے، حکمتوں کا بادشاہ ہے۔ اس کے ایک ایک لفظ میں باریکیاں اور حکمتیں ہیں۔ یہاں پر سنت کے لیے حکمت کا لفظ استعمال کر کے اس بات کی طرف اشارہ کیا گیا کہ رسول اللہ ﷺ کی سنت سراسر حکمت ہی حکمت ہے بلکہ دنیا کی ساری حکمتیں اس کے سامنے ہیچ ہیں۔ جو بات آپ ﷺ نے امت کو سکھا دی، اس سے بہتر کوئی حکمت نہیں ہوسکتی۔

خلاصہ یہ کہ آپ کی بعثت کے چار مقاصد بیان کیے گئے۔

(۱) الفاظ قرآن کی تعلیم۔

(۲) اعمال و اخلاق کا تزکیہ (تربیت)

(۳) معنی قرآن کی تعلیم۔

(۴) سنت رسول اللہ ﷺ کی تعلیم۔

ایک بہت بڑی غلطی:

''معنی قرآن کی تعلیم'' کے فریضے پر غور کرنے سے یہ بات خود بخود معلوم ہو جاتی ہے کہ قرآن مجید سمجھنے کے لیے صرف اس کا ترجمہ پڑھ لینا کافی نہیں ہے۔ ہمارے پاکستان میں یہ بیماری کافی ہے اور یہاں تو شاید اس سے بھی زیادہ ہے کہ

پوری عمر گزری سرکاری اداروں میں ملازمت کرتے ہوئے۔ عربی کا ایک لفظ نہیں سیکھا۔ قرآن پڑھنا نہیں جانتے، انگریزی میں قرآن کا ترجمہ پڑھا۔ خود ہی مطالعہ کیا۔ جب ملازمت سے ریٹائر ہو گئے تو سوال پیدا ہوا کہ کیا کریں؟ بس، تفسیر لکھنے بیٹھ گئے۔ ہمارے پاکستان میں ایک سابق صدر صاحب جو اب بھی پاکستان میں موجود ہیں، وہ فارغ ہونے کے بعد اب تفسیر لکھ رہے ہیں۔

گویا قرآن مجید کی تفسیر لکھنا ایک معمولی بات ہے۔ قرآن مجید پر حکم چلاؤ۔ جو چاہو لکھ مارو۔ نہ رسول اللہ ﷺ کی کسی تعلیم کی ضرورت نہ کسی سے پوچھنے کی ضرورت، صرف ترجمہ دیکھو اور لکھو۔ اگر ترجمے ہی سے قرآن سمجھا جا سکتا تھا تو ابوبکر صدیق اور فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہما کو رسول اللہ ﷺ سے قرآن سیکھنے کی کیا ضرورت تھی؟ فاروق اعظم نے سورۃ بقرہ کے سیکھنے میں بارہ سال کیوں لگائے تھے؟

آئی تھنک کی بیماری:

اور یہاں یہ بیماری اور زیادہ ہے۔ یہاں ہر ایک مفتی بنا ہوا ہے۔ یہاں پر آئی تھنک (I Think) کا ایک لفظ چلتا ہے۔ بس ہر بات پر یہ کہہ دیتے ہیں I Think میرا خیال یوں ہے۔ ارے بھائی! تمہارا یہ خیال آیا کہاں سے؟ تمہیں حق کیا ہے اپنا خیال دوڑانے کا؟ یہ اللہ کا بھیجا ہوا دین ہے، قرآن کی امانت ہے، حدیث ہے رسول اللہ ﷺ کی، تم I Think کہہ کر اسے اڑا دیتے ہو۔ اگر I Think سے کام چلا ہوتا تو رسول اللہ ﷺ کو مبعوث کرنے کی کیا ضرورت تھی۔

ایک واقعہ:

ابھی چند دن پہلے کی بات ہے کہ ایک صاحب کا میرے پاس فون آیا۔ اس کو پتہ چل گیا ہوگا کہ میں یہاں آیا ہوا ہوں۔ کہنے لگے کہ ایک مسئلہ معلوم کرنا ہے۔ پھر ساتھ ہی یہ بھی کہا کہ میرا خیال تو یوں ہے مگر لوگ یوں کہتے ہیں۔ میں نے کہا کہ

وہ صحیح کہتے ہیں۔ (وہ لوگ واقعۃً صحیح مسئلہ بیان کر رہے تھے اور ان کا موقف غلط تھا) میری بات سن کر وہ دلیلیں دینے لگے، میں نے پھر بھی یہی کہا کہ ان کی بات صحیح ہے کہنے لگے کہ آپ جو بات بیان فرما رہے تھے، اس کی کوئی دلیل ہے؟ میں نے کہا: ہے، کہنے لگے: ذرا مجھے بتا دیجئے۔ میں نے کہا ضرور بتادوں گا بشرطیکہ آپ دارالعلوم میں داخلہ لے کر طالبعلم بن جائیں۔ میں آپ کو داخلہ دوں گا اور دلیلوں سے پیٹ بھر دوں گا انشاء اللہ۔

اگر آپ کسی ڈاکٹر کے کلینک میں جائیں اور اس سے اپنی بیماری بیان کر کے مشورہ مانگیں۔ جب وہ آپ کی بیماری کی تشخیص کر کے نسخہ بتا دے تو آپ اس سے دلیل کا مطالبہ کریں گے؟ کہنے لگے نہیں میں نے کہا: ہاں اگر آپ میڈیکل کالج میں ہوں اور ڈاکٹر سے پڑھ رہے ہوں تو پھر آپ کو حق حاصل ہے کہ دلیل پوچھیں، لیکن کلینک میں آپ کو دلیل نہیں بتائی جائے گی۔

اسی طرح جب آپ مجھ سے مسئلہ پوچھ رہے ہیں، اگر مجھ پر آپ کو اعتماد ہے تو میری بات مان لیجئے، اور اگر اعتماد نہیں تو مجھ سے مسئلہ معلوم کرنے کی آپ نے کیوں تکلیف فرمائی۔

کہنے لگے کہ جناب یہ بات تو ٹھیک ہے۔ بتایئے، اب میں کیا کروں۔ میں نے کہا کہ آپ یہی سمجھیں کہ میں نے غلط کہا ہے اور انہوں نے صحیح کہا۔

''آئی تھنک'' کا جملہ کیوں استعمال کیا جاتا ہے؟

آئی تھنک کا فتنہ ایسا ہے کہ ہر سوال آئی تھنک سے شروع ہوتا ہے۔ اپنا جواب پہلے اور سوال بعد میں۔ اور آئی تھنک کہہ کر اپنا جواب پہلے اس لیے بیان کرتے ہیں کہ جس سے سوال کر رہے ہیں، اس پر اپنا جواب مسلط کرنا چاہتے ہیں۔ یوں کہنا چاہتے ہیں کہ پہلے تو تم میری بات سن لو، پھر تم بات کرنا اور ہماری رعایت کر کے بات کرنا۔

اگر ڈاکٹر کے پاس جا کر آئی تھنک کہو گے تو وہاں سے نکال دیئے جاؤ گے۔ ڈاکٹر تو ایک ایک منٹ کے پیسے لیتا ہے، اس کے پاس آئی تھنک سننے کے لیے وقت نہیں ہوتا۔ یہ مولوی ہی رہ گیا بیچارہ، یہ دین ہی رہ گیا بے چارہ، قرآن ہی لاوارث رہ گیا کہ اس کے اندر ہر ایک ''آئی تھنک'' لڑاتا ہے۔

تاجدارِ دو عالم سرورِ کونین ﷺ کو بھیجا گیا معلم کتاب بنا کر حالانکہ قرآن پڑھنے والے وہ لوگ تھے جو عربی زبان میں زبردست ماہر تھے۔ آج کل کے عالم عرب میں عربی زبان کا ایسا زبردست ماہر کوئی شاذ و نادر ہی ملے گا جس طرح اس زمانے میں ایک ایک شخص ماہر ہوتا تھا۔ اس کے باوجود رسول اللہ ﷺ کے بنیادی مقاصد میں قرآن مجید کی تعلیم کو شامل کیا گیا۔

دارارقم میں ہونے والا کام کیا تھا اور کن حالات میں تھا؟

دارارقم سے کام خفیۃً شروع ہوا۔ اس وقت تک اذان دینے کی بھی جرأت نہیں ہوتی تھی، خفیہ طور پر نمازیں پڑھی جا رہی تھیں۔ لا الہ الا اللہ کہنے والوں پر کوڑے برسائے جا رہے تھے۔ آنحضرت ﷺ پر نجاستیں اچھالی جا رہی تھیں، آپ کو گالیاں دی جا رہی تھیں، آپ کو جادوگر کہا جا رہا تھا۔ آپ پر پہرے لگ رہے تھے کہ کوئی آ کر ان سے نہ مل لے۔ اس دارارقم میں خفیہ طور پر قرآنِ کریم کے الفاظ و معانی کی تعلیم ہو رہی تھی اور ساتھ ساتھ تربیت بھی ہو رہی تھی۔

مکی زندگی میں مجاہدوں کی بھٹی سے گزارا جا رہا تھا:

درحقیقت مکی زندگی میں مجاہدوں کی بھٹی سے گزرا جا رہا تھا۔ افراد سازی کی جارہی تھی۔ سونے کے اوپر جب گرد وغبار جم جائے، میل کچیل سے اس کا رنگ خراب ہو جائے تو اس کو آگ میں ڈالا جاتا ہے تاکہ وہ کندن بن کر نکلے۔ صحابہ کرامؓ پر زمانۂ جاہلیت کے غلط عقیدوں کی تہہ جم گئی تھی۔ اخلاق جارحانہ تھے۔ ایمان لے آئے تھے

لیکن بری عادات کے اثرات باقی تھے یہاں انہیں بھٹی سے گزار کر میل کچیل صاف کیا جا رہا تھا۔ قربانیاں دینے کی عادت ڈالی جا رہی تھی کہ اللہ کے راستے میں مار بھی کھاؤ، گالیاں بھی سنو، فاقے بھی برداشت کرو اور ضرورت پیش آئے تو اپنے وطن کو بھی چھوڑ دو اور صبر سے کام لو۔ تیرہ سال تک اس بھٹی سے گزارا گیا۔

''صفہ'' میں صحابہؓ کرام کیوں آئے؟

مکہ مکرمہ سے مدینہ طیبہ ہجرت ہوئی، مسجد نبوی کی تعمیر ہوئی تو وہاں صفہ کے نام سے ایک چبوترا تیار ہوا۔ بعض لوگ اسے اصحاب صفہ کہتے ہیں، وہ اصحاب صفہ نہیں بلکہ صفہ ہے، ایک چبوترا ہے جہاں صحابہ کرام کی ایک بڑی جماعت دین سیکھنے کے لیے رسول اللہ ﷺ کے قدموں میں آپڑی تھی۔ یہ وہ صحابہ کرام تھے جو اپنے ماں باپ، تجارت، ملازمت، مزدوری حتیٰ کہ بعض صحابہ اپنے وطنوں کو چھوڑ کر آگئے تھے۔ کمائی کے تمام ذرائع کو چھوڑ کر رسول اللہ ﷺ کے قدموں میں اس لیے آپڑے تھے کہ آپ کو دیکھیں گے، دین سیکھیں گے، کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا عمل بھی قرآن کی تفسیر ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے پوچھا گیا کہ آنحضرت ﷺ کے عادات و اخلاق کیا تھے۔ فرمایا وہی تھے جو قرآن میں لکھا ہوا ہے۔ پورا قرآن آپ ﷺ کی زندگی میں عملی طور پر موجود تھا۔ رسول اللہ ﷺ کی سیرت طیبہ عملی نمونہ ہے قرآن کا۔ تو آپ کے اعمال قرآن مجید کی تفسیر کر رہے تھے۔ چنانچہ آپ نے فرما دیا تھا:

صَلُّوا كَمَا رَءَ يْتُمُونِي أُصَلِّي.

''تم نماز اسی طرح پڑھا کرو، جس طرح تم مجھے نماز پڑھتے ہوئے دیکھتے ہو۔''

قرآن مجید نے نماز کا حکم تو دیا لیکن اس کا طریقہ نہیں سکھلایا۔ اور نہ یہ بتلایا کہ پانچ وقت کی نمازوں میں کتنی کتنی رکعتیں ہوں گے۔ ارکان نماز کا ذکر تو

قرآن مجید میں ہے لیکن قرآن مجید کے مطالعے سے یہ نہیں معلوم ہوتا کہ قعدہ پہلے ہو گا یا قیام، سجدہ پہلے ہو گا یا رکوع یہ سب کچھ رسول اللہ ﷺ نے اپنے عمل سے سکھلایا۔

صحابہؓ نے آنحضرت ﷺ کی ہر ادا کو محفوظ کر لیا:

صفہ کی جماعت آپ کے عمل سے بھی دین سیکھتی تھی اور آپ کی تعلیمات سے بھی دین سیکھ رہی تھی، آپ خطبات ارشاد فرماتے تھے۔ آپ سے ملنے کے لیے لوگ آتے تھے، یہ دیکھتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان سے کس طرح بات کی۔ یہی وجہ ہے کہ اس جماعت نے رسول اللہ ﷺ کی ایک ایک ادا کو محفوظ کر کے ریکارڈ کر لیا۔ دنیا کے کسی بڑے سے بڑے انسان حتیٰ کہ کسی اور نبی و رسول کو بھی یہ بات نصیب نہیں ہوئی کہ اس کی ہر ادا کو محفوظ کر دیا گیا۔ یہ صرف آپ کی نمایاں خصوصیت ہے کہ صحابہ کرامؓ نے آپ کی ہر ادا کو، ہر حرکت وسکون کو سینوں میں محفوظ کیا اور اس کو ہم تک یہاں روایت کیا۔ ایک صحابی کہتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آیا، آپ اس وقت مسواک کر رہے تھے۔ مسواک کرتے وقت جو آواز نکلتی ہے، صحابی نے روایت میں اس آواز کو بھی نقل کیا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ان سب صحابہ میں پیش پیش تھے۔ یہ یمن سے ہجرت کر کے آنحضرت ﷺ کے قدموں میں آپڑے تھے۔ انہی نے سب سے زیادہ حدیثیں روایت کیں۔ انہیں رسول اللہ ﷺ نے دعائیں بھی دیں، ان دعاؤں کی برکت تھی کہ انہیں بہت زیادہ حدیثیں یاد تھیں۔

تحصیل علم کے لئے صحابہؓ کرام کے مصائب:

جس طرح قرآن مجید یاد کیا جاتا ہے، صحابہ کرامؓ کی جماعتیں اسی طرح احادیث کو حفظ کیا کرتی تھیں۔ کما سکتے تھے لیکن فرصت نہ ہونے کی وجہ سے کماتے

نہیں تھے۔ آمدنی کا کوئی ذریعہ نہیں تھا۔ مدینہ کے لوگ اپنی زمینوں کی پیداوار لے لے کر آتے تھے اور صفّے کے باہر کھجور کے تنے بنے ہوئے تھے وہاں وہ لا کر لٹکا دیتے تھے۔ اصحاب صفہ اس میں سے لے کر کھا لیتے تھے۔ ان کا یہ حال تھا کہ اگر آ گیا تو کھا لیا، نہیں آیا تو فاقہ۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھ پر ایسے وقت بھی گزرے کہ بھوک کی وجہ سے بے تاب ہو کر مسجدِ نبوی کے صحن میں پڑا ہوتا تھا۔ کسی سے بول نہیں سکتا تھا، آنکھ کبھی کھلتی تھی کبھی بند ہوتی تھی۔ لوگ سمجھتے کہ میں بے ہوش ہوں حالانکہ میں ان سب کی باتیں سن رہا ہوتا تھا لیکن بھوک کی شدت کی وجہ سے بولنے کی طاقت نہیں ہوتی تھی۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مجھے اس حالت میں دیکھا تو انہوں نے میرے کھانے کا انتظام کیا۔

صفہ ایک اقامتی دارالعلوم تھا:

صفہ ایک اقامتی دارالعلوم تھا، جہاں طلبہ دن رات رہتے بھی تھے اور پڑھتے بھی تھے۔ اس سے آپ نے ایک بات دیکھی، وہ یہ کہ ہمارے دینی مدارس کا جو طریقہ ہے، درحقیقت یہ اصحاب صفہ ہی کی نقل ہے۔ (اللہ تعالیٰ ہمیں صحیح معنی میں ان کی نقل کرنے کی توفیق دے۔ آمین) ان مدارس میں دور دراز سے بلکہ دوسرے ممالک سے طلبہ آتے ہیں اور وہاں آ کر پڑ جاتے ہیں۔ مدرسے میں کھانے کا انتظام ہوتا ہے۔ کھانے کے پیسے کہاں سے آتے ہیں؟ اہل علاقہ اور اہل شہر تعاون کرتے ہیں۔ جو لوگ ملازمت میں ہیں یا تجارت و مزدوری کرتے ہیں، ان کی ذمہ داری ہے کہ ان طلبہ کی ضروریات کو پورا کریں۔ چنانچہ اس وقت سے یہ سلسلہ چل رہا ہے کہ علم کے کاموں میں مشغول جماعت کی ذمہ داری معاشرے پر ڈالی گئی ہے۔

اہل علم طبقہ کی قربانیاں:

اور پھر امت کے اس اہل علم طبقہ نے کیسی کیسی قربانیاں اس علم دین کے

حاصل کرنے اور پہچاننے میں دی ہیں، وہ بھی ایک زرّیں باب ہے۔ مجاہدین اسلام کی قربانیوں کی تو آپ نے بہت داستانیں پڑھی اور سنی ہوں گی لیکن علماءِ کرام، محدثین اور مفسرین نے علم حاصل کرنے میں کیسے کیسے جان کھپائی ہے، وہ رنگین داستان عام طور پر نظروں سے پوشیدہ ہے۔ اور وہ داستان اتنی طویل ہے کہ ہفتوں میں بھی ختم نہ ہو۔ اگر یہ قربانیاں نہ دی جاتیں تو یہ دین ہم تک نہ پہنچتا۔ معلوم نہیں کہ آج ہم یہودی ہوتے یا نصرانی ہوتے، ہندو ہوتے یا دھریئے۔

میں ان قربانیوں کے صرف چند واقعات آپ کو سنانا چاہتا ہوں۔

صرف ایک حدیث کے لیے دو مہینے کا سفر:

رسول اللہ ﷺ کے ایک جلیل القدر صحابی حضرت جابرؓ کے سامنے کسی نے ایک حدیث بیان کی اور یہ بتلایا کہ دمشق میں فلاں صحابہ ہیں، انہوں نے یہ حدیث رسول اللہ ﷺ سے سنی تھی۔ میں ان سے سن کر آپ کو بتلا رہا ہوں۔ حضرت جابرؓ نے اس صحابی کا پتہ پوچھا اور سفر کے لیے روانہ ہو گئے۔ حضرت جابرؓ نے اگرچہ یہ حدیث سن لی تھی اور قابل اطمینان آدمی سے سنی تھی لیکن درمیان کا واسطہ ختم کرنے اور مزید اطمینان حاصل کرنے کے لیے آپ خود اتنا طویل سفر کر کے اس صحابی کی خدمت میں پہنچے جس نے رسول اللہ ﷺ سے براہِ راست سنی تھی۔

ان کے گھر پہنچ کر اُن سے کہا کہ میں اس کام کے لیے آیا ہوں۔ انہوں نے کہا اچھا، بیٹھو تو سہی فرمایا کہ مجھے پہلے حدیث سنا دو۔ حدیث سنی، حدیث اسی طرح تھی جس طرح آپ سے بیان کی گئی تھی اس سے اس بات کا بھی اندازہ ہوتا ہے کہ اس زمانے میں حدیث پہنچانے والے کتنے بااعتماد لوگ تھے۔ یہ حدیث سن کر جب اطمینان ہو گیا تو واپس لوٹے۔ صرف ایک حدیث سننے کے لیے اونٹ کے اوپر آپ نے ایک مہینے جانے کا اور ایک مہینے واپس آنے کا سفر کیا۔ شام کا راستہ جن لوگوں نے دیکھا ہوگا، ان کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہوں گے یہ واقعہ سن کر۔ کیسا خوفناک

صحرا ہے۔ مدینہ طیبہ سے اردن کی طرف جاتے ہوئے یہ علاقہ آتا ہے۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی عظیم قربانی:

امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو اللہ تعالیٰ نے علم وتفقہ اور حاضر جوابی بہت اعلیٰ درجے میں عطا فرمائی تھی۔ پوری دنیا میں ان کے علم کا طوطی بول رہا تھا۔ ان کے معتقدین بہت تھے۔ جب کسی کے معتقدین زیادہ ہوتے ہیں تو حاسدین بھی پیدا ہو جاتے ہیں۔ ان کے حاسدین نے جا کر بنو عباس کے خلیفہ ابوجعفر منصور سے ان کی شکایت کی کہ یہ تمہارے مخالف ہیں۔ انہوں نے فلاں مسئلہ میں تمہارے دادا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے قول کے خلاف فتویٰ دیا ہے۔ چھوٹی چھوٹی باتیں پہنچائیں۔ رفتہ رفتہ ان کا ذہن بھی بننے لگا۔

یہ وہ زمانہ تھا جب پوری دنیا میں اسلام سپر طاقت تھا۔ چین کا علاقہ چھوڑ کر تقریباً پورا ایشیا مسلمان کے زیرنگین آچکا تھا، مشرقی اور مغربی افریقہ کے ممالک بھی اسلام کے زیرحکومت آچکے تھے۔ اسپین اور فرانس سے آگے تک مسلمانوں کی حکومت قائم ہو چکی تھی۔ آج کل کے بڑے بڑے ممالک جیسے مصر، سوڈان، لیبیا، جزائر، شام وغیرہ سب اسلامی حکومت کا حصہ تھے! اس وقت اسلامی حکومت کی عظمت کا یہ حال تھا کہ ایک مرتبہ کافی عرصے سے بارش نہیں ہو رہی تھی۔ ایک مرتبہ بادل نظر آیا۔ سارے لوگ امید بھری نگاہوں سے اس کو دیکھنے لگے مسلمان خلیفہ بھی محل سے نکل کر اس کو دیکھنے لگا مگر وہ گھنگھور گھٹا آئی اور بغداد سے نکل کر آگے چلی گئی، نیلا آسمان پھر صاف نظر آنے لگا۔ خلیفہ نے مسکرا کر بادل سے خطاب کیا کہ اے بادل! تو چاہے جہاں جا کر برس جا، تیرا جزیہ اور خراج بغداد ہی آئے گا۔

اتنی بڑی اسلامی سلطنت کے قاضی القضاۃ کا انتقال ہو گیا۔ قاضی القضاۃ مطلب ''چیف جسٹس''۔ ابوجعفر منصور نے امام اعظم کو بلا کر چیف جسٹس بننے کی پیشکش کی۔ آپ نے جواب میں فرمایا کہ امیر المؤمنین! آپ کا بہت بہت شکریہ کہ

آپ نے یہ پیشکش کی ہے لیکن میں اس کا اہل نہیں ہوں۔

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا خیال یہ تھا کہ چونکہ قاضی بننے کے بعد سخت سخت فیصلے جیسے قتل کا حکم دینا، سنگسار کرانا وغیرہ کرنے پڑتے ہیں اور اس کے لیے مضبوط دل والا آدمی ہونا چاہیے جبکہ میرا دل نرم ہے، اس لیے میرے لیے یہ عہدہ قبول کرنا مناسب نہیں۔ اسی خیال کے پیش نظر آپ نے معذرت کر دی۔

چونکہ ابو جعفر منصور نے یہ سن رکھا تھا کہ امام ابو حنیفہ خلافتِ عباسی کے مخالف ہیں، اس لیے اس کے ذہن میں یہ بات آئی کہ چونکہ یہ میرے مخالف ہیں، اس لیے انہوں نے میری یہ پیشکش ٹھکرا دی۔ اسے غصہ آ گیا اور کہنے لگا: تم جھوٹ بولتے ہو۔ امام اعظم نے جواب دیا کہ پھر تو یہ بات ثابت ہو گئی کہ میں اس کا اہل نہیں کیونکہ جھوٹا آدمی قاضی القضاہ بننے کے قابل نہیں۔ ابو جعفر منصور کو کوئی جواب بن نہ پڑا اور آپ کو جیل میں ڈالنے کا حکم دے دیا۔ جیل میں بھی آپ پر کئی مصیبتیں آئیں۔ اسی جیل میں آپ کو زہر دیا گیا اور اسی جیل سے آپ کا جنازہ نکلا۔

ستر چھپانے کے بقدر بھی کپڑا پاس نہ رہا:

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ وسطی ایشیا کے رہنے والے تھے۔ آپ کی کتاب ''صحیح البخاری'' کے بارے میں پوری امت کا اجماع ہے کہ قرآن کے بعد یہ سب سے صحیح ترین کتاب ہے۔ ہمارے عرب بھائیوں کو اپنی زبان پر اسقدر ناز ہے کہ جن کی مادری زبان عربی نہیں ہوتی، ان کو خاطر میں نہیں لاتے۔ کتنا ہی بڑا کوئی عالم ہو لیکن اگر عربی زبان اس کی مادری زبان نہیں ہے تو عرب لوگ یوں سمجھتے ہیں کہ یہ کیا جانے گا! بخاری بھی عجمی ہے عربی نہیں لیکن جس حدیث کے بارے میں کہہ دیا جائے کہ ''رواہ البخاری'' (اس حدیث کو امام بخاری نے صحیح البخاری میں نقل کیا ہے) تو یہ سن کر بڑے بڑے عرب علماء کی گردنیں جھک جاتی ہیں۔ کیا مرتبہ ہے اور کیا علمی مقام ہے!

اللہ تعالیٰ نے یہ عظیم مقام امام بخاری کو دیا لیکن یہ مقام آسانی سے نہیں ملا۔ اٹھارہ سال کی عمر میں والد کا انتقال ہوا۔ آپ کے والد بہت مالدار آدمی تھے۔ امام بخاری رحمہ اللہ کو دین کا علم حاصل کرنے کا بہت شوق تھا۔ اٹھارہ سال کی عمر میں قرآن مجید کے حافظ ہونے کے ساتھ اردگرد کے علماء کے پاس موجود احادیث کے بھی حافظ ہو چکے تھے۔ اس زمانے میں ایسے مدرسے نہیں تھے کہ ایک مدرسے میں داخل ہوئے تو سارے مضامین وہیں پڑھ لیے۔ اس زمانے میں یہ طریقہ تھا کہ کسی علاقے میں کوئی محدث ہوتا تھا تو طلبہ اس کے پاس جا کر احادیث سنتے اور یاد کرتے۔ کسی محدث کے پاس ہزار حدیثیں ہوتیں، کسی کے پاس پانچ سو کسی کے پاس سو پورے عالم اسلام میں یہ حدیثیں بکھری ہوئی تھیں۔

اٹھارہ سال کی عمر میں امام بخاری نے جب آس پاس کے علماء کی حدیثیں یاد کرلیں تو باہر ممالک کا رخ کیا اور پوری زندگی سفروں ہی میں گزر گئی۔ کبھی شام میں، کبھی عراق میں، کبھی مکہ مکرمہ میں اور کبھی اردن وفلسطین میں۔ ان کی طالبعلمی کی داستان بڑی طویل اور عجیب وغریب ہے۔ جس استاذ کے پاس جاتے، اس کی نظروں کا تارا بن جاتے کیونکہ آپ کی ایک خاص شان یہ تھی کہ ایک مرتبہ جو حدیث سن لیتے پھر اس کے بھولنے کا سوال ہی پیدا نہ ہوتا۔ اس کے علاوہ سب ساتھیوں سے زیادہ محنت کرنے والے اور ذوق وشوق کے ساتھ درس میں شریک ہونے والے، کبھی ناغہ نہ کرنے والے، کبھی دیر نہ کرنے والے شاگرد تھے۔

ایک جگہ احادیث حاصل کرنے کے لیے ٹھہرے ہوئے تھے۔ ہر روز اسباق میں شریک ہوتے تھے۔ ایک دن نہیں آئے۔ استاذ نے ساتھیوں سے وجہ پوچھی۔ انہوں نے لاعلمی کا اظہار کیا۔ اگلے دن پھر نہیں آئے۔ استاذ کو تشویش ہوئی۔ اس نے طالبعلموں سے کہا کہ معلوم کرو، کیا بات ہے وہ تو کبھی بھی ناغہ کرنے والا نہیں۔

کسی کوٹھری میں ٹھہرے ہوئے تھے۔ وہاں ان کے ساتھی پہنچے تو اندر سے دروازہ بند تھا۔ دروازے پر دستک دی۔ کوئی جواب نہیں آیا۔ دوسری مرتبہ دستک دی

لیکن کوئی جواب نہیں آیا۔ تیسری مرتبہ دستک دیتے وقت انہوں نے کہا کہ اے بخاری! ہم تمہیں اللہ کی قسم دے کر پوچھتے ہیں کہ اگر تم زندہ ہو تو بتا دو ورنہ ہم سمجھیں گے کہ تم فوت ہو چکے ہو اور ہم دروازہ توڑ کر اندر آ جائیں گے۔ اس وقت اندر سے بخاری کی آواز آئی کہ الحمدللہ، میں زندہ ہوں، لیکن دروازہ کھولنے کی پوزیشن میں نہیں ہوں۔ وجہ پوچھی تو بتایا کہ عرصہ دراز سے میرے پاس پہننے کے لیے ایک ہی جوڑا رہ گیا تھا جو میرے بدن پر تھا، اسی کو دھو کر پہنتا تھا، پھٹ جاتا تو سی لیتا، زیادہ پھٹ جاتا تو پیوند لگا لیتا۔ اب بار بار سیتے سیتے اور بار بار پیوند لگتے لگتے وہ اتنا بوسیدہ ہو گیا ہے کہ اب مزید سینے کی گنجائش نہیں رہی اور وہ اتنا پھٹ گیا ہے کہ جسم کے جتنے حصے کو چھپانا ضروری ہے، اتنے حصے کو چھپا نہیں سکتا۔

کہاں وہ مالدار کا بیٹا اور کہاں یہ فقر و فاقہ کی زندگی! آج ہم بہت آسانی سے کہہ دیتے ہیں کہ فلاں دن ختم بخاری ہو گا لیکن یہ صحیح بخاری کس طرح جان جوکھوں سے تیار ہوئی، آج ہم اس کا اندازہ نہیں کر سکتے۔

چار محدثین کا واقعہ:

چار بڑے بڑے مشہور محدثین ہیں۔ چاروں کا نام محمد ہے۔ ایک محمد بن خزیمہ ہیں جن کی حدیث کی مشہور کتاب "صحیح بن خزیمہ" ہے۔ ایک محمد بن جریر طبری ہیں جنہوں نے تفسیر بھی لکھی ہے اور تاریخ بھی لکھی ہے۔ ایک محمد بن ہارون ہیں اور ایک محمد بن نصر المروزی ہیں۔ یہ چاروں علم حدیث حاصل کرنے کے لیے نکلے۔ وسطی ایشیاء کے رہنے والے تھے۔ علم حدیث کے لیے مصر پہنچے۔ جو کچھ مال و دولت پاس تھا اسے خرچ کرتے رہے۔ یہاں تک کہ وہ کم ہو گیا۔ اب آدھی آدھی خوراک کھانا شروع کی۔ جب اور کم ہو گیا تو اور خوراک کم کر دی۔ یہاں تک کہ سب کچھ ختم ہو گیا اور فاقے شروع ہو گئے۔

کئی دن اسی حال میں گزر گئے۔ اعضاء نے جواب دینا شروع کر دیا۔

آپس میں مشورہ کیا کہ کیا کریں؟ کہنے لگے کہ اب تو ہماری حالت ایسی ہو گئی ہے کہ ہمارے لیے اتنا مانگنا جائز ہو گیا کہ جس سے ہماری جان بچ جائے۔ پھر کہنے لگے کہ اگرچہ یہ جائز تو ہے لیکن یہ مشکل کام کون کرے۔ یہ ذلت اور رسوائی کون اٹھائے۔ طے ہوا کہ قرعہ اندازی سے فیصلہ ہوگا کہ کوئی ایک سوال کرے تاکہ چاروں کو یہ کام نہ کرنا پڑے۔ قرعہ اندازی میں محمد بن خزیمہ کا نام نکل آیا۔ انہوں نے ساتھیوں سے کہا کہ مجھے مہلت دو کہ میں دو رکعتیں پڑھ لوں۔ چنانچہ دو رکعت پڑھ کر دعا کی۔

دعا کر ہی رہے تھے کہ دروازے پر دستک ہوئی۔ ایک شخص اجازت لے کر اندر آیا۔ اور آتے ہی اس نے کہا کہ آپ میں سے محمد بن نصر کون ہیں؟ بتایا کہ فلاں ہیں اس نے پچاس دینار کی ایک تھیلی انہیں دی۔ اس طرح باقیوں کے نام لے لے کر ان کے بارے میں پوچھا اور پچاس پچاس دینار کی تھیلیاں انہیں دیں۔ چاروں کے لیے چار تھیلیاں آئی تھیں۔ ہر ایک کو ایک ایک تھیلی دے دی۔ یہ بھی حیران ہوئے۔ اس سے پوچھا کہ تم کون ہو؟ کہاں سے آئے ہو؟ اس نے جواب دیا کہ مجھے بادشاہ نے بھیجا ہے۔ آج جب ظہر کے بعد آرام کرنے کے لیے لیٹے تو تاجدارِ کونین سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خواب میں زیارت ہوئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ تمہارے شہر میں چار محدث بھوکے ہیں، ان کی خبر لو۔ ان کے نام لیے اور پتہ بھی بتایا۔ بادشاہ نے اٹھتے ہی فوراً یہ کام کیا کہ یہ تھیلیاں دے کر مجھے آپ کی خدمت میں بھیجا اور یہ درخواست بھی کی ہے کہ ان کے ختم ہونے سے پہلے آپ اس کی اطلاع ضرور کر دیں تاکہ مزید کا انتظام کروں۔

علامہ سرخسی نے بند کنویں میں مبسوط کی پندرہ جلدیں لکھوائیں:

علامہ شمس الأئمہ مشہور فقیہ ہیں۔ ان کی کتاب ''المبسوط'' بڑی مشہور ہے جو امام محمد رحمہ اللہ کی کتاب ''الکافی'' کی شرح ہے۔ اپنے شاگردوں کو یہ کتاب املاء کراتے تھے۔ اسی زمانے میں حکومت وقت کو ایک فتویٰ کی ضرورت پیش آئی۔ ان

سے پوچھا گیا۔ انہوں نے جو فتویٰ دیا وہ حکومت کی مرضی کے خلاف تھا۔ حکومت نے کہا کہ آپ اس فتویٰ سے رجوع کریں اور وہی فتویٰ دیں جو ہم چاہ رہے ہیں۔ وہی آئی تھنک والی بات آ گئی۔

انہوں نے جواب دیا کہ مفتی فتویٰ بتاتا ہے، بناتا نہیں، شریعت کا حکم بنانے والا تو اللہ رب العالمین اور رسول اللہ ﷺ ہیں، مفتی کا کام تو شریعت کا حکم بتانا ہے۔ اس میں ''آئی تھنک'' نہیں چلتا۔ حکومت نے ناراض ہو کر جیل میں ڈال دیا۔ جیل کیا تھی ایک گہرا بند کنواں تھا، پانی کے سوتے بند کر دیئے تھے، اسی میں پیشاب پاخانہ، اسی میں کھانا پینا، اسی میں وضو نماز اور اسی میں غسل۔ شاگرد پریشان پھرتے رہے، عرصہ دراز تک پتہ ہی نہیں چلا کہ ہمارے استاذ کہاں ہیں؟ پھر پتہ چلا تو حکومت سے اجازت لے کر ملاقات کے لیے کنویں کے کنارے پہنچے اور غم و پریشانی کا اظہار کیا۔ انہوں نے فرمایا کہ پریشان مت ہو، تم حکومت سے اجازت لے لو، اگر اجازت مل جائے تو روزانہ آ جایا کرو، کنویں کی منڈیر پر بیٹھ جایا کرو، میں نیچے سے املاء کراتا رہوں گا، تم لکھتے رہنا۔ چنانچہ طلبہ نے حکومت سے اجازت لی اور اسی طرح یہ کتاب املاء کراتے رہے۔ بارہ سال اس حال میں گزارے۔ اس عرصے میں پندرہ جلدیں تیار ہوئیں۔ باقی پندرہ جلدیں رہا ہونے کے بعد املاء کرائیں۔ آج اس عظیم کتاب سے کوئی بھی مفتی مستغنی نہیں۔

وسطی ایشیا کے مسلمانوں کی قربانیاں:

وسطی ایشیا میں روسی تسلط کے زمانے میں علماء پر کیا قیامت گزری ہے، بیان نہیں کی جا سکتی۔ ۱۹۹۲ء میں ہم ان ریاستوں میں گئے جب یہ ریاستیں نئی نئی آزاد ہوئی تھیں۔ وہاں پہنچے تو دیکھا کہ حافظ بھی موجود ہیں، قاری بھی موجود ہیں۔ علماء کرام اور عربی سمجھنے والے بھی موجود ہیں۔ ان سے پوچھا کہ تم یہاں کیسے؟ ہم نے تو یہ سن رکھا تھا کہ روسی حکومت کو جس جس پر یہ شبہ ہوا کہ یہ حافظ قرآن ہے یا عالم دین ہے،

اسے گرفتار کر کے سائبیریا کے برفستان میں بھیج دیا جہاں وہ ٹھٹھر ٹھٹھر کر مر گئے۔ اور بہت سے زندہ لوگوں کو ایک خندق کھود کر دفن کر دیا گیا اور اوپر سے چونا ڈال دیا گیا۔ اور تعلیم قرآن پر پابندی لگا دی تھی تو اب تم کیسے زندہ ہو؟ انہوں نے بتلایا کہ ہم نے چوری چھپے حجروں میں تعلیم حاصل کی تھی۔ دن بھر محنت مزدوری کرتے تھے۔ رات کو خفیہ حجروں میں تعلیم حاصل کرتے تھے۔ اسی حال میں بہتر سال گزرے۔ اس طریقے سے الحمدللہ، وہاں دین کی حفاظت ہوئی۔

دادا جان کا واقعہ:

آخری دور میں دارالعلوم دیوبند قائم ہوا۔ اس میں بھی قربانیوں کی بے شمار داستانیں رقم ہوئیں۔ میں آپ کو صرف ایک واقعہ سناتا ہوں۔ میرے دادا مولانا محمد یٰسین صاحبؒ حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ کے ہم سبق تھے اور حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ کے ہاتھ پر بیعت تھے اور دارالعلوم دیوبند کے ہم عمر تھے یعنی جس سال دارالعلوم دیوبند کی بنیاد رکھی گئی، اسی سال آپ پیدا ہوئے تھے۔

آپ کے والد محترم آخری عمر میں نابینا ہو گئے۔ بہت تنگ دستی کا وقت تھا۔ وہ چاہتے تو اپنے نوجوان کو محنت و مزدوری پر لگا کر کچھ پیسے حاصل کر لیتے لیکن انہوں نے ایسا نہیں کیا بلکہ دارالعلوم دیوبند میں داخل کرا کے تعلیم دلوائی، خود فقر و فاقہ سے زندگی گزارتے رہے۔ دورۂ حدیث کا سال جو درسِ نظامی کا آخری سال ہوتا ہے، اس سے پہلے پندرہ سولہ سال تیاری کرائی جاتی ہے۔ یہ بہت محنت کا سال ہوتا ہے۔ صبح سے لے کر دوپہر تک اور پھر ظہر سے عصر تک اور پھر مغرب سے رات گیارہ بجے تک کا وقت "قال رسول اللہ ﷺ، قال رسول اللہ ﷺ" میں گزرتا ہے۔

ایک مرتبہ دادا جان صبح بغیر ناشتہ کیے مدرسے گئے ہوئے تھے۔ دوپہر کو گھر واپس لوٹے۔ والدہ سے کھانا مانگا تو ان کی آنکھوں میں آنسو ٹپک پڑے۔ فرمایا: بیٹا اس وقت گھر میں کوئی ایسی چیز نہیں جو میں آپ کو کھانے کے لیے دوں۔ ہاں، البتہ

بستی سے باہر ہماری تھوڑی سی زمین ہے، اس میں گندم تیار کھڑی ہے، وہ تم کاٹ لاؤ تو میں اُسے چھان کر تمہارے لیے روٹی تیار کر دیتی ہوں۔ یہ جون کا زمانہ تھا۔ سخت اور چلچلاتی ہوئی دھوپ میں دادا جان باہر کھیت میں گئے وہاں سے گندم کاٹ لائے۔ والدہ نے چھان کوٹ کر آٹا بنا کر روٹی پکائی، کھانا کھا کر فوراً مدرسے چلے گئے۔

مغربی ممالک میں دینی مدارس کے لیے ایک اہم رکاوٹ:

ان قربانیوں سے یہ دین ہم تک پہنچا ہے۔ دارالعلوم دیوبند بے سروسامانی کے عالم میں قائم ہوا تھا۔ اس وقت میں قائم ہوا تھا جب ہندوستان میں انگریز کی حکومت کا تسلط ہو چکا تھا، مسلمانوں کے دین کے تحفظ کے لیے یہ ادارہ قائم ہوا تھا۔ اب الحمدللہ، مغربی دنیا میں ادارے قائم ہو رہے ہیں لیکن ابھی تک امریکہ میں کوئی معیاری دارالعلوم قائم نہیں ہو سکا۔ الحمدللہ، بعض ادارے کام کر رہے ہیں لیکن ان کے راستے میں رکاوٹیں ہیں اور بہت بڑی مشکل فنڈ کی ہے۔ ایک عجیب بات یہ ہے کہ پاکستان میں اتنے مدرسے غریبوں نے بنا دیئے۔ الحمدللہ، دارالعلوم کراچی بہتّر ایکڑ میں ہے اور اس کو دیکھنے والے یہ کہتے ہیں کہ پاکستان کی ساری سرکاری یونیورسٹیاں اس کے سامنے شرماتی ہیں۔ دارالعلوم کا ماہانہ خرچ تعمیرات کے علاوہ تقریباً پچاس لاکھ روپے ہے۔ عمارتوں کا خرچہ بھی تقریباً ماہانہ اتنا ہی ہے تو ایک کروڑ روپے ماہانہ سمجھ لیجیے۔ یہ سب خرچہ پاکستان کے عوام کر رہے ہیں حالانکہ پاکستان ایک غریب ملک ہے۔ جبکہ امریکہ اور یورپ کے مدارس کو سب سے بڑی پریشانی فنڈز کی ہے حالانکہ یہاں کے لوگ مالی اعتبار سے پاکستان سے مضبوط ہیں۔

بھائی، بات یہ ہے کہ قربانی کے بغیر کچھ نہیں ہوتا۔ پاکستان، ہندوستان اور بنگلہ دیش میں جو مدارس نظر آتے ہیں، یہ وہاں کے عوام نے اپنے خون پسینے کی کمائی سے بنائے ہیں، یہ پیسے مدرسوں پر اس لیے لگائے ہیں کہ اس دنیا میں ہمیشہ نہیں رہنا، جتنا پیسہ جمع کریں گے، وہ اسی دنیا میں چھوڑ کر جانا ہے، آخرت میں وہی پیسہ کام

آئے گا جو دینی کاموں میں خرچ کریں گے، اس لیے میری آپ حضرات سے درخواست ہے کہ اس طرف توجہ فرمائیں۔ اپنی نسلوں کے دین و ایمان کی حفاظت ہماری ذمہ داری ہے۔

مغربی دنیا میں دینی مدارس کی اہمیت:

دین و ایمان کی حفاظت کے اور تو الحمدللہ، بہت سے میدان ہیں مثلاً مسلم سکولز قائم کیے جائیں لیکن مسلم سکولز بھی تب ہی چلیں گے جب وہاں بھی علماء رہنمائی کرنے والے موجود ہوں۔ یہاں امریکہ میں بہت سے ملکوں کے مسلمان علماء آتے ہیں۔ ان کی مادری زبان انگریزی نہیں ہے، وہ پیدائشی امریکن نہیں ہیں۔

یاد رکھیئے کہ مادری زبان بولنے والے مصلح کی بات کا اثر زیادہ ہوتا ہے۔ قرآن مجید میں فرمایا گیا کہ:

﴿وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُولٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهِ لِيُبَيِّنَ لَهُمْ.﴾

(سورۃ ابراہیم،۴)

''اور ہم نے کوئی پیغمبر نہیں بھیجا مگر وہ اپنی قوم کی زبان بولتا تھا تا کہ انہیں (احکام خدا) کھول کھول کر بتائے۔''

ہر قوم کی طرف اس کا ہم زبان رسول اس لیے بھیجا گیا کہ اس کی بات قوم کے لیے زیادہ مؤثر تھی۔ اسی طرح یہاں امریکی عوام پر ان علماء کی تقاریر اور اصلاحی کوششیں زیادہ اثر انداز ہوں گی جو پیدائشی امریکی ہوں گے اس لحاظ سے بھی یہاں پر موجود دینی مدارس کو تقویت پہنچانے کی اہمیت بہت زیادہ ہے۔

اللہ رب العزت ہمیں اس اہمیت کو سمجھنے اور اس کے تقاضوں پر عمل کرنے کی توفیق نصیب فرمائے۔ (آمین)

وآخر دعوانا أن الحمدلله رب العالمين.

........❖........

دینی مدارس کا نظام - ایک تعارف

موضوع: دینی مدارس کا نظام ..... ایک تعارف

خطاب: حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی مدظلہم

مقام: جامع مسجد، دارالعلوم کراچی

تاریخ: ۲۲ رجب المرجب ۱۴۲۴ھ

ترتیب و عنوانات: اعجاز احمد صمدانی

باہتمام: محمد ناظم اشرف

﴿دینی مدارس کا نظام......ایک تعارف﴾

خطبہ مسنونہ:

الحمد للّٰہ نحمدہٗ و نستعینہٗ و نستغفرہٗ و نؤمِنُ بہٖ ونتوکل علیہ ونعوذ باللّٰہِ مِن شرورِ أنفسنا ومِن سیئاتِ أعمالنا مَن یھدِہِ اللّٰہ فلا مُضِلَّ لہٗ وَمَنْ یُضللہُ فلا ھَادِیَ لہٗ ونشھد أن لآ اِلٰہ اِلَّا اللّٰہ وحدہٗ لاشریک لہٗ و نشھد أنّ سیدنا و سَنَدنا و مولانَا محمداً عبدہٗ ورسولہٗ صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ و علٰی آلہٖ و صحبہٖ اجمعین و سلّم تسلیماً کثیراً۔

امابعد!

فقد قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم: انّ العُلماء ورثۃ الأنبیاء.

تمہید:

بزرگانِ محترم، حضراتِ علماءِ کرام، قابلِ احترام اساتذہ، ہونہار طلبہ، معزز حاضرین، محترم خواتین، مدرسۃ البنات کی معلمات، طالبات، میری ماؤں، بہنو اور بیٹیو!

اللہ رب العالمین کا شکر ادا کرنے کے لیے نہ ہمارے پاس ایسے الفاظ ہیں اور نہ ایسا اسلوب ہے جس سے اس کی نعمتوں کا شکر یا شکر کا حق ادا کیا جا سکے۔ اس کی بے شمار، لاتعداد اور بے حد و انتہا نعمتوں میں سے ایک عظیم الشان نعمت یہ ہے کہ آج ہم اپنے بزرگوں کی قائم کردہ اس عظیم درسگاہ کا تعلیمی سال پورا کر رہے ہیں۔

''ایک عظیم خواہش''

جیسا کہ تھوڑی دیر پہلے آپ نے سنا کہ آج کی یہ مجلس انٹرنیٹ پر بھی نشر ہو رہی ہے اور دنیا کے گوشے گوشے میں جو حضرات اس وقت کی مناسبت سے انٹرنیٹ پر ہمارا پروگرام کھولے ہوئے ہیں، وہ ہماری مجلس کے شریک ہیں اور ہماری باتیں سن رہے ہیں۔

دل بے اختیار چاہتا ہے اور دعا بھی کرتا ہوں کہ اے اللہ! اس عظیم درسگاہ کے بانی مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور اس کے بعد جامعہ کے صدر مقرر ہونے والے بزرگ ہمارے مرشد عارف باللہ حضرت ڈاکٹر عبدالحی عارفی صاحب رحمۃ اللہ علیہ جو بالکل ہمارے برابر میں عالم برزخ میں آرام فرما رہے ہیں، اے اللہ! اس مجلس میں ان کی ارواح کو بھی شریک فرما لے تاکہ انہیں وہ روحانی مسرت ہو جس کی خاطر انہوں نے یہ پودا لگایا تھا۔ اس پودے کو ہرا بھرا اور بار آور دیکھ کر انہیں سکون اور خوشیاں حاصل ہوں۔

''ختمِ بخاری پر قبولیتِ دعا'' کا مسئلہ اور اس کی شرعی حیثیت:

مجھے معلوم ہے کہ ختم بخاری کے اس عظیم الشان اجتماع میں بہت سے لوگ

صرف اس مقصد کے لیے آتے ہیں کہ ختم بخاری کے موقع پر ہونے والی دعا میں شریک ہو جائیں۔ وہ لوگ دعا کے منتظر ہوں گے، اس لیے میں کوشش کروں گا کہ اپنا بیان مختصر کروں لیکن اس کے ساتھ ساتھ یہ بات بیان کرتا جاؤں کہ ختم بخاری کے موقع پر دعا کی قبولیت اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے پچھلے تقریباً تیرہ سو سال سے مجرب چلی آ رہی ہے۔ اللہ رب العالمین نے حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ''صحیح البخاری'' کو جو عظیم الشان اور بے نظیر مقبولیت عطا فرمائی ہے۔ اس کے اثرات میں سے ایک اثر یہ بھی ہے کہ تمام بزرگوں کا تجربہ چلا آ رہا ہے کہ ختم بخاری کے بعد جو دعا کی جاتی ہے، اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے قبول ہوتی ہے لیکن خوب سمجھ لیا جائے کہ یہ بات کسی نص قرآنی یا حدیث سے ثابت نہیں۔ یہ بزرگوں کا تجربہ ہے اور اس کی ایک بنیاد ہے وہ یہ کہ عہد رسالت سے یہ بات چلی آ رہی ہے کہ نیک کام کے بعد قبولیت دعا کا وقت ہوتا ہے چنانچہ نماز کے بعد قبولیت دعا کا خاص وقت ہوتا ہے اسی طرح تلاوت قرآن کے بعد دعا کی قبولیت کا وقت ہوتا ہے۔ درسِ حدیث ایک عظیم الشان عبادت ہے۔ اس موقع پر دعا کی قبولیت اس کلی سے ماخوذ ہے ورنہ خصوصی طور پر کسی حدیث یا روایت سے یہ بات ثابت نہیں۔

بدعتیں کس طرح وجود میں آتی ہیں:

میں نے یہ وضاحت اس لیے کی ہے کہ بدعتیں اس طرح جنم لیتی ہیں کہ شروع شروع میں ایک نیک کام جذبات اور شوق میں آ کر فی نفسہ شرعی حدود میں رہ کر کیا جاتا ہے لیکن رفتہ رفتہ لوگ اسے مسنون سمجھنے لگتے ہیں۔ غیر مسنون کو مسنون سمجھنا بدعت ہے۔ جو چیز دین کا حصہ نہیں، کسی دلیل کے بغیر اسے دین کا حصہ سمجھ لینے کا نام ''بدعت'' ہے۔

ختم بخاری کی شرعی حیثیت:

آج کا دن ایک تو اس لحاظ سے بہت اہم ہے کہ ہمارا تعلیمی سال مکمل ہوا

ہے۔ جو بھائی مدارس کی صورتحال سے واقف نہیں، انہیں یہ اندازہ نہیں کہ مدارس کے طلبہ اور اساتذہ کتنی شدید محنت سے پڑھتے اور پڑھاتے ہیں۔ میری معلومات کی حد تک آج کے تعلیمی اداروں میں اتنی محنت شاقہ کہیں نہیں اٹھائی جاتی جتنی مشقت ان مدارس کے طلبہ اور اساتذہ اپنی جان جوکھوں میں ڈال کر اور اپنے جذبات کی قربانیاں دے کر اٹھاتے ہیں۔ مشقت کا کام ختم ہوا تو اللہ رب العزت کا شکر ادا کرنے کا یہ ایک موقع ہے۔

دوسرے یہ کہ اپنے احتساب کرنے کا بھی موقع ہے کہ اللہ رب العالمین نے ہمیں جو وسائل اور اسباب "قال الله وقال الرسول" کہنے کے لیے اور علم دین سیکھنے اور سکھانے کے لیے عطا فرمائے، ہم نے ان وسائل کو کہاں تک صحیح استعمال کیا۔ ہم جتنی محنت کر سکتے تھے، آیا اتنی محنت کر لی یا اس میں بھی کسر رہی؟ مطالعہ میں، تکرار میں، یاد کرنے، مشقوں میں، تقویٰ اور عبادات میں ہم سے جو کوتاہی ہوئی۔ اس پر اللہ تعالیٰ سے معافی مانگیں۔

اور تیسرے یہ کہ جس طرح برادر عزیز شیخ الاسلام مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب نے فرمایا کہ یہ طلبہ کے رخصت ہونے کا وقت ہے۔ ان طلبہ میں بہت بڑی تعداد ایسی بھی ہے جنہوں نے بالکل ابتدائی تعلیم ناظرہ قرآن کریم کی تعلیم سے لے کر دورۂ حدیث تک کی تعلیم یہاں حاصل کی جس کا مطلب یہ ہے کہ یہاں پر موجود کافی طلبہ ایسے ہیں کہ جو چودہ چودہ، پندرہ پندرہ، سولہ سولہ سال سے یہاں پڑھ رہے ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ ان کی جدائی کے موقع پر بھی یہ خواہش پیدا ہوتی ہے کہ اس موقع پر ہم سب جمع ہوں، بھیگی پلکوں اور غمگین دلوں کے ساتھ ایک دوسرے کو رخصت کریں۔

دارالعلوم کے فضلاء بیرون ممالک میں:

میں کس زبان سے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کروں کہ جب ہم دوسرے ملکوں میں جاتے ہیں یا پاکستان کے دوسرے شہروں میں جانا ہوتا ہے تو یہ دیکھ کر دل باغ باغ

ہوتا ہے کہ ہر جگہ دارالعلوم کے فاضلین موجود ہوتے ہیں۔ ایشاء میں، یورپ میں، امریکہ میں، افریقہ میں، غرض جس جس ملک اور شہر میں جاتے ہیں، وہاں نہ صرف یہ کہ دارالعلوم کے فاضلین موجود ہیں، بلکہ دین کی خدمت میں لگے ہوئے ہیں اللہ تعالیٰ نے انہیں نیک نامی عطا فرمائی ہے۔ جب وہ ملتے ہیں تو بتلاتے ہیں کہ ہم نے دارالعلوم میں اتنا عرصہ گزارا ہے اور پھر یہاں کے قصے سناتے ہیں۔ دارالعلوم کے گزرے ہوئے دنوں کی یادیں ان کا سرمایہ حیات ہیں۔ وہ یہ داستانیں ایسے مزے لے لے کر سناتے ہیں کہ یوں معلوم ہوتا ہے کہ ان یادوں کو انہوں نے سینے سے لگا رکھا ہے۔

جدا ہوتے وقت طلبہ اور اساتذہ کی کیفیت:

اور یہ طلبہ بھی عام طلبہ کی طرح رخصت ہونے والے طلبہ نہیں اور انہیں جو استاذ رخصت کریں گے، وہ بھی عام اساتذہ کی طرح رخصت کرنے والے نہیں۔ یہ استاذ و شاگرد کا رشتہ ایسا میٹھا، ایسا لذیذ اور ایسا بابرکت ہے کہ اس کی لذت کا کوئی جواب نہیں۔

میں کہا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے ہر رشتے کی لذت الگ رکھی ہے۔ باپ اور بیٹے کے درمیان جو محبت ہے اس لی لذت الگ ہے، بھائی کی بھائی سے جو محبت ہے، اس کی لذت الگ ہے۔ بھائی کی بہن سے جو محبت ہے، اس کی لذت الگ ہے۔ دادا کی پوتے سے جو محبت ہے، اس کی لذت الگ ہے۔ بیوی کی شوہر سے اور شوہر کی بیوی سے جو محبت ہے، اس کی لذت الگ ہے۔ شیخ اور مرید کے درمیان جو محبت ہوتی ہے، اس کی لذت الگ ہے۔ اسی طرح استاذ اور شاگرد کے درمیان جو محبت ہے، وہ بھی الگ ہے، اس محبت کی کوئی اور نظیر اور جواب نہیں۔

جب یہ رخصت ہوتے ہیں تو ہمارے دل جانتے ہیں کہ ہم کس دل سے ان کو رخصت کرتے ہیں اور یہ طلبہ بھی بلکتے ہوئے اور روتے ہوئے ہم سے جدا ہوتے

ہیں۔ اور جانے کے بعد برسوں تک ان کے جو خطوط آتے ہیں، وہ بڑی بے چینی اور بے قراری کے خطوط ہوتے ہیں۔

برسوں بعد گھر جانے والے طلبہ:

ان میں خاصی بڑی تعداد ایسے مسکین طلبہ کی بھی ہے جو ایک مرتبہ گھر سے آئے اور ابھی تک واپس نہیں گئے۔ سالانہ تعطیلات جو ہر تعلیمی سال کے آخر میں دو ماہ کی ہوتی ہیں۔ ان میں بیشتر طلبہ تو اپنے والدین سے ملنے گھر چلے جاتے ہیں۔ وطن میں آرام کی زندگی گزار کر اگلے تعلیمی سال کے شروع میں پھر آجاتے ہیں لیکن بہت سے طلبہ ایسے بھی ہیں کہ ان میں سے کوئی پانچ سال سے، کوئی آٹھ سال سے اور کوئی دس سال سے یہاں ہے اور وہ گھر واپس نہیں جا سکا۔ اس لیے کہ اس کے پاس اتنے وسائل نہیں ہیں کہ وہ چھٹیاں اپنے وطن میں گزارنے کے لیے وہاں کا سفر کر سکے۔ ایسے طلبہ تقریباً ہر سال موجود ہوتے ہیں۔

آپ اندازہ کیجئے ان طالبعلموں کی قربانی کا اور ان سے بھی بڑھ کر ان کے ماں باپ کی قربانی کا کہ کس دل کے ساتھ وہ اس بات کو برداشت کرتے ہیں کہ وہ ایک بچے کو دینی مدرسے میں بھیجتے ہیں۔ جب وہ واپس آتا ہے تو جوان ہو کر اور پوری داڑھی لے کر آتا ہے۔ کس کیفیت کے ساتھ ان کے ماں باپ اپنی زندگی کے صبح و شام گزارتے ہوں گے ان بچوں کے بارے میں اپنی تمناؤں کو کس طرح پالتے ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ ان سب قربانیوں کو شرفِ قبول سے نوازے۔ (آمین)

میں مبارک باد دیتا ہوں ان طلبہ اور ان کے اساتذہ اور والدین کو جنہوں نے یہ قربانیاں دی ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے یہ قربانیاں رائیگاں نہیں جائیں گی۔ قرآن کریم کا وعدہ ہے۔

﴿فَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خيراً يَرَهُ وَمَنْ يَعْمَل مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شراً يَرَه.﴾ (سورۃ الزلزال)

''جس نے ذرہ برابر نیکی کی ہوگی، وہ اس کو دیکھ لے گا اور جس نے ذرہ برابر برائی کی ہوگی، وہ اسے دیکھ لے گا۔''

''اسلام کی اصل طاقت دینی مدارس ہیں''

طلبہ کی جماعت وہ مسکین جماعت ہے جس کا دشمن اس وقت کا پورا عالم کفر ہے۔ عالم کفر کا میڈیا ان کے خلاف زہر اگل رہا ہے، عالم کفر کی جدید ترین ایجادات ان کی جاسوسی پر لگی ہوئی ہیں اور اسلامی ممالک کے حکمرانوں کو انہیں کچلنے کے لیے استعمال کیا جا رہا ہے۔ وہ لوگ اس وجہ سے ان کے خلاف ہیں کہ انہوں نے ایک حقیقت کو پالیا ہے اور غلط نہیں پایا، صحیح سمجھ لیا ہے اگرچہ بہت دیر سے سمجھا۔ وہ یہ کہ ''اسلام کی اصل طاقت یہی مدرسے ہیں۔'' اسلام کی حفاظت کے قلعے یہی ادارے ہیں۔ ان اداروں میں پڑھنے والے مساکین، زکوٰۃ وصدقات پر گزارا کرنے والے، فاقوں کی زندگی گزارنے والے اس دین کے پاسبان ہیں۔ یہی وہ مدارس ہیں جو ہر آڑے وقت میں امت کے کام آئے ہیں۔ یہ اصحاب صفّہ کے نقال ہیں۔ اس مقدس جماعت کے پیروکار ہیں جسے جناب رسول اللہ ﷺ نے مسجد نبوی کے چبوترے ''صفّے'' میں تیار فرمایا تھا۔ جن میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ پیش پیش تھے۔ انہوں نے اپنی زندگیاں دین کے سیکھنے کے لیے وقف کر رکھی تھیں۔ اور اس کے علاوہ ان کا اور کوئی مقصد نہیں تھا۔

بھوک پیاس اور فاقوں کی حالت میں وہ وہاں پڑے رہتے تھے۔ اہل مدینہ کو جتنا موقع مل گیا، انہوں نے کھانے پینے کا سامان پہنچا دیا۔ یہ نہ تجارت کرتے تھے اور نہ مزدوری کرتے تھے یہ تو جناب رسول اللہ ﷺ کے قدموں میں آپڑے تھے۔

حضرت ابوہریرہؓ پر بکثرت ایسے فاقے بھی گذرتے جاتے کہ آپ فرماتے ہیں کہ میں مسجد نبوی میں اس طرح پڑا ہوتا تھا کہ لوگ سمجھتے تھے کہ میں بے ہوش ہوں حالانکہ میں سب کی باتیں سن رہا ہوتا تھا لیکن بھوک کی وجہ سے اتنی طاقت نہیں ہوتی تھی

کہ میں بول سکوں۔

’’اللہ تعالیٰ ہمیں اصحابِ صفہ کی نقالی نصیب فرمائے‘‘

ان مدرسوں کے طلبہ بھی انہی کے نقال ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں صحیح معنیٰ میں ان کی نقالی کی توفیق عطا فرمائے۔ ہم میں ان قربانیوں کی تاب نہیں، ہم بہادر نہیں۔ ہمارا ایمان بھی کمزور ہے، ہمارا صبر بھی کمزور ہے، ہمارا توکل بھی غیر مکمل ہے۔ ہم ان مجاہدوں، ریاضتوں اور قربانیوں کی نقالی کرنے سے تو شاید عاجز ہو جائیں لیکن یہ تمنا ضرور ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں جتنی طاقت دی ہے، اللہ تعالیٰ انہی کی نقالی پر اسے لگانے کی توفیق عطا فرمائے۔ انہی کی نقالی پر ہماری زندگی گزارنے اور انہی کی نقالی پر ہماری موت آئے۔

دنیا کی کوئی طاقت مدارس کو گزند نہیں پہنچا سکتی:

میں کہا کرتا ہوں اور آج پھر اپنے عزیز طلبہ سے کہہ رہا ہوں کہ یاد رکھیے! دنیا کی کوئی طاقت آپ کو گزند نہیں پہنچا سکتی۔ آپ کے ’’قال اللّٰہ وقال الرسول‘‘ کے سلسلے کو نہیں روک سکتی۔ اگر اس کو نقصان پہنچے گا تو ہماری ہی بداعمالیوں سے پہنچے گا۔ ہماری ہی نیت کی خرابیوں سے پہنچے گا، ہمارے ہی تقویٰ کی کمی سے پہنچے گا اور ہمارے ہی اخلاص کی کمی سے پہنچے گا۔ اگر ہمارے اندر اخلاص اور تقویٰ ہے تو ’’**الاسلام یعلو ولا یعلیٰ**[1]‘‘ کا وعدہ پورا ہو کر رہے گا۔ آپ کو کوئی نہیں مٹا سکے گا۔

یہ عمارتیں چھینی جا سکتی ہیں لیکن درختوں کے سائے میں بیٹھ کر ’’قال اللّٰہ وقال الرسول‘‘ کے سلسلے کو دنیا کی کوئی طاقت نہیں روک سکتی۔ اللہ تعالیٰ ہمیں مرتے دم تک اس کام میں لگنے کی توفیق عطا فرمائے اور ہماری توانائیاں اسی کام میں استعمال کروائے۔

---

[1] الاحادیث المختارۃ المقدسی (۸/ ۲۴۰) والبیہقی (۶/ ۲۰۵) واخرجہ البخاری تعلیقا فی کتاب الجنائز۔

دینی مدارس کے تعلیمی نظام پر ایک اشکال اور اس کا تفصیلی جواب:

عام طور پر بہت سے حضرات ایک غلط فہمی کا شکار ہوتے ہیں۔ جب ہم ان مدرسوں کی اہمیت پر اصرار کرتے ہیں تو بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ اگر علماءِ کرام کو پورے ملک کے لیے نصاب تعلیم تیار کرنے کا اختیار دیا جائے تو جو مدرسوں میں نصاب اور نظام تعلیم مقرر ہے، اسی نصاب اور نظام کو پورے ملک میں چلائیں گے۔

میں سمجھتا تھا کہ یہ سوال پیدا نہیں ہوتا ہوگا اور کسی سمجھدار آدمی کے ذہن میں خیال نہیں آتا ہوگا لیکن بہت سے سمجھدار اور تعلیم یافتہ لوگوں نے مجھ سے یہ بات کہی تو معلوم ہوا کہ ذہنوں میں بات پیدا ہوتی ہے اور پھر سوال ابھرتا ہے کہ اگر ایسا ہی ہوا تو پھر انجینئر اور ڈاکٹر کہاں سے آئیں گے، ماہرین قوانین اور ماہرین معاشیات کہاں سے آئیں گے اور ملک کا نظام کیسے چلے گا؟

خوب سمجھ لیجیے! اگر علماء کو اختیار دیا جائے گا تو پورے ملک کا نظام تعلیم یہ نہیں ہوگا جو ہم نے اپنے مدرسوں میں قائم کر رکھا ہے۔ بالکل نہیں ہوگا۔ صورتِ حال یہ ہے کہ انگریزوں کے آنے سے پہلے جو مدارس اور تعلیمی ادارے برصغیر میں قائم تھے، ان میں دینی اور دنیاوی علوم کی کوئی تفریق نہیں تھی۔ دینی مدارس میں اس وقت کی سائنس، اس وقت کی انجینئرنگ اور اس وقت کے فلسفے پڑھائے جا رہے تھے اور دینی تعلیم بھی ساتھ ساتھ دی جا رہی تھی۔ ایسا نہیں تھا کہ عصری علوم کے لیے ادارے الگ ہوں اور دینی تعلیم کے لیے ادارے الگ ہوں۔ انگریز نے آکر برصغیر کے مسلمانوں پر یہ قیامت ڈھائی کہ اس نے لارڈ میکالے کے تعلیمی نظام کو نافذ کر کے سکولوں، کالجوں اور یونیورسٹیوں سے اسلام کو خارج کر دیا، اور دینی مدارس میں بالکل بے دینی کے مدارس ہو گئے یعنی وہاں آنے کے بعد اگر کوئی اپنی علوم پر انحصار کر کے بیٹھ جائے تو وہ دینی معلومات سے بالکل بے بہرہ ہو کر رہ جائے۔

ان حالات میں مجبور ہو کر حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے

دارالعلوم دیوبند کی بنیاد رکھی گویا اسلامی علوم کی حفاظت اور تعلیم کے لیے ایک قلعہ بنا دیا تاکہ جب کبھی مسلمان انگریز کے تسلط سے آزاد ہوں تو ان کے پاس اسلامی علوم محفوظ ہوں اور ان اسلامی علوم کو عصری علوم کے ساتھ ملا کر پڑھا سکیں۔

یہ وہ زمانہ تھا جب عیسائی لوگوں کو عیسائی بنانے کی کوششوں میں لگے ہوئے تھے اور انہیں انگریزوں کی سرپرستی حاصل تھی اور ہندو شدھی تحریک کے ذریعے ہندو بنانے کی کوششوں میں لگے ہوئے تھے۔ ان حالات میں مسلمانوں کے دین اور ایمان کی حفاظت کے لیے دارالعلوم دیوبند قائم کیا گیا، پیٹ پر پتھر رکھ کر انہوں نے یہ طے کیا کہ اگر ہمیں سرکاری ملازمت نہ ملے، حکومت کی کوئی سرپرستی حاصل نہ ہو ہم روکھی سوکھی کھا کر اور تنگ و تاریک حجروں میں دینی تعلیم کی حفاظت کریں گے الحمد للہ، اللہ تعالیٰ نے ان کو اس عزم میں کامیابی عطا فرمائی۔

اس کے بالکل برعکس سرسید احمد خان نے علی گڑھ میں ایک تعلیمی ادارہ قائم کیا۔ ان کے پیش نظر یہ تھا کہ مسلمان تجارت، معیشت اور سیاست میں ہندوؤں کا مقابلہ نہیں کر پا رہے۔ اگر یہ ملک کبھی آزاد ہوا تو ہندو ہم پر مسلط ہو جائے گا۔ اس لیے مسلمانوں کو ان میدانوں میں تیار کرنا اور انہیں سرکاری اداروں میں گھسانا ضروری ہے۔

گویا دارالعلوم دیوبند کو مسلمانوں کے دین کی حفاظت کے لیے قائم کیا گیا خواہ دنیا قربان ہو جائے اور علی گڑھ کا ادارہ اس لیے قائم ہوا کہ مسلمانوں کی صرف دنیا محفوظ ہو جائے۔ آپ جان رہے ہیں کہ یہ دونوں ادارے محکومیت کے دور میں قائم ہوئے۔ میں نے اپنے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ سے یہ بات بار بار سنی کہ دارالعلوم دیوبند بھی ان خاص مجبور کن حالات میں قائم ہوا تھا جب غیروں کی حکومت ہم پر مسلط تھی۔ اس وقت کے حالات میں وہی نصاب مناسب تھا جو ہمارے بزرگوں نے اختیار کیا۔ اور علی گڑھ بھی ان مجبور کن حالات میں قائم ہوا جب انگریزوں کا تسلط تھا۔ اور دنیا کے تحفظ کے لیے علی گڑھ میں جو نصاب اختیار کیا گیا، وہ بھی اپنے مقصد میں کامیاب ہوا۔

لیکن یہ دونوں نظام ایک آزاد مسلم ملک کی ضرورتوں کو پورا نہیں کرتے۔ نہ تنہا دیوبند کا نظام ایک آزاد اسلامی مملکت کی ضرورتوں کو پورا کرے گا اور نہ تنہا علی گڑھ کا نظام ایک آزاد اسلامی مملکت کی ضرورتوں کو پورا کرے گا۔ اب ہم آزاد ہیں۔ ایک اسلامی مملکت کو چلانے والے ہیں۔ اسلامی مملکت کی دینی اور دنیاوی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لیے ایک ایسے نصاب و نظام کی ضرورت ہے جو نہ علی گڑھ والا ہو گا نہ دیوبند والا ہو بلکہ دونوں کا مجموعہ ہو گا۔

چنانچہ پاکستان بننے کے بعد شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ اور والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ نے اسی بنیاد پر یہاں کے نظامِ تعلیم کو ان خطوط پر استوار کرنے کی جان توڑ کوشش کی کہ ہمارے سکول، کالج اور یونیورسٹیاں ان دونوں نظاموں کا مجموعہ بنیں تاکہ آزاد اسلامی ریاست کی ضرورت کو پورا کرنے والی نسل تیار کی جائے۔

بہت سر توڑ کوشش کرنے کے بعد ہمارے یہ بزرگ اس نتیجے پر پہنچے کہ ہم اگرچہ انگریزوں سے براہِ راست آزاد ہو گئے ہیں لیکن افسوس ناک بات یہ ہے کہ اس ملک پر جو لوگ حکمران ہیں وہ ذہنی طور پر انگریز کی محکومی سے آزاد نہیں ہیں۔ اور وہ اس بات پر قطعاً تیار نہیں کہ یہاں آزاد اسلامی ریاست کی ضرورتوں کو پورا کرنے والا نظامِ تعلیم رائج کیا جائے بلکہ وہ صرف علی گڑھ کا نظام یہاں لانا چاہتے ہیں۔

اس کی وجہ یہ تھی کہ انگریزوں کی نقالی کرتے کرتے، ان کی شاگردی کرتے کرتے، ان کی نوکری چاکری کرتے کرتے اور ان کی تربیت میں رہتے رہتے ان کی حالت یہ ہو گئی تھی کہ ان میں آزاد فکر ہی باقی نہیں رہی تھی۔

ہمارے بزرگوں نے جب یہ دیکھا کہ یہاں کے حکمران آزاد اسلامی نظامِ تعلیم رائج کرنے کے لیے تیار نہیں بلکہ صرف علی گڑھ کو ہی یہاں لانا چاہتے ہیں تو انہوں نے فرمایا کہ پھر ہمیں یہاں دیوبند ہی قائم کرنا پڑے گا۔ حکومت علی گڑھ کی طرز پر ادارے کھولے اور ہم اپنے مدرسے دیوبند کی طرز پر قائم کریں گے۔ چنانچہ یہ سلسلہ جاری ہے کہ سرکاری اداروں میں علی گڑھ کا نظامِ تعلیم چل رہا ہے اور ہمارے مدارس

میں دیو بند کا نظام تعلیم رائج ہے۔ لیکن یہ کوئی خوشی سے نہیں ہو رہا بلکہ مجبوری سے ہو رہا ہے۔ اس وقت ہم نے اس کیفیت کو اس لیے قبول کیا تھا کہ ہم انگریزوں کی براہِ راست غلامی میں تھے اور اب اس لیے برداشت کر رہے ہیں کہ بالواسطہ ان کی غلامی میں ہیں۔

لیکن الحمدللہ ہمارا ضمیر مطمئن ہے اور آپ دیکھ رہے ہیں کہ تمام تر مخالفتوں کے باوجود دینی علوم کا قافلہ رواں دواں ہے اور جب سے ان اداروں کے خلاف مخالفتوں میں اضافہ ہوا ہے، الحمدللہ، ان مدرسوں میں طلبہ کی تعداد میں بھی اضافہ ہوا ہے اور مدرسوں کی تعداد بھی مسلسل بڑھ رہی ہے کیونکہ قوم کو یہ محسوس ہو رہا ہے کہ مسلم قوم کی رہنمائی کرنے والے ایسے افراد جو ذہنی طور پر آزاد ہوں، کسی کے محکوم نہ ہوں اگر یہ کہیں مل سکیں گے تو وہ انہی اداروں سے ملیں گے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ایسی ہی قیادت تیار کرنے کی توفیق نصیب فرمائے۔

دینی مدارس کے فضلاء کے روزگار سے متعلق ایک غلط فہمی اور اس کا جواب:

ایک بات اور عرض کرنا چاہتا ہوں۔ وہ یہ کہ ہمارے بہت سے محبت کرنے والے مسلمان بڑی خیر خواہی سے کہا کرتے ہیں کہ صاحب! آپ کے طلبہ فارغ التحصیل ہونے کے بعد کھائیں گے کہاں سے؟ ان کے روزگار کے لیے آپ دارالعلوم میں کوئی صنعت لگا دیں یا دستکاری کا انتظام کر دیں تا کہ کچھ طلبہ صنعت سیکھ لیں، کچھ لکڑی کا کام سیکھ لیں، کوئی لوہار کا کام سیکھ لیں، الیکٹریشن کا کام سیکھ لیں اور جب فارغ التحصیل ہو جائیں تو اپنے ان کاموں سے روزی کما سکیں۔

میں ان سے عرض کرتا ہوں کہ ہم نے سولہ سال محنت کر کے ایک عالم اس لیے تیار کیا تھا کہ وہ علمی کام کرے گا۔ اگر تم اس کو بڑھئی بنا دو گے تو پھر ہماری ساری محنت تو بے کار چلی جائے گی ذرا سوچئے! آپ یہ مشورہ کسی کالج سے فارغ ہونے والے طالب علم کو کیوں نہیں دیتے کہ صاحب! یہ میڈیکل کالج سے فارغ ہوا ہے یا

اس نے ایم۔اے کیا ہے یا پی۔ایچ۔ڈی کیا ہے۔اس کو بڑھئی کا کام بھی سکھا دو تا کہ یہ اپنا پیٹ پال سکے۔اگر تم ڈاکٹر کو لوہار بنا دو گے تو اس سے بڑی حماقت کیا ہوگی۔

دینی وعلمی خدمات کے لیے کیسے افراد کی ضرورت ہے؟

ہمارے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ طالبعلمی کے زمانے میں میرا جذبہ یہ تھا کہ پڑھنے کے بعد جتنا بھی دین کا کام کروں گا، بلا معاوضہ کروں گا اور اپنا گزارا کرنے کے لیے میں نے دو ہنر سیکھے۔ایک خطاطی (کتابت کا کام) دوسرا، جلد بندی، (بائنڈنگ) (والد صاحب رحمۃ اللہ یہ دونوں کام خوب جانتے تھے۔میں نے ایک کتاب ایسی بھی دیکھی ہے جو تصنیف بھی ان کی تھی، اس کی کتابت بھی انہوں نے کی تھی، چھپوایا بھی انہوں نے تھا اور پھر اس کی بائنڈنگ (جلد بندی) بھی انہوں نے کی تھی)۔فرمایا کہ ان دو کاموں کے علاوہ میں نے علم طب یونانی بھی پڑھا تھا کہ اپنے گزارے کے لیے اس فن سے بھی کام چلاؤں گا۔لیکن بعد کے تجربات نے یہ بتلایا کہ اگر علم دین کا کام کرنا ہے تو وہ دن رات کی انتھک محنت چاہتا ہے۔ جب تک صبح سے لے کر شام تک اس میں نہیں کھپیں گے، اس وقت تک اس میں مہارت پیدا نہیں ہوگی، اس لیے مجبوراً مجھے یہ کام چھوڑنا پڑا اور دارالعلوم دیوبند میں معمولی سی تنخواہ پر بیس سال تک تدریس وافتاء کا کام کیا۔

فارغ التحصیل طلبہ و طالبات کی تعداد:

اب میں ایک دو باتیں مختصراً عرض کرنا چاہتا ہوں۔

الحمدللہ، اس سال ہمارے جامعہ سے فارغ التحصیل ہونے والے طلبہ کی تعداد تین سو نوے ہے۔ اور مدرسۃ البنات سے فارغ ہونے والی طالبات کی تعداد چونتیس ہے۔ اس طرح فارغ التحصیل ہونے والے کل طلبہ و طالبات کی تعداد چار سو چوبیس ہے۔

اس کے علاوہ دارالعلوم کورنگی، نانک واڑہ اور بیت المکرّم گلشن اقبال سے حفظ قرآن مکمل کرنے والوں کی تعداد ایک سو چوالیس ہے۔ ان کے علاوہ دارالعلوم کی شاخیں کراچی میں جگہ جگہ کھلی ہوئی ہیں، وہاں حفظ قرآن مکمل کرنے والوں کی تعداد بہت زیادہ ہے جو اس تعداد میں شامل نہیں۔

باہمت طلبہ:

دوسری بات عرض کرنے سے پہلے بطور تمہید یہ عرض کرتا جاؤں کہ دورۂ حدیث کی تعلیم باقی درجوں سے مختلف انداز کی ہوتی ہے۔ اس میں صبح تعلیمی وقت سے بھی پہلے اسباق شروع ہو جاتے ہیں اور ظہر کے قریب تک جاری رہتے ہیں۔ پھر ظہر سے عصر تک اور پھر مغرب سے لے کر رات گیارہ بجے تک جاری رہتے ہیں۔ اتنے طویل دورانیے کے باوجود ان تین سونوے طلبہ میں سے پینتالیس باہمت طلبہ ایسے ہیں جو ایک منٹ کے لیے سبق سے غائب نہیں ہوئے اور اسباق کے دوران باوضو بھی رہتے ہیں۔ اور ان کی ایک حدیث بھی نہیں چھوٹی۔ اور پچیس طلبہ ایسے ہیں کہ سارے سال کے اسباق ملا کر ان سے ایک صفحہ کی عبارت یا اس سے کم چھوٹی ہے اور ان چھوٹی ہوئی حدیثوں کو بھی انہوں نے اپنے اساتذہ سے پڑھ کر اس کی کمی کو پورا کر لیا ہے۔ ایسے طلبہ کو جامعہ کی طرف سے خصوصی انعام دیا جائے گا۔

ان کلمات کے ساتھ میں آپ سے رخصت ہوتا ہوں۔

وآخر دعوانا أن الحمدللّٰہ رب العالمین.

.......❖.......

قصص القرآن

مشہور و معروف مفسر علامہ عماد الدین ابن کثیرؒ کی شہرہ آفاق
تصنیف "تفسیر ابن کثیرؒ" سے ماخوذ دلچسپ قرآنی قصے اور واقعات

مؤلف: علامہ عماد الدین ابن کثیرؒ

اردو ترجمہ: قصص القرآن

تحقیق: عادل الجنزوری

مترجم
لجنۃ المصنفین لاہور

بیت العلوم
۲۰۔ نابھہ روڈ، پرانی انارکلی لاہور۔ فون: ۷۳۵۱۲۸۳

انبیائے کرام علیہم السلام

انسائیکلوپیڈیا

انبیائے کرام علیہم السلام سے متعلق بھرپور معلومات پر مبنی سوالاً جواباً
لکھی جانے والی سب سے مفصل مستند اور ضخیم کتاب

مؤلف
ڈاکٹر ذوالفقار کاظم

بیت العلوم
۲۰۔ نابھہ روڈ، پرانی انارکلی لاہور۔ فون: ۷۳۵۲۴۸۳

رحمتِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم

اور

اسلامی اخلاق

تالیف

مولانا مفتی محمد فاروق صاحب مدظلہ العالیہ

(مہتمم جامعہ محمودیہ میرٹھ انڈیا)

بیت العلوم

۲۰-نابھہ روڈ، پرانی انارکلی لاہور- فون: ۳۵۲۲۴۸۳ے

اللہ کی رحمت سے محروم لوگ

اُن سَو افراد کا تذکرہ جن پر اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے لعنت فرمائی ہے۔

اردو ترجمہ

مِأَةٌ مِمَّن لَعَنَهُمُ اللهُ وَرَسُولُهُ

مؤلف
سلمان نصیف الدحدوح

مترجم
مولانا محمد زکریا اقبال
فاضل جامعہ دارالعلوم کراچی

بیت العلوم
۲۰- نابھہ روڈ، پرانی انارکلی لاہور۔ فون: ۷۳۵۲۴۸۳

إنَّ مِنَ الْبَيَانِ لَسِحْرًا

اِصلاحی تقریریں

عمل پر اُبھارنے والی عام فہم اور فکر انگیز تقاریر
علماء، خطباء اور عوام کے لیے یکساں مفید

- اللہ تعالیٰ کے محبوب کلمے
- کامل مسلمان کون
- اخلاص کی راہ میں حائل رکاوٹیں
- اچھا یا بُرا طریقہ جاری کرنے کے اثرات و نتائج
- ظلم کی مختلف صورتیں
- ماہِ ذی الحجہ کے فضائل
- عُہدے کا ھدیہ
- دیوبندیت کیا ھے؟
- دینی تعلیم اور عصبیت
- اس خلا کو پُر کریں
- صحیح مسلم کی نادر المثال شرح

جلد ہفتم

مفتی اعظم پاکستان مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی مدظلہ

بیت العلوم
۲۰۔ نابھہ روڈ، پرانی انارکلی لاہور۔ فون ۳۵۲۴۸۳۱

اصلاحی تقریریں

جلد ہفتم

اصلاحی تقریریں

عمل پر ابھارنے والی عام فہم اور فکر انگیز تقاریر
علماء، خطباء اور عوام کے لیے یکساں مفید

جلد ہفتم

مفتی اعظم پاکستان مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی مدظلہ

مرتب:
مولانا اعجاز احمد صمدانی

بیت العلوم
۲۰- نابھہ روڈ، پرانی انارکلی لاہور۔ فون: ۳۵۲۴۸۳۷

نام کتاب: اصلاحی تقریریں
جلد: ہفتم
خطاب: حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب مدظلہ
ضبط وترتیب: مولانا اعجاز احمد صمدانی (فاضل جامعہ دارالعلوم کراچی)
باہتمام: محمد ناظم اشرف
ناشر: بیت العلوم۔۲۰ نابھہ روڈ، چوک پرانی انارکلی، لاہور
فون:۷۳۵۲۴۸۳

﴿ملنے کے پتے﴾

بیت العلوم = ۲۰ نابھہ روڈ، پرانی انارکلی، لاہور
ادارہ اسلامیات = ۱۹۰ انارکلی، لاہور
ادارہ اسلامیات = موہن روڈ چوک اردو بازار، کراچی
دارالاشاعت = اردو بازار کراچی نمبرا
بیت القرآن = اردو بازار کراچی نمبرا
بیت الکتب = گلشن اقبال، کراچی
ادارۃ المعارف = ڈاک خانہ دارالعلوم کورنگی کراچی نمبر۱۴
مکتبہ دارالعلوم = جامعہ دارالعلوم کورنگی کراچی نمبر۱۴
مکتبہ سید احمد شہید = الکریم مارکیٹ، اردو بازار، لاہور
مکتبہ رحمانیہ = غزنی سٹریٹ، اردو بازار، لاہور

پیش لفظ

حضرت مفتی اعظم پاکستان مولانا محمد رفیع عثمانی مدظلہ

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

مجھ جیسے ناچیز کی زبان سے نکلی ہوئی باتیں تو اس قابل بھی نہ تھیں کہ ان کو ''تقریریں'' کہا جاتا، چہ جائیکہ انہیں ''اصلاحی تقریریں'' کا عظیم الشان نام دے کر کتابی شکل میں شائع کیا جائے۔ لیکن اہل محبت کا حسن ظن ہے کہ وہ ان کو ٹیپ ریکارڈ پر محفوظ کر لیتے ہیں۔

عزیز القدر مولوی محمد ناظم سلمہ نے جو دار العلوم کراچی کے ہونہار فاضل، اور ''جامعہ اشرفیہ لاہور'' کے مقبول استاذ ہیں، کئی سال سے ان ٹیپ شدہ تقریروں کو قلم بند کروا کر اپنے ادارے بیت العلوم لاہور سے شائع کرنے کا سلسلہ جاری کیا ہوا ہے اور اب تک اس سلسلے کے چھ درجن سے زیادہ کتابچے شائع کر چکے ہیں، اور اب ان میں سے کچھ مطبوعہ کتابچوں کا ایک مجموعہ ''اصلاحی تقریریں (جلد ہفتم)'' کے نام سے شائع کر رہے ہیں۔

یہ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ ماشاء اللہ انہوں نے اور ان کے رفقائے کار نے ٹیپ

ریکارڈ سے نقل کرنے میں بڑی کاوش اور احتیاط سے کام لیا ہے اور ذیلی عنوانات بڑھا کر ان کی افادیت میں اضافہ کر دیا ہے۔ اور جلد سوم کے بعد کی جلدوں میں جامعہ دارالعلوم کراچی کے ہونہار فاضل، اور استاذ مولوی اعجاز احمد صمدانی سلمہ نے ضبط و ترتیب کا یہ کام اس مفید اضافے کے ساتھ کہ تقریروں میں بیان ہونے والی آیات قرآنیہ اور احادیث مبارکہ کے مفصل حوالے بھی درج کر دیئے ہیں۔

اللہ تعالیٰ ان کی اس محنت کو شرفِ قبولیت سے نوازے اور ان کے علم و عمل اور عمر میں برکت عطاء فرمائے، اور اس کتاب کو قارئین کے نافع بنا کر ہم سب کے لئے صدقہ جاریہ بنادے اور ''بیت العلوم'' کو دینی اور دنیاوی ترقیات سے مالا مال کر دے۔

والله المستعان

بسم اللہ الرحمن الرحیم

﴿عرض ناشر﴾

مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب مدظلہ ملک و بیرون ملک ایک جانی پہچانی علمی اور روحانی شخصیت ہیں۔ آنجناب ملک کی مشہور دینی درسگاہ ''دارالعلوم کراچی'' کے مہتمم اور اسلامی نظریاتی کونسل کے ایک فعال ممبر ہونے کے علاوہ کئی جہادی، اصلاحی اور تعلیمی تنظیموں کے سرپرست ہیں۔ آپ مفسر قرآن مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ کے فرزند ارجمند اور عارف باللہ حضرت ڈاکٹر عبدالحیٔ عارفی صاحبؒ کے ممتاز اور اخص الخواص خلفاء میں سے ہیں۔ ان تمام خوبیوں کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ نے حضرت مفتی صاحب مدظلہ کو حسن خطابت سے خوب خوب نوازا ہے۔ ہر موقعہ پر پراثر اور دلنشین پیرائے میں ہر سطح کے سامع کو بات سمجھانا حضرت کا خصوصی کمال ہے جو اس قحط الرجالی کے دور میں کہیں کہیں نظر آتا ہے۔ پھر بزرگوں کی صحبت کی برکت سے لوگوں کی اصلاح کا جذبہ کہ کسی طرح لوگ روحانی طور پر درست ہو جائیں حضرت کے بیانات کا لازمی حصہ ہے۔ گویا حضرت کے خطبات و بیانات شریعت وطریقت کا ایک حسین امتزاج ہوتے ہیں۔ جن میں عالمانہ تحقیق، فقیہانہ نکتہ وری کے ساتھ ساتھ، ایک بلند پایہ صوفی، مصلح اور مربی کی سوچ بھی جلوہ نما ہوتی ہے۔

الحمدللہ ''بیت العلوم'' کو یہ شرف حاصل ہوا کہ پہلی مرتبہ حضرت کے ان اصلاحی، پرمغز اور آسان بیانات کو حضرت مفتی صاحب مدظلہ کے تجویز کردہ نام ''اصلاحی تقریریں'' کے نام سے شائع کررہا ہے۔ اصلاحی تقریریں جلد اول، دوم، سوم، چہارم، پنجم اور ششم کی غیر معمولی مقبولیت کے بعد اب جلد ہفتم آپ کے سامنے ہے۔ جس میں

کے کچھ بیانات لاہور، کراچی اور دوسرے ملکی وغیر ملکی مقامات کے شامل ہیں۔ اس کتاب کی ضبط وترتیب کا کام مولانا اعجاز احمد صمدانی (فاضل جامعہ دارالعلوم کراچی) نے انجام دیا ہے۔ اس میں حتی الوسیع ضبط وترتیب کا خیال رکھا گیا ہے اور آیات واحادیث کی تخریج بھی کردی گئی ہے، پھر بھی اگر کوئی غلطی نظر سے گزرے تو براہ کرم مطلع فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ ''بیت العلوم'' کی اس کاوش کو قبول فرمائے اور ہم سب کو عمل کی توفیق عطا فرمائے اور حضرت مفتی صاحب مدظلہ کو صحتِ عافیت عطا فرمائے تاکہ ہم حضرت کے بیانات سے زیادہ سے زیادہ مستفید ہوسکیں۔

آمین

والسلام

﴿محمد ناظم اشرف﴾

مدیر ''بیت العلوم''

اجمالی فہرست

فہرست

اللہ تعالیٰ کے محبوب کلمے

کامل مسلمان کون؟

اخلاص کی راہ میں حائل رکاوٹیں

اچھا یا برا طریقہ جاری کرنے کے اثرات ونتائج

﴿ظلم کی مختلف صورتیں﴾

ماہِ ذی الحجہ کے فضائل

عہدے کا ہدیہ

دیوبندیت کیا ہے؟

دینی تعلیم اور عصبیت

اِس خلا کو پُر کریں

صحیح مسلم کی نادر المثال شرح

اللہ تعالیٰ کے محبوب کلمے

موضوع:	اللہ تعالیٰ کے محبوب کلمے
خطاب:	حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی مدظلہم
مقام:	جامع مسجد، جامعہ دارالعلوم، کراچی
تاریخ:	بموقع ختم بخاری شریف ۱۴۲۴ھ
ترتیب وعنوانات:	اعجاز احمد صمدانی
باہتمام:	محمد ناظم اشرف

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

﴿اللہ تعالیٰ کے محبوب کلمے﴾

خطبہ مسنونہ:

الحمد للّٰه نحمدهٗ و نستعينهٗ و نستغفرهٗ و نؤمِنُ بهٖ ونتوكل عليه ونعوذ باللّٰهِ مِن شرورِ أنفسنا ومِن سيئاتِ أعمالنا مَن يهدِهِ اللّٰه فلا مُضِلَّ لهٗ وَمَنْ يُضللهُ فلا هَادِىَ لهٗ ونشهد أن لآ اِلٰه اِلَّا اللّٰه وحدهٗ لاشريک لهٗ و نشهد أنّ سيدنا و سَنَدنا و مولانَا محمداً عبدهٗ ورسولهٗ صلى اللّٰه تعالٰى عليه وعلٰى آلِهٖ وصحبه اجمعين وسلم تسليماً كثيراً ٥

امابعد!

باب قول اللّٰه تعالٰى: ونضع الموازين القسط ليوم القيمة وأن اعمال بنى آدم وقولهم يوزن وقال مجاهد: القسطاس: العدل بالرومية ويقال القسط مصدر المقسط وهو العادل اما القاسط فهو الجائر.

حدثنا احمد بن إشكاب حدثنا محمد بن فضيل بن عمارة بن القعقاع عن ابی زرعة عن أبی هريره رضی الله تعالیٰ عنه قال: قال النبی صلی الله علیه وسلم: کلمتان حبیبتان إلی الرحمن، خفیفتان علی اللسان، ثقیلتان فی المیزان: "سبحان الله وبحمده سبحان الله العظیم."[1]

تمہید:

بزرگانِ محترم اور برادرانِ عزیز اور عزیز طلبہ کرام!

جیسا کہ معلوم ہے کہ کتاب صحیح بخاری کے سب سے آخری باب کی عبارت ابھی پڑھی گئی۔ اور اِسی باب کے تحت آنے والی حدیث اس کتاب کی سب سے آخری حدیث ہے۔ اسی پر امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنی کتاب مکمل فرمائی ہے۔

جہاں تک اس ترجمۃ الباب اور حدیث کے الفاظ کی لغوی، نحوی اور صرفی تحقیق کا معاملہ ہے۔ اس کی ضرورت منتہی طلبہ کو عموماً نہیں ہوتی اور اگر کچھ ہوتی ہے تو اساتذہ بیان فرما دیتے ہیں۔ یہ حدیث دو بار پہلے بھی آ چکی ہے۔ آپ اس کی لغوی وصرفی تحقیق پیچھے پڑھ چکے ہوں گے۔ اس لئے میں اس باب کے الفاظ کی لغوی، صرفی اور نحوی تحقیق میں زیادہ کلام کرنے کے بجائے بعض دوسری چیدہ چیدہ باتوں کے بارے میں عرض کروں گا البتہ کہیں کہیں لغوی وصرفی تحقیق کی ضرورت ہوگی تو وہ بھی ضمناً آ جائے گی۔

ترجمۃ الباب کا مفہوم:

آپ حضرات کو یہ بات معلوم ہے کہ امام بخاری کا طریقہ اپنی کتاب میں یہ

---

[1] حدیث کی عبارت اور سند طالب علم نے پڑھی۔ م

ہے کہ ان کے باب کا عنوان (جسے علم حدیث کی اصطلاح میں ''ترجمۃ الباب'' کہا جاتا ہے) شریعت کا ایک مسئلہ ہوتا ہے اور اس ترجمۃ الکتاب کے تحت امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ جو حدیث یا حدیثیں لاتے ہیں، وہ اس مسئلہ شرعیہ کی دلیل شرعی ہوتی ہیں۔ چنانچہ یہاں امام بخاری نے اس باب کا جو عنوان قائم کیا ہے، وہ آیت قرآنی کا ایک حصہ ہے۔ جسکے الفاظ یہ ہیں:

﴿بَابُ قَولِ اللّٰهِ وَنَضَعُ المَوازِينَ القِسطَ لِيَومِ القِيمةِ﴾

یہ باب ہے اللہ کے ارشاد'' ونضع الموازين القسط ليوم القيمة'' کے بارے میں۔

آیت کے اس حصے کا ترجمہ یہ ہے: اور قیامت کے روز ہم میزانِ عدل قائم کریں گے۔ (الانبیاء:۴۷)

''موازین'' میزان کی جمع ہے۔ اردو، عربی اور فارسی میں یہ لفظ ترازو کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ یعنی ہر وہ آلہ جس کے ذریعے سے کسی چیز کا وزن کیا جائے گا وہ میزان ہے۔

''ألقسط''موازین کی صفت ہے کہ وزن کرنے والی چیزیں (یعنی ترازو یا آلات) انصاف کرنے والی ہوں گی۔

اصل میں تو ''قسط'' مصدر ہے۔ جس کے معنی ہیں ''انصاف کرنا''۔ لیکن یہاں پر مصدر'' مقسط'' کے معنی میں استعمال ہوا ہے یعنی انصاف کرنے والا۔ جیسے ''زیدٌ عَدْلٌ'' کہا جاتا ہے جو کہ زیدٌ عادِلٌ کے معنی میں ہوتا ہے۔

تو مطلب یہ ہو گیا کہ ہم ایسی میزانیں قائم کریں گے کہ جو پورا پورا انصاف کرنے والی ہوں گی۔ ان میں ذرہ برابر بلکہ بال برابر بھی فرق نہیں ہوگا۔ بالکل صحیح صحیح

وزن کریں گی، ان میں کمی بیشی کا دور دور تک کوئی گذر نہیں ہوگا۔

''لیوم القیمة ''أی فی یوم القیمة۔ قیامت کے دن یہاں پر لام فی کے معنی میں ہے۔ یعنی میزانیں قیامت کے روز قائم کی جائیں گی۔

اِن میزانوں میں کس چیز کا وزن ہوگا؟ اُس کا ذکر اس بات میں نہیں۔ اسی وجہ سے امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے آگے فرمایا کہ:

﴿وأن اعمال بنی آدم وقولهم یوزن﴾

''انسان کے تمام اعمال اور ان کے اقوال کا وزن کیا جائے گا۔''

اس سے پتہ چلا کہ ان میزانوں کے اندر انسان کے اعمال اور اقوال کا وزن کیا جائے گا۔

یہاں پر ''وَقَولُهُم'' کا لفظ ہے۔ بعض دوسرے نسخوں اور روایتوں میں ''أقوالهُم'' ہے جو کہ جمع کا صیغہ ہے اور یہی زیادہ راجح اور اعمال کے اعتبار سے زیادہ مناسب ہے۔ کیونکہ اعمال بھی جمع ہے اور اقوال بھی جمع ہے۔

حاصل یہ نکلا کہ انسان کے تمام اچھے برے اعمال اور اچھے برے اقوال کا وزن ان میزانوں میں کیا جائے گا جو قیامت کے روز میدان حساب میں قائم کی جائیں گی۔

قیامت کے دن کی ہولناکی:

قیامت کا دن وہی دن ہے جس کو قرآن کریم روز یاد دلاتا ہے۔ اور اللہ رب العالمین نے اسے روز یاد دلانے کے لئے سورۃ فاتحہ میں ''یوم الدین'' کے نام سے ذکر کیا اور تمام مسلمانوں پر قیامت تک کیلئے لازم کر دیا کہ وہ جو نماز بھی پڑھیں، فرض ہو یا واجب ہو، سنت ہو یا نفل، دن کی ہو یا رات کی، سری ہو یا جہری، اکیلے ہو یا جماعت سے، سفر میں ہو یا حضر میں، ہر حالت میں اور ہر نماز کی ہر رکعت میں سورۃ فاتحہ پڑھا کریں۔

اور سورۃ فاتحہ کے اندر یہ آیت ہے۔

﴿مَالِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ﴾ (الفاتحہ)

''(اللہ تعالیٰ) مالک ہے روز جزا کا۔''

جزا ملنے کا یہ دن بڑا خوفناک دن ہے۔اس پوری کائنات کی تخلیق کا انجام اس دن ظاہر ہونے والا ہے۔ ہم سب یہاں امتحان گاہ میں بیٹھے ہیں۔ نتیجہ اس دن نکلنے والا ہے۔ ہم سب کو جو لمحات گذر رہے ہیں چاہے وہ گھر میں گذریں یا مسجد میں، مدرسے میں گذریں یا بازاروں میں، عبادت میں گذریں یا کھیل وتفریح میں، اچھے کاموں میں گذریں یا برے کاموں میں۔ یہ تمام لمحات درحقیقت امتحان کے لمحات ہیں اور یہ پوری دنیا امتحان گاہ ہے اور ہر انسان بالغ ہونے کے وقت سے لے کر موت کے آنے تک اس امتحان گاہ میں ہے۔ یہ ایسی امتحان گاہ نہیں ہے کہ جس میں قلم سے لکھ کر امتحان دیا جائے بلکہ یہاں ہر حرکت اور سکون، ہر قول اور فعل امتحان کا حصہ ہے اور امتحان کا ہر ہر حصہ ریکارڈ ہو رہا ہے اور اس کے نمبر لگ رہے ہیں۔ کوئی چیز ضائع ہونے والی نہیں ہے، کراماً کاتبین اس کا ریکارڈ تیار کر رہے ہیں۔

پہلے یہ باتیں سمجھ میں آنا مشکل ہوتی تھیں لیکن جدید دور کی ایجادات نے ان کو سمجھنا آسان کر دیا کہ اقوال کو کیسے محفوظ کیا جا سکتا ہے اور اعمال کو کیسے دوبارہ دکھایا جا سکتا ہے۔

عمر بھر نہ ہنسنے کی قسم:

حضرت ربعی بن خراش جو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مشہور شاگرد رشید ہیں، جلیل القدر تابعی ہیں، جب انہوں نے یہ حدیث پڑھی کہ اللہ تعالیٰ نے کچھ مخلوق جنت کے لئے پیدا فرمائی ہے اور کچھ مخلوق کو جہنم کیلئے پیدا کیا تو ان کے اوپر ایسا خوف

سوار ہوا کہ انہوں نے قسم کھائی کہ جب تک مجھے یہ معلوم نہ ہو جائے کہ میں جنت والوں میں شامل ہوں، اس وقت تک میں ہنسوں گا نہیں۔ عمر بھر اس خوف کی وجہ سے ہنسے نہیں کہ پتہ نہیں میرا شمار کون سی جماعت میں ہے۔ جب انتقال ہوا تو دیکھنے والوں کا بیان ہے کہ ہم سب نے دیکھا کہ وہ ہنس رہے تھے۔

انہی کے بھائی ربیع نے بھی ایسی قسم کھالی تھی اور وہ بھی عمر بھر اس خوف سے نہیں ہنسے کہ پتہ نہیں میرا نام کون سی جماعت میں شامل ہے۔ غسل دینے والوں کا بیان ہے کہ جب ہم ان کو غسل دے رہے تھے تو وہ مسلسل مسکرا رہے تھے۔ یہ مسکراہٹ مرنے کے بعد بھی ان کے چہرے پر نمایاں تھی۔

تو قرآن کریم قیامت کے خوفناک مناظر کو روزانہ یاد دلاتا ہے۔ نماز کی ہر رکعت میں کہتا ہے کہ یہ یاد رکھو کہ میدان حساب میں ہی تمہارے تمام اعمال کا نتیجہ نمودار ہونے والا ہے۔ اس دنیا کی غفلتوں میں گم نہ ہو جانا۔ یہ متاع الغرور ہے، اس میں کھو نہ جانا، اپنی منزل بھول نہ جانا، اپنی پونجی کھوٹی نہ کر دینا۔

تین ایسے مقامات جہاں کوئی کسی کا خیال نہیں کریگا:

آنحضرت ﷺ کی جلیل القدر چہیتی زوجہ محترمہ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا۔ غور کیجئے! سوال کس سے کیا جا رہا ہے، رحمۃ للعالمین سے، جو تمام جہانوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجے گئے اور وہ آپ کے شوہر بھی تھے اور شوہر بھی ایسے کہ بہت چاہنے والے شوہر اور بیوی بھی چہیتی بیوی۔ تو اس چہیتی بیوی نے سوال کیا: یارسول اللہ! جب ہم لوگ میدان حساب میں ہوں گے تو آپ وہاں بھی ہمارا خیال رکھیں گے یا نہیں؟ آپ ﷺ نے جواب میں فرمایا کہ وہاں تین مواقع ایسے ہوں گے کہ کسی کو کسی کا خیال نہیں آئے گا۔ ہر ایک کو اپنی اپنی پڑی

ہوگی۔ نفسی نفسی کا عالم ہوگا۔

ایک وہ وقت جب اعمال نامے لے کر آئیں گے جب تک دائیں ہاتھ میں اعمال نامہ نہ آجائے اس وقت تک کسی کو کسی کا ہوش نہیں ہوگا۔ دوسرا وہ وقت جب اعمال نامے میزانِ عمل میں تل رہے ہوں گے، اُس میں جب تک نیکیوں کا پلڑا بھاری نہ ہوجائے، اس وقت تک کسی کو کسی کا ہوش نہ ہوگا۔ تیسرا وہ وقت جب پل صراط سے گذر ہوگا۔ جب تک پل صراط سے پار نہ ہوجائیں، کسی کو کسی کا ہوش نہ ہوگا۔

یہ کون فرما رہا ہے؟ تاجدار دو عالم، شفیع المذنبین، صاحب مقامِ محمود اور صاحبِ شفاعت کبری اپنی زوجہ محترمہ صدیقہ بنت صدیق کے سوال کے جواب میں فرمارہے ہیں۔ یہ روایت امام غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے احیاء العلوم میں نقل فرمائی ہے۔

اعمال کا وزن کس طرح ہوگا:

انسانی اعمال واقوال کا وزن کیسے ہوگا؟ جمہور علماء اہل سنت والجماعت یہ جواب دیتے رہے ہیں، روایت سے بھی اس کی تصدیق ہوتی ہے اور بعض آیات قرآنیہ سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ وہ یہ کہ انسان کے تمام اعمال واقوال آخرت میں مجسم شکل میں بنادیئے جائیں گے۔ اعمال کو بھی جسمانی شکل دے دی جائے گی اور اقوال کو بھی جسمانی شکل دے دی جائے گی پھر ان کا وزن ہوگا۔

وزن ایک ''عارضی'' اور ''اضافی'' چیز ہے:

اور اب جدید سائنس نے یہ بات بھی بتلادی کہ کسی بھی چیز کا کوئی وزن اس کے ساتھ کوئی لازمی چیز نہیں ہے، ایک عارضی اور اضافی چیز ہے۔ دنیا میں ہمارا اپنا ایک وزن ہے۔ یہ گلاس رکھا ہے، اس کا ایک وزن ہے۔ یہ علم ہے، اس کا ایک وزن ہے لیکن

جب اسے اوپر لے جائیں یہاں تک کہ خلا میں پہنچادیں۔ اُس وقت ان کا کوئی وزن نہیں رہے گا، بلکہ بے وزن ہو جائیں گے۔

اب تو سٹیلائٹ ایجاد ہو گئے، خلائی جہاز خلاؤں میں گردش کرتے رہتے ہیں۔ زمین کی کشش سے آزاد ہوکر وہاں ان کا کوئی وزن ہی باقی نہیں رہتا۔ یہ بات آپ حضرات کو معلوم ہے۔

لہٰذا معلوم ہوا کہ وزن کسی جسم کا لازمی جزو نہیں ہے۔ ایک عارضی شئ ہے۔ کبھی اس کا وزن ہوتا ہے، کبھی نہیں ہوتا۔ زمین کی فضا میں وزن ہے، خلا میں وزن نہیں، چاند پر پہنچیں تو وہاں وزن تو ہے لیکن زمینی فضا کے مقابلے میں کم وزن ہے کیونکہ زمین بڑا جسم ہے۔ اس کی کشش زیادہ ہے اس لئے یہ زیادہ تیزی سے جسم کو اپنی طرف کھینچتی ہے جبکہ چاند زمین کے مقابلے میں کم جسامت والا جسم ہے۔ وہ کم تیزی سے جسم کو اپنی طرف کھینچتا ہے۔ کھینچنے کی اس قوت کو ''کشش ثقل'' کہتے ہیں اور کشش ثقل ہی درحقیقت وزن کا حاصل ہے۔ ایک چیز جس کا وزن زمین پر ایک کلو ہے، جب آپ اُسے چاند پر لے جائیں گے تو وہ آدھا کلو کے قریب رہ جائے گا اور اگر خلا میں لے جائیں تو اس کا کچھ بھی وزن نہیں ہوگا۔

جدید آلات نے اس حقیقت کو سمجھنا آسان کر دیا ہے:

اسی طریقے سے ہمارے یہ اعمال کہ آج دنیا میں ان کا کوئی وزن نہیں لیکن آخرت میں ان کا وزن ہو جائے گا اور میزان عمل میں وہ وزن سامنے آجائے گا۔ اس لئے اس پر کوئی تعجب نہیں ہونا چاہیے کہ اعمال کا وزن کیسے ہوگا؟

اور پھر آج کل کی جو ایجادات ہیں، انہوں نے تو اس بات کو سمجھنا اور زیادہ آسان کر دیا۔ آج کل ہر چیز کو ناپا جاتا ہے۔ حرارت کو بھی ناپا جاتا ہے، گرمی کو بھی، بخار کو

ناپا جاتا ہے، رفتار کو بھی۔ غرضیکہ ہر چیز کی پیمائش اور ناپنے کے آلات ایجاد ہو گئے ہیں تو اللہ رب العالمین جو ساری کائنات کے خالق ہیں۔ اس کے لئے اعمال کا وزن کرنا کیا مشکل ہے؟ وہ اِن میزانوں کے ذریعے اعمال کا وزن فرمائے گا۔

ہمیں کس چیز کی فکر کرنی ہے؟

اس کے چکر میں زیادہ نہ پڑیئے کہ وہ کیسے وزن کریگا؟ یہ کام اس کے کرنے کا ہے۔ ہمیں اس کی فکر کی ضرورت نہیں۔ ہمیں تو اس بات کی فکر کرنی ہے کہ ہمارے اعمال کا وزن ہونے والا ہے۔ آخرت میں ہم سے یہ نہیں پوچھا جائے گا کہ تم یہ بتلاؤ کہ ہم اعمال کا وزن کس طرح کریں گے؟ اس کی سائنسی توجیہ کیا ہوگی؟ آخرت میں تو یہ کہا جائے گا کہ وزنِ اعمال کے لئے لائے کیا ہو؟

صرف ایک نیکی کا مسئلہ:

اور یہ وہ وقت ہوگا کہ جب ایک ایک نیکی کام آنے والی چیز ہوگی۔ اپنے استاد محترم حضرت مولانا سبحان محمود رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے ایک حکایت سنی تھی جو میدان حساب میں پیش آنے والی ہے۔ اور وہ یہ کہ ایک شخص اپنے اعمال لے کر آئے گا، اس کے نیک اعمال اور گناہوں دونوں کا وزن ہوگا۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے قاعدہ یہ ہے اور تمام اہلِ سنت والجماعت کا اس پر اتفاق ہے کہ وزنِ اعمال کے نتیجے میں جس کے اعمال کا وزن بڑھ جائے گا، وہ جنت میں جائے گا اور جس کا وزن کم ہو جائے گا، وہ جہنم میں جانے کا مستحق ہوگا۔ اور جس کا وزن برابر رہے گا، وہ اعراف میں روک لئے جائیں گے۔ نہ جنت میں نہ دوزخ میں۔

تو ایک شخص آئے گا۔ ترازو کے ایک پلڑے میں اس کی نیکیاں رکھی جائیں گی

اور دوسرے پلڑے میں گناہ، نیکیوں کا پلڑا تھوڑا سا اونچا ہو جائے گا اور گناہوں کا پلڑا تھوڑا سا نیچا ہو جائے گا۔ یہ پریشان ہو جائے گا۔ فرشتے کہیں گے تمہارے پاس صرف ایک نیکی کی کمی ہے۔ کہیں سے لے آؤ تو نیکیوں کا پلڑا جھک جائے گا، جان بچ جائے گی۔

اس کو قدرے اطمینان ہوگا کہ معاملہ آسان ہے۔ صرف ایک نیکی کا مسئلہ ہے۔ کسی عزیز، رشتہ دار سے مانگ لوں گا، وہ مجھے دے دیگا۔ یہ جائے گا، ایک دوست سے ملاقات ہوگی۔ اسے سارا ماجرہ سنائے گا۔ وہ کہے گا کہ بھائی! معذرت چاہتا ہوں۔ دنیا کا معاملہ الگ تھا۔ یہاں پر میں تو کچھ سخاوت نہیں کرسکتا کیونکہ میرے اعمال کا بھی وزن ہونے والا ہے۔ اگر میرے پاس ایک نیکی کی کمی رہ گئی تو میں کیا کروں گا۔

یہ شخص اس سے جدا ہوکر دوسروں کے پاس جائے گا۔ بھائی کے پاس پہنچے گا، وہ بھی انکار کردے گا، باپ کے پاس جائے گا، باپ کہے گا بیٹا! دنیا میں جو میں تمہارے لئے کرسکتا تھا، کرچکا، یہاں میرے لئے ایسا کرنا ممکن نہیں۔ اگر میرے پاس ایک نیکی کم ہوگئی تو میں کیا کروں گا۔ آخر میں سب سے زیادہ محبت کرنے والی ذات ماں یاد آئے گی۔ ماں کے قدموں میں جاکر پڑے گا کہ ماں! میری جان بچالے۔ ماں کہے گی کہ بیٹا! دنیا میں تمہاری خاطر میں بھوکی بھی رہی، پیاسی بھی رہی، خود جاگ کر تجھے سلایا، سب کچھ کیا، لیکن وہ دنیا تھی، یہ میدان حساب ہے، میرے سامنے بھی میزانِ عمل ہے۔ مجھے بھی جنت اور دوزخ کا سامنا ہے۔ میں یہاں تیری کوئی مدد نہیں کرسکتی۔

ہکا بکا پریشان۔ ایک شخص اس کا یہ سارا منظر دیکھ رہا ہوگا۔ وہ اسے بلا کر پوچھے گا کہ قصہ کیا ہے؟ یہ اپنا ماجرا اور بپتا سنائے گا۔ وہ کہے گا کہ عجیب بات ہے۔ تمہارے پاس ایک نیکی کی کمی ہے اور جنت میں داخلہ رکا ہوا ہے جبکہ میرا معاملہ یہ ہے کہ میرے پاس نیکی ہی صرف ایک ہے تو جب تمہاری اتنی نیکیاں تمہیں نہ بچا سکیں تو میری ایک نیکی

میرے کیا کام آئے گی۔ چلو، میں یہ نیکی تمہیں دے دیتا ہوں تا کہ تمہاری تو جان بچ جائے۔

یہ خوشی خوشی ایک نیکی لے کر میزانِ عمل کے پاس پہنچے گا اور اپنی نیکیوں میں شامل کریگا۔ پلڑا جھک جائے گا۔ نجات ہو جائے گی۔ اللہ رب العالمین یہ سارا ماجرا دیکھ رہا ہوگا لیکن بندوں اور فرشتوں کو جتانے کے لئے اس سے پوچھے گا کہ یہ نیکی کہاں سے لائے؟ وہ اپنا واقعہ سنائے گا۔ جواب ملے گا کہ لے کر آ ؤ وہ سخی کون ہے جو آج کے دن بھی سخاوت کر رہا ہے۔ وہ شخص حاضر کیا جائے گا۔ اس سے اللہ رب العالمین پوچھیں گے کہ تم نے یہ سخاوت کیسے کردی، حالانکہ اس کے ماں باپ نے اسے جواب دے دیا تھا۔ وہ کہے گا کہ میں نے یہ سوچا کہ یہ ایک نیکی میری جان تو بچا نہیں سکتی۔ چلو میں اس سے اپنے بھائی کی جان بچادوں۔ اس لئے یہ نیکی میں نے اس کو دے دی۔ ارشاد ہوگا تم نے ہمارے ایک بندے پر رحم کیا۔ ہم تم پر رحم کرتے ہیں۔ تمہاری بھی بخشش کرتے ہیں۔

عکاشہ تم سے سبقت لے گئے:

تو یہ میدان حساب ہے اور وزنِ اعمال کا کٹھن مرحلہ آنے والا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ایک مرتبہ صحابہ کے مجمع میں مجھے ارشاد فرمایا کہ میری امت میں ستر ہزار آدمی ایسے ہیں کہ جو جنت میں بغیر حساب و کتاب کے داخل ہوں گے۔ حضرت عکاشہ بن محصن کھڑے ہوئے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ! دُعا فرمائیے کہ میں بھی ان میں شامل ہو جاؤں۔ حضور ﷺ نے دُعا فرمادی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو بھی شامل فرمادیا۔ ایک اور صحابی کھڑے ہوئے اور کہا: یا رسول اللہ! میرے لئے بھی دُعا فرمادیجئے۔ آپ نے جواب میں فرمایا: عکاشہ تم سے سبقت لے گئے۔ (صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب الدلیل علی دخول طوائف من المسلمین الجنۃ بغیر حساب ولا عذاب)

یہ ایک طویل بحث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس مجلس میں عکاشہ کے علاوہ کسی اور کے لئے یہ دُعا کیوں نہیں فرمائی؟ طلبہ نے یہ بحث بخاری و مسلم میں پڑھ لی ہوگی۔ اس لئے میں اُسے چھوڑ رہا ہوں۔ البتہ اس حدیث سے یہ تاثر پیدا ہوتا ہے کہ جب صرف ستر ہزار بغیر حساب وکتاب کے جنت میں داخل ہوں گے اور صحابہ کرام کی تعداد ایک لاکھ سے زیادہ ہے تو جب سارے کے سارے صحابہ بھی اس جماعت میں داخل نہیں ہوسکیں گے تو یہ دُعا کرنے کی ہمت نہیں ہوتی۔ یا اللہ! ہمیں بھی اس جماعت میں شامل کردے کہ ہم کس شمار وقطار میں! پھر یہ صحابہ کرام کے علاوہ جلیل القدر تابعین، ائمہ مجتہدین، محدثین کرام اولیاء اللہ ہیں اور شہداء بھی موجود ہوں تو ہم کس منہ سے یہ دُعا مانگیں کہ اے اللہ! ہمیں بھی اس جماعت میں شامل فرمادے۔

بلاحساب وکتاب جنت میں جانے والوں کی تعداد:

لیکن اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو جنہوں نے مسلم شریف کی شرح ''فتح الملہم'' لکھی اور اس میں یہ حدیث ذکر کر کے اس کے تحت ایک روایت اور لائے۔ وہ روایت حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے۔ اس میں یہ جملہ زائد ہے کہ

﴿مَعَ كل أَلْفٍ سَبْعُونَ أَلفًا﴾ (فتح الملہم ۲/۵۵۳)

''(ان ستر ہزار کے مجمع میں) ہر ہزار کے ساتھ ستر ہزار اور ہوں گے (جو بغیر حساب وکتاب کے جنت میں داخل ہوں گے)''

اب تعداد لاکھوں میں پہنچ گئی لیکن پھر بھی ہم سوچتے تھے کہ ایک لاکھ سے زیادہ تعداد تو صحابہ کرام کی ہے، پھر تابعین، اولیاء، صدیقین، شہداء ہیں۔ اس لئے پھر بھی دُعا مانگنے کی ہمت نہیں ہوتی تھی تو اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے علامہ شبیر احمد عثمانی صاحب رحمۃ

اللہ تعالیٰ علیہ کو کہ آگے انہوں نے ایک روایت سند جید کے ساتھ نقل کی۔ اس حدیث میں یہ الفاظ ہیں:

﴿ثم یحثی ربک ثلاث حثیات﴾ (فتح الملہم ۲/۵۵۳)

''پھر تمہارا رب اپنے تین لپ بھرے گا (انسانوں کے)''

یعنی پھر اور انسانوں کے تین لپ بھر کر انہیں بھی ان لوگوں میں شامل کر دیگا جو بغیر حساب و کتاب جنت میں داخل ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ کے ایک ہی لپ میں کروڑوں، اربوں انسان آ جائیں تو تین لپوں کے اندر نجانے کتنے لوگ آ جائیں گے۔ اس واسطے میں تو اس روز سے یہ دُعا مانگنے لگا کہ اے اللہ! ہمیں اپنی جنت میں بغیر حساب و کتاب کے داخل فرما۔ میں اپنے لئے بھی یہ دُعا کرتا ہوں، آپ کے لئے بھی کرتا ہوں، اور آپ سے یہ درخواست بھی کرتا ہوں کہ آپ بھی یہ دُعا کیا کیجئے۔

بلاحساب وکتاب جنت میں جانے والوں کی صفات:

یہ لوگ جو بغیر حساب و کتاب کے جنت میں داخل ہوں گے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی صفات ذکر فرمائی ہیں کہ یہ وہ لوگ ہوں گے جو اللہ رب العالمین پر توکل کرتے ہوں گے۔ توکل کا حاصل یہ ہے کہ اعلیٰ درجے کا تقویٰ اور اخلاص وللھیت کے جامع ہوں گے۔

لیکن ہم یہ کہتے ہیں کہ یا اللہ! آپ تو اس پر بھی قادر ہیں کہ بہت سے لوگوں کو مستثنیٰ کر دیں جس طرح ایک نیکی دینے والے کو عام قاعدے سے مستثنیٰ کر کے جنت میں داخل کر دیا۔

قاعدہ یہ ہے کہ دنیا میں کی ہوئی نیکی کا تو ثواب ملتا ہے، آخرت میں کی گئی نیکی پر ثواب کا وعدہ نہیں۔ اگر ایک شخص نے دنیا میں نماز نہیں پڑھی اور میدان حساب میں کھے

کہ اللہ میاں! میں اب نماز پڑھ لیتا ہوں۔ اس کا اجر مجھے دے دیجئے۔ تو ایسا نہیں ہو سکے گا۔ آخرت میں کوئی موقع نئے عمل کا نہیں ملے گا لیکن جس شخص نے اپنی ایک نیکی دے کر اپنے بھائی کی جان بخشی کروائی، اللہ تعالیٰ نے اُسے بھی نواز دیا حالانکہ اس نے یہ نیک کام آخرت کے میدان میں کیا تھا۔

اللہ تعالیٰ تو ہر چیز پر قادر ہے۔ بِيَدِكَ الخَيرِ إنّك عَلٰى كُلِّ شيءٍ قَدِيُر ○ اے اللہ! آپ تو ہر چیز پر قادر ہیں۔ آپ پر کوئی حساب و کتاب نہیں۔ آپ ہمیں بغیر حساب و کتاب کے جنت میں داخل فرما دیجئے۔

حدیث کا متن:

آگے سند کے بیان کے بعد حدیث کا متن ہے۔ یہ حدیث اِس پوری کتاب کی جان ہے۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

﴿كَلِمَتَانِ حَبِيُبَتَانِ إلَى الرَّحمٰن، خَفِيُفَتَانِ عَلَى اللِّسَانِ، ثَقِيُلَتَانِ فِي الُمِيُزَانِ، سُبُحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمُدِهٖ سُبُحَانَ اللّٰهِ العَظِيُم ○﴾

''دو کلمے ایسے ہیں جو محبوب ہیں رحمٰن کو، زبان پر بہت ہلکے ہیں لیکن میزانِ عمل میں بہت بھاری ہوں گے۔ وہ کلمات یہ ہیں:''

سبحان اللّٰہ وبحمدہ ، سبحان اللّٰہ العظیم

لفظ ''رحمٰن'' کو استعمال کرنے کی وجہ:

دیکھئے! یہاں یوں نہیں فرمایا کہ حَبِيبَتَانِ إلى اللّٰهِ (اللہ تعالیٰ کو محبوب ہیں) حالانکہ رحمٰن سے مراد بھی اللہ تعالیٰ ہی ہیں۔ ''رحمٰن'' کا لفظ استعمال کرکے اللہ کی رحمت

والی صفت کا حوالہ دیا۔ اور رحمت والی صفات میں بھی ''رحیم'' کے بجائے ''رحمٰن'' کی صفت کو استعمال کیا۔ ''رحمٰن'' ایسا کلمہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور پر نہیں بولا جاسکتا کیونکہ رحمٰن کے اندر رحمت کی وسعت اتنی زیادہ ہے کہ کسی اور کے اندر پائی نہیں جاسکتی۔ رحمٰن وہ ہے جس کی رحمت مسلمانوں پر بھی شامل ہو اور کافروں پر بھی شامل ہو، سارے جہانوں پر شامل ہو۔

تو بتلایا کہ یہ دو کلمے ایسی ذات کی پسندیدہ ہیں جس کی رحمت کی کوئی حد و انتہا نہیں اور جب اس کو یہ کلمات پسندیدہ ہیں تو جو شخص ان کلمات کو ادا کریگا، وہ بھی رحمٰن کا محبوب بن جائے گا اور پھر اس پر رحمتوں کی بے انتہا بارش ہوگی۔

اِن عظیم کلمات کی دوسری خاص بات یہ ہے کہ یہ زبان پر بہت ہلکے ہیں۔ ان کی ادائیگی میں کچھ مشقت اور وقت درکار نہیں ہوتا۔ اور پھر تیسری بات یہ ہے کہ میزان عمل میں بہت بھاری ہیں۔ جب انہیں میزان میں رکھا جائے گا تو میزانِ عمل کا پلڑا جھک جائے گا۔

وہ کلمات یہ ہیں:

سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيْمِ:

''سُبْحَانَ اللّٰهِ وبحمدہٖ'' کا مطلب:

اِن کلمات کی صرفی ونحوی تحقیق کیا ہوگی؟ اس کی تفصیل آپ اپنے اساتذہ سے پڑھ چکے ہوں گے۔ بس اتنی مختصر عرض کرتا ہوں کہ ''سبحان اللہ وبحمدہ'' کے اندر جو ''واؤ'' آیا ہے۔ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی دو تشریحیں کی ہیں۔

ان میں سے ایک یہ کہ یہ ''واؤ'' حالیہ ہے۔ اور مجھے ذوقاً یہ زیادہ اچھا لگتا ہے۔ اگر یہ واؤ حالیہ ہو تو اس صورت میں لفظ ''متلبساً'' محذوف ہوگا۔ اور پوری عبارت یوں

ہوگی:

﴿اُسَبِّحُ سُبۡحَانَ اللّٰہِ حَالَ کَوۡنِی مُتَلَبِّسًا بِحَمۡدِہٖ﴾

اُسَبِّحُ شروع میں محذوف ہے۔ سبحان اللہ اس کا مفعول مطلق ہے۔ وَبحمدہٖ متلبسًا محذوف کی وجہ سے حال بنے گا۔ اب عبارت کا مطلب یہ ہوگا:

میں اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کرتا ہوں اس حال میں کہ میں اس کی حمد بھی بیان کر رہا ہوں۔

یعنی ایسا نہیں ہے کہ پہلے میں اس کی تسبیح کروں گا۔ پھر حمد کروں گا۔ بلکہ دونوں کام ساتھ ساتھ کر رہا ہوں۔ گویا تسبیح و تحمید ساتھ ساتھ ہیں، آگے پیچھے نہیں۔ ایک ہی لمحے میں دونوں کام ہو رہے ہیں۔

ان دو جملوں کے فضائل:

یہاں پر کلمتان سے مراد ''جملتان'' ہیں یعنی یہ دو جملے ایسے ہیں کہ جو اللہ تعالیٰ کو محبوب ہیں۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اسی موقع پر ایک روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص ان میں سے صرف ایک جملہ یعنی سبحان اللہ وبحمدہ دن میں سو مرتبہ پڑھے تو اس کے سارے گناہ معاف ہو جاتے ہیں اگرچہ گناہ اتنے ہوں جتنے سمندروں کے جھاگ۔ آگے حافظ ابن حجر لکھتے ہیں جس کا تقاضا یہ ہے کہ اگر اس شخص کے گناہ نہیں ہیں تو سمندروں کے جھاگ کے برابر اسے نیکیاں مل جائیں گی۔ آگے فرماتے ہیں کہ اگر دوسرا جملہ بھی کہہ دے تو سبحان اللہ وبحمدہ کہنے سے تو اس کے سارے گناہ معاف ہوئے، اگلے جملے سے اتنی ہی نیکیوں کا اضافہ ہو جائے گا جتنے گناہ معاف ہوئے۔

اِن کلمات کی سب سے اہم صفت:

آپ اندازہ کیجئے کہ یہ کلمات کتنے فضیلت والے ہیں اور ان میں ایک سب سے اہم صفت یہ ہے کہ یہ رحمٰن کو محبوب ہیں۔ ہمارے مرشد حضرت ڈاکٹر عبدالحئی صاحب عارفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ میاں! غور کرو، اس میں لفظ ''حَبِيْبَتَان'' کتنا پیارا ہے کہ یہ کلمے رحمٰن کو محبوب ہیں۔ اور جو چیز اللہ کو محبوب ہو، اس سے جو شخص بھی متصف ہوگا، وہ اللہ کا محبوب بن جائے گا۔

یہی وجہ ہے کہ بزرگ اپنے مریدین کو جو معمولات یومیہ ارشاد فرماتے ہیں، ان میں کم از کم ایک تسبیح ''سبحان اللہ وبحمدہ، سبحان اللہ العظیم'' کی بھی شامل ہوتی ہے۔

بخاری شریف کی ابتداء اور انتہاء میں لطیف ربط:

آخر میں ایک بات مختصر عرض کر کے بات کو ختم کرتا ہوں۔ وہ یہ کہ امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے کتاب کو شروع کیا تھا ''اِنَّمَا الأَعْمَال بِالنِّيَّاتِ'' کی حدیث سے۔ جس میں ہمیں یہ سبق دیا کہ آگے پڑھنے سے پہلے اپنی اپنی نیتوں کو درست کرلو۔ جیسی نیت ہوگی، ویسا ہی اس کا نتیجہ ہوگا۔ اگر آخرت کے لئے پڑھ رہے رہو تو آخرت بنے گی اور خدانخواستہ اگر اور مقصد ہے تو پھر وہ تمہارے سامنے آئے گا۔

اعمال میں وزن پیدا ہوتا ہے اخلاص سے، چنانچہ جو لوگ ریا کاری کے طور پر کام کرتے ہیں ان کے اعمال میں وزن نہیں ہوتا۔ اسی طرح کفار بھی اللہ کے لئے کام نہیں کرتے تو قرآن حکیم میں کافروں کے نیک اعمال کے بارے میں فرمایا گیا:

﴿فَلَا نُقِيْمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَزْنًا﴾ (الکہف: ۱۰۵)

''قیامت کے روز ہم ان کا ذرا بھی وزن قائم نہیں کریں گے۔''

عمل جتنا زیادہ خالص ہوگا، اتنا ہی اس کا وزن زیادہ ہوگا۔

تو امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے پہلی حدیث میں سبق دیا کہ اپنی نیتوں کو درست کرلو۔ اور آخر میں یہ بتایا کہ نیتوں کی درستگی کا انجام یہ ہوگا کہ اخلاص سے پڑھے ہوئے یہ چھوٹے چھوٹے جملے بھی میزان عمل کو جھکا دیں گے۔ اور اگر نیت صحیح نہیں ہوگی تو اعمال بے کار رہوں گے، ان کا کوئی وزن نہیں ہوگا۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو موت کے کٹھن مرحلے سے، قبر کی منزل سے اور میدانِ حساب سے آسانی اور عافیت کے ساتھ گذار دے۔ (آمین)

وآخر دعوانا أنِ الحمدللّٰہ رب العالمین○

کامِل مُسلمان کون

خطاب	حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی مدظلہم
مقام	جامع مسجد، جامعہ دارالعلوم، کراچی
تاریخ	۱۰ مارچ ۲۰۰۴ء
ترتیب عنوانات	[illegible]

﴿ کامل مسلمان کون؟ ﴾

خطبہ مسنونہ:

الحمد للّٰه نحمدهٗ و نستعينهٗ و نستغفرهٗ و نؤمِنُ بِهٖ ونتوكل عليه ونعوذ باللّٰهِ مِن شرورِ أنفسنا ومِن سيئاتِ أعمالنا مَن يهدِهِ اللّٰه فلا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُضلله فلا هَادِىَ لَهٗ ونشهد أن لآ اِلٰه اِلَّا اللّٰه وحدهٗ لاشريك لهٗ و نشهد أنّ سيدنا و سَنَدنا و مولانَا محمداً عبدهٗ ورسولهٗ صلى اللّٰه تعالٰى عليه وعلٰى آلهٖ وصحبهٖ اجمعين وسلم تسليماً كثيراً.

امابعد!

عن عبدالله عمرو بن العاص رضى الله تعالى عنهُ عن النبى صلى الله عليه وسلم قال:

اَلْمُسلم مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُونَ مِنْ لِسَانِهٖ ويَدِهٖ ٥

(متفق علیہ)

حدیث کا ترجمہ:

بزرگانِ محترم اور برادرانِ عزیز!

یہ حدیث جو ابھی میں نے آپ کے سامنے پڑھی ہے، بخاری شریف میں بھی آئی ہے اور مسلم شریف میں بھی۔ ایسی حدیث جو بخاری و مسلم دونوں میں آئی ہو اُسے ''متفق علیہ'' کہا جاتا ہے۔ اس حدیث کا ترجمہ یہ ہے:

''مسلمان وہ ہوتا ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمانوں کو تکلیف نہ پہنچے۔''

کاش یہ حدیث ہر مسلمان کو حفظ دیاد ہو:

یہ ایسی عظیم الشان حدیث ہے کہ دل چاہتا ہے کہ ہر مسلمان کو یہ حدیث حفظ ہو۔ ہمیں یاد ہے کہ جب ہم بالکل بچے تھے۔ دیوبند میں رہتے تھے۔ میں قاعدہ پڑھتا تھا، میری عمر اُس وقت چھ سات سال ہوگی، تو جمعرات اور جمعہ کے درمیان جورات ہوتی تھی، اس میں والد صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو کچھ فرصت ہوتی تھی کیونکہ اگلے دن سبق نہیں پڑھانا ہوتا تھا جس کی وجہ سے رات کو مطالعہ بھی نہیں کرنا ہوتا تھا۔ تو اس رات کو اور جب کبھی بھی ایسا موقع مل جاتا تو اُس وقت وہ ہمیں انبیاء کرام کے قصے سنایا کرتے تھے۔ وہی قصے ہم نے بعد میں کتابوں میں بھی پڑھے لیکن ہمیں جب یاد آتے ہیں تو کتابوں کے حوالے سے یاد نہیں آتے بلکہ والد صاحب کے سنانے کے حوالے سے یاد آتے ہیں۔ وہ عمر ایسی ہوتی ہے کہ اس وقت کی ساری باتیں یاد رہتی ہیں۔

اسی زمانے میں والد صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنا مشہور رسالہ ''جوامع الکلم'' کے نام سے لکھا تھا۔ درس نظامی کے مدارس میں یہ رسالہ طلبہ کو پڑھایا بھی جاتا ہے

اس میں جناب رسول اللہ ﷺ کی چالیس احادیث اور ان کا ترجمہ ہے۔ دیو بند میں بھی چھپی تھی۔ یہاں بھی چھپتی رہتی ہے۔ اب کچھ عرصہ پہلے دارالعلوم کراچی کے استاد مولانا راحت علی ہاشمی صاحب نے اس رسالے پر آسان سی تشریح بھی لکھ دی ہے۔ جس کی وجہ سے اب وہ عوام کے لئے بہت کام کی چیز ہوگئی ہے۔ تو ان چالیس حدیثوں میں ایک حدیث یہ بھی تھی کہ اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُونَ مِنْ لِّسَانِهٖ وَيَدِهٖ۔ ہمیں یہ حدیث اسی وقت سے حفظ یاد ہے۔ جس وقت والد صاحبؒ نے یہ رسالہ تالیف فرمایا تھا۔

''تکلیف نہ پہنچنے'' کا مطلب:

اس حدیث میں یہ فرمایا گیا کہ مسلمان وہ ہوتا ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسروں کو تکلیف نہ پہنچے۔ مراد یہ ہے کہ دوسروں کو ''ناحق تکلیف'' نہ پہنچے۔ اگر کسی حق کی وجہ سے تکلیف پہنچانی پڑے جیسے ''جہاد'' میں کافروں کو تکلیف پہنچانی پڑتی ہے۔ اسی طرح چوروں کے ہاتھ کاٹنے پڑتے ہیں۔ ڈاکوؤں کے ہاتھ اور پاؤں دونوں کاٹنے پڑتے ہیں۔ قاتلوں کو قتل کرنا پڑتا ہے۔ یہ تکلیف ممنوع نہیں کیونکہ یہ حق شرعی کی وجہ سے ہے۔ یہاں جس تکلیف سے منع کیا گیا ہے۔ اس سے مراد ناحق تکلیف ہے۔

یہ حدیث معاشرتی احکام کا بنیادی اصول ہے:

اگر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ یہ حدیث پورے اسلامی معاشرے سے متعلق احکام کا بنیادی اصول اور محور ہے۔ پہلے بھی یہ بات بتاتا رہتا ہوں کہ اسلام مذہب نہیں ہے، دین ہے۔ پوری زندگی کا دستور العمل ہے اور اگر اس کی تعلیمات کو دیکھا جائے تو بڑے بڑے پانچ حصوں میں اس کی تعلیمات منقسم ہیں۔

پہلا حصہ ایمانیات ہے جس میں بتایا جاتا ہے کہ کن کن چیزوں پر ایمان لانا

ضروری ہے اور کن چیزوں پر ایمان نہ لانا ضروری ہے۔

دوسرا حصہ عبادات ہے۔ جیسے نماز، روزہ، حج، زکوۃ، قربانی وغیرہ وغیرہ

تیسرا بڑا حصہ معاملات ہے جیسے خرید وفروخت، تجارت، مزدوری، کاشتکاری، صنعت، اسی کے اندر حکومت، سیاست اور عدالتی نظام بھی آ جاتا ہے۔

چوتھا بڑا حصہ معاشرت ہے۔ معاشرت کا لفظ عشرت سے نکلا ہے۔ عشرت کہتے ہیں ''زندگی'' کو۔ معاشرت کے معنی ہیں مل جل کر زندگی گذارنا۔ یہ جملے آپ بہت سنتے ہوں گے کہ ہمارا معاشرہ ایسا ہے۔ ہمارا معاشرہ بہت زیادہ خراب ہو چکا ہے وغیرہ۔ یہ لفظ اصل میں ''معاشرت'' ہی ہے۔

اسلام نے معاشرت یعنی مل جل کر زندگی گذارنے کے احکامات بھی بہت تفصیل سے بتائے ہیں۔ ہر انسان کو تقریباً ہر وقت کسی نہ کسی انسان سے واسطہ پیش آتا ہے۔ آپ یہاں بیٹھے ہیں۔ اس وقت آپ کا مجھ سے بھی واسطہ ہے اور برابر میں اور آگے پیچھے بیٹھنے والوں سے بھی واسطہ ہے۔ نماز میں کھڑے ہوں گے تو وہاں آپ کا واسطہ امام سے بھی ہوگا اور اپنے دائیں بائیں والے نمازیوں سے بھی ہوگا۔ یہاں سے نکلیں گے تو جو راستے میں ملیں گے ان سے واسطہ ہے، گھر پہنچیں گے تو بیوی، بچوں، بہن، بھائی اور ماں باپ سے واسطہ ہوگا۔ بازار جائیں گے تو دکاندار اور دوسرے لوگوں سے واسطہ ہے۔ دفتر جائیں گے تو وہاں اپنے افسر اور اپنے ماتحتوں سے واسطہ ہے۔ دکان پر جائیں گے تو وہاں اپنے گاہکوں اور اپنے ملازمین سے واسطہ ہے۔ غرض ہر ایک انسان کو تقریباً ہر وقت کسی دوسرے انسان سے واسطہ ہے۔ انسان بدلتے رہتے ہیں لیکن کوئی نہ کوئی اس کے ساتھ زندگی گذارنے والا تقریباً ہر وقت ہوتا ہے تو ان کے ساتھ اس طرح برتاؤ کرنا کہ انہیں ادنیٰ تکلیف اور ناگواری نہ ہو، یہ اسلامی معاشرت ہے۔ اور اس اسلامی معاشرت کے احکام کا لب لباب اس حدیث میں بیان کیا گیا کہ مسلمان وہ ہوتا ہے کہ

اس کے ہاتھ اور زبان سے دوسرے مسلمانوں کو ادنیٰ تکلیف اور ناگواری نہ ہو۔

''ادب'' کیا ہے؟:

یہاں ایک بات اور عرض کردوں۔ ہمارے مرشد حضرت ڈاکٹر عبدالحیٔ عارفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی مجلس تھی۔ ہم بھی حاضر تھے۔ تو حضرت نے ایک سوال اٹھایا فرمایا کہ بھائی! یہ لفظ بہت استعمال ہوتا ہے کہ فلاں کام ادب کے خلاف ہے۔ فلاں کام ادب کے موافق ہے۔ فلاں باادب ہے، فلاں بے ادب ہے۔ سوال یہ ہے کہ ''ادب'' سے کیا مراد ہے؟ ہمیں تو کچھ ہمت نہ پڑی بولنے کی، اور بھی کوئی نہیں بولا۔ پھر خود ہی فرمایا کہ یہ بات آپ مجھ سے سن لیجئے۔ فرمایا کہ ادب یہ ہے کہ دوسرے کو آپ کے کسی قول یا فعل سے ناحق ادنیٰ ناگواری پیش نہ آئے نہ چھوٹوں کو تکلیف پیش آئے، نہ بڑوں کو۔

اب جو یہ کہا جاتا ہے کہ بڑوں کے سامنے گردن جھکا کر بیٹھو۔ زور زور سے نہ بولو، یہ بھی ادب ہے لیکن یہ ادب اس لئے ہے کہ اگر آپ اس طرح بیٹھو گے تو انہیں ناگواری نہیں ہوگی، اگر تن کر بیٹھو گے تو سمجھیں گے کہ یہ صاحب بہادر بن کر بیٹھا ہوا ہے، اس سے انہیں ناگواری ہوگی۔ زور زور سے بولو گے تو انہیں تکلیف پہنچے گی جس سے ناگواری ہوگی۔ اسی طرح کہا جاتا ہے کہ بڑوں کے پیچھے پیچھے چلو کیونکہ آگے چلنے سے انہیں ناگواری ہوگی۔ لیکن یہ بات کوئی قاعدہ کلیہ نہیں کیونکہ جب ''ادب'' کی تعریف یہ ہوئی کہ ادب یہ ہے کہ دوسروں کو آپ کے قول وفعل سے ناحق ناگواری نہ ہوتو اس کے حساب سے ادب کی تفصیلات اپنے موقع کے اعتبار سے مختلف ہوں گی۔ کبھی بڑوں کے پیچھے چلنا ادب ہوگا لیکن کبھی بڑوں کے آگے چلنا ادب ہوگا۔ مثلاً اگر راستہ تاریک اور خطرناک ہے، اس میں جھاڑیاں اور جھنکار ہیں تو وہاں ادب یہ ہے کہ آپ آگے چلیں لیکن اگر ایسا نہیں تو پھر پیچھے چلنا ادب ہوگا۔

اگر دو آدمی کسی سے ملیں تو گفتگو میں ادب کیا ہے؟

مسلم شریف کے اندر ایک واقعہ آتا ہے۔ ایک صحابی کہتے ہیں کہ ہم دو آدمی تھے۔ ہم حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ملنے گئے۔ وہ مسجد جا رہے تھے جب ہم نے ان کو دیکھا تو ان کو سلام کیا اور ان کے ساتھ ہو لئے اور بات کرنا شروع کر دی۔ وہ صحابی کہتے ہیں کہ میں ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ایک طرف ہو گیا اور میرا ساتھی دوسری طرف ہو گیا۔

یہاں پر شارحین نے لکھا کہ اِن صحابہ نے اپنے اس عمل کے ذریعے سے یہ ادب بتایا کہ ''اگر دو آدمیوں کو کسی بڑے سے بات کرنی ہو تو وہاں ادب یہ ہے کہ ایک دائیں طرف ہو اور دوسرا بائیں طرف۔'' اگر یہ دونوں حضرات پیچھے چلتے تو بے ادبی کی بات ہوتی کہ اس میں اگلے آدمی کو بات سننے اور جواب دینے کے لئے بار بار پیچھے مڑنے پر مجبور ہونا پڑتا ہے۔ جس سے اس کو تکلیف ہوتی ہے۔ اسی طرح اگر دونوں حضرات ایک طرف ہو کر بات کرتے تو یہ بھی بے ادبی کی بات ہوتی کیونکہ اس صورت میں اگر دوسرے سے بات کرتے تو بیچ میں ایک آدمی کو چھوڑ کر جھانک جھانک کر کرتے تو اس سے بھی تکلیف ہوتی۔

بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ بڑوں کے سامنے آہستہ آواز میں بات کرنا ادب ہے۔ ہم یہاں دیکھتے ہیں کہ بہت سے طلبہ ہم سے بہت آہستہ آواز میں بات کرتے ہیں۔ اور زیادہ ادب کرنا ہو تو منہ پر ہاتھ بھی رکھ لیتے ہیں۔ اب کچھ سنائی نہیں دیتا کہ وہ کیا کہہ رہے ہیں۔ بار بار پوچھنا پڑتا ہے، پھر جا کر کچھ سمجھ میں آتا ہے۔ حالانکہ یہ ادب نہیں۔ ادب کا تقاضا یہ ہے کہ آپ اتنی زور سے بولیں کہ وہ آسانی سے سن لیں۔ ہاں اتنی زور سے بھی نہ بولیں کہ یوں معلوم ہو جیسے تماشا کر رہے ہو۔

اور یہ بات آدمی اپنے عقل وفہم اور تربیت سے سیکھتا ہے کہ میرے کون سے فعل سے دوسروں کو تکلیف پہنچے گی اور کون سے فعل سے تکلیف نہیں پہنچے گی، کون سا موقع آہستہ بولنے کا ہے اور کون سا موقع اونچی آواز میں بات کرنے کا ہے۔ کون سا موقع آگے چلنے کا ہے، کون سا موقع ساتھ چلنے کا ہے اور کون سا موقع پیچھے چلنے کا ہے۔

ادب بڑوں کا بھی ہوتا ہے، چھوٹوں کا بھی:

ادب کی تعریف سے یہ بات بھی معلوم ہوگئی کہ ادب بڑوں کا بھی ہوتا ہے اور چھوٹوں کا بھی ہوتا ہے کیونکہ تکلیف سے تو چھوٹوں کو بھی بچانا ضروری ہے لہٰذا ایسی بات یا کام کرنا جس سے بچوں کو تکلیف پہنچے، بچوں کے ادب کے خلاف ہے۔

اللہ والوں کی باتیں سنت کے ڈھانچے میں ڈھلی ہوتی ہیں۔ حضرت عارفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے جو بات فرمائی، یہ تقریباً وہی بات ہے جو جناب رسول ﷺ نے ارشاد فرمائی کہ اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُونَ مِنْ لِسَانِهٖ وَيَدِهٖ (مسلمان وہ ہوتا ہے کہ اس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے لوگ مامون ومحفوظ رہیں)

غیر مسلموں کو بھی ناحق تکلیف پہنچانا حرام ہے:

یہاں ایک اور بات سمجھ لیجئے۔ شارحین نے لکھا ہے کہ اس حدیث میں "مسلمون" کا لفظ قید احترازی نہیں ہے یعنی یہ مطلب نہیں کہ ایک مسلمان سے دوسرے مسلمان تو محفوظ رہیں لیکن کافر محفوظ نہ رہیں یا جانور محفوظ نہ رہیں۔ یہ مطلب ہرگز نہیں۔ "مسلمون" کا لفظ آنحضرت ﷺ نے اس لئے استعمال کیا ہے کہ مسلمانوں کی بستی میں زیادہ تر واسطہ دوسرے مسلمانوں سے پیش آتا ہے ورنہ جس طرح مسلمانوں کو ناحق تکلیف پہنچانا جائز نہیں، اسی طرح کافروں کو بھی ناحق تکلیف پہنچانا جائز نہیں۔

اور اب حدیث کا مطلب یہ ہوا کہ مسلمان وہ ہوتا ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے دوسرے محفوظ رہیں۔ وہ دوسرے خواہ مسلمان ہوں خواہ کافر۔ یہ بہت اہم اور یاد رکھنے کی بات ہے کیونکہ اس سلسلے میں بہت سے مسلمانوں کو غلط فہمی ہو جایا کرتی ہے۔ یہاں ہمارے ملک میں عام طور پر خاکروب عیسائی ہوتے ہیں یا ہندو ہوتے ہیں۔ ان کے بارے میں یہ سوچنا کہ ان کو جتنا چاہو تکلیف پہنچادو، ہرگز درست نہیں۔ خوب سمجھ لیجئے جس طرح کسی مسلمان کو ناحق تکلیف پہنچانا حرام ہے اسی طرح اِن بیچاروں کو بھی تکلیف پہنچانا حرام ہے۔ ان کو گالی دینا، ان کو ناحق برا بھلا کہنا، ان کی دِل آزاری کرنا، ان کو مارنا پیٹنا اور ان کا حق مار لینا ایسا ہی حرام ہے جیسا کہ مسلمان کے ساتھ ایسا سلوک کرنا حرام ہے۔

اسلام نے جانوروں کے بھی حقوق رکھے ہیں:

بلکہ اسلام نے تو جانوروں کو بھی تکلیف پہنچانے کی اجازت نہیں دی۔ ان کے بھی حقوق مقرر کئے۔ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے جانورں کے حقوق سے متعلق ایک رسالہ لکھا ہے۔ جس کا نام ہے ”حقوق البھائم“ (جانوروں کے حقوق) اس میں آپ نے یہ بتایا ہے کہ اسلام نے جانوروں کے کیا کیا حقوق رکھے ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ اسلام میں جانوروں کے حقوق سے متعلق بڑی تفصیلات ہیں۔ اگر آپ نے کسی جانور کو پال رکھا ہے تو ان کے کھانے پینے کا انتظام آپ کی ذمہ داری ہے۔ اس کی پشت پر اتنا بوجھ لادنا جائز نہیں جو ان کی طاقت سے باہر ہو۔

سید اصغر حسینؒ کے واقعات:

مولانا اصغر حسین صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ دیو بند میں رہتے تھے۔ مادر زاد

ولی اللہ کہلاتے تھے۔ ہمارے والد صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے استاد تھے اور ہمارے دادا مولانا محمد یسین صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے شاگرد تھے۔ بڑے اونچے درجے کے صاحب کشف وکرامات بزرگ تھے۔ اُن کی باتیں بڑی ظرافت والی اور حکیمانہ ہوتی تھیں۔ کئی عظیم الشان تحقیقی کتابوں کے مصنف بھی تھے۔ والد صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ان سے ملنے جایا کرتے تھے۔ والد صاحب کے ساتھ ہم بھی کبھی کبھی جایا کرتے تھے۔ ہم تو اس لئے جایا کرتے تھے کہ ان کے ہاں جو بچے بھی جاتے، ان کو مٹھائی ملتی تھی۔ ہم جاتے تو ہمیں بھی ملتی۔ ان کے سرہانے مٹھائی رکھی رہتی تھی جب کوئی بچہ آتا، وہ اُسے کچھ مٹھائی دے دیتے۔ اور ہم بہن بھائیوں میں سے اگر کوئی بیمار ہوجاتا تو والد صاحب انہی کے پاس لے جاتے۔ وہ جھاڑ پھونک کرتے تو اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے سب ٹھیک ٹھاک ہوجاتے۔ ڈاکٹر اور حکیم کا نمبر شاذ ونادر ہی آتا، زیادہ تر انہی کے تعویذ اور جھاڑ پھونک سے کام چلتا تھا۔ دوسرے لوگوں کا خیال رکھنے میں ان کے بہت سے واقعات مشہور ہیں۔

غریبوں کا محلّہ ہے، اس لئے مکان پکا نہیں بنواتا:

آپ جس محلے میں رہتے تھے وہ غریبوں کا محلّہ تھا۔ سب کے مکان کچے تھے۔ حضرت کا مکان بھی کچا تھا۔ برسات ہوتی تو اس کی مٹی بہہ جاتی۔ اس کی لیپائی پوتائی کرنا پڑتی۔ سال میں ایک دو دفعہ لیپائی پوتائی کی نوبت آہی جاتی جس پر اچھی خاصی محنت صرف ہوتی۔ بہت سے لوگوں نے کہا کہ حضرت! اس پر سیمنٹ کا پلستر کروادیں۔ والد صاحب کہتے ہیں کہ میں نے بھی کہا۔ ان کی ایک خاص عادت یہ تھی کہ جب کوئی چھوٹا انہیں کوئی مشورہ دیتا تو اس کی حوصلہ افزائی بھی بہت فرماتے۔ والد صاحب کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ حضرت! اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے اب تو گنجائش ہے۔ آپ اپنے

مکان پر سیمنٹ کا پلستر کرادیجئے۔ فرمانے لگے "کتنی عقلمندی کی بات کی۔ ماشاء اللہ آپ نے بہت اچھا مشورہ دیا۔ اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر دے۔" تعریف فرمادی لیکن بعد میں کچھ نہیں کیا۔ والد صاحب فرماتے ہیں کہ میں نے ایک اور مرتبہ یاد دلایا۔ اس پر بھی خوب تعریفیں کیں کہ ماشاء اللہ کتنی عمدہ تجویز دی۔ بڑی حکیمانہ بات کی، فضول سال میں دو مرتبہ ہم تکلیف اٹھاتے ہیں، خرچہ بھی کرنا پڑتا ہے۔ ہاں بھائی! آپ نے بہت اچھا مشورہ دیا۔ یہ کہہ کر خاموش ہو گئے اور اس کے بعد بھی کچھ نہیں کیا۔ والد صاحب فرماتے ہیں کہ میں نے پھر ایک مرتبہ یاد دلایا تو فرمایا کہ "دیکھو بھائی! بات یہ ہے کہ اس محلے میں سارے گھر غریبوں کے ہیں، سب کے گھر کچے ہیں۔ اگر میں نے اپنا گھر پکا بنوادیا تو ان کے دل ٹوٹیں گے، ان کے بچوں کے دل ٹوٹیں گے۔" چنانچہ جب تک اس محلے کے سارے مکانات پکے نہیں بن گئے، حضرت میاں صاحب نے اپنا مکان پکا نہیں بنوایا، یہ تھے "اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ المسلمون من لسانه ویده" پر عمل کرنے والے۔

اگر یہاں چھلکے ڈالے تو غریب بچوں کا دِل ٹوٹے گا:

حضرت والد صاحب نے ان کا ایک اور واقعہ سنایا کہ ایک مرتبہ انہوں نے آم کھائے۔ والد صاحب کو بھی کھلائے۔ جب چھلکے اور گٹھلیاں جمع ہو گئیں تو والد صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے عرض کیا کہ میں پھینک کر آتا ہوں۔ فرمایا کہ نہیں آپ رہنے دیں۔ والد صاحب نے جب بار بار اصرار کیا تو فرمانے لگے کہ اچھا یہ بتاؤ کہ پھینکنے آتے ہیں؟ والد صاحب کہنے لگے کہ ہاں، پھینکنا کونسا مشکل کام ہے۔ باہر کوڑے پر پھینک کر آجاؤں گا۔ فرمایا کہ نہیں نہیں، آپ کو پھینکنے نہیں آتے۔ والد صاحب نے پوچھا کہ ان کے پھینکنے میں کونسا فلسفہ ہے جو مجھے نہیں آتا۔ فرمایا، بہت گہرا فلسفہ ہے۔ رات کو جب سب سوجاتے ہیں تو گلی سے باہر نکل کر سڑک کے پاس یہ گٹھلیاں پھینکتا ہوں جہاں سے صبح

سویرے لوگ اپنے ڈنگروں (جانوروں) کو لے کر گذرتے ہیں۔ وہاں سے جانور گذرتے ہوئے انہیں کھالیتے ہیں۔ یہاں اس لئے نہیں ڈالتا کہ یہ غریبوں کا محلّہ ہے، اگر دن کے وقت اِن کو یہاں ڈالا تو غریبوں کے بچے جب اِن چھلکوں کو دیکھیں گے تو ان کے دلوں کو حسرت ہوگی، ان کا دل ٹوٹے گا۔

''انور'' ناول کیسا ہے؟:

ان کا ایک اور واقعہ تو ایسا عجیب وغریب ہے کہ آج اس کی مثال ملنا مشکل ہے۔ یہ واقعہ ہم نے اپنے والد صاحب سے بھی سنا اور اپنے بڑی بھائی ذکی کیفی صاحب مرحوم سے بھی بار بار سنا۔ ہمارے بڑے بھائی ذکی کیفی صاحب ان کے بڑے لاڈلے تھے اور بہت کثرت سے ان کے پاس جاتے رہتے تھے۔ وہ اِن کے عجیب عجیب قصے اور لطیفے سنایا کرتے تھے۔ ایک عجیب قصہ یہ سنایا کہ ان کے پاس ایک مشہور ناول تھا جسے وہ کسی دکاندار سے کرائے پر لے کر آئے تھے۔ جب پڑھ لیا تو دکاندار کو واپس دینے کے لئے جارہے تھے۔ راستے میں خیال آیا کہ میاں صاحب کا گھر درمیان میں پڑتا ہے۔ چلو، ان سے سلام کرتے ہوئے چلا جاؤں گا۔ کہتے ہیں کہ میں نے وہ ناول اپنے نیفے میں اڑس لیا اور اوپر سے کرتہ ڈال دیا اور پھر سلام کرنے کے لئے ان کی خدمت میں پہنچا، سلام کیا، حضرت نے خیر خیریت دریافت کی اور اس کے بعد فرمانے لگے میاں! وہ ''انور'' ناول کیسا ہے؟ (ناول کا نام ''انور'' تھا) آپ چونکہ صاحب کشف بزرگ تھے، اس لئے انہیں پتہ چل گیا کہ اس نے ناول چھپا رکھا ہے۔

بلا وجہ ایک مسلمان کا دل کیوں دکھاؤں؟:

بھائی جان صاحب ہی نے ان کا یہ قصہ بھی سنایا کہ حضرت جس محلے میں رہتے

تھے۔ راستے میں ایک فاحشہ عورت کا مکان پڑتا تھا۔ وہ پیشہ ور کسبی عورت تھی۔ کسی زمانے میں وہ جوان تھی تو اس کے پاس گاہک آتے تھے۔ اب بوڑھی ہوگئی تھی تو گاہک نہیں آتے تھے۔ وہ رات کو بن سنور کر بیٹھتی تھی کہ شاید کوئی گاہک آجائے لیکن عام طور پر کوئی گاہک نہیں آتا تھا۔ حضرت میاں صاحب جب اس کے گھر سے گذرتے تو پاؤں سے جوتے نکال لیتے اور ننگے پاوں وہاں سے گذرتے، البتہ آگے جاکر پہن لیتے۔ والد صاحب اور بھائی صاحب نے ان کو کئی مرتبہ ایسا کرتے ہوئے دیکھا۔ ایک دفعہ پوچھا کہ حضرت کیا بات ہے؟ آپ ایسا کیوں فرماتے ہیں؟ فرمایا کہ اس کی ایک وجہ ہے۔'' لیکن اس وقت وجہ نہیں بتائی۔ پھر کچھ عرصے بعد جب والد صاحب نے پوچھا تو فرمانے لگے کہ دراصل بات یہ ہے کہ پہلے جب یہ عورت جوان تھی۔ اس کے پاس گاہک بہت آتے تھے۔ اب بوڑھی ہوگئی ہے۔ گاہک نہیں آتے لیکن یہ انتظار میں رہتی ہے۔ میں اس کا گھر آنے سے بہت پہلے جوتے اس لئے اتار لیتا ہوں تاکہ میرے قدموں کی آہٹ اس کو سنائی نہ دے کیونکہ اگر اس کو آہٹ سنائی دے گی تو اس کے دل میں امید پیدا ہوگی کہ شاید کوئی گاہک آیا ہے اور جب میں گذر جاؤں گا تو اس کا دل ٹوٹے گا تو بلاوجہ ایک مسلمان کا دِل کیوں دکھاؤں، دیکھئے! ایک کسبی عورت کے بارے میں حضرت کی یہ احتیاط تھی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا طرزِ عمل:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا طرزِ عمل بھی ساری زندگی یہ رہا کہ آپ کے کسی عمل سے دوسرے کو تکلیف نہ پہنچے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک رات میں بھی لیٹ گئی اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی لیٹ گئے۔ (حجرہ تنگ تھا، سرہانے کی طرف سے باہر نکلنے کا راستہ نہ تھا البتہ پائنتی کی طرف سے راستہ تھا) میں

آنکھیں بند کر کے لیٹی ہوئی تھی۔ رسول اللہ ﷺ سمجھے کہ میں سو رہی ہوں حالانکہ میں جاگ رہی تھی۔ آپ نے میرا اس طرح خیال فرمایا کہ آپ آہستہ آہستہ پائنتی کی طرف سر کے، پھر بہت آہستہ سے جوتے پہنے، پھر بہت آہستہ آہستہ قدم بڑھا کر چلے، پھر چپکے سے دروازہ کھولا، پھر بہت آہستہ سے دروازہ بند کیا اور باہر چلے گئے۔ حضور جنت البقیع میں تشریف لے گئے۔ حضرت عائشہ صدیقہ بھی پیچھے پیچھے چلی گئیں۔ جب حضور ﷺ کو دیکھا کہ واپس آ رہے ہیں تو یہ بھی بھاگ کر واپس اپنی جگہ پر لیٹ گئیں۔ فرماتی ہیں کہ میرا سانس پھولا ہوا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: عائشہ کیا بات ہے؟ تمہارا سانس پھولا ہوا کیوں ہے؟

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے وجہ بیان کی کہ میں آپ کے پیچھے آئی تھی اور پھر آپ کو واپس آتا دیکھ کر جلدی سے بستر پر آ کر لیٹ گئی۔

ہم اپنا جائزہ لیں:

دیکھئے! اس واقعہ میں رسول اللہ ﷺ نے کمرے سے باہر نکلنے میں کتنی احتیاط فرمائی کہ آہستہ آہستہ اور چپکے چپکے سب کام کئے تاکہ عائشہ صدیقہ کی نیند خراب نہ ہو جائے۔ اب ہم اپنا عمل دیکھیں کہ ہم دوسرے لوگوں کو اذیت سے بچانے کی کتنی کوشش کرتے ہیں۔ آج کل یہ عادت عام ہو گئی ہے کہ کمرے میں جب کچھ لوگ سو رہے ہوں تو نیا آنے والا بتی ضرور کھولتا ہے۔ حالات کا جائزہ لیتا ہے اور پھر جا کر اپنی جگہ سو جاتا ہے۔ بعض لوگوں کی نیند کمزور ہوتی ہے۔ لائٹ جلنے سے ان کی آنکھ کھل جاتی ہے تو اس عمل سے ان کو تکلیف ہوتی ہے۔ یہ وہ تکلیف ہے جو ہم اپنے عمل کے ذریعے سے دوسروں کو پہنچاتے ہیں۔

اسی طرح ہم زبان سے بھی لوگوں کو طرح طرح کی تکلیفیں پہنچاتے رہتے

ہیں۔ یہ لاؤڈ سپیکر ایسا خطرناک آلہ ہے کہ زبان سے تکلیف پہنچانے کا مؤثر ترین ذریعہ ہے۔ اس سے جتنی چاہو، دوسروں کو تکلیف پہنچادو۔ سوتوں کو جگادو، عبادت کرنے والوں کی عبادتیں خراب کردو اور جتنا چاہو، دوسروں کو ستالو۔ خود یہاں بیٹھے ہیں اور اس کی مار دور دور تک ہو رہی ہے۔

''زبان'' کو پہلے کیوں ذکر کیا گیا؟:

حدیث میں جو فرمایا گیا کہ ''مسلمان وہ ہوتا ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسروں کو تکلیف نہ پہنچے'' اس میں زبان کا ذکر پہلے ہے اور ہاتھ کا بعد میں۔ ہمارے والد ماجد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہاتھ سے تکلیف پہنچانے کے مواقع بہت کم آتے ہیں جبکہ زبان سے تکلیف پہنچانے کے مواقع بہت زیادہ ہیں۔ ہاتھ سے تکلیف پہنچانا مشکل بہت ہے جبکہ زبان سے تکلیف پہنچانا آسان بہت ہے۔ آپ کسی طاقتور کو ہاتھ سے تکلیف نہیں پہنچا سکتے، اگر آپ اُسے ہاتھ سے تکلیف پہنچائیں گے تو وہ آپ کی مرمت کردے گا لیکن زبان ایسی چیز ہے کہ کمزور سے کمزور آدمی طاقتور سے طاقتور آدمی کو تکلیف پہنچا سکتا ہے مثلاً ٹیلی فون کر کے تکلیف پہنچادی، لاؤڈ سپیکر پر گالی دے دی یا ریڈیو اور ٹی وی پر برا بھلا کہہ دیا۔ ہاتھ سے تکلیف پہنچانے میں محنت خرچ ہوتی ہے جبکہ زبان سے تکلیف پہنچانے میں کوئی محنت خرچ نہیں کرنا پڑتی۔ اسی لئے زبان کے ذریعے سے پہنچائی جانے والی تکلیفیں زبان کی تکلیفوں کے مقابلے میں بہت زیادہ ہوتی ہیں تو چونکہ اس کی تکلیفیں کثرت سے ہوتی ہیں۔ اس لئے زبان کا ذکر ہاتھ سے پہلے فرمایا۔

صرف ان دو اعضاء کا ذکر کیوں فرمایا؟:

اسی طرح زبان و ہاتھ کا تذکرہ کرنے کا مطلب یہ نہیں کہ دوسرے اعضاء مثلاً

ٹانگ، آنکھ یا سر سے کسی تکلیف پہنچانا جائز ہے۔ ہرگز جائز نہیں۔ ان دو اعضاء کا ذکر صرف اس لئے کیا گیا کہ عام طور پر انہی دو اعضاء سے دوسروں کو تکلیف پہنچائی جاتی ہے۔

خلاصہ:

حدیث کا خلاصہ یہ نکلا کہ کسی بھی انسان یا جانور کو ناحق تکلیف پہنچانا مسلمان کا کام نہیں اور اگر کوئی مسلمان اس طرح کرتا ہو تو وہ اس قابل نہیں ہے کہ اُسے مسلمان کہا جائے۔ اس لئے صحیح اور کامل مسلمان بننے کے لئے ضروری ہے کہ ہم ہر وقت اِس بات کا خیال رکھیں کہ ہماری زبان و ہاتھ سے کسی دوسرے کو تکلیف نہ پہنچے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اس حدیث پر پورا پورا عمل کرنے کی توفیق نصیب فرمائے۔ (آمین)

وآخر دعوانا أنِ الحمدللّٰہ رب العالمینo

اخلاص کی راہ میں حائل رُکاوٹیں

موضوع: اخلاص کی راہ میں حائل رکاوٹیں

خطاب: حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی مدظلہم

مقام: جامع مسجد، جامعہ دارالعلوم، کراچی

تاریخ: شوال المکرّم ۱۴۲۴ھ بموقع افتتاحِ بخاری

ترتیب وعنوانات: اعجاز احمد صمدانی

باہتمام: محمد ناظم اشرف

اخلاص کی راہ میں حائل رکاوٹیں

خطبہ مسنونہ:

الحمد للّٰہ نحمدهٗ و نستعينهٗ و نستغفرهٗ و نؤمِنُ بِهٖ ونتوكل عليه ونعوذ باللّٰهِ مِن شرورِ أنفسنا ومِن سيئاتِ أعمالنا مَن يهدِهِ اللّٰه فلا مُضِلَّ لهٗ وَمَنْ يُضلِلهُ فلا هَادِيَ لهٗ ونشهد أن لآ اِلٰه اِلَّا اللّٰه وحدهٗ لاشريک لهٗ و نشهد أنّ سيدنا و سَنَدنا و مولانَا محمداً عبدهٗ ورسولهٗ. صلى اللّٰه تعالٰى عليه وعلٰى آلِهٖ وصحبه اجمعين ○

امابعد!

باب كيف كان بدء الوحي إلٰى رسول الله صلى الله عليه وسلم وقول الله جل ذكرهٗ اِنّا اوحينا إليک كما اوْحينا إلٰى نوحٍ والنبيين من بعدهٖ، حدثنا الحميدى عبدالله بن زبير قال حدثنا سفيان قال

حدثنا يحيى بن سعيد الانصاری قال اخبرنی محمد
بن ابراهيم التيمی أنه سمع علقمه بن وقاص الليثی
يقول سمعت عمر بن الخطاب علی المنبر قال:
سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول:
اِنّما الأعمال بالنيات ، وانّما لِكُل امرِئٍ مَانَوَى،
فَمَنْ كَانَتْ هِجْرَتُهُ إلٰى دُنيَا يُصيبها أو إلٰى اِمْرَاَةٍ
يَنْكِحُهَا، فهجرتُهُ إلٰى مَاهاجَر إلَيْهِ۔[1]

بخاری شریف، حدیث کی صحیح ترین کتاب:

معزز علماءِ کرام، عزیز طلبہ اور معزز سامعین!

اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے آج ہمیں بخاری شریف کی پہلی حدیث پڑھنے کی توفیق ہورہی ہے اور اس تعلیمی سال کا آغاز بھی امام بخاری کی اس جلیل القدر کتاب سے ہورہا ہے۔ جس کے بارے میں پوری امت کا متفقہ فیصلہ ہے کہ یہ ''اصح الکتب بعد کتاب اللہ'' ہے یعنی کتاب اللہ کے بعد صحیح ترین کتاب یہی کتاب ہے۔

پوری دنیا کے اندر اس وقت بخاری شریف کے لاکھوں نسخے آج بھی موجود ہیں اور پچھلے تقریباً چودہ سو سال میں بھی نجانے کتنی کتابیں موجود رہی ہیں۔ اللہ رب العالمین نے اس کتاب اور اس کے مصنف کو قبولیت کا وہ اعلیٰ مقام عطا فرمایا ہے کہ کسی اور کتاب اور اس کے مصنف کو نہیں ملا۔

امام بخاری ''ماوراء النھر'' کے رہنے والے تھے:

امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بخارہ کے رہنے والے تھے۔ جو ازبکستان کا

[1] حدیث کی عبارت اور سند طالبعلم نے پڑھی۔ م

مشہور شہر ہے۔ دس بارہ برس پہلے ہی روسیوں کے تسلط سے آزاد ہوا ہے۔ آزادی کے بعد ہم بھی وہاں حاضر ہوئے تھے۔ الحمدللہ، امام بخاری کے مزار پر بھی حاضری ہوئی جو سمرقند کے قریب ''خرتنگ'' کے مقام پر واقع ہے۔

خلاصہ یہ کہ امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ازبکستان کے رہنے والے تھے۔ ازبکستان مغربی ترکستان کا علاقہ ہے۔ یہ وہی علاقہ ہے جسے ماوراء النھر کا علاقہ کہا جاتا ہے۔ آپ اپنی کتابوں میں ''ماوراء النھر'' کا لفظ بکثرت پڑھتے ہیں۔ نھر سے مراد ''دریائے آمو'' ہے جو افغانستان اور ازبکستان کے درمیان واقع ہے اور افغانستان اور تاجکستان کے درمیان بھی وہی دریا ہے۔ نھر سے اُس طرف ماوراء النھر کے ممالک ہیں جو مغربی ترکستان میں شامل ہیں۔ تاجکستان، کرغیزستان، ترکمانستان اور ازبکستان یہ چار ممالک ہیں۔ یہ چاروں مغربی ترکستان کے علاقے ہیں۔ روسیوں نے ان کو الگ الگ نام دے کر الگ الگ ملک بنا دیئے تھے۔

اسلام آفاقی دین ہے:

بہرحال یہ پورا علاقہ عجمی ہے اور امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ عجمی ہیں۔ اللہ رب العالمین نے ایک عجمی کو رسولِ عربی کی احادیث کا سب سے بڑا قابلِ اعتماد جامع بنا کر دنیا کو یہ بتایا کہ اسلام نہ عربی ہے نہ عجمی بلکہ یہ آفاقی دین ہے۔ اس کا اصول یہ ہے کہ:

﴿اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ﴾ (الحجرات:۱۰)

''مسلمان تو سب بھائی ہیں۔''

جو اسلام کو قبول کر لے، وہ اس برادری میں داخل ہو جاتا ہے۔ کالا ہو یا گورا، عربی ہو یا عجمی، کسی بھی نسل اور زبان اور علاقے سے اس کا تعلق ہو، کلمہ طیبہ لا الہ الا اللہ

محمد رسول اللہ کو دِل وجان سے ماننے اور زبان سے اس کا اقرار کرنے کے بعد وہ اسلامی برادری کا رکن بن جاتا ہے۔ اسلام کسی علاقے، کسی زبان اور کسی نسل تک محدود نہیں۔

امام بخاری بھی عجمی تھے لیکن.........:

الحمدللہ، عرب میں بڑے بڑے علماء، فقہاء، محدثین اور محققین موجود ہیں۔ عام طور پر دیکھنے میں یہ آتا ہے کہ علماءِ عرب کسی عجمی عالمِ دین کو نظروں میں نہیں لاتے۔ ہندوستان، پاکستان، بنگلہ دیش یا کسی اور عجمی ملک کا عالم ہو، اگر اس کی زبان عربی نہیں ہے تو اس کی طرف توجہ سے دیکھتے بھی نہیں۔ اگر وہ کوئی بات کرے تو توجہ سے اس کی بات سنتے بھی نہیں۔ علمی معاملات میں غیر عربی کی بات کو رنگ میں ہی نہیں لاتے۔ حدیث سناؤ تو توجہ سے سنتے ہی نہیں کہ میاں یہ عجمی کیا سنائے! لیکن امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا مقام ہے کہ پورے عالم عرب میں کسی بھی علمی مجلس میں چلے جایئے چاہے اس مجلس میں کتنے ہی بڑے بڑے فقہاء اور محدثین موجود ہوں، جہاں آپ حدیث روایت کرکے یہ کہہ دیں ''رواہُ البخاری'' (اسے امام بخاری نے روایت کیا ہے) تو سب کی گردنیں جھک جاتی ہیں۔ جس حدیث کے بارے میں معلوم ہو جائے کہ اسے بخاری نے روایت کیا ہے، پھر اس کی سند کوئی نہیں پوچھتا۔ بس اتنی بات کافی ہو جاتی ہے کہ اسے امام بخاری نے نقل کیا ہے۔

اس زمانے میں علم حدیث پورے عالم اسلام میں بکھرا ہوا تھا:

واقعہ یہ ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے علم حدیث کے اندر اپنی پوری زندگی صرف کی ہے۔ اٹھارہ سال کی عمر میں اپنے وطن سے نکلے تھے۔ باپ نے بہت مال و دولت چھوڑا تھا۔ سب خرچ کیا۔

اس زمانے میں یہ طریقہ نہیں تھا کہ کسی مدرسے میں داخل ہو گئے اور سارا علم وہیں مل گیا جیسا کہ آج کل ہوتا ہے۔ آج اگر کوئی شخص حدیث کا علم حاصل کرنا چاہے تو کسی ایسے مدرسے میں داخل ہو جائے جہاں دورۂ حدیث پڑھایا جاتا ہو، اساتذہ تجربہ کار ہوں، محنت سے پڑھانے والے ہوں تو علم حدیث کی بہت سی کتابیں پڑھ لیتا ہے۔ صحاح ستہ، مؤطین، شرح معانی الآثار جیسی بڑی بڑی علم حدیث کی کتابیں پڑھ لیتا ہے۔ اس زمانے میں تو یہ کتابیں ہی نہیں تھیں۔ علم حدیث پورے عالمِ اسلام میں بکھرا ہوا تھا۔ جہاں جہاں صحابہ کرام اسلامی فتوحات کے ساتھ پہنچے تو بہت سے صحابہ کرام انہی علاقوں میں رہ گئے۔ وہیں انہوں نے حلقہ درس قائم کر دیا اور احادیث کی تبلیغ واشاعت کا مشغلہ شروع ہو گیا۔ یا کوئی تجارت میں بھی لگا تو اُسے بھی کچھ حدیثیں یاد تھیں۔ وہ حدیثیں بھی سنا رہا ہے اور خود ان پر عمل بھی کر رہا ہے۔ اس طریقے سے یہ علم حدیث پورے عالم اسلام میں بکھرا ہوا تھا۔

اور اس وقت کا عالم اسلام بھی اتنا ہی وسیع تھا جتنا آج وسیع ہے۔ اتنے بڑے عالم اسلام میں سے تلاش کر کر کے اور تحقیق کر کر کے صحیح احادیث کو جمع کرنا جوئے شیر لانا تھا۔ امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اٹھارہ سال کی عمر تک اپنے شہر کے تمام علماء کا علم حدیث حاصل کیا۔ قرآن کریم اس سے پہلے حفظ کر چکے تھے۔ اٹھارہ سال کے بعد سفر کے لئے نکلے ہیں تو کبھی بصرے میں ہیں کبھی کوفے میں، کبھی دمشق میں ہیں کبھی بغداد میں، کبھی مکے میں ہیں کبھی مدینے میں۔ پوری بخاری شریف اسی حالت سفر میں لکھی ہے۔ قربانیاں دیں، مشقتیں اٹھائیں، محنتیں کیں اور وہ سارا پیسہ جو باپ کے ترکے سے ان کو ملا تھا، وہ انہی سفروں میں خرچ ہوا۔

نقلِ حدیث میں امام بخاری کی احتیاط:

اور احتیاط کا یہ عالم کہ اپنی کتاب میں کسی حدیث کو نقل کرنے کے لئے اپنے اوپر بہت کڑی شرطیں لگائیں۔ ان کی تفصیلات آپ انشاء اللہ دوران سال اپنے اساتذہ

سے پڑھ لیں گے۔ جب تک وہ ساری شرطیں پوری نہ ہو جاتیں، اس وقت تک حدیث نہیں لکھتے تھے۔ ساری شرطیں پوری کرنے کے بعد بھی فوراً حدیث نہیں لکھتے تھے بلکہ معمول یہ تھا کہ ہر حدیث لکھنے سے پہلے غسل فرماتے اور خوشبو لگاتے، اس کے بعد صلاۃ الاستخارۃ پڑھ کر اللہ تعالیٰ سے استخارہ کرتے کہ اس حدیث کو لکھوں یا نہ لکھوں۔ اور جب مکہ مکرمہ میں ہوتے تھے تو ہر حدیث کے لکھنے سے پہلے طواف کرتے تھے اور طواف کی دو رکعتیں پڑھ کر دُعا کرتے۔

تحصیل علم کیلئے مشقتیں:

اس کے علاوہ تحصیل علم کے لئے جو قربانیاں اٹھائیں، وہ اس کے علاوہ ہیں۔ ساری جوانی سفروں کی مشقتوں میں گذر گئی۔ جس استاد کی خدمت میں رہے، اس کی آنکھ کا تارا بن کر رہے کیونکہ حافظہ غضب کا تھا اور حافظہ بڑھتا ہے تقویٰ سے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو تقویٰ بھی عطا فرمایا تھا اور بے پناہ حافظہ بھی۔ آپ کا حافظہ محیر العقول تھا اور محنت اور وقت کی پابندی سب طلبہ سے زیادہ کرتے تھے، اس لئے استادوں کی نظروں کا تارہ بن جاتے تھے۔

کسی جگہ ایک استاد کے پاس علم حاصل کر رہے تھے ایک روز درس میں حاضر نہ ہو سکے۔ استاد کو تعجب ہوا۔ ساتھیوں کو بھی تشویش ہوئی۔ ایک دن اور گذر گیا، تشریف نہیں لائے۔ تو استاد نے شاگردوں سے کہا کہ بخاری کی خبر لو، وہ تو کبھی بھی غیر حاضر نہیں ہوتا۔ طلبہ ان کے حجرے پر پہنچے، اندر سے چٹخنی لگی ہوئی تھی، آوازیں دیں، بار بار آواز دینے کے باوجود کوئی جواب نہیں آیا۔ آخر میں ساتھیوں نے کہا: دیکھو بخاری! ہم تمہیں پکار رہے ہیں۔ ہم تمہیں قسم دیتے ہیں کہ تم ہماری بات کا جواب دو۔ اور اگر تم نے ہماری بات کا جواب نہ دیا تو ہم دروازہ توڑ کر کمرے میں داخل ہو جائیں گے۔ یہ دیکھنے کے لئے کہ

تم زندہ ہو یا مردہ۔ تو اس وقت اندر سے بخاری کی آواز آئی۔ آپ نے جواب دیا کہ الحمدللہ، میں زندہ ہوں لیکن ایسی حالت میں نہیں ہوں کہ تمہارے لئے دروازہ کھول سکوں۔ اس لئے کہ میرے پاس کافی عرصے سے صرف ایک ہی جوڑا تھا۔ اسی کو دھو دھو کر پہنتا تھا، پھٹ جاتا تو سی لیتا، پیوند لگالیتا لیکن اب وہ دُھلتے دُھلتے اور سلتے سلتے اتنا بوسیدہ ہوگیا ہے اور جگہ جگہ سے اتنا پھٹ گیا ہے کہ وہ میرے جسم کے اس حصے کو بھی چھپا نہیں سکتا۔ جس حصے کو چھپانا فرض ہے۔ تو ایسا وقت بھی امام بخاری پر آیا۔

علم حدیث کے لئے محدثین کی قربانیاں:

ایسی ایسی قربانیوں کے ساتھ یہ کتاب لکھی گئی ہے اور یہ امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی قربانی تو ہے ہی، محدثین نے علم حدیث کیلئے ایسی ایسی قربانیاں دی ہیں کہ کسی قوم کے پاس ایسی مثالیں نہیں ہیں کہ اس نے اپنے نبی کی حدیثوں کے لئے ایسی قربانیاں دی ہوں۔

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ آنحضرت ﷺ بڑے چہیتے صحابی ہیں۔ مسجد نبوی میں ان کا حلقہ درس تھا۔ ان کے بارے میں یہ واقعہ کتب حدیث میں آتا ہے کہ ایک حدیث ان کو کسی نے سنائی اور وہ حدیث ایک صحابی کے واسطے سے سنائی۔ پوچھا کہ وہ صحابہ کہاں ہیں؟ معلوم ہوا کہ وہ دمشق میں رہتے ہیں۔ اونٹنی پر سوار ہوئے اور مدینہ طیبہ سے دمشق پہنچے۔ یہ ایک مہینے کا سفر ہے۔ وہاں پہنچے۔ وہ اوپر بالا خانے پر تھے۔ استیذان کے لئے آواز دی۔ انہوں نے کہا کہ اوپر آیئے اور تشریف رکھئے۔ فرمایا کہ میں صرف ایک حدیث سننے کے لئے آیا ہوں۔ آپ کے حوالے سے مجھے یہ اطلاع ملی ہے کہ آپ یہ حدیث رسول اللہ ﷺ سے ان الفاظ کے ساتھ سناتے ہیں۔ کیا یہ حدیث واقعۃً انہی الفاظ کے ساتھ ہے؟ انہوں نے تائید کی۔ فرمایا کہ اچھا پھر میں جاتا ہوں۔ پھر

ایک مہینے کا سفر کر کے واپس مدینے پہنچے۔ دو مہینے کا سفر اونٹ کے ذریعے سے کیا اور سفر بھی ریگستانوں کا اور مدینہ طیبہ سے شام تک کے راستے میں آنے والے ریگستان بھی بڑے خوفناک ہیں۔ راستے میں تبوک پڑتا ہے، وہ انتہائی دشوار گذار راستہ ہے سفر تبوک کے واقعات بخاری شریف اور مسلم شریف میں آتے ہیں۔ کیسی کیسی مشقتیں پیش آئی ہیں۔ سینکڑوں سینکڑوں میل تک پانی کا کوئی نام ونشان نہیں ہوتا۔ لق ودق صحرا ہے۔

اس طرح اور کئی واقعات تاریخ میں رقم ہیں۔ جن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ دین کی خاطر بے پناہ قربانیاں دی گئی ہیں اور اِن قربانیوں کے بعد اللہ تعالیٰ کی طرف سے مدد بھی آئی ہے۔

دیکھئے! الفاظ کی تشریح اور ان کے مباحث آپ انشاء اللہ درس میں پڑھیں گے۔ وقت مختصر ہے اور بہت سے وہ حضرات بھی تشریف رکھتے ہیں جو طالب علم نہیں ہیں بلکہ ان کا تعلق دوسرے مشاغل سے ہے۔ اس لئے ہم خالص علمی اور فنی باتوں میں نہیں جائیں گے البتہ علم حدیث، محدثین اور مدرسوں کے متعلق چند ضروری باتیں عرض کروں گا۔

پہلی حدیث مناسب باب کے عنوان سے نہیں، کیوں؟:

سب سے پہلی بات یہ ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے پہلا باب قائم کیا جس کا عنوان ہے:

﴿باب كيف كان بدء الوحي إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم وقول الله عزوجل اِنّا أَوْحَيْنَا اليک. الخ﴾

باب کا عنوان تو یہ ہے کہ وحی کا آغاز کیسے ہوا؟ لیکن اس کے نیچے جو پہلی

حدیث لے کر آئے، وہ نیت سے متعلق ہے، وحی سے متعلق نہیں حالانکہ دنیا کا یہ قاعدہ ہے کہ جب کوئی عنوان لگایا جاتا ہے تو اس کے نیچے آنے والا مضمون اس عنوان کے مطابق ہوتا ہے اور امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے ہاں تو تراجم ابواب مستقل ایک فن کی حیثیت رکھتے ہیں۔ بلکہ بخاری شریف کے تراجم کے بارے میں یہ کہا گیا ہے کہ:

﴿فِقْهُ الْبُخَارِی فِی تَرَاجِمِهٖ﴾

''امام بخاری کا فقہ اس کے لئے تراجم میں موجود ہے۔''

بخاری شریف اگرچہ حدیث کی ایک بہت بلند کتاب ہے لیکن یہ فقہ کی کتاب بھی ہے۔ درحقیقت امام بخاری نے یہ فقہ الحدیث کی کتاب لکھی ہے اور اپنا فقہ ابواب کے عنوانات میں بیان کیا ہے۔ ترجمۃ الباب میں جو بات لکھی ہوتی ہے وہ ایک مسئلہ شرعیہ ہوتا ہے۔ یا تو وہ ایمانیات سے متعلق مسئلہ ہوتا ہے یا اعمال ظاہرہ سے متعلق ہوتا ہے یا اعمالِ باطنہ سے متعلق ہوتا ہے۔ بہرحال مسئلہ شرعیہ ضرور ہوتا ہے۔ اور اس ترجمۃ الباب کے نیچے جو حدیثیں آتی ہیں وہ اس مسئلے کی دلیل ہوتی ہیں۔

لیکن یہاں پر معاملہ ایسا نہیں، عنوان تو یہ ہے کہ وحی کا آغاز کیسے ہوا اور پہلی حدیث وحی سے متعلق نہیں بلکہ نیت سے متعلق ہے۔ البتہ اس باب کی اگلی ساری حدیثیں وحی سے متعلق ہیں لیکن پہلی حدیث کا مضمون یہ ہے کہ اعمال کا دار و مدار نیتوں پر ہے۔ اگر آدمی عملِ صالح اللہ کی رضا کیلئے کرتا ہے تو وہ اللہ کے لئے ہوگا اور اگر کوئی دنیا کو دکھانے کیلئے کر رہا ہے تو وہ دنیا والوں کے لئے ہوگا، اللہ کے لئے نہیں ہوگا۔ منہ پر مار دیا جائے گا، اللہ کے نزدیک اس کی ذرہ برابر قیمت نہیں ہوگی۔

اس حدیث کا تو ترجمۃ الباب سے واقعۃً کوئی تعلق نہیں لیکن یہ بات چونکا دینے والی ہے کہ عنوان کوئی لگایا اور حدیث کوئی اور لے کر آئے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے پیشِ نظر بھی چونکانا ہی ہے کہ آدمی سوچے اور غور کرے کہ

امام بخاری جیسا جلیل القدر مصنف اس حدیث پر غیر متعلقہ عنوان کے تحت کیوں لایا۔ غور کرنے کے بعد وہ اس نتیجے پر پہنچے گا کہ اگلی حدیثیں پڑھنے سے پہلے ایک انتہائی ضروری کام کرلو، وہ یہ کہ اپنی نیتوں کو ٹھیک کرلو۔ اس طرح خالص اللہ کے لئے کرلو کہ غیر اللہ کا اس میں دخل باقی نہ رہے۔ نہ طلب شہرت اس میں رہے اور نہ طلب جاہ اس میں رہے۔ صرف یہ نیت کرلو کہ رسول اللہ ﷺ کی حدیثوں پر خود عمل کریں گے اور دوسروں تک بھی ان کو پہنچائیں گے اور یہ سب کچھ اللہ کی رضا کے لئے کرلو۔

سال کے شروع میں ہی اپنی نیتیں درست کرلیجئے:

آج تعلیمی سال کا آغاز ہے۔ ایک طویل سفر شروع ہونے والا ہے۔ نیت کو ٹھیک کرلیجئے تاکہ اس سفر میں اٹھنے والا ہر قدم صحیح رخ پر ہو اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے اجر کا باعث بنے۔ اگر اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے یہ علم حاصل کیا جائے گا تو طالب علم کا جو وقت کھانے پینے میں لگے گا۔ وہ بھی عبادت اور جو کھیلنے کودنے میں لگے وہ بھی عبادت ہوگا کیونکہ وہ اس لئے کھیل رہا ہے تاکہ اس کی صحت ٹھیک رہے اور وہ زیادہ نشاط کے ساتھ علم دین کے کاموں میں مشغول رہے۔

علم کی فضیلت کب حاصل ہوگی؟:

پھر یہ کہ تمام علماء اور فقہاء کے نزدیک نفلی عبادتوں میں سے سب سے افضل عبادت علم دین کا مشغلہ ہے۔ آپ نے مشکوۃ شریف میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ اثر پڑھا ہوگا کہ:

﴿تَدَارُسُ العِلْمِ سَاعَةً مِنَ اللَّيلِ خَيْرٌ مِنْ إحْيَاءِ هَا﴾

(مشکوۃ المصابیح، کتاب العلم الفصل الثالث ص ۳۷، ج ۱)

''رات کے ایک گھنٹے میں علم کا مشغلہ اختیار کرنا ساری رات کی عبادت سے افضل ہے۔''

علم کا مشغلہ پڑھنے کا ہو یا پڑھانے کا، تکرار کا ہو یا مطالعہ کا، لکھنے کا ہو یا لکھوانے کا، املاء لینے کا ہو یا املاء کرانے کا، ہر حال میں اس علمی مشغلے میں ایک گھنٹے کے لئے لگنا پوری رات کی عبادت سے بہتر ہے۔ ایک شخص پوری رات تہجد پڑھتا ہے اور آپ نے صرف ایک گھنٹہ علمی مشغلے میں گذار دیا تو تمہاری عبادت اس کی عبادت سے بڑھ جائے گی۔ لیکن شرط یہ ہے کہ نیت ٹھیک ہو۔

دو بھوکے بھیڑیئے: حبّ مال اور حبِّ جاہ:

اس موقع پر میں آپ کی توجہ تاجدار دو عالم سرورکونین ﷺ کی ایک حدیث کی طرف دلانا چاہتا ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

﴿مَا ذِئبان جائعان أرسلا فی غنم بأ فسدَلَها مَن حرصِ المرئِ علی المال والشرف لدینهٖ﴾

(مشکوٰۃ، کتاب الرقاق، الفصل الثانی، رقم الحدیث ۵۱۸۱)

حدیث کا مضمون یہ ہے کہ دو بھیڑیے ہوں اور وہ بھی بھوکے۔ اگر انہیں بکریوں کے گلے میں چھوڑ دیا جائے اونٹوں اور گائے بھینس کے گلے میں نہیں۔ یہ جانور مضبوط ہوتے ہیں، اپنا دفاع کرلیں گے۔ جبکہ بکری ایک مسکین جانور ہے۔ وہ بھیڑیے سے نہ تو زیادہ تیز دوڑ سکتا ہے اور نہ اس کے اندر اتنی طاقت ہے کہ ان کا مقابلہ کر سکے تو اگر بکریوں کے گلے میں چھوڑ دیا تو اندازہ کیجئے کہ وہ کیسی چیڑ پھاڑ کریں گے اور پورے گلے کو تباہ کرڈالیں گے۔ فرمایا کہ جتنی تباہی وہ پھیلائیں گے۔ یہ تباہی دین کی اس تباہی سے زیادہ نہیں ہوگی جو انسان کے دین میں پیدا ہوتی ہے، حب مال اور حب جاہ کی وجہ

سے۔ حب مال کا مطلب ہے مال کی محبت اور حب جاہ کا مطلب ہے دوسروں پر برتری حاصل کرنے کی محبت۔

اس وقت دینی حلقوں اور مدارس میں، دینی جماعتوں اور تنظیموں میں، سیاسی جماعتوں اور حکومتوں میں غرضیکہ جہاں کہیں بھی آپ دیکھیں، وہاں یہی دو بھوکے بھیڑیئے نظر آئیں گے۔ کہیں حب جاہ کا فتنہ نظر آئے گا، کہیں حب مال کا فتنہ نظر آئے گا۔

دنیا کا عظیم ترین منصب:

یہ حب جاہ کا فتنہ ہی تو ہے کہ آج ہمارے ملک میں کتنی مذہبی اور سیاسی جماعتیں ہیں، اور پھر ہر جماعت میں دو دو گروپ، پھر ہر گروپ کے دو دو گروپ، گروپ در گروپ۔ گروہ در گروہ۔ یہ سب اس لئے ہے کہ ہر ایک لیڈر بننے کا شوقین ہے، اور امیر اور قائد بننے کا شوقین ہے۔ تابع بننے کے لئے کوئی بھی تیار نہیں۔ ہمارے مرشد حضرت ڈاکٹر عبدالحئی صاحب عارفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ایک مرتبہ فرمانے لگے: مولوی رفیع! میں آپ کو ایک ایسا منصب بتاتا ہوں جو آپ سے کوئی چھین نہیں سکتا، ایسا منصب بتاتا ہوں جس میں آپ پر کوئی حسد نہیں کر سکتا، ایسا منصب بتاتا ہوں جس میں آپ کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا اور وہ منصب اتنا اونچا، اعلیٰ اور ارفع ہے کہ اللہ کے نزدیک اس سے اونچا کوئی منصب ہی نہیں ہے۔ وہ یہ کہ "خادم" بن جاؤ۔ خادم بننے میں تم سے کون لڑے گا، کون حسد کرے گا، کون تم سے یہ منصب چھینے گا۔ کوئی نہیں چھین سکتا۔ اور اعلیٰ اتنا کہ خادم بننا "عبدیت" کا مقام ہے اور انسان کا سب سے اونچا مقام عبدیت ہے۔ انسان کے لئے کوئی مقام عبدیت سے زیادہ اونچا نہیں حتیٰ کہ انبیاء کرام کا مقامِ عبدیت ان کے مقامِ نبوت سے اونچا ہوتا ہے۔

''بعبدہ'' کیوں کہا گیا؟:

حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ''سیرۃ المصطفیٰ'' میں ایک بڑی اچھی بات ارشاد فرمائی۔ فرمایا کہ دیکھو قرآن مجید نے آنحضرت ﷺ کی معراج کا واقعہ بیان کرتے ہوئے کہا ''سُبْحَانَ الَّذِیْ اسرٰی بِعَبْدِہٖ''[1] یہاں پر ''رسولہ'' یا ''بنبیہ'' نہیں فرمایا گیا۔ اس کے علاوہ رسول اللہ ﷺ کے کتنے اور عظیم صفاتی نام ہیں۔ ان میں سے کسی نام کا ذکر نہیں کیا۔ صرف آپ کی ''صفت عبدیت'' کا ذکر کیا۔ آپ کو معراج کی رات اتنا اونچا مقام عطا کیا جو کسی اور نبی کو میسر نہیں ہوا۔ اللہ رب العزت سے ہم کلامی نصیب ہوئی، اور ساتوں آسمانوں سے اوپر تشریف لے گئے۔ اس اعزاز کا ذکر کرتے ہوئے یوں نہیں کیا گیا کہ ہم نے یہ اعزاز اپنے رسول کو دیا یا اپنے نبی کو دیا بلکہ یوں کہا کہ اپنے بندے کو دیا۔ معلوم ہوا کہ اللہ رب العزت کو اپنے بندوں کی صفات میں سے سب سے محبوب صفت ''عبدیت'' ہے۔ اور خادم کا منصب عبدیت کا منصب ہے۔

یہ اخلاص کے راستے کے ڈاکو ہیں:

اور اس منصب کے لئے کوئی جھگڑا نہیں کرنا پڑتا۔ سارے جھگڑے مخدوم بننے سے آتے ہیں۔ اگر آج آپ کہیں کوئی جھگڑا دیکھیں گے تو وہاں ان دو بھیڑیوں میں سے کوئی ایک بھیڑیا ضرور نظر آئے گا۔ یا حب جاہ نظر آئے گی یا حب مال نظر آئے گا۔ یا عہدے کا چکر ہوگا یا چندے کا فتنہ ہوگا۔ اللہ تعالیٰ ان دو فتنوں سے ہماری حفاظت فرمائے۔

بخاری شریف کی پہلی حدیث اس طرف بھی توجہ دلا رہی ہے کہ ان دو بھوکے

بھیڑیوں سے بچنا۔ یہ اخلاص کے راستے کے ڈاکو اور قاطع الطریق ہیں۔ ساری محنتوں کو خاک میں ملا دینے والے ہیں۔

حضرت عارفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے تقریریں کرنے سے منع کیوں کیا؟:

حضرت والد ماجد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا جب انتقال ہوا تو یہ وہ زمانہ تھا کہ جب میرا اور مولانا محمد تقی صاحب کی تقریر کا اعلان اخبار میں آیا کرتا تھا کہ آج فلاں جگہ تقریر ہوگی، آج فلاں جلسے میں خطاب ہوگا وغیرہ۔ اس زمانے میں ہمارا اصلاحی تعلق حضرت ڈاکٹر عبدالحیٔ صاحب عارفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے قائم ہو چکا تھا۔ ایک مرتبہ ہم حضرت کی مجلس میں بیٹھے تھے تو فرمانے لگے ''مولوی رفیع صاحب، مولوی تقی صاحب! آپ تقریروں میں نہ جایا کریں۔'' یہ بات سمجھ میں نہیں آئی۔ مجلس سے اٹھنے لگے تو پھر فرمایا: ''بھائی! آپ تقریروں میں نہ جایا کریں۔'' اگلے ہفتے مجلس میں حاضر ہوئے۔ گفتگو کے بعد پھر فرمایا کہ ''بھائی! آپ تقریروں میں نہ جایا کریں، بھائی! فرمائشی تقریریں نہ کیا کریں۔ جلسوں میں نہ جایا کریں۔''

ہماری سمجھ میں نہیں آیا کہ تقریریں کرنا تو اتنا ثواب کا کام ہے، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہے، دین کی اشاعت کا ذریعہ ہے۔ حضرت نجانے کیوں منع کر رہے ہیں؟ خیر، ہم نے تقریروں میں جانا تو چھوڑ دیا لیکن حضرت سے سوال کرنے کی بھی ہمت نہ پڑی۔ تیسری مجلس میں حاضر ہوئے تو اس میں یہی فرمایا کہ تقریروں میں نہ جا کریں۔ چوتھے ہفتے پھر یہی بات فرمائی۔

ادھر جب ہم نے لوگوں سے معذرت کی تو ان کا اصرار شروع ہوگیا۔ ایک مرتبہ حضرت نے اسی طرح فرمایا تو میں نے عرض کیا کہ حضرت! لوگ بہت اصرار کرتے ہیں۔ فرمایا کہ جب وہ اصرار کرنے لگیں تو کہہ دیا کرو کہ میں نے منع کر دیا ہے۔ میرے

اوپر ذمہ داری ڈال دیا کرو۔

کبھی کبھار ریڈیو پر تقریر ہوا کرتی تھی۔ ایک مرتبہ میں نے کہا کہ حضرت! ریڈیو والے آئے تھے۔ تقریر کے لئے فرمایا! بھائی! وہاں بھی نہ جانا۔

میں نے تصوف کے متعلق ایک مضمون لکھا تھا۔ حضرت نے اُسے دیکھا اور بہت پسند فرمایا ایک مرتبہ مولانا جمیل صاحب آئے اور کہا کہ جنگ کے اندر ''اقرأ'' کے صفحے پر چھاپنا چاہتا ہوں۔ میں نے یہ مضمون انہیں دے دیا۔ حضرت نے وہ مضمون دیکھا۔ فرمایا کہ بھائی! آپ کا اخبار میں ایک مضمون چھپا تھا، آپ کا وہ مضمون اچھا نہیں ہے، بے کار ہے، آئندہ ایسے مضمون نہ چھپوایا کریں۔ مجھے تعجب ہوا کہ حضرت نے تو اس مضمون کی تعریف کی تھی، اخبار میں چھپ گیا تو خراب کیسے ہوا؟

اسی حال میں کافی عرصہ گذر گیا۔ ایک دن ہم حضرت کی محفل میں بیٹھے تھے۔ فرمایا: اندر آ جاؤ۔ اندر تشریف لے گئے ہم بھی ان کے ساتھ اندر گئے۔ حضرت نے بہت سارے خطوط نکالے۔ یہ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے خطوط تھے۔ ان بزرگوں کے درمیان ہم دونوں بھائیوں کے بارے میں خط وکتابت ہوئی تھی۔ اندازہ کیجئے کہ بزرگوں کی شفقت کا، حضرت شیخ الحدیث صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے لاکھوں مرید، اور خود کتنی مصروفیت والے۔ وہ ہمارے حضرت کو ہمارے بارے میں خط لکھتے اور ہر خط میں یہ بات لکھتے کہ مجھے بڑی خوشی اس بات کی ہے کہ آپ کی خدمت میں یہ دونوں صاحبزادے ہیں۔ مجھے بڑا اطمینان ہے۔ امید ہے کہ آپ ان کی طرف خاص توجہ فرمائیں گے۔ آپ اس بات کا خیال رکھیں کہ کہیں خدانخواستہ ان میں کبر نہ پیدا ہوجائے۔ مجھے ان کے بارے میں کبر کا اندیشہ ہے۔ اس کا ذرا خیال رکھیں۔

حضرت ڈاکٹر صاحب یہ سارے خطوط ہمیں دکھانے کے بعد فرمانے لگے کہ

میں نے آپ کو جو تقریروں سے منع کیا، اس کی وجہ یہ خطوط ہیں۔ ابھی آپ تقریریں نہ کریں کیونکہ ابھی آپ کو بلوغ نہیں ہوا۔ خدانخواستہ، خدانخواستہ، اگر آپ کو شہرت کا شوق ہوگیا تو ساری محنت اکارت چلی جائے گی۔

دس سال تک اس طرح پابندی کروائی۔ دس سال کے بعد رفتہ رفتہ اجازت دی کہ اچھا فلاں جگہ چلے جاؤ۔ اور جب جاؤ تو فلاں فلاں دُعا پڑھنا، یہ نیت کرنا۔ پابندی لگالگا کر اجازت دینا شروع کر دی۔ یہ ہے بزرگوں کی بات، امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بھی اسی کی طرف توجہ دلانا چاہتے ہیں۔ حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے کئی مواعظ اسی موضوع پر ہیں اور ایک مجموعہ مواعظ خاص اسی عنوان سے ''حب مال وحب جاہ'' کے نام سے چھپ گیا۔ اہلِ علم سے میری درخواست ہے کہ وہ اس کا ضرور مطالعہ کریں۔

مدرسوں پر فتنوں کے بادل منڈلا رہے ہیں:

دوسری بات جس کی طرف حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالمجید صاحب دامت برکاتہم اشارہ فرمارہے تھے۔ مدرسوں کے بارے میں اور ان فتنوں کے بارے میں جو مدرسوں پر منڈلا رہے ہیں۔ بلاشبہ، اس وقت عالم کفر کی آنکھوں میں سب سے زیادہ کھٹکنے والا شعبہ اگر کوئی ہے تو وہ دینی مدارس کا شعبہ ہے۔ اب وہ یہ سمجھ چکے ہیں کہ یہ مدرسے ٹوٹے پھوٹے نہیں، یہ روس کی طاقت کو بھی توڑ پھوڑ کر ملیامیٹ کر دیتے ہیں۔ یہ خطرناک لوگ ہیں۔ عجیب بات یہ ہے کہ بہت دنوں کے بعد انہیں علم ہوا کہ ہم خطرناک ہیں حالانکہ خطرناک تو ہم شروع سے ہیں۔ ان پر یہ راز بہت عرصے کے بعد کھلا ہے۔ ابھی چند روز پہلے اخبار میں یہ رپورٹ آئی تھی کہ پینٹاگون (جو وزارت دفاع کا سب سے بڑا مرکز ہے) اس میں وزیر دفاع نے خاص میٹنگ میں یہ سوال رکھا کہ مدارس میں

جو دہشت گردی کی تعلیم دی جارہی ہے اور وہاں سے جو دہشت گرد تیار ہورہے ہیں۔ کیا ہم ان سب کے بارے میں پوری معلومات حاصل کرچکے ہیں اور کیا ہم ان کا خاتمہ کرچکے ہیں؟ غالبًا ایسا نہیں ہے۔ یہ تھی رپورٹ۔

مجھے یقین ہے کہ ہمارے اِن مدرسوں کے اندر بھی امریکی جاسوس موجود ہیں لیکن وہ امریکن نہیں ہوں گے بلکہ پاکستانی مسلمان ہوں گے جو ان کے لئے مخبری کرتے ہوں گے۔ یہ جاسوس چھوٹے مدرسوں کے اندر بھی ہوں گے، بڑے مدرسوں میں بھی ہوں گے اور مسجدوں میں بھی ہوں گے۔

ہمارا ایٹمی پلانٹ دشمنوں کو کھٹکتا ہے:

ابھی حال میں امریکہ نے چار کھرب ایک ارب ڈالر کا بجٹ منظور کیا ہے دہشت گردی کے مقابلہ کرنے کے نام سے، جبکہ امریکہ کا پورے سال کا بجٹ ساڑھے تین کھرب ڈالر کا ہوتا ہے۔ یہ بجٹ اس کے علاوہ ہے۔ چار کھرب ایک ارب ڈالر کا بجٹ صرف جنگ کے لئے ہے اور یہ جنگ کس سے ہوگی، مسلمانوں سے ہے بلکہ مسلمانوں کی طاقت کے مرکزوں سے ہے۔ ہمارے ایٹمی پلانٹ سے ہے۔ ہمارا ایٹمی پلانٹ ان کی آنکھوں میں کھٹکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے ہمارے ایٹمی سائنسدانوں نے پوری امت مسلمہ کی طرف سے فرض کفایہ ادا کیا ہے پوری امت مسلمہ پر فرض تھا کہ ان کے مقابلے میں ایٹم بم تیار کرے۔ ''وَأَعِدُّوا لَهُمْ مَا اسْتَطَعْتُمْ'' کا یہ پیغام تھا اور حکم تھا جسے ہمارے ایٹمی سائنسدانوں نے پورا کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے اور انہیں دین ودنیا کی فلاح عطا فرمائے۔ انہوں نے امت کا سر فخر سے بلند کردیا ہے۔ یہ ایٹمی پروگرام ان کو کھٹکتا ہے۔

اس وقت انہیں ایران اور شام کی بھی فکر ہے لیکن یاد رکھئے اصل حریف اور

اصل نشانہ ہم ہیں کیونکہ ایٹم بم ہمارے پاس ہے اور کسی کے پاس نہیں۔ اور اسلامی قوت کا ایک جذبہ اور دین کے لئے سب کچھ قربان کرنے کا ایک بے تاب جذبہ جو پاکستان کے مسلمانوں میں ہے، وہ کہیں دکھائی نہیں دیتا اور یہ جذبہ پیدا کرنے والے یہ دینی مدرسے ہیں۔ اس لئے ان کی نظروں میں ہم آئے ہوئے ہیں۔

اب کرنا کیا ہے؟:

اب سوال یہ ہے کہ کرنا کیا ہے؟ اس کا جواب قرآن مجید میں موجود ہے۔ وہ یہ کہ:

﴿إِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ يَنْصُرْكُمْ وَيُثَبِّتْ أَقْدَامَكُمْ﴾

(سورۃ محمد: ۷)

''اگر تم اللہ (کے دین) کی مدد کرو گے تو وہ تمہاری مدد کریگا اور تمہارے قدم جما دے گا۔''

اگر ہم اللہ کے دین کی مدد کریں گے تو اللہ تعالیٰ ہماری مدد کریگا۔ طلبہ کے لئے دین کی مدد کا راستہ یہ ہے کہ وہ محنت اور لگن کے ساتھ پڑھیں۔ تقویٰ اور اخلاص کے ساتھ پڑھیں۔ اتباعِ سنت کا اہتمام کریں۔ زندگی کے ہر ہر شعبہ میں سنت کی پیروی کریں۔ انشاء اللہ، اللہ تعالیٰ کی نصرت آئے گی۔

مسواک کرنے سے قلعہ فتح ہو گیا:

یہ واقعہ آپ نے سنا کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور میں ایک مرتبہ ایک قلعہ فتح نہیں ہو رہا تھا۔ امیر لشکر نے عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خط لکھا کر جتنی تدبیریں ہو سکتی تھیں۔ وہ سب اختیار کر لیں لیکن پھر بھی یہ قلعہ فتح نہیں ہو رہا۔ امیر

المؤمنین عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ نے جواب میں لکھا کہ غور کرو کہ کونسی سنت ایسی ہے جو تم سب نے چھوڑ رکھی ہے۔ جب اس کا علم ہو جائے تو سب اس سنت پر عمل کرو، پھر اللہ تعالیٰ کی نصرت آئے گی۔

امیر لشکر نے یہ خط سب کو پڑھ کر سنایا۔ غور کیا گیا تو معلوم ہوا کہ ویسے تو سب سنتوں پر عمل ہو رہا ہے۔ البتہ بہت عرصے سے سب نے مسواک نہیں کیا۔ امیر لشکر نے تمام مجاہدین کو مسواک کرنے کا حکم دیا۔ پورے لشکر نے مسواک کی، قلعہ اسی دن فتح ہو گیا۔

یاد رکھئے! ہماری فتح ونصرت رسول اللہ ﷺ کے دامن کے ساتھ وابستہ ہے۔ اگر ہم ان کی سنتوں کا اتباع کرتے رہیں گے، انشاء اللہ تعالیٰ ہم مفتوح اور مغلوب نہیں ہوں گے اور اس جماعت میں شامل رہیں گے جن کے بارے میں رسول اللہ نے فرمایا تھا:

﴿لَاتَزَالُ طَائِفَةٌ مِنْ أُمَّتِي ظَاهِرِيْنَ عَلَى الحَقِّ لَا يَضُرُّهُمْ مَنْ خَذَلَهُمْ الخ﴾ (صحیح مسلم، کتاب الایمان)

''میری امت کی جماعت ایک ہمیشہ حق پر قائم رہے گی ان کو چھوڑنے والا اور رسوا کرنے والا انہیں نقصان نہیں پہنچا سکے گا۔''

ہمیں کوئی مٹا نہیں سکے گا۔ ہم اگر میٹں گے تو اپنی بداعمالیوں کی وجہ سے میٹں گے۔ ان دو بھیڑیوں کے کھانے سے میٹں گے۔ جب مال کا فتنہ آئے گا تو مٹ جائیں گے۔ حب جاہ کا فتنہ آئے گا تو مٹ جائیں گے۔ لیکن اگر ان دونوں بھیڑیوں سے بچے رہے اور رسول اللہ ﷺ کی سنتوں کا اتباع زندگی کے ہر شعبے میں کیا تو کوئی ہمارا بال بیکا نہیں کر سکتا۔ ہمارا ''قال اللہ وقال الرسول'' کا سلسلہ جاری رہے گا۔ ہم دین کی خدمت کرتے رہیں گے۔ اس کے لئے مرتے رہیں گے، جانیں دیتے رہیں گے۔

''اتباع سنت'' کا عادی بنانے کا کیا مطلب ہے؟:

ایک بات یاد رکھئے! جب ہم یہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی سنت پر عمل کرو تو اس وقت ہمارے ذہنوں میں کچھ سنتیں آتی ہیں۔ مثلاً یہ کہ داڑھی رکھو، ٹخنہ سے اونچا پاجامہ پہنو، مسجد میں جاؤ تو دایاں پاؤں اندر رکھو اور یہ دُعا پڑھو۔ نکلو تو بایاں پاؤں پہلے نکالو اور فلاں دُعا پڑھو۔ بلاشبہ یہ سب سنتیں ہیں اور بہت اہم سنتیں ہیں لیکن ہمارا ذہن اس بات کی طرف نہیں جاتا کہ جب ہم ''سنت'' کا لفظ بولتے ہیں تو اس سے یہ پوری صحیح بخاری مراد ہوتی ہے جو کہ نکاح وطلاق سے بھی متعلق ہے، میاں بیوی کے تعلقات سے بھی متعلق ہے، رشتہ داروں کے ساتھ تعلقات سے بھی متعلق ہے، شہری زندگی سے بھی متعلق ہے اور حکومت سے بھی۔ غرضیکہ زندگی کے ہر شعبے سے متعلق ہے۔ اپنے آپ کو اتباع سنت کا عادی بنانے کا مطلب یہ ہے کہ زندگی کے ہر شعبے میں رسول اللہ ﷺ کی سنتوں پر عمل کرنا ضروری ہے۔

''حب مال'' کی ایک خطرناک صورت:

''حب مال'' کے سلسلے میں ایک اور بات عرض کردوں۔ وہ یہ کہ ہمارے مدارس میں الحمدللہ بہت بڑی تعداد ایسے طلبہ کی ہے، جن کی کفالت ہمارے مدرسے کرتے ہیں اور ظاہر ہے کہ زکوٰۃ اور صدقات کی رقوم سے کرتے ہیں تو جو طلبہ واقعی مصرفِ زکوٰۃ ہیں؟ ان کے لئے یہ مال حلال ہے لیکن وہ طلبہ جو زکوٰۃ کا مصرف نہیں ہیں ان کے لئے زکوٰۃ کا مال حرام ہے۔ ہمارے مدرسوں میں بعض مرتبہ یہ بھی ہوتا ہے کہ طلبہ مدرسے میں زکوٰۃ کو استعمال کرتے کرتے اتنے عادی ہوجاتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ انہیں مال دیتا ہے کہ وہ مصرفِ زکوٰۃ نہیں رہتے، پھر بھی وہ زکوٰۃ کا مال لیتے رہتے ہیں۔

اس سے بچنا بہت ضروری ہے۔

میں نے اپنے والد ماجد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے یہ حدیث سنی کہ:

﴿مَاخَا لَطَتِ الزَکوٰۃُ مالاً قط الا أَھْلکتہُ﴾

(مشکوۃ، کتاب الزکوٰۃ الفصل الثالث رقم الحدیث:۱۷۹۳)

''زکوٰۃ کا مال نہیں ملتا کسی مال سے مگر اُسے ہلاک کردیتا ہے۔''

والد صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس کا مطلب بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ اس کی دوصورتیں ہیں۔

ایک صورت تو یہ ہے کہ میرے اوپر زکوٰۃ فرض تھی۔ میں نے زکوٰۃ ادا نہیں کی تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ زکوٰۃ کا مال میرے باقی ماندہ مال کے ساتھ مل کر اُسے تباہ کر کے چھوڑے گا۔ یعنی مال کے اندر بے برکتی آئے گی۔ بیماریوں، مصیبتوں اور ناگہانی آفات پر لاکھوں روپے خرچ ہو جائیں گے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ ایک شخص کے پاس اتنا مال تھا کہ اس کے لئے زکوٰۃ لینا جائز نہیں تھا، پھر بھی اس نے زکوٰۃ لے لی تو جو مال پہلے سے اس کے پاس موجود تھا، زکوٰۃ کا مال اُسے بھی تباہ کر کے چھوڑے گا۔ اس لئے زکوٰۃ کے معاملے میں بہت احتیاط کی ضرورت ہے۔

مدارس کے مال میں بہت احتیاط کی ضرورت ہے:

اسی طرح مدارس کے مہتممین اور منتظمین کو بھی مدارس کے روپے میں بہت احتیاط کی ضرورت ہے کیونکہ یہ بڑی مقدس امانتیں ہوتی ہیں۔ ان کے استعمال میں ذرا سی غفلت بہت بڑے وبال کا باعث بن سکتی ہے۔

میں آپ سے سچ کہتا ہوں۔ جس دن سے مدرسے کا انتظام میرے سپرد ہوا

ہے۔ اس دن سے میں یہ محسوس کرتا ہوں کہ دارالعلوم کا جو چندہ آتا ہے۔ یہ ایک سانپ ہے جو میرے گلے پڑا ہوا ہے جو کسی وقت ڈس لے گا حالانکہ میں یہ پیسہ خود نہیں لیتا۔ لینے والے بھی دوسرے ہیں اور خرچ کرنے والے بھی دوسرے لیکن ذمہ داری تو مجھ پر ہے۔

یاد رکھئے کہ مدرسے کا پیسہ سانپ سے بھی زیادہ خطرناک ہے۔ تمام کارکنان کو اس کے اندر بے حد احتیاط کی ضرورت ہے۔ اسی طرح طلبہ کے لئے اس میں انتہائی احتیاط کی ضرورت ہے۔ مدرسے کی ایک ایک چیز خطرناک ہے۔ مدرسے کی بجلی ناجائز استعمال ہو یا پانی ناجائز استعمال ہو، پنکھا ناجائز استعمال ہو، مدرسے کی کتابوں کا غلط استعمال ہو۔ یہ سب ناجائز ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ان کے اندر احتیاط کرنے کی توفیق نصیب فرمائے۔ اور زندگی کے تمام شعبوں میں اتباع سنت کی توفیق نصیب فرمائے۔ (آمین)

وآخر دعوانا أنِ الحمدللّٰہ رب العالمینo

اَچھا یا بُرا طَرِیقہ جارِی کرنے کے اثرات ونتائج

موضوع: اچھا یا برا طریقہ جاری کرنے کے اثرات ونتائج

خطاب: حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی مدظلہم

مقام: جامع مسجد، جامعہ دارالعلوم، کراچی

تاریخ: ۷ ذی قعدہ ۱۴۲۴ھ

ترتیب وعنوانات: اعجاز احمد صمدانی

باہتمام: محمد ناظم اشرف

اچھا یا برا طریقہ جاری کرنے کے اثرات ونتائج

خطبہ مسنونہ:

الحمد للّٰہ نحمدہٗ و نستعینہٗ و نستغفرہٗ و نؤمِنُ بہٖ ونتوکل علیہ ونعوذ باللّٰہِ مِن شرورِ أنفسنا ومِن سیئاتِ أعمالنا مَن یھدِہِ اللّٰہ فلا مُضِلَّ لہٗ وَمَنْ یُضللہُ فلا ھَادِیَ لہٗ ونشھد أن لآ اِلٰہ اِلَّا اللّٰہ وحدہٗ لاشریک لہٗ و نشھد أنّ سیدنا و سَنَدنا و مولانَا محمداً عبدہٗ ورسولہٗ. صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وعلٰی آلہٖ وصحبہٖ اجمعین○ وسلم تسلیماً کثیراً.

امابعد!

فأعوذ باللّٰہِ من الشیطان الرجیم. بسمِ اللّٰہ الرحمن الرحیم.

﴿وَالَّذِیْنَ یَقُولُونَ رَبَّنَا ھَبْ لَنَامِنْ أَزْوَاجِنَا وَذُرِّیَاتِنا

قُرَّةَ أَعْيُنٍ وَّاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ إِمَامًا﴿۷۴﴾ (الفرقان: ۷۴)

کتاب کا تعارف:

یہ کتاب جسے ہم ہر بدھ کو عصر کے بعد پڑھتے ہیں اور اس پر مختصر خطاب ہوتا ہے علامہ نووی کی مشہور کتاب ہے۔ اس کا نام ہے ریاض الصالحین۔ ریاض کے معنی ہیں باغات[1] ''الصالحین'' نیک لوگوں کو کہتے ہیں۔ تو ریاض الصالحین کا مطلب ہوا نیک لوگوں کے باغات۔

جس طرح باغ میں پھل اور پھول ہوتے ہیں۔ کسی کا اپنا باغ ہے اور اس میں رنگ برنگے پھل اور پھول ہیں، جس کو جی چاہا توڑ کر استعمال میں لے آئے، اسی طرح یہ کتاب نیک لوگوں کے لئے باغ کی طرح ہے۔ اس میں رسول اللہ ﷺ کی احادیث کو جمع کیا گیا ہے جو پھلوں سے بدرجہا قیمتی چیزیں ہیں۔ اس میں علامہ نووی نے ایسی ایسی احادیث جمع کی ہیں جو ہماری روزمرہ کی زندگی سے متعلق ہیں گویا صالحین جب چاہیں احادیث کے ان باغات میں جاکر پھلوں اور پھولوں سے کہیں زیادہ قیمتی احادیث چن کر اور ان پر عمل کر کے اپنی زندگی کو حسین اور راحت بخش بنا سکتے ہیں۔

باب کا تعارف:

آج ہم جس باب کو شروع کر رہے ہیں۔ اس کا نام ہے ''باب من سَنَّ سنّةً حسنةً أو سيّئةً'' (باب ہے ان لوگوں کے بارے میں جو کوئی اچھا طریقہ جاری کر دیں، یا برا طریقہ جاری کر دیں) اس باب کا حاصل یہ ہے کہ اگر کوئی شخص ایسا طریقہ جاری کرے جو اچھا ہو مثلاً اس نے خود کوئی اچھا عمل کیا اور دوسرے لوگوں نے اُسے دیکھ کر وہ

---

[1] ریاض روضۃ کی جمع ہے۔ بمعنی باغ۔

عمل کرنا شروع کردیا یا اس نے دوسروں کو اچھا کام کرنے کی دعوت دی اور لوگوں نے اس پر عمل شروع کردیا، تو اب جتنے لوگ اس پر عمل کرتے جائیں گے، ان عمل کرنے والوں کو جتنا ثواب ملے گا اتنا ہی ثواب اس شخص کو بھی ملتا جائے گا، جس نے یہ طریقہ جاری کیا تھا۔

اور اس کے برعکس بھی یہی معاملہ ہے یعنی اگر کسی نے کوئی بُرا طریقہ جاری کردیا تو جتنے لوگ اس غلط طریقے پر عمل کرتے رہیں گے، ان سب کو بھی اس کا گناہ ہوگا اور جتنا گناہ ان کو ہوگا، اتنا گناہ اس غلط طریقہ جاری کرنے والے کو بھی ہوگا۔

اللہ کے نیک بندوں کی ایک خاص دعا:

چنانچہ اس سلسلے میں علامہ نووی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے سب سے پہلے وہ آیت نقل کی ہے جو قرآن مجید میں عباد الرحمٰن (اللہ کے نیک بندوں) کی صفات بیان کرتے ہوئے ذکر کی گئی ہے۔

آیت یہ ہے:

﴿والَّذِيْنَ يَقُولُونَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ أَزْوَاجِنَا وَذُرِّيَاتِنَا قُرَّةَ أَعْيُنٍ وَاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ إِمَامًا﴾ (الفرقان:۷۴)

''(اللہ کے نیک بندوں کی ایک صفت یہ ہے کہ) وہ یہ دُعا کرتے رہتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار ہم کو ہماری بیبیوں اور اولاد کی طرف سے آنکھوں کی ٹھنڈک عطا فرما اور ہم کو متقیوں کا سردار بنادے۔''

یہاں پر ''ازواج'' کا لفظ استعمال کیا گیا ہے جو کہ ''زوج'' کی جمع ہے۔ زوج شوہر کو بھی کہتے ہیں اور بیوی کو بھی کہتے ہیں۔ ''جوڑ'' کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔

اگر مرد دُعا مانگیں گے تو ترجمہ ہوگا ''ہماری بیویوں سے'' اور اگر عورتیں دُعا کریں گی تو ترجمہ ہوگا ''ہمارے شوہروں سے''۔ ''ذریاتنا'' کے معنی ہیں ہماری اولاد سے اور قرۃ اعین کے معنی ہیں آنکھوں کی ٹھنڈک مراد ہے خوشی۔

اب آیت کا مطلب یہ ہوا کہ اللہ کے نیک بندے اور نیک بندیاں یہ دُعا کرتے ہیں اور کرتی ہیں کہ اے اللہ! ہمیں ہماری بیویوں سے اور ہمارے شوہروں سے اور ہماری اولاد سے خوشیاں عطا فرما۔

اس دُعا میں دنیا وآخرت کی ساری خوشیاں جمع ہوگئی ہیں:

دعا کا یہ حصہ اتنا جامع ہے کہ دنیا وآخرت کی ساری نعمتیں اس کے اندر جمع ہوگئی ہیں۔ ''خوشیاں عطا فرما'' کا مطلب ہے کہ دنیا کی بھی خوشیاں عطا فرما اور آخرت کی خوشیاں بھی عطا فرما۔ اور یہ خوشیاں اس وقت حاصل ہوں گی جب وہ صحت مند اور تندرست ہوں گے، مالی اعتبار سے بھی ٹھیک حالت میں ہوں گے، پریشان نہیں ہوں گے، آپس کے تعلقات اچھے ہوں گے، خوش اخلاق ہوں گے اور دوسرے لوگ بھی ان سے خوش اخلاقی سے پیش آئیں گے، ان کے دلوں میں اُن کی محبت ہوگی اور اُن کے دلوں میں اِن کی محبت ہوگی۔ اولاد فرمانبردار، نیک اور تندرست ہوگی وغیرہ وغیرہ اور آخرت کی خوشیاں یہ ہیں کہ آخرت میں انہیں کوئی پریشانی اور عذاب نہ ہو۔ غرضیکہ اس دُعا میں وہ ساری نعمتیں آجاتی ہیں جوایک انسان خوش رہنے کیلئے مانگتا ہے یا مانگ سکتا ہے۔

ہم سب کو یہ دُعا مانگنے کا حکم دیا گیا ہے:

میں لوگوں کو یہ دُعا پڑھنے کا بہت مشورہ دیتا ہوں۔ جولوگ اپنی بیوی، بچوں کی

پریشانی کا ذکر کرتے ہیں، اپنی لڑکیوں یا لڑکوں کے لئے اچھے رشتوں کے طلب گار ہوتے ہیں، میں انہیں کہتا ہوں کہ یہ دُعا پڑھا کریں۔ کوئی بیماری کا ذکر کرتا ہے کہ ہمارا بیٹا بیمار رہتا ہے، ہماری بیوی بیماری رہتی ہے، میں انہیں بھی کہتا ہوں کہ یہ دُعا پڑھا کریں۔ کوئی کہتا ہے کہ ہمارے بیٹے کو روزگار نہیں ملتا، تنگدستی ہے، اس کے لئے بھی یہی کہتا ہوں کہ یہ دُعا پڑھا کریں۔ کوئی کہتا ہے کہ میاں بیوی کے تعلقات خراب ہیں، اولاد نافرمان ہے تو اس کے لئے بھی یہی دعا پڑھنے کا مشورہ دیتا ہوں کیونکہ میاں بیوی اور اولاد وماں باپ کے درمیان اچھے تعلقات پیدا کرنے کیلئے یہ انتہائی جامع دُعا ہے۔ اگرچہ اس آیت میں عباد الرحمٰن کی صفات بیان کرتے وقت یہ فرمایا گیا ہے کہ وہ یہ دُعا کرتے ہیں لیکن درحقیقت ہم سب سے یہ کہا گیا کہ تم یہ دُعا مانگا کرو۔

دُعا کا دوسرا حصہ:

اس دُعا کا دوسرا حصہ یہ ہے:

﴿وَاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا﴾

''اور ہم کو متقی لوگوں کا پیشوا بنادے۔''

یعنی جتنے ہمارے چھوٹے ہیں مثلاً اولاد ہے یا اولاد کی اولاد ہے یا چھوٹے بہن بھائی ہیں یا چھوٹے رشتے دار ہیں یا شاگرد ہیں یا مرید ہیں یا معتقدین ہیں یا ہمارے پیچھے نماز پڑھنے والے ہیں، یہ سب کے سب وہ لوگ جن کے ہم کسی نہ کسی درجے میں پیشوا ہیں۔ تو اس دعا کا حاصل یہ ہے کہ اے اللہ! جتنے ہمارے چھوٹے ہیں ان سب کو متقی بنادے، ان کو گناہوں سے بچنے والا بنادے۔

اس دُعا سے شادی بھی ہوگی اور اولاد بھی ہوگی انشاء اللہ:

جن لوگوں کی شادیاں نہیں ہوئیں، وہ یہ سوچ رہے ہوں گے کہ ابھی تو ہماری

شادی نہیں ہوئی، ہمارے بیوی بچے نہیں ہیں تو یہ دُعا مانگنے کا ہمیں کیا فائدہ ہوگا، یہ تو شادی شدہ لوگوں کے لئے ہے۔ نہیں، ایسی بات نہیں ہے بلکہ غیر شادی شدہ لوگ بھی یہ دُعا پڑھ سکتے ہیں۔ اگر ابھی شادی نہیں ہوئی تو انشاء اللہ، آئندہ شادی ہوگی۔ بلکہ غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں شادی کی دُعا بھی شامل ہے۔ اس لئے کہ بیوی کی طرف سے خوشی اس وقت حاصل ہوگی جب شادی ہوگی تو گویا یہ دُعا شادی کی دُعا کو بھی متضمن ہے بلکہ شادی کے ساتھ ساتھ اولاد کی دُعا کو بھی متضمن ہے۔ جب یہ دُعا کریں گے تو شادی بھی ہوگی اور شادی کے بعد اولاد بھی ملے گی۔ لہٰذا شادی شدہ لوگ ہوں یا غیر شادی شدہ، سب کے لئے یہ بہترین دُعا ہے۔

علامہ نووی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس باب میں اس دُعا کے آخری حصّے کو اس وجہ سے ذکر کیا ہے کہ اس میں یہ کہا گیا ہے کہ اے اللہ! ہمیں متقی لوگوں کا امام اور مقتدا بنا۔

متقی لوگوں کا امام بننے کا کیا فائدہ؟:

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جو لوگ پہلے سے متقی ہیں، ان کا امام اور پیشوا بننے کا ہمیں کیا فائدہ ہوگا؟ متقی لوگوں کو تو تقویٰ اختیار کرنے اور گناہوں سے بچنے کا ثواب ملے گا ہمیں کیا ملے گا؟ علامہ نووی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ یہی بتانا چاہتے ہیں کہ ہمیں بھی بہت بڑا فائدہ ہوگا۔ وہ یہ کہ جب ہماری بات ماننے والے لوگ، ہمارے معتقدین، ہمارے چھوٹے، ہمارے شاگرد، ہماری اولاد ہماری وجہ سے متقی بنیں گے تو تقویٰ کا جو ثواب انہیں ملے گا، وہ ہمیں بھی ملے گا۔

تو دُعا کے اس حصے کا حاصل یہ نکلا کہ جب آدمی کوئی اچھا کام کرتا ہے جس پر دوسرے لوگ بھی عمل پیرا ہوتے ہیں تو جتنا ثواب عمل کرنے والوں کو ملے گا، اتنا ہی ثواب

اچھا طریقہ جاری کرنے والے کو بھی ملے گا اور اس ثواب کی وجہ سے عمل کرنے والوں کے ثواب میں بھی کوئی کمی نہیں ہوگی۔ یہ بات بیان کرنے کیلئے علامہ نووی نے یہ آیت اس باب کے تحت ذکر فرمائی۔

اس آیت سے ان لوگوں کے لئے بڑی خوشخبری معلوم ہوئی جو دنیا میں خیر پھیلانا چاہتے ہیں۔ جو لوگ دوسروں کو خیر کی طرف بلاتے ہیں، نیک کام کی طرف دعوت دیتے ہیں یا کوئی اچھا طریقہ جاری کرتے ہیں جس پر دوسرے لوگ عمل کریں تو ان کے لئے عظیم الشان ثواب ہے کہ اس کی وجہ سے جتنے لوگ عمل کریں گے، ان سب کے ثواب کے برابر اس اکیلے کو ثواب ملے گا۔

اس طرف دھیان کرنے کی ضرورت ہے:

اس طرف بہت دھیان کرنے کی ضرورت ہے۔ اب دیکھئے اس وقت جو لوگ یہاں موجود ہیں، اگر ہم جائزہ لیں تو ہم میں سے اکثر ایسے لوگ ہیں جن کی بات ماننے والے کچھ نہ کچھ لوگ ہوں گے۔ کوئی باپ ہے تو اس کی اولاد بات مانتی ہوگی، کوئی بڑا بھائی ہے، چھوٹے بہن بھائی اس کی بات مانتے ہوں گے، کوئی مسجد کا امام ہے تو مقتدی اس کی بات مانتے ہوں گے، کوئی استاد ہے تو شاگرد اس کی بات مانتے ہوں گے، کوئی افسر ہے تو اس کے ماتحت اس کی بات مانتے ہوں گے غرضیکہ ہم میں سے اکثر ایسے ہیں جن کی بات ماننے والے کچھ نہ کچھ ضرور ہیں، جب یہ بات ہے تو جتنے لوگ آپ کی بات ماننے والے ہیں، آپ اتنے لوگوں کے امام ہیں۔

امام کسے کہتے ہیں؟:

ہمارے ہاں امام صرف اس کو کہتے ہیں جو لوگوں کو نماز پڑھاتا ہے، وہ بھی امام

ہے لیکن عربی زبان میں امام صرف اس کو نہیں کہتے جو نماز پڑھائے بلکہ ''قیادت کرنے والے پیشوا'' کو اور ایسے شخص کو جس کی بات دوسرے لوگ مانیں یا اس کو دیکھ کر دوسرے لوگ بھی عمل کریں، ایسے شخص کو امام کہا جاتا ہے۔ لہٰذا مسلمانوں کا حاکم اپنی رعیت کا امام ہے، استاد اپنے شاگردوں کا امام ہے، باپ اپنی اولاد کا امام ہے، گھر کا بڑا گھر والوں کا امام ہے، افسر اپنے ماتحتوں کا امام ہے، بڑا بھائی چھوٹے بہن بھائیوں کا امام ہے غرضیکہ ہر وہ شخص امام ہے کہ جس کے چھوٹے اس کی بات مانتے ہیں یا اُسے دیکھ کر عمل کرتے ہیں۔

تو اس آیت میں یہ سبق دیا گیا ہے کہ ہم میں سے جو جو شخص بھی امام ہے، اس کو چاہیے کہ اپنے ماننے والوں کو متقی بنانے کی کوشش کرے۔ جتنا وہ تقویٰ اختیار کریں گے اور اس پر جتنا ان کو ثواب ملے گا، اسے بھی اتنا ہی ثواب ملے گا۔ اور یہی بات اس باب میں بیان کرنا مقصود ہے۔

ایک اہم واقعہ:

اسی سلسلے میں ایک اور واقعہ یہاں بیان کیا گیا ہے۔ واقعہ یہ ہے۔[1]

حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم ایک مرتبہ دن کے ابتدائی حصے میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں موجود تھے۔ آپ کے پاس کچھ لوگ آئے جو بڑے فقر وفاقہ کی حالت میں تھے۔ اپنی شرمگاہ کو چھپانے کے لئے ان کے پاس کوئی ایسا کپڑا نہیں تھا کہ جسے وہ تہبند کے طور پر استعمال کرسکیں البتہ کالی سفید دھاریوں والا کوئی کپڑا تھا جسے انہوں نے بیچ میں سے سوراخ کرکے اوپر سر سے یا نیچے ٹانگوں سے گذار کر ناف سے باندھ لیا تھا، جس سے ان کی شرمگاہ کا حصہ چھپ گیا تھا۔ صرف اتنا

---

[1] مسلم، کتاب الزکاۃ، باب الحث علی الصدقة ولو بشق ثمرةٍ أو كلمه طيبة وأنها حجاب مِن النار.

کپڑا ان کے پاس تھا۔ اس کے علاوہ ان کی پنڈلیاں اور سینہ کھلا ہوا تھا۔ گویا کپڑوں کی اتنی کمی تھی کہ پورے جسم پر پہننے کیلئے کپڑا تو کیا ہوتا، کوئی تہبند بھی ان کے پاس نہیں تھا۔ جس سے نچلا حصہ اچھی طرح چھپا سکتے۔ مجبوراً انہوں نے تہبند کی ضرورت کو ایک چھوٹے سے کپڑے کے ذریعے پورا کیا کہ اس میں سوراخ کر کے ناف سے باندھ لیا تھا۔

اور تلواریں انہوں نے گلے میں ڈالی ہوئی تھی۔ عرب میں تلواریں اپنے پاس رکھنے کا رواج تھا جیسے آج کل ہمارے قبائلی علاقے کے لوگوں کا حال ہے کہ کچھ کھانے پینے کے لئے پاس ہو یا نہ ہو لیکن بدن کے ساتھ پستول یا اس جیسا کوئی ہتھیار ضرور ہوتا ہے۔

یہ سب لوگ قبیلہ مضر سے تعلق رکھتے تھے۔ ان لوگوں کی یہ زبوں حالی اور انتہائی درجے کا فقر وفاقہ دیکھ کر رسول اللہ ﷺ کا چہرۂ انور متغیر ہوگیا۔ پس آپ گھر تشریف لے گئے، پھر باہر تشریف لائے، نماز کا وقت ہو چکا تھا، آپ نے بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اذان دینے کا حکم دیا۔ انہوں نے اذان دی، اقامت ہوئی، آپ نے نماز پڑھائی، اس کے بعد آپ نے خطبہ دیا۔ اس خطبہ میں آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی:

﴿یٰاَیُّھَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّکُمُ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَۃٍ وَّ خَلَقَ مِنْھَا زَوْجَھَا وَ بَثَّ مِنْھُمَا رِجَالًا کَثِیْرًا وَّ نِسَآءً ۚ وَاتَّقُوا اللّٰہَ الَّذِیْ تَسَآءَلُوْنَ بِہٖ وَالْاَرْحَامَ ؕ اِنَّ اللّٰہَ کَانَ عَلَیْکُمْ رَقِیْبًا﴾ (سورۃ النساء، آیت نمبر ۱)

یہ وہی آیت ہے جو خطبہ نکاح میں پڑھی جاتی ہے۔ یہ آیت ختم ہو رہی ہے ''اِنَّ اللّٰہَ کَانَ عَلَیْکُمْ رَقِیْبًا'' پر، جس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تم پر نگہبان ہے، تمہاری نگہبانی کرتا رہتا ہے، تم سے غافل نہیں۔

دوسری آیت یہ پڑھی:

﴿یـاایّھـا الّـذین اٰمنوا اتقو اللہ وَلْتَنظُر نفسٌ مّاقَدَّمَتْ لِغَدٍ﴾ (الحشر:۱۸)

''اے ایمان والو! اللہ سے ڈرتے رہواور ہر ہر شخص دیکھ بھال لے کہ اس نے کل کے واسطے کیا بھیجا ہے۔''

''کل کے واسطے کیا بھیجا ہے'' کا مطلب یہ ہے کہ اس نے قیامت کے دن کیلئے کیا عمل کررکھا ہے۔ ہم نے یہ آیت سن تو لی لیکن ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم میں سے ہر ایک اپنا جائزہ لے اور غوروفکر کرے کہ اس نے قیامت کے لئے کیا تیاری کررکھی ہے۔

یہ دو آیات تلاوت فرمانے کے بعد آپ نے ارشادفرمایا:

﴿تَصَدَّقَ رَجُلٌ مِنْ دِيْنَارِہٖ ومن دِرْھَمِہٖ ومِنْ ثَوْبِہٖ ومِن صَاعِ بُرِّہٖ ومن صاع تمرِہٖ﴾

''آدمی اپنے دینار میں سے بھی صدقہ کرے، درہم میں سے بھی، کپڑوں میں سے بھی صدقہ کرے اور گندم وکھجور سے بھی۔''

حاصل یہ ہے کہ جس کے پاس جو کچھ مال بھی ہے، وہ اس میں ان لوگوں کے لئے صدقہ کریں۔ یہاں تک کہ آپ نے فرمایا کہ وَلَو بشقِّ تَمْرةٍ یعنی اگر کسی کے پاس زیادہ دینے کے لئے نہیں ہے اور وہ کھجور کا کچھ حصہ دے سکتا ہے تو کھجور کا کچھ حصہ ہی دے دے۔ غرضیکہ جس سے جتنا بھی ہو سکے وہ اتنا اللہ کے راستے میں صدقہ کرے۔

رسول اللہ ﷺ کا خطاب سننے کے فوراً بعد ایک انصاری صحابی ایک تھیلی لے کر حاضر ہوئے۔ وہ تھیلی اتنی بھاری تھی کہ ان کے لئے اسے اٹھانا مشکل ہو رہا تھا۔ وہ تھیلی لا کر انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پیش کر دی۔ پھر اسکے بعد لوگ یکے بعد دیگرے اپنے اپنے صدقات لانے لگے یہاں تک کہ دو ڈھیریاں بن گئیں۔ ایک

کپڑوں کی ڈھیری، دوسری کھانے کی ڈھیری۔ حضرت جریر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ کا چہرۂ انور خوشی سے کھل اٹھا، ایسے معلوم ہوا جیسے آپ کے چہرے پر سونے کا پانی پھیر دیا گیا ہو۔

پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ:

﴿مَنْ سنّ فی الإسلام سُنَّةً حَسَنَةً فَلَهُ أجرها وأجر من عمل بها مِن بعْدِهِ مِنْ غَيْرِ أنْ ينقص مِن أُجُوْرِهِم شيئاً﴾

(مسلم، کتاب الزکاة، باب الحث علی الصدقة ولو بشق تمرة أو کلمة طيبة و أنها حجاب من النار)

''جو شخص اسلام کے اندر کوئی اچھا طریقہ جاری کرتا ہے تو اس کا ثواب اس کو تو ملے ہی گا، اور جو لوگ اس کے بعد اس طریقہ پر عمل کریں گے، ان کا ثواب بھی اس کو ملے گا لیکن عمل کرنے والوں کے ثواب میں کوئی کمی نہ ہوگی۔''

دیکھئے! یہاں پر سب سے پہلے اس نیک کام کا آغاز اس انصاری صحابی نے کیا جن سے وہ مال اٹھ نہیں رہا تھا۔ جسے وہ اٹھا کر آنحضور ﷺ کی خدمت میں لا رہے تھے۔ جب انہوں نے ابتداء کی تو ان کے دیکھا دیکھی دوسرے لوگ بھی لانا شروع ہوگئے۔ گویا اس حدیث میں جناب رسول اللہ ﷺ نے اس صحابی کو بشارت دی کہ تمہارے دیکھا دیکھی جنہوں نے صدقہ جمع کرایا، ان سب کے برابر تمہیں ثواب ملے گا۔

اور خود رسول اللہ ﷺ کو کتنا ثواب ملے گا؟! وہ انصاری صحابی جو سب سے پہلے آئے تھے، وہ بھی رسول اللہ ﷺ کے کہنے پر آئے تھے تو سارے صحابہ اور اس انصاری صحابی کو ملنے والے ثواب کے بقدر رسول اللہ ﷺ کو ثواب ملا۔

برائی پھیلانے والے کا انجام:

اس کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا:

﴿وَمَنْ سَنَّ فِي الإسْلَامِ سُنَّةً سَيِّئَةً ، كَانَ عَلَيْهِ وِزْرُهَا وَ وِزْرُ مَنْ عَمِلَ بِهَا مِن بَعْدِهِ مِنْ غَيْرِ أَنْ يُنْقَصَ مِن أَوْزَارِهِم شَيئٌ ٥﴾

''اور جو شخص برا طریقہ جاری کریگا تو اُسے اس کا گناہ ملے گا اور ان لوگوں کے عمل کے گناہوں پر بھی اس پر آئے گا جو اس کے بعد اس برے طریقے پر عمل کریں گے بغیر اس کے کہ عمل کرنے والوں کے گناہوں میں کمی ہو۔''

تو جس طرح نیکی پھیلانے والے کو نیکی کرنے والوں کے عمل کا ثواب ملتا ہے۔ اسی طرح اگر کوئی برائی پھیلائے گا تو اُسے تمام برائی کرنے والوں کی برائی کے بقدر گناہ ملے گا کیونکہ وہ ذریعہ بنتا ہے دوسروں کے لئے نیکی یا گناہ پر عمل کرنے کا۔

ایک حدیث میں جناب رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد منقول ہے کہ ''جو شخص بھی بے گناہ قتل ہوتا ہے تو قاتل کو تو اس کا گناہ ہوتا ہے لیکن اس کے ساتھ آدم علیہ السلام کے بیٹے قابیل کو بھی اس کا گناہ ہوتا ہے کیونکہ بے گناہ قتل کرنے کا طریقہ اس نے جاری کیا تھا۔

یہ بڑی خطرناک بات ہے اور اس بارے میں بہت ڈرنے کی ضرورت ہے۔ اگر کوئی چورے چھپے کوئی گناہ کرے تو وہ ایک گناہ ہے لیکن اگر علی الاعلان اس طرح گناہ کرے کہ اُسے دیکھ کر دوسرے لوگ بھی گناہ کرنے لگیں تو کتنا بڑا وبال سر پر آ جاتا ہے۔ وہ لوگ جن کے کچھ نہ کچھ ماتحت ہیں ان کے لئے اس میں اہم سبق یہ ہے کہ وہ کوئی ایسا

کام نہ کریں جس سے ان کے چھوٹوں کو کوئی غلط سبق ملتا ہو۔

والدین سے ہونے والی ایک عام بے احتیاطی:

بعض والدین بے احتیاطی کرتے ہیں اور چھوٹے بچوں کے سامنے کوئی ایسا کام کرڈالتے ہیں۔ جس سے ان کے ذہنوں پر غلط اثرات قائم ہوتے ہیں۔ وہ یہ سمجھ رہے ہوتے ہیں کہ یہ چھوٹا بچہ ہے، نادان ہے اسے کیا خبر! خوب سمجھ لیجئے کہ چھوٹا بچہ اگرچہ نادان تو ہوتا ہے لیکن اس کے تحت الشعور میں وہ ساری باتیں جمع ہوتی رہتی ہیں جو اس نے سنی یا دیکھی ہوتی ہیں اور جب وہ بڑا ہوتا ہے تو وہ ساری باتیں اس کو یاد آجاتی ہیں۔

بعض لوگ اپنے بچوں سے جھوٹ بلواتے ہیں مثلاً باہر دروازے پر کوئی آیا، بچہ دروازے پر گیا، واپس آکر والد سے کہا کہ ابا جان! فلاں صاحب آپ کو بلا رہے ہیں۔ ابا جان جواب میں کہتے ہیں کہ ان سے کہہ دو کہ والد صاحب گھر پر نہیں ہیں۔ جب آپ نے ایک جھوٹ بلوادیا تو ابھی سے اس کو یہ سبق مل جائے گا کہ جھوٹ بولنا کوئی بُری بات نہیں۔ نتیجہ یہ کہ وہ عمر بھر جھوٹ بولتا رہے گا اور عمر بھر جتنا وہ جھوٹ بولے گا، اس کا گناہ آپ کے نامہ اعمال میں جمع ہوتا رہے گا۔ یہ کتنی خطرناک بات ہے۔

آج کے باب کا حاصل یہ ہے کہ جتنا ہو سکے بھلائی اور خیر کو پھیلایئے اور جتنا ہو سکے برائی پھیلانے سے بچیئے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

وآخر دعوانا أنِ الحمدللّٰہ رب العالمین o

ظلم کی مختلف صورتیں

موضوع: ظلم کی مختلف صورتیں

خطاب: حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی مدظلہم

مقام: جامع مسجد، جامعہ دارالعلوم، کراچی

تاریخ: ۱۹ ذوالحجہ ۱۴۲۴ھ

ترتیب و عنوانات: اعجاز احمد صمدانی

باہتمام: محمد ناظم اشرف

﴿ظلم کی مختلف صورتیں﴾

اس فکرانگیز خطاب میں ظلم کی ان صورتوں کو بیان کیا گیا ہے۔ جن کی طرف عام طور پر لوگوں کا ذہن نہیں جاتا بلکہ انہیں ظلم سمجھا بھی نہیں جاتا۔

خطبہ مسنونہ:

الحمد للّٰہ نحمدہٗ و نستعینہٗ و نستغفرہٗ و نؤمِنُ بہٖ ونتوکل علیہ ونعوذ باللّٰہِ مِن شرورِ أنفسنا ومِن سیئاتِ أعمالنا مَن یھدہِ اللّٰہ فلا مُضِلَّ لہٗ وَمَنْ یُضللہُ فلا ھَادِیَ لہٗ ونشھد أن لآ اِلٰہ اِلَّا اللّٰہ وحدہٗ لاشریک لہٗ و نشھد أنّ سیدنا و سَنَدنا و مولانَا محمداً عبدہٗ ورسولہٗ صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وعلٰی آلہٖ وصحبہٖ اجمعین وسلم تسلیماً کثیراً۔

امابعد!

عن أبی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ عن النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال من کانت عندہ مَظْلِمَۃٌ لأخِیہِ

مِن عرضِه أومِن شيئٍ فليتحلله منه اليوم قبل أن لايكون ديناراً ولا درهمًا إن كان لهٗ عملٌ صالح أخذ منه بقدر مظلمته وإن لم يكن لهٗ حسنات أخذ مِن سيئات صاحبه فحمل عليه.

(صحیح البخاری بحوالہ ریاض الصالحین ص ۱۲۷)

حدیث کا ترجمہ:

بزرگانِ محترم اور برادرانِ عزیز!

جو حدیث ابھی میں نے آپ کے سامنے پڑھی ہے۔ یہ بڑی اہم حدیث ہے اور یہ ایسی حدیث ہے کہ ہمیں اس کی ہر روز ضرورت ہے۔ روز مرہ کے معاملات میں اسے سامنے رکھنے کی ضرورت ہے۔ حدیث کا ترجمہ یہ ہے:

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد نقل کرتے ہیں کہ جس کے پاس کوئی ظلم ہے اس کے بھائی کیلئے (یعنی اگر کسی نے اپنے مسلمان بھائی پر ظلم کیا ہوا ہے) خواہ یہ ظلم اس کی عزت اور آبرو سے متعلق ہو یا کسی اور چیز سے متعلق ہو تو اس پر لازم ہے کہ آج کے دن اُسے حلال کر لے (یعنی اس کا بدلہ دے دے یا اس سے معاف کرا لے) اس سے پہلے کہ وہ دن آ جائے کہ اس کے پاس کوئی دینار اور درہم نہ ہو۔ اگر اس کے پاس نیکیاں ہوں گی تو ظلم کے بقدر مظلوم کو دے دی جائیں گی اور اگر نیکیاں نہ ہوئیں تو مظلوم کے گناہ اس کے سر پر ڈال دیئے جائیں گے۔''

قیامت کے روز ظلم کا بدلہ دلوایا جائے گا:

اس حدیث میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ اگر کسی نے دوسرے پر ظلم کیا خواہ یہ ظلم اس کی عزت سے متعلق تھا یا کسی بھی اور چیز سے متعلق تھا تو قیامت کے روز اُسے اس کا بدلہ چکانا پڑے گا۔ اگر ظلم کرنے والے پاس نیکیاں ہوں گی تو وہ نیکیاں مظلوم کو دے دی جائیں گی ورنہ مظلوم کے گناہ اس کے سر پر لادے جائیں گے۔

''مِن عِرضٍ'' سے مراد ایسا ظلم ہے جو دوسرے مسلمان کی عزت وآبرو سے متعلق ہو مثلاً کسی مسلمان کی بے عزتی کر دی، کسی کی آبرو لوٹ لی، کسی کی غیبت کر دی، کسی پر بہتان لگا دیا، کسی کو گالی دے دی، کسی کو ناحق ڈانٹ دیا یا اس کو کسی کے سامنے ذلیل ورسوا کیا وغیرہ وغیرہ۔

''أومِن شیئ'' سے مراد یہ ہے کہ وہ ظلم جو کسی اور چیز سے متعلق ہو مثلاً کسی کی رقم لوٹ لی، تکلیف پہنچا دی، تھپڑ مار دیا یا کسی اور ذریعے سے تکلیف پہنچا دی۔

ظلم کی مختلف صورتیں:

آج کل لوگوں نے تکلیفیں پہنچانے کے بے شمار راستے اختیار کر رکھے ہیں اور ان میں سے اکثر طریقے ایسے ہیں، جن کی طرف عام طور پر لوگوں کا ذہن نہیں جاتا کیونکہ عام طور پر لوگ ظلم کا مطلب بہت محدود سمجھتے ہیں حالانکہ حقیقت یہ نہیں۔

غیبت:

سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ ہمارے اندر ''غیبت'' کی عادت پڑی ہوئی ہے۔ غیبت کو تو گناہ سمجھتے ہی نہیں۔ کوئی شراب پی لے تو اس کا چرچا ہوتا ہے کہ فلاں

شرابی ہے، کوئی حرام کاری کرے تو وہ بھی ڈرتا پھرتا ہے اور دوسرے بھی اُسے مورِدِ الزام ٹھہراتے ہیں کہ یہ بدکار ہیں، لیکن ان سے بڑا گناہ ''غیبت'' ہے اور صبح سے لے کر شام تک کتنی مرتبہ کر جاتے ہیں لیکن اس کے گناہ ہونے اور ظلم ہونے کی طرف ذہن ہی نہیں جاتا۔

دیکھئے! اگر کوئی شخص شراب پینا چاہے تو اس کیلئے یہ کام کرنا آسان نہیں، بازار جاکر خریدنی پڑے گی، ہر جگہ ملتی نہیں خصوصاً پاکستان میں میں تو خریدنا بھی آسان نہیں۔ چوری چھپے خریدے گا، پھر اُسے چوری چھپے پئے گا لیکن ساتھ ساتھ یہ ڈر بھی لگا رہے گا کہ لوگوں کو پتہ نہ چل جائے اور اگر نشہ چڑھ گیا تو پھر بچے مذاق اڑائیں گے۔ دیوبند میں ہمارے زمانے میں ایک آدمی نے شراب پی لی جس سے وہ بہک گیا تو اس کا نام ''شرابی'' پڑھ گیا، جہاں سے گذرتا، بچے اُسے پتھر مارتے اور شرابی شرابی کہہ کر پکارتے۔ تو اس نے بھی توبہ کرلی ہوگی کہ آئندہ کبھی ایسی غلطی نہیں کروں گا۔ اسی طرح اگر کوئی شخص بدکاری کرنا چاہے تو وہ بھی آسان نہیں بہت مشکل ہے۔

لیکن یہ غیبت کا گناہ اتنا آسان کہ ذرا سی زبان ہلے اور یہ گناہ ہوجاتا ہے اور گناہ بھی کبیرہ اور کبیرہ بھی ایسا کہ حقوق العباد سے متعلق۔ اور قرآن مجید میں اس جرم کو حقیقی مردہ بھائی کے گوشت کو کاٹ کاٹ کر کھانے سے تشبیہ دی ہے۔[1] جیسا گناہ وہ ہے، ایسا ہی یہ ہے اور اپنے بھائی پر ظلم کرنا ہے۔

غیبت کی تعریف یہ ہے:

﴿ذِکْرُکَ أَخَاکَ بِمَا یَکْرَہُ﴾

''تم اپنے مسلمان بھائی کا تذکرہ اس انداز کے ساتھ جس کو وہ پسند نہیں کرتا۔''

ہمارے اندر اس طرح کی اور بھی بہت عادتیں پڑی ہوئی ہیں۔ مثلاً کوئی شخص

پاؤں سے معذور ہے، لنگڑا کر چلتا ہے تو اس کو کہہ دیا ''لنگڑا'' کسی کا ہاتھ ٹوٹ گیا تو اس کو کہہ دیا ''ٹونڈا'' اگرچہ اُسے لنگڑا یا ٹونڈا کہہ کر کوئی جھوٹ نہیں بولا لیکن جس کو لنگڑا یا ٹونڈا کہا گیا اُسے یہ بُرا لگے گا یا نہیں؟ اگر اُسے پتہ چلے گا کہ آپ نے اُسے اس کی پیٹھ پیچھے لنگڑا کہا ہے تو یقیناً وہ بُرا سمجھے گا اور یہی غیبت ہے جو ظلم کی قسم ہے۔

دِل کی آزاری:

اگر پیٹھ پیچھے کہو گے تو غیبت ہے اور اگر سامنے کہو گے تو غیبت تو نہیں ہے لیکن ''دل آزاری'' تو ہے اور کسی مسلمان کا دل دکھانا بھی ناجائز ہے اور یہ بھی ظلم کی ایک قسم ہے۔ نجانے کتنا ظلم اِس طریقے سے ہوجاتا ہے۔

فٹ پاتھوں پر قبضہ:

ظلم کا ایک طریقہ آج کل یہ رائج ہوگیا ہے کہ فٹ پاتھ کے اوپر دکانداروں کا زبردستی قبضہ ہے۔ دوکاندار جب صبح دکان کھولے گا تو اپنے سامنے والے فٹ پاتھ پر کوئی کرسی بچھادے گا، کوئی میز بچھادے گا، کوئی بوریاں رکھ دے گا، کوئی ڈبے رکھ دے گا۔ دس فٹ کی دکان تھی، اب فٹ پاتھ کو ملا کر وہ دکان دگنی ہوگئی۔ اب فٹ پاتھ پر دکاندار کا قبضہ ہے اور جن لوگوں کے لئے یہ فٹ پاتھ بنی تھی، وہ سڑک پر چل رہے ہیں اور سڑک جن گاڑیوں کے لیے بنائی گئی تھی، اب انہیں دشواری کا سامنا ہے نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ سڑک پر چلنے والے راہ گیروں اور مسافروں کو کچلیں گی، ٹریفک میں خلل آئے گا، لوگوں کو تکلیف ہوگی، شریعت میں یہ بات بہت ہی ناقابل برداشت سمجھی گئی ہے کہ لوگوں کے راستے میں رکاوٹ پیش آئے۔

شریعت نے تھوڑی دیر کیلئے مسلمانوں کا راستہ روکنا گوارا نہیں کیا:

دیکھئے! شریعت کا اصل حکم یہ ہے کہ نمازِ جنازہ مسجد میں پڑھنے کی اجازت نہیں، مکروہ تحریمی ہے۔ مسجد میں نماز جنازہ پڑھنے کی مختلف صورتیں ہیں، وہ سب صورتیں مکروہ ہیں لیکن فقہاء کرام نے لکھا کہ مسجد سے باہر نماز پڑھنے کی جگہ اگر ایسی ہے کہ وہاں نمازِ جنازہ پڑھیں گے تو لوگوں کا راستہ رکے گا تو ایسی صورت میں مسجد میں نماز پڑھ لو، لیکن لوگوں کا راستہ مت روکو۔ دیکھئے! شریعت نے لوگوں کے راستے اور ان کی ٹریفک کا کتنا احترام کیا ہے کہ ان کے راستے کو کھلا رکھنے کیلئے اپنا قانون بدل دیا حالانکہ نماز پڑھنے میں دیر ہی کیا لگتی ہے۔ صفیں بنانے اور نماز جنازہ پڑھنے میں چار پانچ منٹ لگتے ہوں گے تو شریعت نے مسلمانوں کے راستے کو چار پانچ منٹ کیلئے روکنے کو بھی گوارہ نہیں کیا اور اپنے قانون میں تبدیلی کردی۔

اسی طرح جناب رسول اللہ ﷺ نے ایک مرتبہ فرمایا کہ تین لعنت کی چیزوں سے بچو۔[1] اور وہ یہ ہیں کہ لوگوں کے راستے میں یا سایہ دار جگہ جہاں لوگ بیٹھتے ہیں وہاں پیشاب پاخانہ کردیا جائے یا گندگی پھیلادی جائے جس سے لوگوں کو تکلیف کا سامنا کرنا پڑے۔

دگنا ظلم:

تو دیکھئے! شریعت کی نظر میں راستوں کو صاف رکھنے کا کتنا اہتمام ہے مگر یہ ظلم عام ہے کہ فٹ پاتھوں پر دکانداروں کا قبضہ ہے۔ ایک دکاندار نے مجھے بتایا کہ جب ہمیں یہ مسئلہ معلوم ہوا تو اس وقت سے ہم نے اپنے سامنے کے فٹ پاتھ پر سامان رکھنا چھوڑ دیا ہے، لیکن اب ہوا یہ کہ ریڑھی والوں اور چھاپڑے والوں نے اس پر قبضہ کرلیا ہے۔

کوئی وہاں پکوڑیاں بھون بھون کر کھلا رہا ہے، کوئی کباب بنا کر کھلا رہا ہے، کوئی چائے تیار کر کے پلا رہا ہے اور کوئی یخنی بنا بنا کر پلا رہا ہے، وہاں کرسیاں بچھا دیں۔ اب فٹ پاتھ پر ان کا قبضہ ہے۔

یہ قبضہ اور زیادہ خطرناک ہے۔ دکاندار کیلئے مصیبت کہ اس کے پاس جتنے گاہک آتے تھے، ان کے آنے کا راستہ بند ہو گیا، اب اس کی دکان بھی لوگوں کو نظر نہیں آتی، راستہ چلنے والوں کو راستہ ویسے ہی بند رہا، تو یہ دگنا ظلم ہو گیا۔

دھواں چھوڑتی گاڑیاں:

ظلم کی ایک صورت یہ ہے کہ گاڑیاں اس طرح چلی جارہی ہیں کہ دھوؤں کے بادل چھوڑتی جارہی ہیں۔ ڈیزل کا دھواں ناک کے ذریعے سے پھیپھڑوں میں جارہا ہے، دماغ میں گھس رہا ہے، آنکھوں میں جارہا ہے، جس سے طرح طرح کی بیماریاں پھیل رہی ہیں، تپ دق اور دمے کا مرض ہو رہا ہے، کینسر کی بیماری پھیل رہی ہے، اموات واقع ہو رہی ہیں اور کسی کو کچھ پرواہ نہیں۔ خراٹے بھرتی ہوئی گاڑیاں جارہی ہیں، ان کو کوئی روکنے والا نہیں، نہ پولیس والے کچھ کہتے ہیں نہ سارجنٹ کوئی قدم اٹھاتے ہیں حالانکہ قانوناً ایسا کرنا ناجائز ہے۔ سرکاری قانون کی رو سے ایسا کرنا ممنوع ہے لیکن ہمارے ملک میں قانون کہاں ہے؟ شریعت کا قانون یہ بھی کہتا ہے کہ ایسا کرنا جائز نہیں۔

کسی مہذب ملک میں یہ کام نہیں ہوتا کہ گاڑی دھواں چھوڑے۔ اگر کسی ڈرائیور نے گاڑی کا دھواں چھوڑا تو سینکڑوں ڈالر کا جرمانہ (Fine) اسی وقت ہو جاتا ہے۔ کسی کی مجال نہیں کہ وہ ایسی گاڑی چلائے جس سے دھواں نکلتا ہو۔ جبکہ ہمارے ہاں رکشے، ٹیکسیاں، گاڑیاں دھوئیں کے بادل چھوڑتی ہوئی چلتی ہیں۔ سانس لینا دشوار ہو جاتا

ہے۔ ساری فضاء میں ڈیزل کا دھواں چھایا ہوا ہے۔ لوگوں کی جانوں سے کھیلا جارہا ہے۔ یہ ناجائز ہے اور ظلم ہے۔ اس سے کتنے بے شمار لوگوں کو اذیت اور تکلیف پہنچ رہی ہے۔ اس طرف دھیان نہیں جاتا۔

رشوت:

ظلم کی ایک صورت وہ ہے جو ہمارے سرکاری دفاتر میں رائج ہے۔ اگر کوئی شخص کسی سرکاری دفتر میں کام کے لئے جائے تو رشوت کے بغیر کام نہیں ہوتا۔ رشوت ظلم ہی کا ایک حصہ ہے جو سراسر ناجائز اور ظلم ہے۔

لاؤڈ سپیکر کا غلط استعمال:

ظلم کا ایک اور طریقہ لاؤڈ سپیکر کے غلط استعمال کی صورت میں آج کل رائج ہے۔ چھوٹی سی مسجد ہے۔ اگر اس میں ایک سپیکر بھی لگ جائے تو حاضرین تک آواز پہنچانے کیلئے بالکل کافی ہے لیکن ہوتا یہ ہے کہ اس کونے پر لاؤڈ سپیکر لگا ہوا ہے، اُس کونے پر بھی لگا رکھا ہے۔ مینار پر چار لاؤڈ سپیکر لگا رکھے ہیں۔ جس کی وجہ سے یہ لاؤڈ سپیکر دور دور تک لوگوں کیلئے وبال جان بنا ہوا ہے۔

لاہور میں ایک مسجد ہے بالکل چھوٹی سی۔ اس کے چاروں کونوں پر بڑے زبردست لاؤڈ سپیکر لگے ہوئے ہیں۔ اس کے اوپر ایک مینار سا بنا رکھا ہے۔ اس کے اوپر بھی چار لاؤڈ سپیکر لگے ہوئے ہیں۔ وہ مسجد جس گلی میں ہے، اس گلی کے کنارے پر ایک ادھر اور ایک اُدھر لاؤڈ سپیکر لگا ہوا ہے۔ صبح کو اذان کے وقت سے وہ لاؤڈ سپیکر کھلتا ہے۔ اذان ہوئی، اس کے بعد ''الصلوٰۃ والسلام علیک یارسول اللّٰہ'' شروع ہوا، اس کے بعد پھر نعتیں، نظمیں وغیرہ ہوتی رہیں پھر نماز و دُعا اسی سپیکر پر ہوئی۔ اس کے بعد''

مصطفےٰ جانِ رحمت'' کا سلسلہ بھی اسی پر ہوا۔

اس کے بعد بچوں کو سبق پڑھانا شروع کیا۔ ہر بچے کا سبق لاؤڈ سپیکر پر ہو رہا ہے۔ گیارہ بجے تک مار کرتا ہے۔ گیارہ بجے تک جتنے بچوں کو سبق پڑھایا جا رہا ہے۔ پورے محلے والوں پر لازم ہے وہ بھی ہر ہر بچے کا سبق سنیں۔ اس محلے میں ہمارے رشتے دار رہتے ہیں۔ ہم وہاں جا کر ٹھہرا کرتے ہیں۔ محلے والے پریشان ہو کر ایک مرتبہ وفد کی شکل میں امام صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ امام صاحب نے کہا کہ '' تم بڑے نالائق ہو، ٹی وی پر اعتراض نہیں ہوتا، اللہ کا نام لیا جاتا ہے اس پر تمہیں اعتراض ہوتا ہے۔''

اس کے بعد مسجد والوں نے یہ کام کیا کہ گلی سے نکل کر ایک بڑا چوراہا ہے، جو مین روڈ پر ہے۔ اس چوراہے پر بھی دو لاؤڈ سپیکر لگا دیئے۔ چھوٹی سی مسجد اور اس میں '' الف ب'' کا سبق میلوں تک ہو رہا ہے۔ یہ ظلم ہے۔ باہر دور دور تک آواز پہنچانے کی کیا ضرورت ہے۔ جو تمہاری آواز سننا چاہتے ہیں صرف انہی کو سناؤ۔ زبردستی دوسروں کو سننے پر مجبور کرنا ہرگز جائز نہیں۔

دارالعلوم میں لاؤڈ سپیکر کے معاملے میں احتیاط:

ہمارے ہاں دارالعلوم میں اس بات کی پابندی کی جاتی ہے کہ لاؤڈ سپیکر صرف ان تک پہنچے جو اس کی آواز سننا چاہتے ہیں۔ تراویح میں باہر کا لاؤڈ سپیکر نہیں کھولا جاتا۔ بعض اوقات دارالعلوم میں رہنے والی خواتین کی طرف سے فرمائش بھی آتی ہے کہ لاؤڈ سپیکر کھول دیئے جائیں تاکہ ہم بھی سنیں لیکن ہم ان کی فرمائش کے باوجود لاؤڈ سپیکر اس لئے نہیں کھولتے کہ ہوسکتا ہے کہ کچھ خواتین تراویح کی آواز نہ سننا چاہیں، وہ نفلیں پڑھنا چاہتی ہوں، یا رات کے ابتدائی حصہ میں سو کر آخر شب میں عبادت کرنا چاہتی ہوں۔ اگر

سو گھروں میں سے ننانوے گھروں کی عورتیں یہ چاہیں کہ سپیکر کھول دیا جائے اور ایک گھر کی طرف سے یہ خواہش ظاہر کی جائے کہ سپیکر نہ کھولا جائے تو ہمیں اس ایک گھر کی پابندی کرنا پڑے گی کیونکہ انہیں تکلیف پہنچانا جائز نہیں۔

عصر کے بعد یہاں میرا بیان ہوتا ہے۔ اس میں دارالعلوم کے لاؤڈ سپیکر کھلنے پر مجھے تشویش رہتی ہے۔ پہلے یہ بیان مدرسۃ البنات میں ہوتا تھا۔ اس وقت صرف مدرسۃ البنات کا سپیکر کھولا جاتا تھا۔ ساتھیوں نے مشورہ دیا کہ یہ بیان مسجد میں ہو جایا کرے تو وہاں خواتین کو بیٹھنے میں سہولت ہو جایا کرے گی۔ اب ہمارا یہ بیان مسجد میں ہوتا ہے جس میں دارالعلوم کے تقریباً سارے سپیکر کھولے جاتے ہیں لیکن ہم نے اس کا یہ انتظام کیا ہے کہ ان سپیکروں کے ساتھ سوئچ لگوائے ہیں اور سپیکر کے قریب رہنے والوں کو اختیار دیا ہے کہ اگر وہ اپنا سپیکر بند کرنا چاہیں تو بلا تکلف بند کر دیں متعدد گھروں سے یہ فرمائش آئی ہے کہ ہم بیان سننا چاہتے ہیں۔ پھر بھی ہم نے یہ طریقہ اختیار کیا ہے کہ جو سننا چاہے، وہ کھول لے اور جو نہ سننا چاہے، وہ بند کر لے، خدا کرے کہ یہ طریقہ ایسا ہو کہ اس سے کسی کو تکلیف نہ پہنچ رہی ہو اور اگر کسی کو تکلیف پہنچ رہی ہو تو ہماری درخواست ہے کہ ہمیں اطلاع کرے تاکہ کوئی اور متبادل طریقہ سوچا جائے۔

تو ظلم کا ایک طریقہ یہ ہے کہ لاؤڈ سپیکر کو غلط استعمال کیا جائے اور عام طور پر یہ حرکتیں اہل علم اور علماء کرام نہیں کرتے۔ یہ گڑ بڑ عام طور پر ان مسجدوں میں ہوتی ہے جہاں مسجد کے امام عالم دین نہیں ہوتے۔ لباس علماء والا پہن رکھا ہوتا ہے لیکن ان پڑھ یا کم علم لوگ ہوتے ہیں۔

چندہ مانگنے میں حد سے تجاوز کرنا:

ظلم کا ایک طریقہ اور ہے اور وہ بھی کثرت سے رائج ہے۔ وہ ہے ''چندہ وصول

کرنے میں حد سے تجاوز کرنا'' مثلاً بھری مجلس میں آپ ہر ایک سے مطالبہ کریں کہ سو سو روپے سب دے دو۔ کچھ لوگوں نے دے دیا تو دوسروں کا نام لے لے کر ان سے مانگ رہے ہیں۔ کوئی شخص دینا نہیں چاہتا تھا مگر شرماشرمائی میں دے دیتا ہے۔ سوچتا ہے کہ اگر نہیں دوں گا تو لوگ مجھے حقیر سمجھیں گے اور کنجوس خیال کریں گے۔ یہ بھی ظلم ہے اور یہ ایسا ہی ہے جیسے زبردستی چھین لینا۔ چندہ لینا اُسی صورت میں جائز ہے جب دوسرا آدمی خوشی سے دے۔ حدیث میں جناب رسول اللہ ﷺ کا ارشاد منقول ہے کہ:

﴿لایحل مال امریٍٔ إلَّا بِطیبِ نَفْسِہٖ﴾

(مشکوۃ، کتاب البیوع، الفصل الثانی، رقم الحدیث:۲۹۴۶)

''کسی انسان کا مال اس کی خوشدلی کے بغیر حلال نہیں ہوتا۔''

بھکاریوں کا زبردستی مسلط ہونا:

آج کل ظلم کا ایک اور طریقہ بھی چل رہا ہے۔ چوراہے پر گاڑی رکی یا کسی پھل والے کی دکان پر پھل خریدنے کیلئے گاڑی رکی، ایک ادھر سے بھکاری آجاتا ہے۔ ایک اُدھر سے آجاتا ہے اور مانگنا شروع کر دیتے ہیں۔ بات تک کرنے نہیں دیتے، ان سے کہا جائے کہ معاف کرو، پھر بھی نہیں ہٹتے۔ زبردستی مسلط ہو جاتے ہیں۔ آخر مجبور ہو کر آدمی کچھ نہ کچھ جیب سے نکال کر دیتا ہے تاکہ وہ پیچھا چھوڑ دے۔ یہ بھی ظلم اور ناجائز ہے۔

ظلم کا ایک طریقہ یہ چل رہا ہے کہ بھیک تو نہیں مانگتے لیکن کوئی کنگھا لئے کھڑا ہے، کوئی کمر بند لئے کھڑا ہے کہ صاحب! اللہ کے واسطے یہ خریدلو۔ ان سے کہا جائے کہ ہمیں اس کی ضرورت نہیں تو اصرار کرتے ہیں کہ خریدلو، جان نہیں چھوڑتے، یہ بھی زبردستی اور ظلم ہے۔

دوسروں کی عمارتوں پر پوسٹر لگانا اور چاکنگ:

اسی طرح ظلم کا ایک طریقہ اور چل رہا ہے۔ وہ یہ کہ لوگوں کے مکانات اور عمارتوں پر پوسٹر چپکا دیتے ہیں۔ یہ سب کچھ مالکان کی اجازت کے بغیر ہوتا ہے۔ پوسٹر چھپوانے میں تو پھر بھی خرچہ ہوتا ہے۔ اب تو آسان کر رکھا ہے کہ پوچی لی، رنگ میں ڈبویا اور ہر ایک کی دیوار پر کچھ نہ کچھ لکھ گئے۔ چلو فلاں جگہ چلو۔ فلاں جئے، فلاں زندہ باد، فلاں مردہ باد۔ کوئی صاحب مجرب علاج لکھ کر چلے گئے کہ تمام امراض کا علاج چاہیے تو فلاں ڈاکٹر کے پاس جاؤ۔ کوئی تعویذ والا ہے کہ کالے جادو کی کاٹ فلاں عامل کے پاس ہے۔ یہ ساری اشتہار بازی لوگوں کے گھروں کی دیواروں پر اور اداروں کی دیواروں پر ہو رہی ہے۔ یہ ظلم ہے اور ناجائز ہے کیونکہ دوسروں کی املاک کو ان کی اجازت کے بغیر استعمال کرنا جائز نہیں۔

آنحضرت ﷺ ایک مرتبہ مدینہ کی گلی سے گذر رہے تھے۔ وہاں ایک انصاری کا مٹی کا مکان تھا۔ آپ ﷺ نے اس پر دو مرتبہ ہاتھ مار کر تیمّم کر لیا۔ تیمّم کے لئے دو مرتبہ ہاتھ مارنا پڑتا ہے۔ پہلی مرتبہ ہاتھ مار کر چہرے پر اور دوسری مرتبہ ہاتھ مار کر بازوؤں پر پھیرا جاتا ہے ظاہر ہے کہ مکان کے اس معمولی سے استعمال پر مالک مکان کا کوئی نقصان نہیں ہوتا، لیکن اس کے باوجود اس حدیث کی تشریح میں علماء کرام نے یہ سوال اٹھایا کہ یہ مکان رسول اللہ ﷺ کا نہیں تھا بلکہ ایک انصاری صحابی کا تھا تو آپ ﷺ نے دوسرے کے مکان کو اس کی اجازت کے بغیر کیسے استعمال فرمایا حالانکہ دوسرے کی چیز کو اس کی اجازت کے بغیر استعمال کرنا جائز نہیں۔

پھر اس کا جواب یہ دیا کہ عام حالات میں تو ایسا کرنا جائز نہیں لیکن رسول اللہ ﷺ کو یقین تھا اور یہ یقین بالکل صحیح تھا کہ اس انصاری کو اگر یہ معلوم ہوگا کہ میں نے

اپنے دو ہاتھ اس کی دیوار پر مارے ہیں تو وہ خوشی سے پھولا نہیں سمائے گا۔ اس لئے آپ ﷺ نے اجازت لینے کی ضرورت محسوس نہیں فرمائی کیونکہ اجازت یقینی طور پر موجود تھی۔

تو دیکھئے! فقہا کرام نے اس معمولی سے استعمال پر بھی سوال اٹھایا۔ کہاں یہ مسئلہ اور کہاں پوسٹر چپکا چپکا کر دیواروں کا ستیاناس کرنا اور چاکنگ کر کر کے ان کا حلیہ بگاڑنا اور پھر یہ ظلم اور بڑھتا جا رہا ہے وہ یہ کہ حکومت کی طرف سے سڑکوں کی نشاندہی کے لئے تختیاں لگائی جاتی ہیں کہ یہ فلاں روڈ ہے۔ فلاں شارع ہے۔ اس پر پوسٹر لگا دیئے جاتے ہیں جس سے تختی کی اصل عبارت غائب ہو جاتی ہے۔ حالانکہ تختی اس لئے لگائی گئی تھی کہ چلنے والوں کو راستہ معلوم ہو۔ آپ کو تو راستہ معلوم ہے لیکن جو اجنبی اس شہر میں آیا ہے اس کو تو ان تختیوں کی ضرورت ہے، اس کے بغیر وہ راستہ بھول جائے گا۔

غلط وقت پر فون کرنا:

ظلم کا ایک اور طریقہ بھی ہمارے معاشرے میں بہت پھیلا ہوا ہے۔ وہ یہ کہ جس کو جب چاہو، ٹیلی فون کر دو، یہ دیکھے بغیر کہ اس کے سونے کا وقت ہے یا کھانا کھانے کا وقت ہے یا آرام کا وقت ہے۔ مسئلہ ہے اس کے دفتر کا لیکن اس کے گھر پر فون کر دیا حالانکہ گھر پر وہ کام نہیں ہوتا، وہ دفتر کا کام ہے آپ اس کے گھر پر فون کر کے اس کے آرام میں خلل ڈال رہے ہیں۔ رات بارہ بجے کے بعد فون کر دیا جبکہ وہ سو رہا ہوگا۔

یہ سب باتیں ایسی ہیں کہ دین کی خبر نہ ہونے سے اس طرح کی لوگوں کو تکلیفیں پہنچتی ہیں۔ یہ مسلمانوں کی باتیں تھیں۔ مسلمان اس بات کی رعایت رکھا کرتے تھے کہ ان سے کسی کو تکلیف نہ پہنچے لیکن اب مسلمانوں نے تو یہ باتیں چھوڑ دیں، دوسری قوموں نے یہ باتیں حاصل کر لیں۔

وہاں امریکہ میں ہم نے دیکھا کہ کوئی آدمی کسی کے چھٹی کے دن (ویک

اینڈ Week End) میں کسی کام سے متعلق فون نہیں کرتا۔ رشتہ دار آپس میں ملنے جلنے کے متعلق تو فون کریں گے لیکن دفتری کام سے متعلق بات نہیں کریں گے۔

مسلمان ہونے کے ناطے ان باتوں کی رعایت کرنا ہمارے لئے زیادہ ضروری تھا لیکن افسوس کہ ہم نے ان پر عمل کرنا چھوڑ دیا جس کی وجہ سے معاشرہ کے اندر طرح طرح کے ظلم وجود میں آ چکے ہیں۔ اور یہ حدیث بتلا رہی ہے کہ جو شخص کسی دوسرے پر ظلم کریگا، اگر اس نے دنیا میں اُس نے مظلوم سے معافی نہ مانگی یا اس کا حق ادا نہ کیا تو قیامت کے روز اس کا بدلہ چکانا ہوگا اور آخرت میں آدمی کے پاس روپیہ پیسہ تو ہوگا نہیں، وہاں بدلے کا طریقہ یہ ہوگا کہ اگر اس کے پاس کچھ نیک عمل ہوں گے تو اس کے ظلم کے برابر اس سے نیک عمل لے لئے جائیں گے اور اس شخص کو دے دیئے جائیں گے جس کا حق اس نے مارا تھا۔ اور اگر اس کے پاس نیکیاں نہیں ہوں گی یا نیکیاں تھیں مگر حق ادا کرتے کرتے ختم ہوگئیں تو پھر جس کا حق اس پر واجب تھا، اس کے گناہ اس پر ڈال دیئے جائیں گے، لے کر آیا تھا نیکیاں اور اب رہ گئے گناہ۔

بڑے غور کرنے کا کام ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ہر طرح کے ظلم کرنے سے محفوظ رکھے۔ (آمین)

وآخر دعوانا أنِ الحمدللّٰہ رب العالمینo

مَاہ ذِی الحجّہ کے فضَائِل

موضوع: ماہ ذی الحجہ کے فضائل

خطاب: حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی مدظلہم

مقام: جامع مسجد، جامعہ دارالعلوم، کراچی

تاریخ: جمعہ ۳۰ ذیقعدہ ۱۴۲۴ھ

ترتیب و عنوانات: اعجاز احمد صمدانی

باہتمام: محمد ناظم اشرف

﴿ماہ ذی الحجہ کے فضائل﴾

خطبہ مسنونہ:

الحمد للّٰه نحمدهٗ و نستعينهٗ و نستغفرهٗ و نؤمِنُ به ونتوكل عليه ونعوذ باللّٰهِ مِن شرورِ أنفسنا ومِن سيئاتِ أعمالنا مَن يهدِهِ اللّٰه فلا مُضِلَّ لهٗ وَمَنْ يُضلِلهُ فلا هَادِىَ لهٗ ونشهد أن لآ اِلٰـه اِلَّا اللّٰـه وحدهٗ لاشريك لهٗ و نشهد أنّ سيدنا و سَنَدنا و مولانَا محمداً عبدهٗ ورسولهٗ صلى اللّٰه تعالٰى عليه وآلهٖ وصحبه اجمعين وسلم تسليمًا كثيراً كثيراً

امابعد!

فأعوذ باللّٰهِ من الشيطان الرجيم. بسمِ اللّٰه الرحمن الرحيم.

﴿إنا أَعْطَينك الكَوْثَرo فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرo إن شانِئَكَ هُوَ الأبْتَرo﴾ (سورۃ الکوثر)

ذوالحجہ کی سب سے پہلی فضیلت اس کے نام سے ظاہر ہے:

بزرگانِ محترم اور برادرانِ عزیز!

آج ذیقعدہ کی تیس تاریخ ہے۔ ذی الحجہ کا مہینہ کل سے شروع ہو رہا ہے۔ یہ بہت عظیم الشان مہینہ ہے۔ اس کی سب سے پہلی عظمت تو اس کے نام سے ظاہر ہو رہی ہے۔ اس کا نام ہے ''ذوالحجّة'' یعنی حج والا مہینہ۔ ''حجّة'' بھی عربی زبان میں حج کو کہتے ہیں اور ''ذو'' کے معنی ہیں ''والا'' تو ذوالحجہ کے معنی ہوئے ''حج والا''

یہ حج والا مہینہ ہے کیونکہ اسی مہینے میں اسلام کا عظیم الشان رکن ''حج'' ادا کیا جاتا ہے۔ اور یہ رکن ایسا ہے کہ سال کے کسی اور مہینے میں ادا نہیں ہوسکتا۔ نماز تو ہم ہر روز پڑھتے ہیں، فرض روزے اگرچہ رمضان کے مہینے میں رکھتے ہیں لیکن نفلی روزہ باقی دنوں میں بھی رکھ سکتے ہیں۔ عیدالفطر اور ایام تشریق کے علاوہ سال بھر میں جب بھی چاہیں روزہ رکھ سکتے ہیں۔ اسی طرح زکوٰۃ کہ جب آدمی کے مال پر سال گذر جائے تو زکوٰۃ واجب ہوتی ہے۔ لہٰذا سال گذرنے پر آدمی اپنے مال کی زکوٰۃ دیتا ہے لیکن اگر کسی وجہ سے سال پورا ہوتے ہی زکوٰۃ نہ دے سکے تو بعد میں جب دینا چاہے دے سکتا ہے۔ لیکن حج کا معاملہ یہ ہے کہ اس کا مہینہ بھی مقرر ہے اور دن بھی مقرر ہیں۔ ان دنوں کے علاوہ یہ رکن ادا ہی نہیں ہوسکتا۔ اگر کوئی شخص چاہے کہ میں رمضان یا شعبان میں نفلی حج کرلوں تو ایسا نہیں ہوسکتا۔ صرف انہی دنوں میں حج کا رکن ادا ہوسکتا ہے جو دن اس کیلئے متعین ہیں۔ اس لئے بھی ایام ذی الحجہ کی اہمیت اور بڑھ جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس مہینے کو یہ شرف بخشا ہے کہ حج جیسی عظیم عبادت صرف اس مہینے میں ادا ہوسکتی ہے کسی اور مہینے میں نہیں ہوسکتی حتیٰ کہ رمضان المبارک کے مہینے میں بھی نہیں ہوسکتی۔

عشرۂ ذی الحجہ کے فضائل:

پھر قرآن واحادیث کے اندر اس کی اور بھی بہت سی فضیلتیں بیان کی گئیں۔

قرآن مجید میں فرمایا گیا:

﴿والفجر oولیالٍ عشر o والشفع والوتر o والیل إذا یسر o﴾ (الفجر:۱-۴)

''قسم ہے فجر کی اور دس راتوں کی اور جفت اور طاق کی اور رات کی جب وہ چلنے لگے۔''

یہ ''دس راتیں'' کونسی ہیں؟ مفسرین کا کہنا ہے کہ اس سے ذوالحجہ کی پہلی دس راتیں مراد ہیں۔ اللہ رب العالمین نے اِن دس راتوں کی قسم کھائی ہے۔ اس سے بھی ذوالحجہ کی پہلی دس راتوں کی عظمت کا انداز ہوتا ہے۔

اور رسول اللہ ﷺ نے ابتدائی دس ایام کی عظیم الشان فضیلت بیان کی ہے۔ فرمایا کہ ذوالحجہ کے مہینے سے کوئی مہینہ عبادت کے لئے بہتر نہیں۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ رمضان بھی اس سے عبادت کے لحاظ سے بہتر نہیں۔ ہاں البتہ اگر اس کے برابر ہو تو اس کا انکار بھی نہیں۔ اس ارشاد سے معلوم ہوا کہ ان دنوں کی عظمت ایسی ہے جیسا کہ رمضان المبارک کے دنوں کی عظمت ہے۔

ذوالحجہ کے ابتدائی دس دنوں میں دسواں دن تو عید کا ہوتا ہے۔ جس میں روزہ رکھنا حرام ہے۔ باقی نو دنوں کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ان میں ایک دن کے روزے کا ثواب ایک سال کے روزوں کے برابر ہے۔ ایک رات کی عبادت کا ثواب شبِ قدر کے برابر ہے۔[1]

تو یہ شب وروز جو آرہے ہیں، معمولی نہیں ہیں۔ آج مغرب کے وقت سے ذوالحجہ کا مہینہ شروع ہو جائے گا۔ اسلامی کیلنڈر، اسلامی تقویم، اسلامی تاریخ اور اسلامی دن مغرب کے وقت سے ہوتا ہے۔ لہٰذا غروب آفتاب سے ہی ذوالحجہ کا مہینہ شروع ہو جائے گا تو جورات آنے والی ہے، اس کا ثواب شبِ قدر کے برابر ہے اور آنے والے

دنوں میں سے ہر دن کا روزہ ایک سال کے روزوں کے برابر ہے۔

ان دنوں میں نفلی روزوں کی بجائے قضا روزے رکھنا بہتر ہے:

الحمدللہ، ان دنوں میں بہت سے مسلمان روزے رکھتے ہیں اور اکثر روزہ رکھنے والے وہ ہوتے ہیں جن کے فرض روزے ادا ہو چکے ہوتے ہیں اور وہ ان دنوں میں نفلی روزے رکھتے ہیں لیکن ہمارا مشورہ یہ ہے کہ اگر کسی کے ذمہ قضا روزے ہوں تو ان دنوں میں ان کی قضاء کریں۔ عام طور پر عورتوں کے شرعی عذر کی وجہ سے ہر رمضان میں ان کے روزے قضا ہو جاتے ہیں، ان کیلئے بھی قضا روزے رکھنے کا بہترین موقع ہے۔ ان دنوں میں قضاء روزے رکھنے کے دو فائدے ہیں۔ ایک یہ کہ رمضان المبارک کے روزوں کی قضا ہو جائے گی، دوسرے ان دنوں کی برکت بھی حاصل ہو جائے گی۔

اگر کوئی شخص پوری عبادت نہ کر سکتا ہو تو..........:

جہاں تک رات کو جاگ کر عبادت کرنے کا معاملہ ہے تو افضل تو یہ ہے کہ پوری رات جاگ کر عبادت کی جائے لیکن یہ بہت بڑی ہمت کا کام ہے۔ اس کی ہمت ہر ایک کو نہیں ہوتی کیونکہ دوسرے کام مثلاً ملازمت، تجارت و دیگر مشاغل میں وقت صرف ہوتا ہے۔ یہ رات مغرب کے وقت سے شروع ہو جاتی ہے۔ لہٰذا اگر کوئی شخص پوری رات نہیں جاگ سکتا تو مغرب سے عشاء تک اور عشاء کے بعد جتنا وقت مل جائے، اس میں جتنی عبادت ہو سکتی ہے کرے، پھر آخر شب میں اٹھ جائے اس میں جتنی عبادت کر سکے، کرے۔

اللہ رب العالمین نے اس دین کو اتنا آسان کیا کہ کم ہمت اور کمزور لوگوں کی قدم قدم پر رعایتیں رکھی گئیں۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ ''اگر کوئی شخص عشاء کی نماز

بھی جماعت سے پڑھے اور پھر فجر کی نماز بھی جماعت کے ساتھ پڑھے تو اس کو پوری رات کی عبادت کا ثواب مل جاتا ہے۔"[1] اگر کوئی عشاء اور فجر بھی جماعت سے پڑھے اور مزید عبادت بھی کرے تو ظاہر ہے کہ اس کا ثواب اور بڑھ جائے گا، جتنا گڑ ڈالے گا، اتنا میٹھا ہوجائے گا لیکن اگر کوئی کم ہمت ہے تو وہ صرف عشاء اور فجر کی نماز جماعت سے پڑھ لے تو اس کے لئے بھی محرومی نہیں رکھی گئی بلکہ اُسے بھی پوری رات کی عبادت کرنے کا ثواب عطا کیا گیا۔

ان راتوں میں گناہوں کا وبال بھی زیادہ ہے:

یہاں یہ بات بھی یاد رہے کہ ان راتوں میں اگر عبادت کا ثواب زیادہ ہے تو گناہوں کا وبال بھی زیادہ ہے، کیونکہ یہ ضابطہ ہے کہ جس جگہ پر اور جس وقت میں عبادت کا ثواب زیادہ ہوتا ہے۔ اس جگہ پر اور اس وقت میں اگر گناہ کیا جائے تو اس کا وبال بھی زیادہ ہوتا ہے۔ ایک شخص اگر مسجد سے باہر جھوٹ بولتا ہے یا غیبت کرتا ہے تو بلاشبہ یہ گناہ کبیرہ اور سنگین جرم ہے لیکن یہی کام اگر وہ مسجد میں کرے گا تو جرم اور بڑھ جائے گا اور مسجد حرام میں گناہ کریگا تو اور سنگین ہوجائے گا۔ اسی طرح اگر کوئی شخص عام دنوں میں گناہ کرتا ہے تو وہ بھی گناہ ہے لیکن اگر ان راتوں میں گناہ کرے گا تو بہت سنگین ہوگا۔

دو کام ضرور کریں:

لہٰذا ان راتوں میں اگر کسی شخص کو بہت زیادہ عبادت کرنے کی توفیق نہیں ہورہی یا ہمت و طاقت نہیں یا مصروفیت ہے تو وہ دو کام ضرور کرے۔

۱۔ عشاء اور فجر کی نماز جماعت سے پڑھ لے۔

۲۔ اپنے آپ کو گناہوں سے بچائے، آنکھوں کو آنکھ کے گناہ سے بچائے۔ کانوں کو کان کے گناہوں سے بچائے، زبان کو زبان کے گناہوں سے بچائے، ہاتھوں کو ہاتھ کے گناہوں سے بچائے، پاؤں کو پاؤں کے گناہوں سے بچائے اور دل کو دل کے گناہوں سے بچائے، اپنے اوپر کڑی نظر رکھے کہ کہیں اس سے کوئی گناہ ہونے نہ پائے۔

اللہ رب العزت کے فضل وکرم سے امید ہے کہ اگر کوئی شخص ان دس دنوں اور راتوں میں ان دو کاموں کا اہتمام کرے گا تو وہ عظیم الشان کمائی کرے گا۔ پوری دس راتوں کی عبادت کا ثواب ملے گا اور اگر پوری رات عبادت کرے گا تو ہر رات میں شب قدر کا ثواب ملے گا اور اگر ان دنوں میں روزے بھی رکھ لے تو ایک روزے کے بدلے پورے ایک سال کے روزوں کا ثواب ملے گا۔

یوم عرفہ کی خاص فضیلت:

پھر اِن دنوں میں عرفہ کے دن[1] کی فضیلت اور زیادہ ہے۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ عرفہ کا روزہ پچھلے ایک سال کے گناہوں کا بھی کفارہ بن جاتا ہے اور اگلے ایک سال کے گناہوں کا بھی کفارہ بن جاتا ہے۔ انویں اور دسویں ذی الحجہ کی درمیانی رات جس کے بعد عیدالاضحیٰ کا دن آتا ہے۔ احادیث کے اندر اس کی بھی عظیم الشان فضیلت بیان ہوئی ہے۔

ذکر اللہ اور صدقات کا بھی اہتمام کیا جائے:

تو اِن دنوں اور راتوں کو بڑی اہمیت اور قدر کے ساتھ گذارنا چاہیے۔ نماز،

---

[1] نویں ذی الحجہ کے دن کو عرفہ کا دن کہا جاتا ہے۔ م

روزہ کے علاوہ صدقہ وخیرات کی کوشش کرنی چاہیے، اور ان کے علاوہ ذکر اللہ کا بھی خوب اہتمام کرنا چاہیے۔ چلتے پھرتے بھی اللہ کا ذکر ہوسکتا ہے۔ بس میں جارہے ہیں، گاڑی میں سفر کررہے ہیں، سائیکل یا موٹر سائیکل پر سوار ہیں تو اس وقت ذکر کیا جاسکتا ہے۔ مثلاً لاالٰہ اِلّا اللّٰہ، لاالٰہ اِلّا اللّٰہ کہتے رہیں، درود شریف پڑھتے رہیں یا استغفر اللہ، استغفر اللہ کہہ سکتے ہیں۔

ایک مومن کو اپنا وقت بیکار نہیں جانے دینا چاہیے۔ آپ پڑھنے جارہے ہیں یا پڑھانے جارہے ہیں، ملازمت پر جارہے ہیں یا دکان پر جارہے ہیں، کسی بھی کام سے جارہے ہیں، چلتے چلتے اگر لاالٰہ اِلاّ اللّٰہ کہتے ہیں تو اس میں آپ کی نہ کوئی محنت خرچ ہوگی، نہ پیسہ خرچ ہوگا اور نہ کوئی وقت خرچ ہوگا لیکن آپ عظیم الشان کمائی کرلیں گے، اللہ کے ہاں ذکر کی بہت بڑی قدر وقیمت ہے۔ اس کے بہت زیادہ فضائل قرآن وحدیث میں وارد ہوئے ہیں۔ چلتے، پھرتے، اٹھتے، بیٹھتے اگر اور کچھ یاد نہیں آتا تو ''اللہ اللہ'' کہتے رہیں۔

یہ تو خیر ذوالحجہ کی راتوں کا بیان ہے، ویسے بھی اگر آدمی قدر پہچانیں تو ہر رات شب قدر ہے۔ جو آدمی اللہ کے ذکر اور اس کی یاد میں رہتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے قریب ہوتا رہتا ہے۔ پھر اس کی برکت سے یہ ہوتا ہے کہ عبادتوں میں مزہ آنے لگتا ہے، گناہوں سے نفرت ہونے لگتی ہے۔

گناہ مزے کی چیز نہیں:

اصل بات یہ ہے کہ گناہ کوئی مزے کی چیز نہیں۔ اگر آدمی کو یہ ڈر لگا ہو کہ میں جو گناہ کررہا ہوں، اس کو اللہ تعالیٰ دیکھ رہا ہے اس پر مجھے عذاب ہوگا تو اُسے گناہ کرتے ہوئے مزہ آسکتا ہے؟ اگر آپ پولیس کی تحویل میں ہیں اور آپ کے سامنے کھانا رکھا ہوا

ہے لیکن پولیس والے نے ہاتھ میں ڈنڈا اٹھا رکھا ہے اور وہ کہتا ہے کہ اگر تم نے یہ کھانا کھایا تو تمہاری پٹائی ہوگی تو بتایئے کہ اس کھانے میں مزہ آئے گا۔ گناہوں کا یہی معاملہ ہے کہ اگر گناہ کرے گا تو آخرت کی پٹائی کا سامنا کرنا ہوگا۔

اور پھر اللہ رب العزت کا خاص احسان یہ ہے کہ اس نے ہمارے لئے حلال راستے بے شمار کھول رکھے ہیں۔ ہر لذت اور ہر راحت و آرام کے لئے حلال راستے کھلے ہوئے ہیں۔ اب شرافت کا تقاضا یہ ہے کہ انہی حلال راستوں کو اختیار کیا جائے اور حرام کاموں سے بچا جائے اور نہ بچے تو پھر عذاب کیلئے تیار رہیں اور جس گناہ کے پیچھے عذاب ہو، اس میں لذت کہاں ہوگی۔

تو گناہ لذت کی چیز نہیں ہے، لذت کی چیز تو عبادت ہے۔ جب آدمی کے دل میں اللہ رب العزت کی عظمت سما جاتی ہے تو اُسے اللہ کے ذکر میں اتنا مزہ آتا ہے کہ کسی اور چیز میں اتنا مزہ نہیں آتا۔ اور گناہوں سے وحشت ہونے لگتی ہے۔ یہ تصور ذہن میں آتا ہے کہ یہ میرے محسن اور پروردگار کی نافرمانی ہے۔ وہ میرا اتنا محسن ہے، میں اس کی نافرنی کیسے کروں۔ یہ بڑی رذالت اور کمینگی ہے اور نافرمانی بھی انہی چیزوں کے ذریعے سے کروں جو اس کی دی ہوئی ہیں، کیسی بڑی رذالت کی بات ہے۔

گناہ میں مزہ آنے کی مثال:

گناہ میں مزہ دل کی خرابی کی وجہ سے آتا ہے۔ جب دل بگڑ جاتا ہے تو اللہ سے بے خوفی، اللہ کی عظمت کی کمی، اللہ سے محبت کی کمی ہو جاتی ہے، یوم آخرت سے غفلت ہو جاتی ہے تو پھر عبادت مشکل نظر آتی ہے، گناہ آسان نظر آتے ہیں اور گناہوں میں مزہ آنے لگتا ہے۔ خوب سمجھ لیجئے کہ گناہوں میں مزہ آنا ایسا ہی ہے جیسے کسی خارش کے بیمار کو کھجانے میں مزہ آتا ہے۔ خارش کے مریض کو کسی چیز میں اتنا مزہ نہیں آتا

جتنا کھجانے میں آتا ہے، مثل مشہور ہے کہ

''جومزا ہے کھاج میں، نہیں ہے وہ راج میں''

''کھاج'' کہتے ہیں ''کھجانے'' کو۔ مطلب یہ ہے کہ کھجانے میں جو مزہ ہے، بادشاہت میں بھی وہ مزہ نہیں۔ لیکن کھجانے سے جو مزہ آرہا ہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ کھجانا واقعی مزے کی چیز ہے بلکہ یہ اس وجہ سے آرہا ہے کہ جسم کا خون خراب ہوگیا ہے۔ خون کی خرابی کی وجہ سے اُس چیز میں مزہ آنے لگا تو درحقیت مزے کی چیز نہیں تھی بلکہ تکلیف کی چیز تھی۔ آدمی کھجاتے کھجاتے اپنے آپ کو زخمی کرلیتا ہے، سوتے سوتے نیند اڑ جاتی ہے لیکن پھر بھی وہ کھجا رہا ہوتا ہے۔ یہ سب کچھ اس وجہ سے کہ خون خراب ہوگیا۔ بالکل یہی بات گناہوں کی ہے۔

اور یہ انسان کے لئے بڑی بدبختی کی بات ہے کہ اُسے گناہوں میں مزہ آنے لگے اور ان کی طرف اس کی رغبت بڑھتی چلی جائے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس سے محفوظ رکھے۔

ذوالحجہ کی ایک اور خاص فضیلت:

ایک عظیم الشان عبادت اور بھی اس ماہ ذی الحجہ کے اندر پائی جاتی ہے۔ جسے قربانی کی عبادت کہتے ہیں۔ اس عبادت کی بھی خاصیت یہ ہے کہ انہی مخصوص دنوں میں عبادت ہے، باقی دنوں میں عبادت نہیں۔ بقرعید کے دن (دس ذی الحجہ) گیارہ اور بارہ ذوالحجہ تین دن عبادت کے ہیں۔ ان سے ایک دن پہلے تک اور بارہ ذی الحجہ کے بعد پورے سال میں جانور قربان کرنا عبادت نہیں۔ عقیقہ کے موقع پر جانور ذبح کرنا عبادت نہیں ہے برکت کی چیز ہے، کرلیں تو بہتر ہے لیکن حنفیہ کے نزدیک یہ عبادت نہیں۔ عبادت صرف انہی تین دنوں میں ہوتی ہے۔ واجب قربانی ہو یا نفلی صرف انہی تین دنوں

میں ہوسکتی ہے۔ باقی دنوں میں آپ جانور ذبح کر کے کھا سکتے ہیں لیکن وہ قربانی اور عبادت نہیں بنے گی۔

قربانی کا حکم کسی اور طریقے سے پورا نہیں ہوتا:

اور جس شخص پر قربانی واجب ہو، اس کا یہ واجب قربانی کرنے کے علاوہ کسی اور طریقے سے ادا نہیں ہوسکتا۔ اگر کوئی یہ کہے کہ میں قربانی تو نہیں کرتا لیکن جتنے میں جانور خریدنا تھا، اتنے پیسوں کا صدقہ کر دیتا ہوں تو اس سے اس کا واجب ادا نہیں ہوگا، عمر بھر اس کا گناہ رہے گا۔ جس طرح نماز پڑھنے سے روزہ ادا نہیں ہوتا اور روزے کے عوض میں نماز نہیں پڑھی جاسکتی۔ اسی طرح قربانی کے عوض میں صدقہ نہیں ہوسکتا۔

قربانی کس پر واجب ہے؟

قربانی کس پر واجب ہوتی ہے؟ اس کے بارے چند بنیادی مسائل سمجھ لیجئے۔

۱۔ نابالغ پر قربانی واجب نہیں۔

۲۔ مجنون یعنی وہ شخص جو دماغ سے معذور ہے، اس پر بھی قربانی واجب نہیں، چاہے کروڑ پتی انسان ہو۔

۳۔ مسافر پر بھی قربانی نہیں۔ یعنی اگر کوئی شخص شرعی قاعدے کے مطابق مسافر ہے تو اس پر قربانی واجب نہیں خواہ وہ کتنا ہی مالدار ہو۔ مثلاً کوئی شخص لاہور سے کراچی آیا ہوا ہے اور اس کا ارادہ کراچی میں پندرہ دن قیام کرنے کا نہیں ہے تو وہ مسافر ہے، اس پر قربانی واجب نہیں۔

قربانی ایسے عاقل، بالغ اور مقیم مسلمان پر واجب ہے، جس کے پاس اتنا مال ہو کہ اس سے وہ صاحبِ نصاب کہلائے تو اس پر قربانی واجب ہوگی خواہ وہ مرد ہو یا

عورت۔ دو میاں بیوی ہیں، دونوں کی ملکیت میں اگر اتنا اتنا مال ہے جو نصاب کے برابر بنتا ہے تو میاں پر بھی قربانی واجب ہے، بیوی پر بھی قربانی واجب ہے۔ اگر کسی گھر میں میاں بیوی بھی رہتے ہیں اور ان کی بالغ اولاد بھی ہے اور بالغ اولاد کے پاس بھی نصاب کے بقدر مال ہے تو ان پر بھی قربانی واجب ہوگی۔ بیٹے ہوں تو ان پر قربانی واجب ہوگی اور بیٹیاں ہونگی تو ان پر بھی واجب ہوگی۔ خلاصہ یہ ہے کہ ہر ایک کا حکم الگ الگ ہے۔ لہٰذا اگر سب میں قربانی واجب ہونے کی شرطیں پائی جارہی ہیں تو سب پر قربانی واجب ہے، ورنہ جتنوں کے اندر شرائط پائی جارہی ہیں، ان پر قربانی واجب ہوگی، باقی پر نہیں۔

قربانی کا نصاب:

نصاب کیا ہے؟ قربانی کا نصاب ساڑھے باون تولے چاندی ہے۔ اگر کسی کے پاس اتنی مقدار چاندی ہو یا اتنی چاندی کی قیمت کے بقدر نقد رقم ہو یا اتنی قیمت کا سامان تجارت ہو یا اتنی قیمت کا سونا ہو یا اتنی قیمت کا گھر میں ایسا زائد سامان ہو جو استعمال میں نہیں آتا تو اس پر قربانی واجب ہے۔ ساڑھے باون تولے چاندی کی قیمت آج کل تقریباً چھ ہزار روپے ہیں۔

خلاصہ یہ کہ جس کی ملکیت میں تقریباً چھ ہزار روپے یا اس قیمت کا سامان مذکورہ بالا تفصیل کے مطابق ہے اور وہ بالغ مجنون اور مسافر بھی نہیں تو اس پر قربانی واجب ہے چاہے وہ مرد ہو یا عورت، بیٹا ہو یا بیٹی۔

بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ اگر گھر میں صرف ایک آدمی نے قربانی کرلی تو سب کی طرف سے ہوگئی۔ ایسا نہیں ہے بلکہ ہر ایک پر علیحدہ علیحدہ قربانی واجب ہوگی۔ اگر کسی نے قربانی واجب ہونے کے باوجود قربانی نہ کی تو وہ گنہگار ہوگا۔ اب اس کی تلافی کی صورت یہ ہے کہ قربانی کی قیمت کے بقدر رقم فقراء اور مساکین پر صدقہ کردے اور اپنی

اس کوتاہی پر توبہ واستغفار بھی کرے۔

قربانی کے جانور کی شرائط:

بکرا، دنبہ اور بھیڑ ایک ہی شخص کی طرف سے قربانی کیا جا سکتا ہے جبکہ گائے، بھینس، بیل اور اونٹ سات آدمیوں کی طرف سے کافی ہیں بشرطیکہ سب کی نیت ثواب کی ہو۔ اگر کوئی شریک اس نیت سے شامل ہوا کہ چلو گوشت مل جائے گا، مزے سے کھائیں گے، اس کی قربانی کی نیت نہیں تھی تو پھر کسی کی بھی قربانی نہیں ہوگی۔

بکرا اور بکری ایک سال کا پورا ہونا ضروری ہے، بھیڑ اور دنبہ اگر اتنا موٹا تازہ ہو کہ دیکھنے میں سال بھر کا معلوم ہوتا ہو تو وہ بھی جائز ہے۔ بیل، گائے اور بھینس دو سال کی جبکہ اونٹ پانچ سال کا ہونا ضروری ہے۔ جس شخص سے آپ جانور خرید رہے ہیں اگر وہ اس کی پوری عمر بتاتا ہے اور ظاہری حالات سے بھی اس کی تکذیب نہیں ہوتی تو اس پر اعتماد کرنا جائز ہے۔

جس جانور کے پیدائشی طور پر سینگ نہ ہوں یا بیچ میں سے ٹوٹ گیا ہو اس کی قربانی درست ہے لیکن اگر سینگ جڑ سے اکھڑ گیا جس کی وجہ سے دماغ پر لازمی اثر پڑتا ہے تو پھر اس کی قربانی جائز نہیں۔ اندھے، کانے اور لنگڑے جانور کی قربانی جائز نہیں۔ اسی طرح ایسا مریض اور لاغر جانور جو قربانی کی جگہ تک اپنے پیروں سے نہ جا سکے، اس کی قربانی بھی جائز نہیں، جس جانور کی تہائی سے زیادہ دم کٹی ہوئی ہو اس کی قربانی بھی جائز نہیں، جس جانور کے دانت بالکل نہ ہوں یا اکثر نہ ہوں اس کی قربانی جائز نہیں، اسی طرح جس جانور کے کان پیدائشی طور پر نہ ہوں اس کی قربانی بھی درست نہیں۔

اگر ایک شخص نے صحیح سالم جانور خریدا لیکن قربان کرنے سے پہلے اس کے اندر کوئی ایسا عیب پیدا ہو گیا جسکے پائے جانے کی صورت میں قربانی جائز نہیں ہوتی تو اب

دیکھا جائے گا کہ اگر اس جانور کو خریدنے والا شخص ایسا ہے کہ اس پر شرعاً قربانی واجب ہے تو اس پر لازم ہوگا کہ اس کے بدلے دوسرے صحیح سالم جانور کی قربانی کرے اور اگر اس جانور کا مالک غریب آدمی تھا اور اس پر قربانی واجب نہ تھی لیکن اس نے اپنے شوق سے قربانی کے لئے جانور خریدا تھا تو اس کے لئے اسی عیب دار جانور کی قربانی جائز ہے۔

قربانی کے جانور کو خود اپنے ہاتھ سے ذبح کرنا افضل ہے لیکن اگر خود ذبح کرنا نہیں جانتا تو دوسروں سے ذبح کرا سکتا ہے مگر ذبح کے وقت خود وہاں حاضر رہنا افضل ہے۔

قربانی کی نیت و دعا:

قربانی کی نیت صرف دل سے کرنا کافی ہے، زبان سے کہنے کی ضرورت نہیں البتہ ذبح کرتے وقت بسم اللہ، اللہ اکبر کہنا ضروری ہے۔ سنت یہ ہے کہ جب جانور کو ذبح کرنے کیلئے قبلہ رو کر کے لٹائے تو یہ دُعا پڑھے۔

﴿إِنِّي وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِي فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ حَنِيفًا وَمَا أَنَا مِنَ الْمُشْرِكِينَ ○﴾ (سورۃ الانعام:۷۹)

''میں نے سب سے یکسو ہو کر اپنے آپ کو اس ذات کی طرف متوجہ کیا جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے اور میں مشرکوں میں سے نہیں ہوں۔''

﴿إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ○﴾ (سورۃ الانعام:۱۶۲)

''بلاشبہ میری نماز، میری عبادت، میرا جینا اور میرا مرنا سب اللہ رب العالمین کیلئے ہے۔''

اور ذبح کرنے کے بعد یہ دعا پڑھے:

﴿اللّٰهُمَّ تَقَبَّلْهُ مِنِّیْ كَمَا تَقَبَّلْتَ مِنْ حَبِيْبِكَ مُحَمَّدٍ وَخَلِيْلِكَ إِبْرَاهِيْمَ عَلَيْهِمَا السَّلَام o﴾

''اے اللہ! آپ یہ قربانی میری طرف سے قبول فرمالیجئے جس طرح آپ نے اپنے محبوب محمد ﷺ اور اپنے خلیل ابراہیم (علیہ السلام) کی طرف سے قبول کی۔''

گوشت کا حکم:

جس جانور میں کئی حصہ دار ہوں تو وہاں گوشت وزن کر کے تقسیم کیا جائے، محض اندازے سے تقسیم کرنا جائز نہیں۔ افضل یہ ہے کہ قربانی کا گوشت تین حصے کر کے ایک حصہ اپنے اہل وعیال کیلئے رکھے، ایک حصہ اعزہ واحباب میں تقسیم کرے اور تیسرا حصہ فقراء ومساکین میں تقسیم کرے، البتہ جس شخص کے اہل وعیال زیادہ ہوں وہ سارا گوشت بھی رکھ سکتا ہے لیکن قربانی کا گوشت بیچنا جائز نہیں۔

قربانی کی کھال کے احکام:

قربانی کی کھال کا حکم یہ ہے کہ اسے اپنے استعمال میں لانا مثلاً مصلی بنالینا یا کوئی ڈول وغیرہ بنوالینا جائز ہے لیکن اگر فروخت کردی تو پھر اس کی قیمت اپنے خرچ میں لانا جائز نہیں بلکہ اس کا صدقہ کرنا واجب ہے۔ اور اس صدقے کا مصرف وہی ہے جو زکوۃ کا ہے۔

قربانی کی کھال کسی خدمت کے معاوضہ میں دینا جائز نہیں۔ لہٰذا مسجد کے مؤذن یا امام وغیرہ کے حق الخدمت کے طور پر ان کو کھال دینا جائز نہیں۔ اسی طرح جانور

ذبح کرنے والے کی اجرت میں بھی کھال دینا جائز نہیں۔

عصرِ حاضر میں مدارس اسلامیہ کے غریب ونادار طلبہ اِن کھالوں کا بہترین مصرف ہیں کیونکہ اس میں صدقے کا ثواب بھی ملتا ہے اور دین کی اشاعت کا ثواب بھی۔

اللہ تعالیٰ ہمیں عشرہ ذی الحجہ کی برکتوں سے مالا مال ہونے کی توفیق نصیب فرمائے اور قربانی کا فریضہ سرانجام دینے کی توفیق نصیب فرمائے۔ (آمین)

وآخر دعوانا أنِ الحمدللّٰہ رب العالمینo

عُہدے کا ہدِیہ

موضوع: عہدے کا ہدیہ

خطاب: حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی مدظلہم

مقام: جامع مسجد، جامعہ دارالعلوم کراچی

تاریخ: ۳ مارچ ۱۴۲۵ء

ترتیب وعنوانات: اعجاز احمد صمدانی

باہتمام: محمد ناظم اشرف

عہدے کا ہدیہ

خطبہ مسنونہ:

الحمد للّٰه نحمدهٗ و نستعينهٗ و نستغفرهٗ و نؤمِنُ بهٖ ونتوكل عليه ونعوذ باللّٰهِ مِن شرورِ أنفسنا ومِن سيئاتِ أعمالنا مَن يهدِهِ اللّٰه فلا مُضِلَّ لهٗ وَمَنْ يُضللهُ فلا هَادِيَ لهٗ ونشهد أن لآ اِلٰـه اِلَّا اللّٰـه وحدهٗ لاشريک لهٗ و نشهد أنّ سيدنا و سَندنا و مولانَا محمداً عبدهٗ ورسولهٗ. صلى اللّٰه تعالٰى عليه وعلٰى آلهٖ وصحبهٖ اجمعين وسلم تسليماً كثيراً.

امابعد!

عن ابى حميد عبدالرحمن ابن ساعد الساعدى رضى اللّٰه تعالٰى عنه استعمل النبى صلى الله عليه وسلم رجلاً من الأزد على الزكوة يقال لهٗ ابن اللتبيه فلما قدم قال هذا لكم وهذا اُهدى لى فقام

رسول الله صلى الله عليه وسلم على المنبر فحمد الله واثنا عليه ثم قال: امّا بعد فانى استعمل الرجل منكم على العمل مماولاّنى الله ، فياتى ويقول: هذا لكم وهذه هدية أهديت الى أفلا حبس فى بيت أبيه أو أمه حتى تاتيه هديته إن كان صادقاً.o

(متفق علیہ بحوالہ ریاض الصالحین ص۱۲۶)

ترجمہ حدیث:

ابوحمید عبدالرحمٰن بن ساعد الساعدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نقل کرتے ہیں کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے قبیلہ ازد کے ایک آدمی کو صدقہ کی وصولیابی کیلئے عامل مقرر فرمایا۔ اس کا نام ابن اللتبیہ تھا۔ جب وہ واپس آئے تو کچھ مال کے بارے میں فرمایا کہ یہ تمہارا (یعنی مسلمانوں کا) ہے اور کچھ مال کے بارے میں کہا کہ یہ مجھے تحفے میں ملا ہے تو آپ ﷺ منبر پر کھڑے ہوگئے اور حمد وثنا کے بعد فرمایا: امابعد: میں تم میں سے کسی شخص کو اہلکار مقرر کرتا ہوں کسی کام کیلئے ان کاموں میں سے جن کی ولایت اللہ نے مجھے دی ہے۔ پھر وہ آتا ہے تو کہتا ہے کہ یہ تمہارا ہے اور یہ مجھے ہدیہ میں دیا گیا۔ تو پھر وہ اپنے باپ یا ماں کے گھر میں کیوں نہیں بیٹھ جاتا تاکہ اگر وہ سچا ہے تو اُسے وہیں پر یہ تحفہ مل جاتا۔

مضمونِ حدیث:

بزرگانِ محترم اور برادرانِ عزیز!

جو حدیث میں نے آپ حضرات کے سامنے تلاوت کی ہے۔ یہ ہماری زندگی

کے متعلق بہت اہم ہدایات پر مشتمل ہے۔ اس حدیث کو نقل کرنے والے صحابی ابوحمید عبدالرحمٰن بن ساعد الساعدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔

جنابِ رسول اللہ ﷺ کے دور میں زکوٰۃ حکومت کے زیر انتظام وصول کی جاتی تھی۔ بعد میں بھی کافی عرصہ تک اسلامی حکومتیں زکوٰۃ وصول کرتی رہیں۔ رسول اللہ ﷺ اپنی حیاتِ طیبہ میں سربراہ حکومت بھی تھے۔ چنانچہ آپ مختلف صحابہ کو مختلف قبائل کی طرف زکوٰۃ وصول کرنے کیلئے عامل بنا کر بھیجا کرتے تھے اور پھر وہ زکوٰۃ شرعی قانون اور ضابطے کے مطابق شرعی مصارف پر خرچ کی جاتی تھی۔ چنانچہ آپ ﷺ نے ایک مرتبہ ابن اللتبیہؓ کو زکوٰۃ کی وصولیابی کے لئے افسر مقرر کر کے بھیجا۔ جب وہ واپس آئے تو کچھ مال کے بارے میں فرمایا کہ یہ مسلمانوں کا مال ہے یعنی یہ حکومت اسلامی کے زیر انتظام آئے گا اور شرعی مصارف پر خرچ ہوگا اور کچھ مال کے بارے میں کہا کہ یہ مجھے تحفے میں ملا ہے۔

رسول اللہ ﷺ کو ان کی یہ بات ناگوار گذری۔ آپ منبر پر تشریف لائے اور حمد وثنا کے بعد فرمایا کہ میں تم میں سے کسی شخص کو زکوٰۃ کی وصولیابی کے لئے عامل مقرر کرتا ہوں لیکن جب وہ واپس آتا ہے تو کہتا ہے کہ فلاں مال مسلمانوں کے لئے ہے اور فلاں مجھے تحفہ میں دیا گیا۔ اگر وہ اپنی بات میں سچا ہے تو پھر وہ اپنے باپ یا اپنی ماں کے گھر جا کر کیوں نہیں بیٹھ جاتا۔

یعنی اگر وہ اپنی اس بات میں سچا ہے تو پھر افسر بننے کے بجائے اپنے گھر میں بیٹھا رہتا۔ اگر اس قبیلے کے لوگ اس کی ذات سے محبت کرنے والے ہوتے تو اُسے اُسکے گھر آ کر تحفہ دے جاتے اور اس صورت میں جو کوئی تحفہ لا کر دے گا تو اس کے بارے میں یہی کہا جائے گا کہ یہ اُس کو تحفہ میں ملا ہے۔ لیکن اب جو افسر بن کر گئے اور وہاں سے تحفے ملے تو اس کے لئے انکا لینا کسی طرح جائز نہیں۔

اس کے بعد آپ نے فرمایا:

﴿واللّٰہِ لایأخذاحدٌ منکم شیئاً بغیر حقّہٖ اِلا لقی اللّٰہ تعالٰی یحملہ یوم القیمۃ ٥﴾

''بخدا تم میں سے کوئی آدمی کوئی چیز بغیر حق کے نہیں لے گا مگر یہ کہ وہ آخرت میں اللہ تعالیٰ سے اس حال میں ملے گا کہ اُس چیز کو اس نے اپنے اوپر اٹھا رکھا ہوگا۔''

یعنی جس چیز کو بھی وہ بغیر حق کے کسی سے لے گا، وہ چیز اس پر قیامت کے دن لدی ہوگی۔ اس بات کی مزید تفصیل ارشاد فرماتے ہوئے کہا:

﴿فلاأعرفنّ أحَدَکُم لَقِی اللّٰہَ یَحمل بعیراً لہٗ رُغاء أوبقرۃلہٗ خوارٌ أوشاۃ تیعر﴾

''ایسا نہ ہو کہ آخرت میں تم میں سے کسی کو پہچانو کہ وہ اللہ تعالیٰ سے اس حالت میں ملے کہ اس نے اپنے اوپر اونٹ کو اٹھا رکھا ہو اور اونٹ اپنی آوازیں نکال رہا ہو یا گائے کو اپنے اوپر اٹھا رکھا ہوگا اور وہ بھی آواز نکال رہی ہو یا بکری کو اٹھا رکھا ہو اور وہ مَیں مَیں کر رہی ہو۔''

دنیا میں جو مال ناجائز طریقے سے آئے گا، آخرت میں سر پر لدا ہوگا:

اس زمانے میں جب عاملین زکوٰۃ وصول کرنے جایا کرتے تو جانوروں کی زکوٰۃ جانوروں کی شکل میں ملتی تھی۔ یہ اصول مقرر تھا کہ مثلاً اتنے اونٹوں پر اتنی عمر کا ایک اونٹ لیا جائے گا اور بکریاں اتنی تعداد میں ہوں گی تو اس میں اتنی بکریاں زکوٰۃ کے طور پر لی جائیں گی۔

عرب میں عام طور پر گلہ بانی کا رواج تھا۔ لوگوں کے پاس جانور بہت ہوتے تھے۔ جس کی وجہ سے جانوروں کی شکل میں زکوٰۃ وصول ہوتی تھی۔ زکوٰۃ میں اونٹ بھی آتے تھے، بکریاں بھی ملتی تھیں، دنبے بھی آتے تھے اور مینڈھے بھی آتے تھے اور گائے بھینس بھی آتی تھیں۔

تو آپ نے فرمایا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ آخرت میں تم اللہ سے اس حال میں ملو کہ تمہارے اوپر اونٹ، گائے اور بکری سوار ہو۔ کہاں تو دنیا میں اللہ تعالیٰ نے اونٹ اس لئے بنایا تھا کہ تم اس پر سواری کرتے لیکن اگر وہ اونٹ تم نے دنیا میں ناجائز طریقے سے حاصل کیا تھا مثلاً چوری سے لیا تھا، رشوت کے طور پر لیا تھا تو آخرت میں یہ اونٹ تمہارے اوپر سوار ہوگا۔

اور یہ بات صرف اونٹ کے ساتھ خاص نہیں بلکہ اگر کوئی جانور ناجائز طریقے سے حاصل کیا تھا تو وہ بھی اوپر سوار ہوگا بلکہ یہ بات صرف جانوروں کے ساتھ بھی خاص نہیں بلکہ کسی بھی شخص نے دنیا میں کوئی بھی مال ناجائز طریقے سے لیا تو آخرت میں جب میدانِ حساب میں آئے گا تو وہ مال اس پر لدا ہوا ہوگا۔ اگر وہ گندم کی بوریاں ہیں تو وہ لدی ہوئی ہونگی اور اگر وہ سو بوریاں ہیں تو سو کی سو لدی ہوئی ہونگی اور اگر وہ مکان یا زمین ہے تو وہ لدی ہوئی ہوگی۔

تو اس حدیث کا خلاصہ یہ نکلا کہ دنیا میں کوئی بھی شخص اگر کسی کا مال ناجائز طریقے سے لے گا تو آخرت میں وہ مال اس کے لئے وبالِ جان بنے گا اور اس مال کے ذریعے سے اس کو عذاب دیا جائے گا۔

یہ حدیث ارشاد فرمانے کے بعد آپ ﷺ نے اپنے دونوں ہاتھ اوپر اٹھالئے اور فرمایا:

﴿اَللّٰهُمَّ هَلْ بَلَّغْتُ۝﴾

''اے اللہ! کیا میں نے (آپ کا پیغام) پہنچا دیا۔''

گویا آپ نے اپنی ذمہ داری کی ادائیگی پر اللہ تعالیٰ کو گواہ بنالیا۔ اس میں اس جانب اشارہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا کام صرف خیر خواہی کے ساتھ پہنچا دینا ہے۔ عمل کرنا امت کی ذمہ داری ہے۔

ہدیہ لینا دینا مستحب ہے:

ابن اللتبیہ کا جو واقعہ میں نے ابھی بیان کیا، یہ ایک اہم واقعہ ہے۔ اس سے شریعت کا ایک اہم قانون سامنے آتا ہے اور وہ یہ کہ اگر تحفہ واقعۃً تحفہ اور ہدیہ ہے تو وہ بڑی اچھی چیز ہے۔ ہدیے اور تحفے کا دینا بھی مستحب ہے اور قبول کرنا بھی مستحب ہے، دونوں کام سنت سے ثابت ہیں۔ رسول اللہ ﷺ دوسروں کو ہدایا دیا بھی کرتے تھے اور اگر کوئی آپ کو ہدیہ پیش کرتا تو آپ اُسے قبول بھی فرمالیا کرتے تھے۔ بشرطیکہ وہ ہدیہ جائز طریقے سے ہو اور آپ ﷺ نے ہدیہ لینے اور دینے کی ترغیب دیتے ہوئے فرمایا کہ'' آپس میں ایک دوسرے کو ہدایا لیا دیا کرو، اس سے محبت بڑھتی ہے۔'' اور ایک مرتبہ فرمایا کہ ''اگر تمہیں کوئی شخص ہدیہ دے تو چاہے وہ کتنا ہی معمولی سا ہو تو اُسے حقیر سمجھ کر لوٹا نہ دے بلکہ اُسے قبول کرلے۔''

عہدے کی وجہ سے ملنے والا ہدیہ رشوت ہے:

لیکن ہدیے کے یہ سارے فضائل اس وقت تک ہیں جبکہ وہ واقعۃً ہدیہ ہو۔ اس حدیث سے ہدیے کا یہ قانون سامنے آتا ہے کہ اگر کسی شخص کو کوئی ہدیہ اُس کے عہدے کی وجہ سے ملا ہو تو وہ ہدیہ نہیں بلکہ رشوت ہے جو کہ ناجائز اور حرام ہے۔ ابن اللتبیہ کو یہ تحفہ وہاں سے ملا تھا جہاں سے وہ زکوٰۃ وصول کرنے گئے اور ظاہر ہے کہ وہاں

کے لوگ ان کو جاننے والے نہیں تھے۔ ایسا نہیں تھا کہ رشتہ داروں نے یا پرانے دوستوں نے تحفہ دے دیا تھا۔ بلکہ زکوٰۃ کی وصولی کیلئے افسر بن کر گئے تھے تو کچھ لوگوں نے انہیں یہ چیزیں دیں، تحفہ ہی کہہ کر دی ہوں گی، ہدیہ ہی کہہ کر دی ہوں گی لیکن یہ دینا سابقہ دوستی اور تعلقات کی بنیاد پر نہ تھا بلکہ اس بنیاد پر تھا کہ یہ ایک افسر ہیں اور جو تحفہ عہدے کی بنیاد پر ملے، اس کے بارے میں فقہاء کرام نے صراحت کی ہے کہ یہ رشوت ہے۔

کونسا تحفہ عہدے کی بنیاد پر ہوتا ہے؟

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ کیسے پتہ چلے کہ کونسا تحفہ عہدے کی بنیاد پر ملا ہے اور کونسا تحفہ ذاتی تعلقات کی بنیاد پر ملا ہے۔

اس کی پہچان بھی ہوسکتی ہے۔ مثلاً یہ کہ آپ کو کسی محکمے میں افسر مقرر کیا گیا۔ افسر بننے سے پہلے آپ کے کچھ لوگوں کے ساتھ ایسے تعلقات اور مراسم تھے کہ وہ آپ کو تحفے دیا کرتے تھے، دوست تھے، پڑوسی تھے، آپ کے رشتہ دار تھے یا آپ کے عقیدت مند تھے، اگر وہی لوگ عہدے کے بعد بھی آپ کو ہدیہ دیں تو یہ اس بات کی علامت ہے کہ یہ ہدیہ عہدے کی وجہ سے نہیں بلکہ ذاتی تعلقات کی وجہ سے ہے۔ اور اگر تحفہ دینے والے نئے آگئے ہیں جو پہلے موجود نہ تھے۔ جب سے صاحب بہادر ڈپٹی کمشنر بنے ہیں تو کوئی ٹیپ ریکارڈ لے کر آرہا ہے، کوئی ٹیلی ویژن لے کر آرہا ہے کوئی فریج لے کر آرہا ہے اور کوئی اے سی لے کر آرہا ہے۔ اب یہ جو تحفوں کی بہتات شروع ہوئی ہے تو یہ تحفے نہیں جہنم کے انگارے ہیں کیونکہ یہ رشوت ہے۔

کاروں کی لمبی قطار:

ہمارے پاکستان آج کل رشوت جو بڑے پیمانے پر لی اور دی جاتی ہے، وہ

عام طور پر تحفوں ہی کے نام سے دی جاتی ہے۔ ایک بہت بڑے افسر تھے۔ کروڑوں کے ٹھیکے منظور کیا کرتے تھے۔ جب ان کی صاحبزادی کی شادی ہوئی تو معلوم ہوا کہ نئی کاروں کی ایک لائن لگی ہوئی تھی۔ کوئی مرسیڈیز لایا تھا کوئی ٹویوٹا لایا تھا اور کوئی دوسری کار لایا تھا۔ اعلیٰ درجے کی شاندار کاریں تھیں لیکن یہ سب حرام مال تھا کیونکہ یہ عہدے کی وجہ سے آیا ہے۔ چنانچہ وہ صاحب اب بھی زندہ ہیں لیکن اب ان کے ہاں وہ تحفے نہیں آتے۔

اللہ تعالیٰ ایسی کار سے پناہ میں رکھے۔ دنیا کی زندگی تو ہر حال میں گذر جائے گی، کسی کو کار مل بھی گئی تو اُسے وہ کتنے دن استعمال کرے گا۔ آخرت میں وہ کندھے پر اٹھانی پڑے گی۔ دنیا میں تم اس پر سواری کروگے، آخرت میں وہ تم پر سوار ہوگی اور جتنی بڑی کار ہوگی، اتنا ہی اس کا بوجھ زیادہ ہوگا۔

عہدے کے سارے تحفے گھر گھر جاکر واپس کیے:

ہمارے ایک دوست ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی عمر میں برکت دے۔ بڑی محبت کرنے والے دوست ہیں۔ وہ ایک زمانے میں بڑے بڑے عہدوں پر رہے۔ آخر زمانے میں ڈپٹی کمشنر بنے۔ ہمارے بے تکلف دوست تھے۔ ویسے تو میں ان کے پاس جایا کرتا تھا۔ وہ ہماری دعوت کیا کرتے تھے اور ہم ان کی دعوت کیا کرتے تھے۔ لیکن جب وہ ڈپٹی کمشنر ہوگئے تو اس زمانے میں میری مصروفیات کچھ ایسی رہیں اور کچھ میرا دل بھی نہ چاہا جس کی وجہ سے نہ ان کے گھر جانا ہوا اور نہ ان کے دفتر جانا ہوا۔ البتہ وہ آجاتے تھے اور بعض مسائل میں مشورہ بھی کرتے تھے۔

ایک دن انکا بیٹا مجھ سے ملا۔ وہ بڑا نیک لڑکا تھا۔ ماشاء اللہ ہمارے دوست بھی بڑے نیک تھے۔ بیٹا کہنے لگا کہ ہمارے اباجان کے پاس آج کل تحفے بہت آرہے

ہیں۔ کوئی فریج لے آتا ہے، کوئی ایر کنڈیشنر لے آتا ہے۔ کوئی فرنیچر لے آتا ہے وغیرہ وغیرہ۔ یہ تحفے پہلے تو نہیں آتے تھے، آج کل آرہے ہیں۔ آپ ذرا ان کو سمجھائیں۔ میں نے کہا کہ ٹھیک ہے۔ انشاء اللہ میں انہیں سمجھاؤں گا۔

اُسی زمانے میں ان کا تبادلہ ہوگیا۔ تو اُس وقت پھر ملاقات ہوئی۔ میں نے ان سے کہا کہ یہ جو تحفے وغیرہ آئے ہیں۔ ذرا ان کا خیال کرلیں۔ حیران ہوکر پوچھنے لگے کہ کیا مطلب؟ میں نے کہا کہ یہ سب تحفے رشوت ہیں اور حرام ہیں۔ انہیں بڑی فکر ہوئی۔ انہوں نے تحفوں کا سارا سامان لوگوں کو گھر گھر جاکر واپس کیا۔ بعض لوگ ایسے تھے جو اپنا گھر چھوڑ کر کہیں اور منتقل ہوگئے تھے، تو تلاش کرکے ان کے نئے گھروں تک پہنچتے۔ بعض لوگ فوت ہوچکے تھے تو ان کے وارثوں کو یہ سامان پہنچاتے۔ یہ ان کے کمالِ تقویٰ کی علامت ہے۔ اس کے تقویٰ کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے انہیں اس عذاب سے بچالیا۔

عہدے کا تحفہ مدرسوں میں بھی ہوسکتا ہے:

یاد رکھئے کہ مدرسوں کے اندر عہدوں کی وجہ سے تحفے ملنے کا سلسلہ ہوسکتا ہے۔ اگرچہ مدرسوں کے اندر کوئی افسری اور عہدے نہیں ہیں لیکن ایسا ہوسکتا ہے کہ کسی تنظیم یا استاد کو اپنے ذاتی مقصد کیلئے تحفہ دیا جائے۔ مثلاً یہ کہ طلبہ کی ایک ضرورت اساتذہ کے ساتھ وابستہ ہوتی ہے۔ امتحان میں پاس یا فیل کرنا استاد کا کام ہوتا ہے۔ اسی طرح بعض مرتبہ داخلے کے اندر رعایت کرنا یا نہ کرنا استادوں کا کام ہوتا ہے۔ اسی طرح مہتمم کے بھی کچھ اختیارات ہوتے ہیں۔ ملازمین کا عزل ونصب اور ان کی ترقی وتنزلی کا کام مہتمم کرتا ہے۔ پھر اس کے ٹھیکے داروں کے ساتھ بھی معاملات ہوتے ہیں۔ ان سارے معاملات میں اس بات کا احتمال موجود ہے کہ کوئی ہدیہ دینے والا اپنی ذاتی غرض کی وجہ سے ہدیہ

دے رہا ہو۔ اس لئے اس سلسلے میں بہت ڈر کر رہنا چاہیے۔

میری ذاتی احتیاط:

جب کوئی طالب علم میرے پاس سال کے شروع میں ہدیہ لے کر آتا ہے، اگرچہ طلبہ کی بھاری اکثریت محبت کی وجہ سے تحفہ لے کر آتی ہے کیونکہ ہمارے طلبہ اپنے اساتذہ سے بہت محبت کرتے ہیں لیکن سال کے شروع میں داخلے کے دنوں میں تحفہ لینے سے مجھے بڑا ڈر لگتا ہے۔ چنانچہ اگر کوئی نیا طالب علم داخلے کیلئے آیا ہو تو جب تک اس کا داخلہ نہیں ہوتا، میں اس کا تحفہ قبول نہیں کرتا۔ جب داخلہ ہو جاتا ہے اور بظاہر اطمینان ہو جاتا ہے کہ اب میرے سے اس کی کوئی نئی ضرورت وابستہ نہیں رہی تو پھر اگر وہ تحفہ لا کر دیتا ہے تو قبول کر لیتا ہوں۔

واقعہ یہ ہے کہ ان چیزوں میں بہت احتیاط کی ضرورت ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں حرام سے بھی بچائے اور متشابہات سے بھی بچائے۔

وآخر دعوانا أنِ الحمدللّٰه رب العالمين○

دیوبندیت کیا ہے؟

خطاب	حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی مدظلہم
مقام	خیر پور ٹامیوالی
تاریخ	۲۷ مارچ ۲۰۰۴ء
ترتیب و عنوانات	اعجاز احمد صمدانی

﴿دیوبندیت کیا ہے؟﴾

خطبہ مسنونہ:

الحمد للّٰہ نحمدہٗ و نستعینہٗ و نستغفرہٗ و نؤمِنُ بہٖ ونتوکل علیہ ونعوذ باللّٰہِ مِن شرورِ أنفسنا ومِن سیئاتِ أعمالنا مَن یھدہِ اللّٰہ فلا مُضِلَّ لہٗ وَمَنْ یُضللہُ فلا ھَادِیَ لہٗ ونشھد أن لآ اِلٰہ اِلَّا اللّٰہ وحدہٗ لاشریک لہٗ و نشھد أنّ سیدنا و سَنَدنا و مولانَا محمداً عبدہٗ ورسولہٗ،صلی اللہ تعالٰی علیہ وعلٰی آلہٖ وصحبہ اجمعین وسلم تسلیماً کثیراً کثیراً

امابعد!

فأعوذ باللّٰہِ من الشیطان الرجیم. بسمِ اللّٰہ الرحمن الرحیم.

﴿یاایھاالذین اٰمنوا ادخلوا فی السلم کافۃ ولا تتبعوا خطوٰت الشیطان انہ لکم عدوٌّ مبینo﴾

(البقرۃ:۸۔۲)

پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا:

بزرگانِ محترم، حضراتِ علماء کرام، برادرانِ عزیز! معزز خواتین، میری ماؤں، بہنو اور بیٹیو!

میں اپنے جذباتِ مسرت کو الفاظ میں بیان نہیں کرسکتا جو اس وقت آپ حضرات کے پاس آ کر میں اپنے دل کی گہرائیوں میں پا رہا ہوں۔ آپ حضرات کے جذبہ محبت اور دین کی عظمت کی یہ علامت ہے کہ تمام مرد اور خواتین مسلسل دن ورات ہمہ تن گوش ہوکر بیانات سن رہے ہیں۔ آپ حضرات کا یہ جذبہ باعث تقویت بھی ہے اور خوش آئند بھی۔ اور اسی سے یہ توقع قائم ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے دینی مدرسوں کا یہ نور روز بروز پھیلتا جائے گا اور انشاء اللہ

پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا

اِس جامعہ میں حاضری کا شوق:

آپ کے اس جامعہ میں حاضری کی تمنا دو وجہ سے عرصہ دراز سے تھی۔ ایک یہ کہ اس کے بانی حضرت مولانا مفتی غلام قادر صاحب دامت برکاتہم سے عرصہ دراز سے نیازمندانہ تعلق ہے اور بارہا حضرت نے فرمایا ''کبھی آؤ'' مگر موقع نہیں ملتا تھا۔

اور دوسرے اس وجہ سے کہ یہ درسگاہ الحمدللہ ہمارے قدیم بزرگوں کا مرکز رہی ہے۔ بڑے بڑے اکابر یہاں تشریف لاتے رہے ہیں۔ حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، حضرت مولانا خیر محمد صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، مولانا شمس الحق صاحب افغانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، حضرت مولانا عطاء اللہ بخاری صاحب رحمۃ

اللہ تعالیٰ علیہ، حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور دیگر بڑے بڑے اکابر یہاں آتے رہے ہیں۔ ان کی برکات یہاں ہیں۔

بزرگوں کی برکتیں معمولی چیز نہیں:

بزرگوں کی برکتیں معمولی چیز نہیں۔ یہ برکتیں محسوس تو ہوتی ہیں لیکن نظر نہیں آتیں۔ جہاں بزرگوں کے قدم پہنچتے ہیں۔ اس کے انوار و برکات اس علاقے میں پھیلتے ہیں۔ یہ سالانہ اجتماع اس بستی کے لوگوں کیلئے اور بھی باعث رحمت ہے کہ یہ بزرگوں کی آمد کا ذریعہ بن جاتا ہے۔ جس سے انشاء اللہ اس بستی کو برکتیں نصیب ہوں گی اور ہوتی رہی ہیں۔

دارالعلوم دیوبند کی ایک اہم خصوصیت: اتباعِ سنت:

ہم سب کی نسبت الحمدللہ، اس آخری دور کی عظیم ترین درسگاہ دارالعلوم دیوبند سے ہے۔ اور دارالعلوم دیوبند کی سب سے بڑی خوبی اور خصوصیت صرف ایک ہے کہ اُس کو تاجدار دو عالم کے روضۂ اقدس سے پکی اور سچی نسبت نصیب ہے۔ کیونکہ دارالعلوم دیوبند یا مسلک دیوبند کوئی فرقہ نہیں ہے، کوئی نئی چیز نہیں ہے، بلکہ یہ درحقیقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نسبت کا ترجمان اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ کا نمونہ ہے۔

پاکستان بن جانے کے بعد میرے والد ماجد مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ دیوبند سے ہجرت کر کے یہاں آئے۔ دیوبند ان کا اصلی وطن تھا۔ وہیں پیدا ہوئے تھے، وہیں پڑھا تھا، وہیں پڑھاتے رہے، وہیں مفتی مقرر ہوئے، ہماری ابتدائی تعلیم بھی وہاں ہوئی، جب ۱۹۴۸ء میں ہم نے پاکستان میں ہجرت کی تو میں دارالعلوم دیوبند میں درجہ حفظ میں پڑھتا تھا۔ پندرہ پارے حفظ کر چکا

تھا۔ باقی پارے پاکستان میں حفظ کئے۔ پھر دارالعلوم کراچی میں ہی تعلیم حاصل کی۔ ۱۹۶۰ء میں فارغ ہوا۔ پھر دارالعلوم میں ہی تخصص میں داخل ہوا اور اس کے ساتھ ساتھ کچھ اسباق بھی میرے سپرد ہوئے۔ اس زمانے میں والد صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے پہلی مرتبہ دیوبند کا سفر کیا۔ میں بھی اس سفر میں والد صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے ساتھ تھا۔ تھانہ بھون اور دہلی میں بھی جانا ہوا۔ دیوبند میں چونکہ ہمارا آدھا خاندان آج بھی موجود ہے۔ اس لئے وہاں زیادہ دیر تک قیام ہوا۔ حضرت والد صاحب کی آمد کی خبر سن کر ہندوستان کے دور دراز علاقوں یہاں تک بنگال اور آسام تک کے لوگ سفر کر کے آ گئے تھے اور والد صاحب کے اردگرد ہر وقت علماء کرام اور مفتی صاحبان کا ہجوم رہتا تھا۔ ان کے جو مشکل مسائل اٹکے ہوئے تھے، وہ مسائل حضرت والد صاحب سے حل کراتے رہتے تھے۔ وہاں کے اساتذہ اور طلبہ کی خواہش پر حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے دارالعلوم دیوبند کے دارالحدیث میں خطاب فرمایا۔

اُس میں آپ نے فرمایا کہ شاید آپ حضرات اس بات کے منتظر ہوں گے کہ میں آپ کے سامنے ایسی علمی تحقیق بیان کروں گا جو پہلے کم سنی گئی ہو اور آپ واہ واہ کریں گے لیکن آج میرا ایسا کوئی ارادہ نہیں ہے کیونکہ یہ گناہ میں اسی دارالحدیث کی چوکی پر بیٹھ کر کئی برسوں تک کرتا رہا ہوں اور اب میں نے توبہ کر لی ہے۔ اللہ مجھے معاف کرے۔ اس نیت سے تحقیقی اور علمی بیان کرنا کہ لوگ واہ واہ کریں، بہت بڑا جرم ہے۔ اللہ تعالیٰ اس نیت سے بچائے۔ لہٰذا میں ایسی کوئی چیز آپ کے سامنے ذکر نہیں کرونگا میرے پاس کوئی نئی تحقیق نہیں ہے اور نہ میں کوئی بڑا محقق ہوں البتہ میں سیدھی سادی بات بتلانا چاہتا ہوں کہ ''دارالعلوم دیوبند کیا چیز ہے۔''

فرمایا کہ دارالعلوم دیوبند نہ کوئی بت ہے جس کی پوجا کی جائے، نہ کوئی فرقہ ہے جسے دنیا کے دوسرے مسلمانوں سے الگ سمجھا جائے بلکہ ''دیوبند نام ہے رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی صحیح صحیح اتباع کا۔'' ظاہر میں بھی اور باطن میں بھی شریعت میں بھی اور طریقت میں بھی، علم میں بھی اور عمل میں بھی یہی دیو بند کا حاصل ہے۔ یہی دیو بند کا لبِ لباب ہے اور یہی دیو بند کا مسلک ہے۔

سنت کا لب لباب اعتدال اور توازن ہے۔ اس میں ایسا حسین امتزاج ہے کہ اس میں انتہا پسندی کہیں نہیں ہے۔ افراط اور تفریط نہیں ہے۔ صرف جذباتیت نہیں ہے۔ ہاں جذبات بھی ہیں اور حکمت بھی ہے۔ شریعت بھی ہے اور طریقت بھی ہے۔ عبادات بھی ہیں اور معاملات بھی ہیں۔ معاشرت بھی ہے اور اخلاقیات بھی ہے۔ ان سب کے مجموعہ کا نام ''سنت'' ہے اور سنت کا دوسرا نام'' اسلام'' ہے۔ اور اسی کا نام'' دیو بندیت'' ہے۔ لہٰذا دنیا بھر میں جو شخص بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کا پیروکار ہے، وہ دیو بندی ہے۔

ہم اپنا الگ نام'' دیوبندی'' کیوں رکھیں؟

اور میں آپ کے سامنے اپنی بات عرض کروں۔ چونکہ میرا اصلی وطن دیو بند ہے۔ میرا بچپن وہاں گذرا ہے۔ میرے آباؤ اجداد وہاں کے رہنے والے تھے تو پاکستان آنے کے بعد طالب علمی کے زمانے میں مَیں اپنے نام کے ساتھ'' دیو بندی'' لکھا کرتا تھا۔ اور مجھے اس کا حق بھی تھا کیونکہ دیو بند میرا وطن تھا۔ والد صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے طالب علمی کے زمانے میں مجھے اس سے منع نہیں فرمایا، لیکن جب میں دارالعلوم میں مدرس ہوگیا تو مجھے منع کرتے ہوئے ایک روز فرمایا کہ اپنے نام کے ساتھ'' دیوبندی'' مت لکھا کرو۔ اور وجہ یہ بیان فرمائی کہ اس سے گروہ بندی اور فرقہ واریت کی بو آتی ہے۔

ہم اپنے آپ کو'' دیوبندی'' کیوں کہیں؟ ! دیو بندی کہنے کا مطلب تو یہ ہوگا کہ ہم باقی اہلِ اسلام سے کچھ الگ لوگ ہیں۔ ہمارا کوئی الگ فرقہ ہے حالانکہ ہم رسول

اللہ ﷺ کے ادنیٰ غلام ہیں، ان کی سنت کے پرستار ہیں اور ان کے ناموس پر سب کچھ قربان کرنے والا بننے چاہتے ہیں تو ہم اپنا الگ نام ''دیوبندی'' کیوں رکھیں!

دیوبند میں ''فرقہ واریت'' کی کوئی تعلیم نہیں تھی:

یہ دیوبند کا مزاج ہے۔ دیوبند میں فرقہ واریت کی کہیں کوئی تعلیم نہیں تھی۔ اکابر دیوبند میں سے کوئی بھی مسلک کی بنیاد پر اپنے نام کے ساتھ دیوبندی نہیں لکھتا تھا کیونکہ اسلام میں گروہ بندی جائز نہیں ہے بلکہ بہت بدترین گناہوں میں ایک گناہ ہے۔ یہ واقعہ آپ حضرات کو معلوم ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں ایک مرتبہ ایک غزوہ میں ایک مہاجر اور ایک انصاری کے درمیان تکرار ہوگئی۔ انصاری نے اپنی مدد کے لئے انصاریوں کو پکار کہ '' یاللأ نصار'' اور مہاجر نے اپنی مدد کے لئے مہاجروں کو پکارا کہ '' یاللمہاجرین'' جب آنحضرت ﷺ کو یہ بات معلوم ہوئی تو آپ کو سخت ناگواری ہوئی اور آپ نے فرمایا کہ:

﴿دَعُوهَا فَإِنَّهَا مُنْتِنَةٌ﴾

''یہ الفاظ چھوڑ دو کیونکہ یہ بدبودار الفاظ ہیں۔''

(بخاری، کتاب التفسیر، رقم الحدیث ۴۹۰۵، ۴۹۰۷، مسلم، کتاب البر والصلۃ)

آپ نے '' یاللأ نصار'' اور '' یاللمھاجرین'' کے الفاظ کو بدبودار قرار دیا حالانکہ انصار کی جماعت کتنی مقدس اور مہاجرین کی جماعت بھی کتنی مقدس۔ لیکن آنحضور ﷺ کے اس ارشاد سے معلوم ہوا کہ اگر ان مقدس ناموں کو بھی فرقہ واریت کی بنیاد پر استعمال کیا جائے گا تو ان کے اندر بھی جہالت اور کفر کی بدبو آجائے گی۔ حدیث میں آپ ﷺ نے جس بو کی طرف اشارہ فرمایا، اس سے زمانہ جاہلیت کی بدبو مراد ہے۔ زمانہ جاہلیت میں عرب قبائل آپس میں لڑتے تھے۔ ایک دوسرے کے خون کے پیاسے

رہتے تھے اور قبائلی تعصبات کا شکار تھے چنانچہ ہر آدمی اپنے قبیلے کا ساتھ دیتا تھا خواہ وہ حق پر ہوتا یا باطل پر۔

غور کیجئے کہ انصار اور مہاجرین کی جماعتیں، ایسی جماعتیں کہ ان کے فضائل میں قرآن بھرا پڑا ہے اور بلاشبہ صحابہ کے یہ دونوں طبقے ہمارے تاجدار ہیں لیکن جب یہی الفاظ مسلمانوں کے درمیان پھوٹ ڈالنے کیلئے استعمال ہونے لگے تو آپ ﷺ نے انہی کو بدبودار فرمادیا۔ اسی لئے والد صاحب نے مجھے فرمایا کہ تم اپنے نام کے ساتھ ''دیوبندی'' مت لکھا کرو۔ چنانچہ اس روز سے میں نے اپنے نام کے ساتھ ''دیوبندی'' لکھنا چھوڑ دیا۔ اب اپنے نام کے ساتھ ''عثمانی'' لکھتا ہوں کیونکہ حضرت والد ماجد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی تحقیق یہ ہے کہ ہمارا نسب حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جا کر ملتا ہے۔

ہمارے اندر سے ''دیوبندیت'' کی خصوصیات رخصت ہو رہی ہیں:

میں آج آپ سے یہ کہنا چاہتا ہوں کہ اگرچہ ہمیں دیوبند والوں کی نسبت حاصل ہے اور ہم اپنے آپ کو مسلک دیوبند کا پیروکار بھی سمجھتے ہیں لیکن رونا اس بات کا ہے اور میں یہ بات صاف کہتا ہوں کہ ہم نے اپنے مسلک دیوبند کو چھوڑ دیا ہے۔ ہم خود اپنے ہاتھوں سے مسلک دیوبند کو دفن کر رہے ہیں۔ مسلک دیوبند اعتدال کا نام تھا، تواضع اور انکساری کا نام تھا، درویشی کا نام تھا، علم اور تحقیق کا نام تھا، تقویٰ اور للّٰہیت کا نام تھا لیکن آج یہ باتیں ہمارے اندر سے رخصت ہو رہی ہیں۔

ہمارے بزرگوں نے ہمیں لڑائی جھگڑا نہیں سکھایا:

ہم نے کبھی نہیں دیکھا کہ دیوبند میں بریلویوں کے خلاف سخت کلامی ہو رہی ہو

یا شیعوں کے خلاف تقریریں ہو رہی ہوں۔ علمی تحقیق ضرور ہوتی تھی۔ بریلوی مسلک کی جو غلطیاں ہیں، دلائل سے ان کی نشاندہی کی جاتی تھی اور دلائل کے ساتھ حق کو ثابت کیا جاتا تھا۔ روافض اور شیعوں کی غلط کاریوں کو بھی واشگاف الفاظ میں تحقیق کے ساتھ بیان کیا جاتا تھا لیکن ہمارے بزرگوں نے ہمیں لڑائی جھگڑا نہیں سکھایا۔ چنانچہ دیو بند میں کبھی شیعہ سنی فساد نہیں ہوا۔ کبھی دیو بندی بریلوی فساد نہیں ہوا، کبھی اہلحدیث اور غیر اہلحدیث فساد نہیں ہوا۔ خود ہمارے محلے میں شیعہ رہتے تھے لیکن کبھی جھگڑا نہیں ہوا۔ اب شیطان نے یہ کام کیا کہ مسلمانوں کے درمیان پھوٹ ڈال دی اور ان کو آپس میں خوب لڑوایا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ جو کھلے اور متفق علیہ کافر تھے، انہوں نے بغلیں بجائیں اور ان کو پھلنے پھولنے کے مواقع مل گئے۔

آج ہمارا ملک اپنی آزادی کھو چکا ہے۔ وانا میں کیا ہو رہا ہے! افغانستان میں کیا ہوا! اور ہماری حکومت نے جو کردار ادا کیا! وہ خون کے آنسو رلانے کے لئے کافی ہے۔ یہ سب کچھ اس لئے ہوا ہے کہ ہم متحد نہیں تھے۔ ہم طاقتور نہیں۔ ہم قرآن وسنت کی تعلیمات کو چھوڑے ہوئے تھے اور ہم دیو بند کی تعلیمات کو چھوڑے ہوئے تھے۔

ہمارے بزرگوں نے سب کام کر کے دکھائے:

دیو بند نے ہمیں یہ سکھلایا تھا کہ اسلام صرف عقیدے اور عبادتوں کا نام نہیں ہے بلکہ اسلام پوری زندگی کا دستور العمل ہے۔ جس میں ایمان سرفہرست ہے۔ عبادات بنیادی مقاصد رکھتی ہیں لیکن معاملات، معاشرت اور اخلاق ایسے ایسے زبردست میدان ہیں کہ ان کے بغیر دین مکمل نہیں ہوتا اور مسلمان پورا مسلمان نہیں ہوتا۔ ہمارے بزرگوں نے اپنی عملی زندگی کے ذریعے یہ سب کچھ کر کے دکھایا۔ لین دین میں ان کی احتیاط، اخلاق میں دوسروں کے ساتھ برتاؤ اور آدابِ معاشرت کی اعلیٰ درجے میں ایسی رعایت

کہ وہ لوگ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا نمونہ بن گئے تھے۔ پورے دین کو سنبھالا تھا۔ صرف ایک کسر باقی رہ گئی تھی وہ یہ کہ انگریزی تسلط کی وجہ سے اسلامی حکومت قائم نہ کر سکے اور یہ ان کی مجبوری تھی لیکن اس کے علاوہ انہوں نے باقی سب کام کر کے دکھائے۔

باہمی اختلافات میں ہمارے بزرگوں کا طرزِ عمل:

ہمارے بزرگانِ دیو بند میں اختلافات بھی ہوئے حتیٰ کہ بڑے بڑے اختلافات بھی ہوئے لیکن شدید اختلافات کے باوجود آپس میں ایک دوسرے کا اتنا زیادہ احترام کرتے تھے کہ آج ہم اپنے استادوں کا بھی اتنا احترام نہیں کرتے۔

پاکستان کی تحریک چل رہی تھی۔ شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ میرے والد ماجد اور علماء کی ایک بڑی جماعت تحریکِ قیام پاکستان میں لگ گئی تھی لیکن شیخ الاسلام علامہ حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اوران کے ساتھ علماء کی ایک بڑی جماعت پاکستان کے قیام کو مجموعی طور پر مسلمان کے لئے مفید نہیں سمجھتی تھی۔ بہرحال بزرگوں کی دو جماعتیں مختلف نظریوں پر کام کررہی تھیں۔ دونوں کے پاس دلائل تھے اور دونوں کا یہ اختلاف اخلاص اور للھیت کی بنیاد پر تھا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ قیام پاکستان کے حامی علماء نے دارالعلوم دیو بند میں رہتے ہوئے یہ اختلاف ظاہر نہیں کیا بلکہ وہاں سے استعفیٰ دیا اوراس کے بعد تحریک پاکستان میں لگے تاکہ دارالعلوم دیو بند کی درسگاہ کو نقصان نہ پہنچے۔ یہاں کے فتوے مختلف نہ ہوں۔ یہاں کے بیانات میں تضاد نہ ہو۔

مولانا اعزاز علی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا قابلِ تقلید واقعہ:

علیحدگی کے بعد باہمی احترام کا معاملہ ملاحظہ فرمایئے۔ ایک روز جمعہ کی نماز

کے بعد ہمارے گھر پر ہمارے والد اور ان کے رفقاء کی مجلس مشاورت ہو رہی تھی۔ (علامہ شبیر احمد عثمانی صاحب تھے یا نہیں تھے، یہ مجھے اب یاد نہیں رہا) دوران مشورہ کسی بات کے بارے میں یہ رائے آئی کہ اس سلسلے میں شیخ الادب مولانا اعزاز علی صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے بات کرنی چاہیے۔ شیخ الادب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ دارالعلوم دیوبند میں تھے اور والد صاحب کے مستعفی ہونے کے بعد دارالافتاء کا کام انہوں نے سنبھالا ہوا تھا۔ آپ حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی رائے کے حامی تھے لیکن والد صاحب کے خاص استادوں میں سے تھے۔ ہمارے والد صاحب نے سب سے زیادہ کتابیں مولانا اعزاز علی صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے پڑھی تھیں۔ اب دیکھئے! استاد اور شاگرد کے درمیان اختلاف ہے لیکن اس اختلاف کے باوجود یہ طے ہوا کہ حضرت شیخ الادب صاحب سے اس مسئلے میں ملاقات کرنی چاہیے۔

ان بزرگوں نے مجھ سے کہا کہ جا کر دیکھ کر آؤ کہ حضرت تشریف رکھتے ہیں یا نہیں؟ میں بچہ تھا، نو دس سال عمر ہوگی۔ مجھے معلوم تھا کہ حضرت زیادہ وقت دارالافتاء میں گذارتے ہیں۔ گھر بہت کم جاتے ہیں۔ جمعہ کی نماز کے بعد کا وقت تھا۔ میرا اندازہ تھا کہ حضرت اس وقت دارالافتاء میں ہوں گے۔ میں دارالافتاء گیا تو وہ بند تھا۔ مجھے یہ چاہیے تھا کہ آس پاس کے کسی آدمی سے پوچھ لیتا کہ حضرت اندر تشریف رکھتے ہیں یا نہیں؟ لیکن میں نے یہ حماقت کی کہ دروازے پر دستک دے دی۔ حضرت آرام فرمارہے ہوں گے۔ باہر تشریف لائے، پوچھا کہ کیا بات ہے؟ میں نے کہا کہ میں فلاں ہوں اور مجھے ابا نے یہ دیکھنے کے لئے بھیجا ہے کہ آپ تشریف رکھتے ہیں یا نہیں؟ فرمایا اچھا اور پھر دروازہ بند کرلیا۔ میں واپس چلا آیا۔ راستے میں کسی بات کی وجہ سے دیر ہوگئی تو گھر پہنچنے میں دس پندرہ منٹ لگ گئے۔ گھر پہنچا تو دیکھا کہ حضرت شیخ الادب صاحب وہاں موجود ہیں۔

انہیں جب یہ پتہ چلا کہ یہ لوگ میرے پاس آنا چاہتے ہیں تو انہوں نے انتظار نہیں کیا بلکہ خود تشریف لائے۔ یہ تھی ان کی تواضع اور انکساری۔

حضرت شیخ الادب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے بارے میں ہی یہ بات مشہور ہے کہ ان کا معمول یہ تھا کہ جس پر نظر پڑی فوراً اُسے سلام کرتے تھے۔ کیفیت یہ تھی کہ کوئی ان سے سلام میں پہل نہیں کرسکتا تھا۔ طلبہ آپس میں شرط لگاتے تھے کہ آج ہم استاد کو سلام کرنے میں پہل کریں گے لیکن استاد اس کا موقع نہیں دیتے تھے۔ حالانکہ یہ استاد تھے اور وہ شاگرد لیکن آداب میں یہ شامل نہیں کہ بڑا یہ انتظار کرے کہ چھوٹا ہی سلام میں پہل کرے۔ دیکھئے ان کے اندر سنت پر عمل کرنے کا کس قدر اہتمام تھا۔

سید اصغر حسین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی خلق خدا سے خیر خواہی کا عجیب نمونہ:

ہمارے والد ماجد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے ایک اور استاد ہیں۔ سید اصغر حسین صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ۔ مادرزاد ولی اللہ کے نام سے مشہور تھے۔ ان کے بارے میں والد صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے یہ واقعہ کئی بار سنایا کہ کھانا کھا رہے تھے۔ مجھے بھی بٹھالیا۔ جب کھانے سے فارغ ہوئے تو دستر خوان سمیٹنے لگے۔ میں نے عرض کیا کہ حضرت! میں سمیٹ لیتا ہوں۔ فرمایا کہ تمہیں سمیٹنا آتا ہے۔ میں نے کہا کہ سمیٹنا کیا مشکل ہے۔ فرمایا: کیا کرو گے۔ میں نے کہا کہ جاکر اُسے جھاڑ آؤں گا۔ فرمایا کہ نہیں، تمہیں دستر خوان سمیٹنا نہیں آتا۔ دیکھو میں اس طرح سمیٹتا ہوں۔ یہ کہہ کر چھیچھڑے الگ کئے، ہڈیاں الگ کیں، روٹی کے بڑے ٹکڑے الگ کئے، چھوٹے چھوٹے ٹکڑے الگ کئے اور پھر فرمایا کہ دیکھو میں کیا کرتا ہوں۔ وہاں سے اٹھے سامنے ایک موٹی سی دیوار تھی۔ اس پر ایک بلی بیٹھی ہوئی انتظار کر رہی تھی۔ اُسے معلوم تھا کہ جب میاں صاحب کھانے سے فارغ ہوتے ہیں تو مجھے یہاں سے رزق ملا کرتا ہے۔ حضرت نے اس کے

آگے چھیچھڑے رکھے۔ باہر ایک جگہ ہڈیاں ڈالیں۔

وہاں برابر میں ایک کتا انتظار میں تھا۔ وہ ہڈیاں لے گیا۔ روٹی کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں کو اور چھوٹا چھوٹا کر کے چھت پر ڈالا، وہاں کبوتر آئے ہوئے تھے۔ انہوں نے وہ ٹکڑے کھائے۔ روٹی کے باریک ذرات کا بور ایک دیوار پر جا کر ڈال دیا۔ وہاں چیونٹیوں کا ایک بھٹ تھا۔ یہ بور ان کے کام آیا اور وہ جو روٹی کے بڑے ٹکڑے بچ گئے تھے۔ ان کے بارے میں فرمایا کہ یہ میرے محلے کے غریب بچوں کے لئے ہیں۔ جب میں انہیں یہ ٹکڑے دیتا ہوں تو وہ اس سے اتنے خوش ہوتے ہیں کہ ہمارے بچے بسکٹوں سے اتنا خوش نہیں ہوتے۔

اب دیکھئے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے رزق کو ضائع نہ ہونے دیا اور اللہ کی مخلوق کے ساتھ خیر خواہی اور بھلائی بھی کر دی۔

حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی تواضع کا حیرت ناک واقعہ:

حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا واقعہ ہے کہ کسی شہر کا مالدار آدمی آپ کا نام اور شہرت سن کر ملنے کے لئے آیا۔ دیو بند آ کر پوچھا کہ بڑے مولوی صاحب کا گھر کہاں ہے؟ لوگوں نے آپ کے گھر کا دروازہ دکھایا۔ گھر پہنچا، دروازہ کھٹکھٹایا۔ اندر سے حضرت نکلے حالانکہ یہ آپ کے آرام کا وقت تھا۔ آپ کے جسم پر معمولی کپڑے تھے۔ وہ آپ کو پہچان نہ سکا۔ آپ نے پوچھا کہ کیا بات ہے؟ کہنے لگا کہ میں بڑے مولوی صاحب سے ملنے آیا ہوں۔ فرمایا کہ آیئے، آپ گرمی میں آ رہے ہیں۔ ٹھنڈا پانی پلایا، کمرہ میں بٹھایا، پنکھا جھلا۔ وہ کہنے لگا مجھے بڑے مولوی صاحب سے ملوا دیجئے۔ فرمایا ہاں مل لیجئے گا۔ ابھی آپ تھکے ہوئے ہیں، معلوم ہوا کہ اس نے کھانا بھی نہیں کھایا تھا، فرمایا کہ میں کھانا لاتا ہوں۔ کھانا کھلا دیا۔ وہ کہنے لگا کہ چلو اب ملا دو۔ فرمایا

کہ ملادیں گے لیکن ابھی آرام کرلیں۔ اسے لٹادیا اور پھر پنکھا جھلنے لگے جب وہ آرام کر چکے اور کہا اب تو ملادو تو فرمایا کہ بڑے مولوی صاحب تو یہاں کوئی نہیں رہتے البتہ بندۂ محمود تو میں ہی ہوں۔

یہ تھی دیوبندیت، اپنے نفس کو مٹانا اور دوسروں کی خدمت کرنا ان کا شیوہ تھا۔

ایک فاحشہ عورت کا اتنا خیال!:

حضرت میاں اصغر حسین صاحب کا ہی ایک اور واقعہ میں نے والد صاحب سے سنا کہ رات کو جب گھر جاتے تو گھر کے قریب ایک گلی آتی تھی۔ جب اس گلی میں پہنچتے تو جوتے نکال لیتے۔ میں نے دیکھا تو تعجب ہوا۔ جب کئی دفعہ ایسا کرتے ہوئے دیکھا تو ایک دفعہ پوچھ لیا کہ حضرت! آپ ایسا کیوں کرتے ہیں؟ فرمایا کہ اس کی ایک وجہ ہے۔ وہ یہ ہے کہ اس گلی کے اندر ایک پیشہ ور فاحشہ عورت رہتی ہے۔ جوانی کے زمانے میں اس کے پاس بہت گاہک آتے تھے۔ اب بوڑھی ہوگئی ہے۔ اب گاہک نہیں آتے۔ وہ روزانہ بن سنور کر بیٹھتی ہے لیکن گاہک نہیں آتے۔ میں جب رات کو دیر سے یہاں سے گذرتا ہوں تو مجھے یہ خیال ہوتا ہے کہ اگر اس کے کانوں تک میرے جوتوں کی آواز جائے گی تو اس کے دل میں یہ تمنا اور امید پیدا ہوگی کہ شاید گاہک آیا ہے۔ اور جب میں گذر جاؤں گا تو اس کا دل ٹوٹے گا، تو بلاوجہ اللہ کی مخلوق کا دِل کیوں دکھاؤں۔

دیکھئے کہ ایک فاحشہ عورت کے ساتھ ہمارے بزرگانِ دیوبند کا یہ معاملہ ہے۔

ہم ''دیوبندیت'' کی صفات سے محروم ہوتے جارہے ہیں:

یہ تو چند ایک مثالیں ذکر کی ہیں۔ ورنہ اس طرح کی اور بہت سی مثالیں ہیں۔ وقت کی کمی ہے، اس لئے میں اس بات پر اپنا بیان ختم کرتا ہوں کہ الحمدللہ، ہم نے

بزرگان دیوبند کی محبت دل میں سمار کھی ہے۔ بلاشبہ یہ بھی ایک بہت بڑی نعمت ہے لیکن ہم نے ان بزرگوں کے طور طریقوں کو بھلا دیا۔ ہمارے مدرسوں کے اندر وہ طور طریقے نہیں رہے۔ نظم وضبط، تقویٰ واخلاص، تواضع وانکساری، صفائی وستھرائی، تعلیم اور عبادت میں محنت وہ جوہر ہیں جو ہمارے بزرگان دیوبند کی نمایاں صفات تھیں، لیکن آج ہم ان صفات سے محروم ہوتے جارہے ہیں۔ جس کا نتیجہ یہ ہے کہ آج وہ نتائج حاصل نہیں ہورہے جو دارالعلوم دیوبند سے حاصل ہوئے تھے۔

میں نے اپنے والد محترم سے بار بار سنا کہ ہمارے دینی مدارس گذشتہ تیس سال سے عقیم (بانجھ) ہوگئے ہیں یعنی یہاں سے کوئی مولوی پیدا نہیں ہوتا۔ والد صاحب کو فوت ہوئے اب اٹھائیس سال ہوچکے ہیں تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ اب سے تقریباً اٹھاون سال سے ہمارے دینی مدارس اس زبوں حالی کا شکار ہیں۔ فرمایا کہ مولانا تو بہت پیدا ہوتے ہیں، مولوی پیدا نہیں ہوتے۔ مولوی کس کو کہتے ہیں؟ لفظ ''مولوی'' کی نسبت ''مولا'' کی طرف ہے۔ تو اس کے معنی ہیں مولا والا یعنی اللہ والا یعنی ولی اللہ۔

علمِ مولا ہو جسے، ہے مولوی
جیسے حضرت مولوی ہے معنوی

والد صاحب فرمایا کرتے تھے کہ میں دارالعلوم کراچی کے اندر اس تمنا پر محنت کررہا ہوں کہ اللہ تعالیٰ یہاں سے کوئی مولوی پیدا کردے۔ اگر ایک مولوی بھی پیدا ہوگیا تو میں سمجھوں گا کہ میری ساری محنت کی قیمت وصول ہوگئی۔

والد صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ہمارے دادا مولانا محمد یسین صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا یہ مقولہ نقل کرتے تھے کہ وہ فرماتے تھے کہ میں نے دارالعلوم دیوبند کا وہ دور دیکھا ہے جب یہاں مہتمم اور صدر مدرس سے لے کر چپڑاسی اور چوکیدار تک سب صاحبِ نسبت ولی اللہ ہوتے تھے۔

دارالعلوم دیوبند اولیاء اللہ کا مجموعہ تھا۔ آج ہم ان بزرگان کے نام لیوا ضرور ہیں لیکن ہمارے اندر وہ صفات موجود نہیں رہیں۔ آپ ان کی زندگی کا مطالعہ کریں اور پھر اپنے گریبان میں جھانک کر دیکھیں کہ ہمارے اندر کتنا رنگ اور کتنا اثر ان بزرگوں کا آیا ہے۔

اہلِ مدارس سے بہتر کوئی طبقہ نہیں:

اور میں عوام سے یہ عرض کرتا ہوں کہ آپ ان مدرسوں کو اللہ تعالیٰ کی نعمت کبریٰ سمجھئے۔ اس وقت پوری دنیا کا عالم کفر ان مدرسوں کو مٹانے کے درپے ہے۔ آپ حضرات کو دینی غیرت اور حمیت کا واسطہ دیکر کہتا ہوں کہ ان مدرسوں کی حفاظت کے لئے کمر بستہ ہو جائیں اور جو کچھ تعاون آپ ان مدرسوں کے ساتھ، ان مدرسوں کے علماء کے ساتھ اور ان مدرسوں کے طلبہ کے ساتھ کر سکتے ہوں، وہ جاری رکھیں۔ اگرچہ ہمارے مدارس میں کمزوریاں آ گئی ہیں لیکن اس وقت پوری دنیا میں جتنے طبقات دین کا کام کر رہے ہیں، میری نظر میں اس سے بہتر طبقہ اور کوئی نہیں۔

دیکھئے! تبلیغی جماعت کے حضرات الحمدللہ دین کا بہت کام کر رہے ہیں۔ دنیا کے گوشے گوشے میں اللہ کا پیغام پہنچا رہے ہیں لیکن وہ دس روز لگائیں گے، چلہ لگائیں گے، چار مہینے لگائیں گے، سال لگائیں گے۔ پھر گھر واپس کر اپنے کام میں لگ جائیں گے۔ پھر کچھ وقفوں سے کچھ نہ کچھ وقت دیتے رہیں گے۔ مجاہدین جہاد میں جائیں گے، مہینہ، دو مہینہ، سال، دو سال جہاد میں لگائیں گے، پھر واپس آ کر اپنے اپنے کاموں میں لگ جائیں گے لیکن مدرسوں کے طلبہ اور اساتذہ کی جماعت ایسی ہے کہ انہوں نے جب سے ہوش سنبھالا اور ''الف ب ت'' سیکھنی شروع کی، اس وقت سے پڑھنا لکھنا انکا اوڑھنا بچھونا ہے۔ فارغ التحصیل ہونے کے لئے سولہ سال تک علم دین حاصل کرتے

ہیں۔اس کے بعد اسی علم دین کے پڑھنے پڑھانے،تصنیف وتالیف اوراس کے فتویٰ میں ساری زندگی گذار دیتے ہیں۔ان کا مہد سے لے کر لحد تک کا مشغلہ ''قال اللہ قال الرسول'' ہوتا ہے۔

اس وقت پوری روئے زمین پر کوئی طبقہ ایسا نہیں ہے جو ہوش سنبھالنے سے لے کر موت تک مسلسل دین کی خدمت کے کام میں لگا ہوا ہو۔صرف یہی طبقہ ہے جو تنگی ترشی کی زندگی گذار کر،کم تنخواہوں پر گذارا کر کے اور تنگ وتاریک حجروں میں انہوں نے دین کی شمع کی حفاظت کی ہے،انگریز کے دور استبداد میں بھی اور ابھی بھی مسلسل دین کی شمع جلائے ہوئے ہیں۔

پورے دین پر عمل کرنا ضروری ہے:

اور ایک بات میں اللہ کے بھروسے پر کہتا ہوں کہ اگر ہم نے اپنے آپ کو ٹھیک کیا۔مدرسوں کو معاشرت،اخلاق،معاملات،اخلاص اور للٰہیت میں دین کی بنیاد پر رکھا تو انشاء اللہ کوئی ان کا بال بیکا نہیں کر سکے گا،پوری دنیا الٹی لٹک جائے گی،تب بھی کوئی ان کو نقصان نہیں پہنچا سکے گا۔

ارشاد باری ہے:

﴿إِن تَنصُرُوا اللَّهَ يَنصُرْكُمْ﴾ (سورۃ محمد:۷)

''اگر تم اللہ کے دین کی مدد کرو گے تو اللہ تمہاری مدد کرے گا۔''

اور ''دین کی مدد کرنے'' کا مطلب یہ ہے کہ پورے دین کی مدد کی جائے۔ صرف یہ نہیں کہ کلمہ پڑھ کر اور نمازیں ادا کر کے یہ سمجھ لیا کہ ہمیں جنت کا ٹکٹ مل گیا۔ اسلام زندگی کے پورے دستور العمل کا نام ہے۔جس میں معاملات،معاشرت اور اخلاق بھی داخل ہیں۔ہم نے صرف عبادات کی حد تک تو دین کو اپنایا ہے،زندگی کے دیگر

شعبوں میں دین کو چھوڑ رکھا ہے۔

یاد رکھئے کہ صرف عبادات پر دنیا میں اقتدار ملنے کا وعدہ نہیں کیا گیا بلکہ پورے دین پر عمل کرنے پر اقتدار کا وعدہ ان الفاظ میں کیا گیا ہے۔

﴿وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ﴾ (سورہ نور: ۵۵)

''تم میں سے جو لوگ ایمان لائے ہیں اور عمل صالح کئے ہیں، ان سے اللہ تعالیٰ وعدہ فرما چکا ہے کہ انہیں ضرور زمین میں خلیفہ بنائے گا۔''

''عملوا الصالحات'' اس وقت ہوگا جب عبادات کے ساتھ ساتھ ہماری تجارت بھی شریعت کے مطابق ہو اور ملازمت بھی، مزدوری بھی شریعت کے مطابق ہو اور شرکت بھی، زراعت اور کاشتکاری بھی شریعت کے مطابق ہو اور حکومت اور سیاست بھی، عدالت بھی شریعت کے مطابق ہو اور باطنی اخلاق بھی، جب یہ سب چیزیں شریعت کے مطابق ہوں گی تو اقتدار ہمارے ہاتھ میں آئے گا۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو پورے دین پر عمل کرنے کی توفیق نصیب فرمائے اور بزرگانِ دیوبند کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق نصیب فرمائے۔ (آمین)

وآخر دعوانا أنِ الحمدلله رب العالمين○

دینی تعلیم اور عصبیّت

موضوع: دینی تعلیم اور عصبیت

بیان: حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی مدظلہم

مقام: مدرسہ ریاض العلوم حیدرآباد

باہتمام: محمد ناظم اشرف

﴿دینی تعلیم اور عصبیت﴾

خطبہ مسنونہ

الحمد للّٰہ نحمدہٗ و نستعینہٗ و نستغفرہٗ و نؤمِنُ بہٖ ونتوکل علیہ ونعوذ باللّٰہِ مِن شرورِ أنفسنا ومِن سیئاتِ أعمالنا مَن یھدہِ اللّٰہ فلا مُضِلَّ لہٗ وَمَنْ یُضللہُ فلا ھَادِیَ لہٗ ونشھد أن لآ اِلٰہ اِلَّا اللّٰہ وحدہٗ لاشریک لہٗ و نشھد أنّ سیدنا و سَنَدنا و مولانَا محمداً عبدہٗ ورسولہٗ صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وعلٰی آلِہٖ وصحبہ اجمعین وسلم تسلیماً کثیراً کثیراًo

امابعد

فاعوذباللہ من الشطین الرجیم ط بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم ط

لقد منّ اللّٰہ علی المؤمنین اذ بعث فیھم رسولا من

انفسھم یتلو علیھم آیاتہ و یزکیھم و یعلمھم الکتب و الحکمۃ و ان کانوا من قبل لفی ضلالٍ مبینO (آل عمران:۱۶۴)

بزرگان محترم، حضرات علمائے کرام، محترم اساتذہ اور عزیز طلبہ!

حیدرآباد میں میری حاضری اس مرتبہ سالہا سال کے بعد ہوئی ہے اپنے والد ماجد مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ اپنی طالب علمی کے زمانہ میں اور لڑکپن کے زمانہ میں بارہا یہاں حاضری ہوئی۔ اس کے بعد آنا کم ہوا۔ بعض مرتبہ تو رات کو آیا اور رات ہی کو واپس چلا گیا۔

۴۸ء میں ہم نے پہلی بار اس حیدرآباد کو دیکھا جب ہجرت کر کے پاکستان پہنچے تو پاکستان میں ہماری سب سے پہلی منزل یہی حیدرآباد تھی، یہاں ایک رات گذاری اور اس کے بعد کراچی جانا ہوا۔

حیدرآباد سندھ سے قلبی تعلق

حیدرآباد سے ذہنی وقلبی وابستگی تو اور بھی پہلے سے تھی، پاکستان بننے سے پہلے جب تحریک پاکستان پورے عروج پر تھی تو یہاں کے بعض علماء کرام اور مشائخ عظام نے جمعیت علمائے اسلام کی ایک عظیم الشان کانفرنس یہاں منعقد کی تھی۔

جمعیت علمائے اسلام سے مراد وہ جمعیت ہے جس کو شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد صاحب عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے قیام پاکستان سے پہلے قائم کیا تھا اور اس کا سب سے پہلا مقصد پاکستان کے قیام کے لئے جدوجہد کرنا تھا، چنانچہ اس جمعیت علمائے اسلام کی اس عظیم الشان کانفرنس کے لئے شیخ الاسلام مفسر قرآن علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کو مدعو کیا گیا اور انہی کی زیر صدارت یہ کانفرنس منعقد ہوئی تھی، لیکن ان کی علالت کے باعث

انہوں نے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ کو اپنا نائب بنا کر یہاں بھیجا اور والد صاحبؒ کی صدارت میں یہ کانفرنس منعقد ہوئی یہ پاکستان بننے سے چھ ماہ قبل جنوری ۱۹۴۷ء کا واقعہ ہے۔

یہاں جو خطبہ صدارت والد ماجدؒ نے دیا تھا، بعد میں وہ کتابی شکل میں شائع ہوا، یہ خطبہ سیاسی مسائل پر دینی علوم کا بہت بڑا ذخیرہ ہے۔ بہرحال اس وقت سے حیدر آباد سے ذہنی و قلبی وابستگی تھی وہ ہمارے بچپن کا دور تھا اور اس وقت ہم دیوبند میں مقیم تھے۔

قیام پاکستان کے بعد ۴۸ء میں یہاں آئے تو اس وقت کچھ مقامی مشائخ اور علمائے کرام موجود تھے، جو یکے بعد دیگرے اللہ کو پیارے ہو گئے، اس کے بعد وقتاً فوقتاً جب کبھی یہاں آنا ہوا اور جب بھی حیدر آباد کے حالات اخبارات میں پڑھے یا لوگوں سے سنے، ایک کسک، ایک خلاء بڑی شدت سے محسوس ہوا۔ اور اس خلا کو محسوس کرتے کرتے ۴۸ء سے لیکر اب یہ ۸۸ء شروع ہونیوالا ہے تقریباً ۴۰ سال کے اس پورے عرصہ میں وہ خلا بڑی شدت سے محسوس ہوتا رہا۔ قبل اس کے کہ میں اس خلا کا ذکر کروں، ایک بات اور ذکر کروں۔

قیام پاکستان اور مدارس عربیہ

جب پاکستان قائم ہوا تو برصغیر میں جتنے بڑے بڑے مدارس اور علوم کے مراکز تھے اور جو بڑی اہم علمی شخصیتیں تھیں، وہ تقریباً تمام ہی ہندوستان میں رہ گئیں۔ پاکستان میں کوئی قابل ذکر مدرسہ یا مرکزی نوعیت کی کوئی دینی درسگاہ موجود نہیں تھی، بالکل اسی طرح جب پاکستان بنا ہے تو تمام صنعتی کارخانے ہندوستان میں رہ گئے تھے، یہاں کارخانے نہیں تھے۔ ہر چیز میں ہم دوسرے ممالک کے محتاج تھے۔ اسی وجہ سے بہت سے لوگ مذاق اڑاتے تھے کہ ننگا پاکستان ہے، بھوکا پاکستان ہے لیکن جس طریقے سے کارخانوں کی کمی کو اللہ جل شانہ نے پورا کیا اور صنعتی ترقی پاکستان نے کی، اور وہ خلا پر ہوا،

جو قیام پاکستان کے وقت صنعتی میدان میں موجود تھا، اسی طریقہ سے ایک خلا دینی حلقوں میں تھا، یہاں کوئی بڑا مدرسہ قابل ذکر موجود نہیں تھا۔ کراچی میں ایک پرانا مدرسہ تھا، مظہر العلوم کھڈہ، پورے پاکستان کی ضرورتوں کے لئے وہ کافی نہ تھا، اس ضرورت کو محسوس کرتے ہوئے ہمارے اکابر علماء نے بڑے بڑے مدرسوں کی بنیادیں رکھیں اور بحمد اللہ مدارس قائم ہوتے چلے گئے۔

لاہور میں حضرت مولانا مفتی محمد حسن صاحبؒ نے جامعہ اشرفیہ کی بنیاد رکھی۔ ملتان میں حضرت مولانا خیر محمد صاحبؒ نے خیر المدارس قائم فرمایا۔ کراچی میں میرے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ نے دارالعلوم کراچی قائم کیا۔ ٹنڈوالہیار میں حضرت مولانا احتشام الحق تھانویؒ نے دارالعلوم الاسلامیہ کی بنیاد رکھی اور دیکھتے ہی دیکھتے پورے ملک میں اتنے مدرسے ہوگئے کہ الحمدللہ اب مدرسوں کی تعداد میں کوئی کمی ملک میں نظر نہیں آتی۔ کراچی میں تو اب یہ حال ہے کہ محلّہ محلّہ میں مدرسہ ہے بلکہ میں کہتا ہوں اور اپنے والد ماجدؒ سے سنا تھا۔ اس لئے کہتا ہوں کہ کراچی میں درس نظامی کے مدرسے اتنی تعداد میں ہوگئے ہیں کہ اتنی ضرورت وہاں نہیں تھی۔

بلکہ زیادہ تعداد سے یہ نقصان ہوتا ہے کہ ہر مدرسہ کے الگ مصارف ہیں۔ ایک مدرسہ میں تین طالب علم لئے بیٹھے ہیں۔ بعض اساتذہ ان کے لئے چندہ کرتے پھر رہے ہیں، دوسرے مدرسہ میں پانچ طالب علم بیٹھے ہیں ان کے لئے چندہ ہو رہا ہے، عمارتیں بن رہی ہیں، کراچی میں تو مدرسوں کی یہ افراط ہے، پنجاب اور صوبہ سرحد میں بھی آپ جائیں گے تو چھوٹے چھوٹے شہروں میں دو دو تین تین مدرسے آپ کو ملیں گے، بحمد اللہ بڑے بڑے مدرسے بھی ہیں۔

لیکن اللہ ہی کو معلوم ہے اس کا کیا سبب ہے کہ حیدر آباد میں مدرسوں کا جو خلا ۴۸ء میں تھا وہ آج تک اسی طرح ہے، یہاں کوئی ایسا تعلیمی اور تربیتی ادارہ وجود میں

نہیں آسکا جو اس شہر کی اور اس کے متعلقات کی دینی ضرورتوں کو پورا کرسکے ابھی تک کوئی قابل ذکر دارالافتاء بھی یہاں میرے علم میں نہیں ہے۔

اور علماء پیدا ہوتے ہیں مدرسوں سے، جب یہاں مدرسہ نہیں ہوگا تو علماء کیسے پیدا ہوں گے؟ تو ۴۸ء سے یہ ایک کسک محسوس ہوتی ہے اور ایک خلا نظر آتا ہے حیدرآباد میں، یہ بہت بڑی کمی ہے اور خطرناک کمی ہے۔

دین اسلام اور علم

وجہ اس کی یہ ہے کہ ہمارا دین جو تاجدار عالم سرور کونین محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں دیا، اس کی بنیاد علم پر ہے، اگر اس میں سے علم نکال دیا جائے تو دین ختم ہو جائے۔ اس دین کا مدار علم پر ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جو فرائض منصبی قرآن کریم میں بیان کئے گئے ہیں وہ چار ہیں، وہ فرائض اسی آیت میں ارشاد فرمائے گئے ہیں جو میں نے ابھی عربی خطبہ میں پڑھی ہے۔

لقدمن اللہ علی المؤمنین الخ اس آیت میں آپ کی بعثت کے چار مقاصد بیان فرمائے گئے ہیں: پہلا یہ کہ یتلوا علیھم آیاتہ یعنی اللہ تعالیٰ کی آیات پڑھ کر لوگوں کو سنائیں تاکہ دوسرے لوگ بھی اس کو صحیح طریقہ سے پڑھ سکیں اور اللہ کا پیغام پہنچ جائے۔ دوسرا ویزکیھم اوران کے اخلاق کا تزکیہ کریں یعنی لوگوں کے اخلاق وعادات کی اصلاح فرمائیں۔ ویعلمھم الکتب والحکمۃ اور لوگوں کو قرآن کی اور حکمت کی تعلیم دیں، ان چار مقاصد میں آپ دیکھئے کہ بنیادی طور پر دو باتیں ہیں ایک تعلیم قرآن وسنت دوسرے تربیت یعنی علم کے مطابق اعمال واخلاق کی اصلاح۔

تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے مقاصد کا خلاصہ دو کام ہیں تعلیم اور تربیت انہی دو کاموں کو آپ نے ۲۳ سال تک متواتر انجام دیا، معلوم ہوا کہ دین کی بنیاد علم

پر ہے اور اس کا اندازہ ایک تو اسی بات سے ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس امت کا سب سے پہلا معلم اور استاد بنا کر بھیجا گیا، دوسرے آپ اس سے اندازہ کیجئے کہ وہ سب سے پہلی وحی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی یعنی سب سے پہلی آیت جو غار حرا میں جبریل امینؑ لے کر آئے وہ آیت اقرأ کے لفظ سے شروع ہو رہی ہے۔

اقرأ باسم ربک الذی خلق، خلق الانسان من علق، اقرأ وربک الاکرم الذی علم بالقلم، علم الانسان مالم یعلم ۔ یہ آیات ہیں جو سب سے پہلے غار حرا میں نازل ہوئیں ان آیات میں جو سب سے پہلا حکم ہے وہ اقرأ یعنی پڑھئے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو جبریل امینؑ اللہ جل شانہ کا پیغام دے رہے ہیں کہ پڑھئے: اقرأ باسم ربک الذی خلق یعنی پڑھئے اس ذات کے نام سے کہ جس نے پیدا کیا۔ خلق الانسان من علق اس نے جمے ہوئے خون سے پیدا کیا۔ اقرأ وربک الاکرم دیکھئے دوبارہ حکم آیا۔ کہ آپ پڑھئے آپ کا پروردگار بہت کرم والا ہے علم بالقلم جس نے انسان کو تعلیم دی ہے قلم کے ذریعہ دیکھئے تعلیم کا بھی ذکر آ رہا ہے اور قلم کا بھی ذکر آ رہا ہے۔ علم الانسان مالم یعلم انسان کو ایسی چیزوں کی تعلیم دی جو پہلے وہ نہیں جانتا تھا۔

تو سب سے پہلی آیت اور سب سے پہلا حکم یہ ہے کہ پڑھئے۔ یہ آیت نزول کے اعتبار سے سب سے پہلی ہے، ترتیب قرآن کے اعتبار سے تو یہ آیت سب سے پہلی نہیں، لوح محفوظ میں قرآن کریم جس ترتیب سے لکھا ہوا ہے، اسی ترتیب سے یہ قرآن مرتب ہوا ہے اور لوح محفوظ کی اسی ترتیب کے مطابق آج بحمد اللہ ہمارے مصاحف اور سینوں میں محفوظ ہے لیکن اس کا نزول لوح محفوظ کی ترتیب کے مطابق نہیں ہوا۔ بلکہ یہ مختلف حالات اور ضرورتوں کے مطابق متفرق طور پر نازل ہوا ہے۔ چنانچہ نزول کے اعتبار سے سب سے پہلے آیت اقرأ باسم ربک الذی خلق الخ ہے۔

اور قرآن مجید کی جو ترتیب ہمارے مصاحف میں ہے اور جو لوح محفوظ کی ترتیب کے مطابق ہے اس ترتیب میں سب سے پہلے سورہ فاتحہ ہے اور اس کے بعد سورہ بقرہ ہے۔ سورۂ فاتحہ پورے قرآن کریم کا دیباچہ اور مقدمہ ہے قرآن کریم کا مفصل متن سورہ فاتحہ کے بعد سورہ بقرہ سے شروع ہو رہا ہے جس کی سب سے پہلی آیت الٓمٓ ذالک الکتب الخ ہے۔ یہاں بھی آپ دیکھ رہے ہیں کہ کتاب کا ذکر سب سے پہلے آیا ہے۔ وہاں سب سے پہلی وحی میں پڑھنے کا ذکر ہے۔ قلم کا ذکر ہے تعلیم کا ذکر ہے اور یہاں سورۂ بقرہ کی سب سے پہلی آیت میں کتاب کا ذکر ہے۔

مزید دیکھئے کہ قرآن مجید کا نام ہے۔ ''القرآن'' یعنی وہ چیز جس کو پڑھا جائے۔ اور دوسرا نام ہے ''الکتاب'' یعنی وہ چیز جو لکھی جائے تو یہ دین لکھنے پڑھنے کا دین ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ۲۳ سالہ دور میں یہی کام کیا ہے کہ آپ نے قرآن پڑھایا اور اس پر عمل کرنے کی ترغیب دی، یہی حاصل ہے تاجدار دو عالم سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری سیرت طیبہ کا۔

مزید اندازہ کیجئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تعلیم کو عام کرنے کا کتنا اہتمام فرمایا تھا کہ غزوۂ بدر جو حق و باطل کا سب سے پہلا معرکہ ہے اس میں کفار کے بڑے بڑے سردار قتل کئے گئے۔ اور ۷۰ بڑی شخصیتیں گرفتار ہوئیں۔ مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقہ اور طفیل میں فتح مبین عطا فرمائی، قیدیوں کے بارے میں مشورہ ہوا کہ ان کا کیا کیا جائے۔ کسی نے مشورہ دیا کہ انہیں قتل کر دیا جائے۔ ایک رائے یہ ہوئی کہ فدیہ اور مال لے کر ان کو چھوڑ دیا جائے تاکہ مسلمانوں کو مالی منفعت حاصل ہو۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ رائے پسند آئی اور آپ نے اسی کے مطابق فیصلہ فرمایا۔ چنانچہ کفار مکہ مال دے کر اپنے قیدی چھڑا رہے تھے۔ لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان قیدیوں میں سے جو لوگ لکھنا جانتے ہیں ان کا فدیہ ہم مال

ودولت کی صورت میں نہیں لیں گے۔ بلکہ ہر قیدی جو لکھنا جانتا ہے وہ مسلمانوں کے دس بچوں کو لکھنا سکھا دے اس کی جان بخشی ہو جائے گی۔ اس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو لکھنا سکھانے کا اہتمام فرمایا۔

درسگاہِ صُفّہ

ہجرت مدینہ کے بعد جب مسجد نبوی تعمیر ہوئی تو اس میں ایک صفہ تھا۔ یہ صفہ اسلام کی سب سے پہلی درسگاہ اور سب سے پہلا مدرسہ ہے۔ اس کے اندر چار سو کے قریب طلبہ صحابہ کرامؓ زیر تعلیم رہے ہیں اور ایک ایک وقت میں تقریباً اسی طالب علم رہے، انہیں میں سے ایک ہونہار طالب علم حضرت ابو ہریرۃؓ ہیں جنہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ۵۳۷۴ حدیثیں یاد کر کے امت تک پہنچائیں۔

یہ صفہ کیا تھا؟ یہ مسجد نبوی کے ساتھ ایک چبوترہ تھا۔ یہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کرامؓ کو تعلیم دیا کرتے تھے، خلاصہ یہ کہ سب سے پہلے استاد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور سب سے پہلے شاگرد صحابہ کرامؓ ہیں اور سب سے پہلا مدرسہ صفہ ہے۔

اس سے ایک بات یہ معلوم ہوئی کہ دین علم کے بغیر نہیں آ سکتا، دین موقوف ہے علم پر، علم کے بغیر نہ انسان کا عقیدہ درست ہو سکتا ہے، نہ عمل کی اصلاح ہو سکتی ہے نہ فرائض ادا ہو سکتے ہیں، نہ حرام سے بچا جا سکتا ہے۔

فضائلِ علم

وجہ اس کی یہ ہے کہ نجات موقوف ہے عقیدہ اور عمل پر یعنی ایمان اور عمل پر، اور ایمان وعمل موقوف ہے علم پر۔ تو نجات موقوف ہے علم پر، اس واسطے یہ دین علم کا دین ہے، لکھنے پڑھنے کا دین ہے چنانچہ قرآن کریم کی بہت سی آیات میں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وسلم کی کتنی ہی احادیث میں علم کے اور علماء کے فضائل بیان کئے گئے ہیں۔

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ **تَدارُسُ العلم سَاعَةً مِنَ اللَّيْلِ خَيْرٌ مِنْ اِحيَاءِ هَا** یعنی ایک رات کے گھنٹہ میں علم کا تدارس کرنا، مذاکرہ کرنا، علم میں مشغول رہنا یہ بہتر ہے پوری رات کی عبادت سے، یعنی ایک شخص جو پوری رات کھڑے ہوکر تہجد پڑھتا ہے یہ بھی بہت بڑی فضیلت اور عبادت ہے۔ اللہ کو بہت پسند ہے، لیکن فرمایا کہ دوسرا شخص جو ایک گھنٹہ علم میں مشغول رہتا ہے، پڑھتا ہے یا پڑھاتا ہے اس کا درجہ بڑھا ہوا ہے اس شخص سے جو پوری رات عبادت کرتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دو شخصوں کے بارے میں پوچھا گیا۔ ایک وہ شخص جو فرائض و واجبات ادا کرتا ہے اور حرام و گناہ سے بچتا ہے، نفلی عبادت زیادہ نہیں کرتا، مگر عالم ہے، دوسرا عالم تو نہیں، لیکن بہت عبادت گذار ہے، صحابہ کرامؓ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا ان میں سے افضل کونسا ہے۔ آپ نے فرمایا افضل وہ شخص ہے جو علم والا ہے۔

نیز آپ نے بھی فرمایا **فَضْلُ الْعَالِمِ عَلَى الْعَابِدِ كَفَضْلِي عَلَى ادنكُمْ**۔ فضیلت عالم کو عابد پر ایسی ہے جیسے میری فضیلت تم میں سے ادنیٰ صحابی پر، یعنی جو فرق ایک ادنیٰ صحابی اور مجھ میں ہے وہی فرق ایک عابد اور عالم میں ہے تو یہ دین علم کا دین ہے اس میں کمال علم کے بغیر نہیں آتا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ **طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيْضَةٌ عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ** یعنی علم دین حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے۔

علم دین فرض عین اور فرض کفایہ

علم دین بہت سے علوم پر مشتمل ہے اور ظاہر ہے کہ ہر مسلمان مرد و عورت اس پر قادر نہیں کہ ان سب علوم کو پورا حاصل کر سکے، اس لئے مذکورہ حدیث شریف میں جو علم ہر

مسلمان پر فرض قرار دیا گیا ہے اس سے مراد علم دین کا وہ حصہ ہے جس کے بغیر آدمی نہ اپنے عقائد صحیح کرسکتا ہے نہ فرائض وواجبات ادا کرسکتا ہے اور نہ حرام وناجائز کاموں سے بچ سکتا ہے۔ باقی علوم کی تفصیلات یعنی قرآن وحدیث کے تمام معارف ومسائل اور ان سے نکالے ہوئے احکام کی پوری تفصیل کا علم حاصل کرنا نہ ہر مسلمان کی قدرت میں ہے نہ ہر ایک پر فرض عین ہے، البتہ پورے عالم اسلام کے ذمہ فرض کفایہ ہے، یعنی ہر شہر میں ایک عالم دین ان تمام علوم دین کا ماہر موجود ہوتو باقی مسلمان اس فرض سے سبکدوش ہوجاتے ہیں، اور جس شہر یا قصبہ میں ایک بھی عالم دین نہ ہوتو اس بستی والوں پر فرض ہے کہ اپنے میں سے کسی کو عالم بنائیں یا باہر سے کسی عالم کو بلاکر اپنے شہر میں رکھیں تاکہ ضرورت پیش آنے پر باریک مسائل کو اس عالم سے فتویٰ لے کر سمجھ سکیں اور عمل کرسکیں، اسلئے علم دین میں ''فرض عین'' اور ''فرض کفایہ'' کی تفصیل یہ ہے:۔

فرض عین اور فرض کفایہ کی تفصیل

ہر مسلمان مرد وعورت پر فرض ہے کہ اسلام کے صحیح عقائد کا علم حاصل کرے اور طہارت وناپاکی کے احکام سیکھے، نماز، روزہ اور تمام عبادات جو شریعت نے ہر مسلمان پر فرض یا واجب کی ہیں ان کا علم حاصل کرے، جن چیزوں کو شریعت نے حرام یا مکروہ قرار دیا ہے ان کا علم حاصل کرے۔ جس کے پاس بقدر نصاب مال ہو اس پر فرض ہے کہ زکوٰۃ کے مسائل واحکام معلوم کرے۔ جس کو حج کرنے کی قدرت ہے، اس پر فرض عین ہے کہ حج کے احکام ومسائل معلوم کرے۔ جس کو خرید وفروخت کرنا پڑے یا تجارت وصنعت یا مزدوری کے کام کرنے پڑیں۔ اس پر فرض عین ہے کہ بیع واجارہ کے مسائل واحکام معلوم کرے۔ جب نکاح کرے تو نکاح کے احکام ومسائل اور طلاق کے احکام ومسائل سیکھے، غرض جو کام شریعت نے ہر انسان کے ذمہ فرض یا واجب کئے ہیں ان کے احکام ومسائل کا

علم حاصل کرنا بھی ہر مسلمان مرد وعورت پر فرض ہے۔

علم تصوف کا ضروری حصہ بھی فرض عین ہے

دین کے ظاہری اعمال جو ہم اپنی زبان سے انجام دیتے ہیں یا جسم کے باقی ظاہری اعضا وجوارح سے انجام دیتے ہیں مثلاً نماز، روزے وغیرہ کو تو سب ہی جانتے ہیں کہ فرض عین ہیں اور ان کا ضروری علم حاصل کرنا بھی فرض عین ہے لیکن یاد رکھنا چاہئے کہ باطنی اعمال جو اپنے دل سے انجام دیتے ہیں اور جو ہر شخص پر فرض عین ہیں ان کا علم بھی سب پر فرض عین ہے۔

اعمال باطنہ کے علم ہی کو تصوف کہتے ہیں، آجکل جس کو "علم تصوف" کہا جاتا ہے وہ بھی بہت سے علوم ومعارف اور مکاشفات واردات کا مجموعہ بن گیا ہے، اس جگہ فرض عین سے مراد اس کا صرف وہ حصہ ہے جس میں اعمال باطنہ فرض وواجب کی تفصیل ہے مثلاً صحیح عقائد جن کا تعلق باطن سے ہے یا صبر وشکر، توکل، قناعت وغیرہ ایک خاص درجے میں فرض عین ہیں۔ ان کا علم حاصل کرنا بھی فرض عین ہے یا غرور وتکبر، حسد وبغض، بخل وحرصِ دنیا وغیرہ جوازروئے قرآن وسنت حرام ہیں، ان کی حقیقت اور ان سے بچنے کے طریقے معلوم کرنا بھی ہر مسلمان مرد وعورت پر فرض ہے، علم تصوف کی اصل بنیاد اتنی ہے جو فرض عین ہے۔

پورے قرآن کریم کے معانی ومسائل کو سمجھنا اور تمام احادیث کو سمجھنا اور ان میں معتبر اور غیر معتبر کی پہچان پیدا کرنا، قرآن وسنت سے جو احکام ومسائل نکلتے ہیں، ان سب کا علم حاصل کرنا، اس میں صحابہ وتابعین اور ائمہ مجتہدین کے اقوال وآثار سے واقف ہونا۔ یہ اتنا بڑا کام ہے کہ پوری عمر اور سارا وقت اس میں خرچ کرکے بھی پورا حاصل ہونا آسان نہیں، اس لئے شریعت نے اس علم کو فرض کفایہ قرار دیا ہے کہ بقدر ضرورت کچھ لوگ یہ

سے علم حاصل کرلیں تو باقی مسلمان سبکدوش ہوجائیں گے ورنہ اس بستی کے سب لوگ گنہگار ہوں گے۔

چنانچہ حضرت حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی لکھا ہے کہ ہر بستی کے لوگوں پر لازم ہے کہ کم ازکم ایک ایسا عالم دین اپنی بستی میں تیار کریں، جو اس بستی کی علمی اور دینی ضرورتوں کو پورا کرسکے اگر ایسا عالم تیار نہیں کریں گے تو گناہ گار ہوں گے۔

میں دیکھ رہا ہوں کہ حیدرآباد میں مدرسوں کا فقدان ہے۔ الحمدللہ یہاں بعض مدرسے قائم ہوئے ہیں لیکن ابھی یہاں کی ضرورت کما حقہ پوری نہیں ہوئی۔

ریاض العلوم کی سرپرستی

مجھ سے میرے عزیزوں نے محبت اور تعلق کی بناء پر فرمایا ہے کہ ہم آپ کو جامعہ کا سرپرست مقرر کرتے ہیں قبول کرلو۔ سرپرست کیا، میں تو ایک طالب علم ہوں، اللہ جل شانہ میرا شمار طالب علموں میں فرمادے تو اس سے بڑا کیا مرتبہ ہے، میں تو طالب علموں کا خادم ہوں سرپرست ہونے کا تو کیا اہل ہوتا لیکن میں نے اس امید پر اس مدرسہ کے ساتھ اس تعلق کو غنیمت سمجھا کہ ممکن ہے اس کے ذریعے سے ہمیں کچھ موقع مل سکے اور اپنے دوستوں اور بہی خواہوں کو توجہ دلاسکیں کہ حیدرآباد کے اندر اتنا بڑا خلا ہے جس کو پُر کرنا ضروری ہے اس کے لئے کچھ سوچیں۔

یہ جامعہ عربیہ ریاض العلوم مجھے معلوم ہے کہ ابھی اس میں بالکل ابتدائی درجہ کی تعلیم ہے۔ قرآن کریم حفظ وناظرہ کی تعلیم ہورہی ہے اور درسگاہ دینیات میں ابتدائی کتابیں عربی زبان کی اور صرف ونحو کی پڑھائی جاتی ہیں۔ مجھے اس مدرسہ کے منتظمین سے رابطہ کا تعلق اور قلبی تعلق تو پہلے سے تھا لیکن ضابطہ کے تعلق کو میں نے اپنے لئے اس لئے غنیمت سمجھا کہ شاید اس جامعہ کو جو اس وقت ایک چھوٹا سا مکتب ہے اللہ تعالیٰ واقعی جامعہ

بنادے اور اس جامعہ کے خدام کی فہرست جب اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش ہوتو اس سیاہ کار کا نام بھی اس فہرست کے آخر میں کسی گوشہ میں لکھا ہوا مل جائے جو میرے لئے ذریعہ نجات بن جائے۔

یہ مکتب ہے مگر اس کا نام جامعہ ہے۔ عربی زبان میں جامعہ یونیورسٹی کو کہتے ہیں۔ کہاں یونیورسٹی کہاں پرائمری اسکول، پرائمری اسکول کا نام اگر یونیورسٹی رکھ دیا جائے تو لوگ کیا کہیں گے؟ ممکن ہی اس ابتدائی مدرسہ کا نام ''جامعہ'' دیکھ کر بعض حضرات ہنستے ہوں، لیکن میں تو اس کی یہ تاویل کرتا ہوں کہ جب طالب علم پڑھ رہا ہوتا ہے تو اس کو ''مولوی'' کہتے ہیں۔ نام نہیں لیتے۔ اس سے مراد یہ نہیں ہوتی کہ یہ مولوی بن گیا ہے بلکہ یہ ہوتی ہے کہ آئندہ مولوی بننے والا ہے۔ یہ مدرسہ بھی ابھی جامعہ نہیں ہے زبانوں پر جامعہ کا لفظ آیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے دلوں میں ڈالا ہے۔ کوئی عجب نہیں کہ کسی وقت اللہ تعالیٰ اس کو واقعی جامعہ بنادے اور بڑا دارالعلوم بن جائے۔

نیشنلزم کا بُت

مجھے آپ سے جو بات کرنی ہے وہ یہ ہے کہ اس حیدرآباد میں بدعات کا بہت زور ہورہا ہے، آپ دیکھ رہے ہیں، اتنی شدت سے بدعتیں پھیل رہی ہیں، جس کا اندازہ آپ حضرات کو مجھ سے بدر جہا زیادہ ہوگا، میں تو کراچی میں رہتا ہوں، لیکن وہاں بیٹھ کر حیدرآباد کے حالات پڑھ کر اور سن کر کڑھتا رہتا ہوں، یہ تو بدعتیں ہیں جو حرام ہیں مگر کفر نہیں۔

لیکن ایک اور بت اور اس کے ماتحت بہت سارے بت تراش لئے گئے ہیں۔ کراچی میں بھی اور حیدرآباد میں بھی اور کوشش یہ ہے کہ ان کی پوجا پاکستان کے تمام علاقوں میں شروع ہوجائے حیدرآباد اور کراچی میں تو ان کی پوجا شروع ہوگئی ہے۔

ایک بڑا خطرناک بت تراشا گیا ہے اور اس کی کئی شاخیں ہیں۔ اس طرح وہ کئی بت بن جاتے ہیں۔ یہ وہ بت ہے جس کو تاجدار دو عالم سرور کونین محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود پاش پاش کیا تھا۔ اس بت کو چکنا چور کیا تھا الحمدللہ کراچی میں علماء اس بت کو توڑنے کی کوشش میں لگے ہوئے ہیں۔

افسوس یہ ہے کہ یہاں حیدر آباد میں اس بت کے خلاف موثر کاروائی شروع نہیں ہوئی اور وہ بت ہے قومی عصبیت کا بُت، قومیت کا بُت، کہیں مہاجر قومیت کے اور کہیں پنجابی قومیت کے نعرے اٹھ رہے ہیں، کہیں سندھی قومیت اور کہیں پختون قومیت کے نعرے لگ رہے ہیں یہ نیشنلزم ہے یہ قومیت کا مذہب ہے، قومیت کا دین ہے، اس کا دینِ اسلام سے کوئی تعلق نہیں، اس نیشنلزم کا حاصل یہ ہے کہ پنجابی پنجابی کا بھائی ہے، مہاجر کا بھائی نہیں، پختون پختون کا بھائی ہے سندھی کا بھائی نہیں، سندھی سندھی کا بھائی ہے بلوچ کا بھائی نہیں۔

جس کا مطلب یہ ہے کہ ایک قوم اور ایک علاقہ کے لوگ آپس میں حق پر ہوں یا باطل پر ایک دوسرے کی ہر صورت میں مدد کریں گے اور دوسری قوم کی ہر صورت میں مخالفت کریں گے یہ حاصل ہے اس نیشنلزم کا اور قومیت کے بت کا۔

خوب سمجھ لیجئے کہ وطنی قومیت، صوبائی قومیت، لسانی قومیت، نسلی قومیت، قبائلی قومیت یہ تمام بت ہیں جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے قدم مبارک سے کچلا تھا۔ اگر اسلام میں وطنی قومیت کی کوئی بنیاد ہوتی تو قرآن یہ اعلان نہ کرتا کہ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ اِخوَةٌ یعنی دنیا کے تمام مسلمان بھائی بھائی ہیں، قرآن نے پوری دنیا کے اندر صرف دو قومیں بتلائی ہیں، مومن اور کافر تیسری کوئی قوم نہیں قرآن کریم میں ہے:

﴿ هُوَ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ فَمِنْکُمْ کَافِرٌ وَمِنکُم مُّؤْمِنٌ ﴾

(التغابن)

''وہی ہے جس نے تم کو پیدا کیا پس تم میں سے کچھ لوگ کافر ہیں اور کچھ لوگ مومن ہیں''۔

اسلامی قومیت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا الکفر کُلُّہٗ مِلَّۃٌ وَّاحِدَۃٌ کفر پورا کا پورا ایک ملت ہے چاہے وہ عیسائی ہوں، یہودی ہوں، ہندو ہوں، مجوسی ہوں، مشرک ہوں، بدھ مت کے لوگ ہوں کیمونسٹ ہوں، سوشلسٹ ہوں، یہ سب کے سب ایک ملت ہیں ان کی آپس میں کتنی ہی رقابتیں ہوں لیکن وہ اسلام کے مقابلہ میں ایک ہی ملت ہیں اور پوری دنیا کی تمام اقوام کے مقابلہ میں اسلام ایک ملت ہے اور تمام مسلمان بھائی بھائی ہیں۔

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَۃٌ۔ قرآن کریم نے یہ بتلایا ہے کہ ملت دین کی بنیاد پر بنتی ہے جو کلمہ توحید لا الہ الا اللہ محمد رسول اللّٰہ کا قائل ہو وہ مومن ہے مسلمان ہے اور جو اس کلمہ کا منکر ہے وہ کافر ہے مشرک ہے اور جہنمی ہے اسلام اور مسلمان کا وہ دوست نہیں ہوسکتا، پورے قرآن کریم میں جگہ جگہ یہ بات واضح کردی گئی ہے۔

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا الْیَھُوْدَ وَ النَّصَارٰیٓ اَوْلِیَاءَ. اے ایمان والو! یہود ونصاریٰ کو اپنا دوست نہ بناؤ ان سے دوستی کرنا بھی ناجائز ہے، لوگ مسئلہ پوچھا کرتے ہیں کہ اگر کسی کافر کے ساتھ کھانا کھانا پڑ جائے تو جائز ہے یا نہیں؟ ہم کہتے ہیں جائز ہے پانی پینا پڑ جائے تو جائز ہے۔ خرید وفروخت کرنی پڑ جائے، شراکت ومضاربت کرنی پڑ جائے جائز ہے، لیکن یاد رکھئے کہ کسی کافر سے دوستی جائز نہیں، جب دوستی جائز نہیں تو بھائی بنانا کیسے جائز ہو جائے گا؟

پاکستان اسی بنیاد پر بنا تھا کہ کانگریس نے نعرہ لگایا تھا ''ہندو مسلم بھائی بھائی''

مسلم لیگ نے اور علماء کرام نے نعرہ لگایا ''مسلم مسلم بھائی بھائی'' ہندو مسلم بھائی بھائی نہیں ہو سکتے، اسی وجہ سے یہ پاکستان الگ بنا تھا کہ مسلمان ایک الگ قوم ہے ہندو الگ قوم ہے ہندو کا وطن الگ ہوگا ہمارا وطن الگ ہوگا، یہی وہ دو قومی نظریہ ہے جس کو نظریہ پاکستان کہا جاتا ہے اور اسی نظریہ پر پاکستان کا وجود قائم ہے۔

انتباہ

یاد رکھیئے کہ یہ پاکستان باقی رہے گا تو اسی نظریہ کی بنیاد پر باقی رہے گا اس نظریہ کو اس ملک سے ختم کرنے کی کوشش کی گئی تو یہ پاکستان ختم ہو جائے گا لیکن پاکستان کے دشمنوں نے، اسلام کے دشمنوں نے قومیت کے بت تراشے ہیں۔ مہاجر قومیت کا بت، پختون قومیت کا بت، ایک سندھی قومیت کا بت، پنجابی قومیت کا بت، بلوچ قومیت کا بت، یہ تمام بت ہیں اور یہ دعوت دی جا رہی ہے کہ مہاجر اس بت کی پوجا کریں، پنجابی اس بت کی پوجا کریں۔ پختون اس بت کی پوجا کریں اور بلوچ اس بت کی پوجا کریں اور پرانے سندھی اس بت کی پوجا کریں۔

لاَاِلٰہ اِلّا اللّٰہُ مُحمّد رسول اللّٰہ کا کلمہ پڑھنے والوں کی غیرت کو کیا ہوا ہے اس مشرکانہ دعوت کو کیوں نہیں ان کے منہ پر مار دیا جاتا، کیوں اس کے خلاف تبلیغ نہیں کی جاتی۔ یہ مشرکانہ نعرہ ہے، کافرانہ نعرہ ہے۔ اسلام کی بنیادوں کے خلاف ہے آپ دیکھ رہے ہیں کہ اس نعرہ کے نتیجہ میں ملک کہاں سے کہاں پہنچ گیا۔ آپ کے حیدر آباد کی معاشی حالت کہاں سے کہاں پہنچ گئی کراچی تباہی کے کنارہ پہنچ چکا ہے۔ یاد رکھئے کراچی ایک ایسا شہر ہے جو پورے ملک کی شہ رگ ہے، دشمن نے اس کراچی کو اپنا نشانہ بنایا ہے تاکہ قومیت کے فسادات ہوں۔ پیش نظریہ ہے کہ کراچی کو تباہ کریں تاکہ پاکستان تباہ ہوئے۔

پاکستان اہل اسلام کی پناہ گاہ

یہ پاکستان ہم پر اللہ رب العالمین کی عظیم نعمت ہے۔ ہندوستان میں جن مسلمانوں پر مظالم ٹوٹے تو ان کو پناہ پاکستان میں ملی۔ برما کے مسلمانوں پر سوشلسٹوں نے مظالم ڈھائے ان کو پناہ پاکستان میں ملی۔ بنگلہ دیش میں مسلمانوں پر مظالم ڈھائے گئے تو وہاں کے بہاری بھائیوں کو پناہ پاکستان میں ملی۔ افغانستان میں مسلمانوں پر قیامت توڑی گئی تو ان کو پناہ پاکستان میں ملی، ایران میں اب سنیوں پر مظالم ہو رہے ہیں تو ان کو پناہ پاکستان میں مل رہی ہے۔

لیکن پاکستانیو! تم یہ بھی سوچو کہ اگر خدانخواستہ اس پاکستان کو کچھ ہو گیا تو تمہیں پناہ کون دیگا؟ کہاں پناہ لو گے؟ تمہارے پاس سوائے سمندر کے اور کوئی جگہ نہیں ہے۔ کیا سعودی عرب تمہیں پناہ دے گا؟ وہاں تم ایک گھنٹہ بھی بغیر ویزے کے نہیں رہ سکتے۔ یہاں سے جانیوالوں کو اس کا تجربہ ہے کسی بھی اسلامی ملک میں تمہیں ایک گھنٹہ بھی بغیر ویزے کے نہیں رہنے دیں گے کیا ان میں سے کوئی پناہ دے گا کہ یہاں آ جاؤ اور رہنے لگو۔ خدانخواستہ پاکستان کو کچھ ہو گیا تو سوائے سمندر میں ڈوبنے کے کوئی راستہ نہیں ملے گا۔

دشمن اس حقیقت سے واقف ہے جو ہمارا بھی دشمن ہے پاکستان کا بھی دشمن ہے دین اور اسلام کا بھی دشمن ہے اس نے ہمارے اندر قومیت کے یہ بت تر شوا دیئے ہیں، لیڈروں نے اپنی لیڈری چمکانے کے لئے لوگوں کو اس دھندے میں لگا دیا ہے۔ علامہ اقبال مرحوم نے کتنے عرصہ قبل یہ بات کہی تھی، عصبیت اور قومیت کے بارے میں کہ

ان تازہ خداؤں میں بڑا سب سے وطن ہے
جو پیرہن ہے اس کا وہ ملت کا کفن ہے

اسلامی اخوت ومحبت

یاد رکھئے اس فتنہ کا مقابلہ کرنا ہر مسلمان کا فرض ہے کسی جماعت سے ہماری دشمنی نہیں، کسی شخصیت سے ہمیں عناد نہیں، ہم یہ کہہ رہے ہیں کہ پاکستان کے مسلمان بلکہ ساری دنیا کے تمام مسلمان ہمارے بھائی ہیں، اگر کسی سندھی مسلمان کا کوئی نقصان ہوتا ہے تو ہمیں بے چین ہو جانا چاہیے، پنجابی یا پختون بھائی پر کوئی ظلم ہوتا ہے تو ہماری رگ حمیت پھڑک جانی چاہئے کہ ایک مسلمان پر ظلم ہو رہا ہے، بھائی پر ظلم ہو رہا ہے۔ اگر مہاجر کو تکلیف پہنچتی ہے تو ہمیں اس کی مدد کے لئے دوڑنا چاہئے کیونکہ وہ ہمارا مسلمان بھائی ہے۔

قرآن مجید میں فرمایا گیا۔ تَعَاوَنوا عَلَی البِرِ وَالتَّقویٰ ولا تَعَاوَنوا عَلی الاِثمِ والعُدوان ۔ نیکی میں ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کرو، اور ظلم و گناہ میں ایک دوسرے کا تعاون نہ کرو، قرآن کریم نے دنیا کے سارے مسلمانوں کو ایک دوسرے کا بھائی بنا کر نیک کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کرنے کا حکم دیا ہے، کسی بھی علاقے اور کسی بھی نسل کا مسلمان ہو وہ کوئی بھی زبان بولتا ہو، وہ ہمارا بھائی ہے نیک کاموں میں ان کی مدد کرنا ہمارا فرض ہے اُسے ظلم سے بچانا ہمارا فرض ہے ہاں ناجائز کاموں میں یا ظلم میں کسی کی بھی مدد کرنا خواہ وہ ہمارا بیٹا ہو یا قریبی رشتہ دار ہو حرام ہے لیکن یہ قومیت کا بت جسے نیشنلزم کہا جاتا ہے وہ اپنے پجاریوں کو یہ سکھاتا ہے کہ اپنے ہم وطن کی اور اپنی زبان بولنے والے کی ظلم میں بھی مدد کرو، دوسرے علاقوں کے لوگوں سے نفرت کرو اور ان پر جو بھی ظلم ڈھایا جائے وہ روا ہے۔

کراچی میں اور پاکستان کے دوسرے شہروں میں تمام علاقوں کے مسلمان ہمیشہ پیار سے رہتے تھے۔ ہمیشہ شیر و شکر رہے ہیں، ہمارے دشمن نے یہ کام کیا کہ ہمیں ایک دوسرے کے خلاف بھڑکا دیا، جب جھگڑا کسی محلّہ میں ہو اور وہاں مثلاً کسی مہاجر کے مکان کو

کسی ظالم نے آگ لگادی۔ یہ اُس ظالم نے بہت بڑا ظلم کیا، گناہ کبیرہ کا مرتکب ہوا اور اپنے لئے جہنم کی آگ تیار کرلی، لیکن کیا اس کا انتقام کسی اور بے گناہ پنجابی بھائی سے یا پختون بھائی سے لینا جائز ہوگا؟ جس نے کسی پر ظلم نہیں کیا، اور نہ وہ اس ظلم کو درست سمجھتا ہے، بے چارہ بے گناہ ہے اسی طرح اگر کسی محلہ میں ہمارے پختون بھائی یا پنجابی بھائی پر ظلم ہوا تو کیا دوسرے محلے کے کسی بے گناہ مہاجر بھائی سے اس کا انتقام لینا جائز ہوگا؟

میں آپ سے پوچھتا ہوں ایک ادنیٰ سمجھ والا مسلمان یہ بتائے کہ یہ جائز ہوگا؟ ظاہر ہے کہ آپ بھی یہی کہیں گے کہ ناجائز ہے حرام ہے، جس نے مکان جلایا ظالم وہ ہے، اس کو پکڑو، اس علاقہ کا دوسرا مسلمان بھائی یہاں رہتا ہے اس نے تمہارا کوئی نقصان نہیں کیا، اس کو پکڑنا تمہیں کیسے جائز ہے؟ لیکن یہ قومیت کا بت کہتا ہے اپنی قوم کے آدمیوں کی مدد کرو۔ چاہے وہ ظلم کررہے ہوں تب بھی مدد کرو۔

اگر ہم اپنے بھائی کو اپنی برادری کے، اپنے قبیلہ کے، اپنے وطن کے آدمی کو ظلم کرتا ہوا دیکھ رہے ہیں تو ہم پر لازم ہے کہ اس کا ہاتھ پکڑ لیں اور اس کو ظلم نہ کرنے دیں، اس لئے کہ وہ دنیا میں بھی رسوا ہو جائے گا اور آخرت میں بھی تباہ و برباد ہو جائے گا۔ مسلمان کی جان و مال اور آبرو کی بڑی قیمت ہے اللہ جل شانہ کے نزدیک اس کی بڑی عظمت ہے اس کے بارے میں حدیث میں فرمایا کہ اس کی حرمت ایسی ہے جیسی حرمِ مکہ کی حرمت۔

آج اس قومیت کے بت نے ہمیں پاش پاش کرڈالا ہے، میں یہ نہیں کہتا ہے کہ آپ سیاسی پارٹیوں کے ساتھ ڈنڈا بازی شروع کردیں، لڑائی جھگڑا شروع کردیں کہ اس سے ایک نیا جھگڑا کھڑا ہو جائے۔ میں یہ بھی نہیں کہتا کہ ان کو گالی گلوچ شروع کردی جائے اوران کے خلاف بیان بازی کا بازار گرم کردیا جائے نہیں، بلکہ میں یہ کہتا ہوں کہ لوگوں کے اندر اسلامی بھائی چارے کے جذبات کو زندہ کیجئے اسلامی اخوت اور برادری کی تعلیم دیجئے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت یاد دلایئے۔

آپ ان کو بتایئے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ کے رہنے والے تھے، حضرت ابوبکر صدیق، عمر فاروق، عثمان غنی اور علی مرتضیٰ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین مکہ کے رہنے والے تھے، ان کی لڑائیاں کن سے ہوئیں؟ اپنے وطن کے لوگوں سے، مکہ مکرمہ کے کافروں سے، دیکھئے قوم تو ایک ہی ہے قریشی تھے، مکی تھے۔ ایک علاقہ اور ایک زبان کے تھے، ایک قبیلہ اور ایک معاشرت کے لوگ تھے لیکن جنہوں نے کلمہ توحید کو قبول نہیں کیا۔ وہ دشمن سے بدتر ہو گئے اور جنہوں نے کلمہ توحید کو قبول کرلیا۔ وہ بھائی بن گئے۔

چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے وطن کو چھوڑ کر مہاجر بنے، مدینہ طیبہ پہنچے۔ وہاں کن کو بھائی بنایا؟ انصاریوں کو، وہ آپ کے وطن کے تھے؟ آپ کے قبیلہ کے تھے؟ آپ کی نسل کے تھے؟ نہیں بلکہ ایک نئی قومیت بنائی گئی اور اس نئی قومیت کی بنیاد اسلام ہے۔

ابولہب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا چچا تھا اس کو تو مردود قرار دیا، ابوطالب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا چچا جس نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پرورش دادا کے انتقال کے بعد کی۔ وہ بھی کفر کی وجہ سے جہنمی قرار پائے لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سینہ سے کس کو لگایا؟ زید بن حارثہؓ کو، حبشہ کے رہنے والے بلال حبشیؓ کو، فارس وایران کے رہنے والے مسلمان کو، روم کے باشندے صہیب رومیؓ کو، ان کو بھائی بنالیا اور جو اپنے خاندان اور قبیلہ کے کافر لوگ تھے، ان کی گردنیں کاٹیں اور ان کو قید کیا، معلوم ہوا کہ دنیا کے سارے مسلمانوں کی ایک برادری ہے ایک قومیت ہے اور دنیا کے تمام کافر اس برادری سے خارج ہیں۔

میری آپ سے درخواست ہے کہ خدا کے لئے محبت وپیار کے ساتھ بھائیوں کو سمجھائیں کہ کسی بھی علاقہ کا مسلمان جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا امتی ہونے کا دعویدار ہے اور

اسلام کے دائرہ کے اندر داخل ہے وہ بھائی ہے اس پر کوئی ظلم نہ ہونے دو، یاد رکھو! جو قدرت ہونے کے باوجود ظلم کو نہیں روکے گا اور کوتاہی کرے گا وہ بھی مجرم اور گنہگار ہوگا۔

ایک مرکزی ادارہ وشخصیت کی ضرورت

اگر یہ کام حیدرآباد میں ہوتا تو علماء کی طرف سے ہوتا۔ اور الحمدللہ یہاں علماء موجود ہیں، لیکن افسوس اسی کا ہوتا ہے کہ یہاں مرکزی ادارہ نہیں، مرکزی شخصیت نہیں، میری آپ سے درخواست ہے ان فتنوں کا مقابلہ کریں، یہ فتنے آج ہیں کل اور فتنے اٹھیں گے، ان فتنوں کا مقابلہ علمی طور پر علماء کو کرنا ہوتا ہے اس کے لئے یہاں ادارہ کی ضرورت ہے یہ ایک چھوٹا سا مکتب قائم ہوا ہے، اللہ کے بھروسہ پر کچھ لوگوں نے کام شروع کردیا ہے۔ بے سروسامانی میں شروع کیا ہے لیکن مسلسل محنت وکوشش سے انشاءاللہ یہ مدرسہ ترقی کر جائے گا۔ ؎

میں تو تنہا ہی چلا تھا جانب منزل مگر
لوگ کچھ ملتے گئے اور قافلہ بنتا گیا

جن لوگوں نے یہ کام شروع کیا ہے۔ آپ ان کے ساتھ لگ جایئے۔ یہ مسجد ومدرسہ کا کام ایسا ہی ہے جیسے مسجد نبوی اور صفہ کا کام تھا۔ مسجد نبوی سب سے پہلی مسجد اور صفہ سب سے پہلا مدرسہ، اسی طرح یہ مسجد ومدرسہ ہے، اللہ تعالیٰ نے دونوں کا سامان کردیا ہے میری درخواست ہے کہ اس مدرسہ کو آگے بڑھائیں۔

ستم ظریفی

آج کل ایک افتاد یہ ہے کہ اوّل تو عام لوگوں کو ان مدرسوں کی طرف دھیان کم ہوتا ہے اور جن حضرات کو ان مدرسوں کی امداد کرنے کی توفیق ہوتی ہے۔ وہ بھی صرف مالی

چندہ دے کر فارغ ہو جاتے ہیں، اپنے بچوں کو ان مدرسوں میں تعلیم نہیں دلواتے، بلکہ انتظار کرتے ہیں کہ ان مدرسوں میں پڑھنے کے لئے طلبہ کسی اور شہر یا ملک سے آ جائیں۔ اپنے بچوں کو دین کی تعلیم نہیں دلواتے الا ماشاء اللہ۔

ہمارے والد ماجد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے کہ لوگ سوال کرتے ہیں کہ اگر ہم نے اپنے بچے کو دینی تعلیم میں لگایا تو کمائے گا کیا؟ کھائے گا کیا؟ والد صاحبؒ فرماتے تھے کہ میں نے اخبارات میں ایسی خبریں تو بہت ساری پڑھی ہیں کہ فلاں گریجویٹ نے بے روزگاری سے تنگ آ کر خودکشی کر لی۔ آپ نے بھی بہت ساری خبریں پڑھی ہوں گی، آپ نے یہ خبر بھی سنی ہے کہ فلاں مولوی صاحب نے بے روزگاری سے تنگ آ کر خودکشی کر لی ہے۔ یہ خبر آپ نے کبھی نہیں سنی ہو گی۔ اور میں نے بھی نہیں سنی، حضرت والد صاحبؒ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث سنایا کرتے تھے کہ "مَن کَانَ لِلّٰهِ كَانَ اللّٰهُ لَهٗ" جو اللہ کا ہو جاتا ہے اللہ اس کا ہو جاتا ہے، اللہ کے بھروسہ پر اپنی اولاد کو علم دین میں لگایئے، یہ کافی نہیں کہ اپنے بچوں کو اسکول اور کالج میں پڑھائیں اور دوسروں کے بچوں کو یہاں پڑھائیں اسکول اور کالج میں پڑھانا کوئی گناہ نہیں ہے، ہمارے والد صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ اگر اللہ تعالیٰ نے تمہیں دو لڑکے دیئے ہیں تو اُن میں سے ایک کو تو علم دین کے لئے لاؤ۔

بچوں کا چندہ

لیکن اب ہوتا کیا ہے؟ کہ "مری بھیڑ اللہ کے نام" میں ایک جگہ جمعہ کی نماز پڑھاتا تھا، بہت عرصہ تک جمعہ کی نماز پڑھاتا رہا، اور نماز سے پہلے وعظ کرتا تھا کئی سال گذرنے کے بعد میں نے کہا کہ بھئی سنو، لوگ کہتے ہیں کہ مولوی جہاں بھی جاتا ہے چندہ کرتا ہے، میں نے کہا اتنے سال سے تمہارے یہاں جمعہ کی نماز پڑھا رہا ہوں، میں نے

کبھی کوئی چندہ مانگا ہے؟ لوگوں نے کہا کہ کبھی نہیں اشارۃً بھی نہیں مانگا، میں نے کہا آج میں آپ سے چندہ مانگوں گا اور وہ چندہ ایسا ہے کہ کسی نے آپ کے محلّہ میں نہیں مانگا ہوگا وہ چندہ ہے بچوں کا اور میں نے یہی بات کہی کہ اللہ تعالیٰ نے جس کو دو بچے دیئے ہیں ان میں سے ایک کو علم دین میں لگا دیں۔

سننے والوں پر تقریر کا بڑا اثر معلوم ہوا، چنانچہ اگلے دن ایک صاحب اپنے ایک بچہ کو لے کر کورنگی۔ (دارالعلوم کراچی) پہنچے، بڑے مالدار اور لاکھوں کا کاروبار کرنے والے تھے، انہوں نے کہا کہ آپ کی تقریر میں کل میں بھی تھا، اللہ تعالیٰ نے میرے دل میں جذبہ پیدا کیا، میں اس بچہ کو لایا ہوں اور یہ آپ کے سپرد ہے، تقریباً چھ سال کا بچہ تھا۔ ہم نے کہا کہ اس کا امتحان داخلہ ہوگا، انہوں نے کہا، نہیں نہیں، بس اس کو داخل کریں، اس کی رہائش وطعام کا انتظام بھی کریں اور اس کو علم دین پڑھائیں، میں آپ سے نہیں پوچھوں گا کہ آپ نے کیا پڑھایا ہے اور کیا نہیں پڑھایا ہے۔ مجھے آپ پر اطمینان ہے اور جو کچھ خرچہ ہوگا میں دوں گا اور کچھ پیسے بھی کھانے پینے اور کپڑوں کی دھلائی وغیرہ کے لئے جمع کرا گئے۔ اتنے چھوٹے بچہ کو دارالعلوم میں رکھنے کا باقاعدہ انتظام نہیں تھا۔ اس لئے ہم نے مجبوراً اسے اپنے گھر رکھ لیا۔ دو تین دن اس کے ساتھ محنت کی، کبھی بستر پر پیشاب کر دیتا ہے کبھی پاخانہ کر دیتا ہے، کبھی کوئی چیز اٹھا کر توڑ دی، کبھی کوئی، تین چار دن کے بعد معلوم ہوا کہ وہ تو پاگل ہے پھر بعد میں تحقیق کی تو معلوم ہوا کہ اس بچہ کے تو ماں باپ بھی اس سے عاجز آئے ہوئے تھے اور اس کو گدو بندر کے پاگل خانہ میں لیجانا طے ہوا تھا۔ ان سے یہ برداشت نہیں ہوتا تھا کہ پاگل خانہ میں داخل کرائیں، اس لئے دارالعلوم میں داخل کرا دیا۔

یہ تھی وہ ''مری بھیڑ اللہ کے نام کی'' جو علم دین کیلئے نکالی گئی۔ یہ خدا کا دین ہے۔ مذاق نہیں ہے، آخرت میں جوابدینا ہے، زندگی کا ہر قدم ہمیں قبر کی طرف لیجا رہا ہے ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اپنا منہ دکھانا ہے، وہاں ان کی شفاعت اور سفارش کے بغیر

کسی کی نجات نہیں ہوگی ہم نے اسلام کا نام بہت لیا ہے، خدا کیلئے قدم بڑھایئے، اپنے بچوں کو ان مدرسوں میں داخل کیجئے آپ اپنے بچوں کو دینی مدرسہ میں داخل کریں گے تو آپ کو یہ فکر بھی ہوگی کہ مدرسہ کا معیار بھی بہتر ہو اس طرح انشاء اللہ مدرسوں کا معیار بھی بہتر ہوگا۔

مدرسہ اور احسان

ایک مصیبت اور ہے کہ اوّل تو مدرسہ میں چندہ دینے میں ہچکچاہٹ بہت ہوتی ہے اور اگر چندہ دیتے ہیں تو چندہ دینے والے حضرات یہ سمجھتے ہیں کہ ہم نے مہتمم صاحب کی ذات پر احسان کر دیا ہے مہتمم پر کیا احسان ہے؟ بلکہ مہتمم کا تمہارے اوپر احسان ہے کہ تمہارے چندہ کو اس نے صحیح مصرف پر لگا دیا، اگر یہ مدرسہ نہ ہوتا تو اپنی زکوۃ وخیرات کے صحیح مصرف تلاش کرتے پھرتے۔

مدرسوں کا معاملہ آجکل اتنا مشکل ہو گیا ہے کہ واقعۃً جب کوئی اخلاص کے ساتھ مدرسہ قائم کرتا ہے تو اسے ہی پتہ چلتا ہے کہ مدرسہ چلانا کتنا مشکل کام ہے، بات لمبی ہو رہی ہے۔ آپ حضرات تھک بھی گئے ہوں گے، لیکن میں سوچ رہا ہوں کہ جب اتنی دور سے آیا ہوں، اپنے دل کی کچھ باتیں آپ سے کہوں تو سہی۔

حضرت مولانا محمد یوسف بنوری صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے پاس ایک عالم تشریف لائے وہ کراچی میں ایک مدرسہ قائم کرنا چاہتے تھے۔ کراچی میں پہلے سے بڑے بڑے مدرسے قائم ہو چکے تھے۔ اب یہ مزید ایک مدرسہ قائم کرنا چاہتے تھے انہوں نے عرض کیا کہ حضرت کچھ نصیحت کر دیجئے۔ دعا فرما دیجئے حضرت مولانا بنوریؒ نے فرمایا دعا تو میں آپ کیلئے کروں گا اور نصیحت آپ کو کیا کروں، آپ خود عالم ہیں۔ لیکن ایک بات کہتا ہوں کہ یہ مدرسہ آخرت کے لئے قائم کرنا چاہتے ہو تو دنیا کی اس سے بڑی کوئی مصیبت

نہیں، اور اگر دنیا کے لئے قائم کرنا چاہتے ہو تو آخرت کی اس سے بڑی کوئی مصیبت نہیں، کتنے لوگوں کا چندہ ہوتا ہے اگر وہ ناجائز طریقہ سے خرچ کر دیا تو آخرت میں اس کی جوابدہی کرنی پڑے گی، کس کس کا جواب دو گے؟

جو خلوص کے ساتھ مدرسہ چلانا چاہتا ہے، اس کو ایک مصیبت نہیں اٹھانی پڑتی بہت سی اٹھانی پڑتی ہیں، اوّل چندہ جمع کیا پھر کسی نہ کسی طریقے سے مدرسہ کی تعمیر ہوئی، ایک ایک پیسہ جوڑا، کام کیا، کہیں سے مدرس کو لایا، کہیں سے طالب علموں کو لایا، کہیں سے تعمیر کا انتظام کیا، تب جا کر مدرسہ چلا۔

تہمت تراشی

اور دوسرے لوگ جو کام کرنے کے عادی نہیں، بلکہ ان کی عادت یہ ہے کہ کام کرنیوالے کے راستہ میں رکاوٹیں کھڑی کرتے ہیں اور طرح طرح کی تہمتیں لگاتے ہیں کہ مہتمم صاحب کے بڑے مزے آرہے ہیں، اتنے لاکھ فلاں کھا گیا اور اتنے ہزار فلاں نے کھالئے۔ الٹے سیدھے بہتان لگا کر مخلص اللہ والوں کی حوصلہ شکنی کرتے ہیں۔

اردو دانوں اور بستی والوں کی محرومی

کراچی میں بہت سے لوگ اپنے اپنے محلے کی مسجد کے لئے امام اور خطیب مانگتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اتنی تنخواہ دیں گے، مکان دیں گے، لیکن ایک شرط ہے کہ اس کی مادری زبان اردو ہو، کیونکہ سارا محلّہ اردو بولنے والوں کا ہے، اردو میں بات کرنیوالا ہوگا تو اس کا اثر زیادہ ہوگا۔ بات بلاشبہ درست ہے، لیکن میں ان سے کہتا ہوں کہ تمہیں اردو زبان والا آدمی کیسے دیدوں اردو زبان بولنے والوں نے اپنے بچوں کو پڑھنے کے لئے مدرسہ میں بھیجا تھا؟ عالم دین بنایا تھا، تمہارے محلّہ میں کسی نے اپنے بچہ کو مولوی بنوایا ہے؟

دارالعلوم میں تقریباً ڈیڑھ درجن ممالک کے طلبہ پڑھ رہے ہیں اور پاکستان کے بھی تمام علاقوں کے طلبہ زیر تعلیم ہیں، لیکن سب سے کم آٹے میں نمک کے برابر اردو بولنے والے ہیں تو میں تمہیں اردو بولنے والا امام وخطیب کیسے دیدوں، خدا کے لئے آپ سوچئے، کہ اگر آپ اپنے اندر علماء تیار نہیں کریں گے تو آپ کی ساری بستیاں ویران ہو جائیں گی، پڑھ پڑھ کر علماء اپنے اپنے علاقوں میں چلے جائیں گے، مدرسہ ہونے کے باوجود آپ کی بستی علماء سے محروم رہے گی اپنے بچوں کو اس طرف متوجہ کیجئے جو حضرات مدرسہ چلا رہے ہیں ان کے ساتھ تعاون کیجئے، روپیہ پیسہ سے اگر تعاون کر سکتے ہیں اس سے کیجئے، عملی کوئی مدد کر سکتے ہیں وہ کیجئے، اور کچھ نہیں کر سکتے تو کم از کم زبان ہی سے مدد کیجئے، ان کی ہمت بڑھائیے کہ اچھا کام کر رہے ہو، اور اگر یہ بھی نہیں کر سکتے تو کم از کم اتنا تو کیجئے کہ ان کی راہ میں رکاوٹ نہ ڈالئے۔

اگر انسان نہ بنے تو درندہ بھی نہ بنے

امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ انسان تو بہت بڑی چیز ہے، لیکن اگر کوئی جانور ہی بننا چاہے کہ کھانے پینے کے علاوہ کوئی مقصد نہ ہو تو جانوروں کی تین قسمیں ہیں کہ ایک قسم ان جانوروں کی ہے جن کا نفع ہی نفع ہے، جیسے بھیڑ، بکری، گائے، بھینس، ان کی ہر چیز سے دوسروں کو فائدہ پہنچتا ہے، بالوں سے، کھال سے، گوشت سے، ہڈیوں سے، اوجھڑی سے، گوبر سے، اس کی سب چیزوں سے دوسروں کو فائدہ پہنچتا ہے۔

دوسری قسم ان جانوروں کی ہے جو نفع نہیں پہنچاتے تو نقصان بھی نہیں پہنچاتے۔

جنگلوں اور سمندروں میں بہت سے ایسے جانور ہیں جو نہ درندے ہیں کہ نقصان پہنچائیں اور نہ نفع پہنچاتے ہیں۔

تیسری قسم کے جانور وہ درندے ہیں جو دوسروں کو نقصان ہی پہنچاتے ہیں، نفع

کچھ نہیں پہنچاتے، جس کو دیکھا پھاڑ کھایا۔

امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ اصل منصب تو یہ تھا کہ تم انسان بنتے، جو بہت اعلیٰ درجہ ہے علماء بنتے، اللہ والے بنتے، لیکن اگر تمہیں جانور ہی بننا ہے تو پہلی قسم کے جانور بن جاؤ، پہلی قسم کے نہیں بن سکتے تو کم از کم دوسری قسم کے تو بن جاؤ، لیکن تم تو تیسری قسم کے جانور بننا چاہتے ہو، درندہ بننا چاہتے ہو۔

مدرسے سے تعاون کی اپیل

خیر خلاصہ یہ ہے کہ یہ چھوٹا سا مدرسہ بہت سی امیدوں کیساتھ اللہ والوں نے قائم کیا ہوا ہے آپ حضرات سے درخواست ہے بلکہ یہ آپ کے فرائض میں داخل ہے کہ حیدرآباد میں ایک معیاری مدرسہ جو اس شہر کی دینی ضروریات کو پورا کر سکے ہونا چاہیے، اور یہاں کے لوگوں کو اس کے لئے کوشش کرنی چاہیے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو علم دین کی خدمت کی توفیق کامل عطا فرمائے۔ اور جو لوگ دین کی خدمت میں لگے ہوئے ہین ان کے ساتھ تعاون کی توفیق عطا فرمائے۔

وآخر دعوانا ان الحمدللّٰہ رب العالمین

اِس خلا کو پُر کریں

خطاب	حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی مدظلہم
مقام	جامع مسجد، جامعہ دارالعلوم، کراچی
تاریخ	۱۲ اپریل ۲۰۰۴ء بیان برائے طلبہ
ترتیب وعنوانات	اعجاز احمد صمدانی

﴿اِس خلا کو پُر کریں﴾

جامعہ دارالعلوم کراچی کے طلبہ سے کیا گیا فکر انگیز خطاب

خطبہ مسنونہ:

الحمد للّٰه نحمدهٗ و نستعينهٗ و نستغفرهٗ و نؤمِنُ بهٖ ونتوكل عليه ونعوذ باللّٰهِ مِن شرورِ أنفسنا ومِن سيئاتِ أعمالنا مَن يهدِهِ اللّٰه فلا مُضِلَّ لهٗ وَمَنْ يُضللهُ فلا هَادِىَ لهٗ ونشهد أن لآ اِلٰه اِلَّا اللّٰه وحدهٗ لاشريك لهٗ و نشهد أنّ سيدنا و سَنَدنا و مولانَا محمداً عبدهٗ ورسولهٗ. صلى اللّٰه تعالٰى عليه وعلٰى آلهٖ وصحبه اجمعين وسلم تسليماً كثيراً

امابعد!

فأعوذ باللّٰهِ من الشيطان الرجيم. بسمِ اللّٰه الرحمٰن الرحيم.

﴿إِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ

غَفُوْرٌ﴿۲۸﴾ (فاطر: ۲۸)

تمہیدی کلمات:

عزیز طلبہ کرام!

آپ سے خطاب کے لئے بار بار ارادہ ہوتا ہے لیکن مشاغل کی وجہ سے ٹل جاتا ہے۔ البتہ اگر سننے والوں کی طرف سے تقاضا ہوتا رہے تو ہمارا دھیان بھی زیادہ ہو جاتا ہے اور کوشش کرتے ہیں کہ کسی طرح وقت نکالیں اور اگر طلبہ یاد دہانی نہیں کراتے تو ہم سمجھتے ہیں کہ چلو ہماری بھی چھٹی ہوئی۔ چھٹی کا تو ہر ایک کو شوق ہوتا ہے۔ ہمیں بھی اس کا شوق ہے۔ طالب علم تو ہم بھی ہیں کیونکہ طالب علمی تو کبھی بھی ختم نہیں ہوتی۔

اب کچھ طلبہ نے یاد دہانی کرائی اور قیم صاحبان تو یاد دہانی کراتے رہتے ہیں تو اللہ کے نام پر ہم نے آج خطاب کرنے کا ارادہ کیا۔

ہم دھوپ میں کھڑے ہیں:

عزیز طلبہ! آپ دیکھ رہے ہیں کہ ہمارے بڑے ایک ایک کر کے رخصت ہوتے جا رہے ہیں۔ دیکھتے ہی دیکھتے کتنا بڑا خلا پیدا ہوگیا۔ ہمارے والد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا انتقال ہوا۔ اس کے ایک سال بعد مولانا اکبر علی صاحب کا انتقال ہوگیا۔ پھر مولانا عاشق الٰہی صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ مدینہ منورہ ہجرت کر کے چلے گئے۔ لیکن اس کے بعد بھی الحمدللہ، ہمارے یہاں اکابر موجود تھے۔ حضرت مولانا قاری رعایت اللہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، حضرت مولانا سحبان محمود صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، حضرت مولانا شمس الحق صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور حضرت مولانا غلام محمد صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لیکن پچھلے چند سالوں کے اندر یہ سب ایک ایک کر کے رخصت ہو گئے۔ اب ایسا معلوم

ہوتا ہے کہ ہم دھوپ میں کھڑے ہیں۔ ہمارے اوپر سے سایہ ختم ہوگیا ہے۔

میرے دل پر چوٹ لگتی ہے:

رجسٹر حاضری جس پر اساتذہ کرام دستخط کرتے ہیں۔ اس میں اساتذہ کا نام قدامت اور بزرگی کے اعتبار سے ہوتا ہے۔ کچھ عرصہ پہلے تک جب وہ رجسٹر ہمارے پاس دستخط کے لئے آتا تھا تو اس میں میرا نام پانچویں نمبر پر ہوتا تھا۔ سب سے اوپر قاری رعایت اللہ صاحب، پھر حضرت مولانا غلام محمد صاحب، پھر حضرت مولانا سحبان محمود صاحب کا، پھر حضرت مولانا شمس الحق صاحب اور پانچویں نمبر پر ہمارا نام ہوتا تھا۔ پھر چوتھے نمبر پر آیا، پھر تیسرے نمبر پر آ گیا، پھر دوسرے نمبر پر آیا۔ اب پہلے نمبر پر ہمارا نام ہے۔ کسی کو خوشی ہوتی ہوگی کہ ہمارا نام سب سے پہلے آیا لیکن یہ رجسٹر جب میرے سامنے آتا ہے تو میرے دل پر چوٹ لگتی ہے۔

﴿كَبَّرَنِي مَوْتُ الْكُبَرَاءِ﴾

''بڑوں کی موت نے مجھے بڑا بنا دیا۔''

یہ کشتی بھی کنارے لگنے والی ہے:

اور اب میرا حال بھی یہ ہے کہ اس سال کے جمادی الاولیٰ سے ہجری سالوں کے اعتبار سے میری عمر کے ستر سال پورے ہو جائیں گے۔ یہ بہت لمبا عرصہ ہے تقریباً دو تہائی صدی بنتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بہت زندگی دی اور اس کا کرم ہے کہ وہ کام لے رہے ہیں۔ دعا ہے اور آپ بھی میرے لئے دُعا کریں کہ اللہ تعالیٰ معذوری سے بچائیں۔ جب تک زندگی ہے اپنے سوا کسی کا محتاج نہ کریں۔ چلتے ہاتھ پاؤں کے ساتھ ہمیں اٹھا لے۔

ہمارے استاذ محترم حضرت مولانا سحبان محمود صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بہت اہتمام سے یہ دُعا فرمایا کرتے تھے کہ اللہ! مجھے معذوری سے بچا لیجئے۔ کسی کا محتاج نہ بنایئے۔ چلتے ہاتھوں پیروں اٹھا لیجئے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی دُعا قبول فرمائی اور ایسے اٹھایا کہ چند منٹ میں رخصت ہوگئے۔ بالکل درست تھے، دفتر میں آئے تھے۔ دوسرے گھنٹے میں میرا سبق ہوتا تھا، تیسرے اور چوتھے گھنٹے میں وہ بخاری شریف پڑھاتے تھے۔ پہلے دفتر آتے تھے، اور پھر وہاں سے سبق میں آتے تھے۔ میں سبق پڑھا رہا تھا۔ گھنٹہ ختم ہو رہا تھا۔ میں اس فکر میں تھا کہ گھنٹہ ختم ہو رہا ہے۔ ابھی استاذ آئیں گے لیکن ان کی بجائے قاری عبدالملک صاحب آئے اور یہ اطلاع دی کہ حضرت کا انتقال ہو گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ان کو کسی کا محتاج نہیں بنایا اور ہماری بھی دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی معذوری سے بچائے مگر بہرحال ہم یہ بتا رہے ہیں کہ اب یہ کشتی بھی کنارے لگنے والی ہے۔ کچھ معلوم نہیں کہ رب العالمین کا کب پیغام آ جائے؟

اس خلا کو پُر کرنا ہمارے لئے آسان نہیں رہا:

اب یہ بات سوچنے کی ہے کہ ہمارے بزرگ اٹھ گئے۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ علم کو ایسے سلب نہیں کر لیتا کہ کسی عالم کے دل سے علم کھینچ لیا جائے بلکہ اللہ تعالیٰ علم کو واپس لیتا ہے علماء کو واپس لے کر۔ ان کے بعد جو جانشین ہوتے ہیں وہ ان جیسے نہیں ہوتے۔ ان کے پاس اتنا علم، اتنی تحقیق، اتنا تقویٰ اور اتنی فکر نہیں ہوتی۔ البتہ بعض اوقات ایسے لوگ بھی پیدا ہو جاتے ہیں جو پہلوں سے زیادہ اونچے ہیں لیکن ایسا کم ہوتا ہے۔ زیادہ تر یہ ہوتا ہے کہ جو بزرگ رخصت ہوتے ہیں، ان کی تلافی بعد کے لوگوں سے نہیں ہوتی۔

حضرت مولانا سحبان محمود رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے انتقال سے دارالعلوم میں ایک

زبردست خلا پیدا ہوا، لیکن اللہ تعالیٰ نے کام چلا دیا۔ ان کی کچھ ذمہ داریاں مولانا شمس الحق صاحب نے سنبھال لیں، کچھ مولانا تقی عثمانی صاحب نے سنبھال لیں، کچھ ہم لوگوں نے سنبھال لیں، لیکن حضرت مولانا شمس الحق صاحب کی وفات کے بعد اس خلا کو پُر کرنا ہمارے لئے آسان نہیں رہا۔ اسباق میں بھی خلا پیدا ہوا ہے اور انتظامی کاموں میں بھی خلا پیدا ہوا ہے۔ دُعا کریں کہ اللہ تعالیٰ اس خلا کو آسانی اور بہتری کے ساتھ پُر فرمادیں۔

کیا ہماری پیداوار اس قابل ہے؟

یہ سب باتیں میں آپ کو اس لئے سنا رہا ہوں کہ اب آپ لوگوں کو تیاری کرنی ہے۔ جانے والوں کی جگہ آپ لوگوں کو لینی ہے۔ آپ کے اساتذہ آپ کے ساتھ جو محنتیں کر رہے ہیں، وہ بھی اسی لئے کر رہے ہیں۔ آنحضرت ﷺ کے دور سے یہی سلسلہ چلا ہے کہ بڑوں نے رخصت ہونے سے پہلے اپنے چھوٹوں کو تیار کیا تاکہ وہ ان کی جگہ لے سکیں۔ چنانچہ جب رخصت ہوئے تو چھوٹوں نے ان کی جگہ لے لی۔ جب وہ چھوٹے بڑے ہوئے تو انہوں نے اپنے چھوٹوں کو تیار کیا تو جب وہ رخصت ہوئے تو ان کے چھوٹوں نے ان کی جگہ لے لی۔ اب ہم بھی یہی کام کر رہے ہیں۔ آپ کو تیار کرنے کی فکر اور کوشش میں ہیں۔ اب اس بات کا جائزہ لینا آپ کا کام بھی ہے اور ہمارے سب اساتذہ کرام اور ہمارا بھی کہ جو پیداوار ہم تیار کر رہے ہیں، آیا وہ اس قابل ہے کہ ان ذمہ داریوں کو سنبھال لے جو بڑے ہمارے سپرد کر کے رخصت ہوئے ہیں۔

بچپن سب کا ایسا ہوتا ہے:

یاد رکھئے! صحابہ کرام سے لے کر اب تک جتنی عظیم شخصیات پیدا ہوئی ہیں۔ وہ اپنے بچپن میں ایسے چھوٹے ہوتے تھے جیسے آپ ہیں۔ ان میں سے کسی کو خبر نہیں تھی کہ

ان میں سے کوئی امام ابوحنیفہ بنے گا اور کون امام مالک، کون امام شافعی بنے گا اور کون امام احمد بن حنبل، کون رازی بنے گا کون غزالی، کون فارابی بنے گا اور کون ابن سینا، کون مولانا جامی بنے گا اور کون مولانا رومی، کون بایزید بستامی بنے گا اور کون حافظ شیرازی جب بن جاتے ہیں تو لوگوں کو پتہ چل جاتا ہے کہ یہ بن گیا۔

ابھی سے تیاری کریں:

اس لئے میں آپ سے کہتا ہوں کہ آپ لوگوں کو فکر کرنی چاہیے کیونکہ آپ پر ذمہ داریاں آنے والی ہیں۔ آپ میں سے بہت سے طلبہ دورۂ حدیث میں پڑھتے ہیں، فارغ ہوتے ہی ان پر ذمہ داریاں آجائیں گی، کچھ تخصص کے طلبہ ہیں، وہ فارغ ہوں گے تو ان پر اور ذمہ داریاں آجائیں گی۔ کوئی استاذ ہوجائیں گے اور کوئی مفتی ہوجائیں گے، کوئی مصنف ہوجائیں گے اور کوئی واعظ بن جائیں گے اور کچھ لوگ مدرسوں کے ذمہ داران بن جائیں گے۔ ابھی سے آپ لوگ محنت اور کوشش کریں گے اور یہ تیاری مکمل ہوگی تو انشاء اللہ تم بڑوں کی جگہ لے لوگے۔ کوئی یہاں جگہ لے گا کوئی اپنے شہر میں جگہ لے گا اور کوئی کسی اور شہر میں جاکر اپنے بڑوں کی جگہ لے گا۔ اس طرح رسول اللہ ﷺ کا یہ کارواں رواں دواں رہے گا۔

علم بڑا غیور ہے:

ہمارے اس قافلے کے امام رسول اللہ ﷺ ہیں اور یہ قافلہ جنت کی طرف رواں دواں ہے۔ ہم بھی اسی قافلے کے شرکاء ہیں۔ آپ بھی اسی قافلے کے شریک ہیں۔ یاد رکھئے کہ اس قافلے کے شرکاء کی ذمہ داریاں بہت زیادہ ہیں۔ یہ بہت کٹھن ہے، قربانیوں اور مجاہدوں کا راستہ ہے۔ جس علم کو حاصل کرنے میں آپ لگے ہوئے ہیں۔ یہ

آسانی سے نہیں ملتا، بڑی سخت محنت چاہتا ہے۔ حضرت امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا یہ ملفوظ ہمارے والد صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ہم طلبہ کو بار بار سنایا کرتے تھے کہ:

﴿أَلْعِلْمُ لَا يُعْطِيكَ بَعْضَهُ حَتّٰى تُعْطِيَهُ كُلَّكَ﴾

''علم اُس وقت تک تمہیں اپنا ایک ذرہ بھی نہیں دے گا، جب تک تم اپنا سب کچھ اُسے نہ دے دو۔''

علم بڑا غیور ہے، جو شخص اس علم سے استغناء برتتا ہے، علم اس کے پاس نہیں جاتا، اس سے دور رہتا ہے۔ جو علم کا محتاج بن کر اس کے پاس آتا ہے تو علم اس کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ اگر تم اپنی ساری توانائیاں، صلاحیتیں اور کوششیں علم کے سپرد کر دو گے تو پھر علم اپنا کچھ حصہ تم کو دے دے گا ورنہ کچھ حصہ بھی نہیں ملے گا۔

ایسا ہرگز نہ ہوگا:

جو طلبہ یہ سمجھتے ہیں کہ ہم اور بھی بہت سارے کام کرتے رہیں گے اور علم بھی مل جائے گا تو ان کا یہ خیال غلط ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ سونا اور کھانا پینا بھی چھوڑ دیا جائے۔ علم کے لئے تو سونے کی بھی ضرورت ہے اور کھانے پینے کی بھی پانچوں وقت کی نماز تو فرض ہی ہے اس کے علاوہ ضروری عبادات کرنے کی بھی ضرورت ہے۔ اس کے ساتھ جسمانی ورزش کی بھی ضرورت ہے تاکہ صحت ٹھیک رہے اس لئے عصر سے مغرب کے درمیان اس کا وقت بھی دیا جاتا ہے اور اس کے لئے باقاعدہ ایک میدان بھی تیار کیا گیا ہے، یہ سب علم کیلئے کوشش میں داخل ہے۔ لیکن اگر کوئی یہ سمجھتا ہے کہ ناولیں بھی پڑھتا رہے گا، ٹی وی کے تفریحی پروگرام بھی دیکھتا رہے گا، بازاروں اور ہوٹلوں میں بھی اپنا وقت ضائع کرتا رہے گا اور پھر علم بھی حاصل کرے گا تو یاد رکھئے! ایسا ہرگز نہیں ہوگا۔

ایک دن کے ناغے سے چالیس دن کا نقصان:

بلا ضرورت اور سخت مجبوری کے بغیر ناغہ کرنے والے طالبعلم کو علم نہیں ملے گا، ہمارے والد ماجد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ علامہ زرنوجی کے حوالے سے کسی بزرگ (غالباً صاحب ہدایہ) کا یہ قول نقل کیا کرتے تھے کہ ہمارا تجربہ یہ ہے کہ ایک دن کے ناغے سے چالیس دن کا نقصان ہوتا ہے۔ بظاہر یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ ایک دن سے چالیس دن کا نقصان کیسے ہوا؟ ناغہ تو صرف ایک دن کے اسباق کا ہوا، اس سے پچھلے دن کا سبق بھی پڑھا اور اگلے دنوں کے اسباق بھی پڑھے ہیں۔ تو سمجھ لیجئے اس ناغہ کی وجہ سے تسلسل ٹوٹ جاتا ہے۔ جیسے شیشہ اگر ایک جگہ سے ٹوٹ جائے اور پھر آپ اس کو جوڑ دیں تو اگرچہ جڑ تو جائے لیکن اس کے اندر عیب تو باقی رہے گا، تو جو آپ نے بلا ضرورت ناغہ کیا یہ بھی ایسے ہے جیسے شیشہ ٹوٹ گیا۔ استاذ نے تو سبق پڑھایا لیکن آپ اس میں حاضر نہیں ہوئے۔ ہاں اگر استاذ نے بھی سبق نہیں پڑھایا تو پھر اس کا اتنا نقصان اور ایسی بے برکتی نہیں ہوتی۔ بے برکتی اس ناغے سے ہوتی ہے جس میں استاذ کا سبق ہوا اور پھر شدید مجبوری کے بغیر ناغہ کر دیا۔ اگر مجبوری واقعۃً شدید ہو تو پھر اللہ کے کرم سے امید ہے کہ انشاء اللہ بے برکتی نہیں ہوگی کیونکہ اللہ تعالیٰ ایسے بندے کو محروم نہیں کرتا جو اپنی پوری کوشش کرتا ہے مگر بیماری یا کسی شدید مجبوری کی وجہ سے ناغہ ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ ایسے طالبعلم کے نقصان کی تلافی کرا دیتے ہیں۔

جو طالب علم شدید مجبوری کے بغیر ناغہ کرتا ہے، وہ دراصل اپنے اساتذہ کو بھی دھوکہ دے رہا ہے، اپنے والدین کو بھی دھوکہ دے رہا ہے اور جتنے لوگ اُسے طالب علم کے نام سے جانتے پہچانتے ہیں ان سب کو دھوکہ دے رہا ہے کیونکہ ایسا طالب علم دراصل طالب علم نہیں ہے۔ وہ دھوکے باز ہے۔

ایک لطیفہ:

ایک صاحب زادے تھے، کچھ کام نہیں کرتے تھے، پڑھتے بھی نہیں تھے، گھر میں پڑے رہتے تھے۔ والد نے کئی بار سمجھایا لیکن ان کے کان پر جوں تک نہیں رینگتی تھی۔ والد صاحب سمجھاتے رہے۔ آخر ایک دن صاحبزادے صاحب نے پوچھا کہ پڑھنے کا کیا فائدہ ہوگا؟ والد صاحب نے کہا کہ پڑھ لوگے تو قابل ہو جاؤ گے۔ سند مل جائے گی۔ بیٹے نے کہا کہ سند مل جانے کا کیا فائدہ ہوگا؟ والد نے کہا کہ کہیں اچھی ملازمت مل جائے گی۔ بیٹا بولا، پھر کیا ہوگا؟ والد نے کہا کہ پھر اچھی تنخواہ ملے گی۔ بیٹا بولا: پھر کیا ہوگا؟ باپ نے کہا کہ تم شادی کر لینا اور مکان بنا لینا۔ بیٹا بولا تو پھر کیا ہوگا۔ باپ نے کہا کہ پھر عیش سے زندگی گذارنا۔ یہ سن کر بیٹے نے کہا کہ اب کیا کر رہا ہوں! یہی عیش کی زندگی تو اب بھی گذار رہا ہوں تو پھر اتنی محنت کی کیا ضرورت ہے؟

بعض بے وقوف طالب علم اس طرح اپنا وقت ضائع کر دیتے ہیں اور باتیں بنا بنا کر والدین کو خوش کرتے رہتے ہیں۔ یاد رکھئے کہ ایسے طلبہ کا انجام اچھا نہیں ہوتا۔ آپ توجہ کریں گے تو بہت سے ایسے لوگ آپ کے ذہن میں آجائیں گے جنہوں نے اپنی زندگی اس طریقے سے برباد کر دی اور آج وہ تکلیف اور بے کاری کی زندگی گذار رہے ہیں۔ یہ بڑے خسارے کی بات ہے کہ ایک طالب علم اپنے گھر کو بھی چھوڑے، والدین کو بھی چھوڑے، وطن کے آرام و راحت کو بھی چھوڑے، یہاں رہ کر طالب علمی کے مجاہدے بھی کرے لیکن پھر بھی علم حاصل کرنے کی کوشش نہ کرے۔

اکابر دیوبند کی نمایاں خصوصیات:

ہمارے علماء دیوبند کی خصوصیات میں سے ایک بڑی خصوصیت علم کی پختگی تھی۔

علوم نقلیہ اور علوم عقلیہ میں اللہ تعالیٰ نے ان کو ایسی مہارت عطا فرمائی تھی کہ دوسروں پر ان کے علم کا رعب تھا۔ دوسرے فرقے کا بڑے سے بڑا عالم دارالعلوم دیوبند کے فارغ التحصیل کے سامنے آتے ہوئے ڈرتا تھا۔

علم کی اس پختگی کے ساتھ اخلاص، تقویٰ، خشیت، للھیت اور باطنی کمالات کا یہ حال تھا کہ ہمارے مولانا محمد یٰسین صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ میں نے دارالعلوم دیوبند کا وہ دور دیکھا ہے جب یہاں کے صدر مدرس سے لے کر چپڑاسی اور دربان تک سب صاحب نسبت ولی اللہ ہوتے تھے۔ دن میں دارالعلوم دیوبند ایک درسگاہ ہوتی تھی، رات کو خانقاہ بن جاتی ہے۔ تہجد کے وقت طلبہ اور اساتذہ اٹھتے تھے۔ کمروں سے رونے کی آوازیں آتی تھیں۔ گڑگڑا کر اللہ سے دعائیں مانگتے تھے۔

ذکر قلبی کے عجیب واقعات:

حضرت مولانا محمد یعقوب نانوتوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ دیوبند کے صدر مدرس رہے ہیں۔ حضرت حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے استادوں میں سے تھے۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا ملفوظ میں نے اپنے والد ماجد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے سنا کہ حضرت مولانا محمد یعقوب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جب سبق پڑھاتے تھے تو انکے ذکر قلبی کی آوازیں ہم سنتے تھے۔

ہماری دادی مرحومہ جنکی قبرستان یہاں دارالعلوم میں ہے۔ جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے کہ اس قبرستان میں سب سے پہلی قبر ہماری دادی مرحومہ کی ہے۔ یہ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے بیعت تھیں۔ ہم نے برس ہا برس ان کے ساتھ زندگی گذاری ہے۔ ان کا حال ہم نے دیکھا کہ وہ سو رہی ہوں تب بھی، جاگ رہی ہوں تب بھی، بول رہی ہوں تب بھی اور خاموش ہوں تب بھی ان کے گلے سے رگ ہلتی رہتی تھی

اور اس سے ''اللہ، اللہ'' کی آواز آتی رہتی تھی۔ ہر وقت یہ ذکر جاری تھا۔ انہوں نے اپنی جوانی میں نجانے کتنا ذکر کیا ہوگا کہ اس کی وجہ سے یہ کیفیت بن گئی تھی کہ ان کا ارادہ ہو یا نہ ہو، ہر وقت ''اللہ اللہ'' کا ذکر جاری رہتا ہے۔ جس کی یہ مرید تھیں اس بزرگ کا کیا حال ہوگا۔

وہی طریقہ سنت کے زیادہ قریب ہے:

حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی خدمت میں ایک حجام آیا کرتا تھا۔ حضرت کے بال بھی کاٹا کرتا تھا۔ ان پڑھ تھا۔ ایک مرتبہ اس کا سہارنپور جانا ہوا۔ سہارنپور میں حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری رہتے تھے۔ آپ سنن ابی داؤد کی مشہور شرح ''بذل المجہود'' کے مصنف ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو حدیث میں یہ مقام دیا کہ عرب اور عجم میں آپ کی اس شرح کو ہاتھوں ہاتھ لیا جاتا ہے۔ یہ حجام حضرت سہارنپوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ وہاں اس کو کوئی مسئلہ یاد آ گیا تو اس نے حضرت سہارنپوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے پوچھا کہ حضرت فلاں عمل میں اس طرح کرنا سنت کے زیادہ قریب ہے یا دوسری طرح کرنا سنت کے زیادہ قریب ہے۔ حضرت سہارنپوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ تم نے حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو کس طرح کرتے ہوئے دیکھا اس نے جواب دیا کہ فلاں طرح، فرمایا وہی طریقہ سنت کے زیادہ قریب ہے۔

غور کیجئے! حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے کسی کتاب کا حوالہ نہیں دیا کہ فلاں کتاب میں یہ لکھا ہے کہ اس طرح کرنا اقرب الی السنۃ ہے بلکہ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے عمل کا حوالہ دیا کہ چونکہ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا عمل اس طرح ہے تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اقرب الی السنۃ یہی ہے۔ اس سے

معلوم ہوا کہ ہمارے اکابر سنت کا چلتا پھرتا نمونہ تھے۔ ان کے عمل کو دیکھ کر لوگ پتہ لگا لیتے تھے کہ سنت کا طریقہ کونسا ہے؟

سنت کبھی مناظروں سے زندہ نہیں ہوتی:

سنت کا اسقدر اہتمام یہ بزرگانِ دیو بند کا خاصہ تھا۔ اب یہ سب باتیں تو اٹھتی چلی جارہی ہیں۔ صرف دیو بندیت کا نام باقی رہ گیا ہے اور یوں سمجھ لیا گیا ہے کہ دیو بندیت کا کام ہے کہ بریلویوں سے لڑو، ان سے فرصت ملے تو غیر مقلدوں سے لڑائی کرو۔ ان دونوں سے فرصت ملے تو شیعوں سے لڑائی کرلو۔ کسی نہ کسی کو سینگ مارتے ہی رہو۔ یاد رکھئے سنت کبھی مناظروں، تقریروں اور دلائل سے زندہ نہیں ہوتی بلکہ سنت زندہ ہوتی ہے سنت پر عمل کرنے سے۔ آج بریلویوں اور ہمارے درمیان کچھ زیادہ فرق نہیں رہا۔ ہم نے مسلک دیو بند کو تقریباً پیچھے دھکیل دیا ہے۔ اور مدرسوں کے اندر بھی اب بڑی مشکل یہ ہوگئی ہے کہ طلبہ کا ذہن یہ بننے لگا کہ اس سے لڑو، اُس سے لڑو۔ یہ فکر نہیں ہوتی کہ شیطان سے لڑو، اپنے نفس سے لڑو حالانکہ ہمارے سب سے بڑے دشمن تو یہی دو ہیں۔ ان پر فتح حاصل کرنا اصل ہے۔ جب تم ان دو دشمنوں پر فتح پالو گے تو اللہ کے فضل وکرم سے دنیا کا کوئی دشمن تمہارے مقابلے میں نہیں ٹھہر سکے گا۔ صحابہ کرام کے پاس سب سے بڑا ہتھیار یہی تھا کہ انہوں نے شیطان اور نفس پر فتح حاصل کرلی تھی۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ دنیا کو فتح کرتے چلے گئے۔ صحابہ کی زندگی سراپا سنت کا نمونہ تھی اور سنت وہ چیز ہے کہ معیارِ حق ہے، کلید کامیابی ہے اور فتح ونصرت کی ضامن ہے۔ آج ہم یہ شور مچاتے ہیں کہ ہمارے خلاف مغرب کا پروپیگنڈا بہت ہے۔ ہمارے خلاف فلاں فرقوں کا پروپیگنڈا بہت تھا۔ یہ پروپیگنڈا تو پہلے بھی تھا۔ دشمن تو پہلے بھی تھے لیکن ہمارے بزرگ نفس وشیطان پر فتح حاصل کرکے اور اپنے آپ کو سنت کا خوگر بنا کر ان پر فتح حاصل

کرلیتے تھے۔

اسباق میں پوری توانائیاں لگادو:

میرے عزیز طالب علمو! اب آپ کو ان بزرگوں کی جگہ سنبھالنی ہے۔ ابھی سے اپنے آپ کو سنت کا خوگر بنانے اور نفس وشیطان پر فتح حاصل کرنے کی کوشش کیجئے اور اس کے ساتھ ساتھ اپنے اسباق میں اپنی ساری توانائیاں لگادو۔ اسباق پر توانائیاں لگانے کا حاصل تین چیزیں ہیں۔ جسے حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے بیان فرمایا ہے۔

۱۔ سبق سے پہلے مطالعہ

۲۔ سبق میں پابندی سے حاضری، اس میں یہ کوشش کہ استاد سے پہلے درسگاہ میں پہنچے۔ بعض طلبہ باہر بیٹھے ہوئے انتظار کرتے رہتے ہیں کہ جب استاد آئے گا تو ہم بھی چلے جائیں گے، ایسے طالب علم میں اور وہ طالب علم جو پہلے سے درسگاہ میں استاد کے انتظار میں بیٹھا ہوتا ہے بڑا فرق ہوتا ہے۔ جو طالب علم محتاج بن کر پہلے سے استاد کا منتظر ہو کر بیٹھتا ہے۔ اللہ رب العالمین اس کو اپنے استاد سے زیادہ فائدہ پہنچاتے ہیں۔

درس کی پابندی میں یہ بات بھی شامل ہے کہ طالب علم استاد کی طرف پوری طرح متوجہ رہے۔ بعض طلبہ یہ سوچتے ہیں کہ اب جو مسئلہ شروع ہو رہا ہے۔ یہ مسئلہ ہم نے فلاں کتاب میں پڑھا تھا، اس لئے اس کی طرف توجہ کرنے کی ضرورت نہیں۔ چنانچہ اس مسئلے کے بیان کے دوران وہ ادھر ادھر متوجہ ہو جاتے ہیں۔ یہ بھی خسارے کی بات ہے۔ ہر استاد کا انداز الگ ہوتا ہے۔ پہلے ایک استاد کے ذریعے سے معلوم ہوا تھا۔ اب دوسرے استاد سے بھی معلوم ہو گیا تو اس کی برکت کچھ اور ہوگی۔

۳۔ اور تیسرا کام ہے سبق کے بعد تکرار۔

مطالعہ کا آسان ترین طریقہ:

مطالعے کے بارے میں خوب سمجھ لیجئے کہ اس کا یہ مطلب نہیں کہ آپ اس کتاب کی شرح اور حاشیہ کا پورا پورا مطالعہ کر کے آئیں۔ اگر اس طرح مطالعہ کرو گے تو پھر ایک دو کتابوں ہی کا مطالعہ ہو سکے گا حالانکہ آپ کو تو چھ کتابیں پڑھنی ہیں۔ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس اللہ تعالیٰ سرہ نے مطالعہ کا بہت آسان طریقہ بتلایا ہے۔ وہ یہ کہ کتاب کی عبارت پڑھو۔ اس پر متوسط درجے کا غور وفکر کرو کہ کیا سمجھ میں آیا اور کیا سمجھ میں نہیں آیا۔ کسی لفظ کا ترجمہ سمجھ میں نہیں آیا۔ کسی مرکب کی ترکیب سمجھ نہیں آئی، کسی باب کا مطلب سمجھ میں نہیں آیا اور کسی مسئلے کی دلیل سمجھ میں نہیں آئی، اور کونسی چیزیں سمجھ میں آ گئیں۔ تو یہ اب دو باتیں سامنے آ گئیں کہ کچھ چیزیں معلوم ہیں اور کچھ مجہول ہیں۔ ان مجہولات کو معلومات سے ممتاز کر دو تو مطالعہ کا مقصد حاصل ہو جائے گا۔ جب آپ سبق میں پہنچیں تو آپ کے ذہن میں یہ موجود ہو کہ مجھے کونسی چیزیں معلوم نہیں؟

سوال پیدا ہوتا ہے کہ مجہولات کو ممتاز کرنے کا کیا فائدہ ہوا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہوا کہ مجہولات کے بارے میں صحیح علم حاصل کرنے کی پیاس اور تشنگی پیدا ہو گئی اور علم کے لئے تشنگی پیدا ہو جانا ہی کلید کامیابی ہے۔

کسی نے خوب کہا ہے:

آب کم جو، تشنگی آور بدست
تا بجوشد آب از بالا وبست

ترجمہ: پانی کم ڈھونڈو، تشنگی حاصل کرو تاکہ پانی اوپر سے بھی آئے اور نیچے سے بھی آئے۔

یعنی جب پیاس پیدا کرو گے تو اللہ تعالیٰ کی رحمت جوش میں آئے گی اور پھر وہ اوپر سے بھی پانی برسائے گا اور نیچے سے بھی برسائے گا۔ تو جب آپ علم کی پیاس لے کر درسگاہ میں پہنچیں گے تو اللہ رب العالمین آپ کو مایوس نہیں کریں گے۔

جو استاد سے سوالات نہ کرے، وہ طالب علم کہلانے کا مستحق نہیں:

جو مجہولات لے کر آپ درسگاہ میں پہنچے، اگر استاد نے وہ باتیں بتلادیں تو اللہ کا شکر ادا کرو اور اگر استاد نے نہیں بتائیں یا سمجھ میں نہیں آئیں تو استاد سے سوال کرو۔ خوب سمجھ لو! جو طالب علم استاد سے سوال نہ کرے وہ طالب علم کہلانے کا مستحق نہیں۔ ابھی میں والد صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی کتاب ''دل کی دنیا'' میں دیکھ رہا تھا۔ اس میں بزرگوں کا ایک مقولہ لکھا ہوا دیکھا جو بڑا مزیدار ہے۔ فرمایا کہ

مریدے کہ چون وچراں کند وشاگردے کہ
چون وچرا نہ کند در چراگاہ باید فرستاد

ترجمہ: جو مرید چون وچراں کرے اور جو شاگرد چوں وچراں نہ کرے، انہیں چراگاہ میں بھیجنا چاہیے (کیونکہ وہ مرید نہیں اور یہ شاگرد نہیں بلکہ دونوں گدھے ہیں، انہیں گھاس چرنے کے لئے چراگاہ بھیج دو)

مرید کا کام یہ ہے کہ وہ شیخ کی بات کو بلا چوں وچراں تسلیم کرے۔ اس کی وجہ نہ پوچھے لیکن طالب علم کا کام یہ ہے کہ وہ چوں وچراں کرے، کوئی بات سمجھ میں نہ آئے تو وہ پوچھے۔ اگر استاد کوئی دلیل بیان کرے اور اس پر دل مطمئن نہ ہوتا ہو تو چون وچراں کرے کہ حضرت! اس پر تو یہ اعتراض پڑتا ہے۔ اگر استاد کے جواب پر تشفی نہ ہو تو پھر دوبارہ سوال کرے۔ اگر درسگاہ میں بار بار سوال کرنے کا وقت نہ ہو یا اس سے استاد کو مشقت ہو رہی ہو تو سبق کے بعد پوچھ لے۔ اس سے بہت فائدہ ہوگا۔ استاد کو یہ معلوم

ہوگا کہ آپ طالب علم ہیں اور علم کی سچی طلب میں لگے ہوئے ہیں۔

آخر میں پھر یہ عرض کرتا ہوں کہ میرے عزیزو! خوب محنت کرو، اخلاص، للھیت، تقویٰ اور سنت کی پابندی کا اہتمام کرو اور بزرگوں کی جو جگہیں خالی ہوتی جارہی ہیں، انہیں پُر کرنے کے لئے اپنے آپ کو تیار کرلو۔

اللہ تعالیٰ عمل کرنے کی توفیق نصیب فرمائے۔ (آمین)

وآخر دعوانا أنِ الحمدللّٰہ رب العالمینo

صحیح مُسلم کی نادر المثال شرح

خطاب : حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب مدظلہم

مقام : جامع مسجد، جامعہ دارالعلوم، کراچی

تاریخ : ۸ ربیع الاول ۱۴۱۵ھ بمطابق ۱۶ اگست ۱۹۹۴ء

برموقع تقریب اظہار شکر بر تکمیل "تکملہ فتح الملہم"

ترتیب و عنوانات : اعجاز احمد صمدانی

﴿صحیح مسلم کی نادر المثال شرح﴾

خطبہ مسنونہ:

نحمدہٗ ونصلّی علی رسولہِ الکریم

امابعد!

محترم اساتذہ کرام، حضرات علماء عظام، معزز حاضرین اور عزیز طلبہ

ایسی خوشیاں صدیوں میں نصیب ہوتی ہیں:

اللہ رب العالمین کی بارگاہ میں جس مسرت کے اظہارِ شکر کے لئے آج کی یہ مجلس منعقد ہورہی ہے۔ اس کے بارے میں میرا یہ کہنا شاید مبالغہ نہ ہوگا کہ اس نوعیت کی خوشیاں صدیوں میں جاکر نصیب ہوتی ہیں۔ پچھلے ایک ہزار سال میں ایسے واقعات بہت خال خال پیش آئے ہیں کہ ایسا ٹھوس، علمی اور محققانہ کام سرانجام دیا گیا ہو جیسا یہ کام اللہ تعالیٰ نے برادرِ عزیز، ہماری آنکھوں کے سرور اور امیدوں کے مرکز مولانا محمد تقی عثمانی صاحب سلمہ سے لیا ہے۔ یہ مایہ ناز تالیف اس صدی کا وہ کارنامہ ہے کہ اس کی عظمت کا اندازہ بہت عرصہ بعد ہی لوگ کرسکیں گے کیونکہ جس موضوع پر یہ کتاب لکھی گئی ہے، یہ

کٹھن ترین اور مشکل ترین موضوع ہے اور اس سے استفادہ کرنے والے حضرات کا طبقہ بھی بہت محدود ہے۔جس کی بنیادی طور پر دو وجوہ ہیں۔

ا۔ یہ کتاب عربی زبان میں ہے۔

۲۔عربی زبان میں بھی علم حدیث کے فن پر ہے جو اپنی نوعیت کا ایک مشکل اور کٹھن فن ہے۔

حافظ ابن حجرؒ نے ''فتح الباری'' لکھ کر قرض چکا دیا:

آنحضرت ﷺ کی احادیث مبارکہ پر یوں تو کتنی ہی کتابیں لکھی گئیں لیکن ان میں سے سب سے زیادہ صحیح اور معتبر دو ہی کتابیں شمار کی گئی ہیں۔

ا۔صحیح البخاری جسے امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے تالیف فرمایا۔

۲۔اور صحیح مسلم جسے امام مسلم بن الحجاج نیشاپوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے لکھا۔

صحیح بخاری کو اللہ تعالیٰ نے جو مقبولیت عطا فرمائی، وہ کسی اور کتاب کے حصے میں نہیں آئی۔ پوری امت نے متفقہ طور پر کتاب اللہ کے بعد اسے صحیح ترین کتاب قرار دیا۔ اگرچہ اس کتاب کی بہت سی شروحات لکھی گئیں لیکن اس عظیم الشان کتاب کو جس شرح کی ضرورت تھی، ایک عرصہ تک وہ وجود میں نہ آئی۔ یہاں تک کہ علامہ ابن خلدون رحمۃ اللہ علیہ کو یہ کہنا پڑا کہ کوئی شرح اس کتاب کا حق ادا نہیں کر رہی۔

بالآخر صحیح بخاری کی تالیف کے تقریباً چھ سو سال بعد عظمت کا یہ تاج اللہ تعالیٰ نے حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کے سر پر رکھا اور آپ نے صحیح بخاری کی مایہ ناز شرح ''فتح الباری'' تالیف کی۔ الحمد للہ، ہمارے سارے کتب خانے اس سے آراستہ ہیں۔آج دنیا کا کوئی محقق، کوئی فقیہ اس کتاب سے بے نیاز نہیں۔ کسی بھی مکتبہ فکر اور مسلک سے تعلق رکھنے والا عالم دین ہو، وہ اس کتاب سے مستغنی نہیں۔

علماء امت نے جس طرح صحیح بخاری کے بارے میں متفقہ طور پر فرمایا تھا کہ

کتب حدیث میں اس کی نظیر نہیں ہے، اسی طرح فتح الباری کے بارے میں بھی متفقہ طور پر فرمایا کہ اس شرح کی مثال پوری دنیا میں موجود نہیں۔ یہ نادر المثال شرح ہے۔ علامہ سخاوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ علامہ ابن خلدون رحمۃ اللہ علیہ نے صحیح بخاری کے شایانِ شان کوئی شرح نہ ہونے کی جو شکایت کی تھی، حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے امت کی طرف سے یہ قرض چکادیا ہے۔

علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ کی شرح اگرچہ دریا بکوزہ ہے لیکن:

الحمدللہ، صحیح مسلم بھی حدیث کی بڑی مقبول کتاب ہے۔ صحیح بخاری کے بعد صحت حدیث کے اعتبار سے صحیح مسلم کا دوسرا درجہ اور حسنِ ترتیب اور انداز بیان کے اعتبار سے تو اس کو صحیح بخاری پر بھی فوقیت حاصل ہے۔

اس کی بھی بہت سی شروح لکھی گئیں۔ ہمارے زمانے کی مشہور ترین اور متداول شرح علامہ نوویؒ کی ہے۔ بلاشبہ یہ شرح ''دریا بکوزہ'' کی عمدہ مثال ہے۔ لغات، اسماء الرجال، سند اور متن حدیث کی تحقیق جس اختصار و جامعیت کے ساتھ انہوں نے کی ہے، وہ بلاشبہ ایک عظیم کارنامہ ہے۔ لیکن اس کے باوجود صحیح بخاری کی شرح فتح الباری اور مسلم شریف کی علامہ نووی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی شرح ''المنہاج'' میں زمین و آسمان کا فرق تھا۔ علامہ نووی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی شرح اگرچہ بہت محققانہ تھی لیکن انتہائی مختصر ہونے کی وجہ سے مسلم شریف کے بہت سے مباحث ایسے تھے جو اپنے لئے کسی شارح کو تلاش کر رہے تھے۔

علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ''فتح الملہم'' لکھنا شروع کی لیکن وہ مکمل نہ ہوسکی:

شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ تعالیٰ

علیہ کے مایہ ناز شاگرد، علامہ سید انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے ہم عصر اور ہمارے والد ماجد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے استاد تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں عربی تقریر و تحریر کا بڑا ملکہ عطا فرمایا تھا۔ انہوں نے صحیح مسلم کی شرح لکھنے کا بیڑا اٹھایا۔ ان کی تمنا تھی کہ جس طرح بخاری شریف کی ایک جامع اور مفصل شرح حافظ ابن حجرؒ نے تالیف فرمائی، اس جیسی مسلم شریف کی شرح کا کام اللہ تعالیٰ ان سے کرادے۔ چنانچہ ۱۳۳۳ھ مطابق ۱۹۱۴ء میں آپ نے عظیم الشان شرح ''فتح الملہم'' لکھنے کا آغاز کیا۔

یہ وہ زمانہ تھا جب برصغیر دنیائے علم کے آفتاب و ماہتاب اور درخشندہ ستاروں سے جگمگا رہا تھا۔ ہر علم وفن کے بڑے بڑے علماء اور نابغہ روز محققین موجود تھے۔ ان کی موجودگی میں یہ شرح لکھی گئی تین جلدوں میں یہ شرح ''کتاب النکاح'' تک پہنچی۔ جس کا مطلب یہ ہوا کہ کتاب مسلم کا ابھی تک نصف حصہ بھی مکمل نہ ہوا۔ اس کتاب کے آغاز سے ان تینوں جلدوں کے شائع کرانے تک علامہ عثمانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو پچیس سال لگ گئے۔

اس کے بعد تحریک پاکستان پورے برصغیر میں وقت کا سب سے بڑا تقاضا بن کر اٹھی۔ حکیم الامت مجدد الملۃ حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ کی ایماء پر علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو تحریک پاکستان کی عملی جدوجہد کے لئے میدان سیاست میں آنا پڑا۔ آپ نے دارالعلوم دیوبند سے اسی خیال کے پیش نظر استعفیٰ دے دیا تاکہ یکسوئی کے ساتھ اس تحریک کو اسلامی خطوط پر لانے کی بھرپور جدوجہد کریں۔ اس ہمہ وقتی جدوجہد کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ نے نادر المثال مملکت خداداد پاکستان عطا فرمائی۔ جس پر جتنا بھی شکر ادا کریں، کم ہے۔

لیکن آج ہمارا سر ندامت کی وجہ سے جھکا ہوا ہے کہ ہم نے اس نعمت عظمیٰ کا شکر ادا نہیں کیا۔ یہ عظیم ملک آج جس بیچارگی کا شکار ہے۔ وہ ہماری شامت اعمال اور

ناقدری کا نتیجہ ہے۔

۱۹۴۷ء میں جب یہ عظیم ترین اسلامی سلطنت دنیا کے نقشہ پر نمودار ہوئی تو ہمارے بزرگوں کے پیش نظر سب سے پہلا اور بنیادی کام یہ تھا کہ اس مملکت کو قرآن وسنت کی تنفیذ، اسلام کے عادلانہ نظام اور معاشیات کے میدان میں اسلام کے فطری اصولوں کے مطابق ڈھالا جائے۔ یہاں کے نظام حکومت کو اسلامی خطوط پر استوار کیا جائے۔ اور اس مقصد کے لئے انہوں نے رات دن ایک کردیئے۔ چنانچہ یہ شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی جدوجہد کا نتیجہ ہے کہ انہوں نے قرارداد مقاصد کا مسودہ تیار کیا۔

میرے پاس اس مسودے کا ایک کچا ورق موجود ہے۔ جس پر علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے قلم کی بھی کچھ تحریر ہے۔ والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے ہاتھوں کے لکھے ہوئے کچھ جملے بھی موجود ہیں۔ اس کو علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنے رفقاء کار کے مشورے سے مرتب کیا تھا۔

پاکستان کے اس وقت کے وزیر اعظم شہید ملت لیاقت علی خان مرحوم نے علامہ عثمانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے یہ مسودہ لیا اور کہا کہ آپ کو یہ مسودہ پیش کرنے کی ضرورت نہیں بلکہ میں خود بحیثیت پارلیمانی لیڈر اور وزیر اعظم اس قرار داد مقاصد کو پیش کرونگا تا کہ ہم پوری قوت کے ساتھ ایوان سے اسے منظور کرا سکیں۔ چنانچہ ہم اسمبلی کے اجلاس میں اس وقت شریک تھے جب یہ تاریخی قرار داسمبلی میں پیش کی گئی۔ ایوان نے بڑی خوشیوں کے ساتھ اسے منظور کیا۔ قائد ملت لیاقت علی خان اور علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی تقریریں ہوئیں جو پاکستان کی تاریخ کی عظیم تقریروں میں سے دو تقریریں ہیں۔

علامہ عثمانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنی ان بے پناہ مصروفیات کی بناء پر ''فتح الملہم'' کا کام آگے نہ بڑھا سکے۔ چنانچہ یہ عظیم شرح جو ابھی آدھی سے زیادہ باقی تھی، اس کا کام رک گیا۔ علامہ عثمانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی بڑی تمنا تھی کہ وہ اس کی تکمیل فرما سکیں لیکن ۱۹۴۹ء میں داعی اجل کو لبیک کہہ کر اس دار فانی سے رخصت ہو گئے۔

کئی اکابر ''فتح الملھم'' کا تکملہ لکھنے کے خواہش مند تھے:

آپ کے وصال کے بعد آپ کے شاگردوں اور آپ سے تعلق رکھنے والے علماء کی شدید خواہش تھی کہ فتح الملھم کی تکمیل ان کے ہاتھوں انجام پا جائے۔ میں نے اپنے والد ماجد مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، علامہ محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور اعلاء السنن کے مصنف علامہ ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو دیکھا کہ وہ اس بات کی تمنا کرتے تھے کہ کاش! اس عظیم کتاب کا تکملہ لکھنے کی سعادت ہمارے حصے میں آ جائے لیکن ان کی دیگر علمی مشغولیات بہت زیادہ تھیں۔ جس کی وجہ سے یہ کام ان کے ہاتھوں پائے انجام تک نہ پہنچ سکا۔ یہ بھی اللہ تعالیٰ کا خصوصی فضل اور انہی بزرگوں کی برکات ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انہی کے شاگردوں میں سے ایک شاگرد کو اس سعادت کبریٰ سے نوازا۔

میری عقل حیران ہے:

برادرِ عزیز مولانا محمد تقی عثمانی سلمہ جن کے بارے میں جی چاہتا ہے کہ جس طرح امت نے اصل لقب شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو دیا تھا۔ ان کے ساتھ بھی استعمال کروں، انہیں والدِ ماجد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس طرف متوجہ فرمایا، اور اس دوسرے شیخ الاسلام نے فتح الملھم کی تکمیل اس انداز میں کی کہ میری عقل حیران

ہے۔ میرے خیال میں یہ کام کوہ ہمالیہ کی چوٹی سر کرنے سے بھی زیادہ مشکل تھا خاص طور پر اس پر آشوب دور میں جہاں یکسوئی عنقاء ہو جبکہ ایسے کام کیلئے کامل یکسوئی ناگزیر تھی۔

والد صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے انتقال سے چند مہینے پہلے یہ کام شروع ہوا تھا۔ چند ماہ بعد ہماری زندگی کا سب سے بڑا سہارا ہمارے سر سے اٹھ گیا، دارالعلوم یتیم ہو چکا تھا۔ اس کی ذمہ داریاں ہمارے بزرگوں نے ہم دونوں بھائیوں پر ڈالی تھیں۔ دارالعلوم کی انتظامی ذمہ داریاں، اسباق کی مشغولیت اور فتاوٰی کی جان گسل مشقت اپنی جگہ کچھ نہ کم تھی کہ اس کے ساتھ ان کی اور بھی کئی مصروفیات پیدا ہو گئیں۔

اسی زمانے میں ملک میں انقلاب آیا۔ ضیاء الحق صاحب نے مارشل لاء نافذ کیا۔ انہوں نے نفاذِ اسلام کا بیڑا اٹھایا۔ اس میں انہیں محقق علماء کرام کے تعاون کی شدید ضرورت تھی۔ یہ ادائے حق میں کوتاہی ہوتی اگر ان کی اس دعوت پر لبیک نہ کہا جاتا۔ چنانچہ اپنے مرشد ڈاکٹر عبدالحئی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے حکم وایماء پر برادرِ عزیز نے اس کے لئے بھی دن رات کوششیں کیں۔ اب زیادہ وقت اسلام آباد میں گذرنے لگا، وہاں سے آکر یہاں سبق بھی پڑھاتے اور کراچی میں گذرنے والے ہر دن میں فتح الملہم کے تکملہ کے لئے مقررہ جگہ میں مقررہ وقت پر پہنچ جاتے۔ اللہ تعالیٰ کی توفیق سے اس میں ناغہ نہیں آنے دیا۔

کچھ عرصہ بعد آپ وفاقی شرعی عدالت کے جج بن گئے۔ جس سے آپ کی مصروفیات میں اور اضافہ ہو گیا۔ اس کے بعد سپریم کورٹ شریعت اپیلیٹ بنچ کے رکن مقرر ہوئے اور ابھی تک اس عہدے پر ہیں۔[1] اس عرصے میں انہوں نے مایہ ناز اور انقلابی قسم کے فیصلے کئے۔ شرعی اور فقہی تحقیقات کی بنیاد پر ایسے فیصلے فرمائے کہ پاکستان کی تاریخ میں اس کی نظیر ملنا مشکل ہے۔

آج اسمبلی کے ذریعے قانون تبدیل کرنا بہت مشکل ہے۔ جب کوئی قانون

تبدیلی کے لئے اسمبلی میں پیش ہوتا ہے تو اپوزیشن اور حکومت کے درمیان رسہ کشی شروع ہو جاتی ہے۔ خاص طور پر اسلامی قانون اسمبلی سے پاس کرانا تو جوئے شیر لانے کے مترادف ہے لیکن وفاقی شرعی عدالت کو ضیاء الحق مرحوم نے یہ اختیار دیا تھا کہ جن قوانین کو وہ شریعت کے خلاف پائے ان پر خط تنقید پھیر دے بشرطیکہ کوئی فرد یہ مسئلہ عدالت میں پیش کرے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے مبارک ہاتھوں سے درجنوں ایسے فیصلے صادر کرائے جن کی وجہ سے خلافِ شریعت قوانین کالعدم قرار دیئے گئے اور وہ آج تک کالعدم ہیں اور ان کی جگہ پر ان کے لکھے ہوئے فیصلے قانونی پوزیشن حاصل کر چکے ہیں۔

اتنی مصروفیات کے ساتھ ساتھ ان کی ایک اور اہم مصروفیت یہ ہے کہ آپ مجمع الفقہ الاسلامی (جدہ) کے نائب صدر ہیں۔ یہ ایک بین الاقوامی ادارہ ہے جو او۔آئی۔سی (O.I.C) کے تحت کام کر رہا ہے۔ اس ادارہ میں انتہائی مشکل موضوعات تحقیق کے لئے پیش ہوتے ہیں۔ اس کے اندر بھی انہوں نے معاشیات، اقتصادیات، عالمی تجارت، درآمدات برآمدات جیسے موضوعات پر تحقیقی مقالے عربی زبان میں پیش کئے جن کا اردو اور انگریزی ترجمہ بھی شائع ہوا۔

اس کے علاوہ دنیا بھر میں جو مختلف بینک اسلامی بنیادوں پر قائم ہوئے، انہوں نے بھی علمی اور فنی استفادے کیلئے ان کا بہت وقت لیا۔ اور ان کی وجہ سے انہیں بار بار غیر ملک سفروں کی نوبت پیش آئی۔ ان اسفار کا لب لباب آپ ''جہانِ دیدہ'' میں پڑھ چکے ہیں۔[1] یہ تفریحی سفر نہیں تھے بلکہ علمی اور تحقیقی کاموں کے لئے سفر تھے۔ ان سفروں میں انہوں نے جو کچھ دیکھا، عوام کی معلومات کے لئے اُسے ''جہانِ دیدہ'' میں لکھ دیا۔

ان تمام مشغولیتوں کے علاوہ ماہنامہ ''البلاغ'' (اردو، انگریزی) کی ادارت کی ذمہ داری کا بوجھ بھی ان کے کندھوں پر تھا جسے انہوں نے بطریق احسن نبھایا۔ اس پر ہجوم زندگی کے اندر اللہ تعالیٰ نے ان سے تکملہ فتح الملہم کا عظیم تحقیقاتی کام لیا ہے جو چھ

جلدوں میں تیار ہوا ہے۔ یہ کام ابھی پچھلے ہفتے مکمل ہوا اور یہ سامنے اُسی کے رجسٹر رکھے ہوئے ہیں۔ علامہ عثمانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو اپنے حصہ کی شرح میں تقریباً پچیس سال لگے تھے اور اس تکملہ میں تقریباً پونے انیس سال خرچ ہوئے ہیں۔ روزانہ کام کرنے کا اوسط گھنٹہ، ڈیڑھ گھنٹہ سے زیادہ نہ تھا۔ اس میں ذکر کردہ مشغولیتوں کی وجہ سے بہت زیادہ ناغے بھی ہوتے رہے۔

میں بے تحاشا رو پڑا:

جس دن انہوں نے یہ کام مکمل کیا، ظہر سے کچھ پہلے کا وقت تھا، یہ خوشی خوشی سارے مسودے اٹھا کر میرے پاس تشریف لائے۔ جب انہوں نے یہ سارے رجسٹر میرے سامنے رکھے تو میں بے تحاشا رو پڑا کہ آج دنیا میں اس کی قدر کرنے والے شاذونادر ہی رہ گئے۔ آج ان اکابر کا سایہ بھی ہمارے سروں سے اٹھ چکا ہے جن کی تمنائیں آج بارآور ہوئیں۔

لیکن یہ بھی مقام شکر ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے ہمارے اساتذہ کرام میں سے مولانا قاری رعایت اللہ صاحب، حضرت مولانا مفتی ولی حسن صاحب، حضرت مولانا سحبان محمود صاحب، حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب اور حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحب دامت برکاتہم کا سایہ ہمارے سروں پر موجود ہے۔[1] ان کے علاوہ عالم اسلام کی ممتاز شخصیات بھی یہاں موجود ہیں۔ جن کے بارے میں دل چاہتا ہے کہ ان کی لکھی ہوئی تقریظات پر کچھ تبصرہ کروں۔

شیخ عبدالفتاح ابوغدہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی تقریظ:

اس وقت ہمارے سامنے شام کے جلیل القدر عالم دین شیخ عبدالفتاح ابوغدہ

موجود ہیں۔ جو عرصہ دراز سے ریاض یونیورسٹی میں تدریسی خدمات سرانجام دے رہے ہیں۔ بڑے جلیل القدر عالم دین ہیں۔ علماء برصغیر کے عاشق ہیں۔ والد ماجد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو اپنا استاد کہا کرتے تھے۔ انہوں نے اس کتاب پر مقدمہ بھی لکھا ہے اور تقریظ بھی لکھی ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ انہوں نے جس انداز میں اس کی تعریف کی ہے، یہ انہی کا مقام ہے۔

آپ فرماتے ہیں:

''ہمارے شیخ، ہمارے استاذ علامہ مولانا محمد شفیع رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ہمت دلائی اپنے عظیم بیٹے، علامہ، محدث نجیب، فقیہ، ادیب، اریب مولانا محمد تقی عثمانی کو کہ وہ مکمل کریں فتح الملہم کی شرح کو۔ انہوں نے تکملہ وہیں سے شروع کیا جہاں سے علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے چھوڑا تھا اور تحقیق و تفصیل اور محنت وجستجو میں اُسی طریقے پر لکھا جس طرح علامہ عثمانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اسے لکھا تھا اور ان کی مکمل پیروی کی۔''

ڈاکٹر یوسف قرضاوی حفظہ اللہ کی تقریظ:

ان کے علاوہ عالم اسلام کی مشہور فقہی شخصیت ڈاکٹر یوسف قرضاوی بھی اس وقت ہمارے سامنے موجود ہیں۔ آپ اس کتاب پر تقریظ لکھتے ہوئے فرماتے ہیں:

''میں نے اس شرح کے اندر ایک محدث کی حس، ایک فقیہ کی استعداد، ایک استاذ کی ذکاوت، ایک قاضی کا تدبر اور عصر حاضر پر نگاہ رکھنے والے عالم کی بصیرت دیکھی۔ میں نے صحیح مسلم کی بہت سی شرحیں دیکھی ہیں۔ قدیم بھی، جدید بھی لیکن ان شروحات میں

سے یہ شرح سب سے زیادہ قابلِ توجہ اور قابل استفادہ ہے۔"

میں نے اس شرح سے استفادہ کیا ہے:

اتفاق کی بات یہ ہے کہ میں عرصہ دراز سے مسلم شریف پڑھا رہا ہوں۔ جہاں تک علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی شرح لکھی ہوئی ہے وہاں تک آسانی سے کام چل جاتا تھا۔ جب آگے پہنچا تو مجھے یاد ہے کہ رات عشاء کے بعد درس ہوتا تھا اور میں اس کی تیاری دوپہر ۱۲ بجے سے شروع کر دیتا تھا۔ صرف کھانے اور نماز کا وقفہ ہوتا تھا۔ درجنوں کتابیں دیکھ کر مسائل کی تحقیق کرنا پڑتی تھی۔ خصوصاً کتاب البیوع میں جدید اقتصادیات ومعاشیات، طب و سیاست، جہاد وسیرت اور حدود وقصاص کے جدید مسائل میں محنت شاقہ کرنی پڑتی تھی۔ مطالعہ کرنے کے بعد سب یادداشتیں جمع کر کے طلبہ کو پڑھاتا تھا۔

اللہ تعالیٰ برادر عزیز مولانا محمد تقی عثمانی صاحب سلمہ کو جزائے خیر دے کہ انہوں نے ایک زبردست خلا کو پر کیا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ میں نے اس حصے سے استفادہ کیا ہے اور ہر سال کرتا ہوں۔ جتنا تالیف ہو جاتا تھا اس سے استفادہ کرتا رہا۔ ایک ایک سطر پر ان کے لئے دعائیں نکلتی رہیں۔

اِس شرح کی ایک نادر خصوصیت:

سلف صالحین کی احتیاط، مذہبی تعصب سے بالاتر ہو کر حقیقت حدیث کو واضح کرنے کا جو طریقہ ہم نے بزرگوں کے اندر دیکھا تھا، اس کا کامل نمونہ اس میں موجود ہے۔ اس کے علاوہ ایک خصوصیت اس شرح کی ایسی ہے جو کسی بھی کتاب حدیث کی شرح میں موجود نہیں۔ میں پوری بصیرت کے ساتھ عرض کر رہا ہوں۔ اور وہ خصوصیت یہ

ہے کہ جدید دوز کے سیاسی میدان، تجارتی و معاشیاتی میدان، طبی میدان میں اور حدود و قصاص کے قوانین کے میدان میں جن نئے مسائل اور الجھے ہوئے سوالات نے جنم لیا ہے، ان پر علماء نے اگرچہ عربی اور اردو میں کتابیں لکھی ہیں لیکن کسی حدیث کی شرح کے ضمن میں، حدیث سے استنباط کرتے ہوئے ان مسائل کو شروح حدیث میں بیان نہیں کیا گیا۔ یہ نمایاں اور نادر المثال خصوصیت صرف تکملہ فتح الملھم کے حصہ میں آئی ہے۔

میری دلی دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اُس عظیم کتاب کے مؤلف کے علم وعمر میں برکتیں عطا فرمائے اور ان کو اس سے بھی زیادہ اور بڑے بڑے علمی تحقیقی کاموں کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین، ثم آمین)

وآخر دعوانا أنِ الحمدللّٰہ رب العالمینo

گلگت کے پہاڑوں میں
یادگار آپ بیتی

مفتی اعظم پاکستان مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی مد ظلہ

مرتب،
مولانا اعجاز احمد صمدانی

بیت العلوم
۲۰- نابھہ روڈ، پرانی انارکلی لاہور. فون: ۳۵۲۲۳۸۳

امریکہ میں مُسلمان

کِس طرح رہیں

مفتی اعظم پاکستان مولانا محمد رفیع عثمانی مدظلہ

بیتُ العلوم

۲۰- نابھہ روڈ، پُرانی انارکلی لاہور۔ فون ۳۵۱۲۴۸۳

إنَّ مِنَ البَيَانِ لَسِحرًا

اِصلاحی تقریریں

عمل پر اُبھارنے والی عام فہم اور فکر انگیز تقاریر
علماء، خطباء، اور عوام کے لیے یکساں مفید

جلد ہشتم

- خدمتِ خلق اور سفارش کے فضائل
- پردہ پوشی
- شادی بیاہ سے متعلق شرعی ہدایات
- ہم کہاں جا رہے ہیں؟
- سفرِ معراج
- اختلاف رحمت، افتراق زحمت
- تین اہم شعبے تعلیم، تبلیغ، جہاد
- کیا اسلام تلوار کے زور سے پھیلایا گیا؟
- شریعت و طریقت کا تلازم
- عالمِ اسلام کے حالات ایک اجمالی جائزہ
- موریشس میں اسلامی حالات اور وقت کا تقاضا
- ختمِ بخاری شریف
- تفسیر احکام القرآن کی تکمیل

مفتی اعظم پاکستان مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی مدظلہ

بیت العلوم
۲۰- نابھہ روڈ، پرانی انارکلی لاہور۔ فون: ۳۵۲۴۸۳۷

اِصلاحی تقریریں

جلد ہشتم

اِصلاحی تقریریں

عمل پر اُبھارنے والی عام فہم اور فکر انگیز تقاریر
علماء، خطباء اور عوام کے لیے یکساں مفید

جلد ہشتم

مفتی اعظم پاکستان مولانا محمد رفیع عثمانی مدظلہم

مرتب:
مولانا اعجاز احمد صمدانی

بیت العلوم
۲۰- نابھہ روڈ، پرانی انارکلی لاہور۔ فون: ۷۳۵۲۴۸۳

نام کتاب: اصلاحی تقریریں
جلد: ہشتم
خطبات: حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب مدظلہ
ضبط و ترتیب: مولانا اعجاز احمد صمدانی (فاضل جامعہ دارالعلوم کراچی)
باہتمام: محمد ناظم اشرف
ناشر: بیت العلوم - ۲۰ نابھہ روڈ، چوک پرانی انارکلی، لاہور
فون: ۷۳۵۲۴۸۳

﴿ملنے کے پتے﴾

بیت العلوم = ۲۰ نابھہ روڈ، پرانی انارکلی، لاہور
ادارہ اسلامیات = ۱۹۰ انارکلی، لاہور
ادارہ اسلامیات = موہن روڈ چوک اردو بازار، کراچی
دارالاشاعت = اردو بازار کراچی نمبر ۱
بیت القرآن = اردو بازار کراچی نمبر ۱
بیت الکتب = گلشن اقبال، کراچی
ادارۃ المعارف = ڈاک خانہ دارالعلوم کورنگی کراچی نمبر ۱۴
مکتبہ دارالعلوم = جامعہ دارالعلوم کورنگی کراچی نمبر ۱۴
مکتبہ سید احمد شہید = الکریم مارکیٹ، اردو بازار، لاہور
ادارۃ القرآن = اردو بازار، کراچی

پیش لفظ

حضرت مفتی اعظم پاکستان مولانا محمد رفیع عثمانی مدظلہ

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

مجھ جیسے ناچیز کی زبان سے نکلی ہوئی باتیں تو اس قابل بھی نہ تھیں کہ ان کو ''تقریریں'' کہا جاتا، چہ جائیکہ انہیں ''اصلاحی تقریریں'' کا عظیم الشان نام دے کر کتابی شکل میں شائع کیا جائے۔ لیکن اہل محبت کا حسن ظن ہے کہ وہ ان کو ٹیپ ریکارڈ پر محفوظ کر لیتے ہیں۔

عزیز القدر مولوی محمد ناظم سلمہ نے جو دار العلوم کراچی کے ہونہار فاضل، اور ''جامعہ اشرفیہ لاہور'' کے مقبول استاذ ہیں، کئی سال سے ان ٹیپ شدہ تقریروں کو ضبط تحریر میں لا کر اپنے ادارے بیت العلوم لاہور سے شائع کرنے کا سلسلہ جاری کیا ہوا ہے اور اب تک اس سلسلے کی سات مجلد کتابیں شائع کر چکے ہیں، اور اب چند مزید تقریروں کا مجموعہ ''اصلاحی تقریریں (جلد ہشتم)'' کے نام سے شائع کر رہے ہیں۔

یہ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ ماشاء اللہ انہوں نے ٹیپ ریکارڈ سے نقل کرنے میں بڑی کاوش اور احتیاط سے کام لیا ہے اور ذیلی عنوانات بڑھا کر ان کی افادیت میں اضافہ کردیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی اس محنت کو شرفِ قبولیت سے نوازے اور ان کے علم وعمل اور عمر میں برکت عطاء فرمائے، اور اس کتاب کو قارئین کے نافع بنا کر ہم سب کے لئے صدقہ جاریہ بنادے اور ''بیت العلوم'' کو دینی اور دنیاوی ترقیات سے مالا مال کردے۔

والله المستعان

بسم اللہ الرحمن الرحیم

﴿عرض ناشر﴾

مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب مدظلہ ملک و بیرون ملک ایک جانی پہچانی علمی اور روحانی شخصیت ہیں۔ آنجناب ملک کی مشہور دینی درسگاہ "دارالعلوم کراچی" کے مہتمم اور اسلامی نظریاتی کونسل کے ایک فعال ممبر ہونے کے علاوہ کئی جہادی، اصلاحی اور تعلیمی تنظیموں کے سرپرست ہیں۔ آپ مفسر قرآن مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ کے فرزند ارجمند اور عارف باللہ حضرت ڈاکٹر عبدالحیٔ عارفی صاحبؒ کے ممتاز اور اخص الخواص خلفاء میں سے ہیں۔ ان تمام خوبیوں کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ نے حضرت مفتی صاحب مدظلہ کو حسن خطابت سے خوب خوب نوازا ہے۔ ہر موقعہ پر پراثر اور دلنشین پیرائے میں ہر سطح کے سامع کو بات سمجھانا حضرت کا خصوصی کمال ہے جو اس قحط الرجالی کے دور میں کہیں کہیں نظر آتا ہے۔ پھر بزرگوں کی صحبت کی برکت سے لوگوں کی اصلاح کا جذبہ کہ کسی طرح لوگ روحانی طور پر درست ہو جائیں حضرت کے بیانات کا لازمی حصہ ہے۔ گویا حضرت کے خطبات و بیانات شریعت و طریقت کا ایک حسین

امتزاج ہوتے ہیں۔ جن میں عالمانہ تحقیق، فقیہانہ نکتہ وری کے ساتھ ساتھ، ایک بلند پایہ صوفی، مصلح اور مربی کی سوچ بھی جلوہ نما ہوتی ہے۔

الحمدللہ ''بیت العلوم'' کو یہ شرف حاصل ہوا کہ پہلی مرتبہ حضرت کے ان اصلاحی، پرمغز اور آسان بیانات کو حضرت مفتی صاحب مدظلہ کے تجویز کردہ نام ''اصلاحی تقریریں'' کے نام سے شائع کر رہا ہے۔ اصلاحی تقریریں جلد اول، دوم، سوم، چہارم، پنجم، ششم، اور ہفتم کی غیر معمولی مقبولیت کے بعد اب جلد ہشتم آپ کے سامنے ہے۔ جس میں حضرت کے کچھ بیانات لاہور، کراچی اور دوسرے ملکی و غیر ملکی مقامات کے شامل ہیں۔ اس کتاب کی ضبط و ترتیب کا کام مولانا اعجاز احمد صمدانی (فاضل جامعہ دارالعلوم کراچی) نے انجام دیا ہے۔ اس میں حتی الوسیع ضبط و ترتیب کا خیال رکھا گیا ہے اور آیات و احادیث کی تخریج بھی کردی گئی ہے، پھر بھی اگر کوئی غلطی نظر سے گزرے تو براہ کرام مطلع فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ ''بیت العلوم'' کی اس کاوش کو قبول فرمائے اور ہم سب کو عمل کی توفیق عطا فرمائے اور حضرت مفتی صاحب مدظلہ کو صحتِ عافیت عطا فرمائے تاکہ ہم حضرت کے بیانات سے زیادہ سے زیادہ مستفید ہو سکیں۔

آمین

والسلام

﴿محمد ناظم اشرف﴾

مدیر ''بیت العلوم''

فہرست

خدمتِ خلق اور سفارش کے فضائل

پردہ پوشی

﴿شادی بیاہ سے متعلق شرعی ہدایات﴾

﴿ہم کہاں جا رہے ہیں؟﴾

سفرِ معراج

اختلاف رحمت، افتراق زحمت

﴿تین اہم شعبے تعلیم، تبلیغ، جہاد﴾

کیا اسلام تلوار کے زور سے پھیلایا گیا ہے؟

شریعت وطریقت کا تلازم

﴿عالم اسلام کے حالات ایک اجمالی جائزہ﴾

﴿ موریشس میں اسلامی حالات اور وقت کا تقاضا ﴾

﴿ ختم بخاری شریف ﴾

﴿تفسیر احکام القرآن کی تکمیل﴾

خِدمتِ خلق اور سفارش کے فضائل

خطاب: حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب مدظلہم
مقام: جامع مسجد، جامعہ دارالعلوم کراچی
تاریخ: اپریل ۲۰۰۴ء
ترتیب وعنوانات: اعجاز احمد صمدانی

﴿خدمتِ خلق اور سفارش کے فضائل﴾

خطبہ مسنونہ:

﴿الحمد للّٰہ نحمدہٗ و نستعینہٗ، و نستغفرہٗ و نومن بہٖ و نتوکّل علیہ و نعوذ باللّٰہِ من شرورِ انفسنا ومن سیئاتِ اعمالنا . من یھدہِ اللّٰہ فلا مضلّ لہٗ و من یضللہٗ فلا ھادی لہٗ و نشھدأن لا الٰہ اِلاّ اللّٰہ وحدہٗ لاشریک لہٗ ونشھد أنّ سیدنا و سندنا و مولانا محمدًا عبدہٗ و رسولہٗ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہٖ و صحبہ اجمعین وسلم تسلیماً کثیراً.﴾

اما بعد:

﴿عن عبداللّٰہِ بن عمر رضی اللّٰہ عنہ عن النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم "المسلم أخوالمسلم لایظلمہ ولایُسلِمہٗ من کان فی حاجۃِ أخیہ کان اللّٰہ فی حاجتہٖ﴾ (بخاری، باب لایظلم المسلمُ المسلم ولایسلمہ، رقم الحدیث: ۲۳۱، مسلم، باب تحریم الظلم، رقم الحدیث: ۲۵۸۰)

حدیث کا ترجمہ

بزرگانِ محترم اور برادرانِ عزیز!

آج سے ہم جن ابواب کو شروع کر رہے ہیں ان میں یہ بتلایا گیا کہ مسلمانوں کو آپس میں کس طرح سلوک کرنا چاہئے۔ ان میں سے پہلے باب کا عنوان ہے ''دوسرے مسلمانوں کی حاجتوں کو پورا کرنا''۔ اس سلسلے میں علامہ نوویؒ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت ذکر کی، جو اوپر بیان ہوئی اس کا ترجمہ یہ ہے:

> ''مسلمان مسلمان کا بھائی ہے، وہ اس پر ظلم نہیں کرتا اور اسے بے یار و مددگار نہیں چھوڑتا (یا اسے دشمنوں کے حوالے نہیں کرتا) اور جو شخص اپنے کسی بھائی کے کام لگا ہو، اللہ تعالیٰ اس کے کام میں لگ جاتا ہے۔''

مسلمانوں کی خدمت کرنے کی صورتیں

یہ کتنی عظیم الشان فضیلت ہے۔ ہم تھوڑی سی کوشش کر کے اس فضیلت کو حاصل کر سکتے ہیں۔ اور اس کے حاصل کرنے کی بہت سی صورتیں ہیں۔ مثلاً ایک عالم دین ہے جو دن رات دین کے کاموں میں لگا ہوا ہے۔ اپنا ذاتی کام نہ ہونے کے برابر ہے۔ کسی کو مسئلہ بتا دیا، کسی کو سبق پڑھا دیا، کہیں جا کر تقریر کر دی۔ کہیں نماز جنازہ پڑھا دی وغیرہ یہ شخص بھی اپنے بھائیوں کے کام میں لگا ہوا ہے بلکہ دوسروں کے مقابلے میں عظیم الشان کام ہے۔ کیونکہ یہ لوگوں کی دینی حاجتیں پورا کرنے میں لگا ہوا ہے تو اللہ تعالیٰ اپنے وعدے کے مطابق ایسے آدمی کی حاجتیں پوری کرتا ہے۔

آپ دیکھیں گے تو ایسے بہت سے علماء اور صالحین ملیں گے جن کی ظاہری آمدنی بہت تھوڑی سی ہے۔ کسی مدرسے میں پڑھاتے ہیں یا مسجد میں امامت و خطابت ہے۔ وہاں سے معمولی تنخواہ مل جاتی ہے لیکن ان کے اندر اخلاص و قناعت پائی جاتی

ہے۔ اور وہ محض اللہ کی رضا کیلئے دین کے کاموں میں لگے رہتے ہیں۔ ڈیوٹی کے اوقات کی تو تنخواہ مل جاتی ہے۔ لیکن باقی کاموں کی کوئی تنخواہ مقرر نہیں، مفت میں یہ سب کام کرتے ہیں۔

کم تنخواہ کے باوجود علماء کی مالی حالت اچھی کیوں ہوتی ہے؟

آپ کو ان کی معاشی حالت ایسے بہت سے لوگوں سے زیادہ بہتر نظر آئے گی، جن کو اس سے دگنی تنخواہ ملتی ہے۔ ان کاموں میں لگنے والے خود بھی اس کا مشاہدہ کرتے رہتے ہیں۔ ہوتا یہ ہے کہ اللہ رب العالمین ایسے اسباب پیدا فرماتے رہتے ہیں کہ ان کی معاشی حالت بہتر رہتی ہے۔ اول تو اللہ تعالیٰ کے فضل سے ان کی تنخواہ میں اتنی برکت ہوتی ہے کہ دوسرا آدمی جو کام ایک ہزار میں کرتا ہے، اس کا یہ کام سو میں ہو جاتا ہے۔ اس کے علاوہ بعض مرتبہ دوسرے ذرائع آمدنی بھی پیدا ہو جاتے ہیں مثلاً تجارت کا کوئی ذریعہ بن گیا۔ کہیں سے ہدیہ، تحفہ مل گیا وغیرہ۔

آدمی یہ سوچتا ہے کہ میں تو معمولی سی تنخواہ پر کام کر رہا ہوں۔ ملازمت کے علاوہ دوسرے اوقات میں مسلمانوں کے کام مفت کر رہا ہوں۔ یاد رکھیئے! اللہ میاں کسی سے مفت کام نہیں لیتے۔ اس کا معاوضہ ضرور دیتے ہیں لیکن یہ نہیں بتلاتے کہ ہم کہاں سے دے رہے ہیں اور کس کام کا معاوضہ دے رہے ہیں؟ ادھر آپ نے مسئلہ بتایا، ادھر اللہ تعالیٰ نے تمہارے کاروبار میں اچھا سا گاہک بھیج دیا۔ اگر آپ مسئلہ بتانے کی فیس مقرر کرتے اور مسئلہ بتانے پر وہ فیس وصول کرتے، اب مفت بتانیکی صورت میں وہ گاہک اس سے زیادہ پیسے دے کر جائے گا۔ یا کہیں سے تحفہ آجائے گا۔ غرضیکہ اللہ تعالیٰ اس کا ضرور بدلہ دیتے ہیں۔

بے لوث خدمت کرنے والے ڈاکٹر

اسی طرح اگر کوئی ڈاکٹر ہے اور وہ بے لوث ہو کر خدمت خلق کرتے ہیں تو اللہ

تعالیٰ انہیں اس کا بدلہ عطا فرماتے ہیں۔ ہم نے اپنی آنکھوں سے ایسے بہت سے طبیب دیکھے ہیں کہ چھوٹی سی دکان ہے، بہت زیادہ فرنیچر بھی اس میں نہیں ہے۔ سستی سی دوا دیتے ہیں۔ طمع اور لالچ نہیں، بہت ذمہ داری سے علاج کرتے ہیں۔ صرف اتنے پیسے لیتے ہیں کہ گزارا ہوتا رہے۔ بنگلہ اور کار کی فکر نہیں کرتے اور نہ ہی ان کے دل میں اس کی تمنا ہوتی ہے۔ ایسے بندوں کو بھی اللہ تعالیٰ مختلف ذریعوں سے دیتے رہتے ہیں جن کی وجہ سے ان کی گزر بسر اچھی ہو جاتی ہے۔

حکیم محمد مختار صاحبؒ کا واقعہ

ہمارے جاننے والے ایک حکیم صاحب تھے۔ جناب حکیم محمد مختار صاحب رحمۃ اللہ علیہ۔ بڑے اللہ والے بزرگ تھے۔ دارالعلوم کے قبرستان ہی میں مدفون ہیں۔ مولانا حبیب اللہ مختار صاحب رحمۃ اللہ علیہ جو کچھ عرصہ نیو ٹاؤن مدرسہ کے مہتمم رہے ہیں ان کے والد تھے۔ بڑے ماہر طبیب تھے۔ عام طور پر ہم ان سے علاج کرایا کرتے تھے۔

جب والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو سب سے پہلے دل کا سخت دورہ پڑا۔ ہسپتال کے ایمرجنسی وارڈ میں انہیں داخل کیا گیا۔ کئی دن تک بے ہوش رہے۔ میرے اکلوتے بیٹے مولانا محمد زبیر صاحب جو اب دارالعلوم کے استاذ ہیں، اس وقت یہ بچے تھے۔ ان کو ٹائیفائیڈ تھا اور وہ بھی شدید۔ والد صاحب کو دورہ پڑنے سے ایک روز پہلے انہیں ایک سو چھ بخار تھا، بلکہ شاید دورہ پڑنے میں یہ پریشانی بھی شامل تھی۔

والد صاحب کے ہسپتال داخل ہونے کے بعد ہماری ساری توجہ اسی طرف لگ گئی۔ زبیر صاحب کے علاج کی طرف توجہ میں کمی آ گئی۔ ان کا بخار لمبا ہوتا گیا یہاں تک دو مہینے تک ان کا بخار نہیں اترا۔ ایک دن ان کا حال یہ تھا کہ ہم انہیں آوازیں بھی دیں تو بولتے نہیں تھے۔ آنکھیں بھی نہیں کھولتے تھے۔ کیونکہ غذا بالکل بند کر رکھی تھی۔ ایک طبیب نے یہ غلط مشورہ دیا تھا کہ غذا بالکل بند کر دیں اور دوا دیتے رہیں۔ تین ہفتے سے غذا نہیں مل

رہی تھی۔ ظاہر ہے کہ ایسی حالت میں یہ کیفیت پیدا ہونی ہی تھی۔ اس وقت ہماری حالت بہت تشویش ناک ہوگئی۔ والد صاحب ہسپتال میں اور زبیر میاں کی یہ کیفیت۔

جمعہ کا دن تھا۔ طے ہوا کہ میں یہیں رہوں گا۔ جمعہ کے بعد مولانا تقی صاحب ہسپتال جائیں گے اور حکیم مختار صاحب کو لے کر آئیں گے۔ چنانچہ مولانا تقی صاحب جمعہ کے بعد گئے اور حکیم مختار صاحب کو لے کر آ گئے۔ انہوں نے کہا کہ بچے کی حالت بہت خطرناک ہو چکی تھی۔ ان کے کہنے پر فوراً نرم غذا دی گئی جس سے زبیر صاحب کی آنکھیں کھل گئیں۔

اس کے بعد انہوں نے باقاعدہ سے علاج شروع کر دیا پرہیز، علاج اور غذا کا صحیح استعمال کیا گیا جس سے حالت روز بروز بہتر ہوتی چلی گئی۔ ایسے معلوم ہوا جیسے اللہ تعالیٰ نے دوسری زندگی عطا فرمائی۔

انہی علاج کے دنوں میں جب کہ ابھی تک بخار ختم نہیں ہوا تھا اور مریض کی حالت نازک تھی۔ ایک مرتبہ یہ ہوا کہ ایک روز صبح کی نماز کے وقت ہمارے دروازے پر دستک ہوئی۔ میں نے باہر آ کر دیکھا تو حکیم مختار صاحب کھڑے تھے۔ فرمانے لگے کہ میں آج تہجد کے وقت گھر سے چلا تھا۔ (ان کا گھر ناظم آباد میں تھا) صدر میں آ کر فجر کی نماز پڑھی اور پھر وہاں سے بس میں بیٹھ کر یہاں آیا ہوں۔ میں نے کہا کہ خیریت تو ہے؟ فرمایا کہ رات آپ نے دوا لانے کے لئے آدمی بھیجا تھا۔ میں نے زبیر صاحب کے لئے جو دوا تیار کی تھی۔ آپ کا آدمی اسے لینے کے بجائے کسی اور مریض کی دوا اٹھا کر لے آیا۔ میں اس تشویش میں آیا ہوں کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ آپ وہ دوا اسے دے دیں۔ ان کی دوا یہ ہے (اور پھر وہ دوا میرے حوالے کر دی)۔

آپ اندازہ کیجئے! کیا آج کوئی طبیب ایسا ہے؟ آج کا ڈاکٹر تو یہی کہے گا کہ مریض مرتا ہے تو مرے اس میں میرا کیا قصور ہے؟ اور میری کوئی ذمہ داری بھی نہیں۔

واقعہ یہ ہے کہ غلطی ہمارے آدمی کی تھی لیکن معاملہ جان کا تھا، جس کے لئے انہوں نے اتنی تکلیف برداشت کی۔

طبیب اور ڈاکٹر بھی اگر مسلمانوں کی خدمت کے خیال سے لگا رہتا ہے، صرف لالچ نہ ہو تو اللہ تعالیٰ اس کی حاجتیں بھی پوری کرتا ہے۔ آخرت میں تو اس کو نوازیں گے ہی، دنیا میں بھی اللہ تعالیٰ اس کی حاجتیں روکتے نہیں ہیں۔ اس کی کارسازی کرتے رہتے ہیں۔ کر کے دیکھ لیں۔

اس سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ دوسروں کی خدمت کا جتنا بھی موقع مل جائے، خواہ دینی خدمت ہو یا دنیاوی، بہت بڑے اجر و ثواب کی بات بھی ہے اور خود اللہ تعالیٰ کی مدد بھی حاصل ہوتی ہے۔

دوسروں کی خدمت کے درجات

پھر دوسروں کی خدمت میں بھی درجہ بدرجہ آنچ ہوتی ہے۔ دوسروں کی خدمت میں سب سے پہلا حق ماں باپ کا ہے، پھر بیوی بچوں کا ہے، پھر بہن بھائیوں کا ہے، پھر پڑوسیوں کا ہے، پھر دوسرے مسلمانوں کا اور پھر غیر مسلموں کا۔ غیر مسلموں کا حق بھی ہے۔ بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ غیر مسلموں کے ساتھ بس جانور بن کر رہو۔ ان کے ساتھ کوئی خیر کا معاملہ نہ کرو۔ غیر مسلموں کے ساتھ احسان کا معاملہ کرنے کا بھی بڑا ثواب ہے کیونکہ انسانی برادری میں وہ بھی شامل ہیں۔

مسلمان کی بے چینی دور کرنے کے فضائل

حدیث کا دوسرا حصہ یہ ہے:

﴿ومن فرّج عَنْ مُسْلِمٍ كربةً فرّج الله عنها كربةً مِن كربِ يوم القيمة﴾

''اور جو شخص کسی مسلمان سے کسی بے چینی کو دور کرے گا تو اللہ تعالیٰ

(اس کے عوض میں) قیامت کی بے چینیوں میں سے اس کی کسی
بے چینی کو دور کریگا۔''

بعض مرتبہ انسان کسی بے چینی میں مبتلا ہوتا ہے۔ مثلاً سر میں درد ہے، پیٹ میں تکلیف ہے، یہ بھی بے چینی ہے۔ اسی طرح کوئی بیمار ہے لیکن کوئی اس کی مدد کرنے والا نہیں۔ یا کوئی ظالم اس پر ظلم کرنے والا ہے اور اس کے پاس اپنے بچاؤ کی طاقت نہیں، جس کی وجہ سے وہ بے چین ہے۔ غرضیکہ جس طرح کی بھی بے چینی ہو، اگر کوئی مسلمان اس کی بے چینی کو دور کرے گا، اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی کسی بے چینی کو دور فرمائیں گے۔

اندازہ کیجئے کتنا عظیم الشان بدلہ ہے! دنیا کی بے چینی آخرت کی بے چینی کے مقابلے میں کچھ بھی حیثیت نہیں رکھتی۔ دنیا کی بے چینی عارضی اور معمولی جبکہ آخرت کی بے چینی دائمی اور بہت زیادہ تکلیف دہ ہے۔ آج اگر کوئی شخص کسی کی یہ عارضی بے چینی دور کرے گا تو کل قیامت کے روز اس کا یہ عمل اس کے کام آئے گا اور اس کی ایک بہت بڑی بے چینی دور کی جائیگی۔

کسی مسلمان پر آسانی کرنے کی فضیلت

ایک حدیث میں ہے کہ:

﴿مَنْ يَسَّرَ عَلٰى مُعْسِرٍ يَسَّرَ اللّٰهُ عَلَيْهِ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ﴾ (صحيح مسلم، باب فضل الإجتماع على تلاوة، القرآن و على الذكر، رقم الحديث: ٢٦٩٩)

''جو شخص آسانی کرتا ہے کسی تنگدست پر (یا مشکل میں پھنسے ہوئے پر)
تو اللہ تعالیٰ اس پر آسانی کرے گا۔ دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔''

تنگدست پر آسانی کرنے کی ایک صورت یہ ہے کہ مثلاً کسی شخص پر آپ کا قرض ہے۔ وہ غربت کی وجہ سے اسے ادا کرنے پر قادر نہیں۔ آپ نے اس کو مہلت دے

دی تو یہ اس کے لئے آسانی ہوئی۔ اس کا بدلہ آپ کو یہ ملے گا اللہ تعالیٰ آپ کے لئے دنیا میں بھی آسانیاں پیدا فرمائے گا اور آخرت میں بھی۔

''معسر'' کے ایک معنی ''مشکل میں پھنسے ہوئے'' کے ہیں۔ مشکل میں مبتلا شخص کے لئے آسانی پیدا کرنے پر بھی یہی فضیلت ہے۔ اس کی ایک مثال یہ ہے کہ مثلاً آپ کا کوئی ملازم ہے۔ روزے کا دن ہے۔ گرمی کا سخت روزہ ہے۔ اس میں آپ اس کے ساتھ نرمی کا معاملہ کریں۔ ایسا سخت کام اس کے ذمہ نہ لگائیں جس کو برداشت کرنا اس کے لئے مشکل ہو۔ انشاء اللہ، آپ کے لئے دنیا و آخرت میں آسانیاں ہونگی۔

سفارش اور اس کے فضائل

دوسروں کی خدمت کرنے کی ایک صورت ''سفارش'' ہے۔ سفارش کے بہت سے فضائل قرآن و حدیث میں وارد ہوئے ہیں۔ قرآن کریم میں ہے:

﴿مَنْ يَّشْفَعْ شَفَاعَةً حَسَنَةً يَّكُن لَّهٗ نَصِيْبٌ مِّنْهَا وَمَنْ يَّشْفَعْ شَفَاعَةً سَيِّئَةً يَّكُن لَّهٗ كِفْلٌ مِّنْهَا﴾ (النساء، ۸۵)

''جو شخص اچھی بات کی سفارش کرے اس کو اس (کے ثواب) میں سے حصہ ملے گا اور جو بُری بات کی سفارش کرے اس کو اس (کے عذاب) میں سے حصہ ملے گا''۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ جس طرح کی سفارش کی جائیگی۔ اسی طرح کے نتائج ظاہر ہوں گے۔ اگر آپ نے کسی اچھے شخص کی سفارش کی اور کہا کہ یہ بڑا نیک آدمی ہے، اپنے فن کا ماہر ہے، اسے آپ ملازم رکھ لیجئے یا کسی طالبعلم کی سفارش کی کہ یہ بڑا اچھا طالبعلم ہے، اسے اپنے مدرسہ میں داخلہ دے دیجئے اور واقعتہً ایسا ہے بھی، تو وہ جتنے اچھے کام کریگا اس میں آپ کا بھی حصہ ہوگا کیونکہ آپ اس کے ان نیک کاموں کا سبب بنے ہیں۔ اور اس کے برعکس اگر آپ نے کسی غلط کام کی سفارش کر دی اور اس

نے وہاں جا کر غلط کام کئے تو ان غلط کاموں میں آپ کا بھی حصہ لگے گا۔ اس لئے سفارش کرنے میں بہت احتیاط کرنی چاہئے۔ جتنی بات آپ کو معلوم ہے، اس سے زیادہ کے دعوے نہ کریں۔

سفارش سننے والے کی ذمہ داری

اور سفارش سننے والے کیلئے یہ ہے کہ جس کی سفارش کی گئی، اگر وہ واقعۃً اس منصب کا اہل ہے تو اس کی سفارش قبول کرلے لیکن اگر اس کی نظر میں کوئی اور شخص اس سے زیادہ اس منصب کا اہل ہے تو اسے چھوڑ کر سفارش والے آدمی کو لینا ناجائز ہوگا۔

پھر بھی سفارش کا ثواب مل جائے گا

ایک حدیث میں ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کوئی شخص اپنی کسی حاجت کے لئے آتا تھا تو آپؐ اپنے ہم نشینوں کی طرف توجہ کر کے فرماتے:

﴿إشفعوا توجروا ويقضي اللّٰهُ علىٰ لسانِ نبيهٖ مَا أُحَبَّ.﴾ (صحيح البخارى باب تحريض على الصدقة والشفاعة فيها، رقم الحديث: ١٣٦٥)

”تم سفارش کرو تمہیں اس کا اجر ملے گا پھر اللہ تعالیٰ اپنے نبی کی زبان سے وہ فیصلہ کرائے گا جو پسند کرے گا۔“

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر سفارش کرنے والے کی سفارش کے مطابق عمل نہ بھی ہو تو بھی اسے سفارش کرنے کا ثواب مل جاتا ہے۔ آپ نے کسی مالدار آدمی سے غریب آدمی کی سفارش کی اور کہا کہ میں جانتا ہوں یہ بے چارہ بہت غریب ہے، اگر آپ اس کی مدد کریں گے تو بہت اچھا ہوگا لیکن اس نے مدد نہ کی تو پھر بھی آپ کو سفارش کا ثواب مل جائیگا۔

سفارش کے اندر اصرار کرنا جائز نہیں

لیکن سفارش کے معاملے میں یہ بات خوب یاد رکھنی چاہئے کہ شریعت کے اندر سفارش کی حدود ہیں۔ سفارش کرنے کی تو اجازت ہے۔ لیکن سفارش پر اصرار کرنے کی اجازت نہیں۔ چنانچہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کا واقعہ صحیح مسلم میں آیا ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مال غنیمت تقسیم فرمایا۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص کو میں جانتا تھا کہ یہ بڑا اچھا مسلمان ہے مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے مال غنیمت میں سے حصہ نہیں دیا۔ میں نے جا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے چپکے سے کہا کہ میرے نزدیک یہ پکا مؤمن ہے، اسے بھی آپ کچھ دے دیجئے۔ ایک لفظ انہوں نے ایسا بولا تھا جس کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اصلاح فرمائی لیکن اسے کچھ دیا نہیں۔ تھوڑی دیر بعد انہوں نے پھر سفارش کی۔ آپؐ نے پھر اسی لفظ کی اصلاح کی اور اس بار بھی کچھ نہیں دیا۔ تیسری مرتبہ انہوں نے پھر سفارش کی تو آپؐ نے فرمایا:

﴿أقِتالاً یا سعد!﴾ (صحیح مسلم، باب اعطاء من یخاف علی ایمانه رقم الحدیث: ۱۰۵۸)

''اے سعد! کیا تم مجھ سے لڑائی کرو گے''۔

مطلب یہ کہ کیا تم مجھ سے لڑائی کر کے زبردستی کا فیصلہ کراؤ گے۔ اس سے صاف معلوم ہوا کہ سفارش کے اندر اصرار کرنا جائز نہیں۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ جس کے پاس آپ سفارش لے کر جاتے ہیں، اس کی بھی تو اپنی کچھ مجبوریاں اور مصلحتیں ہوتی ہیں، کچھ پابندیاں اور حدود ہوتی ہیں مثلاً ایک شخص ایک بہت بڑا ادارہ چلا رہا ہے اور آپ آ کر اصرار کر رہے ہیں کہ فلاں صاحب بہت اچھے ہیں، اسے اپنے ہاں ملازم رکھ لیں، ہوسکتا ہے کہ اسے ملازم رکھنے میں ادارے کی مصلحت

نہ ہو کیونکہ ادارے کا سربراہ ہر پہلو پر غور کر کے فیصلہ کرتا ہے۔ اگر آپ اپنی سفارش پر اصرار کریں گے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ آپ ایک آدمی کی تو خیر خواہی کر رہے ہیں لیکن دوسرے آدمی کو پریشان کر رہے ہیں۔

حضرت مفتی محمد شفیعؒ اور حضرت عارفیؒ کا معمول

ہمارے والد ماجدؒ اور ہمارے مرشد ڈاکٹر عبدالحئی عارفی صاحبؒ دونوں بزرگوں کا یہ معمول تھا کہ اگر ان کے پاس کوئی سفارش کے لئے آتا کہ فلاں افسر یا فلاں وزیر آپ کے معتقد ہیں۔ آپ ان سے سفارش کر دیں کہ میرے بیٹے کو ملازم رکھ لیں یا فلاں کام کر لیں۔ تو یہ حضرات اولاً تو عام طور پر حکام کے پاس سفارش نہیں کرتے تھے۔ بے تکلف افسر ہوتا تو سفارش کر دیتے، لیکن اگر کسی افسر سے بے تکلفی نہ ہوتی تو اس کے پاس سفارش نہ بھیجتے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ چونکہ آج کل سفارش بہت بدنام ہو چکی ہے۔ تو سفارش کرنے میں یہ خطرہ رہتا کہ وہ سوچے گا اچھا ہم نے مولانا صاحب سے مسئلہ پوچھ لیا تھا یا ان کی مجلس میں جا کر بیٹھے تھے تو اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اب ہمارے پاس سفارش آنا شروع ہوگئی۔ اس طریقے سے وہ دینداروں کے پاس آنا ہی چھوڑ دیں گے جس سے دین کا نقصان ہوگا۔

اور بے تکلف افسروں کی طرف سفارش کرنے میں بھی اصرار نہیں کرتے تھے بلکہ اس طرح سفارشی رقعہ لکھتے تھے۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ

حامل ہذا میرے دوست ہیں/ عزیز ہیں یا رشتہ دار ہیں (جو تعلق ہوتا وہ لکھتے) ان کی فلاں حاجت ہے۔ اگر قانون کے خلاف نہ ہو اور آپ کی مصلحت کے خلاف بھی نہ ہو اور ان کا یہ کام ہو گیا تو مجھے بہت خوشی ہوگی۔ میں آپ کے لئے دعا کرتا ہوں۔

والسلام

کبھی سفارش کے اندر یہ نہیں کہا کہ آپ یہ کام کر دیں بلکہ یوں فرماتے کہ اگر ان کا یہ کام ہو گیا تو بہت خوشی ہو گی تا کہ دوسرا شخص اس پر عمل کرنے میں تنگی محسوس نہ کرے۔

سفارش کا صحیح طریقہ بھی وہی ہے۔ جو ان بزرگوں نے اختیار کر رکھا تھا۔ اس سے مخاطب پریشان نہیں ہوتا البتہ اس کی توجہ ایک مستحق شخص کی طرف دلا دی جاتی ہے۔

اللہ رب العزت سے دعا ہے کہ وہ ہمیں بھی خدمت خلق کرنے اور سفارش کے صحیح اصولوں پر عمل کرنے کی توفیق نصیب فرمائے (آمین)

وآخر دعوانا أنالحمد للّٰہِ رب العالمین.

پَردَہ پوشِی

خطاب: حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب مدظلہم
مقام: جامعہ مسجد، دارالعلوم کراچی
تاریخ: مئی ۲۰۰۴ء
ترتیب وعنوان: اعجاز احمد صمدانی

﴿پردہ پوشی﴾

خطبہ مسنونہ:

﴿الحمد للّٰہ نحمدہٗ و نستعینہٗ، و نستغفرہٗ و نومن بہٖ و نتوکّل علیہ و نعوذُ باللّٰہِ مِن شرورِ انفسنا ومن سیئاتِ أعمالنا . من یھدِہِ اللّٰہُ فلا مضل لہٗ و من یُضلِلہ فلا ھَادِیَ لہٗ و نشھدأن لا الٰہ اِلاّ اللّٰہ وحدہٗ لاشریک لہٗ ونشھد أن سیدنا و سندنا و مولانا محمدًا عبدہٗ و رسولہٗ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہٖ و صحبہٖ أجمعین و سلم تسلیماً کثیراً.﴾

امّا بعد:

﴿عن أبی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال: لایستر عبدٌ عبداً فی الدنیا إلاّ سترہُ اللّٰہ یوم القیامۃ (مسلم باب بشارۃ من ستر اللّٰہ علیہ فی الدنیا بان یستر علیہ فی الآخرۃ ، رقم الحدیث: ۲۵۹۰)

آیت کریمہ اور حدیث شریف کا ترجمہ

بزرگانِ محترم اور برادرانِ عزیز!

آج ہم جس بات کو شروع کر رہے ہیں، اس میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ بلا عذر شرعی کسی مسلمان کے عیب کو بیان کرنا جائز نہیں۔ اس سلسلے میں علامہ نوویؒ نے جو آیت ذکر کی، اس کا ترجمہ یہ ہے:

''جو شخص اچھی بات کی سفارش کرنے اُس کو اُس (کے ثواب) میں سے حصہ ملے گا''۔ (سورۃ نساء آیت:۸۵)

اور جو حدیث سب سے پہلے بیان ہوئی، جسے میں نے خطبے میں پڑھا، اس کا ترجمہ یہ ہے:

''نہیں پردہ پوشی کرتا کوئی بندہ کسی بندے کی مگر (اس کے بدلے) اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی پردہ پوشی کرے گا''

اسلامی آداب کا تقاضا

اسلامی آداب اور تعلیمات کا تقاضا یہ ہے کہ اگر آپ کسی کو کوئی گناہ کرتے ہوئے دیکھیں تو اسے چھپائیں، کسی پر ظاہر نہ ہونے دیں بلکہ گناہ کرنے والے پر بھی ظاہر نہ ہونے دیں کہ میں نے تمہیں دیکھا ہے ورنہ اسے شرمندگی کا سامنا کرنا پڑے گا۔ جو شخص اس طرح دوسروں کی پردہ پوشی کرے گا، اللہ تعالیٰ اس کا اجر اسے اس طرح دے گا کہ قیامت کے دن اس کے گناہوں کی بھی پردہ پوشی کرے گا۔ یعنی ان گناہوں کو معاف کر دے گا اور کسی پر ظاہر بھی نہ کرے گا حتیٰ کہ فرشتوں کے سامنے بھی ظاہر نہیں کریگا۔

ہم میں سے ہر ایک اس کا محتاج ہے کہ......

ہم میں سے ہر ایک اس بات کا محتاج ہے کہ ہمارے گناہ چھپے رہیں، ہم سب

گنہگار ہیں۔ ہم میں سے کوئی بھی گناہوں سے پاک نہیں ہے۔ کسی کے کم ہیں، کسی کے زیادہ ہیں۔ کسی کے چھوٹے ہیں، کسی کے بڑے ہیں۔ لہٰذا ہر شخص یہی چاہتا ہے کہ اس کا راز راز ہی رہے۔ خدانخواستہ اگر سب کے راز کھل جائیں تو سب کے سب رسوا ہو جائیں گے۔ سب ذلیل ہو جائیں گے۔ اپنے چھوٹوں کے سامنے ذلیل ہو جائیں گے، اپنے شاگردوں کے سامنے ذلیل ہو جائیں گے۔ اپنے مریدوں کے سامنے ذلیل ہو جائیں گے حتیٰ کہ اپنے گھر والوں کے سامنے ذلیل ہو جائیں گے۔ اگر آپ دوسروں کے عیب چھپا کر انہیں ذلت سے بچائیں گے تو اللہ رب العالمین آپ کے عیب چھپائیں گے۔

بعض صورتیں مستثنیٰ ہیں

شریعت کا اصل حکم تو یہی ہے لیکن بعض صورتیں اس سے مستثنیٰ ہیں اور وہ یہ کہ مثلاً آپ کو معلوم ہے کہ فلاں شخص نے فلاں کے گھر میں چوری کر کے روپیہ پیسہ لوٹا ہے اور جس کی چوری ہوئی ہے، اسے معلوم نہیں کہ چوری کس نے کی ہے۔ اب اگر آپ چور کے عیب کو چھپائے رکھیں گے تو دوسرے شخص کا حق مارا جائے گا۔ ایسی صورت میں آپ کے لئے اس کا جرم چھپانا جائز نہیں بلکہ جس شخص کا مال چوری ہوا ہے، اس پر اس جرم کو ظاہر کرنا واجب ہے، کیونکہ یہاں اگر آپ چور پر رحم کرتے ہوئے اس کے عیب کو چھپائیں گے تو ایک بے گناہ کے اوپر ظلم لازم آئے گا۔ جس شخص کی چوری ہوئی ہے، وہ اس معاملے میں بے گناہ اور مظلوم ہے اور شریعت کا حکم یہ ہے کہ تم مظلوم کی مدد کرو۔ یہاں مظلوم کی مدد یہ ہے کہ اسے چور کے بارے میں بتلاؤ اور اگر ہو سکے تو پیسہ واپس دلوانے میں اس کا ساتھ دو۔

اسی سے ایک اور بات یہ معلوم ہوئی کہ اگر کوئی شخص صرف پردہ پوشی والی روایت کا ترجمہ پڑھے گا تو اسے اس بات کی خبر نہیں ہوگی کہ اس سے کونسی صورت مستثنیٰ ہے حالانکہ جو صورتیں مستثنیٰ ہیں، وہ بھی کسی دوسرے انسان نے مستثنیٰ نہیں کیں بلکہ خود

شریعت نے مستثنیٰ کی ہیں کیونکہ شریعت نے مظلوم کی مدد کرنے اور بے گناہ کو حتی الامکان ظلم سے بچانے کا حکم دیا ہے۔ لہٰذا جب دونوں باتوں کو سامنے رکھ کر دیکھا جائے تو یہ نتیجہ نکلے گا کہ پردہ پوشی کا حکم عام نہیں اور ہر جگہ کے لئے نہیں بلکہ اس کے اندر استثنائی صورتیں بھی ہیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ اگر دوسرے پر ظلم ہو رہا ہو تو ایسی صورت میں اسے ظلم سے بچانے کے لئے مجرم کا عیب ظاہر کر دینا واجب ہے۔

اسی طرح اگر آپ کو معلوم ہے کہ فلاں آدمی نے یہ منصوبہ بنایا ہوا ہے کہ آج رات فلاں کے گھر میں ڈاکہ ڈالیں گے یا فلاں کو قتل کریں گے یا فلاں عمارت کو نقصان پہنچائیں گے وغیرہ اور آپ کو اس منصوبے کا پیشگی علم ہو گیا تو آپ پر لازم ہے کہ اس جرم کی اطلاع ان لوگوں کو دیں جو اس جرم کو روک سکتے ہیں۔ اگر آپ اس کی اطلاع نہیں دیں گے تو یہ بھی ایک طرح سے مجرمین کے ساتھ مدد ہوگی۔

قرآن اور حدیث کا صرف ترجمہ چھاپنا درست نہیں

اصل حکم اور اس کی استثنائی صورتیں جاننے سے ہمیں ایک اور سبق حاصل ہوا۔ وہ یہ کہ آج کل حدیث کی کتابوں کا اردو ترجمہ چھپ جاتا ہے۔ ان پر کسی عالم کی شرح لکھی ہوئی نہیں ہوتی۔ خوب سمجھ لیجئے! ہمارے بزرگ اس کی اجازت نہیں دیتے تھے کیونکہ کسی مستند عالم کی شرح کے بغیر اگر صرف ترجمہ شائع کیا جائے گا تو اس سے طرح طرح کی غلط فہمیاں پیدا ہوں گی۔ ایک حدیث پڑھیں گے، دوسری حدیث سامنے نہیں ہوگی۔ اور پھر اس کے ظاہری معنی پر عمل کریں گے جس کے نتیجے میں بعض گناہوں میں مبتلا ہونے کا قوی اندیشہ پیدا ہو سکتا ہے۔

معلوم ہوا کہ احادیث کو سمجھنے کے لئے یا تو استاذ کی ضرورت ہوتی ہے یا پھر مستند عالم دین کی لکھی ہوئی شرح کا مطالعہ کرنا ضروری ہوتا ہے۔ تاکہ غلط فہمی کا شکار ہو کر آدمی کسی گناہ میں مبتلا نہ ہو جائے۔

اسی طرح بعض لوگ قرآن شریف کا صرف ترجمہ چھاپ دیتے ہیں۔ ہمارے بزرگ اس کو بھی پسند نہیں کرتے تھے۔ ترجمے کے ساتھ اس کے مختصر حواشی اور تشریحی نوٹس کا ہونا بھی ضروری ہے۔ اگر صرف ترجمہ چھاپا جائے تو اس کی مختصر تشریح سامنے نہ ہونے کی وجہ سے عام آدمی غلط فہمی میں مبتلا ہو جائے گا۔ یہی وجہ ہے کہ ہمارے بزرگوں نے جتنے ترجمے کئے، ان کے ساتھ ساتھ مختصر حاشیئے بھی ضرور لکھے۔

صرف زبان جاننے سے کسی فن میں مہارت حاصل نہیں ہوتی

تیسری بات یہ معلوم ہوئی کہ بعض وہ لوگ جنہوں نے عربی زبان میں کسی وجہ سے مہارت پیدا کرلی ہے مثلاً ایم اے عربی کیا ہے یا کسی عرب ملک میں برسوں رہے ہیں اور وہ عربی میں اچھا بول لیتے ہیں، اچھا لکھ لیتے ہیں لیکن باقاعدہ مستند عالم دین نہیں، تفسیر اور حدیث کے اندر مہارت حاصل نہیں کی، ایسے لوگ بعض مرتبہ قرآن مجید کا ترجمہ کرنے بیٹھ جاتے ہیں۔ درس قرآن دینا شروع کر دیتے ہیں یا تفسیر لکھنا شروع کر دیتے ہیں۔ ایسے لوگ بھی عام طور پر غلطیوں کے مرتکب ہوتے ہیں حتیٰ کہ بعض مرتبہ بہت ہی سنگین غلطیاں کر ڈالتے ہیں۔

محض کسی زبان سے واقفیت حاصل ہو جانے سے آدمی کسی علم کا ماہر نہیں ہو جاتا۔ اس کی مثال سمجھیں مثلاً میڈیکل کی کوئی کتاب انگریزی میں ہو۔ اور کوئی شخص انگریزی میں تو اعلیٰ درجے کی مہارت رکھتا ہے لیکن اس نے باقاعدہ میڈیکل نہ پڑھی ہو۔ وہ اس کتاب کا مطالعہ کر کے لوگوں کا علاج کرنے لگے یا میڈیکل کالج میں جا کر کہے کہ میں اس کالج میں لیکچر دے سکتا ہوں کیونکہ یہ کتاب انگریزی میں ہے اور مجھے انگریزی خوب آتی ہے۔ ڈاکٹری کی کتاب لکھ سکتا ہوں اور ڈاکٹری کی فلاں کتاب کی شرح بھی لکھ سکتا ہوں تو کوئی بھی اس کی بات ماننے کیلئے تیار نہیں ہوگا اور اگر وہ ایسا کرے گا تو خود بھی جہالت میں مبتلا ہوگا، دوسروں کو بھی نقصان پہنچائے گا، کیونکہ صرف زبان جاننے سے کوئی

آدمی کسی فن کا ماہر نہیں ہوسکتا۔

بھلا انہیں تفسیر لکھنے کا کیا حق ہے!

آج کل یہ بھی ایک رواج ہوگیا ہے کہ ساری زندگی تو گزری تجارت اور ملازمت وغیرہ میں۔ بڑے بڑے سرکاری عہدوں پر رہے۔ اسمبلی کے رکن ہوئے، گورنر ہوئے، بعض لوگ وزیر اعظم بھی بن گئے، صدر بھی بن گئے۔ ریٹائرڈ ہوگئے تو پتہ چلا کہ قرآن مجید کی تفسیر لکھ رہے ہیں۔ تفسیر لکھنے کا طریقہ یہ ہے کہ قرآن مجید کا ترجمہ دیکھ رہے ہیں، اس کے نیچے اپنی طرف سے تفسیر لکھ رہے ہیں۔ بھلا انہیں تفسیر لکھنے کا کیا حق ہے جنہیں عربی بھی نہیں آتی!

بلاشبہ اسلام سب کا ہے لیکن......

اگر ان سے کہا جائے کہ آپ یہ غلط کام کر رہے ہیں تو فوراً جواب ملتا ہے کہ کیا اسلام پر صرف علماء ہی کا راج ہے؟۔ اسلام تو ہم سب کا ہے تو جس طرح انہیں تفسیر لکھنے کا حق ہے، ہمیں بھی ہونا چاہئے۔

بلاشبہ، اسلام سب کا ہے، صرف مولویوں کا نہیں ہے لیکن تمہیں اسلام کا حلیہ بگاڑنے کی اجازت تو نہیں دی جاسکتی۔ اگر آپ قرآن کی تفسیر لکھنا چاہتے ہیں تو پہلے اس کا علم تو حاصل کریں۔ خوب سمجھ لیجئے! استاذ کے بغیر کوئی آدمی کسی فن کا ماہر نہیں بنتا۔ اگر کوئی شخص ڈاکٹری کی کتابوں کا مطالعہ کر کے ڈاکٹر بننا چاہے یا انجینئرنگ کی کتابوں کا مطالعہ کر کے انجینئر بننا چاہے تو ایسا کبھی نہیں ہوگا۔ اسی طرح قرآن کی تفاسیر اور تراجم کا مطالعہ کر کے آدمی کبھی مفسر نہیں بن سکتا۔ اس کے لئے باقاعدہ علم سیکھنا پڑے گا۔

خود اپنا گناہ ظاہر کرنے کی بھی اجازت نہیں

یہاں تک اس حدیث سے متعلق گفتگو ہوئی جس میں ایک مسلمان کو اس بات

کی ترغیب دی گئی کہ وہ دوسروں کی پردہ پوشی کرے، اگر کسی کو گناہ کرتا دیکھے تو اسے ظاہر نہ کرے۔ جس طرح دوسروں کو کسی کا گناہ ظاہر نہیں کرنا چاہئے، اسی طرح خود اس شخص کو بھی چاہئے کہ اپنے گناہ کا اظہار نہ کرے۔ شریعت میں اس کی بھی ممانعت آئی ہے۔ چنانچہ ایک حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد منقول ہے:

﴿كل أمّتي معافىً إلاّ المجاهرين﴾ (صحيح البخاري، باب ستر المؤمن على نفسه، رقم الحديث: ۵۷۲۱)

''میری امت کے سب لوگوں کے گناہوں کی معافی ہوسکتی ہے سوائے ان لوگوں کے جو کھلم کھلا گناہ کرتے ہیں۔ (ان کی معافی نہیں)''

کھلم کھلا گناہ کرنے والوں کے لئے معافی نہ ہونے کی وجہ

کھلم کھلا گناہ کرنے والوں کی معافی نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ دو گناہ کر رہے ہیں۔ ایک تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی خلاف ورزی کی۔ دوسرے یہ کہ یہ جرم علی الاعلان کیا۔ جو ایک طرح کا ڈھٹائی پن ہے اور اس بات کا اعلان ہے کہ ہمیں اللہ تعالیٰ کا ڈر نہیں ہے۔ ہم بے خوف ہیں۔ ہم جو چاہیں کریں، ہمیں کوئی پوچھنے والا نہیں (العیاذ باللہ) یہ جرم بہت سخت ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اپنے جرم پر نہ شرمندہ ہے اور نہ ہی وہ اسے برا سمجھ رہا ہے۔ گویا وہ اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں آرہا ہے۔

گناہ تو سب سے ہوتے ہیں لیکن گناہ کے بعد توبہ کرلینا اللہ تعالیٰ کو بڑا پسند ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

﴿كل بني آدم خطّاء و خير الخطّائين التوّابون۝﴾

(مستدرك على الصحيحين، ۴/۲۷۲، رقم الحديث: ۷۶۱۷)

''تمام انسان خطا کار ہیں لیکن سب سے اچھے خطا کار وہ ہیں جو

سب سے زیادہ توبہ بھی کرتے رہتے ہیں"

اس لئے بندہ ہونے کا تقاضا یہ ہے کہ جب بھی اس سے گناہ ہو جائے، فوراً توبہ کرلے۔ لیکن جو بندہ اس گناہ کو علی الاعلان کرتا ہے، وہ اسے برا ہی نہیں سمجھتا تو وہ اس سے توبہ کہاں کرے گا؟ اس سے گناہ کی شدت میں کئی گنا اضافہ ہو جاتا ہے۔

اس حدیث سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ اگر خدانخواستہ کسی آدمی سے گناہ ہو جائے تو وہ اسے چھپالے، کسی پر ظاہر نہ کرے۔ اللہ تعالیٰ سے عرض کرتا رہے کہ یا اللہ! اسے چھپا لیجئے۔ مجھے ذلیل اور رسوا نہ کیجئے۔

مجاہرہ یعنی کھلم کھلا گناہ کرنے کا ایک مطلب اسی حدیث کے اگلے حصے میں خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح بیان فرمایا کہ:

﴿و إنّ المجاهره أن يعمل الرجل بالليل عملاً ثم يُصبحَ وقد ستره اللّٰهُ عليه فيقول: يا فلان عملت البارحة كذا و كذا.﴾

"علی الاعلان گناہ کرنے میں سے ایک یہ بھی ہے کہ کسی شخص نے رات کو (چوری چھپے) کوئی گناہ کیا تھا (جس کی کسی کو خبر نہیں تھی) اللہ تعالیٰ نے اس کو چھپا رکھا تھا لیکن جب وہ صبح کرتا ہے تو اپنے کسی دوست سے کہتا ہے کہ آج رات میں نے فلاں گناہ کیا تھا۔"

یہ عمل بھی مجاہرۃ میں داخل ہے اور یہ بھی بہت بڑی جسارت اور بے شرمی کی بات ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تو اس کے گناہ کو چھپا رکھا تھا لیکن اس نے خود ہی اپنے گناہ کو ظاہر کردیا۔ گویا اس نے خود اپنی پردہ دری کردی۔ تو جس طرح دوسروں کے لئے اس کی پردہ دری کرنا جائز نہیں خود اس کے لئے بھی یہ جائز نہیں کہ اپنے گناہوں کو دوسروں کے سامنے بیان کرتا پھرے۔

اللہ پناہ میں رکھے، آج ہمارے معاشرے میں یہ بات بھی داخل ہو چکی ہے کہ گناہ کرنے کے بعد خود ہی اس کا اظہار کرتے پھرتے ہیں اور اظہار کرتے وقت ان پر ندامت کا ذرہ برابر اثر نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ اس عیب سے ہماری حفاظت فرمائے اور اپنے گناہوں پر سچے دل سے توبہ کرنے کی توفیق نصیب فرمائے۔ (آمین)

و آخر دعوانا أنِ الحمد للّٰہ رب العالمینo

شادی بیاہ سے متعلق شرعی ہدایات

خطاب: حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب مدظلہم
مقام: مکان جاوید موتی والا
موقع: تقریب متعلقہ شادی عزیزہ جاوید موتی والا
ترتیب وعنوان: اعجاز احمد صمدانی

﴿شادی بیاہ سے متعلق شرعی ہدایات﴾

خطبہ مسنونہ:

﴿الحمد للّٰہ نحمدہٗ و نستعینہٗ، و نستغفرہٗ و نومن بہٖ و نتوکّل علیہ و نعوذُ باللّٰہِ من شرورِ انفسنا و من سیئاتِ أعمالنَا . مَن یَھدِہِ اللّٰہُ فلا مضلَّ لہٗ و من یضللہ فلا ھادِی لہٗ و نشھدأنّ سیدنا و سندنا و مولانا محمدًا عبدہٗ و رسولہٗ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہٖ و صحبہٖ أجمعین و سلّم تسلیماً کثیراً.﴾

امّا بعد:

فاعوذ باللّٰہِ من الشیطانِ الرجیم
بسمِ اللّٰہ الرحمٰن الرجیمo

﴿یا ایھا الناس اتقوا ربّکم الّذی خلقکم مِن نفسٍ واحدۃٍ و خَلَقَ منھا زوجھا و بث منھما رجالاً کثیراً و نساءً ط واتقوا اللّٰہ الّذی تساء لون بہٖ والأرحام ط

إِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيبًا (النساء، آیت نمبر ۱)

مہینوں پہلے شادی کا بخار چڑھ جاتا ہے

بزرگان محترم، برادرانِ عزیز، محترم خواتین، میری ماؤں، بہنوں اور بیٹیو!

سب سے پہلے میں اس تقریب کو منعقد کرنے والے حضرات کو مبارکباد دیتا ہوں جنہوں نے ایک اچھا، مفید اور مبارک سلسلہ شروع کیا ہے۔

شادی کے سلسلے میں نکاح سے پہلے کئی دن سے اور نکاح کے کئی دن بعد تک طرح طرح کی تقریبات اور اجتماعات کرنے کا رواج ہمارے ہاں موجود ہے بلکہ روز بروز بڑھتا جارہا ہے اور ان میں بے شمار باتیں ناجائز ہوتی ہیں۔ مثلاً فضول خرچی، دکھاوا، بے کار کی رسمیں، وقت اور پیسے کا ضیاع وغیرہ۔ اور واقعہ یہ ہے کہ جب کوئی شادی ہوتی ہے تو مہینوں پہلے سے شادی کرنے والوں پر شادی کا بخار چڑھا ہوتا ہے۔

شاید دنیا کی اور کسی بھی قوم میں شادی کی اتنی رسمیں نہیں ہوتیں جتنی ہندوؤں میں اور ہمارے ہاں ہوتی ہیں۔ ہمارے اندر یہ رسمیں دراصل ہندوؤں سے ہی آئی ہیں۔ ہمارے جاوید صاحب نے یہ اچھا سلسلہ شروع کیا ہے کہ شادی کے کچھ روز پہلے یہ تقریب منعقد کی ہے۔ الحمد للہ، میں دیکھتا ہوں کہ میمن برادری اور گجراتی برادری میں یہ اچھا سلسلہ چل گیا ہے۔ اس کی حوصلہ افزائی ہونی چاہئے۔

نکاح کی تقریب وعظ و نصیحت کا موقع نہیں

بعض لوگ شادی کے دن نکاح کی تقریب میں یہ چاہا کرتے ہیں کہ کوئی وعظ و تقریر ہو جائے۔ لیکن صحیح بات یہ ہے کہ وہ موقع وعظ و تقریر کا نہیں ہوتا۔ یہ تفریح اور ملاقاتوں کا ایک اجتماع ہوتا ہے۔ عورتیں، بچے بڑے اور جوان سب ایک دوسرے سے ملاقاتوں میں مشغول ہوتے ہیں۔ وہ آتے ہی خوشی منانے کے لئے ہیں۔ اس موقع پر اگر وعظ و تقریر رکھی جائے تو وہ کچھ بے موقع ہو جاتی ہے۔ اس کا خاص فائدہ بھی نہیں ہوتا اور

توجہ سے سنی بھی نہیں جاتی۔ یہ بہت اچھا سلسلہ ہے کہ نکاح کی تقریب سے پہلے خاص اس مقصد کے لئے یہ اجتماع رکھا گیا ہے۔

میں رات کو ہونے والی شادی بیاہ کی تقریبات میں حتی الامکان نہیں جاتا لیکن اس اجتماع میں آنے کا تقاضا اس وجہ سے پیدا ہوا کہ یہ خواتین وحضرات کے لئے ایک اچھا موقع ہے کہ وہ دین کی باتیں سنیں اور ہم سنائیں۔

رسموں کی وجہ سے بیٹی زحمت بن گئی

آج کل شادی بیاہ کی رسموں کی وجہ سے یہ معاملہ اتنا دشوار ہو گیا ہے کہ غریب اور کم مالی گنجائش رکھنے والے لوگوں کے لئے ان رسموں کو پورا کرنا بڑی مصیبت بن گیا ہے۔ میرے ایک رشتہ دار کا واقعہ ہے کہ انہوں نے اپنی تین بیٹیوں کی شادی کی۔ تیسری بیٹی کی شادی کے بعد میری ان سے ملاقات ہوئی تو وہ کہنے لگے کہ ''میں تو ایک ہی دعا کرتا ہوں کہ یا اللہ! کسی کو بیٹی نہ دینا''۔ غور کیجئے! بیٹی تو اللہ کی رحمت ہے لیکن ان رسموں کی وجہ سے آج وہ زحمت بن گئی۔

کوئی ایک رسم تھوڑی ہے۔ رسمیں ہی رسمیں ہیں جو منگنی کے وقت سے شروع ہوتی ہیں۔ منگنی ایک مستقل تقریب ہے جس میں خطیر رقم خرچ ہوتی ہے۔ پھر اسی طرح ہر بعد میں آنے والے مرحلے میں کئی کئی طرح کی رسمیں ادا کی جاتی ہیں اور ان پر بھی ڈھیروں روپے خرچ ہوتے ہیں۔ اب بیچارے وہ لوگ جن کے پاس قارون کا خزانہ نہیں ہے کہ وہ اتنی رسموں کو نبھائیں اور قیمتی جہیز دیں، ان کے لئے مسئلہ بن جاتا ہے۔ ایک بھائی نے بڑی دھوم دھام سے شادی کی اور دوسرے کے پاس اتنی وسعت نہیں تو وہ بیچارہ قرضہ لے گا یا کوئی اور ناجائز کام کرے گا۔ جھوٹی عزت برقرار رکھنے کے لئے پتہ نہیں کیا کیا دھندے کرے گا۔ آج ہمارے معاشرے میں جو بڑے پیمانے پر کرپشن موجود ہے، اس کی ایک بڑی وجہ فضول خرچی ہے اور فضول خرچی کا ایک بہت بڑا باب ہماری یہ

شادیاں ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ان بیماریوں سے نجات عطا فرمائے۔

نکاح کے خطبے میں پڑھی جانے والی آیات

آپ سنتے ہوں گے کہ جب نکاح کا خطبہ پڑھا جاتا ہے تو اس میں تین آیات پڑھی جاتی ہیں۔

﴿۱. يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ...... الخ﴾ (سورۃ نساء کی پہلی آیت)

﴿۲. يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقَاتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ إِلَّا وَأَنْتُمْ مُسْلِمُوْنَ.﴾ (آل عمران، ۱۰۲)

﴿۳. یا ایها الذین اٰمنوا اتقوا اللّٰه وقولوا قولا سدیداً.﴾

ترجمہ: ا۔ ''اے لوگو! اپنے پروردگار سے ڈرو، جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا اور اسی سے ان کی بیوی کو پیدا کیا اور ان دونوں سے بہت سے مرد اور عورتیں پھیلائیں اور تم اس خدا تعالیٰ سے ڈرو جس کے نام سے ایک دوسرے سے مطالبہ کرتے ہو اور قرابت سے بھی ڈرو۔ بالیقین اللہ تعالیٰ تم سب کی اطلاع رکھتے ہیں۔''

۲۔ ''اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو جیسا کہ اس سے ڈرنے کا حق ہے اور بجز اسلام کے کسی حالت پر مت جان دینا۔''

۳۔ ''اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور راستی کی بات کہو۔''

ازدواجی تعلقات میں تقویٰ کی اہمیت

ان تینوں آیات میں توجہ طلب بات یہ ہے کہ ان کا پہلا جملہ ''تقویٰ'' کے حکم پر

مشتمل ہے۔ ان آیات کے پڑھنے کا معمول تاجدار کونین صلی اللہ علیہ وسلم سے لے کر آج تک چلا آرہا ہے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ان تین آیات کی کیا خصوصیات ہیں؟ تو جتنا آپ غور کریں گے یہی بات سمجھ میں آئے گی کہ اس نکاح کے وقت سے لے کر آخر دم تک میاں بیوی دونوں کو جس چیز کی سب سے زیادہ ضرورت ہے، وہ ''خدا کا خوف'' ہے۔ اگر اللہ سے ڈریں گے تو دونوں ایک دوسرے کے حقوق بھی ادا کریں گے اور ایک دوسرے کو خوش بھی رکھیں گے بلکہ ایک دوسرے کے خاندان کو ان سے ملنے جلنے والوں کو بھی خوش رکھیں گے۔ لیکن اگر اللہ کا خوف نہیں ہوگا تو پھر طاقت اور زور میں جس کا پلہ بھاری ہو جائیگا، وہ دوسرے کو دبا لے گا۔

یوں تو تقوی کی ضرورت زندگی کے ہر شعبہ میں ہے۔ تجارت میں بھی ہے اور سیاست میں بھی، حکومت میں بھی ہے اور عدالت میں بھی، صنعت میں بھی ہے اور زراعت میں بھی، لیکن ازدواجی تعلق میں تقویٰ کی سب سے زیادہ ضرورت اس وجہ سے ہے کہ میاں بیوی کے تعلقات کو قانون کے ذریعے سے درست نہیں کیا جاسکتا۔ صرف پولیس کے ڈر سے ان تعلقات کو نہیں نبھایا جاسکتا، عدالتی فیصلوں کے ذریعے سے میاں بیوی ایک دوسرے سے اپنے حقوق نہیں لے سکتے۔

اس کی ایک ادنیٰ سی مثال سمجھیں۔ مثال کے طور پر ایک شوہر ہے وہ اپنی بیوی کے حقو میں کوئی کوتاہی نہیں کرتا لیکن مسکرا کر بات نہیں کرتا۔ جب بھی بات کرتا ہے اس کی تیوریوں پر بل ہوتے ہیں۔ کیا اس کو کسی عدالت میں آپ چیلنج کر سکتے ہیں؟ یا تھانے میں رپٹ لکھوا سکتے ہیں؟ یا فوج لا کر اسے زبردستی مجبور کر سکتے ہیں کہ تم اپنی بیوی سے خندہ پیشانی کے ساتھ بات کرو ہرگز نہیں لیکن اس کی اہمیت اتنی زیادہ ہے کہ اگر وہ مسکرا کر بات نہیں کرے گا تو تعلقات میں اتنی کشیدگی پیدا ہوگی کہ آپ اس کا تصور نہیں کر سکتے کیونکہ اس سے پہلے نفرت پیدا ہوگی۔ پھر جھگڑے اور ناچاقیاں شروع ہو جائیں گی اور نہ

جانے پھر کہاں سے کہاں تک معاملہ جا پہنچے گا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسکراتے ہوئے گھر میں داخل ہوتے

تاجدار دو عالم سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا کہ جب آپ گھر تشریف لاتے تو آپ کے چہرہ انور پر تبسم ہوتا۔ ایک مرتبہ آپ سفر سے تشریف لائے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے حجرے میں داخل ہونے لگے تو آپ کا چہرہ انور ناگواری کے اثرات کی وجہ سے سرخ ہوگیا۔ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اس کی تاب نہ لاسکیں فوراً عرض کیا کہ میں اللہ سے توبہ کرتی ہوں، آپ مجھے بتائیں کہ مجھ سے کیا غلطی ہوئی ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پردے پر تصویر لگی ہوئی ہے۔

چنانچہ پھر ان پردوں کو پھاڑا گیا اور ان کو تکیوں میں اس طرح سے استعمال کیا گیا کہ تصویر ختم ہوگئی۔ (صحیح بخاری، باب التجارة فیما یکره لبسه، للرجال والنساء، رقم الحدیث: ۱۹۹۹، مسلم، باب تحریم صورة حیوان...... الخ (رقم الحدیث: ۲۱۰۷)

اب دیکھیے! حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو اس کی عادت نہیں تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں تشریف لائیں تو آپ کے چہرے پر تیوریاں پڑی ہوئی ہوں۔ چنانچہ اس کو برداشت نہیں کرسکیں۔ فوراً معافی مانگی اور وجہ دریافت کی۔

ان چیزوں کا اہتمام ''تقویٰ'' کے بغیر نہیں ہوسکتا

ایک رات کا واقعہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہؓ کے حجرے میں سو رہے تھے۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ جب رات کا کچھ حصہ گزرا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سمجھا کہ میں سوچکی ہوں۔ آپ بہت آہستہ سے اٹھے، پائنتی کی طرف سے آہستہ آہستہ چل کر حجرے کے دروازے تک پہنچے۔ آہستہ سے دروازہ کھولا اور پھر آہستہ دروازہ بند کیا۔ (صحیح مسلم، باب مایقال عند دخول القبور والدعاء لأھلھا، رقم

الحدیث: ۹۷۴) اس کے بعد طویل قصہ ہے۔ یہاں دیکھنے کی بات یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس قدر احتیاط سے اٹھے کہ پاؤں کی چاپ نہ سنائی دے، دروازے کھولنے اور بند کرنے کی آواز پیدا نہ ہوتا کہ عائشہ صدیقہؓ کی نیند خراب نہ ہو جائے۔ ان چیزوں کا اہتمام اللہ کے ڈر اور آخرت کے حساب کے خوف کے بغیر نہیں ہوسکتا۔

پھر دوسری بات یہ ہے کہ عورت خلقی طور پر کمزور پیدا ہوئی ہے۔ اگر خدا کا خوف نہیں ہوگا تو اسے مرد دبالے گا۔ اور یہ آج کل ہو رہا ہے۔ آج کل بکثرت یہ حال نظر آتا ہے کہ عورتوں کو میراث نہیں ملتی۔ باپ کا انتقال ہوتا ہے۔ ساری میراث بھائی بانٹ کھاتے ہیں۔ عورتیں منہ دیکھتی رہ جاتی ہیں۔

بیوی باندی بن کر نہیں آتی

بہت سے گھروں میں یہ عادت ہے کہ شادی اس لئے کرتے ہیں کہ گھروں میں ایک کام کرنے والی باندی آجائے گی۔ اس پر ساس بھی حکومت چلائے گی اور سسر بھی، دیور بھی حکومت کریں گے اور نندیں بھی۔ گویا سارے خاندان کی خدمت کرنا اس کا فرض منصبی ہوگا۔ حالانکہ شریعت نے اسے کسی کی باندی نہیں بنایا بلکہ وہ شوہر کی زندگی کی ساتھی ہے۔ شریعت نے کسی کو یہ حق نہیں دیا کہ اس پر اس طرح حکومت چلائی جائے جس طرح ہمارے معاشرے میں چلائی جاتی ہے۔ یہ سب کچھ خدا کا خوف نہ ہونے کی وجہ سے ہے۔

حضرت عارفیؒ کا عجیب معمول

میرے مرشد حضرت ڈاکٹر عبدالحیٔ عارفی صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ اتنے سال میری شادی کو ہو گئے (غالباً ۴۰ سال بتلائے) اس عرصے میں میں نے کبھی اپنی بیوی سے لہجہ بدل کر بات نہیں کی اور کبھی میں نے اپنے کسی کام کے لئے نہیں کہا۔ بکثرت ایسا بھی ہوتا ہے کہ وہ بیٹھی ہیں اور گلاس ان کے قریب رکھا ہے۔ اگر میں گلاس اٹھانا چاہوں تو مجھے اٹھنا پڑیگا اور اگر ان سے مانگوں گا تو اٹھنا نہیں پڑے گا، وہیں ہاتھ

سے اٹھا دے گی لیکن میں کبھی ان سے یہ نہیں کہتا کہ گلاس اٹھا کر دو۔ یہ اور بات ہے کہ وہ اپنے شوق سے خود میری خدمت کرتی ہے اور میری راحت رسانی کی فکر کرتی ہے۔

ظاہر ہے کہ جب شوہر ایسا پاکباز ہوگا، ایسی رعایت کرنے والا ہوگا، ایسی محبت کرنے والا ہوگا تو بیوی بھی اس پر اپنی جان قربان کرے گی۔ ویسے بھی ہمارے ہندو پاک کی عورتیں اپنے شوہروں پر سب کچھ قربان کر دیتی ہیں۔ اپنا گھرانہ، اپنا خاندان اور والدین کی آغوش چھوڑ کر دوسرے گھر کو اپنا گھر بنا لیتی ہیں۔ اگر شوہر اور سسرال سے ان کو محبت ملے تو اپنا پچھلا گھر بھلا دیتی ہیں لیکن یہ باتیں خدا کے خوف سے ہی آتی ہیں۔

اور جہاں خدا کا خوف نہیں ہوتا وہاں عورت باندی بن کر رہتی ہے۔ اس کی پٹائی تک کی جاتی ہے حتیٰ کہ یہ بھی دیکھنے میں آتا ہے کہ دیور نے بھاوج کی پٹائی کر دی۔ یہ کس قدر افسوسناک بات ہے۔

تقریب شادی کے منکرات کے اثرات

آج کل ہمارے ہاں شادی کے اجتماعات میں طرح طرح کے منکرات ہوتے ہیں۔ فائرنگ بھی ہوتی ہے۔ مخلوط اجتماعات بھی ہوتے ہیں، میوزک بھی ہوتا ہے، اور دکھاوا وفضول خرچی وغیرہ سب کچھ ہوتا ہے۔ جس کا نتیجہ ''بے برکتی'' ہے۔ اس ''بے برکتی'' کا اثر یہ ہے کہ آج گھر گھر میں ناچاقیاں ہیں۔ تعلقات میں خرابیاں ہیں۔ کہیں میاں بیوی کے جھگڑے ہیں، کہیں ساس بہو کے جھگڑے ہیں اور کہیں نند اور بھابھی کے جھگڑے ہیں۔ اور ان جھگڑوں کے نتیجے میں سارے گھر کے لوگوں کی زندگی اجیرن ہو چکی ہے۔ ظاہر ہے کہ جب اللہ کو ناراض کرنے والے اعمال کئے جائیں گے، سنتوں کو پامال کیا جائیگا تو ان شادیوں سے خوشیاں نہیں ملیں گی، گھروں میں راحت اور سکون نہیں ملے گا۔

بعض خواتین کے اندر بری عادتیں ہوتی ہیں مثلاً بدزبانی، بے کار کے نخرے اور بے ڈھنگا پن۔ یہ بھی شریعت کے خلاف باتیں ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد تو

یہ تھا کہ اگر میں کسی کو اللہ کے علاوہ کسی کا سجدہ کرنے کا حکم دیتا تو بیوی کو حکم دیتا کہ وہ شوہر کو سجدہ کرے۔تو اللہ تعالیٰ نے شوہر کو اتنا اونچا مقام دیا ہے۔ چنانچہ اگر بے کار کے نخرے اور بدزبانی کرے گی تو وہ گناہ کی مرتکب ہوگی۔لہٰذا عورتوں کو حتی الامکان ان بری عادات سے پرہیز کرنا چاہئے تا کہ ان کی وجہ سے باہمی تعلقات ناخوشگوار نہ ہوں۔

انتہا پسندی کیا ہے؟

اسلامی شریعت کے اندر اعلیٰ درجے کا اعتدال اور توازن ہے اور اس میں ہر چیز کی کچھ حدود متعین کی گئی ہیں۔ محبت کی بھی حدود مقرر کی ہیں اور نفرت اور غصے کی بھی۔ اسی طرح کھانے، پینے، بولنے، سونے حتیٰ کہ عبادت کی بھی کچھ حدود مقرر کی ہیں۔ جو ان حدود کی رعایت رکھے گا وہ معتدل ہے اور جو ان حدود کو پھلانگ جائے گا، وہ انتہا پسند ہے، آج کل ان حدود کا عام طور پر لحاظ نہیں کیا جاتا۔ آج ہی ایک صاحب مجھے اپنے بیٹے کی المناک داستان سنا رہے تھے۔ان کا بیٹا اعلیٰ تعلیم یافتہ اور امریکہ میں مقیم ہے۔لیکن کسی نقلی پیر صاحب کے ہتھے چڑھ گیا۔جس کے نتیجہ میں اس نے اپنے ماں باپ سے تقریباً قطع تعلق کرلیا اور پیر صاحب کا ہو کر رہ گیا۔ برسوں کے بعد امریکہ سے یہاں کراچی آیا، ماں باپ سے ملے بغیر پیر صاحب سے ملنے چلا گیا۔ ماں باپ کو بتائے بغیر پیر صاحب کے کہنے پر شادی کرلی۔ظاہراً داڑھی بھی، عمامہ بھی اور نماز کی پابندی بھی لیکن یہ سب حرکتیں شریعت کے خلاف بھی کر رہے ہیں۔ دیکھنے میں تو وہ بہت نیک کام کر رہے ہیں لیکن چونکہ یہ سب کچھ شریعت کی حدود کے مطابق نہیں ہو رہا ہے۔اس لئے یہ انتہا پسندی ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ کا واقعہ

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص ایک جلیل القدر صحابی ہیں۔ ان کی خاص بات یہ ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے زیادہ حدیثیں لکھی ہیں۔ ان کے اندر عبادت کا بڑا ذوق تھا۔ چنانچہ انہوں نے اپنے طور پر یہ طے کرلیا کہ رات کو

عبادت کیا کریں گے اور دن کو روزہ رکھا کریں گے۔ آپ اندازہ کریں کہ جو شخص دن بھر روزہ رکھے اور رات بھر عبادت کرے، اس کی بیوی پر کیا بیتے گی؟ چنانچہ کچھ عرصہ بعد بیوی نے دبے الفاظ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس حالت کے بارے میں بتلایا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بلا کر فرمایا کہ دیکھو ''تمہارے اوپر تمہاری جان کا بھی حق ہے، تمہاری بیوی کا بھی ہے اور تمہاری آنکھوں کا بھی ہے۔'' مطلب یہ کہ اگر تم اس طرح عبادت کرو گے تو بیوی کے حقوق کیسے ادا کرو گے اور اس سے تمہاری صحت بھی خراب ہو جائیگی۔ اس لئے یہ طریقہ ترک کر دو۔ پھر آپ نے فرمایا کہ اگر روزے رکھنا چاہتے ہو تو مہینے میں تین روزے رکھ لیا کرو۔ انہوں نے عرض کیا کہ مجھے اور اجازت دیجئے۔ فرمایا کہ اچھا، دس روزے رکھ لیا کرو۔ یہ مزید کی درخواست کرتے رہے تو آپ نے فرمایا کہ اچھا زیادہ سے زیادہ یہ ہے کہ ایک دن روزہ رکھو اور ایک دن نہ رکھو۔

(صحیح البخاری، باب حق الجسم فی الصوم، رقم الحدیث: ۱۸۷۴، و باب لزوجک علیک حقٌّ، الحدیث: ۴۹۰۳، باب حق الضیف، الحدیث: ۵۷۸۳)

دیکھئے! روزہ کتنی بڑی فضیلت کی چیز ہے۔ احادیث کے اندر اس کے اس قدر فضائل آئے ہیں کہ جی چاہتا ہے کہ آدمی خوب روزے رکھے لیکن جب عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ نے بہت زیادہ روزے رکھنا شروع کئے تو آپ نے اس کی ایک حد مقرر کر دی کہ اس سے زیادہ مت رکھو۔

ماں باپ کی خدمت کیلئے بیوی کو حکم نہ دو

آج کل حقوق کی ادائیگی میں ایک کوتاہی یہ ہوتی ہے کہ بعض لوگ ماں باپ کے حقوق میں لگے تو بیوی بچوں کے حقوق بھول گئے اور بعض لوگ بیوی بچوں کے حقوق کی ادائیگی میں لگے تو ماں باپ کے حقوق بھول گئے۔ یہ غلط رویہ ہے۔ بلاشبہ ماں باپ کے حقوق بہت زیادہ ہیں حتیٰ کہ انسانوں میں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد

سب سے زیادہ حقوق ماں باپ کے ہیں لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ بیوی اور بچوں کے حقوق بھی انہی کو دے دو۔ بعض لوگ اپنے ماں باپ کی خدمت اپنی بیوی سے کراتے ہیں۔ خود تو کام پر چلے گئے اور بیوی کو خدمت پر لگا دیا۔ یہ کوئی ثواب اور عبادت کی بات نہیں۔ ماں باپ کی خدمت خود کرو، بیوی کو اس کا حکم نہ دو۔ ہاں بیوی اگر اپنی خوشی اور شوق سے کرے تو اس کے لئے بڑی سعادت مندی کی بات ہے کہ شوہر کے ماں باپ بھی اس کے ماں باپ کی طرح ہیں۔ اگر وہ خوشدلی سے ان کی خدمت کرے گی تو اس سے خوشگوار تعلقات پیدا ہوں گے۔

تبلیغ میں ضرور جاؤ لیکن......

میں صاف کہتا ہوں کہ میں تبلیغی جماعت کے کام کو بہت اچھا سمجھتا ہوں اور ہر جگہ کہتا ہوں کہ تبلیغ میں خوب وقت دینا چاہئے۔ لیکن بعض باتیں (ان سب میں نہیں بلکہ بعض میں) ایسی باتیں آگئی ہیں جو شریعت کے خلاف ہیں مثلاً یہ کہ بیوی کے پاس کھانے پینے کا سامان ہو یا نہ ہو، بچوں کو دیکھنے والا کوئی ہو یا نہ ہو، صاحب چلے پر جارہے ہیں۔ چلے سے خط آتا ہے کہ چار مہینے بعد آؤں گا اور پھر خط آتا ہے کہ ایک سال بعد آؤں گا۔ یہ کہاں کی شریعت ہے کہ بیوی بچوں کو بے یارو مددگار چھوڑ کر نکل گئے کہ اللہ کے راستے میں جارہا ہوں۔ بیوی بچوں کے حقوق ادا کرنا بھی تو اللہ کا راستہ ہے۔ شریعت کے مطابق زندگی گزارو۔ بیوی بچوں کے حقوق ادا کرو، تبلیغ میں ضرور وقت لگاؤ لیکن اس طریقے سے لگاؤ کہ بیوی بچوں کے حقوق پامال نہ ہوں۔

ایک صاحب تبلیغ میں چلے گئے۔ ان کی بیوی سیدزادی شریف خاندان کی لڑکی تھی، ہمیں اطلاع ملی اس کو کئی وقت کا فاقہ ہے، اور یہ بھی معلوم ہوا کہ پہلے بھی فاقے پر فاقے ہوتے رہتے ہیں اور یہ صاحب چلے پر جاتے رہتے ہیں۔ ہم نے اس صاحب کو بہت سمجھایا اور بہت ڈانٹا ڈپٹا تو کچھ ان کی روش میں تبدیلی آئی۔

خواتین بھی مردوں کے ساتھ تعاون کریں

آخر میں میری خواتین سے یہ درخواست ہے کہ اکثر یہ دیکھا گیا ہے کہ اگر مرد ارادہ بھی کرتے ہیں کہ شادی بیاہ کے اندر بری رسموں سے بچیں تو عورتیں عام طور پر مردوں کو اس میں کامیاب نہیں ہونے دیتیں۔ اگر خواتین اس معاملے میں تعاون کریں گی تو ان غلط رسموں سے ہم اپنے آپ کو آسانی سے بچا سکیں گے۔ الحمد للہ، میمن برادری کے اندر میں دیکھ رہا ہوں کہ خواتین مردوں کے ساتھ اس معاملے میں تعاون کر رہی ہیں۔ اللہ کرے کہ ہماری ساری برادریوں کے اندر یہ صورت پیدا ہو جائے۔

اللہ تعالیٰ نے اگر کسی کو پیسہ دیا ہے تو یہ کیا ضروری ہے کہ شادی کے اندر اسے برباد کیا جائے نیک کاموں میں خرچ کرے تاکہ خود بھی رسموں کے گناہوں سے بچے اور خاندان کے غریب لوگوں کی پریشانی کا باعث بھی نہ بنے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں شادی سے متعلق قرآنی تعلیمات اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

و آخر دعوانا أنِ الحمد للّٰہ رب العالمین٥

ہم کہاں جا رہے ہیں؟

خطاب: حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب مدظلہم
مقام: جامع مسجد، جامعہ دارالعلوم کراچی
تاریخ: ۱۴ مئی ۲۰۰۴ء
ترتیب وعنوانات: اعجاز احمد صمدانی

﴿ہم کہاں جارہے ہیں؟﴾

خطبہ مسنونہ:

﴿الحمد للّٰہ نحمدہٗ و نستعینہٗ، و نستغفرہٗ و نومن بہٖ و نتوکّل علیہ و نعوذ باللّٰہِ من شرورِ انفسنا ومن سیئاتِ اعمالنا ۔ من یھدہِ اللّٰہ فلا مضلّ لہٗ و من یضللہٗ فلا ھادی لہٗ و نشھدأن لا الٰہ اِلاّ اللّٰہ وحدہٗ لاشریک لہٗ ونشھد أنّ سیدنا و سندنا و مولانا محمدًا عبدہٗ و رسولہٗ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہٖ و صحبہ اجمعین وسلم تسلیماً کثیراً ۔﴾

اما بعد:

قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم:

﴿لاَ تَدْخَلُونَ الجَنَّةَ حَتّٰی تُؤمِنُوا وَلاَتُؤمِنُوا حَتّٰی تَحَابُّوا أَوَلاَ أَدُلُّكُمْ عَلٰی شَيئٍ إِذَا فَعَلْتُمُوْهُ تَحَابَبْتُم o﴾ (صحیح مسلم، کتاب الإیمان، باب بیان أنّہ لایدخل الجنة إلاالمؤمنون ، الخ رقم الحدیث: ۵۴)

حدیث کا مفہوم

بزرگانِ محترم اور برادرانِ عزیز!

پچھلے کئی جمعوں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث سے متعلق بیان چل رہا ہے، جس کا مفہوم یہ ہے کہ:

''تم جنت میں داخل نہیں ہو سکتے جب تک مؤمن نہ ہو جاؤ اور تم مؤمن نہیں ہو سکتے جب تک تم آپس میں محبت نہ کرو۔ کیا میں تم کو ایسی چیز نہ بتلاؤں کہ اگر وہ کرنے لگو تو تمہارے درمیان محبت قائم ہو جائے؟ وہ چیز یہ ہے کہ آپس میں سلام کرنے کو رواج دو۔''

آج میں اس حدیث سے متعلق ایک اہم بات عرض کرنا چاہتا ہوں۔

اسلامی برادری کی جان

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانا کہ ''تم جنت میں نہیں جا سکتے، جب تک مؤمن نہ بنو اور ایمان والے نہیں ہو سکتے جب تک آپس میں محبت نہ کرو'' یہ ایک بنیادی چیز ہے اور اسلامی برادری کی جان ہے۔ اسلام میں برادری کی بنیاد ایمان ہے۔ سورۃ الحجرات میں ارشاد ہے:

﴿اِنّما المؤمِنُونَ اِخْوَةٌ﴾ (الحجرات، آیت نمبر ۱۰)

''بلاشبہ، تمام مومنین آپس میں بھائی بھائی ہیں۔''

ایمان والے خواہ کوئی بھی زبان بولنے والے ہوں، کسی بھی علاقے کے رہنے والے ہوں، کسی بھی نسل سے ان کا تعلق ہو، کسی بھی تنظیم کے رکن ہوں، وہ سب آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ کلمہ طیبہ دنیا کے تمام مسلمانوں کو ایک لڑی میں پروئے ہوئے ہے۔ ایک اور حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد منقول ہے کہ:

''تمام مسلمان ایک جسم کی طرح ہیں، اگر سر میں درد ہوتا ہے تو پورا

جسم بے چین ہو جاتا ہے، آنکھ میں تکلیف ہوتی ہے تو پورا جسم بے چین ہو جاتا ہے، ہاتھ میں تکلیف ہوتی ہے، تو پورا جسم تکلیف میں مبتلا ہو جاتا ہے'' (صحیح مسلم، باب تراحم المؤمنین و تعاطفهم و تعاضدهم، رقم الحدیث: ۲۵۸۶)

گویا دنیا کے کسی بھی کونے میں مسلمان کو تکلیف پہنچے، وہ سلمان خواہ افریقہ کا رہنے والا ہو یا ایشیا کا، یورپ کا باشندہ ہو یا امریکہ کا، ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ سارے مسلمان بے چین ہو جائیں۔

عالم کفر مسلمانوں کی مظلومیت پر پریشان نہیں ہے

اس وقت ہم اس بات کا رونا رو رہے ہیں کہ دنیا کے مختلف کونوں میں دشمنان اسلام ہمارے بھائیوں کو قتل کر رہے ہیں، عراق میں کیسے کیسے مظالم توڑے جا رہے ہیں، افغانستان پر کیسے مظالم ڈھائے گئے، کشمیر اور فلسطین میں برسوں سے جو کچھ ہو رہا ہے اس کے سامنے چنگیزیت بھی شرما جائے۔ پوری دنیا ان مظالم کو دیکھ رہی ہے اور عالم کفر اس پر ناراض نہیں ہے، وہ بیان دے دیتے ہیں، قرارداد پاس کر دیتے ہیں لیکن واقعہ یہ ہے کہ ان مظالم کی وجہ سے ان کے کانوں پر جوں تک بھی نہیں رینگتی کیونکہ وہ مطمئن ہیں کہ ہم نہیں مر رہے بلکہ مسلمان مر رہے ہیں۔

اس کی شکایت کس کے پاس لے کر جائیں؟!

دکھ ہوتا ہے تو اہل ایمان کو ہوتا ہے اور ایمان کا تقاضا بھی یہی ہے کہ ہم کو اپنے ان مسلمانوں کی تکلیف اور مظالم کی چکی میں پسنے پر دکھ ہو۔ جو حدیث میں نے خطبہ میں پڑھی ہے، اس کا ایک سبق بھی یہی ہے لیکن افسوس صد افسوس اس بات پر کہ ہم خود آپس کے میل جول میں اس سبق کو یکسر بھول چکے ہیں، کراچی میں الیکشن کے دنوں میں جو کچھ ہوا اور پاکستان میں جو کچھ ہو رہا ہے، یہ ہم سب کے سامنے ہے۔ ایک بھائی دوسرے

بھائی کا گلہ کاٹ رہا ہے۔ یہ کس کھاتے میں جائے گا؟ ان پر کون روئے گا؟ اس میں ہم الزام کس پر ٹھہرائیں گے۔ ادھر بھی بھائی ادھر بھی بھائی۔ ایک مسلمان خواہ کسی بھی پارٹی کا ہو، خواہ اس کی پارٹی سے ہمارا اتفاق ہو یا اختلاف، لیکن وہ ہے تو ہمارا بھائی۔ وہ اسلامی برادری کا حصہ تو ہے۔ لیکن دکھ یہ ہے کہ یہی اسلامی برادری ایک دوسرے کا گلہ کاٹ رہی ہے۔ اس کی شکایت کس کے پاس لے کر جائیں؟!

کفار کے بارے میں تو ہم زور شور سے کہتے ہیں اور کہنا بھی چاہئے کہ غیر مسلموں نے مسلمانوں پر مظالم ڈھا دیئے، غیر مسلموں نے مسلمانوں کا قتل عام کر دیا لیکن یہ مقدمہ کونسی عدالت میں لے جائیں کہ ایک بھائی نے دوسرے بھائی کا گلہ کاٹ دیا؟

مسلمانوں کے باہمی جنگ و جدال کا نقصان زیادہ ہوتا ہے

ہمارے ایمان نے تو ہمیں اس کی قطعاً اجازت نہیں دی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب تیئیس ۲۳ سالہ محنت کے نتیجے میں اسلام کی تعلیمات پھیلا چکے، اسلام کو پورے جزیرہ نمائے عرب میں حکمران بنا چکے، امن و امان اور عدل و انصاف پورے جزیرہ نمائے عرب میں قائم ہو چکا تھا، اور اب اس دنیا سے رخصت ہونے والے تھے، وصال سے تقریباً تین ماہ قبل آپ نے حج فرمایا، جسے ''حجۃ الوداع'' کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ اس موقع پر آپ نے جو خطبہ ارشاد فرمایا تھا، اس خطبے میں ایسی باتیں ارشاد فرمائی تھیں جیسے کوئی باپ رخصت ہوتے وقت اہم اہم باتوں کی وصیت اپنی اولاد کو کرتا ہے۔

اس موقع پر آپ نے ایک نصیحت یہ فرمائی:

﴿لاتَرجِعُوا بَعْدِیْ کُفَّارًا یَضْرِبُ بعضکم رِقَابَ بَعْضٍ﴾ (مسلم، کتاب الإیمان)

''تم میرے بعد لوٹ کر کافر نہ ہو جانا کہ ایک دوسرے کی گردنیں

مارنے لگو۔"

آپ نے مسلمانوں کے آپس میں دست و گریبان ہونے سے اس لئے بھی منع فرمایا تھا کہ جب مسلمان آپس میں جنگ و جدال اور لڑائی شروع کر دیتے ہیں تو اس کا نقصان اتنا زیادہ ہوتا ہے کہ غیر مسلم اتنا نقصان نہیں پہنچا سکتے۔

مسلمان کو قتل کرنا کسی مسلمان کا کام نہیں

اور آپ نے اُس سے منع کرتے ہوئے یہ بھی فرمایا کہ "لاترجعوا بعدی کفّارًا (میرے بعد لوٹ کر کافر نہ ہو جانا) اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ کسی مسلمان کو قتل کرنا ایک مسلمان کا کام نہیں بلکہ یہ کام کافروں کا ہوتا ہے۔ مسلمانوں کا ایمان کبھی بھی اس بات کی اجازت نہیں دے سکتا کہ کسی مسلمان کی گردن مارے۔ ایک مسلمان دوسرے کے ساتھ کتنا ہی شدید اختلاف رکھتا ہو، سیاسی اختلاف ہو یا تنظیمی اختلاف ہو، رائے کا اختلاف ہو یا کسی شرعی مسئلے میں اختلاف ہو، لیکن جب ادھر بھی مسلمان ہو اور ادھر بھی مسلمان ہو تو شریعت اس بات کی اجازت نہیں دیتی کہ ایک مسلمان کسی دوسرے مسلمان کے مال، جان یا آبرو کو نقصان پہنچائے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی حجۃ الوداع کے موقع پر فرمایا:

﴿إنّ دماء کم و اموالکم و اعراضکم حرامٌ علیکم کحرمةِ یومکم هذا فی بلدکم هذا فی شَهرکم هذا﴾

کہاں پناہ ملے گی؟

اسلام نے تو ہمیں اس بات کی اجازت نہیں دی تھی کہ ہم کسی دوسرے کے مال، عزت اور جان سے کھیلیں لیکن افسوس کہ ہمارا شہر کراچی برسوں سے خون میں نہا رہا ہے۔ گن پوائنٹ پر کاریں چھنتی ہیں، گھر لٹتے ہیں، مال بھی لٹ رہے ہیں، عزتیں بھی

لٹ رہی ہیں، جانیں بھی جارہی ہیں۔

یوں تو یہ کھیل عرصے سے کھیلا جارہا ہے، لیکن الیکشن کے موقع پر اس میں اور شدت آجاتی ہے۔ الیکشن کا کام اصل میں تو پڑھے لکھے اور سمجھدار لوگوں کا کام ہوتا ہے۔ قیادت کے چناؤ کے لئے ہوتا ہے۔ الیکشن لڑنے والے اس بات کے دعویدار ہوتے ہیں کہ ہم قوم اور ملت کی رہنمائی کریں گے، ان کی جان و مال کی حفاظت کریں گے اور ان کے مسائل حل کریں گے۔ اگر اس الیکشن کے اندر بھی ایک دوسرے کی گردنیں ماری جائیں اور جان و مال کو نقصان پہنچایا جائے تو بتلایئے کہاں پناہ ملے گی؟

کلمہ پڑھنے والا خواہ کسی تنظیم کا ہو، ہمارا بھائی ہے

کلمہ پڑھنے والا ہمارا بھائی ہے، خواہ کسی بھی تنظیم کا ہو۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ وہ اچھا بھائی نہیں۔ لیکن برے بھائی کو بھی گھر سے نکالتے تو نہیں، اس سے بھی تو قطع تعلق کرنے کی اجازت نہیں، اسے بھی تو قتل نہیں کیا جاسکتا۔ تو جس طرح خونی رشتے والے بھائی کے ساتھ یہ سلوک روا رکھنا جائز نہیں، اسی طرح اسلامی بھائی پر بھی اسطرح کے مظالم ڈھانا جائز نہیں۔

اسلام کے خلاف عالم کفر کا اتحاد

افسوس صد افسوس یہ ہے کہ یہ سب کچھ ہمارے شہر میں ہو رہا ہے، کسی گاؤں، گوٹھ میں نہیں ہو رہا، ان پڑھ اور جاہل لوگوں کی بستیوں میں نہیں ہو رہا، پڑھے لکھے لوگوں کے علاقوں میں ہو رہا ہے۔ سارا عالم کفر تمہارے مٹانے پر تلا ہوا ہے۔ روس اور امریکہ جن کی کتنے سالوں سے پرانی دشمنی چل رہی تھی، وہ بھی متفق ہو گئے روس والے امریکہ سے کہتے ہیں کہ ٹھیک ہے کہ اگر تم مسلمانوں کو مٹاؤ تو ہمیں تم پر کوئی اعتراض نہیں۔ امریکہ والے ان سے کہتے ہیں کہ تم چیچنیا اور بوسنیا پر ظلم ڈھاتے رہو تو ہمیں کوئی اعتراض نہیں۔ اس طرح ہندو ہوں یا یہودی، عیسائی ہوں یا کوئی دوسری غیر مسلم اقوام، یہ

سب اس بات پر متفق ہو چکے ہیں کہ اس وقت دنیا کی سب سے بڑی ابھرنے والی طاقت ''اسلام'' ہے۔ جس طرح ممکن ہو اس کا راستہ روکو۔

یہ عہدے یہیں رہ جائیں گے

تو عالم کفر تو تمہیں مٹانے پر تلا ہوا ہے اور تم آپس میں ایک دوسرے سے لڑ کر اپنے آپ کو مٹانے پر تلے ہوئے ہو۔ بتاؤ پھر امان کہاں ملے گی؟ اور ایسی قوم کہاں رہے گی جس کے دوسرے بھی دشمن اور اپنے بھی دشمن، دوسرے بھی اس کو ماریں اور خود بھی ایک دوسرے کی گردنیں اڑائیں۔

یہ سیٹیں یہیں دھری رہ جائیں گی، یہ عہدے اور رنگینیں یہیں رہ جائیں گی۔ جب یہ ظاہری آنکھ بند ہوگی اور دوسرا عالم سامنے آئے گا تو وہاں نہ یہ سیٹیں ہوں گی اور نہ عہدے ور نگینیں، وہاں ذرے ذرے کا حساب دینا پڑے گا، وہاں یہ پوچھا جائے گا کہ تمہیں کس کام کیلئے دنیا میں بھیجا تھا اور تم نے وہاں کیا کام کیا؟ وہاں تو ایک ایک لمحے کا، ایک ایک چیز کا، ایک ایک حرکت اور ایک ایک سکون کا حساب ہوگا۔

ان جرائم کا بنیادی سبب

آدمی یہ سارے دھندے اس وقت کرتا ہے جب وہ قبر کو بھول جاتا ہے۔ جب آخرت اس کی نگاہوں سے اوجھل ہو جاتی ہے تو وہ قتل و غارت بھی کرتا ہے، لڑائیاں بھی کرتا ہے، گالیاں بھی دیتا ہے اور دشمنیاں بھی کرتا ہے۔ لیکن وہ شخص جسے اپنی قبر یاد ہو، وہ ان دھندوں میں لگنے کے بجائے اپنی آخرت بنانے کی تیاری میں لگا رہتا ہے۔ وہ اس فکر میں رہتا ہے کہ مجھ سے کوئی ایسا کام نہ ہو جائے، جس سے میری قبر برباد ہو۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا کہ:

﴿حبّ الدُّنيا رأسُ كلِّ خطيئةٍ﴾ (كشف الخفاء، ج ۱ ص ۴۱۲ رقم الحديث: ۱۰۹۹)

''دنیا کی محبت تمام خطاؤں کی جڑ ہے۔''

جب آدمی کے دل میں دنیا کی محبت سما جائے۔ مال و دولت، عہدہ اور شہرت اس کا مطمح نظر بن جائے تو پھر وہ ہر قسم کے گناہ کرتا ہے۔ قتل و غارت گری بھی کرتا ہے۔ ظلم بھی ڈھاتا ہے۔ چوری اور ڈکیتی بھی کرتا ہے غرضیکہ سب کچھ کرتا ہے۔ انبیاء کرام یہی بتلانے کے لئے آتے تھے کہ اگر تم نے اپنی قبر کو بھلا دیا اور موت سے غافل ہو گئے تو تمہاری یہ زندگی بھی جہنم بن جائے گی۔ اگر تم اس زندگی کو پر امن رکھنا چاہتے ہو اور اسے خوشیوں کا گہوارہ بنانا چاہتے ہو تو اپنی قبر کو یاد رکھو، ورنہ ایک دوسرے کی گردنیں مارو گے، بھیڑیئے اور درندے بن کر جنگل کا قانون رائج کرو گے''۔ جس کی لاٹھی اس کی بھینس'' کا قانون رائج ہو گا۔

آج پورا شہر سوگوار ہے، سارے کام معطل پڑے ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ صرف ایک مسلمان کے قتل سے اگر اتنی سوگواری بلکہ اس سے بھی زیادہ سوگواری ہو تو بھی بجا ہے، اس لئے کہ مسلمان کے خون کی عظمت، ایسی ہے جیسے بیت اللہ کی۔

قرآن مجید میں ہے کہ:

﴿وَمَن يقتل مومناً متعمدًا فجزاءُهٗ جهنم خٰلدًا فيها و غضب اللّٰه عليه ولعنهٗ و اعدّلهٗ عذاباً عظيماً﴾

''اور جس شخص نے کسی مؤمن کو جان بوجھ کر قتل کیا، اس کا بدلہ جہنم ہے وہ ہمیشہ اس میں رہے گا اور اللہ تعالیٰ اس سے ناراض ہیں اور اس پر اللہ نے لعنت کی اور اس کے لئے بڑا عذاب تیار کر رکھا ہے۔''

یہ قرآن کا فرمان ہے، کوئی مولوی اپنی طرف سے نہیں کہہ رہا، یہ کیسی خطرناک وعید ہے۔

جتنے بھی مسلمان مارے گئے، وہ ہمارا ہی نقصان ہے۔ کسی یہودی، ہندو یا

عیسائی کا نہیں ہوا۔ ہماری پونجی لٹی ہے۔ ایک ایک مسلمان ہماری طاقت ہے، اس واقعے سے ہماری ہی طاقت کمزور ہوئی ہے۔ اس پر ہم جتنا بھی غم کریں، بجا ہے۔ اور یہ وقت کا تقاضا ہے کہ ہم آئندہ کے لئے اس بارے میں کوئی لائحہ عمل تیار کریں۔

اس قوم کو آزاد رہنے کا حق باقی نہیں رہتا

ہماری دشمن قومیں جو ہم پر یلغار کر رہی ہیں، وہ کبھی آپس میں اس طرح نہیں لڑتیں۔ وہ دوسروں کو مارنے میں تو چنگیز خان اور ہلاکو خان سے بھی آگے ہیں، لیکن آپس میں متحد ہیں۔ امریکہ اور کینیڈا کی سرحد تقریباً پانچ ہزار میل تک ملی ہوئی ہے۔ اس پوری سرحد پر دونوں ملکوں کا کوئی ایک فوجی بھی نہیں ہے۔ انہوں نے آپس میں معاہدہ کر رکھا ہے کہ ہم آپس میں ایک دوسرے کو نقصان نہیں پہنچائیں گے، آپس میں لڑیں گے نہیں، کیونکہ ہمیں لڑنا تو دوسروں سے ہے۔ آپس میں لڑ کر ہمیں اپنی طاقت ختم نہیں کرنی، نتیجہ یہ ہے کہ وہاں سات سمندر پار بیٹھ کر پوری دنیا پر حکومت کر رہے ہیں اور ہم، ہمارے پاس مادی اسباب ان سے زیادہ ہیں، قدرتی وسائل اتنے ہیں کہ کسی اور قوم کے پاس نہیں لیکن اس سب کے باوجود ان کے محکوم ہیں۔ اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ ہم آپس میں ایک دوسرے کی گردنیں مارنے کے لئے تیار رہتے ہیں۔ کسی بھی قسم کا لالچ سامنے ہو، دوسرے کی گردن مارنے کے لئے تیار ہو جاتے ہیں۔ پیسے کا لالچ ہو یا عہدے کا ہمیں مسلمان کی جان سے زیادہ عزیز ہے۔ جس قوم کی خود غرضی اس حد تک پہنچ جائے، اس قوم کو آزاد رہنے کا حق باقی نہیں رہتا۔ تاریخ کا بے رحم ہاتھ ایسی قوموں سے اقتدار چھین لیا کرتا ہے۔

مسلمانوں کو حکومت کب ملے گی؟

دنیا دارالاسباب ہے، دارالجزاء نہیں۔ حکمرانوں والی صفات پیدا کرو گے تو حکمرانی ملے گی، غلاموں کی صفات اپناؤ گے تو غلامی ملے گی۔ صرف ایمان لانے اور نماز پڑھنے سے غلامی نہیں جائے گی۔ اس کے لئے وہ اعمال کرنے پڑیں گے جو غلامی کو

مٹانے والے ہیں۔قرآن مجید نے کہیں بھی مطلق یہ وعدہ نہیں کیا کہ صرف ایمان لانے پر حکمرانی ملے گی۔کسی حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ وعدہ نہیں فرمایا کہ اگر مسلمان ایمان پر قائم رہے اور نماز روزہ کی پابندی کرتے رہے تو انہیں حکمرانی مل جائے گی۔ بلکہ قرآن مجید میں یہ فرمایا گیا کہ:

﴿وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ﴾

''اللہ نے وعدہ کر رکھا ہے ان لوگوں سے جو ایمان لائے تم میں سے اور نیک اعمال کیے ضرور بضرور ان کو خلیفہ بنائے گا زمین میں جیسا کہ ان سے پہلے لوگوں کو خلیفہ بنایا۔''

''عملوا الصالحات'' میں جس طرح نماز، روزہ، حج اور زکوۃ داخل ہے۔ اسی طرح سچ بولنا، سچی گواہی دینا حسنِ معاشرت، اخوت، مالِ حرام سے بچنا، دوسرے کی بددعا سے بچنا، دوسرے کی جان و مال اور آبرو کی حفاظت کرنا وغیرہ بھی شامل ہے۔ ان سب کا مجموعہ اعمال صالحہ ہے۔ جب تمام اعمال صالحہ بجالائے جائیں گے تو زمین میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے مسلمانوں کو خلافت عطا کی جائے گی۔

ہمارے حصے میں غلامی کیوں آئی؟

آج بہت سے لوگ یہ سوال کرتے ہیں کہ کیا وجہ ہے کہ ہم اقتدار سے محروم ہیں، حالانکہ ایمان بھی لائے ہوئے ہیں، نمازیں بھی پڑھتے ہیں اور دیگر عبادات بھی بجا لاتے ہیں۔تو اس کا جواب یہی ہے کہ ہم نے تمام اعمال صالحہ کو اختیار نہیں کیا جن کی بنیاد پر خلافت ملا کرتی ہے۔ہم نے وہ صفات اختیار نہیں کیں جو اقتدار کے لئے شرط تھیں۔

اتفاق کی بات یہ ہے کہ یورپ نے ہماری بہت سی اچھائیاں لے لیں اور یہ

ساری اچھائیاں وہ تھیں، جو دنیا بنانے والی تھیں۔ اب ہمارے پاس جو اچھائیاں باقی ہیں جیسے نماز، روزہ، ان سے جنت تو ملے گی لیکن اس پر اقتدار کا وعدہ نہیں، لیکن دنیا بنانے والی اچھائیاں ہمارے اندر موجود نہیں۔ ہماری یہ اچھائیاں انہوں نے لے لیں اور ان کی برائیاں ہم نے لے لیں جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ہمارے حصے میں غلامی آگئی اور ان کے حصے میں حکومت آگئی۔

یہ کافر قومیں آپس میں اس طرح گردنیں مار کر اپنی طاقت برباد نہیں کر رہیں، جس طرح ہم اپنی طاقت برباد کر رہے ہیں۔ اب حالت یہ ہے کہ جتنے مسلمان کشمیر میں مرتے ہیں، اتنے کراچی میں بھی مر جاتے ہیں، جتنے فلسطین میں مرتے ہیں، اتنے پاکستان میں بھی مر جاتے ہیں۔ فرق کیا رہا کافر میں اور مسلمان میں؟ کس کس کا رونا روئیں؟!

محبت پیدا کرنے کے طریقے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو ہمیں محبت کا درس دیتے ہوئے یہ ارشاد فرمارہے ہیں کہ تم جنت میں داخل نہیں ہو سکتے، جب تک تمہارے اندر ایمان نہ ہو اور تمہارا ایمان پورا نہیں ہوگا جب تک تمہاری آپس میں محبت نہ ہو"۔ اور پھر محبت قائم کرنے کے طریقے بتلا رہے ہیں۔

ایک طریقہ یہ بتلایا کہ آپس میں سلام کیا کرو۔ ہم نے اس طریقے کو ترک کر رکھا ہے۔

اور دوسرا طریقہ یہ بتلایا کہ جب نماز کیلئے کھڑے ہو تو تمہاری صفیں بالکل سیدھی ہونی چاہئیں اور فاصلے نہیں ہونے چاہئیں ورنہ تمہارے دلوں میں فرق آجائیں گے۔

آج ہمارے ہاں عام طور پر صفوں کے برابر کرنے اور مل کر کھڑے ہونے کی پابندی نہیں کی جاتی۔

غرضیکہ آج جب ہم ان اعمال کی پابندی نہیں کر رہے جن کی وجہ سے آپس

میں محبت پیدا ہوتی ہے تو اس کا نتیجہ یہ ہے کہ آپس میں دشمنیاں پھیل رہی ہیں۔

دشمنی کے اسباب اختیار کئے جارہے ہیں

پھر اس سے بڑھ کر یہ کہ دشمنی کے اسباب اختیار کئے جا رہے ہیں۔ غیبت کرنے سے دشمنی پیدا ہوتی ہے، چغلی سے دشمنی پیدا ہوتی ہے۔ گالی دینے اور بہتان لگانے سے دشمنی پیدا ہوتی ہے۔ یہ سب کچھ ہمارے ہاں ہو رہا ہے۔

اس وقت ہم کیا کریں؟ مجھے کچھ سمجھ میں نہیں آرہا، سوائے اس کے کہ اللہ رب العالمین کے سامنے آہ وزاری سے دعا کریں کہ یا اللہ! ہمیں اس حماقت سے نکال دے۔ ہمارے اندر محبتیں پیدا فرمادے۔ ہمارے سیاسی اختلافات دشمنیوں کی حد تک نہ آئیں۔

کب عقل آئے گی؟

اگر اب بھی ہمیں عقل نہ آئی تو پھر سمجھ میں نہیں آتا کہ کب آئے گی۔ کیا اس وقت عقل آئے گی جب ہم رہی سہی آزادی سے بھی ہاتھ دھو بیٹھیں گے اور دشمن ہمارے اوپر پوری طرح قابض ہو جائیں۔ اللہ پناہ میں رکھے اس وقت سے کہ جب یہاں دشمن کا دور دورہ ہو اور دشمن کی حکومت ہو۔ جن لوگوں نے تاریخ کا مطالعہ کیا ہے، وہ جانتے ہیں کہ جس قوم کی یہ حالت ہوا کرتی ہے، وہ غلامی کی طرف جایا کرتی ہے۔ یہ آثار اقتدار کی طرف جانے والے نہیں، غلامی کی طرف جانے والے ہیں، کچھ معلوم نہیں کہ اگر ہماری یہی حالت رہی تو کب ہم سے ہماری یہ آزادی چھن جائے۔ اللہ ہمیں وہ غم نہ دکھائے کہ ہم وہ المناک وقت دیکھیں، اس وقت سے پہلے ہمیں اٹھالے۔ (آمین)

وآخر دعوانا أنِ الحمد للہ رب العالمین۔

سَفرِ معُراج

خطاب: حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب مدظلہم
مقام: مدرسۃ البنات، جامعہ دارالعلوم کراچی
تاریخ: ۲۹ نومبر ۱۹۹۷ء
ترتیب وعنوان: اعجاز احمد صمدانی

﴿سفرِ معراج﴾

خطبہ مسنونہ:

﴿نحمدهٗ و نصلّی علی رسولہ الکریم﴾

اما بعد:

﴿قال النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم:

اللّٰھُمَّ بَارِکْ لَنَا فِی رَجَبَ و شَعْبَان وَ بلِّغنَا رَمَضَانَ﴾ (الفردوس بماثور الخطاب ج ۱ ص ۴۸۵، رقم الحدیث: ۱۹۸۴، حلیة الاولیاء ج ۲ ص ۲۹۲، مجمع الزوائد، ج ۲ ص ۱۶۵ باب الصلوٰة، مسند احمد ج ۱ ص ۲۵۹ فی مسند انس شعب الإیمان للبیھقی ج ۳ ص ۳۷۵، رقم الحدیث: ۳۸۱۵)

بزرگانِ محترم اور برادرانِ عزیز!

رجب کا مہینہ برکتوں والا ہے:

رجب کا مہینہ چل رہا ہے اور یہ مہینہ وہ ہے کہ جب یہ شروع ہوتا تھا تو ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اسی وقت سے رمضان المبارک کی تمنا کرنے لگتے ہیں۔ چنانچہ

حدیث میں آتا ہے کہ جب رجب کا چاند نظر آتا تو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا فرماتے:

﴿اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِي رَجَبَ وَشَعْبَان وَ بَلِّغْنَا رَمَضَان.﴾

''اے اللہ! ہمیں رجب اور شعبان کے مہینے میں برکتیں عطا فرمایئے اور ہمیں رمضان تک پہنچا دیجئے۔''

''رمضان تک پہنچا دیجئے'' کا مطلب ہے کہ رمضان تک زندہ رکھئے تا کہ رمضان المبارک کے روزوں، نفلوں اور اس میں نازل ہونے والی اللہ تعالیٰ کی رحمتوں سے فائدہ حاصل کر سکیں۔

اس حدیث میں سے دو باتیں معلوم ہوئیں۔ ایک یہ کہ رجب کا چاند نظر آنے پر یہ دعا کرنی چاہئے جو اوپر گزری۔

دوسرے یہ کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مہینے میں برکت کے لئے دعا کر رکھی ہے تو یہ مہینہ بڑی برکتوں والا ہے۔

اس مہینے میں معراج کا واقعہ پیش آیا

پھر اس مہینے کی ایک اور بڑی اہمیت ہے۔ وہ یہ کہ ایک روایت کی بناء پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی مہینے میں معراج ہوئی ہے۔ معراج کے مہینے کے بارے میں روایتیں مختلف ہیں حتیٰ کہ سال بھی متعین نہیں ہے کہ کون سے سال یہ واقعہ پیش آیا البتہ اتنی بات متعین ہے کہ معراج کا واقعہ ہجرت سے پہلے پیش آیا بلکہ ۱۱ھ سے بھی پہلے پیش آیا، لیکن کتنا عرصہ پہلے پیش آیا، اس کے بارے میں تقریباً دس روایات ہیں۔ ظاہر یہ ہے کہ یہ واقعہ حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کی وفات اور طائف کے واقعے کے بعد پیش آیا۔

پھر مہینے کے بارے میں بھی پانچ روایتیں ہیں۔ ایک روایت میں یہ ہے کہ ربیع الاول میں یہ واقعہ آیا، ایک روایت ربیع الثانی کی ہے، تیسری روایت رجب کی، چوتھی

رمضان المبارک کی اور پانچویں روایت شوال المکرّم کی ہے۔ اسی طرح تاریخ بھی یقینی طور پر متعین نہیں کہ کونسی تاریخ کو یہ واقعہ پیش آیا البتہ تمام روایتوں کو دیکھنے کے بعد جو بات نسبتاً راجح معلوم ہوتی ہے۔ وہ یہ کہ ۲۷ رجب کو یہ عظیم الشان واقعہ پیش آیا۔ (ملاحظہ فرمایئے: فتح الباری ج ۷ ص ۲۱۷)

واقعہ معراج کی کوئی نظیر نہیں

بلاشبہ معراج کا واقعہ پوری انسانی تاریخ کا عجیب ترین واقعہ ہے۔ پوری انسانی تاریخ میں اس کی کوئی نظیر نہیں کہ کسی انسان کو اللہ تعالیٰ نے یہ مقام عطا کیا ہو کہ راتوں رات ساتوں آسمانوں اور اس سے اوپر کی سیر کرا کے پھر واپس بھی لے آئے۔ اور یہ ایسا واقعہ ہے کہ انسان محض اپنی عقل کے گھوڑے دوڑا کر اس کی حقیقت نہیں سمجھ سکتا۔ چنانچہ جب مشرکین مکہ کے سامنے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا یہ واقعہ بیان فرمایا تو وہ حیرت سے کہنے لگے کہ بھلا یہ کیسے ممکن ہے کہ ایک انسان راتوں رات مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک جائے پھر اوپری بلندی کی طرف سفر شروع کرے۔ اس میں پہلا، دوسرا، تیسرا حتیٰ کہ ساتواں آسمان اور اس سے آگے تک کا سفر کر کے پھر وہاں جا کر نجانے کیا کیا مناظر دیکھے، پھر اسی رات میں واپس بھی آ جائے۔ یہ سوچ کر بڑی خوشی خوشی بعض مشرکین حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس گئے۔ ان کا خیال تھا کہ جب صدیق اکبرؓ کے سامنے یہ واقعہ بیان کریں گے تو فوراً جھٹلا دیں گے چنانچہ جب آپ کی خدمت میں پہنچے اور سارا واقعہ بیان کرنے کے بعد کہا کہ تم جس کو نبی مانتے ہو، وہ ایسی باتیں کرتا ہے، بھلا تم ہی بتاؤ، کیا یہ بات عقل میں آنے والی ہے۔ صدیق اکبرؓ نے پوچھا کہ کیا واقعی آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہی کہتے ہیں؟ انہوں نے ہاں میں جواب دیا تو آپ نے فرمایا کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ بات فرماتے ہیں تو پھر یقیناً یقیناً یہ بات بالکل سچی ہے۔ اس میں ذرہ برابر کوئی فرق نہیں۔ اسی تصدیق کے واقعے سے آپ کو "صدیق" کا لقب ملا۔

معراج کی رات دیدارِ الٰہی ہوا یا نہیں؟

کیا معراج کی رات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کا دیدار نصیب ہوا یا نہیں؟ اس بارے میں بعض صحابہ کرام جن میں حضرت عائشہ صدیقہؓ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ شامل ہیں، کی رائے یہ کہ آپؐ کو اللہ تعالیٰ کا دیدار نہیں ہوا، اس کے برعکس بعض دوسرے صحابہ جن میں حضرت ابن عباسؓ بطور خاص شامل ہیں، کا کہنا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا دیدار ہوا ہے۔ اگر دوسرے قول کو اختیار کیا جائے تو یہ بھی انسانی تاریخ کا پہلا واقعہ ہے کہ کسی انسان کو دنیا میں اللہ رب العالمین کا دیدار ہوا۔ (البتہ آخرت میں تمام جنتیوں کو یہ دیدار نصیب ہوگا)۔ یہ ایسا شرف ہے کہ اس سے بڑے بڑے فرشتے بھی محروم ہیں۔

آپ کتنی بلندی پر پہنچے؟

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس سفر میں کتنی بلندی تک پہنچے، اس کا اندازہ لگانا تقریباً ناممکن ہے اس لئے کہ جتنا فاصلہ یہاں سے پہلے آسمان تک کا ہے، اتنا ہی دوسرے آسمان سے تیسرے کا، تیسرے سے چوتھے کا، چوتھے سے پانچویں کا، پانچویں سے چھٹے اور چھٹے سے ساتویں آسمان کا درمیانی فاصلہ ہے۔ آج کی جدید ٹیکنالوجی ابھی تک اس زمین و آسمان کا درمیانی فاصلہ معلوم نہیں کر سکی۔ مختلف سیاروں کا درمیانی فاصلے معلوم ہوا ہے۔ زمین سے سورج تک کا فاصلہ بھی ناپا گیا ہے جو تقریباً ۹ کروڑ میل ہے اور وہاں سے زمین تک روشنی تقریباً ۸ منٹ میں پہنچتی ہے۔[۱] اور بعض سیاروں کے درمیان اتنے فاصلے ہیں کہ میلوں کے حساب سے گنتی ختم ہو جاتی ہے تو اس کے لئے فلکیات کے ماہرین نے ایک نئی اصطلاح ایجاد کی جس کا نام ہے ''نوری سال''۔ نوری سال کا مطلب ہے وہ مسافت جس کو روشنی ایک سال مسلسل سفر کر کے طے کرتی ہے۔ اندازہ کیجئے کہ سورج جو ہم سے کروڑوں میل کے فاصلے پر ہے، اس کی روشنی ہم تک پہنچنے میں صرف

[۱] کیونکہ روشنی ایک لاکھ چھیاسی ہزار میل فی سیکنڈ کے حساب سے سفر کرتی ہے۔

آٹھ منٹ لگاتی ہے، بعض اس سے دور ہیں جن تک روشنی دنوں میں پہنچتی ہے۔ بعض ایسے ہیں کہ وہاں مہینوں سفر کے بعد روشنی وہاں پہنچ سکتی ہے۔ حتیٰ کہ بعض سیارے اتنے دور ہیں کہ وہاں تک اگر روشنی بھیجی جائے تو اسے پہنچنے میں سالوں سال لگ جاتے ہیں۔ بعض سیارے ایسے ہیں کہ ان کے آپس کے فاصلے کئی کئی سو بلکہ کئی کئی ہزار نوری سالوں کے برابر ہیں اور یہ سب کچھ دنیا کے آسمان کے نیچے نیچے ہے تو پہلے آسمان تک کا فاصلہ کتنا ہوگا! اور ہر آسمان کا فاصلہ نچلے آسمان سے اتنا ہی ہے جتنا پہلے آسمان کا زمین سے تو خود اندازہ لگائیے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پرواز کس قدر بلند ہوگی۔

سفر معراج کس قدر تیز رفتار تھا؟

اور پھر یہ کس قدر تیز رفتاری سے ہوا ہوگا۔ واقعہ یہ ہے کہ آج کی جدید سائنس بھی اس تیز رفتاری کا صحیح اندازہ نہیں کر سکی۔ حدیث میں آتا ہے جس سواری پر آپ کو لے جایا گیا، وہ تقریباً خچر کے برابر جنت کا ایک جانور ہے، جس کا نام "براق" ہے۔ اس کی رفتار کا عالم یہ تھا کہ جہاں اس کی نظر پڑتی تھی، وہاں اس کا قدم پڑتا تھا۔ گویا نظر کی جو رفتار ہے، وہ رفتار اس کے جسم کی تھی۔ اگر اس براق کی نظر کی رفتار روشنی کی رفتار کے برابر ہوتی تو پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو آنے جانے میں ہزاروں نوری سال لگ جاتے۔ معلوم ہوا کہ براق کی رفتار روشنی کی رفتار سے زیادہ تھی۔ آج کی سائنس بھی اس بات کا اقرار کرتی ہے کہ رفتار کی کوئی حد مقرر نہیں کی جا سکتی۔ اور آپ کی اس قدر تیز رفتار تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ تھی۔

وہاں بھی امت کو یاد رکھا

یہاں دیکھنے کی بات یہ ہے کہ اس اونچے مقام پر پہنچنے کے بعد بھی جب اللہ رب العالمین سے ہمکلامی ہوئی تو وہاں بھی امت کو یاد رکھا چنانچہ جب آپ نے اللہ تعالیٰ کے سامنے عرض کیا۔

﴿اَلتَّحِیَّاتُ لِلّٰهِ وَالصَّلَوَاتُ وَالطَّیِّبَاتُ﴾

''میری تمام قولی، جسمانی اور مالی عبادات اللہ کے لئے ہیں''۔

اور اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿اَلسَّلامعَلَیکَ اَیّھا النبیّ و رحمةُ اللّٰهِ و برکاتهٗ﴾

''اے نبی! تجھ پر سلامتی ہو اور اللہ کی رحمت اور برکتیں''

جب اللہ تعالیٰ نے آپ پر سلام بھیجا اور فرمایا:

﴿اَلسَّلامُ عَلَینا وَعَلٰی عِبَادِ اللّٰهِ الصّالحین﴾

''ہم پر بھی سلامتی ہو اور اللہ کے تمام نیک بندوں پر ہو''۔

گویا جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے اتنا بڑا اعزاز ملا تو امت کے نیکو کاروں کو بھی شامل فرمایا۔

معراج کا تحفہ

اس معراج میں آپ پانچ نمازوں کا تحفہ لائے۔ یہ نمازیں ہر مؤمن کی معراج ہیں۔ آپ کے اس واقعہ معراج کی برکت سے ہر مسلمان کو دن میں پانچ مرتبہ اللہ کے قریب ہونے کا موقع ملا۔ حدیث میں آتا ہے کہ انسان سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ کے قریب اس وقت ہوتا ہے جب سجدہ میں ہوتا ہے۔ (مسند أبی عوانة ج ۲ ص ۱۸۰) اس میں وہی معراج کی باتیں یہ بھی تشہد کے اندر دہراتا ہے اور اللہ تعالیٰ کا کلام بھی پڑھتا ہے جو اللہ تعالیٰ سے ہمکلام ہونا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مقام ومرتبہ کے مطابق انہیں معراج نصیب ہوئی لیکن ہمیں بھی اللہ تعالیٰ نے محروم نہیں فرمایا بلکہ نماز کے ذریعے اپنے سے ہمکلام ہونے کی اجازت دے دی۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی قدر کرنے کی توفیق دے (آمین)

آج کل سربراہ مملکت سے ملاقات کرنا تو بڑی بات ہے، کسی وزیر یا گورنر سے

ملاقات کرنے کی ضرورت پیش آجائے تو قیامت آجاتی ہے۔ مہینوں چکر لگانے اور جوتے چٹخانے کے بعد ایک دومنٹ ملاقات کے لئے مل جائیں تو آدمی اپنے آپ کو بڑا خوش نصیب سمجھتا ہے لیکن ادھر بادشاہوں کا بادشاہ، جہانوں کا مالک اور رب الارباب نے ہمارے لئے اپنے دروازے چوپٹ کھول دیئے بلکہ پابندی لگادی کہ دن میں پانچ مرتبہ ضرور آؤ اور اس کے علاوہ ہر وقت آنے کی اجازت ہے اور پھر جاہے جتنی لمبی بات کرو (تلاوت کرو، نماز میں قرآن پڑھو) اس کی اجازت ہے۔ اسی لئے کہا جاتا ہے کہ:

﴿الصلوة معراج المؤمنين (شرح سنن ابن ماجه ج ۱ ص ۳۱۳، باب الأمل و الأجل الخ)

ترجمہ: نماز مومنین کی معراج ہے۔

رجب کی کسی رات یا دن میں عبادت کرنے کی کوئی خاص فضیلت ثابت نہیں

یہاں ایک بات یاد رکھیں۔ وہ یہ کہ کوئی بھی عبادت ”قیاس“ اور اپنی رائے کے ذریعے ثابت نہیں کی جاسکتی۔ جس کو قرآن یا حدیث نے عبادت قرار نہیں دیا، وہ عبادت نہیں۔ اب اگر کوئی شخص کسی عبادت میں اضافہ کرتا ہے یا کوئی نئی عبادت متعارف کرتا ہے تو گویا وہ اپنے عمل سے یہ دعویٰ کر رہا ہے کہ دین پہلے مکمل نہیں تھا، وہ اب اسے مکمل کر رہا ہے۔ رجب کے مہینے میں پہلی بات تو یہ ہے کہ یقینی طور پر یہ معلوم نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی میں معراج ہوئی۔ دوسری بات یہ ہے کہ اس مہینے کی کوئی خاص فضیلت الگ طور پر نہیں آئی۔ کسی سند صحیح کے ساتھ یہ ثابت نہیں کہ ۲۷ ویں شب کو جاگنے اور ۲۷ رجب کا روزہ رکھنے کی کوئی فضیلت ہے۔ رات کو عبادت کرنے کے معاملے میں دوسری راتوں کی طرح یہ بھی ایک رات ہے اور دن کو روزہ رکھنے کے معاملے میں دوسرے دنوں کی طرح یہ بھی ایک دن ہے، یعنی جو حکم باقی راتوں اور دنوں کا ہے، وہی حکم اس رات اور دن کا بھی ہے۔ اگر کوئی شخص اس رات کو جاگ کر عبادت کرے یا دن کو روزہ رکھے تو

بہت اچھی بات ہے۔ لیکن یوں سمجھنا کہ اس رات میں عبادت کرنے کا یا دن کو روزے رکھنے کا کوئی خاص ثواب ہے، ہرگز درست نہیں کیونکہ یہ دین میں اضافہ ہے۔

کونڈے کی رسم کا دین سے کوئی تعلق نہیں

اس مہینے میں ایک خاص رسم اور ہے جسے ''کونڈے'' کا نام دیا جاتا ہے۔ اس میں مختلف طرح کی کھانے کی چیزیں پکا کر تقسیم کی جاتی ہیں۔ یہ خودساختہ باتیں اور کھانے پینے کے دھندے ہیں۔ اگر اس دن کچھ کھانا پینا ہے تو اس میں کوئی ممانعت نہیں لیکن اس کو اللہ تعالیٰ یا آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب نہ کرو کہ انہوں نے اس دن کے کھانے پینے میں کوئی خاص فضیلت بیان کی۔ اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذمے لگائے بغیر جو حلال چیز کھانا چاہو، کھالو۔ لیکن خوب سمجھ لو کہ اس کا دین سے کوئی تعلق نہیں۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو راہِ مستقیم پر چلنے کی توفیق نصیب فرمائے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر صحیح صحیح عمل کرنے کی توفیق نصیب فرمائے۔ اپنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سچی اور پکی محبت نصیب فرمائے۔ (آمین)

وآخر دعوانا أنِ الحمد للہ رب العالمین.

اِختلاف رحمت، اِفتراق زحمت

خطاب: حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب مدظلہم

مقام: مکان جناب بہجت ایوب زنجانی صاحب

جدہ، مدیر المستودع الأقلیمی الإمداد و

المساندة، المملكة العربية السعودية

تاریخ: یکم جولائی ۲۰۰۴ء ۱۳ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۵ھ

ترتیب و عنوانات: اعجاز احمد صمدانی

﴿اختلاف رحمت، افتراق زحمت﴾

خطبہ مسنونہ:

﴿نحمدهٗ و نصلّی علی رسولہ الکریم﴾

اما بعد:

فاعوذ باللّٰہ من الشیطان الرجیم

بسم اللّٰہ الرحمن الرجیم

﴿یٰۤا اَیُّها الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقَاتِہٖ ولاتَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُسْلِمُونَ. وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِیْعًا وَلاَ تَفَرَّقُوْا﴾

﴿وَاذْكُرُوا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ إِذْ كُنْتُمْ أَعْدَاءً فَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ فَأَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖ إِخْوَانًا﴾

﴿وَكُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِنَ النَّارِ فَأَنْقَذَكُمْ مِنْهَا كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ آيَاتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ﴾

(آلِ عمران، ۱۰۲، ۱۰۳)

تمہیدی کلمات

بزرگانِ محترم اور برادران عزیز!

میں سب سے پہلے برادر عزیز جناب بھجت صاحب کا شکر گزار ہوں کہ انہوں نے یہ موقع فراہم کیا اور آپ حضرات کا ممنون ہوں کہ یہاں میں آپ حضرات سے اپنی معروضات پیش کرسکوں۔ اللہ تعالیٰ آپ حضرات کو اس محبت کی جزائے خیر دے۔ (آمین)۔

جملہ معترضہ کے طور پر یہ بات عرض کر دوں کہ آپ حضرات کو شاید تعجب ہو رہا ہے کہ میں نے احرام کے کپڑے پہنے ہوئے ہیں لیکن ساتھ ساتھ میرے سر پر ٹوپی اور پاؤں میں موزے بھی ہیں۔ بات یہ ہے کہ میں نے ابھی تک اپنا احرام شروع نہیں کیا۔ آپ حضرات کو معلوم ہے کہ احرام ان کپڑوں سے شروع نہیں ہوتا بلکہ جب تلبیہ نیت کے ساتھ پڑھ لیا جائے، اس وقت سے احرام شروع ہوتا ہے تو جب یہاں سے روانگی کا وقت ہوگا، انشاء اللہ، میں احرام اس وقت شروع کرونگا۔

آیات خطبہ کا ترجمہ

محترم بھجت صاحب نے مجھ سے یہ فرمایا تھا کہ اگر چہ یہ اجتماع بہت مختصر ہوگا لیکن اس میں مختلف تنظیموں اور سالک سے تعلق رکھنے والے احباب موجود ہوں گے تو کوئی ایسی بات ہونی چاہئیو ہم سب کے کام کی ہو۔ اسی وجہ سے میں نے قرآن مجید کی ان آیات کا انتخاب کیا جو آپ کے سامنے میں نے پڑھیں۔

> ''اے ایمان والو! اللہ سے ڈرتے رہو جیسا کہ اس سے ڈرنے کا حق ہے۔ اور تمہیں موت نہ آئے مگر اس حالت میں کہ تم مسلمان ہو۔ اور تم مضبوطی سے پکڑے رکھو اللہ کی رسی کو اور آپس میں پھوٹ نہ ڈالو۔ اور یاد کرو اللہ تعالیٰ کی اس نعمت کو کہ جب تم آپس میں

ایک دوسرے کے دشمن تھے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے تمہارے دلوں میں
الفت پیدا کی اور تم ہو گئے اس کے فضل سے بھائی بھائی۔"

یہودی سازشوں کے مقابلے کا طریقہ

" اذ کنتم اعداء فالّف بین قلوبکم" کے اندر اشارہ ہے اوس و خزرج کے اختلافات کی طرف۔ یہ دونوں مدینہ طیبہ کے مشہور قبیلے تھے۔ برسہا برس سے ان کے درمیان قتل و غارت گری کا سلسلہ جاری تھا، اور یہودی جو مدینہ طیبہ کے گرد و نواح میں مقیم تھے، وہ ان دشمنیوں کو ہوا دیتے تھے اور ان اختلافات اور لڑائی جھگڑوں سے ہی ان کی چاندی ہوتی تھی کیونکہ اس سے ان کا اسلحہ فروخت ہوتا تھا جس سے وہ خوب مال کماتے تھے۔

یہودی لڑائیوں کو ہوا دینے کے لئے کیا کیا سازشیں کرتے تھے، وہ ایک طویل داستان ہے اور وہ داستان تقریباً ایسی ہی ہے جیسی آج کل مسلمانوں کو لڑانے کے لئے دہرائی جارہی ہے۔ ان آیات کریمہ کے اندر ان سازشوں کا مقابلہ کرنے کا ایک طریقہ بتلایا گیا ہے۔ اور وہ ہے تقویٰ کا اختیار کرنا، اور آپس میں اتحاد و اتفاق سے رہنا۔

چنانچہ سب سے پہلے یہ حکم دیا گیا کہ "یا ایھا الذین اٰمنو اتقواْ اللّٰہ" تقویٰ اختیار کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اپنے آپ کو ہر قسم کے گناہوں سے بچاؤ چھوٹے گناہوں سے بھی بچاؤ اور بڑے گناہوں سے بھی، کھلے ہوئے گناہوں سے بھی بچاؤ اور چھپے ہوئے گناہوں سے بھی، حقوق اللہ سے متعلق گناہوں سے بھی بچاؤ اور حقوق العباد سے متعلق گناہوں سے بھی۔

قرآن مجید کا ایک خاص اسلوب

قرآن مجید کا ایک اسلوب ہے کہ جب وہ کوئی حکم دیتا ہے اور اس میں بظاہر بندوں کے لئے طریقہ بھی بتلاتا ہے۔ چنانچہ یہاں "تقوی" کا حکم دیا گیا "جو اتنا آسان

کام نہیں، گناہ، زبان، کان، دل، ہاتھ اور پاؤں کو ہر قسم کے گناہوں سے بچانا ایک مشکل کام ہے۔ اس مشکل کو آسان کرنے کا ایک طریقہ تو سورۃ توبہ میں اس طرح ارشاد فرمایا گیا ہے کہ:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ كُوْنُوْا مَعَ الصَّادِقِيْنَ﴾

''الصادقین'' سے مراد وہ لوگ ہیں کہ جو زبان کے بھی سچے ہیں اور دل کے بھی، عقیدے کے بھی سچے ہیں اور عمل کے بھی یعنی اللہ والے۔

گویا یہ بتلا دیا کہ جب اللہ والوں کے ساتھ رہو گے تو تقویٰ حاصل کرنا آسان ہو جائے گا اور ہمارا تجربہ بھی یہی ہے کہ اللہ والوں کے ساتھ رہنے سے گناہوں سے بچنا آسان ہو جاتا ہے مثلاً اگر ہم سفر میں جائیں، دس پندرہ آدمی ہوں اگر سارے کے سارے نمازی ہیں، گناہوں سے بچنے والے ہیں، متقی اور پرہیز گار ہیں تو گناہوں سے بچنا کچھ مشکل نہیں ہوتا بلکہ گناہ کرنا مشکل ہو جاتا ہے اور اگر فاسق فاجر لوگوں کے ساتھ ہمارا سفر ہو رہا ہو کہ جنہیں نہ نماز کی پرواہ ہے، نہ حلال وحرام کی اور نہ پاکی و ناپاکی کی تو وہاں وضو کرنا مشکل، نماز پڑھنا مشکل اور گناہوں سے بچنا بھی مشکل۔

قرآن معیار حق ہے

اور یہاں یہ تقویٰ پر عمل کرنے کا ایک اور آسان راستہ بتایا۔ وہ یہ کہ ''اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو'' یعنی یہ بتلایا کہ اگر قرآن کو مضبوطی سے تھام لو گے تو تقویٰ میں مدد ملے گی۔ اس سے معلوم ہوا کہ قرآن معیار حق ہے اور پھر قرآن نے جس چیز کو معیار حق بنایا ہے، وہ معیار حق ہے۔ قرآن نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو معیار حق بنایا ہے۔ صحابہ کرام کو معیار حق بنایا ہے، اللہ والوں کو معیار حق بنایا ہے۔

گویا پہلی بات یہ ہوگئی کہ قرآن مجید کو اپنا رہبر و رہنما بنایا جائے لیکن قرآن مجید

ہی کو رہبر بنا کر ہم پوری طرح اس سے استفادہ نہیں کر سکتے کیونکہ انسان کا معلم کتاب نہیں ہوتی، بلکہ انسان ہوتا ہے۔ دنیا کا کوئی علم وفن صرف کتاب کے مطالعے سے حاصل نہیں کیا جاسکتا۔ اللہ رب العزت نے ہر کتاب اور صحیفے کے ساتھ ایک نبی بھیجا۔ جسے اس کتاب یا صحیفے کا معلم بنایا گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے قرآن مجید بھیجا گیا اور آپ کو معلم قرآن کا خطاب دیا گیا ''ویعلهم الكتاب والحكمة'' آپ کے فرائض منصبی میں یہ بات شامل کی گئی کہ آپ قرآن مجید کے الفاظ بھی سکھائیں اور معانی بھی سکھائیں۔

کوئی کتاب کسی معلم کے بغیر نہیں آئی، البتہ ایسا ضرور ہوا ہے کہ نبی آیا ہے، کتاب نہیں آئی۔ معلوم ہوا کہ کتاب اللہ کو سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کے لئے معلم کا ہونا ناگزیر ہے۔ وہ معلم تاجدار کونین صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور پھر ان کے شاگرد جنہوں نے ان سے یہ کتاب سیکھی یعنی صحابہ کرام پھر ان کے شاگرد، پھر ان کے شاگرد...... الخ الحمد للہ، یہ سلسلہ آج تک تواتر کے ساتھ چلا آرہا ہے۔

اختلاف حدود کے اندر ہو تو مذموم نہیں

آگے حکم ہے کہ ''تم اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو اور آپس میں پھوٹ نہ ڈالو''۔ یہاں خاص طور پر اس اعتبار سے توجہ کی ضرورت ہے کہ قرآن مجید نے اس جگہ ''ولا تفرّقوا'' کا لفظ استعمال کیا ہے، ''ولا تختلفوا'' کا لفظ استعمال نہیں کیا کیونکہ اختلاف یعنی اختلاف رائے اگر قرآن وسنت کی بنیاد پر ہو، اخلاص اور للہیت کے ساتھ ہو، اپنی بڑائی جتانے اور دوسروں کو ذلیل کرنے کی نیت سے نہ ہو اور ایسے مسائل میں اختلاف ہو جن میں واقعی اختلاف رائے ہوسکتا ہے (جنہیں اصطلاح میں ''مجتهد فيه'' مسائل کہا جاتا ہے) تو وہ اختلاف کوئی مذموم نہیں بلکہ محمود ہے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین کے درمیان بھی یہ اختلاف رائے رہا اور یہ اختلاف بھی

ان معاملات میں ہوا جن کے بارے میں قرآن وحدیث کا کوئی واضح حکم نہیں تھا۔

اختلاف رائے کے نتیجے میں ایک جماعت نے ایک رائے پر عمل کیا اور دوسری نے دوسری رائے پر۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ہوئی تو آپ نے کسی پر نکیر نہیں فرمائی۔ اس کی مثال یہ ہے کہ غزوہ احزاب سے فارغ ہونے کے بعد جبرئیل امین علیہ السلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ آپ نے زرہیں اتار دیں، ہم نے تو ابھی تک نہیں اتاریں۔ آپ کو اسی لمحے بنوقریظہ پر چڑھائی کرنی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فوراً صحابہ کو بنوقریظہ کی طرف جانے کا حکم دیا اور فرمایا:

﴿لا يصلّين أحدُكم إلاّ في بني قريظة﴾

''تم میں سے کوئی آدمی (عصر کی) نماز نہ پڑھے مگر بنی قریظہ میں''۔

صحابہ کرام روانہ ہو گئے لیکن راستہ میں عصر کی نماز کا وقت تنگ ہو گیا۔ اب سوال یہ تھا کہ اگر عصر کی نماز بنوقریظہ پڑھیں تو نماز قضا ہو جائیگی یا اس کا وقت مکروہ ہو جائیگا اور اگر یہاں پڑھیں تو بظاہر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی ہو گی۔ اب صحابہ کرام کی دو آراء ہو گئیں۔ کچھ صحابہ کرام کا کہنا یہ تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصود یہ تھا کہ ہمیں جلدی بنوقریظہ پہنچنا چاہئے یہاں تک کہ عصر وہیں پڑھیں گویا نماز کو قضا کرنا مقصود نہیں، بلکہ جلدی پہنچنا مقصود ہے لیکن چونکہ اب عصر کے وقت کے اندر اندر وہاں پہنچنا مشکل ہے، اس لئے ہمیں نماز یہیں پڑھ لینی چاہئے۔

دوسرے صحابہ کرام کی رائے تھی کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم یہ تھا کہ عصر بنوقریظہ میں پڑھنی ہے تو قضا ہو یا ادا، ہر حال میں نماز وہیں پڑھنی چاہئے۔ چنانچہ کچھ صحابہ کرام نے راستے میں نماز پڑھ لی اور کچھ نے وہاں پہنچ کر نماز ادا کی۔ بعد میں یہ واقعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بیان کیا گیا تو آپ نے کسی فریق پر نکیر نہیں فرمائی۔

اسی سے یہ بات معلوم ہوئی کہ اگر قرآن وسنت کے کسی ارشاد میں دو معنوں کا

احتمال ہو اور ان میں سے کسی احتمال کو اہل علم اجتہاد کر کے اختیار کر لیں اور بعض دوسرے اہل علم دوسرے علم کو اختیار کر لیں تو ان میں سے کوئی جہت منکر نہیں ہوتی۔ اور اس پر کوئی نکیر بھی جائز نہیں۔ اختلاف فقہاء کی حقیقت بھی یہی ہے۔

بلا شبہ اسلام ایک ہے لیکن......

آج اختلاف فقہاء کو بہت اچھالا جاتا ہے کہ اسلام تو ایک ہے پھر یہ حنفی، مالکی، شافعی اور حنبلی ہونے کا کیا مطلب؟ بلا شبہ اسلام ایک ہے، اللہ ایک ہے، قرآن ایک ہے، قبلہ ایک ہے، نبی ایک ہے، لیکن اسی ایک دین کے اندر اللہ تعالیٰ نے یہ لچک رکھی ہے کہ کچھ احکامات کے اندر مختلف امکانات اور احتمالات رکھے تاکہ ہر زمانے کے فقہاء اور مجتھدین قرآن وسنت کے دلائل پر غور کر کے مسائل کا استنباط کر سکیں اور ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں مجتھدین کی آراء کے درمیان اختلاف ہونا ایک ظاہری بات ہے لیکن یہ اختلاف کرنے کا حق انہی کو ہے جن کے اندر اجتہاد کی صلاحیت موجود ہے، قرآن وسنت کے ماہر ہوں، ایک مضمون سے متعلق تمام احادیث ان کے علم میں ہوں۔

اختلاف رحمت کیسے بنتا ہے؟

ایسے لوگ جب کسی مسئلے میں اختلاف رائے کرتے ہیں تو یہ اختلاف رائے امت کے لئے رحمت بن جاتا ہے۔ اس کی مثال یوں سمجھئے کہ ایک مسئلے سے متعلق دو مختلف اقوال ہیں۔ اور دونوں اقوال دلائل پر مبنی ہیں لیکن قطعی دلائل کسی فقیہہ کے پاس بھی نہیں۔ اب کوئی شخص مجبور کن حالات کا شکار ہو گیا تو اس زمانے کے مفتی کے لئے یہ گنجائش ہوتی ہے کہ وہ دوسرے مذہب کے قول پر فتوی دے دے۔ اس کے برعکس کسی دوسرے ملک میں اس کے برعکس قول پر فتویٰ دینے کی شدید ضرورت پیش آئی تو وہاں کے مفتی کے لئے اس کی گنجائش ہے کہ وہ اپنے مذہب کو چھوڑ کر اس مخالف قول پر فتویٰ دے دے۔ گویا ایک ملک میں ایک قول پر فتویٰ دیا گیا اور دوسرے ملک میں اس کے

برعکس قول کو اختیار کیا گیا، اس طرح شریعت کے اندر لچک پیدا ہوئی اور امت کے لئے رحمت بنی۔ اسی کو فرمایا گیا کہ:

﴿إختلاف أمتي رحمةٌ﴾

(كشف الخفاء ج ١ ص ٦٦، رقم الحديث: ١٥٣)

اختلاف کے باوجود تعظیم وتکریم

لیکن یہ اختلاف ہے "تفرق" نہیں ہے۔ صحابہ کرامؓ کے درمیان بھی اختلاف ہوا ہے "تفرق" نہیں ہوا۔ فقہاء کرام کے درمیان بھی اختلاف ہوا ہے "تفرق" نہیں ہوا۔ چنانچہ باہمی اختلاف کے باوجود ائمہ مجتہدین ایک دوسرے کی تعظیم وتکریم کرتے تھے اور آج بھی ان مسالک کے پیروکار ایک دوسرے سے بڑی تعظیم وتکریم سے ملتے ہیں۔ میں ابھی اردن سے آر ہا ہوں، میرے سارے میزبان شافعی تھے، شام گیا تو وہاں کچھ شافعی، کچھ حنبلی اور کچھ حنفی تھے لیکن ہماری ان سب کے ساتھ دوستیاں تھیں۔ بعض دفعہ سفر میں ایسا ہوتا کہ ظہر کے وقت ہمارے بعض ساتھی کہتے ہیں کہ ہم تو عصر کی نماز بھی ابھی پڑھ رہے ہیں (کیونکہ ان کے مسلک میں اس کی گنجائش ہے کہ حالت سفر میں عصر کو ظہر کے وقت پڑھا جائے) ہم کہتے ہیں کہ ٹھیک ہے تم پڑھنا چاہو تو پڑھ لو۔ ہم اپنے وقت پر عصر پڑھتے تھے لیکن محبتیں اور تعظیم وتکریم برقرار رہی۔

اب دیکھئے! امام شافعیؒ اور بعض دیگر فقہا کا مذہب یہ ہے کہ جب جماعت ہو رہی ہو تو مقتدی کے لئے بھی سورہ فاتحہ پڑھنا ضروری ہے جبکہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک مقتدی کے لئے ایسی صورت میں صورۃ فاتحہ پڑھنا جائز ہی نہیں۔ یہ بہت بڑا اختلاف ہے۔ نماز کے متعلق جتنے اور اختلاف ہیں وہ افضل غیر افضل کے ہیں لیکن یہ اختلاف وجوب اور عدم جواز کا ہے اور دلائل دونوں کے پاس قوی درجے کے ہیں۔ یہ دلائل قرآن کریم، احادیث صحیحہ سے ہیں۔

امام شافعی شاگرد ہیں امام محمد کے اور امام محمد شاگرد ہیں امام ابوحنیفہ کے۔ امام شافعی امام ابوحنیفہ کے مزار پر حاضر ہوئے۔ وہیں نماز کا وقت ہوگیا۔ امام شافعیؒ کی عام عادت یہ تھی کہ وہ امامت کے لئے آگے نہیں بڑھتے تھے لیکن یہاں جب جماعت کا وقت ہوا تو خود ہی امامت کے لئے آگے بڑھ گئے۔ نماز پڑھائی اور اس میں رفع یدین نہیں کیا۔ (رفع یدین کا اختلاف افضل اور غیر افضل کا ہے، امام شافعیؒ کے نزدیک رفع یدین کرنا افضل ہے جبکہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک نہ کرنا افضل ہے)

جب نماز سے فارغ ہوئے تو کسی شاگرد نے پوچھا کہ یہ کیا بات ہے؟ آپ کی عادت تو امامت کرانے کی نہ تھی یہاں آپ خود ہی آگے بڑھ گئے اور پھر رفع یدین بھی نہیں کیا۔ فرمایا کہ رفع یدین تو اس لئے نہیں کیا کہ یہ میرے نزدیک افضل ہی تو ہے، واجب تو نہیں۔ مجھے یہاں نماز پڑھتے ہوئے شرم آئی کہ میں امام ابوحنیفہؒ کی رائے کے خلاف عمل کروں اور امامت کے لئے اس لئے آگے بڑھا کہ اگر میں کسی کے پیچھے نماز پڑھتا تو مجھے سورۃ فاتحہ پڑھنا پڑتی کیونکہ میرے مسلک کے مطابق اس کے بغیر نماز نہیں ہوتی مگر یہاں ہوتے ہوئے امام صاحب کے مسلک کے خلاف عمل کرتے ہوئے شرم آئی لہٰذا میں امام بن گیا کیونکہ امام کو دونوں مذاہب کے مطابق سورۃ فاتحہ پڑھنا ضروری ہے۔

یہ تھا ان لوگوں کا آپس میں اکرام اور تعظیم۔ جو لوگ ان اختلافات کو طعنہ زنی کا ذریعہ بناتے ہیں وہ پرلے درجے کی بددیانتی سے کام لیتے ہیں یا پرلے درجے کی ناواقفیت کی بنیاد پر کہتے ہیں۔ جو حضرات ان اختلافات کی حقیقت کو جانتے ہیں، انہیں معلوم ہے کہ یہ اختلاف محض اللہ کے لئے تھا، اس میں نفسانیت کا کوئی دخل نہیں تھا بلکہ جو اختلافات فقہاء کرام کے درمیان بعد میں ہوئے یہ صحابہ کرامؓ کے درمیان بھی موجود تھے۔ چنانچہ بعض صحابہ کرامؓ "قرأت فاتحہ خلف الامام" کرتے تھے، بعض نہیں کرتے تھے، بعض رفع یدین کرتے تھے، بعض نہیں کرتے تھے، بعض آمین بلند آواز سے کہتے تھے،

بعض نہیں کہتے تھے۔ ''نماز قصر'' کے بارے میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا مسلک حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے مختلف تھا۔ یہ سب باتیں تھیں لیکن اس کے باوجود قرآن مجید ان کے بارے میں فرماتا ہے کہ:

﴿اَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ﴾ (الفتح، ۲۹)

(صحابہ کرامؓ) کافروں کے مقابلے میں سخت اور آپس میں نرم دل ہیں۔

قرآن مجید نے یہ تمغۂ امتیاز تمام صحابہ کرامؓ کو دیا ہے کہ وہ آپس میں رحیم و کریم ہیں۔ معلوم ہوا کہ ان کا یہ اختلاف خالص للّٰہیت پر مبنی تھا۔

جنگ جمل وصفین سے متعلق اشکال و جواب:

یہاں ہر کوئی سوال کرسکتا ہے کہ جنگ جمل اور جنگ صفین کے جو واقعات پیش آئے، وہاں ایک دوسرے کے خلاف محاذ آرائی ہوئی ہے، یہ کیا تھا؟ یہ تفرق تھا یا اختلاف تھا؟ جائز تھا یا ناجائز تھا؟ نفسانیت پر مبنی تھا یا للّٰہیت کی بنیاد پر تھا؟

اس کا اصولی جواب تو اسی آیت میں آ گیا جو ابھی بیان ہوئی جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حضرات ''رحماء بینھم'' تھے۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ ان کی کوئی جنگ نفسانیت کے لئے نہ تھی۔ چنانچہ اس کے بہت سے دلائل بھی ہیں جنہیں تاریخ نے محفوظ کر رکھا ہے۔

(۱) حضرت علیؓ سے جنگ صفین کے موقع پر پوچھا گیا کہ کل کی جنگ میں اگر ہم اپنے مخالف لشکر کے صحابہ کو قتل کریں گے تو ان کا کیا حکم ہوگا فرمایا کہ وہ شہید ہوں گے۔ پوچھا گیا کہ ہمارے لشکر کے آدمیوں کو قتل کیا گیا تو ان کا کیا حکم ہوگا؟ فرمایا کہ وہ بھی شہید ہوں گے۔ یہی سوال حضرت معاویہؓ سے بھی کیا گیا۔ انہوں نے بھی وہی جواب دیا جو حضرت علیؓ نے دیا۔[۱] کیونکہ دونوں فریق اللہ کے لیے لڑ رہے تھے حکومت کے لیے نہیں۔

---

۱ مقدمہ ابن خلدون ص ۳۸۵ فصل ۳۰

(۲) دوسری دلیل جو تاریخ نے محفوظ رکھی۔ عربی کی معروف لغت ہے ''قاموس'' اس کی شرح ہے ''تاج العروس'' جو علامہ زبیدیؒ نے لکھی۔ اس شرح میں ''اصطفلین'' کے لفظ کے تحت انہوں نے ایک واقعہ نقل کیا ہے[۱]۔ اصطفلین ''اصطفلینہ'' کی جمع ہے۔ بمعنیٰ گاجر، علامہ زبیدیؒ اس کلمے کے تحت نقل کرتے ہیں کہ جب حضرت علیؓ وحضرت معاویہؓ کے درمیان مقابلہ ہونے والا تھا تو ایک عیسائی حکمران کی طرف سے حضرت معاویہؓ کے پاس خط آیا اور اس میں انہیں ہر قسم کی مدد کرنے کی پیشکش کی۔ (اس بادشاہ نے اس موقع پر بہترین انداز میں فائدہ اٹھانے کی کوشش کی اور واقعہ یہ ہے کہ اگر آج کا کوئی حکمران ہوتا تو کہتا اہلاً سہلاً و مرحباً، لیکن معاویہ تو معاویہ تھے، تاج دار کونین سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی تھے) انہوں نے جواب میں لکھا کہ او عیسائی! تو نے یہ سمجھا ہوگا کہ میں علی کا دشمن ہوں یا علی میرا دشمن ہے۔ یاد رکھ! وہ میرا بھائی ہے اور میں اس کا بھائی ہوں اور یہ جنگ ہم دو بھائیوں کی جنگ ہے۔ اگر تو نے اس میں مداخلت کرنے کی کوشش کی تو علیؓ کے لشکر کا سب سے پہلا سپاہی بن کر جو نکلے گا اور گاجر کی طرح تیرا سر تن سے جدا کرے گا، وہ معاویہ ہوگا۔

یہ شان تھی صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی۔ سچی بات یہ ہے کہ ہم صحابہ کرام کو آج کل کے سیاستدانوں پر قیاس کرتے ہیں۔ زمین و آسمان کا فرق ہے۔ ہم کہاں اور صحابہ کرام کہاں۔ قرآن مجید اور احادیث ان کے فضائل سے بھری پڑی ہیں۔

ایک اہم اصول:

ایک بڑا اصول یاد رکھنے کا ہے جو ہمارے والد ماجدؒ نے اپنی کتاب ''مقام صحابہ'' میں تحریر فرمایا۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ جب آپ تاریخی کتاب اٹھائیں گے تو آپ

---

[۱] تاج العروس ج ۷ ص ۲۰۸ نیز ملاحظہ فرمایئے ''الغریب للخطابی ج ۲ ص ۵۳۵، الفائق ج ۱ ص ۱۴۶، لسان العرب ج ۱ ص ۱۱۶ و ص ۱۵۴۔

کو اس میں طرح طرح کی چیزیں ملیں گی۔ حیرت ہوگی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی حضرت معاویہؓ بھلا ایسا کر سکتے ہیں! کہیں حضرت عمرو بن العاصؓ کے بارے میں بھی باتیں ملیں گی۔ کہیں کسی اور کے بارے میں ملیں گی لیکن واقعہ یہ ہے کہ تاریخی روایات کی سند اس قدر مضبوط نہیں ہوتی جس قدر احادیث کی مضبوط ہوتی ہے اور نہ مورخین ان کڑی شرائط کی پابندی کرتے ہیں، جن کی پابندی محدثین کرتے ہیں۔ تاریخ کے اندر کمزور بلکہ جھوٹے راویوں کی روایات بھی آجاتی ہیں جبکہ احادیث کے اندر کاوشیں کر کر کے دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی کیا گیا ہے۔ اور صحابہ کرام کے فضائل، ان کی بزرگی، ان کے تقدس اور ان کی عدالت کو قرآن اور احادیث متواترہ میں بیان کیا گیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرام کے تقدس کا مسئلہ عقیدے کا مسئلہ ہے۔ اور عقیدے یا تو قرآن کریم سے ثابت ہوتے ہیں یا احادیث متواترہ سے ثابت ہوتے ہیں۔ تاریخی روایات سے تو کیا ثابت ہوتے، حدیث کی قسم خبر واحد سے بھی ثابت نہیں ہوتے۔ لہٰذا صحابہ کرام کی عدالت کو مجروح کرنے والی جتنی روایات تاریخ میں ہوں گی، وہ سب ردی کے ٹوکرے میں پھینکنے کے قابل ہیں۔

ایک عجیب بات:

میرے والد ماجدؒ ایک عجیب بات فرماتے تھے وہ یہ کہ جہاں بھی کوئی قطعی بات نہیں ہوگی بلکہ مختلف طرح کے احتمالات ہوں گے اور بہت سے آدمی اس پر غور و خوض کر رہے ہوں گے تو وہاں اختلاف رائے کا ہونا ناگزیر ہے۔ اختلاف رائے نہ ہونے کی صرف دو ہی صورتیں ہو سکتی ہیں۔ یا تو سب کے سب بے وقوف ہوں کہ جیسا ایک نے کہا سب نے ہاں میں ہاں ملا دی یا سب کے سب منافق کہ رائے تو کچھ اور ہے لیکن ہاں میں ہاں ملانے کے لئے اپنے دل کی رائے پوشیدہ رکھی۔ لیکن اگر منافق بھی نہیں ہوں گے اور بے وقوف بھی نہیں ہوں گے بلکہ سمجھدار اور دیانتدار ہوں گے تو پھر اختلاف رائے

ضرور ہوگا۔ چنانچہ قرآن وسنت کی تشریح میں صحابہ کرام کا بھی اختلاف ہوا اور ائمہ مجتہدین کا بھی اختلاف ہوا لیکن یہ اختلاف ہے "تفرق" نہیں ہے۔ اختلاف جائز ہے۔

تین چیزیں:

تفرق پر گفتگو کرنے سے پہلے یہ ذہن میں رکھیں کہ اختلاف کے متعلق جو بات ہوئی ہے، اس کا حاصل اور لب لباب تین چیزیں ہیں۔

ایک یہ کہ جو اختلاف قرآن وسنت کی بنیاد پر اخلاص وللھیت کے ساتھ ہو اور اختلاف کرنے والوں میں وہ اہلیت بھی موجود ہو جو اس کے لئے ضروری ہے تو یہ اختلاف ممنوع نہیں بلکہ امت کے لئے رحمت ہے۔

دوسرے یہ کہ ایسے مسائل جن میں اجتہاد کی گنجائش ہوتی ہے۔ یعنی ایک سے زیادہ آراء کا احتمال ہوتا ہے اس میں جو فریق بھی جو جہت اختیار کرے وہ منکر نہیں ہوتی۔ جب وہ منکر نہیں تو کسی کے لئے یہ جائز نہیں کہ دوسرے کو اس کی بنیاد پر ٹوکے مثلاً ایک شخص رفع یدین کر رہا ہے، دوسرا نہیں کر رہا، کرنے والے کے لئے جائز نہیں کہ وہ نہ کرنے والے کو ٹوکے اور نہ کرنے والے کے لئے بھی جائز نہیں کہ کرنے والے کو ٹوکے۔ کیونکہ کوئی جہت بھی منکر نہیں، اور "غیر منکر پر نکیر کرنا خود منکر ہے۔"

تیسری بات یہ ہے کہ ہم جو مثلاً یہ کہتے ہیں کہ ہم حنفی ہیں اور فلاں شافعی یا مالکی یا حنبلی ہیں تو اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہوتا کہ امام ابوحنیفہؒ کا یہ قول یقیناً، یقیناً صحیح ہے اور امام شافعیؒ کا قول یا کسی اور امام مثلاً امام احمد بن حنبلؒ یا امام مالکؒ کا قول جو اس کے مقابلے میں ہے، وہ یقیناً غلط ہے۔ بلکہ اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ ہمارا قول "مظنون الصواب اور محتمل الخطاء" ہے جبکہ دوسرے کا قول "مظنون الخطاء اور محتمل الصواب" ہے۔ یعنی ہمارا ظن غالب یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ کا قول صحیح ہے، اگرچہ احتمال اس کے غلط ہونے کا بھی ہے اور دیگر ائمہ کے بارے میں ہمارا نظریہ یہ ہے کہ ہمارا ظن غالب یہ ہے کہ وہ

خطا ہے لیکن احتمال یہ بھی ہے کہ وہ صحیح ہو۔

تفرق کے جواز کی کوئی صورت نہیں:

دوسری چیز ہے ''تفرق'' یعنی مسلمانوں میں پھوٹ ڈالنا۔ یہ اتنا بڑا گناہ ہے کہ شریعت نے کسی بھی حالت میں اس کی اجازت نہیں دی۔ خنزیر کا گوشت جتنا بڑا حرام ہے، مسلمانوں میں پھوٹ ڈالنا اس سے بڑا حرام ہے۔ خالص انگور کی شراب پینا جتنا بڑا گناہ ہے، مسلمانوں میں پھوٹ ڈالنا اس سے بڑا گناہ ہے۔ آپ دیکھیں گے کہ بعض انتہائی مجبور کن حالات میں شریعت نے ایک حد تک خنزیر کا گوشت کھانے اور شراب پینے کی اجازت دے دی (مثلاً ایک شخص کی بھوک یا پیاس کی وجہ سے جان جا رہی ہے اور کوئی حلال چیز میسر نہیں تو اتنا خنزیر کا گوشت کھا لینا یا اتنی شراب پی لینا کہ جس سے جان بچ جائے، اس کی اجازت دے دی) لیکن مسلمانوں میں پھوٹ ڈالنے کی اجازت کسی حالت میں نہیں دی۔ جتنا ہم نے قرآن وسنت میں غور کیا اور جتنا ہمارے بزرگوں نے ہمیں سکھایا، ہمیں یہی نظر آیا کہ ''تفرق'' کے جواز کی کوئی صورت نہیں۔

نہی عن المنکر کب ضروری ہے؟

آج کے دور کی سب سے بڑی مصیبت یہ ہے کہ باہمی اختلاف رائے کو باہمی جنگ وجدل اور پھوٹ ڈالنے کا ذریعہ بنا لیا گیا۔ شیطان کا ایک بڑا کمال یہ ہے کہ وہ عالم کے پاس عالم کے روپ میں آتا ہے، صوفی کے پاس صوفی بن کر آتا ہے اور فقیہہ کے پاس فقیہہ بن کر آتا ہے اور اسے یہ سمجھاتا ہے کہ دیکھو فلاں شخص نے یہ کام غلط کیا ہے اور کلمہ حق کہنا فرض عین ہے اور حدیث میں آیا ہے کہ:

﴿مَنْ رَاٰی مِنْكُمْ مُنْكَرًا فَلْيُغَيِّرْهُ بِيَدِهٖ فَاِنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِهٖ وَاِنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِهٖ وَذٰلِكَ اَضْعَفُ الْاِيْمَانِ.﴾ (مسلم، کتاب الایمان)

''جو تم میں سے کوئی برائی ہوتی دیکھے تو چاہیے کہ اسے ہاتھ سے روکے، اگر اس کی طاقت نہ رکھتا ہو تو زبان سے روکے اور اگر اس کی بھی طاقت نہ ہو تو دل سے برا سمجھے اور یہ ایمان کا کمزور ترین درجہ ہے۔''

لیکن یہ بات فراموش کرا دیتا ہے کہ وہ جس کو روکنے جا رہا ہے وہ منکر ہے ہی نہیں کیونکہ اس کا تعلق مجتہد فیہ مسائل سے ہے۔ اور اگر منکر بھی ہو لیکن اس پر نکیر کرنے کی وجہ سے کوئی بڑا فتنہ پیدا ہو جانے کا اندیشہ ہو تو ایسی صورت میں ''نہی عن المنکر'' بھی جائز نہیں ہوتا، بلکہ سکوت واجب ہو جاتا ہے۔ حدیث میں جو آیا ہے کہ

﴿مَنْ رَاٰی منکم منکرا فلیغیرہ بیدہ فان لم یستطع......الخ﴾

یہاں پر استطاعت سے صرف حسی استطاعت اور قدرت مراد نہیں بلکہ قدرت میں یہ بات بھی داخل ہے کہ اگر اس منکر کے ازالے سے کوئی دوسرا منکر پیدا ہونے کا اندیشہ ہے یا مسلمانوں میں پھوٹ پڑنے کا اندیشہ ہے تو یوں سمجھا جائے گا کہ قدرت حاصل نہیں اور سکوت کرنا واجب ہو جائے گا۔

حضرت ابوسعید خدریؓ کا واقعہ:

اس کی مثال: صحیح مسلم میں حضرت ابوسعید خدریؓ کا یہ واقعہ ہے کہ ان کے دور میں مروان بن حکم مدینے کا گورنر تھا۔ اس نے یہ طریقہ اختیار کر لیا تھا کہ عید کی نماز میں خطبہ نماز سے پہلے دینا شروع کر دیا۔ ایک مرتبہ حضرت ابوسعید خدریؓ اور وہ اکٹھے عید گاہ کی طرف آئے۔ حضرت ابوسعید خدریؓ نے اسے مصلی کی طرف بڑھایا لیکن وہ منبر پر چڑھ گیا۔ جب وہ خطبہ دینے لگا تو ایک شخص کھڑا ہو گیا۔ اس نے کوئی سخت کلامی نہیں کی۔ صرف ایک جملہ بولا کہ

﴿الصلوٰۃ قبل الخطبہ﴾

''نماز خطبے سے پہلے (ادا کرنا ضروری) ہے۔''

لیکن مروان نے کہا کہ وہ طریقہ متروک ہو چکا ہے۔ حضرت ابو سعید خدریؓ کھڑے ہو گئے اور فرمایا:

﴿اما ھذا فقد قضی ماعلیہ ''مسلم کتاب الایمان﴾

(یہ شخص جس نے یہ مسئلہ بتلایا) اس نے وہ فریضہ ادا کر دیا جو اس کے ذمے تھا۔

اب یہاں غور کرنے کی بات یہ ہے کہ یہاں حضرت ابو سعید خدریؓ اور اس شخص کو یہ حسی قدرت حاصل تھی کہ مروان کو پکڑ کر منبر سے نیچے اتار دیتے لیکن شرعی قدرت نہیں تھی کیونکہ اگر ایسا کرتے تو لڑائی جھگڑا پیدا ہو جاتا۔ کچھ لوگ حضرت ابو سعید خدریؓ کا ساتھ دیتے اور کچھ مروان بن حکم کا ساتھ دیتے۔ جس کے نتیجے میں مسلمانوں کے اندر پھوٹ پڑتی، تو حضرت ابو سعید خدریؓ کے اس قول سے معلوم ہوا کہ یہاں صرف زبان سے سمجھا دینا کافی تھا، ہاتھ استعمال کرنے کی اجازت نہیں۔ معلوم ہوا کہ منکر کا ازالہ بھی اس شرط کے ساتھ مشروط ہے کہ اس سے مسلمانوں میں پھوٹ نہ پڑے۔

عید کی نماز میں سجدۂ سہو کیوں معاف ہے؟

اس کی ایک اور مثال یہ ہے کہ شریعت کا حکم یہ ہے کہ اگر نماز میں واجب چھوٹ جائے تو سجدۂ سہو واجب ہو جاتا ہے لیکن فقہاء نے لکھا ہے کہ اگر عید کی نماز میں واجب چھوٹ جائے تو سجدۂ سہو نہ کیا جائے۔ وجہ یہ بتاتے ہیں کہ عید کی نماز میں مجمع بہت زیادہ ہوتا ہے اور اس کا طریقہ عام نمازوں سے کچھ مختلف بھی ہے اس میں اگر سجدۂ سہو کیا جائے گا تو بہت سے وہ لوگ جو پوری طرح مسائل سے واقف نہیں ہوتے وہ الجھن کا شکار ہو جائیں گے۔ کوئی سجدہ کرے گا، کوئی سلام پھیرے گا، کوئی کھڑا ہو جائے گا۔ پھر آپس میں

جھگڑا ہوگا۔ کچھ لوگ امام کے سر پر جائیں گے کہ تم نے ہماری نماز خراب کر دی تو شریعت نے امت کو جھگڑے سے بچانے کے لئے یہ حکم دے دیا کہ یہاں سجدۂ سہو ہی نہ کرو۔

حطیم کو بیت اللہ میں کیوں شامل نہیں کیا گیا؟

اس کی ایک اور بہت واضح مثال یہ ہے کہ بیت اللہ شریف جو پوری امت مسلمہ کا قیامت تک کے لئے قبلہ ہے۔ آپ کو معلوم ہے کہ اس کے گرد کچھ حصہ "حطیم" کہلاتا ہے۔ یہ دراصل بیت اللہ کا حصہ تھا لیکن جب قریش نے اس کی تعمیر کی تو ان کے پاس پیسوں کی کمی تھی، اس لئے انہوں نے کچھ حصہ چھوڑ دیا۔ جبکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بنیادیں حطیم کے حصے تک ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ حضرت عائشہ صدیقہؓ سے فرمایا کہ اگر تیری قوم (یعنی مسلمان) حدیث العہد بالاسلام نہ ہوتی (یعنی اگر یہ تازہ تازہ مسلمان ہوئے نہ ہوتے) تو میں اس بیت اللہ کو حضرت ابراہیمؑ کی بنیادوں کے مطابق تعمیر کرتا۔ (لیکن چونکہ لوگ نئے نئے مسلمان ہوئے ہیں، اس لئے خطرہ ہے کہ اگر میں اسے منہدم کر کے حطیم والا حصہ شامل کروں گا تو نئے مسلمانوں میں کچھ لوگ بے چینی کا شکار ہوں گے جس سے مسلمانوں میں پھوٹ پڑنے کا اندیشہ ہے) (بخاری، باب من ترک بعض الاختیار، مخافتہ ان یقصر فھم بعض الناس الخ، رقم الحدیث:۱۲۶، مسلم، رقم الحدیث:۲۳۴۳)

دیکھئے! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو پھوٹ سے بچانے کے لئے بیت اللہ کو، جو قیامت تک کے لئے مسلمانوں کا قبلہ بننا تھا، نامکمل چھوڑ دیا اور آج تک نامکمل چلا آرہا ہے حالانکہ یہ کھربوں انسانوں کا قبلہ ہے اور اس کا رتبہ مسجد سے کہیں زیادہ ہے لیکن مسلمانوں کو پھوٹ سے بچانے کے لئے اسے مکمل کئے بغیر چھوڑ دیا گیا۔

مسلمانوں کی تباہی کے دو اسباب:

حضرت شیخ الہند رحمتہ اللہ علیہ جب مالٹا جیل کی صعوبتیں اور مشقتیں برداشت

کر کے رہا ہو کر واپس دیوبند تشریف لائے تو وہاں مجالس ہوا کرتی تھیں۔ حضرت اپنے حالات سنایا کرتے۔ ایک مجلس میں، جس میں صرف علماء ہی علماء تھے حضرت نے فرمایا کہ ہم نے اس پورے مالٹا کے قیام کے دوران دو سبق سیکھے۔ مجلس میں بڑے بڑے مشاہیر علماء موجود تھے وہ سب چونک کر متوجہ ہوئے کہ اپنے وقت کا امام جو دو باتیں سیکھ کر آیا ہے، وہ کتنی اہم ہوں گی، فرمایا کہ ہم کو دو چیزوں نے تباہ کیا ہے۔ ایک قرآن سے دوری نے اور دوسرے مسلمانوں کے باہمی افتراق نے۔ میں یہ سبق لے کر آیا ہوں کہ زندگی کے جتنے لمحات باقی ہیں وہ قرآن مجید کی خدمت میں اور مسلمانوں کے افتراق کو ختم کرنے میں گزارنے ہیں۔" ہر برائی کو ایک وقت تک اور ایک حد تک برداشت کیا جاسکتا ہے لیکن مسلمانوں کے افتراق وانتشار کو کسی حالت میں برداشت نہیں کیا جاسکتا۔

دو متکبروں میں کبھی اتحاد نہیں ہوسکتا:

ہمارے والد ماجد رحمتہ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ دو متکبروں میں کبھی اتحاد نہیں ہوسکتا۔ اتحاد کے لئے ضروری ہے کہ ایک آدمی اپنی مونچھیں نیچی کرنے کے لئے تیار ہو۔ اگر دونوں اپنی مونچھیں اونچی رکھیں گے تو کبھی اتحاد نہ ہوگا۔ اور کبر کا ہونا تقویٰ کے منافی ہے۔

اپنا مسلک چھوڑو نہیں، دوسروں کا مسلک چھیڑو نہیں:

کرنا کیا چاہئے؟ اس سلسلے میں حکیم الامت حضرت تھانویؒ کا ملفوظ جو بہت مختصر ہے، یاد رکھنے کے قابل ہے، وہ یہ کہ "اپنا مسلک چھوڑو نہیں، دوسروں کا مسلک چھیڑو نہیں۔" جو جس مسلک کا پیرو کار ہے وہ اپنے اپنے مسلک پر عمل کرے۔ لیکن دوسروں کو نہ چھیڑے۔ یہ وہی بات ہے کہ مجتہد فیہ مسائل میں کوئی جہت منکر نہیں ہوتی اور جب منکر نہیں تو اس پر نکیر کرنا جائز نہیں (یعنی اسے چھیڑنا جائز نہیں)

خلاصہ:

پس میری گزارشات کا خلاصہ یہ نکلا کہ اختلاف جائز ہے اور اختلاف کرنے والوں کی آراء کا احترام بھی لازم ہے لیکن افتراق کسی حال میں جائز نہیں۔ ہم اسی افتراق کی وجہ سے تباہ ہو رہے ہیں۔ علامہ اقبالؒ کے کچھ اشعار اس معاملے کی بڑی اچھی ترجمانی کرتے ہیں۔ انہوں نے کہا ہے کہ:

منفعت ایک ہے اس قوم کی نقصان بھی ایک
ایک ہی سب کا نبی، دین بھی ایمان بھی ایک
حرم پاک بھی، اللہ بھی، قرآن بھی ایک
کیا بڑی بات تھی ہوتے جو مسلمان بھی ایک
فرقہ بندی ہے کہیں اور کہیں ذاتیں ہیں
کیا زمانے میں پنپنے کی یہی باتیں ہیں

آج کفر ہمیں مٹانے پر تلا ہوا ہے اور ہم آپس میں جھگڑے کر رہے ہیں۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ ہر ایک اپنے اپنے مسلک پر عمل کرے اور بھائیوں کی طرح مل کر رہے اور مل کر کفر کا مقابلہ کریں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

تین اہم شعبے تعلیم، تبلیغ جہاد

خطاب: حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب مدظلہم
مقام: تبلیغی مرکز ڈیوزبری، انگلینڈ
تاریخ: ۲۶ دسمبر ۱۹۹۶ء
ترتیب وعنوانات: اعجاز احمد صمدانی

﴿تین اہم شعبے تعلیم، تبلیغ، جہاد﴾

خطبہ مسنونہ:

﴿الحمد للّٰہ نحمدہٗ و نستعینہٗ و نستغفرہٗ و نومن بہٖ و نتوکّل علیہ و نعوذ باللّٰہِ من شرورِ انفسنا ومن سیئاتِ اعمالنا . من یھدہِ اللّٰہ فلا مضل لہٗ و من یضللہٗ فلا ھادی لہٗ و نشھدأن لا الٰہ اِلاّ اللّٰہ وحدہٗ لاشریک لہٗ ونشھد ان سیدنا و سندنا و مولانا محمدًا عبدہٗ و رسولہٗ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہٖ و صحبہ اجمعین.﴾

اما بعد:

فاعوذ باللّٰہِ من الشیطان الرجیم

بسمِ اللّٰہِ الرحمٰن الرحیمِO

﴿لَقَدْ مَنَّ اللّٰہُ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ إِذْبَعَثَ فِیْھِمْ رَسُولاً مِنْھُمْ یَتْلُوا عَلَیْھِم اٰیَاتِہٖ وَیُزَکِّیْھِمْ وَیُعَلِّمُھُم الکِتٰبَ

وَالْحِکْمَةَ وَإِنْ کَانُوا مِنْ قَبْلُ لَفِیْ ضَلاَلٍ مُبِیْنٍ﴾ (آلِ عمران، ۱٦۴)

وَقَال تَعالٰی:

﴿وَأَنْزَلْنَا إِلَیْکَ الذِّکْرَ لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ مَانُزِّلَ إِلَیْهِم وَلَعَلَّهُمْ یَتَفَکَّرُوْنَ.﴾ (النحل، ۴۵)

وقال تعالی:

﴿وَلْتَکُنْ مِنْکُم أُمَّةٌ یَدْعُوْنَ إِلَی الْخَیْرِ وَیَأمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَیَنْهُوْنَ عَنِ الْمُنْکَرِ وَاُولٰئِکَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ٥﴾ (آلِ عمران، ۱۰۴)

وقال تعالیٰ:

یَا اَیُّهَا الرُّسُلَ بَلِّغ مَااُنْزِلَ إِلَیْکَ مِنْ رَبِّکَ ٥ وَإِنْ لَمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ ٥ وَاللّٰهُ یَعْصِمُکَ مِنَ النَّاسِ.﴾ (المائدہ، ٦۷)

وقال تعالیٰ:

﴿إِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ أَنْفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ بِأَنَّ لَهُمُ الجنّة. یُقَاتِلُوْنَ فِی سَبِیلِ اللّٰهِ فَیَقْتُلُون وَیُقْتَلُوْن٥﴾ (التوبۃ، ۱۱۱)

کفرستان آج دین کی سربلندی کا سنگِ میل

بزرگانِ محترم اور برادرانِ عزیز

اگر ہمارے جسم کا رواں رواں بھی اللہ کا شکر ادا کرنے لگ جائے تو اللہ تعالیٰ کی اس نعمت کا شکر ادا نہیں ہوسکتا کہ یہ سرزمین جو آج سے ساٹھ ستر سال پہلے اذانوں سے

محروم تھی، اللہ کے ذکر سے بے بہرہ تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کی قربانیوں کو ایسا اثر دیا کہ آج وہی کفرستان اللہ کے دین کی سربلندی کا ایک بہت بڑا سنگ میل محسوس ہوتا ہے۔ ان دعوت کا کام کرنے والوں کے دل سے کوئی پوچھے جنہوں نے یہاں کے برفستانوں میں عین برفباری کے دوران کھلے میدانوں میں کس طرح راتیں گزاری ہیں، کوئی انہیں ٹھہرانے والا بھی نہیں تھا۔ ان حالات میں اللہ کا پیغام گھر گھر پہنچایا ہے۔ دیکھتے ہی دیکھتے اللہ تعالیٰ نے اس کے ثمرات یہ دکھلائے کہ اب یہاں جگہ جگہ مسجدیں ہیں جو نمازیوں اور ذاکرین سے آباد ہیں۔ اور اسی دعوت والی محنت کا نتیجہ ہے کہ جگہ جگہ مکاتب قرآنی کھلے ہوئے ہیں۔

پاکستان، ہندوستان اور بنگلہ دیش کے جو خاندان دین سے بے بہرہ تھے، نمازیں نہیں پڑھتے تھے، داڑھیاں نہیں رکھتے تھے، بچوں کو قرآن مجید کی تعلیم نہیں دلواتے تھے، وہ یہاں آئے تو ملازمت اور مزدوری کے لئے تھے لیکن یہاں پر ہونے والی دعوت کی محنت کے ثمرات نے ان کی زندگیوں میں انقلاب برپا کر دیا۔

دین کی محنت رائیگاں نہیں جاتی

واقعہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نام پر جو محنتیں کی جاتی ہیں، کبھی رائیگاں نہیں جاتیں۔ ذرا دیکھئے تو سہی کہ غزوۂ خندق کے موقع پر جب وہ چٹان آگئی جو صحابہ کے زور لگانے کے باوجود نہیں ٹوٹ رہی تھی۔ تو تاجدار دو عالم، سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کو صورت حال سے آگاہ کیا گیا۔ آپ تشریف لائے۔ آپ نے اللہ کا نام لے کر کدال ماری تو اس سے چنگاری نکلی۔ آپ نے فرمایا کہ مجھے اس میں قیصر کے محلات دکھائی دے رہے ہیں، دوسری مرتبہ کدال مارنے سے چنگاری نکلی تو فرمایا کہ مجھے کسریٰ کے محلات نظر آئے ہیں۔ تیسری مرتبہ فرمایا کہ مجھے یمن کے محلات نظر آرہے ہیں۔ اور پھر فرمایا کہ میرے سامنے ان کے خزانے پیش کئے گئے۔ میں تمہیں یہ خوشخبری سناتا ہوں کہ تم ان ملکوں کو فتح کرو گے۔

کدال مدینہ میں ماری جارہی تھی۔ اس کے اثرات قیصر و کسریٰ کے محلات پر پڑ رہے تھے کدال آج ماری جارہی تھی، اس کے اثرات دس سال بعد ظاہر ہونے والے تھے۔ اسی طرح دعوت کی محنت ایک جگہ کی جاتی ہے۔ اس کے اثرات دوسری جگہ ظاہر ہوتے ہیں۔ محنت آج کی جاتی ہے۔ اس کے اثرات بعض مرتبہ سالہا سال بعد نظر آتے ہیں۔ ہمارے بزرگوں کی پچھلی محنتیں آج رنگ لا رہی ہیں۔ ہماری محنتیں انشاء اللہ آئندہ رنگ لائیں گی۔ ہم اس دنیا سے رخصت ہو جائیں گے لیکن ہماری نسلوں کو اس محنت کا فائدہ پہنچے گا۔

اگر یہ محنتیں نہ ہوتیں......

اللہ رب العزت کا فضل و کرم ہے کہ یہ دین قیامت تک رہنے کیلئے آیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نیا نبی آنے والا نہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دین کی اشاعت و تبلیغ اور اس کے تحفظ اور بقاء کے لئے جو کام کرتے ہوئے اس دنیا سے رخصت ہوئے تھے، ان تمام کاموں کی ذمہ داری آپ صحابہ کرام کے سپرد کر گئے تھے۔ اللہ رب العالمین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسے تابع دار صحابہ کی جماعت عطا فرمائی کہ اس زمین و آسمان نے ان کے بعد ایسے انسان نہیں دیکھے۔ انہوں نے ان کاموں کو نہ صرف جاری رکھا بلکہ مسلسل بڑھاتے چلے گئے اور جب صحابہ کرام کا قرن ختم ہو رہا تھا تو ان کی ذمہ داریاں تابعین سنبھال چکے تھے، جب تابعین رخصت ہوئے تو ان کی ذمہ داریاں تبع تابعین نے سنبھالیں۔ اس طریقے سے یہ دین چلتا چلتا ہم تک پہنچا ہے۔ اگر یہ محنتیں نہ ہوتیں تو آج ہم تک یہ دین نہ پہنچتا۔ اور نہ جانے ہم کہاں کہاں ہوتے؟ اور ہم کیسے ماں باپ کی اولاد ہوتے؟ یہ دین ہم تک قربانیوں، محنتوں اور مسلسل اللہ پر یقین کے ساتھ کوششوں سے پہنچا ہے۔

آج بھی مسلمانوں کے لئے کامیابی کا کوئی راستہ نہیں ہے۔ سوائے اس راستے

کے جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو ڈالا تھا اور صحابہ کرام نے تابعین کو اور تابعین نے تبع تابعین کو ڈالا تھا۔ اس امت کے مسلّم امام، امام مالکؒ کا ارشاد ہے:

﴿لن یصلح آخر هذه الأمة إلاّ بما صلح به أوّلها﴾

اس امت کے آخری گروہ کی اصلاح نہیں ہوگی سوائے اس راستے کے جس راستے سے اس امت کے ابتدائی گروہ کی اصلاح ہوئی۔

تین کام: سیرت نبوت کا خلاصہ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مکی و مدنی زندگی کے کاموں کا اگر لب لباب نکالا جائے تو تین کام نظر آتے ہیں جو ترتیب وار شروع ہوئے۔

سب سے پہلا کام جو سب سے پہلے وحی کے ساتھ فاران کی چوٹیوں پر غار حرا میں شروع ہوا۔ وہ تعلیم و تعلم کا تھا جو سب سے پہلے پیغام جبرئیل امین اللہ رب العالمین کی طرف سے لے کر آئے، وہ ان الفاظ سے شروع ہو رہا تھا۔

﴿إِقْرَا بِاسْمِ رَبِّکَ الَّذِی خَلَقَ ٥ خَلَقَ الإِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ٥ إِقْرَا وَ رَبُّکَ الأَکْرَمُ ٥ الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ٥ عَلَّمَ الإِنْسَانَ مَالَمْ یَعْلَمْ ٥﴾ (العلق، ۱. ۵)

”پڑھئے اپنے رب کے نام سے جو سب کا بنانے والا ہے، بنایا آدمی کو جمے ہوئے لہو سے، پڑھئے اور تیرا رب بڑا کریم ہے۔ جس نے علم سکھایا قلم سے۔ سکھایا آدمی کو جو وہ نہ جانتا تھا۔“

آپ گھر تشریف لائے۔ یہ آیات حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کو سنائیں، پھر حضرت صدیق اکبرؓ کو سنائیں پھر حضرت علیؓ کو سنائیں۔ یہ حضرات فوراً ایمان لے آئے لیکن ابھی اس پیغام کو عام کرنے کا حکم نہیں تھا۔ البتہ یہ آیات سیکھی اور سکھائی جا رہی تھیں ان کی تعلیم اور تعلم جاری تھا کافی عرصہ تک وحی کا سلسلہ منقطع رہا آپ ﷺ کو بے تابی

سے جبرئیل علیہ السلام کا انتظار رہتا تھا۔ ایک دن جب غار سے واپس آتے ہوئے "وادی جیاذ" سے اتر رہے تھے تو جبرئیل امین حاضر ہوئے اور اللہ تعالیٰ کا یہ پیغام سنایا کہ:

﴿یٰٓاَیُّھَا الْمُدَّثِّرُ o قُمْ فَاَنْذِرْ o وَرَبَّکَ فَکَبِّرْ o وَثِیَابَکَ فَطَھِّرْ o وَ الرُّجْزَ فَاھْجُرْ o﴾ (المدثر ۱۔ ۵)

"اے لحاف میں لپٹنے والے، کھڑا ہو پھر سنا دے اور اپنے رب کی بڑائی بول اور اپنے کپڑے پاک رکھ اور گندگی سے دور رہ۔"

ان آیات میں آپ کو حکم دیا گیا کہ "انذار" کیجئے یعنی اللہ کے عذاب سے لوگوں کو ڈرایئے۔ ایک جگہ قرآن مجید میں آپ سے کہا گیا کہ:

﴿فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ﴾

"آپ اس پیغام کا کھل کر اعلان کر دیجئے جس کا آپ کو حکم دیا گیا ہے۔"

چنانچہ آپ نے کوہِ صفا پر چڑھ کر اللہ کا پیغام پہنچایا۔ یہ پہلا موقع تھا جب آپ نے دعوت عام دی ہے۔ قریش کے تمام خاندانوں کا نام لے لے کر اور انہیں پکار پکار کر دعوت دی۔ تعلیم کا کام پہلے دن سے چل رہا تھا۔ اب دعوت کا کام بھی شروع ہو گیا۔

"اِنذار" کا مطلب

یہاں غور کرنے کی بات یہ ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دعوت دینے کا حکم دیا گیا تو اس کی پہلی وحی سورۂ مدثر کے اندر "انذار" کا لفظ استعمال ہوا لفظ "انذار" کا مطلب سمجھ لیجئے۔ ہماری اردو اتنی فصیح زبان نہیں کہ عربی کے ہر لفظ کی پوری پوری ترجمانی کر سکے۔ "انذار" کا لفظ بھی ایسا ہی ہے کہ اردو کا اکیلا کوئی لفظ اس کی پوری ترجمانی نہیں کر سکتا بلکہ کئی لفظوں کے مجموعہ کو ملا کر اس کے مطلب کو واضح کیا جا سکتا ہے۔

عام طور پر "انذار" کا ترجمہ "ڈرانے" سے کر دیا جاتا ہے مگر درحقیقت یہ کافی

ترجمہ نہیں۔ ''انذار'' کے معنی ہیں ''کسی کو شفقت اور خیر خواہی کے ساتھ کسی نقصان سے بچانے کے لئے ڈرانا'' جیسے ماں اپنے بچے کو ڈراتے ہوئے کہتی ہے ''آگ کے پاس نہ جانا، ہاتھ جل جائیگا''۔ اگر بچہ چھت کے اوپر سے جھانک رہا ہو تو ماں کہتی ہے کہ ''بیٹا! زیادہ نہ جھکنا گر جاؤ گے'' ماں کا یہ ڈرانا انتہائی شفقت، محبت اور خیر خواہی پر مبنی ہوتا ہے۔ اس کا نام انذار ہے۔

انسان کو شیر بھی ڈراتا ہے۔ اس کا دشمن بھی اسے ڈراتا ہے۔ یہ ڈرانا ''انذار'' نہیں۔ اسی طرح آپ نے کسی کے اوپر لاٹھی اٹھالی اور کہا کہ یہ کام کرو ورنہ ماروں گا، یہ بھی انذار نہیں ہے۔

معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم امت کو انتہائی محبت اور خیر خواہی کے ساتھ اللہ کے عذاب سے ڈراتے تھے اور اس کا اظہار آپ نے اپنے قول وفعل سے کیا۔ اس سے یہ معلوم ہوا کہ داعی اور مبلغ کا کام خیر خواہی اور گہری شفقت کے ساتھ ڈرانا ہے اور گہری شفقت کے ساتھ وہی ڈرایا کرتا ہے جس کے دل میں خود اللہ کا ڈر اور خوف سمایا ہوا ہو۔

مولانا الیاس رحمۃ اللہ علیہ کا خوف

مجھے اس وقت اپنے بچپن کا واقعہ یاد آرہا ہے اور اس موقع کی وجہ سے بار بار یاد آرہا ہے۔ میری عمر اس وقت تقریباً سات سال کی ہوگی کہ میں اپنے والد ماجد مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ کے ساتھ پہلی مرتبہ دیوبند سے دہلی گیا۔ وہاں والد صاحبؒ نے ہمیں شاہی قلعہ اور دیگر تاریخی مقامات دکھائے۔ اس کے بعد نظام الدین تشریف لے گئے۔ مجھے تو بعد میں پتہ چلا کہ وہ کونسی جگہ تھی اور وہ کون لوگ تھے۔ جن کے پاس والد صاحب گئے تھے البتہ اتنا نقشہ شروع سے ذہن میں آگیا کہ وہاں کچھ لوگ تھے۔ ایک نوجوان جن کی خوبصورت داڑھی تھی، وہ بھی وہاں موجود تھے۔ (بعد میں پتہ چلا

کہ یہ مولانا الیاس صاحبؒ کے صاحبزادے مولانا محمد یوسف صاحبؒ تھے) ان سے باتیں ہوئیں۔ اتنا یاد ہے کہ وہاں کسی کی مزاج پرسی کے لئے گئے لیکن دروازے پر کھڑے لوگوں نے اندر جانے کی اجازت نہ دی۔ واپس آنے لگے تو وہی نوجوان آئے اور کہنے لگے کہ حضرت والد صاحب آپ کو بلا رہے ہیں۔ اندر لے گئے۔ دیکھا کہ ایک بہت ہی منحنی اور کمزور بزرگ سفید عمامہ باندھے ہوئے دائیں کروٹ لیٹے ہوئے تھے۔ (بعد میں والد صاحبؒ نے بتایا کہ یہ حضرت مولانا الیاس صاحبؒ تھے) انہوں نے اصرار کر کے والد صاحبؒ کو اپنی چارپائی پر بٹھالیا اور پھر بلک بلک کر رونے لگے۔ اتنے بلک بلک کر روئے کہ میں حیران رہ گیا کہ یہ کیوں اتنا رو رہے ہیں۔ والد صاحبؒ نے ان کو تسلی دی جس سے انہیں کچھ ٹھنڈک سی پڑ گئی اور وہ خاموش ہو گئے۔

وہ باتیں کیا تھیں؟ اس وقت بچہ ہونے کی وجہ سے مجھے سمجھ میں نہیں آئیں لیکن والد صاحبؒ بعد میں وہ واقعہ سنایا کرتے تھے۔ والد صاحبؒ فرماتے تھے کہ جب مولانا محمد الیاسؒ نے مجھے دیکھا تو اپنے طبیب کو بھول گئے اور بلک بلک کر رونے لگے۔ مجھے سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ کیوں رو رہے ہیں۔ کچھ دیر بعد جب ذرا سکون ہوا تو یوں گویا ہوئے۔ ''مفتی شفیع! جب میں نے یہ کام شروع کیا تھا تو مجھے دور دور تک یہ توقع نہیں تھی کہ میری زندگی ہی میں یہ کام اتنا پھیل جائے گا، اب یہ کام اتنا پھیل گیا ہے کہ مجھے یہ ڈر لگ رہا ہے کہ کہیں یہ ''استدراج تو نہیں۔'' (استدراج کا مطلب ہے کہ کوئی شخص نافرمانی کے راستے پر چل رہا ہو اور اللہ تعالیٰ اسے ڈھیل دے دے اور وہ یہ سمجھے کہ میں تو بڑا اچھا کام کر رہا ہوں اور اسی میں وہ مگن ہو جائے جیسا کہ فرعون وھامان وغیرہ کے ساتھ ہوا کہ نافرمانی کے باوجود انہیں بادشاہت اور وزارت ملی جس سے وہ اور گھمنڈ میں آ گئے اور کہنے لگے کہ اگر اللہ ناراض ہوتا یہ چیزیں کہاں ملتیں)۔

والد صاحبؒ فرماتے تھے کہ میں نے ان سے کہا کہ یہ ہرگز استدراج نہیں

ہے۔ اور میرے پاس اس کی دلیل ہے۔ وہ یہ کہ جس شخص کے ساتھ اللہ تعالیٰ استدراج کرتا ہے، اس کو کبھی خیال بھی نہیں گزرتا کہ میرے ساتھ استدراج ہو رہا ہے۔ آپ پر خوف وخشیت کی یہ کیفیت بتلا رہی ہے کہ یہ ہرگز استدراج نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کا انعام و کرم ہے۔

جس شخص کے دل میں دین کی یہ بھٹی سلگ رہی تھی، وہ اپنی ساری توانائیاں دعوت کے کام میں لگانے کے بعد بھی اسے خوف اور ڈر لگا ہوا تھا کہ کہیں مجھ سے کوئی ایسی نافرمانی تو نہیں ہوگئی کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے استدراج میں مبتلا کر دیا۔ یہ خوف اسے ہی دامنگیر ہوسکتا ہے جس کا دل اللہ کے خوف، اس کی عظمت اور اپنی حقارت کے جذبات سے بھرا ہوا ہو۔ یہ انہی کے خوف و وخشیت کا نتیجہ ہے کہ الحمد للہ، آج اس کے ثمرات ہمارے سامنے ہیں:

مکی زندگی

مکہ مکرمہ کی تیرہ سالہ زندگی میں انذار اور دعوت کے نتیجے میں آپ پر مصائب کے جو پہاڑ توڑے گئے وہ پوری ایک داستان ہے۔ مجاہدوں، ریاضتوں اور قربانیوں کی بھٹی کے اندر سونے کو کندن بنایا جا رہا ہے، نفس کو کچلا جا رہا ہے۔ کوڑے پڑ رہے تھے۔ نجاستیں پھینکی جا رہی تھیں، گالیاں دی جا رہی تھیں لیکن حکم تھا کہ سختی کا جواب سختی سے نہ دو۔ چنانچہ گالیوں کا جواب دعاؤں سے ملتا تھا۔ تیرہ سال اس مجاہدے کی بھٹی سے گزارا گیا اور پھر حکم ہوا کہ بیت اللہ کے در و دیوار اور اس کے پڑوس کو جو تمہارا آبائی وطن بھی ہے، چھوڑ کر مدینہ چلے جاؤ۔

مدنی زندگی اور جہاد

مدنی زندگی کے آغاز سے تیسرا عمل یعنی جہاد فی سبیل اللہ شروع ہوگیا۔ چنانچہ مدینہ آنے کے تھوڑے ہی عرصے کے بعد غزوہ بدر کا واقعہ پیش آگیا۔ یہ حق و باطل کا پہلا

معرکہ اللہ تعالیٰ نے اس طریقے سے کرایا کہ آپ قتال کے ارادے سے مدینے سے نہیں نکلے تھے لیکن کافروں کو مسلمانوں کی تعداد کم دکھلائی گئی (جو واقعہ کے مطابق تھی) اور مسلمانوں کو کافروں کی تعداد بھی کم دکھلائی گئی۔ معرکہ ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے تین سو تیرہ صحابہ پر مشتمل بے سروسامان قافلے کو ایک ہزار کے مسلح لشکر پر فتح عطا فرمائی۔ کفار کا لشکر جو فتح کے شادیانے بجاتا ہوا، تکبر کے گیت گاتا ہوا اور فتح کا یقین کرتا ہوا آیا تھا، اللہ تعالیٰ نے اسے سرنگوں کیا۔ ان کے ستر افراد قتل ہوئے اور اتنے ہی افراد گرفتار ہوئے۔ گویا اس معرکے کے ذریعے اسلام کی دھاک بٹھائی گئی۔

اس کے بعد بقیہ مدنی زندگی ساری ایسی گزری ہے کہ شاید ہی کوئی مہینہ ایسا خالی جاتا تھا کہ جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے جانثار صحابہ کو کوئی نہ کوئی جہادی مہم پیش نہ آتی۔ غزوات در غزوات اور سرایا در سرایا کا سلسلہ جاری تھا۔ یہاں تک کہ ۶ھ میں صلح حدیبیہ کا واقعہ پیش آیا، جس کے اندر ایسی شرائط رکھی گئی تھیں کہ بظاہر یوں معلوم ہوتا تھا کہ مسلمانوں نے دب کر صلح کی ہے۔ فاروق اعظمؓ بے تاب ہو کر کہنے لگے کہ یا رسول اللہ! جب ہم حق پر ہیں اور ہمارا دین بھی حق ہے تو یہ دبنے والی شرائط ہم کیوں قبول کر رہے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا کہ میں اللہ کا سچا رسول ہوں۔ وہ مجھے کبھی رسوا نہیں کریگا۔ (مسلم، باب صلح الحدیبیہ فی الحدیبیہ، رقم الحدیث: ۱۷۸۴)۔

اور اس کے بعد آپ پر یہ آیات نازل ہوئیں۔

﴿اِنَّا فَتَحۡنَا لَکَ فَتۡحًا مُّبِیۡنًاO﴾ (الفتح، ۱)

''ہم نے آپ کو فتح مبین عطا کر دی''۔

اور بعد کے حالات نے یہ ثابت کر دیا کہ یہ صلح مسلمانوں کے حق میں فتح مبین کا باعث بنی۔ کیونکہ اس صلح کے زمانے میں آپ کو قبائل عرب کی طرف تبلیغی قافلوں کو بھیجنے کا اور بادشاہان دنیا کے نام تبلیغی خطوط بھیجنے کا موقع مل گیا۔ آپ نے قیصر روم، کسریٰ

فارس، شاہ مصر، شاہِ حبشہ، شاہ یمن اور متعدد بادشاہوں کے نام تبلیغی خطوط بھیجے۔

صحابہ کرام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ خطوط لے کر مختلف ملکوں کی طرف جا رہے تھے۔ کوئی مصر جا رہا تھا، کوئی شام جا رہا تھا، کوئی افریقہ کوئی حبشہ جا رہا تھا۔ ہر ملک کی زبانیں الگ الگ تھیں اور صحابہ کرام ان زبانوں سے واقف نہیں تھے۔ لیکن طبقات ابن سعد میں لکھا ہے کہ جس دن روانگی ہونے والی تھی، اس دن جب صبح کو اٹھے تو ہر صحابی اس ملک کی زبان جان چکا تھا، جس ملک کی طرف وہ جانے والا تھا۔

(طبقات ابن سعد ج ۱ جز ۳ ص ۲۵۸ و ص ۲۶۴)

پھر کچھ عرصہ بعد صلح حدیبیہ ٹوٹ گئی جس کے نتیجہ میں مکہ فتح ہوا۔ اس کے بعد مشکل ترین غزوہ ''غزوۂ تبوک'' پیش آیا اور پھر جب اس دنیا سے رخصت ہو رہے تھے تو جیش اسامہ روانگی کے لئے تیار کھڑا تھا۔ اس وقت حضرت اسامہ کم عمر نوجوان تھے اور خاندانی اعتبار سے آزاد کردہ غلام حضرت زید بن حارثہ کے بیٹے تھے، رنگ کے اعتبار سے کالے تھے، ہونٹ موٹے تھے اور صورت و شکل میں بظاہر کوئی حُسن نظر نہیں آتا تھا لیکن آپ نے انہیں لشکر کا سپہ سالار بنایا اور سپہ سالار بھی ایسا بنایا کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور عمر فاروق رضی اللہ عنہ جیسے جلیل القدر صحابہ بھی ان کے ماتحت تھے۔ اس عمل کے ذریعے امت کو یہ سکھانا تھا کہ جو بھی تمہارا امیر مقرر ہو جائے، اس کی طاعت واجب ہے خواہ عمر میں چھوٹا ہو، رنگ میں کالا ہو اور خاندانی اعتبار سے بھی کم ہو۔

الحمدللہ، دعوت و تبلیغ کے کام میں یہی سکھایا جاتا ہے۔ تبلیغی قافلے جاتے ہیں۔ اس میں امیر مقرر کئے جاتے ہیں اور اس بات کی تربیت دی جاتی ہے کہ جس کو بھی امیر مقرر کر دیا جائے، اس کی اطاعت ضروری ہے۔

اسلام پوری دنیا کا سب سے بڑا مذہب بن گیا

غرضیکہ آپ کی سیرت طیبہ کا پہلا کام ''تعلیم و تربیت'' غار حرا اور دارِ ارقم سے

شروع ہوا۔ دوسرا عمل ''دعوت و تبلیغ'' یہ وحی کے نزول کے وقت سے شروع ہو گیا اور تیسرا عمل ''جہاد'' یہ ہجرت مدینہ سے شروع ہوا۔ یہ تینوں کام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آخر حیات تک کرتے رہے اور یہی کرتے کرتے اس دنیا سے رخصت ہوئے اور ان تینوں کاموں کا امین صحابہ کرام کو بنایا۔ صحابہ کرام نے ان تینوں کاموں کو اس حسن و خوبی کے ساتھ آگے بڑھایا کہ دنیا نے وہ تماشا دیکھا کہ دیکھتے ہی دیکھتے وہ پوری دنیا کے معلم بن گئے اور ان کے تبلیغی قافلوں کے لئے دشمنان اسلام اپنے قلعوں کے دروازے کھول رہے تھے اور جو دروازہ بند کیا گیا۔ انہیں یہ پیغام دیا گیا کہ اگر تم کلمہ اسلام پڑھ لیتے ہو تو ہمارے بھائی بن جاؤ گے لیکن اگر تم کلمہ اسلام نہیں پڑھتے تو ہم تمہیں مجبور نہیں کرتے اور تمہیں زبردستی مسلمان نہیں بناتے لیکن ہمارے لئے دعوت کے راستے کو بند نہ کرو جس کی صورت یہ ہے کہ ہم سے صلح کرلو تا کہ ہم اللہ کا پیغام اگلی قوموں اور دوسرے ملکوں تک پہنچا سکیں اور اگر تم اس کو بھی قبول نہیں کرتے ہو تو ہمارے اور تمہارے درمیان تلوار فیصلہ کرے گی۔

چنانچہ کہیں تلوار سے فیصلے ہوئے، کہیں مصالحت سے فیصلے ہوئے اور کہیں عوام الناس نے خود ہی اپنے بادشاہوں کے تخت و تاج الٹ کر پھینک کر مجاہدین اسلام کا استقبال کیا۔ دیکھتے ہی دیکھتے دنیا کا سب سے بڑا دین اسلام بن گیا۔ اللہ کے اس دین کی حکمرانی پوری مہذب دنیا پر چھا چکی تھی۔

جب یہ کام نہ رہے

جب تک یہ تینوں کام اخلاص کے ساتھ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کے ساتھ اور صحابہ کرام کی نقالی کے ساتھ انجام دیئے جاتے رہے تو مسلمان پوری دنیا کے معلم بھی تھے، میر کارواں بھی تھے، حکمران بھی تھے اور پوری دنیا کے لئے داعی اسلام بھی تھے۔ جوں جوں ہمارے ان کاموں میں کمزوری پیدا ہوئی۔ ہم عظمتوں سے ذلتوں کی طرف لڑھکتے چلے گئے۔ ہم نے پیسے کمانے کے لئے دینی تعلیم سے منہ موڑا اور جب دین

کا علم نہ رہا تو دین کی تبلیغ کیسے کرتے، اس لئے کہ تبلیغ تو علم پر موقوف ہے۔ جب تک علم نہ ہوگا تو تبلیغ کس چیز کی کریں گے! اور جب علم بھی نہ رہا، تبلیغ بھی نہ رہی تو پھر جہاد کس کام کے لئے ہوگا کیونکہ علم اور تبلیغ سے خالی جہاد فساد فی الارض کا ذریعہ تو بن سکتا ہے، اشاعت دین کا ذریعہ نہیں بن سکتا۔

داعیان اسلام اور علماء کرام کی قربانیاں رنگ لا رہی ہیں

دنیا شاہد ہے کہ ان تینوں کاموں میں سے جب بھی کوئی کام مثبت انداز میں ہوا ہے، اس کے عالیشان اثرات اس امت نے دیکھے ہیں۔ یہ تبلیغ کا کام شروع ہوا تو اللہ تعالیٰ نے اس میں یہ برکت دی کہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ الحمد للہ، آج دنیا میں شاید کوئی بھی اسلامی تنظیم، کوئی بھی اسلامی ادارہ اور کوئی بھی جماعت اتنے بڑے پیمانے پر اللہ کا پیغام نہیں پہنچا رہی جتنے بڑے پیمانے پر اللہ تعالیٰ اس جماعت سے کام لے رہا ہے حالانکہ اس کا نہ کوئی فنڈ ہے، نہ کوئی دفتر ہے، نہ کوئی صدر اور جنرل سیکرٹری ہے۔ نہ ناظم اطلاعات ہے اور نہ ہی کوئی دوسرا عہدہ ہے۔

آج ساری تنظیموں میں عہدوں کے جھگڑے ہیں جبکہ یہاں کوئی عہدہ ہی نہیں۔ بس سب اللہ اور اس کے رسول کے غلام اور صحابہ کرام کے نقال ہیں۔ کندھوں پر سامان اٹھا اٹھا کر لوگوں کی خوشامدیں کر رہے ہیں۔ اسی دعوت اسلام کا نتیجہ ہے کہ یہاں مسجدیں اور مدرسے نظر آرہے ہیں۔ اگر یہ تبلیغ کا کام نہ ہوتا تو بظاہر یہاں کوئی مسجد اور مدرسہ وجود میں نہ آتا۔ یہاں کے مساجد و مدارس تبلیغ کے رہین منت ہیں۔ اب تو میں یہ بھی دیکھ رہا ہوں کہ انگلستان میں بڑے بڑے دارالعلوم بھی قائم ہو رہے ہیں۔ آپ کے اسی مرکز میں درس نظامی کی پوری تعلیم ہو رہی ہے۔ بری ہی میں اس سے بھی ایک بڑا مدرسہ کام کر رہا ہے۔ ان کے فاضلین سے ملاقاتیں ہوئیں تو معلوم ہوا کہ وہ البانیا میں بھی کام کر رہے ہیں اور انگلینڈ میں بھی بڑے اچھے انداز میں کام کر رہے ہیں۔ ابھی ایک

اور شہر میں جانا ہوا، وہاں بھی ایک بہت بڑا دار العلوم قائم ہو چکا ہے۔ اس کو دیکھ کر دل باغ باغ ہو گیا۔ دل سے دعائیں نکلتی ہیں کہ الحمد للہ، یہاں کے حفاظ وقراء، داعیانِ اسلام اور علماء کرام کی قربانیاں رنگ لا رہی ہیں۔

شاید انگلستان اسلام کی نشاۃ ثانیہ کا مرکز ہو

اور یہاں میں ایک بات یہ بھی دیکھتا ہوں کہ یہاں کی مسجدیں مجھے پاکستان کی مسجدوں سے بھی زیادہ آباد نظر آتی ہیں اور یہاں کے اجتماعات سے خطاب کرتا ہوں تو یہ بات دیکھتا ہوں کہ پاکستان کے اجتماعات میں اتنی داڑھیاں نظر نہیں آتیں۔ جتنی داڑھیاں یہاں نظر آتی ہیں۔ کبھی کبھی یہ خیال ہوتا ہے کہ شاید یہ محنتیں دنیا کو یہ نظارہ دکھانے والی ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کاملہ کا اظہار شاید اس طرح کرے کہ اسلام کی نشاۃ ثانیہ انگلستان سے ہو۔ وَمَا ذٰلِکَ عَلَی اللّٰهِ بِعَزِيْز o اِنَّه عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِيْر o جو اللہ موسیٰ علیہ السلام کی پرورش فرعون کے ہاتھوں کرا سکتا ہے، وہ اسلام کی نشاۃِ ثانیہ کا مرکز انگلستان کو بھی بنا سکتا ہے البتہ شرط یہ ہے کہ یہ تینوں کام اپنی اپنی شرائط اور اپنے اپنے موقع ومحل کے ساتھ امت انجام دیتی رہے۔

جہاد کے اثرات

الحمد للہ، جس طرح تعلیم وتبلیغ کے اثرات ظاہر ہوئے ہیں، اسی طرح اگرچہ جہاد کی محنت دیر سے شروع ہوئی لیکن افغانستان میں آپ نے دیکھا کہ جب تک وہ جہاد اللہ کے راستے میں اور شریعت کی حدود کے اندر ہوتا رہا، اللہ تعالیٰ کی مدد ونصرت لوگوں نے اپنی آنکھوں سے محسوس کی ہے۔ محسوس ہوتا تھا کہ فرشتے مدد لے کر آسمانوں سے اتر رہے ہیں۔

الحمد للہ، اس ناچیز کو بھی معرکہ ارغون کے اندر حصہ لینے کی سعادت نصیب ہوئی۔ مجاہدین اسلام ہم جیسے کم ہمت لوگوں کو اپنے ساتھ لے جاتے۔ ہم نے اپنی

آنکھوں سے جو مناظر دیکھے ہیں، واقعہ یہ ہے کہ صحابہ کرام کی یادیں تازہ ہو گئیں۔ عین گولوں کی بارش میں ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اس سے زیادہ سہانا وقت زندگی میں کبھی نہیں آیا اور اللہ تعالیٰ کی مدد و نصرت کے ایسے ایسے واقعات رونما ہوئے ہیں کہ بچھوؤں نے مجاہدین اسلام کی مدد کی ہے، پرندوں نے مجاہدین اسلام کی طرف سے جنگ کی ہے اور خود دشمن کے بموں نے مجاہدین اسلام کی مدد کی ہے۔

مولانا جلال الدین حقانی صاحب کا یہ واقعہ میں نے خود ان کی زبانی سنا تھا کہ دشمن نے ان کا محاصرہ کیا، بمبار طیاروں نے بم گرائے۔ یہ اپنے ساتھیوں کو لے کر سرنگ میں چھپ گئے، ایک اور بم گرا جس سے ایک پہاڑ کا ٹیلا سرنگ کے منہ پر آ گرا جس سے سرنگ بند ہو گئی۔ یہ کہتے تھے کہ اب ہمارے بچنے کا کوئی امکان نہیں تھا۔ ہم سب کے سب لا الٰہ الا اللہ پڑھ رہے تھے۔ کچھ دیر بعد مزید بمباری ہوئی تو ایک بم سرنگ کے اوپر گرا جس سے سرنگ کے منہ پر پڑا ہوا ٹیلہ ہٹ گیا۔ اس طرح کے اور بھی کئی واقعات ہیں جن میں سے کچھ واقعات میں نے اپنی کتاب میں نقل کر دیئے ہیں۔[۱] لیکن جب یہ جہاد ختم ہو گیا اور اقتدار کی جنگ شروع ہوئی تو وہ بدترین نمونہ بھی سامنے آیا جو افغانستان میں بعد میں رونما ہوا۔

تینوں دین کے راستے ہیں

یاد رکھئے! تعلیم، تبلیغ اور جہاد یہ تینوں دین کے راستے ہیں لیکن ہر ایک کے لئے کچھ شرائط اور تفصیلات ہیں، جن کا لحاظ رکھنا انتہائی ضروری ہے۔ اس سلسلے میں یہ بات ذہن نشین رکھئے کہ خدا کیلئے یہاں انگلستان میں کوئی جہاد نہ شروع کر دینا۔ یہاں وہ زندگی گزارنی ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ کی مکی زندگی تھی۔ البتہ یہ اللہ کا فضل و کرم ہے کہ یہاں وہ مشقتیں نہیں ہیں جو مکی زندگی میں تھیں۔ اگر کوئی یہاں جہاد

---

[۱] اس کتاب کا نام ہے "یہ غازی یہ تیرے پراسرار بندے" ادارۃ المعارف کراچی سے شائع ہو چکی ہے۔
اعجاز احمد غفرلہ

شروع کرے گا تو یہاں دین کا کام نہیں ہو سکے گا۔

ایک بات اور عرض کرنا چاہتا ہوں۔ وہ یہ کہ اگر اللہ تعالیٰ کسی کو ان تینوں کاموں میں لگنے کی توفیق عطا فرمائے تو بہت بڑی سعادت کی بات ہے، لیکن اگر کوئی تینوں کام نہیں کر رہا تو جس کام کو بھی کرے اسے نعمت کبریٰ سمجھنا چاہئے۔

دوسری بات یہ ہے کہ اگر یہ تینوں کام شریعت کی حدود میں، سنت کے مطابق، صحابہ کرام کے طریقے پر اور اخلاص کے ساتھ کئے جائیں تو یہ تینوں کام ہمارے کام ہیں۔ اگر کوئی مدرسہ چلا رہا ہے تو وہ بھی ہمارا کام کر رہا ہے۔ کوئی دعوت و تبلیغ میں پھر رہا ہے تو وہ بھی ہمارا کام کر رہا ہے اور اگر کوئی کسی شرعی جہاد میں اپنی جان کی بازی لگا رہا ہے تو وہ بھی ہمارا کام کر رہا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو دین کے ان کاموں میں شریعت کے مطابق لگنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

وآخر دعوانا أنِ الحمد للّٰہِ رب العالمین○

کیا اِسلام تلوار کے زور سے پھیلایا گیا؟

خطاب: حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی مدظلہم

ضبط وترتیب: مولانا عجاز احمد صمدانی

مقام: دارالحدیث، جامعہ دارالعلوم کراچی

کیا اسلام تلوار کے زور سے پھیلایا گیا ہے؟

زیرِ نظر تحریر کوئی مستقل مضمون یا تقریر نہیں بلکہ مسلم شریف کی ایک حدیث کا درس ہے۔ حضرت مدظلہم نے اس حدیث سے تعلق رکھنے والے کئی مسائل کئی روز تک بیان فرمائے۔ اس تفصیلی درس کے ضمن میں حضرت مدظلہم نے ایک روز زیرِ نظر موضوع پر بھی روشنی ڈالی، افادۂ عام کے پیشِ نظر اس کا خلاصہ ہدیۂ قارئین ہے۔ اعجاز احمد غفر اللہ لہٗ

حدیث:

﴿عن ابی عمر رضی اللّٰہ عنہ عن النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال: أُمِرتُ أقاتِلَ النّاسَ حَتّٰی یَشْھَدُوا أنْ لآ اِلٰہ اِلَّااللّٰہُ وَیُقِیمُوا الصَّلوٰۃَ وَیُؤتوا الزکوٰۃ﴾

(صحیح مسلم، کتاب الایمان، رقم الحدیث ۱۳۸)

''ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے حکم دیا گیا ہے کے لوگوں سے اس وقت تک قتال کروں یہاں تک کہ وہ گواہی دیں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور نماز قائم کیا کریں اور زکوٰۃ دیا کریں۔''

یہاں اسلام اور اہل اسلام پر ایک بہت بڑا اعتراض ہوتا ہے اور یہ اعتراض مستشرقین گزشتہ دو سو سال سے مسلمانوں پر کر رہے ہیں۔

مستشرقین کون ہیں؟

مستشرقین وہ لوگ ہیں جو لوگوں کو تحقیق اور ریسرچ کے نام پر گمراہ کرتے ہیں۔ ان کا کام یہ ہے کہ علوم مشرقیہ کے اندر مہارت پیدا کرتے ہیں۔ ان میں سے کسی نے مثلاً ہندو مذہب کے اندر مہارت پیدا کر رکھی ہے۔ کسی نے بدھ مت کے بارے میں اور کسی نے اسلام کے بارے میں مہارت پیدا کر رکھی ہے وغیرہ وغیرہ۔ ان کے ہاں ان موضوعات پر تحقیقی کام ہوتا ہے۔ لیکن ان تحقیقات سے ان کا مقصد حق معلوم کرنا نہیں ہوتا، بلکہ اسلام کے بارے میں شکوک و شبہات پیدا کرنا، اعتراضات نکالنا اور ان اعتراضات کو اپنے ذرائع ابلاغ کے ذریعے پوری دنیا میں پھیلانا ان کا مقصد ہوتا ہے۔ گزشتہ دو سو سال سے وہ لوگ یہ کام کر رہے ہیں۔

مستشرقین کا اعتراض:

چنانچہ ان لوگوں نے اسلام پر جہاں اور بہت سے اعتراضات کیے ہیں، اُن میں ایک اعتراض یہ کیا ہے کہ اسلام میں جہاد اس لیے مشروع ہوا ہے تاکہ لوگوں کو زبردستی اسلام میں داخل کیا جائے، چنانچہ دنیا میں اسلام اپنی حقانیت اور دلائل کے ذریعہ سے نہیں پھیلا۔ اسی طرح مسلمانوں کے اعلیٰ کردار اور اسلام کی اعلیٰ فطری تعلیمات کی کشش سے بھی نہیں پھیلا بلکہ اسلام کو تلوار کے ذریعے زبردستی پھیلایا گیا ہے۔ اس لیے اسلام سراسر تشدد پر مبنی ظالمانہ مذہب ہے جو لوگوں کو مذہبی آزادی سے روکتا ہے اور زبردستی انہیں اپنا پیروکار بناتا ہے۔

اگرچہ یہ پروپیگنڈہ گزشتہ دو سو سال سے چل رہا ہے لیکن آج کل یہ اپنے

عروج پر ہے۔ مغربی میڈیا زہر اگل رہا ہے اور ان کے بعض مفکرین تو یہاں تک کہہ رہے ہیں کہ قرآن انسانیت دشمنی کی تعلیم دیتا ہے۔ اس کے اندر غیر مسلموں کے بارے میں جگہ جگہ یہ الفاظ استعمال ہوئے ہیں کہ "اُقْتُلُوْهُمْ"، "قَاتِلُوْهُمْ" وغیرہ، یہ قرآن ہی ہے جو مسلمانوں کو قتل وقتال پر ابھارتا ہے۔ لہٰذا اس کے اندر غیر مسلم اقوام کے لیے امن و امان نہیں ہے۔ اس سے شاید وہ دنیا کو یہ باور کرانا چاہتے ہیں کہ اسلام کے "خطرے" کو اس وقت تک نہیں مٹایا جا سکتا جب تک کہ قرآن کی تعلیم کو نہیں مٹایا جائے گا۔

ان کے اعتراضات کی ظاہری دلیلیں:

ان کے اس پروپیگنڈے کی ایک دلیل بظاہر یہ حدیث بھی ہے کہ:

﴿ أُمِرْتُ ان أقاتِلَ النّاسَ حَتّٰى يَشْهَدُوا أنْ لآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَيُؤْتوا الزكوٰةَ﴾ (صحیح مسلم، کتاب الایمان)

اس حدیث کو اگر قرآن کریم کی آیات اور قرآن وسنت کے دوسرے احکام و قواعد سے نظر بچا کر کوئی دنیا کو دھوکہ دینا چاہے تو یہ باور کرانے کی کوشش کر سکتا ہے کہ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ لوگوں سے تین کام زبردستی کرائے جائیں گے۔

(۱) کلمہ طیبہ کا اقرار۔

(۲) نماز کی پابندی۔

(۳) زکوٰۃ کی ادائیگی۔

جب تک دنیا کے لوگ یہ تین کام نہیں کریں گے، اس وقت تک اُن سے جنگ جاری رہے گی۔

اسی طرح وہ یہ آیت بھی پیش کرتے ہیں:

﴿فَاِذَا انْسَلَخَ الْأَشْهُرُ الْحُرُمُ فَاقْتُلوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ فَخُذُوْهُمْ وَاحْصُرُوْهُمْ وَاقْعُدُوا

لهم كُلَّ مَرْصَدٍ، فَإنْ تَابُوا وأقَامُوا الصَّلوٰةَ وَاٰتُوا الزَّكوٰةَ فَخَلُّوا سَبِيلَهُمْ﴾ (التوبۃ، ۵)

''اور جب گزر جائیں مہینے پناہ کے تو مارو مشرکین کو جہاں پاؤ اور پکڑو اور گھیرو اور بیٹھو ہر جگہ ان کی تاک میں پھر اگر وہ توبہ کریں اور قائم رکھیں نماز اور دیا کریں زکوٰۃ تو چھوڑ دو ان کا راستہ۔''

اس آیت کا حوالہ دے کر کوئی سیاق وسباق، اور دوسری آیات سے آنکھیں بند کر کے کہہ سکتا ہے کہ اس کا حاصل یہ ہے کہ کفار جہاں کہیں بھی ملیں، انہیں قتل کیا جائے گا ہاں اگر وہ ایمان لے آئیں، نماز پڑھیں اور زکوٰۃ دیں تو انہیں چھوڑ دیا جائے گا۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ جب تک تمام کفار کلمہ طیبہ پڑھ کر اسلام میں داخل نہیں ہو جائیں گے، اس وقت تک ان کی جان بخشی نہیں ہے۔

یہ اعتراض کم فہمی یا دھوکہ دہی پر مبنی ہے:

اس اعتراض کا جواب سمجھ لیجیے۔ یاد رکھئے کہ یہ حدیث ہو یا ابھی تلاوت کردہ آیت، جب بھی انہیں سیاق وسباق سے جدا کر کے پڑھا اور سمجھا جائے گا تو غلط نتائج نکلیں گے۔

قرآن مجید کی جس آیت پر انہوں نے اعتراض کیا یعنی فاذاانسلخ الاشهر الحرم.........الخ اس کے بعد اگلی آیت یہ ہے:

﴿وَإنْ أحَدٌ مِنَ الْمُشْرِكِينَ اسْتَجَارَكَ فَأجِرْهُ حَتّٰى يَسْمَعَ كَلَامَ اللّٰهِ ثُمَّ أبْلِغْهُ مَأمَنَه﴾ (التوبہ: ۵)

''اور اگر کوئی مشرک تجھ سے پناہ مانگے تو اس کو پناہ دے دے یہاں تک کہ وہ اللہ کا کلام سن لے پھر پہنچا دے اس کو اس کی امن کی جگہ۔''

اس اگلی آیت میں یہ بتلایا گیا کہ اگر کوئی مشرک آپ کے پاس آ کر آپ سے پناہ مانگ لے تو اسے پناہ دے دو۔ یہاں آنے سے اس کو یہ فائدہ ہوگا کہ وہ اللہ کا کلام سنے گا۔ اس کے بعد مسلمانوں کو حکم دیا گیا کہ ثُمَّ أَبْلِغْهُ مَأْمَنَه' (پھر اس کو اس کی جائے پناہ تک پہنچاؤ) گویا یہ مسلمانوں کی ذمہ داری ہے کہ امن وامان کے ساتھ اس کے وطن واپس پہنچایا جائے۔

دیکھئے کہ یہاں یہ معاملہ اُس شخص کے ساتھ کیا جا رہا ہے جو مسلمان نہیں ہوا تو اس سے معلوم ہوا کہ قتال سے بچنے کا ایک راستہ یہ بھی ہے کہ کافر اجازت طلب کر کے مسلمانوں کے ملک میں آ جائے۔ ایسے کافر کو اصطلاح میں ''مستأمن'' کہتے ہیں جیسے آجکل دوسرے ممالک کے کافر ویزا لے کر ہمارے ملک میں آ جاتے ہیں تو ایسے کافروں کے بارے یہ حکم ہے کہ ان کے جان و مال کی حفاظت کی ذمہ داری ہمارے اوپر ہے اور اُن سے جنگ ہرگز نہیں کی جائے گی۔

اسی طرح سورۂ توبہ کی مذکورہ بالا آیت سے کچھ پہلے سورۂ انفال کے اواخر میں یہ ہے کہ:

﴿وَانْ جَنَحُوا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ﴾

(الانفال: ۶۱)

''اگر وہ جھکیں صلح کی طرف تو تو بھی جھک اسی طرف اور بھروسہ کر اللہ پر۔''

اس آیت میں مسلمانوں کو یہ اختیار دیا گیا ہے کہ اگر کفار صلح کی طرف مائل ہوں تو آپ بھی صلح کر لیں معلوم ہوا کہ کفار اگر اپنے کفر پر رہتے ہوئے مسلمانوں سے صلح کے طلبگار ہوں تو مسلمان ان سے صلح کر سکتے ہیں اور ایسی صورت میں بھی اُن سے جنگ نہیں کی جائے گی۔

اسی طرح اسی سورۂ توبہ میں ایک آیت یہ بھی ہے:

﴿قَاتِلُوا الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْیَوْمِ الْآخِرِ وَلَا یُحَرِّمُوْنَ مَاحَرَّمَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَلَا یَدِیْنُوْنَ دِیْنَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ حَتّٰی یُعْطُوا الْجِزْیَةَ عَنْ یَّدٍ وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ﴾ (التوبہ: ۲۹)

''لڑو ان لوگوں سے جو ایمان نہیں لاتے اللہ پر اور نہ آخرت کے دن پر اور نہ حرام جانتے ہیں اس کو جس کو حرام کیا اللہ نے اور اس کے رسول نے اور نہ قبول کرتے ہیں سچا دین، ان لوگوں میں سے جو اہل کتاب ہیں یہاں تک کہ وہ جزیہ دیں اپنے ہاتھ سے ذلیل ہو کر۔''

''یَد'' کے یہاں معنی ہیں ''طاقت'' اور عن ''سبب'' کے معنی میں ہے، تو معنی یہ ہیں کہ وہ ادائے جزیہ کو قبول کرلیں اسلام کی طاقت کی وجہ سے اور وَهُمْ صَاغِرُوْنَ کا مطلب امام شافعیؒ نے یہ بیان فرمایا ہے جسے تفسیر معارف القرآن میں بھی نقل کیا گیا کہ ''وہ مسلمانوں کے عام قانون کی پابندی کرلیں۔ (نہ کہ کسی شخصی قانون کی جسے ''پرسنل لاء'' کہا جاتا ہے، کیونکہ اسلامی ملک میں غیر مسلموں پر اسلام کے پرسنل لا کی پابندی نہیں ہوتی، پرسنل لاء میں وہ اپنے مذہبی قانون پر عمل کرنے میں آزاد ہوتے ہیں)۔ حاصل یہ ہوا کہ اگر کفار مسلمانوں کے ملک میں رہیں اور مسلمان ملک کے عام قوانین کی پابندی کرتے ہوئے جزیہ ادا کریں تو بھی ان سے قتال نہیں کیا جائے گا۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ غیر مسلموں سے جنگ کو روکنے والی کل چار چیزیں ہیں:

(۱) صلح (۲) استیمان (اجازت لے کر مسلمانوں کے ملک میں آنا)

(۳) جزیہ (ایک قسم کا ٹیکس جو مسلم ملک کے غیر مسلموں سے زکوٰۃ کے بجائے لیا جاتا ہے، یعنی مسلمانوں سے سرکاری طور پر زکوٰۃ لی جاتی ہے اور غیر مسلموں سے جزیہ)۔

(۴) کلمۂ طیبہ (لا الہ الا اللّٰہ، محمدر سول اللّٰہ)

ان آیات سے یہ بات خود بخود واضح ہوگئی کہ قتال کا مقصد لوگوں کو زبردستی مسلمان بنانا نہیں ہے، اگر لوگوں کو زبردستی مسلمان بنانا مقصود ہوتا تو پھر تو نہ کفار سے صلح کی اجازت، نہ استیمان کی اجازت ہوتی اور نہ جزیہ قبول کیا جاتا۔

جہاد کی اقسام:

لیکن وہ کفار جن سے نہ تو ہماری صلح ہے، نہ وہ امان لے کر ہمارے ملک میں آئے ہیں اور نہ وہ ہمارے ملک میں رہتے ہیں تو ہم سے جنگ کرنے میں وہ بھی آزاد ہیں اوران سے جنگ کرنے میں ہم بھی آزاد ہیں۔ چنانچہ یہ لوگ جو ہم سے کسی قسم کی صلح اور معاہدہ نہیں کر رہے، ان کے بارے میں اسلام نے یہ تعلیم دی ہے کہ ان پر نظر رکھو، اگر محسوس ہو کہ یہ تمہارے لیے خطرہ بن رہے ہیں تو قبل اس کے وہ تمہارے لیے خطرہ بن جائیں تم خود ان پر حملہ کر کے اُن پر غلبہ حاصل کرلو، تاکہ یا تو وہ تم سے ترکِ جنگ کا معاہدہ کرلیں یا جزیہ دے کر تمہارے ملک میں پُر امن شہری بن کر رہنے لگیں، اس کا نام ''اقدامی جہاد'' ہے۔ اور جس وقت دشمن حملہ آور ہو جائے تو اس وقت جواب میں جو جہاد کیا جائے گا، اس کا نام ''دفاعی جہاد'' ہے۔ اسلام میں اقدامی جہاد کی بھی اجازت ہے اور دفاعی جہاد کی بھی۔

''اقدامی جہاد'' کی مثال غزوۂ تبوک ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ملی کہ عیسائیوں کے لشکر جمع ہو رہے ہیں اور ان کا منصوبہ مدینہ پر حملہ کرنے کا ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نفیرِ عام کردی اور ایک بہت بڑا لشکر لے کر تبوک کی طرف روانہ ہوئے۔ دشمن کو جب پتہ چلا تو وہاں سے بھاگ کھڑا ہوا۔

یہ مختصر اصولی تشریح ہے اسلامی جہاد کی۔ اس میں کون سی بات ناانصافی کی ہے اور کون سی بات ظلم وتشدد کی؟ کوئی بھی منصف انسان اس نظام کا مطالعہ کرے گا تو یہ بات کھل کر سامنے آئے گی کہ اس میں کوئی بھی بات ایسی نہیں جو انصاف کے خلاف ہو یا ظلم کی تائید کرنے والی ہو۔ یا زبردستی مسلمان بنانے والی ہو۔

لہٰذا معلوم ہوا کہ جہادِ اسلام کا مقصد لوگوں کو زبردستی مسلمان بنانا نہیں بلکہ اس کا مقصد اسلام اور مسلمانوں کی حفاظت کرنا اور اسلام کو خطرات سے بچانا ہے۔ لہٰذا یہ اعتراض کرنا ہرگز درست نہیں کہ اسلام کو تلوار کے ذریعے پھیلایا گیا ہے۔

اس موضوع پر ہمارے بزرگوں کی تصانیف

جب مستشرقین کی طرف سے اہل اسلام پر یہ اعتراض کیا گیا تو ہمارے بزرگوں کی طرف سے اس پر مفصل کلام کیا گیا۔ ''سیرۃ خاتم الانبیاء'' میں حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بڑی جامعیت اور اختصار کے ساتھ چند صفحات کے اندر کافی شافی کلام فرمایا ہے۔

اسی طرح شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی صاحبؒ کے بڑے بھائی حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب نے جو دارالعلوم دیوبند کے صدر مہتمم تھے، ایک کتاب لکھی جس کا نام ہے ''دنیا میں اسلام کیونکر پھیلا؟'' ہندوستان میں اسی نام سے چھپی تھی البتہ پاکستان میں ''اشاعت اسلام'' کے نام سے چھپی ہے۔ یہ بڑی مفصل کتاب ہے اور اس میں انہوں نے واقعات اور تاریخ اسلام کے حوالے سے بتلایا ہے کہ اسلام طاقت کے زور سے نہیں بلکہ مسلمانوں کے اعلیٰ کردار اور اپنی حقانیت کی وجہ سے پھیلا ہے۔

تیسری کتاب شیخ الادب حضرت مولانا اعزاز علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی ہے۔ یہ کتاب الحمدللہ ادارۃ المعارف کراچی سے چھپ گئی ہے۔ اس کتاب کا نام ہے ''اسلام سے دنیا کو کس کس طرح روکا گیا؟'' یعنی کافر طاقتوں نے لوگوں کو زبردستی

اسلام سے روکنے کی کیا کیا کوششیں کی ہیں۔ یہ کتاب درحقیقت مستشرقین کے سوال کا الزامی جواب ہے کہ تم تو کہتے ہو کہ اسلام زبردستی پھیلایا گیا، حالانکہ معاملہ برعکس ہے کہ اسلام سے لوگوں کو زبردستی روکا گیا اور اس کے لیے ان پر کتنے اور کیسے کیسے مظالم ڈھائے گئے ہیں۔

الحمدللہ ان بزرگوں نے اس موضوع پر بڑا کافی اور شافی کلام فرمایا ہے، اُسے مطالعے میں رکھنا چاہیے۔

وآخر دعوانا ان الحمدللّٰہ رب العالمین

شریعت وطریقت کا تلازم

خطاب: حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب مدظلہم
مقام: بالٹی مور، امریکہ
تاریخ: ۵ دسمبر ۲۰۰۴ء
ترتیب وعنوان: اعجاز احمد صمدانی

﴿شریعت و طریقت کا تلازم﴾

خطبہ مسنونہ:

﴿الحمد للّٰہ نحمدہٗ و نستعینہ، و نستغفرہٗ و نومن بہٖ و نتوکل علیہ و نعوذ باللّٰہِ من شرورِ انفسنا و من سئیاتِ اعمالنا . من یھدہِ اللّٰہُ فلا مضل لہٗ و من یضللہ فلا ھادی لہٗ و نشھدأن لا الٰہ اِلاّ اللّٰہ وحدہٗ لاشریک لہٗ ونشھد ان سیدنا و سندنا و مولانا محمدًا عبدہٗ و رسولہٗ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہٖ و صحبہ اجمعین. وسلم تسلمیاً کثیراً کثیراً﴾

اما بعد:

فاعوذ باللّٰہ من الشیطان الرجیم.

بسم اللّٰہ الرحمن الرحیمo

﴿یاَیھاالذِّین اٰمَنُوا اتقو اللّٰہَ و کُونُوا مَعَ الصَّادِقِینo﴾

سب سے پہلا سوالیہ نشان:

بزرگانِ محترم برادرانِ عزیز اور میری محترم ماؤں، بہنو اور بیٹیو!

میرے مرشد حضرت ڈاکٹر عبدالحئی عارفی صاحبؒ نے مجھے نصیحت فرمائی تھی کہ ’’کبھی رسمی اور فرمائشی تقریریں نہ کرنا۔‘‘ فرمائشی تقریر کا مطلب یہ ہے کہ خطیب کے لیے موضوع مقرر کر دیا جائے کہ آپ کو اس موضوع پر تقریر کرنی ہے اور رسمی تقریر کا مطلب یہ ہے کہ اس میں مقصود تقریر کرنا نہ ہو بلکہ اس میں کچھ لطیفے، کچھ قصے، کچھ اشعار سنا دیئے اور کچھ آیات واحادیث کی تلاوت بھی کر دی۔ مقصد یہ ہے کہ سننے والوں کا کچھ وقت تفریح میں گزر جائے۔ ان دونوں قسموں کی تقریروں میں اس بات کا خیال نہیں رکھا جاتا کہ حاضرین کی ضرورت کیا ہے۔‘‘

چنانچہ میرے مرشد نے مجھے رسمی اور فرمائشی تقریروں سے منع کیا اور فرمایا کہ جہاں جاؤ، وہاں دیکھو کہ زخم کہاں ہے؟ جہاں زخم ہو، وہیں مرہم لگاؤ۔ ایسا نہ ہو کہ زخم تو کہیں اور ہو اور تم مرہم کہیں اور لگاؤ۔ مخاطبین تو کسی اور بات کے محتاج ہیں اور تم دوسری باتیں کرتے رہو، اس طرح کرنے سے تمہاری محنت بھی اکارت جائے گی اور سننے والوں کا وقت بھی ضائع ہوگا۔

حضرتؒ کی اس نصیحت کا اثر یہ ہے کہ جب کسی جگہ جانا ہوتا ہے تو سب سے پہلا سوالیہ نشان میرے ذہن میں یہ ہوتا ہے کہ جہاں جا رہا ہوں، وہاں کی ضرورت کیا ہے۔ آج ہمارے ایک بھائی نے میرے لیے یہ مشکل آسان کر دی۔ انہوں نے طریقت کے حوالے سے سوال کیا تو مجھے محسوس ہوا کہ یہاں کے لوگ طریقت کے حوالے سے کچھ جاننا چاہتے ہیں۔ چنانچہ میرا خیال یہ ہے کہ اس موضوع پر قدرے تفصیل سے بات کرنی چاہیے۔

تقویٰ دِل میں ہوتا ہے:

میں نے خطبہ کے اندر آپ کے سامنے یہ آیت تلاوت کی ہے:

﴿یَاأَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اتَّقُوا اللّٰہَ وَکُوْنُوْا مَعَ الصَّادِقِیْنَ﴾

اس کا ترجمہ یہ ہے:

''اے ایمان والو! ڈرو اللہ سے اور رہو سچوں کے ساتھ۔''

اس آیت میں ایمان والوں کو دو حکم دیئے گئے ہیں۔

(۱) اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کا حکم۔

(۲) سچوں کے ساتھ رہنے کا حکم۔

ان میں سے پہلے حکم (یعنی اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کے حکم کا تعلق ظاہر سے نہیں بلکہ باطن سے ہے اس لیے اللہ کا ڈر دل میں پیدا ہوتا ہے چنانچہ ایک حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دل کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ:

﴿التقوی ھٰھُنا﴾

''اللہ کا ڈر یہاں ہوتا ہے۔''

گناہوں سے کیسے بچیں؟

البتہ جب دل میں اللہ کا ڈر پیدا ہو جائے تو ظاہر پر اس کا یہ اثر پڑے گا کہ ہمارے سارے ظاہری اعمال درست ہو جائیں گے۔ فرائض و واجبات پر عمل کرنا بھی آسان ہو جائے گا اور حرام و مکروہات کو چھوڑنا بھی آسان ہو جائے گا۔ بس بنیادی چیز ''اللہ کا ڈر'' ہے۔ ہم جتنے بھی گناہ کرتے ہیں، وہ اس لیے کرتے ہیں کہ ہمارے دلوں سے اللہ کا ڈر نکل گیا ہے۔

اور اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کا حاصل یہ ہے کہ اپنے آپ کو گناہوں سے بچاؤ۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آج کے اس دور میں جہاں ہر طرف گناہ ہی گناہ کی دعوت ہے، ان حالات میں اپنے آپ کو گناہوں سے کیسے بچایا جائے۔ ہاتھوں کو گناہوں سے کیسے بچائیں، پاؤں کو گناہوں سے کیسے بچائیں، زبان کو کیسے بچائیں، آنکھ، کان اور دیگر

اعضاء کو گناہوں سے کیسے بچائیں۔ ہر طرف فسق و فجور ہے، جونہی باہر نکلو، گناہوں کی دعوت دینے والے سارے مناظر ہیں۔ کبھی آنکھ بہکتی ہے کبھی کان۔ کبھی زبان سے گناہ ہو جاتا ہے کبھی ہاتھ سے۔ کاروبار کی طرف جاتے ہیں تو دغابازی اور دھوکہ دہی کا گناہ اپنی طرف بلاتا ہے، ملازمت اختیار کرتے ہیں تو کام چوری کا گناہ اپنی طرف دعوت دیتا ہے، بازاروں میں جاتے ہیں تو بے پردگی اپنی طرف مائل کرتی ہے۔ غرض ہر طرف گناہ ہی گناہ کی دعوت ہے۔ ان حالات میں گناہوں سے بچنا بہت مشکل کام ہے۔

قرآن مجید کا ایک خاص اسلوب یہ ہے کہ یہ جب کسی کام کے کرنے کا حکم دیتا ہے تو اس پر عمل کرنے کا طریقہ بھی بتلاتا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی اپنے بندوں پر خاص شفقت اور عنایت ہے کہ وہ صرف حکم ہی نہیں دیتے بلکہ یہ بھی بتلاتے ہیں کہ اے میرے بندو! میرے اس حکم کو اس طرح پورا کرو گے تو آسانی سے پورا ہو جائے گا۔ لہٰذا اگر وہ طریقہ اختیار کر لیا جائے جو اللہ رب العالمین بتاتے ہیں تو دیکھنے میں وہ حکم خواہ کتنا ہی مشکل نظر آ رہا ہو، اس پر عمل کرنا انتہائی آسان ہو جاتا ہے۔

چنانچہ یہاں پر جب اللہ تعالیٰ نے تقویٰ اختیار کرنے یعنی گناہوں سے بچنے کا حکم دیا جو بظاہر ایک مشکل حکم لگ رہا تھا تو اس کے ساتھ اس پر عمل کرنے کا ایک انتہائی سہل طریقہ بتلا دیا، وہ یہ کہ:

﴿كُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ﴾

''سچے لوگوں کے ساتھ رہو۔''

''سچے لوگوں'' سے مراد وہ لوگ ہیں جو زبان کے بھی سچے ہیں اور دل کے بھی، ان کا ظاہر بھی سچا ہے اور باطن بھی۔ اس کا حاصل یہ ہے کہ وہ خود اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والے ہیں۔ گویا اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ بتلا دیا کہ تقویٰ والوں کے ساتھ رہنا شروع کر دو، نیک ہو جاؤ گے۔ یہ ایسا حکیمانہ اور نفسیاتی طریقہ ہے کہ انسانی تربیت کے لیے اس سے بہتر کوئی طریقہ نہیں۔

اب دیکھئے! ہم یہاں بیٹھے ہیں۔ یہ نمازی لوگوں کا اجتماع ہے۔ مسجد سے تعلق رکھنے والوں کا اجتماع ہے۔ یہاں بیٹھ کر اگر کوئی شخص شراب پینا چاہے تو اس کے لیے ایسا کرنا بہت مشکل ہے۔ اس کے برعکس آپ غیر مسلموں کے کسی ریسٹورنٹ میں چلے جائیں یا کسی نائٹ کلب میں چلے جائیں وہاں یہ گناہ کرنا انتہائی آسان ہے۔ وہاں نماز پڑھنا چاہو تو یہ مشکل ہوگا۔ تو حاصل یہ نکلا کہ اگر اچھے لوگوں کے ساتھ رہو گے تو نیکی کرنا آسان ہو جائے گا، گناہ کرنا مشکل ہو جائے گا اور اگر برے لوگوں کے ساتھ رہو گے تو گناہ کرنا آسان ہو جائے گا اور نیکی کرنا مشکل ہو جائے گا۔

تو اللہ تعالیٰ نے یہ بتلایا کہ اگر تم اللہ والے بننا چاہتے ہو، متقی بننا چاہتے ہو، گناہوں سے بچنا چاہتے ہو تو نیک لوگوں کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا شروع کر دو۔ میں آج اسی کے بارے میں مزید تفصیل عرض کرنا چاہتا ہوں۔

شریعت اور طریقت کا مفہوم

مین نے دوپہر عرض کیا تھا کہ کچھ اعمالِ ظاہرہ ہیں جنہیں ہمارے ظاہری اعضاء انجام دیتے ہیں اور وہ ہر ایک کو نظر آتے ہیں لیکن کچھ اعمال ایسے ہوتے ہیں جن کو ہمارا دل انجام دیتا ہے، انہیں اعمالِ باطنہ کہا جاتا ہے جیسے تواضع، ایثار، اللہ کی محبت، آخرت کا خوف وغیرہ وغیرہ۔ ظاہری اعمال کو عام طور پر ''شریعت'' کہا جاتا ہے اور باطنی اعمال کو عام طور پر ''طریقت'' کہا جاتا ہے۔

ظاہری اعمال کا مدار باطن پر ہوتا ہے:

یہاں یہ بات یاد رکھنا ضروری ہے کہ ظاہری اعمال سارے کے سارے مبنی ہوتے ہیں باطنی اعمال پر، اگر دل کے اعمال صحیح ہوں گے تو ظاہری اعمال بھی ٹھیک ہو جائیں گے لیکن اگر باطن خراب ہے تو ظاہری اعمال بھی درست نہیں ہوں گے مثلاً اگر کسی انسان کے اندر تکبر ہے تو وہ دوسرے انسانوں کے ساتھ اچھا برتاؤ نہیں کرے گا، سخت

کلامی کرے گا، لوگوں کو گالیاں بھی دے گا اور بدتمیزی بھی کرے گا۔ بیوی بچوں کے ساتھ بھی سختی سے پیش آئے گا۔ اس کے برعکس اگر اس کے اندر تواضع اور انکساری ہوگی تو نرم انداز میں گفتگو کرے گا، ہر ایک کے ساتھ حسنِ اخلاق سے پیش آئے گا۔ اگر باطن میں بخل کا مادہ ہے تو اس کے لیے جیب سے ایک ایک پیسہ نکالنا مشکل ہو جائے گا اور اگر اندر میں سخاوت کا مادہ ہوگا تو اللہ کی راہ میں خوب مال خرچ کرے گا۔

شریعت تھیوری ہے اور طریقت پریکٹیکل:

شریعت کے اعمال کتابوں میں پڑھائے جاتے ہیں، اور پڑھانے والے کا نام ''استاذ'' ہوتا ہے اور پڑھنے والے کا نام ''طالب علم'' ہوتا ہے جبکہ طریقت والے اعمال سکھائے جاتے ہیں۔ سکھانے والے کو ''پیر'' اور سیکھنے والے کو ''مرید'' کہتے ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دونوں چیزیں سکھاتے تھے یعنی شریعت بھی سکھاتے تھے اور طریقت بھی سکھاتے تھے۔ چنانچہ بہت سے علماء بھی ایسے ہوتے ہیں جو شریعت کے بھی ماہر ہوتے ہیں اور طریقت کے بھی ماہر ہوتے ہیں۔ البتہ بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں جو صرف طریقت کے ماہر ہوتے ہیں، اگرچہ وہ شریعت پر عمل تو کرتے ہیں لیکن اس کے اتنے ماہر نہیں ہوتے کہ اُسے آگے پڑھا سکیں۔ اسی طرح بہت سے لوگ شریعت کے ماہر ہوتے ہیں، وہ طریقت پر عمل تو کرتے ہیں لیکن اس میں اتنے ماہر نہیں ہوتے کہ اُسے آگے دوسروں کو سکھا سکیں۔

ایک بات اور سمجھئے! وہ یہ کہ شریعت کے مسائل آپ کتابوں میں پڑھ سکتے ہیں اور علماء سے پوچھ سکتے ہیں مثلاً نماز کا مسئلہ آپ نے کتاب میں پڑھ لیا۔ اگر سمجھ نہ آیا تو کسی عالم کے پاس جا کر پوچھ سکتے ہیں۔ لیکن طریقت کا معاملہ ایسا نہیں۔ طریقت کے مسائل اور اس کے اعمال کو کتابوں سے نہیں سمجھا جا سکتا اور نہ ہی ان اعمال کو کتابوں سے سیکھا جا سکتا ہے بلکہ اس کے لیے ضروری ہوتا ہے کہ کسی ماہر طریقت کی خدمت میں رہ کر عملی مشق کی جائے۔

گویا یوں کہا جا سکتا ہے کہ شریعت تھیوری (Theory) ہے اور طریقت پریکٹیکل (Practical) کالجوں میں آپ نے دیکھا ہوگا کہ کلاس روم میں تھیوری پڑھائی جاتی ہے لیکن تجربہ کے لیے لیبارٹری (Labortory) میں لے جایا جاتا ہے۔ اسی طرح شریعت اور طریقت کا معاملہ ہے۔ شریعت کو آپ استاد سے پڑھ کر حاصل کر سکتے ہیں لیکن طریقت کے لیے شیخ کے پاس کچھ عرصہ گزارنا پڑے گا۔

ایک نظیر:

اس کی ایک اور نظیر سمجھئے۔ مختلف کتابوں اور رسالوں میں مختلف کھانے بنانے کے طریقے لکھے ہوئے ہوتے ہیں۔ مثلاً ان میں یہ بتایا جاتا ہے کہ کباب بنانے کا یہ طریقہ ہے، بریانی بنانے کا یہ طریقہ ہے، نہاری بنانے کا یہ طریقہ ہے وغیرہ وغیرہ۔ اس طریقے میں پوری تفصیلات موجود ہوتی ہیں۔ یہ بھی بتایا جاتا ہے کہ کون سی چیز کتنی مقدار میں ڈالی جائے گی۔ اب مثلاً آپ نے بریانی بنانے کا طریقہ کسی کتاب سے پڑھ لیا کہ اس میں چاول اتنے ہوں گے، گوشت اتنا ہوگا، مصالحہ اتنا ڈلے گا، نمک اتنا ہوگا، پانی اتنا ہوگا وغیرہ وغیرہ۔ سب کچھ اچھی طرح سمجھ لینے کے بعد از خود بریانی تیار کرنے لگے۔ تو کیا خیال ہے بریانی بن جائے گی؟! بریانی کیا بلکہ بریانی کا دلیہ تیار ہو جائے گا حالانکہ آپ نے کتاب کو اچھی طرح سمجھ لیا تھا اور اس کی ہدایات پر پورا پورا عمل بھی کیا لیکن اس کے باوجود آپ سے بریانی نہیں پک سکی۔ کیوں؟ اس لیے کہ بریانی کا پکانا کتابوں سے نہیں سیکھا جاتا۔ اس کے سیکھنے کا طریقہ یہ ہے کہ آپ کسی ماہر بریانی پکانے والے کی شاگردی اختیار کریں۔ اس کی صحبت میں رہیں، اس کی ہدایات پر عمل کرتے رہیں۔ وہ آپ سے کہے گا کہ اتنا پانی ڈالو کچھ دیر بعد کہے گا کہ اچھا اب اتنے چاول ڈال دو۔ آنچ نیچے رکھو۔ ایسا کرو، ویسا کرو۔ جیسے جیسے وہ کہتا رہے گا، آپ کو ویسا ویسا کرنا پڑے گا۔ کبھی غلطی ہو جائے گی تو ڈانٹ بھی کھانی پڑے گی۔ غرضیکہ اگر آپ اسی طرح اس کے ساتھ لگے رہے تو پندرہ بیس دن میں آپ بہترین بریانی بنانے کے قابل ہو جائیں گے۔

طریقت کا معاملہ بھی ایسا ہی ہے۔ مثلاً کسی کے دل میں ''حسد'' ہے۔ میں آپ کو حسد کی تعریف بتلاؤں اور یہ بھی بتلا دوں کہ اس کے دور کرنے کا طریقہ یہ ہے۔ آپ سمجھ تو لیں گے لیکن اس سے آپ کا حسد دور نہیں ہوگا۔ تکبر کسے کہتے ہیں اور اس سے بچنے کا طریقہ کیا ہے، کتاب میں پڑھنے سے اور استاذ سے تکبر دور نہیں ہوگا۔ اس کے لیے کسی اللہ والے کی خدمت میں جا کر رہنا پڑے گا۔ شیخ ہدایات بھی دیتا رہے گا، روک ٹوک بھی کرتا رہے گا۔ رفتہ رفتہ یہ مرض دور ہو جائے گا۔

شیخ طریقت ماہرِ نفسیات ہوتا ہے:

شیخ طریقت دراصل نفسیات کا ماہر ہوتا ہے۔ وہ ایسے ایسے علاج بتلاتا ہے کہ اس سے دل کی وہ بیماریاں آہستہ آہستہ ختم ہو جاتی ہیں جو جنت کے راستے میں حائل ہونے والی ہیں، دینی اور اخلاقی اعتبار سے انسان کو ہلاک کر دینے والی ہوتی ہیں جیسے بخل، حسد، کینہ اور تکبر وغیرہ۔

اب میں آپ کو اپنی مثال بتاتا ہوں۔ میرے والد ماجد مفتیٔ اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب قدس سرہٗ نے مجھے اور میرے بھائی مولانا محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم کو حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے خلیفۂ حضرت ڈاکٹر عبدالحیؒ عارفی صاحبؒ سے بیعت کرایا۔ الحمد للہ، ہمارا ان کے ساتھ انیس سال تک تعلق رہا۔ ہفتے میں ایک مرتبہ ان سے ملاقات ہو جاتی تھی۔ پھر انہوں نے ہم دو بھائیوں کے لیے ایک مجلس خاص طور پر پیر کے دن رکھی۔ البتہ بعد میں دوسرے لوگ بھی اس میں آنا شروع ہو گئے۔

اس زمانے میں مختلف جلسوں اور ریڈیو پر ہماری تقریریں ہوتی تھیں۔ جلسوں کی تقریر کا اشتہار بعض مرتبہ اخبارات میں بھی آتا تھا، پوسٹر بھی لگے ہوتے تھے۔ بعض مرتبہ ہمارے مضامین بھی اخبارات میں چھپ جاتے تھے۔ یہ سب ہماری نظر میں اشاعتِ دین کا کام تھا لیکن ہمارے مرشدؒ نے ہم سے ایک مرتبہ فرمایا کہ بھائی! آپ

تقریریں نہ کیا کریں۔ آپ جلسوں میں نہ جایا کریں۔ ذہن میں فوراً یہ سوال پیدا ہوا کہ یہ کیوں؟ لیکن حضرت کی بات ماننے کے سوا کوئی چارہ نہ تھا کیونکہ مرید کا کام یہ ہے کہ شیخ جو ہدایت دے، اس پر چوں و چراں نہ کرے۔

شاگرد اور مرید میں فرق:

ایک مزیدار بات یاد آ گئی۔ وہ یہ کہ شاگرد اگر اپنے استاذ سے سوال و جواب اور چوں و چراں نہ کرے تو وہ پرلے درجے کا بیوقوف ہے لیکن طریقت میں مرید اگر چوں چراں کرے گا تو پرلے درجے کا بیوقوف ہوگا چنانچہ فارسی کا ایک مشہور مقولہ ہے کہ:

شاگردیکہ چوں و چراں نہ می کند
و مریدیکہ چوں و چراں کند ہر دو
را بچراگاہ باید فرستاد

''جو شاگرد چوں و چراں نہ کرے اور جو مرید چو و چراں کرے، ان دونوں کو چراگاہ میں بھیج دینا چاہیے (کیونکہ یہ آدمی نہیں بلکہ جانور جیسے ہیں)۔''

شاگرد کا کام تو سوال کرنا ہے۔ اگر وہ سوال نہیں کرے گا تو اُسے کبھی پختہ علم حاصل نہیں ہوگا مثلاً میڈیکل کے طالبعلم نے استاد سے سبق پڑھا، فارمولا آدھا سمجھ میں آیا، آدھا نہیں آیا لیکن جو سمجھ میں نہیں آیا، وہ اس نے استاد سے پوچھا بھی نہیں تو ایسا طالبعلم کبھی ماہر ڈاکٹر نہیں بن سکتا۔ لیکن یہی شاگرد اگر بیمار پڑ کر ہسپتال پہنچ گیا اور ڈاکٹر نے اس کے لیے دوائی تجویز کی اور کہا کہ فلاں دوا فلاں وقت کھاؤ، فلاں انجکشن لگواؤ اور فلاں فلاں پرہیز کرو تو اگر وہاں یہ ڈاکٹر سے پوچھے گا کہ آپ نے جو فلاں فلاں دوا تجویز کی ہے، اس کی دلیل بھی بتلا دیں اور فلاں پرہیز کی وجہ بھی سمجھا دیں تو ڈاکٹر صاحب اُس کو وہیں سے رخصت کر دیں گے کہ یہ سوالات آپ میڈیکل کالج میں تو کر سکتے ہیں، ہسپتال میں نہیں کر سکتے۔

اسی طرح استاذ سے تو شاگرد پوچھتا ہے لیکن شیخ اگر اپنے مرید کو کسی کام کے کرنے کا یا کسی کام سے رکنے کا حکم دیتا ہے تو مرید کو اس کی وجہ پوچھنے کا حق نہیں۔ لہٰذا جب حضرت نے ہمیں تقریریں کرنے سے منع کر دیا تو ہم خاموش ہو گئے۔

جلسوں والے آئے تو ان سے معذرت کر دی، ریڈیو والے آئے کہ فلاں تاریخ کو آپ کی تقریر ہوتی تھی، تشریف لائیں لیکن حضرتؒ کی طرف سے اجازت نہ ہونے کی وجہ سے ان سے بھی معذرت کرنا پڑی، اخبارات میں مضامین بھیجنا بھی بند کر دیئے بلکہ اگر ان کا مطالبہ بھی آیا تو انکار کرنا پڑا۔ اب ذہن میں یہ آتا تھا کہ حضرت ان نیک کاموں سے روک رہے ہیں تو اس کی کوئی حکمت ضرور ہو گی۔ لیکن وہ حکمت کیا تھی، دس سال تک ہمیں معلوم نہ ہو سکی۔

دس سال بعد حکمت معلوم ہوئی:

دس سال بعد ایک مرتبہ حضرت نے فرمایا کہ میں نے جلسوں اور ریڈیو پر تقریر کرنے سے اس لیے روکے رکھا کہ ابھی آپ کو ''بلوغ'' نہیں ہوا۔ جب ''بلوغ'' ہو جائے گا تو پھر کسی کے روکے بھی نہیں رکو گے۔ یہ فرما کر اندر کمرے میں تشریف لے گئے اور خطوط کا ایک ڈھیر اٹھا کر باہر لائے اور فرمایا کہ یہ سارے کے سارے خطوط شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحبؒ کے ہیں۔ ان میں سے ہر خط کے اندر یہ بات ضرور لکھی ہے کہ مجھے بڑی خوشی ہے کہ یہ دونوں صاحبزادے (میں اور مولانا تقی عثمانی) آپ کی زیر تربیت ہیں۔ میری درخواست ہے کہ آپ ان دونوں پر خصوصی توجہ فرمائیں۔ چونکہ یہ بڑے باپ کے بیٹے ہیں، اس لیے مجھے ڈر ہے کہ کہیں ان کے دلوں میں تکبر پیدا نہ ہو جائے اس لیے اس پہلو کا خصوصیت سے خیال رکھیں۔

یہ خطوط دکھانے کے بعد فرمایا کہ مولوی صاحب! میں نے آپ کو جلسوں وغیرہ میں تقاریر کرنے اور اخبارات میں مضامین لکھنے سے اس لیے منع کیا تھا کہ کہیں آپ کے

اندر شہرت کا شوق نہ پیدا ہو جائے۔ خدانخواستہ اگر آپ کے اندر شہرت کا شوق پیدا ہو گیا تو ساری محنت اکارت چلی جائے گی۔

اس مثال سے آپ سمجھ گئے ہوں گے کہ شیخ اپنے مریدوں کا علاج کس طرح کرتا ہے۔ دراصل مرشد یہ دیکھتا ہے کہ کون سی بیماری مرید میں موجود ہے یا کون سی بیماری کا خطرہ ہے۔ پھر اس کے علاج یا سدِ باب کے لیے مختلف تدبیریں اختیار کرتا ہے۔

کسی مرید کے بارے میں مثلاً حسد کا خطرہ ہوتا ہے تو اس کے حسد کا علاج کرتا ہے، کسی کے بارے میں بخل کا خطرہ ہوتا ہے تو اس کے بخل کا علاج کرتا ہے۔ ہمارے بارے میں تکبر کا خطرہ تھا تو ہمارا اس طرح علاج کیا۔ گویا طریقت گناہوں اور باطنی بیماریوں سے بچنے کی عملی کوشش اور پریکٹیکل کرانے کا نام ہے۔

میں سمجھتا ہوں کہ اس تفصیل سے شریعت اور طریقت، استاد و شاگرد اور مرشد و مرید کا فرق سمجھ میں آ گیا ہوگا۔ باقی باتیں پھر کبھی سہی۔

وآخر دعوانا أنِ الحمدللّٰہ رب العالمین○

سوالات و جوابات

حضرت مدظلہم کے خطاب کے بعد سامعین نے مختلف طرح کے دینی سوالات پوچھے، جن کے حضرت مدظلہم نے ان کے تسلی بخش جوابات دیئے۔ افادۂ قارئین کے لیے وہ سوالات و جوابات بھی طبع کیے جارہے ہیں۔

کیا چاروں فقہی مذاہب کو جمع کر کے ایک مذہب بنایا جا سکتا ہے؟

سوال:

کیا یہ ممکن ہے کہ چاروں فقہی مکاتب کو ملا کر ایک فقہ کر دی جائے تاکہ عام مسلمانوں کے لیے آسانی پیدا ہو جائے اور وہ کنفیوژن کا شکار نہ ہوں۔

جواب:

جی ہاں، عقلاً بھی ممکن ہے اور شرعاً بھی ناجائز نہیں ہے۔ لیکن اس کے لیے ایسے امام کی ضرورت ہے جو چاروں اماموں سے زیادہ علم رکھنے والا ہو۔ بظاہر جب امام مہدی علیہ السلام تشریف لائیں گے تو وہ یہ کام کریں گے۔

دوسری بات یہ ہے کہ اس طرح چار فقہی مذاہب پیدا ہونے میں کنفیوژن کی کوئی بات ہی نہیں۔ اس کی مثال سمجھ لیجیے۔ فرض کیجیے چار بھائی ہیں اور چاروں بیمار ہیں اور مختلف ڈاکٹروں سے علاج کرا رہے ہیں تو صاف بات یہ ہے کہ جو بھائی جس ڈاکٹر کا علاج کرا رہا ہے، اس کی پابندی کرے، انشاء اللہ شفا ہو جائے گی۔ اگرچہ ہر ڈاکٹر کی بتائی ہوئی دوا دوسرے ڈاکٹر کی دوا سے مختلف ہو سکتی ہے لیکن ہر بھائی اگر صرف اپنے ہی ڈاکٹر کی بتلائی دوا استعمال کرے گا تو کوئی کنفیوژن پیدا نہیں ہو گا۔ ہاں، کنفیوژن اُس وقت پیدا ہو گا جب ایک بھائی اپنے ڈاکٹر کی دوا بھی کھائے اور دوسرے کی دوا بھی کھا لے یا یہ اپنی دوا چھوڑ کر دوسرے کی دوا کھا لے یا جو پرہیز ڈاکٹر نے ایک بھائی کو بتلایا ہے، وہ اس

پرہیز کو چھوڑ کر اس پرہیز کو اختیار کرلے جو اس کے بھائی کو بتلایا گیا ہے۔ اگر ایسا نہ ہو تو پھر کوئی کنفیوژن کی بات نہیں۔

اسی طرح اگر ہر آدمی اپنے اپنے امام کی فقہ پر عمل کرتا رہے تو کوئی گڑبڑ نہیں ہوتی، ساری گڑبڑ اس وقت پیدا ہوتی ہے، جب آدمی یہ کہے کہ میں جس امام کی فقہ پر عمل کر رہا ہوں، فلاں شخص بھی اُسی امام کی فقہ پر عمل کرے۔ چاروں امام برحق ہیں۔ ان میں سے جو جس کی پیروی کرے گا، انشاء اللہ سیدھا جنت میں جائے گا۔ لہٰذا اس میں کنفیوژن کی کوئی بات نہیں۔

نماز میں پاؤں ملانے کا حکم

سوال:

نماز کے اندر پاؤں سے پاؤں ملا کر کھڑے ہونا چاہیے یا نہیں؟ قرآن وسنت کی روشنی میں بتائیں۔

جواب:

پہلے یہ سمجھ لیں کہ قرآنِ کریم یا احادیث میں کہیں یہ نہیں آیا کہ ایک نمازی دوسرے کے پاؤں کے ساتھ اپنا پاؤں اڑا کر کھڑا ہو جائے۔ ملا کر کھڑے ہونے کا مطلب یہ ہے کہ لائن میں ہوتا کہ صف سیدھی ہو جائے۔ جس طرح شانے سے شانے کو ملانے کا حکم آیا ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ بالکل ملا دو (اور یہ تو ممکن بھی نہیں) بلکہ مراد یہ ہے کہ سیدھ میں رکھو۔

ہیرے پر زکوٰۃ ہے یا نہیں؟

سوال:

ہیرے (Diamond) پر زکوٰۃ ہے یا نہیں؟ ہے تو کتنی ہے، نہیں ہے، تو کیوں نہیں؟

جواب:

اگر ہیرا تجارت کے لیے نہ ہو تو اس پر زکوٰۃ نہیں ہے البتہ سونا خواہ تجارت کے لیے ہو یا پہننے کے لیے دونوں صورتوں میں اس پر زکوٰۃ ہے۔ باقی رہا یہ سوال کہ ہیرے پر زکوٰۃ کیوں نہیں تو اس کا نہایت دانشمندانہ جواب یہ ہے کہ اللہ اور اس کے رسول نے اس پر زکوٰۃ فرض نہیں کی۔ ہم تو حکم کے پابند ہیں، جس طرح اللہ کا حکم ہوگا، اسی طرح اس کی پیروی کریں گے۔

قصر نماز کتنی ہے؟

سوال:

قصر نماز کتنی ہے، دو یا چار؟

جواب:

قصر نماز میں چار رکعت والی نماز کی دو رکعتیں پڑھی جاتی ہیں۔

کیا کسی ایک امام کی تقلید ضروری ہے؟

سوال:

کیا چاروں ائمہ میں سے کسی ایک امام کی تقلید کرنا ضروری ہے؟

جواب:

یہ سوال بہت سے لوگ کرتے ہیں۔ اس کا تفصیلی جواب سمجھ لیجیے۔ قرآن مجید نے اپنی خواہشات کی پیروی کرنے سے منع کیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ خواہشات نفس کی پیروی کرنا حرام ہے۔ اور اس حرام سے بچنے کی صورت یہ ہے کہ کسی ایک امام کی تقلید کی جائے۔ ایسا نہ کیا جائے کہ کچھ باتوں میں امام کی پیروی کر لی، کچھ دوسری باتوں میں

دوسرے امام کی تقلید کریں۔ اگر ایسا کرنے کی اجازت دی گئی تو لوگ خواہشات نفس کی پیروی کریں گے کہ اپنی مرضی اور خواہش کا مسئلہ تلاش کریں گے، وہ جہاں بھی مل جائے، اس پر عمل کریں گے اور چونکہ ایسا کرنا حرام ہے اس لیے کسی ایک امام کی پیروی کرنا ضروری ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ کسی ایک امام کی پیروی نہ کرنے سے بعض مرتبہ ایسی صورتحال بھی پیش آسکتی ہے کہ آدمی کا عمل شرعاً بالکل معتبر نہ رہے حالانکہ وہ شخص اپنے طور پر اُسے درست سمجھ رہا ہو مثلاً امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک مسئلہ یہ ہے کہ اگر جسم کے کسی حصہ سے خون نکل کر ذرا سا بہہ جائے تو وضوٹوٹ جاتا ہے۔ جبکہ امام شافعیؒ کے نزدیک خون بہنے سے وضونہیں ٹوٹتا۔ اس کے برعکس ایک دوسرا مسئلہ ہے۔ وہ یہ کہ اگر کسی شخص نے کسی عورت کو حائل کے بغیر چھوا تو امام شافعیؒ کے نزدیک اس کا وضوٹوٹ گیا جبکہ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک وضونہیں ٹوٹتا۔

اب ایک شخص سے یہ دونوں کام ہو گئے۔ یعنی اس کا خون بھی بہا اور اس نے بغیر حائل کے کسی عورت کو بھی چھوا وہ کہتا ہے کہ آج سردی بہت ہے وضو کرنا مشکل ہو رہا ہے۔ ایسا کر لیتا ہوں کہ خون کے معاملے میں امام شافعیؒ کا مسلک اختیار کر لیتا ہوں اور عورت کو چھونے والے مسئلے میں امام ابوحنیفہؒ کے مذہب پر عمل کر لیتا ہوں لہٰذا نیا وضو کیے بغیر نماز پڑھ لیتا ہوں۔ اگر یہ شخص ایسا کرے گا تو اس کی نماز کسی کے نزدیک بھی درست نہیں ہوگی حالانکہ وہ یہ سمجھے گا کہ میں یہ کام صحیح کر رہا ہوں۔

اس کو ایک نظیر کے ذریعے سے بھی سمجھ لیجئے۔ آپ ایک ڈاکٹر سے علاج کرا رہے ہیں۔ عین اُسی وقت میں اُسی مرض کا علاج کسی دوسرے ڈاکٹر سے شروع کر دیتے ہیں۔ کچھ دوائیں ایک ڈاکٹر نے بتا رکھی ہیں، کچھ دوسرے نے بتا رکھی ہیں۔ آپ اپنی مرضی سے ان میں تبدیلیاں کرتے رہتے ہیں کہ سیرپ تو فلاں ڈاکٹر کا اچھا رہے گا اور گولیاں فلاں ڈاکٹر کی بہتر رہیں گی تو خود ہی بتائیے کہ اپنی مرضی کی ایسی تبدیلیوں کا کیا

انجام ہوگا۔ ایسا ہی معاملہ اُس شخص کا ہے جو اپنے آپ کو ایسا آزاد کرنا چاہتا ہے کہ جس کو چاہا اختیار کر لیا تو درحقیقت وہ نہ اللہ کی پیروی کر رہا ہے نہ اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اور نہ ائمہ اربعہ میں سے کسی کی بلکہ وہ تو سیدھا سادا شیطان کی اور اپنے نفس کی پیروی کر رہا ہے جس سے قرآن نے صاف منع کیا ہے۔

باہمی ناراضگی اور عداوت کا حکم

سوال:

میں حج کے مبارک سفر پر جا رہا ہوں لیکن میری اپنے ایک دوست کے ساتھ کسی بات پر ناراضگی ہوگئی ہے۔ جی چاہتا ہے کہ سفرِ حج پر جانے سے پہلے معافی تلافی کر لوں لیکن میرا بھائی کہتا ہے کہ کہاں لکھا ہوا ہے کہ سفرِ حج سے پہلے ناراض لوگوں کو منایا جائے۔ براہِ مہربانی ہماری رہنمائی فرمائیں۔

جواب:

آپ نے بہت اچھا سوچا ہے۔ حج پر جانے سے پہلے راضی نامہ کر لینا چاہیے۔ مسلمانوں کے درمیان ناراضگی اور عداوت و دشمنی سخت حرام ہے۔ اتنی سخت حرام ہے کہ لیلۃ القدر میں سب لوگوں کی بخشش ہو جاتی ہے لیکن ایسے دو لوگوں کی بخشش نہیں ہوتی جو ایک دوسرے سے عداوت رکھتے ہوں۔

ویسے بھی حج پر جانے سے پہلے اپنے گناہوں سے توبہ کر لینی چاہیے اور توبہ کے اندر یہ بھی داخل ہے کہ اگر کسی کے ساتھ ناراضگی چل رہی ہو تو معافی تلافی کر لی جائے۔

ایک اور بات آپ کی خدمت میں عرض کردوں۔ وہ یہ کہ راضی نامے کا آسان طریقہ یہ ہے کہ اپنی مونچھیں نیچی کرلو۔ اگر آپ یہ چاہیں گے کہ دوسرے کی مونچھیں نیچی ہوں، میری اونچی رہیں تو صلح نہیں ہوگی کیونکہ وہ بھی یہی چاہے گا کہ میری مونچھیں اونچی رہیں اور دو متکبروں میں کبھی اتفاق نہیں ہوتا۔ اتحاد و اتفاق کے لیے ضروری ہے کہ کوئی ایک فرق مونچھیں

نیچی کرنے کے لیے تیار ہو جائے۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

﴿مَنْ تَواضَعَ لِلّٰهِ رَفَعَهُ اللّٰهُ﴾

''جو شخص اللہ کے لیے اپنے آپ کو نیچے کرتا ہے اللہ تعالیٰ اُسے بلندی عطا فرماتا ہے۔''

آپ پستی اختیار کیجئے انشاء اللہ، اللہ تعالیٰ آپ کو دنیا و آخرت میں بلندی عطا فرمائے گا۔

پیر کی بے چوں و چراں پیروی کیوں؟

سوال:

آپ نے اپنی تقریر کے دوران کہا ہے کہ طریقت میں سوال نہیں کرنا چاہیے یعنی اگر پیر نے کچھ کہا ہے تو سوال نہیں کرنا چاہیے۔ کیا شریعت میں اس کی کوئی دلیل ہے۔

جواب:

قرآن مجید میں ہے:

﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ﴾

''اے ایمان والو! اطاعت کرو اللہ اور اس کے رسول کی اور تم میں جو اَمر والے ہیں ان کی۔''

''اولوالامر'' سے کیا مراد ہے؟ اس کے بارے میں مفسرین کے اقوال مختلف ہیں لیکن ہمارے بزرگوں نے جس کو اختیار کیا اور تفسیر معارف القرآن میں ہمارے والد ماجدؒ نے جس کو بیان کیا ہے، وہ یہ ہے کہ نظمِ حکومت میں اولوالامر سے مراد حکام ہیں اور شرعی مسائل میں علماء اور اللہ والے ہیں تو جس کو آپ نے اپنا مرشد بنایا ہے، بے چوں و چراں اس کی پیروی کریں۔

خواتین کے لیے مسجد میں نماز پڑھنے کا حکم

سوال:

کیا خواتین کے لیے مسجد میں نماز پڑھنا جائز ہے؟

جواب:

اس کا جواب ذرا تفصیل سے سمجھ لیجئے۔ بات یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں مسجد نبوی میں خواتین نماز کے لیے آیا کرتی تھیں اور طریقہ یہ ہوتا تھا کہ مرد آگے ہوتے تھے، ان کے پیچھے بچے اور سب سے آخر میں خواتین۔ لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

"عورتوں کے لیے افضل نماز وہ ہے جو اپنے گھر میں پڑھیں اور گھر میں بھی صحن کے مقابلے کمرے کے اندر نماز پڑھنا زیادہ افضل ہے۔"

یہ بات اُس وقت فرمائی جب عورتیں مسجد نبوی میں نماز ادا کرنے کے لیے حاضر ہوتی تھیں جس میں ایک نماز کا ثواب پچاس ہزار نمازوں کے برابر ہے اور مسجد نبوی میں اُس وقت امامت بھی خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تھی۔ اس کے باوجود فرمایا کہ عورتوں کے لیے افضل یہ ہے کہ وہ گھر میں نماز پڑھیں لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کو روکا نہیں۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ عورتیں مسجد آئیں گی تو اسلام کے احکام براہِ راست سیکھ سکیں گی۔ اس وجہ کے پیشِ نظر اگرچہ منع نہیں کیا لیکن ترغیب اس بات کی دی کہ عورتیں گھر میں نماز پڑھیں۔ اس سے یہ بات معلوم ہو رہی ہے کہ خاتون اگر گھر میں نماز پڑھے تو اس کو مسجدِ نبوی جتنا ثواب ملتا تھا، اس سے زیادہ ثواب مدینہ طیبہ کے اندر گھر میں نماز پڑھنے پر ملتا۔

اس کے ساتھ ساتھ دوسری بات یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کو چند شرطوں کے ساتھ مسجد میں آنے کی اجازت دی مثلاً یہ کہ وہ راستے کے بیچ میں چل کر

نہ آئیں، بلکہ راستے کے کنارے کنارے سمٹ کر چلیں۔ دوسرے یہ کہ بن سنور کر نہ نکلیں۔تیسرے یہ کہ پردے کے ساتھ نکلیں۔ چوتھے یہ کہ خوشبو لگا کر نہ نکلیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد ایک مرتبہ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ اس زمانے میں عورتوں نے جو طریقہ اختیار کر لیا، اگر اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دیکھ لیتے تو عورتوں کو مسجد میں آنے سے منع کر دیا جاتا جس طرح بنی اسرائیل کی عورتوں کو منع کر دیا گیا تھا۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے یہ بات اس زمانے میں فرمائی جب صحابہ کرام کی ایک کثیر تعداد حیات تھی۔ معلوم ہوا کہ صحابہ کرام کے دور ہی میں عورتوں نے وہ پابندیاں چھوڑ دی تھیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر عائد کی تھیں حالانکہ صحابہ کرام کا زمانہ وہ ہے کہ جس کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

﴿خیر القرون قرنی ثم الذین یلونھم ثم الذین یلونھم﴾

''سب سے بہتر زمانہ میرا زمانہ ہے اس کے بعد اس سے ملا ہوا دور ہے اور اس کے بعد اس سے ملا ہوا دور ہے۔''

تو صحابہ کرام کا دور ''خیر القرون'' کہلاتا ہے، اس زمانے میں کچھ عورتوں کا یہ حال ہو گیا کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو یہ فرمانا پڑا کہ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم عورتوں کا یہ حال دیکھ لیتے تو انہیں مسجد میں آنے سے منع کر دیا جاتا۔ کچھ عرصے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عورتوں کو مسجد میں آنے سے منع کر دیا۔ چنانچہ آج تک اسلامی ممالک میں یہی ہو رہا ہے کہ خواتین نماز کے لیے مسجدوں میں نہیں آتیں البتہ مسجدوں میں عورتوں کے لیے نماز کی جگہ رکھ دی جاتی ہے تاکہ اگر وہ شہر میں کہیں سفر کے لیے جا رہی ہیں (اور شہر بھی بڑے بڑے ہیں) اور راستے میں کہیں نماز کا وقت ہو جائے تو وہ وہاں نماز پڑھ لیں۔

لیکن یہاں امریکہ اور یورپ کے حالات دیکھ کر میرا خیال یہ ہو رہا ہے (یہ میرا

فتویٰ نہیں، محض خیال ہے) کہ اگر یہاں کے ماحول میں ہم خواتین کو محرموں کے ساتھ مسجد میں آنے کی اجازت دے دیں اور ان شرائط کی پابندی بھی کی جائے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لگائی تھی تو امید ہے کہ اس سے کوئی بڑی خرابی پیدا نہیں ہو گی اور انشاء اللہ ایسا کرنا ناجائز بھی نہیں ہوگا۔

یہ بات میں اس لیے کہہ رہا ہوں کہ ہماری خواتین کے پاس یہاں دین سیکھنے کا اور کوئی ذریعہ نہیں۔ مسجد میں آنے سے انہیں دین سیکھنے کا کچھ موقع مل جائے گا۔

ملازمت یا تجارت کی غرض سے امریکہ میں رہائش کا حکم

سوال:

اگر کوئی شخص ملازمت یا تجارت کی غرض سے امریکہ میں رہائش اختیار کرتا ہے تو اس کا کیا حکم ہے؟

جواب:

جائز ہے بشرطیکہ شریعت پر عمل کر سکے لہٰذا اگر اُسے خطرہ ہو کہ یہاں رہ کر وہ دین پر عمل نہیں کر سکے گا یا اس کے بیوی بچے اس پر عمل نہیں کر سکیں گے تو ایسی صورت میں یہاں رہنا جائز نہیں ہوگا۔

موجودہ زمانے کے یہودی وعیسائی اہلِ کتاب ہیں یا نہیں؟

سوال:

کیا اس زمانے کے یہودی اور عیسائی اہل کتاب ہیں یا نہیں؟

جواب:

یہ سوال اس لیے کیا گیا ہے کہ اسلام نے اہل کتاب کا ذبیحہ کھانے اور ان کی

عورتوں سے نکاح کرنے کی اجازت دی ہے تو اگر ہم ان کو اہل کتاب تسلیم کر لیں تو ان کا ذبیحہ حلال اور ان کی عورتوں سے نکاح کرنا جائز ہو جائے گا۔

جواب یہ ہے کہ یہودی اور عیسائیوں میں سے بہت سے لوگ تو وہ ہیں جو محض خاندانی نسبی طور پر اپنے آپ کو یہودی یا عیسائی کہتے ہیں۔ ان کے عقیدے یہودیت یا عیسائیت والے نہیں ہیں چنانچہ ان میں سے بہت سارے ایسے ہیں جو خدا کو ہی نہیں مانتے ایسے لوگ درحقیقت بے دین ہیں لہٰذا ان کی عورتوں سے نکاح بھی جائز نہیں اور ان کا ذبیحہ بھی حلال نہیں۔

لیکن اگر یہودی اور عیسائی اپنے مذہب پر قائم ہیں تو ان کا ذبیحہ حلال ہو گا بشرطیکہ ذبح کرتے وقت ان شرائط کی پابندی کریں جو ان کے مذہب میں مقرر کی گئی ہیں۔ ہماری معلومات یہ ہیں کہ یہاں یہودی تو اپنے مذہب کے مطابق ذبیحہ کرتے ہیں (اُسی کو کوشر کہتے ہیں) اور عیسائی اپنے مذہب کے مطابق ذبیحہ نہیں کرتے۔

صحیح مرشد کی پہچان

سوال:

صحیح مرشد کی پہچان کیا ہے؟ کس کو اپنا مرشد بنایا جائے؟

جواب:

مرشد کی مثال ڈاکٹر کی ہے۔ جس ڈاکٹر کو حکومت کی طرف سے لوگوں کا علاج کرانے کی اجازت ملی ہو اُس سے علاج کرانا تو درست ہے لیکن جس ڈاکٹر کو حکومت نے علاج کرنے کی اجازت نہ دی ہو، اُس سے علاج کرانا عقلمندی نہیں۔ اسی طرح ایسا شخص جس کا مرشد یہ سمجھتا ہے کہ اب یہ تربیت حاصل کر چکا ہے اور دوسروں کا علاج کر سکتا ہے تو وہ اُسے اپنی طرف سے خلیفہ بناتا ہے جس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اُسے اس کا مرشد کی

طرف سے دوسروں کی تربیت کرنے کی اجازت مل گئی تو جس شخص کو اس کا شیخ اس طرح کی اجازت دے دے تو اس کے لیے دوسروں کو بیعت کرنا جائز ہے اور دوسروں کے لیے بھی جائز ہے کہ وہ اُسے اپنا مرشد بنائیں۔

لیکن یہاں یہ بات یاد رکھیں کہ آج کل سجادہ نشینی کا ایک سلسلہ بھی چل پڑا ہے۔ باپ پیر تھا، اس کے مرید بھی تھے، اس کا انتقال ہوا تو بیٹا اس کے جانشین بن گیا، حالانکہ بسا اوقات ایسا شخص دین پر عمل کرنے والا نہیں ہوتا، تو ایسے لوگوں کے ہاتھ پر بیعت کرنا بالکل جائز نہیں۔

گویا صحیح مرشد ہونے کے لیے بنیادی طور پر دو شرائط کا پایا جانا ضروری ہے۔

(۱) اُسے اپنے شیخ سے اجازت ملی ہوئی ہو۔

(۲) وہ شریعت پر عمل کرنے والا ہو۔

ایک وقت تین طلاقیں دینے کا حکم

سوال:

شوہر نے بیوی سے ناراضگی کی بنیاد پر ایک ہی وقت میں تین طلاقیں دے دیں تو کیا اس عورت پر تینوں طلاقیں واقع ہوگئیں؟ وضاحت فرمائیں۔

جواب:

آج کل ایک مشکل تو یہ ہوگئی ہے کہ جب بھی بیوی کو طلاق دیتے ہیں تو تین طلاقیں ہی دیتے ہیں، حتیٰ کہ اب یہاں تک ہوگیا ہے کہ شوہر کو خود لکھنا نہیں آتا، وہ عرضی نویس کے پاس جا کر کہتا ہے کہ مجھے طلاق لکھ دو۔ وہ بھی تین طلاقیں لکھتا ہے۔ پھر اس سے دستخط کروالیتا ہے یا انگوٹھا لگوالیتا ہے۔

خوب سمجھ لیجئے کہ تین طلاقیں اکٹھی دینا ناجائز ہے۔ ایک طلاق سے کام چل سکتا ہے۔ اس کا فائدہ یہ ہوگا کہ عدّت کے اندر اگر رجوع کرنا چاہے گا تو رجوع کر سکتا

ہے۔ دوسری طلاق کے بعد بھی یہی اختیار رہتا ہے لیکن تین طلاقیں دینے کے بعد یہ اختیار نہیں رہتا حتیٰ کہ تین طلاقیں دینے کے بعد دوبارہ نکاح بھی نہیں ہوسکتا۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ تین طلاقیں دینا کتنا خطرناک ہے اور گناہ ہے لیکن یاد رکھیے جب تین طلاقیں دے دی جائیں تو تینوں طلاقیں واقع ہو جائیں گی۔ اس کی مثال یوں سمجھیں کہ میرے ہاتھ میں پستول ہے اور سامنے ایک آدمی ہے۔ اگر میں اس کو ایک گولی ماروں گا تو ایک لگے گی، تین ماروں گا تو تین لگیں گی۔

دوسرے شیخ کی بیعت کرنے کا حکم

سوال:

اگر شیخ کا انتقال ہو جائے تو کیا یہ ضروری ہے کہ دوسرے شیخ کی بیعت کی جائے یا پہلے ہی شیخ کی تعلیمات کو جاری رکھا جائے؟

جواب:

اگر مرشد کا انتقال ہو جائے تو کسی دوسرے مرشد سے بیعت کرنا واجب تو نہیں البتہ کسی شیخ سے اپنا اصلاحی تعلق ضرور قائم کر لینا چاہیے۔

داڑھی کا شرعی حکم اور اس کی مقدار

سوال:

داڑھی رکھنے کا کیا حکم ہے اور اس کی مقدار کیا ہے؟

جواب:

جہاں تک داڑھی رکھنے کا تعلق ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا بار بار حکم دیا ہے۔ آپ کا ارشاد ہے:

﴿اعفوا اللُّحی﴾

''داڑھیوں کو بڑھاؤ۔''

اور شریعت کا قاعدہ یہ ہے کہ جس چیز کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمائیں کہ یہ کرو تو وہ واجب ہو جاتی ہے۔لہٰذا داڑھی رکھنا واجب ہے۔

باقی رہا یہ سوال کہ داڑھی کی مقدار کیا ہے تو بات یہ ہے کہ حدیث کی تفسیر حدیث سے اور صحابہ کرام کے عمل سے ہوتی ہے۔ایک حدیث میں آتا ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی داڑھی کے اطراف سے کچھ بال لیا کرتے تھے۔

اس سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ داڑھی کے کچھ بال کاٹنے کی گنجائش ہے۔ لیکن کتنی کاٹنے کی گنجائش ہے، یہ بات اس حدیث سے معلوم نہیں ہوئی۔

ایک اور روایت میں حضرت عبداللہ بن عمر کا واقعہ ہے۔عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے تھے۔ان کا خاص وصف یہ ہے کہ ان کے اندر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایسی ایسی سنتوں پر عمل کرنے کا بھی بہت اہتمام تھا جو سننِ عادیہ کہلاتی ہیں یعنی جن کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے شریعت کے طور پر نہیں کیا بلکہ اُسے اپنی عادت میں شامل کر لیا۔

ان کا یہ عمل دیکھا گیا کہ آپ اپنی داڑھی کو مٹھی میں پکڑ کر قینچی سے کاٹ دیتے تھے۔اس سے معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جو یہ ثابت ہے کہ آپ اپنی داڑھی سے کچھ لیا کرتے تھے۔اس کی مقدار حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے اس عمل سے ثابت ہوئی۔اس بنیاد پر علماءِ کرام نے فرمایا کہ داڑھی کو کاٹنا اس حد تک جائز ہے کہ مٹھی سے کم نہ ہو۔

داڑھی کی حدود

سوال:

داڑھی کی حدود کیا ہیں؟

جواب:

داڑھی کو عربی زبان میں "لحیہ" کہا جاتا ہے اور "لحیہ" نیچے کے جبڑے کو بھی کہتے ہیں لہٰذا نیچے کے جبڑے کے مقابلے میں جو بال ہیں، وہ داڑھی میں شامل ہیں۔

اجتماعی قرآن خوانی کا حکم

سوال:

اجتماعی قرآن خوانی کرنے کا کیا حکم ہے؟

جواب:

کسی روایت سے یہ بات ثابت نہیں ہوتی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یا صحابہ کرام کے دور میں لوگ جمع ہو کر قرآن کریم ختم کرتے ہوں اور پھر اس کا ایصالِ ثواب کرتے ہوں اس لیے اس کا اہتمام نہیں کرنا چاہیے البتہ اگر کہیں میت ہو گئی اور لوگ جمع ہو گئے تو بجائے اس کے کہ وہ فارغ بیٹھے رہیں یا ادھر ادھر کی باتیں کریں، اگر تلاوتِ قرآن کر کے ایصالِ ثواب کر لیں تو یہ زیادہ بہتر ہے اور اس کے لیے یہ بھی ضروری نہیں کہ پورا قرآن مجید ختم کیا جائے بلکہ جس کو جتنی توفیق ہو جائے، وہ اتنا پڑھ کے ایصالِ ثواب کر دے۔

سالگرہ منانے کا حکم

سوال:

برتھ ڈے (سالگرہ) منانا جائز ہے یا نہیں؟

جواب:

ہمارے والد صاحب فرمایا کرتے تھے کہ لوگ سالگرہ اس خوشی میں مناتے ہیں

کہ ہماری عمر ایک سال بڑھ گئی۔ غور کریں تو معلوم ہوگا کہ ایک سال بڑھی نہیں بلکہ گھٹ گئی، جتنی عمر لے کر آیا تھا، ہر سال اس سے ایک سال کم ہوتی جارہی ہے تو یہ خوشی کے بجائے فکر مندی کی بات ہے۔ یہ خوشی منانے کے بجائے اپنا احتساب کرنے کا موقع ہے۔ اپنے آپ سے پوچھیں کہ ہم ایک سال قبر کے قریب ہو گئے اور ہم نے اس کے لیے کیا تیاری کی۔

دوسری بات یہ ہے کہ یہ غیر مسلموں کا طریقۂ کار ہے اگر غیر مسلموں کے مذہبی شعار میں تشبہ ہو تو وہ حرام ہے اور اگر مذہبی شعار نہیں تو بھی تشبہ کراہت سے خالی نہیں کیونکہ وہ دوسروں کا اپنایا ہوا طریقہ ہے، اس لیے اس سے بھی بچنا چاہیے۔

واللہ اعلم بالصواب

عالمِ اسلام کے حالات

ایک اجمالی جائزہ

خطاب: حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی مدظلہم
مقام: دینہ (جہلم)
ترتیب وعنوانات: اعجاز احمد صمدانی

﴿عالمِ اسلام کے حالات ایک اجمالی جائزہ﴾

خطبہ مسنونہ

﴿الحمد للّٰه نحمدهٗ و نستعينه، و نستغفرهٗ و نومن بهٖ و نتوكّل عليه و نعوذُ باللّٰهِ مِن شرورِ انفسنا ومِن سيئاتِ أعمالنا . من يهدِهِ اللّٰهُ فلا مضلّ لهٗ و مَن يضلِلهُ فلا هادى لهٗ و نشهدأن لا الٰه إلاّ اللّٰه وحدهٗ لاشريك لهٗ ونشهد أنّ سيدنا و سندنا و مولانا محمدًا عبدهٗ و رسولهٗ، صلى اللّٰه تعالىٰ عليه وعلىٰ آلهٖ و صحبه وسلم تسليماً كثيراً كثيراً.﴾

امّا بعد:

فَاعوذ باللّٰهِ من الشيطان الرجيم

بسمِ اللّٰه الرحمٰن الرحيم

﴿لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنِ إِذْبَعَثَ فِيْهِمْ رَسُولاً مِنْ أَنْفُسِهِمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ أيٰاتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمْ

الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۚ وَإِنْ كَانُوا مِنْ قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ﴾ (آل عمران، ۱۶۴)

امید افزا صورت حال

بزرگانِ محترم، حضرات علماء کرام اور معزز سامعین!

میرے لئے آپ کے اس شہر "دینہ" میں آنے کا یہ پہلا موقع ہے۔ یہاں قریب سے گزرا تو ہوں لیکن اس سے پہلے یہاں رکنے کا موقع نہیں ملا۔ آج کے سفر میں یہاں آنے کے بعد چند گھنٹوں میں جن حضرات سے ملاقاتیں ہوئیں، اس سے ایک امید افزا صورت سامنے آئی کہ الحمد للہ، اس علاقے میں دین کے جذبات موجود ہیں اور مخالفین اسلام کی سازشوں اور کوششوں کے باوجود یہاں دین کا ایک ولولہ اور جذبہ صادقہ موجود ہے۔ یہ ایک فال نیک ہے۔ اللہ تعالیٰ اس جذبے کو اس پورے علاقے کے لئے مبارک کرے اور یہاں سے وہ افراد پیدا کرے جن کی اس وقت عالم اسلام کو ضرورت ہے۔

اوپر کی سطح

اوپر کی سطح پر تو یہ نظر آتا ہے کہ پورا عالم کفر مسلمانوں کو مٹانے پر متفق ہو گیا ہے اور جگہ جگہ مسلمان ظلم و ستم کا شکار ہیں۔ کشمیر، فلسطین، تاجکستان اور بوسنیا اس کی نمایاں مثالیں ہیں حتیٰ کہ مسلم ممالک جیسے تیونس، الجزائر، ترکی اور مصر میں بھی دینی قوتوں کو کچلا جا رہا ہے۔ طاقت کے بل بوتے پر دینی جذبات رکھنے والے افراد کو چن چن کر کچلا جا رہا ہے، انہیں جیلوں میں بھی بھیجا جا رہا ہے، ان کا قتل بھی ہو رہا ہے اور ان کے خلاف دہشت گردی کے الزامات کی بوچھاڑ کی جا رہی ہے۔ خود پاکستان میں بھی آپ دیکھ رہے ہیں کہ علماء حق کو جن کا فرقہ واریت سے کوئی تعلق نہیں، دہشت گردی سے دور کا واسطہ نہیں، جن کی کوششیں ہمیشہ اتحاد بین المسلمین کے لئے وقف رہی ہیں، انہیں بھی چن چن کر قتل کیا جا رہا ہے۔ ان حالات میں بہت سے لوگوں کے حوصلے ٹوٹنے لگتے ہیں لیکن یہ اوپر کی سطح ہے۔

آپ میں سے بہت سے حضرات نے سمندر دیکھا ہوگا کہ اس کی اوپر کی سطح میں موجوں کا ایک طوفان برپا ہوتا ہے لیکن اندر اندر ایک موج ان کے مخالف سمت چلتی ہے۔ اوپر کی موجیں ٹھنڈے پانی کی ہوتی ہیں، نیچے کی لہر گرم پانی کی ہوتی ہے۔ بالکل اس وقت عالم اسلام کا حال یہی ہے۔

انقلاب اسلام کی لہر

الحمد للہ، اللہ تعالیٰ نے مجھے تقریباً پوری دنیا میں گھومنے کا موقع دیا۔ اور یہ گھومنا صرف تفریح کے لئے نہیں تھا بلکہ وہاں کے حالات کا جائزہ لینے کا موقع ملا ہے۔ مختلف طبقات زندگی سے تعلق رکھنے والے لوگوں سے ملنے اور مختلف معاشروں کو دیکھنے کا موقع ملا ہے، اس کے بعد یہ کہہ رہا ہوں کہ دنیا کی اوپر کی سطح تو وہ ہے جو میں نے اوپر بیان کی لیکن اس پوری دنیا کے اندر ایک لہر ہے ''انقلاب اسلام'' کی جوان حوادث کے نیچے نیچے چل رہی ہے۔ اوپر یہ مصائب اور آلام ہیں جو عالم اسلام پر برس رہے ہیں لیکن نیچے انقلاب اسلام کی ایک طاقتور اور بے تاب اور ناقابل شکست لہر ہے۔

یہ لہر اٹھی ہے افغانستان سے، روس نے عالم اسلام کے تقریباً ۲۹ ممالک کو ہڑپ کیا تھا، جس میں یورپ، ایشیا اور وسطی ایشیا کے ممالک شامل ہیں۔ اس نے سوچا کہ چلو تیسواں ملک بھی شکار کر ڈالوں اور اس کی شامت اعمال اسے افغانستان کے پہاڑوں میں لے آئی۔ اللہ تعالیٰ نے افغانستان کے مجاہدین کو یہ اعزاز بخشا کہ گیارہ سال کے صبر آزما جہاد کے نتیجے میں جو پتھروں اور ڈنڈوں سے شروع تھا اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ اور حکمت بالغہ نے یہ کرشمہ دکھایا۔ یہ طلبہ، یہ مسجدوں کے مؤذن، یہ مسجدوں کے امام اور مدرسوں کے مدرس جن کو دنیا کے اندر حقیر ترین مخلوق سمجھا جا رہا تھا، جب یہ خالی ہاتھ ہونے کے باوجود روس کے ٹینکوں، گن شپ ہیلی کاپٹروں اور ان کے بمبار طیاروں کے مقابلے میں نبرد آزما ہوئے تو دنیا کی سپر طاقت ٹکڑے ٹکڑے ہوگئی اور افغانستان اس کے لئے قبرستان بن گیا۔

پندرہ لاکھ مجاہدین افغانستان نے اپنا خون دیکر اس طوفان و روکا، پاکستان کے مجاہدین کو بھی اللہ تعالیٰ نے یہ توفیق دی ہے کہ انہوں نے ان کے بہتے ہوئے خون میں اپنا خون شامل کیا اور ان کے علاوہ عالم اسلام کا شاید ہی کوئی ملک ایسا ہوگا جس کے شہداء کی قبریں وہاں موجود نہ ہوں۔

مغربی ممالک میں اسلامی لہر

یہ انقلاب کی لہر ہے۔ حیرت ہوتی ہے کہ امریکہ میں جائیں تو وہاں بہت سے پاکستانی بلکہ اکثر پاکستانی جن کو ہم یہاں داڑھی منڈا دیکھتے تھے، نمازوں کے لئے مسجد میں نہیں آتے ہیں، وہاں ان کی داڑھیاں ہیں، مسجدوں میں صف اول کے نمازی ہیں اور وہ عورتیں جو یہاں پردہ نہیں کرتی تھیں، وہاں پردہ کر رہی ہیں۔ برطانیہ میں جاؤ، وہاں یہ محسوس ہی نہیں ہوتا کہ یہ وہی کفرستان ہے جس نے پورے عالم اسلام پر یلغار کی تھی اور اسلام کا بہت بڑا دشمن تھا، آج وہاں اذانیں گونج رہی ہیں۔ ایک ہزار سے زیادہ مسجدیں ہیں، مکاتب قرآنیہ اور دارالعلوم ہیں۔ آج سے پچاس سال پہلے وہاں برقعے کا تصور نہیں کیا جا سکتا تھا، آج وہاں جگہ جگہ مسلمان عورتیں برقعہ پہنے نظر آتی ہیں، بلکہ بغیر برقعہ والی کم اور برقعہ والی زیادہ ہوتی ہیں۔ وہ پیرس (فرانس) جو کہ کفر وشرک اور عیاشی کا مشہور مرکز ہے۔ وہاں اسلامی انقلاب بہت زیادہ صاف نظر آ رہا ہے۔ وہاں کی صورتحال یہ ہے کہ روزانہ اوسطاً سولہ افراد مسلمان ہو رہے ہیں۔

ڈاکٹر حمید اللہ صاحب جو ہمارے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں پاکستان میں خاص رفیق کار تھے، پھر وہ ہجرت کر کے فرانس چلے گئے۔ وہیں ڈیرہ ڈالا۔ آپ یورپ کی تقریباً ایک درجن زبانوں کے ماہر تھے۔ انہوں نے علمی رنگ میں اسلام کا کام کیا۔ ان کے ہاتھ پر ہزاروں لوگ مشرف باسلام ہوئے۔ وہ فرماتے تھے کہ جو لوگ اسلام قبول کرتے ہیں، ان میں زیادہ تعداد ان لوگوں کی ہے، جو خفیہ طور پر مسلمان ہوئے

تھے۔ ان میں کروڑ پتی اور ارب پتی لوگ بھی ہیں اور بڑے بڑے افسران بھی، اسمبلیوں کے اراکین بھی ہیں اور صنعتکار بھی، تعلیمی اداروں کے سربراہ بھی ہیں اور پادری بھی۔ برطانیہ، امریکہ، کینیڈا اور فرانس میں یہ صورتحال ہے کہ عیسائی اپنے چرچ فروخت کر رہے ہیں اور مسلمان ان سے خرید کر وہاں مسجدیں اور مدرسے بنا رہے ہیں۔

اسلام کا خاص مزاج

مجھے کسی نے یہ بتایا کہ کسی نے فرانس کے کسی وزیر سے کہا کہ آپ کے ہاں اسقدر تیزی سے اسلام پھیل رہا ہے کہ یہ اندیشہ ہے کہ یہاں جلد ہی اکثریت مسلمانوں کی ہو جائیگی تو ایسی صورتحال میں آپ کیا کریں گے۔ اس نے جواب دیا کہ پھر میں بھی مسلمان ہو جاؤں گا۔ امریکی صدر بل کلنٹن نے بار بار کہا ہے کہ امریکہ میں سب سے زیادہ تیزی سے پھیلنے والا مذہب اسلام ہے۔ اسلام کا ایک خاص مزاج ہے۔ وہ یہ کہ:

؎ اتنا ہی یہ ابھرے گا جتنا کہ دبا دو گے

عالم کفر نے جتنا زیادہ مسلمانوں کو کچلنے کی کوشش کی، مسلمان اتنے ہی زیادہ ابھر رہے ہیں۔ یہ انقلاب ایک عالمگیر اور طاقتور لہر ہے۔ یہ ایک صورتحال ہے جسے سامنے رکھنے کی ضرورت ہے۔

اس وقت تعلیم تو دینی مدرسوں میں ہے

ادھر ہمارے پاکستان کے نظام تعلیم کا حال یہ چلا آ رہا ہے کہ ہمارے ناعاقبت اندیش حکمرانوں نے اسلامی نظام تعلیم کو برپا نہیں ہونے دیا۔ وہی فرسودہ اور سیکولر نظام تعلیم جو انگریزی دور سے چلا آ رہا تھا، اسی کو چلا رہے ہیں اور اب اس نظام تعلیم کا حال بھی یہ ہے کہ اس کے اداروں میں تعلیم ہی ختم ہو گئی۔ نہ قدیم تعلیم رہی نہ جدید رہی۔ نہ اچھی رہی اور نہ بری رہی۔ نہ دین کی رہی اور نہ دنیا کی رہی۔

ایک لطیفہ یاد آیا۔ ایک صاحب نے کسی کا تعارف کراتے ہوئے کہا کہ یہ افغانستان کے ریلوے کے وزیر ہیں۔ مخاطب نے حیران ہوکر کہا کہ وہاں تو ریلوے کا نظام ہی نہیں تو ریلوے کے وزیر کیسے! تو وہ کہنے لگا کہ جب آپ کے ہاں تعلیم کے بغیر وزیر تعلیم ہوسکتا ہے تو وہاں ریلوے کے بغیر وزیر ریلوے کیوں نہیں ہوسکتا۔

سرکاری اداروں میں تعلیم نہ ہونے کا نتیجہ یہ ہے کہ مدارس کے اندر طلبہ کو سنبھالنے کی جگہ نہیں۔ سکولوں اور یونیورسٹیوں سے بیزار ہوکر والدین اپنے بچوں کو دینی مدرسوں میں بھیج رہے ہیں۔ سچی بات یہ ہے کہ اس وقت اگر تعلیم ہو رہی ہے تو دینی مدرسوں میں ہو رہی ہے۔

یہ بڑا سائنٹیفک طریقہ ہے

ایک مرتبہ میں ایک میٹنگ میں شریک تھا۔ جس میں تعلیم کے حوالے سے بڑے بڑے سرکاری عہدیداران اور ماہرین موجود تھے۔ اس مجلس میں سیکرٹری وزارت تعلیم مجھ سے کہنے لگے کہ آپ کے ہاں جو طریقہ ہے ''تکرار'' کا۔ یہ بڑا سائنٹیفک طریقہ ہے۔ یہ ہمارے ہاں نہیں ہو رہا البتہ امریکہ والے اسے اختیار کر رہے ہیں۔ میں نے کہا کہ ہمارے ہاں یہ طریقہ صدیوں سے چلا آ رہا ہے۔ کہنے لگے کہ ایک بات ہے'' وہ یہ کہ آپ کے طلبہ صحت کے بارے سے کمزور ہوتے ہیں۔ میں نے کہا کہ میں اور تو کچھ جانتا نہیں، البتہ آپ کشتی لڑوا لیجئے۔ پھر پتہ چل جائے گا کہ مدرسوں کے لڑکے زیادہ کمزور ہوتے ہیں یا سرکاری اداروں کے لڑکے۔

اب غور کیجئے کہ عالمی صورتحال وہی ہے جو اوپر بیان ہوئی اور ہمارے ملک کی تعلیمی صورتحال یہ ہے کہ سرکاری اداروں میں تعلیم نہ ہونے کے برابر ہے۔ لوگوں کا رجحان دینی مدارس کی طرف بڑھ رہا ہے اور سرکاری اداروں کا نظام تعلیم ناکام ہو رہا ہے ان حالات میں دینی مدرسوں کی اہمیت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

دینی مدارس، حفاظت دین کے قلعے

دینی مدرسے درحقیقت دین کی حفاظت کا قلعہ ہیں۔ افغانستان میں برسر حکومت وہی لوگ تھے جیسے ہمارے پاکستانی حکمران۔ یہ انگریز کے زیر اثر ہیں اور وہ روس کے زیر اثر تھے۔ انہوں نے خود روس کی فوجوں کو آنے کی دعوت دے دی تھی لیکن یہ مدرسوں کے طلبہ، خانقاہوں کے بزرگ اور مسجدوں کے امام تھے جنہوں نے اپنے حکمران کا بھی مقابلہ کیا اور روسی طاقت کا بھی مقابلہ کیا۔ الحمد للہ، ہمارے پاکستان میں بھی یہ مدارس دین کی حفاظت کا قلعہ بنے ہوئے ہیں۔ روکھی سوکھی کھا کر دارالعلوم دیوبند کے نقش قدم پر چلنے کی کوشش میں ہیں۔

مکاتب قرآنیہ کا ایک خاص اثر

میرا تجربہ اور مشاہدہ یہ ہے کہ جو شخص مکاتب قرآنیہ میں ایک مرتبہ قرآن مجید پڑھ لیتا ہے خواہ ناظرہ پڑھا ہو یا حفظ یاد کیا ہو، ایسے شخص کا ایمان محفوظ ہو جاتا ہے۔ وہ کیسے ہی فسق و فجور کے ماحول میں چلا جائے، اس کے اعمال خراب ہو سکتے ہیں لیکن اس کا عقیدہ نہیں جاتا، ایمان دل میں جاگزین ہو جاتا ہے۔

ہمارے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ میں اس بات کا مشاہدہ کرتا تھا کہ جن وزیروں سے اسلامی قانون اور اسلامی نظام تعلیم کے بارے میں بحثیں ہوتی ہیں، ان میں کچھ لوگ تو وہ ہیں جو بالکل بد دین سے معلوم ہوتے ہیں اور کوئی وعظ و نصیحت کی بات قبول کرنے کیلئے تیار نہیں ہوتے اور کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ اگرچہ بات تو نہیں مانتے لیکن بحث نہیں کرتے اور اپنی غلطی کو تسلیم کرتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ صحیح بات آپ کی ہے لیکن ہم فلاں فلاں مجبوریوں کی وجہ سے ایسا نہیں کر رہے۔ ہم غلطی کر رہے ہیں۔ فرمایا کہ پہلی قسم کے لوگ وہ ہیں جنہوں نے کبھی کسی مکتب قرآنی میں نہیں پڑھا اور دوسری قسم کے لوگ وہ ہیں جنہوں نے کسی مکتب قرآنی میں پڑھا ہے۔

تزکیہ کا کام بھی ضروری ہے

قرآن مجید میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے چار مقاصد بیان کئے گئے ہیں۔

۱۔ ﴿یتلوا علیہم ایاتہ﴾ (قرآن مجید کے الفاظ کی تعلیم)

۲۔ ﴿ویزکیھم﴾ (اعمال واخلاق اور عقائد کا تزکیہ کرنا)

۳۔ ﴿ویعلمھم الکتٰب﴾ (معنی قرآن کی تعلیم دینا)

۴۔ ﴿والحکمۃ﴾ (اور حکمت و دانائی کی باتیں سکھانا)

مفسرین نے لکھا ہے کہ یہاں پر حکمت سے مراد ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت'' اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ زندگی۔

الحمدللہ یہ کام ہمارے دینی مدارس میں ہورہے ہیں۔ الفاظ قرآن کی تعلیم کے لئے خاص ہیں مکاتب قرآنیہ اور معانی قرآن اور حکمت کی تعلیم کے لئے درس نظامی کے مدارس۔ لیکن یاد رکھئے کہ کوئی دینی مدرسہ اس وقت تک جامع دینی مدرسہ نہیں کہلا سکتا جب تک اس میں ''تزکیہ'' کا کام نہ ہو۔ آج کل ''تزکیہ'' کا کام عام طور پر خانقاہوں میں ہوتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں یہ نہیں تھا کہ الفاظ و معانی قرآن تک ایک جگہ سے سیکھے لیکن تزکیہ کے لئے کہیں جانا پڑتا تھا، بلکہ سب کام ساتھ ساتھ ہوتے تھے۔ اس لئے ہمیں اپنے بچوں کو ان مدارس میں الفاظ اور معانی قرآن کی تعلیم بھی دینی ہے اور قرآن وسنت کے مطابق ان کی عملی تربیت بھی کرنی ہے۔

آپ کے ہاں الحمدللہ، مکاتب قرآنی قائم ہیں اور اب ایک درس نظامی کا مدرسہ بھی شروع ہورہا ہے۔ یہ آپ پر بھاری ذمہ داری عائد ہورہی ہے۔ اس کے اندر آپ دامے، درمے، سخنے جس طریقے سے بھی تعاون کرسکتے ہیں، تعاون کریں۔ جہاں بھی کوئی دین کا کام ہورہا ہو، وہاں تعاون کرنا چاہئے۔

مدرسے کی اصل ضرورت

اصل بات یہ ہے کہ مدرسہ قائم ہونے کے لئے عمارت کی ضرورت تو بعد میں پیش آتی ہے۔ سب سے پہلے تو ایک استاد اور ایک طالبعلم کی ضرورت ہوتی ہے۔ دارالعلوم دیوبند کا آغاز اس طرح ہوا تھا کہ ایک استاد تھا اور ایک شاگرد۔ دیوبند بستی میں چھتے کا محلّہ تھا۔ بہت پرانی ایک مسجد تھی۔ اس میں ایک انار کا درخت کھڑا ہوا تھا۔ اس کے نیچے سبق شروع ہوا۔ استاذ کا نام بھی محمود تھا، شاگرد کا نام بھی محمود۔ شاگرد وہی ''محمود الحسن'' جو بعد میں شیخ الھند بنے۔ انہوں نے ''ریشمی رومال'' کی تحریک چلائی تھی اور انگریزی حکومت کا تختہ الٹنے کا سارا منصوبہ تیار کرلیا تھا۔ عظیم الشان ولی اللہ، اعلیٰ درجے کے مفسر، اونچے درجے کے فقیہ، عظیم الشان محقق، حکیم الامت حضرت تھانویؒ کے استاذ، ہمارے والد صاحبؒ کے مرشد شیخ الھند حضرت مولانا ''محمود الحسن'' نے یہ تعلیم اس وقت حاصل کی جب وہاں عمارت نام کی کوئی چیز نہیں تھی۔ پھر الحمدللہ، عمارتیں بھی بنیں اور پوری دنیا مین اس کا فیض پہنچا۔

آپ حضرات سے بھی یہی گزارش کرونگا کہ آپ جو مدرسہ قائم کر رہے ہیں، انشاءاللہ اس کے لئے بھی بڑی جگہ کی ضرورت پیش آئے گی البتہ اس سے پہلے ماہر اور متقی اساتذہ کی ضرورت ہے۔ اگر اساتذہ ماہر، پرہیزگار اور بزرگوں کے تربیت یافتہ ہوں تو اس سے مدرسہ حقیقی ترقی کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس کی توفیق کامل عطا فرمائے۔ (آمینَ)

وآخر دعوانا أنِ الحمد للّٰہ رب العالمین٥

موریشس میں اسلامی حالات
اور وقت کا تقاضا

خطاب: حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب مدظلہم
مقام: موریشس (جنوبی افریقہ)
ترتیب وعنوان: اعجاز احمد صمدانی

موریشس میں اسلامی حالات اور وقت کا تقاضا

خطبہ مسنونہ:

﴿الحمد للّٰہ نحمدہٗ و نستعینہ، و نستغفرہٗ و نومن بہٖ و نتوکل علیہ و نعوذ باللّٰہِ من شرورِ انفسنا ومن سئیاتِ اعمالنا ۔ من یھدہِ اللّٰہُ فلا مضل لہٗ و من یضللہ فلا ھادی لہٗ و نشھدأن لا الٰہ اِلاّ اللّٰہ وحدہٗ لاشریک لہٗ ونشھد ان سیدنا و سندنا و مولانا محمدًا عبدہٗ و رسولہٗ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہٖ و صحبہ اجمعین.﴾

اما بعد:

﴿قال النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم:

طَلَبُ العِلْمِ فَرِیْضَۃٌ عَلٰی کُلِّ مُسْلِمٍ﴾

(ابن ماجہ، رقم الحدیث: ۲۲۴، مجمع الزوائد، کتاب العلم، باب طلب العلم ج۱ص ۱۱۹، مسند أبی یعلی ج ۷ص ۹۶، رقم الحدیث: ۴۰۳۵)

آپ عالم اسلام سے بہت دور ہیں

بزرگانِ محترم اور برادرانِ عزیز!

ممکن ہے کہ آپ یوں سمجھ رہے ہوں کہ میرا وعظ روایتی اور رسمی قسم کا وعظ ہوگا لیکن میں رسمی قسم کی باتیں کرنے کا عادی نہیں ہوں۔ میرے بزرگوں نے مجھے یہ تعلیم دی ہے کہ جب کہیں لوگوں سے خطاب کرنے کا موقع ملے تو جہاں زخم ہو، وہاں مرہم لگاؤ، اور اس مقام پر مسلمانوں کی جو دینی ضرورتیں ہیں، ان کی طرف مسلمانوں کو توجہ دلاؤ۔

آپ دنیا کا نقشہ اٹھا کر اس میں ماریشس کو دیکھیں تو آپ کو نظر آئے گا کہ پورے عالم اسلام اور عرب ممالک سے بہت دور یہ ایک جزیرہ ہے جس کے اندر آپ آباد ہیں۔ جہاں علم دین ہے اور جہاں اسلام کی حکومت ہے، وہاں سے آپ بہت دور دراز کے علاقے میں آباد ہیں۔ اس دور دراز علاقے میں اسلام مکہ اور مدینہ سے آیا تھا اور جن قربانیوں سے آیا تھا، مسلمانوں کو چاہئے کہ اس پر بھی نظر رکھیں۔

براعظم افریقہ میں اسلام کیسے پہنچا؟

براعظم افریقہ میں اسلام کا پیغام کس طرح پہنچا؟ اس کی طویل داستان ہے، لیکن میں اس میں سے ایک چھوٹا سا واقعہ آپ کو سنانا چاہتا ہوں۔ براعظم افریقہ کے بعض ممالک میں تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور میں اسلام آ گیا تھا لیکن اس کے بعد اسلام کے مجاہدین، مبلغین اور اسلام کے خدام، جو اس وقت صحابہ کرام تھے، اللہ کا پیغام لے کر افریقہ کے ممالک میں دور دراز تک بڑھتے چلے گئے، اسلام کی فتوحات کا پرچم گام بگام اور ملک در ملک لہراتے ہوئے لیبیا، تیونس، الجزائر اور مراکش تک جا پہنچے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مشہور صحابی اور اسلامی لشکر کے جرنیل حضرت عقبہ بن نافع جب اپنا لشکر لے کر تیونس کے قریب پہنچے ہیں تو اس وقت انہیں احساس ہوا کہ ہم اپنے مرکز سے بہت دور نکل آئے ہیں۔

یہاں پہنچنے کے بعد ان کے ساتھیوں نے مشورہ دیا کہ ہمیں ایک چھاؤنی قائم کر لینی چاہئے جہاں مجاہدین کو تربیت بھی دی جائے، سامان جہاد بھی جمع رکھا جائے اور مسلمانوں کی باحفاظت رہائش کا انتظام بھی کیا جائے۔ اس چھاؤنی کے قائم کرنے کے لئے ایسی جگہ کا انتخاب کرنا تھا کہ اس کا محل وقوع صحت کے لئے بھی مفید ہو، حمل ونقل بھی آسان ہو اور دشمن سے حفاظت بھی زیادہ بہتر انداز میں ہو سکے۔ لشکر میں موجود بعض مجاہدین جو اس قسم کے معاملات میں ماہر تھے، انہوں نے اس مقصد کے لئے ایک بڑے جنگل کا انتخاب کیا۔ لیکن وہ جنگل درندوں، بچھوؤں، سانپوں اور اژدھوں سے بھرا پڑا تھا۔ حضرت عقبہ بن نافع ؓ نے اللہ تعالیٰ کے بھروسے پر اس جنگل میں چھاؤنی بنانے کا فیصلہ کیا۔

اسی علاقے کے نئے نئے مسلمانوں نے حضرت عقبہ بن نافع رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہو کر ہمدردی اور خیر خواہانہ طریقے سے درخواست کی کہ آپ یہاں چھاؤنی بنانے کا ارادہ نہ کریں کیونکہ اس جنگل میں اتنے اژدھے اور درندے ہیں کہ مجاہدین اسلام کے لئے یہاں ایک دن بھی ٹھہرنا ممکن نہیں ہوگا اس لئے یہاں کے بجائے کسی اور جگہ کا انتخاب کیا جائے لیکن حضرت عقبہ بن نافع رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ میرے جرنیلوں نے اس جگہ کو سب سے زیادہ موزوں قرار دیا ہے اور ہم اس جنگل میں اپنی ذاتی غرض کے لئے چھاؤنی قائم نہیں کر رہے بلکہ اللہ رب العالمین کے رسول کا پیغام پہنچانے کے لئے نکلے ہوئے ہیں، لہٰذا یہ درندے ہمیں اس کام سے نہیں روک سکتے اور آؤ آج تم میرے ساتھ اس جنگل میں چلو اور خدا کی قدرت کا تماشہ دیکھو۔

چنانچہ حضرت عقبہ بن نافع رضی اللہ عنہ مجاہدین اسلام کا لشکر اور مقامی آبادی کے بعض مسلمانوں کو لے کر اس جنگل کی طرف روانہ ہوئے۔ بعض کافر لوگ بھی تماشہ دیکھنے کے لئے ساتھ ہو گئے۔ اس جنگل کے قریب ایک ٹیلہ تھا۔ وہاں پہنچنے کے بعد حضرت عقبہ ؓ اس ٹیلے پر چڑھ گئے اور وہاں چڑھ کر خطاب شروع کیا۔ یہ خطاب انسانوں سے نہیں تھا

بلکہ شیروں، اژدھوں اور خونخوار بھیڑیوں اور چیتیوں سے تھا۔ آپ نے کہا:

''اے اس جنگل کے درندو! ہم بالکل جاہل تھے، اللہ نے ہمارے اندر اپنے آخری رسول کو مبعوث کیا، اس نے ہم تک دین اسلام کا پیغام پہنچایا اور اس رسول نے ہم کو یہ حکم دیا کہ اللہ کے اس پیغام کو دنیا کی تمام اطراف میں پہنچا دو۔ ہم اللہ کے رسول کے بھیجے ہوئے لشکر ہیں۔ مجاہدین اسلام اپنے وطنوں سے بہت دور نکل آئے ہیں، ان کو یہاں ٹھہرنے کے لئے چھاؤنی بنانے کی ضرورت ہے، ہم اپنے اقتدار کے لئے نہیں، اپنی حکومت کے لئے نہیں، مال و دولت کے لئے نہیں بلکہ اللہ اور اس کے رسول کا پیغام پہنچانے کے لئے نکلے ہیں۔ مجاہدین اسلام کا یہ لشکر تمہارا مہمان ہے، اس اسلامی لشکر کو تمہارے جنگل کی ضرورت ہے اور میں تم کو اللہ کے بھروسے پر یہ حکم دیتا ہوں کہ بارہ گھنٹے کے اندر اس جنگل کو خالی کر دو ورنہ اس کے بعد جو جانور بھی یہاں نظر آئے گا، قتل کر دیا جائے گا۔''

یہ خطاب کر کے حضرت عقبہ بن نافع رضی اللہ عنہ اس ٹیلے سے نیچے اترنے نہیں پائے تھے کہ پورے جنگل میں بھگدڑ مچ چکی تھی۔ شیرنی اپنے بچوں کو سینے سے لپٹائے ہوئے بھاگی جا رہی تھی۔ ہاتھی اور ہتھنی اپنے خاندان کو لے کر دوڑ رہے تھے، سانپنی اپنی سپولیوں کو لے کر تیز تیز نکل رہی تھی، عقبہ بن نافعؓ نے بارہ گھنٹے کا نوٹس دیا تھا، جنگل چار گھنٹے میں خالی ہو گیا۔ لشکر اسلام وہاں ٹھہرا، وہاں ایک شہر تعمیر ہوا۔ آج بھی وہ شہر موجود ہے، اس کا نام ہے ''قیروان''۔ یہاں کی مشہور جامع مسجد کی تصویریں آج بھی ہم اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں۔ الحمد للہ، آج بھی افریقہ کے ممالک میں اسلام نظر آتا ہے اور یہاں کے میناروں سے اللہ اکبر کی صدائیں گونجتی سنائی دیتی ہیں۔

ہمارے موجودہ حالات خطرے کا الارم ہیں

میں آپ کی توجہ اس طرف دلانا چاہتا ہوں کہ وہ ہمارے آباء اجداد تھے جنہوں نے اتنی مصیبتیں جھیل جھیل کر جان کی بازیاں لگا لگا کر اور قربانیاں دے دے کر یہاں تک اسلام پہنچایا لیکن اس وقت ہمارے حالات جو میں دیکھ رہا ہوں، وہ خطرے کا الارم ہیں اور اس اندیشے کو پیدا کر رہے ہیں کہ کہیں خدانخواستہ ہم اپنے اسلاف کی لائی ہوئی اس امانت کو اپنی نسلوں سے ناپید نہ کر دیں۔

دو خطرے

مجھے یہاں دو چیزوں کے بارے خطرہ ہے۔ ایک یہ کہ میں یہاں یہ دیکھ رہا ہوں کہ الحمد للہ، یہاں کے لوگ مسجدوں میں آتے ہیں، نمازیں پڑھتے ہیں لیکن یہاں کے عوام کی علم دین کی طرف کوئی توجہ اور دلچسپی نہیں ہے۔ اول تو یہاں مدرسے ہی بہت کم ہیں اور جو مدرسے قائم ہوئے ہیں، وہاں پڑھنے کے لئے بچے نہیں آتے۔ یہ اتنی خطرناک بات ہے کہ اگر یہ سلسلہ جاری رہا اور اس ملک میں اعلیٰ دینی تعلیم و تربیت کا کوئی مدرسہ قائم نہ ہوا اور ابتدائی تعلیم کے مدرسوں میں ہمارے بچوں نے ناظرہ و حفظ اور ضروری دینی تعلیم حاصل نہ کی تو ایک یا دو نسلیں گزرنے کے بعد جو لوگ آئیں گے تو شاید انہیں یہ بھی یاد نہ رہے کہ ہمارے آباؤ اجداد مسلمان تھے یا عیسائی، ہندو تھے یا کمیونسٹ۔

اس پر مزید خطرناک صورتحال یہ ہے کہ اسلامی معلومات اور اسلامی مسائل عربی اور اردو زبان کی کتابوں میں بہت زیادہ ہیں۔ اگر کوئی عربی یا اردو جانتا ہو تو ان کا مطالعہ کرسکتا ہے لیکن میں دیکھ رہا ہوں کہ یہاں عربی جاننے والے بھی نہیں ہیں اور اردو جاننے والے بھی نہیں بلکہ گجراتی جاننے والے بھی اب نہیں رہے۔ ان حالات میں اس نسل کیلئے اسلام کو سمجھنے اور جاننے کا کوئی ذریعہ مجھے نظر نہیں آ رہا۔

ایک اور خطرناک بات

اس پر ایک صورتحال اور خطرناک ہے۔ وہ یہ کہ یہ ایک چھوٹا سا ملک ہے، اس میں مسلمانوں کی اقلیت ہے۔ اس کے باوجود آپس میں پھوٹ، اختلاف اور افتراق ہے۔ کہیں دیوبندی اور بریلوی کے جھگڑے ہیں، کہیں مقلد اور غیر مقلد کی عصبیتیں ہیں، کہیں گجراتی اور بہاری کے درمیان کشمکش ہے، کہیں سیاسی پارٹی بندیاں ہیں۔ ان حالات میں بتلائیے کہ آپ نے آنے والی نسلوں کے لئے کیا سوچا؟

یہی حالات اسپین کے تھے

یہی وہ حالات تھے جو اسپین (اندلس) میں پیدا ہوئے۔ وہاں اسلام کی عظمت کا پرچم تقریباً آٹھ سو سال تک لہراتا رہا اور اسلام کا اقتدار ایسا پھیلا ہوا تھا کہ تقریباً آدھا فرانس بھی ان کے زیر اقتدار تھا، یورپ کی بڑی بڑی حکومتیں امیر المؤمنین کو پیشکش کرتی تھیں کہ ہماری بیٹیوں سے شادی کرلیں، لیکن جب وہاں کے مسلمانوں میں وہ حالات پیدا ہوئے جو میں اپنی آنکھوں سے ماریشس میں دیکھ رہا ہوں کہ علم دین سے دور، باہمی افتراق و انتشار، ان میں بربری اور اندلسی جھگڑے تھے، عصبیت تھی، عیش و عشرت تھی، مال و دولت کی فراوانی نے ان کو مدہوش کردیا اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کی بھیجی ہوئی تعلیمات کو فراموش کردیا، اللہ کی یاد سے غافل ہوئے تو اللہ کا عذاب ان پر نازل ہوا۔ اور اللہ کا عذاب ایسا آیا کہ آج پوری سرزمین اندلس پر ایک مسلمان وہاں کا مقامی نظر نہیں آتا۔ وہاں کی جامع مسجد قرطبہ آج بھی موجود ہے لیکن مسجد کے مینارے اور اس کی محراب ''اللہ اکبر'' کی آوازوں کے لئے ترس رہے ہیں۔ وہ اسپین جس کی فضاؤں میں دن میں پانچ مرتبہ اذانوں کی آوازیں گونجا کرتی تھیں، وہاں اذانیں خاموش ہوچکی ہیں۔

دو کام ناگزیر ہیں

اگر آپ چاہتے ہیں کہ ماریشس میں آپ کی نسلوں کے ساتھ وہ عمل نہ ہو اور یہاں وہ حالات پیدا نہ ہوں جو اسپین میں پیدا ہو گئے تھے تو آپ کو دو کام کرنے ناگزیر ہیں۔ اگر نہیں کریں گے تو سخت گنہگار ہوں گے اور اللہ تعالیٰ کے سامنے جواب دہ ہوں گے اور دنیا میں اللہ تعالیٰ کا عذاب آ کر رہے گا۔

۱۔ ایک علم دین کی طرف پوری توجہ

۲۔ دوسرے، اتحاد

بہتر تو یہ ہے کہ اپنے بچوں کو قرآن مجید حفظ کرائیں لیکن اگر کسی کے اندر اتنی ہمت نہیں ہوتی تو کم از کم یہ تو فیصلہ کرلیں کہ اپنا کوئی بچہ اور کوئی بچی ایسی نہیں چھوڑیں گے جو قرآن کریم دیکھ کر پڑھنے والا نہ ہو اور دین کے ضروری مسائل جیسے نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ اور طہارت وغیرہ کے مسائل سے واقف نہ ہو۔ ان دونوں چیزوں کی تعلیم ایسی ہونی چاہئے کہ ماریشس کا کوئی بچہ بلکہ کوئی مرد اور کوئی عورت بھی اس سے خالی نہ رہے اور یہ بھی کافی نہیں بلکہ یہاں ایک اور چیز کی بھی ضرورت ہے۔ وہ یہ کہ یہاں ماہر علماء کی ایسی تعداد ہو جو دینی مسائل میں قوم کی معقول رہنمائی کر سکے۔ اور ایسے علماء کو تیار کرنے کے لئے یہیں پر ایک مدرسہ قائم کیا جائے۔ اس دارالعلوم کے قیام کے لئے آپ کو موجودہ علماء کی خدمات حاصل کرنا پڑیں گی۔ انہی کی رہنمائی سے ایسا دارالعلوم قائم ہوسکتا ہے۔ الحمد للہ، ایک دارالعلوم کا کام ابتدائی مرحلے میں شروع بھی ہو چکا ہے لیکن مجھے پتہ چلا ہے کہ وہاں پڑھنے کے لئے بچے نہیں آئے۔ اگر آپ اپنے بچوں کو قرآن مجید نہیں سکھائیں گے تو کیا ہندو اپنے بچوں کو قرآن کریم پڑھوائیں گے؟ بدھ مت اپنے بچوں کو عالم بنائیں گے؟ یہ قرآن و حدیث کا علم ہمارے لئے ہے یا کافروں کے لئے۔ اسے کون پڑھے گا اور کون پھیلائے گا۔

آپ کا فریضہ ہے کہ اپنے بچوں کو دینی مدرسوں میں داخل کرائیں، ابتدائی تعلیم تو

سب کو دلوائیں اور اولاد میں جو سب سے زیادہ ذہین ہو اور سب سے زیادہ تندرست ہو اسے پورا عالم دین بنانے کیلئے پاکستان بھیجیں۔ الحمد للہ، کراچی میں ہمارا ایک بہت بڑا تعلیمی ادارہ ہے "دارالعلوم کراچی"۔ اگر آپ اپنے ہونہار لڑکوں کو قرآن شریف یہاں پڑھوانے کے بعد اعلیٰ تعلیم کے لئے وہاں بھیجیں گے تو ہم ان کو خوش آمدید کہیں گے اور انہیں داخلہ دیں گے، ہمارے یہاں طلبہ کے لئے رہائش اور کھانے کا بھی جامعہ کی طرف سے انتظام ہوتا ہے۔

میں یہ چاہتا ہوں کہ وہاں سے اچھے عالم بن کر واپس آئیں اور یہاں پر دینی ادارہ دارالعلوم قائم کریں اور پھر یہیں پر اچھے علماء قائم ہونے لگیں۔

پہلا کام تو علم دین کے پھیلانے سے متعلق تھا، جس کی تفصیل میں نے عرض کی۔ دوسرا کام "اتحاد پیدا کرنے کی ضرورت" ہے۔ جو مسلمان کوئی بھی مسلک رکھتا ہے، دیوبندی ہو، یا بریلوی، اہلحدیث ہو یا حنفی، اپنے مسلک پر عمل کرے لیکن دوسروں سے لڑائی جھگڑا نہ رہے۔ اس سلسلہ میں حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کا بڑا بہترین ارشاد ہے جو سونے کے پانی سے لکھنے کے قابل ہے، فرماتے تھے "اپنا مسلک چھوڑو نہیں، دوسروں کا مسلک چھیڑو نہیں۔" اور اجتماعی کاموں میں ہر مکتبہ فکر اور ہر علاقے کے مسلمان متحد ہو کر اجتماعی جدوجہد کریں مثلاً اس وقت آپ کے ہاں ایک بڑا اہم مسئلہ "مسلم پرسنل لاء" کا ہے۔

اس مقصد کے اندر آپ اس وقت تک کامیاب نہیں ہو سکتے جب تک آپ کا باہمی انتشار اور افتراق ختم نہ ہو۔ اگر دیوبندی بریلوی کے خلاف، بریلوی دیوبندی کے خلاف، اہلحدیث حنفی کے خلاف اور حنفی اہلحدیث کے خلاف لڑتے رہے تو آپ نہ مسلم پرسنل لاء کے مقاصد کو حاصل کر سکیں گے اور نہ دین کا کوئی اور مقام حاصل کر سکیں گے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو دین کی صحیح سمجھ عطا فرمائے اور اپنی ذمہ داریوں کو احسن انداز میں نبھانے کی توفیق عطا فرمائیں (آمین)

﴿وآخر دعوانا أنِ الحمد للّٰه رب العالمين﴾

خَتمِ بُخارِی شَرِیف

خطاب: حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی مدظلہم

مقام: جامع مسجد دارالعلوم کراچی (کورنگی)

تاریخ: رجب ۱۴۲۵ ہجری

ضبط و ترتیب: مولانا اعجاز احمد صمدانی

﴿ختم بخاری شریف﴾

بزرگانِ محترم، حضرات علماء کرام، برادرانِ عزیز، ہونہار عزیز طلباء اور طالبات ومعلمات مدرسۃ البنات، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، الحمد للہ آپ حضرات نے قرآن کریم کے بعد اس دنیا کی سب سے زیادہ عظیم کتاب اور سب سے زیادہ صحیح ترین کتاب صحیح بخاری کی آخری حدیث کا درس شیخ الاسلام مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب سے حاصل کیا ہے، اللہ تعالیٰ ہمیں اس درس کے وہ تمام فائدے عطا فرمادے جن کی اس عظیم درس کے ضمن میں توقع کی جاتی ہے۔

قبل اس کے کہ اپنی کچھ اور معروضات پیش کروں، اپنے دورۂ حدیث کے ہونہار طلباء کی ایک درخواست مجھے ملی ہے جس کا پس منظر یہ ہے کہ صحیح مسلم کا درس مجھ ناچیز سے متعلق ہے ہم نے درس تو پورا کر دیا اور اس کی پوری سند بھی طلباء کو بتادی اور لکھوا دی، لیکن ان سے یہ وعدہ تھا شروع سال سے کہ صرف صحیح مسلم کی نہیں بلکہ جتنی کتب حدیث کی روایت کی اجازت مجھے اپنے اساتذہ اور بزرگوں سے حاصل ہے یا جو کتب حدیث اور حدیثیں میں نے ان سے پڑھی یا سنی ہیں ان سب روایات اور مرویات کی اجازت بھی دوں گا، یہ وعدہ ان طلباء نے مجھ سے شروع سال سے لے رکھا تھا، لیکن جب مسلم شریف کا آخری درس ہوا تو یہ بات ذہن سے نکل گئی، طلباء نے بعد میں یاد دلائی اور اب انہوں نے دوبارہ یاد دہانی کرائی ہے کہ وہ وعدہ پورا کر دیا جائے، چنانچہ میں اللہ رب

العالمین کے بھروسے پر اپنے دورۂ حدیث سے فارغ ہونے والے ان تمام طلباء کو جن کی تعداد اس سال الحمد للہ ۳۹۵ ہے اپنی تمام مسموعات[1]، مقروآت[2] اور مُجازات[3] کی اجازت دیتا ہوں، اُن تمام سندوں کے ساتھ جو مجھے بزرگوں سے ملی ہیں، اللہ تعالیٰ آپ کے لیے اور میرے لیے اس کو ذخیرۂ آخرت بنائے۔ آمین

تعلیمی سال کا اختتام:

یہ اللہ رب العالمین کا کرم اور احسان ہے کہ یہ سال جیسا پُرآشوب تھا دینی مدارس کے لیے، دینی اداروں کے لیے اور دینی شخصیات کے لیے اس سے پورا عالم اسلام مضطرب تھا، اور ہے، اللہ رب العالمین کا کرم اور احسان ہے کہ ہمیں اس پورے پُرآشوب سال میں اپنا کام جاری رکھنے کی توفیق عطا فرمائی، اور الحمد للہ آج ہمارے تعلیمی سال کا اختتام ہوا ہے، یہ تعلیمی سفر ایک سال کا آج ہم نے پورا کیا ہے، اللہ رب العالمین سے ہماری دعا ہے کہ اس کو قبول فرمائے اور یہ عزیز طلباء جو فارغ ہو کر اپنے گھروں کو چلے جائیں گے ان کو ہمارے لیے ذخیرۂ آخرت اور صدقۂ جاریہ بنائے۔

دو متضاد جذبات:

یہ صحیح بخاری کے ختم کا دن عجیب وغریب جذبات کا دن ہوتا ہے، عظیم الشان خوشی اس بات کی ہوتی ہے کہ ہمارا تعلیمی سفر اس سال کا مکمل ہوا، ایک بڑی تعداد الحمد للہ درسِ نظامی کے سترہ سالا نصاب سے فارغ ہو کر آج سرخرو نظر آرہی ہے، اس کی مسرت بھی رگ وپے میں سرایت کی ہوئی ہوتی ہے جو جامعہ دارالعلوم کے پورے ماحول میں بہت نمایاں نظر آتی ہے، لیکن ساتھ ہی غم کے جذبات بھی اس دن اپنے عروج پر ہوتے ہیں، اس سال دورۂ حدیث سے فارغ ہونے والے یہ طلباء جو آپ کے سامنے اس وقت

---

۱ سنی ہوئی حدیثیں۔ ۲ پڑھی ہوئی حدیثیں۔
۳ وہ احادیث جن کی بغیر پڑھے اکابر نے اجازت دی ہو۔

بیٹھے ہوئے ہیں ان کی تعداد ۳۹۵ ہے، اور جو طالبات دورۂ حدیث سے فارغ ہوئی ہیں اس سال ان کی تعداد چونتیس ۳۴ ہے اور جو تخصص فی الافتاء سے فارغ ہوئے ہیں ان کی تعداد ۱۰ ہے، اس طرح الحمد للہ ۴۳۹ طلبہ اور طالبات اس سال تعلیمی سفر سے فارغ ہوئے ہیں، تو جب یہ اختتام کا وقت ہوتا ہے تو یہ طلباء جو یہاں کے در و دیوار سے اتنے مانوس ہوتے ہیں کہ اپنے گھروں سے زیادہ محبت ان کو یہاں کی در و دیوار سے اور یہاں کی فضاؤں سے ہو جاتی ہے اور اپنے اساتذہ کے سایہ میں جو شفقت ان کو ملتی ہے، جو تربیت و تعلیم ان کو ملتی ہے وہ ان کے دلوں میں گہرا نقش بن کر تا حیات ان کے ساتھ رہتی ہے، تو رخصت ہونے کا تصور ان طلباء کے لیے بھی جاں گداز ہوتا ہے اور ہم خدامِ دارالعلوم کے لیے بھی یہ تصور بہت صبر آزما ہوتا ہے کہ اپنے ان چہیتے بیٹوں کو اپنے ان معنوی بیٹوں کو جن میں سے بعض وہ بھی ہیں جو چودہ، پندرہ، سولہ سال سے ہمارے ساتھ ہیں، ایک بڑی تعداد ان کی بھی ہے جو آٹھ سال سے ہمارے پاس زیرِ تعلیم ہیں، آج ہم ان کو رخصت کر دیں گے، آج دنیا کے کسی اور طرح کے تعلیمی اداروں اور نظامِ تعلیم میں ان جذبات کا تصور نہیں کیا جا سکتا ان جذبات کو محسوس نہیں کیا جا سکتا جو ان طلباء کے جذبات ہوتے ہیں جامعہ سے فارغ ہو کر اپنے گھروں کو جانے کے وقت، اور جو اساتذہ کے جذبات ہوتے ہیں جامعہ سے فارغ ہو کر اپنے گھروں کو جانے کے وقت، اور جو اساتذہ کے جذبات ہوتے ہیں ان کو رخصت کرتے وقت، اس کا اندازہ صرف وہی حضرات کر سکتے ہیں جن کو ان دینی مدرسوں کے اندر پڑھنے پڑھانے کی سعادت اور لذت نصیب ہوئی ہو۔

ہر محبت کی لذت الگ ہے:

اللہ رب العالمین نے ہر محنت کی لذت الگ رکھی ہے، اولاد کی محبت کی لذت کچھ اور ہے، بیوی کی محبت کی لذت کچھ اور، ماں باپ کی محبت کی لذت کچھ اور ہے بہن بھائیوں کی محبت کی لذت کچھ اور، اسی طرح مُریدوں کی محبت کی لذت کچھ اور ہے اور

شاگردوں کی محبت کی لذت کچھ اور، اس لذت کو نہ زبان سے بیان کیا جا سکتا ہے نہ تحریر میں لایا جا سکتا ہے، یہ طلباء ہم سے رخصت ہونے والے ہیں، ہماری دعا اور تمنا ہے کہ انہوں نے اس طویل مدت میں جو درس حاصل کیا ہے وہ درس زندگی بھر ان کا ساتھی رہے اور جن امیدوں اور تمناؤں کے ساتھ اساتذہ نے ان کی تعلیم و تربیت کی ہے وہ ان امیدوں اور تمناؤں پر پورے اتریں اور امت کو اس وقت جیسی قیادت کی ضرورت ہے اپنے آپ کو اس قیادت کے قابل بنائیں۔

فارغ التحصیل ہونے کا مطلب:

میں طلباء سے یہ کہنا چاہوں گا، اور درس کے دوران بھی یہ بات کہی گئی ہے کہ جب آپ فارغ التحصیل ہوتے ہیں تو اس کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ آپ عالم دین بن گئے ہیں، بلکہ اس کا مطلب صرف یہ ہوتا ہے کہ آپ نے نصاب پورا پڑھ لیا ہے اور آپ کے اندر قوتِ مطالعہ پیدا ہوگئی ہے، جیسے کہ حضرت علامہ سید محمد انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا کہ طلباء کے فارغ التحصیل ہونے کا اور ہمارا ان کو پڑھانے کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ ان کے اندر اسلامی علوم وفنون میں قوتِ مطالعہ پیدا ہو جائے، جتنے علوم وفنون ہیں ان میں یہ مطالعہ کرسکیں، عربی زبان میں بھی اور اپنی اپنی زبانوں میں بھی،، درساً پڑھنے کی ضرورت نہ رہے، اب جتنا مطالعہ کرتے جائیں گے علم میں اضافہ ہوگا، جتنی تحقیق کریں گے، جتنی ریسرچ کریں گے، جتنا تدریس کا کام کریں گے، فتویٰ کا کام کریں گے، قضاء کا کام کریں گے، وعظ ونصیحت کا کام کریں گے جتنا کام کرتے جائیں گے تجربہ بڑھتا جائے گا، عالم دین بنتے جائیں گے، اور ایک وقت آئے گا انشاء اللہ کہ آپ عالم دین ہوں گے، لیکن ابھی آپ اپنے آپ کو عالم نہ سمجھیں، عالم دین بننے کی صلاحیت اللہ تعالیٰ نے پیدا کر دی ہے، آج سے آپ کا سفر عالم دین بننے کے لیے ہوگا۔

فقہ باطن ابھی باقی ہے:

دوسری بات یہ ہے کہ آپ نے فقہ ظاہر حاصل کرلیا، ظاہری اعمال کے احکام سمجھ لیے، شریعت کے مسائل سمجھ لیے، اور الحمد للہ احادیث کا عظیم الشان ذخیرہ آپ کے ذہنوں میں اور آپ کے دلوں میں اتر گیا، لیکن باطنی فقہ، دل کی اصلاح، باطنی اعمال کی اصلاح، جس کا نام قرآن وسنت کی اصطلاح میں ''احسان'' ہے یہ کام ابھی باقی ہے، یہ کام کتابوں کے پڑھنے سے نہیں ہوسکتا، اسباق پڑھنے سے نہیں ہوسکتا، یہ مطالعے اور درس سے نہیں ہو سکتا، اس کا تعلق صرف تربیت سے ہے، تربیت حاصل کریں، کسی مصلح کی خدمت میں رہ کر، کسی شیخ کی صحبت میں رہ کر، اپنے نفس کو مٹا کر، اپنے آپ کو اس شیخ کے اس طرح سپرد کر دیں کہ "کالمیّتِ فِي يد الغسّال" ہمارے والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ یہی الفاظ فرمایا کرتے تھے، کہ اپنے آپ کو شیخ کے اس طرح حوالے کردو جیسے مردہ غسل دینے والوں کے قبضہ میں ہوتا ہے کہ جدھر غسل دینے والے الٹ دیں وہ پلٹ جاتا ہے اس کا اپنا کوئی ارادہ اور اختیار نہیں ہوتا، اسی طریقہ سے اپنے آپ کو شیخ کے حوالے کردو کہ جس کام میں وہ لگائے، جو ہدایت وہ دے، جو مشورہ وہ دے اس کو بے چون و چرا اختیار کرلو، یاد رکھئے! باطن کی اصلاح یعنی دل کے اخلاق واعمال کی اصلاح کے بغیر دین مکمل نہیں ہوتا، اس کے بغیر آدمی پورا مسلمان بھی نہیں ہوتا، خوب ذہن نشین کرلیجیے، آپ فقہ باطن کے بغیر عالم دین نہیں بن سکیں گے، اس لیے اب پوری لگن کے ساتھ کسی شیخ کی تربیت وصحبت میں رہ کر اس کام میں لگیں۔ یہ کام درس وتدریس وغیرہ کے ساتھ بھی چل سکتا ہے۔

تعلیم میں ہمارے طلباء کی مثالی محنت اور لگن:

الحمد للہ ایک بات یہ ہے کہ جس نوعیت کی محنت ہمارے دینی مدارس کے طلباء کرتے ہیں اور پڑھنے کے زمانے میں جس عظیم مجاہدے سے یہ گزرتے ہیں اس کی نظیر اس وقت شاید ہی کسی اور جگہ ملتی ہو، آپ کو شاید خوشگوار تعجب ہوگا کہ دورۂ حدیث کے ان

تین سو پچانوے طلباء نے اس طرح اسباق پڑھے ہیں کہ صبح کو آٹھ بجے سے درس شروع ہوتا تھا تقریباً ساڑھے بارہ بجے تک، پھر سہ پہر کو تین بجے سے عصر تک، پھر مغرب سے لے کر رات کے تقریباً پونے بارہ بجے تک ان کا درس ہوتا تھا، کیا وقت باقی بچا؟ عصر سے مغرب تک کا وقت تا کہ اس میں کچھ چہل قدمی کر لیں، جسمانی ورزش کر لیں، دوپہر کا تھوڑا سا وقت تا کہ اس میں کچھ آرام کر لیں، اور نمازوں کا وقت، باقی سارا وقت ان کا ''قال اللہ قال الرسول'' میں خرچ ہوا۔ ان ۳۹۵ طلبہ میں سے ۹۰ طالب علم اللہ کے فضل و کرم سے ایسے سعادت مند اور مستقل مزاج ہیں کہ انہوں نے اپنے درس کے کسی حصے میں پانچ منٹ کا بھی ناغہ نہیں کیا، پورا سال تقریباً دس پیریڈ ان کے روزانہ ہوئے ہیں کسی پیریڈ میں، کسی گھنٹے میں انہوں نے چھٹی نہیں کی، نہ رخصت علالت لی، نہ رخصت اتفاقیہ لی، نہ تاخیر سے پہنچے، استاذ جب درسگاہ میں آتا تھا یہ پہلے سے وہاں موجود ہوتے تھے، نتیجہ یہ ہے کہ جتنی حدیثیں دورۂ حدیث کے سال میں آئی ہیں وہ ساری کی ساری حدیثیں انہوں نے پڑھی ہیں کوئی حدیث ان سے نہیں چھوٹی، دورۂ حدیث کے ۳۹۵ طلباء میں سے ایسے طلباء کی تعداد نوے ہے، میں نے سرسری حساب کیا کہ انہوں نے کتنی حدیثیں سال بھر میں پڑھی ہیں تو تقریباً اٹھائیس ہزار حدیثیں بنتی ہیں، یہ معمولی مجاہدہ نہیں۔

ایک طالب علم مجھ سے ملا وہ دورۂ حدیث کا طالب علم نہیں تھا، بلکہ مرحلۂ ثانویہ عامہ یا خاصہ کا طالب علم تھا، اُس نے بہت ہی بے تابی کے عالم میں کہا کہ حضرت میرے لیے دعا فرما دیں مجھے سخت پریشانی ہے آج کل۔ میں سمجھا گھر سے کوئی خبر آئی ہو گی، مجھے اُس پر رحم آ گیا، اس کے چہرے سے بے چینی بہت محسوس ہوتی تھی، میں نے پوچھا بیٹا کیا بات ہے؟ تمہیں کیا پریشانی ہے؟ اس نے کہا کہ میں دن بھر اور رات کے اکثر حصے میں پڑھنے میں لگا رہتا ہوں میری نیند بھی پوری نہیں ہوتی، مگر اس کے باوجود میرا مطالعہ پورا نہیں ہوتا، وہ اس سے پریشان تھا، الحمدللہ یہ لگن ہمارے طلباء میں ہوتی ہے۔

غرض نوے طلباء تو وہ ہیں جن کی کوئی حدیث کسی درس میں نہیں چھوٹی، ان کے

علاوہ مزید ۴۵ طلباء ایسے ہیں کہ بخاری شریف کی ان کی کوئی حدیث نہیں چھوٹی، یہ معمولی مجاہدہ نہیں۔

مثالی عزم:

ایک بہت ہی تعجب خیز اور مسرت انگیز بات یہ ہے کہ انہی دورۂ حدیث سے فارغ التحصیل ہونے والے ۳۹۵ طلبہ میں سے ایک صاحب عزم طالب علم محمد اسد الحسینی ایسا بھی ہے (میں چاہوں گا کہ اس وقت وہ یہاں اسٹیج پر آجائیں) خاص بات اس طالب علم کی یہ ہے۔ آپ اندازہ کیجیے اس کے مجاہدے کا، اس کے عزم و استقلال کا۔ کہ آٹھ سال سے یہ دارالعلوم میں زیر تعلیم ہے، اس آٹھ سال کے عرصہ میں کسی دن کسی پیریڈ میں کسی بھی سبق میں اس نے نہ کوئی رخصت لی ہے نہ کوئی غیر حاضری کی ہے نہ رخصت علالت لی، آپ اندازہ کیجیے اس کے عزم و استقلال کا، یہ معمولی بات نہیں ہے کہ کوئی طالب علم آٹھ سال اس طرح گزارے کہ کسی ایک گھنٹہ اور کسی ایک پیریڈ میں بھی رخصت نہ لے، غیر حاضری تو بہت بڑی بات ہے، اللہ تعالیٰ اس کے علم میں، عمل میں، اور عمر میں برکت عطا فرمائے، یہ دارالعلوم کے شعبے دارالتربیت کے سابق اتالیق مولانا نورالحسن صاحب کے صاحبزدے ہیں، اصل وطن ان کا برما تھا لیکن جب وہاں کمیونسٹوں نے مظالم ڈھائے تو وہاں سے بہت سے لوگ ہجرت کر کے پاکستان آگئے تھے، تقریباً چالیس سال سے یہ حضرات یہیں آباد ہیں۔ اس طالب علم کو انشاء اللہ خصوصی انعام بھی دیا جائے گا۔

الحمدللہ تعلیمی سال کا یہ سفر آج پورا ہو رہا ہے، ہم سے بہت سی کوتاہیاں ہوئی ہیں، پتہ نہیں کتنے بے شمار گناہ ہوئے ہیں۔ آج کا دن اس پر بھی توجہ دلاتا ہے کہ ہم اپنی کوتاہیوں پر نظر کریں اور اللہ تعالیٰ سے ان کی معافی طلب کریں۔

طلبہ اور اساتذہ کی تعداد:

الحمدللہ اس سال ہمارے ہاں جامعہ دارالعلوم میں طلباء کی کل تعداد ۲۰۷ تھی،

جامعہ سے ملحق مکاتب میں زیر تعلیم طلباء و طالبات ان کے علاوہ ہیں اور اساتذہ اور معلمات کی تعداد دو سو بیالیس ۲۴۲ تھی، جو دارالعلوم اور اس کے مختلف شعبوں میں اور شاخوں اور مکاتب میں تدریس کی خدمات انجام دے رہے ہیں، اور غیر تدریسی عملے کی تعداد ایک سو بتیس ۱۳۲ ہے، اس طرح کل ۳۷۴ افراد ہیں جو الحمد للہ اس ادارے کی اور اس کے طلباء کی خدمت میں شب و روز لگے ہوئے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کی عمروں میں برکت عطا فرمائے اور ہمارے کاموں میں اخلاص اور رہنمائی اور دستگیری فرمائے۔

زیر تعمیر جامع مسجد:

الحمد للہ دارالعلوم کی اس زیر تعمیر جامع مسجد کے مرکزی ہال میں آج ختم بخاری کا ہم نے درس پڑھا ہے اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے یہ ہال اب تکمیل کے قریب ہے، آٹھ دس سال سے اس مسجد کی تعمیر کا سلسلہ جاری ہے، اور کوشش یہ ہے کہ یہ ہال اب کے رمضان سے پہلے پہلے مکمل ہو جائے تاکہ قدیم مسجد سے ہم یہاں رمضان میں منتقل ہو جائیں اور پرانی مسجد کو توڑ کر اس کو بھی اس نئی مسجد میں شامل کرنے کا کام شروع کیا جا سکے۔ اس مسجد کی تعمیر میں اب تک دس (۱۰) کروڑ انہتر (۶۹) لاکھ روپے خرچ ہو چکے ہیں، اور یہ کرم ہے اللہ رب العالمین کا اور برکت ہے ہمارے بزرگوں کی کہ آپ نے کبھی نہیں دیکھا ہو گا کہ دارالعلوم کراچی کی اس کی مسجد کے لیے چندے کرنے کے لیے لوگ پھر رہے ہوں، اخبارات میں اشتہارات آرہے ہوں، سفیر دورے کر رہے ہوں، الحمد للہ الحمد للہ۔ اگرچہ اس طرح کے نیک کاموں کے لیے چندہ کرنا اور اس کے لیے اعلان کرنا بھی شرعاً ممنوع اور ناجائز نہیں، لیکن آج کل بعض اسباب کی بناء پر چندوں کے اعلانات بدنامی کا شکار ہو گئے ہیں، اس لیے ہمارے بزرگ ان سے بڑی حد تک اجتناب کرتے تھے، اور ہمیں بھی یہی ہدایت فرما گئے ہیں۔ البتہ بزرگوں کے طریقے کے مطابق یہ ضرور ہوا کہ جب زیادہ قرضہ ہو گیا تو ہم نے لوگوں کو بتلا دیا کہ یہ کام چل رہا ہے آپ کے علم میں لانا مقصود ہے کہ اتنا

قرضہ ہو گیا ہے، ہم نے یہ بھی نہیں کہا کہ دیجیے، لیکن اللہ کا بڑا فضل و کرم ہے احسان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اتنا کام کرا دیا ہے اور اندازہ یہ ہے کہ تقریباً سوا چار کروڑ روپے مزید خرچ ہوں گے اور یہ مسجد انشاء اللہ مکمل ہو جائے گی، آپ حضرات سے دعا کی درخواست ہے، اللہ تعالیٰ مدد فرمائے اور آسانی سے اپنی رضا کے مطابق ریا و نمود کے جذبات سے ہمیں محفوظ رکھتے ہوئے مسجد کو خالص اللہ کی رضا کے لیے مکمل کروا دے۔ الحمد للہ آپ یہاں بیٹھے ہیں اس ہال کا فرش ماربل کا اعلیٰ درجہ کا تیار ہو چکا ہے اس میں صرف آخری گھسائی اور پالش کا کام باقی ہے اور اسی طریقہ سے یہ بڑا برآمدہ آپ دیکھ رہے ہیں پچاس فٹ چوڑا اور تین سو بیس فٹ لمبا برآمدہ ہے اس کا فرش بھی مکمل ہو چکا ہے، اسی طریقہ سے دائیں بائیں کے کوریڈور آپ دیکھ رہے ہیں ان کا اور ان کے اوپر کے جو کوریڈور ہیں ان سب کا فرش بھی اللہ کے فضل و کرم سے ماربل کا پڑ چکا ہے۔ اور ہر ایک مصلے کی جگہ جو ماربل لگا ہے جس میں ایک ایک آدمی کے کھڑے ہونے کی گنجائش ہے اس کا خرچہ ستائیس سو (-/۲۷۰۰) روپے ہے، جو ہم نے کبھی کبھی مسجد میں لوگوں کو بتا دیا، الحمد للہ لوگوں نے اس میں حصے لیے، کسی نے ایک مصلیٰ اپنی طرف سے کروایا، کسی نے دس کروائے، کسی نے سو کروائے، کسی نے سو سے زیادہ بھی کروائے، اللہ کے فضل و کرم سے پوری مسجد کا نصف فرش مکمل ہو گیا ہے، لیکن اتنی بات آپ کے علم میں لانا چاہتا ہوں تاکہ آپ حضرات دعا میں بھی یاد رکھیں کہ مصلوں کے سلسلے میں بیالیس (۴۲) لاکھ روپے قرض ہو گیا ہے، ایک مصلیٰ ستائیس سو (-/۲۷۰۰) روپے میں بن رہا ہے۔

تفسیر معارف القرآن کا انگریزی ترجمہ:

الحمد للہ یہ خوشخبری آپ نے ابھی سنی ہے کہ تفسیر معارف القرآن کی پوری آٹھ جلدوں کا انگریزی ترجمہ مکمل ہو کر کل ہی آخری جلد وصول ہوئی ہے۔ اللہ رب العالمین نے برادر عزیز شیخ الاسلام مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب سے اتنا بڑا کام لیا ہے یہ

بزرگوں کی دعاؤں کی برکت ہے، اللہ رب العالمین ان کے علم میں عمل میں اور عمر میں برکت عطا فرمائے۔ اگرچہ ترجمہ کے کام میں دوسرے حضرات بھی شریک تھے، لیکن انہیں اس ترجمہ کا ایک ایک حرف دیکھنا پڑا، اور جگہ جگہ اس میں بڑے پیمانے پر تبدیلیاں، ترمیمیں کرنی پڑی ہیں، شب و روز سفر میں بھی اس کے مسودات کو یہ ساتھ رکھتے تھے، جہاز میں اور ایئرپورٹ کے لاؤنج میں بھی یہ کام جاری رہتا تھا، اس طرح اللہ تعالیٰ نے ان کے ہاتھوں اور ان کی زیر نگرانی یہ عظیم الشان کارنامہ انجام دلا دیا۔ وللہ الحمد۔

تکملۃ فتح الملہم:

اسی طرح یہ بھی دارالعلوم کراچی کا ایک بڑا سرمایۂ امتیاز ہے کہ فتح الملہم صحیح مسلم کی شرح جو شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے شروع کی تھی اور تقریباً آدھی کتاب کی شرح ۳ جلدوں میں تصنیف فرما چکے تھے کہ انتقال فرما گئے۔ اور شرح نامکمل رہ گئی۔ علامہ شبیر احمد عثمانی صاحبؒ کی وفات کے بعد اکابر علماء کی یہ تمنا رہی کہ یہ شرح مکمل کرنے کی سعادت اللہ تعالیٰ ان کو عطا فرما دے، حضرت مولانا یوسف بنوری صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی بھی یہ تمنا رہی، اللہ رب العالمین کا کرم ہے اور ہمارے والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی دعا اور رہنمائی کا فیض ہے کہ اللہ تعالیٰ نے برادر عزیز مولانا محمد تقی عثمانی صاحب کے ذریعہ فتح الملہم کو بھی مکمل کروا دیا۔ پچھلے تقریباً ۱۲ سو سال میں صحیح مسلم کی شرحیں اگرچہ درجنوں اور بیسیوں لکھی گئی ہیں جو اپنے اپنے وقت میں بلاشبہ عظیم الشان قرار دی گئیں، لیکن بلا مبالغہ کہا جا سکتا ہے کہ اس وقت ان تمام شرحوں میں فتح الملہم اور تکملۃ فتح الملہم کی کوئی نظیر نہیں ہے، اور میں اس وجہ سے پورے اعتماد کے ساتھ یہ کہہ رہا ہوں کہ تقریباً ۳۵ سال سے الحمدللہ صحیح مسلم کا درس میرے سے متعلق ہے، اور صحیح مسلم کی جتنی شرحیں اب تک چھپی ہیں وہ ساری الحمدللہ میری نظر سے گزری ہیں، میں نے ان سے استفادہ کیا ہے، لیکن جو کمال اللہ تعالیٰ نے فتح الملہم اور تکملۃ فتح الملہم کو عطا فرمایا ہے اس کی نظیر کسی شرح میں نہیں، کیونکہ پچھلی شرحوں سے خوشہ چینی کر کے ان کی تقریباً ساری

خوبیاں اس میں جمع کردی گئی ہیں، اور جدید عصری مشاغل پر سیر حاصل تحقیقی مباحث ان کے علاوہ ہیں۔ یہ بھی اللہ رب العالمین نے اس دارالعلوم کے ذریعہ پورا کرایا، اللہ تعالیٰ دارالعلوم کو اور خدامِ دارالعلوم کو نظر بد سے بچائے اور اس کا فیض پوری دنیا میں قیامت تک جاری رکھے۔

دینی مدارس اور مغربی دنیا:

اب میں دینی مدارس کے بارے میں کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں۔ پچھلے کئی سال سے دینی مدارس نہ صرف ملک میں اور نہ صرف عالم اسلام میں، بلکہ پوری دنیا میں، خصوصیت سے مغربی دنیا میں زیر بحث ہیں، اور ان پر مختلف حیثیتوں سے مختلف انداز سے ریسرچ کا کام چل رہا ہے، دنیا بھر کے ممالک کے سفراء اور ان کے صحافی اور ان کے دانشور ہمارے پاس آ جا رہے ہیں، مدرسوں میں آتے ہیں، ہم سے ملتے ہیں، مدرسوں کے بارے میں معلومات حاصل کرتے ہیں، انہوں نے یہ سنا ہوتا ہے کہ ان مدرسوں میں دہشت گرد ہوتے ہیں، خوفناک لوگ ہوتے ہیں، لیکن جب وہ مدرسوں میں آتے ہیں تو ان کو پتہ چلتا ہے کہ یہاں اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے کیسے اچھے انسان زیر تعلیم ہیں، الحمد للہ اس میں کوئی استثناء نہیں کہ مغربی اور مشرقی غیر مسلم ممالک کے جتنے ایسے نمائندے سرکاری یا غیر سرکاری آئے ہیں وہ یہاں سے غیر معمولی طور پر متأثر ہو کر گئے ہیں۔

ایک خاتون بھی جو انگلینڈ کی تھیں ان کا ہمیں پیغام ملا پاکستانی حکام کے ذریعے کہ وہ دارالعلوم دیکھنا چاہتی ہیں، ہمارے یہاں اصول یہ ہے۔ اللہ تعالیٰ اس اصول پر ہمیں اخلاص کے ساتھ، پابندی کے ساتھ قائم رکھے۔ کہ خواتین کے بے پردہ درسگاہوں میں جانے کی اجازت نہیں ہے، وہ کسی اونچے عہدے سے متعلق تھیں، اور غالباً صحافت سے بھی ان کا تعلق تھا، پاکستانی حکام سے ہم نے کہا اھلاً وسھلاً وہ خاتون ضرور آئیں، مدرسۃ البنات میں وہ آئیں، وہاں معلمات اور صدر معلّمہ ان کا استقبال کریں گی۔ اور صدر معلّمہ الحمد للہ میری اہلیہ ہیں، الحمد للہ جب سے مدرسۃ البنات قائم ہوا ہے وہ اعزازی اور رضا کارانہ طور پر

مدرسۃ البنات کی یہ خدمت انجام دے رہی ہیں۔ تو ہم نے کہا کہ ہماری بیگم ان کا استقبال کریں گی، اور مدرسۃ البنات کا دورہ کروائیں گی، معلمات اور طالبات کے ساتھ جلسہ ہوگا اور طالبات اپنا پروگرام پیش کریں گی۔ لیکن انہوں نے پیغام بھجوایا کہ ہم تو آپ حضرات کے ساتھ بھی میٹنگ رکھنا چاہتے ہیں، ہم نے ان کو جواب بھجوایا کہ ان شاء اللہ یہ بھی ہو جائے گا، لیکن اس کا طریقہ یہ ہوگا کہ جب وہ مدرسۃ البنات میں آئیں گی تو وہاں کی معلمات ایک خوبصورت چادر ان کو تحفہ میں دیں گی، اور چادر ان کو اوڑھائیں گی، وہ چادر اوڑھ کر ہمارے میٹنگ روم میں آجائیں وہاں ہم لوگوں سے ملاقات ہو جائے گی، چنانچہ الحمد للہ ایسے ہی ہوا۔ وہ چادر اوڑھ کر ہمارے ساتھ میٹنگ میں بھی شریک ہوئیں اور غیر معمولی اثرات لے کر اس جامعہ سے رخصت ہوئیں۔ الحمد للہ۔

عربی کا مشہور مقولہ ہے کہ "اَلنَّاسُ اَعْدَاءٌ لِّمَا جَهِلُوْا" یعنی لوگ اُس چیز کے دشمن ہو جاتے ہیں جس سے وہ واقف نہیں ہوتے، مغربی میڈیا خاص طور سے یہودی میڈیا نے دینی مدارس کا ایسا خوفناک تصور پوری دنیا میں پھیلایا ہے کہ لوگ طرح طرح کی باتیں سوچتے ہیں لیکن جب یہاں آتے ہیں تو ان کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ جاتی ہیں۔ ابھی چند روز پہلے کی بات ہے کہ ناروے کے وزیر یا سفیر تھے وہ آئے، اسی طرح جرمنی کے آئے اور جب یہاں سے گئے تو انہوں نے غیر معمولی تعریفیں وہاں جا کر کیں، مجھے وہاں کی روایتیں ملی ہیں، انہوں نے حیرت کا اظہار کیا کہ دار العلوم کیا ہے وہ تو عظیم الشان تعلیمی ادارہ اور یونیورسٹی ہے، الحمد للہ ہماری خواہش ہے۔ بلکہ اب ضرورت ہوگئی ہے۔ دنیا بھر کے لوگ صحافی، دانشور، فلاسفر، سائنسدان اور تعلیمی میدان کے ماہرین، سیاسی لیڈر، سرکاری احکام اور وزراء آکر ہم سے ملیں اور ان مدرسوں کو دیکھیں اور ان کے حالات کو جانیں، ان شاء اللہ امید ہے کہ وہ متاثر ہو کر جائیں گے۔

جہاد اور جنگی قیدی:

سب سے زیادہ ان کا سوال جہاد کے بارے میں ہوتا ہے، ہم ان کو بتاتے ہیں

کہ جہاد اور عام جنگ میں زمین آسمان کا فرق ہے، عام جنگ کچھ اور ہے، جہاد کچھ اور، جہاد ایک مقدس عمل ہے جس کی بہت سی شرطیں ہیں بہت سی پابندیاں ہیں مثلاً یہ کہ دشمن کے ساتھ بھی عہد شکنی کسی حالت میں نہ کی جائے، عین جنگ کے اندر بھی دشمن کے کسی بچے کو، کسی عورت کو، کسی بوڑھے کو یا کسی مذہبی پیشوا کو گزند نہ پہنچائی جائے، اور دشمن کا جو شخص آپ سے لڑ رہا ہے اس کے بھی ناک، کان، آنکھ نہ کاٹے جائیں، اور اگر دشمن قید میں رکھا جائے تو ان کو تمام انسانی حقوق دیئے جائیں، اور ان کا معقول انتظام کیا جائے، وہ ظلم نہ ہو جو ابوغریب جیل میں عراق میں مسلم قیدیوں کے ساتھ کیا گیا ہے، وہ کام نہ ہو جو کیوبا میں افغانستان کے قیدیوں کے ساتھ ہوا ہے۔ یہ بات میں نے امریکہ کی بھی ایک تقریر میں کہی تھی، واشنگٹن میں ایک بڑا اجتماع تھا وہاں کی بات ہے جب پوری دنیا میں غلامی کا رواج تھا، اور یہ بھی بتلایا کہ اسلام میں غلام صرف جنگی قیدیوں کو بنایا جاتا تھا، جبکہ دنیا میں اُس وقت جنگل کا قانون چل رہا تھا کہ جس طاقتور کو موقع ملتا وہ کمزور کو غلام بنا لیتا تھا، غلام بنانے کے لیے کسی شرط کی پابندی نہیں تھی، غلاموں کے کوئی حقوق نہیں تھے۔ ہر ایک کو غلام نہیں بنایا جا سکتا اور جنگی قیدیوں کو بھی غلام بنانے کے لیے کڑی شرطیں ہیں اور اب وہ شرطیں نہیں پائی جاتیں اس لیے اب بحالت موجودہ کسی کو غلام نہیں بنایا جا سکتا، اور جنگی قیدیوں کو غلام تمام شرائط کے ساتھ بنا لیا جائے تو ان کے بھی بہت سے حقوق ہوتے تھے، تو میں نے اس اجتماع میں کہا کہ کیوبا کے جو قیدی ہیں ان کے مقابلے میں وہ جنگی قیدی بدرجہا خوش قسمت ہوں گے جو بالفرض اسلام کے قاعدے کے مطابق غلام بنا لیے جائیں، کیوبا کے اندر مسلم قیدیوں کے ساتھ جو انسانیت سوز سلوک کیا گیا، اسلام میں ہرگز اس کی گنجائش نہیں، الحمدللہ۔

دعوت الی اللہ:

ایک بات میں آپ سے عرض کروں گا کہ اعدائے اسلام کی سمجھ میں اب یہ بات آ گئی ہے کہ اسلام کی اصل طاقت ان مدرسوں میں ہے، اسلام کے اصلی قلعے یہ

مدرسے ہیں، یہی وہ مدرسے ہیں جہاں سے تبلیغ نکلتی ہے اور دعوت الی اللہ کے قافلے تیار ہوتے ہیں، یہی وہ مدرسے ہیں جہاں دین کے دوسرے مسائل کی طرح جہاد کے مسائل بھی پڑھائے جاتے ہیں، اور اللہ کے راستے میں جہاد کا ذہن تیار ہوتا ہے۔ یہی وہ مدرسے ہیں جہاں سے دین کی اور اسلام کی اشاعت ہوتی ہے، اور یہی وہ مدرسے ہیں جن کے اندر دین کی اعلیٰ سطحی تعلیم دے کر علماء دین تیار کیے جاتے ہیں۔ اور قرآن وسنت کے علوم کو زندہ رکھا جاتا ہے۔ اب وہ یہ محسوس کر رہے ہیں کہ اگر اسلام کو مٹانا ہے اور مسلمانوں کو مٹانا ہے تو سب سے پہلے ان مدرسوں کو مٹانا ضروری ہے، تو میں خاص طور پر طلبہ سے کہوں گا کہ یاد رکھو! اس وقت پورے عالم کفر کی دشمنیوں کا نشانہ تم ہو، تمہارے اوپر سب سے زیادہ نظریں ہیں، پاکستان کے ایٹمی پلانٹ پر شاید ان کی اتنی نظریں نہ ہوں جتنی نظریں تمہارے اوپر ہیں، وہ تمہیں اپنا بدترین دشمن سمجھتے ہیں۔ لیکن وہ غلط سمجھتے ہیں، تم ان کے دشمن نہیں ہو، تم تو داعی الی اللہ ہو، ان کو جنت کی طرف بلانے والے ہو، تم اپنے عمل سے بتلاؤ کہ تم ان کے دشمن نہیں بلکہ خیر خواہ ہو، اور داعی الی اللہ ہو، اللہ کی طرف لانے اور دعوت دینے والے ہو، اور جہنم سے بچا کر جنت میں پہنچانے والے ہو۔

سنتِ انبیاء سے کام لو "وقولا لہ قولًا لینًا" پر عمل کرو اور "اُدْعُ إلٰی سبیل ربک بالحکمة والموعظة الحسنة" پر عمل کرو کہ انبیاء کرام علیہم السلام نے کافروں کو کس کس طریقے سے محبتوں سے، پیارے سے، خیر خواہی سے سمجھا کر خوشامدیں کر کر کے ان کو دعوت الی اللہ دی ہے، تم بھی داعی الی اللہ بنو، دنیا غلط سمجھتی ہے کہ تم ان کے دشمن ہو، تم ان کے خیر خواہ ہو، محبت کرنے والے ہو، تم ان کے لیے نجات دہندہ بننا چاہتے ہو، یہ اپنے عمل سے ثابت کرو، آپ کا عمل ایسا ہونا چاہیے کہ دنیا کو آپ کی طرف سے محبت کا، سلامتی کا اور خیر خواہی کا پیغام ملے۔

اہل مدارس سے ایک درخواست:

آپ سے میری درخواست یہ ہے کہ ان مدرسوں کے خلاف چھاپے پڑ رہے

ہیں طرح طرح کی سازشیں ہو رہی ہے اور بلا شبہ بیرونی دباؤ بہت ہے ہماری حکومت پر، لیکن اللہ کے بھروسے پر ایک بات کہتا ہوں کہ خدانخواستہ اگر ان مدرسوں پر کوئی برا وقت آیا تو وہ ہماری بداعمالیوں کی وجہ سے آئے گا۔ حکمت کے بغیر کام کرنے کی وجہ سے آئے گا، سنت انبیاء کو چھوڑنے کی وجہ سے آئے گا۔ فرقہ واریت کی باتوں سے آئے گا۔ مالی امور میں حساب کتاب کی گڑبڑ سے آئے گا، تقویٰ کی کمی سے آئے گا، اخلاص کی کمی سے آئے گا، حُبِ جاہ کی وجہ سے آئے گا۔ حُبِ مال کی وجہ سے آئے گا۔ اگر یہ باتیں ہمارے اندر نہ ہوئیں ہم نے اخلاص کے ساتھ، تقویٰ کے ساتھ، سنت انبیاء کو سامنے رکھ کر۔ اور جو کچھ ہم نے ان احادیث میں پڑھا ہے اور قرآن کریم نے جو کچھ تعلیم ہمیں دی ہے، انبیاء کرام کا جو طریقہ ہمیں سکھلایا ہے ہم اسی پر کاربند رہے تو۔ ان شاء اللہ، ان شاء اللہ۔ اللہ کے بھروسے پر عرض کرتا ہوں۔ کوئی ان مدرسوں کا بال بیکا نہیں کر سکے گا۔ اللہ تعالیٰ ہماری مدد فرمائے گا۔ میری درخواست آپ سب حضرات سے یہی ہے کہ اخلاص اور تقویٰ کو اپنا شعار بنائیں، مدرسوں کے اندر جو چندہ آتا ہے اس کو بہت احتیاط سے استعمال کریں، اور صرف احتیاط سے استعمال کرنا کافی نہیں، حساب کتاب بھی صاف ہونا چاہیے اور حساب کتاب کا صاف ہونا نظر بھی آنا چاہیے۔ کاغذات میں حسابات میں بالکل ایک ایک چیز آپ ثابت کرسکیں کہ جو چندہ آیا تھا وہ کہاں لگا ہے۔

ہماری اطلاعات یہ ہیں کہ مدرسوں کو موردالزام ٹھہرانے اور بدنام کرنے کے لیے اور ان کے خلاف کارروائیاں کرنے کے لیے حسابات کو ذریعہ بنایا جائے گا۔ کچھ اطلاعات ہمیں ملی ہیں، اس وجہ سے میں اہل مدارس سے درخواست کرتا ہوں کہ الحمدللہ آپ حضرات بڑے اخلاص سے کام کر رہے ہیں حساب کتاب بھی صاف سہی مگر حساب کتاب ایسے انداز میں رکھیے جس کو دنیا حساب کتاب سمجھتی ہوتا کہ کسی کو انگلی رکھنے کا موقع نہ ملے سکے۔

حضرت والدِ ماجدؒ کا ایک واقعہ:

میں اپنے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ سناتا ہوں انتقال سے چند روز پہلے کی بات ہے فرمانے لگے دیکھو وہ ایک تار لٹکا ہوا ہے اس کے اندر بہت سارے کاغذ ہیں پروئے ہوئے، وہ تار اٹھالاؤ، میں اٹھالایا تو اس پر بہت سارے کیش میمو تھے دارالعلوم کے مطبخ سے آٹا کھانا خریدا اتنے پیسے، اور ذاتی کال ٹیلی فون پر کی اس کا معاوضہ اتنے پیسے، دارالعلوم کی گاڑی ذاتی کام میں استعمال ہوئی اس کے پیسے جمع کرائے گئے اس کا کیش میمو، غرض رسیدوں اور کیش میموں کا ایک موٹا گڈا تھا، فرمایا کہ اگرچہ اس کا حساب مکمل ہو چکا، میں ادائیگی بھی کر چکا، اب ان کو محفوظ رکھنے کی کوئی اور ضرورت نہیں، لیکن میں اس واسطے رکھتا ہوں کہ بعض لوگ تہمت لگایا کرتے ہیں اہل مدارس پر کہ یہ لوگ چندہ کھاتے ہیں، مدرسہ کا پیسہ کھاتے ہیں، یہ میں نے اس واسطے رکھا ہوا ہے کہ اگر کوئی اعتراض کرے تو اس کے منہ پر دے کر مار سکوں کہ لو اس کو دیکھو۔ حالانکہ اس زمانے میں مدرسوں کے خلاف ایسی باتیں بھی نہیں تھیں جیسی اب ہو رہی ہیں، اس وجہ سے میری درخواست خاص طور سے طلبہ سے بھی ہے کیونکہ ان شاء اللہ آپ جا کر اپنے مدرسوں سے متعلق ہوں گے، کوئی مدرس بنے گا، کوئی اور ذمہ داریاں اٹھائے گا، اپنے مدرسوں کے حسابات کو اور وہاں کی اخلاقی تربیت کو اور وہاں کے تعلیم کے معیار کو اپنا سب سے بڑا اہم مقصد بنائیں، اللہ ہر قسم کے فتنوں سے ہماری حفاظت فرمائے۔

فرقہ واریت سے اجتناب ضروری ہے:

ایک بات اور عرض کروں، کہ فرقہ واریت سے اجتناب کریں، ہمارے بعض دینی حلقوں میں یہ عادت پڑ گئی ہے کہ تقریر کرتے ہیں تو وہ کسی نہ کسی فرقے کے خلاف ہوتی ہے، دیوبندی بریلوی کے خلاف، بریلوی دیوبندی کے خلاف، اہل حدیث غیر اہل حدیث کے خلاف تقریریں کرتے ہیں، یاد رکھئے دشمن ان اختلافات کو نہیں جانتا وہ تو آپ کا بھی دشمن ہے، ہر مکتب فکر کا، ہر مسلک کا دشمن ہے۔ وہ دشمن ہے اللہ و رسول کے ماننے والوں کا، اس واسطے خدا کے لیے ان فرقہ واریت کے جھگڑوں کو چھوڑ دیجیے، فرقہ

واریت کی اجازت شریعت نے کبھی بھی نہیں دی۔ کسی بھی صورت میں اجازت نہیں دی۔ ان باتوں کو چھوڑیئے امت کو دین کا مثبت پیغام پہنچایئے عوام کو کیا کرنا ہے؟ اور کن چیزوں سے بچنا ہے؟ اس کی تعلیم دیجئے، ان شاء اللہ خیر و برکت ہوگی اور کامیابی ان شاء اللہ ہمارا مقدر بنے گی۔ ان طویل گزارشات کی معافی چاہتے ہوئے آپ سے رخصت ہوتا ہوں۔

(وآخر دعونا ان الحمد للّٰہ رب العالمین)

تفسیر احکام القرآن کی تکمیل

خطاب: حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی مدظلہم

موضوع: تفسیر احکام القرآن کی تکمیل

مقام: جامعہ دار العلوم الاسلامیہ، کامران بلاک لاہور

﴿تفسیر احکام القرآن کی تکمیل﴾

الحمدللّٰہ نحمدہ ونستعینه ونستغفرہ ونؤمن به ونتوکل علیه و نعوذ باللّٰہ من شرور انفسنا (الی آخرہ)

اما بعد!

اعوذ باللّٰہ من الشیطن الرجیم.

بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم

﴿وَاَنْزَلْنَا اِلَیْکَ الذِّکْرَ لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ مَانُزِّلَ اِلَیْهِمْ لَعَلَّهُمْ یَتَفَکَّرُوْنَ﴾

تمہیدی باتیں:

بزرگان محترم، حضرت علماء کرام، محترم گورنر پنجاب اور معزز حاضرین! اللہ رب العالمین کا بے پایاں فضل وکرم ہے کہ تقریباً اَسّی (۸۰) سال کے اس علمی اور تحقیقی سفر کی تکمیل اللہ رب العالمین نے اس ادارے دارالعلوم الاسلامیہ اور اس کے مہتمم صاحب کی شب و روز محنت کے نتیجے میں پوری فرمائی۔

تکمیل کا کام باقی تھا اللہ رب العالمین نے اس ادارے سے اور اس ادارے کے فاضل مہتمم کی مساعی سے پورا فرمایا۔ ہمارے برادر محترم جناب ڈاکٹر محمد غازی صاحب نے بڑا پرمغز مقالہ ابھی آپ کے سامنے پیش کیا ہے۔ اور جب تک ان کے ذمہ وزارت کی ذمہ داریاں نہیں تھیں، اس سے پہلے تو ان کی اس قسم کی علمی تقریریں اور تحریریں سامنے آتیں رہتی تھیں۔ کچھ عرصہ ہم نے اسلام نظریاتی کونسل میں مل کر کام بھی کیا ہے اور مجھے ہمیشہ اس بات کی خوشی رہی ہے کہ اللہ نے اس معاملے میں ان کو ذہنِ رساں عطاء فرمایا ہے اور محنت کا ذوق بھی عطاء فرمایا ہے۔ لیکن وزارت کی موجودہ ذمہ داری کے ساتھ جو اہم معلومات آج اس مقالے میں سامنے آئیں وہ توقع سے زیادہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے علم میں اور عمر میں برکت عطاء فرمائے اور جو منصب اللہ نے ان کو عطاء فرمایا ہے اس منصب کو ملک اور ملت کے لیے اور دین کی ترقی اور استحکام کے لیے بہترین ذریعہ بنائے۔

وقت چونکہ کافی ہو چکا ہے اور نظام الاوقات کے حساب سے تو مجھے تقریر ختم کرنی چاہیے دس بج کر پندرہ منٹ پر۔ صرف تین منٹ باقی ہیں۔ لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جلسہ کے منتظمین نے اس معاملے میں تھوڑی سی سہولت خطاب کرنے والے حضرات کو دے رکھی ہے۔ میں اس سہولت سے کوئی ناجائز فائدہ تو نہیں اٹھانا چاہتا، لیکن ضروری حد تک فائدہ حاصل کر کے بس مختصر سی ایک دو باتیں جو میرے نزدیک اس مجلس کے لیے شاید ضروری ہوں انہیں پر اکتفاء کروں گا۔

استنباط احکام میں اکابر کی محنتیں:

میں بہت مختصر بات کروں گا۔ آپ نے ابھی ڈاکٹر غازی صاحب کے مقالے میں اس بات کا مختصر سا جائزہ سنا کہ کس طرح صحابہ کرامؓ نے قرآن کریم کی آیات سے احکام کو مستنبط کرنے کے لیے محنتیں کیں۔

اور کس کس طریقہ سے قرآن کی باریکیوں سے احکام کو نکالا اور امت میں بعد میں آنے والے اہل علم کے لیے احکام کو مستنبط کرنے کے اصول فراہم کیے اس سلسلہ میں

آپ نے امام شافعیؒ کا واقعہ اور دوسرے بزرگوں کے واقعات بھی سنے۔ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ نے برصغیر کے اعلیٰ درجے کے منتخب علماء جو اس وقت ان کو بہتر سے بہتر دستیاب ہو سکتے تھے ان کو احکام القرآن کے لکھنے پر مامور کیا تھا، حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی صاحبؒ (صاحب اعلاء السنن) شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی صاحبؒ، مفتیٔ اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ اور حضرت مولانا مفتی جمیل صاحبؒ۔

ایک عام سوال اور اس کا جواب:

یہاں ایک سوال ہے جو عام طور پر لوگوں کے ذہنوں میں آیا کرتا ہے بس اس کو صاف کرنا چاہتا ہوں۔ وہ یہ کہ یہ واقعہ ہے کہ قرآن کریم سے احکام نکالنے کا کام اتنا مشکل تھا کہ چوٹی کے دماغ اس پر لگے رہے اور چودہ سو سال سے بھی زیادہ عرصہ گزر چکا ہے وہ سلسلہ آج تک جاری ہے۔ بلاشبہ یہ بہت مشکل کام ہے، غیر معمولی ذہانت، غیر معمولی حافظہ، انتہائی گہرے اور وسیع درجہ کا علم حدیث اور عربی زبان کی مہارت وغیرہ بہت ساری شرطیں جب تک کسی شخص میں مکمل نہ ہوں وہ قرآن مجید کے احکام خود نہیں نکال سکتا لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ سورہ قمر میں اللہ تعالیٰ نے بار بار ایک ارشاد فرمایا ہے اور وہ یہ ہے کہ:

﴿وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِن مُّدَّكِرٍ﴾

’’کہ ہم نے قرآن کو آسان کیا ہے نصیحت حاصل کرنے کے لیے (یا یاد کرنے کے لیے) کوئی ہے جو نصیحت حاصل کرے؟‘‘

کئی بار یہ جملہ آیا ہے۔

قرآن کے لیے اعلیٰ درجہ کی مہارت کی ضرورت ہے:

تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ قران تو جگہ جگہ یہ کہہ رہا ہے کہ میں اتنا آسان ہوں

کہ اعلانِ عام ہے تمام انسانوں کو کہ کوئی بھی آ کر اس سے نصیحت حاصل کر لے اور جو تفصیل ابھی آپ نے سنی ہے اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ قرآن اتنا آسان نہیں ہے اس کے لیے بڑے گہرے علوم وفنون کی ضرورت ہے اعلیٰ درجہ کی مہارت کی ضرورت ہے۔ چنانچہ

پوری زندگیاں جن لوگوں نے لگا دیں وہ بھی یہ دعویٰ نہیں کر سکے کہ انہوں نے قرآن مجید کے سارے احکام نکال لیے ہیں۔ بہرحال یہ ایک سوال ہے۔ جس کا جواب سامنے آنا چاہیے۔ لیکن قرآن کریم نے اس سوال کا جواب بھی دیا ہے یہاں تو یہ فرمایا کہ

﴿وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِن مُّدَّكِرٍ﴾

لیکن دوسری جگہ پر قرآن کریم نے کہا سورۃ النحل میں کہ:

﴿وَاَنْزَلْنَا اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ﴾

''ہم نے نازل کی ہے آپ کے اوپر یہ یادداشت یعنی قرآن کریم تاکہ آپ اس کو بیان کریں یعنی اس کی تشریح فرمائیں لوگوں کے سامنے۔''

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ سورۂ قمر میں تو اعلان عام ہے کہ ہر ایک اس سے نصیحت حاصل کر لے تو پھر، جب قرآن کریم اتنا آسان ہے کہ ہر ایک اُس سے نصیحت حاصل کر سکتا ہے تو پھر اس کی تشریح وتفسیر کی ضرورت ہی کہاں رہی؟ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذمے یہ خدمت کیوں سپرد کی گئی کہ آپ اس کی تشریح کریں۔

مقاصد بعثت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم:

چار جگہ قرآن کریم میں فرمایا گیا ہے، سورۃ البقرہ میں دو جگہ، سورۃ آل عمران میں ایک جگہ، سورۃ الجمعہ میں ایک جگہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت کے چار مقاصد ہیں ان میں سے ایک مقصد چاروں جگہ یہ بیان فرمایا گیا ہے:

﴿ویعلمهم الکتاب﴾

کہ ’’قرآن کی تعلیم دیں‘‘۔

یہ ایک مقصد تھا رسول اللہ ﷺ کی بعثت کا کہ آپ قرآن کی تعلیم دیں لوگوں کو، دیکھنے کی بات یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کے مخاطب کون لوگ تھے، عرب تھے، مایۂ ناز بلیغ و فصیح شعراء تھے، ادیب تھے، ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، فاروق اعظم رضی اللہ عنہ، علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ، عشرہ مبشرہ رضی اللہ عنہم، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ان سب کی مادری زبان عربی تھی۔ عربی زبان کے ایسے ماہرین اُس زمانے میں موجود تھے۔ کہ اگر ان میں سے کوئی کھڑا ہو جائے تو فی البدیہ بیسیوں اشعار کہہ ڈالے۔ ان کے لیے حضور ﷺ کو مامور کیا گیا کہ آپ قرآن کریم کی تعلیم ان کو دیں۔ ان کو قرآن سکھائیں کس کو؟، صدیق اکبر کو رضی اللہ عنہ کو، فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو، عشرہ مبشرہ رضی اللہ عنہم کو جن کی مادری زبان عربی ہے اور جو رسول اللہ ﷺ کے رفیق خاص تھے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب قرآن اتنا آسان تھا کہ ہر ایک اس کو سمجھ سکتا تھا تو رسول اللہ ﷺ کے ذمہ یہ خدمت کیوں سپرد کی گئی کہ آپ اتنے بڑے بڑے ادیبوں، شاعروں، بلیغوں، فصحاء اور عربی زبان کے ماہرین کو قرآن سکھائیں۔

قرآن حکیم نے اس کا جواب دے دیا ہے، بلکہ جس آیت سے یہ سوال پیدا ہوا اسی میں جواب دے دیا اور کہا:

﴿وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِن مُّدَّكِرٍ﴾

تفصیل اس کی یوں ہے: قرآن مجید کتاب ہدایت ہے، یہ نہ فلسفہ کی کتاب ہے۔ نہ سائنس کی کتاب، نہ صرف قانون کی کتاب ہے۔ نہ محض وعظ و نصیحت کی کتاب ہے، بلکہ یہ کتابِ ہدایت ہے۔ اس میں اعلیٰ درجے کے علوم و فنون اور حکمت فلسفہ کے مضامین بھی آئے ہیں، اسلامی قانون بھی آیا ہے۔ عقائد بھی آئے ہیں۔ عبادات کا بیان بھی آیا ہے۔ آئندہ کی خبریں بھی آئیں ہیں۔ پچھلی قوموں کے حالات کا ذکر بھی آیا

ہے۔ آخرت کا بیان بھی آیا ہے۔ اور اس میں پورے نظام زندگی کے اصول پوری بنی نوع انسان کو دیئے گئے ہیں، لیکن یہ صرف احکام کی کتاب نہیں کہ بس فقہ کی کتاب کی طرح اوپر سے لے کر آخر تک پڑھتے جاؤ تو سارے احکام ترتیب وار مل جائیں اور ختم ہو جائیں۔ نہیں۔ یہ اس لیے کہ یہ حاکمانہ کتاب بھی ہے، حکیمانہ کتاب بھی ہے، اس میں قانون بھی آتا ہے، نصیحت بھی آتی ہے، وعظ وعبرت کی باتیں بھی اتی ہیں عقل وحکمت کے عجیب وغریب راز بھی اس میں واضح کیے جاتے ہیں۔

تو قرآن نے یہ کہا کہ:

﴿وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِن مُّدَّكِرٍ﴾

قرآن آسان ہونے کا مطلب:

کہ ہم نے قرآن کو آسان کیا ہے کس کام کے لیے؟ نصیحت حاصل کرنے کے لیے، ''الذکر'' کی قید لگادی کہ قران ہر کام کے لیے آسان نہیں، بلکہ نصیحت حاصل کرنے کے لیے آسان ہے، احکام و مسائل سمجھنے کے لیے آسان نہیں، اس کے لیے تو عمریں کھپانی پڑتی ہیں۔ اس میں مہارت کے لیے بڑے بڑے سخت مرحلے عبور کرنے پڑتے ہیں۔ لیکن ہاں نصیحت حاصل کرنے کے لیے اور یاد کرنے کے لیے آسان ہے۔ ذکر کے معنی دو آتے ہیں۔ یاد کرنا اور نصیحت حاصل کرنا تو قرآن کریم نے یہ بتلا دیا کہ سورہ قمر کی ان آیات میں جو بار بار فرمایا گیا ہے کہ ﴿ولقد یسرنا القرآن﴾ یعنی ہم نے قرآن کو آسان کیا ہے، حفظ یاد کرنے کے لیے اور نصیحت حاصل کرنے کے لیے۔ چنانچہ یہ دونوں چیزیں ایسی ہیں کہ ان کا مشاہدہ ہو رہا ہے۔ دنیا میں کسی کتاب کے حافظ نہیں ہیں لیکن قرآن مجید کے حافظ موجود ہیں لاکھوں حافظِ قرآن موجود ہیں، مسلمانوں کے بچے بھی حافظ قرآن ہوتے ہیں۔ کسی دوسری قوم کے پاس کوئی ایسی کتاب نہیں تو اللہ تعالیٰ نے حفظِ قرآن کے لیے قرآن کو اتنا آسان کیا۔ نصیحت حاصل کرنے کے لیے بھی اتنا آسان کیا کہ کوئی شخص اگر عربی زبان جانتا ہے یا نہیں جانتا تو ترجمہ پڑھ لے تو اس کے دل پر گہرا اثر

ہوتا ہے۔ اگر وہ اس سے ہدایت یا نصیحت حاصل کرنا چاہتا ہے تو وہ اُسے مل جاتی ہے۔

قرآن سے احکام نکالنا انتہائی مشکل کام ہے:

جہاں تک احکام قرآن کا معاملہ ہے۔ یہ انتہائی مشکل کام ہے۔ یہ احکام قرآن، قرآن کریم کی آیات میں کہیں کہیں بالکل ظاہر ہیں اور کہیں کہیں یہ ایسے پوشیدہ ہیں جیسے سونے کی کان میں سونے کے ذرات بندھے ہوئے ہوتے ہیں۔ ان چٹانوں کو توڑ کر اور پیس کر اور پوڈر بنا کر اس کو چھان کر اندر سے سونا نکالنا آسان کام نہیں ہے، اس کے لیے بہت پاپڑ بیلنے پڑتے ہیں اور اسی کے لیے ہمارے فقہاء کرام نے اور مفسرین نے اپنی عمریں لگائی ہیں۔ تو عام طور سے یہ مغالطہ ہو جایا کرتا ہے کہ چونکہ قرآن بہت آسان ہے اس لیے ہر ایک مفسر بننے کی کوشش کرتا ہے۔ بہت سے حضرات کو ہم نے دیکھا کہ عمر بھر کبھی انہوں نے نہ عربی سیکھی، نہ پڑھی اور جب سرکاری عہدے سے ریٹائرڈ ہو گئے تو معلوم ہوا کہ تفسیر قرآن لکھ رہے ہیں۔ بھئی تفسیرِ قرآن آپ کیسے لکھ رہے ہیں؟ درحقیقت وہ یہ سمجھے ہیں کہ قرآن نے چونکہ کہا ہے کہ بہت آسان ہے اس واسطے بس ہم بھی تفسیر لکھ سکتے ہیں۔ ایسا نہیں ہے۔ احکام القرآن نکالنا اور استنباط کرنا بہت گہری مہارت اور بہت طویل محنت کا تقاضا کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے اور ہمارے ان بزرگوں کی قبروں کو نور سے بھر دے کہ انہوں نے یہ عظیم کارنامہ انجام دیا، اس زمانے کی ضرورت کے لحاظ سے امت کی رہنمائی فرمائی، اور اس زمانہ میں جو جدید مسائل پیدا ہوئے تھے ان کو قرآن کریم کی روشنی میں حل کیا۔ اللہ تعالیٰ امت کو اس سے اکتسابِ خیر کی توفیق عطاء فرمائے۔

(وآخر دعونا ان الحمد للہ رب العالمین)

محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم

انسائیکلوپیڈیا

مؤلف
ڈاکٹر ذوالفقار کاظم

بیت العلوم
۲۰- نابھہ روڈ۔ پرانی انارکلی لاہور۔ فون: ۷۳۵۲۴۸۳

قرآنِ حکیم

انسائیکلوپیڈیا

مؤلف

ڈاکٹر ذوالفقار کاظم

بیتُ العُلوم

۲۰- نابھہ روڈ، پرانی انارکلی لاہور۔ فون: ۳۵۱۲۴۸۳

انبیائے کرام علیہم السلام

انسائیکلوپیڈیا

مؤلف

ڈاکٹر ذوالفقار کاظم

بیت العلوم

۲۰- نابھہ روڈ، پرانی انارکلی لاہور۔ فون: ۳۵۲۴۸۳-۰۳

اِنَّ مِنَ الْبَیَانِ لَسِحْرًا

اِصلاحی تقریریں

عمل پر اُبھارنے والی عام فہم اور فکر انگیز تقاریر
علماء، خطباء اور عوام کے لیے یکساں مفید

- خوفِ الٰہی
- قیامت کی ہولناکیاں
- فتح و کامرانی کا پانچ نکاتی فارمولا
- خوف و رجا
- فضیلت یومِ عاشورہ
- اسلامی انقلاب اور ہماری ذمہ داری
- اللہ کے راستے میں خرچ کیجئے
- طلباء کو اہم نصیحتیں
- تعلق مع اللہ کا آسان طریقہ "ذکر اللہ"
- سانحہ ارتحال حضرت مولانا اسعد مدنیؒ
- دینی مدارس کیلئے آزمائش کا وقت
- آزاد قبائل سے خصوصی تعلق
- تعلیم و تعلّم ایک اہم فریضہ

جلد نہم

مفتی اعظم پاکستان مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی مدظلہ

بیت العلوم

۲۰- نابھہ روڈ، پرانی انارکلی لاہور۔ فون: ۷۳۵۲۴۸۳

اِصلاحی تقریریں

جلد نہم

اِنَّ مِنَ الْبَیَانِ لَسِحْرًا

اِصلاحی تقریریں

عمل پر اُبھارنے والی عام فہم اور فکر انگیز تقاریر
علماء، خطباء اور عوام کے لیے یکساں مفید

جلد نہم

مفتی اعظم پاکستان مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی مدظلہ

بیت العلوم
۲۰- نابھہ روڈ، پرانی انارکلی لاہور۔ فون ۷۳۵۲۲۴۸۳

کتاب: اصلاحی تقریریں
جلد: جلد نہم
خطاب: مفتی اعظم پاکستان مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی
باہتمام: محمد ناظم اشرف
ناشر: بیت العلوم۔ ۲۰ نابھہ روڈ، چوک پرانی انارکلی، لاہور
فون: 042-7352483

ملنے کے پتے

بیت العلوم = ۲۰ نابھہ روڈ، پرانی انارکلی، لاہور
ادارہ اسلامیات = ۱۹۰ انارکلی، لاہور
ادارہ اسلامیات = موہن روڈ چوک اردو بازار، کراچی
دارالاشاعت = اردو بازار کراچی نمبر۱
بیت القرآن = اردو بازار کراچی نمبر۱
بیت الکتب = گلشن اقبال، کراچی
ادارۃ المعارف = ڈاک خانہ دارالعلوم کورنگی کراچی نمبر۱۴
مکتبہ دارالعلوم = جامعہ دارالعلوم کورنگی کراچی نمبر۱۴
مکتبۂ قرآن = بنوری ٹاؤن، کراچی
بک سنٹر = 32 حیدر روڈ راولپنڈی

پیش لفظ

حضرت مفتی اعظم پاکستان مولانا محمد رفیع عثمانی مدظلہ

نحمده ونصلی علی رسوله الکریم

مجھ جیسے ناچیز کی زبان سے نکلی ہوئی باتیں تو اس قابل بھی نہ تھیں کہ ان کو ''تقریریں'' کہا جاتا، چہ جائیکہ انہیں ''اصلاحی تقریریں'' کا عظیم الشان نام دے کر کتابی شکل میں شائع کیا جائے۔ لیکن اہل محبت کا حسن ظن ہے کہ وہ ان کو ٹیپ ریکارڈ پر محفوظ کر لیتے ہیں۔

عزیز القدر مولوی محمد ناظم سلمہ نے جو دار العلوم کراچی کے ہونہار فاضل، اور ''جامعہ اشرفیہ لاہور'' کے مقبول استاذ ہیں، کئی سال سے ان ٹیپ شدہ تقریروں کو ضبط تحریر میں لاکر اپنے ادارے بیت العلوم لاہور سے شائع کرنے کا سلسلہ جاری کیا ہوا ہے اور اب تک اس سلسلے کے کئی درجن کتابچے شائع کر چکے ہیں، اور اب ان میں سے کچھ مطبوعہ کتابچوں کا ایک مجموعہ ''اصلاحی تقریریں (جلد نہم)'' کے نام سے شائع کر رہے ہیں۔

یہ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ ماشاء اللہ انہوں نے ٹیپ ریکارڈ سے نقل کرنے میں

بڑی کاوش اور احتیاط سے کام لیا ہے اور ذیلی عنوانات بڑھا کر ان کی افادیت میں اضافہ کردیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی اس محنت کو شرف قبولیت سے نوازے اور ان کے علم وعمل اور عمر میں برکت عطاء فرمائے، اور اس کتاب کو قارئین کے لئے نافع بنا کر ہم سب کے لئے صدقہ جاریہ بنادے اور ''بیت العلوم'' کو دینی اور دنیاوی ترقیات سے مالامال کردے۔

والله المستعان

بسم اللہ الرحمن الرحیم

﴿عرض ناشر﴾

مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب مدظلہ ملک و بیرون ملک ایک جانی پہچانی علمی اور روحانی شخصیت ہیں۔ آنجناب ملک کی مشہور دینی درسگارہ ''دارلعلوم کراچی'' کے مہتمم اور اسلامی نظریاتی کونسل کے ایک فعال ممبر ہونے کے علاوہ کئی جہادی، اصلاحی اور تعلیمی تنظیموں کے سرپرست ہیں۔ آپ مفسر قرآن مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ کے فرزند ارجمند اور عارف باللہ حضرت ڈاکٹر عبدالحیٔ عارفی صاحبؒ کے ممتاز اور اخص الخواص خلفاء میں سے ہیں۔ ان تمام خوبیوں کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ نے حضرت مفتی صاحب مدظلہ کو حسن خطابت سے خوب خوب نوازا ہے۔ ہر موقعہ پر پر اثر اور دلنشین پیرائے میں ہر سطح کے سامع کو بات سمجھانا حضرت کا خصوصی کمال ہے جو اس قحط الرجالی کے دور میں کہیں کہیں نظر آتا ہے۔ پھر بزرگوں کی صحبت کی برکت سے لوگوں کی اصلاح کا جذبہ کہ کسی طرح لوگ روحانی طور پر درست ہوجائیں حضرت کے بیانات کا لازمی حصہ ہے۔ گویا حضرت کے خطبات و بیانات شریعت وطریقت کا ایک حسین امتزاج ہوتے ہیں۔ جن میں عالمانہ تحقیق، فقیہانہ نکتہ وری کے ساتھ ساتھ، ایک بلند پایہ صوفی، مصلح اور مربی کی

سوچ بھی جلوہ نما ہوتی ہے۔

الحمدللہ ''بیت العلوم'' کو یہ شرف حاصل ہوا کہ پہلی مرتبہ حضرت کے ان اصلاحی ، پرمغز اور آسان بیانات کو حضرت مفتی صاحب مدظلہ کے تجویز کردہ نام''اصلاحی تقریریں'' کے نام سے شائع کررہا ہے۔ اصلاحی تقریریں جلد اول تا ہشتم کی غیر معمولی مقبولیت کے بعد اب جلدنہم آپ کے سامنے ہے۔ جس میں حضرت کے کچھ بیانات لاہور، کراچی اور دوسرے ملکی و غیر ملکی مقامات کے شامل ہیں۔ اس کتاب کی ضبط وترتیب کا کام مولانا طلحہ اقبال، مولانا محمد شعیب سرور، اور مولانا عبدالتواب نے انجام دیا ہے۔ اس میں حتی الوسیع ضبط وترتیب کا خیال رکھا گیا ہے اور آیات واحادیث کی تخریج بھی کردی گئی ہے، پھر بھی اگر کوئی غلطی نظر سے گزرے تو براہ کرام مطلع فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ ''بیت العلوم'' کی اس کاوش کو قبول فرمائے اور ہم سب کو عمل کی توفیق عطا فرمائے اور حضرت مفتی صاحب مدظلہ کو صحتِ عافیت عطا فرمائے تاکہ ہم حضرت کے بیانات سے زیادہ سے زیادہ مستفید ہوسکیں۔

آمین

والسلام

﴿محمد ناظم اشرف﴾

مدیر ''بیت العلوم''

فہرست

خوف الٰہی

﴿قیامت کی ہولناکیاں﴾

فتح و کامرانی کا پانچ نکاتی فارمولہ

﴿خوف اور رجاء﴾

﴿فضیلت یوم عاشورہ﴾

﴿اللہ کے راستے میں خرچ کیجئے!﴾

﴿اسلامی انقلاب اور ہماری ذمہ داری﴾

﴿طلباء کو اہم نصیحتیں﴾

﴿تعلق مع اللہ کا آسان راستہ ’’ذکر‘‘﴾

﴿سانحہ ارتحال حضرت مولانا اسعد مدنی رحمہ اللہ﴾

﴿دینی مدارس کیلئے آزمائش کا وقت﴾

﴿ آزاد قبائل سے خصوصی تعلق ﴾

﴿تعلیم و تعلّم ایک اہم فریضہ﴾

خوفِ الٰہی

موضوع: خوف الٰہی

خطاب: مفتی اعظم پاکستان مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی مدظلہ

مقام: جامع مسجد دارالعلوم کراچی نمبر ۱۴

تاریخ: ۱۶ ربیع الثانی ۱۴۲۶ھ

ضبط و ترتیب: مولانا طلحہ اقبال

﴿خوفِ الٰہی﴾

خطبۂ مسنونہ

نحمده و نصلی علی رسوله الکریم

امّا بعد!

فاعوذ بالله من الشیطن الرجیم

بسم الله الرحمن الرحیم

﴿اِنَّ بَطْشَ رَبِّکَ لَشَدِیْدٌ﴾ (البروج: ۱۲)

﴿وَکَذٰلِکَ اَخْذُ رَبِّکَ اِذَا أَخَذَ الْقُرٰی وَهِیَ ظَالِمَةٌ اِنّ أَخْذَهٗ اَلِیْمٌ شَدِیْدٌ﴾ (هود: ۱۰۲)

عن ابن مسعود رضی الله عنه قال: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم

﴿یُؤتیٰ بِجَهَنَّم یَوْمَئِذٍ لها سبعون الفَ زمام مع کل زمام سبعون الف ملکٍ یجرُّونها﴾ (صحیح مسلم رقم الحدیث ۲۸۴۲، ۲/ ۳۸۱ باب جهنم اعاذنا الله منها)

وعن النعمان بن بشیر رضی الله عنهما قال سمعت

رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول.
﴿انَّ اَهون اهل النار عذاباً يوم القيامة لرجُلٌ يوضَعُ فى أخمص قدميه جمرتان يغلى منها دماغه﴾ (الحديث)
(صحيح مسلم: ١/١١٥، باب شفاعة النبى صلى الله عليه وسلم لابى طالب والتخفيف عنه بسببه﴾

ایمان کس کیفیت کا نام ہے؟

میں نے پچھلی مجلس میں عرض کیا تھا کہ ایمان امید اور بیم کی درمیانی کیفیت کا نام ہے اور بیم کے معنی خوف کے ہیں۔ گویا ایمان امید اور خوف کے درمیان ہے۔ اللہ کی رحمت کی امید بھی ہو اور اس کے عذاب کا خوف بھی۔ جب یہ دونوں جمع ہو جائیں تو ایمان کامل ہو جاتا ہے۔ اگر اللہ رب العالمین کی رحمت کی امید ہی نہ رہے بلکہ آدمی اللہ کی رحمت سے مایوس ہو جائے تو بعض صورتوں میں یہ مایوسی کفر ہے اور ایسی صورت میں ایمان بھی باقی نہیں رہتا اور اگر اللہ تعالیٰ کے عذاب کا کوئی خوف اور ڈر باقی نہ رہے تب بھی ایمان باقی نہیں رہتا اسی طرح اگر خوف غالب آجائے اور آدمی اللہ کی رحمت سے بالکل مایوس ہو جائے تو یہ بھی کفر ہے۔ اسی طرح اگر امید اتنی بڑھ جائے کہ اللہ تعالیٰ کا خوف اور ڈر ہی باقی نہ رہے اس کے عذاب کی کوئی فکر ہی نہ رہے تو یہ بھی کفر ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ امید اتنی بڑھ جائے کہ خوف نہ رہے۔ تب بھی ایمان باقی نہیں رہتا اور خوف اتنا بڑھ جائے کہ امید بالکل باقی نہ رہے تب بھی ایمان باقی نہیں رہتا۔ ایمان تب باقی رہتا ہے جب اللہ کی رحمت کی امید بھی ہو اس کے عذاب کا خوب بھی ہو۔

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی امید اور خوف

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اگر آخرت میں یہ اعلان ہو کہ جنت میں صرف ایک آدمی جائے گا اس کے علاوہ کوئی نہیں جائے گا تو مجھے اللہ کی رحمت سے یہ

امید ہوگی کہ شاید وہ اکیلا آدمی میں ہی ہوں اور اگر یہ اعلان ہو کہ جہنم میں صرف ایک آدمی جائے گا اس کے علاوہ کوئی نہیں جائے گا تو مجھے یہ خوف ہوگا کہ شاید وہ اکیلا جہنم میں جانے والا آدمی میں ہوں۔ (سیر الصحابۃ بحوالہ کنز العمال ۱/۱۵۷)

گویا حضرت عمر رضی اللہ عنہ میں خوف بھی اعلیٰ مقام اور اعلیٰ درجے کا تھا اور امید بھی اعلیٰ درجے کی تھی، جب یہ دونوں چیزیں اعلیٰ درجے کی جمع ہو جاتی ہیں تو ایمان بھی اعلیٰ درجے کا ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی پکڑ

پچھلی مجلس میں ہم نے اس کتاب ''ریاض الصالحین'' میں سے امید و رجاء کے متعلق کچھ آیتیں اور احادیث سنائی تھیں، وہ ''باب الرجاء'' تھا۔ یہ ''باب الخوف'' اس میں قرآن کریم کی کچھ آیات ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کچھ احادیث ہیں جن میں یہ بتلایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ سے خوف بھی ضروری ہے اور یہ بھی بتایا گیا ہے کہ اس کا عذاب کتنا سخت ہوتا ہے، یوں تو اس موضوع پر قرآن کریم میں بہت آیات ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بہت احادیث ہیں لیکن آپ کو چند آیتیں اور چند احادیث سنائیں گے۔

ایک جگہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿اِنَّ بَطْشَ رَبِّکَ لَشَدِیْدٌ﴾

ترجمہ ''یقیناً جان لو تیرے رب کی پکڑ بہت سخت ہے۔''

ایک اور جگہ قرآن کریم میں فرمایا:

﴿وَ کَذٰلِکَ اَخْذُ رَبِّکَ اِذَا اَخَذَ الْقُرٰی وَھِیَ ظَالِمَۃٌ اِنَّ اَخْذَہٗ اَلِیْمٌ شَدِیْدٌ﴾

ترجمہ ''اور اسی طریقے سے تیرے رب کی پکڑ ہوتی ہے جب وہ پکڑتا ہے، بستیوں کو اس حالت میں کہ وہ ظلم کرنے والی ہوں، اس کی پکڑ دردناک ہوتی

ہے، سخت ہوتی ہے۔‘‘

اس آیت سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ بستیوں کو پکڑتا ہے، جھنجوڑتا ہے، الٹتا ہے، تباہ کرتا ہے، اللہ کا عذاب بستیوں کو فنا کر دیتا ہے۔

قرآن کریم نے حضرت شعیب علیہ السلام اور ان کی قوم، حضرت ھود علیہ السلام اور ان کی قومِ عاد، حضرت صالح علیہ السلام اور ان کی قومِ ثمود، حضرت لوط علیہ السلام اور ان کی قوم اور حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کے واقعات بھی سنائے ہیں، جن میں یہ بتایا گیا ہے کہ کس کس طریقے سے اللہ تعالیٰ نے ان قوموں کو پکڑا اور تباہ و برباد کیا۔ آج بھی وہ نشان موجود ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ساری علامتیں چھوڑ رکھی ہیں کہ کس طرح قوم لوط کی بستیوں کو مٹا دیا تھا۔ آج بھی جا کر دیکھ لیجئے وہاں کا منظر سامنے ہے، قومِ ثمود کے شاہی محلات تو باقی رہے لیکن آدمی ایک بھی زندہ باقی نہ رہا، وہ بستی آج بھی مدائن صالح میں موجود ہے، قرآن کریم انہی کو ذکر کر رہا ہے۔

ان قوموں کو اس وقت تباہ کیا گیا جبکہ یہ ظلم کرنے والی تھیں جیسا کہ اسی آیت میں فرمایا ’’وھی ظالمۃ‘‘ اس سے معلوم ہوا کہ جب کسی قوم میں ظلم پھیل جاتا ہے تو اللہ کا عذاب آ کر ان کو پکڑ لیتا ہے، تباہ کر دیتا ہے۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیَۃً لِّمَنْ خَافَ عَذَابَ الْاٰخِرَۃِ﴾ (سورۃ ھود: ۱۰۳)

ترجمہ ’’اس کے اندر ان لوگوں کے لیے علامتیں ہیں جو آخرت کے عذاب سے ڈرنے والے ہیں۔‘‘

مطلب یہ ہے کہ جو لوگ آخرت کے عذاب سے ڈرنے والے ہیں کہ دنیا میں عذاب کی یہ کیفیت ہے تو آخرت میں عذاب ہوگا تو کیا حال ہوگا۔

﴿وَذٰلِکَ یَوْمٌ مَّجْمُوْعٌ لَّہُ النَّاسُ﴾ (ھود: ۱۰۳)

ترجمہ ''اس آخرت کے دن تمام لوگوں کو میدان حساب میں جمع کر دیا جائے گا۔''

اندازہ لگایئے کیسا ہولناک دن ہوگا! حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر قیامت تک جتنے انسان اس دنیا میں پیدا ہوئے تھے، ان سب کو وہاں جمع کر دیا جائے گا، کیا تعداد ہوگی اور کتنا زبردست ہجوم ہوگا!

﴿وَذٰلِکَ یَوْمٌ مَّشْهُوْدٌ﴾ (هود: ۱۰۳)

ترجمہ ''اور وہ دن ایسا ہے کہ سب لوگ اس میں حاضر ہوں گے، سب لوگ اس کا مشاہدہ کریں گے۔''

اس کے بعد اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿وَمَا نُؤَخِّرُهٗۤ اِلَّا لِاَجَلٍ مَّعْدُوْدٍ﴾ (هود: ۱۰۴)

ترجمہ ''اور ہم نے اس دن کو مؤخر نہیں کر رکھا مگر گنی ہوئی تعداد کے ساتھ۔''

مطلب یہ ہے کہ قیامت کا وقت مقرر ہے، اس کی مدت گنی ہوئی تعداد کے ساتھ مطلب یہ ہے کہ قیامت کا وقت مقرر ہے، اس کی مدت گنی ہوئی ہے، کتنے سال، کتنے مہینے، کتنے دن، کتنے گھنٹے، کتنے منٹ اور کتنے سیکنڈ ہیں، یہ سب متعین ہے۔ جب یہ متعین مدت پوری ہوگی تو قیامت آجائے گی۔

قیامت کے دن کا خوف اور دہشت

قیامت کے دن کے خوف اور دہشت کے بارے میں ارشاد فرماتے ہیں۔

﴿یَوْمَ یَاْتِ لَا تَکَلَّمُ نَفْسٌ اِلَّا بِاِذْنِهٖ﴾ (هود: ۱۰۵)

یعنی جب وہ دن آئے گا تو خوف اور دہشت کا یہ حال ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بغیر کوئی شخص بول نہیں سکے گا، خاموشی چھائی ہوگی، ہر ایک کو اپنی جان کی

پڑی ہوگی، سب خاموش ہوں گے۔

جیسا کہ قرآن کریم میں ایک اور جگہ فرمایا:

﴿فَلَا تَسْمَعُ إِلَّا هَمْسًا﴾ (طٰہٰ:۱۰۸)

یعنی کھرب ہا کھرب انسان ہوں گے لیکن خوف کی وجہ سے سب خاموش ہوں گے، ششدر ہوں گے، جب وہ قبروں سے اٹھ کر میدانِ حساب کی طرف چل رہے ہوں گے، تو خوف کی وجہ سے سوائے ان کے چلنے کی آواز کے کوئی اور آواز نہیں سنائی دے گی۔

اب دیکھئے آپ یہاں بیٹھے ہیں، کتنی آوازیں آپ کے کانوں میں آرہی ہیں، پنکھے کی آواز بھی آرہی ہے، ہوا کی آواز بھی، پرندوں کی آوازیں بھی آرہی ہیں اور لوگوں کی آوازیں بھی آرہی ہیں اور میری آواز بھی آپ تک پہنچ رہی ہے۔ کتنی آوازیں بیک وقت انسان کو دنیا میں سنائی دیتی ہیں۔ دھیان نہ جائے تو دوسری بات ہے لیکن بے شمار آوازیں ہر وقت آتی رہتی ہیں لیکن میدان حساب میں سناٹا ہوگا، صرف چلنے کی آواز سنائی دے گی۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿فَمِنْهُمْ شَقِيٌّ وَسَعِيدٌ﴾ (هود: ۱۰۵)

کہ دو قسم کے لوگ ہوں گے کچھ بدنصیب ہوں گے کچھ خوش بخت ہوں گے، العیاذ باللہ۔ ان میں سے پہلی قسم کے لوگوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿فَأَمَّا الَّذِينَ شَقُوا فَفِي النَّارِ لَهُمْ فِيهَا زَفِيرٌ وَشَهِيقٌ﴾

(هود: ۱۰٦)

اور جو لوگ بدبخت اور بدنصیب ہوں گے ان کا حال یہ ہوگا کہ وہ آگ میں ڈال دیئے جائیں گے اور ان کی صرف آہیں نکل رہی ہوں گی، ان کی چیخیں نکل رہی ہوں گی۔

ایک اور جگہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ﴾ (آل عمران: ۲۸)

ترجمہ ''اور اللہ تعالیٰ تمہیں اپنے آپ سے ڈراتا ہے''

یعنی مجھ سے ڈرو اگر میں عذاب دینے پر آجاؤں گا تو کوئی چھڑا نہیں سکے گا۔

میدانِ حساب کا منظر

قرآن کریم میں ایک جگہ میدانِ حساب کا نقشہ ان الفاظ میں کھینچا گیا ہے:

﴿يَوْمَ يَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ اَخِيْهِ ۝ وَاُمِّهٖ وَاَبِيْهِ ۝ وَصَاحِبَتِهٖ وَبَنِيْهِ﴾ (عبس: ۳۴ تا ۳۶)

ترجمہ ''اس دن بھاگے گا آدمی اپنے بھائی اور اپنی ماں اور اپنے باپ سے اور شوہر اپنی بیوی سے اور باپ اپنے بیٹوں سے۔''

یہ سب ایک دوسرے سے اس لیے بھاگیں گے کہ ہر کسی کو اپنی جان کی پڑی ہوگی، ہر کسی کو یہ خوف ہوگا کہ کہیں مجھ سے میری کوئی نیکی نہ مانگ لے، اس لیے نہ ماں کو اپنے بچے کی فکر ہوگی، نہ باپ کو اپنے بیٹے کی فکر ہوگی، نہ بیوی کی فکر ہوگی، نہ بیٹوں کو اپنے ماں باپ کی فکر ہوگی، ہر ایک کو اپنی جان کی پڑی ہوگی۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ يَوْمَئِذٍ شَاْنٌ يُّغْنِيْهِ﴾ (عبس: ۳۷)

ترجمہ ''ہر ایک کی حالت اس دن ایسی ہوگی کہ اسے دوسرے سے غافل کردے گی۔''

یعنی دوسرے کی طرف دھیان ہی نہیں ہوگا، جس طرح آدمی کو اگر پورے جسم میں آگ لگی ہوئی ہو اور آگ بھڑک رہی ہو تو اس وقت کسی اور چیز کی طرف دھیان نہیں جاتا، اسی طرح قیامت کے دن بھی ایسا خوف اور دہشت سوار ہوگی کہ کسی کو کسی کا دھیان نہیں ہوگا۔ حدیث میں آتا ہے کہ جب لوگ قبروں سے اٹھیں تو سب کے سب ننگے اٹھیں

گے حالانکہ قبروں میں کفن کے ساتھ دفن کیے جاتے ہیں لیکن کفن تو عام طور سے جانور کھالیتے ہیں، قبر کی مٹی کھالیتی ہے، بدن کو بھی مٹی کھالیتی ہے، کچھ چھوٹا سا ہڈی کا حصہ باقی رہ جاتا ہے۔ البتہ شہیدوں کے بدن باقی رہتے ہیں اور حضرات انبیاء علیہم السلام کے بدن باقی رہتے ہیں، اسی طرح آخرت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کرامؓ کو کپڑے پہنائے جائیں گے لیکن باقی سب لوگ ننگے ہوں گے، کسی نے پوچھا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! عورتیں اور مرد سب ایک دوسرے کے سامنے ننگے ہوں گے، فرمایا کہ کسی کو کسی طرف دیکھنے کی مجال اور ہمت ہی نہیں ہوگی، دھیان ہی نہیں ہوگا، یہی بات اس آیت میں بیان فرمائی کہ ہر ایک کے لیے اس دن ایسی حالت ہوگی جو اس کو اپنے اندر ہی مشغول رکھے گی، کسی دوسری طرف دھیان جانے ہی نہیں دے گی۔

(صحیح مسلم: ۲/۳۸۴، باب فناء الدنیا و بیان الحشر یوم القیمۃ)

قیامت کا زلزلہ

اللہ نے قیامت کے زلزلہ کے بارے میں سورۂ حج میں فرمایا:

﴿یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّکُمْ ۚ اِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَیْءٌ عَظِیْمٌ﴾ (الحج: ۱)

ترجمہ ''اے لوگو! ڈرو اپنے رب سے قیامت کا زلزلہ بہت بڑی چیز ہے۔''

زلزلے تو دنیا میں بہت آئے ہیں، آتے رہے ہیں، آتے رہیں گے لیکن قیامت کا زلزلہ ایسا خوفناک ہوگا کہ اس میں آسمانوں کے ٹکڑے اڑ جائیں گے، پہاڑ روئی کے گالوں کی طرح اڑیں گے، پوری کائنات درہم برہم ہو جائے گی، کوئی متنفس زندہ نہیں بچے گا، کوئی جاندار زندہ نہیں بچے گا۔

اس کے بعد فرمایا:

﴿یَوْمَ تَرَوْنَهَا تَذْهَلُ کُلُّ مُرْضِعَةٍ عَمَّآ اَرْضَعَتْ وَتَضَعُ

كُلُّ ذَاتِ حَمْلٍ حَمْلَهَا﴾ (الحج: ۲)

اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے قیامت کے دن کا کچھ نقشہ کھینچا ہے کہ اس قیامت کے دن تم دیکھو گے کہ دودھ پلانے والی ماں اپنے بچے کو بھول جائے گی حالانکہ دودھ پلانے والی ماں اپنے بچے کو دنیا میں کبھی نہیں بھولتی لیکن جب قیامت کا زلزلہ آئے گا تو اس ماں کو اپنے دودھ پیتے بچے کا بھی ہوش نہیں رہے گا اور عورتیں حمل سے ہوں گی، خوف اور دہشت کی وجہ سے ان کے حمل ساقط ہو جائیں گے۔

اس کے بعد ارشاد باری ہے:

﴿وَتَرَى النَّاسَ سُكٰرٰى وَمَا هُمْ بِسُكٰرٰى وَلٰكِنَّ عَذَابَ اللّٰهِ شَدِيْدٌ﴾ (الحج: ۲)

اور تم لوگوں کو دیکھو گے کہ شاید وہ نشے میں ہیں، وہ نشے میں نہیں ہوں گے لیکن اللہ کا عذاب اتنا شدید ہوگا کہ اس وقت ہر ایک کو یوں محسوس ہوگا کہ وہ نشے میں ہیں اور لوگ اپنے قابو میں نہیں ہوں گے، پاؤں کہیں رکھنا چاہیں گے کہیں اور پڑے گا، یہاں تک کہ اس کائنات پر فنا مسلط ہو جائے گی۔

قرآن کریم کا اسلوب

ایک بات یاد رکھیں کہ قرآن کریم کا اسلوب یہ ہے کہ ساری خوف کی باتیں ایک جگہ جمع نہیں کرتا بلکہ خوف کی باتیں بھی سناتا ہے اور ساتھ ساتھ امید کی باتیں بھی بتاتا ہے لیکن اس کتاب ''ریاض الصالحین'' میں چونکہ خوف کا باب الگ سے قائم کیا گیا ہے اس لیے خوف والی آیات اور احادیث کو ایک ہی جگہ جمع کیا گیا ہے۔

اللہ سے ڈرنے والے کا انعام

اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش ہونے سے ڈرنے والے شخص کے بارے میں سورۃ الرحمٰن میں فرمایا:

﴿وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتٰنِ﴾ (الرّحمٰن: ۴۶)

جو شخص اپنے رب کے سامنے کھڑے ہونے سے ڈرے گا یعنی میدان حساب میں اللہ کے سامنے جو پیشی ہونے والی ہے، اس پیشی سے دنیا میں جو شخص ڈرتا ہوگا، اس کو اللہ تعالیٰ دو باغ عطا فرمائیں گے، پھر قرآن نے ان باغات کی کیفیات بیان کی ہیں کہ وہ کیسے باغات ہوں گے؟ لیکن یہ ساری نعمتیں ان لوگوں کے لیے ہیں جو اپنے رب کے سامنے پیشی سے ڈرتے ہیں لہٰذا معلوم ہوا کہ ڈرنا بھی ضروری ہے، صرف امید ہی امید کافی نہیں۔

ایک غلط فہمی کا ازالہ

بعض لوگ گناہ بھی کرتے رہتے ہیں اور یہ کہتے رہتے ہیں کہ اللہ میاں غفور الرحیم ہیں، یہ بات تو ٹھیک ہے کہ اللہ میاں غفور الرحم ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کا عذاب بھی شدید ہے، جب وہ پکڑتا ہے تو پھر چھوڑتا نہیں اس لیے ڈرنا بھی ضروری ہے اور امید رکھنا بھی ضروری ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ایک اور جگہ آخرت کا ایک یہ حال بیان فرمایا۔

﴿وَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ يَّتَسَآءَلُوْنَ﴾

یعنی آخرت میں بعض لوگ ایک دوسرے کے پاس آئیں گے اور سوال کریں گے، یہ وہ لوگ ہوں گے جن کو نجات ہو جائے گی، جہنم سے پار ہو جائیں گے اور جنت میں پہنچ جائیں گے، یہ ایک دوسرے سے کہیں گے:

﴿قَالُوْٓا اِنَّا كُنَّا قَبْلُ فِيْٓ اَهْلِنَا مُشْفِقِيْنَ﴾ (الطور: ۲۶)

فرمایا کہ ہم تو پہلے دنیا میں اپنے گھر والوں میں اللہ سے بہت ڈرتے تھے چنانچہ گناہوں سے بچنے کی کوشش کرتے تھے۔

﴿فَمَنَّ اللّٰهُ عَلَيْنَا وَوَقٰىنَا عَذَابَ السَّمُوْمِ﴾ (الطور ۲۷)

پس اللہ نے ہم پر احسان کیا اور ہم کو اللہ رب العالمین نے کرم ہوا کہ عذاب سے بھی بچالیا۔ اس سے بھی یہ بات معلوم ہوئی کہ جو لوگ دنیا میں اللہ رب العالمین سے ڈرتے ہوں گے اور اس کے عذاب سے اور گناہوں سے بچنے کی کوشش کرتے ہوں گے تو آخرت میں ان کی نجات ہوگی، اس آیت میں "السَّمُوۡمِ" سے مراد آگ ہے، مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہم کو آگ سے بچالیا۔

﴿اِنَّا كُنَّا مِنۡ قَبۡلُ نَدۡعُوۡهُ ط اِنَّهٗ هُوَ الۡبَرُّ الرَّحِيۡمُ﴾

(الطور:۲۸)

اہل جنت جنت میں جا کر یہ بات بھی کہیں گے کہ ہم اللہ سے دعا کیا کرتے تھے، اسی کو پکارا کرتے تھے، وہی نیکوکار ہے اور وہی رحمت والا ہے۔

معلوم ہوا کہ جنت میں جو پہنچا ہوا وہ اللہ کے خوف کی وجہ سے ہوا اور اس امید کی وجہ سے ہوا کہ اللہ تعالیٰ ہماری دعائیں قبول کرتے ہیں۔

جہنم کو لائے جانے کی کیفیت

اس باب میں چند احادیث بھی مذکور ہیں، ان میں سے ایک حدیث یہ ہے:

عن ابن مسعود رضی الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم.

﴿يُؤۡتىٰ بِجَهَنَّمَ يَوۡمَئِذٍ لها سَبۡعُوۡنَ اَلۡفَ زَمَامٍ مَعَ كُلِّ زمامٍ سبعون الف ملك يَجُرُّوۡنها﴾

(صحیح مسلم رقم الحدیث:۳۸۴۳)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اس روایت کے راوی ہیں، وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "یؤتی بجھنم" جہنم کو اس دن لایا جائے گا یا تو لوگوں کو دکھانے کے لیے میدان حساب میں لایا جائے گا یا جہاں اس کو نصب کرنا مقصود ہوگا، وہاں لایا

جائے گا یا یہ مراد ہے کہ جہنم کو ظاہر کیا جائے گا یعنی ہے تو وہیں، لیکن پہلے مخفی تھی اب اس کو ظاہر کیا جائے گا۔ بظاہر لایا جانا ہی مراد ہے۔

جہنم کے لائے جانے کی کیفیت کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

﴿لها سبعون الف زمام مع کل زمام سبعون الف ملک یجرونها﴾

ستر ہزار اس کی زنجیریں ہوں گی جس سے اس کو کھینچا جا رہا ہوگا اور ہر زنجیر کے ساتھ ستر ہزار فرشتے ہوں گے جو اس کو کھینچ رہے ہوں گے۔ ستر ہزار کو ستر ہزار میں ضرب دے لیجئے جو جواب آئے وہ تعداد بنے گی۔ ان فرشتوں کی جو جہنم کو کھینچ رہے ہوں گے۔ یہ حدیث مسلم شریف کی ہے اور صحیح حدیث ہے۔

اس حدیث سے یہ بتانا مقصود ہے کہ جہنم اتنی بڑی ہوگی۔

قیامت کے دن سب سے کم عذاب والے شخص کا حال

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ:

﴿اِنَّ اَهْوَنَ اَهْلِ النَّارِ عَذَابًا یَّوْمَ الْقِیَامَةِ لَرَجُلٌ یُّوْضَعُ فِی اَخْمَصِ قَدَمَیْه جَمرتانِ یغلی منها دماغُه مایَریٰ اَنَ اَحَداً اشدُّ مِنه عذاباً و انّه لأهونهم عذاباً﴾

(صحیح مسلم، ۱/۱۱۵، فتح الباری ۱۱/۴۳۰)

اہل نار میں سے یعنی جن کو آگ کا عذاب دیا جائے گا ان میں سب سے کم عذاب والا وہ شخص ہوگا جس کو آگ میں پھینکا نہیں جائے گا، اس کے پورے جسم کو آگ میں نہیں ڈالا جائے گا بلکہ اس کے پاؤں کے تلوے ''اخمص'' میں ایک انگارہ رکھ دیا جائے گا، ہر ایک کے پاؤں میں بیچ میں کچھ ابھار ہوتا ہے جو اوپر ہوتا ہے اور خالی ہوتا ہے

چنانچہ جب آدمی زمین پر گیلا پاؤں رکھتا ہے تو پورے پاؤں کا نشان پڑ جاتا ہے لیکن بیچ کے حصے کا نشان نہیں پڑتا۔ اس بیچ کے اٹھے ہوئے حصے کو ''اخمص القدم'' کہتے ہیں۔ اس کے اندر ایک انگارہ ایک پاؤں کے اخمص میں اور ایک انگارہ دوسرے پاؤں کے ''اخمص'' میں رکھ دیا جائے گا لیکن وہ انگارہ کیا ہوگا! فرمایا کہ ''یَغْلِی مِنْھُا دماغه'' اس انگارے کی وجہ سے اس کا دماغ اس طرح کھول رہا ہوگا جیسے چولہے پر رکھی ہوئی ہنڈیا کھولتی ہے، اللہ تعالیٰ محفوظ رکھے۔

اس کے بعد فرمایا ''مایری أن احداً شدمنه عذاباً'' کہ وہ یوں سمجھے گا کہ اس سے زیادہ عذاب والا کوئی آدمی نہیں ہے اور سب سے زیادہ عذاب اسے ہو رہا ہے، آپ اندازہ کیجئے کہ جس کے عذاب کا یہ حال ہو کہ اس کے پاؤں میں انگارہ رکھا ہوا ہو جس کی وجہ سے اس کا دماغ ہنڈی کی طرح کھول رہا ہو تو وہ یہی سمجھے گا کہ میں تو سب سے بڑا عذاب والا ہوں حالانکہ ''وإنه لاھو نھم عذاباً'' کہ آگ کے عذاب والوں میں یہ سب سے کم عذاب والا انسان ہوگا اور جو پورے جہنم میں گرے ہوئے ہوں گے، آگ میں جل رہے ہوں گے، ان کے عذاب کی اشدیت کا اندازہ تو کیا ہی نہیں جا سکتا۔ العیاذ باللہ۔

جہنم میں عذاب کے طبقات

ایک بات یہ ہے کہ جہنم میں جن کو عذاب ہونے والا ہے وہ بھی سب ایک جیسے نہیں ہوں گے، جہنم کا ایک بہت بڑا حصہ وہ ہے جو کافروں کے لیے خاص ہے اور کافر تو جہنم سے کبھی نکالے ہی نہیں جائیں گے۔ وہاں پر آگ بھی سب سے زیادہ ہے اور دائمی ہے۔ کفار الگ اس طبقے میں ہوں گے اور وہ مؤمن جنہوں نے گناہوں سے توبہ نہیں کی ہوگی یا اللہ نے ان کو معاف نہیں کیا ہوگا، ان کو بھی جہنم میں ڈالا جائے گا لیکن پھر بھی اللہ کا کرم ہے کہ ان مسلمانوں کو کافروں کے ساتھ نہیں رکھا جائے گا۔

اعمال کے بقدر آگ

اب پھر ہر ایک کے عمل کے حساب آگ اس پر اثر انداز ہوگی چنانچہ حضرت سمرة بن جندب رضی اللہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

﴿مِنۡهُمۡ مَنۡ تَأۡخُذُهُ النَّارُ اِلٰی کَعۡبَیۡهِ وَمِنۡهُمۡ مَنۡ تَأۡخُذُهُ اِلٰی رُکۡبَتَیۡهِ و منهم من تأخذه إلیٰ حُجۡزَتِهِ و منم من تأخذه الی تَرۡقوَتِهِ﴾

(رواه مسلم، رقم الحديث ۲۸۴۵، باب جهنم اعاذ ناالله منها)

''منهم من تاخذه النار الی كعبيه'' کہ بعض ان میں سے ایسے ہوں گے کہ آگ صرف ان کے ٹخنوں تک پہنچے گی۔ باقی جسم آگ سے بچا ہوا ہوگا لیکن اس کا بھی کیا حال ہوگا! جس کے ایک انگارہ ''اخمص میں رکھا ہوا تھا وہ محسوس کرتا تھا کہ مجھے سب سے بڑا عذاب ہو رہا ہے تو اس کے تو ٹخنوں تک آگ پہنچی ہوئی ہوگی۔ اس کا عذاب اس سے بھی زیادہ ہوگا لیکن اس سے بھی زیادہ عذاب والے ہوں گے۔ ''ومنهم من تاخذه الی ركبتيه'' بعض ان میں سے ایسے ہوں گے جن کے گھٹنوں تک آگ پہنچی ہوگی ''ومنهم من تاخذ الی حجزته ''اور بعض ان میں سے وہ لوگ ہوں گے کہ آگ ان کی کوکھ تک پہنچی ہوگی۔ پیٹ کے جس حصے پر آدمی اپنا پائجامہ باندھتا ہے' شلوار باندھتا ہے اس حصے کو ''حجزة'' کہتے ہیں۔ وہاں تک آگ پہنچی ہوگی۔ ''ومنهم من تاخذه الی ترقوته'' اوران میں سے بعض وہ لوگ ہوں گے کہ آگ ان کے ترقوة یعنی ہنسلی کی ہڈی تک پہنچی ہوگی، یہ دو ہڈیاں ایک دائیں طرف اور ایک بائیں طرف جو ہمارے بالکل گلے سے ملی ہوئی ہوتی ہیں، یہ ہنسلیاں کہلاتی ہیں۔ عربی میں ہنسلی کو ''ترقوه'' کہتے ہیں، تو بعض لوگوں کے آگ یہاں تک پہنچی ہوگی اللہ تعالیٰ پناہ میں رکھے، ہر قسم کے عذاب سے ہماری حفاظت فرمائے۔

اعمال کے بقدر پسینہ

میدان حساب کی گرمی کی شدت کو بیان کرتے ہوئے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

﴿یَقُومُ النَّاسُ لِرَبِّ العَالَمِیْن حتی یَغِیْب احدهم فی رشحه الی أنصاف أُذُنَیْهِ﴾

(صحیح مسلم: باب فی صفة یوم القیامة ۲/۳۸۴)

یعنی میدان حساب میں لوگ جب اپنے رب العالمین کے سامنے کھڑے ہوں گے تو بعض لوگوں کا حال یہ ہوگا اوران کا پسینہ اتنا زیادہ ہوگا کہ وہ اپنے پسینے میں غائب ہو جائیں گے۔ پاؤں سے لے کر آدھے کانوں تک کا حصہ پسینے میں چھپ جائے گا، اتنا پسینہ اس لیے ہوگا کہ میدانِ حساب میں گرمی سخت ہوگی، روایات میں آتا ہے کہ آفتاب اتنے قریب کردیا جائے گا کہ یوں محسوس ہوگا جیسے ایک میل کے فاصلے پر ہے۔ اللہ تعالیٰ پناہ میں رکھے۔

قیامت کے عذاب کی شدت

قیامت کے عذاب کی شدت کے بارے میں ایک روایت یہ ہے کہ

﴿عن انس رضی الله عنه قال خطبنا رسول الله صلی الله علیه وسلم خُطْبَةً ما سَمِعتُ مثلَها قطُّ فقال لوتعلمون ما اعلم لَضَحِكْتُمْ قَلیلاً و لَبَكَیْتُم كثیراً فَغطّی أصحاب رسول اللّٰه صلی الله علیه وسلم وجوهم ولهم خنین﴾ (صحیح مسلم، رقم الحدیث: ۲۳۵۹، باب توقیره صلی الله علیه وسلم وترک اکثار رسؤاله عمالا ضرورة الیه الخ ۲/۲۶۳)

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں ایک دن خطبہ دیا، وہ خطبہ ایسا تھا کہ میں نے اس جیسا خطبہ کبھی نہیں سنا تھا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مختلف موضوعات پر خطبہ دیتے رہتے تھے، حضرت انس رضی اللہ عنہ اکثر ساتھ ہی رہتے تھے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بہت خطبے سن رکھے تھے لیکن کہتے ہیں کہ اس دن ایسا خطبہ دیا کہ اس جیسا خطبہ پہلے میں نے کبھی نہیں سنا تھا اور اس خطبہ میں منجملہ اور باتوں کے ایک بات یہ بھی فرمائی کہ

﴿لَوْ تعلمون ما اعلم لضحکتم قلیلاً ولبکیتم کثیراً﴾

اگر تم جانتے ہوتے وہ باتیں جن کو میں جانتا ہوں تو تم کم ہنسا کرتے، تمہارا ہنسنا کم ہوتا، رونا زیادہ ہوتا کیونکہ اللہ کا عذاب اتنا شدید ہے کہ اس کا خوف انسان کو رونے پر مجبورا کرتا ہے، یہ خطبہ سن کر حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی جو حالت ہوئی اس کو بیان کرتے ہوئے حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

فغطی اصحاب رسول الله صلی الله وجوههم کے اصحاب نے اپنے چہروں کو کپڑوں سے یا ہاتھوں سے چھپالیا ''**ولهم خنین**'' خنین کہتے ہیں زیادہ رونے کی آواز جو ناک کے راستے سے آ رہی ہو مطلب یہ ہے کہ وہ بے تحاشا رو پڑے۔

ایک بات حضرت انس رضی اللہ عنہ نے اس روایت میں یہ بھی کہی کہ اس دن سے زیادہ سخت دن صحابہ کرام پر کوئی دن نہیں آیا تھا کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آخرت سے متعلق اس خطبہ میں بڑی خوفناک باتیں ارشاد فرمائی تھیں۔

یوم القیامۃ کا مصداق

ایک روایت میں قیامت کی گرمی کا حال بیان فرمایا ہے، وہ روایت حضرت مقداد رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، حضرت مقداد رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ:

﴿تدنی الشَّمُسُ یَوُمَ القِیَامَةِ مِنَ الخلق حَتیٰ تکونَ مِنهُمُ کَمِقُدَارِ مِیُل﴾ (رواہ مسلم، رقم الحدیث ۲۸۶۴، باب فی صفة یوم القیمة)

فرمایا: ''قیامت کے دن سورج کو اتنا قریب کردیا جائے گا''، قیامت کا لفظ اس دن کیلئے بھی آتا ہے جب اس پوری کائنات کے نظام کو درہم برہم کردیا جائے گا۔ زمین، چاند، سورج سب آپس میں گڈمڈ ہو جائیں گے اور سب پر موت طاری ہو جائے گی۔ اس کو بھی ''یوم القیامة'' کہتے ہیں اور اس کے بعد جب لوگ دوبارہ زندہ ہوں گے، زمین دوبارہ بنے گی اور لوگ اپنی قبروں سے اٹھیں گے۔ یہ اگرچہ یوم الحساب ہوگا لیکن اس کو بھی ''یوم القیامة'' کہہ دیتے ہیں اور اس حدیث میں وہی مراد ہے کہ میدان حساب میں آفتاب مخلوقات کے اتنا قریب کردیا جائے گا ''حتیٰ تکون منہم کمقدار میل'' یہاں تک کہ وہ آفتاب ان سے ایک میل کی مقدار کے برابر ہو جائے گا۔

قیامت کے دن کی گرمی کی شدت

یہ آفتاب اب ہم سے کروڑوں میل دور ہے، اتنے دور ہے کہ آٹھ منٹ کے بعد اس کی روشنی زمین پر پہنچتی ہے اور روشنی کی رفتار ایک لاکھ چھیاسی ہزار میل فی سیکنڈ ہوتی ہے یعنی روشنی ایک سیکنڈ میں ایک لاکھ چھیاسی ہزار میل کی مسافت طے کرتی ہے اور یہ سورج کی روشنی ہم تک آٹھ منٹ میں پہنچتی ہے۔ اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ یہ آفتاب ہم سے اتنے کروڑ ہا کروڑ میل دور ہے۔ جب اس کی گرمی کا یہ حال ہے کہ پنکھے چل رہے ہیں لیکن پھر بھی پسینے چھوٹ رہے ہیں اور میدان حساب میں یہ آفتاب ایک میل کے برابر کردیا جائے گا یعنی لوگوں کو ایسا محسوس ہوگا کہ یہ ایک میل کے برابر آگیا ہے۔

میل سے کیا مراد ہے؟

حضرت مقداد رضی اللہ عنہ سے یہ روایت نقل کرنے والے ان کے شاگرد سُلَیم بن

عامرؒ کہتے ہیں کہ اس حدیث میں حضرت مقداد رضی اللہ عنہ نے جو ''میل'' کا لفظ سنایا ہے، مجھے نہیں معلوم کہ ''میل'' سے کیا مراد ہے؟ وجہ اس کی یہ ہے کہ عربی زبان میں ''میل'' دو معنیٰ میں آتا ہے۔ ''میل'' اس مسافت کو بھی کہتے ہیں جو ہمارے یہاں بھی معروف ہے یعنی ایک مقررہ مسافت' اور ''میل'' کے معنیٰ سلائی کے بھی ہیں جس سے سرمہ آنکھ میں لگاتے ہیں، حدیث میں اگر سرمہ لگانے والی سلائی مراد ہو پھر تو قیامت ہی قیامت ہے کہ آفتاب بالکل برابر میں ہوگا۔ بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آفتاب ایک میل کے فاصلے پر تو نہیں ہوگا بلکہ زیادہ فاصلے پر ہوگا۔ اسی لیے حدیث میں ''کمقدار میل'' فرمایا یعنی ''میل کی مقدار کی طرح'' یہ نہیں فرمایا کہ میل کی مقدار کے برابر کہ اگر کوئی چیز آفتاب سے ایک میل کے فاصلے پر بھی ہو تو وہ اسی وقت جل بھن کر تباہ ہو جائے لہٰذا بظاہر مراد یہ ہے کہ دیکھنے میں آفتاب ایسا معلوم ہوگا گویا کہ ایک میل کے برابر آ گیا۔ اس واسطے خلاصہ یہ کہ آفتاب قریب کر دیا جائے گا۔

اعمال کے بقدر پسینہ

﴿فَيَكُونَ النَّاسُ عَلٰى قَدْرِ اَعْمَالِهِمْ فِي الْعَرَقِ، فَمِنْهُمْ مَّنْ يَّكُونُ إِلٰى كَعْبَيْهِ، وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّكُونُ إِلٰى رُكْبَتَيْهِ، وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّكُونُ إِلٰى حِقْوَيْهِ، وَمِنْهُمْ مَنْ يُّلْجِمُهُ الْعَرَقُ إِلْجَامًا، وَاَشَارَ رسولُ الله صلى الله عليه وسلم بِيَدِهِ إِلٰى فِيْهِ﴾

(رواه مسلم، رقم الحديث ۲۸۶۴، باب في صفة يوم القيامة)

جب اتنی وحشت ناک، خوفناک، خطرناک گرمی ہوگی تو لوگ اپنے اعمال کی مقدار کے برابر پسینے میں ہوں گے چنانچہ فرمایا ''فمنهم من يكون الى كعبيه'' بعضوں کا پسینہ ان کے ٹخنوں تک ہوگا ''ومنهم من يكون الىٰ ركبتيه'' اور بعضوں کا

پسینہ ان کے گھٹنوں تک ہوگا۔ ''ومنهم من يكون إلى حقويه'' اور بعض کا پسینہ حقوین تک ہوگا یعنی اس جگہ تک جہاں ازار، شلوار باندھی جاتی ہے۔ ''ومنهم من يلجمه العرق الجاماً'' اور بعضوں کا پسینہ ان کے منہ تک پہنچا ہوگا ایسا معلوم ہوگا کہ جیسا کہ منہ میں پسینے نے لگام ڈالی ہوئی ہے۔ گھوڑے کے منہ میں لگام ڈالی ہوتی ہے تو آدھا منہ اس لگام سے اوپر ہوتا ہے، آدھا منہ اس لگام سے نیچے ہوتا ہے۔ قیامت کے دن بعض لوگوں کا یہی حال ہوگا یہ کہہ کر رسول اللہ ﷺ نے اپنے دونوں ہاتھوں سے اپنے منہ کی طرف اشارہ فرمایا۔

ایک سوال کا جواب

یہاں ایک سوال پیدا ہوگا کہ جب سب لوگ ایک جگہ ہوں گے اس سے یہ معلوم ہورہا ہے کہ پسینے کا ایک دریا سا ہوگا یعنی اتنا پسینہ ہوگا کہ وہ دریا کی سی شکل اختیار کر جائے گا یا تالاب کی سی شکل اختیار کر جائے گا تو پھر کسی کے ٹخنے تک، کسی کے گھٹنوں تک، کسی کے ناف تک اور کسی کے منہ تک پسینہ کیسے ہوگا؟ اس کا جواب یہ ہوسکتا ہے کہ جیسے دریا میں سطح اونچی نیچی ہوتی ہے، ایسے ہی جن کے گناہ کم ہوں گے وہ ایسی جگہ پر ہوں گے کہ ان کا پسینہ ان کے ٹخنوں تک ہوگا، جن کے گناہ ان سے زیادہ ہوں گے ان کا پسینہ گھٹنوں تک ہوگا وہ ذرا مزید بلندی پر ہوں گے، تو ایک جواب اس طریقے سے بھی ہو سکتا ہے لیکن یہ بات مشہور ومعروف ہے اور قوانین قدرت میں سے ہے کہ پانی اپنی اوپر کی سطح بالکل ہموار رکھتا ہے تو اس سے اشکال اور بڑھ جاتا ہے کہ پسینہ بھی پانی ہے تو اس کی اوپر کی سطح بھی ہموار ہوگی۔ اس کا ایک جواب تو وہ ہے جو میں نے ابھی دیا ہے کہ پسینے کی سطح اگرچہ اوپر سے برابر ہے لیکن جہاں کھڑے ہوں گے وہ سطح اونچی نیچی ہوگی یعنی اعمال کے اعتبار سے لوگوں کو جگہ ملے گی، اس لحاظ سے کوئی کم پسینے میں ہوگا، کوئی زیادہ پسینے میں ہوگا۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ پانی اپنی سطح ہموار رکھتا ہے لیکن یہ قانون قدرت تو اس دنیا میں ہے اور دنیا کے قوانین قدرت کچھ اور ہیں اور دوسرے سیاروں کے قوانین

قدرت کچھ اور ہیں۔ آخرت کے قوانین قدرت کچھ اور ہیں مثلاً یہاں دنیا میں اگر کوئی چیز زمین پر ڈالی جائے تو اس کی زمین تک پہنچنے کی رفتار کچھ اور ہوگی اور اگر چاند پر اتنی بلندی سے چاند کی زمین پر کوئی چیز ڈالی جائے تو اس کی رفتار کم ہوگی۔ اس لیے کہ دنیا میں کشش کی رفتار کچھ اور ہے، چاند میں کچھ اور ہے اور جو سیارے دنیا سے بھی زیادہ بڑے ہیں، وہاں گرنے کی رفتار اور زیادہ تیز ہے تو قوانین قدرت مختلف اجرامِ فلکیہ میں بھی مختلف ہیں اور آخرت میں تو بہت ہی مختلف ہوں گے۔

لہٰذا پسینے کی یہ کیفیت کہ اوپر کی سطح یکساں رہے، وہاں یہ قانون نہیں چلے گا، وہاں قانون دوسرا ہوگا اور اعمال کے حساب سے انسانوں کے پسینے کی سطح ہوگی۔

جہنم کی ہولناک گہرائی

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک یہ روایت مروی ہے:

﴿قَالَ كنا مع رسول الله صلى الله عليه وسلم اِذ سَمِعَ وَجْبَةً فقال: "هَلْ تَدْرُوْنَ ماهذا؟" قلنا: اللّٰه وَرَسُولُه اعلَمُ، قال: "هذا حجر رُمِيَ بِهٖ في النار مُنذُ سَبْعِين خَرِيفاً فهو يَهْوِى فى النَّارِ الآن حتى انتهَى إلى قعرها، فَسَمِعْتُمْ وَجْبَتَها﴾

(صحيح مسلم، رقم الحديث ۲۸۴۴، باب جهنم اعاذ ناالله منها)

فرمایا کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ تھے کہ اچانک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کسی چیز کے گرنے کی آواز سنی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا کیا تمہیں معلوم ہے یہ کیا ہے؟ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ آواز صرف حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نہیں سنی تھی بلکہ حاضرین نے بھی سنی تھی تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کہا "اللہ ورسولہ اعلم" اللہ اور اس کا رسول ہی زیادہ جانتا ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ یہ ایک پتھر تھا جو اب سے ستر سال پہلے جہنم کے کنارے سے جہنم میں پھینکا گیا تھا۔ اب وہ ستر سال کے بعد جہنم کی تہہ میں پہنچا ہے۔ یہ اس پتھر کے

وہاں پہنچنے کی آواز تھی جو سنائی دی گئی۔ اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ جہنم کی گہرائی کتنی ہولناک ہے، اللہ تعالیٰ محفوظ رکھے اور ہم سب کو جہنم سے بچائے۔

جہنم سے بچنے کا راستہ

یہ ساری باتیں بلاشبہ خوفناک ہیں لیکن ان سے بچنے کا راستہ بھی اللہ تعالیٰ نے ہمارے ہاتھ میں دے رکھا ہے اور بچنا مشکل نہیں، آسان ہے اور وہ یہ ہے کہ فرائض ادا کرتے رہو، واجبات ادا کرتے رہو، گناہوں سے بچنے کی کوشش کرتے رہو، پھر بھی گناہ ہو جائے تو اللہ تعالیٰ سے معافی مانگتے رہو، توبہ کرتے رہو تو انشاء اللہ یہ سب عذاب دھرے رہ جائیں گے اور معافی ہو جائے گی۔ بس یہ کامیابی کا راز ہے اور جہنم کی ساری خوفناکیاں ان لوگوں کے لیے ہیں جو اللہ سے ڈرتے نہیں ہے جو گناہوں سے بچنے کی کوشش نہیں کرتے۔ گناہ ہو جائیں تو ان پر شرمندہ نہیں ہوتے۔ گناہ ہو جائیں تو ان سے توبہ نہیں کرتے، یہ عذاب ان لوگوں کے لیے ہیں اور انشاء اللہ ایمان والے جو اللہ سے ڈرتے رہتے ہیں، کوشش میں لگے رہتے ہیں کہ فرائض اور واجبات بھی ادا کریں۔ اللہ کے حقوق بھی ادا کریں۔ بندوں کے حقوق بھی ادا کریں پھر بھی بھول چوک ہو جاتی ہے یا نفس و شیطان کے بہکاوے میں آکر جان بوجھ کر کوئی گناہ کر لیتے ہیں تو گناہ پر شرمندہ بھی ہو جاتے ہیں، اللہ سے ڈرتے بھی ہیں، معافی بھی مانگتے ہیں، انشاء اللہ ان کے لیے کچھ نہیں البتہ بندوں کے حقوق کا معاملہ خطرناک ہے۔ کسی کا مال مارا ہو، کسی کی عزت خراب کی ہو، کسی کو ناجائز تکلیف پہنچائی ہو تو جب تک وہ بندہ معاف نہیں کرے گا، اللہ بھی معاف نہیں کرتا، اللہ ہم سب کی حفاظت فرمائے۔

(سامعین میں سے کسی نے ایک سوال کیا حضرتِ اقدس صدر صاحب مدظلہم نے اس کی وضاحت کر کے جواب دیا) یہ صاحب پوچھ رہے ہیں کہ بعض بچوں کے ہم نے حقوق پائمال کیے، کسی کو گالی دی، کسی کی غیبت کی، کسی پر بہتان لگایا، کسی کو کوئی

تکلیف پہنچائی اور اس کو بیس پچیس سال ہو گئے، اب پتہ نہیں کہ وہ کہاں گئے؟ زندہ بھی ہیں یا نہیں، تو ہم کیا کریں؟ یہ بڑا اہم سوال ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے مایوسی کا راستہ پھر بھی نہیں رکھا۔ اس کا بھی ایک راستہ ہے اور وہ یہ کہ ان کی طرف سے کچھ صدقہ خیرات کر دیں، کوئی نفلی عبادت کرلیں مثلاً اگر کوئی اپنا حج فرض ادا کر چکا ہے تو ان کی طرف سے نفلی حج کرلیں، نفلی عمرہ کرلیں یا تلاوت کرلیں اور پھر اس کا ثواب ان کو پہنچا دے اور دعا کرے کہ یا اللہ فلاں فلاں کو میں نے تکلیف پہنچائی تھی، یہ ثواب اس کو پہنچا دے اور اگر نام بھی یاد نہ رہے تو اللہ کو یاد ہے، اس لیے اللہ میاں سے کہہ دے کہ یا اللہ جس جس کی میں نے حق تلفی کی ہے، جس جس کا میں نے حق مارا ہے، جس جس کو ناحق تکلیف پہنچائی ہے، اس کو یہ ثواب پہنچا دیجئے اور میں نے یہ جو جرم کیا ہے اسکو آپ بھی معاف کر دیجئے اور اس سے بھی مجھے معاف کروا دیجئے۔ یہ دعا کرلو انشاء اللہ اپنے پاس سے اللہ میاں اجر عظیم دے کر اس سے معاف کروا دیں گے کیونکہ جب اس کو وہاں اجر ملے گا اور اللہ تعالیٰ کہیں گے کہ دیکھو تمہیں فلاں نے گالی دی تھی، اس کے عوض میں تمہیں اتنا بڑا محل دیتا ہوں، وہ تو چوم چاٹ کے لے گا اور کہے گا کہ ہاں میں نے بالکل معاف کر دیا تو اس طرح کسی کو ناحق تکلیف پہنچائی ہو، اس کے لیے ایصال ثواب بھی کرے اور یہ دعا بھی کرے کہ اس سے معاف کروا کے اس کا اجر اپنے پاس سے اس کو دیجئے، میرے پاس تو اتنا اجر نہیں کہ اس کو دے سکوں۔ آپ اپنے پاس سے دے دیجئے، آپ کے پاس تو کوئی کمی نہیں، اللہ میاں ایسی باتوں سے بڑے خوش ہوتے ہیں، بندہ جب اپنے اللہ میاں پر ناز کرتا ہے، اللہ پر بھروسہ کرتا ہے، اللہ سے مچل مچل کر مانگتا ہے، تو اللہ تعالیٰ اور خوش ہوتے ہیں اور زیادہ دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ہمیشہ دے اور دیتا رہے۔ و آخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمين.

☆......☆......☆

قیامت کی ہولناکیاں

موضوع: قیامت کی ہولناکیاں

خطاب: مفتی اعظم پاکستان مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی مدظلہ

بمقام: جامع مسجد دارالعلوم کراچی

ضبط وترتیب: مولانا محمد طلحہ اقبال

﴿قیامت کی ہولناکیاں﴾

نحمدہٗ و نصلی علی رسوله الکریم اما بعد!

﴿عن ابی هریرة رضی الله عنه قال قرأ رسول الله صلی اللّٰه علیه وسلم "یَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ اَخْبَارَهَا" ثم قال اتدرون ما أخبارها قالوا اللّٰه و رسوله اعلم قال فان اخبارها ان تشهد علی کلی عبد أو امة بما عمل علی ظهرها تقول عملت کذا و کذا فی یوم کذا و کذا فهذه اخبارها.﴾

ترجمہ "حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھی "یَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ اَخْبَارَهَا" (اس دن زمین اپنی خبریں بیان کرے گی) اور دریافت فرمایا کہ تم جانتے ہو زمین کی وہ خبریں کیا ہوں گی؟ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا اللہ و رسول بہتر جانتے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ خبریں بندوں کے وہ اعمال ہیں جو انہوں نے زمین کی پیٹھ پر کیے وہ گواہی دے گی کہ اس نے مجھ پر رہتے ہوئے یہ یہ کام کیے اور فلاں فلاں

دن اس نے یہ کام کیے۔ یہی وہ اخبار ہیں یہ پارۂ عم کی سورۃ "اذا زلزلت" کی ایک آیت ہے، پوری سورۃ اس طرح ہے۔

﴿اِذَا زُلْزِلَتِ الْأَرْضُ زِلْزَالَهَا، وَ أَخْرَجَتِ الْأَرْضُ اَثْقَالَهَا، وَقَالَ الْاِنْسَانُ مَالَهَا، يَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ اَخْبَارَهَا، بِاَنَّ رَبَّكَ اَوْحٰى لَهَا، يَوْمَئِذٍ يَّصْدُرُ النَّاسُ اَشْتَاتًا، لِيَرَوْا اَعْمَالَهُمْ فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهٗ وَ مَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَرَهٗ﴾

ترجمہ "جب جھنجوڑ دیا جائے زمین کو سخت جنبش سے اور زمین اپنے بوجھ باہر نکال پھینکے، اور (اس حالت کو دیکھ کر کافر) آدمی کہے گا کہ اس کو کیا ہوگیا؟ اس دن زمین اپنی سب خبریں بیان کرنے لگے گی، اس وجہ سے کہ آپ کے رب کا اس کو یہی حکم ہوگا۔ اس روز لوگ مختلف جماعتیں ہوکر واپس ہوں گے تا کہ اپنے اعمال کو دیکھ لیں، سو جو شخص دنیا میں ذرہ برابر نیکی کرے گا وہ اس کو دیکھ لے گا اور جو شخص ذرہ برابر بدی کرے گا وہ اس کو دیکھ لے گا۔"

اِذَا زُلْزِلَتِ الْأَرْضُ زِلْزَالَهَا: جب زمین کو جھنجوڑ دیا جائے گا اس کے زلزلے سے، مراد یہاں قیامت ہے، اس وقت سب کو موت آجائے گی، یہ یوم قیامت ہے، اس کے بہت عرصہ کے بعد، بہت مدت کے بعد، سالہا سال کے بعد دوبارہ صور پھونکا جائے گا، پہلی مرتبہ کے صور پھونکنے سے قیامت آئے گی اور دوسری مرتبہ کے صور پھونکنے سے مردوں کو دوبارہ زندہ کیا جائے گا، مردے دوبارہ زندہ ہوکر قبروں سے نکلیں گے۔

یہ کون سا زلزلہ ہے؟

یہاں کون سا زلزلہ مراد ہے، دو مرتبہ زلزلے آئیں گے، بظاہر یہاں دوسرا

زلزلہ مراد ہے، یعنی جب میدانِ حساب کیلئے دوسرا صور پھونکا جائے گا اور مردے زندہ ہوں گے تو یہ زلزلہ آئے گا۔

واخرجت الارض اثقالھا اور جب زمین الٹ پلٹ ہوگی اس زلزلہ کی وجہ سے تو زمین اپنے اندر کا سارا بوجھ باہر نکال دے گی۔

زمین کے خزائن

اندر کا بوجھ کیا چیزیں ہیں؟ دو چیزیں ہیں، کچھ تو وہ دفینے تھے جو لوگوں نے بچا کر دنیا والوں سے چھپا کر زمین میں دفن کر کے رکھے ہوئے تھے، اب بھی بسا اوقات دنیا میں آثار قدیمہ نکلتے رہتے ہیں۔ صدیوں پہلے کسی نے اپنا مال چھپا کر رکھا تھا اس کے تو کام نہ آیا وہ مر گیا اور مال اندر پڑا رہ گیا، تو اس وقت کوئی دفینہ باقی نہیں رہے گا۔ سارے دفینے باہر آجائیں گے تاکہ لوگوں کو عبرت ہو چنانچہ حدیث میں آتا ہے کہ جب وہ (شخص) اس وقت نکلے ہوئے سونے کو دیکھے گا اور دیکھے گا کہ ڈھیر کے ڈھیر پڑے ہیں، سونے کے، چاندی کے، تو کوئی آدمی کہے گا کہ آہ! میں نے اس مال کیلئے فلاں کو قتل کیا تھا اور کوئی کہے گا کہ میں نے اس مال کی وجہ سے اپنے رشتہ داروں سے قطع تعلقی کی اور دشمنی مول لی تھی، کوئی چور دیکھے گا اور افسوس کرے گا کہ آہ! یہ مال اتنا حقیر ہے اور اس کی وجہ سے میرے ہاتھ کٹے تھے۔ یہ آج پڑا ہوا ہے اب کسی کام نہیں آرہا وغیرہ۔ تو ایک بوجھ تو یہ ہے جو دفینوں کی شکل میں باہر آئے گا اور دوسرا بوجھ وہ انسان ہیں جو زمین میں دفن تھے۔ وہ دوبارہ زندہ ہوں گے۔ آدم علیہ السلام سے لے کر قیامت تک جتنے انسان مرے تھے وہ دنیا ہی میں تو تھے۔ اسی زمین ہی میں تو تھے، اسی زمین سے وہ سب باہر نکال دیئے جائیں گے۔ گوشت پوست کے ساتھ، دوبارہ ان کے جسم بنا دیئے جائیں گے اور ان کے جسموں میں روح ڈال دی جائے گی، وہ پھر دوبارہ زندہ کیے جائیں گے اور باہر نکل آئیں گے۔

''وقال الانسان مالها'' آدمی اس وقت کہے گا کہ اس زمین کو کیا ہو گیا ہے، کتنا زبردست اس میں زلزلہ ہے اور یہ سب کچھ اس کے اندر سے نکل رہا ہے۔ حیرت میں پڑ جائیں گے دیکھنے والے''یومئذ تحدث أخبارها'' اس دن یہ زمین اپنی ساری خبریں بتا دے گی۔ رسول اللہ ﷺ نے یہ آیت پڑھی اور پڑھ کر پوچھا''اتدرون ما اخبارکم'' کیا تمہیں معلوم ہے کہ زمین اپنی کیا خبریں دے گی جس کا ذکر اس آیت میں ہے، صحابہ کرام نے عرض کیا کہ اللہ اور اس کے رسول ہی کو علم ہے تو آپ نے فرمایا:

''وان اخبارها ان تشهد علی کل عبد او امة''

زمین کی گواہی

یہ زمین جو اپنی ساری خبریں بتا دے گی اس کا کیا مطلب ہے؟ وہ یہ کہ ہر بندہ اور بندی کے بارے میں یہ زمین گواہی دے گی اور اعلان کرے گی کہ اے فلاں بن فلاں! تو نے میرے اوپر فلاں فلاں کام کیے تھے اور اے عورت! تو نے میرے اوپر فلاں فلاں کام کیے تھے، سارے اعمال کا کچا چٹھا یہ زمین سنا دے گی، جس زمین کو ہم روندتے ہیں جس زمین پر ہم رہتے اور پھرتے ہیں، جس زمین پر ہم سب کچھ کرتے ہیں، یہ سارا ریکارڈ ہو رہا ہے، یہ زمین ریکارڈر ہے، سب کو ریکارڈ کر لیتی ہے۔ سارے کچے چٹھے کو ریکارڈ کر رہی ہے۔ اس دن یہ ریکارڈ بول پڑے گا، اس کو جھٹلایا نہیں جا سکے گا۔

''بان ربک اوحی لها'' زمین یہ سب کچھ کیوں بتائے گی؟ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں''اس وجہ سے کہ تیرے رب نے اسے یہی وحی کی ہوگی، یہی حکم دیا گیا ہوگا کہ تم یہ کام کرو، سب کا کچا چٹھا بتا دو، اللہ بچائے اس دن کی رسوائی سے، کتنے گناہ انسان چپکے چپکے کرتا ہے، نہ ماں کو خبر نہ باپ کو، نہ شاگرد کو نہ مرید کو، نہ بیٹے کو نہ بھائی کو اور نہ ہی بہن کو لیکن اس دن سارے راز کھل جائیں گے۔

اعمال کا نتیجہ

"یومئذ یصدر الناس اشتاتاً لِیَرَوْا اعمالهم" اب جب حساب کتاب ہو جائے گا، نیکی والوں کی نیکی ظاہر ہوگئی، گناہ والوں کے گناہ ظاہر ہوگئے اور ہر ایک کے ساتھ اعمال تھے، کچھ اچھے، کچھ برے، وہ سب ظاہر ہوگئے تو اب لوگ متفرق سمتوں میں جائیں گے، مطلب یہ ہے کہ جو جنت والے ہیں، وہ جنت کی طرف جائیں گے اور جو جہنم والے ہیں، وہ جہنم کی طرف جائیں گے تا کہ وہ اپنے اعمال کو دیکھ لیں یعنی اپنے اعمال کے اثرات اور نتائج کو دیکھ لیں، اچھے اعمال والوں کا نتیجہ سامنے آجائے گا اور برے اعمال والوں کا نتیجہ بھی سامنے آجائے گا تو آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ ہیں زمین کی خبریں۔

﴿عن ابی سعید الخدری رضی اللّٰہ عنه قال قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم کیف انعم و صاحب القرن قد التقم القرن و استمع الإذن متی یؤمر بالنفخ فینفخ، فکأن ذلک ثقل علی اصحاب رسول الله صلی الله علیه وسلم فقال لهم قولوا حسبنا اللّٰه ونعم الوکیل﴾

(ریاض/۲۱۲)

ترجمہ: " جناب ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میں کیسے عیش کر سکتا ہوں جبکہ صور پھونکنے والے (فرشتہ) نے صور منہ میں لیا ہوا ہے اور اس کے کان اجازت ملنے پر لگے ہوئے ہیں کہ کب اشارہ ملے اور وہ صور پھونکے، جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ملاحظہ فرمایا کہ یہ بات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لئے بہت شاق اور پریشان کن ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ "حسبنا اللّٰه

و نعم الوکیل" (اللہ ہم کو کافی ہے اور وہ اچھا کارساز ہے)

پڑھو۔

صور سے قیامت برپا ہوگی

قیامت جب آئے گی تو احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایک نفخہ ہوگا، حضرت اسرافیل علیہ السلام صور پھونکیں گے، وہ صور سینگ کی شکل کا بنا ہوا ہے مگر کتنا بڑا ہے یہ اللہ ہی کو معلوم ہے۔ روایات میں آتا ہے کہ جب قیامت کے دن صور پھونکا جائے گا تو شروع شروع میں یہ آواز بہت ہلکی سی ہوگی، پھر رفتہ رفتہ بڑھے گی اور دم بدم بڑھتی چلی جائے گی، اب ایک دوسرے سے لوگ پوچھیں گے کہ یہ آواز کیسی ہے مگر کسی کو پتہ نہیں چلے گا، وہ بڑھتی جائے گی، لوگوں میں ہلچل مچے گی، وہ بھاگیں گے، دوڑیں گے اور آواز بڑھتی جائے گی، یہاں تک کہ اب لوگوں کو ہارٹ فیل ہونا شروع ہوں گے، پھر دل پھٹ جائیں گے اور پھر بڑھے گی تو لوگوں کی موتیں واقع ہونا شروع ہوں گی اور بڑھے گی تو زلزلے آئیں گے اور بڑھے گی تو زمین ٹکڑے ٹکڑے ہوگی، پھر اور بڑھے گی تو کوئی بھی زندہ نہیں بچے گا۔ اس کے بعد پہاڑوں کے ٹکڑے ہوں گے اور پہاڑ اڑنے لگیں گے۔ آسمان کے ٹکڑے ہو جائیں گے اور پھر پوری کائنات درہم برہم ہو جائے گی، ساری قیامت آواز کے ذریعے آئے گی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میں کیسے مطمئن رہوں اور کیسے خوش ہو جاؤں جبکہ صور والے نے صور کو اپنے منہ میں لیا ہوا ہے اور کان لگا رکھے ہیں اللہ کے حکم کی طرف کہ کب اس کو حکم ملتا ہے کہ صور پھونک دے اور اس سے قیامت آجائے۔

قیامت بہت قریب ہے

اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ قیامت بہت قریب آچکی ہے۔ یہ بات حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے زمانہ میں فرما رہے ہیں کہ قیامت اتنی قریب آگئی ہے کہ

اسرافیل بالکل تیار کھڑے ہوئے ہیں۔ صور کو انہوں نے اپنے منہ میں لے رکھا ہے اور ان کی نظریں اور کان اللہ کی طرف ہیں کہ کب اللہ کی طرف سے حکم آئے اور میں صور پھونک دوں اور قیامت آجائے، قیامت تو اتنی قریب ہے، پھر میں کیسے آرام سے بیٹھ جاؤں۔

ایک سوال

آپ کے ذہنوں میں یہ سوال پیدا ہوگا کہ جب اس وقت قیامت اتنی قریب آچکی تھی اور اب تو چودہ سو سال سے بھی اوپر ہو گئے تو پھر یہ قریب ہوئی یا دور؟

جواب

جواب یہ ہے کہ بہت قریب ہے، اس دنیا کی عمر تو دیکھو، اس زمین کی عمر تو دیکھو، اس نظام شمسی کی عمر تو دیکھو، اس کائنات کی عمر تو دیکھو اتنی عمر ہے کہ گنتی ختم ہو جائے۔ کھربوں سالوں کی مگر ان کی عمر معلوم نہیں ہو سکتی۔ اتنی طویل عمر کے مقابلہ میں ہزار دو ہزار تین ہزار کی مدت تو ایسی ہے جیسے تین چار منٹ کی مدت، تو دنیا کی پوری عمر کے مقابلہ میں یہ مدت تو منٹوں اور سیکنڈوں کی طرح ہے تو اس وقت سے اسرافیل علیہ السلام صور پھونکنے کیلئے کھڑے ہیں مگر ان کو یہ معلوم نہیں کہ یہ حکم کب ملے گا؟

حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے جبرائیل امین نے پوچھا "متی الساعة" کہ قیامت کب آئے گی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اس بارے میں جتنی بات پوچھنے والے کو معلوم ہے جواب دینے والے کو اس سے زیادہ معلوم نہیں، مطلب یہ ہے کہ جتنا تم جانتے ہو اتنا میں جانتا ہوں، جس طرح تمہیں معلوم نہیں اسی طرح مجھے بھی معلوم نہیں اور اسرافیل کو بھی نہیں معلوم، اس واسطے تو انتظار میں کھڑے ہیں کہ جب حکم ہوگا صور پھونک دوں گا۔

پریشانی کے وقت کی مجرب دعا

"فکأن ذلک ثقل علی اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم" جب حضراتِ صحابۂ کرام نے یہ بات سنی تو صحابۂ کرام سہم گئے، ڈر گئے کہ قیامت کا زلزلہ تو بڑا خوفناک ہوگا، اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ تم یوں کہو "حسبنا اللّٰہ ونعم الوکیل" گھراہٹ کی حالت میں تسلی کیلئے یہ کلمہ ارشاد فرمایا کہ اللہ ہمارے لیے کافی ہے۔ وہی بہترین کارساز ہے، اس سے بہتر کاموں کو بنانے والا کوئی نہیں۔ "حسبنا اللہ" کے معنی ہیں کہ اللہ ہمیں کافی ہے، اللہ تعالیٰ کے سوا ہمیں کسی چیز کی ضرورت اور حاجت نہیں۔ "ونعم الوکیل" وہ اچھا کارساز ہے، وہی اچھا کام بنانے والا ہے: تو ہماری بھی اس سے یہی امید ہے کہ وہی ہمارے کاموں کو بنائے گا تو کہا کرو "حسبنا اللّٰہ ونعم الوکیل" اس سے ایک بات اور بھی معلوم ہوئی کہ جب بھی کوئی گھبراہٹ کی بات ہو یا کوئی پریشانی پیش آئے، کوئی خوف ہو یا دہشت ہو تو دل کی تسلی کیلئے یہ بہترین کلمہ ہے، یہ پڑھنا چاہیے۔ اس سے دل کو تسلی ہوتی ہے۔

قیامت کا اجمالی نقشہ

ایک بات اور سمجھ لیجئے کہ صحابۂ کرام کو جو ڈر ہوا شاید اس وجہ سے ہوا تھا کہ اگر قیامت ہمارے سامنے آگئی تو کیا حشر ہوگا کیونکہ وہ تو بہت خوفناک زلزلہ ہے، قرآن کریم میں فرمایا:

﴿یَا اَیُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ ۚ اِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَیْءٌ عَظِیْمٌ ۚ یَوْمَ تَرَوْنَهَا تَذْهَلُ كُلُّ مُرْضِعَةٍ عَمَّا اَرْضَعَتْ وَ

تَضَعُ كُلُّ ذَاتِ حَمْلٍ حَمْلَهَا وَ تَرَى النَّاسَ سُكَارٰى
وَمَاهُمْ بِسُكَارٰى وَلٰكِنَّ عَذَابَ اللّٰهِ شَدِيْدٌ﴾ (الحج/ ۱)

ترجمہ ''اے ایمان والو! ڈرو اللہ سے، قیامت کا زلزلہ بہت سخت ہے، جس روز تم لوگ اس زلزلہ کو دیکھو گے، اس روز وہ حال ہوگا کہ تمام دودھ پلانے والیاں اپنے دودھ پیتے (بچہ) کو بھول جائیں گی اور تمام حمل والیاں اپنا حمل ڈال دیں گی اور تجھ کو لوگ نشہ کی سی حالت میں دکھائی دیں گے حالانکہ وہ نشہ میں نہیں ہوں گے لیکن اللہ کا عذاب ہی بہت سخت چیز ہے۔

قرآن کریم نے تھوڑا سا اس زلزلہ کا نقشہ کھینچا ہے، ڈرو اپنے رب سے قیامت کا زلزلہ بہت سخت ہے، بہت بڑی چیز ہے، ایسا سخت زلزلہ ہوگا کہ دودھ پلانے والی ماں اپنے دودھ پیتے بچے کو بھول جائے گی، دودھ پیتے بچے کو کوئی ماں نہیں بھولتی لیکن وہ خوف اور دہشت کیسی ہوگی کہ دودھ پلانے والی ماں اپنے دودھ پیتے بچے کو بھول جائے گی اور جتنی عورتیں حمل سے ہوں گی ان کے حمل ساقط ہو جائیں گے۔ خوف اور دہشت کی وجہ سے ''وترى الناس سكارى'' اس وقت تو لوگوں کو دیکھے گا کہ بظاہر وہ نشے میں ہیں، گھبراہٹ کے عالم میں ہیں، مدہوش ہیں، حواس کھو بیٹھے ہیں، لیکن ''وماهم بسكارى'' وہ نشے میں نہیں ہوں گے: ''ولكن عذاب الله شديد'' کہ اللہ کا عذاب ہی سخت ہوگا اس کے خوف اور دہشت کی وجہ سے ان کے حواس اڑ جائیں گے۔

ایک وضاحت

تو صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو شاید یہ ڈر ہوا تھا کہ اگر قیامت ہمارے زمانے میں آگئی تو ہمارے اوپر کیا بیتے گی تو اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بتلا دیا کہ تم ''حسبنا الله و نعم الوكيل'' پڑھا کرو، اور بعد میں دوسری روایات میں

آتا ہے کہ آپ نے مؤمنین کیلئے یہ خوشخبری دے دی کہ قیامت سے تقریباً سو سال پہلے ایک ہوا آئے گی، وہ ہوا بڑی نرم اور لطیف ہوگی جس سے لوگوں کو تکلیف نہیں ہوگی اور جتنے مؤمنین ہیں وہ ہوا ان تمام کی ارواح کو قبض کرلے گی۔ اس ہوا سے تمام مؤمنین کی روح قبض ہو جائے گی۔ روئے زمین پر جو جو مؤمن زندہ ہوگا سب کو موت آجائے گی۔ اب جو دنیا میں باقی رہ جائیں گے، وہ سارے کافر ہوں گے چنانچہ حدیث ہی میں آتا ہے کہ قیامت دنیا کے بدترین انسانوں پر قائم ہوگی اور قیامت اس وقت آئے گی، جب روئے زمین پر کوئی اللہ کا نام لینے والا باقی نہیں رہے گا، کوئی اللہ اللہ کہنے والا نہیں ہوگا۔ اس وقت قیامت آئے گی، یہ بشارت ہے مؤمنین کیلئے کہ اللہ تعالیٰ مؤمنین کو یہ خوفناک منظر نہیں دکھائے گا، وہ صرف کافروں ہی کیلئے مقرر ہے۔

وآخر دعوانا ان الحمد للّٰہ رب العالمین!

☆......☆......☆

فتح وکامرانی کا پانچ نکاتی فارمولا

موضوع: فتح وکامرانی کا پانچ نکاتی فارمولہ

خطاب: مفتی اعظم پاکستان مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی مدظلہ

بمقام: جامع مسجد دارالعلوم کراچی

ضبط وترتیب: مولانا محمد شعیب سرور

﴿فتح وکامرانی کا پانچ نکاتی فارمولہ﴾

﴿الحمد للّٰہ ونستعینہ و نستغفرہ و نعوذ باللہ من شرورنا انفسنا ومن سیات اعمالنا من یھدہ اللّٰہ فلامضل لہ و من یضلل فلا ھادی لہ نشھد ان لا الہ الا اللّٰہ ونشھد ان محمدا عبدہ و رسولہ اما بعد فاعوذ باللہ من الشیطن الرجیم بسم الرحمن الرحیم. "یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اِذَا لَقِیْتُمْ فِئَۃً فَاثْبُتُوْا وَاذْکُرُو اللّٰہَ کَثِیْرًا لَّعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ وَ اَطِیْعُو اللّٰہَ وَ رَسُوْلَہٗ وَلاَ تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَ تَذْھَبَ رِیْحُکُمْ وَاصْبِرُوا اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الصَّابِرِیْنَ﴾ (انفال: ۴۶/۴۵)

"اے ایمان والو! جب تم کافروں کی کسی جماعت سے نبرد آزما ہوتو مضبوطی سے جمے رہو اور کثرت سے اللہ کا ذکر کرو اور آپس میں جھگڑا مت کرو ورنہ تم بزدل ہو جاؤ گے اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی اور ایسے حالات میں صبر سے کام لیا کرو۔ بے شک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔"

تہذیبوں کی جنگ کا آغاز ہو چکا ہے

بندگان محترم و برادران عزیز:

اس وقت پورا عالم اسلام ایک عالم کفر کے مقابلے پر کھڑا ہوا ہے اور بعض عالمی طاقتیں تہذیبوں کی جنگ کا آغاز کر چکی ہیں اگرچہ وہ زبان سے اس کا انکار کرتی ہیں لیکن عملاً تہذیبوں کی جنگ یعنی کفر و اسلام کی جنگ شروع ہو چکی ہیں۔ آپ اس جنگ کے مظاہر افغانستان، فلسطین اور عراق میں دیکھ سکتے ہیں۔ اور کشمیر میں ہندوستان کو اپنی مغربی طاقتوں سے تقویت مل رہی ہے بوسنیا میں جو ہوا وہ بھی زیادہ دیر کی بات نہیں ہے اور تاجدار کونین ﷺ کی شان اقدس میں جو گستاخی کی گئی جس میں کئی یورپی ممالک شریک تھے وہ ایسی شرمناک بات تھی جو پورے عالم اسلام کے لئے ناقابل برداشت تھی۔ اگر ہمارے اندر کچھ طاقت ہوتی تو ہم ان کو جواب دیتے۔

جنگ کا جواب مذاکرات سے نہیں دیا جاتا

ان کفریہ طاقتوں کو کبھی بھی مذاکرات اور گول میز کانفرسوں میں جواب کافی نہیں ہوا ہے یہ لاتوں کے بھوت ہیں جو باتوں سے نہیں مانتے۔ آپ پورے پاکستان کی تاریخ دیکھ لیجئے پاکستان کو کبھی بھی مذاکرات سے فائدہ نہیں ہوا ہے اگر ہمیں کچھ ملا ہے تو جانیں دے کر ملا ہے۔

کشمیر کے جتنے حصے کو ۴۸ء میں مجاہدین نے جان ہتھیلیوں پر رکھ کر فتح کر لیا تھا آج بھی اتنا حصہ ہی ہمارے پاس ہے۔ ہمیں اس کے بعد سے آج تک ایک انچ بھی مذاکرات سے نہیں مل سکا۔ اور یہی نسخہ ہمیں قرآن مجید نے بتایا تھا کہ:

﴿وأعدُّوا لَهُمْ مَا اسْتَطَعْتُمْ مِنْ قُوَّةٍ﴾

"تم سے جتنی طاقت بھی ہو سکے تو ان دشمنوں کیلئے تیار رکھو۔"

اللہ تعالیٰ عامر چیمہ شہید رحمۃ اللہ علیہ کے درجات بلند کرے وہ نوجوان تھا اپنے ماں

باپ کا اکلوتا بیٹا تھا پڑھا لکھا، ذہین اور سمجھدار انسان تھا۔ اس کو بھی دنیا کی زندگی اور اس کی لذتوں کی تمنا تھی اس کے جذبات بھی تھے لیکن وہ ناموس رسالت ﷺ کی خاطر اپنی جان پر کھیل گیا پھر ان مغربی طاقتوں سے جنہیں اپنی قوت پر بڑا گھمنڈ ہے۔ انسانی حقوق کے دعویدار ہیں اور دنیا کو انسانی حقوق کا درس دینا چاہتے ہیں اپنی خباثت کا اظہار...... اس طرح کیا کہ عدالت کے فیصلے کے بغیر بڑی عیاری کے ساتھ تشدد کر کے اس قابل فخر نوجوان کو شہید کر ڈالا۔ اگر ہمارے پاس قوت ہوتی تو ہم ان کو جواب دیتے اور اس کا جواب فون کے ذریعے یا مذاکرات کی میز پر نہیں بلکہ اس کا جواب میدان جنگ میں دیا جاتا ہے۔ ہمارے اسلام کی پوری تاریخ یہی بتا رہی ہے کہ ہمارے اسلاف نے اس قسم کے واقعات کا جواب ہمیشہ میدان جنگ میں دیا ہے۔ کیونکہ اس کا علاج ہی یہی ہے آپ ان سے جتنا دبیں گے یہ اتنا ہی آپ کو دباتے جائیں گے اگر ان کے سامنے سینہ تان کے بات کرو گے تو ان کو کچھ سمجھ بھی آئے گا۔

اب امریکہ بھی اپنے سارے معاملات طاقت کے ذریعے سے ہی حل کروا رہا ہے۔ یہ اقوام متحدہ کے ذریعے سے حل نہیں کروا رہا اور نہ ہی قراردادوں کے ذریعے سے معاملات حل کروا رہا ہے وہ واسطہ کے بل بوتے پر جس کی لاٹھی اس کی بھینس کے اصول پر عمل کر رہا ہے۔ اور دنیا کا کوئی قانون اس کا ساتھ نہیں دے رہا، نہ اخلاقیات اس کا ساتھ دے رہی ہیں اور نہ اقوام متحدہ کا چارٹر اس کی حمایت کر رہا ہے۔

دین اسلام تو یہ بات نہیں سکھاتا کہ طاقت کے نشے میں آ کر انصاف کو چھوڑ دیا جائے۔ البتہ اتنا ضرور سکھاتا ہے کہ طاقت کا جواب طاقت سے دو۔ اگر طاقت کا جواب بزدلی سے دو گے تو تم اور دبتے جاؤ گے۔ اور دوسری اقوام تم پر مسلط ہوتی جائیں گی۔

کفر چار محاذوں پر حملہ آور ہے

تو اس وقت عالم اسلام اور عالم کفر دونوں آمنے سامنے ہیں اور کچھ بیرونی

طاقتیں بغیر اعلان کیے سرد جنگ کا آغاز کر چکی ہیں اور چار بڑے محاذوں پر جنگ جاری رکھے ہوئے ہیں اور ایک ساتھ چار میدانوں مسلمانوں پر حملہ آور ہو رہی ہیں۔ ایک میدان، جنگ اور اسلحہ کا میدان ہے۔ دوسرا میڈیا کا میدان ہے تیسرا اکنامک اور معاشیات کا میدان ہے اور انہوں نے چوتھا میدان جو گرم رکھا ہے وہ لڑاؤ اور حکومت کرو کا راستہ ہے۔

اسلامی ممالک میں کبھی قومیت کی بنیاد پر کبھی شیعہ سنی کے نام پر اور کبھی فرقہ واریت کے نام پر لڑائیاں کراتے ہیں یاد رکھیں لڑائیاں کرانے والے، جو کبھی سنیوں کے مسجد پر حملہ کروا دیتے ہیں کبھی شیعوں کے امام بارگاہوں پر حملہ کرا دیتے ہیں اگر چہ ان کے نام مسلمانوں کے ہوں یہ درحقیقت انہی کفریہ طاقتوں کے ایجنٹ ہیں۔ اور یہ سب ایک ہیں نہ سنی ہیں نہ شیعہ ہیں بلکہ ان سب کے دشمن ہیں جو ان کے اشارے پر یہ کام کرتے ہیں۔ ابھی جب امریکہ کی عراق میں زبردست پٹائی ہونے لگی تو وہاں شیعہ سنی جھگڑا کھڑا کر دیا ''یہ لڑاؤ اور حکومت کرو'' ان کا بنیادی اصول ہے انہوں نے اس اصول کے ذریعے ہندوستان پر ڈیڑھ سو سال تک حکومت کی ہے اور پورے عالم اسلام پر بھی اسی طرح حکومت کی ہے۔

فتح کا پانچ نکاتی فارمولہ

تو اس وقت عالم اسلام اور عالم کفر کے درمیان چار محاذوں پر جنگ جاری ہے تو اس وقت اشد ضرورت ہے کہ قرآن حکیم کے حکم پر عمل کیا جائے قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

﴿یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا لَقِیْتُمْ فِئَۃً فَاثْبُتُوْا وَاذْکُرُوا اللّٰہَ کَثِیْرًا لَّعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ وَ اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَ رَسُوْلَہٗ وَ لَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَ تَذْھَبَ رِیْحُکُمْ وَاصْبِرُوْا اِنَّ اللّٰہَ مَعَ

الصَّابِرِیْنَ﴾

پہلا فارمولہ: ثابت قدمی

یعنی اے ایمان والو! جب تمہارا مقابلہ کسی طاقت سے ہو تو سب سے پہلے ثابت قدم رہو۔ ڈرو نہیں گھبراؤ نہیں انتشار کا شکار مت ہو جائے اپنے ہوش وحواس قائم رکھو اور جذبات اور جوش میں بہہ جانے کے بجائے سوچو، سمجھو اور منصوبے کرو۔ کیونکہ جذبات اور جوش میں آنے والا کبھی ثابت قدم نہیں رہ سکتا۔ جوش کے ساتھ ہوش بھی ہو تو فائدہ ہوتا ہے۔

ہماری شامت اعمال ہے کہ ہمارے یہاں جذباتیت بہت ہے۔ جذباتی باتوں اور جوشیلے نعروں کے پیچھے دوڑنا اور لپکنا ہمارا معمول بن چکا ہے۔ اور جوش میں آکر ہوش کو کھو بیٹھے ہیں حالانکہ جوش کو ہوش کے تابع ہونا چاہیے۔ ہوش کو جوش کے تابع نہیں ہونا چاہیے اسی لئے قرآن کریم نے دشمن قوتوں کے مقابلے کی پہلی ترکیب یہی بتائی ہے کہ ڈرو نہیں، اللہ پر بھروسہ کرو اور ثابت قدم رہو۔

دوسرا فارمولہ: اللہ تعالیٰ کا ذکر

دوسری بات یہ ارشاد فرمائی ہے اللہ کا ذکر کثرت سے کرو۔

دیکھئے یہ اللہ رب العلمین خود فرما رہے ہے کہ اللہ کا ذکر کثرت سے کرو۔ یہ کسی مولوی کا بتایا ہوا نسخہ نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کا بتایا ہوا کامیابی کا دوسرا نسخہ ہے کہ ثابت قدم رہو اور اللہ کا ذکر کثرت سے کرو۔

قرآن حکیم کا مزاج

قرآن کریم کی عادت ہے کہ جب کسی مشکل کام کا حکم دیتا ہے تو اس کے ساتھ ہی کسی ایسے کام کا حکم بھی دے دیتا ہے جس سے وہ مشکل کام آسان ہو جاتا ہے۔

مثلاً اب کوئی بڑا طاقت ور دشمن ہے اس کے مقابلے میں ثابت قدم کیسے رہا جائے؟ کیونکہ ہمت ٹوٹ سکتی ہے، دہشت سوار ہونے کا قوی امکان ہے تو نسخہ بتا دیا کہ:
واذکروا اللہ کثیرا: یعنی اللہ کا ذکر کثرت سے کرو۔

پھر اللہ تعالیٰ تمہیں ثابت قدم بھی رکھے گا تمہارے قدموں کو جما دے گا تمہیں ہمت اور صبر بھی دے گا اور تمہیں بہادری اور جرأت بھی عطا کرے گا جس سے تمہارے لئے قدموں کو ثابت قدم رکھنا آسان ہو جائیگا۔

تیاری بھی ضروری ہے!

اسی آیت کریمہ سے یہ بات بھی معلوم ہو رہی ہے کہ صرف ذکر اللہ کر کے ہاتھوں پر ہاتھ رکھ کر بیٹھنا درست نہیں ہے بلکہ دشمن کے مقابلے کے لئے اپنے آپ کو تیار کرنا اور پھر مقابلے کے وقت دشمن کے سامنے ڈٹنے کی کوشش کرنا بھی ضروری ہے اور رسول اللہ ﷺ کی سیرت طیبہ سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے جہاد سے پہلے جہاد کی تیاری بھی کروائی ہے۔

تو جب تیاری کے ساتھ ساتھ ذکر اللہ بھی ہوگا تو دلوں کو اطمینان نصیب ہو جائے گا اس کو قرآن کریم نے بیان فرمایا ہے کہ اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ۔ کہ دلوں کو اطمینان اللہ تعالیٰ کے ذکر سے ہی ملتا ہے۔

اس آیت مبارکہ سے ایک عمومی قانون معلوم ہو رہا ہے کہ ذکر اللہ کے ساتھ ساتھ تمام کام کرنے چاہئیں۔ اور جس شعبے کے جو فرائض منصبی ہوں ان کو ادا کرنے کی پوی کوشش کرنی چاہیے۔ مثلاً آپ تاجر ہیں تو تجارت کریں اور ساتھ ہی ذکر اللہ بھی کرتے رہیں اگر آپ مزدور ہیں تو مزدوری بھی کرتے رہیں اسی طرح اگر آپ مبلغ یا مجاہد ہیں تو تبلیغ اور جہاد بھی کرتے رہیں لیکن ساتھ ساتھ اللہ کے ذکر کو نہیں چھوڑنا چاہیے۔ بلکہ ان کاموں کے ساتھ ساتھ کثرت سے اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے رہنا چاہیے۔ اور جب

کثرت سے ذکر بھی ہوگا تو دل کو قوت ملے گی اور قوت سے اطمینان ملے گا اور اطمینان سے ثابت قدم رہنا اور تکالیف اور مصائب کو برداشت کرنا آسان ہو جائے گا۔

اگر تیاری اور فرائض منصبی کی ادائیگی کے ساتھ ذکر نہیں ہوگا تو پاؤں اکھڑنے لگ جائیں گے۔ آپ بزدلی کا شکار ہو کر دشمن کے سامنے جھک جائیں گے۔ اور دشمن کی حکومتیں آپ پر مسلط ہو جائیں گی۔ تو گویا دشمن سے مقابلے کا دوسرا فارمولہ ذکر کی کثرت کو بتایا گیا ہے۔

تیسرا اور چوتھا فارمولہ: اللہ اور رسول کی اطاعت

دشمن قوتوں سے مقابلے کا تیسرا فارمولہ یہ بیان فرمایا گیا ہے کہ:

﴿وَ اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ﴾

''اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرو۔''

یعنی اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے تمہیں جن چیزوں کا حکم دیا ہے انہیں کرو اور جن کاموں سے تمہیں منع کیا ہے ان سے رک جاؤ۔ اسی کا نام اطاعت ہے اور اس ایک مختصر سے جملے کے اندر مامورات اور منہیات داخل ہو جاتی ہیں۔

پانچواں فارمولہ: آپس میں جھگڑے سے بچنا

کامیابی اور غلبے کے لئے پانچواں نسخہ جو بیان فرمایا گیا ہے وہ یہ ہے کہ:

﴿ولا تنازعُوا﴾

''آپس میں پھوٹ مت ڈالو اور ایک دوسرے سے جھگڑا مت کرو۔''

کیونکہ اگر تم آپس میں پھوٹ ڈالو گے، اور ایک دوسرے سے لڑتے جھگڑتے رہو گے تو اس کا نقصان عظیم یہ ہوگا کہ فتفشلوتم کمزور ہو جاؤ گے۔ ''وتذھب ریحکم'' اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی اور دشمن کے دلوں سے تمہارا خوف نکل جائے گا جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ دشمن تم پر غالب آ جائے گا۔

تو قرآن کریم کا غلبے اور کامیابی کے لئے بتایا ہوا پانچ نکات پر مشتمل فارمولہ اور نسخہ یہی ہے۔

پانچوں نکات کا خلاصہ: ''صبر''

اور اس پانچ نکاتی فارمولے کا خلاصہ یوں بیان کیا گیا ہے کہ:

﴿وَاصْبِرُوْا اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصَّابِرِيْنَ﴾

اور صبر سے کام لو بے شک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔ تو گویا ثابت قدمی، ذکر اللہ، اللہ کی اطاعت رسول ﷺ کی اطاعت اور تنازع نہ کرنا، ان پانچوں کاموں کا خلاصہ صبر ہے۔

کیونکہ دشمن کے مقابلے میں ثابت قدم رہنے میں بھی صبر کی ضرورت ہوتی ہے۔، اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت میں بھی صبر سے کام لینا پڑتا ہے۔ کیونکہ اطاعت میں بہت سارے کاموں کو کرنا پڑتا ہے اور بہت سارے کاموں کو چھوڑنا پڑتا ہے اس لئے اللہ اور رسول اللہ ﷺ کی اطاعت بھی درحقیقت صبر ہی کا ایک حصہ ہے اور جہاں تک تعلق ہے تنازع سے بچنے کا تو وہ بھی صبر کے بغیر ممکن نہیں ہے۔

غلبے سے محرومیت کا سبب

آج ہمیں کامیابی نہیں مل رہی اور ہم غلبے سے محروم ہیں اس کی یہی وجہ ہے کہ آج ہم نے اس پانچ نکاتی فارمولے کو چھوڑ رکھا ہے اور سب سے پہلا حکم جو ثابت قدم رہنے کا تھا وہ حکم ہم سے ترک ہوگیا ہے تو جیسا کہ میں نے پہلے عرض کیا ہے کہ ہماری کمزوری کو دیکھتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے ثابت قدمی کو آسان بنانے کے لئے حکم دے دیا ہے کہ واذکروا کہ ذکر کرتے رہے اس سے ثابت قدم رہنا آسان ہو جائے گا۔

ذکر اللہ کے آسان طریقے

اب ذکر اللہ کی آسان صورت کیا ہے؟ تو اس کے متعلق ہمارے شیخ حضرت ڈاکٹر عبدالحی عارفی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے نہایت آسان طریقہ بیان فرمایا ہے۔

وہ یہ کہ چار کاموں کو اختیار کر لیا جائے تو ہر لمحہ ذکر میں مشغول رہنا آسان اور ممکن ہو سکتا ہے۔

پہلا طریقہ: ''شکر''

ان چار کاموں میں سے پہلا کام شکر ہے شکر کی اصل تو یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کی نعمتوں کو اس کی معصیت میں استعمال نہ کیا جائے اور زبان سے شکر ادا کرنے کے ساتھ ساتھ دل سے اس ذات اقدس کے احسانات کو مانا جائے لیکن شکر کا ایک آسان نسخہ یہ ہے کہ صبح سے لے کر شام تک ہماری روز مرہ کی زندگی میں جتنے کام ہماری مرضی کے مطابق ہوں چاہے وہ کام دین کا ہو یا دینا کا کام ہو تو الحمد اللہ کہہ دیا کریں۔

اگر ہم سوچیں گے ایک تو نہیں بلکہ ہزاروں باتیں ایسی ہوتی ہیں جو ہماری مرضی کے مطابق ہوتی ہیں تو ہر دفعہ میں الحمد اللہ کہہ کر شکر ادا کرنا چاہیے۔

کتاب اللہ کا آغاز الحمد للہ سے......

اگرچہ ہمارے نزدیک صرف ''الحمد للہ'' کہنا کوئی بڑی بات نہیں ہے مگر اللہ کے نزدیک اس کلمے کی بہت بڑی اہمیت ہے اس بات کا اندازہ اس سے لگائیں کہ اللہ تعالیٰ نے جتنی کتابیں اور صحیفے نازل کیے ہیں ان میں سب سے آخری اور سب سے عظیم الشان کتاب قرآن مجید ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس بے مثل کتاب کا خلاصہ اور دیباچہ سورۃ فاتحہ کو بنا دیا ہے جو تمام مضامین قرآنیہ کا خلاصہ ہے اور اس خلاصے اور دیباچے کو ''الحمد للہ'' سے شروع فرمایا ہے۔ آخر کچھ تو بات ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کلمہ کو اتنا پسند فرمایا ہے کہ اس

سے کتاب اللہ کا آغاز کیا ہے.........؟

اہل جنت اور شکرِ خداوندی

اسی طریقے سے جب اہل جنت، جنت میں چلے جائیں گے تو ان کے ذمے سے ساری عبادتیں ختم کر دی جائیں گی لیکن حدیث میں آتا ہے کہ شکر ایک ایسی عبادت ہے کہ جو اہل جنت کی زبانوں پر غیر اختیاری طور پر جاری رہے گا۔ اور اہل جنت بغیر ارادے کے الحمد للہ اور دیگر حمد و ثناء کے کلمات سے شکر خداوندی ادا کرتے رہیں گے۔

شکر نعمتوں میں اضافے کا ذریعہ

شکر ایسی چیز ہے جس سے نعمتوں میں اضافہ ہوتا ہے کیونکہ قرآن کریم کا وعدہ ہے کہ: ﴿لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيْدَنَّكُمْ﴾ اگر تم شکر کرو گے تو میں تمہیں اور دوں گا۔

تو گویا جو انسان یہ چاہتا ہو کہ اللہ تعالیٰ اس کو مزید نعمتیں عطا فرمائیں تو اس کو اللہ تعالیٰ کا شکر کثرت سے ادا کرنا چاہیے۔ اس طرح جہاں نعمتوں میں اضافہ ہوگا وہاں واذکر اللہ کثیراً پر عمل بھی ہوگا جس سے ثابت قدمی نصیب ہوگی۔

ذکر اللہ کا دوسرا آسان طریقہ: ''صبر''

کثرت سے اللہ کا ذکر کرنے کا دوسرا آسان طریقہ یہ بیان فرمایا کہ روزمرہ زندگی میں کئی کام ایسے بھی ہوتے ہیں جو ہماری مرضی کے خلاف ہوتے ہیں۔ تو جب بھی کوئی کام ہماری مرضی کے خلاف ہو مثلاً کوئی پریشانی آ جائے، خدانخواستہ کوئی تکلیف پہنچ جائے۔ کوئی دکھ لاحق ہو جائے الغرض ہماری چاہت کے خلاف کوئی بھی کام ہو تو فوراً انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھ لینا چاہیے۔

قرآن مجید نے ہمیں یہی بتایا ہے کہ اہل ایمان انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھ کر صبر حاصل کرتے ہیں۔ اس سے بھی معلوم ہوا کہ انا للہ وانا الیہ راجعون صرف کسی کے انتقال کے وقت کے ساتھ خاص نہیں ہے بلکہ ہر ایسے موقع پر پڑھا جاتا ہے جب انسان کو کوئی ادنیٰ سی بھی تکلیف یا پریشانی لاحق ہو۔

ذکر اللہ کا تیسرا آسان طریقہ: ''استغفار''

کثرت سے اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے کا تیسرا طریقہ حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے یہ بیان فرمایا کہ اگر ہم غور کریں تو صبح سے شام تک ہمارے بہت سے کام ایسے ہوتے ہیں جو شریعت کے خلاف ہوتے ہیں تو جب بھی کوئی کام خلاف شرع ہو جائے تو فوراً استغفر اللہ کہہ دینا چاہیے۔

مثلاً راہ چلتے کسی غیر محرم کی طرف قصداً دیکھ لیا یا بغیر ارادے کے نگاہ پڑی مگر نگاہ فوراً نہیں ہٹائی تو گناہ ہو گیا یا دوران گفتگو کوئی خلاف شرع بات زبان سے نکل گئی، یا کسی کو ناجائز طریقے سے چھولیا یا کان بہک گئے اور ناجائز باتیں اور گانے سن لیے یا کبھی دل سے غلط ارادہ کرلیا، یا پاؤں ناجائز کام کی طرف اٹھ گئے الغرض جب بھی کوئی گناہ سر زد ہو جائے تو استغفر اللہ کہنے کی عادت ڈال لیں۔ کہ یا اللہ مجھ سے گناہ ہو گیا ہے مجھے معاف فرما دیجئے۔ اگر ہم اس کی عادت ڈال لیں تو ہم معافی مانگتے رہیں گے اور گناہ معاف ہوتے رہیں گے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ میں معافی مانگنے والوں کو معاف کر دیتا ہوں۔

البتہ بندوں کے حق تلفیاں اس سے معاف نہیں ہوتیں۔ ان کی معافی کے لئے صاحب حق سے معاف کروانا ضروری ہے۔ لیکن اگر ہم غور کریں تو ہمارے صغیرہ گناہ بھی جو ہر روز صبح سے شام تک ہم سے سر زد ہوتے ہیں وہ بھی لا تعداد ہیں۔ تو استغفار کی عادت ڈالنے سے صغیرہ گناہ بھی معاف ہوں گے اور اللہ تعالیٰ کثرت سے ذکر کرنے

والوں میں ہمارا شمار بھی کرلیں۔

ذکر اللہ کا چوتھا آسان طریقہ: ''استعاذہ''

ذکر اللہ کی کثرت اختیار کرنے کا چوتھا طریقہ استعاذہ ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہنا۔

یعنی دنیا اور آخرت میں جو مشکل پیش آئے یا کوئی خطرہ لاحق ہو تو فوراً دل ہی دل میں اللہ تعالیٰ کی پناہ کے ذریعے سے مدد مانگ لی جائے۔ کہ یا اللہ مجھے فلاں خطرہ لاحق ہے۔ میں آپ کی پناہ میں آتا ہوں۔

اسی طریقے سے شیطان اور نفس کے شر سے بھی اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگی جائے اور انسانوں میں سے بھی جو انسان کے دشمن ہوں ان کے شر سے بچنے کے لئے بھی اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگنی چاہیے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی پناہ دینے والا نہیں ہے۔ تو جب انسان ہر لمحہ اللہ تعالیٰ کی پناہ میں آنے کی درخواست کرتا رہے گا تو اس کو ہر لمحہ اللہ تعالیٰ کی پناہ ملتی رہے گی۔

خلاصہ کلام

اگر ہم ان طریقوں کو اپنالیں تو ہمیں ہر وقت ذکر اللہ کرتے رہنے کی توفیق مل سکتی ہے۔ اور جب اللہ تعالیٰ کی یاد ہر لمحہ حاصل ہوگی تو پھر دشمن کے مقابلے میں ثابت قدم رہنا اور باقی امور پر عمل کرنا بھی آسان ہو جائیگا جو اسلام کے غلبے اور کفر کی مغلوبیت کا پیش خیمہ ثابت ہوگا۔

اللہ تعالیٰ ہمیں عمل کی توفیق عطا فرمائے (آمین)

و آخر دعوانا ان الحمد للّٰہ رب العلمین

خوف و رجا

موضوع: خوف اور رجاء

خطاب: مفتی اعظم پاکستان مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی مدظلہ

مقام: جامع مسجد دارالعلوم کراچی نمبر ۱۴

ضبط و ترتیب: مولانا محمد طلحہ اقبال

﴿خوف اور رجاء﴾

خطبۂ مسنونہ!

الحمد لله رب العالمين والصلوٰة والسلام على سيدنا محمد خاتم الانبياء والمرسلين وعلىٰ اٰله واصحابه اجمعين وعلى كل من تبعهم باحسان الى يوم الدين!

اما بعد!

فاعوذ بالله من الشيطن الرجيم

بسم الله الرحمن الرحيم

عن ابى هريرة رضى الله عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من خاف ادلج ومن أدلج بلغ المنزل ألا ان سلعة الله غالية الا ان سلعة الله الجنة. (ترمذی)

عن عمر بن الخطاب رضى الله عنه قال قدم رسول الله صلى الله عليه وسلم بسبيى، فاذا امرأة من السبيى تسعى، اذا وجدت صبياً فى السبيى أخذته فألزقته ببطنها فأرضعته، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم

أترون هذه المرأة طارحة ولدها في النار، قلنا لا والله، فقال الله ارحم بعباده من هذه بولدها. (بخاری و مسلم)

تمہیدی کلمات:

گزشتہ کئی مجلسوں سے خوف اور رجاء کا بیان چل رہا ہے، اسی سلسلہ کی ایک حدیث یہ ہے جو آرہی ہے۔

ابتداءِ رات میں سفر کرنے کا فائدہ

جو شخص ڈرتا ہے وہ رات کو جلدی چلتا ہے، مطلب یہ ہے کہ جس کو یہ خطرہ ہوتا ہے کہ سفر کرنے میں مجھے کوئی حادثہ یا تکلیف پیش آ جائے گی تو وہ دیر نہیں کرتا رات کو جلدی چل پڑتا ہے اور جو کوئی رات کو جلدی چل پڑے وہ منزل کو پہنچ ہی جاتا ہے کیونکہ یہ وقت ایسا ہوتا ہے کہ اس وقت میں نیند کا غلبہ بھی نہیں ہوتا، اور دشمن کے حملے کے اندیشے بھی کم ہوتے ہیں، جانوروں کے حملوں کا اندیشہ بھی کم ہوتا ہے، برخلاف اخیر شب کے کہ اس میں تھکان زیادہ ہو جاتی ہے لہٰذا جو رات کو جلدی سفر شروع کر دیتا ہے، تو وہ منزل پر عافیت سے پہنچ ہی جاتا ہے، مقصد یہ ہے کہ منزل تک پہنچنے کیلئے کوشش کرنی پڑتی ہے۔

مسافر سے تشبیہ دینے کی وجہ

(حدیث میں) مسافر کی یہ بات تشبیہ (مثال) کے طور پر فرمائی ہے کہ جس طرح مسافر راستہ کی مصیبتوں اور برے انجام سے بچنے کیلئے جلدی چلنے کی کوشش کرتا ہے اور مستعدی و چستی سے کام لیتا ہے۔ اسی طرح جو شخص اللہ سے ڈرتا رہے گا اور آخرت کے عذاب سے ڈرتا ہو گا وہ بھی نیک اعمال میں مستعدی دکھائے گا اور کوشش کرے گا کہ زیادہ سے زیادہ نیک اعمال ہو جائیں، اس میں سستی نہیں کرے گا۔

اس تشبیہ کا حاصل یہ ہے کہ آدمی سفر کے برے انجام سے بچنے کیلئے جس

طرح جلدی سفر شروع کر دیتا ہے اور اس میں سستی نہیں کرتا، اسی طرح آخرت اور قبر کے عذاب سے بچنے کیلئے انسان کو چستی سے کام لینا چاہیے اور اس میں سستی نہیں کرنی چاہیے۔

ہر کام کیلئے محنت ضروری ہے

چاہے دنیا کا کام ہو یا آخرت کا ہر کام کیلئے تھوڑی سی محنت تو کرنی پڑتی ہے، تھوڑی سی قربانیاں تو دینی پڑتی ہیں، کچھ مشقت تو اٹھانی پڑتی ہے، اس کے بغیر کام نہیں چلتا، دنیا کے مقاصد بھی بغیر محنت کے نہیں ملتے، آخرت کے مقاصد بھی محنت کے بغیر نہیں ملتے البتہ دونوں میں اتنا فرق ہے کہ دنیا کے مقاصد حاصل کرنے کیلئے آدمی زیادہ محنت کرتا ہے اور ملتا کم ہے جبکہ آخرت کے مقاصد کیلئے تھوڑی سی محنت کرنی پڑتی ہے اور بہت کچھ کما لیتا ہے، بہر حال کچھ نہ کچھ قربانی دینی پڑتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا سامان مہنگا ہے

آگے فرمایا کہ ''الا ان سلعة الله غالية '' کہ اللہ کا سامانِ تجارت مہنگا ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ جس چیز کو فروخت کر رہے ہیں وہ سستی نہیں ہے، پھر فرمایا کہ وہ چیز جنت ہے، خلاصہ یہ کہ جنت کا سودا نہیں ہو سکتا، قرآن حکیم نے ارشاد فرمایا ہے کہ:

﴿اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَ اَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ﴾

ترجمہ ''کہ اللہ تعالیٰ نے مؤمنین کی جانوں اور مالوں کو جنت کے معاوضہ میں خرید لیا ہے۔

تو اللہ تعالیٰ کا سامانِ تجارت جنت ہے، وہ بندوں کو ان کے نیک اعمال کے بدلہ میں جنت دیتا ہے تو نیک اعمال کیلئے کچھ مشقت تو اٹھانی پڑتی ہے، اللہ ہم سب کو اس کی توفیق دے۔

میدانِ حشر میں انسان کے احوال

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، وہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ "یحشروا الناس یوم القیامة حفاة عراة غرلاً" قیامت کے دن جب انسان قبروں سے دوبارہ زندہ کیے جائیں گے تو وہ ننگے پاؤں، ننگے بدن اور بے ختنہ ہوں گے، خلاصہ یہ کہ جس طرح بچہ ماں کے پیٹ سے پیدا ہوتا ہے کہ نہ پاؤں میں جوتے اور نہ بدن پر کپڑے اور نہ ختنہ ہوئی۔ اسی طرح سے تمام انسان عورتیں بھی ہوں گی اور مرد بھی ہوں گے۔ زبردست ہجوم ہوگا، حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر قیامت تک جتنے انسان نیک و بد، مومن و کافر پیدا ہوئے تھے وہ سب کے سب زندہ کیے جائیں گے۔ کتنا بڑا زبردست اجتماع ہوگا۔ کھربوں انسان ہوں گے، وہ سب ننگے ہوں گے۔

حضرت عائشہؓ کا سوال

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! "الرجال و النساء جمیعا ینظر بعضهم الی بعض" کہ سارے کے سارے مرد و عورت اسی حالت میں ہوں گے اور ایک دوسرے کو دیکھتے ہوں گے۔

حضور علیہ السلام کا جواب

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "الأمر أشد ان یهمهم بذلک" اور دوسری روایت میں ہے کہ "الامر أهم ان ینظر بعضهم الی بعض" وہاں حال ایسا ہوگا کہ اس کی کس کو ہمت ہوگی، اور اس کا کسی کو خیال نہیں آئے گا کہ ایک دوسرے کو دیکھے، نہ دیکھنے کی ہمت ہوگی اور نہ خیال آئے گا، ہر ایک کو اپنی جان کی پڑی ہوگی، کسی کو دوسرے کی طرف دیکھنے کا دھیان نہیں ہوگا کیونکہ وہ ہولناک دن ہوگا۔

اللہ رب العزت کا غصہ

حدیث میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس دن اتنا غضبناک ہوگا کہ اس سے پہلے کبھی غضبناک نہیں ہوا ہوگا اور نہ کبھی اس کے بعد غضبناک ہوگا، جب میدان حساب میں تمام لوگ زندہ کیے جائیں گے تو اس وقت کسی کو کہاں ہوش ہوگا کہ سارے کے سارے ننگے ہیں اور وہ ان کو دیکھے، اللہ تعالیٰ ہمارے دلوں میں آخرت کی صحیح فکر پیدا فرمادے۔ آمین!

میدانِ حساب کی ہولناکی

میدان حساب بڑا ہولناک ہے لیکن یہ ہولناکی انہی لوگوں کیلئے ہے جو اس کی ہولناکی سے دنیا میں ڈرتے نہیں، جو لوگ ڈرتے ہوں گے اور وہاں کیلئے کچھ تیار کرتے ہوں گے، اگر گناہ ہو جائے گا تو معافی مانگتے ہوں گے، توبہ کرتے ہوں گے تو ان کے لیے وہاں (قیامت میں) اللہ کی رحمت استقبال کرے گی۔

چنانچہ قرآنِ حکیم میں ارشاد ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ارشاد ہے کہ آپ میری طرف سے پیغام دے دیجئے کہ:

﴿قُلْ يٰعِبَادِیَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰۤی اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ (الاية)﴾

کہ اے میرے بندو جنہوں نے اپنی جانوں پر اسراف (ظلم) کیا ہے یعنی بہت گناہ کیے ہیں تو بھی اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو، اللہ تعالیٰ تمام گناہوں کو معاف کر دیتا ہے، وہی سب سے زیادہ مغفرت کرنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔

اللہ سے مایوس مت ہو

مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے مایوس ہونا بھی کفر ہے، کتنے بھی گناہ ہو گئے ہیں توبہ کا دروازہ کھلا ہوا ہے، اللہ کی رحمت سے مایوس مت ہو، جب تک آدمی کو موت

کے فرشتے نظر نہیں آتے اس وقت تک اس کیلئے توبہ کا موقع ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے توبہ کر لے۔

توبہ کی حقیقت

توبہ کی حقیقت یہ ہے کہ آدمی اپنے گناہ پر اللہ تعالیٰ کے سامنے شرمندہ ہو جائے اور عزم کرے کہ آئندہ نہیں کروں گا تو یہ توبہ کی حقیقت ہے۔ اس پر اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ معاف فرما دیں گے۔ توبہ سے معاف ہو جائے گا تو مایوسی کی کوئی وجہ نہیں ہے، ڈرنے کی وجہ تو ہے، لہٰذا ڈرنا تو چاہیے لیکن مایوس نہیں ہونا چاہیے، اللہ کی رحمت سے امید رکھو۔

کچھ کرنا ضروری ہے

لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ جاؤ بلکہ کچھ کرنا پڑے گا جیسا کہ پہلے گزرا کہ جس کو نقصانات کا ڈر ہوتا ہے، وہ پہلے سے چلتا ہے، احتیاط کرتا ہے۔ اسی طریقہ سے جسے اللہ کے عذاب کی فکر ہے، وہ بچنے کی کوشش کرتا ہے، اپنے نیک اعمال کو زیادہ سے زیادہ کرنے کی کوشش کرتا ہے، گناہوں سے بچنے کی کوشش کرتا ہے، پھر بھی اگر کوئی گناہ ہو جاتا ہے تو فوراً توبہ و استغفار کرتا ہے، اللہ تعالیٰ نے فرما دیا ''وَ رَحْمَتِیْ وَسِعَتْ کُلَّ شَیْءٍ'' کہ میری رحمت ہر چیز پر حاوی ہے، رحمت کی کمی نہیں ہے، اللہ رب العزت کے پاس مغفرت کی کمی نہیں، ہاں مغفرت مانگنے والا کوئی ہو۔ مانگنے والے چاہئیں دینے والے کے پاس دینے کی کمی نہیں۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے نیکی کا بدلہ

چنانچہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ''مَنْ جَاءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا'' کہ جو شخص کوئی نیکی کا کام کرے گا اس کو دس گنا ثواب ملے گا یعنی اس کے نامۂ اعمال میں اس کا ثواب دس گنا لکھا جائے گا۔ صدقہ آپ نے

ایک روپیہ کیا، نامۂ اعمال میں دس روپے لکھا جائے گا، سو روپے صدقہ کیے نامۂ اعمال میں ہزار روپے لکھا جائے گا، روزہ ایک رکھا نامۂ اعمال میں دس روزے لکھے جائیں گے، حج ایک کیا تو نامۂ اعمال میں دس حج لکھے جائیں گے، دو رکعتیں پڑھیں تو نامۂ اعمال میں بیس رکعتیں لکھی جائیں گی، یہ اللہ تعالیٰ کا کرم ہے، پھر فرمایا "أو أزیـــد" اور ثواب اس سے بھی زیادہ ہو جاتا ہے چنانچہ قرآن کریم میں یہ بھی آیا ہے کہ ایک ایک نیکی کا ثواب سات سو گنا تک زیادہ ہو جاتا ہے اور بعض نیکیوں کے بارے میں فرما دیا کہ ان کا ثواب تو سات سو پر بھی ختم نہیں ہوتا مثلاً روزہ کا ثواب تو اللہ تعالیٰ خود دیں گے، ہم اس کا کوئی حساب نہیں رکھتے، سات سو گنا سے بھی زیادہ دیں دینگے۔ تو اللہ رب العالمین کی رحمت کا تو یہ حال ہے کہ اس کی کوئی حد و انتہا نہیں اور اس کی رحمت ہر چیز پر حاوی ہے، نیکیوں کے بارے میں یہ قانون رکھا کہ کم از کم دس گنا لکھا جائے گا اور زیادہ سے زیادہ کی کوئی حد نہیں ہے۔

برائی کے بدلہ کا اصول

اور گناہ کے بارے میں یہ اصول رکھا کہ "فَجَزَاءُ سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِثْلُهَا" کہ اگر کوئی شخص گناہ کرے گا تو اس کا گناہ ایک ہی لکھا جائے گا۔ یہ اللہ رب العالمین کی رحمت ہے، کرم ہے، ہم بندوں پر کہ گناہ ہو تو ایک لکھا جائے اور نیکی ہو تو کم از کم دس نیکیاں لکھی جائیں گی، پھر فرمایا کہ "أو أغفر" کہ اگر میں چاہوں گا تو اس ایک گناہ کو بھی جو لکھا گیا ہے معاف کر دوں گا۔

اللہ رب العزت کا بندہ سے مغفرت کا معاملہ

فرمایا کہ جو شخص ایک بالشت میرے قریب آتا ہے میں ایک ہاتھ اس کے قریب جاتا ہوں، "فمـن تـقـرب منی شبراً تقربته منه ذراعًا ومن تقرب منی ذراعـاً تـقـربته منه باعاً" اور جو میری طرف ایک ہاتھ بڑھتا ہے میں اس کی طرف دو

ہاتھ بڑھتا ہوں" ومن اتیته یمشی اتیته هرولة "اور جو شخص میری طرف چل کر آتا ہے میں اس کی طرف جھپٹ کر بڑھتا ہوں۔" ومن لقینی بقراب أرض خطیئة لایشرک به شیئی لقیته بمثلها مغفرة "اور جو شخص مجھ سے ملے گا زمین کی بھرائی کے برابر گناہ لے کر (اتنے گناہ ہوں کہ ساری زمین اس کے گناہوں سے بھر جائے) وہ آخرت کے میدان حساب میں میرے پاس آئے گا اس حالت میں کہ وہ میرے ساتھ شریک نہیں کرتا ہوگا تو میں اس سے اتنی ہی مغفرت کے ساتھ ملوں گا۔

گناہوں کا ازالہ کیسے ہو

لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ بس یونہی معافی ہو جائے گی بلکہ مطلب یہ ہے کہ جس کو خوف ہوگا وہ کچھ نہ کچھ کام کرے گا، وہ کم از کم کیا ہے کہ گناہ ہو جائے تو معافی مانگو توبہ کرتے رہو، جب بھی گناہ ہو جائے تو فوراً توبہ کرے تو اللہ تعالیٰ اس کو معاف کر دیں گے۔

حقوق العباد کی معافی نہیں

یاد رکھئے کہ پہلے بھی اس مضمون کی حدیثیں آئی ہیں اور آگے بھی کچھ اور آیات اور احادیث بھی آئیں گی لیکن خوب سمجھ لیجئے کہ یہ سارا کا سارا معاملہ حقوق اللہ میں چلتا ہے، بندوں کے حقوق میں نہیں چلتا کیونکہ بندوں کے حقوق اس وقت تک معاف نہیں ہوتے جب تک کہ بندوں سے یا تو معاف نہ کرایا جائے یا ان کو ان کا حق نہ دے دیا جائے، یہ سب کچھ جو ہے کہ سب معاف ہو جائے گا۔ اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ اپنے حقوق کو معاف کر دے گا جبکہ بندوں کے حقوق اللہ تعالیٰ معاف نہیں کرے گا جب تک کہ بندہ خود ہی معاف نہ کر دے یا اس بندہ کو اس کا حق نہ دلوا دیا جائے۔

اولاد سے ماں کی محبت کا واقعہ

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی جنگ

سے واپس تشریف لائے اور اپنے ساتھ مردوں اور عورتوں پر مشتمل دشمن کے قیدیوں کو بھی لائے، ان میں سے ایک قیدی عورت دوڑتی ہوئی آئی، اچانک اس نے ایک بچہ کو دیکھا جو قیدیوں کے ساتھ تھا، تو اس عورت نے اس بچہ کو پکڑ لیا اور اپنی گود سے چمٹا لیا اور اس کو دودھ پلایا، دوسری بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ واقعہ یوں ہوا تھا کہ جنگ میں اس عورت کا دودھ پیتا تو بچہ گم ہو گیا تھا، تو وہ عورت ان تمام قیدیوں میں اپنے بچہ کو تلاش کرتی بیتاب پھر رہی تھی، تو اس کو ایک بچہ نظر آیا وہ کسی اور عورت کا بچہ تھا، تو اس عورت نے اس بچہ کو اپنی گود سے چمٹایا اور اس کو دودھ پلایا، تو حضور اکرم ﷺ نے فرمایا "**أترون هذه المرءة طارحة ولدها فی النار**" کہ کیا تمہارا گمان ہے کہ یہ عورت اپنے اس بچہ کو جس کی تلاش میں اتنی پریشان و سرگرداں ہے اس بچہ کو آگ میں ڈال دے گی۔ "**قلنا لا واللّٰہ**" (صحابہ کرامؓ نے عرض کیا کہ) ہم نے کہا ہرگز نہیں، بخدا ہمارا یہ گمان نہیں کہ یہ عورت اپنے بچہ کو آگ میں ڈال دے گی۔

اللہ تعالیٰ کی اپنے بندوں سے محبت

تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ "**لاللّٰہ ارحم بعبادہ من هذه بولدها**" خوب سمجھ لو کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر اس سے زیادہ رحم کرنے والا ہے جتنا یہ عورت اپنے بچہ پر رحم کرتی ہے یعنی جتنی رحمت اس عورت کو اپنے بچہ پر ہے اس سے کہیں زیادہ رحمت اللہ تعالیٰ کو اپنے بندوں پر ہے، لہٰذا وہ اپنے بندوں کو ایسے ہی جہنم میں نہیں پھینک دیں گے، جہنم میں تو وہی جائیں گے جو جری ہوں گے، اپنے گناہوں پر شرمندہ نہیں ہوتے ہوں گے، توبہ واستغفار نہ کرتے ہوں گے اور اگر گناہ ہو جائے تو اس کی تلافی کی کوشش نہ کرتے ہوں گے تو ایسے لوگ جہنم میں جائیں گے ورنہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو جہنم میں کیسے پھینکے گا، اس کو تو ماں باپ سے بدرجہا زیادہ محبت اپنی مخلوق سے ہے۔ اس نے ہمیں پیدا کیا ہے، وہی ہمارے پالنے والے ہیں، وہ ہمیں جہنم میں ایسے ہی تھوڑا پھینک دیں

گے، بہت ہی کوئی مجرم ہوگا تو وہ پھینکا جائے گا۔

سب سے بڑا مجرم کون ہے

سب سے بڑا مجرم وہ ہے جو اپنے گناہ کو گناہ نہ سمجھے، اپنے گناہ پر شرمندہ نہ ہو، اپنے گناہ کی اللہ تعالیٰ سے معافی نہ مانگے، اپنے گناہ سے توبہ نہ کرے لیکن جو شخص ڈرتا رہے اور معافیاں مانگتا رہے تو وہ گناہ بھی کرتا رہے گا اور گناہ معاف بھی ہوتے رہیں گے۔ اسی میں اگر اس دنیا سے رخصت ہو گیا تو حساب ہوگا۔ اس حساب کے بعد جن کے نیک عمل زیادہ نکلیں گے وہ جنت میں جائیں گے اور جن کے نیک عمل کم نکلیں گے ان کا معاملہ اللہ کی مشیت پر ہے، جس کو اللہ تعالیٰ چاہیں گے، بخش دیں گے اور جس کو چاہیں گے عذاب دیں گے۔

اللہ رب العزت کی رحمت کے حصے

چنانچہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کا اندازہ لگایئے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرما رہے ہیں کہتے ہیں کہ میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت کے سو (۱۰۰) حصے کیے، **"فامسک عنده تسعة و تسعین"** پھر اس سے ننانوے (۹۹) حصے اپنے پاس روک لیے۔ **"وانزل فی الأرض جزواً واحدا"** اور ایک حصہ زمین پر اتارا یعنی جتنی رحمت تھی اس کے سو حصے کیے، اس میں سے ننانوے اپنے پاس روک کر ایک کو دنیا میں اتارا۔ **"ومن ذلک الجزئیة تراحم الخلائق حتی ترفع الدابه حافرها عن بلدها خشیة ان تصیبه"** پس وہ ایک حصہ جو زمین پر اتارا تھا یہی وہ رحمت ہے جو تمام انسانوں اور جانوروں میں ہے، بہائم و حشرات الارض کے اندر جو رحمت کا مادہ ہے یہ وہی ایک حصہ ہے جو ساری مخلوقات میں تقسیم ہوا۔ انسانوں میں، جنات میں حتیٰ کہ جتنے جاندار ہیں ان میں وہ حصہ تقسیم ہوا جس کی بدولت ایک انسان دوسرے انسان پر ایک جانور دوسرے پر رحم کرتا ہے۔ خلاصہ یہ کہ دنیا کے اندر

جتنا رحم کہیں پایا جاتا ہے چاہے وہ انسانوں میں ہو یا جانوروں میں وہ سب اسی ایک حصہ میں سے ہے۔ دیکھو ماں اپنے بچہ کی، مرغی اپنے بچہ کی، بکری اپنے بچہ کی کیسے حفاظت کرتی ہے[1] تو کتنی رحمت ماں کے دل میں ہوتی ہے، باپ کے دل میں ہوتی ہے، بھائیوں کے دل میں ہوتی ہے، رشتہ داروں کے دل میں ہوتی ہے، اسی طرح ایک انسان کے دل میں بھی دوسرے انسان کا رحم ہوتا ہے، اسی طرح جو جانوروں کا رحم ہوتا ہے یہ سارا کا سارا ایک وہی حصہ ہے جس کو اللہ نے تقسیم کیا ہے۔ پوری دنیا میں تو اس کے ذریعہ مخلوقات ایک دوسرے پر رحم کر رہی ہیں اور رحمت کے بقیہ ننانوے حصہ اللہ رب العزت نے اپنے پاس اپنے واسطہ رکھے ہوئے ہیں جو اللہ تعالیٰ آخرت میں اپنے بندوں کو دے گا اور دوسری روایت میں ہے ''**وأخر اللہ تعالیٰ تسعة و تسعین رحمة**'' کہ ننانوے رحمتیں اللہ تعالیٰ نے روک رکھی ہیں جن کے ذریعہ وہ اپنے بندوں پر قیامت کے دن میدان حساب میں اور پھر جنت میں رحم فرمائے گا، اب اندازہ کرلیں اللہ تعالیٰ کی رحمت کیسی ہے، اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے ہمیں ہمیشہ مالا مال رکھے۔ آمین!

قبر کے سوالات

قبر کے اندر کافر ہو یا مسلمان ہر ایک سے تین سوال ہوتے ہیں۔ پہلا سوال ''**من ربک؟**'' کہ تیرا رب کون ہے؟ تجھ کو پالنے والا کون ہے؟ دوسرا سوال ''**وما دینک**'' کہ تیرا دین کیا ہے؟ تیسرا سوال ''**من ھذا الرجل الذی بعث فیکم؟**'' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اشارہ کر کے پوچھا جائے گا کہ جو تمہارے اندر اللہ کا پیغام دے کر بھیجے گئے تھے ان کے بارے میں بتاؤ کہ یہ کون ہیں؟ یہ تین سوال ہیں جو مؤمن

---

[1] یہاں تک کہ جانور اپنا پاؤں اپنے بچہ سے ہٹا لیتا ہے اس خوف سے کہ کہیں میرا پاؤں اسے نہ لگ جائے۔ گائے، بکری وغیرہ کو آپ دیکھتے ہیں کہ جہاں اس کا بچہ قریب آیا وہ فوراً اپنا پاؤں ہٹا لیتے ہیں، یہ کیا ہے؟ یہ وہی رحمت ہے جو ساری مخلوقات کے کام آرہی ہے۔

ہوگا وہ ان تینوں سوالات کے صحیح جوابات دے گا، جو شخص دنیا کے اندر ان تینوں باتوں پر ایمان رکھتا تھا یعنی اللہ تعالیٰ کو ایک مانتا تھا، اپنے رب کو ایک مانتا تھا، دین اسلام کو دین حق سمجھتا تھا اور رسول اللہ ﷺ پر ایمان رکھتا تھا، ایسے شخص سے قبر کے اندر جب سوال کیا جائے گا تو وہ کلمہ طیبہ ''اشهد ان لا الٰه الا اللّٰه وان محمد رَّسُوْل اللّٰه'' پڑھے گا اور گواہی دے گا چنانچہ قرآن حکیم میں ارشاد ہے ''يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ آمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ فِي الْاٰخِرَة '' اللہ تعالیٰ ثابت قدم رکھیں گے ان لوگوں کو جو ایمان لائے تھے، ان کو قولِ ثابت (قولِ حق) کے ذریعہ دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی، جو لا الٰه الا اللّٰه کے کلمہ پر ایمان رکھتے ہوں گے اور زبان سے اقرار کرتے ہوں گے تو اللہ تعالیٰ ان سوال وجواب میں ان لوگوں کو ثابت قدم رکھے گا۔ منکر نکیر جب سوال کریں گے، تو وہ جوابات بھی صحیح دے گا۔

کافر کے نیک اعمال کا حساب

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا ''ان الكافر اذا عمل حسنة اطعم بها طعمة فی الدنيا'' جب کافر کوئی نیک عمل کرتا ہے تو اس کے عوض اس کو دنیا ہی میں کوئی نعمت دے دی جاتی ہے کیونکہ کافر بھی نیک عمل کرتے ہیں مثلاً غریبوں کو کھانا کھلاتے ہیں، راستہ بھولے ہوئے آدمی کو راستہ بتلا دیتے ہیں، پڑوسیوں کے ساتھ حسن سلوک کرتے ہیں، رشتہ داروں کے ساتھ احسان کا معاملہ کرتے ہیں، مریضوں کی خدمت کرتے ہیں، غریبوں کی مدد کرتے ہیں وغیرہ بے شمار نیکیاں ہیں جو کافر بھی کرتے ہیں۔ اگرچہ وہ ایمان نہیں رکھتے لیکن چونکہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ظلم نہیں ہے بلکہ عدل وانصاف ہے اس لیے اعلان کر رکھا ہے کہ کافر کی نیکی کو بھی بیکار نہیں جانے دیں گے۔

مؤمن کے نیک اعمال کا حساب

دوسری طرف مؤمن کے نیک اعمال کا حساب اس طرح ہوگا ''واما المؤمن

فان اللہ تعالیٰ یدخر لہ حسناتہ فی الاٰخرۃ '' کہ مؤمن کی نیکیوں کو اللہ تعالیٰ آخرت کیلئے ذخیرہ کر کے محفوظ رکھتا ہے۔ ''ویعقبہ رزقاً فی الدنیا علی طاعتہ ''اور (مؤمن) کی بندگی، اطاعت وفرمانبرداری پر دنیا میں بھی اس کو رزق دیتا ہے۔ حاصل یہ نکلا کہ نیک عمل مسلمان کا ہو یا کافر کا کبھی بیکار نہیں جاتا۔ مسلمانوں کا معاملہ تو یہ ہے کہ اسے نیک عمل کرنے پر آخرت میں بھی ثواب ملے گا اور دنیا میں بھی نیکیاں ملیں گی جبکہ کافر کا معاملہ یہ ہے کہ آخرت میں تو اس کو کچھ ملنے والا نہیں لیکن جتنی نیکیاں اس نے دنیا میں کیں، اس کا بدلہ اس کو دنیا میں ہی مل جائے گا تو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ نے حساب بتا دیا ہے کہ کافر کا دنیا میں ہی حساب پورا کر دیں گے تا کہ آخرت میں اس کا کوئی مطالبہ باقی نہ رہے۔

ایک سبق آموز واقعہ

ہمارے مرشد حضرت مولانا مسیح اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ایک حکایت سنائی کہ ایک شخص موت کے بالکل قریب تھا، تو مرتے وقت اس کا زیتون کا تیل یا شہد کا دل چاہا اور وہ شہد اس کمرے کے طاق میں رکھا ہوا تھا، اس کا دل چاہا کہ وہ شہد وہاں سے لے لے، چنانچہ اس نے کسی کو اشارہ بھی کیا کہ وہ مجھے دے دو لیکن ابھی وہ استعمال نہیں کر پایا تھا کہ وہ شہد زمین پر گر گیا۔ جس فرشتہ نے یہ کام کیا کہ وہ شہد گرا دیا وہ جب کام مکمل کر کے جانے لگا تو راستہ میں اس کی ملاقات دوسرے فرشتہ سے ہوگئی۔ ایک فرشتہ نے دوسرے سے پوچھا کہ تم کہاں سے آرہے ہو، تو فرشتہ نے کہا کہ زمین پر ایک مسلمان مر رہا تھا، مرتے وقت اس کا دل چاہا کہ وہ شہد کھالے، اس کے لیے اس نے کوشش بھی کی لیکن مجھے اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ جا کر اس کو گرا دو، تو میں شہد کو زمین پر گرا کر آرہا ہوں تا کہ وہ پی نہ سکے۔ اس نے پوچھا کیوں؟ فرشتہ نے کہا مجھے ''کیوں'' کی خبر نہیں، مجھے تو اللہ تعالیٰ کا حکم یہی تھی کہ یہ کام کر کے آؤ، اللہ تعالیٰ نے حکم دیا تھا کہ اس کو شہد نہیں پینے دینا

جا کر اس کو گرادو، تو اس کے پینے سے پہلے طاق میں رکھا ہوا شہد گر گیا۔

دوسرے فرشتہ نے اس فرشتہ سے پوچھا کہ تم کیا کر کے آرہے ہو؟ (فرشتہ نے) کہا کہ عجیب بات ہے! میں ایک یہودی کے پاس سے آرہا ہوں، وہ بھی مرنے والا ہے بلکہ اب تو شاید مر بھی گیا ہوگا، مرتے وقت اس کا دل مچھلی کھانے کو چاہا، اس نے گھر کے اندر ایک حوض بنا رکھا تھا جس میں اس نے مچھلیاں پال رکھی تھیں لیکن اس میں مچھلیاں ختم ہوگئیں۔ گھر والوں سے اس نے کہا کہ ذرا جا کر دیکھو کہ اگر کوئی مچھلی اس میں باقی ہو تو اس کو نکال کر پکا دو، تو اللہ تعالیٰ نے مجھے بھیجا تھا کہ اس کے حوض میں مچھلی ڈال کر آجاؤ تاکہ مرتے وقت اسے مچھلی مل جائے تو میں اس کے حوض میں مچھلی ڈال کر آرہا ہوں، اس فرشتہ نے پوچھا کہ اس کی کیا وجہ ہے، فرشتہ نے جواب دیا کہ وجہ تو مجھے معلوم نہیں، مجھے تو یہ حکم دیا گیا تھا کہ یہ کام کر کے آنا ہے۔

سبب سے متعلق اللہ سے سوال

اللہ تعالیٰ تو سب جانتے ہیں لیکن ظاہری طور پر بھی ملائکہ رپورٹیں پیش کرتے ہیں، چنانچہ فرشتہ اللہ تعالیٰ کی خدمت میں پہنچے تو کسی فرشتہ نے پوچھا کہ یا اللہ! آپ کا کوئی حکم کوئی فعل حکمت سے خالی نہیں ہوتا، اس میں کیا حکمت ہے؟ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ حکمت اس میں یہ ہے کہ وہ جو مؤمن مرنے والا تھا اس نے میری بہت سی عبادتیں کی تھیں اور گناہ بھی جتنے ہوئے تھے اس نے سب سے معافی بھی مانگ لی تھی اور توبہ بھی کر لی تھی، البتہ ایک گناہ اس کے ذمہ ایسا باقی تھا کہ نہ اس نے معافی مانگی تھی اور نہ توبہ کی تھی، تو جب اس نے اتنی نیکیاں کر رکھی تھیں، اپنے سارے گناہ معاف کرا رکھے تھے۔ صرف ایک گناہ باقی رہ گیا تھا تو میری رحمت کا تقاضہ یہ ہوا کہ میں اس کو اس ایک گناہ کی وجہ سے عذاب نہ دوں تو میں نے اس گناہ کی تلافی کیلئے یہ کام کیا کہ مرتے وقت جو وہ شہد پینا چاہتا تھا وہ شہد اس کو پینے نہیں دیا اور اس سے اس کو جو تکلیف پہنچی اس کی وجہ سے اس

کا وہ گناہ میں نے معاف کر دیا۔ اب جب وہ میرے پاس آئے گا تو اس کے لیے میرے پاس سوائے ثواب کے کچھ نہیں ہوگا۔ سارا ثواب ہی ثواب ہوگا، رحمت ہی رحمت ہوگی۔

دوسری طرف وہ جو یہودی تھا وہ کافر تھا، میرا دشمن تھا، لیکن اس نے بہت سارے نیک کام بھی کر رکھے تھے، میں اس کے بدلہ میں اس کو نعمتیں دیتا رہا، دیتا رہا، چنانچہ میں نے سب کا بدلہ اس کو دے دیا تھا، مال و دولت بھی دیا، عہدہ بھی دیا، بیوی بچے بھی دیئے، رہنے سہنے کا مکان بھی دیا، زندگی دی، عمر دی، سب کچھ دیا البتہ ایک نیکی ایسی باقی تھی کہ جس کا اجر اسے دنیا میں نہیں ملا تھا، تو میں نے چاہا کہ جب اس کی یہ خواہش ہوئی ہے کہ مچھلی کھائے، تو میں نے مچھلی بھجوا دی تا کہ یہ کھالے اور وہ جو ایک نیکی باقی رہ گئی تھی اس کے بدلہ میں اس کو مچھلی دے دی، اب میرے ذمہ اس کا کوئی اجر و ثواب باقی نہیں اور یہ میں نے اس لیے کیا تا کہ جب وہ میرے پاس آئے تو اس کے لیے میرے پاس سوائے عذاب کے اور کچھ نہ ہو۔

دنیا میں نیک اعمال کا فائدہ

تو خوب یاد رکھئے کہ اس حدیث سے بڑی اہم اور زبردست بات معلوم ہو رہی ہے کہ دنیا میں ہم جو نیک اعمال کرتے ہیں، ان کا فائدہ دنیا میں بھی ہوتا ہے، آخرت میں بھی ہوتا ہے، مؤمن کو اس کے کچھ نیک اعمال کا ثواب دنیا میں مل جاتا ہے اور باقی کا آخرت میں ملے گا اور کافر کو اس کے نیک کاموں کا سارا ثواب دنیا ہی میں مل جاتا ہے۔

دنیا میں کافر ترقی کیوں کر رہا ہے

اس گزشتہ بات سے ایک بہت بڑے اشکال کا جواب بھی سامنے آجاتا ہے، وہ اشکال یہ ہے کہ ہم دنیا کے اندر دیکھتے ہیں کہ کافر قومیں بڑی ترقی کر رہی ہیں، بڑے آرام و راحت سے رہتی ہیں، ملک و مال دولت کی ان کے پاس خوب فراوانی ہے، اتنے اونچے اور شاندار محلات، مکانات ہیں، بازار ہیں شہر ہیں، ترقی یافتہ ممالک ہیں جبکہ

مسلمانوں کا جو حال ہے وہ ہمارے سامنے ہے۔

اس کا جواب واضح ہے کہ وہ (کافر) بہت سارے نیک کام کرتے ہیں، وہ عام طور سے جھوٹ نہیں بولتے ہیں، عام طور سے وعدہ خلافی نہیں کرتے، تجارت میں دھوکہ نہیں دیتے، ناپ تول میں کمی نہیں کرتے، کسی کو بے وجہ تکلیف نہیں پہنچاتے، اس بات کا خیال رکھتے ہیں کہ پڑوسی کو میری آواز سے تکلیف نہ ہو، ان کا یہ مزاج ہم نے آزمایا ہے اور جا کر دیکھا ہے، ان سے اگر کوئی راستہ پوچھے تو وہ اتنی تفصیل سے راستہ بتاتے ہیں کہ آدمی کو پوری طرح راستہ سمجھ میں آجائے اور جب تک بتانے والے کو اطمینان نہ ہو جائے کہ اس نے سمجھ لیا ہے، وہ جاتا نہیں بار بار پوچھتے ہیں کہ آپ نے سمجھ لیا یا نہیں اور اگر اس کو پتہ چل جائے کہ یہ نہیں سمجھا تو وہ ساتھ جا کر اصل جگہ تک چھوڑ کر آتا ہے، کبھی بے تکے انداز سے جواب نہیں دیتا، یہ میں نے امریکہ، جرمنی اور مختلف ممالک میں آزمایا ہے، یہ وہ لوگ ہیں جو کہ اللہ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور قرآن پر ایمان نہیں رکھتے، یہ کافر لوگ ہیں چنانچہ اگر یہ سارے نیک کام ہم بھی کرنے لگیں تو ہمیں بھی دنیا میں بہت کچھ مل جائے گا۔

سبق آموز واقعہ

جرمنی میں ہمارے ایک دوست فرینکفرٹ سے ہمیں دریا کے کنارے، پہاڑ کے دامن میں بہت خوبصورت اور چھوٹے سے قصبہ میں ساتھ لے گئے، وہاں ان کے ایک دوست نے ہماری دعوت کر رکھی تھی، وہ ہمیں لے گئے، جب ہم ان کے اس قصبہ میں پہنچے تو وہاں ان صاحب کا مکان تلاش کرنا تھا، عصر کے بعد کا وقت تھا، کچھ بچے کھیلنے جا رہے تھے، ان میں سے جو لڑکا نسبتاً بڑی عمر کا تھا، اس سے ہمارے میزبان نے جرمنی زبان میں پوچھا کہ فلاں صاحب کا مکان کہاں ہے، وہ فوراً دوسرے بچوں سے علیحدہ ہو کر سوچتا رہا، پھر پوچھا کہ آپ نے نام کیا بتایا، پھر گھر کا نمبر پوچھا، دماغ سے سوچنے کے

بعد اس نے پورا راستہ ہمیں سمجھایا، پھر لڑکوں سے کہا کہ تم لوگ جاؤ اور ہمارے دوست سے پوچھا کہ آپ اچھی طرح سمجھ گئے ہیں یا میں آپ کے ساتھ چلوں، ہمار دوست نے کہا کہ اگر ساتھ چلو تو بہت اچھی بات ہے، اس نے کہا ٹھیک ہے، میں آگے آگے ان چھوٹی چھوٹی گلیوں میں پیدل چل رہا ہوں، آپ پیچھے پیچھے آجائیں اور پھر اس گھر پر پہنچا کر وہ فارغ ہوا۔

ان چیزوں کی تربیت ان کو بچپن سے ملتی ہے، تو یہ کتنا بڑا نیک کام ہے کہ کسی کو راستہ بتلایا جائے، تو اس قسم کی نیکیوں کا ثواب اسے دنیا ہی میں مل جاتا ہے، البتہ آخرت میں کچھ ملنے والا نہیں، بلکہ آخرت میں عذاب ہی عذاب ہے، لیکن دنیا میں چونکہ انہوں نے بہت سارے نیک کام کر رکھے ہیں اور کر رہے ہیں اس کا فائدہ ان کو دنیا ہی میں مل رہا ہے، وہی نیک کام اگر ہم بھی کرنے لگیں گے تو ہمیں بھی وہ سارے فائدے دنیا میں ملنے لگیں گے، دراصل بات یہ ہے کہ ہم اپنے رسول ﷺ کی تعلیمات کو بھلا بیٹھے ہیں، اور یہ کفار جو نیک کام کر رہے ہیں یہ سارے وہی نیک کام ہیں جو حضور اکرم ﷺ نے بتلائے ہیں، چنانچہ اس کا فائدہ وہ تو اٹھا رہے ہیں، لیکن ہم نے چھوڑ دیئے تو ہم فائدہ نہیں اٹھا رہے۔

پنج وقتہ نمازوں کی مثال

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ پانچ نمازوں کی مثال اس بہتے ہوئے گہرے دریا کی سی ہے جو تمہارے گھر کے دروازے سے ملا ہوا ہے اور وہ گھر والا آدمی اس میں روزانہ پانچ مرتبہ نہاتا ہے، یہ حدیث مختصر ہے، دوسری روایت میں مزید تفصیل ہے، وہ یہ کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ تم میں سے کسی کے گھر کے پاس کوئی بہتا ہوا گہرا دریا ہے اور وہ اس میں پانچ مرتبہ غسل کرے تو کیا اس کے بدن پر کچھ میل کچیل باقی رہے گا، تو صحابہ کرامؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ

نہیں رہے گا، آپ نے فرمایا کہ پانچ نمازوں کی مثال بھی ایسی ہی ہے، جو شخص پانچ وقت کی نماز پابندی سے پڑھتا رہے گا اس کا کوئی گناہ باقی نہیں رہے گا، یہاں بھی وہی بات ہے کہ اس سے بندوں کے حقوق معاف نہیں ہوں گے، وہ تو سب کو دینے پڑیں گے لیکن اگر کوئی اور گناہ ہوا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ معاف فرمادیں گے۔

دریا کا پانی صاف ہونا ضروری ہے

یہ بات بھی واضح رہے کہ یہ اس دریا کی بات ہے جس کا پانی صاف ہو، لیکن اگر آدمی نے اپنے دریا کو ہی گندا کر رکھا ہے اور اس میں پانچ مرتبہ نہاتا ہے تو نہانے کے باوجود اس سے گندگی اور میل کچیل دور نہیں ہوگا۔ غور کیا جائے تو ہمارے بہت سے لوگوں کا حال بھی یہی ہے۔ کمائی حرام ہے، لوگوں کے حقوق تلف کرنا، لوگوں سے لڑائی جھگڑے کرنا، ناشکری کرنا، جھوٹ بولنا، وعدہ خلافی کرنا، وغیرہ ان سب چیزوں سے اپنے دریا کو خراب کر رکھا ہے۔ نماز پڑھتے ہیں تو اس میں خضوع وخشوع نہیں اللہ کی طرف دھیان نہیں دنیا کے اندر دماغ الجھا ہوا ہے، دنیا کی ہی گندگیوں میں ذہن لگا ہوا ہے، تو اس کی مثال بھی ایسی ہوگی کہ نہر میں نہاتا تو ہے لیکن نہر کا پانی گندا ہے تو ایسے دریا میں نہانے سے صفائی کہاں ہوگی بلکہ میل کچیل باقی رہ جائے گا۔ اسی طریقہ سے نماز کا معاملہ ہے۔

پڑوسیوں کے ساتھ بدسلوکی کا انجام

میں نے اس سے پہلے شاید کبھی سنایا ہوگا کہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے ایک خاتون کا ذکر کیا گیا کہ وہ دن میں روزہ رکھتی ہے اور رات بھر عبادت کرتی ہے، آپ ﷺ نے پوچھا کہ اس کا سلوک اپنے پڑوسیوں کے ساتھ کیسا ہے، لوگوں نے بتایا کہ پڑوسیوں کے ساتھ تو اس کا سلوک بڑا خراب ہے، آپ ﷺ نے فرمایا کہ وہ جہنم میں جائے گی، اب دیکھئے! نماز تو وہ بھی پڑھتی تھی، نفلیں بھی پڑھتی تھی، بلکہ رات بھر جاگ کر

تہجد کی نماز بھی پڑھتی تھی، لیکن اس نے پڑوسیوں کو ستا ستا کر اپنے اس دریا کو گندا کر رکھا تھا، تو جس دریا میں وہ نہایا کرتی تھی جو کہ وہ نمازیں ہیں تو اس نے اسی کو خراب کر رکھا تھا۔

پڑوسیوں کے ساتھ نیک سلوک کا انجام

ایک اور عورت کے بارے میں آپ ﷺ سے پوچھا گیا کہ فلاں عورت پڑوسیوں کے ساتھ بڑا اچھا سلوک کرتی ہے، ہر ایک کے ساتھ بہت اچھا معاملہ کرتی ہے، کسی کو تکلیف نہیں پہنچاتی، ان کے کام آتی ہے، ان کی مدد کرتی ہے، حسن اخلاق سے رہتی ہے البتہ نفلی عبادتیں زیادہ نہیں کرتی۔ آپ نے فرمایا کہ یہ عورت جنت میں جائے گی کیونکہ فرائض تو وہ ادا کر رہی ہے اور لوگوں کے ساتھ اس کا سلوک بھی اچھا ہے، گناہوں سے بھی اپنے آپ کو بچا رکھا ہے تو جنت میں جائے گی۔

مرنے والے کیلئے بخشش کا ذریعہ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں نے حضور اکرم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ کوئی مسلمان ایسا نہیں کہ اس کا انتقال ہو اور اس کے جنازہ پر ایسے چالیس آدمی کھڑے ہوں جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک نہ کرتے ہوں تو اللہ تعالیٰ ان کی شفاعت اس مرنے والے کے بارے میں قبول فرمائے گا، یہاں شفاعت سے مراد سفارش ہے اور سفارش سے مراد وہ دعا ہے جو جنازہ میں پڑھی جاتی ہے یعنی **"اللھم اغفر لحینا و میتنا و شاھدنا وغائبنا وصغیرنا وکبیرنا و ذکرنا و انسانا ط اللھم من احییتہ منا فاحیہ علی الاسلام ومن توفیتہ منا فتوفہ علی الایمان"** تو یہ جو جنازہ کی دعا ہے یہ بھی سفارش ہے، یعنی جو لوگ نمازِ جنازہ پڑھتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ سے اس دعا کے ذریعے اس میت کیلئے سفارش کرتے ہیں کہ یا اللہ! اس کی بھی مغفرت فرما اور ہماری بھی مغفرت فرما۔ تو اس حدیث میں یہ بتلایا جارہا ہے کہ اگر کسی کے جنازہ پر چالیس

آدمی نماز پڑھنے والے ہوں لیکن وہ چالیس کے چالیس ایسے ہوں کہ وہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراتے ہوں تو اللہ تعالیٰ ان کی اس دعا کو قبول کرے گا اور اس میت کے حق میں اس کی مغفرت فرمادے گا۔ یہ حدیث صحیح مسلم میں موجود ہے اور قوی درجے کی ہے۔ اس میں بہت ہی اہم خوشخبری ہے۔ اسے یاد رکھنا چاہیے، اب دیکھئے کہ اللہ کی رحمت کے دروازے کیسے کھلے ہوئے ہیں چنانچہ اگر کوئی بہت ہی گناہگار آدمی ہے لیکن اس کے جنازہ پر چالیس یا اس سے زائد ایسے آدمی شریک ہوگئے کہ وہ شرک نہیں کرتے ہوں اور نمازِ جنازہ بھی انہوں نے سنت کے مطابق پڑھی ہو تو اللہ تعالیٰ ان کی وجہ سے اس مرحوم کی مغفرت فرمادیں گے۔

کھانے کے بعد کی دعاء کا فائدہ

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص ایک وقت کا کھانا کھائے یا ایک مرتبہ پانی پیئے اور پھر اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے اور اس کی تعریف کرے تو اللہ تعالیٰ ایسے بندے سے راضی ہو جاتا ہے، یہ کتنی اہم اور یاد رکھنے کی بات ہے، اس کے پڑھنے کی عادت ڈالنی چاہیے، اس کو یاد کرنا چاہیے۔ بلکہ ماں باپ کو چاہیے کہ وہ اپنے بچوں کو یاد کروائیں، وہ مسنون دعا یہ ہے **"الحمد للّٰہ الذی اطعمنا و سقانا و کفانا و اعوانا و جعلنا من المسلمین "** تو جس شخص کی یہ عادت ہو کہ ہر کھانے کے بعد یہ مسنون دعا پڑھتا ہو اور پانی پینے کے بعد اللہ تعالیٰ کی تعریف کرتا ہو تو اللہ تعالیٰ اس سے راضی ہو جاتے ہیں لہٰذا پانی پینے کے بعد الحمد للہ کہنے کی عادت ڈالنی چاہیے۔ اب دیکھئے کہ اللہ تعالیٰ کتنی چھوٹی چھوٹی چیزوں سے راضی ہو جاتے ہیں۔ یہ وہی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص میری طرف ایک بالشت بڑھتا ہے تو میں ایک ہاتھ بڑھتا ہوں اور اگر کوئی ایک ہاتھ بڑھتا ہے تو میں دو ہاتھ بڑھتا ہوں، تو بندہ تھوڑا سا کام بھی کرے تو اللہ تعالیٰ اس سے راضی ہو جاتے ہیں۔

صرف نفلی عبادتیں کافی نہیں

لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ کھانا کھانے کے بعد یہ مسنون دعا پڑھ لیں اور پانی پینے کے بعد الحمد للہ کہہ دیں تو بس یہ عمل کافی ہو گیا، اب نہ نماز کی ضرورت اور نہ روزے کی ضرورت، اگر یہ بات تھی اور یہی مطلب تھا تو پھر قرآن کیوں نازل ہوا تھا۔ حضور اکرم ﷺ مسجد نبوی میں نمازیں کیوں پڑھاتے تھے اور یہ سارے احکامات کیوں نازل ہوئے تھے بلکہ مطلب یہ ہے کہ وہ بندہ سارے فرائض بھی ادا کرتا ہے اور گناہوں سے بھی بچتا ہے اس کے ساتھ ساتھ یہ نفلی کام بھی کر لیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس سے راضی ہو جاتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ بندہ کی توبہ کا منتظر ہے

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ روایت فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ رات کو ہاتھ پھیلاتا ہے تاکہ دن میں گناہ کرنے والا اب رات میں توبہ کر لے اور اسی طرح دن میں اپنا ہاتھ پھیلاتا ہے تاکہ رات کو گناہ کرنے والا توبہ کر لے۔ یہاں تک کہ آفتاب (سورج) مغرب سے طلوع ہو جائے گا اس کا کیا مطلب ہے؟ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے توبہ کیلئے ہر وقت ہاتھ پھیلا ہوا ہے، اس لیے کہ کسی جگہ رات ہے کسی جگہ دن ہے، کہیں آفتاب غروب ہو رہا ہے تو کہیں طلوع ہو رہا ہے لہٰذا جس شخص نے بھی گناہ کر لیا ہے وہ جس وقت چاہے میرے سے توبہ کر لے، میرا ہاتھ پھیلا ہوا ہے، مجھے اپنی توبہ دے دو میں اس کو قبول کر لوں گا۔

توبہ اور ایمان کا دروازہ بند ہونے والا ہے

خلاصہ اور حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے توبہ کے دروازے کھول رکھے ہیں لیکن ایک وقت ایسا آنے والا ہے کہ جب آفتاب مغرب سے طلوع ہوگا تو یہ توبہ کا دروازہ

بھی بند ہو جائے گا، پھر اگر کوئی شخص ایمان بھی لائے گا تو اس وقت وہ ایمان قبول نہیں ہوگا اور اگر کوئی مسلمان تھا، مؤمن تھا لیکن کچھ گناہوں سے اس نے توبہ نہیں کر رکھی تھی تو جن گناہوں سے توبہ نہ کی تھی وہ موت آنے کے بعد کی جانے والی توبہ بھی قبول نہیں ہوگی، اسی طرح جب مسلمان کو اور بندہ کو موت کے فرشتے نظر آنے لگیں تو اس وقت بھی توبہ کا دروازہ بند ہو جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کی حفاظت فرمائے۔ آمین!

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

☆......☆......☆

فضیلت یوم عاشورہ

موضوع: فضیلت یوم عاشورہ

خطاب: مفتی اعظم پاکستان مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی مدظلہ

مقام: جامع مسجد جامعہ دارالعلوم کراچی

موقع: جمعۃ المبارک

ضبط و ترتیب: مولانا محمد شعیب سرور

فضیلت یوم عاشورہ

الحمد للّٰہ و کفی والصلٰوۃ والسلام علی نبیّہ المجتبی
و علی عبادہ الذین الصطفی اما بعد!

اسلام مکمل ضابطۂ حیات

یہ محرم الحرام کا مہینہ ہے اور آج چار محرم ہے، اس مہینے کا نام ''محرم'' ہے۔ یعنی حرمت والا اور عظمت والا مہینہ۔

اس مہینہ سے اسلام کا نیا سال شروع ہوتا ہے۔ اللہ رب العٰلمین نے یہ دین اسلام ایسا مکمل دین دیا ہے کہ اس میں ہمارے لیے سب کچھ ہے۔ ہمیں کسی اور مذہب و دین کی طرف جانے کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ اسلام نے ہمیں کیلنڈر بھی اپنا دیا ہے، تقویم دی ہے، ہمارا سال یکم جنوری سے شروع نہیں ہوتا، یکم محرم الحرام سے شروع ہوتا ہے۔ عیسائیوں کا سال یکم جنوری سے شروع ہوتا ہے۔ ہمارے مہینوں کے نام کچھ اور ہیں اور ان کے مہینوں کے نام کچھ اور ہیں۔

ان کے دنوں کی تعداد میں اور ہمارے دنوں کی تعداد میں تھوڑا سا فرق ہے۔ اسلامی سال اور شمسی سال میں ۱۱ دن کا فرق ہے۔ ہجری سال میں چاند کے حساب سے ۱۱ دن پہلے پورا ہوتا ہے اور شمسی سال میں ۱۱ دن زیادہ ہوتے ہیں۔ اسی طرح اور بہت

ساری چیزوں میں فرق ہے۔

ہم نے اپنی روایات کو بھلا دیا......!

ہم نے اپنی روایات کو بھلا دیا، آج کسی بچے سے پوچھیں کون سی تاریخ ہے؟ کون سا مہینہ ہے؟ وہ یہ تو بتائے گا کہ فروری کا مہینہ ہے اور اتنی تاریخ ہے اگر اس سے پوچھیں کہ چاند کی تاریخ کیا ہے تو اس کو معلوم نہیں ہوگا بلکہ بیشتر بچوں کو تو اس مہینے کا نام بھی یاد نہ ہوگا۔ یہ ہماری شامتِ اعمال ہے۔ ہم احساس کمتری کا شکار ہو گئے۔ انگریزوں نے ہم پر ڈیڑھ سو سال حکومت کی ہے اس عرصہ میں جو طبقہ ان کی نوکری چاکری پر لگا رہا ان کے ذہنوں اور دماغوں پر انگریزوں کی غلامی مسلط ہو گئی اور انہوں نے صرف یہ کیا کہ خود اسلامی روایات کو بھول گئے بلکہ ہماری نسلوں کے اندر سے بھی ایک ایک اسلامی روایت کو نکالنے کی کوشش کرتے ہیں اور کر رہے ہیں۔

صرف ایک ملک، ''سعودی عرب'' ایسا ہے جہاں اسلامی سال کے اعتبار سے کام ہوتے ہیں اور چاند کی تاریخ سے تمام معاملات ہوتے ہیں لیکن ہم نے اس کو بھلا دیا ہے۔ إنا لله وإنا اليه راجعون۔

محرم الحرام میں کرنے کے اہم کام

اس مہینے میں شرعی اعتبار سے کچھ کام کرنے کے ہیں اور کچھ کام نہ کرنے کے ہیں، ان سے بچنا ضروری ہے۔ اس مبارک مہینے میں کرنے کے دو کام ہیں۔ پہلا کام نویں اور دسویں تاریخ کو یا دسویں اور گیارھویں تاریخ کا روزہ رکھنا۔ محرم کی دسویں تاریخ کو ''یوم عاشورہ'' کہا جاتا ہے۔

یوم عاشورہ کا روزہ اور اس کا پس منظر

اس کا مختصر پس منظر یہ ہے کہ ابھی تک رمضان المبارک کے روزے فرض نہیں ہوئے تھے۔ اسلامی احکامات اور تعلیمات ایک دفعہ ہی نہیں نازل ہوئیں۔ ۲۳ سال کے

عرصے میں تھوڑے تھوڑے، رفتہ رفتہ اعمال واحکام آتے ہیں۔ ہوا یوں کہ آنحضرت ﷺ ہجرت فرما کر مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ تشریف لے آئے تو یہاں یہودیوں کے کئی قبائل آباد تھے۔ بنونضیر، بنو قینقاع، بنو قریظہ اور دیگر قبائل تھے۔ ان یہودیوں کا طریقہ کار یہ تھا کہ یہ لوگ دس محرم کو روزہ رکھتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان سے روزہ رکھنے کی وجہ پوچھی تو انہوں نے بتلایا کہ آج کی تاریخ میں اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم کو فرعون کے ظلم وستم سے آزادی عطا فرمائی تھی اور فرعون اور اس کے لشکر کو غرق کیا گیا تھا۔ اس کے شکرانے کے طور پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اور بنی اسرائیل نے روزہ رکھا تھا تو ہم بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اقتداء میں شکر کے طور پر اس روز روزہ رکھتے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اگر یہ بات ہے تو ہم تو زیادہ حقدار ہیں اس بات کے کہ ہم اس دن روزہ رکھیں کیونکہ تم نے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات کو فراموش کر دیا ہے اور ہم حقیقی معنی میں ان کو ماننے والے ہے۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے عاشورہ کا روزہ رکھا۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو شبہ پیدا ہوا کہ اس دن یہود بھی روزہ رکھتے ہیں، اگر ہم بھی اسی دن روزے رکھیں گے تو ان کی تہذیب اور رسم ورواج سے مشابہت ہو جائے گی تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اگر میں زندہ رہا تو آئندہ سال دسویں تاریخ کے ساتھ نویں تاریخ کو بھی روزہ رکھوں گا۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"صوموا

یہاں "واؤ" "اَوْ" کے معنی میں ہے کہ تم عاشورہ (دسویں محرم) کا روزہ رکھا کرو لیکن اس میں یہودیوں کی مخالفت کرو اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ عاشورہ کے ساتھ یا تو نویں تاریخ کا روزہ رکھو یا گیارہویں تاریخ کا روزہ رکھو۔

نویں اور دسویں تاریخ کے روزہ کا حکم

چنانچہ حکم یہی ہے کہ فقہاء کرام نے صرف دسویں تاریخ کا روزہ رکھنے کو مکروہ قرار دیا ہے جب تک رمضان المبارک کے روزے فرض نہیں ہوئے تھے، اس وقت آپ ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی عاشورہ کا روزہ بطورِ فرض کے رکھتے تھے۔ جب رمضان المبارک کے احکامات آ گئے اور رمضان کے روزے فرض ہو گئے تو پھر عاشورہ کے روزے کی فضیلت منسوخ ہوگئی چنانچہ عاشورہ کا روزہ نفلی اور مستحب کام ہے۔ رکھیں گے تو ثواب ملے گا نہ رکھیں تو گناہ یا مؤاخذہ نہیں ہوگا لیکن یہ روزہ رکھنا اجرِ عظیم کا باعث اور بہت بابرکت کام ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''جو شخص عاشورہ کا روزہ رکھے گا تو یہ پچھلے ایک سال کے گناہوں کا کفارہ بن جائے گا'' لہٰذا یہ بہت بڑی سعادت کی بات ہے کہ عاشورہ کے دن کا روزہ رکھا جائے اور اس سے ایک دن پہلے یا ایک دن بعد کا روزہ بھی رکھا جائے۔

یوم عاشورہ میں خرچ کرنے کی فضیلت

یوم عاشورہ کے بارے میں آنحضرت ﷺ کا فرمان ہے کہ

''جو شخص اپنے زیر کفالت افراد کے خرچے میں عاشورہ کے دن فراخی کرے گا اللہ تعالیٰ اس کے رزق میں سال بھر برکت عطا فرمائیں گے۔''

لہٰذا دوسرا کرنے کا کام یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں جتنی مالی طور پر وسعت دی ہے اس کے مطابق ہم عام دنوں کی بہ نسبت یوم عاشورہ کے دن اپنے گھر والوں پر زیادہ خرچ کریں۔ عام دنوں کی بہ نسبت زیادہ بہتر کھانا کھلائیں۔ بچوں کو نسبتاً زیادہ پیسے دے دیں اور میں سوچتا ہوں کہ شاید اس کے اندر اپنے گھر کے ملازمین اور کارخانوں کے مزدور بھی شامل ہیں کیونکہ حدیث مبارکہ میں حکم تو زیر کفالت افراد کے بارے میں آیا ہے

چنانچہ چاہے یتیم بچے ہوں یا بیوی، بہن بھائی یا اور کوئی رشتہ دار اس کے زیر کفالت ہوں۔ اس میں اضافہ کردیں اور اپنے کارخانوں کے مزدوروں کو بھی اس دن کچھ زیادہ دے دیں تو بہت اچھی بات ہوگی۔ اللہ تعالیٰ ہمیں عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

انفاق فی سبیل اللہ کا حکم

انسان جتنا اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کرے گا اس کے مال میں کمی نہیں آئے گی بلکہ اضافہ اور برکت ہوتی جائے گی لیکن ایسا کرنا فرض یا واجب نہیں ہے اور سنت اور مستحب کام ہے۔ محض برکت کی چیز اور دنیا کا فائدہ ہے اور جب زیادہ کھلائیں پلائیں اور خرچ کریں گے تو اس کا ثواب خود بخود مل جائے گا اور گھر والوں کو کھلانے کا ثواب تو ویسے بھی ملتا ہے، حدیث شریف میں آتا ہے کہ:

"سب سے بہتر مال کا خرچ وہ ہے جو اپنے گھر والوں پر خرچ کیا جائے۔"

ہاں اتنی بات یاد رکھنی چاہیے کہ فضول خرچی نہ ہو بلکہ معروف طریقے پر رواج اور عرف کے مطابق خرچ کیا جائے۔

نوحہ اور ماتم کی شرعی حیثیت

باقی اور بہت سے کام جو اس مہینے میں ہوتے ہیں وہ سب لغو اور خرافات ہیں۔ دین کا ان سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ یہ ہماری شامتِ اعمال ہے کہ آنحضرت ﷺ کی امت کہاں سے کہاں پہنچ گئی ہے جو کام کرنے کے تھے وہ نہیں ہو رہے اور جو کام نہ کرنے کے تھے اور آپ ﷺ نے جن کاموں کو کرنے سے روکا تھا وہ ہو رہے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ نے سینہ کوبی، ماتم کرنے اور بالوں کو نوچنے سے سختی سے منع فرمایا تھا۔ زمانۂ جاہلیت میں جب کوئی مر جاتا تھا تو لوگ سوگ مناتے تھے اور ماتم کرتے تھے اور سب سے زیادہ یہ کام عورتیں کرتی تھیں جو ایسے موقعوں پر چیختی چلاتی تھیں۔ بالوں کو نوچتی تھیں، سینہ پیٹتی تھیں اور نوحا کرتی تھیں۔ رسول اللہ ﷺ نے اس سے منع فرمایا

اور فرمایا کہ ''میں ایسی عورتوں پر لعنت بھیجتا ہوں۔''

''جو شخص سینہ کوبی کرے گا یا ماتم کے طور پر اپنے جسم کو نوچے گا تو آخرت میں اس کے جسم پر تارکول کی تہہ چڑھادی جائے گی اور جس کو جہنم کی آگ سے گرمایا جائے گا۔''

یہ ماتم کرنا اتنا بڑا گناہ ہے جس پر اتنی سخت قسم کے عذاب کی وعید سنائی گئی ہے۔

اظہار افسوس کا شرعی طریقہ

البتہ شریعت میں کسی عزیز کے مرنے پر تین دن تک سوگ کرنے کی اجازت دی گئی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ ان دنوں میں اظہار تعزیت اور اظہار افسوس کیا جائے اور ایسے کام نہ کیے جائیں جن سے خوشی کا اظہار ہوتا ہو۔ اعلیٰ درجے کے کپڑے نہ پہنیں جائیں اور کسی کی وفات پر ان تین دنوں کے اندر بھی چیخنا چلانا حرام ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے چیخنے چلانے سے منع فرمایا ہے اور صبر پر اجر و ثواب کی بشارتیں سنائی ہیں جبکہ شریعت نے ماتم کی ایک گھنٹے بلکہ ایک منٹ اور ایک لمحہ بھی اجازت نہیں دی ہے۔ ماتم کیا ہے؟ چیخنا، چلانا، واویلا کرنا، سینہ کوبی کرنا، بال نوچنا، گریبانوں کو چاک کرنا اس کی شرعاً بالکل اجازت نہیں ہے۔ حرام ہے، اب دیکھئے عاشورہ کے دن روزہ کتنے لوگ رکھتے ہیں اور ماتم کتنے لوگ کرتے ہیں۔ إنا لله وإنا إليه راجعون۔

محرم الحرام اور ہماری ذمہ داری

یہاں یہ بات بھی یاد رکھئے کہ ہم اپنے اپنے عمل کے ذمہ دار ہیں۔ ایک فرقہ یہ کام کرتا ہے اور وہ بقول اپنے مذہبی پیشواؤں اور مذہبی رہنماؤں کے یہ کام کرتے ہیں۔ ہمارا کام ان کو بتا دینا ہے۔ ہمارے بزرگوں نے بھی بتایا ہے، ہمارے ہاں کتابیں چھپی ہوئی ہیں۔ مضامین شائع ہوتے رہتے ہیں۔ وعظ و تقریر میں بھی بیان کر دیتے ہیں۔ اب

ہمارا کام یہ نہیں کہ ہم ان سے لڑیں جھگڑیں یا ان کے امام بارگاہوں کو آگ لگائیں اور فتنہ وفساد پھیلائیں۔ اس کی شرعاً اجازت نہیں ہے۔ ہمارے ہاتھ میں حکومت نہیں ہے، اگر ہمارے ہاتھ میں حکومت ہوتی تو ہمارا فرض اور ذمہ داری بنتی تھی کہ ہم قانونی طور پر ان ناجائز کاموں کو بند کرواتے۔ ان کو بتایا جاتا کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کاموں سے منع فرمایا ہے۔ ہمارے ہاتھ میں حکومت نہیں ہے اور جن کے ہاتھ میں حکومت ہے ان کو ان ناجائز کاموں کی پرواہ اور فکر نہیں ہے۔ ہمارا کام صرف اتنا ہے کہ ان کو بتادیں، ماننا نہ ماننا یا عمل کرنا نہ کرنا ان کی ذمہ داری ہے۔ شیعوں کے جلسوں پر حملہ کرنا اور ان سے چھیڑ چھاڑ کرنا سوائے فتنہ وفساد پھیلانے کے اور کوئی کام نہیں ہے۔ شیعہ سنی فسادات کی یہی وجہ ہے، ان کو بھی چاہیے کہ ہمارے بزرگوں اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی شان میں گستاخی نہ کریں۔ اگر جلوس نکالنے کو مذہبی کام سمجھتے ہیں تو نکالیں جلوس لیکن ان حضرات کی شان میں کسی قسم کی گستاخی نہ کریں، یہ برداشت نہیں کی جاسکتیں، ان کے جتنے بزرگ ہیں، ہم ان سب کی عزت کرتے ہیں، انہیں اپنا مذہبی پیشوا مانتے ہیں۔ ہم حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اپنا سرتاج مانتے ہیں۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی محبت ہمارے ایمان کی اساس ہے۔ حضرات حسن وحسین رضی اللہ عنہما کی محبت ہمارے دلوں میں جاگزیں ہے اور جتنے بھی آئمہ کے یہ نام لیتے ہیں ہم ان سب کو عظمت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور اپنا مذہبی پیشوا مانتے ہیں اور ہم جانتے ہیں کہ ان حضرات کی وہ تعلیمات نہیں ہیں جو یہ کہہ رہے ہیں بلکہ ان کی تعلیمات قرآن وسنت کے مطابق ہیں تو ان حضرات کو چاہیے کہ جیسے ہم ان کے مذہبی پیشواؤں کی عزت کرتے ہیں ایسے یہ بھی ہمارے بزرگوں کا احترام کریں اور ان کی شان میں گستاخیاں نہ کریں۔ اللہ تعالیٰ ان کو ہدایت عطا فرمائے۔ (آمین)

ماتمی جلوس میں شرکت کی ممانعت

دوسری بات یہ ہے کہ اگر وہ لوگ ایک ناجائز کام کرتے ہیں تو ہمارے سنی

مسلمان بھائیوں کو چاہیے کہ وہ ان کے جلوسوں میں شریک نہ ہوں۔ ایک کام جو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات کے اور دین کے خلاف ہو رہا ہے اس میں شرکت نہ کریں کیونکہ اس سے ان کے ناجائز کام کی حوصلہ افزائی ہوگی اور ان کی تعداد بھی زیادہ لگے گی۔ نیز یہ کہ اگر ہمارے سنی مسلمان بھائی اس میں نہیں جائیں گے تو وہ لوگ گالیاں کس کو دیں گے اور سب وشتم کس پر کریں گے؟ اس لیے ان کے جلوسوں اور تعزیوں میں شرکت کرنا درست نہیں ہے۔

یوم عاشورہ کی بدعات

پھر ہمارے ہاں بھی بہت سی خرابیاں پائی جاتی ہیں، ہمارے بعض سنی بھائی تعزیئے نکالتے ہیں، پھر شاید یہ خیال کرتے ہیں کہ ہم حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا جنازہ لے جا رہے ہیں، سوچنے کی بات ہے کہ کہاں حضرت حسین رضی اللہ عنہ مدفون ہیں اور کہاں یہ لوگ تعزیئے بنا رہے ہیں۔ پھر تعزیئوں سے جنہیں خود ہی بناتے ہیں منتیں مانتے ہیں۔ نذر و نیاز کرتے ہیں۔ صحت اور رزق کی فراوانی کا سوال کرتے ہیں اور پرچیاں ڈالی جاتی ہیں کہ مجھے اولاد چاہیے اور مجھے فلاں چیز کی ضرورت ہے......!

یہ سب لغویات اور خرافات ہیں اور خلاف شریعت کام ہیں، ہمارے ذمے ہے کہ ہم ان کو پیار سے سمجھا دیں کہ یہ کام درست نہیں ہے۔ ان تعزیئوں سے حاجتیں مانگنا مشرکانہ عمل ہے۔ (معاذ اللہ) یہ بالکل ایسے ہی ہے جیسے مشرکین مکہ پہلے اپنے ہاتھوں بتوں کو تراشتے تھے۔ پھر انہی سے حاجتیں پوری کرواتے تھے، ہم سب کو ان خرافات سے بچنا چاہیے۔ یہ مبارک ایام ہیں اور عظمتوں والے دن ہیں۔ ان دنوں میں ہمیں گناہوں اور بدعات کے ارتکاب سے بچتے ہوئے نیک کام کرنے چاہئیں۔

یوم عاشوراء کی فضیلت

اسلامی تعلیمات اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرامین سے معلوم ہوتا ہے کہ دسویں

محرم کا دن بڑی عظمتوں والا دن ہے۔ اس دن حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم کو فرعون سے آزادی ملی تھی۔ اس دن آپ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو تشکر کے طور پر روزہ رکھنے کا حکم دیا اور میں سمجھتا ہوں کہ نواسہ رسول، سرور دو عالم رحمۃ للعلمین ﷺ کے جگر گوشے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کا اس دن ہونا یہ بھی ان کے لیے ایک انعام ہے۔ یہ نحوست اور بے برکتی کا دن نہیں ہے اب ایک عقیدہ یہ نکل پڑا ہے کہ محرم کے مہینے میں شادیاں نہیں کرتے کہیں بے برکتی نہ ہو جائے......! امت کہاں سے کہاں پہنچ گئی ہے جس دن کو آنحضرت ﷺ نے بابرکت قرار دیا۔ امت اس کو بے برکتی اور نحوست والا دن قرار دے رہی ہے۔ (نعوذ باللہ)

یہود کی مخالفت کا حکم

عاشورہ کا روزہ یہودی رکھتے تھے، مسلمانوں کو بھی بطور شکرانے اس دن روزہ رکھنے کا حکم دیا گیا ہے لیکن اس میں بھی رسول اللہ ﷺ نے یہودیوں کی مخالفت کرنے کا حکم دیا ہے تاکہ ان کے مذہبی شعار سے مشابہت نہ ہونے پائے۔ اس سے یہ بات معلوم ہو رہی ہے کہ ''مسلمانوں کے لیے غیر مسلموں کے مذہبی شعار اور مذہبی کاموں میں مشابہت اختیار کرنا جائز نہیں ہے۔'' اس کے ناجائز ہونے پر اور بھی متعدد احادیث موجود ہیں۔

غور کیجئے! اسلام نے یہاں تک حکم دیا ہے کہ روزے جیسے عمل میں بھی یہود کی مشابہت سے منع کر دیا ہے لیکن ہماری شامتِ اعمال دیکھئے کہ ہم نے اپنا سن، اپنی تاریخ، اپنی سالِ نو کی خوشیاں تک بھلا دیں، اپنی جنتری، اپنا کیلنڈر سب کچھ دوسری قوموں کو دے دیا اور اب تو قومی زبان کا جنازہ بھی نکالا جا رہا ہے۔ چھوٹے چھوٹے بچے "Saturday" جانتے ہیں ''ہفتہ'' نہیں جانتے "Friday" جانتے ہیں۔ ''جمعہ'' نہیں جانتے۔ "Ten" اور "Twenty" جانتے ہیں مگر ''دس اور ''بیس'' نہیں جانتے۔

ہمارے بالا طبقات غیروں کی غلامی کرتے ہوئے ہمارے اوپر یہ لعنت مسلط کر رہے ہیں۔

قومی تشخص کی حفاظت

دنیا کی جتنی ترقی یافتہ قومیں ہیں، ان سب کے حالات دیکھ لیجئے، ان سب نے جو ترقی کی ہے اور اب ترقی کے عروج پر پہنچ چکی ہیں، اپنی اپنی زبانوں کے بل بوتے پر کی ہے۔ جاپان لے لیجئے، جرمنی، فرانس اور چائنہ کو دیکھ لیجئے اور اب ''کوریا'' بھی ترقی یافتہ ممالک کی فہرست میں شامل ہورہا ہے۔ ان سب ممالک میں اپنی اپنی زبانیں رائج ہیں۔ یورپ کے علاقے دیکھ لیجئے ناروے میں اپنی زبان ہے۔ سوئٹزرلینڈ میں اس کی اپنی زبان ہے، بلجیم میں اس کی زبان، سوائے ''انگلینڈ'' کے کہیں بھی انگریزی زبان نہ بولی جاتی ہے نہ سمجھی جاتی ہے۔ انہوں نے ترقی غیروں کی زبان سے نہیں کی...... لیکن ہم نے، سات سمندر پار رہتے ہوئے انگریزی زبان کو ایسا سینے سے لگایا کہ اپنی زبان ہی کو فراموش کردیا۔ اب اس ملک میں اردو زبان کو بھی انگریزی رسم الخط میں لکھا جارہا ہے اور یہ بتایا جارہا ہے کہ تمہاری زبان اتنی ذلیل ترین زبان ہے کہ اس قابل نہیں ہے کہ اس کو بولا جائے۔ اس قابل نہیں ہے کہ اس کو لکھا جائے۔ اس قابل نہیں ہے کہ اس کو سمجھا جائے اور انگریزی زبان اس قابل ہے کہ اس کو سر آنکھوں پر بٹھایا جائے۔ اسے بولا جائے، سمجھا جائے اور اپنا معبود بنالیا جائے۔ اس احساس کمتری اور غلامی کے جذبات ہماری نسلوں میں پیدا کیے جارہے ہیں۔

اللہ تعالیٰ ہمیں صحیح صورتحال کو سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے، خود اعتمادی کے ساتھ اپنے دین اسلام پر فخر کرنے اور اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

وآخر دعوانا ان الحمد للّٰہ رب العالمین.

☆......☆......☆

اللہ کے راستے میں خرچ کیجیے

موضوع: اللہ کے راستے میں خرچ کیجئے

خطاب: مفتی اعظم پاکستان مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی مدظلہ

تاریخ: ۲۳ ربیع الثانی ۲۶ھ بروز بدھ

مقام: جامع مسجد دار العلوم کراچی

وقت: بعد نماز عصر

ضبط وترتیب: محمد طلحہ اقبال

﴿اللہ کے راستے میں خرچ کیجئے!﴾

نحمدہٗ و نصلی علی رسولہ الکریم

اما بعد!

عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ یہ حدیث روایت کر رہے ہیں۔ یہ عدی حاتم طائی کے صاحبزادے ہیں، حاتم طائی جن کی سخاوت بہت مشہور ہے، بچپن میں ہم نے ان کی بہت سی کہانیاں بھی پڑھی ہیں۔ ان کی ملاقات خود تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے نہیں ہو سکی مگر ان کے صاحبزادے عدی اور اسی طرح عدی کی بہن سفانہ بھی مشرف باسلام ہوئی ہیں یعنی صرف یہ دونوں بہن بھائی مشرف باسلام ہوئے ہیں۔

میدان حساب اور انسان کے اعمال

حاتم طائی کے صاحبزادے عدی رضی اللہ عنہ روایت کر رہے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:

﴿مامنکم من أحد الاسیکلمه ربه، لیس بینه و بینه ترجمان، وینظر ایمن منه فلایری الاما قدم و ینظر أشأم منه فلایری الاما قدم و ینظر بین یدیه فلایری الا النار

تلقاء وجھه، فاتقوا النار ولو بشق تمرة﴾ (الخ)

(ریاض/۴۰۸)

''تم میں سے کوئی آدمی اس بات سے مستثنیٰ نہیں کہ اس سے اس کا رب ہم کلام ہوگا، (ہر انسان سے اللہ تعالیٰ بات کرے گا، کب؟ یوم حساب میں! جب اللہ کے سامنے پیشی ہوگی اور اللہ اس سے بات کرے گا، سوال کرے گا۔) اللہ کے اور بندے کے درمیان کوئی ترجمانی کرنے والا بھی نہیں ہوگا۔ (کوئی واسطہ نہیں ہوگا، براہِ راست اللہ رب العزت سے ہم کلامی ہوگی جب اللہ کے سامنے پیشی کیلئے لے جایا جارہا ہوگا تو اس وقت) وہ اپنے دائیں طرف دیکھے گا تو سوائے اپنے اعمال کے اس کو کچھ نظر نہیں آئے گا۔ بائیں طرف دیکھے گا تو سوائے اپنے اعمال کے کچھ نظر نہیں آئے گا۔ (دائیں طرف بھی اس کے اعمال ہوں گے، اور بائیں بھی اس کے اعمال ہوں گے) پھر وہ اپنے سامنے دیکھے گا تو وہ نہیں دیکھ سکے گا۔ اس آگ کے سوا جو اس کے سامنے ہوگی (جہنم کی آگ) پس تم اس آگ سے بچو۔ اگرچہ آدھی کھجور کے ذریعہ سے ہی کیوں نہ ہو۔''

تشریح: اس حدیث میں میدان حساب کی ہولناکی بیان کی جارہی ہے کہ وہاں کوئی چیز سوائے اعمال کے کام آنے والی نہیں ہوگی۔ اچھے اعمال سے فائدہ پہنچے گا اور برے اعمال سے تکلیفیں اور عذاب پہنچے گا، تو آدمی کے ساتھ اس کے اعمال ہوں گے۔ دائیں اور بائیں اس کے اعمال ہی نظر آئیں گے۔

ایک سوال کا جواب

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ اعمال کیسے نظر آئیں گے۔ دنیا کے اعمال آپ نے

کیے اور وہ ختم ہو گئے، آپ نے نماز پڑھی اور وہ ختم ہو گئی۔ یہ سب چیزیں تو ہمیں نظر نہیں آرہیں، کسی نے چوری کی تو وہ عمل ختم ہو گیا اب تو وہ چوری کرتا ہوا نظر نہیں آرہا، تو خوب سمجھ لیجئے کہ قرآن کریم کی آیات اور احادیث سے واضح طور پر یہ بات ثابت ہے کہ جتنے اعمال انسان دنیا میں کرتا ہے، آخرت میں ان کی ایک شکل ہوگی، ان کا ایک جسم ہوگا، ان کا وزن بھی ہوگا، لمبائی چوڑائی بھی ہوگی، چنانچہ قرآن کریم میں آتا ہے جس کی تفسیر احادیث میں آئی کہ جو شخص زکوٰۃ ادا نہیں کرے گا اور مال کو روک کر رکھے گا تو اس مال کو انتہائی زہریلا سانپ بنا دیا جائے گا۔ ''سیطوقون مابخلوا به ''اور جس مال کا انہوں نے بخل کیا تھا اس کا طوق بنا کر ان کے گلے میں ڈال دیا جائے گا۔ ''شجاع اقرع'' گنجا سانپ گلے میں ڈال دیا جائے گا، وہ اسے ڈسے گا اور کہے گا انا کنزک، انا مالک میں تیرا خزانہ ہوں، میں تیرا مال ہوں جس کو تو نے بچا کر رکھا تھا، زکوٰۃ ادا نہیں کی تھی، اسی طریقے سے تمام اعمال کی ایک شکل ہوگی۔ تو اس شخص کو اپنے دائیں بائیں اعمال ہی اعمال نظر آئیں گے، اچھے بھی نظر آئیں گے اور برے بھی نظر آئیں گے، ابھی حساب کتاب بھی تو ہونا ہے، پھر پتہ چلے گا کہ اچھے اعمال زیادہ ہیں یا برے اعمال زیادہ ہیں اور سامنے جہنم کی آگ نظر آرہی ہوگی، حساب کتاب ہونے والا ہوگا۔ (یہ صورتحال بیان کرنے کے بعد فرمایا) کہ دیکھو معاملہ خطرناک ہے کہ سامنے آگ ہوگی اور اعمال پر فیصلہ ہوگا، جنت والے اعمال پر جنت ملے گی اور آگ والے اعمال ہوں گے تو جہنم ملے گی۔

گناہوں کی آگ سے بچنے کا ذریعہ

پھر فرمایا کہ ''فاتقوا النار ولو بشق تمرة ''پس تم آگ سے بچو، یعنی ایسے اعمال سے بچو جو تمہیں آگ تک لے جانے والے ہیں، اگرچہ آدھی کھجور کے ذریعہ سے ہو، مطلب یہ ہے کہ صدقہ خیرات کرو کیونکہ ''ان الصدقة تطفیئ الخطیئة'' کہ صدقہ انسان کے گناہوں کی آگ کو مٹا دیتا ہے، گناہوں کو ٹھنڈا کرتا ہے، گناہ تو آگ ہیں اور

صدقہ اس آگ کو ٹھنڈا کرتا ہے تو صدقہ، خیرات کرو، یہ ذریعہ بنتا ہے جہنم کی آگ سے بچنے کا، تو آگ سے بچنے کا ایک طریقہ تو حضور اکرم ﷺ نے یہ بتلایا کہ تم صدقہ خیرات کرو۔

صدقہ کرنے کیلئے مال کی زیادتی کا انتظار مت کرو

اگر کوئی یہ سوچے کہ میرے پاس تو مال نہیں صدقہ خیرات کہاں سے کروں؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ جتنا ہو سکے دے دو، اگر تمہارے پاس دینے کیلئے ایک کھجور ہے تو ایک کھجور ہی دے دو اور اگر ایک پوری کھجور بھی نہیں ہے تو آدھی دے دو، اللہ رب العزت کے ہاں صرف مقدار کو نہیں دیکھا جاتا بلکہ یہ دیکھا جاتا ہے کہ کن حالات میں اس نے اللہ تعالیٰ کیلئے قربانی دی ہے۔ ایک کروڑ روپے رکھنے والا آدمی ایک ایک ہزار روپے نکالے تو اس کا بھی بڑا ثواب ہے لیکن جس کے پاس صرف دس روپے ہیں اور وہ آٹھ آنے نکالے تو اس کا ثواب اور زیادہ ہے کیونکہ وہ تو بیچارہ مفلوک الحال ہے۔ اس کے باوجود اللہ کے راستہ میں خرچ کر رہا ہے۔ اسی واسطے فرمایا کہ تم صدقہ خیرات کرو اور یہ مت دیکھو کم دے رہے ہیں یا زیادہ، جتنی بھی توفیق ہو جائے دے دو انتظار مت کرو۔ یہ بھی بڑی حکیمانہ بات ارشاد فرمائی ہے کہ بعض لوگ اس انتظار میں رہتے ہیں کہ میاں! ابھی جیب میں تو ایک روپیہ ہے ایک روپیہ کیا دیں گے۔ چلو کل پانچ روپے اکٹھے کسی کو دے دیں گے، یا جیب میں پانچ روپے ہیں تو اس انتظار میں ہیں کہ کل سو روپے اکٹھے دے دیں گے، نہیں! شیطان اسی طرح بھلا دیتا ہے، کل تو کوئی اور دھندا سامنے آجائے گا، اپنی کوئی اور ضرورت سامنے آجائے گی، کوئی اور بہانہ سامنے آجائے گا یا ذہن سے نکل جائے گا، بھول جائے گا، میاں! اس وقت جو کچھ توفیق ہو رہی ہے، دے ڈالو۔ شیطان اگر یہ کہے کہ اکٹھے پانچ روپے دینا ایک روپیہ غریب کو دے کر کیا کرو گے تو شیطان سے کہہ دو ٹھیک ہے! ابھی تو میں ایک روپیہ دے رہا ہوں کل کو پانچ روپے پھر

دے دوں گا۔ (شیطان کیلئے سب سے اچھا یہی جواب ہے)، خلاصہ یہ ہے کہ صدقہ خیرات بھی بہت بڑی عبادت ہے۔

صدقہ، خیرات سے محرومی کی ایک اہم وجہ

بہت سے لوگ صدقہ خیرات کرنے سے اس وجہ سے محروم رہ جاتے ہیں، سوچتے ہیں کہ میاں معمولی سی چیز ہے کیا صدقہ کریں گے؟ کیا خیرات کریں گے؟ یہ کثرت سے ہوتا ہے مثلاً آپ ریل کے ذریعہ سفر کر رہے ہیں، کسی سٹیشن پر اترے ہیں یا بس کے ذریعہ سفر کر رہے ہیں اور راستے میں کسی منزل پر اترے ہیں، کسی ہوٹل میں کھانا کھایا ہے، آپ کے پاس کچھ بچ گیا ہے اور باہر راستے میں کوئی غریب بیٹھا ہے تو آپ اپنے بچے ہوئے کھانے کا صدقہ کر سکتے ہیں۔ ریل میں ایسے بھی لوگ مل جاتے ہیں اور اگر ریل میں نہ بھی ملیں تو سٹیشن پر تو ایسے آدمی مل ہی جاتے ہیں، اب اگر ایک روٹی بچی ہوئی ہے تو وہ دے دو، آدھی بچی ہوئی ہے تو وہ دے دو، پاؤ بچی ہے تو پاؤ دے دو، صدقہ خیرات کرنے میں زیادہ ہونے کا انتظار مت کرو۔ جتنے کی جس وقت توفیق ہو جائے اس کو غنیمت سمجھ کر دے دو، اصل میں جب جنت کمانے کا شوق ہوتا ہے، جہنم سے بچنے کی فکر ہوتی ہے تو پھر آدمی اس کے راستے نکالتا ہے۔

حضرت میاں صاحبؒ کا سبق آموز واقعہ

حضرت مولانا میاں اصغر حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ دارالعلوم دیوبند کے بڑے جلیل القدر محدث بھی تھے اور بڑے اللہ والے بزرگ تھے، ہمارے دادا (مولانا یٰسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ) کے شاگرد تھے اور ہمارے والد صاحب (مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ) کے استاد تھے اور ان کے بارے میں مشہور تھا کہ یہ مادر زاد ولی اللہ ہیں۔ گویا ماں کے پیٹ ہی سے اللہ کے ولی پیدا ہوئے تھے۔ خاندان کے سید تھے، والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے استاد تھے مگر شفقت بہت فرمایا کرتے تھے اور دونوں میں بے تکلفی بھی بہت تھی۔ ایک مرتبہ والد

صاحب سے فرمانے لگے کہ کھانا ساتھ کھالو، کھانا کھانے ساتھ بیٹھ گئے۔ جب کھانا کھا کر فارغ ہو گئے اور دسترخوان سمیٹنے لگے تو والد صاحب نے فرمایا کہ حضرت! دسترخوان میں سمیٹ لوں، تو فرمانے لگے کہ تمہیں دسترخوان سمیٹنا آتا ہے؟ فرمایا، جی ہاں! آتا ہے، باہر فلاں جگہ جا کر اسے الٹا دوں گا، فرمایا کہ نہیں! تمہیں دسترخوان الٹنا نہیں آتا، میں تو دسترخوان اس طرح الٹتا ہوں، تم دیکھ لو اور سمجھ لو۔ اس کے بعد انہوں نے دسترخوان پر سے ہڈیاں الگ کیں اور کہا محلے میں ایک کتا ہے، وہ کھانے کے بعد میرے انتظار میں رہتا ہے، یہ ہڈی میں اس کو ڈالوں گا اور بچے ہوئے چھیچھڑے سامنے منڈیر پر بیٹھی ہوئی بلی کو دیتا ہوں۔ روٹی کے جو ٹکڑے چھوٹے بچے ہوئے تھے فرمانے لگے کہ میرے محلہ میں غریب لوگ رہتے ہیں، یہ ذرا ذرا سے بچے گلی کے اندر کھیلتے رہتے ہیں، ان بیچاروں کو روٹی مل جائے تو اتنے خوش ہوتے ہیں جیسے مالدار بچوں کو بسکٹ ملنے سے خوشی ہوتی ہے، تو یہ روٹی کے ٹکڑے ان بچوں کو دیتا ہوں وہ بڑے خوش ہوتے ہیں، بڑی دعائیں دیتے ہیں اور کچھ روٹی کے ٹکڑے تھے فرمایا! ان کو میں جا کر چھت پر ڈال دیتا ہوں۔ وہاں پرندے آتے ہیں۔ کوے، طوطے، چڑیاں آتی ہیں، وہ ان کو چگ لیتی ہیں اور باقی رہ گئے روٹی کے ذرات جو ایک دو چٹکی کے برابر ہوتے ہیں، ان کو لے کر فرمانے لگے کہ آؤ! ان کے بارے میں بتاتا ہوں کہ ان کو کہاں ڈالتا ہوں۔ باہر کہیں چیونٹیوں کا بھٹ (سوراخ) تھا، وہاں چیونٹیاں آرہی تھیں، وہ ذرات اس بھٹ کے اوپر ڈال دیئے اور فرمایا کہ یہاں ڈالتا ہوں، اب دیکھئے کہ اللہ کے رزق کو اس اللہ کے بندے نے اللہ کی مخلوق میں کہاں تک پہنچایا۔ یہ وہی بات ہے۔ ''**اتقوا النار ولو بشق تمرة**'' آگ سے بچنے کی کوشش میں لگ جاؤ، اگرچہ وہ کوشش آدھی کھجور کے ذریعے سے ہی کیوں نہ ہو۔ آج کل ایک روپے کے سکہ کی بھی کوئی قدر نہیں رہی لیکن اگر کوئی غریب نظر آرہا ہے اور موقع ہے تو انتظار مت کرو کہ کل دیں گے، یہ سکہ ہی دے دو کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کا بہت اجر و ثواب ہے۔

صدقہ کی برکات

صدقہ کی بڑی برکات ہیں، ایک برکت تو یہ ہے "تطفئ الخطیئة" کہ اس سے گناہ معاف ہوتے ہیں، دوسرے اس سے بلائیں ٹلتی ہیں، دنیا کی بھی بلائیں ٹل جاتی ہیں، بسا اوقات کوئی بلا اور مصیبت آنے والی ہوتی ہے، آدمی صدقہ کرتا ہے، اس کی برکت سے اللہ تعالیٰ اس بلا سے بچا لیتے ہیں۔

اللہ کے دربار میں حاضری کا موقع

عن ابی برزة رضی الله عنه قال قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم لا تزول قدما عبدحتی یسئل عن عمره فیم افناه، وعن علمه فیما فعل فیه، وعن ماله من این اکتسبه وفیم انفق، وعن جسمه فیم ابلاه......الخ

(ریاض/۴۱۰)

ترجمہ: "حضرت ابو برزہ رضی اللہ عنہ روایت کر رہے ہیں کہ آدمی کے قدم اللہ کے سامنے پیشی سے اس وقت تک نہیں ہٹیں گے یہاں تک کہ اس سے پانچ چیزوں کے بارے میں سوال نہ کرلیا جائے۔ ایک یہ کہ عمر کس کام میں گزاری، دوسرا یہ کہ علم (دین ودنیا کا جو ہم نے تمہیں دیا تھا اس) پر کیا عمل کیا، تیسرا یہ کہ مال کہاں سے کمایا تھا، چوتھا یہ کہ یہ مال (جب تمہیں مل گیا تھا تو) خرچ کہاں کیا، پانچواں یہ کہ جسم کی (جو نعمتیں ہم نے دی تھیں ان) نعمتوں کو کہاں خرچ کیا۔"

تشریح: اس حدیث میں میدان حساب میں ہونے والے سوالات کا تذکرہ ہے۔ آدمی کے قدم اللہ رب العزت کے سامنے پیشی سے نہیں ہٹیں گے، جب اللہ تعالیٰ کے سامنے پیشی ہوگی اس وقت اعمال کا حساب کتاب ہوگا، پرسش اور پوچھ گچھ ہوگی اعمال کی تو وہاں

سے آدمی کے قدم نہیں ہٹیں گے، جب تک پانچ سوال نہ کر لیے جائیں۔

پہلا سوال

یہ کہ اس کی عمر کے بارے میں پوچھا جائے گا کہ عمر کس کام میں گزاری، کس کام میں خرچ کی، ساری عیش وعشرت ہی میں گزار دی، غفلت ہی میں گزار دی یا اللہ تعالیٰ کیلئے بھی کوئی کام کیا تھا اور آخرت کیلئے بھی کوئی تیاری کی تھی یا نہیں، کسی کو چالیس سال عمر ملی، کسی کو پچاس، کسی کو ساٹھ، کسی کو پچپن وغیرہ۔ عمر پوچھی جائے گی کہ تمہاری کتنی عمر ہوئی اور اس کو کس کام میں خرچ کیا، اب بتانا پڑے گا، جھوٹ نہیں بول سکے گا، جھوٹ بولے گا تو اعمال اس کے سامنے کر کے دکھا دیئے جائیں گے کہ یہ ہیں تمہارے اعمال، سارے اعمال دائیں، بائیں اور سامنے ہوں گے، ابھی آپ نے پڑھا کہ وہ اعمال سامنے ہوں گے اور دکھا دیئے جائیں گے لہٰذا جھوٹ نہیں بول سکے گا کہ میں نے فلاں کام نہیں کیا تھا، فلاں گناہ نہیں کیا تھا، سب کچھ دکھا دیا جائے گا کہ کن چیزوں میں تم نے عمر گزاری تھی۔

دوسرا سوال

وعن علمه فیما فعل فیه اس کے علم کے بارے میں پوچھا جائے گا کہ جو کچھ علم ہم نے تم کو دیا تھا دین کا یا دنیا کا اس علم کے مطابق تم نے عمل کیا کیا؟ جنت والے اعمال کیے یا جہنم والے اعمال کیے؟

تیسرا سوال

وعن ماله من این اکتسب تیسرا سوال یہ ہو گا کہ مال کے بارے میں پوچھا جائے گا کہ مال تو تمہارے پاس بہت تھا مگر یہ بتاؤ کہ کہاں سے لائے تھے؟ کہاں سے کمایا تھا؟ رشوت کا تو نہیں تھا، مال حرام تو نہیں تھا، ناپ تول میں کمی کر کے یہ کام

چوری کر کے کمایا ہوا مال تو نہیں تھا؟ یہ سب بتانا پڑے گا، سارے مال کا حساب دینا پڑے گا کہ کہاں کہاں سے کمایا تھا؟ میزان یہ ہے بتاؤ کہاں کہاں سے لائے تھے؟

چوتھا سوال

وفیم انفق. (چوتھا سوال یہ ہوگا کہ) پھر جب یہ مال تمہیں مل گیا تھا تو خرچ کہاں کہاں کیا؟ جائز کاموں میں کیا یا ناجائز کاموں میں؟ اپنے بیوی بچوں پر اگر خرچ کیا تو ٹھیک کیا۔ اپنے اوپر اگر راحت و آرام کیلئے خرچ کیا تو کوئی حرج کی بات نہیں۔ رشتہ داروں کو دیا تو بڑا اچھا کیا، پڑوسیوں کو دیا، دین کے کاموں میں خرچ کیا، مسجد میں لگایا، کسی کا کہیں کنواں بنوا دیا، رفاہی کاموں میں لگا دیا۔ بڑا اچھا کام کیا۔ کہیں حرام کاموں میں تو خرچ نہیں کیا۔ اللہ تعالیٰ کی معصیت میں تو خرچ نہیں کیا؟ غرض یہ کہ سارا حساب کتاب دینا پڑے گا۔ سالانہ حساب کتاب جب تاجروں کا انکم ٹیکس کے موقع پر ہوتا ہے تو سب کو ایک دو مہینے پہلے سے بخار چڑھ جاتا ہے کہ بتانا پڑے گا کہ کہاں سے آیا تھا اور کہاں گیا؟ بچت کیا ہوئی، وہاں دو دو تین تین حساب کتاب چل جاتے ہیں۔ وہاں دو رجسٹر ہوتے ہیں، ایک اصلی ہوتا ہے، ایک نقلی ہوتا ہے، انکم ٹیکس والوں کو دکھانے کے لئے، دونوں میں کوئی نسبت نہیں ہوتی۔ یہاں (اصل میں) آمدنی ایک کروڑ لکھی ہے، وہاں (نقل میں) آمدنی کے بجائے ایک لاکھ روپے خسارہ لکھا ہوا ہے، وہاں تو یہ کام چل جاتا ہے، انکم ٹیکس والا اگر غلطی کو پکڑ لے تو اس کو رشوت دے کر کام چلاتے ہیں، وہاں تو نہ رشوت چلے گی، نہ دوہرے رجسٹر کام آئیں گے۔ وہاں تو سب کچھ سامنے ہوگا، کوئی جھوٹ نہیں بول سکے گا، چھپا نہیں سکے گا، سارے اعمال کا حساب کتاب ہوگا، عمر بھر میں جو کچھ کمایا سب کا حساب ہوگا۔

پانچواں سوال

وعن جسمه فیم ابلاه. (پانچواں سوال جسم کے بارے میں ہوگا کہ) جسم

کی جو نعمتیں ہم نے تمہیں دے رکھی تھیں مثلاً آنکھ، کان، ناک، ہاتھ، پیٹھ، گلا، پاؤں، ٹانگیں یہ سب کچھ دے رکھا تھا، ان سارے اعضاء کو تم نے کس چیز میں خرچ کیا۔ یہ زبان تمہیں دی تھی ستر سال تک تم نے اس سے کام لیا۔ کیسی عجیب وغریب چیز ہے، یہ زبان اور کیسا عجیب آلہ ہے، اگر سٹیل کا ہوتا یا سٹیل سے طاقتور کسی دھات کا ہوتا تو گھس کر اب تک ختم ہو چکا ہوتا، مگر یہ چل رہا ہے اور آٹومیٹک چل رہا ہے، نہ اس کو چابی دینے کی ضرورت، نہ اس میں پٹرول ڈالنے کی ضرورت، نہ ہی کسی اور چیز کی ضرورت، دماغ میں خیال آیا اور اس نے اپنا کام شروع کر دیا۔ اسی طرح یہ آنکھ ہے...... اللہ اکبر...... آنکھ ایک کارخانہ ہے اور بڑا عجیب وغریب اور حیرت ناک کارخانہ ہے، اس کے اندر بارہ کارخانے ہیں اور آج دنیا میں ہر کارخانے کا الگ سپیشلسٹ ڈاکٹر ہے۔ ہمیں معلوم نہیں تھا، جب مجھے اپنی آنکھ کے آپریشن کرانے پڑے مختلف قسم کے کئی آپریشن ہوئے تو پتہ چلا کہ آنکھ کے اندر بارہ حصے ہوتے ہیں۔ ہر حصے کے الگ سپیشلسٹ ہیں۔ اس کے ایک حصے کا آپریشن کرنے والا ڈاکٹر دوسرے حصے کا آپریشن کرنا نہیں جانتا، اس آنکھ میں پورا ایک جہاں ہے، تو اس آنکھ کو کہاں خرچ کیا تھا، اس سے کیا کیا دیکھا تھا، جن چیزوں کے دیکھنے کی ہدایت کی تھی، وہ دیکھی تھیں یا نہیں اور جن چیزوں کے دیکھنے سے منع کیا تھا، ان چیزوں سے اپنی آنکھ کو روکا یا نہیں؟ یہی سوال ہوگا زبان کے بارے میں، ٹانگوں کے بارے میں، دل کے بارے میں حتیٰ کہ پورے جسم کے بارے میں سوال ہوگا کہ کہاں خرچ کیا تھا؟

سوال: سوال یہ پیدا ہوا کہ اتنا لمبا چوڑا حساب ایک آدمی کی پوری زندگی کا، پوری عمر کا، اس کے پورے علم کا اور اس علم کے متعلق عمل کا اور مال کہاں کہاں سے کتنا کتنا کمایا اور کہاں کہاں خرچ کیا۔ اس کا اور تمام جسم کے اعضاء کا، تو اتنا لمبا چوڑا حساب کیسے ہوگا؟

جواب: قرآن حکیم نے جگہ جگہ کہا ہے ''ان اللہ سریع الحساب '' کہ اللہ تعالیٰ تو بہت تیز رفتاری سے حساب کرنے والا ہے، ایسی تیز رفتاری سے حساب ہونے کے باوجود کوئی

چیز حساب سے نہیں بچے گی۔ قرآن کریم نے فرمادیا "فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ وَ مَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ " جس نے ایک ذرے کے برابر کوئی نیک کام کیا ہوگا وہ اس کو بھی دیکھ لے گا اور جس نے ایک ذرے کے برابر کوئی برا کام کیا ہوگا وہ اس کو بھی دیکھ لے گا۔

توبہ کا فائدہ

ہاں اگر گناہ سے توبہ کرلی تھی تو وہ نہیں دکھایا جائے گا۔ یہ بھی کرم ہے اللہ رب العلمین کا اور وہاں جو اعمال دکھائے جائیں گے ان میں یہ اعمال نہیں ہوں گے، جن گناہوں سے بندے نے توبہ کرلی وہ اعمال نہ آخرت میں دکھائے جائیں گے، نہ لکھے ہوئے پیش ہوں گے اور نہ ہی ان کا سوال ہوگا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں توبہ کی توفیق عطاء فرمائے۔ آمین!

وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمين

اسلامی انقلاب اور ہماری ذمّہ داری

موضوع: اسلامی انقلاب اور ہماری ذمہ داری

خطاب: مفتی اعظم پاکستان مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی مدظلہ

بمقام: جامع مسجد جامعہ دارالعلوم کراچی

ضبط و ترتیب: مولانا عبدالتواب

اسلامی انقلاب اور ہماری ذمہ داری

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للّٰہ وکفی والصلوٰۃ والسلام علی نبیہ المجتبیٰ وعلیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ.

اما بعد!

تمہیدی گفتگو کے بعد ارشاد فرمایا کہ:

یہ آپ سب کو معلوم ہے کہ اس وقت مسلمانوں پر بہت کڑا وقت آیا ہوا ہے، مسلمان جگہ جگہ ظلم وستم کا شکار ہیں اور جتنے بھی مسلم حکمران ہیں وہ سب کے سب دباؤ میں ہیں اور اسی دباؤ کی وجہ سے بعض بدنصیب کبھی داڑھی کا مذاق اڑا رہے ہیں اور کبھی پردے کا مذاق اڑا رہے ہیں۔

اسلام کی نشاۃ ثانیہ

لیکن یاد رکھئے کہ یہ تصویر کا ایک رخ ہے جو اخبارات، جرائد، ٹی وی، ریڈیو کے ذریعہ سامنے آرہا ہے۔ یہ اوپر کا رخ ہے لیکن ان حالات و واقعات کی تہہ کے نیچے کچھ اور ہو رہا ہے، جیسے سمندر کی لہروں کا ایک ظاہری انداز ہے لیکن ان لہروں کے نیچے کچھ اور طوفان برپا ہوتے ہیں جو سطح کے بالکل مخالف ہوتے ہیں بعض اوقات تو اوپر کا

پانی بہت ٹھنڈا ہوتا ہے اور نیچے پانی گرمی سے ابل رہا ہوتا ہے۔ اسی طرح حالات کی اوپر کی سطح میں مسلمان پسپا ہوا اور کمزور نظر آرہا ہے لیکن اندرونی سطح، اللہ کی قدرت کاملہ سے ایک اسلامی انقلاب آنے کی خبر دے رہی ہے۔ اسلام کی نشاۃِ ثانیہ شروع ہو چکی ہے، دنیا کی کوئی طاقت اسے روک نہیں سکتی۔ انقلاب کون لا رہا ہے؟ کیسے آرہا ہے؟ یہ سوائے اللہ کے کسی کو معلوم نہیں، یہ جنگی انقلاب نہیں بلکہ یہ ایک فکری، معاشرتی، اخلاقی انقلاب ہے، مقلب القلوب کا دلوں میں پیدا کردہ انقلاب ہے اور جہاں جہاں اسلامی جہاد ہو رہا ہے، وہ بھی اسی دینی انقلاب کا حصہ ہے۔

یہ خوشگوار تبدیلی پچھلے پندرہ بیس سال سے آئی ہے۔

پچھلے سال جون میں میرا اردن اور شام کا سفر ہوا، میرے ایک دوست جو دنیا میں بہت گھومے پھرے ہیں اور اچھے تجربہ کار ہیں، جب انہوں نے مجھ سے سنا کہ میں اردن اور شام جا رہا ہوں تو انہوں نے کہا کہ وہاں جا کر کیا کریں گے، وہاں تو بالکل مغربی تہذیب ہے۔ امریکی سیاست مسلط ہے، عورتوں میں پردہ نہیں، اسلامی معاشرہ دور دور تک نظر نہیں آتا، فحاشی وعریانی کا دور دورہ ہے اور بالکل یہی بات ہم مصر کے بارے میں بھی سنتے تھے۔

اسی سال ہمارا جاپان اور امریکہ کا بھی سفر ہوا، اُردن، شام اور ایران کے سفر بھی ہوئے۔ اور اب سعودی عرب اور مصر کا سفر ہوا، ان تمام سفروں میں سنی ہوئی باتوں کے برعکس صورتحال نظر آئی، اب تو وہاں ایک انقلاب سا آتا نظر آرہا ہے۔

جن مسلم ممالک کا اس سال سفر ہوا ان میں اول تو بازاروں میں عورتیں کم نظر آتی ہیں، اور جو نظر بھی آتی ہیں ان میں بھی پردے کا اہتمام ہے، جب کہ عرب ممالک کے بارے میں تو یہ بات مشہور تھی کہ وہاں خواتین پردے کا اہتمام نہیں کرتیں، لیکن یہ سب شہرت پرانی صورتحال کی بناء پر ہی ہے، ورنہ اردن میں، مصر میں، سعودی عرب میں،

شام میں اور ایران میں اب عورتیں پردے میں نظر آتی ہیں، مساجد آباد ہیں، جن میں امام بڑی حد تک تعلیم یافتہ قاری ہیں۔ تبلیغی کام بھی بڑے پیانے پر ہو رہا ہے۔

لوگوں نے بتایا کہ یہ تبدیلی پندرہ بیس سال میں آئی ہے، ورنہ اس سے پہلے پہچانا نہیں جاتا تھا کہ آپ اسلامی ملک میں آئے ہیں یا کسی مغربی ملک میں آگئے ہیں۔

علمِ دین کی پیاس

دین کی طلب کا یہ حال ہے کہ میں اردن اور شام سیاحت کے لئے گیا تھا لیکن احباب نے پکڑ لیا کہ آج فلاں جگہ بیان ہے اور کل فلاں جگہ اور باقاعدہ مجلسیں منعقد کی گئیں کہ پاکستان سے مفتی صاحب آئے ہوئے ہیں، اہم مسائل اُن سے پوچھیں گے۔

اُردن میں

ایک دن عمان (اردن) میں باقاعدہ اعلان کر کے علمائے کرام کو جمع کیا گیا کہ اہم مسائل مفتی صاحب سے پوچھے جائیں گے، جمع ہونے والوں میں مرد بھی تھے خواتین بھی، مصنف بھی تھے، ادیب بھی، عالم بھی تھے، قاری بھی، اور بعض مفتی صاحبان بھی تھے۔ (الحمد للہ اردن میں یہ مشہور ہے کہ ہندو پاک کے علماء ٹھوس علم رکھنے والے صاحبِ کمال ہوتے ہیں،) میں نے ان کو مجلس کے آغاز ہی میں حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی صاحبؒ کا یہ ارشاد سنا دیا کہ:

> ''الحمد للہ میرے پاس ایک ایسا گُر ہے کہ میں ہر مشکل سے مشکل سوال کا جواب دے سکتا ہوں۔''

حضرت تھانویؒ کا یہ ارشاد سن کر سب علماء جو حاضر تھے حیران رہ گئے کہ یہ کیا فرما رہے ہیں، ایسا دعویٰ تو کسی نبی نے بھی نہیں کیا، حضور ﷺ سے جبرئیل علیہ السلام نے پوچھا کہ ''اخبرنی عن الساعۃ'' (قیامت کب آئے گی) تو حضور ﷺ نے جواب میں فرمایا کہ ''ما المسؤل عنها باعلم من السائل'' یعنی قیامت کے بارے میں

جواب دینے والا پوچھنے والے سے زیادہ نہیں جانتا۔ اور حضرت تھانوی صاحب فرمارہے ہیں کہ ہر مشکل سے مشکل سوال کا جواب میرے پاس موجود ہے۔

تو حضرت تھانویؒ نے فرمایا وہ گر یہ ہے کہ جس سوال کا جواب معلوم ہوگا بتا دوں گا اور جس سوال کا جواب معلوم نہیں ہوگا تو کہہ دوں گا ''مجھے نہیں معلوم۔'' یہ بھی تو ایک جواب ہے۔ یاد رکھئے ''لا اَدری'' (مجھے نہیں معلوم) کہنے سے انسان کی عزت میں کمی نہیں آتی، امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ''لقنو اصحابکم قول لا ادری ''یعنی تم اپنے شاگردوں کو یہ کہنا سکھاؤ کہ ''مجھے نہیں معلوم''۔

شام میں

تقریباً یہی حال شام میں تھا، وہاں تین دن قیام ہوا، وہاں کے علماء چاہتے تھے کہ وہ زیادہ سے زیادہ وقت ہمارے ساتھ گزاریں، عوام میں بھی جس سے بات چیت کی نوبت آئی یہی محسوس ہوا کہ دل ایمان سے بھرا ہوا ہے۔ الفت ومحبت، انکساری اور خوش اخلاقی ان کا مزاج ہے، اگرچہ خواتین میں پردے کا خاص اہتمام نہیں اور مرد اکثر داڑھی نہیں رکھتے لیکن بات بات پر ذکر اللہ، دعائیں اور درود شریف کی کثرت ان کی عادت ہے۔ مسجدوں کی آبادی اور علماء کی عزت نظر آتی ہے، کچھ دینی مدارس بھی ہیں جو اچھا کام کر رہے ہیں، وہاں بھی پندرہ بیس سال پہلے ایسی بات نہیں تھی، وہاں تبلیغ کا کام بنسبت اردن کے بہت کم ہے۔

سعودی عرب میں

سعودی عرب کا حال آپ حضرات کو معلوم ہی ہے، وہاں تمام سرکاری تعلیمی اداروں میں دینی تعلیم اچھے خاصے معیار کی ایک حد تک لازم ہے۔ سب سے زیادہ اسلامی قوانین (سو فیصد تو نہیں) نافذ ورائج ہیں، وہاں عدلیہ شریعت کی پابند ہے جس کی وجہ سے آج وہاں امن وامان کا دور دورہ ہے۔ مال وجان، عزت وآبرو، غیرت وناموس

محفوظ ہے۔

مصر میں

اسی طریقے سے مصر کے بارے میں طرح طرح کی باتیں سن رکھی تھیں کہ وہاں کے لوگ متکبر اور اکھڑ مزاج ہوتے ہیں۔ علماء کے خلاف عوام میں جذبات پائے جاتے ہیں۔ داڑھی کو معیوب سمجھا جاتا ہے۔ فحاشی وعریانی ہے، وغیرہ وغیرہ لیکن ابھی حالیہ سفر میں ہم نے مصر کے دینی اداروں، مساجد، علمی حلقوں، بازاروں بعض تفریح گاہوں اور عجائب گھروں وغیرہ کا دورہ کیا تو پتہ چلا کہ جتنی باتیں سن رکھی تھیں وہ سب کی سب سراسر غلط ہیں۔ حقیقت میں وہ بڑے مہمان نواز اور صاحب مروت ہیں۔ مزاجوں میں شرافت وسادگی غالب ہے۔ قاہرہ کو بھی دیکھا جس کے بارے میں مشہور ہے کہ یہ فحاشی اور عریانی کا مرکز ہے۔ وہاں جا کر دیکھا تو پتہ چلا کہ قاہرہ تو مسجدوں کا شہر ہے۔ نماز کے اوقات میں پورا شہر اذانوں سے گونج اٹھتا ہے اور ہر مسجد کے اندر خواتین کیلئے پردے کے ساتھ نماز پڑھنے کا انتظام ہے۔ الحمد للہ میری اہلیہ بھی ساتھ تھیں، ان کے ذریعہ خواتین کا حال بھی وقتاً فوقتاً معلوم ہوتا رہا۔

قاہرہ میں جمعہ کی نماز ''جامع عمرو بن العاص'' میں پڑھنے کی توفیق ہوئی۔ یہ فاتح مصر حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے نام سے موسوم ہے۔ خطیب صاحب نے عربی میں سیرت طیبہ پر ایسا بلیغ اور ایمان افروز خطبہ دیا کہ دل باغ باغ ہو گیا۔

ہمارے ساتھ جو ڈرائیور تھا اس نے بتایا کہ میرے تین بیٹے حافظ قرآن ہیں حالانکہ اس کے چہرے پر داڑھی بھی نہیں تھی۔ ایک نوجوان جو بازار میں کھلونے بیچ رہا تھا وہ کہنے لگا کہ آپ نے یہاں اسلام کو کیسا پایا؟ میں نے عرض کیا جیسا سنا تھا اس سے بہتر پایا تو وہ کہنے لگا کہ ہم اپنے اعمال میں اسلام کی کمی بہت محسوس کرتے ہیں، دعا کریں کہ ہم اچھے مسلمان بن جائیں، اور اسلام کا بول بالا ہو، اخلاق کا یہ عالم ہے کہ جس دوکاندار

یا ڈرائیور یا مزدور یا ہمسفر سے بات کرو تو اولاً تو آپ کے اور اس کے درمیان دیر تک دعاؤں کا تبادلہ ہوتا رہے گا، پھر دورانِ گفتگو وہ بات بات پر ایک دوسرے کو دعائیں دینے کے عادی ہیں، عموماً ان کی تقریباً ہر بات اللہ کے ذکر سے شروع ہوتی ہے اور اللہ ہی کے ذکر پر ختم ہوتی ہے۔ مصر میں اکثریت نماز کی پابند ہے برخلاف پاکستان کے، کہ یہاں نمازوں کے اوقات میں اکثر حضرات بازاروں، ہوٹلوں، کیفوں وغیرہ میں ہوتے ہیں۔ **انا للّٰہ و انا الیہ راجعون۔**

''جامع الازھر'' جو ''جامعۃ الازھر'' کے زیر انتظام ایک جامع مسجد ہے، ہم نے مغرب کی نماز وہاں ادا کی، امام صاحب جید قاری تھے، مگر ملاقات ہوئی تو داڑھی صاف تھی، ہمارے ایک تبلیغی ساتھی نے جو سعودی عرب سے ہمارے ساتھ آئے تھے عرض کیا کہ کیا بات ہے کہ یہاں داڑھی کم نظر آتی ہے، کیا حکومت کی طرف سے پابندی ہے؟ تو انہوں نے بتایا کہ نہیں، لوگ خود ہی نہیں رکھتے ورنہ حکومت کی طرف سے کوئی پابندی نہیں، اپنی غلطی کا اعتراف کرتے ہوئے ہم سے انہوں نے ہدایت کی دعاؤں کی درخواست کی اور عرب روایات کے عین مطابق ہم نو واردوں کو مہمان نوازی سے نوازا۔

حیرت ناک بات یہ تھی کہ مصر میں خواتین کی بھاری اکثریت ہر جگہ بُرقع میں نظر آئی، اور جو بغیر بُرقع کے ہوتی تھیں تو ان کا بھی پورا بدن ڈھکا ہوتا تھا صرف چہرہ اس طرح کھلا ہوتا تھا کہ اس کے ساتھ کان، بال اور گلے کا کوئی حصہ نظر نہیں آتا، مجھے تو کم از کم کوئی مسلمان عورت بے پردہ نظر نہیں آئی، کچھ خواتین بے پردہ تھیں، معلوم کرنے پر پتہ چلا کہ یہاں کوئی مسلمان عورت بے پردہ نہیں ہوتی، جو بھی بے پردہ خواتین ہیں یا تو وہ عیسائی ہیں، یا یہودی، قاہرہ کے مشہور عالم دین ہمارے دوست جناب حسن الشافعی نے بھی یہ بات بتائی اور فرمایا کہ مسلمانوں میں یہ پردہ اور یہ تبدیلی بیس پچیس سال سے آئی ہے، ورنہ اس سے پہلے یہاں تمام برائیاں عام تھیں، میں نے پوچھا یہ تبدیلی کیسے آئی، کہنے لگے یہ معلوم نہیں، بس اتنا صاف نظر آرہا ہے کہ تبدیلی آئی ہے۔ لوگوں کے دلوں پر

اسلام کا غلبہ اور دین کی طرف میلان ہے لیکن یہ نہیں کہہ سکتے کہ فلانی جماعت سے یہ تبدیلی آئی ہے......اور یہی کیفیت ایک اسلامی انقلاب آنے کی دلیل ہے۔

غیر مسلم ممالک میں

امریکہ میں اسلام اس قدر تیزی سے پھیل رہا ہے کہ امریکی صدر نے بھی تسلیم کرلیا کہ امریکہ میں اسلام سب سے زیادہ تیزی سے پھیلنے والا مذہب ہے، دنیا کی کل آبادی کا پانچواں حصہ مسلم آبادی پر مشتمل ہے۔ تقریباً ۴۰ سال پہلے امریکہ، جاپان، چین اور یورپ وجنوبی افریقہ وغیرہ میں کوئی عورت برقع میں نظر نہیں آسکتی تھی۔ لیکن اب الحمد للہ ہم وہاں اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں کہ برقع عزت وشرافت کی علامت کے طور پر پہچانا جاتا ہے۔

اس انقلاب کو رہنمائی اور قیادت کی ضرورت ہے

غور طلب بات یہ ہے کہ یہ انقلاب جو آرہا ہے اس کی رہنمائی کون کرے گا؟ اس رہنمائی کے لئے آپ طلبہ کو تیار ہونا ہے، غیر مسلم ممالک میں اس دینی انقلاب کی رہنمائی کے لیے باعمل اور باکردار علمائے دین کی شدید ضرورت ہے۔ اگر کوئی رہنمائی کرنے والا نہ ہوا تو یہ انقلاب نہیں بلکہ فساد فی الارض ہوگا۔ ضرورت اس وقت اس انقلاب کو سنبھالنے کی ہے، منظم کرنے کی ہے، رہنمائی کرنے کی ہے اور صحیح قیادت کی ضرورت ہے تاکہ یہ انقلاب خیر کو پھیلائے اور برائیوں کو مٹائے، ظلم کا خاتمہ کرکے عدل و انصاف قائم کرے۔

رہنما بننے کے لیے رہنمائی اور تربیت لینے کی ضرورت ہے

یاد رکھئے کوئی عالمگیر اسلامی تحریک محض کسی ایک فرد کا کارنامہ نہیں ہوا کرتی، قائد محرک ورہنما ضرور ہوتا ہے، مگر اس کے ساتھ باصلاحیت مخلصین کی ایک بڑی تعداد

ہوتی ہے جن کی وہ رہنمائی کرتا ہے اور ان کو منظم کرتا ہے۔ عالم اسلام کو اس وقت صحیح قیادت کی بھی ضرورت ہے اور اس کے ساتھ باصلاحیت اور باکردار مخلصین کی ایک بڑی جماعت کی ضرورت ہے مگر اس کے لیے تیاری کی ضرورت ہے۔ اب صلاحیت پیدا کیے بغیر ہر ایک امام بننا چاہتا ہے، مقتدی بننے کے لیے کوئی تیار نہیں، جس سے قیادت تو کیا سامنے آتی، نزاعات اور فتنے اٹھ کھڑے ہوتے ہیں۔ اس لیے قیادت کی ضرورت کو پورا کرنے کیلئے مقتدی بننے کی ضرورت ہے۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے کہ **لن یصلح آخر هذه الامة إلا ماصلح به اولها.** صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نے سب سے پہلے صبر وتقویٰ اختیار کیا اور ۱۳ سال تک تلوار نہیں اٹھائی بلکہ اپنے نفس کے ساتھ جہاد کیا۔ مشکلات سہنے کی طاقت تیار کی۔ عدل و انصاف اور عبدیت اپنے اندر پیدا کی۔ رسول اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت و محبت دلوں میں بٹھائی، جب اس تیاری کے بعد تلوار اٹھائی تو دنیا میں ان کا مقابلہ کوئی نہ کرسکا کیوں؟ اس لیے کہ یہ تلوار معاشرہ کے بہترین افراد کے ہاتھوں میں تھی، آپ حضرات کو معلوم ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میدان احد میں اعلان فرمایا تھا کہ میری تلوار اس شخص کو ملے گی جو اس کا وعدہ کرے کہ وہ اس کا حق ادا کرے گا۔ آخر میں تلوار ابودجانہ رضی اللہ عنہ کو ملی کہ اس سے عورتیں، بچے، بوڑھے، ضعیف اور بے گناہ لوگ محفوظ رہیں۔

عزیز طلبہ! ان مذکورہ صفات سے متصف ہوکر اپنے آپ کو اس آنے والے انقلاب کے لیے علمی اور اخلاقی طور پر تیار کرو اور باہمی اتحاد واتفاق کی عادت ڈالو۔

انکساری، حسن اخلاق اور نرم مزاجی اختیار کرو

حضرت والد صاحب (حضرت اقدس مولانا مفتی محمد شفیع صاحب قدس سرہ) فرمایا کرتے تھے کہ دو متکبروں میں کبھی اتحاد نہیں ہوسکتا، اتحاد تو تواضع کے ساتھ ہی ہوسکتا ہے، قرآن کریم میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تواضع اور نرمی کو بیان کیا گیا ہے اور اعلان کر

دیا گیا: وما ارسلناک الا رحمة للعالمین. یعنی ہم نے آپ کو تمام جہانوں کیلئے صرف رحمت ہی بنا کر بھیجا ہے اور قرآنِ حکیم ہی میں آپ ﷺ کو خطاب کر کے فرمایا گیا کہ: ''لَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ '' یعنی اگر آپ ﷺ کا مزاج سخت ہوتا تو لوگ آپ سے بیزار ہو کر منتشر ہو جاتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حسنِ اخلاق اور نرمی ورأفت سکھلائی اور فرمایا کہ (بعثت لأتمم مکارم الأخلاق) ''یعنی میں اس لیے بھیجا گیا ہوں کہ اخلاق کی تکمیل کردوں'' آپ ﷺ نے نرمی کو عملاً کر کے دکھایا اور قولاً صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو یمن بھیجتے وقت فرمایا کہ: یسّروا ولا تعسّروا بشّروا ولا تنفروا یعنی تم لوگوں کے ساتھ آسانی کا معاملہ کرنا مشکل برتاؤ نہ کرنا، ان میں شوق پیدا کرنا انہیں بیزار نہ کرنا۔

ان صفات کے بغیر آپ امت میں اتحاد اور یکجہتی پیدا نہیں کر سکتے۔ اس لیے اپنے اندر حصول علم اور اس میں رسوخ کے ساتھ ساتھ یہ صفات بھی پیدا کرو، خود کو مقتدی (فرمانبردار) بناؤ۔ پھر امت خود ہی تم میں سے باصلاحیت قیادت کا انتخاب کرلے گی۔

اللہ تعالیٰ ہمیں دین کی صحیح فہم اور اس پر عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

وآخر دعوانا ان الحمد للّٰہ رب العالمین.

☆......☆......☆

طلباء کو اہم نصیحتیں

موضوع: طلباء کو اہم نصیحتیں

خطاب: مفتی اعظم پاکستان مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی مدظلہ

مقام: جامع مسجد جامعہ دارالعلوم کراچی

موقعہ: افتتاح درسِ بخاری

ضبط و ترتیب: مولانا طلحہ اقبال صاحب

طلباء کو اہم نصیحتیں

الحمد للّٰہ و کفی والصلوٰۃ والسلام علی نبیہ المجتبیٰ

و علی عبادہ الذین الصطفی. اما بعد!

حاضرین وسامعین گرامی قدر! ہمارے لیے یہ بڑی سعادت کا مقام ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں ایک مرتبہ پھر افتتاح بخاری سے نیا تعلیمی سال شروع کرنے کا موقع عطا فرمایا کیونکہ آج کی یہ مجلس افتتاح بخاری کی بھی ہے اور نئے تعلیمی سال کے آغاز کی بھی اور اس افتتاح کے لیے بدھ کا دن اس لیے منتخب کیا گیا ہے کہ صاحب ہدایہ (رحمۃ اللہ علیہ) ایک حدیث روایت کرتے تھے کہ:

﴿قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مَامِن شَیٌٔ بُدِیَٔ فِیْ یومِ الْاَرْبَعَاء اِلَّا وَقَدْتَمَّ﴾ (تعلیم المتعلم ص ۴۳)

ترجمہ ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو کام بھی بدھ کے دن شروع کیا جائے اللہ تعالیٰ اس کام کو پایۂ تکمیل تک پہنچاتے ہیں اور اس میں خیر و برکت عطا فرماتے ہیں۔''

جو اسمائے گرامی اس حدیث مبارکہ کی سند میں پڑھے گئے ہیں، ان سے ایک ایک شخصیت علم وعمل کا ایسا پہاڑ ہے کہ ان جیسی علمی شخصیات بہت کم ہوتی ہیں اور ایسے اونچے درجے کے اولیاء اللہ ہیں کہ ان کے ناموں میں بھی برکت ہے۔ ہمیں بہت امید

ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں یہ تمام برکتیں عطا فرمائیں گے۔

صاحب کتاب (رحمۃ اللہ علیہ) نے اپنی کتاب کا آغاز اس حدیث مبارکہ سے کیا ہے:

﴿إنّما الاعمال بالنيّات وإنّما لامرئ مانوى﴾(الخ)

ترجمہ "اعمال کا دار و مدار نیتوں پر ہے اور ہر شخص
کو وہی کچھ ملے گا جس کی اس نے نیت کی ہوگی۔" (الخ)

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے باب کا عنوان تو قائم کیا:

﴿كيف كَانَ بدءُ الوحي إلى رسول الله ﷺ﴾

یعنی اس باب میں اس بات کا بیان ہوگا کہ رسول اللہ ﷺ پر وحی کا آغاز کیسے ہوا؟ اور یہ کہ آپ ﷺ پر وحی کے آنے کا طریقہ کیا ہے؟ لیکن اس کے ذیل میں حدیث لائے۔

﴿إنّما الا اعمال بالنيّات﴾

"یعنی اعمال کا دار و مدار نیتوں پر ہے"

ظاہر نظر میں اس حدیث کا ترجمۃ الباب سے کوئی تعلق معلوم نہیں ہوتا۔ بہت کوشش کر کے کوئی نکالنا چاہے تو ممکن ہے نکال لے لیکن بظاہر اس حدیث کا ترجمۃ الباب سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب میں جگہ جگہ ایسا کرتے ہیں اور عام طور پر یہ کام اپنے شاگردوں کو توجہ دلانے اور چونکانے کیلئے کرتے ہیں تو یہاں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ایسا ہی کیا ہے کہ باب:

﴿كيف كان بدءالوحي﴾

قائم کیا، لیکن حدیث لائے۔

﴿إنّما الاعمال بالنيّات﴾

اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ "آگے بڑھنے سے پہلے اپنے دل کا جائزہ لے لو، اپنے گریبانوں میں جھانک کر دیکھ لو، اپنی نیت

ٹھیک کرلو، کہیں ایسا نہ ہو کہ اس کتاب کے پڑھنے پڑھانے کا مقصد اللہ تعالیٰ کی رضامندی کے علاوہ کوئی اور ہو۔ اس لیے پہلے قدم پر اپنی نیت ٹھیک کرلو۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی جانب سے آج کا سب سے پہلا درس جو طلبہ دورہ حدیث، دیگر تمام درجات کے طلبہ، اساتذہ اور خدام دارالعلوم کے لیے ہے وہ یہ ہے کہ آج تعلیمی سال کا آغاز ہورہا ہے اور ایسا مقدس عمل شروع ہورہا ہے جو اس امت کے اجتماعی کاموں اور نفلی عبادتوں میں بالاتفاق سب سے افضل عمل ہے اس کو شروع کرنے سے پہلے اپنی نیتوں کا جائزہ لے کر انہیں ٹھیک کرلو۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا ارشاد ہے کہ:

﴿تدارس العلم ساعة من الليل خير مّن احياء ها﴾ (مشكوٰة)

''رات کی کسی ایک گھڑی میں تعلیم وتعلم کا مشغلہ اختیار کرنا اس پوری رات کو عبادت میں گزارنے سے افضل وبہتر ہے۔''

لہٰذا اس مقدس عمل کو شروع کرنے سے پہلے اپنی نیت کو درست کرلو کیونکہ اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے۔

چونکہ اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے اس لیے اگر نیت خراب ہے تو بعض اعمال تو صحیح نیت کے بغیر ادا ہی نہیں ہوتے مثلاً نماز ادا نہیں ہوتی، روزہ، حج اور زکوٰۃ کی ادائیگی نیت پر موقوف ہے اور بعض اعمال ادا تو ہو جاتے ہیں جیسے وضو لیکن ان اعمال کا ثواب نیت کے بغیر نہیں ملتا تو بہت سے اعمال کا وجود اور بہت سے اعمال کا ثواب بغیر نیت صحیحہ کے حاصل نہیں ہوتا۔

نیت دل کے ارادے کو کہتے ہیں۔ زبان سے نیت کرنا ضروری نہیں ہے۔ اصل نیت دل کی ہوتی ہے، بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ زبان سے نیت کرنا ضروری ہے حالانکہ یہ درست نہیں ہے اگر زبان سے نیت نہ بھی کی مگر دل سے نیت کرلی تو کافی ہے۔ اس کے برعکس اگر زبان سے تو نیت کرلی مگر دل سے نہیں کی تو نیت شمار نہ ہوگی۔

کس چیز کی نیت کی جائے؟

نیت سب سے پہلے اس بات کی کرنی چاہیے کہ ہم جو کچھ پڑھیں گے یا پڑھائیں گے، چاہے تفسیر قرآن کریم ہو، چاہے احادیث ہوں، چاہے فقہ ہو یا کوئی اور فن؟ ان میں سے جن جن چیزوں کا تعلق ہمارے عقیدے سے ہوگا اس کے ذریعہ ہم اپنا عقیدہ ٹھیک کریں گے اور جن کا تعلق ہمارے عمل کے ساتھ ہوگا ہم ان پر اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے عمل کرنے کی بھرپور کوشش کریں گے۔

خوب سوچ لیجئے! ہم جو کچھ پڑھتے یا پڑھاتے ہیں، سب سے پہلے یہ ہمارے اپنے لیے ہے، یہ پڑھنا پڑھانا دوسروں کے لیے بھی ہے لیکن وہ ثانوی درجہ ہے لہٰذا سب سے پہلے خود عمل کرنے کی نیت سے پڑھنا چاہیے۔

کوئی بات یاد رکھنے کا سب سے بڑا اور بہترین طریقہ اس پر عمل کرنا ہے۔ رٹنے سے بھی کوئی چیز اتنی یاد نہ ہوگی جتنی عمل سے یاد ہوگی لہٰذا اگر آج سے ہم اس حدیث پر عمل شروع کردیں گے تو ہمیں یہ حدیث بھی یاد رہے گی۔

ہمیں دوسری نیت یہ کرنی ہے کہ ہم سنت کے مطابق زندگی گزارتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے پیغام کو دوسروں تک پہنچانے کیلئے یہ علم حاصل کریں گے تاکہ اللہ تعالیٰ کی رضا دونوں جہانوں کی کامیابی ہمیں مل سکے۔

اس نیت کو تعویذ بنا کر گلے میں ڈال لیجئے اور دل کی گہرائیوں میں اتار لیجئے۔ طلبہ، اساتذہ اور خدام سب کو اس کا اہتمام کرنا چاہیے۔

ایک اہم نکتہ

اللہ تعالیٰ کا بندوں پر ایک احسان عظیم یہ بھی ہے کہ انسان جب کوئی کام، نیک نیت سے شروع کردے اور بعد میں کام کرتے ہوئے اس نیت کی طرف خیال نہ جائے

اور اس کے مخالف بھی کوئی نیت نہ کرے تو اس نیت کا ثواب اور حکم باقی رہے گا کیونکہ اس نیت کو ہر وقت مستحضر رکھنا ضروری نہیں ہے۔

نیت فاسدہ کا نیت صحیحہ کے معارض آنا

اب مخالف نیت کیا ہوسکتی ہے؟ مثلاً یہ نیت کرنا کہ ہم عالم بنیں گے، شہرت ہو جائے گی یا کوئی بڑا عہدہ مل جائے گا، کوئی بڑی ملازمت مل جائے گی یا علامہ کہلائیں گے اور اس زمانے میں فلاں فلاں لقب مل جائے گا۔ یہ تمام نیات فاسدہ ہیں۔ جب ان میں سے کوئی نیت پائی گئی تو اس صورت میں پہلی نیت معدوم ہو جائے گی اور وہ عمل عبادت نہیں رہے گا بلکہ معصیت بن جائے گا۔ (اللھم احفظنا منه) ہمیں ساتھ ساتھ دعا بھی کرتے رہنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں درست نیتیں کرنے اور ان پر قائم رہنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

اتنی بات تو حدیث کے متعلق عرض کردی، باقی تفصیلات انشاء اللہ درسگاہ میں آئیں گی، اب کچھ باتیں اپنے طالب علم ساتھیوں سے کرنا چاہتا ہوں۔

دین کی بقاء اسی سے ہے!

پہلی بات تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا انعام ہے کہ اس نے ہمیں افضل ترین عمل میں لگنے کی توفیق عطا فرمائی ہے۔ جس کی افضلیت میں فقہاء کرام اور محدثین عظام میں سے کسی کا کوئی اختلاف نہیں ہے۔ ظاہر بھی ہے کیونکہ دین کا بقاء اسی سے ہے۔

وہ دین مٹ جایا کرتا ہے جس کا علم باقی نہ رہے۔ عیسائیت کا دین مٹ گیا، جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام لائے تھے کیونکہ اس کا علم باقی نہ رہا۔ رب العلمین نے اس دینِ اسلام کی بقاء کی ضمانت دی ہے۔ وہ لوگ خوش قسمت ہوں گے جو اس کے برقرار رکھنے میں اپنا کردار ادا کریں گے اور بقائے دین کی سب سے پہلی کڑی ''تعلیم'' دین ہے۔

تعلیم دین کا فریضہ عمومی اعتبار سے سب سے افضل فریضہ ہے۔ اگرچہ جہاد اور

تبلیغ کے بھی بہت زیادہ فضائل ہیں لیکن خوب یاد رکھئے! کہ عمومی لحاظ سے تعلیمِ دین کا فریضہ ان دونوں سے افضل ہے اگرچہ بعض خصوصی حالات میں ان کی فضیلت علم دین سے بڑھ جاتی ہے۔ مثلاً ایک غزوہ کے موقع پر ایک شخص مشرف باسلام ہوئے اور آنحضرت ﷺ کی خدمتِ عالیہ میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ "یارسول اللہ ﷺ! کیا عمل کروں؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ "جہاد ہو رہا ہے اس میں شریک ہو جاؤ" عرض کیا: اگر میں اس میں مارا جاؤں تو میرا کیا ہوگا؟ فرمایا "جنت میں جاؤ گے۔"

یہ فرمان سن کر وہ صحابی (رضی اللہ عنہ) جہاد میں شریک ہو گئے۔ لڑے اور خوب بہادری سے لڑے حتیٰ کہ جامِ شہادت نوش فرما گئے۔

سیدھے جنت میں گئے، اس وقت انہیں حدیث پڑھنے، علم دین حاصل کرنے یا نماز پڑھنے کا حکم نہیں دیا گیا کیونکہ نماز کا وقت نہیں تھا۔ معلوم ہوا کہ یہ خصوصی حالت تھی لیکن عمومی حالات میں سب سے افضل مشغلہ تعلیم دین ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس دین کی خدمت کرنے کے ساتھ ساتھ اس نعمتِ عظمیٰ کی قدر کرنے اور اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

شکر کی حقیقت

شکر کی حقیقت میں یہ بات بنیادی طور پر داخل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں جو نعمتیں عطا فرمائی ہیں ہم ان نعمتوں کو اس ذاتِ اقدس کی نافرمانی کے کاموں میں استعمال نہ کریں اب جبکہ اللہ رب العلمین نے ہمیں اپنے کرم سے تعلیم دین کی نعمت عطا فرمائی ہے تو اس کے حصول میں ہمہ تن گوش ہو کر لگے رہیں اور اپنے اوقات کو معصیت اور گناہ کے کاموں سے بچانے کی پوری کوشش کریں۔

ہمارے اکابر کی قربانیاں

دیکھئے! آج حدیث مبارک کی سند میں جن بزرگوں کے اسمائے گرامی پڑھے

گئے ہیں، ان کے حالات اٹھا کر پڑھئے۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے حالات دیکھئے، کیسی کیسی مشقتیں، مصیبتیں اور کیسی کیسی، جفاکشیاں اس علم دین کے حاصل کرنے میں برداشت کی ہیں۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے زندگی کے ایک بڑے حصے میں سالن استعمال نہیں کیا، ایک مرتبہ بیمار ہو گئے۔ اطباء نے ان کا پیشاب دیکھ کر کہا کہ: یہ پیشاب کسی عیسائی راہب کا لگتا ہے جو سالن استعمال نہیں کرتا۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا تو فرمایا: ''میں نے چالیس سال سے سالن نہیں کھایا۔'' اطباء نے ان کا علاج سالن تجویز کیا لیکن انہوں نے سالن کھانے سے انکار فرما دیا اور جب علماء و مشائخ نے بہت اصرار کیا تو اس پر راضی ہوئے کہ روٹی کے ساتھ شکر استعمال کرلوں گا۔[1]

زمانہ طالب علمی میں ایک مرتبہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اچانک سبق میں آنا چھوڑ دیا، ان کے ہم درس ساتھیوں کو تشویش لاحق ہوئی کہ وہ تو تاخیر سے کبھی نہیں آئے، آج غیر حاضر کیسے ہو گئے؟ جب اگلے دن بھی امام رحمۃ اللہ علیہ سبق میں حاضر نہ ہوئے تو ان کے ساتھی خیریت معلوم کرنے کے لیے ان کے حجرے کے پاس گئے۔ دروازہ کھٹکایا، مگر کوئی جواب نہ آیا، بالآخر بلند آواز سے کہا: ''بخاری! اگر تم زندہ ہو تو جواب دو، ورنہ ہم تمہارا دروازہ توڑ کر تمہاری حالت دریافت کریں گے۔''

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اندر سے جواب دیا: ''الحمدللہ میں خیریت سے ہوں، درس میں اس لیے حاضر نہ ہوسکا کہ میرے پاس ایک ہی جوڑا تھا، اس کو زیب تن کیا کرتا تھا اور پھٹنے پر پیوند لگا لیا کرتا تھا مگر اب وہ اتنا خستہ ہو گیا ہے کہ پیوند کے قابل نہیں رہا۔''

ایسے ہی حضرت امام نووی رحمۃ اللہ علیہ کے حالات کا مطالعہ کیجئے، کتنے بڑے امام اور جلیل القدر محدث ہیں، ان کا شمار مذہب شوافع میں اصحاب الترجیح میں ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے انہیں اولیاء کرام میں بھی بہت اونچا مقام عطا فرمایا تھا مگر عمر صرف پینتالیس

---

[1] ھدی الساری (ص ۴۸۱) و تہذیب الاسماء (ج ۱)

سال تھی۔ شادی بھی نہیں کی۔ ساری زندگی دو سالن ایک ساتھ نہیں کھائے۔ چوبیس گھنٹوں میں صرف ایک گھنٹہ آرام کرتے تھے اور باقی سارا وقت عبادت میں، ذِکرِ الٰہی میں اور علم دین کے مشغلہ میں گزارتے تھے۔

اتنے بڑے بڑے کام صرف پینتالیس سال کی عمر میں سرانجام دیئے اور وہ بھی مصائب و آلام کی وادی سے گزر کر، اور فاقوں کو برداشت کر کے۔

اللہ تعالیٰ نے ہمیں ان مشقتوں میں نہیں ڈالا اور ان قربانیوں کا ہم سے مطالبہ نہیں کیا۔ ہمارے لیے سہولتوں کا اتنا سامان مہیا کر رکھا ہے کہ اگر ہمارے دور کا اس دور سے موازنہ کیا جائے تو یوں لگتا ہے کہ جیسے ہمیں شہزادہ بنا کر رکھا ہوا ہے۔ ہر چیز مہیا کر رکھی ہے۔ اس دور میں احادیث کا پڑھنا کتنا آسان ہوگیا ہے جبکہ اس زمانے میں حدیث کا پڑھنا انتہائی مشکل تھا۔ تمام احادیث ایک جگہ رہتے ہوئے نہیں پڑھی جاسکتی تھیں۔ کچھ حدیثیں بصرہ سے ملیں، کچھ شام سے ملیں۔ کچھ عراق سے ملیں، کچھ احادیث کیلئے حجاز کا سفر کرنا پڑا اور وہ بھی بے سروسامانی کے عالم میں۔ اللہ تعالیٰ نے یہ مجاہدے ہم سے نہیں مانگے اور ہمارے لیے اتنے آسان انتظامات فرما دیئے ہیں۔ رہائش کے، رہن سہن کے، کھانے پینے کے، طلبہ یہیں موجود ہیں، اساتذہ کرام یہیں موجود ہیں، ہر نعمت موجود ہے لہٰذا ہم پر اس محسن ذات کا شکر لازم ہے۔

شکر کا بنیادی درجہ یہ ہے کہ اپنے اوقات کو اس کی نافرمانی سے بچایا جائے۔ تقویٰ اختیار کیا جائے اور وقت کو ضائع ہونے سے بچایا جائے۔ یہ وقت آپ کے پاس امانت ہے۔ قوم نے آپ پر خرچ کرنے کیلئے دارالعلوم کو پیسہ دیا ہے۔ اپنی دن رات کی کمائی اور گاڑھے پسینے کی کمائی خرچ کی ہے تاکہ آپ اپنے اوقات کو صرف حصول علم میں لگائیں اور اس دین کی تبلیغ کو آگے پھیلائیں۔ یاد رکھئے! کوئی تبلیغ اس وقت تک کارآمد ثابت نہیں ہوسکتی جب تک کہ اس کو عمل کے زیور سے آراستہ نہ کیا جائے۔

اسوۂ رسول اکرم ﷺ

رسول اللہ ﷺ کو سب جہاں والوں کے لیے نمونہ بنا کر بھیجا گیا ہے اور اس نمونے کو دیکھ کر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے نمونے تیار ہوئے ہیں۔ جب ہم رسولِ اکرم ﷺ، اصحابِ صفہ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اسوۂ حسنہ کو اپنانے آئے ہیں تو ہمیں ایک ایک عمل اور ہر ہر ادا میں ان کی مثال کو اپنانا چاہیے اور عمل سے جو دین پھیلتا ہے وہ زبان سے نہیں پھیلتا۔ اس لیے علم کو عمل کے سانچے میں ڈھالنے کی کوشش کیجئے اور یہ جبھی ممکن ہے کہ جب آپ اپنے اوقات کار کو معصیت اور گناہوں سے بچائیں گے۔

قوانینِ دارالعلوم پر عملدرآمد

اسی طریقے سے ہمیں قوانین وضوابط پر عمل پیرا ہونے میں بھی ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے طریقے کو اپنانا ہوگا۔ آپ کو معلوم ہے کہ یہاں ہر کام ضابطے سے کیا جاتا ہے اور یہاں قانون سے کوئی شخص بالاتر نہیں ہے۔ ایک چپڑاسی سے لے کر صدر تک سب قوانین کے پابند ہیں اور اس سلسلے میں کوئی کوتاہی ہوتی ہے تو وہ کوتاہی ہی شمار ہوتی ہے، رخصت شمار نہیں ہوتی اور ہر کام کے ذمہ دار اور امراء مقرر ہیں۔ آپ کو یہ مسئلہ معلوم ہوگا اگر نہیں معلوم تو معلوم ہونا چاہیے کہ جو شخص کسی شعبے کا امیر یا ذمہ دار ہے تو اس کی اطاعت اس معاملے میں واجب ہے کیونکہ امیر کی اطاعت، معصیت کے علاوہ ہر چیز میں واجب ہے اور یہاں معصیت کا کوئی حکم دے گا نہیں۔ اگر خدانخواستہ کوئی دے بھی تو پھر اس کی اطاعت واجب نہیں بلکہ اس کی مخالفت واجب ہے۔

پابندیٔ نظم کا فائدہ

یہاں رہتے ہوئے آپ کو قوانین وضوابط کے مطابق اپنی زندگی کو گزارنا ہے۔ یہ آپ کے لیے بیش بہا نعمت ہے۔ اس سے جہاں آپ کو اور بے شمار فوائد حاصل ہوں

گے وہاں یہ عظیم فائدہ بھی ہوگا کہ آپ کو اس بات کی تربیت ملے گی کہ "منظم زندگی" کیسے گزارنی ہے......؟

نظم وضبط کی پابندی اس لیے بھی ضروری ہے کہ یہ شریعت کا حکم ہے، اس کی مثال اطاعت امیر کا واجب ہونا ہے کیونکہ نظم وضبط برقرار رکھنے کیلئے اطاعت امیر انتہائی ضروری ہے۔

دارالعلوم کے قوانین جگہ جگہ لکھے ہوئے ہیں۔ دیواروں پر، بینروں پر اور کاغذوں میں بھی لکھے ہوئے ہیں۔ ان کو پڑھ کر عمل کی کوشش کریں تاکہ آپ کو دنیا و آخرت میں سرخروئی اور سرفرازی حاصل ہو۔

چند توجہ طلب امور

نظم وضبط پر عمل کرنے سے ہر انسان کو راحت میسر آئے گی۔ اس لیے اجتماعی نوعیت کی جگہوں میں بالخصوص نظم وضبط کا خیال رکھنا چاہیے مثلاً مطبخ ہے مسجد ہے اور ایسے مقامات جہاں ایک وقت میں کئی افراد جمع ہو جاتے ہیں۔

شرعی مسئلہ یہ ہے کہ جب جماعت کھڑی ہو چکی ہو تو اس کے قریب سنتیں پڑھنا کسی صورت میں بھی کراہت سے خالی نہیں ہے اور بعض فقہاء نے تو جماعت کے قریب سنتیں پڑھنے سے منع کیا ہے اور جن حضرات نے اس کی اجازت دی تو انہوں نے بھی شرائط و قیود لگائی ہیں کہ جماعت سے جتنی دور ہو کر سنتیں پڑھنا ممکن ہو اتنی دور پڑھے لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ بعض طالب علم اس کی پابندی نہیں کرتے۔

اسی طرح جماعت کی صف بندی میں یہ ترتیب ہے کہ صف بیچ سے شروع کی جائے جبکہ بعض مرتبہ ایسا ہوتا ہے کہ دائیں طرف سے طالب علم آتے ہیں تو دائیں طرف سے صف بننا شروع ہو جاتی ہے اور اگر بائیں طرف سے طالب علم آتے ہیں تو بائیں طرف سے صف بننا شروع ہو جاتی ہے۔ ان باتوں کو آپ زمانہ طالب علمی میں نہیں

سیکھیں گے تو بتائیں کب سیکھیں گے......؟

اسی طریقے سے مطبخ کا مسئلہ ہے، وہاں کھانے کے لیے لائن لگتی ہے اور باقاعدہ ایک استاذ کو نگران بنانا پڑتا ہے۔ یہ افسوسناک بات ہے، جن کی عمر مدرسوں میں گذری ہو، قال اللہ اور قال الرسول (ﷺ) کی فضا میں رہنے والے ہوں ان کو تو اتنا مہذب ہونا چاہیے تھا کہ کسی نگران کی ضرورت نہ پڑتی لیکن افسوس کہ اس پر پورا عمل نہیں ہو پاتا۔

آپ کو معلوم ہے کہ ایسی ''ارضِ مباح'' جو کسی کی ملکیت میں نہیں ہے، تو اس کا وہی حقدار ہوگا جو سب سے پہلے آئے گا، دوسرے شخص کو اسے ہٹانے کا حق نہیں ہے۔

مثلاً آپ مسجد میں نماز کے لیے آئے اور اگلی صف میں بیٹھ گئے، اب کسی کو یہ حق نہیں کہ آپ کو اٹھا کر خود بیٹھ جائے۔ اسی طریقے سے مطبخ میں لائن کو توڑنا اور ساتھی کو دھکا دے کر آگے نکلنا سراسر ناجائز اور ظلم ہے۔ یہ مدرسے کے قانون کے بھی خلاف ہے اور شریعت کی حدود کے بھی خلاف ہے۔ اس لیے آپ پر لازم ہے کہ لائن میں اس طریقے سے کھڑے ہوں کہ کسی دوسرے ساتھی کو کوئی ادنیٰ تکلیف بھی نہ پہنچنے پائے۔

ہم حکومتِ وقت سے مطالبہ کرتے رہتے ہیں کہ ملک میں اسلامی نظام اور اسلامی معاشرت نافذ کرے۔ یہ مطالبہ حق بجانب ہے، ان پر بھی لازم ہے کہ ہمارے اس مطالبے کو پورا کریں لیکن میں آپ سے کہتا ہوں کہ ہم اپنے گریبان میں منہ ڈالیں اور سوچیں کہ ایک چھوٹی سی ریاست، ایک چھوٹا سا شہر اور ایک چھوٹی سی دنیا ہمیں بھی اللہ تعالیٰ نے اس دارالعلوم کی صورت میں عطا فرمائی ہے۔ ہم اس میں اسلامی قانون نافذ کریں تاکہ ہر آنے والا دیکھے اور مشاہدہ کرے کہ اسلامی نظام کیسا ہوتا ہے؟

آج جب ہم اسلامی نظام کی بات کرتے ہیں کہ اسلامی نظام نافذ کرو، تو وہ ہم سے پوچھتے ہیں کہ اس وقت دنیا میں کہیں اسلامی نظام کا کوئی نمونہ اور مثال ہے جو آپ ہمیں دکھا سکیں تو جواب یہی ہوتا ہے کہ نہیں! ہمیں چاہیے کہ ہم اس ادارے میں اسلامی

قوانین نافذ کریں اور اسلامی قوانین میں سے یہ بھی ہے کہ لائن نہ توڑی جائے بدنظمی نہ پھیلائی جائے، لوگوں کو تکلیف نہ دی جائے۔

آدابِ مصافحہ

اسی طرح میں ایک اور بات کی طرف توجہ دلانا چاہتا ہوں وہ یہ کہ مصافحہ بلاشبہ بہت اچھی سنت ہے لیکن ہر عبادت کے کچھ آداب، کچھ شرائط اور کچھ طریقے ہوتے ہیں۔ مصافحہ کرنا مستحب ہے۔ سلام سے ابتداء کرنا سنت مؤکدہ ہے اور سلام کا جواب دینا واجب ہے لیکن آج حال یہ ہے کہ سلام کو تو ضروری نہیں سمجھتے البتہ مصافحہ لازم سمجھتے ہیں، چاہے اس کے لیے کچھ بھی کرنا پڑے۔ چاہے دوسروں کو دھکے دے کر، کہنیاں مار کر آگے نکلنا پڑے۔ مصافحہ بازی کا ایک نہ تھمنے والا طوفان ہے۔ نماز چھوٹ جائے، سلام چھوٹ جائے، جواب چھوٹ جائے، کوئی پرواہ نہیں لیکن مصافحہ نہیں چھوٹنا چاہیے۔

ایک مرتبہ میں نماز پڑھنے آرہا تھا، جماعت کھڑی تھی ایک طالب علم نے مجھے دیکھا تو صف میں کھڑا ہونے کے بجائے مجھ سے مصافحہ کرنے لگا، اب اس بیوقوف کی حماقت کو دیکھئے، اس سے کوئی پوچھے، مصافحہ کا یہ کون سا وقت ہے؟

دوسروں کو اذیت سے بچائیں

تو بھئی مصافحہ ضرور کریں لیکن ان چیزوں کی رعایت کرتے ہوئے ایسے مصافحہ کریں کہ کسی کو کوئی تکلیف نہ پہنچے۔ اسی طرح سے طلبہ ایک ساتھ رہتے ہیں تو سب ساتھیوں کا خیال رکھیں کہ کسی کو کوئی ناگواری یا اذیت نہ پہنچے اور اگر کبھی کسی کو ناگواری محسوس بھی ہو جائے تو برداشت کرے۔

حدیث مبارکہ میں آتا ہے کہ ''نصف شعبان کی شب آنحضرت ﷺ قبرستان تشریف لے جانے کے لیے اٹھے تو صرف چارپائی کی پائنتی کی جانب سے راستہ باقی تھا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور ﷺ نے سمجھا کہ میں سو رہی ہوں

حالانکہ میں جاگ رہی تھی، فرماتی ہیں کہ: ''آپ ﷺ آہستہ سے اٹھ کر پائنتی کی طرف سے چارپائی سے نیچے اترے اور دھیرے دھیرے قدم رکھے، آہستگی سے دروازہ کھولا اور بہت آہستہ دروازہ بند کیا پھر آپ ﷺ ''جنت البقیع'' میں تشریف لے گئے، لمبا تفصیلی واقعہ ہے۔

الغرض! بتانا یہ مقصود ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیوی ہیں اور بیوی بھی ایسی جاں نثار کہ اگر کوئی تکلیف پہنچتی تو خوشی سے قبول کرلیتیں لیکن رحمت عالم ﷺ چاہتے ہیں کہ ان کی نیند میں خلل واقع نہ ہو اس لیے پائنتی کی طرف سے نیچے اترے اور بہت دھیمے اور ہلکے قدموں سے باہر تشریف لے گئے۔

ہمیں بھی چاہیے کہ ہم اپنے ساتھیوں کا پورا خیال رکھیں، ساتھی آرام کر رہے ہوں تو بتی نہ جلائیں، اگر ضرورت ہو تو بقدر ضرورت ہی جلائیں، کوئی شور شرابا اور کھٹکا نہ ہو، حاصل یہ کہ جتنے بھی حقوق معاشرت ہمارے ذمہ ہیں، ان تمام کا خیال رکھا جائے اور اسلام میں تو حقوق معاشرت کا بہت خیال رکھا گیا ہے۔ حسن معاشرت کا لب لباب اور تمام کے تمام اخلاق حمیدہ اور صفاتِ جمیلہ اس ایک حدیث مبارکہ کے تحت داخل ہیں:

﴿المسلم من سلم المسلمون من لسانه ویده﴾

اس ایک اصول کو یاد رکھئے کہ ہمارے کسی قول و فعل سے کسی کو کوئی تکلیف نہ پہنچے۔ اس سے معاشرت کے سارے مسائل خود بخود سمجھ آجائیں گے۔

ادب کسے کہتے ہیں؟

میرے مرشد حضرت ڈاکٹر عبدالحیٔ عارفی صاحب نوراللہ مرقدہ نے ایک مرتبہ ہم سے پوچھا کہ ادب کی تعریف کیا ہے؟ ہم خاموش رہے، پھر خود ارشاد فرمایا:

''ادب کی تعریف یہ ہے کہ تمہارے کسی فعل یا قول سے کسی دوسرے کو ادنیٰ تکلیف نہ پہنچے''۔

ہر جگہ ادب کا تقاضا ایک سا نہیں ہوتا مثلاً آج کل یہ سمجھا جاتا ہے کہ بزرگوں کے پیچھے پیچھے چلنا ادب ہے، ان کے برابر یا ان سے آگے چلنا بے ادبی ہے حالانکہ یہ کوئی قائدہ کلیہ نہیں ہے۔ اگر آپ کسی بڑے کے ساتھ چلتے جارہے ہیں اور باتیں کر رہے ہیں، اب اگر آپ اس کے پیچھے پیچھے چل رہے ہیں تو اس کو جواب دینے کے لیے بار بار پیچھے مڑنا پڑے گا۔ تو یہ بدتمیزی میں شمار ہوگا، یہاں ادب کا تقاضہ یہ ہے کہ ساتھ چلا جائے۔ اسی طریقے سے اگر دو طالب علم ہوں تو ادب کا تقاضہ ہے کہ ایک طالبعلم استاد کے دائیں طرف ہو، دوسرا طالب علم استاد کے بائیں طرف ہو اب استاد دونوں کی بات بھی سن سکتا ہے اور جواب بھی دے سکتا ہے۔

کبھی ادب کا تقاضہ ہوتا ہے کہ بڑے سے آگے چلا جائے مثلاً آپ اپنے والد، شیخ یا استاد کے ساتھ اندھیری رات میں جارہے ہیں اور راستہ بھی خطرناک ہے تو یہاں یہ کہیں گے کہ ابا جان آپ آگے چلیں میں پیچھے پیچھے چلتا ہوں، یہاں ادب کا تقاضہ یہ ہے کہ عرض کرے کہ میں آگے آگے چلتا ہوں، آپ میرے پیچھے چلیں۔

زمانہ طالب علمی میں سیاسی یا غیر سیاسی جلسوں میں شرکت کی ممانعت

ایک اور اہم بات جو دار العلوم کے قوانین کے ضمن میں آچکی ہے، وہ یہ ہے کہ دار العلوم میں پڑھتے ہوئے آپ کو کسی سیاسی یا غیر سیاسی جلسے میں جانے کی اجازت نہیں ہے اگر غیر سیاسی اور خالص مذہبی ہے تو اس میں جانے کے لیے بھی مدرسے کی اجازت لینا شرط ہے۔

یاد رکھئے! آپ کے والدین نے ہمارے اوپر اعتماد کیا ہے جبھی تو آپ کے والدین نے آپ کو اتنی دور سے ہمارے پاس بھیجا ہے۔ آپ کہاں کہاں سے سفر کر کے آئے ہیں؟ چترال سے آئے ہیں؟ بلوچستان سے ہمارے پاس آئے ہیں، دیگر صوبوں اور علاقوں سے آئے ہیں، سفر کی مسافت اور مشقت بھی برداشت کی ہے اور مجھے معلوم

ہے کہ داخلے کے سلسلے میں بھی آپ کو خاصی دشواری کا سامنا کرنا پڑا ہوگا۔ یہ بھی آپ حضرات کے فائدے اور نظام تعلیم درست کرنے کے لیے ہے تاکہ حقدار کو اس کا حق مل سکے۔ اس لیے یہ سارے انتظامات کیے گئے ہیں اور آپ کے ساتھ ساتھ آپ کے اساتذہ کو بھی خاصی مشقت برداشت کرنی پڑتی ہے۔ اب ایک درجے میں چھ طالب علم رکھنے تھے اور دو سو سولہ طلبہ پرچہ دینے والے تھے تو ان اساتذہ نے ان چھ طلبہ کی خاطر دو سو طلبہ کے پرچوں کو چیک کیا۔

تو آپ کے لیے ان مشقتوں کو برداشت کرنے میں بھی بہتری ہے اور بڑی برکات ہیں کیونکہ دین کے جس کام میں جتنی مشقت ہوگی، اس میں اتنی زیادہ برکت ہوگی۔ علمِ دین کے لیے مشقت برداشت کرنا نامعلوم آپ کو کتنے بلند مقام پر فائز کرے گا۔ تو آپ کے والدین نے اسی مقصد کے لیے آپ کو ہمارے پاس بھیجا ہے تاکہ ہمارے بچوں کی دینی اور اخلاقی تربیت کی جائے اور ان کی عزت و آبرو کی حفاظت کی جائے۔ آپ کو معلوم ہے کہ کراچی شہر کی بدامنی کا کیا عالم ہے۔ دینی مدارس کے طلبہ کے تو نامعلوم کتنے دشمن ہیں۔ ساری دنیائے کفر دینی مدارس کے طلبہ کی دشمن ہے۔ اس لیے بھی آپ کو دارالعلوم سے باہر نہیں جانا چاہیے۔

الحمد للہ! اللہ تعالیٰ نے ہر نعمت سے نوازا ہے۔ مدرسے سے باہر جانے کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ ہر چیز یہاں موجود ہے۔ اساتذہ یہاں موجود ہیں، کتابیں اور درسگاہیں موجود ہیں۔ مسجد اور نماز جمعہ یہیں ہے، مطبخ یہیں ہے۔ کھیل کے میدان یہیں ہیں۔ ڈاکٹر بھی موجود ہے، ٹیلیفون کی سہولت بھی موجود ہے، ڈاکخانہ اور کینٹین بھی موجود ہے۔ اس لیے بلا اجازت دارالعلوم سے باہر جانے کی اجازت بالکل نہیں ہے اور آپ کو معلوم ہوگا کہ چند سال پہلے چند طلبہ کا اخراج اسی بناء پر ہوگیا تھا کہ انہوں نے بغیر اجازت ایک جلسے میں شرکت کی تھی اور یہاں کسی قانون پر عملدرآمد کے لیے یہ نہیں دیکھا جاتا کہ سال کا آغاز ہے یا اختتام...... کسی بھی وقت قانونی کاروائی ہوسکتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے یہاں ایسے طلبہ کی بھی کمی نہیں کہ جن کی محنتوں کو دیکھ کر بہت خوشی ہوتی ہے اور دل سے ان کے لیے دعائیں نکلتی ہیں۔ الحمدللہ ہر سال دورہ حدیث کے طلبہ کی ایسی بہت بڑی تعداد ہوتی ہے کہ جن کی پورے سال میں کسی دن کی کیا کسی گھنٹے کی بھی رخصت یا غیر حاضری نہیں ہوتی اور رخصت تو دور کی بات کسی گھنٹے میں تاخیر سے نہیں آتے۔ کوئی حدیث ان کی نہیں چھوٹتی۔ ایسے طلبہ کی بہت سی تعداد بخاری شریف میں، ایک بڑی تعداد مسلم شریف میں، اور بہت سی تعداد ابوداؤد شریف اور دیگر کتب میں ہوتی ہے۔

غور کیجئے! یہ معمولی مشقت نہیں ہے، اس کے پیچھے بہت بڑا مجاہدہ ہے کیونکہ محنت کے بغیر کچھ نہیں ہوتا۔ ہماری دعا بھی ہے اور خواہش بھی کہ اللہ تعالیٰ ان کی تعداد میں اور زیادہ اضافہ فرمائے۔ (آمین)

تحصیل علم کے تین اہم اصول

تحصیل علم کے لیے ہمیں ان تین اصولوں پر عمل پیرا ہونا پڑے گا۔

۱۔ پیشگی مطالعہ۔ ۲۔ سبق میں حاضری۔ ۳۔ تکرار کی پابندی

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

''جو طالب علم ان تین باتوں کا خیال رکھے گا اور پوری محنت سے ان پر عمل کرے گا تو اللہ تعالیٰ ایسے طالب علم کو علم سے کبھی محروم نہیں فرمائے گا۔''

پیشگی مطالعہ کے دو بنیادی فائدے ہیں، ایک تو یہ کہ اس سے کتاب کو سمجھنے اور حل کرنے کی استعداد پیدا ہوتی ہے۔ دوسرا یہ ہے کہ اس سے سبق اچھی طرح ذہن نشین ہو جاتا ہے اور مطالعہ کے لیے یہ بات بھی ضروری نہیں ہے کہ مکمل سبق سمجھ میں آجائے بلکہ حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

''مطالعہ کے لیے اتنی بات ہی کافی ہے کہ معلومات کو مجہولات سے جدا کرلیا

جائے۔‘‘

عبارت پڑھی اور یہ معلوم کرلیا کہ کون سی بات سمجھ میں آئی ہے اور کون سی بات سمجھ میں نہیں آئی۔ سبق میں حاضری اور اس پر دوام اختیار کرنے میں بے انتہا برکات ہیں۔ ایک طالب علم خواہ کتنا ہی ذہین کیوں نہ ہو اگر سبق میں حاضر ہوئے بغیر اپنی استعداد کے بل بوتے پر کتاب کو پڑھے گا تب بھی اس کو سبق میں حاضری کی برکات حاصل نہ ہوں گی اور وہ ان سے محروم رہے گا۔ اس لیے ہمیں اسباق میں باقاعدگی سے حاضر ہونا چاہیے تاکہ ہم دورانِ سبق اللہ تعالیٰ کی طرف سے اترنے والی رحمت و برکت سے محروم نہ رہیں۔

علم میں رسوخ پیدا کرنا اس وقت تک ناممکن ہے کہ جب تک انسان اپنے آپ کو تکرار کا پابند نہ بنالے۔ تکرار سے زبان میں فصاحت پیدا ہوتی ہے۔ اپنے ماضی الضمیر کے اظہار کا ملکہ پیدا ہوتا ہے۔ دعوت وتبلیغ کا سلیقہ پیدا ہوتا ہے اور تکرار کا عمل ایسا بے مثال اور بے نظیر عمل ہے کہ آج دنیا کے بین الاقوامی تعلیمی ادارے بھی اس تکرار کے عمل کو اپنے ہاں رائج کرنے کی فکر میں ہیں۔

جو طالب علم ان تین باتوں پر عمل کرے گا انشاء اللہ اللہ رب العزت سے بہت امید ہے۔ وہ قدردان ذات اس طالب علم کو علم نافع سے محروم نہیں فرمائے گا۔

تحصیل علم اور تقویٰ

تحصیلِ علم کے لیے ان باتوں کو اپنانے کے ساتھ ساتھ ایک اور بات کا اہتمام بھی لازم ہے کہ جس پر تمام باتوں کا انحصار و مدار ہے اور وہ ہے ’’تقویٰ‘‘ ہمیں تقویٰ اختیار کرنے کی کوشش کرنی چاہیے کیونکہ تقویٰ کے بغیر علم نہیں آتا۔ علم ایک نور الٰہی ہے جو دل تقویٰ سے عاری ہو اس دل میں یہ نورِ الٰہی کیسے داخل ہوسکتا ہے......؟۔

حصولِ تقویٰ کے لیے ضروری ہے کہ کسی اللہ والے کے ساتھ اپنے کو منسلک کیا

جائے۔ طلبہ مدرسوں سے فارغ ہوکر خانقاہوں کا رخ کرتے ہیں، ہم ان دینی مدارس ہی کو خانقاہ بنادیں۔

ہمارے دادا حضرت مولانا یٰسین صاحب نور اللہ مرقدہ جو حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ کے ہم سبق اور دارالعلوم دیوبند کے ہم عمر ہیں۔ جس سال دارالعلوم دیوبند کی بنیاد رکھی گئی تھی، اسی سال ان کی پیدائش ہوئی فرماتے ہیں کہ:

''میں نے دارالعلوم دیوبند کا وہ دور بھی دیکھا ہے کہ جب دارالعلوم دیوبند کے صدر مدرس اور مہتمم سے لے کر ایک چپڑاسی تک سب صاحب نسبت بزرگ اور اولیاء اللہ تھے۔

دارالعلوم دیوبند کی یہی تو خصوصیت تھی کہ جہاں وہ ایک مثالی درسگاہ تھی وہاں خانقاہ بھی تھی۔ اساتذہ بزرگوں کے تربیت یافتہ تھے۔ طلبہ اپنے اساتذہ کی خدمت میں رہتے تھے اور اس خدمت سے وہ دین سیکھتے تھے اور اپنی اصلاح کروا کر تقویٰ کے اعلیٰ درجات پر ہوتے تھے تو ہمیں دارالعلوم کی معطر ومقدس فضاء کو غنیمت جانتے ہوئے اپنے اساتذہ سے اصلاح اور تزکیہ نفس بھی کروانا ہے تاکہ ہمیں تقویٰ کی دولت نصیب ہوسکے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی نیتوں کو خالص کرنے اور علم پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العٰلمین

☆......☆......☆

تعلّق مَع اللہ کا آسان طریقہ "ذکراللہ"

موضوع: تعلق مع اللہ کا آسان راستہ ''ذکر''

خطاب: مفتی اعظم پاکستان مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی مدظلہ

بمقام: جامع مسجد دارالعلوم کراچی

ضبط وترتیب: مولانا محمد شعیب سرور

﴿تعلق مع اللہ کا آسان راستہ ”ذکر“﴾

﴿الحمد للّٰہ نحمدہ ونستعینه و نستغفرہ و نعوذ باللہ من شرورنا انفسنا ومن سیات اعمالنا من یھدہ اللہ فلامضل له و من یضلل فلاھادی له نشھد ان لا الٰہ الا اللّٰہ ونشھد ان محمد اعبدہ و رسوله اما بعد فاعوذ باللہ من الشیطن الرجیم بسم الرحمن الرحیم. ”یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا اُذْکُرُو اللّٰہَ ذِکْراً کَثِیْراً وَ سَبِّحُوْ بُکْرَۃً وَاَصِیْلاً صَدَقَ اللّٰہُ الْعَظِیْمُ﴾ (احزاب ۴۱،۴۲)

(ترجمہ) ”اے ایمان والو! اللہ کو بکثرت یاد کیا کرو اور صبح وشام اس کی پاکی بیان کیا کرو۔“

بزرگان محترم و برادران عزیز!

ہماری اندرونی حالت زار:

اس وقت پاکستان کے مسلمان بلکہ پورے عالم اسلام کے مسلمان فتنوں کے طوفان کا سامنا کررہے ہیں، طرح طرح کی پریشانیاں ہماری زندگیوں میں داخل ہوگئی ہیں۔ پاکستان کا حال تو کچھ زیادہ ہی خراب ہے۔ اندرونی طور پر بدامنی ہے۔ عدالتوں سے انصاف نہیں ملتا، سرکاری دفاتر سے لوگوں کے مسائل حل نہیں ہوتے۔ تعلیمی اداروں

میں بچوں کو ایسی تعلیم و تربیت نہیں ملتی جو ان کے مستقبل کیلئے حقیقت پسندانہ ہو۔ نظام حکومت ڈاواں ڈول ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہماری حکومتیں اب تمام سرکاری اداروں کو چلانے سے تھک گئی ہیں۔ اس لیے اب ان سے کوئی ادارہ سنبھلتا نہیں ہے۔ جس کی وجہ سے ہمارے معاشرے میں بے چینیاں پھیلی ہوئی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں ایسا ملک عطا فرمایا تھا کہ جس کی دنیا میں نظیر ملنا مشکل ہے لیکن یہاں کی زندگی بے چینی کی زندگی ہے، سکون نہیں ہے، بجلی کا بحران ہے، بدامنی کا بحران ہے، قتل و غارت گری کا بحران ہے، رشوت ستانی کا بحران ہے، سیاسی بحران ہے، چوریاں اور ڈکیتیاں معمول بن چکی ہیں، کسی کو کسی پر اعتماد نہیں رہا، بھائی کو بھائی پر بھروسہ نہیں رہا، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سب ایک دوسرے کو پھاڑ کھانے کے لیے تیار ہیں ذرا سا کسی کو پیسہ کمانے کا موقع ملتا ہے تو بہت کم لوگ ہوتے ہیں جو حلال و حرام کی تمیز کرتے ہیں۔ ورنہ عام طور پر حلال و حرام کی تمیز ختم ہو جاتی ہے۔

حرام مال کا خمیازہ

پھر ناجائز طریقوں سے حاصل کیا ہوا حرام مال جو جو مصیبتیں لاتا ہے وہ بھی ناقابل برداشت ہوتی ہیں۔ پھر کبھی وہ مصیبتیں بیماریوں کی شکل میں ظاہر ہوتی ہیں اور بیماریاں بھی ایسی کہ کبھی کسی نے سنی تک نہیں ہوتیں۔ پھر کچھ وہ مصیبتیں ہم پر حادثات، مشکلات، آسمانی آفات، زلزلوں، خشک سالی اور قحط کی شکل میں مسلط ہوتی ہیں۔ یہ سب حرام مال کے نتائج ہوا کرتے ہیں جو ہم سب بھگت رہے ہیں۔ یہ تو ہمارے اندرونی حالات ہیں۔

ہماری بین الاقوامی حالت زار

ہمارے بیرونی اور عالمی حالات نہایت دردناک ہیں۔ اس وقت تمام مغربی طاقتیں پورے عالم اسلام پر حملہ آور ہو چکی ہیں اور وہ مسلمانوں کا بیج مار دینا چاہتی ہیں اور اسلام کو جڑ سے اکھیڑ پھینکنا چاہتی ہیں اور وہ یہ سمجھتی ہیں کہ ہمارے عالمی اقتدار کے لیے

اگر کوئی خطرہ ہے تو وہ اسلام ہے جو ہمیں ظالمانہ اقتدار قائم رکھنے سے روک رہا ہے۔ اس لیے وہ مسلمانوں کو دہشت گرد قرار دے رہے ہیں۔ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف ظالمانہ اقدام کر رہے ہیں حتیٰ کہ انہوں نے بڑی ڈھٹائی کے ساتھ۔ سرکار دو عالم آنحضرت ﷺ کی شان اقدس میں گھناؤنی گستاخی کا ارتکاب کیا ہے۔ ہم نے اس کے جواب میں جلسے جلوس کر لیے بیانات دے دیئے البتہ اتنا تو الحمدللہ ہوا کہ پوری دنیا کے مسلمان بے چین ہوئے ہیں۔ لیکن ہم کوئی عملی اقدام نہ کر سکے۔ کم از کم اتنا تو ہو جاتا کہ جو ممالک اس گھناؤنے فعل میں شریک تھے ان کی تمام مصنوعات کا بائیکاٹ کیا جاتا تو ان کو خبر ہو جاتی۔ ان پر دباؤ ڈالنے کے دسیوں طریقے ہو سکتے تھے۔ ان کے اوپر سرکاری طور پر دباؤ ڈالا جا سکتا تھا۔ مگر نہیں۔ کچھ جلسے اور جلوس ہو گئے اور ان میں بھی الٹا ہم نے اپنی ہی املاک کو آگ لگا کر شیطان کو خوش کیا۔ کتنی گاڑیاں، کتنی عمارتیں اور کتنی املاک کو جلا کر خاک کر دیا گیا۔ توہین دشمنوں نے کی اور ہم نے ان کے بجائے اپنے ہی بھائیوں کو لوٹنا شروع کر دیا۔ یہ ہماری افراتفری کا عالم ہے۔ ہمارا معاشرہ انتشار کا شکار ہے۔ قیادت کا فقدان ہے کوئی دائیں طرف جا رہا ہے کوئی بائیں طرف جا رہا ہے۔ ہر طرف ایک اضطراب کی سی کیفیت طاری ہے اور جو لوگ حکومت پر بیٹھے ہوئے ہیں وہ مغرب کے غلام ہیں اور آزاد سوچ سے ہی محروم ہیں۔ اگر یہ آزاد ہو کر سوچنے کی کوشش کریں تو کچھ حرص و لالچ کی وجہ سے کچھ محکومانہ غلامی اور محکوم ذہنیت کی وجہ سے اور کچھ بزدلی کی وجہ سے آزاد ہو کر سوچ ہی نہیں سکتے۔ نتیجہ یہ ہے کہ کفار کی طاقتیں مسلمانوں کے لیے مصیبت بنی ہوئی ہیں۔ افغانستان میں، عراق میں، فلسطین، کشمیر اور بہت سی جگہوں میں مسلمانوں کا جینا دوبھر کر دیا ہے۔ جہاں مسلمان اپنے آزاد ملکوں میں رہ رہے ہیں۔ وہاں انہوں نے حکمرانوں کو عوام کے اوپر مسلط کر دیا ہے جو مسلمانوں پر طرح طرح کی مصیبتیں ڈھا رہے ہیں۔

دشمن ہماری تاک میں ہے:

لیکن خوب سمجھ لیجئے! کہ یہ مسلمانوں کے خلاف اقدامات کرنے والے ان پر

ظلم وستم ڈھانے والے تو ہمیشہ سے ظلم وستم کرتے رہے ہیں اور مسلمانوں کے خلاف سازشیں کرتے رہے ہیں جنگ تو شروع سے چل رہی ہے۔ دشمن تو آپ پر وار کرنے کے لیے تاک میں ہے جب بھی اس کو موقع ملے گا وہ آپ پر وار کرے گا آپ لاکھ اس کو برا بھلا کہیں۔ اسے گالیاں دیں۔ اسے کوسیں مگر وہ تو اپنا کام کرے گا۔

ہم کیا کر رہے ہیں؟

مگر سوچنے کی بات یہ ہے کہ ہم کیا کر رہے ہیں؟ ہم آپس میں ایک دوسرے سے لڑ رہے ہیں۔ ہم قومی دولت کو لوٹ رہے ہیں، ہم نے رشوت ستانی کا بازار گرم کر رکھا ہے۔ اگر کام چوری اور حرام خوری ہمارے اندر نہ ہوتی تو بجلی آنکھ مچولی نہ کھیلتی، پانی کا یہ بحران نہ ہوتا، یوں گلیاں اس طریقے سے بدبو سے نہ سڑتیں، سڑکیں اس طریقے سے بے یارو مددگار نہ پڑی ہوئی ہوتیں لیکن ہماری حالت جوں کی توں ہے جس کو لوٹنے کا موقع ملتا ہے وہ لوٹ لیتا ہے۔ وہ رشوت لے لیتا ہے حالانکہ یہ مسلمانوں کے کام تو نہیں ہیں یہ تو منافقوں اور کافروں کے کام تھے اسلام نے ہمیں ان تمام باتوں میں سے کوئی بھی بات نہیں سکھائی تھی۔ اسلام نے تو ہمیں اعلیٰ درجے کا مہذب وشائستہ مسلمان بنایا تھا اور دوسروں کو فائدہ پہنچانے اور تکلیف سے بچانے والا بنایا تھا۔

تمام خرابیوں کی اصل وجہ! تعلق مع اللہ میں کمزوری

ہمارے اس قسم کے تمام اعمال بد جن کی وجہ سے تمام مصیبتیں نازل ہوتی ہیں۔ ان کی اصل وجہ کیا ہے؟ اگر ہم غور کریں تو ان ساری چیزوں کی جڑ یہ ہے کہ ہمارا تعلق اللہ تعالیٰ کے ساتھ انتہائی کمزور ہوگیا ہے اگر اپنے رب سے اپنے خالق و مالک سے، اپنے معبود حقیقی سے ہمارا تعلق کمزور نہ ہوتا تو ہمارے یہ حالات نہ ہوتے۔

اللہ ہم سے ناراض ہے!

جب ہزارہ ڈویژن میں قیامت خیز زلزلے آئے تو ان علاقوں کا دورہ کرنے

کے لیے وفاق المدارس کا اعلیٰ سطحی وفد جس میں میں بھی شامل تھا وہاں گیا۔ ہم نے جگہ جگہ دورے کیے تو وہاں مسلمانوں میں ہزارہ ڈویژن کے فوجی جنرل کا مسلمانوں کی مصیبت زدگی میں مدد پہنچانے کے لیے کیمپ لگا ہوا تھا۔ وہ فوجی جنرل اچھے مسلمان اور نمازی آدمی تھے۔ اللہ تعالیٰ ان کو خوش رکھے اور ترقی عطا فرمائے۔ ہماری ان سے ملاقات ہوئی تو ہمیں سارے حالات بتا رہے تھے کہ مسلمانوں پر کیا گزری۔ دوران گفتگو ان کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور ان کی آواز بھر آئی اور کہنے لگے کہ ''اللہ تعالیٰ ہم سے ناراض ہے ہم سے خوش نہیں ہیں۔''

یہ بات اس علاقے کا انتظام کرنے والا ایک فوجی جنرل کہہ رہا ہے اور حالات بھی یہی بتا رہے ہیں وہاں بارش آئی تو تباہی مچا دی اور یہاں لوگ بارش کو ترس رہے ہیں۔ صلوٰۃ الاستسقاء پڑھ رہے ہیں یہ سب اس بات کی علامتیں ہیں کہ اللہ تعالیٰ سے ہمارا تعلق انتہائی کمزور ہو گیا ہے اگر اللہ تعالیٰ سے ہمارا تعلق صحیح معنی میں جڑا ہوتا تو ہم اپنے گناہوں کے بارے میں اتنے بے خوف نہ ہوتے۔ اس بے فکری کے ساتھ کام چوری اور دغا بازی نہ کر رہے ہوتے اور اس جرأت کے ساتھ رشوتیں اور سود نہ لے دے رہے ہوتے۔

اچھے کاموں کا ثمرہ مل کر رہتا ہے:

خوب یاد رکھیے! اللہ رب العلمین انصاف کرنے والا ہے۔ کافر دنیا میں جو نیک کام کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو دنیا میں اس کا پھل دے دیتا ہے۔ مثلاً تجارت میں دھوکہ بازی نہیں کرتے، سیاست میں دوسری قوموں کے ساتھ تو بڑی خباثتیں، عہد شکنیاں اور دھوکہ بازیاں کرتے ہیں اور سفاکی کے اندر چنگیز خان سے بھی آگے بڑھ جاتے ہیں لیکن اپنے ملکوں کے اندر اپنے عوام کے ساتھ یہ دھوکہ بازی نہیں کرتے۔ جھوٹ نہیں بولتے، عوام کی خدمت کرتے ہیں اور ذمہ داریاں پوری طرح انجام دیتے ہیں۔ یہ سب نیکیاں ہیں اور ان کو دنیا میں ان کا پھل مل رہا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کسی کی

نیکی کو بیکار جانے نہیں دیتا۔

جزائے اعمال میں مومن اور کافر کا فرق:

لیکن اتنا فرق ضرور ہے کہ کافر کو اس کی نیکیوں کا پھل دنیا میں ہی مل جاتا ہے تا کہ آخرت میں ان کو کچھ دینا نہ پڑے لہٰذا آخرت میں ان کو کچھ ملنے والا نہیں ہے۔ سوائے عذاب کے جو ان کے کفر وفسق کا وبال ہوگا۔

اور مومن کا معاملہ اس سے مختلف ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کے بہت سارے گناہوں کی سزا دنیا میں ہی دے دیتے ہیں تا کہ آخرت میں اس کے گناہ کم رہ جائیں اور عذاب سے بچ جائے۔

خوب یاد رکھیے! کہ کافر قومیں جتنی بھی عیاشیاں، بدکاریاں کر رہی ہیں، شراب نوشی کا طوفان ہے اور کفر وشرک ہے۔ ان کی سزا ان کو آخرت میں بھگتنا پڑے گی اور جہاں تک مسلمان کا معاملہ ہے تو اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے کہ وہ چاہتا ہے کہ مسلمان کو اس کے گناہوں کی سزا آخرت میں نہ ملے جہاں تک ممکن ہو اسے بچا دیا جائے اور اس کے گناہوں کی سزا دنیا میں ہی مل جائے۔

مسلمان کو گناہ موافق نہیں آتا:

یہی وجہ ہے کہ مسلمان کو کبھی گناہ موافق نہیں آتا کوئی گناہ کرتا ہے تو فوراً کوئی نہ کوئی مصیبت آجاتی ہے کوئی پریشانی یا کوئی خسارہ آپکڑتا ہے۔ اللہ تعالیٰ پناہ میں رکھے۔ بعض لوگوں کو گناہ موافق آجاتا ہے۔

گناہ موافق آنے کی صورتیں:

گناہ موافق آنے کی مثال یہ ہے مثلاً بعض لوگ سود کھانے یا رشوت لینے کے عادی ہو جاتے ہیں۔ اگر کوئی نیا آدمی یہ کام کرے گا تو فوراً کوئی پریشانی آئے گی تو سمجھ

جائے گا کہ اللہ تعالیٰ کی پکڑ آ گئی ہے۔ لیکن جو لوگ ان وارنگوں کی پرواہ نہیں کرتے اور ان تنبیہات پر نہیں چونکتے تو اللہ تعالیٰ ان کو ڈھیل دے دیتا ہے اس کو ''استدراج'' کہتے ہیں اور یہ ڈھیل کافروں کو بھی دی جاتی ہے اور مسلمانوں کو بھی دی جاتی ہے کہ باز نہیں آتے۔ اچھا پھر کرو گناہ! پھر اس آدمی کے لیے گناہ کے اسباب آسان کر دیتے ہیں۔ سود کھا رہے ہو اچھا کھاؤ، چوری کر رہے ہو اچھا کرتے رہو، ڈکیتیاں ڈال رہے ہو، لوگوں پر ظلم کر رہے ہو کرتے رہو، اسے پکڑتے نہیں اور وہ بے خوف ہو کر گناہ کرنے لگتا ہے اور اس کو گناہ موافق آ جاتے ہیں یہ اس کی بدبختی کی علامت ہے اور اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو پکڑنے کا ارادہ کر لیا ہے اور ممکن ہے دنیا میں بھی پکڑ لیں ورنہ آخرت میں تو چھوڑے گا ہی نہیں۔

گناہ کے ناموافق ہونے کی صورتیں:

البتہ جس مسلمان کو گناہ موافق نہ آئیں یہ اس کی خوش نصیبی کی بات ہے۔ چنانچہ خوش نصیب ہیں وہ لوگ جن کو گناہ موافق نہیں آتے، کوئی پریشانی آ گئی، راز کھل گیا، گناہ کرنا چاہ رہا تھا۔ پہلے سے ہی پتہ چل گیا یا گناہ کر لیا تھا فوراً کوئی ایسی بات پیش آ گئی کہ اللہ تعالیٰ کے سامنے رو کر گڑگڑا کر گناہ معاف کروا لیا۔ تو یہ سب گناہ کے ناموافق ہونے اور مسلمان کی خوش قسمتی کی دلیل ہیں۔

گناہ کے موافق اور ناموافق آنے کی حکایت

ہم نے اپنے شیخ رحمۃ اللہ علیہ سے گناہ کے موافق آنے اور موافق نہ آنے کے بارے میں ایک حکایت سنی تھی۔

اللہ تعالیٰ نے فرشتوں پر مختلف قسم کی ذمہ داریاں عائد کر رکھی ہیں۔ ایسے ہی دو فرشتے دنیا میں اپنی ذمہ داری ادا کر کے اوپر جا رہے تھے کہ اتنے میں ان کی آپس میں ملاقات ہو گئی ایک نے دوسرے سے پوچھا کہ کہاں سے آ رہے ہو اور کیا ذمہ داری ادا کی ہے؟

یہودی کی خواہش پوری فرمادی:

اس نے جواب دیا کہ میں ایک عجیب ذمہ داری ادا کر کے آ رہا ہوں وہ یہ کہ ایک یہودی مرنے والا تھا اور شاید مر بھی گیا ہو۔ اس کو مچھلی کھانے کا بہت شوق تھا۔ اس کے دل میں خواہش پیدا ہوئی کہ مچھلی کھانے کو مل جائے۔ پتہ کروایا تو پورے بازار میں کہیں مچھلی نہیں تھی۔ تو مجھے حکم ہوا کہ کوئی اچھی سی زندہ مچھلی اس کے حوض میں جا کر چھوڑ دوں چنانچہ میں نے جا کر اس کے حوض میں زندہ مچھلی ڈال دی۔ اور اس کے گھر والے اس مچھلی کو بنا رہے تھے۔ سوال کرنے والے فرشتے نے حیرت سے کہا اچھا یہودی کی مرضی پوری کر دی۔

مسلمان کو عمل بد کی سزا دنیا میں:

دوسرے فرشتے نے پہلے فرشتے سے پوچھا کہ تم کیا کر کے آ رہے ہو اس نے کہا کہ میں بھی ایک عجیب کام کر کے آ رہا ہوں وہ یہ کہ ایک نہایت نیک مسلمان تھا۔ اس کا آخری وقت تھا۔ اس کے سامنے کی الماری پر شہد کی شیشی رکھی ہوئی تھی۔ اس کا بھی جی چاہ رہا تھا کہ وہ شہد پی لے اتنے میں مجھے حکم ملا کہ جا کر وہ شہد کی شیشی گرا دو تا کہ شیشی ٹوٹ جائے اور وہ شہید نہ پی سکے چنانچہ میں نے جا کر شہد کی شیشی گرا دی اور وہ شہد نہ پی سکا اور اسی تمنا کو لیے دنیا سے رخصت ہو گیا۔

آخر کار دونوں فرشتے اسی حیرانگی کے عالم میں اللہ تعالیٰ کے دربار میں پیش ہوئے۔ اب اللہ تعالیٰ تو سب کچھ جانتا اور دیکھتا ہے۔ فرشتوں نے اپنی روداد پیش کی اور عرض کیا کہ ہمیں ان دونوں واقعات کی وجہ سمجھ نہیں آئی کہ کیا وجہ ہے؟ تو ارشاد ہوا کہ جو کافر یہودی تھا اس کے تمام نیک کاموں کا بدلہ میں نے دنیا میں دے رکھا تھا۔ چنانچہ میں نے اس کو مال و دولت، ہر قسم کا ساز و سامان دیا اور اس نے خوشیوں بھری زندگی گزار دی ہے لیکن اس یہودی کی ایک نیکی ایسی رہتی تھی جس کا بدلہ اسے ابھی تک نہیں ملا تھا لہٰذا اس

باقی ماندہ نیکی کا بدلہ اس مچھلی کی صورت میں دے دیا ہے تا کہ اب میرے ذمے اس کا کوئی بدلہ باقی نہ رہے۔ اب جب وہ آخرت میں میرے پاس آئے گا تو میرے پاس سوائے عذاب کے کچھ نہیں پائے گا اور جہاں تک مومن کا تعلق ہے وہ میرا نیک بندہ تھا۔ میں نے اس کے سارے گناہ معاف کر دیئے تھے لیکن ایک گناہ ایسا تھا جس کی اس نے معافی نہیں مانگی تھی اور کوئی نیک عمل بھی ایسا نہیں کیا تھا جو اس کا بدل بن سکے تو میں نے اس تکلیف کے ذریعے اس گناہ کی تلافی کر دی ہے جو اس کو شہد کے نہ ملنے کی صورت میں پہنچی ہے اب جب وہ میرے پاس آئے گا تو میرے پاس اس کے لیے سوائے رحمت و ثواب کے کچھ نہیں ہوگا۔

تکلیف مومن کے لیے رحمت ہے:

الغرض مومن کو تکلیف پہنچنے سے بھی اس کے گناہ معاف ہوتے ہیں اور تکلیف بھی اللہ تعالیٰ کی رحمت ہوتی ہے۔

حدیث شریف میں آتا ہے کہ مومن کو جو پھانسی چبھتی ہے یا بخار ہوتا ہے اس سے بھی مومن کے گناہ معاف ہوتے ہیں اور برائیاں دھل جاتی ہیں۔

اس حدیث مبارک سے بھی معلوم ہوا کہ مسلمانوں پر جو تکلیفیں آتی ہیں وہ گناہوں سے آتی ہیں اور چونکہ گناہوں سے توبہ کرنا اپنے اختیار کی بات ہے تو ہمیں گناہوں سے توبہ استغفار کرتے رہنا چاہیے تا کہ اللہ تعالیٰ کو دوسری مصیبتیں نہ بھیجنی پڑیں اگر ہم گناہوں اور اپنی بداعمالیوں کو نہیں چھوڑیں گے تو مصیبتیں آرہی ہیں اور آتی رہیں گی۔

گناہوں سے بچنے کا طریقہ:

اب گناہوں سے بچنے کا طریقہ ہر وقت اللہ تعالیٰ کا دھیان اور خیال رکھنا ہے اور دھیان کیسے رکھا جائے اس کے لیے اللہ تعالیٰ کا ذکر کثرت سے کرنا چاہیے اٹھتے بیٹھتے، چلتے پھرتے جس وقت اور جس طرح بھی ممکن ہو اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے رہنا چاہیے۔

کائنات کی بقا اللہ کے ذکر سے ہے:

اور اللہ تعالیٰ کا ذکر وہ چیز ہے جو اس پوری کائنات کی جان ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ذکر کی بدولت اس کائنات کا وجود ہے جب تک اس کائنات میں اللہ تعالیٰ کا ذکر ہوتا رہے گا یہ کائنات بھی موجود رہے گی جب اللہ تعالیٰ کا ذکر ختم ہو جائے گا قیامت آ جائے گی۔

آپ کو معلوم ہے کہ قیامت کن لوگوں پر آئے گی؟ احادیث میں صراحت ہے کہ قیامت آنے سے پہلے یمن کی جانب سے ایک نرم ہوا چلے گی جو مسلمانوں کی روحوں کو بڑے آرام سے قبض کر لے گی تا کہ قیامت کے ہولناک اور وحشتناک مناظر کا ظہور ان کے سامنے نہ ہو اور وہ ان سے محفوظ رہ سکیں۔

چنانچہ سو سال تک زمین پر کوئی اللہ اللہ کہنے والا نہ ہوگا حتیٰ کہ قیامت قائم کر دی جائے گی تو اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے ذکر کی بدولت اس کائنات کا وجود ہے اور یہی ذکر اللہ پوری کائنات کی روح و جان ہے۔

تمام عبادات کا حاصل، ذکر اللہ:

اسی طرح اللہ تعالیٰ کا ذکر ہی تمام عبادتوں کا حاصل اور مقصود ہے۔ مثلاً نماز پڑھنے کا اصل مقصد اللہ کا ذکر اور اس کی یاد ہے اسی لیے اللہ تعالیٰ نے نماز کے ہر ہر حصے میں کوئی نہ کوئی ذکر رکھا ہے۔

ذکر اللہ کا امتیازی وصف:

یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید میں جگہ جگہ کثرت سے ذکر کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ ہمارے شیخ اور مرشد حضرت ڈاکٹر عبدالحی عارفی صاحب نور اللہ مرقدہ بہت اہم باتیں ارشاد فرمایا کرتے تھے اور خاص طور پر ذکر اللہ کی رغبت دلاتے ہوئے فرماتے تھے کہ

''قرآن مجید کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ذکر اللہ کے سوا کوئی ایسا کام نہیں ہے جسے کثرت سے کرنے کا حکم دیا گیا ہو حتیٰ کہ نماز جو کہ اتنی بڑی عبادت ہے کہ آخرت میں سب سے پہلے اسی کا حساب ہوگا اور اسلام کا اہم رکن ہے لیکن نماز کے بارے میں کہیں یہ نظر نہیں آتا کہ کہا گیا ہو نمازیں کثرت سے پڑھو۔ اس طرح دیگر عبادات کا بھی یہی معاملہ ہے۔ مثلاً یہ نہیں کہا کہ حج کثرت سے کیا کرو، اس طرح روزوں کے بارے میں کہیں یاد نہیں پڑتا کہ قرآن مجید میں آیا ہو کہ روزے کثرت سے رکھا کرو۔''

اگرچہ نمازیں کثرت سے پڑھنا، روزے کثرت سے رکھنا بھی بڑے ثواب کا کام ہے۔ رسول اللہ ﷺ نفلی نمازیں مثلاً تہجد وغیرہ اور نفلی روزے کثرت سے رکھا کرتے تھے لیکن قرآن کریم میں ان کی کثرت کا مطالبہ نہیں کیا گیا ہے۔ ان عبادات کے علاوہ اور بھی کسی کام کے بارے میں کثرت سے کرنے کا حکم نہیں دیا گیا۔ مثلاً جہاد اور زکوٰۃ کے بارے میں یہ نہیں فرمایا کہ جہاد کثرت سے کرو یا زکوٰۃ کثرت سے دیتے رہو لیکن ذکر اللہ کے بارے میں حکم دیا گیا ہے کہ

﴿یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اذْکُرُو اللّٰهَ ذِکْراً کَثِیْراً﴾

''کہ اے ایمان والو اللہ کا ذکر کثرت سے کیا کرو نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے کہ اللہ کا ذکر اتنا کرو کہ دیکھنے والے تمہیں مجنوں کہنے لگیں۔''

پسندیدہ مسلمانوں کی خاص صفت:

''سورۂ سبا'' میں پسندیدہ مسلمانوں کی صفات بیان کی گئی ہیں اور ان میں سے ایک صفت کثرت سے اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنا بھی ہے چنانچہ ارشاد گرامی ہے۔

﴿اِنَّ الْمُسْلِمِیْنَ وَالْمُسْلِمَاتِ وَالْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ وَالْقَانِتِیْنَ وَالْقَانِتَاتِ وَالصَّادِقِیْنَ وَالصَّادِقَاتِ وَالذَّاکِرِیْنَ اللّٰہَ کَثِیْراً وَالذَّاکِرَاتِ﴾

ہمارے بزرگوں کا بھی یہی معمول رہا ہے کہ ہروقت ان کی زبانیں ذکر اللہ سے تر رہتی تھیں کوئی ضروری بات ہوتی تو کر لیتے تھے اس کے بعد جتنا وقت بھی فارغ ملتا اس میں کوئی نہ کوئی ذکر ہوتا رہتا تھا۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ اور ذکر اللہ کی کثرت:

علامہ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ جو کہ صحیح البخاری کے شارح ہیں اور بلند پایہ کے عالم ہونے کے ساتھ ساتھ کئی کتابوں کے مصنف بھی ہیں ان کے بارے میں آتا ہے کہ کتابیں لکھتے لکھتے جب قلم گھس جاتا اب قلم کو دوبارہ بنانے کی ضرورت درپیش ہوتی تو قلم کو دوبارہ بناتے ہوئے جو تھوڑا سا وقت گزرتا تھا (تو وہ اس وقت بھی کوئی نہ کوئی ذکر شروع کردیتے تھے اور جب قلم بن جاتا تو لکھنا شروع کردیتے تھے۔ اس طرح حضرت حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ اپنے اس قلم بنانے کے تھوڑے سے وقت کو بھی ضائع ہونے سے بچاتے تھے بلکہ اس میں بھی سہولت کے ساتھ ذکر اللہ میں مشغول رہتے تھے۔

ذکر اللہ آسان ترین کام ہے:

اب چونکہ قرآن وحدیث میں جابجا کثرت سے ذکر کرنے کی تلقین فرمائی گئی ہے تو اس لیے ذکر کو نہایت آسان بھی بنا دیا گیا ہے۔ لہٰذا ذکر اللہ میں کچھ مشکل نہیں ہے۔ انسان سارے کام کرتا رہے۔ پھر بھی ساتھ ساتھ ذکر کرسکتا ہے۔ مثلاً آپ گاڑی میں بیٹھ کر کہیں جارہے ہیں تو اگر تسبیح پاس ہو تو تسبیح کے ذریعے اور اگر تسبیح نہ ہو تو انگلیوں پر کرسکتے ہیں کوئی سورت یاد ہو تو وہ پڑھ سکتے ہیں، اسی طرح اگر آپ سائیکل پر جارہے ہیں تو اب چونکہ انگلیوں اور تسبیح کے ذریعے ذکر کرنا مشکل ہے تو صرف زبان کے ذریعے

کوئی دوسرا ذکر کر سکتے ہیں۔ مثلاً سبحان اللہ، الحمد للہ، اللہ اکبر یا لا الہ الا اللہ پڑھ سکتے ہیں دعائیں کر سکتے ہیں۔ درود شریف کا ورد کر سکتے ہیں اور کچھ نہیں تو صرف اللہ، اللہ تو کر سکتے ہیں۔

اب غور کیجئے کہ کیا کوئی مشکل پیش آ رہی ہے؟ کوئی محنت خرچ ہو رہی ہے؟ کوئی مخصوص وقت نکالنا پڑھ رہا ہے؟ کچھ بھی نہیں۔ اپنے روز مرہ کے کام بھی ہو رہے ہیں اور نہایت آسانی کے ساتھ اتنی عظیم الشان عبادت بھی سرانجام پا رہی ہے کہ ہم جس کی عظمت و شان کا اندازہ ہی نہیں لگا سکتے۔

شریعت کی رو سے آسانیاں

شریعت نے اللہ کے ذکر میں کوئی کڑی قیود و شرائط نہیں لگائیں مثلاً ذکر اللہ کے لیے مخصوص وقت نکالنا، قبلہ رخ بیٹھنا، باوضو ہونا وغیرہ شرط نہیں ہے بلکہ ہر حالت میں ذکر ہو سکتا ہے حتی کہ جنبی ہونے کی حالت میں بھی ذکر کیا جا سکتا ہے۔ البتہ اتنی بات ضروری ہے کہ بے وضو قرآن کو چھو کر پڑھنا اور جنابت کی حالت میں قرآن مجید کو چھونا اور پڑھنا ممنوع ہے۔

اللہ تعالیٰ کے ذکر میں اسی آسانی کے پیش نظر ہمارے شیخ رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ:

''مولوی صاحب! اللہ کا ذکر کرنے کے لیے اس بات کا انتظار نہ کرو کہ مسجد جائیں گے باوضو ہوں گے قبلہ رخ بیٹھیں گے پھر ذکر کریں گے......نہیں نہیں...... بلکہ چلتے پھرتے، اٹھتے بیٹھتے ہر وقت چپکے چپکے اپنے اللہ میاں سے باتیں کرتے رہا کرو۔''

اس بات کو یوں سمجھئے کہ مثلاً گاڑی، ریل یا ہوائی جہاز میں کہیں جا رہے ہیں اور دل میں طرح طرح کے خیالات آ رہے ہیں کہ یہ کام بھی ہے یہ بھی کرلوں، فلاں کام ہے وہ بھی کرنا ہے......تو چپکے سے اللہ سے عرض کر دیجئے کہ باری تعالیٰ میرا یہ کام بھی

کردیجئے۔ فلاں کام بھی پورا کردیجئے۔''

یا مثلاً آپ کوئی کام کرنا چاہتے ہیں اور خیال آ رہا ہے کہ یہ کام کروں یا نہ کروں تو چپکے سے اللہ میاں سے درخواست کردیجئے کہ ''یا اللہ مجھے بتلا دیجئے کہ یہ کام کروں یا نہ کروں اور جس کام میں خیر و بھلائی ہو مجھ سے وہی کام کروادیجئے۔''

آپ یہ کام کرنا شروع کریں اور رفتہ رفتہ کرتے چلے جائیں یہاں تک کہ اسی طرح عمل کرتے کرتے ایسا وقت بھی آئے گا کہ آپ اللہ تعالیٰ کے محبوب بندے بن جائیں گے۔

ذکر اللہ کے فوائد

پہلا فائدہ، ہر لمحہ یادالٰہی میں:

اللہ والا کسے کہتے ہیں؟ اللہ والا وہ آدمی ہوتا ہے کہ جس کے دل میں ہر وقت اللہ تعالیٰ کی یاد سمائی ہو۔ وہ گناہوں سے بچتا ہو اور اطاعت و فرمانبرداری کے ساتھ فرائض و واجبات بھی ادا کرتا ہو۔

اور یہی ذکر اللہ کا بڑا فائدہ ہے کیونکہ جب انسان ہر لمحہ اپنے رب العلمین کی یاد اور اس کے ذکر میں مشغول رہتا ہے تو پھر رفتہ رفتہ پروردگار عالم کی عظمت و محبت اور اس کا دھیان انسان کے دل میں جگہ کرلیتا ہے اور انسان کے رگ و ریشے میں پیوست ہو جاتا ہے اور پھر گناہ سے نفرت ہونے لگتی ہے۔ اگر ایسا شخص گناہ کرے گا بھی تو اسے گناہ میں لذت نہیں آئے گی اور اس کا دل ہر وقت ایسے کاموں کا طالب رہے گا جو کام رب تعالیٰ کی رضا کا ذریعہ بنتے ہوں۔

دوسرا بڑا فائدہ: رقت قلب:

ذکر کا ایک دوسرا بڑا فائدہ دل کی نرمی کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ

محفوظ فرمائیں بعض لوگوں کے دل سخت ہو جاتے ہیں اور اس کا نقصان یہ ہوتا ہے کہ اگر وہ چاہیں بھی کہ کوئی نیک کام کرلیں۔ یا کوئی نیک اور اچھی بات سن کر سمجھ لیں تو بھی ان کا دل اس طرف چلتا نہیں ہے اس طرح کوئی نصیحت کرے تو وہ دل میں نہیں اترتی۔ حالانکہ عقل اس نصیحت کو درست قرار دے رہی ہوتی ہے لیکن اس کے باوجود دل کی سختی کی وجہ سے کسی بھلائی کی نصیحت انسان کے دل پر اثر انداز نہیں ہو سکتی۔

تو دل کی سختی دور کرنے اور اس میں نرمی پیدا کرنے کا آسان طریقہ ''ذکر'' ہے جب انسان کثرت سے ذکر کرتا ہے تو دل کی سختی کم ہونے لگتی ہے۔ چنانچہ حق بات کو قبول کرنے کی صلاحیت پیدا ہونے لگتی ہے اور آدمی نیکیوں سے محبت اور برائیوں سے نفرت کرنے لگتا ہے۔

تیسرا بڑا فائدہ: گناہوں سے حفاظت

ہمارے مرشد حضرت ڈاکٹر عبدالحی عارفی صاحب قدس اللہ سرہ فرماتے تھے کہ

جب کثرت سے ذکر کرو گے تو پھر کیفیت یہ ہوگی کہ گناہ کرنا بھی چاہو گے تو گناہ نہ کرسکو گے اگرچہ آپ نے اس کا عزم اور ارادہ کرلیا ہو کوئی نہ کوئی ایسی رکاوٹ آجائے گی۔ کہ گناہ نہ ہو سکے گا۔''

اور یہ اللہ تعالیٰ کا کرم ہے کہ گناہوں سے بچا کر آخرت کے عذاب سے بچالے۔ کیونکہ اصل میں ہم یہاں رہنے تھوڑا آئے ہیں۔ درحقیقت اصل زندگی تو آخرت کی زندگی ہے ہم اس دنیا میں امتحان دینے آئے ہیں۔ اور ہم اس وقت امتحان گاہ میں بیٹھے۔ امتحان دے رہے ہیں۔ ہمارا ہر ہر قول و فعل ریکارڈ ہو رہا ہے اور ہم یہاں جو کچھ بھی کہیں گے یا کریں گے اس کا حساب وہاں آخرت میں ہوگا اور رزلٹ وہیں آؤٹ ہوگا۔ اگر ہم اس امتحان میں کامیاب ہو گئے۔ تو بس پھر کامیابی ہی کامیابی ہے۔ انشاء اللہ پھر جنت میں پہنچ جائیں گے جو کہ ہماری اصل منزل ہے۔

چوتھا بڑا فائدہ: سکون قلب:

''ذکر'' کی برکت سے جہاں آخرت میں ابدی کامیابی اور دائمی راحت نصیب ہوتی ہے۔ اسی طرح ذکر کا ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ کثرت سے ذکر کرتے رہنے سے انسان کو دنیا کی زندگی کا لطف بھی آنے لگتا ہے اور اس کو دنیا میں بھی قلبی سکون حاصل ہو جاتا ہے۔ قرآن پاک میں ہے کہ

﴿اَلاَ بِذِكْرِ اللّٰهِ تطمَئِنَّ القُلوبُ﴾

''اللہ کی یاد سے دلوں کو سکون ملتا ہے۔''

معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کا ذکر ہی وہ چیز ہے جس سے انسان کو قلبی سکون مل سکتا ہے تو جب اللہ تعالیٰ کا ذکر ہوگا تو سکون نصیب ہوگا۔ جب سکون ملے گا تو راحت حاصل ہوگی اور جب راحت حاصل ہوگی تو نیند بھی آئے گی۔ کھانا پینا بھی اچھا لگے گا، گھر کی زندگی بیوی، بچے، عزیز و اقرباء غرض کہ ساری دنیا اچھی لگنے لگے گی۔ لیکن جب چین و سکون ہی نصیب نہ ہو تو پھر انسان کہاں جائے؟ کیا کرے؟ ہر چیز سے نفرت ہو جائے گی۔

فرانس میں خودکشیوں کی وجہ:

چند سال پہلے کی بات ہے کہ جب میں فرانس گیا تو ہمارے دوستوں نے جو وہاں مقیم تھے ہمیں بتایا کہ یہاں خودکشی کا اس قدر رجحان ہے کہ اوسطاً ہر چار سے پانچ منٹ میں ایک خودکشی ہوتی ہے۔ میں نے ان سے اس المناک صورتحال کی وجہ پوچھی کہ کیا وجہ ہے؟ کہیں اس کا سبب غربت و بے روزگاری تو نہیں ہے؟ یا بیماریاں زیادہ ہیں یا کچھ اور مسائل ہیں۔ تو وہ حضرات کہنے لگے کہ ایسی کوئی وجہ نہیں ہے۔ آپ دیکھ رہے ہیں کہ امن و امان قائم ہے موسم بھی ایسا بہتر ہے کہ جو صحت کے لئے مفید ہے اور بے روز گاری بھی نہیں ہے بلکہ لوگوں کے پاس مال و دولت کی فراوانی ہے۔

البتہ خودکشی کی وجہ صرف یہ ہے کہ لوگوں کو قلبی سکون میسر نہیں ہے ہر کسی کو بے

چینی لاحق ہے اور زندگیوں سے راحت وسکون ختم ہو گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے ذکر کے بغیر یہ راحت وسکون حاصل ہو بھی کیسے سکتا ہے؟ جبکہ ارشاد فرمایا دیا گیا ہے کہ ''الا بذکر اللّٰہ تطمئن القلوب''.

معلوم ہوا کہ انسان کو مال ودولت، خوشیوں راحتوں اور لذتوں کے اسباب مل سکتے ہیں۔ اچھا مکان، اچھی گاڑی، اچھی ملازمت، اور بڑا عہدہ مل سکتا ہے لیکن راحت، چین، اور قلبی سکون کی دولت اللہ کی یاد کے بغیر نصیب نہیں ہو سکتی۔

پانچواں بڑا فائدہ: تقویتِ قلب

پھر اس ذکر اللہ کی بدولت دل کو قوت ملتی رہتی ہے اور اس قوت کی وجہ سے انسان مصائب، تکلیف ومشکلات اور پریشانیوں میں گھبراتا نہیں ہے بلکہ اس کی ڈھارس بندھی رہتی ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ کمر پر کسی نے ہاتھ رکھا ہوا ہے۔ تو ذکر اللہ کے باوجود بھی پریشانی آئے تو قوت وڈھارس بندھی رہنے سے صبر کی توفیق مل جاتی ہے۔ جو درجات کی بلندی کا ذریعہ بنتا ہے۔ اور پھر اسی ذکر کی بدولت تکالیف ومصائب میں کمی آتی چلی جاتی ہے اور زندگی میں راحت ولطف پیدا ہوتا چلا جاتا ہے۔

بے توجہی سے ذکر کرنے کا حکم

بہت سے حضرات یہ سوچتے ہیں کہ ایسے ذکر کا کیا فائدہ؟ کہ توجہ کسی اور طرف ہے اور ذکر کر رہے ہیں گویا بے توجہی اور بلا استحضار ذکر کرنا غیر مفید ہے۔ اس قسم کے سوالات حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ کے پاس بہت آتے تھے تو حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ ان سوالات کا جواب یوں دیا کرتے تھے کہ:

اگر زبان نیک کام میں لگی ہوئی ہے تو آپ کا کیا حرج ہو رہا ہے۔ اگرچہ دوسرے اعضاء ذکر اللہ کی طرف متوجہ نہیں ہیں لیکن زبان تو لگی ہوئی ہے ناں! تو میاں بس اسی کو غنیمت جانو کیونکہ اس کا بھی تو ثواب ملتا ہے۔ اور یہ سوچنا کہ ایسے وقت میں ذکر

کروں گا جب کوئی مصروفیت نہ ہوگی اور مکمل توجہ ذکر کی طرف رکھنا ممکن ہوگا تو یہ شیطان کا دھوکہ ہے شیطان ذکر سے روکنے کے لئے اس قسم کے وساوس سے انسان کو بہکانا چاہتا ہے اس لئے جب بھی موقع ملے تو دل اور دماغ کی توجہ کسی اور طرف ہو تو بھی ذکر کرنا چاہیے اور جب ذکر اللہ کی عادت پڑ جائے تو پھر ذکر کے بغیر چین وسکون نہیں آئے گا۔

ہماری دادی مرحومہ کے کثرتِ ذکر کا عالم

ہماری دادی مرحومہ رحمہا اللہ جو کہ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت تھیں اور سید خاندان سے تھیں لیکن بے چاری پڑھی لکھی نہیں تھیں۔ تقریباً ۹۰ یا ۹۵ سال کی عمر میں ان کا انتقال ہوا او دارالعلوم میں سب سے پہلی قبر انہی کی بنی تھی۔ ان کا حال یہ تھا کہ وہ جب بھی خاموش ہوتیں تھیں خواہ جاگ رہی ہوں یا سو رہی ہوں ان سے اللہ، اللہ، اللہ کی آواز سنائی دیتی رہتی تھی۔

وجہ یہی تھی کہ جب ذکر اللہ کی عادت بن جاتی ہے اور یاد الٰہی دل میں سما جاتی ہے تو پھر ذکر کے بغیر انسان کو قرار نہیں آتا۔ زبان خود بخود ذکر کرنے لگتی ہے اور دل بھی پوری طرح متوجہ رہتا ہے۔

خلاصہ کلام

ساری گفتگو کا حاصل یہ ہے کہ ہمیں اللہ تعالیٰ سے تعلق مضبوط کرنے کے لئے کثرت سے ذکر کرنا چاہیے۔ جو کوئی مشکل کام نہیں ہے بلکہ آسان ترین کام ہونے کے ساتھ ساتھ نہایت افضل کام ہے۔ جب کثرت ذکر سے ہمارا اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق مضبوط ہو جائے گا تو انشاء اللہ ہمارے سب مسائل خود بخود حل ہو جائیں گے۔

اللہ رب العزت ہمیں کثرت سے اپنا ذکر کرنے کی توفیق عطا فرمائے (آمین)

و آخر دعوانا ان الحمد للّٰہ رب العلمین

☆☆☆

سانحہ ارتحال حضرت مولانا اسعد مدنیؒ

موضوع: سانحہ ارتحال حضرت مولانا اسعد مدنی رحمۃ اللہ علیہ

خطاب: مفتی اعظم پاکستان مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی مدظلہ

مقام: جامع مسجد جامعہ دارالعلوم کراچی

ضبط وترتیب: مولانا محمد شعیب سرور

سانحۂ ارتحال حضرت مولانا اسعد مدنی رحمۃ اللہ علیہ

الحمد للّٰہ و کفی والصلٰوۃ والسلام علی نبیہ المجتبی
و علٰی عبادہ الذین الصطفٰی اما بعد!

وفات کی خبر

حضرت مولانا اسعد مدنی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کی خبر ہمیں تاخیر سے ملی۔ آج کل اخبار دیکھنے کا موقع بھی کم ملتا ہے۔ ہمیں یہ خطاب کل کرنا چاہیے تھا لیکن اطلاع نہ ملنے کے بسبب یہ خطاب آج ہو رہا ہے۔

حضرت مولانا اسعد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کی خبر تمام مسلمانانِ برصغیر کے لیے عموماً اور تمام دینی حلقوں کے لیے خصوصاً بڑی المناک خبر ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی کامل مغفرت فرمائے ان کو درجاتِ عالیہ سے نوازے اور ان کے پسماندگان کو فلاح دارین اور صبر جمیل عطا فرمائے اور ان کے رخصت ہونے سے دینی حلقوں میں جو خلا پیدا ہوا ہو اللہ تعالیٰ اس خلاء کو بھی آسانی کے ساتھ پورا فرمادیں اور ان کی برکات سے ہمیں محروم نہ فرمائے۔ (آمین)

حضرت مولانا اسعد مدنی رحمۃ اللہ علیہ سے باہمی تعلقات

مولانا اسعد مدنی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی وفات سے دل پر متعدد وجوہ سے بہت سارے غم جمع ہو گئے ہیں کیونکہ ان سے ہمارا تعلق مختلف وجوہ سے تھا۔

پہلا رشتہ

ہمارا ان سے ایک رشتہ یہ ہے کہ وہ ہمارے سب سے بڑے بھائی جان جناب محمد ذکی کیفی مرحوم کے ہم سبق تھے کیونکہ انہوں نے کافی عرصہ تک دارالعلوم دیوبند میں ایک ساتھ پڑھا ہے۔

دوسرا رشتہ

ہمارا دوسرا رشتہ ان سے یہ ہے کہ ہم ایک علاقے کے رہنے والے ہیں، وہ بھی دیوبند کے رہنے والے تھے اور میں بھی دیوبند کا باشندہ ہوں۔

عظیم باپ کے عظیم فرزند

ہمارا تیسرا رشتہ یہ ہے کہ وہ ایک عظیم باپ کے ایک عظیم فرزند تھے۔ ان کے والد ماجد حضرت شیخ العرب والعجم مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ اونچے درجے کے ولی اللہ اور صاحبِ نسبت بزرگ ہیں۔ علماء دیوبند اور بزرگانِ دیوبند میں ان کا ایک ممتاز مقام تھا۔ ان کے صاحبزادے ہونے کی نسبت سے بھی ہمارا ان سے گہرا تعلق ہے کیونکہ ہمارے والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ:

حضرت مولانا حسین احمد مدنی صاحب رحمۃ اللہ علیہ اگرچہ ہمارے براہ راست استاد نہیں ہیں لیکن ہمارے اساتذہ کے طبقہ کے بزرگ ہیں۔

چنانچہ ہم نے ہمیشہ اپنے والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کا ایسے ادب و احترام کرتے دیکھا جیسے ایک شاگرد اپنے ایک عظیم استاد کا ادب و احترام کرتا ہے۔

تحریکِ پاکستان اور بزرگانِ دیوبند کی آراء

جب پورے ہندوستان میں ''تحریکِ پاکستان'' چل رہی تھی تو آپ کو معلوم

ہے کہ اس میں بزرگانِ دیوبند میں کچھ رائے کا اختلاف ہوا تھا۔

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی رائے یہ تھی کہ ''پاکستان بننا چاہیے، مسلمانوں کی الگ حکومت ہونی چاہیے اور مسلمانوں کو کفار کے ساتھ اس طرح شریک نہیں ہونا چاہیے کہ تحریک میں وہ بالادست ہوں اور مسلمان زیردست ہوں، وہ اکثریت میں ہوں اور مسلمان اقلیت میں ہوں۔''

اور جبکہ شیخ العرب والعجم مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کی رائے یہ تھی کہ:

''تحریک پاکستان کے سرکردہ لوگ قابل اعتماد نہیں ہیں۔ ان کو ساتھ ملا کر اگر تحریکِ پاکستان چلائی جائے گی تو پاکستان بنانے کے مقاصد حاصل نہ ہوں گے۔ اس لیے ہندوؤں کے ساتھ مل کر انگریزوں سے آزادی حاصل کی جائے اور مخلوط حکومت قائم کی جائے۔''

یہ دونوں رائے ہمارے بزرگوں کی تھیں، ایک جانب حکیم الامت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ تھے اور ان کے زیرنگرانی حضرت شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر حضرات تھے۔

دوسری جانب شیخ العرب والعجم حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ تھے اور ان کے دیگر رفقاء تھے۔

حامیانِ تحریکِ پاکستان کا دارالعلوم دیوبند سے مستعفی ہونا

اختلافات کا دور تھا، ہم نے اپنی آنکھوں سے وہ دور دیکھا ہے، جب پاکستان بنا اور ہم ہجرت کر کے پاکستان آئے تو اس وقت ہماری عمر کا بارہواں سال چل رہا تھا۔ ساری تحریک پاکستان ہمارے سامنے تھی۔ میں دارالعلوم دیوبند میں حفظ کرتا تھا۔ عین اس اختلافات کے دور میں جبکہ حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ، حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے دیگر رفقاء کار جو تحریکِ پاکستان چلا رہے تھے، وہ سب دارالعلوم دیوبند سے

مستعفی ہو چکے تھے اور اس کی وجہ یہ تھی کہ تا کہ دارالعلوم دیوبند سے دو متضاد فتاویٰ جاری نہ ہوسکیں۔ دارالعلوم جو سب کی مشترکہ متاع ہے اس کی عزت و مقام میں کمی نہ آئے۔ تو اس لیے یہ حضرات دارالعلوم سے مستعفی ہو چکے تھے اور بڑے زور وشور سے تحریک پاکستان چلا رہے تھے اور حضرت شیخ العرب رحمۃ اللہ اور ان کے دیگر رفقاء حسبِ سابق دارالعلوم دیوبند میں اپنی خدمات سرانجام دے رہے تھے۔

شیخ العرب والعجم رحمۃ اللہ علیہ سے ملاقات

انہی اختلافات کے زمانے میں حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کو انگریزی حکومت نے گرفتار کرلیا تھا۔ پھر کافی عرصہ بعد جب وہ رہا ہوکر آئے تو میرے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ سے ملاقات کے لیے تشریف لے گئے اور مجھے بھی ساتھ لے گئے۔ میں نے حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ سے مصافحہ کیا۔ مجھے آج تک حضرت کے دستِ مبارک کا گداز یاد آتا ہے۔

اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے، تو یہ ہمارا حضرت مولانا اسعد مدنی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے تیسرا رشتہ تھا کہ وہ ایک عظیم باپ کے بیٹے اور وہ باپ بھی کیسا عظیم جو ہمارے والد صاحب رحمۃ اللہ کے اساتذہ کے درجے کے تھے۔

چوتھا رشتہ

ہمارا حضرت مولانا اسعد مدنی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے چوتھا رشتہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنے والد صاحب رحمۃ اللہ کی صفات کو صحیح معنی میں امین بنایا تھا۔

حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کی دو خصوصی صفات

حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے کمالات یوں تو بہت ہیں۔ علمی و عملی کمالات، زہد، تقویٰ ورع بہت سی صفات کے حامل تھے لیکن خاص طور سے دو صفتیں ان

میں بہت نمایاں تھیں۔ ایک انتہا درجے ''تواضع'' اور دوسری انتہا درجے کی جفاکشی اور اعلیٰ درجے کی ریاضتیں اور مجاہدے۔

تواضع اور خدمتِ استاذ کی مثال

میں نے اپنے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ سے خود حضرت مدنی کی تواضع اور جفاکشی کے واقعات سنے ہیں۔ والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ دیوبند میں حضرت شیخ الہند قدس اللہ سرہٗ کی صاحبزادی کی شادی تھی۔ ہمارے والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کی بچپن سے ہی بہت صحبت ملی ہے۔ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں رمضان المبارک میں نفلوں میں قرآن مجید پڑھا جاتا تھا۔ ہمارے والد حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ بھی اس میں شریک ہوتے تھے اور حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے خاص شاگرد رشید تھے تو ہم نے اپنے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ سے خود سنا۔ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کی صاحبزادی کی شادی تھی۔ فرماتے ہیں کہ ہم بھی خدمت کی غرض سے حاضر تھے میں نے دور سے دیکھا کہ ایک شخص سر پر بڑا سا مٹکا اٹھائے چلا آرہا ہے۔ جب وہ شخص قریب آیا تو میں نے دیکھا کہ یہ تو حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ ہیں حالانکہ یہ اس وقت کا زمانہ ہے جب وہ ''شیخ العرب و العجم'' تھے۔ یہ خدمت یہ فدائیت اور جانثاریت ان کا طرہ امتیاز تھی۔

''مالٹا'' کی جیل اور خدمتِ استاذ

ایک اور واقعہ سنا کہ عالمگیر تحریک ''تحریک ریشمی رومال'' جو حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نے چلائی تھی۔ جس کا طویل واقعہ ہے۔ راز کھل گیا اور انگریزوں نے حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کو گرفتار کر کے مالٹا بھیجنے کا فیصلہ کیا تو حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ بھی ان کے ساتھ جزیرہ مالٹا میں چلے گئے۔ ان حضرات کو نظر بند کیا گیا۔ سردیوں کا موسم تھا، پانی ٹھنڈا ہوتا تھا گرم کرنے کا کوئی انتظام بھی نہیں تھا اور ویسے بھی قیدیوں کے لیے کہاں انتظام ہوتا ہے تو حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ اپنے شیخ (رحمۃ اللہ علیہ) کو وضو کرانے کے لیے لوٹے میں پانی بھر کر

اپنے لحاف میں لے کر لپٹ جاتے تاکہ لحاف اور جسم کی گرمائش سے پانی کی ٹھنڈک کم ہو جائے اور شیخ کے وضو کے لیے گرم پانی میسر آسکے۔

ایسا ہی ایک اور واقعہ حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کا پڑھا کہ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کی صاحبزادی کی شادی کا واقعہ ہے کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں کافی مہمان آئے ہوئے تھے۔ اس دور میں فلش سسٹم تو ہوتا نہیں تھا۔ کھڈی کے بیت الخلاء ہوتے تھے اور ان کی صبح و شام صفائی ہوتی تھی۔ رات کے وقت معلوم ہوا ان میں بدبو اور گندگی پیدا ہوگئی ہے۔ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے چہرے پر کچھ پریشانی کے اثرات ظاہر ہوئے اور بولے بھی نہیں۔ گویا سمجھ میں نہیں آیا کہ کیا کیا جائے؟ اسی مجلس میں حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ بھی موجود تھے۔ وہ اٹھ کر چلے گئے کچھ دیر بعد حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نے جا کر دیکھا تو بیت الخلاء بالکل صاف ہیں۔ حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے صاف کر دیئے تھے۔ اس تواضع، للّٰہیت اور فنائیت سے اللہ تعالیٰ نے حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کو نوازا تھا۔

اختلاف رائے اور راہِ اعتدال

عین اسی زمانے میں جب تحریک پاکستان کے حقوق میں حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں فتوے جاری ہو رہے تھے کہ علماء اور مسلمانوں کو اس تحریک کی مدد کر کے اس میں حصہ لینا چاہیے اور حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کی طرف سے اس کے بالکل برعکس بات کہی جارہی تھی لیکن اس شدید اختلاف میں بھی آپ ان بزرگانِ دیوبند کی عظمت کو دیکھیے بالکل اسی زمانے میں جمعیت علماء ہند کے سرکردہ علماء حضرت مولانا مفتی محمد کفایت اللہ دہلوی صاحب رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا حافظ الرحمٰن سیوہاروی رحمۃ اللہ علیہ جو حضرات تحریکِ پاکستان کو مناسب نہیں سمجھتے تھے ان حضرات نے یہ طے کیا کہ اس سلسلے میں حضرت تھانوی رحمتہ اللہ کے پاس جانا چاہیے اور ان سے ان اختلافات کے بارے میں مشورہ کرنا چاہیے۔ اب دیکھیے کہ اختلافات اپنی جگہ پر ہیں اور ان حضرات کی باہمی تعظیم و تکریم

اپنی جگہ پر ہے چنانچہ ان حضرات نے حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ سے مشورہ کرنے کا فیصلہ کیا۔

اب ہوا یوں کہ حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں ایک خاص نظام تھا جو ان کے پاس آتا تھا وہ چند دن پہلے اطلاع کر دیتا تھا۔ چنانچہ اس کے لیے حسب معمول کھانے اور رہائش کا انتظام کر دیا جاتا تھا۔ اب حضرات آنے سے قبل تھانہ بھون اطلاع نہ کر سکے اب جب یہ حضرات تھانہ بھون پہنچے تو عشاء کے بعد کا وقت ہو چکا تھا اور خانقاہ اندر سے بند ہو چکی تھی اور حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ بھی اپنے گھر جا کر سو چکے تھے۔ تھانہ بھون کی بستی ایک چھوٹا سا قصبہ تھی۔ بجلی بھی وہاں نہیں پہنچی تھی۔ سڑکیں بھی کچی تھیں اور کہیں کہیں اینٹوں کی سڑک بنی ہوئی تھی۔

اب ان حضرات کی عظمت کا اندازہ لگایئے کہ نہ خانقاہ کھلوائی اور نہ ہی حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ کو اطلاع دی بلکہ وہیں خانقاہ کے دروازے کے سامنے کچی سڑک پر اپنی چادریں بچھا کر لیٹ گئے۔ کیسے کیسے بزرگ اکابرین ہیں، شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمت اللہ علیہ، مفتی اعظم ہند حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی رحمۃ اللہ علیہ ''قصص القرآن'' کتاب کے مصنف۔ سب حضرات رات بھر وہیں لیٹے رہے۔ جب حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اپنے معمول کے مطابق اذان کے وقت یا اذان سے پہلے خانقاہ تشریف لائے تو دیکھا کہ کچھ لوگ پڑے ہوئے ہیں۔ ہاتھ میں ٹارچ تھی، جلائی تو معلوم ہوا کہ یہ تو علماء ہیں۔ ان حضرات کی آنکھ کھلی تو دیکھا کہ یہ تو حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ حضرت مفتی کفایت اللہ اور حضرت مولانا حفظ الرحمٰن صاحب ہیں۔ فوراً بغل گیر ہو گئے، حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا آپ حضرات نے یہ غضب کر دیا۔ آپ یہاں کیوں لیٹ گئے۔ فرمایا کہ حضرت ہمیں آپ کی خانقاہ کے قانون معلوم تھے۔ ہم نے مناسب نہیں سمجھا کہ اس وقت رات دس بجے کے بعد خانقاہ کھلوائیں۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ میرا گھر تو موجود تھا۔

مجھے اطلاع دے دی ہوتی۔ فرمایا کہ ہم آپ کو بھی تکلیف نہیں دینا چاہتے تھے چنانچہ پھر آپس میں مشورہ ہوا۔ اختلاف اپنی جگہ پر رہا وہ اپنی رائے پر قائم رہے اور یہ اپنی رائے پر قائم رہے۔

''سید القوم خادمہم کے مصداق

ایک مرتبہ حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے واقعہ سنایا کہ ہم ایک دفعہ حضرت مدنی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ سفر میں تھے۔ ریلوے اسٹیشن پہنچنے پر حضرت نے فرمایا کہ ہمیں سنت کے مطابق اپنا ایک اور امیر مقرر کر لینا چاہیے۔ ہم نے عرض کیا کہ حضرت والا ہمارے امیر مقرر ہیں۔ والد صاحب فرماتے ہیں کہ حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا، ٹھیک ہے۔ کوئی تکلف نہیں فرمایا۔ جب ریل گاڑی آئی تو حضرت خود سب کا سامان اٹھا اٹھا کر رکھنے لگے۔ کسی کا سامان ہاتھوں میں، کسی کا سامان کندھوں پر، کسی کا سامان سر پر اٹھا رہے ہیں اور کسی کو ہاتھ بھی لگانے نہیں دے رہے۔

والد صاحب فرماتے ہیں کہ ہم نے اصرار کیا تو فرمانے لگے کہ دیکھو اطاعت الامیر واجب ہے، مجھے سامان اٹھانے دو چنانچہ سارا سامان حضرت نے خود اٹھا اٹھا کر ریل میں رکھا۔

حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت شیخ العرب والعجم رحمۃ اللہ علیہ کا باہمی تعلق

ہمارے بزرگ محترم شیخ الحدیث حضرت مولانا زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت تھانوی اور حضرت مدنی رحمہما اللہ کی باہمی خط و کتابت چھاپی ہے اور اسی طرح سے جو واقعات اور ملاقاتیں حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کے درمیان وقوع پذیر ہوئیں۔ ان کو بھی طبع کروایا ہے۔ ان کو پڑھ کر پتہ چلتا ہے کہ یہ سب حضرات اختلافات کے باوجود ایک دوسرے پر کیسے فدا تھے؟ اور کیسے ایک دوسرے کی تعظیم و تکریم کیا کرتے تھے......؟

آپ حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت ہو جائیں

اسی طرح بیعت کے سلسلے میں دیکھ لیجئے، حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ بعض لوگوں کو خود بیعت کر لیتے تھے اور بسا اوقات فرماتے کہ تم جا کر حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت ہو جاؤ۔ چنانچہ مجھے یاد ہے کہ مولانا عبدالماجد صاحبؒ سے حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ آپ حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت ہو جائیں۔ عرض کیا کہ: مجھے آپ سے مناسبت ہے۔ فرمایا: تم انہی سے بیعت کرو اور اگر کوئی مشورہ وغیرہ کرنا ہو تو مجھ سے کر لیا کرو۔ چنانچہ ان کے سلسلے میں دونوں حضرات کے آپس میں مشورے ہوتے رہتے تھے۔

ہمارے اکابر گروپ بندیوں سے بالاتر ہیں

یہ ہمارے بزرگوں کے واقعات ہیں، حضرت مولانا اسعد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کی وفات سے یہ واقعات دوبارہ تازہ ہوگئے ہیں اور ان کو پھیلانے کی ضرورت بھی ہے کیونکہ ہمارے پاکستان میں دو لفظ ''بڑے گندے'' استعمال ہونے لگے ہیں۔ بالخصوص ہمارے مدارس ایک ''تھانوی گروپ''۔ دوسرا ''مدنی گروپ'' یہ اتنے گندے اور بدبودار الفاظ ہیں کہ جن کی شریعت میں کوئی گنجائش نہیں ہے۔

یہ ایسے ہی گندے اور نازیبا الفاظ ہیں کہ جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں ایک واقعہ پیش آیا ایک انصاری اور مہاجر کا جھگڑا ہو گیا۔ انصاری نے اپنی مدد کے لیے انصار کو بلایا ''یا للانصار'' اے انصار میری مدد کرو اور مہاجر نے اپنی مدد کے لیے مہاجرین کو بلایا ''یاللمهاجرین'' اے مہاجرین میری مدد کو آؤ۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سنا تو فرمایا ''دعُوها فانّها ممتنه'' یہ کلمات چھوڑ دو اس لیے کہ یہ بدبودار کلمات ہیں۔ ان کے اندر زمانۂ جاہلیت کی اور تعصبات کی بدبو پائی جاتی ہے، اب سب مسلمان بھائی بھائی ہیں۔

اسی طریقے سے یہ تھانویؒ گروپ اور مدنیؒ گروپ کے کلمات بھی ہیں، میں یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ اگر کوئی یہ الفاظ حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ یا حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ کے پاس استعمال کرتا تو وہ دونوں حضرات اس کو اپنے پاس سے نکال دیتے کہ دفع ہو جاؤ یہاں سے، اس لیے کہ یہ دونوں بزرگ تو ایک دوسرے پر جانیں نچھاور کرنے والے تھے۔ ایک دوسرے کی تعظیم وتکریم کرنے والے تھے، ایک دوسرے کو سر آنکھوں پر بٹھانے والے تھے، ان کے ہاں یہ گروپ بندیاں نہیں تھیں وہ حضرات ان گروپ بندیوں کو نہیں جانتے تھے۔

یاد رکھئے! میں آپ سے کہہ رہا ہوں، ان لفظوں کو کبھی بھی استعمال ہونے نہ دیا جائے۔ یہ ہمارے بزرگوں کی توہین ہے کیونکہ یہ حضرات ان گروپ بندیوں سے بالاتر تھے۔ ہم تو ان حضرات کے تقویٰ، عظمت اور ورع کا اندازہ نہیں لگا سکتے۔......!

میرے رفیقِ سفر

حضرت مولانا اسعد مدنی رحمۃ اللہ علیہ سے ہمارا ایک رشتہ یہ بھی ہے کہ ہمارا اور ان کا اچھا خاصہ سفر ایک ساتھ ہوا ہے۔ ایک غیر ملکی سفر میں ہم ایک ساتھ اکٹھے رہے ہیں۔ تقریباً آٹھ گھنٹے کا سفر تھا۔ یہ ''بغداد'' کا واقعہ ہے کہ ہم ایک ساتھ ہوٹل میں ٹھہرے ہوئے تھے اور صبح کے وقت ان کا معمول بھی گھومنے کا تھا اور میرا معمول بھی ہے تو بساء اوقات ہم ساتھ گھومنے جایا کرتے تھے۔ الحمدللہ ہمارا ان کے ساتھ قلبی اور قریبی تعلق تھا۔ وہ دارالعلوم تشریف لایا کرتے تھے بارہا ان سے ملاقات ہوئی۔ جب ہمارا دارالعلوم دیوبند جانا ہوا تو وہاں بھی ان سے ملاقات ہوئی۔ ان کے بھائی مولانا ارشد مدنی صاحب دامت برکاتہم ہم سے کچھ عرصہ عمر میں چھوٹے ہیں اور ہم سے ایک دو سال بعد فارغ ہوئے ہیں۔ ہجرت پاکستان کے تقریباً ۱۳ سال بعد حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ دارالعلوم دیوبند جانا ہوا تو وہاں ان سے ملاقات ہوئی تو وہ اس وقت غالباً موقوف علیہ یا

دورہ حدیث کے سالمیں تھے۔ ہم لڑکپن میں ایک ساتھ دارالعلوم دیوبند کے ایک کنارے پر کھیلتے رہے ہیں۔

یہ ہمارے ان حضرات سے گوناں گوں رشتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ حضرت مولانا اسعد مدنی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے درجات بلند فرمائے۔

مولانا اسعد مدنی (رحمۃ اللہ علیہ) اپنے عظیم والد کی صفات کے امین

حضرت مولانا اسعد مدنی (رحمۃ اللہ علیہ) کو بھی اللہ تعالیٰ نے تواضع اور مجاہدہ کی صفات خوب عطا فرمائی تھیں اور اپنے والد ماجد (رحمۃ اللہ علیہ) کی صفات میں سے بالخصوص ان دو صفات میں سے حصہ وافر اور کثیر عطا فرمایا تھا۔ انہوں نے مسلمانانِ اسلام خصوصاً ہندوستان کی بہت خدمت کی ہے۔ حضرت مولانا اسعد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کا شمار بھی ان ہندوستانی مسلمانوں میں ہوتا ہے جو حضرات بین الاقوامی مسائل کے حل میں پیش پیش رہے ہیں۔

ایصالِ ثواب کا صحیح طریقہ

میری آپ سب حضرات سے درخواست ہے کہ ان کے لیے دعائے مغفرت کا اور ایصال ثواب کا خاص طور پر اہتمام کیا جائے البتہ اجتماعی طور پر قرآن خوانی تداعی کے ساتھ درست نہیں۔ اس بارے میں ہمارے بزرگوں کا فتویٰ ہے کہ یہ سنت سے ثابت نہیں ہے اور اس کے بدعت ہونے کا قوی امکان اور خطرہ ہے۔ اس لیے یہاں دارالعلوم میں تداعی کے ساتھ قرآن خوانی نہیں کی جاتی اس لیے ہر ایک کو اپنے اپنے طور پر جس قدر ہو سکے ایصال ثواب کرنا چاہیے اور ایصال ثواب کے علاوہ کسی میت کی طرف سے مالی صدقہ کے ثواب میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں ہے اور اس کے لیے یہ کوئی ضروری نہیں ہے کہ آج نہیں کر سکے تو کل بھی نہ کریں بلکہ جب بھی یاد آئیں کچھ نہ کچھ پڑھ کر ایصال ثواب کر دیں اور کچھ نہیں ہو سکتا تو تین دفعہ ''سورۂ اخلاص'' پڑھ کر ایصالِ ثواب کر

دیجئے۔ حدیث میں آتا ہے کہ تین دفعہ سورۂ اخلاص پڑھنے کا ثواب پورے قرآن مجید کے ثواب کے برابر مل جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی کامل مغفرت فرمائے۔ ان کے درجات بلند فرمائے اور ان کے متعلقین اور وارثین کو صبر جمیل اور فلاح دارین عطا فرمائے۔ (آمین)

وآخر دعوانا ان الحمد للّٰہ رب العالمین

☆......☆......☆

دینی مدارس کیلئے آزمائش کا وقت

موضوع: دینی مدارس کے لئے آزمائش کا وقت

خطاب: مفتی اعظم پاکستان مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی مدظلہ

مقام: جامعہ دارالعلوم کراچی

موقعہ: ختم بخاری شریف

ضبط وترتیب: مولانا شعیب سرور

دینی مدارس کیلئے آزمائش کا وقت

خطبہ مسنونہ کے بعد فرمایا:

اما بعد!

اعوذ باللّٰہ من الشیطن الرجیم.

بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم.

"وَأَنتُمُ الْأَعْلَوْنَ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ."

بزرگان محترم، حضراتِ علماءِ کرام، عزیز طلبہ، ہونہار طالبات ومعلمات!

السلام علیکم ورحمة اللّٰہ وبرکاتہ

اللہ تعالیٰ کا انعام وکرم ہے کہ آج ہمارے تعلیمی سال کا بخیر وخوبی اختتام بخاری شریف کی آخری حدیث کے درس پر ہورہا ہے۔ آج ۲۲ رجب المرجب ۱۴۲۶ھ کے اجلاس کے بعد طلبہ امتحان کی تیاری میں مشغول ہوجائیں گے۔ پھر امتحان کے بعد وہ کڑا وقت آئے گا جب یہ طلبہ بھیگی پلکوں بلکہ بہتے آنسوؤں کے ساتھ ہم سے جدا ہو رہے ہوں گے۔

ان جدا ہونے والے طلبہ میں سے کچھ ایسے ہوں گے جو بالکل بچپن ہی میں یہاں آئے تھے، قرآن مجید بھی یہاں حفظ کیا اور اب درس نظامی کی تکمیل کے بعد واپس

جارہے ہوں گے، کچھ طلبہ دس سال بعد، کچھ بارہ سال بعد اور کچھ چودہ پندرہ سال بعد ہم سے جدا ہو رہے ہوں گے۔

رخصت کے وقت ان طلبہ پر اس مادر علمی کی جدائی اور ان مشفق اساتذہ سے فراق کا کیا اثر ہوتا ہے، اس کا اندازہ اللہ رب العالمین اور ان اساتذہ وطلبہ کے علاوہ کوئی بھی پوری طرح نہیں لگا سکتا۔ اللہ رب العالمین نے دینی مدارس کے طلبہ اور اساتذہ کے درمیان محبت کا جو لذیذ اور مستحکم رشتہ رکھا ہے۔ اس کا اندازہ صرف وہی کر سکتا ہے جس کو یہ رشتہ نصیب ہوا ہے۔

غیر ملکی طلبہ:

آج ہمارے دل جہاں اس بات پر خوشیوں سے لبریز ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے تعلیمی سال کا یہ پر مشقت، کٹھن سفر خیر وخوبی کے ساتھ پورا کروا دیا ہے، وہیں یہ المناک اور پریشان کن احساس دل کو زخمی کر رہا ہے کہ شاید اس تعلیمی سال کے اختتام کے ساتھ ساتھ ہمارے بہت سارے غیر ملکی طلبہ اپنی تعلیم ادھوری چھوڑ کر ہم سے جدا ہو جائیں گے جو بڑی امیدوں کے ساتھ اپنے وطن کو چھوڑ کر اور گھر کے آرام و راحت کو تج کر برسوں سے یہاں تعلیم حاصل کر رہے تھے، پاسپورٹ بھی ان کے پاس ہیں، ویزے بھی اور این اوسی بھی ملا ہوا ہے، مگر ان کا جرم یہ ہے کہ یہاں یہ دینی تعلیم حاصل کر رہے ہیں، ان میں بہت سے طلبہ ایسے ہیں جو آٹھ آٹھ، دس دس سال سے گھر نہیں گئے۔ ان کے پاس اتنے پیسے نہیں ہوتے تھے کہ سالانہ دو مہینے کی تعطیلات میں اپنے ماں باپ سے جا کر مل سکیں اور انہیں یہ خدشہ بھی ہوتا تھا کہ اگر چلے جائیں گے تو پھر نجانے واپسی میں ان کو ویزا مل سکے گا یا نہیں؟۔ ان طلبہ کی جدائی کے تصور سے دل چھلنی ہو رہا ہے کہ یہ اپنی تعلیم کو نامکمل چھوڑ کر شاید رخصت ہو جائیں گے اور ہم بھی دل پر پتھر رکھ کر ان کو رخصت کرنے پر مجبور ہوں گے۔

ان غیر ملکی طلبہ کو پاکستان کے دینی مدارس سے جو دینی اور علمی فوائد حاصل ہو رہے تھے، وہ تو اپنی جگہ پر ہیں ہی' ان طلبہ کی وجہ سے خود پاکستان کو بھی پوری دنیا میں یہ اعزاز نصیب ہوتا تھا کہ یہ مفت کے سفیر بن کر پاکستان کی عالمی ساکھ میں اضافہ کرتے اور پاکستان کی بہترین نمائندگی کرتے تھے، لیکن یہ سلسلہ بظاہر اب رکتا نظر آرہا ہے، انا للّٰہ وانا الیہ راجعون.

اب یہ اعزاز بھی چھینا جارہا ہے:

اللہ کے فضل وکرم سے ہمیں بہت سارے اعزازت حاصل تھے، پاکستان دنیا کا سب سے بڑا مسلمان ملک تھا، عالم اسلام کے اتحاد کا نقیب تھا، جوہری توانائی کا امین تھا، اور ایک اعزاز یہ ہمارے غیر ملکی طلبہ تھے جو باہر ممالک میں ہماری نیک نامی کا باعث بنتے تھے، لیکن ہماری شامت اعمال کہ ایک ایک کرکے یہ اعزازات ہم سے چھن گئے۔

۱۹۷۱ء میں اس ملک کے دوٹکڑے ہوگئے، جس کی وجہ سے یہ عالم اسلام کا سب سے بڑا ملک نہ رہا' پاکستان عالم اسلام کے اتحاد کا نقیب تھا، پاکستان دوقومی نظریئے پر بنا تھا جس کا حاصل یہ تھا کہ دنیا کے سارے مسلمان بھائی بھائی ہیں، لیکن آج ہماری روش یہ کہہ رہی ہے کہ عالم اسلام سے آنکھیں بند کرلو، خود غرض بن جاؤ، کنویں کے مینڈک بن جاؤ اور صرف اپنی خبر لو اور ترکی کی طرح اپنے ہی اندر گم ہوجاؤ۔

پاکستان جوہری توانائی کا امین تھا لیکن مؤمنانہ جذبات رکھنے والے جن مسلم سائنسدانوں نے دن رات ایک کرکے پاکستان کو ایٹمی توانائی سے مضبوط کرکے عالم اسلام کو اعزاز بخشا، ان کو ٹی وی پر لاکر پوری دنیا کے سامنے ذلیل کیا گیا۔ اس طرح یہ سارے اعزازات ہم سے چھن گئے۔

اب مدارس کے غیر ملکی طلبہ کی صورت میں ایک اعزاز باقی رہ گیا تھا، یہ اعزاز بھی ہم سے چھینا جارہا ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے حکمرانوں کو پاکستان کے کسی

اعزاز سے دلچسپی نہیں، وہ ایک ایک کرکے ہمارے سارے اعزازات کو ردی کی ٹوکری میں ڈالتے جارہے ہیں، اس وقت سوائے اللہ تعالیٰ کے سامنے شکایت کے ہمارے پاس کوئی اور راستہ نہیں ہے۔ انا للّٰہ وانا الیہ راجعون۔

جنوبی افریقہ میں دینی انقلاب:

ابھی میں افریقہ کے کچھ ممالک سے ہو کر آیا ہوں، میں اب سے ۳۹ سال پہلے ۱۹۶۶ء میں اپنے والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ پہلی مرتبہ جنوبی افریقہ گیا تھا، اس وقت وہاں کی مذہبی حالت یہ تھی کہ پورے ملک میں صرف چار علماء تھے، کوئی مدرسہ نہیں تھا، حافظ قرآن کوئی شاذ و نادر ہوتا تھا اور نماز پڑھانے والے امام قرآن کریم صحیح نہیں پڑھ سکتے تھے، تبلیغی جماعت کا کوئی تصور نہیں تھا، کفر و شرک پھیلا ہوا تھا، فسق و فجور کا دور دورہ تھا، علماء کرام بھی اپنی عورتوں کو برقعہ نہیں پہنا سکتے تھے، داڑھی رکھنے والے شاذ و نادر تھے۔

والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے وہاں اپنے بیانات میں جگہ جگہ لوگوں کو تلقین فرمائی کہ جس کو اللہ تعالیٰ نے ایک سے زیادہ بیٹے دیئے ہیں، وہ اپنے ایک بیٹے کو پاکستان یا ہندوستان کے دینی مدارس میں علم حاصل کرنے کے لیے بھیجے تاکہ یہ بچے علم دین کے زیور سے آراستہ ہو کر یہاں دینی مدارس قائم کریں۔

والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے انتقال کے بعد بھی میرا وہاں جانا ہوتا رہا، ہر مرتبہ دینی ترقی نظر آئی اور اب اس سفر میں تو میں نے دیکھا کہ وہاں دینی انقلاب انہی دینی مدارس کے غیر ملکی طلبہ کا مرہون منت ہے، وہاں کے لوگوں نے اپنے چہیتے بچوں کو یہاں بھیجا۔ یہ علم حاصل کرکے وہاں پہنچے، دینی مدارس قائم کیے تبلیغی جماعت کا کام بھی شروع ہوا۔ اب وہاں کی مذہبی ترقی کا یہ عالم ہے کہ وہاں مسجدیں آباد ہیں، بلکہ مساجد کا نظام دنیا میں سب سے بہتر وہاں پایا جاتا ہے۔ وہاں کوئی مسلمان ایسا نہیں ملے گا خواہ

مزدور ہو یا صنعت کار، ڈاکٹر ہو یا انجینئر، جو کم از کم ناظرہ قرآن مجید پڑھا ہوا نہ ہو۔ سو فیصد مسلمان ناظرہ قرآن مجید پڑھے ہوئے ہیں جبکہ پاکستان میں ۵۰ فیصد بھی ناظرہ قرآن مجید پڑھے ہوئے نہیں۔ حالیہ سفر میں، میں وہاں ایک ہفتہ رہا، اس عرصے میں مجھے کوئی مسلمان بغیر داڑھی کے نہیں ملا۔ جلسوں میں بھی جانا ہوا، بازاروں میں بھی اور مختلف اداروں میں بھی گئے۔ لیکن کہیں بھی کوئی مسلمان بغیر داڑھی کے نہیں ملا۔ اور داڑھی بھی پوری سنت کے مطابق تھی، کوئی عورت پردہ کے بغیر نظر نہیں آئی۔ اگرچہ وہ عورتیں چہرہ مکمل طور پر نہیں چھپاتیں لیکن اتنا برقعہ ضرور ہوتا ہے کہ سر کا کوئی بال نظر نہیں آتا، گلے کا کوئی حصہ نظر نہیں آتا اور کلائی اور پنڈلی کا بھی کوئی حصہ نظر نہیں آتا۔ ڈربن شہر کے ایک محلے میں جانا ہوا، وہاں سرسری طور پر حفاظ کی تعداد گنی گئی تو معلوم ہوا کہ اس محلے میں چالیس حفاظ قرآن ہیں۔

لمحہ فکریہ:

البتہ ایک تبدیلی آئی ہے، وہ یہ کہ پہلے وہاں پاکستان کے پڑھے ہوئے علماء کی بھی کثرت تھی، لیکن اب وہاں پاکستان کے فارغ التحصیل علماء کی کثرت نظر نہیں آئی، یہی حال ہم نے کینیڈا، امریکہ اور برطانیہ میں بھی دیکھا کہ اب وہاں پاکستان سے تعلیم حاصل کرنے والے علماء کم نظر آتے ہیں کیونکہ ہماری حکومتوں کی ناعاقبت اندیشانہ پالیسیوں اور ویزا کی بے جا پریشانیوں کی وجہ سے ہمارے ہاں غیر ملکی طلبہ کی تعداد مسلسل کم ہوتی جارہی ہے۔

اور چند روز قبل تو حکومت کی طرف سے یہ حکم سنا دیا گیا ہے کہ مدارس کے تمام غیر ملکی طلبہ ملک چھوڑ کر چلے جائیں، بلکہ شروع میں تو یہ آرڈر آ گیا تھا کہ دس دن کے اندر اندر یہ طلبہ واپس چلے جائیں۔ یہاں مجرم رہ سکتے ہیں، چور اور ڈاکو رہ سکتے ہیں،

دہشت گرد رہ سکتے ہیں، لیکن وہ مسکین طلبہ جنہوں نے اپنی زندگیاں دین اور دینی تعلیم کیلئے وقف کر رکھی ہیں، ان پر زندگی حرام کی جارہی ہے۔ ان کا جرم یہ ہے کہ یہ قال اللّٰہ قال الرسول صلی اللہ علیہ وسلم پڑھنے کے لیے آگئے ہیں۔

دینی مدارس کے خلاف شوروغوغا:

دینی مدارس کے ان بے گناہ طلبہ کی طرف دہشت گردی کی نسبت کی جاتی ہے، مغربی میڈیا ان کے خلاف زہر اگل رہا ہے اور سرکاری میڈیا بھی ان کا ہم نوا ہے، دینی مدارس کو دہشت گردی کے اڈے قرار دینے کے لیے اور ''مولوی'' کا لفظ گالی بنانے کے لیے کوئی کسر نہیں چھوڑی گئی۔ ہر دہشت گردی کے واقعے کے ساتھ دینی مدارس کا ذکر کیا جاتا ہے، لیکن امریکہ کی ایف بی آئی، پاکستان کی آئی ایس آئی، انٹیلی جنس ادارے اور میڈیا کے ادارے بتلائیں کہ انہیں دنیا میں دینی مدارس کا کوئی طالب علم کہیں دہشت گردی میں ملوث ملا ہے؟ امریکہ میں جو واقعہ پیش آیا، اس میں کوئی دینی مدرسے کا پڑھا ہوا طالب علم نہیں تھا، وہ سیکولر تعلیمی اداروں میں پڑھے ہوئے لوگ تھے۔ برطانیہ کے واقعے میں بھی کسی دینی مدرسے کے طلبہ نہیں تھے، وہ بھی سیکولر اداروں کے تعلیم یافتہ تھے اور پاکستان میں بھی دہشت گردی کے جتنے واقعات پیش آئے ہیں، ان میں بھی سرکاری تعلیمی اداروں کے لوگ تھے۔ پاکستان کے دو ٹکڑے کرنے والے کون تھے؟ وہ دینی مدرسوں کے علماء نہیں تھے، وہ سرکاری کالجوں اور یونیورسٹیوں کے پڑھے ہوئے لوگ تھے، پرلے درجے کے مجرم ہیں وہ لوگ جنہوں نے غداری کر کے پاکستان کے دو ٹکڑے کیے لیکن ان کے خلاف کوئی آواز نہیں اٹھائی جاتی اور جنہوں نے قال اللّٰہ و قال الرسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اپنی جانیں وقف کر رکھی ہیں، ان کا جینا حرام کیا جارہا ہے۔

دین کو مٹایا نہیں جاسکتا:

یہ المناک صورتحال ہے لیکن یاد رکھیے! دین ان ہتھکنڈوں سے ختم نہیں ہوسکتا۔ یہ دین قیامت تک رہنے کے لیے آیا ہے، یہ پھیل رہا ہے اور پھیلتا جائے گا۔ آپ نے جنوبی افریقہ کا حال سن لیا، اگر پاکستان میں غیر ملکی طلبہ کے آنے پر پابندی لگائی گئی تو جنوبی افریقہ میں اللہ کے فضل سے بڑے معیاری دار العلوم قائم ہو چکے ہیں جو ہندو پاکستان ہی کے فیض یافتہ ہیں اور اب وہاں معیاری دار الافتاء قائم ہو رہے ہیں وہاں یہ طلبہ دینی علم کی پیاس بجھا سکیں گے اور اگر وہاں پابندیاں لگاؤ گے تو کہیں اور جا کر یہ اپنا کام جاری رکھیں گے۔ ان کے کام کو مٹایا نہیں جاسکتا۔

روس نے ان کو مٹانے کے لیے بہتر سال تک کون سا ہتھکنڈا استعمال نہیں کیا۔ قرآن کریم کی اشاعت پر پابندی لگائی گئی، داڑھیاں مونڈ دی گئیں، مسجدوں کو اصطبل میں تبدیل کر دیا گیا، اور نماز کو جرم قرار دیا گیا، مجھے ازبکستان (تاشقند) میں ایک صاحب ملے انہوں نے بتایا کہ میں نے ایک مرتبہ اذان دیدی تھی جس کی وجہ سے مجھے چھ سال جیل میں رہنا پڑا۔

غرضیکہ روس نے اپنے دور میں دین کو مٹانے کے لیے ہر طرح کی کوششیں کیں، لیکن ۷۲ سال بعد جب اس کا تسلط ختم ہوا تو گھروں سے حفاظ قرآن بھی نکل آئے اور قاری بھی علماء بھی مل گئے اور عربی بولنے والے بھی۔ بھائی! تم کہاں سے آگئے؟ تمہیں تو روس نے فنا کر ڈالا تھا اور خندقوں میں چونا ڈال کر تمہیں زندہ درگور کر دیا تھا، سائبیریا کے قبرستانوں میں موت کی نیند سلا دیا تھا، اب تم کہاں سے آگئے؟ انہوں نے بتایا کہ دن بھر ہم سے مشقت لی جاتی تھی، ہم کھیتوں اور کارخانوں میں کام کرتے تھے لیکن رات کو چھپ چھپ کر حجروں کے اندر قرآن و حدیث سیکھتے تھے۔

روس جو اس وقت سپر پاور تھا وہ اپنی ۷۲ سالہ ان تھک کوششوں کے باوجود علم

دین کو مٹانے میں کامیاب نہ ہوسکا تو اب کون ہے جو اسے مٹا سکے گا، اس دین کو مٹانے والے خود مٹ جائیں گے لیکن یہ دین زندہ رہے گا۔ مدارس کے غیر ملکی طلبہ کو نکالنے والے یہ یاد رکھیں کہ ان پر ان معصوم طلبہ کا صبر پڑے گا، جب یہ غیر ملکی طلبہ مایوس ہوکر اور اپنی تعلیم ادھوری چھوڑ کر یہاں سے جائیں گے تو خطرہ ہے کہ ان کے منہ سے کہیں بددعا نہ نکل جائے، یہ مظلوم ہیں اور حدیث میں ہے کہ مظلوم کی بددعا سے بچو، مظلوم کی بد دعا کے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان کوئی چیز حائل نہیں ہوتی۔ لہٰذا حکمرانوں کو چاہیے کہ اپنے اوپر رحم کریں اور ان مظلوموں کی بد دعاؤں سے بچیں۔ اللہ تعالیٰ ہمارے حکمرانوں کو ہدایت دے اور انہیں اپنے اوپر رحم کرنے کی توفیق دے ورنہ ان کے لیے دردناک صورتحال کا اندیشہ ہے۔

مدارس میں اعلیٰ عصری تعلیم:

مدرسوں پر ایک طعنہ یہ ہے کہ یہاں دنیاوی علوم نہیں پڑھائے جاتے، ان مدرسوں سے ڈاکٹر، انجینئر اور ماہر قانون کیوں تیار نہیں کیے جاتے۔ یہ کیسا عجیب اعتراض ہے؟ آج تک کسی نے یہ نہیں کہا کہ انجینئرنگ کے طالب علم کو ڈاکٹر بنایا جائے، قانون پڑھنے والے کو کامرس کا ماہر بنایا جائے اور میڈیکل کے طالب علم کو قانون کا ماہر بنایا جائے، جب وہاں ایسا سوال نہیں اٹھایا جاتا تو یہ بے ہودہ اعتراض ہم پر کیوں کیا جاتا ہے؟

جہاں تک بنیادی عصری تعلیم کی ضرورت ہے کہ جس کے بغیر آج کل آدمی اپنی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ نہیں ہوسکتا تو اس کا ہمیں بھی انکار نہیں بلکہ یہ عصری مضامین ہمارے ہاں پڑھائے بھی جاتے ہیں، چنانچہ ہمارے ہاں کسی کو اس وقت تک درس نظامی میں داخلہ نہیں ملتا جب تک اس میں میٹرک کی استعداد پیدا نہ ہو جائے، اور

جن مدارس میں کم از کم ڈل کا پاس کرنا لازمی ہے۔ اب وفاق المدارس نے ان پر لازم کردیا ہے کہ وہ بھی عصری مضامین میں میٹرک تک کی استعداد کے بغیر درس نظامی میں داخلہ نہ دیں۔

میٹرک کے بعد ہر علم وفن کا یہی قاعدہ ہے کہ جو جس علم وفن میں اور جس شعبے میں مہارت پیدا کرنا چاہتا ہے اس شعبے میں چلا جاتا ہے۔ اگر کوئی انجینئر بننا چاہتا ہے تو وہ انجینئرنگ کی تعلیم حاصل کرتا ہے، ڈاکٹر بننے کا خواہشمند میڈیکل کی تعلیم حاصل کرتا ہے، کچھ طلبہ کامرس کالجز میں جا کر کامرس کے علوم پڑھتے ہیں، اب اگر کسی شخص کو ان تمام علوم میں مہارت پیدا کرنے پر مجبور کیا جائے گا تو یہ پاگل پن کے سوا کیا ہوگا؟ کیونکہ اس طرح تو وہ کسی بھی کام کا نہیں رہے گا، یہی حال دینی علوم کا ہے کہ جو شخص دینی علوم میں مہارت حاصل کرنا چاہتا ہے تو دینی مدارس میں جا کر علم حاصل کریگا اگر آپ اس سے یہ توقع رکھیں کہ ماہر عالم دین بننے کے ساتھ وہ ڈاکٹر یا انجینئر بھی بنے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ آپ اسے کارآمد انسان نہیں بنانا چاہتے۔

ہمارے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ جب میں پڑھتا تھا تو اس وقت میں نے یہ نیت کی تھی کہ تعلیم سے فارغ ہو کر دینی کام تو بلا معاوضہ کروں گا اور اپنے معاش کے لیے کوئی ہنر سیکھ لوں گا۔ چنانچہ میں نے تین علم سیکھے۔ طب یونانی پڑھی، خطاطی سیکھی، جلد بندی کا کام سیکھا، لیکن جب عملی میدان میں کام کرنے کا موقع ملا تو اندازہ ہوا کہ دین کا کام کرنے کے ساتھ ساتھ پھر یہ کام نہیں ہو سکتے۔ اور واقعہ بھی یہ ہے کہ آدمی اس وقت تک کسی میدان میں ماہر نہیں بنتا جب تک اس میں اپنی پوری زندگی نہ لگائے۔ کوئی ڈاکٹر اگر یہ کہے کہ میں اپنے روزگار کے لیے تو تجارت کروں گا اور فارغ وقت میں کلینک چلاؤں گا تو یہ شخص کبھی بھی ماہر ڈاکٹر نہیں بنے گا۔ یہی حال ہر علم وفن کا ہے۔

بعض مرتبہ دینی مدارس اور علماء سے محبت رکھنے والے مسلمان بھائی بھی مدارس

کو بڑی خیر خواہی سے یہ مشورہ دیا کرتے ہیں کہ آپ مدرسے کے اندر کوئی صنعتکاری کا شعبہ بھی قائم کر دیں تاکہ طلبہ صنعت کاری سیکھ لیں اور ان کے معاش کا سامان ہو۔ وہ یہ بات کہتے تو ہمدردی سے ہیں لیکن ہم ان سے عرض کرتے ہیں کہ اگر ہم نے ان کو کارخانے میں لگا دیا تو پھر سولہ سال میں ہم نے جو کچھ ان کو پڑھایا، وہ سب بیکار چلا جائے گا۔ ہم نے انہیں اسی لیے پڑھایا ہے کہ دینی خدمات انجام دینے کے علاوہ کوئی کام نہ کریں۔ اسلامی علوم اتنے وسیع اور گہرے ہیں کہ جب تک آدمی اپنی پوری زندگی ان کے اندر نہ لگائے، اس وقت تک ان کے اندر مہارت پیدا نہیں ہوسکتی۔

سرکاری تعلیمی اداروں کا حال

ایک مرتبہ میں ایک اعلیٰ سرکاری کنونشن میں تھا تو وہاں صدر صاحب کہنے لگے کہ آپ کے دینی مدارس میں دنیاوی علوم کیوں نہیں پڑھائے جاتے۔ میں نے کہا کہ آپ کی بات بہت اچھی ہے کہ مدرسوں میں عصری علوم پڑھانے چاہئیں، ہمیں ان سے ہرگز انکار نہیں، بلکہ ہم تو میٹرک تک یہ علوم پڑھاتے بھی ہیں لیکن اس مسئلے کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ یونیورسٹیوں اور کالجوں میں ضروری دینی تعلیم بھی ہونی چاہیے۔ جو وہاں تقریباً مفقود ہے۔

بلکہ واقعہ یہ ہے کہ اس وقت ہمارے وطن عزیز کے سرکاری تعلیمی اداروں میں نہ دنیا پڑھائی جارہی ہے نہ دین پڑھایا جارہا ہے۔ ان اداروں میں استاذ کا کوئی احترام نہیں ہے، طالبات اور معلمات کی عزت محفوظ نہیں۔ ایک یونیورسٹی کا حال تو یہ ہے کہ اس میں سالہا سال سے رینجرز کے کیمپ لگے ہوئے ہیں۔

ایک مرتبہ ہم وفاقی سطح کی ایک میٹنگ میں تھے، جس میں وزیر داخلہ، وزیر مذہبی امور اور وزیر تعلیم شامل تھے۔ وہ کہنے لگے کہ ہمارا ارادہ دینی مدارس میں کسی

مداخلت کا نہیں ہے، ہم تو صرف اصلاح کے لیے چند اقدامات کرنا چاہتے ہیں۔

میں نے کہا آپ کی نیت ماشاء اللہ بہت اچھی ہے، اللہ تعالیٰ آپ کو اس کی جزاء خیر دے اور بلاشبہ مدارس کو بھی اصلاح کی ضرورت ہے اور ہم اصلاح کے طالب بھی ہیں لیکن آپ کا کام تو بہت زیادہ ہے، آپ کے پاس اس وقت لاکھوں اسکول اور تعلیمی ادارے ہیں ان پر پاکستانی خزانے کا اربوں روپیہ خرچ ہو رہا ہے۔ اگر آپ انکی اصلاح کر کے ہمیں پیش کش کرتے تو ہم آپ کو خوش آمدید کہتے، لیکن وہاں کا حال میں آپ کو بتاتا ہوں شاید آپ کو معلوم نہ ہو۔ میں نے اپنے نواسے کا واقعہ ذکر کیا کہ دارالعلوم میں میٹرک کے عصری علوم پڑھنے کے بعد کسی سرکاری اسکول میں امتحان دینے کے لیے گیا جو ان کا امتحانی مرکز تھا۔ واپس آ کر اس نے مجھے کہا کہ ابی! وہ کیسا اسکول تھا، وہاں بیٹھنے کیلئے دری، نہ لکھنے کے لیے تپائی، پینے کے لیے پانی نہ ہوا کے لیے پنکھا۔ البتہ ایک چیز وافر مقدار میں دستیاب تھی، وہ تھے پرچہ سوالات کے جوابات۔ کمرہ امتحان میں ۲۵،۲۵ روپے میں جوابات فروخت ہو رہے تھے۔ یہ سن کر ایک وزیر بولے کہ ہمارے ہاں تو ایسا نہیں ہوتا۔ ان وزیر صاحب نے وزیر تعلیم کی طرف متوجہ ہو کر پوچھا کہ کیا آپ کے سرکاری اسکولوں کا یہی حال ہے تو انہوں نے زبان سے تو کچھ نہیں کہا البتہ سر ہلا کر "ہاں" کا اشارہ کیا۔

ہماری سرکاری تعلیمی اسناد کا حال یہ ہے کہ ہماری یونیورسٹیوں کی سندیں پوری دنیا میں کہیں قابل قبول نہیں ہیں، یورپ و امریکہ میں جا کر دیکھئے یا کسی پسماندہ ملک کا دورہ کیجئے، آپ یہی دیکھیں گے کہ کسی بھی ملک میں ہماری تعلیمی یونیورسٹی کی سندیں قابل قبول نہیں ہیں۔

اب سے پندرہ بیس سال پہلے کی بات ہے کہ سندھ کے ایک گورنر صاحب نے جو پورے صوبے کی تمام یونیورسٹیوں کے چانسلر تھے، دکھے دل کے ساتھ مجھ سے خود کہا

کہ پوری دنیا میں ہماری کسی یونیورسٹی کی کوئی سند قابل قبول نہیں ہوتی ہے، سوائے اردن کے۔ صرف اردن میں ہماری سندیں قبول کی جاتی ہیں۔

پچھلے سال اردن میں میں نے بھی دیکھا کہ ہماری یونیورسٹیوں کے ڈگری یافتہ لوگ وہاں کام کررہے ہیں وہ پاکستان کا کلمہ پڑھتے ہیں۔ اور اسی لیے وہاں ابھی تک پاکستانیوں کی عزت ہے۔ ابھی جب میں جنوبی افریقہ سے آرہا تھا تو جہاز میں میرے ساتھ دبئی سے ایک صاحب سوار ہوئے، وہ بھی اردن سے آرہے تھے۔ انہوں نے بھی ازخود مجھ سے یہی بات کہی اور بتایا کہ اردن میں پاکستان کے ڈگری یافتہ عرب حضرات مجھے بڑی تعداد میں ملے، اور دکھی دل سے کہنے لگے کہ اردن کے علاوہ ہمیں اور کہیں عزت نہیں ملتی۔ یہ حال ہے ہماری یونیورسٹیوں کے تعلیمی معیار کا۔

اس لیے ہم اپنی سرکاری مشینری سے دردمندانہ گزارش کرتے ہیں کہ براہ کرم اپنے زیر انتظام اداروں کی خبر لو اور ان کی اصلاح کی فکر کرو کہ وہاں تعلیم وتربیت نام کی کوئی چیز باقی نہیں رہی۔ امن و امان باقی نہیں رہا، طلبہ اور اساتذہ کے درمیان رشتہ اور اعتماد باقی نہیں رہا، تمہاری سندیں بے وقعت ہو رہی ہیں، اگر تم ہماری اصلاح کرکے ہمارا وہی حال کرنا چاہتے ہو جو اس وقت سرکاری تعلیمی اداروں کا ہے تو:

بی بلی، چوہا لنڈورا ہی بھلا۔

طلبہ غیر قانونی طور پر پاکستان میں نہ رہیں:

اب میں اپنے طلبہ سے دو باتیں عرض کرنا چاہتا ہوں۔

غیر ملکی طلبہ سے یہ عرض کروں گا کہ اللہ جل جلالہ سے دعا کرتے رہیں کہ اللہ تعالیٰ ہمارے حکمرانوں کو تعمیری سوچ بھی دے اور ایمان کی قوت بھی، اللہ پر بھروسے کی طاقت بھی دے اور انہیں صحیح فیصلہ کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ لیکن اگر ہمارے حکمران غلط فیصلے پر مصر رہے تو میں دکھے دل کے ساتھ آپ سے یہی کہوں گا کہ آپ غیر قانونی

طور پر پاکستان میں نہ رہیں۔ اللہ کے بھروسے پر یہاں سے رخصت ہو جائیں، دنیا بہت وسیع ہے۔ زخمی دل کے ساتھ کہوں گا کہ اگر آپ کے مقدر میں یہاں علم حاصل کرنا نہیں ہے تو آپ برطانیہ و امریکہ چلے جائیں، یا کینیڈا و افریقہ چلے جائیں، وہاں ہمارے شاگردوں کے قائم کردہ مدارس موجود ہیں۔ انشاء اللہ وہ تمہیں دھکے نہیں دیں گے اور کہیں نہیں تو ہندوستان چلے جانا وہاں بھی دینی مدارس موجود ہیں۔ وہاں کی حکومت تم کو ویزا دیدے گی۔ اگر ''اسلامی جمہوریہ پاکستان'' میں تمہاری دینی تعلیم مقدر نہیں تو کفرستانوں کے اندر تمہیں دینی تعلیم مل جائے گی، وہاں حاصل کر لینا، اپنے اس مشن کو نہ چھوڑنا، اور ہمیں اپنی دعاؤں میں یاد رکھنا۔ اور اللہ کے سامنے گواہ رہنا کہ تمہیں قانونی طور پر یہاں رکھنے کے لیے جو کوشش ہمارے بس میں تھی ہم نے اس میں کمی نہیں کی۔

اخلاص اور تقویٰ کو اپنا زیور بنائیں:

دوسری بات جو سب طلبہ سے کہنے کی ہے، وہ آپ سے کہہ رہا ہوں اور دنیا کو دیکھ کر کہہ رہا ہوں اور آپ کو بھی میڈیا کے ذریعے حالات کا کچھ اندازہ ہو رہا ہے کہ اس وقت عالم کفر کے بدترین دشمن تم ہو، تم ان کا سب سے پہلا ہدف ہو اور شاید پاکستان کے اندر تمہارے اوپر ایسا وقت آ گیا ہے جو مکہ مکرمہ میں رسول اللہ ﷺ اور آپ کے جانثار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر آیا تھا، وہ وقت قربانیوں اور صبر کا تھا، اس سبق کو یاد رکھنا۔ صبر کے ساتھ، انہماک کے ساتھ اپنے کام میں لگے رہو۔ تقویٰ اور اخلاص کو اپنا زیور بناؤ۔ اگر تمہارے اندر تقویٰ اور اخلاص ہوگا تو اللہ کے بھروسے پر کہتا ہوں کہ:

دنیا کی کوئی طاقت تمہارا بال بیکا نہیں کر سکے گی، تمہارے مشن کو ناکام نہیں کر سکے گی۔ ہو سکتا ہے کہ تمہاری جانیں چلی جائیں اور جان کس کی نہیں جاتی، موت تو سب کو آنی ہے لیکن رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات کا یہ مشن جاری و ساری رہے گا، اسے کوئی نہیں روک سکے گا۔ اگر خدانخواستہ کوئی ناکامی پیش آئی تو ان دو چیزوں میں کمی کی وجہ

سے آئیگی۔ لیکن اگر یہ دو چیزیں (اخلاص وتقویٰ) ہمارے اندر موجود ہیں تو پھر ہم کامیاب وکامران رہیں گے۔ قرآن حکیم کا وعدہ ہے کہ:

﴿وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ﴾

''تم ہی سربلند رہو گے اگر صحیح معنی میں مومن رہے۔''

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر قدم پر ہماری رہنمائی و دستگیری فرمائے اور ان دینی مدارس کا حامی وناصر ہو۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

آزاد قبائل سے خصوصی تعلّق

موضوع: آزاد قبائل سے خصوصی تعلق

خطاب: مفتی اعظم پاکستان مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی مدظلہ

بمقام: باجوڑ ایجنسی

ضبط و ترتیب: مولانا محمد شعیب سرور

﴿آزاد قبائل سے خصوصی تعلق﴾

﴿الحمد للّٰہ نحمدہ ونستعینہ و نستغفرہ و نعوذ باللہ من شرورنا انفسنا ومن سیات اعمالنا من یھدہ اللہ فلامضل لہ و من یضلل فلاھادی لہ و نشھد ان لا الہ الا اللّٰہ ونشھد ان محمد اعبدہ و رسولہ﴾

حضرات علماء کرام، بزرگان محترم، محترم اساتذہ اور ہونہار طلباء!

اگرچہ صوبہ سرحد میں اور اس کے بعض آزاد قبائل میں پہلے بھی آنا ہوا ہے مگر ''باجوڑ'' میں آنے کا اتفاق پہلی بار ہوا ہے۔ جب سے میں یہاں آیا ہوں اس وقت سے میرے جذبات کی جو کیفیت ہے اور جو غیر معمولی مسرت اور سرور مجھے محسوس ہے وہ نا قابل بیان ہے۔

خصوصی تعلق کی وجوہات

ان جذبات اور غیر معمولی مسرت کی بہت ساری وجوہات ہیں۔

پہلی وجہ آزاد قبائل کے لازوال مجاہدانہ کارنامے

پہلی وجہ تو یہ ہے کہ جب سے ہم نے دیوبند میں آنکھ کھولی ہے، میری ولادت دیوبند میں ہوئی ہے اور میرا وطن ''دیوبند'' ہے میں نے ناظرہ قرآن کریم بھی دارالعلوم

دیوبند میں ہی پڑھا تھا۔ اور نصف قرآن کریم بھی وہیں حفظ کیا تھا اور جب ہم ہجرت کر کے پاکستان آئے تو اس وقت میری عمر ۱۲ سال تھی۔ تو ہم نے جب سے دارالعلوم دیوبند میں آنکھ کھولی تو جو لوگ سب سے زیادہ نظر آتے تھے وہ حضرات کوئٹہ، مردان، سوات، دیر، چترال، ایبٹ آباد، بالا کوٹ اور صوبہ سرحد کے دیگر علاقوں کے ہوتے تھے۔ ہم پاکستان بننے سے پہلے بھی یہاں کے لوگوں کے جرات مندانہ واقعات سنا کرتے تھے کہ ان آزاد قبائل نے کیسے ڈٹ کر انگریز کا مقابلہ کیا اسے اپنے اوپر مسلط نہیں ہونے دیا اور پورے ایمانی جذبے سے انگریز کا مقابلہ کر کے اس کے دانت کھٹے کر ڈالے پھر جب پاکستان بنا تو جہاد کشمیر کا آغاز ہوا تو اس میں بھی آزاد قبائل کے لوگ پیش پیش تھے۔ انہوں نے جہاد کے ذریعے سے کشمیر میں بارامولہ تک کا علاقہ فتح کر لیا تھا اور چونکہ سری نگر کی بجلی کا پاور ہاؤس بارہ مولہ میں تھا تو یہ سری نگر کو تاریک کر کے اس پر بھی قبضہ کرنے والے تھے لیکن بین الاقوامی سازشوں نے اور پاکستانی فوج کے بعض اعلیٰ عہدیداروں نے............

لیکن میرے کہنے کا مقصد یہ ہے کہ اس وقت میں ان آزاد قبائل کے مجاہدین نے کشمیری بھائیوں کے ساتھ مل کر کشمیر کا جتنا علاقہ آزاد کرالیا تھا اس کے بعد سے ہم آج تک ایک انچ بھی آگے نہیں بڑھ سکے ہیں۔

الحمدللہ ان کارناموں کی وجہ سے مجھے ان آزاد قبائل سے بچپن سے جذباتی لگاؤ اور محبت ہے۔

جہاد کشمیر میں مجاہدین کی بہادری

کشمیر کے جہاد کے دوران وہاں کے ایک عالم دین شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ علیہ اور حضرت والد صاحب کے پاس آیا کرتے تھے اور وہ جہاد کشمیر

کے واقعات سنایا کرتے تھے۔ اور فرماتے تھے کہ حضرت میرا جی چاہتا ہے کہ آپ بھی کبھی وہاں چلیں اور دیکھیں کہ جب انڈیا کے طیارے بمباری کرنے آتے ہیں اور ہم اپنی فائر گنوں سے فائر کر کے جہاز کو گراتے ہیں تو یوں معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے رگ وریشے سے لا الہ الا اللہ نکل رہا ہے۔ اور ہمارے روئیں روئیں سے گناہ معاف ہو رہے ہیں۔ تو حضرت شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ کاش ہم بھی جہاد کشمیر میں شریک ہوں اور اپنی آنکھوں سے وہاں کے ایمان افروز حالات دیکھیں۔

آزاد قبائل کا دیگر تحریکات میں نمایاں کردار

جب ہم ذرا بڑے ہوئے اور حضرت سید احمد شہید اور حضرت شاہ اسماعیل رحمہما اللہ کی تحریک کے حالات پڑھے تو ہمیں معلوم ہوا کہ اس تحریک میں بھی یہ علاقہ سب سے آگے آگے تھا۔ اسی طریقے سے حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب نور اللہ مرقدہ کی تحریک جو ریشمی رومال'' کی تحریک کے نام سے مشہور ہیں اس میں ان قبائل کا بڑا بنیادی کردار تھا۔ اور جب روسیوں کے خلاف جہاد میں پاکستان اور افغانستان کے مسلمان ڈٹ گئے تھے اس موقع پر بھی پاکستان کی طرف سے سب سے زیادہ جنہوں نے اپنا حصہ ڈالا وہ یہی ہمارے آزاد قبائل تھے۔ پھر انہوں نے روس جیسی طاقت کو ناکوں چنے چبوائے حتی کہ اس کو نہایت ذلیل وخوار ہو کر افغانستان سے جانا پڑا۔ اور پھر جب طالبان کا دور آیا تو اس میں بھی یہاں کے علماء نے طلبہ نے اور مسلمان عوام نے بڑھ چڑھ کر ان کے ساتھ تعاون کیا اور ان حضرات نے دوش بدوش لڑ کر کارہائے نمایاں انجام دیئے۔

یہ سب وہ اسباب ہیں جن کی وجہ سے میرا ان علاقوں سے اور یہاں کے مسلمان بھائیوں کے ساتھ بہت گہرا تعلق اور جذباتی لگاؤ ہے۔

خصوصی تعلق کی دوسری وجہ: تعلیم و تعلم کا مقدس رشتہ

ہمارے اس باہمی تعلق کی دوسری بنیادی وجہ یہ ہے کہ ہم نے جب دارالعلوم کراچی میں درس نظامی کی تعلیم کا آغاز کیا تھا تو اس وقت بھی ہمارے سب سے زیادہ ساتھی صوبہ سرحد ہی کے تھے، اور پھر جب ہم نے آج سے تقریباً چھیالیس، سنتالیس سال پہلے سن ٦١ء میں تدریس شروع کی تو اس وقت سے ہمارے سب سے زیادہ شاگرد اسی علاقے کے ہوتے ہیں۔ چنانچہ جب ہم یہاں آکر اپنے ان بھائیوں اور ساتھیوں سے ملتے ہیں تو ہم یہ محسوس کرتے ہیں کہ گویا ہم دارالعلوم کراچی آگئے ہیں۔

اور واقعہ بھی یہی ہے کہ یہ "مدینۃ العلوم" بھی دارالعلوم ہی کا فیض ہے اور مجھے یہاں آکر وہی خوشی ہو رہی ہے جو خوشی مجھے دارالعلوم کراچی میں ہوتی ہے۔ کیونکہ ہمارے بیٹوں نے یہاں جو قال اللہ اور قال الرسول کا مقدس سلسلہ جاری کیا ہوا ہے یہ ہماری تمناؤں کے عین مطابق ہے اور ہمیں امید ہے کہ ہمارے جن بیٹوں نے دن رات محنت کر کے یہ سلسلہ جاری رکھا ہوا ہے یہ ہمارے لئے صدقہ جاریہ اور ذریعہ نجات بنے گا۔

وطنِ عزیز کا بازوئے شمشیر زن

یہاں کا علاقہ پاکستان کا بازوئے شمشیر زن ہے۔ ہمیں اس علاقے کے مسلمانوں پر، یہاں کے مجاہدین اسلام پر اور یہاں کی اسلام پر مر مٹنے والی عوام پر فخر ہے۔ ہم جب ان کو دیکھتے ہیں تو ہمارے جسم کے خون کی گردش تیز ہو جاتی ہے اور ہمارے دل میں جذبہ جہاد پیدا ہو جاتا ہے۔ ہمیں اس علاقے میں یہ بات دیکھ کر خوشی ہو رہی ہے کہ یہاں کے عوام علماء سے جڑے ہوئے اور مربوط ہیں اور علماء کی ہدایات پر عمل کرتے ہیں۔ علماء کے ساتھ ربط و تعلق کی بھی بہت خیر و برکات ہوتی ہیں۔

اسی بات کی خیر و برکت ہے کہ یہاں غربت و افلاس دیکھنے کو نہیں ملتی یہاں

ایسی بدامنی اور بے چینی نظر نہیں آتی جیسی بدامنی اور بے چینی دوسرے علاقوں میں ہے۔ یہاں کا امن وامان دیکھ کر وہ سب واقعات غلط ثابت ہو جاتے ہیں جولوگوں نے یہاں کے حضرات کے متعلق مشہور کر رکھے ہیں کہ یہاں کے لوگ ایسے ہوتے ہیں ویسے ہوتے ہیں ان کے ہاں قتل کرنا معمولی بات سمجھا جاتا ہے اوران کے ہاں کسی کو مارنا ایسا ہی ہے جیسے مکھی یا مچھر کو مارنا یہ لوگ بے وقوف ہوتے ہیں ناشائستہ ہوتے ہیں تہذیب سے دور ہوتے ہیں پھرلوگوں نے طرح طرح کے لطیفے بھی مشہور کر رکھے ہیں۔

دینی مدارس کا فیض

مجھے یہاں آکراور یہاں کے حالات دیکھ کر یہ محسوس ہوتا ہے کہ یہ قصے اور یہ باتیں ہمارے دشمنوں نے مشہور کر رکھی ہیں کیونکہ مجھے یہاں آکر شہروں سے زیادہ تہذیب وشائستگی نظر آئی ہے۔ یہاں کے لوگ تعلیم یافتہ مہذب اور شائستہ ہیں۔ان کے مکانات صاف ستھرے، اور گندگی سے پاک ہیں یہاں امن وامان ہے آپس میں ایک دوسرے سے محبت اور ہمدردی پائی جاتی ہے۔

یہ ساری برکت ان دینی مدارس اوران کے علماء کی ہے اللہ تعالیٰ آپ حضرات کے علم وعمل میں مزید ترقی عطا فرمائے اوراللہ تعالیٰ نے یہاں کے حضرات کوحفاظت دین کی جوتوفیق عطا فرمائی ہے اس میں مزید اضافہ فرمائے۔ (آمین)

علم دین کی اہمیت وفضیلت

یہ مدارس درحقیقت اسلام کی حفاظت کے قلعے ہیں اور ہمارے دشمنوں کو یہ بات بہت دیر سے معلوم ہوئی ہے اگران کو یہ بات پہلے سے معلوم ہو جاتی تو شاید یہ بہت پہلے سے دینی مدارس کے خلاف کاروائی شروع کر دیتے۔ حقیقت یہ ہے کہ اسلام کی طاقت کا اصل سرچشمہ یہی مدرسے ہیں اس کی وجہ کیا ہے؟ وجہ ہے کہ یہ مدرسے اس دین

کے علم کی حفاظت کر رہے ہیں اور جس دین کا علم ختم ہو جائے وہ دین بھی فنا ہو جایا کرتا ہے اور جس دین کا علم باقی ہو تو وہ دین بھی محفوظ رہتا ہے۔

آج دنیا میں کوئی مذہب یہ دعویٰ نہیں کر سکتا کہ اس کا علم پوری طرح محفوظ ہے۔ یہ دعویٰ صرف ایک دین کر سکتا ہے اور وہ دین اسلام ہے کیونکہ اس دین کی اصل کتاب جو قرآن مجید ہے وہ لفظ بہ لفظ اور حرف بحرف محفوظ ہے اسی طرح رسول اللہ ﷺ کی احادیث طیبہ جو اسلامی شریعت کی بنیاد ہیں وہ بھی جوں کی توں محفوظ ہیں۔

اصح الکتب بعد کتاب اللہ

ان احادیث طیبہ کی حفاظت کی ایک صورت کتب احادیث ہیں اور ان کتب احادیث میں سے ایک کتاب ''بخاری شریف'' ہے الحمد للہ آج ہمیں جس کے اختتام کی سعادت نصیب ہو رہی ہے۔ یہ کتاب جو حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا حیرت ناک کارنامہ ہے اس کتاب میں حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے سات لاکھ احادیث میں سے انتخاب کر کے تقریباً چار ہزار سے کچھ زائد احادیث جمع کی ہیں۔

اور اللہ نے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کو جو حیرت انگیز حافظہ اور جو مثالی اخلاص دیا تھا اس کی برکت ہے کہ ان کی یہ کتاب آج پوری دنیا میں ''اصح الکتب بعد کتاب اللہ'' شمار کی جاتی ہے۔

بخاری شریف کا عرب علماء کے ہاں مقام

ہمارا بیرون ممالک میں جانا ہوتا رہتا ہے اور وہاں عرب علماء سے بھی ملاقاتیں ہوتی ہیں تو ان کے ہاں عام علماء کا انداز یہ ہوتا ہے کہ وہ عجمی علماء کو ناقابل التفات سمجھتے ہیں اور ان کی بات کو توجہ سے سنتے ہی نہیں ہیں کہ انکے پاس کیا علم ہوگا مگر امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ بھی عجمی ہیں اور بخارا کے رہنے والے ہیں اور عربی زبان میں کوئی بڑے ادیب نہیں

ہیں مگر انہوں نے جن روایات اوراحادیث کو اپنی کتاب میں جمع کر دیا ہے میں ان میں سے کوئی حدیث پڑھ کر کہہ دوں کہ ''رواہ البخاری'' یعنی امام بخاری نے اس حدیث کو روایت کیا ہے تو یہ سن کر بڑے بڑے عرب علماء کی گردنیں بھی جھک جاتی ہیں تو گویا امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے جن احادیث کو اپنی کتاب ''بخاری شریف'' میں جمع کر دیا تو یہی ان کے صحیح ہونے کے لئے حرف آخر سمجھی جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ کا احسان عظیم یہ ہے کہ آج ہمارے طلبہ کو یہ عظیم الشان کتاب مکمل کرنیکی توفیق مل رہی ہے۔

تین بنیادی کام: تعلیم وتعلم؛ تبلیغ؛ جہاد

حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے کہ ''لن یصلح اخر ھذا الامۃ الا بما صلح بہ اولھا اس قوم کے آخری دور کی اصلاح بھی اسی طریقے سے ہوگی کہ جس طریقے سے اس امت کے پہلے دور کی اصلاح ہوئی تھی۔

چنانچہ ہم تاریخ اسلام کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ اس امت کے عمومی اور اجتماعی حالات کی اصلاح وترقی کے لئے جو بنیادی کام شروع کیے گئے وہ تین تھے۔ پہلا کام تعلیم وتعلم اور درس وتدریس کا تھا۔ دوسرا کام دعوت تبلیغ اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا کام تھا، اور جبکہ تیسرا کام جہاد تھا۔

تعلیم وتعلم کا کام تو پہلے دن سے ہی شروع ہوگیا تھا حضرت جبرائیل امین علیہ السلام پہلی وحی ''اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّکَ الَّذِیْ خَلَقَ، خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ اِقْرَاْ وَرَبُّکَ الْاَکْرَمُ الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَالَمْ یَعْلَمْ'' کی صورت میں لائے تھے۔

دوسرے کام کا آغاز تقریباً ڈھائی سال کے بعد ہوا اور جبکہ تیسرے کام کا آغاز تیرہ سال بعد شروع ہوا۔

چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ تینوں کام جاری فرمائے، اور ان کو ہمیشہ رکھنے کی ہدایات دیں اور جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات ہوئی تو اس وقت بھی یہ تینوں کام جاری تھے، پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد یہ سلسلہ صحابہ کرام رضی اللہ عنھم تابعین کرام، تبع تابعین اور امت کے اسلاف واکابر رحمھم اللہ نے جاری رکھا اور آج تک جاری وساری ہے۔

افضل ترین کام: تعلیم وتعلم

اب ان تینوں کاموں کے فضائل بھی بے حد وحساب ہیں حتی کہ اگر تعلیم وتعلم کے فضائل پڑھیں تو جی چاہتا ہے کہ اس میں مشغول رہنا چاہیے دعوت وتبلیغ کے فضائل سنیں تو دل چاہتا ہے کہ یہی کام کرنا چاہیے اور اگر جہاد کے فضائل سنیں تو تمنا ہوتی ہے کہ ساری زندگی جہاد ہی کرتے رہیں۔

لیکن قرآن کریم کے تمام احکامات پورے ذخیرہ احادیث اور سیرت طیبہ کی روشنی میں دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان تینوں کاموں میں سے اہمیت وفضیلت کے اعتبار سے تعلیم وتعلم کا پہلا درجہ ہے اور دعوت وتبلیغ کا دوسرا اور جہاد کا تیسرا درجہ ہے۔

دین کی بقا علم دین سے ہے!

علم دین کے افضل ترین کام ہونے کی وجہ یہ ہے کہ دین کی بقاء ہی علم دین سے ہے۔ مثلاً اگر علم دین نہیں ہے تو تبلیغ کیسے کریں گے؟ اور کس چیز کی کریں گے؟ اور اسی طرح سے جہاد بھی اگر علم کے بغیر ہوگا تو وہ فساد فی الارض بن جائے گا۔ کیونکہ ہمیں علم کی روشنی سے ہی معلوم ہوتا ہے کہ جہاد کے کچھ قوانین وضوابط ہیں جنکا پابند ہو کر مجاہد کو جہاد کرنا پڑتا ہے۔

لہٰذا ضروری ہے کہ مجاہدین علماء کی طرف رجوع کریں اور علماء سے پوچھ پوچھ

کر جہاد کریں اور خوب سمجھ لیجئے کہ اگر مجاہدین علماء سے راہنمائی حاصل کر کے جہاد نہیں کریں گے تو کبھی سیدھے راستے پر نہیں چل سکیں گے اور انکی ساری محنت نہ صرف یہ کہ بیکار چلی جائے گی بلکہ اس بات کا خطرہ ہے کہ کہیں گناہ میں مبتلا نہ ہو جائیں ان امور کی وجہ سے دینی مدارس کی اہمیت تمام دینی اداروں سے بڑھ کر ہے۔

دینی مدارس اور مسلمانوں کی ذمہ داری

اب چونکہ دینی مدارس دین کے اہم ترین ادارے ہیں اس لئے انکی اہمیت اور ضرورت کے پیش نظر میں یہاں کے تمام مسلمانوں سے درخواست کروں گا کہ حسب سابق ان مدرسوں سے جڑے رہیں اور اپنے بچوں اور خواتین کو بھی ان مدرسوں سے جوڑے رکھیں تا کہ یہ سلسلہ نسل درنسل جاری رہ سکے۔ اور اس میں کمی نہ آنے پائے۔

یاد رکھئے! اگر یہ دینی مدارس کمزور ہو جائیں گے تو دین کمزور ہو جائے گا اس لئے ان مدارس کی حفاظت آپ کی بڑی اہم اور فضیلت والی ذمہ داری ہے۔

انگریزوں کی مسلمانوں اور دینی مدارس کے خلاف سازشیں

انگریزوں نے مسلمانوں کی ایک ہزار سال سے زائد قائم رہنے والی حکومت کا خاتمہ کر کے ہندوستان پر زبردستی اپنا قبضہ جما لیا تو پھر انہوں نے مسلمانوں کے دین وایمان کو چھیننے کے لئے مختلف حربے استعمال کیے اور مختلف طریقوں سے مسلمانوں بالخصوص اہل دین پر حملے کیے۔

پہلا طریقہ: عیسائی مبلغین کے ذریعے عیسائیت کی تبلیغ

انگریز نے ان مقاصد کے لئے پہلا طریقہ یہ اختیار کیا ہے کہ انہوں نے ہندوستان میں اپنی تبلیغی مشنری بھیجی چنانچہ یہاں ان کے تبلیغی مشنری آئی اور انہوں نے لوگوں کو مال ودولت کا لالچ دے کر اپنے مذہب عیسائیت کی طرف دعوت دینا شروع

کی۔

جب انہوں نے ہندوؤں کو رام کر لیا اور ہندوؤں نے انگریز کی حکومت کو قبول کر لیا تھا حالانکہ ہندوؤں کی اکثریت تھی تو ہندوؤں کے دب جانے کے بعد انہوں نے کچھ ہندوؤں کو کھڑا کیا کہ مسلمانوں کو اپنے مذہب کی طرف دعوت دو۔ تو انگریزوں کے عیسائی مشنریوں اور ہندوؤں کے ذریعے مسلمانوں کے دین وایمان کو چھیننے کے لئے یہ پہلا حربہ استعمال کیا۔

دوسرا حربہ: فارسی زبان ختم کر کے انگریزی کا نفاذ

دوسرا بڑا خطرناک کام انگریز نے یہ کیا کہ فارسی زبان جو اس وقت کی سرکاری اور دفتری زبان تھی اس کو ختم کرا کے انگریزی زبان کو قومی زبان کی حیثیت سے رائج کیا اور اس انگریزی زبان سے انکا مقصد یہ تھا کہ دینی مدرسوں میں پڑھنے والے لوگ جو کہ فارسی زبان جانتے تھے وہ سرکاری اور دفتری ملازمتوں میں نہ آسکیں اور صرف وہی لوگ آگے آئیں جو انکے سکولوں کے پڑھے ہوئے ہوں اور انہوں نے سکولوں میں بھی دینی تعلیم کو ختم کر دیا اور اس کی جگہ انگریزوں کی ذہنی غلامی پیدا کرنے والا نصاب شامل کر دیا تھا تا کہ جو مسلمان سکولوں میں داخلہ لیں وہ بھی انگریز کے ذہنی طور پر غلام بن جائیں۔

دارالعلوم دیوبند کا قیام

انگریز نے ان دو بڑے طریقوں سے مسلمانوں کے دین وایمان پر حملہ کیا اور اس کے علاوہ اور بھی بہت سے حربے اس مقصد کے لئے استعمال کیے۔ تو ان حالات میں شدید خطرہ پیدا ہو گیا تھا کہ ہماری آئندہ آنے والی نسلوں کا دین وایمان محفوظ نہیں رہے گا اور مسلمان اس کی حفاظت نہیں کر سکیں گے۔ اس خطرے کو بھانپ کر حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ نے دیوبند کی بستی میں جو ایک چھوٹا سا قصبہ ہے۔ اس میں

دارالعلوم دیوبند کی بنیاد رکھی۔ اور پھر اس مدرسے میں اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے ایسے اللہ والے جمع ہوگئے کہ جن میں سے ایک ایک فرد حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیھم اجمعین کا نمونہ تھا۔ پھر ان حضرات نے دینی تعلیم کا انتظام کر کے درس وتدریس کا آغاز کیا اور اس دارالعلوم دیوبند میں ایسے علماء تیار کیے جو ماہر اور متبحر ہونے کے ساتھ ساتھ متقی اور پرہیزگار بھی تھے اور بزرگوں اور اللہ والوں کے تربیت یافتہ تھے۔

دارالعلوم دیوبند کا سنہری دور

میرے دادا حضرت مولانا محمد یاسین رحمۃ اللہ علیہ جو دارالعلوم دیوبند کے ہم عمر تھے جس سال دارالعلوم دیوبند کی بنیاد رکھی گئی اس سال انکی ولادت ہوئی پھر وہ حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی نور اللہ مرقدہٗ کے ہم سبق بھی تھے اور دونوں حضرات نے دورہ ایک ساتھ کیا تھا۔

تو ہمارے دادا فرمایا کرتے تھے کہ:

''میں نے دارالعلوم دیوبند کا وہ دور بھی دیکھا ہے کہ جب دارالعلوم کے صدر مدرس سے لے کر ایک چپڑاسی اور دربان تک سب صاحب نسبت ولی اللہ ہوتے تھے۔''

تو اس وقت دارالعلوم دیوبند کا سارا ماحول اولیاء اللہ کے زیر اثر تھا۔ انسان ان بزرگوں کے حالات سنانے لگ جائے تو دل پگھل جائیں مگر انکے حالات ختم نہ ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے ان بزرگوں کو جیسی صلاحتیں اور جیسا بلند اخلاق دیا تھا اس کی مثالیں ملنا مشکل ہے۔

حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے اخلاص کا عالم

شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسن صاحب قدس اللہ سرہٗ کے اخلاص کا کیا عالم تھا

اس کا اندازہ ایک واقعہ سے ہوتا ہے۔

وہ یہ ہے کہ جب حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ دارالعلوم سے فارغ ہوئے تو انہوں نے کانپور میں جا کر مدرسہ شروع کیا۔ کانپور میں کچھ اہل بدعت بھی تھے لیکن اس وقت کے اہل بدعت آجکل کے اہل بدعت کی طرح متشدد نہیں تھے۔ ان کے ہاں معقولات کو بہت اہمیت دی جاتی تھی اور قرآن وسنت کو اتنی اہمیت نہ دیتے تھے۔ وہ سمجھتے تھے کہ یہ علماء دیو بند معقولات کے بارے میں کوئی علم نہیں رکھتے تو حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے استاد حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کو اس خیال سے کانپور میں بیان کے لئے دعوت دی کہ جب اہل بدعت حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا بیان سنیں گے تو یہ لوگ بھی علماء دیو بند سے مانوس ہو جائیں گے۔ اور ان کو معلوم ہو جائے گا کہ ہمارے بزرگ معقولات کے ایسے زبردست ماہر ہوتے ہیں۔

چنانچہ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ تشریف لائے اور جب بیان شروع فرمایا تو حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے معقولات ومنقولات کے علوم ومعارف کے دریا بہا دیئے۔ مجمع پر سناٹا طاری ہوا تھا اور حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کا بیان بڑے انشراح قلب کے ساتھ جاری تھا کہ اتنے میں اہل بدعت کے بڑے اور مشہور علماء بھی آگئے اور آکر سٹیج کے قریب بیٹھ گئے۔ جب حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کی نگاہ ان پر پڑی تو خاموش ہو گئے۔ حالانکہ ابھی جملہ بھی پورا نہیں ہوا تھا اور آدھا جملہ باقی تھا۔ لوگ سمجھے کہ حضرت کو کوئی تکلیف لاحق ہوگئی ہے اور کسی نے پانی دیا کسی نے پنکھا جھلا۔ حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ بھی پریشان ہو گئے اور پوچھا کہ حضرت کیا بات ہے؟ طبیعت تو ٹھیک ہے آپ نے بیان کرنا چھوڑ دیا ہے۔

حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ''بیان نہیں ہوگا'' حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ نے عرض کیا کہ حضرت اب تو بیان کرنے کا وقت آیا تھا تو حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نے جواب میں فرمایا کہ ''ہاں یہی بات میرے دل میں بھی آگئی تھی'' کہ پہلے بیان اللہ تعالیٰ کے لیے تھا مگر جب یہ لوگ آئے دل میں خیال آیا کہ اب ان کو بھی پتہ چل جائے

گا کہ ہمارا بیان کیسا ہوتا ہے اور ہمارے پاس بھی کیسا علم ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے دستگیری فرمائی تو سمجھ آ گیا کہ پہلے بیان اللہ تعالیٰ کے لیے تھا اور اب اگر بیان کیا تو یہ دکھلاوا ہوگا۔

سیدنا حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے گستاخ کو چھوڑنے کی وجہ:

یہ واقعہ ایسا ہی ہے جیسا کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے ساتھ واقعہ پیش آیا تھا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی موجودگی میں ایک یہودی نے تاجدار دوعالم، سرور کونین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان اقدس میں گالی دے دی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ خود امیر المومنین تھے اور پھر بہادر تھے فاتح خیبر تھے تو انہوں نے فوراً اس یہودی کو زمین پر پٹخا اور خنجر نکال کر وار کرنے ہی والے تھے کہ اس یہود نے ان کے منہ پر تھوک دیا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے تھوڑی دیر کیلئے کچھ سوچا اور پھر خنجر ہٹا کر ایک طرف کھڑے ہو گئے۔ اب یہودی بھی حیران ہے کہ میری تو جان جارہی تھی اور دیکھنے والے بھی حیران تھے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس گستاخ کو کیوں چھوڑ دیا۔ لوگوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے وجہ پوچھی تو فرمایا کہ:

پہلے میں اس کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت اور شریعت کی تابعداری میں قتل کر رہا تھا کیونکہ شریعت میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی گستاخی کرنے والے کی سزا، سزائے موت ہے لیکن جب اس نے میرے منہ پر تھوکا تو مجھے اور زیادہ غصہ آیا اور دل نے چاہا کہ جلدی سے اس کو قتل کر دوں۔ مگر فوراً اللہ تعالیٰ نے مدد فرمائی اور خیال آ گیا کہ اگر اب میں اس کو قتل کروں گا تو یہ خالص اللہ کے لیے قتل نہیں ہوگا بلکہ اپنے نفس کے لیے بھی قتل ہوگا۔

یہودی نے جب یہ بات سنی تو فوراً اسلام لے آیا کہ جس نبی کے غلاموں کا یہ مرتبہ ہو کہ ان کو اپنے نفس پر اتنا قابو ہے تو اس نبی کی عظمت کا کیا ٹھکانہ ہوگا۔ تو ہمارے بزرگ تو ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے نمونے تھے۔

حضرت مولانا اصغر حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی بلند اخلاقی اور احساس ہمدردی کا حیرت انگیز واقعہ:

حضرت مولانا اصغر علی حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ دار العلوم دیو بند کے ممتاز بزرگ اور استاد تھے جو ہمارے دادا کے شاگرد تھے اور ہمارے والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے استاد تھے۔ وہ بہت بڑے صاحب کشف و کرامات تھے۔ ان کے بارے میں مشہور ہے کہ وہ مادر زاد ولی اللہ تھے۔ سارے بزرگ ان کی عزت کیا کرتے تھے اور ہمارے والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ بھی ان کے پاس کثرت سے جایا کرتے تھے۔ ہم بھی اپنے والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ چلے جایا کرتے تھے لیکن ہمارے جانے کی ایک وجہ تو یہ ہوتی تھی کہ ان کے پاس کوئی بچہ جاتا تھا تو وہ اس کو مٹھائی دیتے تھے تو ہم جب ان کے پاس جاتے تھے تو وہ ہمیں بھی مٹھائی دیتے تھے۔

میں نے ان کے بارے میں ایک واقعہ سنا تھا کہ ایک دفعہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ رات کے وقت اپنے گھر جا رہے تھے ان کے گھر کے راستے میں ایک گلی پڑتی تھی۔ اس گلی کو پار کر کے کچھ آگے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا گھر تھا۔ تو جب حضرت رحمۃ اللہ علیہ اس گلی میں پہنچے تو آپ نے اپنے جوتے اتار لیے اور ننگے پاؤں چلنے لگے اور جب گلی پار کرلی تو جوتے دوبارہ پہن لیے اور گھر چلے گئے۔

جب ساتھیوں نے پوچھا کہ حضرت! آپ نے اس گلی میں جوتے کیوں اتار دیئے تھے تو فرمایا کہ بس اتار لیے تھے۔ لوگوں نے اصرار کیا کہ آخر بتایئے کیا بات ہے تو کہنے لگے کہ:

"دیکھو اس گلی میں ایک گھر ہے اس میں ایک پیشہ ور فاحشہ عورت رہتی ہے جب وہ جوان تھی تو اس کے پاس بہت گاہک آتے تھے لیکن اب وہ بوڑھی ہوگئی تو اس

کے پاس کوئی گاہک نہیں آتا۔ اب اگر میں جوتے پہن کر گلی سے گزروں گا تو جوتوں کی آواز کو سن کر اس کے دل میں خیال پیدا ہوگا کہ کوئی گاہک آرہا ہے اور اس کو امید لگ جائے گی لیکن جب میں گزر جاؤں گا تو اس کا دل ٹوٹ جائے گا تو میں کیوں اللہ کی ایک بندی کا دل توڑوں۔ اسی واسطے میں اس گلی سے جوتے اتار کر گزرتا ہوں۔''

جب حضرت مولانا سید اصغر حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ایک فاحشہ کے ساتھ اخلاق کا یہ عالم ہے تو ان کا عام مسلمانوں کے ساتھ کیسا برتاؤ ہوگا؟

یہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے نمونہ تھے

یہ وہ حضرات تھے جنہوں نے حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی سنت کو زندہ کیا تھا اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی زندگیاں خود سنت امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کا عملی نمونہ تھیں۔ تو ان علماء دیوبند نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی زندگیوں کو اپنایا تو ایک ایک بزرگ تقویٰ اور ورع میں' اخلاص میں' فنائیت اور للّٰہیت میں اور تواضع وانکساری میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی زندگیوں کا نمونہ ہو گیا۔ ان حضرات کو دیکھ کر ایسا لگتا ہے کہ انہوں نے اپنے نفس کو تو کچل ہی ڈالا تھا اور اپنے نفس کو بالکل مار دیا تھا۔

اختلاف رائے میں اعتدال کا دامن نہیں چھوڑنا چاہیے:

یہی وجہ ہے کہ ان حضرات میں اگر کبھی اختلاف رائے ہوا بھی تو ان لوگوں نے اس کو اپنے وقار کا مسئلہ نہیں بنایا کیونکہ ان کا اختلاف نفس کے لیے نہیں تھا بلکہ صرف اللہ تعالیٰ کے لیے تھا۔ تو ایسا اختلاف ممنوع اور مضر نہیں ہے۔

اب اختلاف ہونے کی وجہ کیا ہے؟ بات یہ ہے کہ ہر فن کی طرح اسلامی فقہ میں بھی ماہرین فن کا اختلاف ہوا ہے جیسے کہ انجینئرنگ میں انجینئروں کا، سائنس میں سائنسدانوں کا کسی مریض کے مرض کے بارے میں ڈاکٹروں کا، اور کسی قانونی مسئلہ میں قانون دانوں اور عدالتوں کا اختلاف ہو جاتا ہے۔ اسی طرح جب بھی کوئی ایسا مسئلہ جو

کہ نص قطعی اور واضح دلیل سے ثابت نہ ہو اور اس میں ماہرین فقہ غور وفکر کریں تو اس میں اختلاف ضرور ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلامی فقہ و قانون میں بھی فقہاء کرام رحمہم اللہ اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا اختلاف ہوا ہے۔

ہمارے والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ ''جس مسئلہ کے بارے میں قرآن کریم اور حدیث متواتر میں کوئی واضح حکم نہیں آیا ہے تو اس میں دو رائے ہوسکتی ہیں اور اجمال کی وجہ سے اختلاف رائے اور دو احتمال ہوسکتے ہیں۔''

پس اختلاف رائے فی نفسہ کوئی بری بات نہیں ہے جبکہ ماہرین فن میں ہو لیکن اس اختلاف کی وجہ سے دوسرے فریق کے بارے میں بدگمانی کرنا یا بدزبانی کرنا حرام اور ناجائز ہے اور اس اختلاف رائے کو اپنی انا اور عزت و وقار کا مسئلہ بنا کر علیحدہ گروہ، نیا فرقہ، علیحدہ جماعت بندی کرنا امت میں انتشار پیدا کرنا ہے۔ حالانکہ درحقیقت اختلاف رحمت ہے اور امت میں تفریق پیدا کرنا (رحمت) نہیں ہے۔

حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ کا اختلاف حق و اعتدال پر مبنی تھا:

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے درمیان بھی اختلاف ہوا مگر انہوں نے اختلاف کو اپنی انا کا مسئلہ نہیں بنایا اور اسی وجہ سے ان کا باہمی اختلاف دشمنیوں کا سبب نہیں بنا۔ مثلاً صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے درمیان جنگ صفین لڑی گئی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ باہم مقابل تھے لیکن اس کے باوجود ایک دوسرے کی عزت و احترام میں ذرہ برابر بھی فرق نہ آیا کیوں کہ دونوں حضرات رضی اللہ عنہما اللہ تعالیٰ کے واسطے مدمقابل تھے۔ یہی وجہ ہے کہ جنگ صفین سے پہلے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے ان کے ساتھیوں نے پوچھا کہ کل جنگ میں ہم مارے گئے تو ہمارا کیا حکم ہوگا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تم شہید ہوگے۔ پھر پوچھا کہ اگر ہمارے ہاتھوں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حامی مارے گئے تو ان کا کیا حکم ہوگا۔ فرمایا وہ بھی شہید ہوں گے۔

اور یہی سوال جب حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ان کے حامیوں نے پوچھا تو انہوں نے بھی یہی جواب دیا کہ اگر تم لوگ مارے گئے تو تم بھی شہید اور اگر تمہارے ہاتھوں وہ لوگ مارے گئے تو وہ بھی شہید ہوں گے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اختلاف حقانیت کی دلیل:

وجہ یہ ہے کہ یہ دونوں حضرات دلائل شرعیہ کی بناء پر لڑ رہے تھے۔ چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنے دلائل کی وجہ سے ڈٹے ہوئے تھے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اپنے دلائل کی وجہ سے مقابلہ کر رہے تھے۔ اب اس بات کی دلیل کہ یہ حضرات محض اللہ تعالیٰ کے لیے اور دلائل شرعیہ کی وجہ سے لڑ رہے تھے یہ ہے کہ:

دوران جنگ قیصر روم ''ہرقل'' نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس پیغام بھیجا جس میں اشارہ تھا کہ وہ آپ کی نصرت کرنا چاہتا ہے۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی ''ہرقل'' کو تاریخی دھمکی:

جب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو ہرقل کے اس ارادے کا پتہ چلا تو آپ رضی اللہ عنہ نے اس کو ایک خط لکھا جس میں ہرقل روم سے کہا گیا تھا کہ:

''اگر تو نے اپنے ارادے کو پورا کرنے کی کوشش کی تو یاد رکھ! میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے صلح کر کے ان سے مل جاؤں گا اور ان کے لشکر میں ان کا سپاہی بن کر شامل ہو جاؤں گا اور تجھ پر حملہ آور ہو جاؤں گا اور لشکر اسلام کا وہ پہلا سپاہی جو تیری گردن کو گاجر کی طرح کاٹے گا وہ معاویہ ہوگا۔''

یاد رکھ اگر تو نے اپنے ارادے کو ترک نہ کیا تو میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مل کر تجھ پر لشکر کشی کروں گا اور تیرے دارالحکومت قسطنطنیہ کو جلا کر کوئلہ بنا دوں گا اور تو خنزیروں کا چرواہا بن کر ریوڑ چراتا پھرے گا اور در در ذلیل و خوار ہوگا۔''

دیکھئے اگر یہ جنگ اللہ تعالیٰ کے لیے نہ ہوتی بلکہ آپس کے بغض و عناد اور دشمنی

وعداوت کی بنا پر ہوتی تو فریق مخالف کو نقصان پہنچانے کا اس سے اچھا موقعہ اور کیا ہوسکتا تھا کہ عیسائی قوت کو ساتھ ملا سکتے تھے مگر اس کے باوجود انتہائی سخت جواب دے کر ہرقل کی پیشکش کو ٹھکرادیا۔

علماء دیوبند اختلاف رائے میں بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے متبع تھے:

ہمارے اکابرین چونکہ ہر ہر چیز میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی پیروی کرتے تھے چنانچہ اختلاف رائے میں بھی ہمارے بزرگوں کا یہی حال تھا کہ ان کا آپس میں اختلاف رائے ہوا لیکن اس اختلاف کے باوجود ان کی باہمی عزت وتکریم میں کوئی کمی واقع نہ ہوئی۔

علماء کرام سے خصوصی گزارش:

تو یہاں کے تمام علماء کرام کو مبارکباد دیتا ہوں کہ انہوں نے علماء دیوبند کے نام کو روشن کیا ہے۔ اور علمائے دیوبند کے نام کو روشن کرنے کا مطلب یہ ہے کہ انہوں نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے نام کو روشن کیا ہے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے نام کو روشن کرنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نام اور سنت کو روشن کرنا ہے۔

اختلاف رائے کو افتراق کا ذریعہ بنایا جائے:

یقیناً آپ حضرات نے اس سلسلے میں اپنی بھرپور کاوشوں کو بروئے کار لایا ہوگا اور انتھک محنتوں اور جدوجہد سے اس کار خیر کو سرانجام دیا ہوگا۔ بس میری آپ سے یہی گزارش ہے کہ جیسا کہ مولانا ذاکر اللہ صاحب نے بتایا کہ الحمد للہ یہاں کے علماء کرام میں بہت اتحاد ہے یہ بڑی اچھی بات ہے۔ لیکن اگر کبھی خدانخواستہ اختلاف ہو بھی جائے اور وہ شرعی حدود وقیود اور دلائل کی بنا پر ہو تو اس میں کوئی حرج اور کوئی مضائقہ نہیں ہے لیکن گزارش یہ ہے کہ اس اختلاف کو باہمی اختلاف ورنجش اور بدزبانی وبدگمانی کا ذریعہ

نہ بنایا جائے اور دشمنی اور گروہ بندی کا ذریعہ نہ بنایا جائے کیونکہ گروہ بندی کی شریعت میں بالکل اجازت نہیں ہے۔

امت مسلمہ میں افتراق پھیلانے کی ممانعت ہے:

شریعت مطہرہ میں حالت اضطراری میں خزیر کا گوشت کھانے، شراب پینے اور میت و مردار کھانے کی تو بقدر ضرورت اجازت دی گئی ہے لیکن امت مسلمہ میں افتراق پھیلانے کی اجازت کبھی بھی اور کسی بھی موقع پر کسی کو نہیں دی گئی۔

آنحضرت ﷺ کی نگاہ میں اتحاد امت کی اہمیت:

میں آپ کو ایک واقعہ سناتا ہوں جس سے آپ کو افتراق کی ممانعت کا اندازہ ہو جائے گا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جب قریش نے بیت اللہ شریف کی موجودہ عمارت کو نئے سرے سے تعمیر کیا تو انہوں نے خالص حلال کمائی سے اس کی تعمیر کی او جب ان کے پاس خالص حلال پیسوں کی کمائی ختم ہوگئی تو انہوں نے اس کی لمبائی اور اونچائی میں کمی کردی چنانچہ حطیم کا وہ حصہ جسے حجر بھی کہتے ہیں اس میں تقریباً چھ سات ہاتھ تک کی زمین کا حصہ دراصل بیت اللہ کا حصہ ہے۔ اس حصے کو قریش نے خالی چھوڑ دیا تھا۔

تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ لوگ نئے نئے مسلمان ہوئے او انکو اس عمارت اور اس کے پتھروں سے بڑی عقیدت ہے ورنہ میں اس عمارت کو گرا کر نئے سرے سے ''قواعد ابراہیمی'' پر تعمیر کر دیتا لیکن اس کو گرانے میں لوگوں کے جذبات کو ٹھیس پہنچے گی اور بعض شر پسند لوگ اس بات کو بنیاد بنا کر مسلمانوں میں افتراق پیدا کرنے کی کوشش کر سکتے ہیں۔''

تو رسول اللہ ﷺ نے بیت اللہ شریف کو قیامت تک کے لیے نامکمل چھوڑ دیا حالانکہ بیت اللہ شریف قیامت تک کے مسلمانوں کیلئے پانچ وقت کی نمازوں اور حج اور عمرہ وغیرہ کے قبلہ کی حیثیت رکھتا ہے اور اسلامی عبادات کا مرکز و محور ہے لیکن رسول اللہ ﷺ نے صرف اور صرف مسلمانوں کے درمیان افتراق اور اختلاف پیدا ہونے کے ڈر سے اس عظیم گھر کی تعمیر کو نامکمل چھوڑ دیا۔ چنانچہ آج تک وہ ایسے ہی چلا آ رہا ہے۔

اتحاد کو کسی قیمت پر توڑا نہیں جاسکتا:

اگر ہم اپنے حالات کا جائزہ لیں تو ہمیں معلوم ہوگا کہ ہمارے ہاں چھوٹی چھوٹی باتوں پر ڈیڑھ اینٹ کی مسجد بنالی جاتی ہے اور معمولی باتوں پر جھگڑے کیے جاتے ہیں۔

یاد رکھیئے! مسلمانوں کے درمیان اتحاد کو کسی بھی قیمت پر توڑنے کی اجازت نہیں ہے۔ اس اتحاد کو قائم رکھنے کے واسطے بڑی سے بڑی قربانیاں دی جاسکتی ہیں لیکن اس اتحاد کو توڑا نہیں جاسکتا۔ البتہ اتنی بات ہے کہ اتحاد کے لیے حلال کو حرام یا حرام کو حلال نہیں کیا جائے گا اللہ تعالیٰ ہمیں اس پر عمل کی توفیق عطا فرمائے۔

تعلیم قرآن کریم عظیم ترین کام ہے:

دوسری بات یہ ہے کہ ہمیں معلوم ہوا ہے کہ الحمد للہ یہاں تعلیم قرآن کریم کے بہت سے مکاتب قائم ہیں اور مزید مکاتب قرآنیہ قائم کیے جارہے ہیں۔ ایک اللہ کے بندے ہیں جو اس کام میں غیر معمولی دلچسپی کا مظاہرہ کررہے ہیں اور جگہ جگہ مکاتب اور مساجد بنوا رہے ہیں۔ یہ بڑا عظیم بابرکت اور باعث خیر و برکت کا کام ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کو جزائے خیر عطا فرمائے اور میں ان کے کارناموں پر جن کی تفصیل مجھے مولانا ذاکر اللہ صاحب سے معلوم ہوئی ہے ان کو مبارکباد پیش کرتا ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ان

کے مال و دولت ان کے علم و عمل اور ایمان و تقویٰ سب میں برکت عطا فرمائے۔

کیونکہ یہ سب سے عظیم کام ہے جس کے بارے میں فرمان ہے کہ:

﴿خَيْرُ كُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَ عَلَّمَهُ﴾

''یعنی تم میں سے بہترین شخص وہ ہے جو قرآن کریم پڑھے اور پڑھائے۔''

تو تعلیم قرآن سب سے عظیم کام ہے اور تعلیم قرآن میں قرآن پاک کے الفاظ سیکھنا یعنی ناظرہ اور حفظ کروانا بھی شامل ہے اور قرآن کریم کے معانی یعنی درس نظامی وغیرہ کی تعلیم دینا بھی شامل ہے۔ اس لیے جو درجہ درس نظامی کے اساتذہ کا ہے وہی درجہ حفظ و ناظرہ کے اساتذہ کا بھی ہے۔

میں وہاں کراچی کے لوگوں سے کہا کرتا ہوں کہ تم لوگ کچھ تو شرم کرو۔ تم جو تنخواہ اپنے ڈرائیوروں اور چپڑاسیوں کو دیتے ہو اس سے بھی کم تنخواہ تم نے قرآن کریم پڑھانے والے اساتذہ کیلئے مقرر کر رکھی ہے۔

بچوں کو گھر میں ٹیوشن پڑھانے کے لیے کسی ٹیوٹر کو بلاتے ہیں تو اس کو فی مضمون پچاس روپے دیتے ہیں اور مولوی صاحب کو قرآن کریم پڑھانے کے لیے بلاتے ہیں تو سو، پچاس روپے میں ٹرخا دیتے ہیں۔ یہ کہاں کا انصاف ہے؟ کیا قرآن کریم کی قدر و قیمت اور اہمیت نعوذ باللہ سکول و کالج میں پڑھائی جانے والی کتابوں سے بھی کم ہے۔

خدارا آپ اس سلسلے میں نہایت احتیاط سے کام لیجئے گا اور حفظ و ناظرہ کے اساتذہ کو بھی معقول تنخواہ دیجئے گا ورنہ کل کو ان کے بچے ان سے شکایت کریں گے کہ دیکھو تم نے قرآن کریم پڑھا پڑھایا ہے لیکن تمہیں کیا ملا؟ چھوٹا سا مکان، پھٹے پرانے بوسیدہ کپڑے ہی تو ملے ہیں نہ عزت ہے نہ اچھا کھانا میسر ہے۔

لیکن فلاں شخص نے انگریزی پڑھی پڑھائی اور آج اس کے پاس عزت بھی ہے اچھا کھانا، اچھا کپڑا اور اچھا مکان سب کچھ ہے۔

تو اس طعنے سے قرآن کریم کی بے توقیری اور بے حرمتی ہوگی۔ اس لیے حفظ و ناظرہ کے اساتذہ کو اتنی تنخواہ دیں کہ ان کے دل میں احساس کمتری پیدا نہ ہو۔

اللہ تعالیٰ ہمیں ان باتوں پر عمل کی توفیق دے۔ (آمین)

واخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین

☆☆☆

تعلیم و تعلّم ایک اہم فریضہ

موضوع: تعلیم و تعلّم ایک اہم فریضہ

خطاب: مفتی اعظم پاکستان مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی مدظلہ

مقام: جامع مسجد جامعہ دارالعلوم کراچی

ضبط و ترتیب: مولانا عبدالتواب

تعلیم و تعلّم ایک اہم فریضہ

نحمدہ و نصلی علی رسولہ لکریم اما بعد!

عزیز طلبہ!

میری خواہش بھی رہتی ہے، ضرورت بھی ہے اور اصولی طور پر یہ بات بھی ہے کہ طلبہ سے ہمارا خطاب ہر ہفتہ یا کم از کم دو ہفتے میں ایک مرتبہ ہو جایا کرے، لیکن مشاغل بڑھتے جارہے ہیں، خواہش و کوشش کے باوجود وقت نکالنا آسان نہیں رہا، طلبہ بھی یاد دہانی کراتے رہتے ہیں، اس بات سے خوشی بھی ہوتی ہے کہ طلبہ کو اپنی اصلاح کے لیے باتیں سننے کا شوق اور اس کی فکر ہے۔

میں اپنے دل کی بات عرض کرتا ہوں کہ مجھے الحمد للہ طلبہ سے، طلبہ کے طبقے سے ایک خاص قلبی تعلق ہے، چاہے وہ میرے پاس پڑھتے ہوں یا نہ پڑھتے ہوں، میرے دل میں ان کی محبت ہے اور جو طلبہ مجھ سے براہ راست پڑھتے ہیں ان کی محبت تو ایسی ہو جاتی ہے جیسے اولاد سے، پہلے بھی میں نے بار بار یہ بات سنائی ہے کہ ہمارے والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ دعا فرماتے تھے کہ ''یا اللہ! مجھے طلبہ کے ساتھ زندہ رکھ، طلباء ہی کے ساتھ میری موت ہو اور طلبہ ہی کے ساتھ میرا حشر ہو'' اور درحقیقت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی یہ دعا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس دعا سے ماخوذ ہے۔

﴿اللھم احینی مسکینا و امتنی مسکینا واحشرنی فی زمرۃ المساکین﴾

ہماری یہ طلبہ کی برادری بھی مساکین کی برادری ہے، انہوں نے اپنے آپ کو اور اپنی زندگیوں کو اللہ کے لیے وقف کر رکھا ہے، اللہ ہی کے واسطے اللہ کے راستے میں نکلے ہوئے ہیں اور الحمد للہ ان میں بھاری اکثریت مخلصین کی ہے، جو دنیا کے لیے نہیں آئے، دین سیکھنے، اس پر عمل کرنے، اسے پھیلانے اور دوسروں تک اسے پہنچانے کے لیے آئے ہیں۔ یہ اللہ کا بڑا کرم اور اس کا بڑا احسان ہے۔

طلبہ کا حلقہ تمام مسلمانوں میں ممتاز ترین حلقہ ہے:

ہمارے والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے اور والد صاحب کی اس بات کی بنیاد پر میں بھی کہتا رہتا ہوں کہ یہ طلبہ ایک اعتبار سے پوری دنیا کے تمام مسلمانوں کا ممتاز ترین حلقہ ہے۔ انہوں نے اپنی پوری کی پوری زندگی اللہ کے راستے میں لگا رکھی ہے، جب سے ہوش سنبھالا تھا الف، ب پڑھنی سیکھی تھی اور اب داڑھیاں نکل آئیں اسی وقت سے تعلیم و تعلم میں لگے ہوئے تقریباً سولہ سترہ سال تعلیم حاصل کرنے کے بعد یہ فارغ التحصیل ہونے والے طلبہ کہیں مدرس ہو جائیں گے یا امام و خطیب بن جائیں گے، یا کہیں تصنیف و تالیف کا یا فتوی کا یا قضاء کا کام کرنے لگیں گے، یہ سارے کام دین کی عظیم الشان خدمت و محنت کے کام ہیں، یہاں تک کہ ان ہی مشاغل میں الحمد للہ موت آجاتی ہے۔ ”طلب العلم من المھد الی اللحد“ فارغ التحصیل ہونے کے بعد ہی طلب علم کا سلسلہ جاری رہتا ہے کیونکہ فارغ التحصیل ہونے کے بعد جب کوئی استاذ بنتا ہے تو درحقیقت اس کے ذہن میں دوسروں کو پڑھانے کی نیت ثانوی درجے میں ہوتی ہے، اول درجہ میں خود اپنے علم کو بڑھانے اور پختہ کرنے کا ارادہ ہوتا ہے۔ تا کہ جو پڑھا ہے وہ یاد رہے، اضافہ ہو اور استحکام پیدا ہو۔

طلب علم کا منصب بہت اونچا ہے:

یاد رکھیے! طلب علم کا منصب بہت ہی اونچا منصب ہے، طالب علم پر اللہ کی خاص توجہ وعنایت ہوتی ہے، اللہ سے مانگنے والا ہر طالب علم ہر وقت اس کوشش میں رہتا ہے کہ میری دینی معلومات میں اضافہ ہو، یہ عمل اللہ کو بہت پسند ہے چنانچہ حدیث میں ہے کہ ''من سلک طریقا یلتمس فیه علماً سهل اللّٰه له به طریقا الی الجنة'' اور سچے طالب علم کے قدموں تلے فرشتے پر بچھاتے ہیں، پانی میں مچھلیاں استغفار کرتی ہیں، اللہ ہمیں ان میں سے بنادے۔ (آمین)

کوئی شخص استاذ بن جائے یا محدث وفقیہ بن جائے لیکن وہ طالب علم ہی رہتا ہے، طالب علمی ختم نہیں ہوسکتی، کیونکہ علم کی کوئی انتہا نہیں، ارشاد باری ہے کہ ''وفوق کل ذی علم علیم'' جتنا علم بڑھتا جائے گا اتنا ہی علم کی کمی کا احساس بڑھتا جائے گا۔

بوعلی سینا کی حکایت

شیخ ابوعلی سینا کی ایک حکایت ہم نے اپنے والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے سنی تھی اور شاید طلبہ سے خطاب ہی میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے سنائی تھی۔

''ابن سینا کے علم وحکمت کا پوری دنیا میں طوطی بولتا تھا وہ کسی ایسے ملک میں پہنچے جہاں ان کی بڑی شہرت تھی، وہاں پہلے آنا نہیں ہوا تھا، اس لیے شاندار استقبال ہوا، وہاں ایک کتب خانہ تھا جس میں نادر کتابیں نظر آئیں تو انہوں نے لوگوں سے کہا کہ ساری خاطر تواضع اپنی جگہ اب میں اس کتب خانہ سے اسی وقت نکلوں گا جب ساری کتابیں پڑھ لوں گا میرے مطالعہ میں کوئی خلل نہ ڈالے، ہاں نماز اور دوسری ضروریات کے کام کروں گا، اس کے علاوہ اور کوئی مشغلہ نہیں ہوگا، سوائے ان کتابوں کے مطالعہ کے۔''

بڑے عرصے تک لوگوں کو انتظار رہا کہ ان کے نئے مطالعہ سے ان کے علم میں

خوب اضافہ ہوا ہوگا، چنانچہ حکماء علماء عقلا جمع ہو گئے اور جب وہ اس کتب خانے سے باہر آئے تو ان اہل علم نے ان سے درخواست کی کہ اس مطالعے سے آپ کو جو نیا علم حاصل ہوا براہ کرم ہمیں بھی بتا دیجئے، فرمایا مجھے بہت بڑا علم ملا ہے، جو پہلے نہیں تھا اور میں سمجھتا ہوں کہ یہ علم تمام علوم پر بھاری ہے اور وہ علم یہ ہے نیا علم مجھے یہ ملا کہ میں کچھ نہیں جانتا، پہلے یہ بات بھی معلوم نہیں تھی، پہلے جہل مرکب میں مبتلا تھا، پہلے میں سمجھتا تھا کہ میں بہت کچھ جانتا ہوں، اب پتہ چلا کہ میں کچھ نہیں جانتا، تو علم کی کوئی حد و انتہاء نہیں، جتنا آدمی آگے بڑھتا جاتا ہے اپنی کم علمی کا احساس بڑھتا جاتا ہے، علم کی زیادتی کا احساس جاہلوں کو ہوا کرتا ہے جس کو یہ احساس ہو کہ میں بڑا عالم بن گیا تو یہ علامت ہے اس بات کی کہ یہی سب سے بڑا جاہل ہے۔ جس کو اپنے جہل کا علم نہ ہو وہ جہل مرکب میں مبتلا ہے۔

اور یاد رکھیے کہ علم محنت و قربانیاں مانگتا ہے، اس کے بغیر نہیں آتا، علم بڑا غیور ہے۔ آسانی سے ہاتھ نہیں آتا، امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ **اَلْعِلْمُ لَا يُعْطِيكَ بَعْضَهُ حَتّٰى تُعْطِيَهُ كُلَّكَ** ۔ ترجمہ: یعنی علم اپنے ذرا سا بھی حصہ تم کو نہیں دے گا جب تک تم اپنا سب کچھ اس کو نہ دے دو۔

الحمد للہ ہمارے مدارس کا یہ طبقہ ایسا ممتاز طبقہ ہے جن کی پوری زندگی علم کے لیے وقف ہوتی ہے۔

تعلیم و تعلم سب سے مقدم ہے:

میں کہا کرتا ہوں کہ جہاد بھی الحمد للہ بہت عظیم الشان عبادت ہے اس کے اتنے فضائل ہیں کہ دل چاہتا ہے کہ سارے کام چھوڑ کر بس جہاد ہی کیا جائے، اسی طرح تبلیغ بھی ایک عظیم عبادت ہے، جہاد انبیاء کرام علیہم السلام کی سنت ہے اور دعوت الی اللہ فرائض انبیاء میں داخل ہے اور تعلیم دین بھی عظیم الشان کام ہے لیکن ان میں ترتیب آپ

دیکھیں کہ جب غار حرا میں نزول قرآن کا آغاز ہوا تو تعلیم و تعلم کا سلسلہ اسی وقت سے شروع ہو گیا۔ اقرا باسم ربک۔ کی ابتدائی آیات حضرت جبریل امین علیہ السلام سے آنحضرت ﷺ تک پہنچائیں اور آپ ﷺ نے یہی آیتیں حضرت خدیجہ اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہما کو سنا دیں اس طرح تعلیم دین کا سلسلہ پہلے دن سے ہی شروع ہو گیا۔ دعوت الی اللہ کا سلسلہ تقریباً ڈھائی سال کے بعد جب سورہ مدثر کا نزول ہوا ہے اس وقت سے شروع ہوا۔ اور بہت بڑے پیمانے پر ہوا اور شب و روز کے مشاغل میں یہ بھی شامل ہو گیا۔

مدینہ آنے کے بعد جہاد کی فرضیت بھی آ گئی، لیکن آپ ترتیب دیکھیں سب سے پہلے تعلیم و تعلم ہے، اس کے بعد دعوت و تبلیغ اور پھر جہاد۔ اور یہ تینوں کام آپ ﷺ اپنی وفات تک انجام دیتے رہے ہیں، یہی تینوں ذمہ داریاں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سپرد کر کے گئے ہیں، جیش اسامہ تو اس وقت تیار ہی کھڑا تھا تھا وہ جہاد کے لیے گیا، مبلغین اپنی تبلیغ کا کام کرتے رہے، اور تعلیم و تعلم والے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اپنا کام کرتے رہے اور یہ تینوں سلسلے آج تک چلے آ رہے ہیں۔

لیکن جہاد ہو یا تبلیغ، ان میں سے کوئی بھی ہو علم کے بغیر نہیں ہو سکتا؟ اگر جہاد علم کے بغیر ہو تو وہ جہاد نہیں رہے گا بلکہ فساد فی الارض بن جائے گا، اور اگر تبلیغ علم کے بغیر ہو تو وہ الحاد اور بے دینی پھیلانے والا کام بن جائے گا، دین پھیلانے والا کام نہ رہے گا تو علم کی ضرورت جہاد و تبلیغ دونوں کیلئے ہے۔

پھر یہ کہ جہاد، پوری زندگی نہیں ہوتا، ایسا شاذ و نادر ہی کوئی ملے گا جس کی پوری زندگی جہاد میں لگی ہو۔ تبلیغی جماعت میں بھی کوئی تین روز لگائے، کوئی چالیس، کوئی چار مہینے اور کوئی سال لگائے، پھر واپس گھر تو آ جائے گا اور اپنی تجارت و زراعت یا ملازمت و مزدوری وغیرہ کے کام کرے گا۔

ہمارے طالب علمی کے زمانے میں ہمارے ایک دوست جو تبلیغ کے راستے میں

ماشاء اللہ بہت سرگرم تھے، ہم نے ساتھ ہی قرآن حفظ کیا تھا، پھر وہ سکول اور کالج کے راستے پر چل پڑے اور میں دارالعلوم کراچی کورنگی میں درس نظامی کا طالب علم تھا، ہم والدین سے ملنے کیلئے ہفتے بعد گھر آتے تو یہ دوست پہنچ جاتے اور کہتے کہ مکی مسجد چلو گے، ہم کہتے کہ اپنے والدین سے ملنے ابھی تو آئے ہیں، تو یہ کہتے کہ بھئی اللہ کے راستے میں نہیں چلو گے۔ ایک مرتبہ کہنے لگے کہ یار کبھی تو اللہ کے راستے میں نکلو؟ میں نے کہا کہ بھئی! میں اللہ کے فضل سے پورا ہفتہ اللہ کے راستے میں لگا کر آ رہا ہوں اور یہ ایک دن ہے جس میں والدین بھی انتظار میں ہوتے ہیں اور بہن بھائی بھی، تم عجیب آدمی ہو کہ ہر وقت اللہ کے راستے میں ہو حالانکہ تم کالج میں پڑھتے ہو اور تجارت بھی کرتے ہو، تبلیغ میں ایک ہفتہ میں سے صرف ایک رات کا کچھ حصہ لگاتے ہو۔ اور ہم کو اللہ نے اپنے فضل سے شب و روز اپنے راستے میں لگا رکھا ہے۔

والد صاحب فرمایا کرتے تھے کہ ہمارے تبلیغی بھائی، صرف اسی کو تبلیغی بھائی کہتے ہیں کہ مکی مسجد اور رائے ونڈ میں آئے، اور اگر وہ وہاں نہ آئے تو تبلیغی بھائی نہیں بنتا۔ فرماتے کہ میں نے تو پوری زندگی اللہ کے راستے میں دے رکھی ہے مگر میں تبلیغی بھائی نہیں، حالانکہ میں تبلیغ ہی کا کام تو کر رہا ہوں، تصنیف و تالیف کرتا ہوں، بیان کرتا ہوں، فتوے لکھتا ہوں، میں نے پوری زندگی لگا دی ہے مگر میں ان کے نزدیک تبلیغی بھائی نہیں ہوں۔ اگر میں چلہ لگا لیتا تو میں تبلیغی بھائی بن جاتا تو یہ کیا بات ہوئی؟

یہ سب باتیں ہم اس لئے نہیں کر رہے کہ خدانخواستہ اس تبلیغی کام کی اہمیت ہمارے دلوں میں نہیں ہے، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ہم اس کام کی اہمیت سے بخوبی واقف اور قدر دان ہیں یہ سمجھنا غلط ہوگا کہ کہ خدانخواستہ.......... خدانخواستہ تبلیغی کام کی اہمیت ہمارے دل میں نہیں ہے یا کم ہے۔ الحمد اللہ حضرت مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے یہ تبلیغی کام شروع کیا تھا اللہ نے اس میں بہت خیر و برکت رکھی ہے، اللہ کے فضل سے اس کا فائدہ پوری دنیا میں ہو رہا ہے۔ اللہ کا پیغام اس کام کی برکت سے دنیا کے گوشے

گوشے میں پہنچ رہا ہے۔

لیکن میں کہتا ہوں کہ ہر چیز کے درجات و مراتب ہوتے ہیں، یہ بھی عظیم الشان کام ہے، یہ سب ہمارے ہی کام ہیں تبلیغی کام ہورہا ہے تو وہ بھی ہمارا ہی کام ہورہا ہے، جہاد ہورہا ہے تو وہ بھی ہمارا ہی کام ہورہا ہے۔ اور جہاں درس وتدریس کا کام ہورہا ہے وہ بھی ہمارا ہی کام ہورہا ہے۔

درس وتدریس کے کام میں اللہ رب العزت نے ہمیں یہ نعمتیں دے رکھی ہیں کہ ہمیں باہر جانا نہیں پڑتا، کوئی ہمیں دھتکارتا نہیں ہے۔ ہم قال اللہ وقال الرسول میں یکسوئی سے مشغول ہوتے ہیں، ہمیں اللہ نے اپنے فضل سے اس کام میں لگا رکھا ہے یہ کتنی بڑی نعمت ہے، اللہ نے کتنا فضل فرمایا ہے۔

یہ مدارس کے طلبہ اور اہل علم کے لئے ایک نعمت ہونے کے ساتھ ساتھ اسلام کے قلعے ہیں۔

طالب علمی کا یہ زمانہ بڑی نعمتوں والا زمانہ ہے، اس میں صحت بھی ہے کہ اس سے اچھی صحت آپ کو پھر نہیں ملے گی، اس میں علم حاصل کرنے کے لیے فرصت اور یکسوئی بھی ہے آپ یہاں فارغ ہوں گے اور باہر نکلیں گے تو زندگی کے مسائل آپ کو گھیر لیں گے۔

عزیز طلبہ! آپ ہمارا مستقبل ہیں، آرزو ہیں، تمناؤں کا مرکز ہیں، ہم نے آپ سے بہت امیدیں وابستہ کی ہوئی ہیں، ہماری کشتی تو کنارے پر لگنے والی ہے، اب یہ ذمہ داریاں آپ کو سنبھالنی ہے۔ بس علم وتربیت حاصل کریں۔ اپنے علم کو مضبوط و مستحکم بنانا ہے اور اپنے عمل کو رسول اللہ ﷺ کی سیرت وسنت کے ڈھانچے میں ڈھالنا ہے۔ بس پھر تم ہی میر کارواں ہوں گے۔ کیا تم نے صحابہ کو نہیں دیکھا کہ پہلے کیا تھے اور تیئس سال حضور اکرم ﷺ کی صحبت سے پوری دنیا کے امام بن گے، عظیم انقلاب آ گیا، ان کا علم وحکمت، اخلاق وکردار، ان کی صلاحیتیں جزیرہ نمائے عرب سے نکل کر پوری دنیا میں پھیل

گئیں۔

کسی نے کیا خوب کہا کہ صحابہ کرام جب جزیرہ نمائے عرب سے نکل رہے تھے تو اونٹوں کی مہاریں ان کے ہاتھوں میں تھیں، لیکن دنیا نے دیکھا کہ دیکھتے ہی دیکھتے قوموں کی باگ ڈور ان کے ہاتھوں میں آ گئی۔

یہ اعجاز تھا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تربیت کا کہ ایک ایک صحابی کو ایسا بااخلاق انسان بنا دیا گیا تھا کہ ان کو دیکھ دیکھ کر لوگ مسلمان ہو جایا کرتے تھے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم زندگی کے تمام شعبوں میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت پر عمل کرتے تھے، سنت تو وہ ہے جو آدمی کو مٹی سے سونا بنا دے، سنت کیمیا ہے۔ لیکن ایک بات یاد رکھو کہ جب سنت کا لفظ آتا ہے تو ہمارے ذہنوں میں چند محدود سنتیں آتی ہیں۔ لیکن یہ بہت محدود مفہوم ہے۔

سنت کا وسیع مفہوم یہ ہے کہ اپنی زندگی کے تمام شعبوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت کو اختیار کرو۔ بوقت ملاقات آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چہرہ مبارک پر تبسم ہوتا تھا۔ ایک صحابی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ مجھے یاد نہیں کہ میں کبھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ملا ہوں اور آپ نے تبسم نہ فرمایا ہو۔ خندہ پیشانی یہ ہے کہ آپ ایسے انداز سے ملاقات کریں کہ سامنے والا یہ سمجھے کہ آپ کو اس سے مل کر خوشی ہوئی ہے۔ اور چہرے پر مسکراہٹ ہو یا کچھ مسکراہٹ کے آثار ہوں، یہ بھی تمہارے واسطے صدقہ ہے، پیسے نہیں دیئے تم نے لیکن ''ادخال السرور فی قلب المؤمن'' (یعنی کسی مومن کے دل میں سرور پیدا کرنا) یہ ایک مستقل اور زبردست عبادت ہے۔ یہ معمولی سنت نہیں، سلام وکلام واور کھانے پینے کی سنتیں اوران کے آداب کی رعایت رکھنا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ''من لم یشکر الناس لم یشکر اللہ'' کسی نے آپ کو راستہ بتا دیا تو آپ پر لازم ہے کہ آپ اس کے جواب میں ایسا کلمہ کہیں کہ جس سے اس کا شکریہ ادا ہو۔

شکر کی تعریف بزرگوں نے یہ لکھی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کوئی نعمت دیں تو دل میں دھیان ہو کہ یہ نعمت اللہ نے دی ہے، زبان سے اس پر خوشی کا اظہار ہو، اور پھر خاص

طور پر اس کا خیال رکھا جائے کہ معصیت الٰہی میں اس کا استعمال نہ ہو۔

ہماری تہذیب وثقافت آج یہودیوں نے اپنالی ہے جس کی وجہ سے دنیا کی ظاہری نظر میں وہ ترقی پذیر ہیں۔

جتنے مہذب شائستہ مما لک ہیں ان میں صفائی کے لئے عملہ نہیں ہوتا، جاپان جانا ہوا پورا شہر صاف تھا، معلوم ہوا کہ یہاں خاکروب بھی نہیں ہوتے، محلے دار خود صاف کرتے ہیں، ہر گھر والا سامنے کی جگہ صاف کر لیتا ہے، ہر ہفتہ کچرا اٹھانے والی گاڑی آتی ہے اور گھروں کے سامنے رکھے ہوئے ڈسٹ بن سے کچرا اٹھا کر لے جاتی ہے۔ یہ مسلمانوں کی صفات ہیں جو انہوں نے اپنالی ہیں۔آج لوگوں کے ذہن بدل گئے وہ سمجھتے ہیں کہ جو شخص جتنا زیادہ میلا کچیلا ہوتا ہے وہ اتنا ہی زیادہ زاہد ہے۔

ایک انگریز مسلمان ہوگیا، اس نے مسجد کی نالیاں گندی دیکھ کر صاف کرنی شروع کر دیں تو ایک بڑے میاں نے اس کو دیکھ کر کہا کہ میاں! تم مسلمان تو ہو گئے مگر ابھی تک تمہارے ذہن سے انگریزیت نہیں نکلی۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لعنت فرمائی ہے ایسے شخص پر جو مدینہ کے درختوں کو نقصان پہنچائے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جس راستے سے گذر جاتے وہ آپ کی خوشبو سے مہک جاتا۔

ہم نے یہ سنتیں چھوڑ رکھی ہیں۔ کپڑوں میں پیوند عیب نہیں، ہاں گندے ہونا عیب ہے، یہ سستی کی علامت ہے۔، سب چیزوں میں سنت کو زندہ کیجئے، رہائش کے کمروں میں، مطبخ کی قطار میں، ہر جگہ سنتوں کو زندہ کیجئے۔

کوئی کام ایسا نہ کریں جس سے ادنیٰ ناگواری کسی کو ہو، آپ اس بنیادی اصول کو اپنالیں، اس کو حرز جاں بنالیں تو ہزاروں سنتوں پر عمل ہو جائیگا، آپ کی زندگی خوشگوار اور نمونہ بن جائے گی۔ کمروں میں بتیاں بے ضرورت نہ جلائیں، مریض کا خیال رکھیں۔ دروازہ آہستہ بند کریں وغیرہ وغیرہ۔

جو مسلمانوں کے کرنے کے کام ہیں وہ آج غیر مسلم اقوام کر رہی ہیں، مہذب

ممالک میں اگر کوئی شخص سڑکوں پر کچرا پھینکے تو اس پر جرمانہ ہوجاتا ہے۔

ہمارے والد صاحب بڑی حکیمانہ بات ارشاد فرمایا کرتے تھے، فرماتے تھے کہ حق کبھی مغلوب نہیں ہوتا اور باطل کبھی غالب نہیں ہوتا اگر اس کے برخلاف دیکھو گے تو وہاں ضرور یہ ہوگا کہ کوئی باطل حق کے ساتھ شامل ہوا ہوگا تو وہ حق باطل کی وجہ سے مغلوب ہوگا اور اگر باطل غالب آیا تو اس کی وجہ یہ ہوگی کہ حق اس کے ساتھ مل جائیگا۔

ہمارے پاس اگر چہ ایمان ہے، لیکن پھر بھی ہم مغلوب ہیں ایک وقت ایسا تھا کہ ہماری بات پوری دنیا مانتی تھی اور اب جو کچھ ہو رہا ہے آپ سب اس سے واقف ہیں۔ پہلے زمانے کے یہودیوں کی عادت تھی کہ گندگی پھیلاتے تھے۔ہم نے کافروں کی برائیاں لے لیں تو باطل نے ہمیں مغلوب کر دیا۔نماز، روزے کا بنیادی فائدہ تو آخرت کا ثواب ہے۔

ایمان اور عمل صالح پر حکمرانی کا وعدہ ہے، اور عمل صالح میں پورا دین شامل ہے، صحابہ کرام نے پورے دین پر عمل کیا اللہ نے اپنا وعدہ پورا کر دیا، تو عمل صالح حکومت اور اقتدار کے لئے شرط ہے۔ آج کا سبق یہ ہے کہ سنت کو زندہ کیجئے اور سنت تقریروں سے زندہ نہیں ہوتی، بلکہ سنت عمل سے زندہ ہوتی ہے۔اور سنت کا مفہوم زندگی کے تمام شعبوں سے متعلق ہے، اور اس کی بیشمار جزئیات ہیں اور اس کا لب لباب یہ حدیث ہے کہ "المسلم من سلم المسلمون من لسانه ویده."

و آخر دعوانا ان الحمد للّٰہ رب العٰلمین